اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامیُ وَأدِلّتُہُ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلّہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائ کی آرائ
اوراہم فقہی نظریات پر مُشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مُطابق مُرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

جلد دوم

حصّہ سوم وچہارم

باب الصوم، باب الاعتکاف، باب الزکوٰۃ
باب الحج والعمرۃ، باب الأیمان والنذور والکفّارات

مؤلّف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجمین

سوم
مولانا محمد یوسف تنولی
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

چہارم
مُفتی ابرار حسین صاحب
فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار، کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

...........ملنے کے پتے...........

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین......جلد سوم

فہرست مضامین ..... جلد چہارم

اصطلاحات

تیسرا باب

صوم......روزہ۔

رویتِ ہلال......رمضان کا چاند دیکھنا۔

مطالع...... مطلع کی جمع ہے چاند کے طلوع ہونے کی جگہ۔

کفارہ......کسی گناہ کے ازالہ کے لئے شریعت کی طرف سے مقررہ مالی یا غیر مالی سرزنش۔

اعتکاف...... مسجد میں عبادت کی نیت سے بیٹھنا۔

معتکِف......اعتکاف بیٹھنے والا۔

معتکَف......وہ جگہ جہاں اعتکاف کیا جائے۔

چوتھا باب

زکاۃ......مخصوص مال میں سے مخصوص مقدار کا شریعت کے بیان کئے ہوئے مصارف میں صرف کرنا۔

مزکّی......زکوٰۃ دینے والا۔

مانع زکوٰۃ......ایسی چیز جو زکوٰۃ دینے میں رکاوٹ بن رہی ہو۔عذر۔

نقود......سونا، چاندی اور کاغذی کرنسی۔

معادن......معدن کی جمع ہے بمعنی کان۔

رکاز......زمین میں دفنایا ہوا خزانہ۔

شرکتِ مضاربت......ایسا معاملہ کہ ایک شخص دوسرے کو تجارت کے لئے اپنا سرمایہ دے اس شرط پر کہ تجارت کا نفع دونوں میں مقررہ تناسب کے ساتھ تقسیم ہو جائے گا۔

زروع......زرع کی جماع ہے بمعنی اناج۔

ثمار......ثمر کی جمع ہے بمعنی پھل۔

بنت مخاض......اونٹ کا مادہ بچہ جس کا ایک سال بھی ہو چکا ہو اور دوسرے میں چل رہا ہو۔

بنت لبون......اونٹ کا مادہ بچہ جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور تیسرے میں چل رہا ہو۔

حقہ......اونٹ کا بچہ جس کے تین سال مکمل ہو چکے ہوں۔

جذعہ......اونٹ کا بچہ جس کے چار سال مکمل ہو چکے ہوں۔ چھ ماہ کے بکروٹے اور دنبے کو بھی جذع کہا جاتا ہے۔ چھت کے شہتیر کو بھی جذع کہا جاتا ہے۔

خلیطین......ایسے دواشخاص جواپنی اپنی بکریوں کواکٹھا کرلیں۔

مصارف.....مصرف کی جمع ہے مرادوہ لوگ جوزکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

نصاب......مال کی وہ کم سے کم یازیادہ سے زیادہ مقدار جس کے ہوتے ہوئے زکوٰۃ واجب ہو۔

مؤلفہ قلوب......ایسے لوگ جوزکوٰۃ کے مستحق تو نہ ہوں لیکن تالیف قلب اوران کی دلگیری کے لئے حوصلہ افزائی کے طور پر مال زکوٰۃ دینا۔

مکاتب......وہ غلام جومال کے بدلہ میں اپنی آزادی خریدے۔

صدقہ فطر......مال کی مخصوص مقدار جورمضان کے بعدانسان پرواجب ہوتی ہے۔

وسق......عرب کاایک مخصوص پیمانہ جوساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے موجودہ زمانے میں اس کاوزن ایک کنٹل تین کلوگرام اور چھ گرام متعین کیا گیا ہے۔

مد......ایک قدیم پیمانہ جوتقریباً ۸۲۰ گرام کے برابر ہوتا ہے۔

صاع......یہ بھی ایک قدیم پیمانہ ہے جوچارمد کا ہوتا ہے۔

رطل......ایک پیمانہ جو ۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ کے برابر ہوتا ہے۔

پانچواں باب

حج......مخصوص وقت میں مخصوص مقام کی زیارت کرناحج ہے۔

عمرہ......ایام حج کےعلاوہ بقیہ ایام میں افعال حج اداکرناعمرہ ہے۔

احرام......مخصوص کپڑا جسے حاجی لوگ ایام حج میں لپیٹ لیتے ہیں۔

میقات......اس مخصوص مقام کوکہاجاتا ہے جہاں سے آگے بغیراحرام کے گزرناممنوع ہے۔

حل......وہ مقام جومیقات کے اندراورحرم سے باہر ہو۔

حرم......مکہ کے چاروں طرف موجودمقام کوحرم کہاجاتا ہے۔

آفاقی......ایساحاجی جوباہر سے آیا ہو۔

طواف......بیت اللہ کے گردچکرلگانا۔

سعی......صفااورمروہ کے درمیان دوڑلگانے کاسعی کہاجاتا ہے۔

عرفہ......مکہ میں ایک میدان ہے جہاں ۹ ذی الحجہ کوحجاج جمع ہوتے ہیں۔

وقوف......میدان عرفات میں ٹھہرنا۔

رمی......شیطان کوکنکریاں مارنا۔

جمرات......کنکریاں مارنے کی مخصوص علامات۔

ایام تشریق......ذی الحجہ کے پانچ ایام ۹،۱۰،۱۱،۱۲،۱۳ کوایام تشریق کہتے ہیں۔

حلق وتقصیر......بال مونڈنایاکاٹنا۔

جنایت......دوران حج ایسی کوتاہی کاارتکاب کربیٹھناجس کی وجہ سے دم واجب ہوتاہو۔

دم......ایام حج میں کوتاہی کی بناپرواجب ہوجانے والا جانور جسے حرم ہی میں ذبح کرنا ہوتا ہے۔

احصار......دشمن،خوف یا کسی اوروجہ سے احرام باندھنے کے بعد افعالِ حج کو جاری نہ رکھ سکنا احصار ہے۔

ہدی......وہ جانور جو قربانی کیلئے حرم لے جایا جارہا ہو۔

محصَر......جو شخص احرام باندھنے کے بعد افعال حج سے روک دیا جائے۔

مُحرم......احرام باندھنے والا۔

قلادہ......ہدی کے گلے میں جوتا وغیرہ باندھنا۔

محسر......منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وادی۔

محصب......منیٰ اور مکہ کے درمیان کی وادی۔

پہلی فصل......روزہ

اس فصل میں آٹھ مقامات بحث طلب ہیں۔

مباحث کا مختصر تعارف اور جائزہ:

پہلی بحث......اس مبحث میں ❶ ان امور کی وضاحت کی جائے گی: روزے کی تعریف، روزے کا رکن، وقت، روزے کے فوائد، رمضان المبارک کی فضیلت، شب قدر کی فضیلت اور رمضان میں تاریخی نقطۂ نظر سے پیش آنے والے اہم واقعات۔

دوسری بحث......اس مبحث میں روزے کی فرضیت اور روزے کی اقسام (فرض روزہ اور نفل روزہ) موضوع بحث ہوں گی۔

تیسری بحث......اس مبحث میں بیان ہوگا کہ روزہ کب واجب ہوتا ہے؟ نیز ماہ رمضان کے ثابت کرنے اور اختلاف مطالع کی تفاصیل زیر بحث ہوں گی۔

چوتھی بحث......اس مبحث میں روزے کی شرائط، روزہ واجب ہونے کی شرائط اور روزہ کے صحیح (درست) ہونے کی شرائط کا بیان ہوگا۔

پانچویں بحث......اس مبحث میں روزے کی سنن، ❷ آداب اور مکروہات کا تذکرہ ہوگا۔

چھٹی بحث......اس مبحث میں ان اعذار کا بیان ہوگا جن کی وجہ سے روزہ توڑنا مباح ہوجاتا ہے۔

ساتویں بحث......اس مبحث میں ان امور کا بیان ہوگا جن کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے نیز اس کے ذیل میں ان امور کا بھی تذکرہ ہوگا جن کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

آٹھویں بحث......اس مبحث میں روزے کی قضاء، کفارہ اور فدیہ کا بیان ہوگا۔

فصل کے آخر میں کچھ ملحقات ❸ (متعلقات، ضمیمہ جات) کا تذکرہ ہوگا جن کی وجہ سے روزے کی نذر کا پورا کرنا لازمی ہوتا ہے۔

جملہ مباحث اسی ترتیب بالا کے مطابق فرداً فرداً لائی جائیں گی۔ ❹

پہلی بحث

اس مبحث میں صوم (روزے) کی تعریف، وقت، فوائد، رمضان کی فضیلت، شب قدر کی فضیلت اور رمضان میں تاریخی حوالے سے

---

❶ الحمدللہ و کفی و سلام علی نبینا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد: مبحث: وہ موضوع اور عنوان جو زیر بحث آئے۔ ❷ سنن "سنت کی جمع ہے، سنت کا لغوی معنی "طریقہ" ہے، اصطلاح شریعت میں "وہ طریقہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیشگی کی ہے البتہ کبھی کبھار اس پر عمل کرنا ترک بھی کیا ہو، پھر اگر ہیشگی بطور عبادت کے ہو تو وہ سنن ھدیٰ ہیں اور اگر بطور عادت کے ہو تو وہ سنن زوائد ہیں (التعریفات للجرجانی ص ۸۸) ❸ ملحقات: ملحقة کی جمع ہے اور ضمیمة کے معنی ہے یعنی اس بحث میں متفرق مسائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ❹ یعنی جملہ مباحث جس ترتیب کے مطابق اجمالاً بیان کی گئی ہیں اسی ترتیب کے مطابق ان کی تفاصیل بھی لائی جائیں گی۔

پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ ہوگا۔

اس بحث میں تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد.....صوم (روزے) کی تعریف، رکن، وقت اور روزے کے فوائد کے بیان میں ہے۔

صوم کی تعریف.....صوم کا لغوی معنی کسی چیز سے رک جانا اور باز رہنا ہے، جیسے کہا جاتا ہے "صام عن الكلام"، یعنی فلاں شخص گفتگو کرنے سے باز رہا، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا:

إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

"میں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسے روزے کی منت مان رکھی ہے جس میں کلام کرنے کی مجھ پر بندش ہے"۔ بیان القرآن

سورت مریم ۱۹/۲۶ آیت میں "صوما" گفتگو کرنے سے باز رہنے کے معنی میں ہے، اسی طرح اہل عرب کا مقولہ ہے "صَامَ النَّهَارُ" یعنی دن آگے بڑھنے سے رک گیا، یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دوپہر کے وقت سورج کی رفتار سست پڑ جائے اور آگے بڑھنے سے رک جائے۔ ❶

شرعی تعریف.....طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزے کے اہل کا نیت کے ساتھ دن کے وقت مفطرات (وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے: جماع، کھانا، پینا وغیرہ) سے رکے رہنا روزہ ہے۔ ❷

تعریف کی وضاحت:.....مفطرات سے باز رہنے کا مطلب یہ ہے کہ پیٹ اور شرم گاہ کے جذبات کو پورا کرنے سے رک جانا، اسی طرح ہر ایسی چیز جو حسی ہو، کو پیٹ میں داخل کرنے سے باز رہنا جیسے دوائی وغیرہ۔

مفطرات سے رکنا مقررہ وقت میں ہو اور یہ وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ روزے کے اہل سے مراد عاقل بالغ مسلمان مرد اور عورت ہے بشرطیکہ حیض ونفاس سے پاک ہو۔

نیت.....نیت کسی کام کے کرنے کے لئے دل کا مصمم ارادہ ہے جس میں ذرہ برابر شک اور تردد نہ ہو، تعریف میں نیت کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تا کہ عبادت عادت سے ممتاز ہو جائے۔ ❸

---

❶.....صوم کا لغوی معنی مطلق امساک یعنی رک جانا، باز رہنا ہے خواہ کسی بھی چیز سے رکنا مقصود ہو، چنانچہ رُوبہ شاعر کہتا ہے خيل صيام وخيل غير صائمة تحت العجاج واخرى تلك الجما یعنی کچھ گھوڑے چارہ کھانے سے رکے ہوئے ہیں اور کچھ کھا رہے ہیں جبکہ گھوڑے غبار تلے کھڑے ہیں اور کچھ گھوڑے منہ میں لگام ہلا رہے ہیں۔ (بدائع الصنائع ۲/۲۰۹) صوم کا معنی رک جانا۔ جیسے کہا جاتا ہے "صامت الریح" ہوا کا رک جانا، اور کام سے رک جانا (المنجد ومصباح اللغات ۴۸۶) ❷اتنی بات واضح ہے کہ ہر چیز سے رک جانے سے لازم آتا ہے کہ انسان متضادات سے خالی ہو مثلاً نہ متحرک ہو، نہ ساکن، نہ کسی کام کا مرتکب ہو، نہ تارک، یقیناً یہ محال ہے لہٰذا امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے امساک (رکنا) روزہ ہے عام فقہاء نے سینگی لگوانے، دبر اور ناک میں دوائی ٹپکانے اور جان بوجھ کرتے کرنے سے رکے رہنے کو بھی تعریف کا حصہ بنایا ہے، گو بعض فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے لیکن ان کا انکار جمہور کے خلاف ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ۱/۲۶۴)۔ تعریفات میں ہے کہ روزہ نیت کے ساتھ صبح تا مغرب کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کا نام ہے اور لغوی معنی مطلق امساک ہے۔ (التعریفات للجرجانی ص ۹۷) ❸چونکہ روزہ مفطرات سے رکنے کا نام ہے بسا اوقات انسان کئی کئی دن تک کھاتا پیتا نہیں اور جماع نہیں کرتا جبکہ ہم اسے روزہ دار نہیں کہتے چونکہ اس نے روزہ رکھنے کی نیت نہیں کی ہوتی۔ نیز کھانا پینا اور جماع ایسی خواہشات ہیں جن کا دل میں داعیہ اور تقاضا پیدا ہوتا ہے ایسا کوئی شخص نہیں جو دن رات چوبیس گھنٹے ان تین امور میں لگا رہتا ہو کھانا پینا ضرورت کے وقت ہوتا ہے اور جماع نشاط کے وقت، لامحالہ بہت سا وقت ایسا گزرتا ہے جس میں ان امور سے امساک پایا جاتا ہے اور یہ امساک عادتاً ہوتا ہے جبکہ مقررہ وقت میں نیت کے ساتھ جو امساک ہوگا وہ عبادت میں شمار ہوگا۔

روزے کا رکن: شکم اور شرمگاہ کی خواہشات (اور جذبات) کو پورا کرنے سے باز رہنا، یا یوں کہا جائے کہ مفطرات سے باز رہنا روزے کا رکن ہے۔ ❶

اختلاف آئمہ کرام رحمہم اللہ...... احناف اور حنابلہ نے روزے کے رکن کو صرف اتنا ہی بیان کیا ہے، البتہ مالکیہ اور شافعیہ نے رکن میں ایک اور چیز کا اضافہ کیا ہے چنانچہ ان کے نزدیک رات کے وقت نیت کرنا بھی روزے کا رکن ہے۔ ❷

روزے کا وقت...... روزے کا وقت طلوع فجر (صادق) سے غروب آفتاب تک ہے۔

دلیل...... فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ...... البقرة ۲/ ۱۸۷ ❸

کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ تمہیں صبح کا سفید خط سیاہ خط سے ممتاز ہو جائے۔ بیان القرآن

آیت میں صبح کی سفیدی کو "الخیط" سے مجازاً تعبیر کیا گیا ہے، یعنی دن کی سفیدی رات کی تاریکی سے ممتاز ہو جائے۔ اس سے طلوع فجر کا معنی مستفاد ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بلال رات کے وقت اذان دے دیتا ہے، لہٰذا تم کھاتے پیتے رہو تا وقتیکہ ابن ام مکتوم اذان دے دے۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ "اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ" سے مراد صبح (کا ظہور) ہے، جبکہ سحری فجر سے قبل ہوتی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

طویل النہار مقامات میں روزے کا وقت...... اگر ایسا ہو کہ دن کی مقدار طویل ہو جائے جیسے بلغاریہ میں ہوتا ہے تو وہاں کے قریب ترین علاقے کے مطابق وقت کا اندازہ کر لیا جائے گا، یا مکہ مکرمہ کے وقت کے مطابق وہاں کے وقت کا اندازہ کر لیا جائے گا۔

فائدہ...... ایسے علاقے جہاں غروب شفق سے پہلے ہی طلوع فجر ہو جائے تو ان میں روزہ کے وقت کے اندازے میں مختلف اقوال ہیں ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

۱...... امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق قریب تر علاقہ جہاں غروب آفتاب کے بعد بقدر ضرورت کھانے پینے کا وقت مل جاتا ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

۲...... ہر چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے قبل صرف اتنا وقت افطار کے لئے رکھا جائے جس میں بقدر ضرورت کچھ کھایا جا سکے۔

۳...... دوسرے معمولی ایام میں روزے کی قضاء کرے۔

۴...... چوبیس گھنٹے کے اندر غروب والے ایام میں سب سے آخری دن میں ابتداء وقت عصر سے جتنی دیر بعد غروب ہوا تھا عصر سے اتنی دیر کے بعد افطار کر لے۔

---

❶...... رکن، بنیاد اور ستون کو کہتے ہیں یعنی وہ مرکز اور بنیاد جو روزے کی عمارت کو سہارا دیتی ہے اور اسی پر عمارت صوم کھڑی ہے، لہٰذا مفطرات سے رکے رہنا روزے کی اصل اور حقیقت ہے۔ ❷ احناف اور حنابلہ کے نزدیک نیت روزے کی شرائط میں سے ہے۔ جبکہ امام مالک کا ایک قول ہے کہ پورے رمضان کے روزے ایک ہی نیت سے جائز ہیں۔ اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث شرائط صوم میں آئے گی ان شاء اللہ۔ ❸ الخیط الابیض سے مراد فجر کی وہ ابتدائی پو ہے جو افق میں معترض ہوتی ہے اور کھینچے ہوئے دھاگے کی مانند ہوتی ہے۔ الخیط الاسود سے مراد رات کی تاریکی ہے جو سفیدی کے ساتھ ملی ہوتی ہے یوں سفیدی اور سیاہی کو دھاگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یہ من وجہ استعارہ ہے اور من وجہ تشبیہ ہے۔ (ملخص از کشاف ۱/ ۲۳۱)

۵.....مکہ مکرمہ کے وقت کو بنیاد بنا کر اس کے مطابق وہاں کے اوقات کا اندازہ کرلیا جائے۔ ملخص از احسن الفتاویٰ ۲/ ۱۱۳ و رد المحتار ۲/ ۱۹ ❶

روزے کے فوائد.....روزے کے روحانی اور مادی بہت سارے فوائد ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

۱: روزہ تقویٰ واطاعت کا اہم ذریعہ ہے:.....روزہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اہم ذریعہ ہے، روزہ دار مومن کو بے انتہا ثواب ملتا ہے، چونکہ روزہ ایسی عبادت ہے جو محض رب تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی کوئی حد نہیں، روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے، روزہ دار جنت کے مخصوص دروازے سے داخل ہونے کا استحقاق رکھتا ہے جو کہ صرف روزہ داروں کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس دروازے کو "ریان" کہا جاتا ہے ❷ جو شخص معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہو جائے وہ روزے کی وجہ سے عذاب سے دور رہتا ہے، روزہ آئندہ سال تک کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوتا ہے، اطاعت کی وجہ سے مومن اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے حق کو برقرار رکھتا ہے چونکہ روزے کا انجام تقویٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام واوامر کو بجالانے پر اکساتا ہے اور برائیوں سے دور رکھتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ۝ البقرہ ۲/ ۱۸۳

اے ایمان والو تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض تھا تا کہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ ❸

۲: روزہ صبر واستقامت کی اہم تربیت گاہ ہے.....روزہ فی نفسہ ایک تربیت اور مشق ہے جس سے مومن میں بے شمار عمدہ خصلتیں اور خوبیاں پیدا ہوتی ہیں، روزہ نفس کے لئے عظیم الشان مجاہدہ ہے اور خواہشات نفس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے شیطان کے لئے کار آمد تازیانہ ہے، روزے کی وجہ سے انسان میں صبر کی عادت پیدا ہوتی ہے پھر انسان محرومیوں کا ڈٹ کا مقابلہ کرسکتا ہے، خواہشات نفس، شدائد اور مصائب کا ہمت وحوصلہ سے مقابلہ کرتا ہے، چونکہ روزہ دار کے سامنے اس کا پسندیدہ کھانا پک رہا ہوتا ہے، قسم قسم کے کھانوں کی مختلف خوشبوئیں اس کے معدے کو برانگیختہ کررہی ہوتی ہیں، اس کی آنکھیں ٹھنڈے میٹھے پانی کے لئے للچارہی ہوتی ہیں لیکن بایں ہمہ وہ ان سب لذات سے باز رہتا ہے اور اذان کے وقت کا انتظار شروع کردیتا ہے۔

روزہ ہمیں امانتداری کا درس دیتا ہے.....روزہ امانت داری کا درس دیتا ہے اور ہمہ وقت روزہ دار کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ خواہ خلوت ہو یا جلوت تم رب تعالیٰ کی کڑی نگرانی میں ہو، چونکہ روزہ دار پر اللہ کے سوا کوئی نگران نہیں ہوتا، روزہ دار محض اللہ تعالیٰ کے لئے لذات وطیبات سے رکا رہتا ہے۔

روزہ خدا داد قوتوں کے لیے مقوی ہے.....روزہ قوت ارادی کو طاقت بخشتا ہے، عزیمت میں تندہی پیدا کرتا ہے، صبر کی تعلیم دیتا ہے، ذہن وفکر کے دھندلے آئینوں کو مجلی کردیتا ہے، آراء اور سوچ کو جلا بخشتا ہے، چنانچہ روزہ دار کی فکر رسا چوکنے سے باز رہتی ہے اور پیش آمدہ عوارض سے بے خبر نہیں رہتا۔

---

❶.....اس مسئلہ میں ہمارے آئمہ میں سے امام حلوانی، بلقانی اور برھان کبیر کا اختلاف بھی ہے۔ انشاء اللہ اس کا تذکرہ اوقات نماز کے ذیل میں آئے گا، مذکورہ اقوال میں سے چوتھا قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے اقرب اور اسہل ہے ہمارے اکثر علماء کا اسی پر فتویٰ بھی ہے، بایں ہمہ مبتلا بہ اگر ان میں سے کسی پر عمل کرے اس کے لئے سبھی میں گنجائش ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (از مترجم) ❷ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے قیامت کے دن اس دروازے سے روزہ دار داخل ہوں گے، ان کے علاوہ کوئی اور شخص اس دروازے سے داخل نہیں ہوگا جب روزہ دار داخل ہوجائیں گے پھر اسے بند کردیا جائے اور پھر کوئی اور نہیں داخل ہو سکے گا۔ (الترغیب والترھیب ۲/ ۸۲۔۸۳) ❸ روزہ رکھنے کا آیت میں اہم مقصد تقویٰ اور پرہیزگاری بیان کیا جاتا ہے چونکہ تقویٰ عبادت کا سرمایہ ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اے بیٹا، جب معدہ بھرا ہوا ہوتا ہے فکر اور سوچ پر نیند طاری ہو جاتی ہے، حکمت گنگ ہو جاتی ہے اور اعضاء میں عبادت کی ہمت نہیں رہتی۔''

روزہ ایک دستور العمل ہے......روزہ نظام وانصرام کی تعلیم دیتا ہے، چونکہ روزہ انسان کو محدود وقت میں کھانے پینے پر مجبور کرتا ہے اور مقررہ وقت میں لذات سے بہرہ مند ہونے کی اجازت دیتا ہے۔

روزہ ملی وحدت کا شاندار جذبہ ہے......روزہ چہار دانگ عالم کے جمیع مسلمانوں کی ملی وحدت کا منہ بولتا ثبوت ہے، چنانچہ سبھی مسلمان ایک ہی وقت میں روزہ رکھتے ہیں اور ایک ہی وقت میں افطار کرتے ہیں چونکہ مسلمانوں کا رب ایک ہے اور ان کی عبادت ایک ہے۔

روزہ اخوت و بھائی چارے کا درس دیتا ہے......روزہ انسان کے دل میں شفقت، رحمت، اخوت و بھائی چارے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، مسلمانوں کو ایک دسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا درس دیتا ہے، چنانچہ روزہ بھوک اور حاجتمندی کا احساس ودیعت کرتا ہے۔ مثلاً روزے سے دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور فقر وفاقہ اور مرض جیسے مصائب میں غمخواری سے سرشار کرتا ہے، یوں لوگوں کے درمیان اجتماعی روابط مضبوط ہوتے ہیں اور معاشرے کو پیش آنے والے حالات میں روزے سے تعاون کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

روزہ زندگی ہے......روزہ بالفعل انسانی جسم کو زندگی عطا کرتا ہے چونکہ روزے سے خلیوں میں جدت اور تازگی پیدا ہوتی ہے جو براہ راست انسانی جسم پر اثر انداز ہوتی ہے اور جو خلیے بوڑھے ہو کر ناکارہ ہو جاتے ہیں اور جسم کے لئے باعث فساد ہوتے ہیں روزہ جسم کو ان سے پاک کر دیتا ہے، روزہ معدے کو راحت پہنچاتا ہے اور نظام انہضام میں قوت پیدا کرتا ہے، جسم کو طرح طرح کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے، وہ فضلات اور فاسد مادے جو بدن اور معدے میں رہ جاتے ہیں، روزہ بدن کو ان فضلات سے پاک کر دیتا ہے، اسی طرح مضر مادے، بدبوئیں اور رطوبات جو مسلسل کھانے پینے سے معدے میں باقی رہ جاتی ہیں روزہ ان کی صفائی کر دیتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "صوصوا تصحوا" [1] روزے رکھو صحت مند رہو گے۔ عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ کا قول ہے۔ "المعدۃ بیت الداء والحمیۃ رأس کل دواء" یعنی معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سرمایۂ ادویات ہے۔

روزہ مزیل شہوت ہے......روزہ نفس کے لئے جہاد ہے، روزہ نفس کو دنیا اور گناہوں کی آلودگیوں سے خلاصی بخشتا ہے، شہوات و خواہشات کی حدت کو ختم کرتا ہے، روزہ نفس کو مہذب بناتا ہے اور انسان کے ماتحت بناتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نوجوانوں کی جماعت، تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (بیوی بچوں کا مہر اور نفقہ) ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہوا سے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے، چونکہ نکاح نظریں نیچی رکھنے اور شرم گاہ کو محفوظ رکھنے کا اہم ذریعہ ہے، جو شخص مجامعت کے لوازمات کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ وہ روزے رکھے چونکہ روزہ رکھنے سے جنسی ہیجان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ [2]

---

[1]......رواہ ابن السنی وابونعیم فی الطب عن ابی ہریرۃ وھو حدیث حسن۔ [2] رواہ الجماعۃ عن ابن مسعود (نیل الاوطار ۶/۹۹)

ا......مختصراً روزے کی چند حکمتیں اور فوائد مصنف نے نقل کئے ہیں ورنہ روزے کے فوائد اور حکمتیں کہیں زیادہ ہیں، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''ارکان اسلام'' میں اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں زبردست مقالہ نگاری کی ہے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: انسان روح اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے روح اس کو اپنے اصل منبع اور سرچشمہ کی طرف کھینچتی ہے، اس کو اس کا منصب، مرکز، مقصد اور فریضہ یاد دلاتی ہے، اس کے سامنے وہ روزہ کھولتی ہے جس سے وہ اس نئے عالم کی وسعت و بلندی اور لطافت و جمال کا مشاہدہ کر سکے، وہ اس کے دل میں اس کا شوق پیدا کرتی اور اس کا حوصلہ بڑھاتی ہے، کثیف وثقیل مادیت کے خلاف بغاوت پر اور اس قفسِ زریں سے رہائی پر اکساتی ہے، اور ان لامحدود وسعتوں میں پرواز کرنے پر اکساتی ہے، جو مادیت کی ان پستیوں سے کوئی

علاقہ نہیں رکھتیں، روح انسان کو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ وہ کبھی کبھی (خواہ سال میں ایک ہی مرتبہ ہو) خورد ونوش اور عادت وحاجت کے اس بندھے ٹکے نظام سے آزاد ہو کر زندگی کے چند لمحے گزارے، اسباب رزق کی فراوانی کے باوجود بھوک اور پیاس کا مزہ چکھے اور اس میں وہ لذت محسوس کرے جو انواع اقسام کے لذیذ ترین کھانوں میں بھی محسوس نہیں ہوتی، وہ اس مختصر وقفہ کو جو فراغ خاطر، سکون قلب، صفاء نفس، معدہ کی سبکساری ولطافت، روح کی بالیدگی خواہشات نفسانی سے آزادی اور زندگی کے خشک فرسودہ، یکساں اور بے رنگ نظام سے تھوڑے عرصہ کے لئے علیحدگی میں گزارتا ہے، زندگی کی اصل قیمت اور نفس کی تازگی سبک روی اور مسرت وانبساط کا بہترین وقت قرار دیتی ہے اور اس کے لئے اس طرح بے قرار رہتی ہے جس طرح کوئی پرندہ دن بھر کے سفر کے بعد شام کو اپنے آشیانے کے لئے بے قرار ہوتا ہے یا مچھلی پانی کے لئے۔ یہ سب اسی روح کا کرشمہ ہے جو عالم غیب اور عالم قدس سے اس کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ ارکان اسلام ص ۲۴۱

مولانا کے اس اقتباس کا خلاصہ اور مرکزی خیال یہ ہے کہ روزہ انسان کو مادیت کی تاریکیوں سے نکال کر روحانیت کے اجالوں میں لاتا ہے، یہی وہ مادیت ہے جس نے انسان کو انسانیت سے نکال کر سراپا شہوات اور مادیات بنادیا ہے، جس کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گم ہو کر انسان اپنا مقام اعلیٰ وارفع بھول چکا ہے لامحالہ روزہ انسان کو مادیت سے نہ صرف دور رکھنے کا اہم ترین سبب اور ذریعہ ہے بلکہ روحانیت سے سرشار کرتا ہے۔

مولانا تھوڑا آگے جا کر قمطراز ہیں:

جب روح کی گرفت انسان پر کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کے اثرات کم ہونے لگتے ہیں یا زائل ہو جاتے ہیں اور زمام اقتدار جسم کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو پھر انسان خواہشات نفس اور لذات پسندی کے دھارے میں بالکل بے قابو ہو کر بہنے لگتا ہے وہ آوارہ مویشیوں کی طرح ہر جگہ منہ مارتا ہے اسے کھانے پینے اور خواہشات نفس پوری کرنے کا جنون ہو جاتا ہے۔ ارکان اسلام ص ۲۴۳

گویا ان حالات میں مولانا کی نظر میں انسان پیٹ اور شرم گاہ کا غلام اور بندہ بن جاتا ہے اس کی تمام تر فکر وسوچ اور قلبی وذہنی قوتیں ان دو لذات وخواہشات کے گرد گھومتی ہیں جس کا نتیجہ حیوانیت اور درندگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ساری ترقی ودانائی کے باوجود اس کا مادی خوشحالی کی اس بلند ترین سطح پر ہوتے ہوئے بھی کولھو کے بیل اور زمین جوتنے والے جانور کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کا دائرۂ عمل صرف دو چیزوں کے درمیان محدود رہتا ہے کھانے کے کمرے (ڈائننگ روم) اور بیت الخلاء وہ ان دونوں کے سواء کسی اور مبداء ومعاد سے ناواقف اور اس طواف کے سوا کسی اور طواف وسعی سے ناآشنا رہتا ہے، کھانے پینے کے سوا اس میں ہر چیز کی خواہش مرجاتی ہے، آرام طلبی اور عیش پرستی کی حس کے سوا ہر طرح کی حس مرجاتی ہے۔ وہ اس لئے کھاتا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ کھا سکے۔ قرآن مجید نے اس طبقے کو حیوانوں سے تشبیہ دی ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

والذین کفرو ایتمتعون ویأ کلون کما تاکل الا نعام والنار مثوی لهم

اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں، بس آگ ان کا ٹھکانا ہے۔

دراصل یہ جسم کا مزاج اور خاصیت ہے جو روحانیت اور نبوت کی روشنی سے محروم سوائے نفس کا پرستار اور اپنے مرکز اصلی کی طرف مائل ہے اور خود بخود پستی کی طرف بڑھتا اور زمین پر گرتا ہے..... ارکان اسلام ص ۲۴۳

مولانا کی نظر میں کھانا پینا انسان کا مقصد نہیں بلکہ انسان کا مقصد اس سے بلند وبالا ہے، کھانا پینا محض ضرورت ہے، مولانا کی نظر میں متذکرہ بالا تمام تفاصیل تمہید ہیں اور مختلف مقدمات میں ان تمام مقدمات کو ملا کر یوں نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

نبوت نے تاریخ انسانی کے مختلف وقتوں اور کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں اس انسانیت کی چارہ سازی کی جو انتہا پسندانہ مادیت اور حیوانی بغاوت کی زد میں آکر ہلاکت سے قریب ہو چکی تھی، اس نے اخلاق وروحانیت، لطیف احساسات اور نفس کے مارے اور مادیت کے کچلے ہوئے مفلوج اور نیم جاں دل کو معدہ کی قساوت اور خواہشات کی آلودگی سے پاک وصاف کیا اور اس کو اس مقصد زندگی کی تکمیل کے لئے نئے سرے سے تیار کیا جس کو عبادت کہا جاتا ہے اور اس کو کمال آسانی سے آراستہ کیا جس کو ''ولایت'' کہا گیا ہے اور اس منصب اور اس مشن کی تکمیل کے قابل بنایا جس کی خاطر اس کو دنیا میں اتارا گیا ہے اور جس کو خلافت سے

تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ وہ کام ہے جو نہ تنہا فرشتوں والی روحانیت سے انجام پا سکتا تھا نہ بہائم والی مادیت سے اس کے لئے ہر سال ایسے روزہ کا انتظام کیا گیا جو معدہ پرستانہ مادیت میں کسی قدر تخفیف کر سکے، زندگی کے کھوئے ہوئے نشاط، تازگی اور قوت کو دوبارہ واپس لا سکے۔ ارکان اسلام ص ۲۲۷

مولانا کی نظر میں روزہ محض بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں اور انسانیت کا مقصد صرف کھانا پینا نہیں بلکہ قدرت حق نے انسان کو اس کا اعلیٰ وارفع منصب منصب خلافت عطا کیا ہے، لہٰذا جب انسان اپنی کارستانیوں اور عیاشیوں سے اس منصب کی اہلیت کو مردہ کر دیتا ہے تو قدرت حق نے انسان کو ایسا وظیفہ مشق عطا کیا ہے تاکہ اپنے کھوئے ہوئے منصب کو علیٰ وجہ الاتم پا سکے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے روزے کا ایک اور مقصد بیان کیا ہے چنانچہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اخلاق الٰہیہ میں سے ایک خلق کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے، جس کو ''صمدیت'' کہتے ہیں تاکہ وہ انتہائی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہو جائے، اس لئے کہ فرشتے خواہشات سے پاک ہیں اور انسان مرتبہ بہائم سے بلند ہے.....احیاء العلوم: ج ۱/ ۲۱۲

گویا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روزہ ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ انسان فرشتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے بلکہ وہ ترقی کر کے فرشتوں سے آگے بڑھ جاتا ہے چونکہ فرشتوں میں خواہشات کا مادہ سرے سے مسلوب ہے جبکہ انسان سراپا خواہشات ہوتے ہوئے اپنی خواہشات پر قابو پاتا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں بڑے عمدہ پیرائے میں روزے کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں: روزہ سے مقصود یہ ہے کہ نفس انسانی خواہشات اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہو سکے، اس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو اور اس ذریعہ سے وہ سعادت ابدی کے گوہر مقصود تک رسائی حاصل کر سکے۔ زاد المعاد ج ۱/ ۱۵۲

بایں ہمہ روزہ صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں ورنہ عادۃً انسان بھوکا رہے اور یہ جملہ جذبات اپنے قلب وجگر میں سلگاتا رہے پھر بھی وثوق سے کہا جائے گا کہ وہ روزے کی روح تک رسائی نہیں حاصل کر سکا، لہٰذا روزے کے ساتھ ساتھ دیگر موانع سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہے، تبھی یہ کہا جائے گا کہ ایک شخص نے روزے کی اسپرٹ کو حاصل کیا ہے ورنہ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔ پھر جملہ مقاصد واغراض فلسفے اور حکم ایک طرف ان سب پر کمان اس فکر سوچ اور حکمت کی ہے کہ روزہ رب تعالیٰ کا حکم اور اس کی عبادت ہے۔ اولین مقام اسی فکر کا ہے باقی جملہ اغراض ومقاصد ترغیبات ہیں اور ضمنی فوائد ہیں ورنہ مسلمان کا زاویہ نگاہ رب تعالیٰ کا حکم اور اس کی عبادت ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابن ہمام کی رائے میں روزے کی حکمت......ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں رقم طراز ہیں: روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے چونکہ اس کا نمبر کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ اور نماز کے بعد ہے، اللہ تعالیٰ نے روزے کو بے شمار فوائد کے پیش نظر مشروع کیا ہے ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

۱......روزہ نفس امارہ کی سرکشی کا قلع قمع کرتا ہے، حتیٰ کہ نفس امارہ کی سرکشی جو جملہ اعضاء آنکھ، زبان، کان اور شرم گاہ میں سرایت کی ہوتی ہے روزہ اسے ختم کر دیتا ہے، روزے سے نفس کی حرکت اور احساسات میں ضعف پیدا ہوتا ہے، اسی لئے مشہور مقولہ ہے۔ ''نفس جب بھوکا ہوتا ہے تو سب اعضاء سیر ہوتے ہیں جب نفس سیر ہو تو بقیہ اعضاء بھوکے ہوتے ہیں۔''

۲......روزہ موجب رحمت ہے، روزے سے مسکینوں پر رحمت وشفقت کا جذبہ اجاگر ہوتا ہے چونکہ جب روزہ دار بھوکا رہتا ہے تو اس کے دل میں مسکینوں کے بھوکا رہنے کا احساس جنم لیتا ہے حتیٰ کہ مسکینوں کو کھلانے پلانے کے لئے جلد بازی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

۳......روزہ دار یک گونہ فقراء کی موافقت کرتا ہے چونکہ جس طرح فقراء شدائد کو برداشت کرتے ہیں اسی طرح روزہ دار بھی (بھوک و پیاس وغیرہ) کے شدائد کے تیوروں کو ہنس کر جھیل جاتا ہے، اس مجاہدہ کے پیش نظر رب تعالیٰ کے ہاں اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

صاحبِ الیضاح کی رائے......روزہ دین اسلام کا عظیم الشان رکن ہے اور شرع متین کا باوثوق قانون ہے، روزے ہی سے نفس

امارہ کو مغلوب کیا جاسکتا ہے، روزہ دل کے اعمال کا محور ہے، روزہ دار اشیائے خوردونوش اور جماع سے دن کے اکثر حصہ میں رکا رہتا ہے اور یہ بہت ہی عمدہ خصلت ہے۔ قطع نظر اس کھانے پینے اور جماع سے رک جانا نفس کے لئے کوہ گراں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ ......الاحزاب ۳۳/۳۵

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

دوسرا مقصد......رمضان اور لیلۃ القدر کی فضیلت

رمضان مہینوں کا سردار ہے، اسی مہینے میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، یہ مہینہ طاعت وفرمانبرداری، قربت خداوندی اور لطف واحسان مغفرت ورحمت اور رب تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنے کا مہینہ ہے، اسی مہینہ میں "لیلۃ القدر" ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس مہینہ میں مومن کے دینی امور میں اس کی معاونت کی جاتی ہے، اس مہینے میں مومن کو بے شمار ایسے مواقع میسر آتے ہیں جن میں دعا قبول ہوتی ہے۔ ❶

احادیث میں رمضان المبارک کی فضیلت......رمضان المبارک کی فضیلت میں بیشمار احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱......رمضان المبارک کا مہینہ تمام مہینوں کا سردار ہے اور جمعہ کا دن بقیہ دنوں کا سردار ہے۔ ❷

اگر انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ رمضان میں کتنی برکات ہیں تو وہ تمنا کرنے لگیں کہ پورا سال رمضان ہی رہے۔ ❸

طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رمضان کی آمد پر ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان کا بابرکت مہینہ آچکا ہے، اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے، گناہ معاف کرتا ہے، اسی مہینہ میں دعا قبول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ تم آپس میں کتنی دوڑ لگاتے ہو، فرشتوں میں تمہارے اوپر فخر کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی طرف سے خیر وبھلائی پہنچانے والے بنو، بلاشبہ وہی شخص بدبخت ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہے۔

۲......حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ ❹

---

❶......روزہ اور قرآن مجید کا آپس میں گہرا تعلق ہے اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ تلاوت فرماتے تھے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہے اس مہینہ کو قرآن مجید کے ساتھ بہت خاص مناسبت ہے اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید اسی مہینہ میں نازل ہوا یہ مہینہ ہر قسم کی خیر وبرکت کا جامع ہے، سال بھر میں آدمی کو جتنی برکتیں نصیب ہوتی ہیں وہ سب اس مہینے کی برکات کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ۔ (مکتوبات ربانی ج ا ص ۸) مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں: زندگی نفس کی خواہشات اور عقل کے تقاضوں کی مستقل کشمکش کا نام ہے لیکن اس کشمکش میں ہمیشہ خواہشات کی ہی فتح ہوتی جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں ایسا خیال درحقیقت فطرت انسانی سے بدگمانی اور حقیقت سے روگردانی ہے۔ الخ (ارکان اربعہ ج ۲ ص ۲۸) ❷الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن مسعود وفیہ انقطاع (مجمع الزوائد ۳/۱۴۰)۔ ❸الطبرانی فی الکبیر وابن خزیمۃ فی صحیحہ والبیھقی عن ابن مسعود وفیہ راو من سندہ کلام۔ (مجمع الزوائد ۳/۱۴۱) ❹رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ (الترغیب والترھیب ۲/۹۷)

۳.....آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے درمیانی عرصہ میں ہونے والے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں بشرطیکہ جب انسان کبائر سے بچتا رہے۔ ❶

۴.....حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، لیکن روزے کے ثواب کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا۔ چونکہ روزہ دار میری خاطر ساری خواہشات اور کھانا پینا چھوڑتا ہے، روزہ دار کو دو طرح کی خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ ایک خوشی روزہ افطار کرنے کے وقت اور دوسری خوشی رب تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے وقت روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ ❷

ترمذی کی ایک روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رب تعالیٰ فرماتا ہے: ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے جو دوزخ سے بچاتا ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے، اگر کوئی نادان تم میں سے کسی روزہ دار پر زبان درازی کرے تو اسے چاہئے کہ کہے: میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں (یعنی میں تمہاری بری باتوں کا جواب بری باتوں سے نہیں دوں گا)۔

۵.....آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کا قیام کیا اس کے سابقہ گناہ (صغائر) بخش دیئے جاتے ہیں۔ ❸ یعنی جس شخص نے رمضان کی راتوں کو تراویح پڑھیں، ذکر و استغفار اور قرآن مجید کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اجر و ثواب کی تصدیق کی، ثواب کی نیت سے قیام کیا، رب تعالیٰ کی رضاء کے لئے خالص عمل کیا اور رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا تو حقوق العباد کے علاوہ اس کے سبھی گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، چونکہ حقوق العباد صاحب حق کے بری کر دینے پر موقوف رہتے ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرما دے۔

۶.....حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ شعبان کے آخری دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب کیا اور ارشاد فرمایا: اے لوگو، ایک عظیم برکت والا مہینہ تمہارے اوپر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں۔ اس کی راتوں کا قیام تمہارے لئے نفلی عبادت کے درجہ میں رکھا ہے، جو شخص اس مہینے میں نفلی عمل کرتا ہے گویا وہ غیر رمضان میں کوئی فرض عمل بجالاتا ہے، اور جو شخص رمضان میں ایک فرض بجالاتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرائض بجالائے۔

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ خیر خواہی اور غمگساری کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا تو یہ اس کی بخشش کا سامان ہوگا اور اسے دوزخ سے خلاصی مل جائے گی، نیز افطار کرانے والے کے لئے روزہ دار جیسا ہی ثواب ہوگا اور روزہ دار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم سب اس درجہ میں نہیں ہیں جو روزہ دار کی افطاری کا سامان پاتے ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اجر و ثواب اللہ تعالیٰ اس کو بھی دے دیتا ہے جو روزہ دار کو صرف کھجور سے افطار کرادے، یا پانی پلادے یا گھونٹ بھر دودھ پلادے۔ اس مہینے کا پہلا عشرہ رحمت ہی رحمت ہے، درمیانی عشرہ مغفرت کا ہے اور آخری عشرہ دوزخ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کا ہے، اس مہینے میں جو شخص اپنے غلام (خادم) کے کام میں تخفیف کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائے گا اور اسے دوزخ سے نجات دے گا۔

---

❶.....رواه مسلم عن ابی هريرة (الترغيب والترهيب ۲/۹۲) ❷ رواه مسلم عن ابی هريرة (الترغيب والترهيب ۸/۲) ❸ متفق عليه رواه اصحاب السنن الاربعة.

اسی مہینے میں چار چیزوں کی زیادہ سے زیادہ پابندی کرو۔ ان میں سے دو کام کر کے تم اپنے رب کو راضی رکھ سکتے ہو اور دو کام ایسے ہیں کہ ان سے کسی طرح مفر نہیں۔ اپنے دو کام جن سے تم اپنے رب کو راضی رکھ سکتے ہو وہ یہ ہیں، یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم اپنے رب کی بخشش طلب کرتے رہو وہ دو کام جن کے سوا کوئی چارہ کار نہیں وہ یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگتے رہو اور دوزخ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہو۔

جو شخص روزہ دار کو پانی پلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) میرے حوض سے پانی پلائے گا پھر جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس نہیں لگے گی۔ ❶

لیلۃ القدر......لیلۃ القدر کی تلاش اور جستجو میں لگے رہنا مستحب ہے، چونکہ یہ رات عظمت، شرافت اور فضیلت والی ہے، اس میں قبول دعا کی قوی امید رہتی ہے، یہ رات تمام راتوں سے افضل ہے حتیٰ کہ جمعہ کی رات سے بھی افضل ہے۔ ❷

چنانچہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ القدر ۹۷/ ۳

شب قدر ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے۔

یعنی شب قدر کا قیام اور اس رات میں کئے جانے والے اعمال ہزار مہینوں کے اعمال وقیام سے افضل ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کرتا ہے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ❸ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ جب آخری عشرہ آجاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری پوری رات بیدار رہتے اور اہل خانہ کو بھی بیدار رہنے کی تاکید کرتے اور تہبند کس کر باندھ لیتے۔ ❹ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے الگ ہو جاتے۔

امام احمد اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرے میں اس قدر جانفشانی سے عبادت میں مشغول ہو جاتے کہ اس کی مثال بقیہ دنوں میں نہیں ملتی تھی۔

شب قدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں مختص ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ ❺ علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بخدا! ابن مسعود کو معلوم ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے اور وہ ستائیسویں رات ہے۔ البتہ وہ تمہیں بتانا اچھا نہیں سمجھتے چونکہ تم بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤ گے۔ ❻

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلۃ القدر، ستائیسویں رات ہے نیز اس مؤقف کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی قوت دیتا ہے کہ سورۃ القدر کے تیس کلمات ہیں ❼ اور ستائیس کا عدد، تیس میں آتا ہے۔ ❽

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ”جو شخص لیلۃ القدر کو تلاش کرتا ہو وہ اسے

---

❶......رواه ابن خزيمة وقال صحيح ورواه من طريق البيهقي ورواه ابو الشيخ وابن حبان في الثواب۔ ❷ حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے المهذب (۱/ ۱۸۹) المجموع: ۶/ ۴۹۲) المغني ۳/ ۱۷۸ وكشاف القناع ۲/ ۴۰۱۔ ❸ رواه البخاري وابو داؤد والترمذي والنسائي عن ابي هريرة۔ ❹ متفق عليه (نيل الاوطار) ❺ متفق عليه عن ابي سعيد الخدري وابي زر۔ ❻ رواه الترمذي وصححه۔ ❼ رواه ابوداؤد مرفوعاً والراجح وقفه على معاوية وله حكم الرفع (سبل السلام ۲/ ۱۷۶)۔ ❽ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ شب قدر کی تعیین میں چالیس اقوال ہیں اور راجح اقوال یہی ہیں کہ شب قدر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے، صنعانی کہتے ہیں، کہ زیادہ واضح قول یہ ہے کہ وہ آخری سات راتوں میں ہے۔

ستائیسویں رات میں تلاش کرے۔

لیلۃ القدر کے اخفاء میں حکمت......شب قدر کومخفی رکھنے میں یہ حکمت ہے تا کہ لوگ اس کی تلاش میں لگے رہیں اوراس کی تلاش میں زیادہ سے زیادہ عبادت کریں۔جیسے کہ جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کومخفی رکھا گیا ہے،اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسم اعظم بھی مخفی رکھا ہے اور نیکیوں پر مرتب ہونے والی رضا کوبھی مخفی رکھا ہے وغیر ذالك۔

لیلۃ القدر میں کی جانے والی دعا......مومن کے لئے مستحب ہے کہ وہ لیلۃ القدر میں یہ دعا پڑھتا رہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ، تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّیْ

یااللہ!تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنا تجھے پسند ہے لہٰذا مجھے معاف فرما۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ انہوں نے عرض کی:یارسول اللہ!اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو کیا کہوں؟آپ نے فرمایا:کہو:

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ، تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّیْ ❶

لیلۃ القدر کی علامات:......اس بارے میں مشہور وہی روایت ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس رات کی صبح کوسورج واضح طلوع ہوتا ہے اور شعاعیں نہیں ہوتیں۔

بعض احادیث میں ہے:"ٹکیہ کی مانند طلوع ہوتا ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ"وہ کھلی ہوئی صاف وشفاف رات ہوتی ہے،اس میں چاند کھلا ہوا ہوتا ہے،(وہ رات)معتدل اور سکون والی ہوتی ہے،نہ سردی ہوتی ہے اور نہ ہی گرمی،سورج ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے،اس رات ستارے شیاطین کونہیں مارے جاتے۔حتیٰ کہ صبح ہوجاتی ہے،اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس رات صبح کو سورج بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے،جس طرح چودھویں رات کا چمکتا ہوا چاند۔اس دن سورج کے ساتھ شیطان کو نکلنے سے روک دیا جاتا ہے۔❷

ابن خزیمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ:لیلۃ القدر معتدل رات ہوتی ہے اس میں زیادہ گرمی ہوتی ہے اور نہ ہی زیادہ سردی،اس دن کا سورج ہلکی سرخی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس رات میں نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے اور نہ زیادہ سردی یہ رات معتدل اور صاف وشفاف ہوتی ہے،لیلۃ القدر کی علامات میں اور بھی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک حدیث ابن ابی شیبہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے،ایک حدیث ابن خزیمہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے اور ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اور ایک حدیث ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

تیسرا مقصد!رمضان کے اہم تاریخی واقعات......رمضان المبارک میں بے شمار اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱:نزول قرآن......سب سے اہم واقعہ نزول قرآن کا ہے چنانچہ قرآن کریم رمضان کی پچیسویں رات نازل ہوا۔پھر رمضان میں

---

❶......رواہ الخمسة احمد واصحاب السنن غیر ابی داؤد وصححه الترمذی والحاکم۔❷ مشائخ نے لکھا ہے کہ لیلۃ القدر کو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتی ہے مگر ایسی چیزوں کا تعلق امور کشفیہ سے ہے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔

کئی واقعات رونما ہوئے جو اس بات پر دال ہیں کہ اسلام امور کی اتنی ہی رعایت کرتا ہے جتنا کہ ان کا حق ہے، مزید یہ کہ روزہ فی الواقع قوت، جہد مسلسل اور عمل کی نمایاں علامت ہے، ایسا نہیں کہ روزے سے کمزوری، لاغری، بزدلی اور جنگ سے بھاگنے جیسے امور آتے ہوں، چنانچہ مسلمان بقائم زیست مصروف عمل رہتا ہے، اور زمانے کے تقاضے کو پورا کرتا ہے، چنانچہ کوئی دینی عمل معاشی اور حیاتی کاروبار سے غافل نہیں کرتا، اس کے عزم اور ہمت کے آگے دنیوی خواہشات ہیچ ہوتی ہیں، حتیٰ کہ کھانے پینے کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتا۔ باوجود یکہ اس کا کام اور کاروبار زندگی بقیہ مہینوں کی طرح رواں دواں رہتا ہے، مسلمان کے لئے ایسا کہنا روا نہیں کہ روزہ کاروبار زندگی کو معطل کر دیتا ہے اور معاشرے کی روزمرہ کی مصروفیات کو موخر کر دیتا ہے ❶ چنانچہ اسلام کا اعلیٰ معیار مشہور و معروف ہے اور اس کا قیام جہاد سے ہوتا ہے، چنانچہ اللہ کے دین میں آسانی ہے تنگی نہیں، بایں ہمہ اعذار کی بناء پر روزہ افطار کرنا مباح قرار دیا ہے، مثلاً حالت سفر اور حالت جنگ میں روزہ نہ رکھنا مباح ہے حتیٰ کہ یہ حکم لگا دیا گیا کہ متذکرہ بالا حالات میں روزہ رکھنے والا حد سے تجاوز کرتا ہے اور رب تعالیٰ کے حضور جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے، جبکہ حالت جہاد میں روزہ نہ رکھنے والا پورا اجر و ثواب لوٹ لیتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن بیان فرمایا۔

چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ نہیں رکھا، ہم ذیل میں چند اہم تاریخی واقعات بیان کرتے ہیں اور انہی پر اکتفا کرتے ہیں جو مشہور ہیں، یہ واقعات نفوس کی پاکی، طہارت، اور بلندی پر دال ہیں نیز یہ کہ رمضان المبارک کے ایام میں خیر و نصرت اور فضل خداوندی پورے جوبن پر ہوتا ہے، بشرطیکہ قلوب رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ...... آل عمران ۳/ ۱۲۶

مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

۲: معرکہ بدر کبریٰ:......واقعہ بدر کو ''یوم الفرقان'' کہا جاتا ہے، چونکہ میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق کیا تھا، اس دن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو سچا غلبہ عطا کیا تھا، توحید و رسالت، فکر و عمل، درستی حیات اور اعلیٰ اخلاق کو ترقی ملی جبکہ شرک و بت پرستی اور انسانی احترام کی پامالی مورد انحطاط ہوئی۔

بدر کبریٰ کا واقعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری میں واقع ہوا اور یہ جمعہ کا دن تھا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ آل عمران ۳/ ۱۲۳

اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم بے یار و مددگار تھے تاکہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور شکر ادا کرو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بدر کبریٰ کا واقعہ ۱۷ رمضان المبارک کو پیش آیا اور اس دن اس امت کا فرعون یعنی ابوجہل قتل ہوا اور وہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

۳: فتح مکہ:......فتح مکہ کو ''فتح اکبر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾ الفتح ۴۸/ ۱

ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی ہے۔

---

❶......رمضان ۱۴۲۵ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۵ء میں کشمیر اور اس کے ملحقہ علاقہ جات میں آنے والے زلزلہ میں اس چیز کا مشاہدہ ہوا، ہم نے الحمد للہ قہوے کی پیالی پی کر چند روزے رکھے قبریں کھودیں، معمولات زندگی بحال رکھے اور الحمد للہ روزے میں کوتاہی نہیں ہونے دی پھر دوسرے سال ۲۰۰۶ء میں رمضان آیا مکانات کی تعمیر بڑے زور و شور سے ہوئی اکثر کام روزہ رکھ کر کیا، ہمت و حوصلہ جواں رہا، روزے بھی رکھے اور یہ داعیہ نہیں پیدا ہوا کہ فلاں کام مؤخر کر دیا جائے، جبکہ اس دوران ایسے لوگ بھی دیکھے گئے جنہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ زلزلے نے روزہ کو حلال کر دیا ہے۔ معاذ اللہ (از مترجم)

فتح مکہ کا واقعہ بروز جمعۃ المبارک ۲۰ یا ۲۱ رمضان ۸ھ میں پیش آیا، اس کے ساتھ ہی بت پرستی کی رسم کا خاتمہ ہوا اور کعبۃ اللہ کے آس پاس سے بتوں کا صفایا ہوا، رمضان پانچ ہجری میں مسلمانوں نے غزوۂ خندق کے لئے تیاری شروع کی تھی جو اسی سال شوال کے مہینے میں پیش آیا۔

۴: غزوۂ تبوک......۹ھ ماہ رمضان میں غزوۂ تبوک کے بعض واقعات پیش آئے، رمضان ہی میں ''جنگ قادسیہ'' کا عظیم الشان معرکہ، معرکہ بویب اور رودس کی فتح ہوئی۔

۵: یمن میں اسلام کا پھیلاؤ......۱۰ھ ماہ رمضان میں یمن میں اسلام پھیلا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دستے کا امیر مقرر کر کے یمن روانہ کیا اور انہیں ایک مکتوب بھی سونپا۔

۶: انہدام عزیٰ......۲۵ رمضان المبارک ۸ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ چوبارہ منہدم کر دیا جس میں عزیٰ کی پرستش کی جاتی تھی جبکہ عزیٰ مقام نخلہ میں تھا، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ۔ ''وہی ہے عزیٰ (جس کا یہ حال ہوا) کبھی بھی عزیٰ کی عبادت نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دستے بتوں کو منہدم کرنے کے لئے روانہ کئے۔ [1]

۷: انہدام لات:......رمضان ۹ھ قبیلہ ثقیف کا وفد طائف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا، اسی سال رمضان میں لات بت منہدم کروایا، قبیلہ ثقیف اس بت کو پوجتے تھے۔

۸: واقعہ زلاّقہ......۲۵ رمضان المبارک ۴۷۹ھ جمعہ کی صبح واقعہ زلاّقہ پیش آیا (زلاقہ پرتگال کے قریب واقع ہے) اس واقعہ میں مرابطین مسلمانوں کے لشکر کو فتح نصیب ہوئی مسلمانوں کے لشکر کی قیادت یوسف بن تاشفین کے ہاتھ میں تھی، جبکہ فرنگیوں کے لشکر میں ۸۰ (اسّی) ہزار جنگجو شامل تھے اور وہ فونس نامی جرنیل کی قیادت میں تھے۔

۹: واقعہ عین جالوت......عین جالوت بیسان اور نابلس کے درمیان ایک قصبہ ہے، یہ واقعہ جمعہ کی صبح ۱۵ رمضان ۶۵۸ھ مطابق ستمبر ۱۲۶۰ میں پیش آیا، مسلمانوں کے لشکر کی قیادت سلطان قطز کر رہے تھے، انہوں نے ''واسلاماہ'' (ہائے اسلام) کا دلسوز نعرہ لگایا تھا اس معرکہ میں سلطان کو منگولیوں پر فتح نصیب ہوئی تھی اور منگولی پیٹھ پھیر کر بھاگے تھے۔ اسی سال مصر اور بلاد شام کا اتحاد ہوا، یوں مسلمانوں اور ان کے بلاد کو منگولیوں سے نجات ملی جس طرح صلاح الدین ایوبی کو صلیبیوں کے خلاف فتح نصیب ہوئی تھی۔

۱۰: فتح اندلس......فتح اندلس کا واقعہ ۲۸ رمضان ۹۲ھ موافق ۱۹ جولائی ۷۱۱ء میں طارق بن زیاد کی قیادت میں پیش آیا۔ طارق بن زیاد نے جبل طارق (حالیہ جبل الٹرا) پر قبضہ کر لیا اور کشتیاں جلا ڈالیں اور لزریف کے ٹڈی دل لشکر کو منہ کی کھانی پڑی اور بھیڑ بکریوں کی طرح ہلاک ہوئے اس موقع پر طارق بن زیاد نے تاریخی خطاب کرتے ہوئے اپنے لشکر سے کہا تھا ''تمہارے پیچھے سمندر ہے اور تمہارے سامنے دشمن ہے۔'' الخ اس کے بعد لگاتار قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ (اندلس کے دارالحکومت) کی فتوحات ہوئیں۔

---

[1] ......۲۵ رمضان کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ کے انہدام کے لئے بھیجا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواع بت کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا، ۲۶ رمضان کو حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منات بت منہدم کرنے کے لئے بھیجا۔ واضح رہے لات بت ثقیف کا تھا، عزیٰ غطفان کا تھا اور منات ایک چٹان تھی، ہذیل اور خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے (تفسیر کشاف، ابن کثیر وروح المعانی ذیل تفسیر سورت النجم والبدایہ والنہایۃ لابن کثیر ۴/۳۱۶)

۱۱: معرکہ عبور...... ہماری سرزمین (مصنف کا علاقہ) کو صلیبیوں کے ناپاک قدموں سے پاک کرنے کے لئے ۱۰ رمضان ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳م کو واقعہ عبور پیش آیا، چنانچہ یہود نے نہر سویز کا مغربی کنارہ قبضہ میں لے رکھا تھا اور عرصہ سات سال سے صہیونیوں کے قبضہ میں چلا آرہا تھا، چنانچہ جون ۱۹۶۷ء، ۱۰ رمضان المبارک کو شام کی سرحدوں تک صہیونی جا پہنچے تھے اور اپریل ۱۹۶۸ء میں فلسطینی مجاہدین نے دشمن کو ایسا سبق سکھایا جو کبھی نہ بھولے گا جبکہ فلسطینیوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ یہ واقعہ بھی رمضان میں پیش آیا۔

دوسری بحث...... روزے کی فرضیت اور روزے کی اقسام

روزے کی فرضیت اور اس کی تاریخ...... رمضان کے مہینے کے روزے اسلام کا ایک رکن ہیں اور فریضہ ہیں ❶ چونکہ قرآن، سنت اور اجماع سے اس پر دلیل قائم ہے۔

کتاب اللہ...... روزے کے فرض اور رکن ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ البقرۃ ۲/ ۱۸۳

اے ایمان والو! روزے تمہارے اوپر فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر روزے فرض کئے گئے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

سنت...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

۱...... یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

۲...... نماز قائم کرنا۔

۳...... زکوٰۃ دینا۔

۴...... رمضان کے روزے رکھنا۔

۵...... اور جو شخص طاقت رکھتا ہو اس کا بیت اللہ کا حج کرنا۔ ❷

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص بکھرے ہوئے بالوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے روزوں میں سے مجھ پر کیا فرض کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے روزے فرض کئے ہیں۔ عرض کیا: کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر روزے فرض ہیں؟ فرمایا: نہیں، ہاں البتہ اگر تم چاہو تو نفلی روزے رکھ سکتے ہو۔ عرض کیا: مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زکوٰۃ میں سے کیا فرض کیا ہے؟ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کے شرائع (قوانین واحکام) سے آگاہ کیا۔ پھر وہ شخص بولا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو شرافت بخشی ہے میں اس میں زیادتی نہیں کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کمی نہیں کروں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس شخص نے سچ کہا تو کامیاب ہو گیا یا فرمایا: اگر سچ کہا تو جنت میں داخل ہوگا۔ ❸

اجماع...... تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔

---

❶...... رکن اور فرض کے درمیان یہ فرق ہے کہ رکن کا اعتقاد واجب ہے اور عمل اس کے بغیر تمام نہیں ہوتا، چاہے رکن فرض کا ہو یا نفل کا، جبکہ فرض کو اگر ترک کر دیا جائے تو اس پر عتاب ہوتا ہے، ارکان اسلام سے مراد ہے کہ وہ امور جن پر عمارت اسلام قائم ہو چنانچہ جب کوئی رکن مفقود ہوگا اسلام ناتمام ہوگا۔ ❷ رواہ البخاری ومسلم من طرق کثیرۃ عن ابن عمر۔ ❸ متفق علیہ بین البخاری ومسلم۔

تاریخ فرضیت......اس پر امت کا اجماع ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد ۱۰ شعبان ۲ھ میں (یعنی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد) روزے فرض ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوسالوں میں نومرتبہ رمضان کے روزے رکھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۱ھ ربیع الاول میں وفات پائی۔ ❶

روزے کا منکر......رمضان کے روزے کا منکر کافر ہے اور اس کے ساتھ مرتد جیسا معاملہ کیا جائے گا، اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی اگر اس نے توبہ کرلی تو توبہ قبول ہوگی ورنہ حداً قتل کیا جائے گا۔ ❷ البتہ روزے کو سستی کی وجہ سے چھوڑنے والا کافر نہ ہوگا بلکہ فاسق ہوگا۔

روزے کی اقسام

روزے کی چار قسمیں ہیں روزہ واجب، روزہ نفلی، حرام اور مکروہ۔

احناف کے نزدیک روزے کی اقسام......احناف کہتے ہیں کہ روزے کی آٹھ قسمیں ہیں: ❸

۱......فرض معین جیسے رمضان کا روزہ۔

۲......فرض غیر معین، جیسے رمضان کے روزے کی قضاء اور کفارات کا روزہ۔

۳......واجب معین جیسے نذر معین کا روزہ۔

۴......واجب غیر معین جیسے نذر مطلق کا روزہ۔

۵......نفلی مسنون جیسے عاشوراء کا روزہ۔

۶......نفلی مستحب جیسے ہر مہینے میں ایام بیض کے روزے۔

۷......مکروہ تحریمی جیسے عیدین کا روزہ۔

۸......مکروہ تنزیہی جیسے تنہا عاشوراء کا روزہ اور صرف ہفتہ کے دن کا روزہ اسی طرح نیروز اور مہرجان کا روزہ۔

پہلی قسم......واجب: واجب روزے کی تین قسمیں ہیں: ❹

۱......وہ روزہ جو نفس زمانہ سے واجب ہو اور وہ ماہ رمضان کے روزے ہیں۔

۲......وہ روزہ جو کسی علت کی وجہ سے واجب ہو جیسے کفارات کے روزے۔

۳......وہ روزے جو انسان اپنے تئیں اپنے اوپر واجب کرلے جیسے نذر کے روزے۔

لازمی روزہ حنفیہ کے نزدیک......حنفیہ کے نزدیک لازم روزہ دو طرح کا ہے فرض اور واجب۔ پھر فرض روزہ کی دو قسمیں ہیں: معین جیسے رمضان کے روزے (اداء) غیر معین جیسے رمضان کی قضا اور کفارات کے روزے، البتہ کفارے کے روزے عملی طور پر فرض ہیں اعتقادی طور پر فرض نہیں، اسی لئے کفارہ کے روزے کی فرضیت کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ ❺

---

❶......تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں المجموع ۲۷۳/۶ والدر المختار ۱۰۹/۲ وکشاف القناع ۳۴۹/۲ وبدایة المجتهد ۲۷۴/۱ والمغنی ۸۴/۳۔ ❷ روزے سے صریح انکار کفر ہے اور منکر مرتد ہے اسے تین دن تک حبس (قید) میں رکھا جائے گا اور اس کا شبہ دور کیا جائے گا اگر توبہ تائب ہوگیا تو بہت اچھا ورنہ اسے مرتد سمجھ کر قتل کردیا جائے گا۔ جبکہ عورت قتل نہیں کی جائے گی بلکہ قید دوام میں رکھی جائے گی حتیٰ کہ توبہ کرلے۔ ❸ محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کا روزہ۔ ❹ روزے کی اصلاً چار ہی قسمیں ہیں اب ان کی آسانی فہم کے لئے ۸ قسمیں بنائی گئی ہیں۔ ❺ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے فمن شهد منكم الشهر فليصمه، اس سے رمضان کے روزے کی فرضیت ثابت ہوئی پھر فرمایا: ''فمن كان منكم مريضاً او علىٰ سفر فعدة من ايام اخر'' اس سے قضائے رمضان کی فرضیت ثابت ہوئی اسی طرح کفارہ ظہار کے متعلق فرمایا ''فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل ان يتماسا۔'' اور کفارہ یمین کے متعلق فرمایا: ''فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام'' ان دلائل کی روشنی میں احناف نے فرض روزہ کی تین قسمیں مقرر کی ہیں۔

واجب روزہ کی بھی احناف کے نزدیک دو قسمیں ہیں۔ معین جیسے نذر معین کا روزہ اور غیر معین جیسے نذر مطلق کا روزہ اور فاسد کیے ہوئے نفلی روزے کی قضاء۔

دوسری قسم حرام روزہ...... جمہور اس قسم کو حرام روزہ سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ روزہ مکروہ تحریمی ہے۔ [1] اس قسم کے روزہ کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

۱: عورت کا نفلی روزہ رکھنا...... خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا نفلی روزہ رکھنا، ہاں البتہ اگر خاوند کو بیوی کی حاجت نہ ہو جیسے خاوند سفر پر ہو یا حج وعمرہ کا احرام باندھا ہو یا اعتکاف میں بیٹھا ہو تو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے تو اس کا یہ روزہ حرام (مکروہ تنزیہی) نہیں ہوگا۔

چنانچہ متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے۔ چونکہ خاوند کا حق فرض ہے اور نفلی عبادت کی وجہ سے حق فرض کو چھوڑنا حلال نہیں، اگر بیوی نفلی روزہ خاوند کی اجازت کے بغیر رکھ لے تو روزہ صحیح ہوگا مگر خاوند کو افطار کرانے کا حق حاصل ہے چونکہ خاوند کا حق اور اس کا احتیاج موجود ہے۔ روزے کی یہ قسم احناف کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

۲: یوم شک کا روزہ...... یوم شک سے مراد تیسویں شعبان ہے، جب لوگوں کو اس دن کے متعلق شک ہو جائے کہ آیا یہ رمضان کا پہلا دن ہے یا شعبان کا آخری دن۔ اس دن کی تعبیر میں فقہاء کی عبارتیں قریب قریب ہیں البتہ یوم شک کے روزہ کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اور اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص کی عادت ہے کہ وہ مثلاً پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتا ہے اور اتفاقاً ۳۰ شعبان کو ان میں سے کوئی دن آ گیا اور اس نے حسب عادت روزہ رکھ لیا تو اس کا یہ روزہ مکروہ نہیں ہوگا۔ البتہ بالاتفاق اس کا روزہ رکھنا مباح ہے۔

احناف...... احناف کے نزدیک یوم شک شعبان کا آخری دن یعنی ۳۰ شعبان ہے جبکہ انسان کو بادلوں کی وجہ سے اس دن کے یکم رمضان یا آخری شعبان ہونے میں شک ہو، لیکن اگر مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہیں آیا تو ایسی صورت میں یہ ''یوم شک'' نہیں ہوگا۔

حکم...... احناف کے نزدیک یوم شک کا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ جب روزہ دار یہ نیت کرے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے یا کسی اور واجب روزے کی نیت کرے۔ اسی طرح رمضان کی آمد سے پہلے ایک دن یا دو دن کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے چونکہ حدیث ہے۔ ''رمضان سے پہلے ایک دن یا دو دن کے روزے نہ رکھو ہاں البتہ جو شخص اپنی عادت کے موافق روزہ رکھتا ہو وہ رکھ سکتا ہے۔'' [2] چونکہ اس میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ رمضان کے روزہ میں ایک طرح کی زیادتی ہے اس لئے آمد رمضان سے قبل ایک یا دو دن کے روزے رکھنا ممنوع ہے۔

---

[1] ...... احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی حرام کے درجہ میں ہے۔ چونکہ جس چیز کی ممانعت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہو وہ حرام قطعی ہے جیسے شراب اور جو ممانعت قطعی الثبوت اور ظنی الدلالہ ہو یا اس کے برعکس ہو یقیناً وہ درجہ حرام سے کمتر اور مکروہ سے اوپر ہے لامحالہ اسے مکروہ تحریمی سے تعبیر کیا جائے گا جیسے گدھے کا گوشت۔ یہی وجہ ہے تحت العنوان اقسام روزہ مکروہ کی اقسام ہیں انہیں حرام قطعی کہنا مشکل ہے چونکہ ان کی حرمت پر قطعی دلائل نہیں۔ جبکہ شیخین کے نزدیک مکروہ حرام کے قریب تر ہے دیکھئے الھدایۃ ج ۴ / ۴۵۲۔ [2] رواہ الآئمۃ الستۃ فی کتبھم عن ابی ھریرۃ (نصب الرایۃ ۲ / ۴۴۰)

اگر کوئی شخص محض نفلی روزہ کی نیت سے یوم شک کا روزہ رکھے تو یہ روزہ مکروہ نہیں ہوگا یعنی یوں کہا جا سکتا ہے کہ یوم شک کا روزہ محض نفل کی نیت سے رکھا جا سکتا ہے۔ ❶

مالکیہ...... مالکیہ کے نزدیک یوم شک تیسویں رمضان ہے جبکہ اس دن کی رات آسمان پر بادل ہو اور رمضان کا چاند دکھائی نہ دیا ہو۔ اگر مطلع صاف ہو تو یوم شک نہیں ہوگا چونکہ جب رمضان کا چاند دکھائی نہیں دیا تو بلاشبہ یہ دن شعبان کا آخری دن ہوگا۔ مالکیہ کا موقف اور حنفیہ کا موقف ایک ہی ہے۔

علامہ دردیر اور دسوقی کی رائے...... جبکہ علامہ دردیر اور دسوقی کے نزدیک یوم شک شعبان کا تیسواں دن ہے برابر ہے کہ مطلع صاف ہو یا ابر آلود اور رؤیت ہلال کی خبر ایسا شخص دے جس کی شہادت قبول نہ کی جاتی ہو جیسے غلام، عورت اور فاسق۔ اگر مطلع ابر آلود ہو تو وہ دن یقیناً شعبان کا ہوگا چونکہ صحیحین کی روایت ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو جائے تو شعبان کی تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

حکم...... مالکیہ کے نزدیک یوم شک کا روزہ رکھنا مکروہ ہے چونکہ احتیاط اسی میں ہے اور رمضان کا سمجھ کر رکھنا صحیح نہیں ہوگا۔ جو شخص صبح کو اٹھا اور اس نے کھایا پیا کچھ نہ ہو پھر اسے پتہ چلے کہ یہ رمضان کا دن ہے تو یہ روزہ صحیح نہیں ہوگا۔ یوم شک کا روزہ رکھنا اس شخص کے لئے صحیح ہے جو اپنی عادت کے موافق ایک دن جیسے جمعرات کا روزہ رکھتا ہو اور یوم شک جمعرات کا دن ہو یا اسی طرح گذشتہ رمضان کی قضاء کر رہا تھا یا کفارہ یمین کا روزہ رکھتا ہو یا نذر معین کا روزہ رکھتا ہو یا کسی شخص کی آمد پر (شکریہ کے طور پر) روزہ رکھا اور وہ یوم شک کے موافق آ گیا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح شک کے دن کھانے پینے سے رکا رہنا مستحب ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے اگر یوم شک کا یکم رمضان ہونا ثابت ہوا تب حرمت رمضان کی خاطر کھانے پینے سے رکنا ضروری ہے اگر رمضان ثابت نہ ہوا تو وہی پہلے کا امساک بحال رکھنا ضروری ہے۔

شافعیہ...... شافعیہ کے نزدیک یوم شک شعبان کا تیسواں دن ہے اور اس دن مطلع صاف ہو جبکہ لوگ رؤیت ہلال کے متعلق اس دن کی رات کو مختلف چہ مگوئیاں کرتے ہوں، اور چاند دیکھنے والے معلوم نہ ہوں اور چاند کے دیکھنے کی کوئی گواہی نہ دیتا ہو یا دیکھنے کی گواہی بچے، غلام، عورتیں اور فاسقین دیتے ہوں جن کی سچائی میں شبہ ہو یا کوئی عادل شخص گواہی دیتا ہو لیکن اس کی گواہی پر اکتفاء نہ کیا جاتا ہو، البتہ آسمان پر بادلوں کے چھا جانے سے یوم شک نہیں ہوگا جیسے کہ ۳۰ ویں دن رؤیت ہلال کے متعلق کوئی شخص گفتگو نہ کرتا ہو وہ بھی یوم شک نہیں اگر مطلع ابر آلود ہو تو یوم شک نہیں ہوگا چونکہ صحیحین کی روایت ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کی تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

حکم...... شافعیہ کے نزدیک یوم شک کا روزہ رکھنا حرام ہے اور نفلی روزہ رکھنا بھی صحیح نہیں۔ چونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ ''جس شخص نے یوم شک کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ ❷

یوم شک کے روزہ کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ رمضان کے روزے پر پوری طرح قوت حاصل ہے اور رمضان المبارک کا وقت مقرر رہے۔ اسی طرح رمضان سے پہلے ایک یا دو دن کا روزہ رکھنا حرام ہے، شافعیہ کے نزدیک یوم شک کو کھانے پینے سے رکے رہنا ضروری ہے

---

❶...... احناف کے نزدیک محض نفل کی نیت سے یوم شک کا روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے چونکہ حدیث میں ہے جس شخص نے یوم شک کا روزہ رکھا اس نے ابوقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (ابوداؤد فی الصوم) جبکہ احناف کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''جس دن رمضان کے ہونے یا نہ ہونے کا شک ہو اس دن کا روزہ محض نفلی رکھا جا سکتا ہے (نصب الرایہ) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یوم شک کا روزہ رکھتے تھے اور محض نفل کی نیت سے رکھتے تھے۔ رہی بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وارد کردہ حدیث کی سو اس میں رمضان کے دن کا شک ہو تب رکھنا ممنوع ہے اگر شک نہ ہو تو نفلی محض رکھنا درست ہے۔ (دیکھئے البدائع ۲/ ۲۱۶) مفتی بہ قول یہی ہے کہ عوام کے لئے یوم شک کا روزہ رکھنا جائز نہیں البتہ علماء نفل کی نیت سے رکھ سکتے ہیں۔ (الدر المختار ۳/ ۳۴۹) ❷ رواہ اصحاب السنن الاربعة و صححه الترمذی وغیرہ۔

پھر اگر ثابت ہوجائے کہ یہ رمضان کا پہلا دن ہے چونکہ اس دن کا روزہ پھر واجب ہوگا البتہ یہ شخص رمضان کی آمد سے ناواقف رہا۔

یوم شک کو قضاء، نذر اور کفارہ کا روزہ رکھنا صحیح ہے چونکہ یوں نفلی روزہ میں اس دن اس کی عادت کے موافق یہ آ گیا ہے تا کہ ایک ذمہ داری سے بری ہوجائے، البتہ جس شخص کی عادت روزہ رکھنے کی ہو رکھ لے، جو شخص شک کے دن صبح کو اٹھے اور کھائے پیے تو اس کے لئے کھانے پینے سے رک جانا واجب ہوگا، پھر اگر ثابت ہوجائے کہ یہ یکم رمضان تھا تو رمضان کے بعد اس کی قضاء ضروری ہوگی اور اگر کسی نے تردد میں یوم شک کا روزہ رکھا کہ اگر رمضان ہوا تو فرض روزہ ہوجائے گا اگر رمضان نہ ہوا تو نفل ہوگا تو یہ روزہ نہ فرض صحیح ہوا نہ نفل گو کہ رمضان ہی کیوں نہ ہو۔

حنابلہ..... یوم شک وہ شعبان کا تیسواں دن ہے جبکہ اس دن کی رات چاند نہ نظر آئے باوجود یہ کہ مطلع صاف ہو اور بادل وغیرہ نہ ہوں یا رویت ہلال کی گواہی ایسا شخص دے جس کی گواہی مردود ہو جیسے فاسق وغیرہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک یوم شک کی تعبیر ایک جیسی ہے۔ ❶

حکم:..... حنابلہ کے نزدیک یوم شک کے روزے کا وہی حکم ہے جو مالکیہ کے نزدیک ہے یعنی یوم شک کا روزہ مکروہ ہے البتہ احتیاطاً رمضان کی نیت سے صحیح ہے اگر رمضان کا ثبوت ہوگیا تو یہ روزہ کافی نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ ایک شخص کی عادت ہو روزے رکھنے کی اور یہ دن اس کی عادت کے موافق آجائے یا اس سے پہلے دن کا روزہ بھی رکھا ہو تب مکروہ نہیں ہوگا چونکہ متذکرہ بالا حدیث ہے۔ ”رمضان سے پہلے ایک یا دودن کے روزے نہ رکھو البتہ جو شخص روزے رکھتا ہو وہ اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے۔“

اسی طرح رمضان کی قضاء، نذر اور کفارہ کے طور پر روزہ رکھا جاسکتا ہے اس میں کفارہ نہیں ہے اگر ایک شخص نے اپنی عادت کے موافق یوم شک کا روزہ بھی رکھا پھر واضح ہوا کہ یہ رمضان کی یکم تاریخ ہے تو یہ روزہ کافی نہیں ہوگا۔ البتہ بقیہ دن کھانے پینے سے احتراز کرنا ضروری ہوگا اور رمضان گزر جانے کے بعد اس دن کی قضاء کرنی اس کے ذمہ واجب ہوگی۔

خلاصہ..... خلاصہ کلام یہ ہے کہ یوم شک کا روزہ جمہور کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک حرام ہے۔ ❷

عیدین اور ایام تشریق کا روزہ..... عیدین (عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) اور ایام تشریق کا روزہ رکھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جبکہ باقی آئمہ کے نزدیک حرام ہے۔ برابر ہے کہ روزہ فرض ہو یا نفل اگر قصداً (اعتقاداً) ان دونوں کا روزہ رکھا تو گناہگار ہوا اور فرض روزہ (قضاء رمضان) کے طور پر اگر ان دنوں کا روزہ رکھا تو وہ کافی نہیں ہوگا چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودن یعنی عیدالفطر کے دن اور عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ ❸ چنانچہ حنفیہ کے علاوہ بقیہ آئمہ کے نزدیک نہی، منہی عنہ کے فساد کی مقتضی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منیٰ کے ایام کھانے پینے اور ذکر اللہ کے دن ہیں۔“

پھر مالکیہ کے نزدیک عیدالاضحیٰ کے بعد دودن روزہ رکھنا حرام ہے جبکہ جمہور کے نزدیک عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن تک روزہ رکھنا حرام (مکروہ تحریمی) ہے، البتہ چوتھے دن کا روزہ صرف مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

ایام عیدین میں شافعیہ کے نزدیک متمتع بالحج وعمرہ کے لئے بھی روزہ رکھنا حرام ہے، چونکہ حدیث میں ان ایام میں روزے رکھنے سے منع

---

❶..... المغنی ۳/۸۹، کشاف القناع ۲/۳۵۰۔ ❷ یوم شک کی تعبیر میں حنفیہ اور مالکیہ کا موقف ایک جیسا ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کا موقف ایک جیسا ہے اور حکم میں جمہور کراہت کے قائل ہیں جبکہ شافعیہ کے نزدیک حرمت ہے۔ ❸ متفق علیہ وعن ابی سعید الخدری عند الشیخین البخاری ومسلم مثلہ۔

کیا گیا ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔جبکہ جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) نے اس نہی سے حج تمتع اور حج قران کرنے والے کو مستثنیٰ کیا ہے اوران آئمہ نے ان دو کو ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔

چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ''ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی چھوٹ صرف اسی شخص کو دی گئی ہے جو ہدی (قربانی کا جانور) نہ پائے۔ ❶

۴: حیض ونفاس میں روزہ رکھنا...... حالت حیض اور نفاس میں روزہ رکھنا حرام ہے جیسا کہ حیض اور نفاس کی بحث میں میں نے بسط وتفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ حیض ونفاس کے دوران چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء نہیں البتہ روزوں کی قضاء ہے۔

۵: نصف شعبان کے بعد روزہ...... شافعیہ کے نزدیک شعبان کے نصف اخیر میں روزہ رکھنا بھی حرام ہے۔

ہاں البتہ جو شخص زندگی بھر کے روزے رکھتا ہو یا ایک دن روزہ رکھتا ہو اور ایک دن افطار کرتا ہو یا کسی معین دن کا روزہ رکھتا ہو، یا نذر معین کا روزہ ہو یا نفل وفرض روزے کی قضاء ہو یا کفارے کا روزہ ہو یا نصف اول کے روزے کے ساتھ نصف آخر کے دن کا بھی روزہ رکھ لے تو اس کے لئے جائز ہے شافعیہ کی دلیل یہ حدیث ہے: ''جب نصف شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو'' جبکہ حنابلہ وغیرہم نے یہ حدیث رد کر دی ہے چونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ حدیث ضعیف ہے۔'' ❷

۶...... جس شخص کو روزہ رکھنے سے اپنی جان کا خطرہ ہو اس کا روزہ رکھنا بھی حرام ہے۔

تیسری قسم...... مکروہ روزہ

مکروہ روزہ کی بہت ساری اقسام ہیں جیسے عمر بھر کا روزہ، صرف اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ، ہفتہ کے دن کا روزہ، یوم شک کا روزہ، رمضان کے آنے سے قبل ایک یا دو دن کا روزہ جمہور کے نزدیک، جبکہ آخری دو صورتیں شافعیہ کے نزدیک حرام ہیں، جبکہ مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ عمر بھر کا روزہ اور صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں جبکہ مالکیہ کے علاوہ بقیہ علماء کے نزدیک یہ روزے مکروہ تنزیہی ہیں۔

مکروہ روزہ کے بیان میں فقہاء کی مختلف تفصیلات ہیں (ذیل میں ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں)

حنفیہ...... مکروہ روزہ کی دو قسمیں ہیں:

۱...... مکروہ تحریمی ۲...... مکروہ تنزیہی۔

مکروہ تحریمی...... مکروہ تحریمی میں یہ روزے آتے ہیں: عیدین کا روزہ، ایام تشریق کا روزہ، یوم شک کا روزہ، چونکہ ان روزوں کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے (احادیث پیچھے گزر چکی ہیں)

جب کسی شخص نے مکروہ تحریمی روزہ رکھ لیا اس کے روزے کا انعقاد ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگا۔ جس شخص نے مکروہ تحریمی روزہ رکھا اور پھر فاسد کر دیا اس پر اس روزے کی قضاء واجب نہیں۔ ❸ حنفیہ کے نزدیک اس کی دلیل یہ ہے کہ نہی وصف عمل پر وارد ہوئی ہے اور نہی فساد وصف کی مقتضی ہے جبکہ عمل اپنی مشروعیت پر باقی رہتا ہے۔ جبکہ کسی عمل میں شروع ہو جانا فی الواقع اس کا سبب نہیں۔

---

❶......رواہ البخاری۔ ❷رواہ احمد واصحاب السنن الاربعة عن ابی ہریرة وهو حسن کما ذکرہ السیوطی، صححه ابن حبان (سبل السلام ۲/۱۷۱) ❸امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قضاء واجب نہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک قضاء واجب ہے۔

مکروہ تنزیہی: ....روزہ ہائے مکروہ تنزیہی کی یہ صورتیں ہیں، تنہا یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا (بایں طور کہ اس کے ساتھ ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا روزہ نہ رکھے) بعض حنفیہ کے نزدیک صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا، ہفتہ کے دن کا روزہ، نیروز اور مہر جان کا روزہ، الا یہ کہ یہ ایام اس کی عادت کے موافق آجائیں تو ان دنوں کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہوگا۔ چونکہ عادت کے ساتھ موافق ہونے کی وجہ سے علت زائل ہو جائے گی۔

دلائل ......تنہا جمعہ کے دن پر یہ حدیث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جمعہ کی رات کو بقیہ راتوں سے الگ قیام کے لئے مخصوص نہ کرو، اور بقیہ دنوں سے الگ جمعہ کے دن کو روزے کے لئے مخصوص نہ کرو، ہاں البتہ کسی کی عادت کے موافق جمعہ کا دن آجائے تو درست ہے۔ ❶

تنہا ہفتہ کے دن کے روزے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صرف) ہفتہ کے دن کا روزہ نہ رکھو ہاں البتہ تمہاری مقرر کردہ عادت کے موافق آجائے اگر کوئی انگور کے دانے اور لکڑی کے سوا کچھ نہ پائے (تا کہ کھا کر یہ روزہ فاسد کرے) تو وہی چبا لے۔ ❷

نیروز اور مہر جان کے دنوں کا روزہ رکھنا ❸ اس لئے مکروہ ہے چونکہ غیر مسلموں کے ایام کی تعظیم سے منع کیا گیا ہے اور ان دنوں میں روزہ رکھنا گویا ان کے ایام کی تعظیم ہے۔

عمر بھر کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے چونکہ ہمیشہ ہمیشہ کے روزے سے انسان کا بدن کمزور ہو جاتا ہے (پھر فرضی عبادات کے لئے بھی ہمت نہیں رہتی) چنانچہ حدیث میں ہے۔ "جو شخص عمر بھر کا روزہ رکھتا ہے حقیقت میں اس کا روزہ نہیں ہوتا" ❹

چپ رہنے کا روزہ بھی مکروہ ہے وہ یہ ہے کہ روزہ رکھے اور کسی سے کلام نہ کرے، ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ بات کرے اور سکوت ختم کرے۔

صوم وصال بھی مکروہ ہے صوم وصال یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور مغرب کے بعد افطار نہ کرے اور بھوکے ہی دوسرے دن کا روزہ رکھ لے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے! تم لوگ صوم وصال سے گریز کرو۔ ❺

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صوم وصال سے منع فرمایا، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ پر رحم کھاتے تھے، صحابہ نے عرض کی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں چونکہ مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ ❻

جب مسافر مشقت میں پڑ جائے اس کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے، اسی طرح خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے، خاوند کو اختیار ہے کہ وہ عورت کو افطار پر مجبور کرے چونکہ خاوند موجود ہے اور اس کا حق بھی قائم ہے ہاں البتہ خاوند اگر بیمار ہو یا وہ بھی روزے میں ہو یا حج وعمرہ کا احرام باندھا ہو پھر عورت روزہ رکھے تو مکروہ نہیں ہوگا۔

مالکیہ ......علامہ خلیل مالکی کہتے ہیں عمر بھر کا روزہ رکھنا مستحب ہے مکروہ نہیں۔ چونکہ جو شخص عمر بھر کے روزے کی نذر مان لے تو بالاجماع اسے یہ روزہ رکھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اگر مکروہ یا ممنوع ہوتا تو قاعدہ کے مطابق لازم نہ ہوتا۔

جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، چونکہ اس سے ممانعت اس خدشہ پر آئی تھی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے اب چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لہٰذا فرضیت کا خدشہ بھی ختم ہو گیا۔ جبکہ ابن جزی کہتے ہیں عمر بھر کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اور جمعہ کا دن مخصوص کر کے روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے ہاں البتہ جمعہ سے ایک دن قبل یا ایک دن بعد روزہ رکھے اور ساتھ جمعہ کا بھی رکھے تو یہ مکروہ نہیں۔

---

❶ ......رواہ مسلم نیل الاوطار (۲۴۹/۴) ❷ رواہ احمد واصحاب السنن الاالنسائی عن عبداللہ بن بسر (نیل الاوطار ۲۵۱/۴) ❸ نیروز اہل فارس کے نزدیک شمسی سال کا پہلا دن اور مہر جان ان کی عید کا دن گولڈن جوبلی۔ ❹ متفق علیہ بین احمد وشیخین عن عبداللہ بن عمر۔(نیل الاوطار ۲۵۵/۴) ❺ متفق علیہ عن ابی ھریرۃ (نیل الاوطار ۲۱۹/۴) ❻ متفق علیہ۔

اسی طرح ہفتہ کا روزہ مخصوص کر کے، اسی طرح عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ اور یوم شک کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے۔قربانی کے چوتھے دن روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے، البتہ جو شخص حج قران یا حج تمتع کرتا ہو اس کے لئے چوتھے دن روزہ رکھنا صحیح ہے، اسی طرح قربانی کے چوتھے دن کا روزہ حالت نذر میں اور کفارہ کے طور پر رکھنا صحیح ہے۔

جس شخص کے ذمہ کوئی قضاء واجب ہو اس کے لئے نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے، اسی طرح مہمان کا میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا مکروہ ہے، اسی طرح میلا دنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے چونکہ اس میں بھی عیدوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ ❶

مکرر کسی دن کی نذر ماننا بھی مکروہ ہے جیسے ہر جمعرات کے دن کے روزہ کی نذر مان لی، چونکہ مکرر دن کا التزام انسان کو بوجھل اور سست بنا دیتا ہے انجام کار ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔اور یوں یہ روزہ غیر طاعت کے زیادہ قریب ہے، غیر معین واجب روزے سے قبل نفلی روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے، جیسے رمضان کی قضا اور کفارہ کا روزہ، رہی بات معین واجب روزے کی سو اس سے قبل نفلی روزہ رکھنا مکروہ نہیں۔ایام بیض کے تین دن کے روزے کو بھی معین کر لینا مکروہ ہے ایام بیض ہر مہینہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو کہا جاتا ہے۔جیسے کہ عید کے ساتھ ملا کر شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے، البتہ فاصلہ رکھ کر یا مؤخر کر کے روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں چونکہ اس صورت میں علت منتفی ہو جاتی ہے جو مفضی الی وجوب ہے۔

شافعیہ:......مخصوص کر کے جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اسی طرح ہفتہ اور اتوار کے دن کو بھی مخصوص کر کے روزہ رکھنا مکروہ ہے، اسی طرح ایام عید اور ایام تشریق کے علاوہ عمر بھر کا روزہ رکھنا اس شخص کے لئے مکروہ ہے جسے کوئی ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی واجب یا مستحب حق کے فوت ہونے کا خدشہ ہو۔چونکہ جو احادیث پہلے بیان کی جا چکی ہیں وہ اس پر دلیل ہیں۔

نیز بخاری کی روایت ہے: تمہارے رب کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے گھر والوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور تمہارے اپنے بدن کا بھی تمہارے اوپر حق ہے۔

صحیحین کی یہ روایت ہے کہ جو شخص ہمیشہ روزہ رکھے اس کے روزے کی کوئی حیثیت نہیں بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے۔ ❷

البتہ جس شخص کو ضرر کا خوف نہ ہو یا کسی قسم کے حقوق کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو وہ عمر بھر کا روزہ رکھ سکتا ہے چونکہ نہی کے دلائل مطلق ہیں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عمر بھر کا روزہ رکھتا ہے اس کے لئے دوزخ تنگ پڑ جاتی ہے اور آپ نے نوے عدد بنا کر اشارہ کیا۔ ❸

اس میں شافعیہ اور حنابلہ میں موافقت ہے۔

مریض، مسافر، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی عورت اور بوڑھے شخص کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے جبکہ انہیں روزہ رکھنے سے مشقت لاحق ہوتی ہو۔اور جب انہیں ہلاکت (جان کا خطرہ) کا خوف ہو اس وقت ان لوگوں کا روزہ رکھنا حرام ہے۔یا غذا نہ ملنے پر کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو تب بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے، جبکہ نیروز اور مہرجان کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں۔

---

❶......اس سے یہ استدلال قطعاً لغو ہے کہ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نہ کوئی حیثیت ہے چونکہ یہاں جزئی مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔میلاد کا جواز یا عدم جواز بیان کرنا مقصود نہیں۔چونکہ اگر ایک آدمی کی عادت ہو روزہ رکھنے کی اور میلاد کا دن اس کی عادت کے موافق آجائے تو بالاتفاق روزہ مکروہ نہیں ہوگا۔ ❷مغنی المحتاج ۱/ ۴۴۷ والمھذب ۱/ ۱۸۸۔ ❸رواہ البیھقی واحمد (نیل الاوطار ۴/ ۲۵۵) اس حدیث سے شافعیہ کا استدلال مشکل ہے چونکہ جمہور علماء نے حدیث کا دوسرا مطلب اور احتمال بیان کیا ہے کہ جو شخص ایام ممنوعہ کا روزہ رکھتا ہے اس پر دوزخ تنگ ہو جاتی ہے یعنی وہ دوزخ میں داخل ہو گیا لہٰذا اذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال۔جبکہ بھر کے (لگاتار) روزہ رکھنے کی کراہت پر متفق علیہ حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

حنابلہ...... روزہ ہائے مکروہ میں حنابلہ کا مذہب شافعیہ جیسا ہے البتہ حنابلہ کے ہاں کچھ اضافے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ صوم وصال مکروہ ہے، صوم وصال یہ ہے کہ لگاتار دو دن روزہ رکھے اور درمیان میں کچھ کھائے پیئے نہیں اور اگر درمیان میں ایک کھجور بھی کھالی تو کراہت اٹھ جائے گی۔ سفر میں روزہ رکھنا مکروہ ہے گو سفر میں مشقت نہ لاحق ہو اور اگر کسی شخص نے محض اس لئے سفر کیا تا کہ دوران سفر روزے کھائے تو اس کا سفر کرنا اور افطار حرام ہوگا۔

صرف رجب کے مہینہ کو مخصوص کر کے اس مہینہ میں روزہ رکھنا مکروہ ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے [1] اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ رجب کا روزہ رکھنے سے جاہلی شعار کی تعظیم لازم آتی ہے، البتہ اگر رجب کے مہینہ میں ایک دن افطار کر لیا یا سال بھر میں کسی اور مہینے کے روزے رکھ لئے تو کراہت جاتی رہے گی، جبکہ رجب کے علاوہ تنہا کسی مہینے کے روزے رکھنا مکروہ نہیں۔

نیروز کے دن کو مخصوص کر کے روزہ رکھنا مکروہ ہے (نیروز بہار کا چوتھا دن) مہرجان کا روزہ بھی مخصوص کر کے رکھنا مکروہ ہے۔ (مہرجان گرمی کے موسم کا انیسواں دن)، چونکہ یہ دونوں دن کفار کے میلوں کے دن ہیں اور ان کی عیدیں ہیں لہٰذا اس دن کے روزے میں کفار کی موافقت اور ان کے میلے کی تعظیم لازم آتی ہے۔ یوم شک کا روزہ مکروہ ہے اسی طرح رمضان سے پہلے ایک دن یا دو دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے البتہ دو دن سے زائد کے روزے رکھنا مکروہ نہیں۔

چوتھی قسم...... نفلی روزہ اور مستحب روزہ

نفلی عمل کو "تطوع" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تطوع کا معنی قرب الی اللہ ہے یعنی ایسی عبادات سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا جو فرض نہ ہوں "تطوع" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ...... البقرة ۲/۱۵۸

اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرنا چاہے۔

بسا اوقات تطوع کو نفل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ نماز کے متعلق نفل کا استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ...... الاسراء ۱۷/۷۹

کسی قدر رات کے حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے چونکہ اس میں آپ کے لئے (فائدہ) زائدہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں (جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے) کہ روزہ افضل عبادت ہے چنانچہ صحیحین کی روایت ہے:

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے نوے سال کی مسافت کے بقدر دور کرے گا۔"

اسی طرح ایک حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ "آدمی کا ہر عمل اس کے لئے ہے البتہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔"

بالاتفاق نفلی روزے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱...... ایک دن کے فرق سے روزہ:۔ سب سے افضل نفلی روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور ایک دن افطار کیا جائے، چنانچہ صحیحین میں روایت ہے۔ افضل روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ اس حدیث میں ہے کہ "اس سے افضل اور کوئی روزہ نہیں۔"

---

[1] ...... رواہ ابن ماجہ عن ابن عباس۔ یہ حدیث ضعیف ہے حتی کہ رجب کے روزے کی فضیلت میں مروی اکثر احادیث موضوع اور ضعیف ہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال کمزور ہے۔

۲...... ہر مہینہ میں تین دن کے روزے:۔ ایام بیض کے روزے رکھنا بھی افضل عمل ہے ایام بیض ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے ایام کو کہا جاتا ہے، بیض، بیاض سے مشتق ہے اور بیاض کا معنی سفیدی ہے چونکہ ان ایام کی راتیں چاند کی وجہ سے سفید ہوتی ہیں اور دن سورج کی وجہ سے چمکدار ہوتا ہے، ان کا اجر وثواب عمر بھر کے روزے رکھنے کے برابر ہے، چونکہ ہر نیکی کا دس گناہ ثواب ملتا ہے جبکہ عمر بھر کے روزوں میں ضرر اور فساد بھی لاحق ہوتا ہے۔ ایام بیض کے روزوں پر دلیل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جب تم کسی مہینے میں تین دن روزہ رکھو تو ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کا روزہ رکھو۔ ❶

ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔ ❷

۳...... پیر اور جمعرات کا روزہ:۔ پیر اور جمعرات کے دن (ہر ہفتہ میں) کا روزہ رکھنا مستحب ہے، چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے تھے، اس کے متعلق آپ سے پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے اعمال پیر اور جمعرات کے دن پیش کئے جاتے ہیں۔ ❸ ایک اور روایت میں ہے۔ "مجھے زیادہ پسند ہے کہ میرا عمل پیش ہو اس حال میں کہ مجھے روزہ ہو۔"

شوال کے چھ روزے...... شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہے گو متفرق (الگ الگ) کر کے رکھے جائیں جبکہ لگاتار رکھنا افضل ہے، عید کے بعد یہ روزے رکھیں جائیں یوں ایک طرح سے عبادت میں رغبت حاصل ہوتی ہے اور جو شخص رمضان کے بعد یہ چھ روزے رکھتا ہے گویا وہ عمر بھر کے روزے رکھتا ہے، چنانچہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ "جو شخص رمضان کے روزے رکھتا ہے پھر اس کے بعد چھ ان شوال کے روزے رکھتا ہے تو یہ عمر بھر کے روزے ہو جاتے ہیں۔" ❹

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک ماہ کے روزے دس ماہ کے روزوں کے برابر ہیں اور چھ دن کے روزے دو ماہ کے روزوں کے برابر ہیں یوں سال بھر کے روزے ہو جاتے ہیں۔ ❺ یعنی ہر نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے تو ایک مہینہ دس مہینوں کے برابر اور چھ دن ساٹھ دنوں کے برابر یوں سال پورا ہوا۔

عرفہ کے دن کا روزہ...... عرفہ ۹ ذی الحجہ کو کہا جاتا ہے، اس دن کا روزہ رکھنا حاجی (جو شخص حج کر رہا ہو) کے علاوہ کے لئے رکھنا مستحب ہے۔ چنانچہ مسلم کی روایت ہے۔ "عرفہ کے دن کا روزہ ایک سال پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ایک سال کے بعد کے گناہوں کو۔" ❻

عرفہ کا دن افضل ترین دن ہے چنانچہ مسلم کی روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہو۔" جبکہ ایک اور حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہو وہ جمعہ کا دن ہے۔" یہ حدیث عرفہ کے علاوہ بقیہ دنوں پر محمول ہے۔ (یا ہفتہ کے دنوں پر محمول ہے اور عرفہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے۔)

جو شخص حج کر رہا ہو اس کے لئے عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مستحب نہیں بلکہ اس دن افطار کرنا اس کے لئے مسنون ہے، اگر چہ وہ روزہ کی طاقت رکھتا ہو۔ تا کہ اسے دعا کی طاقت حاصل رہے۔ اور اسی میں اتباع سنت بھی ہے۔ جیسا کہ شیخین کی روایت ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ خلاف اولیٰ ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے

---

❶......رواه الترمذی وحسن والنسائی وابن حبان واحمد (نیل الاوطار ۲۵۲/۴). ❷رواه اصحاب السنن وصححه ابن خزیمة من حدیث ابن مسعود (سبل السلام ۱۶۸/۲) ❸رواه ابوداؤد. ❹رواه الجماعة الاالبخاری والنسائی ورواه احمد عن حدیث جابر (نیل الاوطار ۲۳۷/۴) ❺رواه سعید بن منصور باسناده عن ثوبان. ❻یعنی صغائر معاف ہو جاتے ہیں کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

سے منع فرمایا ہے۔‘‘ (1)

جبکہ احناف کے نزدیک حج کرنے والا شخص عرفہ کا روزہ رکھ سکتا ہے بشرطیکہ یہ روزہ رکھنے سے اسے کمزوری نہ لاحق ہوتی ہو۔ (2)

۶۔ ذوالحجہ کے ابتدائی آٹھ دنوں کا روزہ..... ذوالحجہ کے ابتدائی آٹھ دنوں کا روزہ رکھنا حاجی اور غیر حاجی کے لئے مستحب ہے چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کو نہیں چھوڑتے تھے (وہ یہ ہیں) عاشورہ کا روزہ، ذی الحجہ کے ابتدائی دنوں کا روزہ، ہر مہینہ میں تین دنوں کا روزہ اور فجر کی دو رکعتیں۔ (3) اس کے علاوہ ’’صلاۃ العیدین‘‘ کی بحث میں احادیث گزر چکی ہیں جو عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت سے متعلق ہیں اور روزے کا تذکرہ تحت العنوان ہے۔

۷: عاشورہ کا روزہ..... تاسوعاء اور عاشورہ کا روزہ رکھنا مسنون ہے اور یہ محرم کے ۹، ۱۰ تاریخوں کے دو روزے ہیں، ان دونوں کو جمع کرنا مسنون ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے کہ ’’اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو ۹ اور ۱۰ کا روزہ رکھوں گا۔‘‘ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ’’مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ یہ روزہ ایک سال قبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (4)

عاشورہ کا روزہ واجب نہیں ہوا چونکہ صحیحین کی روایت ہے۔ ’’آج کا دن عاشورہ کا دن ہے اس دن کا روزہ تمہارے اوپر فرض نہیں کیا گیا جو شخص چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے اسے افطار کرے۔‘‘

البتہ جن احادیث میں عاشورہ کے روزے کا امر (حکم) آیا ہے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔

عاشورہ کے روزے کی حکمت..... عاشورہ کے روزے کی حکمت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیسا روزہ ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ بھلائی کا دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات دی تھی، اس دن کا موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری نسبت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کا زیادہ حق دار ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔ (5)

اگر کسی شخص نے عاشورہ کے ساتھ تاسوعا (۹ محرم الحرام) کا روزہ نہیں رکھا تو وہ ۱۱ محرم کا روزہ رکھے بلکہ کتاب الام میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو منصوص ٹھہرایا ہے۔

اور اگر کسی شخص کو شروع محرم میں اشتباہ ہو جائے تو وہ لگاتار تین دن (۸، ۹، ۱۰ یا ۹، ۱۰، ۱۱) کے روزے رکھے تاکہ دو دن یقینی ہو جائے۔

جمہور کے نزدیک عاشورہ کے سوا کوئی روزہ ایسا نہیں جو تنہا رکھنا مکروہ ہو۔

۸: حرمت والے مہینوں کا روزہ..... حرمت والے مہینے (اشہر حرم) چار ہیں، ان میں سے تین آگے پیچھے آتے ہیں اور وہ یہ ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم جبکہ رجب ان سے الگ آتا ہے، جبکہ رجب رمضان کے بعد روزے کے لئے افضل ترین مہینہ ہے، حرمت والے مہینوں میں محرم سب سے افضل ہے پھر رجب پھر دوسرے مہینے جبکہ حرمت والے مہینوں کے بعد شعبان افضل مہینہ ہے۔

حرمت والے مہینوں کے روزے رکھنا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مستحب ہیں جبکہ حنابلہ کے نزدیک صرف محرم کے روزے رکھنا مستحب

---

(1).....رواہ احمد وابن ماجہ (نیل الاوطار ۴/ ۲۳۹)۔ (2) چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر شفقت کرتے ہوئے اس دن کے روزہ سے حاجی کو منع کیا ہے اور اگر ضعف اور لاغری نہ ہو تو بقیہ دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے اس دن کے روزہ میں کوئی حرج نہیں۔ نیز اس دن کا روزہ رکھنے والے حاجی کو نفلی روزے کا ثواب ملے گا ہاں افطار کرنا افضل ہے جو رکھ لے اسے نفلی روزے کا ثواب ہے۔ (3) رواہ احمد وابوداؤد والنسائی (نیل الاوطار ۴/ ۲۳۸)۔ (4) رواہ الجماعۃ الا البخاری والترمذی عن ابی قتادۃ۔ (5) متفق علیہ (نیل الاوطار ۴/ ۲۴۱)۔

ہے اور حنابلہ کے نزدیک رمضان کے بعد محرم کے روزے افضل ہیں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”فرض نمازوں کے بعد آدھی رات کے وقت کی نماز افضل ہے اور رمضان کے بعد محرم کے روزے افضل ہیں۔“ جبکہ محرم میں عاشورہ کا دن سب سے افضل ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک حرمت والے مہینوں میں تین تین دن کے روزے رکھ لینا کافی ہے اور وہ جمعرات جمعہ اور ہفتہ کے دن ہیں۔

۹: شعبان کے روزے..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر میں (رمضان کے علاوہ) کسی مہینہ میں پورا مہینہ روزے نہیں رکھتے تھے بجز شعبان کے چنانچہ آپ شعبان کو رمضان کے ساتھ ملا لیتے تھے۔ ❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ ❷

جبکہ اکثر علماء نے نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا صحیح نہیں چنانچہ حدیث گزر چکی ہے کہ ”جب نصف شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو۔

مندوب روزے کے متعلق مختلف مذاہب..... فقہاء کرام نے مندوب روزے کی مختلف اقسام بیان کی ہیں جو تفصیلاً مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ:۔ حنفیہ کہتے ہیں مندوب (نفلی) روزے کی تین قسمیں ہیں:

۱..... مسنون ۲..... مستحب ۳..... نفل

مسنون..... وہ روزہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت (ہمیشگی) کی ہو۔

مستحب یا مندوب..... وہ روزہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت نہ کی ہو۔ گو اس روزے کی طرف رغبت ظاہر کر کے آپ نے پہلے نہ رکھا ہو۔

نفل..... وہ روزہ ہے جو مذکورہ انواع کے علاوہ ہو اور شریعت نے اس کی ترغیب دی اور وہ مطلق روزہ ہے۔

مسنون..... جیسے عاشورہ کا روزہ یعنی ۹ اور ۱۰ محرم کا روزہ مسنون ہے۔

مستحب..... جیسے ایام بیض کے روزے ہر مہینہ میں اور وہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے روزے ہیں، پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ، شوال کے چھ روزے اور مختار قول کے مطابق لگاتار رکھنا مکروہ نہیں، اسی طرح ہر وہ روزہ مستحب ہے جس کی ترغیب ثابت ہو یا حدیث سے اس کا ثبوت ہو جیسے داؤد علیہ السلام کا روزہ، جمعہ کے دن کا روزہ اگرچہ تنہا ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں چونکہ مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے اور افطار نہیں کرتے تھے۔ ❸ عرفہ کے دن کا روزہ، اگرچہ حاجی ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ روزہ رکھنے سے کمزوری اور لاغری نہ ہو جس کی وجہ سے دعا اور حج کے مناسک میں خلل نہ آئے۔

---

❶..... رواه الخمسة احمد واصحاب السنن (نيل الاوطار ۲۴۵/۴)۔ ❷ متفق عليه۔ ❸ جمعہ کے روزہ کے متعلق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کراہت ہے۔ اور مفتی مستفتی کے حالات کا جائزہ لے کر فتویٰ دے سکتا ہے، خصوصاً آج کل لوگ فرضی روزے کی پرواہ نہیں کرتے اگر کوئی نفلی رکھنا چاہے تو جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

نفلی روزے ان کے علاوہ ہیں جن کا مکروہ ہونا ثابت نہ ہو۔

حنفیہ نے روزوں کی ایک اور قسم بھی بتائی ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

روزہ جو لازمی ہے اس کی تیرہ (۱۳) قسمیں ہیں۔ سات قسم کے وہ روزے جو لگاتار رکھے جاتے ہیں جیسے رمضان، کفارۂ ظہار، کفارۂ قتل، کفارہ یمین (قسم کا کفارہ)، بلا عذر رمضان کے روزے افطار کر لئے، نذر معین کے روزے اور واجب اعتکاف کے روزے۔

چھ روزے وہ ہیں جن میں اختیار ہے خواہ لگاتار رکھے جائیں یا الگ الگ جیسے نفلی روزے، رمضان کی قضاء کے روزے، حج قران اور حج تمتع کے روزے جب قارن یا متمتع قربانی کے جانور سے عاجز آ جائے۔ فدیہ حلق کے روزے، شکار کی جزاء کے روزے اور نذر مطلق کے روزے جو مہینے کی قید اور تتابع (لگاتار) کی قید سے مطلق ہوں۔

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں نفلی روزوں کی تین قسمیں ہیں۔ سنت، مستحب اور نفل۔ مالکیہ نفلی روزہ کی تقسیم میں حنفیہ کی طرح ہیں۔

سنت...... جیسے عاشورہ (۱۰) محرم کا روزہ۔

مستحب...... جیسے حرمت والے مہینوں کے روزے، عشر ذی الحجہ کے روزے، عرفہ کا روزہ، شوال کے چھ روزے، ہر مہینے میں تین دن کے روزے، پیر اور جمعرات کے دنوں کے روزے۔

نفل...... ہر وہ روزہ جس کے لئے وقت کی قید نہ ہو اور نہ کوئی ان کا سبب ہو اور ایسے دنوں میں نہ ہوں جن کا روزہ واجب یا ممنوع ہوتا ہو۔

شافعیہ...... مؤکد نفلی روزہ کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ کہ جس میں تکرار نہیں آتا جیسے صوم دہر (عمر بھر کا روزہ)، دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں تکرار آتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

اول...... وہ روزہ جس میں سال کے تکرار سے تکرار آتا ہو، جیسے عرفہ کے دن کا روزہ حاجی اور مسافر کے علاوہ کے لئے، عشرہ ذی الحجہ کا روزہ، عاشورہ اور تاسوعاء (۹ محرم) کا روزہ، ۱۱ محرم کا روزہ، شوال کے چھ روزے ان میں توالی (لگاتار رکھنا) مسنون ہے اور عید کے ساتھ متصل کر کے رکھنا بھی مسنون ہے، حرمت والے مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کے روزے مسنون ہیں اسی طرح شعبان کے روزے بھی مسنون ہیں۔

دوم...... وہ روزے جو مہینے کے تکرار سے مکرر ہوتے ہوں۔ جیسے ایام بیض کے روزے، ایام سود کے روزے اور وہ چاند کی ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ تاریخوں کے روزے ہیں، اور جب ۲۹ کا مہینہ ہو تو اس کی بجائے آنے والے مہینے کی یکم تاریخ کا روزہ آخری روزے کے قائم مقام ہے۔ اور مسنون یہ ہے کہ احتیاطاً ۲۷ تاریخ کا روزہ رکھ لیا جائے یہ مسنون ہے۔

ایام بیض اور ایام سود کے روزوں کی حکمت...... ایام بیض قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کو کہا جاتا ہے چونکہ ان دنوں میں چاند پورا ہوتا ہے اور اس کی نور پاشی پورے جوبن پہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے راتوں کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے اس روشنی کے شکر کے طور پر ان ایام کے روزے رکھے جاتے ہیں، جبکہ ایام سود ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ تاریخ کے دنوں کو کہا جاتا ہے چونکہ ان دنوں میں چاند ماند پڑ جاتا ہے راتیں تاریک ہوتی ہیں تو تاریکی کی رحمت چھٹانے اور نور و روشنی کی نعمت لانے کے لئے یہ روزے رکھے جاتے ہیں نیز مہینہ مہمان کی طرح ہوتا ہے جو الوداع ہو رہا ہوتا ہے لہٰذا مہینے کے کوچ کرنے پر توشہ کی ضرورت ہے جو ایام سود کے روزوں کی شکل میں ہے۔

سوم.....وہ روزہ جس میں ہفتے کے تکرار سے تکرار آتا ہو۔ یہ پیر اور جمعرات کا روزہ ہے۔

حنابلہ.....حنابلہ کہتے ہیں افضل نفلی روزہ وہ ہے جو ایک دن کے بعد دوسرے دن کا روزہ رکھ لیا جائے، یہ مکروہ نہیں، یہ عمر بھر کا روزہ ہے، البتہ جس شخص کو بدنی طور پر ضرر لاحق ہونے کا خدشہ ہو اس کے لئے مکروہ ہے، ہر مہینے میں تین دن کے روزے مسنون ہیں، اگر ایام بیض میں رکھ لئے جائیں تو افضل ہیں۔

اگر ایام بیض کے روزے رکھ لئے جائیں تو یہ عمر بھر کے روزوں کے برابر ہو جاتے ہیں چونکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔

پیر اور جمعرات کا روزہ مسنون ہے اسی طرح شوال کے چھ روزے بھی مسنون ہیں اور ان روزوں کو اگر لگاتار رکھا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر کوئی اور رکاوٹ نہ ہو تو عید کے فوراً بعد متصلاً رکھ لئے جائیں یوں رمضان کو ساتھ ملا کر یہ عمر بھر کے روزے ہو جائیں گے۔

محرم کا روزہ مسنون ہے، محرم کا روزہ رمضان کے بعد افضل ہے، محرم میں عاشورہ کا روزہ زیادہ تاکید والا ہے پھر تاسوعا (۹ محرم) کا روزہ، عاشورہ کا روزہ تنہا رکھنا مکروہ نہیں ہے، عشر ذی الحجہ کے روزے مسنون ہیں، یہ روزے رمضان کے آخری عشرے سے افضل ہیں، عرفہ کے دن کا روزہ زیادہ تاکید والا ہے اور یہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ صغائر کا کفارہ ہو جاتا ہے، اگر صغائر نہ ہوں تو امید ہے کہ کبائر میں تخفیف ہو جائے گی، اگر کبائر بھی نہ ہوں تو رفع درجات کا سبب ہوگا، جو شخص حج کی نیت سے میدان عرفات میں ہو تو عرفہ کا روزہ اس کے لئے مسنون نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے اس روزے کا افطار کر لینا افضل ہے، چنانچہ ام فضل بنت حارث کی روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر میدان عرفات میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، پھر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج کیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا ان میں سے کسی نے بھی عرفہ کے دن کا روزہ نہیں رکھا۔ ❶

چونکہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے کمزوری آجائے گی اور حاجی دعا کرنے میں کوتاہی کرے گا اس لئے اس روزے کا ترک کرنا افضل ہے۔ ❷

اکیلے رجب کے روزے رکھنا مکروہ ہے اس کی دلیل ''مکروہ روزہ'' کے عنوان میں گزر چکی ہے، جبکہ رجب کے علاوہ کسی اور مہینے کے تنہا روزے رکھنا مکروہ نہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان اور رمضان کے روزے رکھتے تھے (یعنی کبھی کبھار رکھتے تھے۔)

کیا نفلی روزہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے..... اس موضوع میں فقہاء کے دو نظریئے ہیں، پہلا نظریہ حنفیہ اور مالکیہ کا ہے اور دوسرا نظریہ شافعیہ اور حنابلہ کا ہے۔

پہلا نظریہ..... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جو شخص نفلی روزہ یا نفلی نماز شروع کرے تو اس کا پورا کرنا لازمی ہو جاتا ہے، اگر نفل روزہ یا نماز فاسد کر دی تو اس کی قضاء واجب ہوتی، جیسے کسی شخص نے سفر شروع کیا اور جان بوجھ کر روزہ افطار کر دیا تو اس کی قضاء اس کے ذمہ واجب ہوگی، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب انسان نے عمل شروع کر لیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی شمار کر لی گئی ہے اور اسے عبادت کی حیثیت مل چکی ہے لہٰذا اسے پورا کرنا ہوگا، اس عمل کو باطل ہونے سے بچانے کی غرض سے، لہٰذا جب عمل شروع کر کے فاسد کر دیا اب قضاء کر کے ہی اسے بچایا جا سکتا ہے۔

---

❶ ..... حنفیہ کے نزدیک بھی افضل یہی ہے کہ حاجی عرفہ کے دن کا روزہ نہ رکھے البتہ دلائل کی روشنی میں اس کے لئے روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ ❷ احناف کے نزدیک یہ روزہ وہی رکھے جو اس کی طاقت رکھتا ہو لاغر اور کمزور آدمی کو احناف بھی ترک کا مشورہ دیتے ہیں۔ نیز روزہ رکھنے والے کو خدا قوت دے گا جو امور تکوینیہ میں سے ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عمل شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک طرح سے عہد کر لیا ہے لہٰذا اس کا پورا کرنا واجب ہے، لہٰذا اس عہد کو ختم کرنا حرام ہے خصوصاً اس وقت کہ جب عمل کا ابتدائی حصہ آخری حصے پر موقوف ہو، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ محمد ۴۷/ ۳۳

لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں نفلی عبادت کو فاسد کرنے کے بعد پورا کرنا واجب ہوگا۔ ❶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص نفلی روزہ رکھے بلا ضرورت افطار کرنا صحیح نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص نفلی روزہ رکھے پھر اسے بلا ضرورت افطار کر دے تو یہ شخص دین کے ساتھ کھیل رہا ہوتا ہے۔ نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نفلی روزے کو نذر پر قیاس کیا ہے چونکہ نذر ماننے سے نفلی روزہ واجب ہو جاتا ہے جبکہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔

جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے عیدین یا ایام تشریق میں سے کسی دن کا روزہ رکھا پھر اسے فاسد کر دیا تو اس کی قضا واجب نہیں ہوگی۔ ❷

دوسرا نظریہ......شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفلی عبادت کی قضاء نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے علاوہ جو شخص نفلی روزہ، نماز، اعتکاف، طواف، وضو جمعہ کے دن سورت کہف کی قرأت یا نماز کے بعد تسبیحات شروع کر لے، اس کے ذمہ ان نفلی اعمال کا پورا کرنا لازم نہیں وہ ان نفلی اعمال کو منقطع بھی کر سکتا ہے، اور اس کے ذمہ قضاء واجب نہیں، اور نہ ہی یہ عمل منقطع کرنے پر اس کا مواخذہ ہوگا البتہ اس عمل کو پورا کرنا اس کے لئے مستحب ہے، چونکہ یہ تکمیل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور یہی چیز مطلوب ہے البتہ عمل سے بلا عذر خروج کرنا مکروہ ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ”وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ“ نیز عمل مکمل کرنے سے پہلے ختم کر دینے میں اجر وثواب فوت ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی عذر پیش آ جائے جیسے گھر پر مہمان ہو اور اسے اکیلے کھانا کھانے میں کوفت ہوتی ہو تو نفلی روزے کو توڑ دینا مکروہ نہیں، بلکہ مستحب ہے چونکہ حدیث ہے کہ ”جو شخص تمہاری زیارت کے لئے آئے اس کا تمہارے اوپر حق ہے۔“ ایک دوسری روایت ہے کہ ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔“ ❸

شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل:۔ نفلی روزہ شروع کر دینے سے واجب نہیں ہوتا اس پر شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ”نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا امیر ہوتا ہے اگر چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کر دے۔“ ❹ حج اور عمرہ کے علاوہ نماز اور نوافل کو روزہ پر قیاس کر لیا جائے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ نفل کی مشروعیت حقیقت میں لازمی نہیں جبکہ قضاء اصل کے تابع ہے اور اصل کو شروع کرنا لازم نہیں لہٰذا قضاء بھی

---

❶......حنفیہ نے عقلی دلیل اس لئے دی ہے کہ نقلی دلائل متعارض ہیں۔ ❷ اس کا جواب اوپر ذکر کی گئی ہماری عقلی دلیل میں موجود ہے کہ وہ عمل عند اللہ قربت اور نیکی ہو جبکہ ان ایام کا روزہ عند اللہ قربت نہیں بلکہ معصیت ہے لہٰذا قضا واجب نہیں۔ ❸ دونوں حدیثیں شیخین نے روایت کی ہیں۔ ❹ رواہ احمد والترمذي وقال حكم صحيح الاسناد وضعفه البخاري۔ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ ”میں اس کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھوں گا۔“ اس اختلاف میں حنفیہ کا موقف مضبوط ہے اور ان کی تائید آیات قرآنیہ سے ہوتی ہے۔ آیات یہ ہیں ”ولا تبطلوا اعمالكم۔“ ”رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها۔“ ”ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا“ ”ومن يعظم حرمات الله فهو خير له۔“ ”ثم اتموا الصيام الى الليل۔“ نیز فریق مخالف اتنی بات کا خود قائل ہے کہ نفلی حج اور عمرہ کی قضاء واجب ہے ہم کہتے ہیں دوسرے نفلی اعمال روزہ اور نماز کی قضاء بھی واجب ہے ان لوگوں کا موقف ہے کہ حج وعمرہ میں مال خرچ ہوتا ہے ہم کہتے ہیں روزہ اور نماز میں وقت خرچ ہوتا ہے جو مال سے زیادہ قیمتی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے معارف السنن ج ۵/ ۴۰۹ تا ۴۱۲۔

واجب نہیں، بلکہ مستحب ہوگی، چنانچہ ابن عمر، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نفلی روزہ توڑ دینا مروی ہے۔

رہی بات نفلی حج اور عمرہ کی سوان کا منقطع کرنا حرام ہے اور اتمام واجب ہے اور بالا جماع منقطع کرنے پر کفارہ واجب ہے، چونکہ حج وعمرہ کی نوبت عموماً کم ہی ہوتی ہے اور ان میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے، مال خرچ کرنا پڑتا ہے لہٰذا حج وعمرہ کے ابطال میں مال ضائع ہوتا ہے اور کثیر اعمال کا ابطال ہے۔

تیسری بحث......روزہ کب واجب ہوتا ہے، چاند کے اثبات کی کیفیت اور اختلاف مطالع

اس میں تین مقاصد ہیں:

پہلا مقصد: روزہ کب واجب ہوتا ہے؟......روزہ تین چیزوں میں سے ایک چیز سے واجب ہوتا ہے۔ (۱)

اول......یہ کہ آدمی ایک دن یا ایک مہینے کے روزے کی نذر مان لے اور نذر نیکی حاصل کرنے کے لئے ماننے تو یہ روزہ اس شخص پر واجب ہوجاتا ہے، اگر کسی شخص نے دن یا مہینہ مقرر کرکے نذر مانی اور پھر مقررہ دن سے ایک دن قبل روزہ رکھ لیا یا مقررہ مہینہ سے قبل ایک مہینہ کے روزے رکھ لئے تو اس کی نذر پوری ہوجائے گی۔ چونکہ سبب یعنی نذر موجود ہے اور تعیین لغو ہوجائے گی۔ (۲)

دوم......ارتکاب معصیت سے روزہ واجب ہوتا ہے جیسے قتل خطاء، قسم توڑ دینا، دن کے وقت جماع کرکے رمضان کا روزہ توڑ دینا، بیوی سے ظہار کرلینا، چنانچہ قتل، قسم توڑنا، افطار اور ظہار کرنا روزے کا سبب ہے۔

سوم......ماہ رمضان کے کسی حصہ کو پالینا خواہ رات کے کسی حصہ کو یا دن کے کسی حصہ کو، احناف کے نزدیک یہی مختار ہے، یوں روزے کا سبب مہینہ (ماہ رمضان) کا پالینا ہوا۔ (۳)

وجوب رمضان......جب آسمان صاف ہو تو رؤیت ہلال سے رمضان کا روزہ واجب ہوجاتا ہے یا شعبان کے ۳۰ دن کی گنتی پوری ہوگئی اور مطلع ابر آلود ہو یا غبار وغیرہ ہو اور ۲۹ کی شام کو چاند نہ دکھائی دے تو شعبان کے تیس (۳۰) دن پورے کرنے سے بھی رمضان کا روزہ واجب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ......البقرۃ ۲/۱۸۵

سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو وہ ضرور اس کا روزہ رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید الفطر مناؤ، اگر چاند پوشیدہ ہوجائے تو شعبان کی تیس دن کی گنتی پوری کرو۔ (۴) بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے لہٰذا چاند دیکھے بغیر روزہ مت رکھو، اگر چاند پوشیدہ ہوجائے (بادلوں کی وجہ سے) تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔"

جبکہ مسلم کی روایت ان الفاظ میں ہے:

......(۱) الدر المختار ۲/۱۱۱ مغنی المحتاج ۱/۴۲۰، الشرح الکبیر ۱/۵۰۹۔ (۲) نذر معین کا روزہ اگر پیشگی رکھ لیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک نذر پوری نہیں ہوگی چونکہ نذر معین رمضان کے روزے کی طرح ہے، جس طرح رمضان کا روزہ پیشگی رکھنے سے ادا نہیں ہوتا اسی طرح نذر معین کا روزہ بھی پیشگی رکھنے سے ادا نہیں ہوتا (دیکھئے بدائع الصنائع ۲/۲۶۵) (۳) جیسے ایک شخص رمضان کی ۳۰ ویں رات کو سحری سے قبل بالغ ہوا تو اس کے ذمہ ۳۰ تاریخ کا روزہ رکھنا فرض ہوگا۔ (۴) رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ ورواہ البخاری عن ابن عمر ورواہ مسلم والنسائی و ابن ماجہ عن ابن عمر ایضاً بلفظ آخر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کیا اور آپ نے ہاتھ مار کر فرمایا: مہینہ اتنے اتنے اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے، تیسری مرتبہ انگوٹھے کو بند کر دیا، چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اگر چاند پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن پورے کرو۔

چنانچہ بسا اوقات مہینہ تیس کے بجائے انتیس کا ہوتا ہے اور یہ دو مہینوں یا تین یا چار مہینوں کی گنتی ہو سکتی ہے، جیسے کہ مسلم کی شرح للنووی میں مذکور ہے۔ چنانچہ چاند دیکھے بغیر رمضان کے توابع جیسے تراویح وجوب امساک (یعنی صبح کو کھانے پینے والے کے لئے بقیہ دن کھانے پینے سے رکنا) بھی ثابت نہیں ہوں گے، یا یہ کہ شعبان کے تیس دن پورے کر لئے جائیں پھر توابع کا ثبوت بھی ہو جائے گا۔

دوسرا مقصد......رمضان اور شوال کے چاند کے اثبات کی کیفیت

رمضان اور شوال کے چاند کے اثبات میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں اور اس سے متعلق تین جہتیں سامنے آتی ہیں۔(۱) لوگوں کا جم غفیر چاند دیکھے (۲) دو عادل مسلمان چاند دیکھیں (۳) ایک عادل شخص چاند دیکھے۔

حنفیہ......حنفیہ کے ہاں دو صورتیں ہیں:

الف......آسمان صاف وشفاف ہو ب......آسمان ابر آلود ہو۔

الف......اگر آسمان صاف وشفاف ہو تو ایسی صورت میں اثبات رمضان کے لئے جم غفیر کا چاند کو دیکھنا ضروری اور لابدی ہے، اسی طرح افطار اور عید کے لئے بھی جم غفیر کا دیکھنا ضروری ہے۔ جم غفیر کی مقدار اتنی ہو کہ ان کی خبر سے علم شرعی (ظن غالب) حاصل ہو جائے، اصح قول کے مطابق ان کی تعداد کا اندازہ امام وقت کی رائے پر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر چاند دیکھنے میں کوئی مانع اور رکاوٹ حائل نہیں ہوتی چونکہ ایک جگہ مطلع ایک ہے موانع موجود نہیں، چاند کو دیکھنے کے لئے آنکھیں سلامت ہیں اور ہمتیں اور حوصلے جوان ہیں، لہٰذا جم غفیر کے درمیان جو شخص رویت کے معاملہ میں متردد ہو گا لامحالہ وہ صریح غلطی پر ہو گا۔ چنانچہ اتنی کثرت کے بیچوں بیچ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ''گواہی دیتا ہوں۔''

ب......جب آسمان صاف نہ ہو بلکہ آسمان پر بادل چھائے ہوں یا غبار سے اٹا پڑا ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو ایسی صورت میں امام کو رویت ہلال کے معاملہ میں ایک عادل، عاقل، بالغ، مسلمان کی گواہی پر اکتفا کرنا ہو گا (عادل وہ شخص ہے جس کی اچھائیاں برائیوں پر غالب ہوں)، یا مستور الحال شخص گواہی دے تو امام کو اس کی گواہی پر بھی اکتفاء کرنا ہو گا برابر ہے کہ گواہی دینے والا مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا کوئی اور چونکہ رویت ہلال دینی معاملہ ہے لہٰذا یہ روایت حدیث کے مشابہ ہے، ایسی حالت میں یوں کہنے کی شرط نہیں لگائی جائے گی ''اشہد۔''

البتہ شہر میں قاضی کے سامنے گواہی دی جائے گی اور دیہات میں عام لوگوں کے سامنے مسجد میں دی جائے گی۔

نیز گواہی پر گواہی دینا بھی جائز ہے اور یوں قاضی کے سامنے گواہی درست ہو گی، جو شخص اکیلا ہی چاند دیکھے گو اس کی گواہی قبول نہ کی گئی ہو وہ روزہ رکھے اگر اس نے افطار کر لیا تو اس کے ذمہ قضاء واجب ہو گی البتہ کفارہ واجب نہیں ہو گا۔

ماہرین فلکیات، حساب دانوں اور نجومیوں کی خبر کا اعتبار نہیں ہو گا چونکہ اس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت ہلال کا حکم دیا ہے اگرچہ ان لوگوں کا قیاس اور تخمینہ درست ہی نکل آئے۔

مالکیہ......مالکیہ کے نزدیک رمضان کے چاند کا ثبوت تین صورتوں میں ہو جاتا ہے۔

ا......لوگوں کی بڑی جماعت چاند دیکھ لے گو وہ لوگ عدول نہ ہوں، ان لوگوں کی تعداد اتنی ہو کہ عام طور پر اتنے لوگوں کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا مشکل ہو، اس میں یہ بھی شرط نہیں کہ یہ لوگ مرد ہوں یا عدول اور آزاد ہوں۔

۲......دو یا دو سے زیادہ عادل اشخاص چاند دیکھیں تو ان سے روزہ اور افطار کا ثبوت ہو جائے گا۔ چاہے مطلع صاف ہو یا ابر آلود ہو۔ جبکہ عادل وہ شخص ہے جو مرد ہو آزاد بالغ اور عاقل ہو اور اس سے کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ ہوا ہو اور نہ ہی کسی صغیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہو۔ اور اس سے ایسا فعل بھی سرزد نہ ہوتا ہو جو مروت کے خلاف سمجھا جاتا ہو۔

مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں ایک عادل مرد یا عورت یا دو عورتوں کے چاند کو دیکھ لینے سے روزے کا وجوب ثابت نہیں ہوگا، البتہ چاند دیکھنے والے کے لئے قطعی طور پر روزے کا وجوب ثابت ہو جائے گا، مالکیہ کے نزدیک رؤیت کے معاملہ میں گواہی کو نقل کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ ایک شخص سے دو آدمی گواہی نقل کرتے ہوں، البتہ ایک شخص کی منقول گواہی معتبر نہیں ہوتی، دو عادل اشخاص کے خبر دینے میں۔ ''اشھد'' کہنے کی شرط نہیں ہے۔

۳......یہ کہ صرف ایک ہی عادل شخص چاند دیکھے تو روزے کا رکھنا اور افطار کرنا اس کے حق میں ثابت ہو جائے گا اور جس کو وہ خبر دے اس کے حق میں بھی ثابت ہو جائے گا البتہ جس شخص نے چاند دیکھنے کا اہتمام کیا ہو اور اسے چاند دکھائی نہ دے تو دیکھنے والے کے بتلانے سے اس کے حق میں روزے کا ثبوت نہیں ہوگا۔

حاکم کے لئے جائز نہیں کہ وہ صرف ایک عادل شخص کی رؤیت پر چاند کے ثبوت کا حکم لگا دے، ایک گواہ کے لئے مرد ہونے اور آزاد ہونے کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔

اگر امام نے خود چاند دیکھا ہو تو روزہ اور افطار واجب ہوگا۔

ایک عادل شخص یا دو شخص اگر چاند دیکھیں تو اس کی خبر حاکم تک پہنچانا واجب ہے تاکہ حاکم شرعی گواہی قبول کر کے اس کا حکم جاری کرا سکے نیز بسا اوقات امام ایک عادل شخص کی گواہی پر بھی چاند کی موجودگی کا فیصلہ دے سکتا ہے۔

رہی بات شوال کے چاند کی سو اس کی رؤیت کثیر جماعت کے دیکھنے سے ثابت ہوگی وہ جماعت اتنی کثرت میں ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہو، اور ان کے خبر دینے سے علم یقینی حاصل ہوتا ہو، یا دو عادل شخصوں کی گواہی سے بھی چاند کا وجود ثابت ہو جائے گا جیسا کہ رمضان کا چاند ثابت ہو جاتا ہے۔ البتہ ماہر علم نجوم کے قول سے رؤیت ہلال ثابت نہیں ہوگی نہ اس کے اپنے حق میں اور نہ ہی دوسرے کے حق میں، چونکہ شارع نے روزہ، افطار (عید الفطر) اور حج کو رؤیت ہلال پر موقوف کیا ہے۔ نہ کہ چاند کے موجود ہونے پر اگرچہ ماہر کی بات صحیح ہو، اسی طرح فلکیاتی کمیٹی کی اطلاع پر عمل کرنا بھی صحیح نہیں اگرچہ ان کی اطلاع صحیح ہو۔ ❶

شافعیہ......رمضان اور شوال وغیرہ کے لئے رؤیت ہلال ایک عادل شخص کے دیکھنے سے بھی ثابت ہو جائے گی، اگرچہ وہ دیکھنے والا مستور الحال ہی کیوں نہ ہو، مطلع صاف ہو یا ابر آلود ہو، البتہ شرط یہ ہے کہ چاند دیکھنے والا مسلمان مرد عاقل بالغ اور آزاد ہو، نیز گواہی دیتے وقت ''اشہد'' کا لفظ کہے۔ فاسق، بچے، مجنون، غلام اور عورت کی گواہی سے رؤیت ثابت نہیں ہوگی، شافعیہ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چاند دیکھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ❷

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا،

---

❶......ہمارے دور میں روزہ اور عید کے لئے رؤیت ہلال کی خبر ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر نشر کی جاتی ہے اور اسی خبر کو بنیاد بنا کر روزہ رکھا جاتا ہے یا عید بنائی جاتی ہے اگر قرائن دلائل سے خبر سچی معلوم ہو تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۱۷)۔ ❷رواہ ابوداؤد صححہ ابن حبان والحاکم ورواہ ابوداؤد والترمذی۔

میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ جواب دیا جی ہاں، فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں، اس پر آپ نے فرمایا: اے بلال! لوگوں میں اعلان کردو کہ صبح کو روزہ رکھیں۔ ❶

اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک آدمی کی رؤیت سے روزے کی احتیاط حاصل ہو جاتی ہے۔

جو شخص اپنے تئیں چاند دیکھ لے گو عادل نہ ہو بلکہ فاسق ہو یا بچہ ہو یا عورت ہو یا کافر ہو یا چاند دیکھنے والے نے قاضی کے ہاں جا کر گواہی نہ دی ہو یا گواہی دی ہو لیکن اس کی گواہی قبول نہ کی گئی ہو تو ان صورتوں میں اس پر روزہ رکھنا واجب ہوگا جیسا کہ اس شخص پر روزہ واجب ہوتا ہے جس کی تصدیق کرلی جائے یا جس کی گواہی پر اعتماد کرلیا جائے۔

جب عادل شخص کی رؤیت پر روزہ رکھا جائے اور پھر تیس دن پورے ہونے پر چاند نہ نظر آئے تو افطار کرلیا جائے گا اگرچہ آسمان صاف ہو چونکہ مہینے کی گنتی پوری ہو چکی اور حجت شرعیہ کا قیام بھی ہو چکا۔

حنابلہ.....حنابلہ کہتے ہیں ایک مکلّف شخص کی رؤیت سے ہلال کا ثبوت ہو جائے گا بشرطیکہ وہ شخص ظاہراً اور باطناً عادل ہو، چاہے مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، اگرچہ وہ اشھد یا شھادت نہ کہے۔ البتہ مستور الحال شخص کا قول قبول نہیں کیا جائے گا خواہ مطلع ابر آلود ہو یا صاف ہو۔

اگر عادل شخص جم غفیر میں چاند دیکھے جبکہ دوسرے لوگ چاند نہ دیکھیں تب بھی اس کی گواہی قبول کرلی جائے گی۔

حنابلہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جو شافعیہ کے موقف میں گزر چکی ہیں، عقلی دلیل یہ ہے کہ رؤیت ہلال کی خبر دینی خبر ہے لہٰذا اس میں زیادہ احتیاط کی جائے گی، اور اس میں تہمت کی گنجائش نہیں، بخلاف مہینے کے آخر کے (چنانچہ رمضان کی آخر میں تہمت کا شک ہو سکتا ہے۔)

اگر حاکم نے ایک شخص کی گواہی پر رؤیت ہلال کا فیصلہ کرلیا تو اس فیصلے پر عمل کرنا واجب ہوگا، اور روزے کے وجوب کے لئے لفظ ''شہادت'' کا ہونا ضروری نہیں، نیز حاکم کے پاس گواہی کی ادائیگی بھی ضروری نہیں بلکہ عادل شخص سے سن لینا روزے کے لئے کافی ہے، اور جو شخص چاند دیکھے اس پر واجب نہیں کہ وہ گواہی دینے کے لئے حاکم کے پاس جائے یا لوگوں کو رؤیت ہلال کی خبر دے اور اس پر یہ بھی واجب نہیں کہ وہ مسجد میں جا کر اعلان کرے، البتہ جس شخص کی گواہی رد کر دی جائے اس پر روزہ واجب ہے خواہ وہ فاسق ہو یا عادل، چونکہ حدیث ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو'' میں عمومی حکم ہے، نیز چاند دیکھنے والے کی اگر گواہی رد کر دی گئی ہو تو وہ افطار نہیں کرے گا بلکہ لوگوں کے ساتھ مل کر افطار کرے گا۔ چونکہ عید الفطر کا ثبوت دو عادل شخصوں کی گواہی سے ہوتا ہے، اور اگر ایک اکیلے شخص نے شوال کا چاند دیکھا تو وہ افطار نہیں کرے گا (یعنی روزے ختم نہیں کرسکتا) چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے، کہ ''عید الفطر تبھی ہے جب سبھی لوگ افطار کریں اور عید الاضحیٰ بھی اسی وقت ہے جب سبھی لوگ عید الاضحیٰ منائیں۔'' چونکہ عید الفطر کے چاند کے لئے ایک آدمی کی رؤیت میں خطا بھی واقع ہو سکتی ہے اور مورد تہمت بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا اس میں احتیاط واجب ہے۔

جب رؤیت ہلال کا ثبوت ہو جائے گا تو بقیہ احکام بھی ثابت ہو جائیں گے، جیسے رؤیت ہلال کے ساتھ کی ہوئی طلاق کا وقوع ہو جائے گا، قرض کی مدتیں پوری ہو جائیں گی، عدت پوری ہو جائے گی، خیارِ مشروط اور مدت ایلاء وغیرہ کا بھی ثبوت ہو جائے گا۔

علم حساب اور علم نجوم سے روزہ واجب نہیں ہوگا چونکہ ان چیزوں کا اعتبار نہیں اگرچہ ان چیزوں کا درست ہونا کثرت سے ثابت ہوا ہو۔

بقیہ مہینوں میں رؤیت ہلال کا حکم......رمضان کے علاوہ بقیہ مہینوں جیسے شوال وغیرہ کے اثبات کے لئے دو عادل شخصوں کی گواہی قبول کی جائے گی، اور گواہی لفظ ''شہادت'' سے قبول کی جائے گی، چونکہ یہ ان امور میں سے ہے، جن پر اکثر لوگ مطلع ہو جاتے ہیں، اور نہ ہی

---

❶ .....صححہ ابن حبان والحاکم ورواہ ابوداؤد والترمذی۔ حدیث سے اخبار کا ثبوت ہوتا ہے شہادت کا ثبوت نہیں نیز وہ خیر القرآن کی بات ہے آج ہمارے دور میں بے دینی زیادہ ہے لہٰذا ایک آدمی کی گواہی غیر معتبر ہوگی۔

یہ مالی معاملہ ہے اور نہ اس سے مال کا قصد کیا جاتا ہے، رمضان کے ثبوت کے لئے دو عادل شخصوں کی قید اس لئے ترک کی گئی ہے چونکہ رمضان میں عبادت کے لئے ایک طرح کی احتیاط ہے۔

رؤیت کے متعلق بقیہ مسائل...... جب لوگوں نے دو آدمیوں کی گواہی پر رمضان کے روزے رکھے ہوں اور پھر تیس دن پورے کئے ہوں اور چاند نہ دیکھیں تو عید الفطر منالیں، چاہے آسمان ابر آلود ہو یا صاف ہو چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دو شخص گواہی دیں تو روزے رکھو اور عید الفطر کرلو۔ ❶

جب لوگوں نے ایک شخص کی گواہی پر روزے رکھے ہوں اور تیس دن گنتی کے پورے کردیں تو اب افطار (عید الفطر) کرنا جائز نہیں چونکہ اس کی بنیاد ایک شخص کی گواہی پر ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص شوال کے چاند کی گواہی دے۔

اگر لوگوں نے ۲۸ دن روزے رکھے پھر شوال کا چاند دیکھ لیں تو ایک دن کی قضاء کریں گے اور اگر بارش یا غبار یا دھویں کی وجہ سے روزہ رکھا تھا تو افطار نہیں کریں گے چونکہ روزے میں احتیاط ہے اور اصل یعنی رمضان کے ساتھ ایک طرح کی موافقت ہے، اور یہ رمضان کا باقی ہونا ہے اور یہی بہتر ہے۔ اگر دو عادل شخص شوال کا چاند دیکھیں اور حاکم کے پاس آ کر گواہی نہ دیں تو جو شخص ان کی گواہی سنے اس کے لئے عید الفطر (افطار) کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ شخص گواہوں کی عدالت سے واقف ہو۔ اور ان دونوں کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ ایک دوسرے کی گواہی کو بنیاد بنا کر افطار کریں بشرطیکہ وہ ایک دوسرے کی عدالت سے واقف ہوں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اگر دو شخص گواہی دیں تو روزہ رکھو اور افطار کرو۔" اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے کی عدالت سے واقف نہ ہوں تو شوال کے لئے افطار کرنا ان کے لئے جائز نہیں چونکہ یہاں فسق کا احتمال ہے ہاں البتہ اگر حاکم ان کی گواہی پر فیصلہ کردے تو افطار ❷ جائز ہوگا۔ چونکہ حاکم کے فیصلے سے التباس ختم ہو جاتا ہے۔

اگر حاکم کے پاس دو اشخاص نے شوال کے چاند کی گواہی دی اگر حاکم نے ان کی گواہی رد کردی چونکہ حاکم ان کے احوال سے واقف نہیں تو جو شخص ان کی عدالت سے باعلم ہو تو اس کے لئے افطار جائز ہے، چونکہ حاکم کا رد کردینا اس کی طرف سے فیصلہ نہیں چونکہ اس نے ان کی گواہی قبول نہیں کی بلکہ یہ تو ان کے حالات سے ناواقفی کی وجہ سے توقف ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ گواہوں (بینہ) کے انتظار میں فیصلہ سے توقف کرلیا جائے، اگر اس کے بعد گواہوں کی عدالت ثابت ہوجائے تو حاکم ثبوت رؤیت کا فیصلہ کرسکتا ہے اور اگر حاکم گواہوں کی شہادت کو ان کے فسق کی وجہ سے رد کردے تو نہ ان کے لئے افطار کرنا جائز ہے نہ ان کے علاوہ کسی اور کے لئے۔

اگر مہینوں کی تعیین میں التباس پڑ جائے...... جب قیدی یا جیل میں بند انسان یا جنگل میں رہنے والے یا دار حرب میں رہنے والے پر مہینوں کا التباس ہوجائے (یعنی تعیین نہ ہوسکے کہ یہ کونسا مہینہ ہے) تو یہ شخص تحری (سوچ بچار) کرے تا کہ رمضان کا مہینہ معلوم کر سکے، اس پر تحری واجب ہوگی، چونکہ سوچ بچار سے فرض کی ادائیگی اس کے اختیار میں ہے، جیسے قبلہ کے التباس میں تحری واجب ہے، اگر تحری سے رمضان کے ساتھ اس کی موافقت ہوجائے یا اس کے بعد میں آنے والے کسی مہینے سے موافقت ہو تو اس مہینہ کے روزے کافی ہوجائیں گے۔ اگر بعد میں اسے معلوم ہو کہ اس نے جس مہینے کے روزے رکھے ہیں وہ ناقص (۲۹ دن کا) ہے جبکہ رمضان کامل (۳۰ دنوں کا) تھا تو

❶......رواه النسائی واحمد۔ یہ مسئلہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تفریع ہے چونکہ ان میں سے ہر ایک کے حق میں دوسرے کی گواہی انفرادی تصور ہوگی جو حنفیہ کی ہاں معتبر نہیں۔ ❷ رؤیت ہلال کے باب میں اکثر افطار کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس سے رمضان کے یومیہ روزے کی افطاری مراد نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد شوال کا چاند یعنی عید الفطر کا چاند دیکھ کر رمضان کو ختم کردینا مراد ہوتا ہے یعنی شوال کا چاند دیکھ کر افطار کرو اس سے مراد ہے کہ رمضان کے روزے ختم کرو اور عید الفطر مناؤ۔

نقصان والے دنوں کی قضاء اس پر واجب ہوگی۔ اور اگر اس نے رمضان کے قبل کسی مہینے کے (رمضان سمجھ کر) روزے رکھ لئے جیسے ماہ شعبان کو رمضان سمجھ کر روزے رکھ لئے تو یہ روزے کافی نہیں ہوں گے بلکہ اسے دوبارہ رکھنے پڑیں گے۔ ❶ چونکہ اس نے وقت سے پہلے عبادت کر دی جیسے نماز (وقت سے پہلے پڑھ لی جائے تو نہیں ہوتی) اگر رمضان کا کچھ حصہ موافق رہے تو جو حصہ موافق رہا اس کے روزے ہو چکے اور جو غیر موافق رہا وہ اگر رمضان کے بعد ہو تو کافی سمجھا جائے گا اگر رمضان سے پہلے ہو تو نا کافی ہے بلکہ ان دنوں کی قضاء واجب ہوگی۔

جس شخص کو مہینوں کی تعیین میں التباس ہو جائے اس نے اگر بغیر تحری کے روزے رکھ لئے تو یہ روزے کافی نہیں سمجھے جائیں گے چونکہ وہ تحری پر قدرت رکھتا تھا، جیسے کہ کسی پر قبلہ کا التباس ہو جائے اور وہ بغیر تحری کے کسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

خلاصہ کلام..... حنفیہ رمضان وشوال کے چاند کے اثبات کے لئے جم غفیر کی شرط لگاتے ہیں یہ اس وقت ہے جب آسمان صاف وشفاف ہو اور اگر آسمان ابر آلود ہو تو ایک عادل شخص کی رؤیت پر اکتفاء کر لیا جائے گا، جبکہ مالکیہ کے ہاں دو عادل اشخاص یا اس سے اکثر کا ہونا ضروری اور لابدی ہے البتہ مالکیہ کے ہاں ایک عادل شخص کی رؤیت پر اکتفا کر لیا جائے گا اس شخص کے حق میں کہ جس نے رؤیت ہلال کا اہتمام نہ کیا ہو۔ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں ایک عادل شخص کی رؤیت پر بھی اکتفاء کر لیا جائے گا، شافعیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر وہ مستور الحال ہو تب بھی اس کی رؤیت قبول کر لی جائے گی جبکہ حنابلہ کے ہاں مستور الحال کافی نہیں ہے جیسا کہ حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں شوال کے چاند کو دیکھنے کے لئے دو عادلوں کا ہونا ضروری ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں رؤیت کے معاملہ میں عورت کی گواہی قابل قبول ہے جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

رؤیت ہلال کی جستجو

حنفیہ..... حنفیہ کہتے ہیں کہ ۲۹ شعبان کی شام لوگوں پر چاند کو تلاش کرنا واجب ہے، اسی طرح (۲۹ رمضان) شوال کا چاند تلاش کرنا بھی واجب ہے، اگر رمضان کا چاند دیکھ لیں تو روزے رکھیں اور اگر چاند پوشیدہ ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کریں۔ پھر روزے رکھیں، چونکہ مہینہ کا باقی ہونا اصل ہے اور بغیر دلیل کے اصل سے منتقل ہونا روا نہیں جبکہ یہاں دلیل معلوم ہے۔

حنابلہ..... چاند کا دیکھنا مستحب ہے چونکہ اس میں روزے کی احتیاط ہے اور اختلاف سے گریز ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں اتنا حفاظت کا سامان کرتے تھے کہ اتنا اور کسی مہینے میں نہیں کرتے تھے پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "شعبان کے [illegible]ر کو گنتے رہو تا کہ رمضان کے روزے رکھ سکو۔" ❷

---

❶..... جس طرح رمضان کے روزے شعبان سے ادا نہیں ہوتے اسی طرح نذر معین کا روزہ اگر پیشگی رکھ لیا جائے تو وہ بھی نہیں ہوتا یہ احناف کا حنابلہ پر اعتراض ہے؟ ❷ پہلی حدیث دار قطنی نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کی ہے جبکہ دوسری حدیث ترمذی نے روایت کی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ۲۹ شعبان کی شام چاند تلاش کرنا واجب ہے چونکہ حدیث ہے صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ، حدیث میں ہیں "صوموا" امر کا صیغہ ہے اور روزہ رکھنا فرض ہے جبکہ یہ فرض رؤیت ہلال پر موقوف ہے جبکہ موقوف کا موقوف علیہ موقوف کے حکم میں ہوتا ہے یعنی روزہ فرض ہے لہٰذا رؤیت ہلال جو روزے کا مقدمہ ہے وہ بھی فرض لہٰذا چاند کا تلاش کرنا فرض ہوا۔ هذا مما سفح علی خاطری والحمدللہ۔ (از مترجم)

چاند دیکھنے کے وقت کی دعائیں...... جب کوئی آدمی چاند دیکھے تو اس کے لئے مسنون ہے کہ تین مرتبہ "اللہ اکبر" کہے۔ اور پھر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالْاَمْنِ وَالْاَمَانِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ

یا اللہ اس چاند کو ہمارے اوپر برکت، ایمان اور امن وسلامتی والا بنا کر نکالنا، میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

پھر تین بار یہ کلمات کہے:

هلال خير و رشد

یہ چاند خیریت اور رشد وہدایت والا رہے۔

پھر یہ کلمات کہے:

آمنت بالذی خلقك

میں اس ذات پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

پھر یہ دعا پڑھے:

الحمدلله الذی ذهب بشهر كذا وجاء بشهر كذا

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے فلاں مہینہ ختم کیا اور فلاں مہینہ لایا۔

چنانچہ اثرم ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ۔ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو "اللہ اکبر" کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے:

اللهم اهله علينا بالامن والايمان والسلامة والاسلام والتوفيق لما تحب وترضى ربى وربك الله

جب چاند دکھائی دے تو حنفیہ کے نزدیک (انگلی سے) چاند کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے چونکہ یہ جاہلیت کا عمل ہے۔

تیسرا مقصد......اختلاف مطالع [1]

اختلاف مطالع کے معاملہ میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے اور اس ضمن میں دو رائیں سامنے آتی ہیں مشرق تا مغرب سبھی مسلمانوں پر ایک ہی وقت میں روزہ فرض ہو جاتا ہے ایک ہی وقت میں سبھی مسلمانوں پر روزہ فرض نہیں ہوتا۔

جمہور...... جمہور فقہاء کے نزدیک سب مسلمانوں پر ایک ہی وقت میں روزہ فرض ہو جاتا ہے اور اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔

شافعیہ...... شافعیہ کی رائے میں روزے کی ابتداء اور عید اختلاف مطالع سے مختلف ہو سکتی ہے بشرطیکہ مطالع میں مسافت کی دوری ہو۔ بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ اختلاف مطالع کے اعتبار میں قریب کے شہر اور دور کے شہر میں مسافت قصر (قصر صلوٰۃ) ۸۹ کلومیٹر یا ۴۸ میل کا اعتبار کیا جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ بعض شافعیہ کا یہ قول غیر معتبر ہے۔

---

[1]...... مطالع، مطلع کی جمع ہے اور مطالع اسم ظرف کا صیغہ ہے جو طلوع سے مشتق ہے اور طلوع باب نصر کا مصدر ہے بمعنی طلوع ہونا اسی سے ہے طلع الشمس یعنی سورج طلوع ہوا اور یہاں مطالع کا معنی چاند طلوع ہونے کی مختلف جگہیں۔ اختلاف مطالع کا مطلب یہاں یہ ہے کہ چاند ایک جگہ دکھائی دیتا ہے اور دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتا مثلاً عموماً سعودی عرب میں ایک دن پہلے چاند نظر آ جاتا ہے جبکہ پاکستان میں ایک دن کے بعد چاند دکھائی دیتا ہے تو آیا چاند کے اس اختلاف کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اسی بحث کو مصنف نے یہاں چھیڑا ہے۔

چنانچہ یہ بات معلوم ہے کہ نفس اختلاف مطالع میں کوئی نزاع نہیں چونکہ اس چیز کا وقوع دور دراز کے شہروں میں ہوتا ہے جس طرح کہ سورج کے مطالع میں اختلاف ہوتا ہے (پاکستان میں دو گھنٹے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے جبکہ سعودی عرب میں دو گھنٹے بعد طلوع ہوتا ہے) نیز اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حاکم اسی چیز کا فیصلہ کرے گا جس کا ثبوت اس کے پاس ہوگا چونکہ حاکم کا فیصلہ اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔

البتہ فقہاء نے اس پر اجماع کیا ہے جو ممالک ایک دوسرے سے بہت زیادہ دور ہیں جیسے: اندلس، حجاز مقدس، انڈونیشیا اور عرب کے مغربی علاقے جیسے: تیونس، الجزائر وغیرہ تو ان میں اس چیز کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

لہٰذا میں اس اہم مسئلہ کے متعلق پہلے فقہاء کی عبارتیں ذکر کروں گا۔

حنفیہ..... حنفیہ کہتے ہیں کہ اختلاف مطالع اور زوال کے قبل یا بعد رؤیت ہلال کا کوئی اعتبار نہیں، حنفیہ کا ظاہری مذہب (ظاہر الروایہ) یہی ہے یہی اکثر مشائخ کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، چنانچہ اہل مغرب کی رؤیت سے اہل مشرق پر روزہ لازم ہوگا جب اہل مغرب موجب طریقے کے مطابق رؤیت ہلال کا اہتمام کریں بایں طور کہ دو عادل شخص گواہ ہوں یا قاضی کے فیصلے پر گواہی دیں یا خبر عام مشہور ہوجائے ❶ تو اس صورت میں دوسرے شہر والوں پر روزہ رکھنا واجب ہوگا، بخلاف اس کے کہ اہل شہر خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھ لیا ہے اس سے رؤیت اس شہر والوں کے لئے ثابت نہ ہوگی۔ چونکہ یہ محض حکایت ہے جس کا اعتبار نہیں۔ ❷

مالکیہ..... جب چاند دکھائی دے تو سب شہروں میں روزہ ہوگا خواہ شہر قریب ہوں یا دور ہوں اس میں قصری مسافت کا اعتبار نہیں، اور نہ ہی اختلاف مطالع کا اعتبار ہے اور نہ اتفاق مطالع کا، لہٰذا ہر اس شخص پر روزہ واجب ہوگا جسے گواہی منتقل ہوکر پہنچی ہو بشرطیکہ دو عادلوں کی گواہی سے ثبوت ہوا ہو یا کثیر جماعت کی خبر سے ثبوت ہوا ہو۔

حنابلہ..... جب کسی جگہ میں رؤیت ہلال کا ثبوت ہوجائے خواہ وہ جگہ قریب ہو یا دور سبھی لوگوں پر روزہ لازم ہوگا اور جس شخص نے چاند نہیں دیکھا اس پر چاند دیکھنے والے کا حکم لاگو ہوگا۔

شافعیہ..... شافعیہ کہتے ہیں جب چاند ایک شہر میں دکھائی دے تو اس کے قریب والے شہر میں ثبوت رؤیت کا حکم لازماً لاگو ہوگا اور دور کے شہر پر لاگو نہیں ہوگا، چونکہ شافعیہ نے اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے، البتہ ۲۴ ❸ فرسخ سے کم فاصلہ میں ان کے لئے بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔

جب ہم نے دوسرے بعید شہر میں روزہ واجب نہیں کیا تو اگر رؤیت والے شہر سے کوئی شخص سفر کر کے دور کے شہر میں پہنچے (جہاں ایک دن بعد روزہ رکھا گیا ہو) تو صحیح قول کے مطابق مسافر پر واجب ہے کہ آخری روزے میں ان کی موافقت کرے اگر چہ اس کے تیس روزے

---

❶..... یہ تین اصول ہیں (۱) یعنی دوسرے شہر میں دو عاقل بالغ آدمی گواہی دیں کہ فلاں شہر میں ہمارے سامنے دو عاقل بالغ عادل گواہی نے رؤیت کی گواہی دی ہے۔ (۲) یعنی دوسرے شہر میں دو عاقل بالغ عادل آدمی گواہی دیں کہ فلاں شہر میں قاضی نے ہمارے سامنے رؤیت ہوجانے کا فیصلہ کیا ہے (۳) لوگوں کی کثیر جماعتیں آ کر خبر دیں کہ فلاں شہر میں رؤیت ہوچکی ہے۔ ❷ تفصیل کے لئے دیکھئے رد المحتار ۲/ ۱۳۱ مجموعة رسائل ابن عابدين ۱/ ۳۵۳ تفسير القرطبی ۲/ ۲۹۶، فتح الباری ۴/ ۸۷ المجموع ۶/ ۳۰۰، هداية المجتهد ۱/ ۲۷۸۔ مراقی الفلاح ص ۱۰۹۔ ❸ ایک فرسخ ۵۵۴۴ میٹر کا ہوتا ہے یہ مسافت 24x5544=133.56 کلومیٹر کے برابر ہے، چونکہ مسافت قصر ۸۹ کلومیٹر ہے اور وہ ۴ برد یا ۱۶ فرسخ ہے جبکہ ایک فرسخ تین میل کے برابر ہے، ایک میل ۴۰۰۰ قدموں کے برابر ہے اور ایک قدم تین پاؤں کے برابر ہے اور دو قدم ایک ذراع کے برابر ہیں اور ایک ذراع ۲۴ انگشت معترض کے برابر ہے۔

پورے ہوگئے ہوں، چونکہ دوسرے شہر میں منتقل ہونے سے ان کے حکم میں آ گیا ہے، روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کریب کو اسی کا حکم دیا تھا (حدیث آرہی ہے)۔

اگر دوسرے شہر سے جس میں (پہلے دن) چاند دکھائی نہیں دیا کوئی شخص سفر کر کے اس شہر میں جائے جہاں چاند دکھائی دیا تھا (لامحالہ وہ ایک دن پہلے عید کریں گے) تو وہ وجوباً اس شہر کے لوگوں کے ساتھ عید کرے چونکہ اب وہ انہی کے حکم میں ہے۔

برابر ہے کہ اس نے (۲۸) روزے رکھے ہوں یا انتیس (۲۹)، البتہ یہ شخص ایک دن کی قضاء کرے اگر اس نے (۲۸) روزے رکھے ہوں چونکہ مہینہ ۲۸ دنوں کا نہیں ہوتا۔

جس شخص نے ایک ملک میں عید کی پھر اس نے کشتی یا ہوائی جہاز سے سفر کیا اور کسی دور کے ملک میں جا پہنچا جبکہ وہاں کے لوگوں کو روزہ ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ مسافر بقیہ دن وجوباً کھانے پینے سے رکا رہے، چونکہ اب یہ انہی لوگوں کا ایک فرد بن گیا ہے۔ ❶

شافعیہ کے دلائل.....شافعیہ نے اختلاف مطالع کے معتبر ہونے پر سنت، قیاس اور عقل سے استدلال کیا ہے۔

سنت سے.....شافعیہ نے دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حدیث کریب کی ہے اور دوسری ابن عمر رضی اللہ عنہما کی۔ ❷ ''ا'' ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کریب کو ملک شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، کریب کا بیان ہے کہ میں شام پہنچا اپنا کام کیا، اسی اثناء میں رمضان کی آمد کا مجھے شور سنائی دیا جبکہ میں شام میں تھا، چنانچہ میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا، پھر میں مہینہ کے آخر میں مدینہ آیا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے طرح طرح کے سوالات کئے پھر چاند کا ذکر کیا اور پھر کہا: تم نے کب چاند دیکھا؟ میں نے کہا: ہم نے جمعہ کی رات چاند دیکھا تھا، فرمایا: کیا تو نے خود چاند دیکھا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، لوگوں نے بھی چاند دیکھا روزہ رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لیکن ہم نے ہفتہ کی رات چاند دیکھا تھا، ہم تو روزے رکھیں گے یہاں تک کہ تیس دن پورے ہوجائیں یا چاند دیکھ لیں، میں نے عرض کیا: کیا ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت ہلال پر اکتفا نہ کریں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ ❸

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل شام کی رؤیت پر عمل نہیں کیا جبکہ اختلاف مطالع کے عدم اعتبار میں ایک شہر کی رؤیت سے دوسرے شہر کا عمل لازم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے۔

''ب'' ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ ۲۹ دنوں کا بھی ہوتا ہے لہٰذا چاند دیکھ کر روزے رکھو اور عید الفطر اس وقت تک نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو، اگر چاند پوشیدہ ہوجائے تو اس کی گنتی پوری کرو۔ ❹

اس حدیث میں روزے کو رؤیت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، البتہ ہر کس و ناکس کی رؤیت مراد نہیں بلکہ بعض کی رؤیت بھی کافی سمجھی جائے گی۔

قیاس سے.....شافعیہ نے چاند کے اختلاف مطالع کو سورج کے اختلاف مطالع پر قیاس کیا ہے چونکہ سورج کے طلوع اور غروب کے ساتھ اوقات صلوٰۃ مختلف ہوتے ہیں۔

---

❶.....جیسے کسی شخص نے سعودی عرب عید کی پھر دن کے ۱۲ بجے ہوائی جہاز کے ذریعے پاکستان آجائے اور یہاں ۲ بجے پہنچے اور یہاں کے لوگوں کو روزہ ہو تو اس پر امساک واجب ہے یعنی ۲ بجے کے بعد مغرب تک کھانے پینے سے وجوباً رکا رہے۔ ❷ رواہ الجماعۃ الا البخاری وابن ماجہ (نیل الاوطار ۴/۱۹۴) ❸ رواہ مسلم واحمد۔ ❹ پاکستان میں مغرب کی نماز ہو رہی ہوتی ہے جبکہ سعودی عرب میں عصر کی نماز ہو رہی ہوتی ہے، اسی طرح انڈونیشیا میں ظہر کی نماز ہوتی ہے جبکہ شام تیونس الجزائر وغیرہ میں فجر کی نماز ہو رہی ہوتی ہے یہی اختلاف مطالع شمس ہے۔

عقل سے..... شریعت نے روزے کو ماہ رمضان کی ولادت کے ساتھ مقید کیا ہے جبکہ مہینے کی ابتداء شہروں کے اختلاف اور دوری کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے لہٰذا شہروں کا اختلاف روزے کی ابتداء کے مختلف ہونے کا مقتضی ہے۔

جمہور کے دلائل..... جمہور نے سنت اور قیاس سے استدلال کیا ہے۔

سنت..... یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت ہے کہ" چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر عید الفطر کرو، اگر چاند پوشیدہ ہو جائے تو شعبان کے تیس دن کی گنتی پوری کرو۔ [1] یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مطلق رؤیت سے روزہ سبھی مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا مطلق کو اپنے اطلاق پر رہنے دیا جائے گا اسے مقید نہیں کیا جائے گا، اس لئے جم غفیر کی رؤیت یا ایک شخص مقبول الشہادت کی رؤیت پر اکتفا کر لیا جائے گا۔

قیاس..... جمہور نے دور کے شہروں کو قریب کے شہروں پر قیاس کیا ہے جن میں رؤیت ہو جائے، فی نفسہ اس میں کوئی فرق نہیں، اور فرق کا اعتبار سینہ زوری ہے جبکہ دلائل پر اس کا اعتبار نہیں۔

تبصرہ..... ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس موضوع پر چھ اقوال نقل کئے ہیں۔

علامہ صنعانی کی رائے..... صنعانی کا بیان ہے کہ مناسب یہ ہے کہ جس شہر کے لوگوں کو رؤیت ہلال ہو جائے تو اس شہر کی سمت میں طولاً جو شہر متصل ہو اس کے لوگوں پر بھی روزہ لازم ہو جاتا ہے، طولاً کا اعتبار شمالاً جنوباً ہو گا چونکہ شمالاً جنوباً اتحاد مطالع ہوتا ہے، جبکہ خطوط عرض کے اختلاف درجات سے اختلاف مطالع ہوتا ہے۔ اور دو شہروں کے طول میں برابری نہیں ہوتی۔

علامہ شوکانی کی رائے..... علامہ شوکانی کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بیان مرفوع حجت ہے، وہ اجتہاد حجت نہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے لوگوں نے مستفاد کیا ہے، شوکانی کا اشارہ اس قول کی طرف ہے۔ " ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے" اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ" ہم برابر روزے رکھیں گے تاوقتیکہ تیس دن پورے کر لیں"

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس چیز کو بیان کیا ہے وہ انفرادی طور پر ایک جگہ کے رہنے والوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ مسلمانوں میں ہر فرد کے لئے خطاب ہے، لہٰذا اس حدیث سے اس بات پر استدلال ہوا ہے کہ ایک شہر کے رہنے والوں کی رؤیت سے دوسرے شہروں کے رہنے والوں پر بھی لازم ہو جاتا ہے یہ استدلال زیادہ واضح ہے جبکہ عدم لزوم کا استدلال کمزور ہے، چونکہ جب ایک شہر کے لوگ چاند دیکھ لیں تو گویا سبھی مسلمانوں نے دیکھ لیا لہٰذا ان کے علاوہ دوسروں کو بھی لازم ہو گا۔

مصنف کے نزدیک معتمد مسلک..... جو مسلک مناسب اور معتمد لگتا ہے وہی ہے جو مالکیہ اور زیدیہ کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور یہ مہدی کا مختار ہے، یہ مسلک امام قرطبی نے اپنے شیوخ سے نقل کیا ہے۔

وہ یہ کہ جب اہل شہر کے لوگ چاند دیکھیں تو سبھی شہروں کے رہنے والوں پر روزہ لازم ہو جاتا ہے۔

یہی جمہور کی رائے ہے اور یہ راجح ہے چونکہ اس سے مسلمانوں کے درمیان عبادت کی وحدت حاصل ہو جاتی ہے اور ہمارے زمانے میں غیر مقبول اختلاف کے لئے ایک طرح کی رکاوٹ بھی ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ روزہ رؤیت پر معلق ہے جبکہ اطراف وجوانب کے تفرقہ پر معلق نہیں۔

علم فلکیات کا نقطہ نظر..... علوم فلکیات کی تحقیقات اس امر کی مقتضی ہیں کہ اسلامی ممالک میں شرعی مہینے کی ابتدا یکبارگی ہونی چاہئے یعنی جس دن مصر میں یکم رمضان ہو علوم فلکیات کا تقاضا ہے کہ اسی دن پاکستان، انڈونیشیا میں بھی یکم رمضان ہو، چونکہ روئے زمین کے

---

[1]..... رواہ البخاری ومسلم (نیل الاوطار ۱۹۱/۴)

ایک کونے کے اسلامی ملک اور دوسرے کونے کے اسلامی ملک (مثلاً انڈونیشیا اور شام) کے درمیان چاند کے مطلع (طلوع ہونے میں) ۹ گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے، یوں تقریباً سبھی اسلامی ممالک میں ایک ہی رات میں رؤیت ہوسکتی ہے چونکہ ایک جگہ (مثلاً شام میں) چاند دکھائی دے تو دوسرے نہائی مقام (مثلاً انڈونیشیا) میں ابھی رات کے تین گھنٹے (ایک چوتھائی رات بلکہ عین سحری کا وقت ہوتا ہے) باقی ہوتے ہیں۔

اور آج کے جدید دور میں برقی آلات اور ٹیلی فون سے خبر ایک ملک سے دوسرے ملک میں سیکنڈوں میں دی جاسکتی ہے۔

احتیاط اسی میں ہے کہ عرب ممالک عمان سے مغرب اقصیٰ تک میں ایک ہی دن عید پر اکتفاء کیا جائے۔ ❶

چوتھی بحث ...... روزہ واجب ہونے کی شرائط

فقہاء نے روزہ واجب ہونے کے لئے پانچ شرائط لگائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷

۱: اسلام...... اسلام حنفیہ کے نزدیک روزہ کے لئے شرط وجوب ہے جبکہ جمہور کے نزدیک شرط صحت ہے، لہٰذا حنفیہ کے نزدیک کافر پر روزہ واجب نہیں اور نہ ہی (اسلام قبول کرنے کے بعد) اس سے قضاء کا مطالبہ کیا جائے گا۔

جمہور کے نزدیک کافر کا روزہ کسی حال میں درست نہیں خواہ وہ مرتد ہی کیوں نہ ہو، البتہ جمہور کے نزدیک بھی کافر کے ذمہ قضاء نہیں۔

ثمرۂ اختلاف...... حنفیہ کے نزدیک کفار شریعت مطہرہ کی فروع کے مخاطب نہیں چونکہ فروع بھی عبادات ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک کفار شریعت کی فروع کے مخاطب ہیں، مطلب یہ ہے کہ کفار پر اسلام قبول کرنا واجب ہے، پھر روزہ واجب ہے، جبکہ حالت کفر میں روزہ درست نہیں، چونکہ روزہ محض بدنی عبادت ہے جو نیت کی محتاج ہے، گویا روزے کے لئے پہلی شرط اسلام ہے جس طرح نماز کے لئے اسلام شرط ہے، آخرت میں روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے کفار کے عذاب میں اضافہ ہوگا البتہ حالت کفر میں ان سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ گویا ثمرۂ اختلاف آخرت میں عذاب کے دوگنا ہونے اور نہ ہونے پر منحصر ہے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک کفر پر ہونے والا عذاب واحد ہے جبکہ جمہور کے نزدیک عذاب دوگنا ہے ایک عذاب کفر پر ملے گا اور دوسرا عذاب فروعات شرعیہ کے ترک پر۔ ❸

---

❶ ...... جمہور کے نزدیک اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں یعنی عدم اعتبار اس بات کا مقتضی ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں ایک ہی دن روزہ ہو اور ایک ہی دن عید ہو لیکن بعض متاخرین نے اس کو اختیار کیا ہے کہ جہاں اختلاف مطالع کا واقعی فرق ہے وہاں اس کا شرعاً بھی اعتبار ہے جبکہ شافعیہ کا یہی قول ہے، لیکن فتویٰ ظاہر مذہب پر ہے کہ اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں، لیکن یا للعجب پھر اسلامی ممالک میں یکم رمضان اور عید میں اختلاف کیوں ہوتا ہے؟ یہ وہ امر ہے کہ آج کی بے دین حکومتوں نے اس طرف توجہ نہیں دی ورنہ یہ عین ممکن ہے کہ اگر شام میں چاند دکھائی دے اور خبر ٹی وی یا ٹیلی فون سے انڈونیشیا میں بتائی جائے تو وہاں سحری کا وقت ہوتا ہے اسی دن روزہ رکھا جاسکتا ہے جبکہ پاکستان میں تو ابھی آدھی رات بھی نہیں ہوتی۔ یہ بالکل عین ممکن ہے کہ ایک ہی دن عید اور یکم رمضان ہو، اس لئے کہ حکومتوں کی گٹھ جوڑ بھی ضروری نہیں بلکہ ہر ملک کی رؤیت ہلال کمیٹی آپس میں اتحاد کرلیں اور رؤیت کا مقام آپس میں متفقہ ہر مہینے کے لئے طے کرلیں، لیکن ایک بات عدم توجہی کی شکار ہے تو شکار ہی ہوتی جارہی ہے دفعیہ کا کوئی بندوبست نہیں، البتہ اسلام آباد کے ایک انجینئر ملک شیر احمد بگوی نے تحریک چلائی تھی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے انہوں نے سعودی عرب اور پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹیوں سے روابط رکھے مگر ان کی تحریک کو کما حقہ فائدہ حاصل نہ ہوا، شبہ یہ ہے کہ جب اختلاف مطالع کا اعتبار ظاہر مذہب میں نہیں تو پھر اس کا اعتبار کیوں کیا جاتا ہے ہمارے ملک پاکستان میں اختلاف ہوتا ہے سرحد میں یکم رمضان ہے بقیہ پاکستان میں شعبان کا آخری دن ہوتا ہے۔ سرحد میں عید ہوتی ہے بقیہ پاکستان میں رمضان کا آخری دن، نامعلوم کیا آفت پڑی ہے جو کسی ایک بات پر بھی اتحاد و اتفاق نہیں ہونے دیتی۔ ❷ دیکھئے البدائع ۲/۸۷، ۸۹، فتح القدیر ۲/۸۷، الدر المختار ۲/۱۴۵، اللباب ۱/۱۷۲، الشرح الصغیر ۱/۶۸۱ القوانین الفقهیة ص ۱۱۳، المهذب ۱/۱۷۷، مغنی المحتاج ۱/۴۳۲، المغنی ۳/۱۵۳، کتاب القناع ۲/۳۵۹ شرح الرسالة ۱/۳۰۰، وبداية المجتهد ۱/۲۸۸۔ ❸ یہ مسئلہ اصول فقہ سے متعلق ہے کہ آیا کافر تکالیف شرعیہ کا مکلف ہے یا نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک کافر فروعات شرعیہ کا مکلف نہیں۔ یہ مسئلہ انشاء اللہ آگے اپنے مقام پر بیان ہوگا۔

اگر کافر رمضان میں اسلام قبول کرے......اگر کافر نے رمضان میں اسلام قبول کیا تو بقیہ مہینے کے روزے رکھے گا اور جو روزے اس سے فوت ہو گئے بالاتفاق اس کے ذمہ ان کی قضاء نہیں۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ......الانفال ۸/۳۸

کافروں سے کہہ دو کہ اگر (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

نیز اگر حالت کفر میں فوت شدہ روزوں کی قضاء نومسلم پر واجب کر دی جائے تو اسے اسلام سے نفرت ہو جائے گی۔ ❶

جو شخص مرتد ہو جائے اس کا روزہ رکھنا درست نہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ......الزمر ۳۹/۶۵

اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

اگر کافر دن کے وقت اسلام قبول کرے......اگر کافر نے رمضان میں دن کے وقت (مثلاً ۱۲ بجے) اسلام قبول کیا تو حنابلہ کے نزدیک اس دن کا بقیہ حصہ نومسلم کے لئے کھانے پینے سے رکے رہنا لازمی ہے اور اس دن کی قضاء بھی اس کے ذمہ واجب ہے، چونکہ نومسلم نے عبادت کے وقت کا ایک جزء پالیا ہے لہٰذا یہ عبادت اس پر لازم ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے نماز کا وقت پالے تو نماز اس پر واجب ہوگی۔

جبکہ نومسلم کے لئے بقیہ دن کھانے پینے سے رکے رہنا حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مستحب ہے، چونکہ اس میں روزے کی حرمت کا پہلو ہے اور روزے داروں کے ساتھ مشابہت ہے۔ البتہ مالکیہ کے نزدیک اس روزے کی قضاء نومسلم کے لئے مستحب ہے، حنفیہ کے نزدیک سرے سے قضاء اس کے ذمہ ہے ہی نہیں، صحیح قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک بھی قضاء نہیں چونکہ ادائے فرض کا وقت نومسلم کی دسترس میں نہیں رہا لہٰذا قضاء بھی نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ بقیہ دن اس کے ذمہ کھانے پینے سے رکے رہنا لازمی نہیں، چونکہ اس نے عذر کی وجہ سے افطار کیا ہے لہٰذا مسافر اور مریض کی طرح ہے۔

اگر مرتد توبہ تائب ہو کر اسلام میں آجائے تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء اس کے ذمہ واجب ہے، چونکہ اس نے اسلام سے اس چیز کا التزام کیا ہے لہٰذا ارتداد کی وجہ سے سقوط نہیں ہوگا لہٰذا یہ آدمیوں کے حقوق کی طرح ہے۔

۲، ۳ بلوغ اور عقل......روزہ بچے، مجنون (پاگل)، بے ہوش اور نشے میں دھت انسان پر واجب نہیں چونکہ ان میں اہلیت معدوم ہے لہٰذا انہیں مکلف بنانے والا خطاب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوگا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "تین اشخاص مرفوع القلم ہیں، بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے، مجنون یہاں تک کہ اسے افاقہ ہو جائے، سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔" لہٰذا جس شخص کی عقل جاتی رہے تو وہ اس حالت میں روزے کا مخاطب نہیں ہوگا، مجنون، بے ہوش اور نشے میں دھت انسان کا روزہ درست نہیں چونکہ روزے کے لئے نیت ضروری ہے جبکہ یہ لوگ نیت کے اہل ہی نہیں۔

بچے کا روزہ......اس بچے اور بچی کا روزہ درست ہے جو نفع ونقصان میں فرق اور امتیاز کر سکتے ہوں، جیسے کہ ان کی نماز درست ہوتی ہے، شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بچے کے ولی پر واجب ہے کہ سات سال کے بعد جب بچہ روزے کی طاقت رکھے تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دے، اور ۱۰ (دس) سال کے بعد روزہ نہ رکھنے پر اسے مارے تاکہ اسے عادت پڑ جائے جیسا کہ نماز میں کیا جاتا ہے، البتہ روزہ مشقت والی عبادت ہے لہٰذا اس میں طاقت کا اعتبار کیا جائے گا چونکہ بسا اوقات ایک شخص نماز کی طاقت رکھتا ہے جبکہ روزہ

---

❶......یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوگا۔

جبکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ بچوں کو روزے کا حکم نہیں دیا جائے گا البتہ نماز کا حکم دیا جائے گا، مالکیہ کے نزدیک بچوں پر روزہ واجب نہیں یہاں تک کہ لڑکے کو احتلام ہو جائے اور لڑکی کو حیض آنے لگے، چنانچہ بدنی اعمال بالغ ہونے سے لازم ہوں گے۔

بچہ اگر دن کے وقت بالغ ہو جائے...... بچہ اگر دن کے وقت بالغ ہوا (مثلاً رمضان میں دوپہر کے وقت سو گیا اور دوران نیند اسے احتلام ہو گیا) تو اس دن کے بقیہ حصے میں کھانے پینے سے رکا رہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کافر اسلام قبول کر لے۔ [1] چونکہ بچے کے حق میں سببیت اور اہلیت کا تحقق ہو چکا ہے، البتہ جس دن وہ روزے کا اہل ہوا ہے اس دن کی قضاء اس کے ذمہ واجب نہیں چونکہ اہلیت معدوم ہونے کی وجہ سے خطاب بھی معدوم تھا۔ اسی طرح مہینے کے جتنے روزے گزر چکے ان کی قضاء بھی بچے کے ذمہ واجب نہیں۔

بے ہوش کا روزہ...... اسی طرح حنفیہ کے نزدیک بے ہوش شخص کے ذمہ اس دن کی قضاء واجب نہیں جس دن اس پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی، چونکہ اس کے حق میں نفس روزے کا وجود ہے اور وہ امساک ہے جو نیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ظاہر میں امساک کا وجود بے ہوش شخص میں ہے، چونکہ مسلمان کی ظاہری حالت اس بات کی متقاضی ہے کہ رمضان کی راتوں میں نیت سے آدمی خالی نہیں ہوتا بلکہ آنے والے دن کے روزے کی نیت ہوتی ہے لہٰذا اس دن کے علاوہ بقیہ دنوں کی قضاء کرے گا، اگر رات کے اول حصہ میں بے ہوشی طاری ہوئی تو آنے والے دن کے علاوہ بقیہ سبھی دنوں کی قضاء کرے گا چونکہ مسلمان کا ظاہری حال یہی ہے کہ اس نے نیت کی ہوگی۔

جس شخص پر پورا رمضان بے ہوشی طاری رہے تو وہ پورے رمضان کی قضاء کرے گا چونکہ بے ہوشی مرض کی ایک قسم ہے جو قویٰ (اعضاء) کو کمزور کرتی ہے عقل کو کمزور نہیں کرتی لہٰذا تاخیر میں اسے عذر سمجھا جائے گا اور اس سے روزوں کا سقوط نہیں ہوگا۔

مجنون کا روزہ...... جب مجنون کو رمضان کے کچھ حصہ میں افاقہ ہو جائے تو گزرے ہوئے دنوں کی قضاء کرے گا، چونکہ روزے کا سبب ماہ رمضان کو پالینا ہے اور یہ سبب پایا گیا ہے اور نفس وجوب کی اہلیت ذمہ میں بغیر کسی مانع کے ثابت ہو چکی ہے، لہٰذا جب وجوب بغیر کسی مانع کے متحقق ہو چکا تو قضاء بھی متعین ہے۔

اگر رمضان کا پورا مہینہ جنون رہے اور رمضان کے کسی جزء میں بھی افاقہ نہیں ہوا تو قضاء واجب نہیں ہوگی چونکہ اس میں حرج ہے۔ بخلاف بے ہوشی کے چونکہ بے ہوشی عام طور پر ایک ایک مہینہ نہیں ہوتی اور بے ہوشی کا اتنا طویل ہونا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، لہٰذا نادر معدوم کے حکم میں ہے اور نادر پر حکم کا ترتب ہوگا، بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ بے ہوشی پر حکم کا ترتب ہوگا یعنی بے ہوش کو قضاء کرنی ہوگی۔

خلاصہ...... خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ بے ہوشی اور جنون جو منقطع ہو جائے وہ روزے کے وجوب کے مانع نہیں بلکہ روزے کا وجوب ہو جاتا ہے اور قضاء بھی واجب ہوتی ہے، البتہ وہ جنون جو پورا مہینہ رہے تو ایسی صورت میں مجنون پر قضاء واجب نہیں، رہی بات بے ہوشی کی سو اس میں (ہر حال میں) قضاء ہے اور نشہ بے ہوشی کے حکم میں ہے لہٰذا نشہ کی صورت میں قضاء واجب ہے۔

(بچے، مجنون اور بے ہوش کے متعلق مندرجہ بالا تفصیلات حنفیہ کے نزدیک ہیں بقیہ آئمہ کا موقف ذیل میں ہے۔)

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں مجنون کا روزہ درست نہیں، اور مشہور قول کے مطابق مجنون کے ذمہ قضاء واجب ہے چونکہ حدیث ہے۔ کہ ''مجنون مرفوع القلم ہے حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے۔'' ابن رشد کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کرنا بہت کمزور ہے۔'' مالکیہ کے نزدیک بے ہوش شخص کا روزہ مطلقاً صحیح نہیں اس پر قضاء واجب ہے یہ اس وقت ہے جب بے ہوشی ایک دن یا ایک دن سے زیادہ ہو، اگر بے ہوشی تھوڑی دیر کے لئے ہو یا نصف دن کے لئے ہو اور فجر کے بعد بے ہوشی ہو تو اس دن کی قضاء نہیں۔

---

[1] ... بچے کے لئے رکنا مستحب ہے جیسا کہ نو مسلم کے لئے رکنا مستحب ہے۔

اگر رات کے وقت بے ہوشی ہوئی اور طلوع فجر کے بعد افاقہ ہوگیا تو اس روزے کی قضاء واجب ہے چونکہ نیت کا محل فوت ہو چکا ہے چونکہ وہ نیت کے وقت عقل نہیں رکھتا تھا، بے ہوش شخص نمازوں کی قضاء نہیں کرے گا۔ البتہ صرف اسی وقت کی نماز کی قضاء کرے گا جس وقت میں اسے افاقہ ہوا ہے۔

بے ہوشی نیند سے مختلف ہے چونکہ بے ہوشی، نینداور جنون کا درمیانی درجہ ہے۔

جو شخص سوتا رہے وہ مطلقاً قضاء نہیں کرے گا اگر چہ پورا دن ہی سوتا رہے، نشہ بے ہوشی کی مانند ہے، البتہ نشہ کی صورت میں افاقہ ہونے پر بقیہ دن کا امساک ضروری ہوگا، جو شخص رات کو نشہ میں دھت ہوا اور صبح کو اس کی عقل جاتی رہی اس کے لئے افطار جائز نہیں (یعنی دن کو کھانا پینا اس کے لئے جائز نہیں) اور قضاء اس پر واجب ہے۔

شافعیہ.....شافعیہ کہتے ہیں کہ جب بچہ بالغ ہو جائے یا مجنون کو افاقہ ہو جائے اور یہ تبدیلی دن کے وقت رونما ہو تو ان کا حکم وہی ہے جو کافر کے اسلام لانے پر ہوتا ہے، صحیح قول کے مطابق ان پر قضاء نہیں اور صحیح قول کے مطابق بقیہ دن کا امساک بھی لازمی نہیں۔

بے ہوشی، ردت، نشہ، کفر دون الکفر الاصلی، بچپن اور جنون کی وجہ سے جو روزے فوت ہو جائیں ان کی قضاء واجب ہوتی ہے، البتہ جب جنون متعدی ہو بایں طور کے رات کو جان بوجھ کر کوئی چیز کھالی جس سے اس کی عقل جاتی رہی تو اس صورت میں جتنے دن جنون رہا ان دنوں کی قضاء واجب ہوگی، کافر سے جو روزے فوت ہو گئے ان کی قضاء اس پر واجب نہیں، چونکہ قضاء کا حکم اس پر لاگو کرنے سے وہ اسلام سے متنفر ہو جائے گا، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ......الانفال ۸/ ۳۸

کافروں سے کہہ دو کہ اگر (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

بچے اور مجنون پر بھی فوت شدہ روزوں کی قضاء نہیں چونکہ وہ دونوں مرفوع القلم ہیں۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو گیا پھر اسے جنون لاحق ہوا یا نشہ میں دھت ہو گیا تو صحیح قول کے مطابق اس پر سبھی دنوں کی قضاء واجب ہوگی چونکہ ردت کا حکم مستمر ہے بخلاف نشہ کے، حائضہ عورت اور بلا عذر روزہ توڑ دینے والے پر قضاء واجب ہے، نیت ترک کرنے والے مسافر اور مریض کا حکم آیا چاہتا ہے۔

حنابلہ.....حنابلہ کہتے ہیں اگر بچے/ بچی نے روزہ رکھا اور دن کے وقت ۱۵ سال پورے ہونے پر یا احتلام سے بالغ ہو گیا تو بغیر اختلاف کے اس کا روزہ پورا ہوا، اگر رات کے وقت نیت کی تھی تو اس پر قضاء نہیں، بلاشبہ بچے کے پہلے روزے نفل ہوں گے اور باقی روزے فرض ہوں گے جیسے نذر کا روزہ نفل ہے لیکن اس کا پورا کرنا واجب ہے۔

جب مجنون کو مہینے کے دوران افاقہ ہوا تو بلا اختلاف بقیہ دنوں کے روزے اس پر واجب ہوں گے، گزرے ہوئے دنوں کی قضاء واجب نہیں ہوگی جنون خواہ متعدی ہو یا غیر متعدی، البتہ حنفیہ اور مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک قضاء ہوگی) حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ جنون کی علت تکلیف (مکلف ہونے) کو ختم کر دیتی ہے لہٰذا قضاء واجب نہیں ہوگی جیسے بچپن یا بڑھاپے میں قضاء واجب نہیں۔

جس دن کافر نے اسلام قبول کیا یا بچہ بالغ ہوا یا مجنون کو افاقہ ہوا تو اس دن کی قضاء اور بقیہ دن امساک کرنے کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ صحیح روایت یہ ہے کہ اس دن کی قضاء واجب ہوگی اور بقیہ دن امساک بھی لازمی ہوگا، چونکہ وقت کی حرمت ضروری ہے نیز گواہوں کے قائم ہو جانے سے روایت اس کے حق میں بھی ثابت ہو چکی اور رمضان کا کچھ حصہ تو اس نے پا لیا جس طرح نماز کے وقت کا کچھ حصہ پا لینے سے واجب ہو جاتی ہے اسی طرح قضاء اور امساک اس شخص پر بھی لازمی ہے جس نے بلا عذر روزہ توڑ دیا ہو۔

اس طرح مندرجہ ذیل صورتوں میں بھی قضاء اور بقیہ دن امساک لازمی ہوگا وہ صورتیں یہ ہیں۔ایک شخص سمجھا کہ ابھی طلوع فجر نہیں ہوئی جبکہ فجر طلوع ہوچکی تھی اور وہ کھاتا رہا، کسی کو گمان ہوا کہ سورج غروب ہوچکا ہے حالانکہ سورج غروب نہ ہوا ہو، یا نیت ہی کوئی بھول گیا، یا حائضہ عورت پاک ہوگئی یا نفاس والی عورت پاک ہوگئی، یا مکلّف عورت نے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا پھر اسے حیض آیا یا نفاس آ گیا، یا مقیم نے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا پھر سفر پر روانہ ہوگیا، یا مسافر واپس لوٹ آیا یا اتنی مدت اقامت کرلی جتنی مدت میں قصر ممنوع ہوتی ہے، یا مریض صحت یاب ہوگیا۔رہی بات نیند کی سو روزے میں نیند مؤثر نہیں خواہ دن کے بعض حصہ میں نیند ہے یا پورے دن۔

خلاصہ.....جنون مستمر (وہ جنون جو طاری رہے) کی صورت میں جمہور کے نزدیک قضاء واجب نہیں جبکہ مالکیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق قضاء واجب ہے، بے ہوشی کی صورت میں بالاتفاق قضاء واجب ہے، جو شخص بے ہوش ہوجائے تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا روزہ درست ہوگا بشرطیکہ لحہ بھر کے لئے اسے افاقہ ہوجائے، اگر بے ہوشی پورا دن رہی تو روزہ درست نہیں ہوگا، جبکہ بے ہوش شخص کا روزہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً صحیح ہے جبکہ بے ہوش کا روزہ مالکیہ کے نزدیک صحیح نہیں الا یہ کہ تھوڑی بہت بے ہوشی ہو جیسے آدھا دن تو تب روزہ درست ہوگا۔

۴، ۵: قدرت اور اقامت (مرض سے صحت یابی).....مریض اور مسافر پر روزہ واجب نہیں البتہ بالا جماع ان پر قضاء واجب ہے۔البتہ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھ لیں تو ان کا روزہ درست ہوگا، اس پر دلیل فرمان باری تعالیٰ:

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ البقرۃ ۲/۱۸۴

ترجمہ.....تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو، پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے ایام کو شمار کرنا ہے اور جو لوگ روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے اور جو شخص خوشی سے خیر کرے یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

اور جب مسافر واپس لوٹ آئے تو بقیہ دن کھانے پینے سے رکا رہے جیسے حائضہ عورت دن کے بعض حصہ میں پاک ہوجائے تو بقیہ دن کھانے پینے سے رکے رہنا ضروری ہوتا ہے۔

جیسا کہ کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس پر روزہ رکھنا واجب نہیں اسی طرح حائضہ عورت پر بھی روزہ رکھنا واجب نہیں (بلکہ جائز نہیں) چونکہ وہ معذور ہونے کی وجہ سے عاجز ہے، اسی طرح حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزہ رکھنا واجب نہیں چونکہ یہ دونوں عورتیں حساً روزہ رکھنے سے عاجز ہیں، مسافر کو تب رخصت دی جائے گی جب اس کے سفر کی مدت مدت قصر ہو، مسافر کے لئے جمہور یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا سفر مباح ہو، معصیت کے لئے نہ ہو جبکہ حنفیہ مباح ہونے کی شرط نہیں لگاتے، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ رخصت ایک نعمت ہے جو معصیت پر نہیں ملتی، حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ رخصت کا سبب موجود ہے اور وہ سفر ہے لہٰذا رخصت ہوگی۔

پھر جمہور کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ سفر فجر سے پہلے ہو اور اگر مسافر نے گھر ہی پر صبح کی اور روزہ میں تھا اور بعد میں سفر کیا تو اب وہ افطار نہیں کرسکتا چونکہ روزہ عبادت ہے اس میں حضر وسفر دونوں برابر ہیں البتہ جانب حضر کو ترجیح ہوگی چونکہ حضر اصل ہے اور سفر اس کے تابع ہے۔البتہ اگر ایک شخص نے حالت صحت میں صبح کی اور روزہ میں بھی تھا پھر بعد میں بیمار ہوگیا تو افطار کرسکتا ہے چونکہ یہاں وہ سبب موجود ہے جس کی وجہ سے روزہ مباح ہوجاتا ہے، اگر مسافر نے اقامت اختیار کرلی اور مریض صحت یاب ہوگیا تو اس صورت میں افطار حرام ہوگا۔

جبکہ حنابلہ نے یہ شرط نہیں لگائی البتہ حنابلہ کے ہاں افضل یہ ہے کہ مسافر نے جس دن سفر شروع کیا اور روزے کی نیت کی تھی تو وہ روزہ پورا کردے، تاکہ اختلاف سے نکل جائے اور اس میں حالت حضر کو ترجیح بھی مل جاتی ہے۔

علم..... حنفیہ نے ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے کہ جو شخص دار حرب میں رہتا ہو تو اس کے لئے روزے کا علم ہونا شرط ہے، اگر یہ شرط پائی گئی تو روزہ واجب ہوگا، یہ شرط اصول سے سمجھی جا سکتی ہے۔

دوسرا مقصد..... روزہ صحیح ہونے کی شرائط

روزہ صحیح ہونے کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں جو حسب ذیل ہیں:

حنفیہ..... حنفیہ کے نزدیک روزہ کی صحت کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) نیت۔ (۲) روزے کے منافی امور جیسے حیض ونفاس وغیرہ سے خالی ہونا (۳) روزہ کے مفسدات سے خالی ہونا۔

چنانچہ جب کسی عورت کو حیض آ جائے وہ روزہ توڑ دے اور بعد میں اس کی قضاء کرے۔ ❶

مالکیہ..... مالکیہ کے نزدیک چار شرائط ہیں:

(۱) نیت (۲) حیض ونفاس سے پاک ہونا (۳) اسلام (۴) ایسے زمانے کا ہونا جو روزے کے قابل ہو۔

لہٰذا عید کے دن روزہ درست نہیں ہوگا، مالکیہ نے روزہ صحیح ہونے کے لئے عقل کی شرط بھی لگائی ہے، چنانچہ مجنون اور بے ہوش انسان کا روزہ صحیح نہیں اور نہ ہی ان پر روزہ واجب ہے۔ ❷

شافعیہ..... شافعیہ کے نزدیک بھی چار شرائط ہیں:

(۱) اسلام (۲) عقل (۳) پورا دن حیض ونفاس سے پاک رہنا (۴) اور ایسے وقت کا ہونا جو روزے کا قابل ہو۔

لہٰذا شافعیہ کے نزدیک کافر مجنون بچہ جو تمیز نہ کر سکتا ہو، حائضہ اور نفاس والی عورت کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، رہی بات نیت کی سو وہ شافعیہ کے نزدیک رکن ہے۔ ❸

حنابلہ..... حنابلہ کے نزدیک روزہ صحیح ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں:

(۱) اسلام (۲) نیت (۳) اور حیض ونفاس سے پاک ہونا۔ ❹

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء نے نیت، حیض ونفاس سے پاک ہونے کی بالاتفاق شرطیں قرار دی ہیں، جبکہ اسلام جمہور کے نزدیک روزہ صحیح ہونے کی شرط ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک اسلام روزہ واجب ہونے کی شرط ہے، اب ہم نیت کی شرط پر تفصیلاً بحث کریں گے۔

شرط طہارت..... فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ روزے کے لئے طہارت شرط نہیں ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ جنابت سے پاک ہونا شرط ہے، چونکہ رمضان میں رات کے وقت جنابت لاحق ہو سکتی ہے اور وہ دن کے کچھ حصہ تک باقی رہ سکتی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت جنابت میں صبح کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت جماع کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی نہ کہ احتلام کی وجہ سے پھر رمضان کا روزہ رکھا۔ ❺

---

❶..... دیکھئے مراقی الفلاح ص ۱۰۵ والدرالمختار ۲/۱۱۶ ❷ دیکھئے القوانین الفقهية ص ۱۱۳ الشرح الصغير ۱/۶۸۱ ❸ مغنی المحتاج ۱/۴۲۳ والمهذب ۱/۱۷۷ ❹ كشاف القناع ۳/۳۵۹ والمغنی ۳/۱۳۷ ❺ حدیث متفق علیہ ہے (نیل الاوطار ۴/۲ : ۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو جنبی حالت میں اٹھے اور آپ کو جنابت جماع کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی نہ کہ احتلام کی وجہ سے پھر آپ نے روزہ افطار کیا اور نہ ہی اس کی قضاء کی۔ ❶

لہٰذا کسی شخص نے جنابت کی حالت میں صبح کی (اور حالت جنابت ہی میں سحری کھالی) یا کوئی حائضہ عورت فجر سے قبل پاک ہوئی اور انہوں نے فجر کے بعد غسل کیا تو اس دن کا روزہ درست ہوا۔

روزے کی نیت

اس عنوان میں میں نیت کی تعریف ذکر کروں گا، اس بات کا جائزہ لوں گا کہ آیا نیت شرط ہے یا رکن ہے، نیت کا محل کیا ہے، نیت کی شرطیں، نیت کی صفت اور اس کا اثر۔

نیت کی تعریف..... نیت قصد ہے اور وہ کسی چیز کے کرنے پر دل کا اعتقاد اور عزم ہے بایں طور کہ اس میں کسی قسم کا تردد نہ ہو، یہاں نیت سے مراد روزے کا قصد ہے، لہٰذا جب دل میں رات کو یہ بات کھٹکی کہ صبح رمضان کا روزہ ہے اور میں نے روزہ رکھنا ہے تو گویا اس نے روزے کی نیت کرلی۔ ❷

نیت شرط ہے یا رکن..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نیت روزے کی مختلف اقسام کے لئے مطلوب ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل، نیت مطلوب ہے خواہ اسے شرط تسلیم کیا جائے یا رکن۔

شرط..... شرط کسی چیز کی ماہیت اور حقیقت سے خارج ہوتی ہے۔

رکن..... حنفیہ کے نزدیک رکن ماہیت کا جزء ہوتا ہے۔

چنانچہ حدیث ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ❸

ایک اور حدیث ہے:

”جس شخص نے فجر سے پہلے پہلے اپنے روزے کو نہیں سمیٹا اس کا روزہ نہیں ہوتا۔“ ❹

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث یہ ہے کہ ”جس شخص نے طلوع فجر سے پہلے رات کو روزہ نہیں رکھا اس کا روزہ نہیں ہوگا۔“ ❺

نیت شرط ہے..... حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے راجح قول کے مطابق نیت روزہ کے لئے شرط ہے چونکہ رمضان وغیرہ کا روزہ عبادت ہے، عبادت انسان کے ایسے فعل کا نام ہے جسے وہ اپنے اختیار سے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے بجالاتا ہے، جبکہ اختیار اور اخلاص کا بغیر نیت کے تحقق نہیں ہوسکتا، لہٰذا روزے کی اداء بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگی تا کہ عبادت عادت سے ممتاز ہوجائے۔ ❻

---

❶..... رواہ الشیخان۔ ❷ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ نیت دل کے ارادہ کو کہا جاتا ہے یعنی کسی کام کو کرنے کے لئے دل میں عزم ہونا نیت ہے۔ ❸ رواہ البخاری ومسلم عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ❹ رواہ الخمسة (احمد واصحاب السنن) عن حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ❺ رواہ الدارقطنی وقال فی اسنادہ کلھم ثقات ❻ البدائع ۸۳/۲، کشاف القناع ۳۶۶/۲، والشرح الکبیر مع الدسوقی ۵۲۰/۱

نیت رکن ہے...... جبکہ نیت شافعیہ کے نزدیک رکن ہے۔ جیسے مفطرات سے رک کے رہنا روزے کا رکن ہے۔

نیت کا محل...... نیت کا محل دل ہے، صرف زبان پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی نیت کے الفاظ ادا کرنا شرط ہے، البتہ جمہور کے نزدیک نیت کے الفاظ ادا کر دینا مسنون ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ نیت کے الفاظ ترک کر دیئے جائیں۔ ❶

نیت کی شرطیں:

نیت کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں۔

ا...... رات کو نیت کرنا:

نیت کی ایک شرط یہ ہے کہ نیت رات کے وقت کی جائے نیت کی یہ شرط متفق علیہ ہے۔ ❷

چونکہ حدیث گذر چکی ہے کہ "جو شخص طلوع فجر سے پہلے رات کو روزے کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا"، عقلی دلیل یہ ہے کہ نیت ہر عبادت کے شروع میں کی جاتی ہے جیسے نماز، لہٰذا روزے کے لئے رات کو نیت کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن بسا اوقات بعض فقہاء سے روزے کی بعض اقسام کے لئے نیت کے وقت کی تعیین میں تساہل ہوا ہے۔

حنفیہ...... حنفیہ کے نزدیک سبھی قسم کے روزوں میں افضل یہ ہے کہ طلوع فجر کے وقت نیت کر لی جائے اگر اس کا امکان ہو ورنہ رات کو نیت کر لی جائے، چونکہ طلوع فجر کے وقت اگر نیت کر لی تو عبادت کا پہلا جز حقیقۃً نیت کے ساتھ ملا ہوا ہوگا اور اگر رات کو نیت کر لی تو تقدیراً نیت عبادت کے جز سے مل جائے گی۔

اگر طلوع فجر کے بعد نیت کی تو پھر دیکھا جائے گا کہ روزہ کس قسم کا ہے اگر روزہ ذمہ میں قرض ہے (جیسے رمضان کی قضاء وغیرہ) تو بالاجماع جائز نہیں، اور اگر معین روزہ ہو جیسے رمضان کا روزہ، نفلی روزہ اور نذر معین کا روزہ تو فجر کے بعد بھی نیت جائز ہے۔

روزے کی دو قسمیں:

الف: وہ قسم جس کے لئے رات کو نیت شرط ہے اور تعیین بھی شرط ہے...... یہ وہ روزہ ہے جو ذمہ میں واجب ہو مثلاً رمضان کی قضاء، اور فاسد کئے ہوئے نفلی روزے کی قضاء اور مختلف کفارات کے روزے جیسے کفارہ یمین کا روزہ حج تمتع اور حج قرآن کے روزے اور نذر مطلق کا روزہ، مثلاً کوئی شخص کہے اگر میرے مریض کو شفا مل گئی تو میں روزہ رکھوں گا اب مریض شفایاب ہو گیا تو یہ روزہ رات کی نیت سے جائز ہوگا۔

ب: وہ قسم جس کے لئے رات کے وقت نیت کا ہونا شرط نہیں اور تعیین بھی شرط نہیں...... یہ وہ روزہ ہے جو معین زمانے سے تعلق رکھتا ہو جیسے رمضان کے روزے، نذر معین کا روزہ، سبھی نفلی روزے، ان روزوں کے لئے رات سے ۔ کر نصف نہار تک نیت کر لینا صحیح ہے، جبکہ نصف النہار کا اطلاق طلوع فجر سے چاشت کے وقت تک ہوتا ہے۔ ❸

مالکیہ...... نیت صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ نیت رات کو غروب سے آخری وقت تک کر لی جائے یا طلوع فجر کے ساتھ ساتھ کر لی

---

❶...... فتویٰ اسی پر ہے کہ روزے کا دل میں ارادہ ہو اور زبان سے الفاظ ادا کر دینا مستحب ہے، عوام الناس کے ہاں جو نیت کے الفاظ کو فرض سمجھ جاتا ہے یہ محض جہالت اور علم سے دوری کا نتیجہ ہے اس وہم کا ازالہ ضروری ہے۔ ❷ دیکھئے البدائع ۸۵/۲ الشرح الکبیر ۵۲۰/۱ مغنی المحتاج ۴۲۳/۱۔ ❸ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۸۵/۲، فتح القدیر ۴۳/۲ ومراقی الفلاح ص ۱۰۶۔

جائے، اگر رات کو نیت کر لی تو اس نیت کے لئے کھانا پینا، جماع اور سونا بگاڑ کا باعث نہیں بنے گا، بخلاف بے ہوشی اور پاگل پن کے چونکہ ان دونوں سے رات کو کی ہوئی نیت باطل ہو جاتی ہے، یہ بطلان نیت تب ہوگا جب بے ہوشی اور پاگل پن فجر تک باقی رہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے بے ہوشی یا جنون ہوا تو نیت باطل نہیں ہوگی، اگر غروب سے پہلے آنے والے دن کے روزے کی نیت کر لی یا زوال سے پہلے اسی دن کی نیت کر لی تو اس نیت کا انعقاد نہیں ہوگا خواہ روزہ نفلی ہی کیوں نہ ہو۔ ❶

شافعیہ..... شافعیہ کے نزدیک رمضان کے فرض روزے، قضاء کے روزے اور نذر کے روزے کے لئے رات کو نیت کا ہونا ضروری ہے، صحیح قول یہ ہے کہ رات کے نصف آخر میں نیت کا ہونا شرط نہیں۔

رات کے وقت کی ہوئی نیت کو کھانا پینا اور جماع نہیں بگاڑتا، نیز سونے کے بعد اگر بیدار ہو تو نیت کی تجدید کی ضرورت بھی نہیں۔

نفلی روزہ زوال سے پہلے پہلے نیت کر لینے سے صحیح ہو جاتا ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تمہارے پاس ناشتے کے لئے کچھ ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: نہیں، فرمایا: تب میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ایک دن فرمایا: کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، فرمایا: تب میں افطار کرتا ہوں، میں نے تو روزہ رکھ لیا تھا۔ ❷

حدیث کی وجہ سے نفلی روزے کی نیت زوال سے پہلے پہلے مخصوص ہے، چونکہ غذا (ناشتے) کا اطلاق اس کھانے پر ہوتا ہے جو زوال سے پہلے کھایا جائے، اور عشاء وہ کھانا ہے جو زوال کے بعد کھایا جائے۔

عقلی وجہ یہ ہے کہ نفلی روزہ نمایاں ضابطہ ہے چونکہ اس سے دن کے معظم حصہ کا ادراک ہوتا ہے۔ البتہ نفلی روزے کے لئے یہ واضح شرط ہے کہ دن کے اول حصہ میں مفطرات (کھانا پینا اور جماع) سے بچا رہے۔ ❸

حنابلہ..... حنابلہ کا موقف شافعیہ کے موقف سے ملتا جلتا ہے، چنانچہ حنابلہ کے نزدیک واجب روزہ اور فرض روزہ صرف رات کی نیت سے صحیح ہوگا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو گذر چکی ہے کہ "جو شخص فجر سے پہلے پہلے روزہ نہیں سمیٹ لیتا اس کا روزہ نہیں ہوتا، رہی بات نفلی روزے کی سو وہ دن سے پہلے کی نیت سے بھی ہو جاتا ہے دن آنے کے بعد کی نیت سے بھی ہو جاتا ہے، اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے، بہر حال ہر نفلی روزہ دن کی نیت سے تب درست ہوگا جب فجر کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گذر چکی ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے پاس تشریف لائے فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کی: کچھ نہیں، آپ نے فرمایا: تب میں روزہ رکھتا ہوں ❹ اس مؤقف پر عاشورہ کی حدیث بھی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاشورہ کا دن ہے، اس دن کا روزہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر فرض نہیں کیا، میں روزہ رکھتا ہوں اور جس شخص نے کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ چاہے تو روزہ رکھ لے چاہے افطار کرے۔ ❺

حنابلہ کی اپنے موقف پر عقلی دلیل یہ ہے کہ نماز میں فرضوں کی بنسبت نفل نماز میں تخفیف ہے چنانچہ نوافل کے لئے قیام شرط نہیں، اسی طرح دوران سفر نفلی نماز سواری پر بیٹھ کر جائز ہے اگرچہ رُخ قبلہ رو نہ ہو، اسی طرح فرضی روزے کی بنسبت نفلی روزے میں تخفیف ہوگی، نیز نفلی عبادت میں کثرت مقصود ہوتی ہے اور تخفیف کثرت کی معاون ہے، یہی قول ابو درداء، ابو طلحہ، معاذ رضی اللہ عنہم، ابن مسعود، حذیفہ، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، نخعی اور اصحاب رائے رحمہم اللہ کا ہے۔

---

❶..... دیکھئے الشرح الصغیر ۶۹۵/۱ والشرح الکبیر ۵۲۰/۱ وبدایۃ المجتھد ۲۸۴/۱۔ ❷ رواہ الدارقطنی وقال صحیح الاسناد۔ ❸ مغنی المحتاج ۴۲۳/۱۔ ❹ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی۔ ❺ رواہ البخاری ومسلم عن معاویۃ۔

میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ رائے راجح ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو حنابلہ کے موقف میں گزری ہے وہ اس حدیث کے لئے مخصص ہے۔ کہ ''اس شخص کا روزہ نہیں ہوتا جو رات کو روز (نیت کر کے) نہ رکھے۔'' بلکہ پہلی حدیث دوسری سے زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے کہا ہے۔ (۱)

۲: فرض میں نیت کی تعیین...... نیت کی ایک شرط یہ ہے کہ فرض کے لئے اس کی تعیین ہو یہ شرط جمہور کے نزدیک ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں، حنفیہ کہتے ہیں روزے میں تعیین نیت شرط نہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک جو روزہ معین زمانے سے متعلق ہو جیسے رمضان کا روزہ، نذر کا روزہ اور نفل مطلق اور ان روزوں میں نیت کی تعیین شرط نہیں۔ چونکہ یہ وقت اس قسم کے روزے کے لئے مخصوص ہے اور رمضان کا مہینہ ہے ایک معین دن کی نذر ہے لہٰذا رمضان وقت کے لحاظ سے معیار ہے اس میں صرف رمضان ہی کا روزہ ہوگا۔

اگر رمضان میں صحیح مقیم شخص نے کسی دوسرے واجب کی نیت کر دی تو تب بھی رمضان کا روزہ ادا ہوگا، البتہ مسافر نے اگر کسی دوسرے واجب کی نیت کر دی تو اس کا روزہ نیت کئے ہوئے واجب سے ادا ہوگا، رہی بات مریض کی تو اس نے اگر کسی دوسرے واجب کی نیت کر دی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا واجب ہی ادا ہوگا، چونکہ اس شخص نے وقت کو یقینی اور اہم امر میں مشغول کیا ہے اور وہ معتبر ہوگا، چونکہ اگر اس اہم کام کی ادائیگی کے بغیر مر گیا تو پوچھ ہوگی اور فی الحال رمضان کے روزے کے لئے اسے رخصت ہے اور پھر جب اسے موقع ملے گا رمضان کی قضا کرلے گا۔ صاحب ہدایہ نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے اور اکثر مشائخ بخارا کا بھی یہی مختار ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مسافر، مقیم، صحیح اور مریض کے درمیان کوئی فرق نہیں یعنی ان کے نزدیک روزہ رمضان ہی کا ہوگا جب کسی دوسرے واجب کی نیت کر لے، چونکہ اسے رخصت ملی تھی تاکہ معذور کو مشقت نہ اٹھانی پڑے اور جب اس نے خود ہی مشقت اٹھانے کا قصد کر لیا لہٰذا اسے غیر معذور سمجھا جائے گا۔ (۲)

جمہور...... جمہور کے نزدیک واجب روزے میں نیت کی تعیین واجب ہے، حتیٰ کہ اس کا اعتقاد ہو کہ آنے والی صبح کو رمضان کا روزہ رکھے گا یا قضاء کا روزہ رکھے گا یا کفارہ اور نذر کا، مطلق روزے کی نیت کافی نہیں سمجھی جائے گی، چونکہ روزہ عبادت ہے جو کسی نہ کسی وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے لہٰذا تعیین واجب ہوئی جیسے پانچ نمازوں میں اور قضاء میں تعیین نیت واجب ہے۔

---

(۱)...... مذکور تفصیل میں جو بات بحث طلب ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک رمضان کے روزے کے لیے افضل یہ ہے کہ رات کو نیت کر لی جائے تاہم اگر کسی نے دن کے وقت رمضان کے روزے کی نیت کی تو اس کا روزہ صحیح ہوگا اور نیت بھی درست ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رات کے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے، شافعیہ اور حنابلہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جبکہ حنفیہ آیت سے استدلال کرتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

''اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرفث (الى قوله) ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ''

گویا رات کے وقت کھانا پینا اور جماع مومنین کے لئے مباح ہے طلوع فجر تک، اللہ تعالیٰ نے طلوع فجر کے بعد روزے رکھنے کا حکم دیا چونکہ ''ثم'' کا کلمہ تعقیب مع التراخی کے لئے آتا ہے اور یہ روزے کا حکم ہوگا لیکن تراخی کے ساتھ اول نہار سے، روزے کا حکم نیت کا حکم ہے چونکہ بغیر نیت کے روزہ صحیح نہیں گویا روزے کا حکم نیت کے ساتھ ہوا جو اول نہار سے متاخر ہوگی جس نے متاخر نیت کی اس نے مامور کو بجالایا اور عہدہ برآ ہوگیا، اس سے یہ دلیل بھی مل گئی کہ اول نہار میں امساک روزہ ہے، اور اس میں نیت کا وجود ہوا ہو یا نہ ہوا ہو چونکہ اتمام شئے اس کے بعض حصے کی سابقیت کا مقتضی ہے، لہٰذا نیت امساک معتاد کو ممتاز کرنے کے لئے شرط ہوتی لہٰذا جب نیت کرے گا تو رکن یعنی امساک کے وجود کا سبب بنے گی اور نیت اس لیے ہے تاکہ رکن یعنی امساک کو عبادت کا درجہ مل جائے، اس بحث سے نتیجہ یہی اخذ کیا جاسکتا ہے، کہ رمضان کے روزے کے لئے دن کے وقت بھی نیت صحیح ہے۔

رہی بات مخالفین کی پیش کردہ حدیث سو وہ خبر واحد ہے اس سے کتاب کا نسخ نہیں آ سکتا البتہ وہ مکمل کتاب ہے اور حدیث میں کمال کی نفی ہے تاکہ بقدر امکان دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے۔

جمہور کے نزدیک اگر کسی نے رمضان میں کسی دوسرے روزے کی نیت کردی تو اس میں سے کوئی روزہ بھی نہیں ہوگا۔

جزم نیت..... کسی چیز کو لازمی اور قطعی حکم دینا جزم ہے، جمہور کے نزدیک نیت کی ایک شرط جزم بھی ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک نیت کے لئے یہ شرط نہیں۔

حنفیہ..... کہتے ہیں کہ جو روزہ زمانے کے ساتھ مقید ہے اور اس کا زمانہ معین ہے تو اس روزے کے لئے جازم نیت شرط نہیں، گویا اگر تیس شعبان کی رات روزے کی نیت کی تو جو روزہ بھی رکھا وہ رمضان کا ہوگا، الا یہ کہ اگر مسافر ہو اور اس نے کسی اور واجب کی نیت کردی تو جو اس نے نیت کی وہی اس کا روزہ ہوگا۔ جیسا کہ یوم شک کی بحث میں میں نے وضاحت کردی ہے کہ یوم شک میں فرض واجب اور نفل وواجب میں مشکوک روزہ رکھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے البتہ نفلی روزہ قطعی نیت سے رکھ سکتا ہے۔

جمہور..... جمہور کے نزدیک قطعی نیت کا ہونا ضروری ہے اگر شک کی رات کسی نے نیت کرلی کہ آئندہ کل اگر رمضان ہوا تو اس کا روزہ ہوا اور مجھے فرض روزہ ہوا اور اگر رمضان نہ ہوا تو نفل ہو یا کسی اور واجب کی تعیین کردی۔ نیت کرکے جیسے نذر کے روزے کی نیت کردی یا کفارہ کے روزے کی نیت کردی تو ان میں سے ایک بھی نہیں ہوگا۔ چونکہ اس نے ان مختلف اقسام میں سے کسی ایک کے متعلق قطعی نیت نہیں کی، اور نہ ہی رمضان کے روزے کی قطعی اور یقینی نیت کی ہے۔

انشاء اللہ کہہ کر روزہ رکھنا..... اگر کسی نے کہا: انشاء اللہ مجھے کل روزہ ہوگا اور اس سے شک کا ارادہ کیا ہے اور نیت قطعی کا ارادہ نہیں کیا تو اس کی نیت فاسد ہوجائے گی اور اگر اس نے شک اور تردد کا ارادہ نہیں کیا بلکہ تبرک حاصل کرنے کے لئے انشاء اللہ کہہ دیا ہے تو اس کی نیت فاسد نہیں ہوگی چونکہ اس صورت میں اس نے یہ قصد کیا ہے کہ وہ روزہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توفیق سے رکھے گا۔
جس طرح کوئی شخص کہے۔ ''انشاء اللہ میں مؤمن ہوں۔'' تو اس سے اس کا ایمان فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح باقی عبادات بھی حیثیت کے ذکر سے فاصد نہیں ہوتیں۔

رمضان کا آخری روزہ شک سے رمضان ہی کا ہوگا..... اگر استصحاب حال سے ظن کا حصول ہو تو ایسی صورت میں تردّد باعث ضرر نہیں ہوتا جیسے رمضان کا آخری روزہ، یا شہادت اور تحری سے ظن کا حصول ہوا ہو تو تب بھی تردد باعث ضرر نہیں جیسے قیدی کا روزہ، چنانچہ اگر کسی نے ۳۰ رمضان کی رات کو یہ نیت کی کہ اگر کل روزہ ہوا تو رمضان کا ہو اب اگر کل روزہ ہوا تو اس کا روزہ درست ہوگا چونکہ اصل یہ ہے کہ رمضان باقی ہو، اور اس کے روزے کی بنیاد اصل پر ہے لہٰذا اس کا زوال ثابت نہیں ہوگا اور اس کا تردد مؤثر ثابت نہیں ہوگا چونکہ قطعی نیت کے ساتھ اسے روزہ کا حکم حاصل ہے بخلاف شعبان کی ۳۰ تاریخ کے چونکہ وہاں بنیاد کے لئے اصل موجود نہیں ہے۔
اگر کسی شخص نے روزے کی نیت کی اور اسے یقین ہوا کہ کل رمضان ہے اور اس نے روزہ قابل اعتماد گواہی پر رکھا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا۔

اگر قیدی پر رمضان مشتبہ ہوجائے..... اگر قیدی وغیرہ پر رمضان مشتبہ ہوجائے تو وہ تحری کرکے مہینہ بھر کے روزے رکھے اس کی مثال ایسی ہے جیسے قبلہ مشتبہ ہونے کی صورت میں نماز کے لئے تحری کی جاتی ہے۔ تحری کا اعتبار اسی صورت میں ہوگا جب قیدی وغیرہ کو رمضان کی کچھ نہ کچھ علامت کا علم ہو جیسے مثلاً اس سال روزے بہار میں ہوں گے یا خزاں یا گرمی یا سردی میں ہوں گے وغیرہ، اگر اشتباہ کے شکار شخص نے بغیر تحری کے رمضان کے روزے رکھ لئے پھر وہ مہینہ حقیقت میں ماہ رمضان کے موافق ہوگیا تو اسے یہ روزے کافی نہیں ہوں گے چونکہ

اس کی نیت میں تردّد ہے ❶ اور اگر قیدی نے تحری (سورچ بچار) کی لیکن پھر بھی اس کی پریشانی ختم نہ ہوئی اور کوئی صورت ظاہر نہ ہوئی تو امام نووی نے مجموعہ میں لکھا ہے کہ اس صورت میں اسے روزہ لازم نہیں ہوگا۔ ❷

فرضیت کی نیت......فرضیت کی نیت کرنا بالاتفاق شرط نہیں، یہی قول شافعیہ کے نزدیک قابل اعتماد ہے بخلاف نماز میں مقرر کے چونکہ رمضان میں بالغ شخص کا روزہ فرض ہی واقع ہوگا بخلاف نماز کے چونکہ نماز نفل بھی ہوسکتی ہے۔

اسی طرح سنت کی تعیین بھی بالاتفاق شرط نہیں اور نہ ہی اداء کی نیت شرط ہے اسی طرح روزے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا بھی شرط نہیں، یہی قول شافعیہ کے نزدیک صحیح ہے، چونکہ نیت سے مقصود حاصل ہوجاتا ہے اور تعیین اس کے لئے کافی ہے۔

متعدد ایام کے ساتھ ساتھ نیت بھی متعدد ہو......یعنی رمضان میں ہر دن کی علیحدہ علیحدہ نیت کرنا بھی شرط ہے، یہ شرط جمہور کے نزدیک ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

مالکیہ:......مالکیہ کہتے ہیں کہ رمضان کے شروع میں ایک مرتبہ نیت کرلی تو وہ ۳۰ روزوں کے لئے کافی ہے ہر ہر روزے کے لئے علیحدہ علیحدہ نیت کرنا ضروری نہیں۔

جمہور......ہر ہر روزے کے لئے علیحدہ نیت کرنا ضروری ہے چونکہ ہر دن کا روزہ علیحدہ عبادت کا حکم رکھتا ہے جو کسی دوسرے دن کے ساتھ متعلق نہیں چونکہ اگر ایک دن کا روزہ فاسد ہوجائے تو اس کی وجہ سے دوسرے دن کا روزہ فاسد نہیں ہوتا، لہٰذا شرط قرار پائی کہ ہر روزے کے لئے علیحدہ نیت ہو۔

مالکیہ......کہتے ہیں رمضان کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے اسی طرح وہ روزے جو لگاتار رکھے جاتے ہیں جیسے کفارہ رمضان کے روزے، کفارہ قتل کے روزہ، ظہار کے روزے وہ بھی ایک ہی نیت کے ساتھ ہوجائیں گے علیحدہ علیحدہ ہر دن نیت کرنے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ جب ان روزوں کا تتابع (لگاتار ہونا) سفر یا مرض وغیرہ سے منقطع نہ ہو یا حالت حیض اور نفاس نہ طاری ہوا گر یہ حالات پیش آئیں تو ازسرنو نیت کرنی ہوگی اور وقفے سے پہلے کے روزے درست ہیں تتابع منقطع نہیں ہوگا، البتہ نیت ازسرنو کرنی ہوگی، اور ہر رات نیت کرلینا مستحب ہے مالکیہ کی دلیل یہ آیت ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ......(البقرہ ۲/ ۱۸۵)

عقلی دلیل یہ ہے کہ مہینہ زمانہ واحد کا نام ہے لہٰذا روزہ اول تا آخر ایک عبادت ہے جیسے نماز، حج لہٰذا ایک ہی نیت سے ادا ہوجائے گا۔ ❸

نیت کی صفت اور اس کا اثر......نیت کی صفت میں بھی فقہاء کے اقوال مختلف ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ......حنفیہ کہتے ہیں وہ روزہ جس کا زمانہ معین ہو جیسے رمضان کا روزہ اور نذر معین کا روزہ تو ایسا روزہ مطلق نیت سے بھی ہوجائے گا

---

❶......حنفیہ کے نزدیک روزہ ہوجائے گا چونکہ حنفیہ کے نزدیک معین روزے کے لئے مطلق نیت بھی کافی ہے، حنفیہ کی دلیل آیت کریم ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ''، مطلق نیت کرنے والا فی الواقع رمضان کا پانے والا ہوتا ہے اور نیت اس لیے کی جاتی ہے کہ تاکہ امساک اللہ کے لئے خالص ہوجائے یا اس لیے ہوتی ہے تاکہ ایک قسم کے روزے کو دوسرے قسم کے روزے سے امتیاز ہو مطلق نیت کرنے والا بھی امساک اللہ کے لئے کرتا ہے اور دوسری صورت میں وقت ایک ہی قسم کے روزے کے لئے صالح ہے یہاں اقسام میں تمیز کرنا مقصود نہیں جب دونوں صورتوں کی ضرورت نہیں تو مطلق نیت سے روزہ صحیح ہوگا۔ (دیکھئے البدائع ۲/ ۲۲۶) ❷ ہمارے نزدیک ایسی صورت میں ظن غالب اور جہت راجح پر عمل کرے۔ ❸ تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۲/ ۸۵، الشرح الکبیر ۱/ ۷۹۶ بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۸۲ مغنی المحتاج ۱/ ۴۲۴ المغنی ۳/ ۹۳۔

اسی طرح نفل اور کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی ہو جائے گا جیسے میں نے بیان کیا ہے، رات کو رمضان کے روزے کی نیت متعین کر کے ضروری نہیں۔ ⓫

مالکیہ...... مالکیہ کے نزدیک نیت کی صفت یہ ہے کہ نیت رات کے وقت ہو، متعین ہو اور قطعی ہو۔ ⓬

شافعیہ...... کہتے ہیں کہ کامل نیت یہ ہے کہ روزہ دار یوں نیت کرے کہ میں کل کا روزہ رکھوں گا جو اس سال رمضان کے روزے کی ادائیگی ہوگی اور روزہ اللہ تعالیٰ کے لئے رکھ رہا ہوں، قابل اعتماد بات یہ ہے کہ تعیین میں فرضیت کی نیت واجب نہیں۔ ⓭

حنابلہ..... کہتے ہیں جس کے دل میں اتنی بات کھٹکی کہ وہ کل روزہ رکھے گا گویا اس نے نیت کر لی البتہ نیت میں یہ واجب ہے کہ وہ تعیین کرے کہ رمضان کا روزے رکھے گا یا رمضان کی قضاء کا یا نذر کا یا کفارہ کا، البتہ تعیین کے ساتھ فرضیت کی نیت واجب نہیں۔ ⓮

کیا سحری نیت کے قائم مقام ہے...... حنفیہ کے علاوہ باقی فقہاء نے رات کے وقت نیت کے ہونے پر اتفاق کیا ہے جیسے شافعیہ کے علاوہ باقی فقہاء نے اتفاق کیا ہے کہ روزے کی نیت سے کھانا پینا یا سحری کھانا نیت ہے البتہ اگر سحری کے ساتھ روزہ نہ رکھنے کی نیت کرے تو اس صورت میں سحری کا کھانا نیت کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک سحری نیت کے قائم مقام نہیں ہوگی الا یہ کہ سحری کھاتے کھاتے اس کے دل میں روزے کا خیال پیدا ہو جائے تو یہ نیت کے لئے کافی ہوگا۔ مثلاً روزے کی نیت سے سحری کھالی یا طلوع فجر کے خوف سے کھانا کھانے سے اجتناب کر لیا تو اس کی نیت ہوگئی۔

نیت کا اثر..... نیت کا اثر یہ ہے کہ ثواب متحقق ہو جاتا ہے لہٰذا شرعی روزے پر نیت کے وقت سے ثواب کا حکم لگایا جائے گا، چونکہ نیت سے قبل قربت (نیکی) کا قصد نہیں پایا جاتا لہٰذا نیت سے پہلے عبادت کا وقوع نہیں ہوگا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

لہٰذا دن کے وقت جب حیض یا نفاس والی عورت پاک ہو جائے تو بقیہ دن نفل روزے کی نیت کر سکتی ہے، اسی طرح جس دن کافر اسلام قبول کرے وہ بھی بقیہ دن نفلی روزے کی نیت کر سکتا ہے، یہ اس وقت ہے جب حائضہ عورت اور کافر نے طلوع فجر کے بعد کھایا پیا نہ ہو۔

روزے کی شرائط کے متعلق مختلف مذاہب کا خلاصہ

حنفیہ..... حنفیہ کے نزدیک روزے کی تین قسم کی شرطیں ہیں:

۱..... شرائطِ وجوب ۲..... شرائطِ وجوبِ ادا ۳..... شرائطِ صحتِ ادا۔

شرائط وجوب...... وجوب کی چار شرطیں ہیں:

اسلام، عقل، بلوغ اور علم، پورا رمضان جس شخص پر جنون طاری رہا اس کے ذمہ قضا نہیں، اگر مہینہ کے دوران مجنون کو افاقہ ہو گیا تو گزرے ہوئے دنوں کی قضاء کرے گا، اگر کوئی شخص پورا مہینہ بے ہوش رہا تو وہ پورے مہینے کی قضاء کرے گا لیکن اگر کسی کو ایک روزہ رکھے ہوئے دن کے وقت بے ہوشی ہوئی وہ اس دن کی قضاء نہیں کرے گا چونکہ اس دن کا روزہ پایا گیا ہے اور وہ نیت کے ساتھ مقارن ہے البتہ اس کے بعد کی قضاء کرے گا۔

⓫..... دیکھئے مراقی الفلاح ص ۱۰۶۔ ⓬ القوانین الفقهية ص ۱۷ وبداية المجتهد ۱/ ۲۸۳۔ ⓭ مغنی المحتاج ۱/ ۴۲۵۔ ⓮ کشف القناع ۲/ ۳۶۷۔

شرائط وجوب اداء.....وجوب اداء کی دوشرطیں ہیں:

۱.....مرض، حیض اورنفاس سے صحیح ہونا، مریض پر روزے کی اداء واجب نہیں۔

۲.....اقامت (یعنی مقیم ہونا) مسافر پر اداء واجب نہیں البتہ مسافر پر روزے کی قضاء واجب ہے۔

شرائط صحتِ اداء.....صحت اداء کی تین شرطیں ہیں:

۱.....نیت، چنانچہ روزے کی اداء (ادائیگی) بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگی۔

۲.....حیض ونفاس کے مانع سے خالی ہونا چنانچہ حیض ونفاس میں روزہ نہیں ہوتا البتہ حیض ونفاس کے ایام میں فوت شدہ روزوں کی قضاء واجب ہے۔

۳.....مفسدات صوم (مفطرات ثلاثہ) سے خالی ہونا۔[1]

مالکیہ.....مالکیہ کے نزدیک روزے کی تین قسم کی شرطیں ہیں:

۱.....شرائط وجوب ۲.....شرائط صحت ۳.....شرائط وجوب وصحت معاً۔

یہ کل ملا کر سات ہیں:

۱.....اسلام ۲.....بلوغ ۳.....عقل ۴.....حیض ونفاس سے پاک ہونا

۵.....بدنی صحت کا بحال ہونا ۶.....اقامت ۷.....نیت

شرائط وجوب.....وہ تین ہیں:

۱.....بلوغ ۲.....بدن کا صحیح ہونا ۳.....اور اقامت

لہٰذا بچے پر روزہ واجب نہیں اگر چہ وہ مراہق (قریب البلوغ) ہی کیوں نہ ہو البتہ اس کا روزہ رکھنا جائز ہے، مستحب بھی نہیں، اور نہ اس کے ولی پر واجب ہے کہ اسے روزے کا حکم دے، اسی طرح مریض، عاجز (جیسے مجبور کیا ہوا شخص مکرہ) اور مسافر پر روزہ واجب نہیں البتہ ان پر قضاء واجب ہے۔

شرائط صحت.....وہ دو ہیں:

۱.....اسلام، کافر کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، اگر چہ روزہ اس پر واجب ہے اور روزہ ترک کرنے کی وجہ سے عذاب دگنا ہوا۔

۲.....ایسے زمانے کا ہونا جو روزہ رکھنے کا قابل ہو لہٰذا عید کا روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

شرائط وجوب وصحت معاً:

وہ تین ہیں:

۱.....حیض نفاس سے پاک ہونا ۲.....عقل ۳.....نیت۔

حیض ونفاس سے پاک ہونا.....حائضہ عورت اور نفاس والی عورت پر روزہ واجب نہیں اور نہ ہی ان کا روزہ صحیح ہوتا ہے، البتہ پاک ہونے کے بعد ان پر روزوں کی قضاء واجب ہوگی، اور صرف پاک ہو جانے سے اداء صوم ان پر واجب ہے۔

عقل.....چنانچہ جس شخص کی عقل زائل ہو جائے وہ روزے کا مخاطب نہیں لہٰذا مجنون اور بے ہوش پر روزہ واجب نہیں، اور نہ ہی ان کا

---

[1].....مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مراقی الفلاح ص ۱۰۵، فتح القدیر ۲/۸۷۔۹۰ البدائع ۲/۸۷۔۸۹۔

روزہ صحیح ہوتا ہے، رہی بات قضاء کی سومشہور قول کے مطابق مجنون پر مطلقا قضاء واجب ہے جب اسے افاقہ ہوجائے، اگر بے ہوش شخص ایک دن یا ایک دن سے زیادہ بے ہوش رہا تو اس پر بھی قضاء واجب ہے، اگر فجر کے بعد تھوڑی بہت بے ہوشی ہوئی مثلاً نصف دن بے ہوش رہا تو قضاء واجب نہیں جس شخص کو نشہ ہوجائے وہ بے ہوش کے حکم میں ہے اس پر قضاء واجب ہوگی البتہ وہ بقیہ دن امساک کرے گا۔

رہی بات سوئے ہوئے شخص کی سواس سے جتنے روزے فوت ہوئے اس پر قضاء نہیں چونکہ اس نے مہینہ کے اول میں نیت کی ہے۔

نیت......راجح قول کے مطابق یہ روزے کی صحت کی شرط ہے، چونکہ نیت کسی چیز کے قصد کو کہا جاتا ہے، اور یہ واضح ہے کہ کسی چیز کا قصد اس چیز کی ماہیت سے خارج ہوتا ہے، جو روزے پے درپے رکھے جاتے ہیں جیسے رمضان کے روزے، کفارہ کے روزے، قتل کفارہ کے روزے اور ظہار کے روزے تو ان روزوں کے لئے شروع میں ایک مرتبہ نیت کر لینا کافی ہے، اگر ان روزوں کے درمیان میں بیمار ہوگیا یا سفر پر چلا گیا (جس سے تتابع جاتا رہا) تو ازسرنو نیت کرے گا۔ البتہ رات کو نیت کرنا مستحب ہے۔

خلاصہ......روزے کا وجوب ۱۲ قسم کے لوگوں سے ساقط ہوجاتا ہے۔ بچہ، مجنون، حائضہ عورت، نفاس والی عورت، بے ہوش، مسافر، وہ شخص جو صحیح ہو لیکن عجز کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو جیسے مکرہ، جسے ہلاک کردینے والی پیاس لگ جاتی ہو، مریض، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی عورت، اور شیخ فانی (بہت بوڑھا)۔

شافعیہ......شافعیہ کے نزدیک روزے کے لئے دو طرح کی شرائط ہیں، شرائط وجوب اور شرائط صحت، شرائط وجوب چار ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: اسلام......اصلی کافر پر دنیا میں وجوب مطالبہ واجب نہیں جیسے نماز، البتہ کافر کو ترک صوم پر آخرت میں عذاب ہوگا، مرتد پر اسلام لانے کے بعد فوت شدہ روزے کا وجوب مطالبہ ہے۔

۲: بلوغ......بچے پر روزہ اداءً واجب ہے اور نہ قضاءً، جب بچہ سات سال کا ہوجائے اسے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر دس سال کا ہو کر نہ رکھے تو اسے مارا جائے گا۔

۳: عقل......مجنون پر روزہ نہ اداءً واجب ہے نہ قضاءً ہاں البتہ جب اس کی اپنی تعدی سے عقل زائل ہوجائے تو قضاء واجب ہوگی، نشے والا شخص کو اگر اپنی تعدی سے نشہ چڑھا تو اسے بھی قضاء لازم ہوگی، رہی بات اس نشے والے کی جو تعدی سے نشہ نہ ہوا ہو تو نشہ کی حالت میں قضاء کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۴: طاقت......عاجز شخص پر روزہ واجب نہیں جیسے کوئی بہت بوڑھا ہو وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہے، اسی طرح کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ اس کی صحت یابی کی امید ہی نہ ہو اس پر بھی روزہ واجب نہیں، حائضہ عورت بھی شرعاً روزہ رکھنے سے عاجز ہے، اسی طرح وہ شخص جو کسی ایسے مرض میں ہو جس سے تیمم مباح ہوجاتا ہے اس بیماری کے ہوتے ہوئے روزہ دشوار ہو یا روزہ رکھنے سے ضرر ہوتا ہو تو وہ بھی شرعاً عاجز ہے۔

شرائط صحت بھی چار ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: اسلام بحالت روزہ......لہٰذا کافر اصلی اور مرتد کا روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

۲: عقل یا تمییز......پورے دن عقل کا بحال رہنا شرط ہے، لہٰذا وہ بچہ جو امتیاز نہ رکھتا ہو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، اور مجنون کا روزہ بھی

صحیح نہیں چونکہ ان دونوں میں نیت کا فقدان ہے، البتہ جو بچہ فرق کرسکتا ہو اس کا روزہ صحیح ہے، نشے والے شخص اور بے ہوش انسان کا روزہ بھی صحیح نہیں، البتہ اگر بے ہوش یا نشے والے کو دن میں پل بھر کے لئے افاقہ ہو جائے تو ظاہر قول کے مطابق روزہ ہوگا، اسی طرح پورا دن سوئے رہنے سے بھی شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق روزے کا نقصان نہیں ہوگا چونکہ سونے والے میں خطاب کی اہلیت باقی ہوتی ہے۔

۳: پورا دن حیض ونفاس سے پاک رہنا..... حائضہ عورت اور نفاس والی عورت کا بالا جماع روزہ نہیں ہوگا اگر دن کے وقت حیض، نفاس، ارتداد یا جنون طاری ہو جائے تو روزہ باطل ہو جائے گا۔

۴: وقت کا روزے کے قابل ہونا..... شافعیہ کے نزدیک چوتھی شرط یہ ہے کہ وقت ایسا ہو جو روزے کے قابل ہو چنانچہ عیدین کا روزہ نہیں ہوگا اور نہ ہی ایام تشریق میں روزہ ہوگا۔ اسی طرح یوم شک کا روزہ بھی صحیح نہیں، شعبان کے نصف حصہ میں بھی روزہ صحیح نہیں ہوگا الا یہ کہ کسی شخص کی عادت ہو کہ وہ عمر بھر کے روزے رکھتا ہو یا ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتا ہو تو شعبان کے آخری نصف حصہ کے روزے درست ہوں گے، یا کسی شخص نے شعبان کے نصف اخیر کے ساتھ نصف اول کے روزے رکھے ہیں اور وہ نذر یا قضاء یا کفارہ کے روزے رکھ رہا ہو تو تب بھی یہ روزے صحیح ہوں گے۔

نیت..... رہی بات نیت کی سو وہ شافعیہ کے نزدیک رکن ہے، اور پورے دن کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، پھر فرض روزے کے لئے رات کو نیت کا ہونا واجب ہے البتہ نفلی روزے کے لئے رات کو نیت کا ہونا واجب نہیں۔ البتہ نفلی روزے کے لئے زوال سے پہلے پہلے نیت کر لینا کافی ہے، اسی طرح نیت میں تعیین کا ہونا واجب ہے اور فرض روزے کی صورت میں فرضیت کی نیت کرنا واجب نہیں۔

اسی طرح جان بوجھ کر جماع سے رکے رہنا، استمتاع اور جان بوجھ کرقے کرنے سے رکے رہنا اور پیٹ میں کسی چیز کو داخل کرنے سے رکے رہنا رکن ہے۔ عنقریب مبطلات صوم میں اسے بیان کیا جائے گا۔

حنابلہ..... حنابلہ کے نزدیک روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔ شرائط وجوب اور شرائط صحت۔ شرائط وجوب چار ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: اسلام..... لہٰذا کافر پر روزہ واجب نہیں، گو وہ مرتد ہی کیوں نہ ہو، چونکہ روزہ بدنی عبادت ہے جو نیت کی محتاج ہے لہٰذا عبادت کے لئے اسلام شرط ہے جیسے نماز کے لئے اسلام شرط ہے، اگر کوئی شخص بحالت روزہ مرتد ہوا اس کا روزہ باطل ہو گیا۔

چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ..... الزمر ۳۹/۶۵

اگر تم شرک کرو گے تو تمہارا عمل باطل ہو جائے گا۔

اگر مرتد اسلام کی طرف واپس لوٹ آیا تو اس دن کے روزے کی قضاء کرے گا۔

۲: بلوغ..... بچے پر روزہ واجب نہیں اگرچہ وہ مراہق (قریب البلوغ) ہی کیوں نہ ہو، چونکہ حدیث ہے۔ ”تین اشخاص مرفوع القلم ہیں الخ۔“ البتہ بچے کے ولی پر واجب ہے کہ جب بچہ روزے کی طاقت رکھے اسے روزہ رکھنے کا حکم دے اور روزہ ترک کرنے پر اسے مارے تاکہ اسے روزے کی عادت پڑے جیسے نماز میں کیا جاتا ہے۔

۳: عقل..... مجنون پر روزہ واجب نہیں، چونکہ حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ مجنون کا روزہ ہوتا ہی نہیں چونکہ مجنون کی طرف سے نیت کا امکان ہی نہیں ہوتا۔ جو بچہ فرق نہ کرسکتا ہو اس پر بھی روزہ واجب نہیں۔ البتہ جو بچہ فرق کرسکتا ہو اس کا روزہ صحیح ہے جیسے اس کی نماز صحیح ہوتی

ہے۔جس شخص کودن کے وقت جنون لاحق ہوجائے تو اس دن امساک اس پر لازمی ہوگا اور پھر بعد میں اس دن کی قضاء کرے گا۔ چونکہ اس نے وقت کا جز پالیا ہے جیسے نماز۔

اگر پورادن جنون رہا یا ایک دن سے زیادہ جنون رہا تو اس صورت میں قضاء واجب نہیں ہوگی بخلاف بے ہوش کے چنانچہ بے ہوش پر قضاء واجب ہے اگر چہ بے ہوشی کا وقت طویل ہی کیوں نہ ہو، چونکہ بے ہوشی ایک طرح کا مرض ہے جو مکلّف ہونے کے حکم کو ختم نہیں کرتا۔ اگر کسی شخص کو دن کے کسی حصہ میں جنون ہوا یا بے ہوش ہوا پھر اسے افاقہ ہوگیا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا لیکن تبھی صحیح ہوگا جب رات کو نیت کی ہو۔

اسی طرح جو شخص پورا پورا دن سوتا رہے اس کا روزہ بھی صحیح ہوگا چونکہ آدمی عادۃً سو جاتا ہے اور نیند کی حالت میں احساس بالکلیہ زائل نہیں ہوتا، نشے میں دھت انسان پر روزے کی قضاء واجب ہوگی برابر ہے کہ اپنی تعدی سے اسے نشہ چڑھا ہو یا تعدی کے بغیر ہی۔

۴: روزے کی قدرت ہونا...... جو شخص بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یابی کی امید ہی نہ رہے تو ایسے شخص پر بھی روزہ واجب نہیں اور وہ روزے کا مکلف ہی نہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا البقرۃ۲/۲۸۶

اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو بس اتنا ہی مکلف بنایا ہے جتنی اس میں طاقت ہو اگر ایسا مرض ہو جس سے صحت یابی کی امید وابستہ ہو تو روزے کی ادا واجب ہوگی، چنانچہ جب صحت یابی ہوجائے قضاء کرے۔

حنابلہ کے نزدیک شرائط صحت بھی چار ہیں:

۱: نیت...... حنابلہ کی نزدیک ہر دن کے لئے رات کے وقت معین نیت کا ہونا شرط ہے، بھول جانے سے نیت کا سقوط معتبر نہیں سمجھا جائے گا، البتہ نیت کر لینے کے بعد اگر رات کو کھا پی لیا یا جماع کر لیا تو اس سے نیت فاسد نہیں ہوگی، فرض روزے میں فرضیت کی نیت کرنا واجب نہیں، اسی طرح واجب روزے میں وجوب کی نیت کرنا بھی واجب نہیں چونکہ تعیین اس کے لئے کافی ہے، نفلی روزے کے لئے دن کے وقت کی نیت بھی کافی ہے، اگر چہ زوال کے بعد ہی کر لی جائے شرطیکہ قبل ازیں کھانے پینے سے امساک کیا ہو۔

۲: حیض ونفاس سے پاک ہونا...... حیض ونفاس میں روزہ رکھنا درست نہیں بلکہ حیض ونفاس میں روزہ رکھنا حرام ہے، رات کو اگر خون منقطع ہوگیا تو روزہ ادا کرنا واجب ہوگا اور فوت شدہ روزوں کی قضاء بھی واجب ہوگی۔

۳: اسلام...... کافر کا روزہ صحیح نہیں اگر چہ مرتد ہی کیوں نہ ہو۔

۴: عقل/تمییز ...... جو بچہ غیر ممیز ہو یعنی فرق نہ کرسکتا ہو اس کا روزہ صحیح نہیں اور یہ وہ بچہ ہے جو ابھی سات سال کا نہ ہوا ہو۔

پانچویں بحث...... روزے کی سنتیں آداب اور مکروہات

اس میں دو مقاصد ہیں:

پہلا مقصد...... روزے کی سنتیں اور آداب...... روزہ دار کے لئے مندرجہ ذیل چیزیں مستحب ہیں۔

۱: سحری کھانا...... سحری کے وقت کوئی نہ کوئی چیز کھانا اگر چہ وہ قلیل کیوں نہ ہو گو پانی کا گھونٹ پی لے، سحری آخری وقت میں کھانا بھی مستحب ہے، سحری اس لئے کھائے تاکہ روزہ رکھنے کی قوت حاصل ہو جیسے کہ صحیحین کی روایت ہے۔ ''سحری کھاؤ چونکہ اس میں برکت ہے۔'' حاکم کی ایک روایت ہے۔ ''رات کے کھانے سے دن کے روزے پر مدد لو اور دن کے قیلولہ سے رات کے قیام پر مدد لو'' مسند میں امام احمد کی

روایت ہے۔ ”سحری میں برکت ہے، لہٰذا سحری کو مت چھوڑو گو پانی کا ایک گھونٹ ہی بھرلو چونکہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔

سحری تاخیر سے کھانا مستحب ہے، اتنی مؤخر نہ کی جائے کہ سحری اور طلوع فجر میں شک واقع ہونے لگے، اس پر طبرانی کی روایت ہے کہ تین چیزیں رسولوں کے اخلاق میں سے ہیں جلدی افطار کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا۔

امام احمد کی روایت ہے۔ ”میری امت برابر بھلائی پر رہے گی جب تک افطار میں جلدی کرے گی اور سحری میں تاخیر کرتی رہے گی۔“

ایک اور حدیث ہے۔ ”جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور جو چیز شک میں نہ ڈالے اسے بجالاؤ“ ⓫

۲۔ افطار میں جلدی کرنا:

جب سورج غروب ہو جانے کا یقین ہو جائے تو نماز سے پہلے افطار میں جلدی کرنا ⓬ مستحب ہے کہ کھجور، چھوہارے، حلوہ یا پانی سے افطار کرے اور یہ بھی مستحب ہے کہ کھجوریں طاق تعداد میں ہوں۔ چنانچہ حدیث ہے۔ ”لوگ برابر بھلائی پر رہیں گے جب تک افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے۔“ ⓭

نماز مغرب سے پہلے افطار کرنا افضل ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے تھے اور نماز سے پہلے افطار کرتے تھے، اگر تازہ کھجوریں دستیاب نہ ہوتیں تو چھوہاروں سے افطار کرتے، اگر چھوہارے بھی دستیاب نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے۔“ ⓮

بارش والے دن کے علاوہ بقیہ دنوں میں افطار میں جلدی ممکن ہوتی ہے اور بارش والے دن غروب آفتاب کا جب یقین ہو جائے تب افطار کرے اور احتیاط سے کام لے تاکہ روزہ فساد سے بچا رہے۔

شافعیہ کے نزدیک صوم وصال حرام ہے، وہ یہ ہے کہ دو دن لگاتار روزہ رکھے اور درمیان میں کچھ کھائے پیئے نہیں، چونکہ صحیحین میں اس کی ممانعت آئی ہے نیز اس کی عقلی علت ضعف اور کمزوری ہے جبکہ صوم وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے تھا۔ ⓯

۳: افطار کے بعد دعا کرنا..... افطار کرنے کے بعد ماثور دعا کرنا بھی مستحب ہے اور وہ یہ ہے۔

اللھم انی لك صمت وعلی رزقك افطرت وعلیك توكلت وبك آمنت ذهب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء الله یاواسع الاجرا غفرلی الحمدلله الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت

ترجمہ..... یا اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا، تجھ پر بھروسہ کیا، تجھ پر ایمان لایا، پیاس ختم ہوگئی اور رگیں تر ہوگئیں ان شاء اللہ اجر وثواب ثابت ہو چکا، اے وسیع فضل وکرم والے میری مغفرت کر، تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے میری مدد کی اور میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطا کیا جس سے میں نے روزہ افطار کیا۔ ⓰

⓫..... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۱۰۵/۲ مراقی الفلاح ص۱۱۵ الدر المختار۔۱۵۷/۲ الشرح الكبير ۵۱۵/۱ الشرح الصغير ۶۸۹/۱ المغنى المحتاج ۴۳۴/۱ المعنى ۱۰۳/۳ كشاف القناع ۳۸۵/۲۔ ⓬ یعنی غروب آفتاب کے بعد دنیا کا کوئی کام نہیں ہونا چاہئے اور غروب کے بعد پہلا کام افطار ہو یہ مطلب ہے جلدی کرنے کا۔ ⓭ متفق عليه عن سهل بن سعد ورواه احمد والترمذی عن ابی هريرة۔ ⓮ رواه احمد وابو داؤد والترمذی۔ ⓯ ان دلائل کی روشنی میں صوم وصال کی حرمت ثابت نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ کراہت ثابت ہوتی ہے چونکہ دلیل قطعی سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ⓰ اگر افطار کرتے وقت دعا کا پہلا حصہ پڑھا جائے اور افطار کے بعد بقیہ دعا پڑھی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

نیز روزہ دار کو رب تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے چونکہ حدیث ہے کہ روزہ دار کو افطار کے وقت دعا کرنی چاہئے چونکہ افطار کے وقت مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ (۱) یہ دعا کرنا مسنون ہے۔

دعائے ماثورہ جو اوپر ذکر کی ہے احادیث میں اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ (۲)

۴: **روزہ داروں کو افطاری کرانا**...... دوسرے روزہ داروں کو افطاری کرانا مستحب ہے اگرچہ کھجور یا پانی کے گھونٹ سے ہی افطاری کرادی جائے، افضل یہ ہے کہ روزہ دار کو افطاری کے ساتھ پیٹ بھر کر کھانا بھی کھلایا جائے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جو شخص روزہ دار کو روزہ افطار کراتا ہے تو اس کے لئے روزہ دار جیسا ثواب ہے اور روزہ دار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ (۳)

۵: **فجر سے قبل پاکی کا غسل کر لینا**...... فجر سے قبل جنابت، حیض اور نفاس سے پاکی کا غسل کر لینا بھی مستحب ہے تاکہ روزے کا اول حصہ طہارت کے ساتھ ہو نیز اس لئے بھی تاکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف سے نکل جائے، چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہوتا، چونکہ روزہ رکھ کر غسل کیا جائے تو خوف ہے کہ پانی کان یا دبر وغیرہ سے اندر داخل ہو جائے گا۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک بلا وجہ حمام میں داخل ہونا مکروہ ہے چونکہ ممکن ہے کہ حمام میں داخل ہونے سے اسے کوئی ضرر لاحق ہو اور پھر نوبت روزہ توڑ دینے تک جا پہنچے، نیز حمام میں داخل ہونے میں ترفہ اور عیش پرستی ہے جو روزے کی حکمت کے منافی ہے۔ اگر کسی شخص (جو جنبی ہو) نے مطلقاً غسل ہی نہ کیا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا البتہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اسے گناہ ہوگا۔

اگر رات کے وقت حائضہ یا نفاس والی عورت پاک ہو گئی اور اس نے روزے کی نیت کر لی اور پھر روزہ رکھ لیا یا جنبی نے بغیر غسل کے روزہ رکھ لیا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ...... البقرۃ ۲/۱۸۷

اب تم (رات کے وقت) عورتوں سے مباشرت کر سکتے ہو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھا ہے اس کو تلاش کرو۔

صحیحین کی روایت گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صبح کرتے اور آپ کو جماع کی وجہ سے جنابت لاحق ہوتی نہ کہ احتلام کی وجہ سے، پھر آپ غسل کرتے اور روزہ رکھ لیتے تھے۔

بخاری کی روایت ہے کہ "جس شخص نے جنابت کی حالت میں صبح کی اس کا روزہ نہیں ہوتا۔" فقہاء نے اس کا یہ محمل بیان کیا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت جماع کرے یعنی طلوع فجر کے بعد اس کا جماع ہو تو اس کا روزہ نہیں ہوتا۔

۶: **زبان اور اعضاء کو قابو میں رکھنا**...... زبان اور اعضاء کو فضول گوئی اور فضول افعال سے روکے رکھنا جن پر گناہ نہیں ہوتا۔ رہی بات حرام کاموں سے رکنا جیسے غیبت، چغلی اور جھوٹ وغیرہ تو ان سے رمضان میں رکنا اور زیادہ مؤکد ہے، بلکہ ان امور سے تو ہر زمانے میں باز رہنا فرض ہے، اور ان کا ارتکاب ہر وقت حرام ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جو شخص جھوٹ نہ چھوڑے اور اس پر عمل

---

(۱)...... رواہ ابن ماجہ من حدیثہ عبداللہ بن عمرو۔ (۲) "اللھم لک صمت وعلی رزقک أفطرت" رواہ ابوداؤد مرسلاً، ابوداؤد نے بعد کے الفاظ "ذھب الظماء ...... الخ" بھی روایت کیے ہیں، جبکہ دارقطنی نے یہ حدیث حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کی ہے الفاظ یہ ہیں۔ اللھم لک صمنا وعلی رزقک أفطرنا فتقبل منا انک انت السمیع العلیم۔" ورواہ الدار قطنی من ابن عمر ذھب الظماء......الخ۔

(۳) رواہ الترمذی وصححہ والنسائی وابن ماجہ وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما عن زید بن خالد الجھنی۔

کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کے چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، (۱) ایک دوسری حدیث ہے ”کہ بہت سارے روزہ دار ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سارے راتوں کو قیام کرنے والے ہیں جنہیں محض بیدار رہنے کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوتا ہے۔“ (۲)

اگر رمضان میں روزہ دار کو کوئی گالی دے تو روزہ دار کے لئے مسنون ہے کہ وہ بآواز بلند کہے کہ مجھے روزہ ہے، چونکہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”جب تم میں سے کسی شخص کا روزہ ہو تو وہ نہ جماع کی باتیں کرے اور نہ فضول گوئی کرے، اگر اسے کوئی گالی دے یا اس سے جھگڑے تو وہ کہے۔ ”مجھے روزہ ہے۔“

البتہ رمضان کے علاوہ بقیہ دنوں میں آہستہ کہے اور اپنے آپ کو سنائی دے تا کہ خود نمائی نہ ہو۔

۷: ترکِ شہوات......مباح شہوات جن سے روزہ باطل نہیں ہوتا جیسے کسی بات کو سن کر یا کسی چیز کو دیکھ کر یا کسی چیز کو چھو کر یا سونگھ کر لطف اندوز ہونا جیسے ریحان پھول کا سونگھنا یا اسے چھونا، دیکھنا، چونکہ اس میں ترفہ اور عیاش پرستی ہے جو کسی طرح روزے کی حکمت کے مناسب نہیں، یہ سبھی امور روزہ دار کے لیے مکروہ ہیں جیسے حمام میں داخل ہونا۔

۸: پچھنے اور سینگی لگوانا......شافعیہ کے نزدیک نشتر اور سینگی کا ترک کرنا مسنون ہے تا کہ اختلاف سے باہر نکل جائے، البتہ بالاتفاق علک ترک کرنا مسنون ہے، چونکہ علک تھوک کو جمع کرتا ہے اور پیاس لگاتا ہے، اسی طرح کھانے وغیرہ کا نہ چکھنا مسنون ہے چونکہ خدشہ ہے کہ کوئی چیز حلق سے پیٹ میں چلی جائے گی، بحالت روزہ بیوی کا بوسہ نہ لینا مستحب ہے اور اگر بوسہ لینے میں انزال کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بوسہ لینا حرام ہے۔

شافعیہ کے نزدیک سینگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی ہے۔ (۳)

البتہ یہ جو حدیث ہے کہ ”سینگی لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔ (۴) تو یہ حدیث منسوخ ہے۔

البتہ حنابلہ کے نزدیک سینگی لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۹: عیال پر وسعت کرنا......اہل وعیال پر رمضان میں وسعت اور فراخی کرنا مستحب ہے، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک مستحب ہے، فقراء اور مساکین پر زیادہ سے زیادہ صدقہ کرنا بھی مستحب ہے چونکہ صحیحین کی روایت ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیر و بھلائی میں سب سے زیادہ سخی تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل ملتے تو آپ رمضان میں سب سے زیادہ سخی ہوگئے۔“

عقلی دلیل یہ ہے کہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے سے لوگ عبادت کے لئے فارغ ہو جاتے ہیں۔

۱۰: نیکی کے کاموں میں مشغول رہنا......رمضان میں علم، تلاوت قرآن، دور قرآن، ذکر اور نماز وغیرہ میں مشغول رہنا مستحب ہے، جب بھی رات کو یا دن کو فرصت ملے ان نیکی کے کاموں میں مشغول رہا جائے، صحیحین کی حدیث ہے کہ ”جبرائیل امین رمضان کی ہر رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔“

چونکہ رمضان میں نیکی کے نفلی اعمال کو فرض کا درجہ مل جاتا ہے اور حسنات میں چند در چند اضافہ ہوتا ہے۔

۱۱: اعتکاف......خصوصاً رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے، چونکہ اعتکاف ہی ایسا عمل ہے جس میں انسان برائیوں

---

(۱)......رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ من حدیث ابی ہریرۃ (۲) رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر واسنادہ لاباس بہ۔ (۳) رواہ ابن ماجہ وابو داؤد والترمذی وصححہ عن ابن عباس۔ (۴) رواہ احمد والترمذی عن رافع بن خدیج ولاحمد وابی داؤد وابن ماجہ مثلہ من حدیث ثوبان وشداد بن اوس۔

اور ممنوعات سے کما حقہ بچ سکتا ہے اور احکام کو پوری طرح بجالا سکتا ہے، اس میں یہ بھی قوی امید ہوتی ہے کہ معتکف کو لیلۃ القدر کے پانے کی توفیق ہوگی چونکہ لیلۃ القدر اخیر عشرے میں منحصر ہے۔

مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخیر عشرہ میں اس قدر مجاہدہ کرتے تھے کہ اس کے علاوہ اور دنوں میں ایسا مجاہدہ نہیں کرتے تھے۔'' نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جب آخری عشرہ آجاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری پوری رات عبادت میں مصروف رہتے اپنے گھر والوں کو جگا کر رکھتے اور تہبند کس کر باندھ لیتے تھے۔''❶ یعنی عورتوں سے الگ ہو جاتے۔

لیلۃ القدر میں یہ دعا پڑھنا مسنون ہے:

اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني

لیلۃ القدر کی عبادت کو پوشیدہ رکھے، پوری رات عبادت کرے پھر آنے والے دن میں بھی عبادت میں مشغول رہے: جس طرح رات کو عبادت میں مشغول رہا۔❷

روزے کی یہ گیارہ (۱۱) سنن اور مستحبات ہیں شافعیہ اور حنابلہ نے یہی بیان کئے ہیں۔

حنابلہ..... جبکہ حنفیہ کے نزدیک تین چیزیں مستحب ہیں (۱) سحری کھانا (۲) تاخیر سے سحری کھانا (۳) اور بارش کے دن کے علاوہ بقیہ دنوں میں افطار میں جلدی کرنا۔❸

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں روزے کی سنن یہ ہیں سحری کھانا، افطار میں جلدی کرنا، تاخیر سے سحری کھانا، زبان اور اعضا کی حفاظت کرنا، رمضان کے آخر میں اعتکاف بیٹھنا۔

باقی فضائل والے اعمال...... رمضان کو عبادت کے ساتھ آباد رکھنا، زیادہ سے زیادہ صدقات کرنا، ایسی چیز سے روزہ افطار کرنا جو حلال ہو اور اس کے حلال ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہ ہو، کھجور یا پانی سے افطار کرنا، رمضان کی راتوں کی قیام کرنا خصوصاً لیلۃ القدر کا قیام۔

دوسرا مقصد...... روزے کے مکروہات❹

ا: **صوم وصال**...... صوم وصال جسے ہمارے دیار میں آٹھ پہرہ روزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ دو دن لگاتار روزہ رکھے اور درمیان میں کچھ بھی کھائے پیئے نہیں۔ صوم وصال اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام ہے، جیسے کہ گزر چکا ہے۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مباح تھا، چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال رکھا آپ کو دیکھ کر لوگوں نے بھی صوم وصال رکھنا شروع کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو صوم وصال سے منع کیا، اس پر لوگوں نے کہا: آپ جو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے❺ اس حدیث سے

❶...... متفق عليه ورواه ايضاً عبدالرزاق عن الثوري وابن ابي شيبة عن ابي بكر بن عياش۔ ❷ نفلی عبادت کے لئے یہی افضل ہے کہ انفرادی طور پر ہو نفلی عبادت اجتماعاً خلاف سنت ہے اس میں مفاسد ہیں۔ ❸ اس باب میں توسع ہے جس کے سامنے جو فضیلت والا عمل آیا اسے مسنون، مستحب اور ادب کا نام دے کر شامل کر لیا ورنہ قیام رمضان بالاتفاق مسنون ہے اور تراویح میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا بھی مسنون ہے جبکہ مذکورہ بالا گیارہ چیزوں میں ان دو کو نہیں بیان کیا گیا، حنفیہ کے نزدیک مستحبات تین ہیں سنن اور آداب اس کے علاوہ ہیں۔ ❹ مکروہ کی دو قسمیں ہیں مکروہ تحریمی جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا بغیر عذر کے کرنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے، دوم مکروہ تنزیہی وہ فعل ہے جس کے نہ کرنے میں ثواب ہے اور کرنے میں عذاب نہ ہو۔ ❺ متفق علیہ۔

ثابت ہوا کہ صوم وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی لہٰذا اس حکم میں عام لوگوں کو آپ کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا۔

جمہور..... جمہور کے نزدیک صوم وصال حرام نہیں البتہ مکروہ تنزیہی ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر شفقت اور رحمت کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے، اسی لئے آپ نے صوم وصال رکھا اور آپ کو دیکھ کر صحابہ نے بھی رکھا۔

۲: بوسہ لینا..... بوسہ لینا مکروہ ہے چونکہ بوسہ لینا جماع کے مقدمات میں سے ہے اور اس کی تمہید ہے، چنانچہ بسا اوقات بوسہ لینے کی وجہ سے منی خارج ہو جاتی ہے جو مفسد ہے، اگر سلامتی کا یقین ہو تب بوسہ لینا مکروہ ہے اور اگر سلامتی کا یقین نہ ہو (بلکہ جماع تک نوبت پہنچنے کا خطرہ ہو) تو ایسی صورت میں بوسہ لینا حرام ہے۔

۳: ترفہ..... مباحات (مباح چیزوں) پر ترفہ کا اظہار کرنا یعنی عیاش پرستی کا سماں پیدا کرنا جیسے دن کے وقت خوشبو لگانا، خوشبو سونگھنا اور حمام میں داخل ہونا۔

۴: کھانا چکھنا..... کھانا چکھنا مکروہ ہے، اسی طرح علک چبانا مکروہ ہے چونکہ چکھنے سے خدشہ ہے کہ حلق سے پیٹ میں نہ پہنچ جائے چونکہ علک چبانے سے تھوک جمع ہوتی ہے اگر تھوک نگل جائے تو ایک رائے کے مطابق روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر تھوک پھینک دے تو پیاس لگ جائے گی۔

مذاہب میں مکروہات کا خلاصہ

حنفیہ..... حنفیہ کے نزدیک سات چیزیں روزہ دار کے لئے مکروہ ہیں۔

۱..... بلاعذر کسی شئی کا چکھنا اور چبانا، چونکہ اس میں روزے کو فساد کی طرف بڑھانا ہے۔

۲..... علک چبانا جو شکر میں لتھڑی نہ ہو، چونکہ علک چبانے سے روزہ توڑنے کی تہمت ہو سکتی ہے برابر ہے کہ علک کوئی عورت چبائے یا مرد۔ [1]

۳، ۴..... بوسہ لینا، مس کرنا، معانقہ کرنا اور مباشرت فاحشہ کا ارتکاب کرنا اس وقت مکروہ ہیں جب انزال یا جماع کا خدشہ ہو، یہ ظاہر الروایہ کا مسئلہ ہے، چونکہ ان امور میں روزے کو فساد پر پیش کرنا ہے، اسی طرح عورت کے ہونٹوں کو چوس کر بوسہ لینا مکروہ ہے، اگر نفس پر اعتماد ہو اور انزال و جماع کا خدشہ نہ ہو تو ان امور میں کوئی حرج نہیں۔ [2]

۵، ۶..... منہ میں قصداً تھوک جمع کرنا اور پھر اسے نگل جانا مکروہ ہے چونکہ اس میں روزے کے متعلق شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۷..... ایسا فعل کرنا جس میں گمان ہو کہ وہ روزہ دار کو کمزور کر دے گا جیسے پچھنے لگوانا اور سینگی لگوانا۔

جو چیزیں روزہ دار کے لئے مکروہ نہیں..... روزہ دار کے لئے ۹ چیزیں مکروہ نہیں۔

۱، ۲..... امن وسلامتی کی حالت میں بوسہ لینا اور مباشرت کرنا چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ بوسہ لے لیتے تھے اور مباشرت بھی کر لیتے تھے۔ [3]

---

[1]..... علک ہر گوند کو کہتے ہیں جو چبایا جاتا ہے۔ علک پر چیونگم کو قیاس نہیں کیا جائے گا چنانچہ چیونگم چبانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ [2] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ انہوں نے بوسہ کے متعلق پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بتاؤ کہ پانی کی کلی کرو اور پھر پانی پھینک دو تو اس سے تمہارا کچھ نقصان ہوگا؟ عرض کی نہیں فرمایا پھر روزہ رکھو۔ نفس پر اعتماد ہو تو بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں یہی مفتی بہ قول ہے۔ [3] رواہ الشیخان۔

۳، ۴.....مونچھوں میں تیل لگانا اور سرمہ لگانا مکروہ نہیں۔

۵، ۶.....سینگی لگوانا اور پچھنے لگوانا بھی مکروہ نہیں یہ تب ہے جب ان چیزوں سے روزہ دار میں کمزوری نہ آئے۔

۷.....دن کے آخری وقت میں مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ مسواک کرنا دن کے اول حصہ میں آخر حصہ میں مسنون ہے، خواہ مسواک خشک ہو یا تر یا پانی میں گیلی کی ہوئی ہو۔

۸.....بغیر وضو کے ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا بھی مکروہ نہیں۔

۹.....غسل کرنا اور ٹھنڈک کے لئے گیلے کپڑے میں لپٹ جانا بھی مکروہ نہیں یہی قول مفتی بہ ہے۔

مالکیہ.....مالکیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں۔

۱.....منہ میں کوئی ایسی تر چیز داخل کرنا جو ذائقے والی ہو گو منہ میں ڈال کر اسے تھوک ہی کیوں نہ دے تب بھی مکروہ ہے، اسی طرح ہر ذائقہ دار چیز کا منہ میں ڈالنا بھی مکروہ ہے جیسے نمک، شہد، سرکہ، اگرچہ چیز تیار کرنے والا (باورچی) ہی منہ میں ڈالے اس کے لئے بھی مکروہ ہے، چونکہ اس میں خدشہ ہے کہ منہ میں ڈالی ہوئی چیز حلق سے نیچے اتر جائے گی۔

۲.....علک چبانا جیسے کندر اور کھجور بچے کے لئے چبانا، اگر کوئی چیز حلق سے نیچے اتر گئی تو قضاء واجب ہوگی۔

۳.....عورت کے پاس جانا اور اس کی طرف دیکھنا اور ہر وہ امر جو مقدمہ جماع ہو خواہ فکر و سوچ سے متعلق ہو یا نظر سے (۱) چونکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات مذی اور منی نزول کر آتی ہے جو روزہ توڑنے تک لے جاتی ہے، یہ امر اس وقت مکروہ ہیں جب نفس پر سلامتی کا اعتماد ہو اور اگر سلامتی کا اعتماد نہ ہو تو یہ امور حرام ہوں گے۔

۴.....دن کے وقت خوشبو لگانا اور خوشبو سونگھنا۔ (۲)

۵.....صوم وصال مکروہ ہے۔ (۳)

۶.....مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) میں مبالغہ کرنا۔

۷.....دن کے وقت بوسیدہ دانتوں کا دوائی سے معالجہ کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر تاخیر ہونے سے ضرر کا خدشہ ہو یا مرض پیدا ہونے یا بڑھ جانے کا خدشہ ہو تب مکروہ نہیں، اگر دوائی کا کچھ حصہ نگل گیا تو اس دن کی قضا واجب ہوگی۔

۸.....دن کے وقت بہت سونا مکروہ ہے۔

۹.....فضول گوئی اور فضول کام مکروہ ہیں۔

۱۰.....سینگی لگوانا مکروہ ہے۔ (۴)

شافعیہ.....شافعیہ کے نزدیک درج ذیل امور روزہ کے مکروہات ہیں۔

---

(۱).....جیسے عورتوں کے محاسن کو سوچنا اور دل ہی دل میں ان سے لذت اٹھانا یا عورت کی تصویر دیکھنا وغیرہ۔ (۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز اور خوشبو بہت پسند تھی پھر یہ مکروہ کیوں ہوئی۔ حنفیہ کے نزدیک خوشبو لگائی جا سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی پر فتوی ہے۔ (۳) اہتماماً آج کل صوم وصال کوئی نہیں رکھتا بلکہ عذر کی وجہ سے رکھا جاتا ہے جسے ۲۰۰۵ کے زلزلہ کے دوران بعض لوگوں نے پانی اور کھانا عدم دستیابی کی وجہ سے صوم وصال رکھا، ہاں البتہ اہتماماً یا ثواب سمجھ کر صوم وصال رکھنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے ورنہ معذوری اس زمرے میں نہیں آتی۔ (۴) اس حدیث کا جواب کیا ہوگا جو بخاری کی روایت ہے اور ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت روزہ سینگی لگوائی۔ رقم الحدیث ۱۹۳۸ کتاب الصوم باب الحجامة والقئ للصائم۔ حدیث "افطر الحاجم والمحجوم" ابتدائے زمانے کی ہے بعد میں رخصت دی گئی ہے۔ ایک دوسری حدیث ہے کہ تین چیزیں روزہ نہیں توڑتیں: قے، سینگی اور احتلام (تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۲/۲۷۰)

سینگی لگوانا، پچھنے لگوانا، بوسہ لینا اگر بوسہ لینے میں انزال کا خدشہ ہوتو حرام ہے، کھانا چکھنا مکروہ ہے، علک چبانا مکروہ ہے، حمام میں داخل ہونا مکروہ ہے۔❶ روزے کی حالت میں کسی چیز کو سن کر (جیسے گانا) دیکھ کر، چھوکر اور سونگھ کر لذت لینا مکروہ ہے۔❷ چونکہ ان چیزوں میں ترفہ اور عیاشی کا گمان غالب رہتا ہے جو روزے کی حکمت کے کسی طرح مناسب نہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ اگر بوسہ لینے سے شہوت میں حرکت پیدا ہوتو اس صورت میں بوسہ لینا حرام ہے۔

اسی طرح زوال کے بعد تا غروب آفتاب مسواک کرنا مکروہ ہے چونکہ صحیح حدیث ہے جو پہلے گذر چکی ہے۔" کہ روزہ دار کے منہ کی بو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک کی خوشبو سے بھی افضل ہوگی۔ چنانچہ روزہ دار کے منہ میں بو زوال کے بعد پیدا ہوتی ہے چونکہ زوال سے پہلے ایک بو کھانے سے پیدا ہوتی ہے جو بعد میں عبادت کے اثر سے متغیر ہوجاتی ہے۔

اس بو کا اللہ تعالیٰ کا ہاں افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور روزہ دار کی تعریف کرتا ہے۔

مضمضہ اور استنشاق (منہ اور ناک میں پانی ڈالنا) میں مبالغہ مکروہ ہے چونکہ ہوسکتا ہے پانی حلق میں اتر جائے۔

حنابلہ......حنابلہ کے نزدیک مندرجہ ذیل امور روزہ دار کے لئے مکروہ ہیں۔

۱......یہ کہ روزہ دار منہ میں تھوک جمع کرے اور پھر اسے نگل جائے چونکہ تھوک نگلنے کے متعلق روزہ ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اگر قصداً تھوک نگل لیا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا چونکہ تھوک اپنے معدن (پیدا ہونے کی جگہ) سے پیٹ میں پہنچی ہے، لیکن اگر روزہ دار نے تھوک منہ سے باہر ہونٹوں کے درمیان نکال لی اور یوں تھوک منہ سے جدا ہوگئی اور پھر نگل لی تو روزہ ٹوٹ جائے گا چونکہ اس صورت میں تھوک اپنے معدن سے الگ ہوگئی ہے۔ البتہ روزہ ار کے لئے حسب عادت تھوک نگلنے میں کوئی حرج نہیں چونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں جیسے راستے کی غبار سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔

روزہ دار پر کھنگھار، بلغم اور ریٹھ (ناک کی ریزش) نگلنا حرام ہے۔ اگر نگل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا برابر ہے کہ بلغم پیٹ سے آیا ہو یا سینے سے یا دماغ سے۔ چونکہ بلغم قے کی طرح منہ میں پیدا نہیں ہوتا۔❸

۲......مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرو (اچھی طرح پانی ڈالو) البتہ اگر تمہیں روزہ ہوتو مبالغہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ حدیث وضو کے باب میں گذر چکی ہے۔ اگر عادت کے موافق ناک میں پانی ڈالا جائے اور کلی کی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

۳......بغیر ضرورت کے کھانا چکھنا مکروہ ہے چونکہ حلق سے نیچے بھی اتر سکتا ہے، اور یوں روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر حلق میں چکھی ہوئی چیز کا ذائقہ محسوس ہوتو روزہ ٹوٹ جائے گا چونکہ کراہت کا اطلاق ہے۔

۴......اس طرح کا علک (گوند) چبانا مکروہ ہے جس کے اجزاء حل نہ ہوتے ہوں چونکہ اس کے چبانے سے منہ میں تھوک جمع ہوجاتی ہے اور منہ کو صاف کرتا ہے اور پھر اس سے پیاس لگتی ہے، اگر اس کا اثر حلق میں محسوس ہوتو روزہ ٹوٹ جائے گا، چونکہ حلق تک ایسی چیز پہنچ گئی ہے جو اجنبی ہے اور اس سے پرہیز ممکن تھا، اگر علک ایسی ہو جس کے اجزاء حل ہوتے ہوں تو اس کا چبانا حرام ہے چونکہ حلق تک بآسانی پہنچ سکتی ہے۔

---

❶...... کیا جو بھی حمام میں داخل ہوا اور جب بھی داخل ہوا اس کے داخل ہونے میں عیاشی اور ترفہ کا عنصر غالب ہوگا؟ حکم کلی کیونکر لگا دیا بلکہ بسا اوقات عام مزدور آدمی ٹھنڈک لینے کے لئے بھی جون جولائی میں حمام میں جاسکتا ہے۔❷ ہمارے زمانہ میں بلاشبہ فلمیں، ڈرامے وغیرہ دیکھنا اور گانے وغیرہ سننا نہ صرف مکروہ بلکہ مکروہ تحریمی ہیں۔❸ حنفیہ کے نزدیک بلغم نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چونکہ بلغم تھوک کی مانند ہے۔

۵.....اس شخص کے لئے بوسہ لینا مکروہ ہے جس کا جذبہ شہوت ابھر جاتا ہو چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ بوسہ لیتے اور مباشرت کرتے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ اپنے جذبات پر قابو پانے والے تھے۔“ ❶ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان کو بوسہ لینے سے منع کیا اور بوڑھے کو اجازت دی ہے۔ ❷

اگر فرط شہوت کی وجہ سے انزال کا خوف ہو تو ایسی صورت میں بوسہ لینا حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ جذبہ شہوت کے متحرک ہونے کے بغیر اگر بوسہ لیا جائے یا چھوا جائے یا بار بار نظر ڈالی جائے تو یہ مقدمات جماع مکروہ نہیں۔

۶.....دانتوں کے درمیان روزہ دار کا کھانے کے ذرّات چھوڑے رکھنا مکروہ ہے چونکہ اس میں خدشہ ہے کہ تھوک کھانے کے ٹکڑوں کو اپنے ساتھ پیٹ تک بہا کرلے جاسکتا ہے۔

۷.....ایسی چیز کا سونگھنا کہ جس کا سانسوں کے ذریعے حلق تک پہنچ جانے کا خدشہ ہو جیسے گرم کی ہوئی مشک، کافور، تیل، بخور اور عنبر وغیرہ۔ ❸

روزہ دار کے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت سے غسل کرتے پھر روزہ رکھتے تھے۔ ❹ اسی طرح روزہ دار مسواک کرسکتا ہے چنانچہ عامر بن ربیعہ کی روایت ہے کہ میں نے بے شمار مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت روزہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ ❺

چھٹی بحث.....ان اعذار کا بیان جن کی وجہ سے روزہ توڑنا مباح ہو جاتا ہے

مختلف اعذار کی وجہ سے روزہ توڑ دینا مباح ہے ان میں سے اہم سات یا نو ہیں انہیں کسی نے منظوم کیا ہے۔

وعوارض الصوم التی قد یغتفر
للمرء فیها الفطر تسع تستطر
حبل وارضاع واکراہ سفر
مرض جهاد جوعة عطش کبر

ترجمہ.....وہ عوارض جن کی وجہ سے آدمی کو روزہ توڑنا معاف ہے وہ نو (۹) ہیں، حاملہ ہونا، بچے کو دودھ پلانا اکراہ (زبردستی کرنا) سفر، مرض، جہاد، شدت کی بھوک، پیاس اور بڑھاپا۔ ❻

ا: سفر.....سفر کی حالت میں روزہ مباح ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ البقرة۲/۱۸۵

تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کو شمار کرنا ہے۔

سفر کا لغوی معنی.....سفر ایسے خروج سے عبارت ہے جس میں مشقت برداشت کرنی پڑے اور مسافت کی دوری اس میں تفصیل پیدا

---

❶.....متفق علیه۔ ❷ حدیث حسن رواہ ابو داؤد عن حدیث ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه ورواہ سعید عن ابی هریرة، وابی الدرداء وکذا عن ابن عباس باسناد صحیح۔ ❸ جب ہوا خوری روزہ دار کے لئے مکروہ نہیں تو اس طرح کی خوشبوئیں سونگھنا کیسے مکروہ ہوں گی جبکہ خوشبو بھی ہوا کے ساتھ مل کر ہوا ہو جاتی ہے۔ ❹ متفق علیه عن عائشةؓ وام سلمةؓ۔ ❺ قال اللہ وری هذا حدیث حسن۔ ❻ تفصیل کے لئے دیکھئے الدرالمختار ۱۵۸/۲ مراقی الفلاح ص ۱۱۵ البدائع ۱۹۴/۲ الشرح الکبیر ۵۳۴/۱ بدایة المجتهد ۲۸۵/۱ مغنی المحتاج ۴۳۷/۱، المهذب ۱۷۸ المغنی ۹۹/۳۔

کردے سفر کی حتمی مسافت کے متعلق شارح کی طرف سے کوئی نص وارد نہیں ہوئی البتہ اس پر متنبہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے لئے حلال نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر (بغیر محرم) کے کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ ضرور کوئی محرم ہونا چاہئے۔

وہ سفر جس میں روزہ نہ رکھنا مباح ہے...... یہ طویل سفر ہے جو چار رکعت والی نماز کی قصر کو مباح کر دیتا ہے، اس سفر کی مسافت کا اندازہ ۸۹ کلومیٹر سے کیا گیا ہے۔

جمہور کی شرط...... مسافر تب روزہ افطار کر سکتا ہے کہ جب طلوع فجر سے پہلے سفر شروع کرے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جس میں قصر کا حکم لاگو ہو جاتا ہو، اس کا اندازہ یہ ہے کہ گھروں اور محلات کو پیچھے چھوڑ آئے، جبکہ روزہ رکھ کر اگر سفر شروع کیا جائے تو اس صورت میں روزہ افطار کرنا مباح نہیں ہوگا۔ چونکہ اس میں حالت حضر کو حالت سفر پر ترجیح دی جاتی ہے چونکہ حالت حضر اور سفر دونوں جمع ہو گئی ہیں جس میں حالت حضر کو ترجیح ہوگی۔

اگر کسی نے طلوع فجر سے قبل سفر شروع کیا بایں طور کہ شہر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو اس کے لئے افطار جائز ہوگا، اور قضاء واجب ہوگی۔

کیا صبح کو روزہ رکھ کر افطار کرنا جائز ہے...... اگر کسی شخص نے صبح کو روزہ رکھ لیا پھر سے ایسی شدید مشقت کا سامنا کرنا پڑا جو عادۃً پیش نہیں آتی تو روزہ توڑ دے قضاء کرے چونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ فتح مکہ والے سال مکہ کے لئے روانہ ہوئے اور روزہ رکھ لیا، حتیٰ کہ مقام ''کراع الغمیم'' ❶ جا پہنچے۔

لوگوں نے بھی روزہ رکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ لوگوں کو روزے نے مشقت میں ڈال دیا ہے اور لوگ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کیا کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد پانی کا پیالا منگوایا، آپ نے پانی پی لیا جبکہ لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے، آپ کو دیکھ کر بعض لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور بعض نے روزہ باقی رکھا، آپ کو خبر پہنچی کے بعض لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے آپ نے فرمایا: یہ لوگ نافرمان ہیں۔ ❷

علامہ شوکانی کہتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ مسافر اگر رات کو روزے کی نیت کر لے تو اس کے بعد روزہ توڑ دینا جائز ہے، اور یہی جمہور کا قول ہے۔

حنابلہ...... حنابلہ نے مطلقاً مسافر کو روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے اگر مسافر نے اپنے شہر سے دن کے وقت سفر شروع کیا گو زوال کے بعد ہی کیوں نہ ہو تب بھی روزہ توڑنا جائز ہے چونکہ سفر افطار کی علت ہے جو اگر رات کے وقت پائی جائے اور دن بھی اسی میں گزر جائے تو افطار مباح ہوگا اور اگر دن کے وقت سفر پایا گیا تب بھی افطار مباح ہوگا۔ جیسے مرض میں مباح ہوتا ہے۔ نیز حنابلہ کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے جو ابوبصرہ غفاری سے مروی ہے کہ جس شخص نے سفر شروع کرنے کی بعد روزہ توڑ دیا، تو اس پر فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ❸

شافعیہ کی ایک اور شرط...... شافعیہ نے ایک تیسری شرط لگائی ہے وہ یہ کہ سفر کرنے والا شخص دائمی سفر کرنے والا نہ ہو، اگر دائمی سفر

---

❶ ...... عسفان کے سامنے ایک وادی ہے اور عسفان عوالی مدینہ میں سے ہے۔ ❷ رواہ مسلم والنسائی والترمذی وصححہ (نیل الاوطار ۲۶۶/۴) ❸ جمہور کے نزدیک مسافر اگر صبح کو روزہ رکھے بعد میں اسے افطار کی اجازت نہیں ہوگی اور روزہ پورا کرنا واجب ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ البتہ اگر مریض نے روزہ توڑ دیا تو صحیح قول کے مطابق کفارہ نہیں قضاء واجب ہے۔

کرنے والا ہو جیسے گاڑیوں کے ڈرائیور تو شافعیہ کے نزدیک روزہ افطار کرنا حرام ہوگا، الا یہ کے روزے سے اگر مشقتِ شدیدہ لاحق ہو تو افطار کرسکتا ہے جیسے ایسی مشقت جو تیمّم کو مباح کردیتی ہے، یہ وہ ہے کہ جان کا خطرہ ہو یا کوئی عضو تلف ہونے کا خطرہ ہو یا مدت مرض کے طویل ہونے کا خطرہ ہو، یا کسی عضو میں کوئی عیب پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، اور یہ عیب ایسا ہو کہ اس کو ڈھانپنے سے آدمی کی مروت کی ہتک ہوتی ہو بایں طور کہ کام کاج میں غالباً ظاہر ہوتا ہو۔ ❶

مزید دو شرائط...... یہاں دو شرطیں اور ہیں جن کا جمہور نے اعتبار کیا ہے اور حنفیہ نے ان کا اعتبار نہیں کیا وہ یہ کہ سفر مباح ہو دوسری یہ کہ مسافر دوران سفر چار دن اقامت کی نیت نہ کرے تو تب روزہ افطار کی رخصت ہے ورنہ رخصت نہیں۔

مالکیہ نے ایک شرط کا اور اضافہ کیا ہے کہ فجر سے قبل رات کو افطار کی نیت ہو کہ سفر پر جانا ہے اور افطار کرے گا۔ چونکہ سفر قصر اور افطار کو مباح تبھی کرتا ہے جب نیت ہو اور بالفعل شروع کردیا جائے۔

حنفیہ نے مطلقاً سفر میں روزہ افطار کرنے کی اجازت دی ہے خواہ سفر مباح ہو یا سفر معصیت ہو۔ ❷

خلاصہ...... مالکیہ نے سفر کی وجہ سے روزہ افطار کرنا، مباح قرار دیا ہے اور یہ چار شرائط کے ساتھ مباح ہے۔

۱...... یہ کہ سفر سفر قصر ہو ۲...... سفر مباح ہو معصیت میں نہ ہو

۳...... فجر سے پہلے سفر شروع کرے ۴...... یہ کہ رات کو افطار کی نیت ہو

اگر مسافر نے صبح کو روزہ رکھا پھر اس کی یہ رائے ٹھہری کہ افطار کرے تو وہ افطار کرسکتا ہے اس پر کوئی گناہ نہیں یہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔ ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث صحیح متفق علیہ ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر افطار کرلیا تھا۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس صورت میں روزہ افطار کرنا حرام ہے اور وہ گناہ گار ہوگا، البتہ ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک صرف قضاء ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک قضاء کے ساتھ کفارہ بھی ہے۔ چونکہ اس نے رمضان کا روزہ توڑا ہے۔

لہٰذا اسے کفارہ لازم ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مقیم یا حاضر نے روزہ توڑ دیا۔

مسافر کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے یا رخصت افضل ہے؟...... حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مسافر کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے، بشرطیکہ اگر اسے روزہ رکھنے سے مشقت نہ ہوتی ہو، حنفیہ کے نزدیک یہ قید بھی ہے کہ مسافر کے اکثر ساتھی بے روزہ نہ ہوں، تب اپنے ساتھیوں کی جماعت کی موافقت کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے، البتہ ضرر کے خوف کی صورت میں افطار کرنا واجب ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے، ان حضرات کی دلیل آیت کریمہ ہے:

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ...... البقرۃ ۲/ ۱۸۴

یہ کہ روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

ضرر یہ ہے کہ جان کا خطرہ ہو یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو یا کسی عضو کی منفعت ختم ہونے کا خطرہ ہو۔

حنابلہ...... سفر قصر میں افطار مسنون ہے اور روزہ رکھنا مکروہ ہے، اگرچہ سفر بلا مشقت میں کیوں نہ ہو، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر روزہ رکھنے والوں کے متعلق فرمایا تھا "یہ لوگ نافرمان ہیں۔" نیز صحیحین کی روایت ہے۔ کہ "سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔"

---

❶...... جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے چونکہ سفر علت ہے وہ دائمی مسافر اور غیر دائمی دونوں میں پائی جاتی ہے لہٰذا ڈرائیور جو سفر شرعی کی مقدار میں سفر کرتا ہو تو اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے البتہ قضاء واجب ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔ ❷ چونکہ افطار کی علت سفر موجود ہے آگے اس کا استعمال مباح یا ممنوع ہوتا ہے۔ سفر پر رخصت کے دلائل مطلق ہیں۔ نیز نفس سفر مباح ہے۔

محاکمہ......جمہور کی رائے معقول ہے چونکہ اس میں آیت کے ظاہر پر عمل ہوتا ہے کہ "وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ"
نیز فتح مکہ کے موقع پر روزہ نہ رکھنا جہاد کی وجہ سے بھی تھا۔

کیا رمضان میں کوئی دوسرا روزہ رکھا جا سکتا ہے......مسافر کے لئے جائز نہیں کہ وہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ جیسے نذر اور قضاء کا روزہ رکھے، چونکہ مسافر کے لئے افطار کرنا رخصت ہے، لہٰذا جب اپنے اوپر تخفیف نہیں کرے گا تو اس پر اصل کا بجالانا لازمی ہوگا۔
اگر مسافر یا مریض نے رمضان کے علاوہ کسی دوسرے روزے کی نیت کر لی تو جمہور کے نزدیک اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا۔ نہ رمضان کا ہوگا اور نہ ہی منوی عنہ کا، چونکہ اسے عذر کی وجہ سے افطار کی رخصت ملی تھی اب اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ رکھے، جیسے مریض کوئی دوسرا روزہ نہیں رکھ سکتا۔

حنفیہ......حنفیہ کہتے ہیں کہ مسافر نے جس قسم کے روزے کی نیت کی ہے وہی روزہ واقع ہوگا بشرطیکہ وہ کوئی واجب روزہ ہو نفلی نہ ہو چونکہ مسافر کے لئے یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں افطار کرنا اس کے لیے مباح ہے لہٰذا واجب روزہ اس کے لئے ایسا ہی ہوگا جیسے غیر رمضان میں رکھ لے۔

ظاہریہ کا جمہور کے ساتھ ایک اختلاف......اگر مسافر یا مریض نے روزہ رکھ لیا: تو مذاہب اربعہ کے مطابق ان کا فرض ادا ہو جائے گا، البتہ ظاہریہ کہتے ہیں کہ مسافر اور مریض کی یہ ادا کافی نہیں ہوگی' اختلاف کا منشاء آیت کریمہ کا مفہوم ہے آیت یہ ہے:

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ......البقرة ۲/۱۸۵

جمہور کہتے ہیں کہ آیت مجاز پر محمول ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے:

فافطر، فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ

یعنی تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہے اور وہ روزہ افطار کر دے تو دوسرے دنوں میں شمار کرنا ہے۔
چنانچہ اسلوب خطاب میں اس طرح کا حذف معروف ہے۔
ظاہریہ کہتے ہیں یہ کلام حقیقت پر محمول ہے یہاں مجاز نہیں لہٰذا مسافر پر فرض ہے کہ وہ دوسرے ایام میں اتنے دنوں روزہ رکھے۔
جمہور کے مذہب کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ "کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا چنانچہ روزہ دار نے روزہ نہ رکھنے والے کو عیب نہیں لگایا اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے والے نے روزہ دار پر عیب لگایا۔ ❶
اسی طرح ظاہریہ کے مذہب کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہوتی ہے کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال رمضان میں گھر سے نکلے حتی کہ مقام کدید میں جا پہنچے آپ نے روزہ توڑ دیا اور صحابہ کرام نے بھی روزہ توڑ دیا۔ ❷

۲: مرض......دوسرا عذر جس کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا یا روزہ توڑ دینا مباح ہے وہ مرض (بیماری) ہے، مرض ایسی علت ہے جو طبیعت کو متغیر کر دیتی ہے اور فساد و بگاڑ تک پہنچا دیتی ہے اور یہ افطار کی اجازت دیتی ہے جیسے سفر، آیت گذر چکی ہے کہ:

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ

البتہ وہ مرض جس کی وجہ سے روزہ مباح ہو جاتا ہے اس کے چند اصول ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔
۱...... مرض جس کی وجہ سے روزہ توڑ دینا مباح ہو جاتا ہے اس میں ضابطہ یہ ہے کہ مرض ایسا مشقت والا ہو کہ روزہ رکھنے سے شدید مشقت پیش آتی ہو اور روزہ رکھنے میں ہلاکت کا خوف ہو یا روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جانے کا خوف ہو یا صحت یابی میں تاخیر کا خدشہ ہو اور اگر

❶ ... متفق علیه وروی مسلم عن ابی سعید مثله۔ ❷ متفق علیه

ایسا مرض ہو جس میں روزہ رکھنے سے ضرر اور مشقت نہ ہوتی ہو جیسے خارش کا مرض، دانت کا درد، انگلی کا درد، پھوڑے پھنسی کا درد وغیرہ تو اس صورت میں روزہ توڑنا مباح نہیں ہوگا۔

جو شخص بظاہر صحیح لگتا ہو......وہ صحیح آدمی جسے روزہ رکھنے سے مرض کا خوف ہو یا ضعف وکمزوری کا ظن غالب ہو اس چیز کا ادراک کسی علامت یا نشانی سے ہو جائے یا تجربہ سے ہو یا کسی حاذق طبیب کے بتلانے سے ہو تو یہ شخص بھی حنفیہ کے نزدیک مریض کے حکم میں ہے (اس کے لئے بھی روزہ رکھنا مباح ہوگا)۔

مالکیہ کے نزدیک وہ صحت مند شخص جسے روزہ رکھنے سے ہلاکت یا شدید اذیت کا گمان ہو وہ مریض کے حکم میں ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحیح وتندرست شخص مریض کے حکم میں نہیں۔[1]

اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاکت کا ظن غالب ہو یا شدید ضرر لاحق ہونے کا خدشہ ہو جیسے حواس میں سے کسی حس کا معطل ہو جانا وغیرہ تو اس صورت میں روزہ توڑنا واجب ہوگا۔

حنفیہ نے اضافہ کیا ہے کہ اگر کسی فوجی کو روزے رکھنے کی وجہ سے جنگ میں کمزوری کا خدشہ ہو اور ابھی مسافر نہ ہو تو جنگ سے پہلے ہی اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے، جس شخص کو باری کا بخار ہو، یا کسی عورت کی عادت کے موافق حیض آتا ہو تو اس کے ظن پر افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

چونکہ جہاد بغیر سفر کے بھی روزہ کو مباح کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب ہے، شافعیہ کے نزدیک یہ واجب ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ اگر مریض نے دوران مرض روزہ رکھ لیا اس کا روزہ کافی ہوگا چونکہ روزہ برمحل ہے اور اہل کی طرف سے اس کا صدور ہوا ہے جیسے مسافر روزہ رکھ لے۔

''ج'' مریض کے افطار کرنے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں، حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں، مرض روزے کو مباح کر دیتا ہے، جبکہ حنابلہ کا موقف ہے کہ مریض کے لئے افطار کرنا مسنون ہے اور روزہ رکھنا مکروہ ہے، حنابلہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

یعنی مریض کو چاہئے کہ وہ افطار کیے ہوئے روزوں کے بقدر روزے رکھے۔

جبکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ مریض کے چار احوال ہیں۔

اول......یہ کہ مریض کو کسی حال میں بھی روزہ رکھنے کی قدرت نہ ہو، یا اسے خوف ہو کہ اگر روزہ رکھا تو ہلاک ہو جائے گا تو اس صورت میں افطار کرنا واجب ہے۔

دوم......یہ کہ روزہ تو رکھ سکتا ہے مگر مشقت کے ساتھ تو روزہ افطار کرنا جائز ہے، مالکیہ اس صورت میں حنفیہ اور شافعیہ کی طرح ہیں، ابن عربی کہتے ہیں: روزہ رکھنا مستحب ہے۔

---

[1]......آج کل ایسے امراض عام ہیں جو اندر سے کھائے جاتے ہیں لیکن آدمی بظاہر تندرست دکھائی دیتا ہے اور رفتہ رفتہ کمزوری آتی ہے چنانچہ میں نے خود ڈاکٹر سے رابطہ کیا اور اس مسئلہ پر بات چیت کی لیبارٹری ٹیکنیشنر علی شان کے بقول ہیپاٹائٹس بی اور سی (کالا یرقان) شوگر اور ٹی بی ایسے امراض ہیں جو اندر سے رفتہ رفتہ مریض کو کھائے جاتے ہیں اور یک مشت ان کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے۔ لہٰذا اگر کوئی طبیب حاذق (ماہر ڈاکٹر) دوائی کا استعمال ضروری سمجھے تو ایسے شخص کے لئے روزہ مباح ہے۔ یعنی مرض کے ابتدائی دنوں میں آدمی صحت مند دکھائی دیتا ہے بعد میں کمزوری لاحق ہوتی ہے، اسی طرح وہ امراض جن کی وجہ سے اطباء نے افطار صوم مباح قرار دیا ہے جیسے سِل کا مرض، پھیپھڑوں کے امراض، کینسر، تلی کی بیماری، گردوں کا درد اور پتھری، جگری مہلک امراض، سخت قسم کے اسہال، ہیضہ وغیرہ ایسے امراض ہیں جن کی وجہ سے روزہ مباح ہو جاتا ہے۔

سوم...... یہ کہ روزہ مشقت کے ساتھ رکھ سکتا ہے لیکن مرض بڑھ جانے کا خوف ہو تو اس کے وجوبی طور پر افطار کرنے میں دو اقوال ہیں۔

چہارم...... یہ کہ مریض کو روزہ رکھنے سے مشقت نہ ہو اور نہ ہی مرض بڑھنے کا خوف ہو تو جمہور کے نزدیک افطار نہیں کر سکتا جبکہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے گویا ان کے نزدیک افطار کر سکتا ہے۔

''ذ''...... اگر مریض یا مسافر نے روزے کی نیت کی پھر ان کا عذر جاتا رہا تو اب ان کے لئے افطار کرنا جائز نہیں اگر صبح کو افطار کی نیت کی اور اسے کوئی ایسا عذر تھا جس کی وجہ سے روزہ مباح ہو، پھر اس کا عذر جاتا رہے تو بقیہ دن اس کے لئے کھانا پینا جائز ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ رکھے گا۔

''ھ''...... بالاتفاق مریض اور مسافر رمضان میں نفلی روزہ نہیں رکھ سکتا اسی طرح جمہور کے نزدیک کسی دوسرے واجب کا روزہ رکھنا بھی صحیح نہیں، البتہ حنفیہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق کسی دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھ سکتا ہے، جیسے کہ واضح ہو چکا ہے۔

مریض اور مسافر پر اگر دوسرا رمضان آ جائے اور انہوں نے پہلے رمضان کی قضاء نہ کی ہو تو شافعیہ کی رائے کے مطابق ان پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی ہے، کفارہ یہ ہے کہ شہر میں جو کھانا غالب چلتا ہو اس کھانے کا ہر دن کے بدلے میں ایک مد ❶ غریبوں مسکینوں کو کھلائے۔

سالوں کے تکرار سے کفارہ میں بھی تکرار ہوگا، لیکن اگر عذر آنے والے سال تک جوں کا توں رہا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں ہوگا، اگر قضاء کا موقع ملنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں ہوگا۔ اگر قضاء کا موقع ملا لیکن قضاء نہیں کر سکا اور مر گیا تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے اور یہ مستحب ہے، اگر ولی روزہ نہ رکھے تو میت کے ترکہ سے روزوں کا کفارہ دے اور ہر دن کے بدلہ میں شہر میں جو غلہ عام چلتا ہو اس کا ایک مد دے، چنانچہ ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ''جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ ایک مہینے کے روزے تھے تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

اسی طرح بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے واجب ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔

۳، ۴: حمل اور رضاع...... حاملہ عورت اور وہ عورت جو بچے کو دودھ پلاتی ہو ان کے لئے روزہ افطار کرنا مباح ہے، یہ رخصت اس وقت ہے جب انہیں اپنی جان کا خطرہ ہو یا بچے کی ہلاکت کا خطرہ ہو، برابر ہے کہ بچہ دودھ پلانے والی عورت کا اپنا ہو یا کسی اور کا، یعنی وہ بچہ خواہ نسبی ہو یا رضاعی، بچے کا وہی خوف معتبر ہو سکتا ہے جسے ظن غالب کی تائید ہو یا سابقہ تجربہ اس کا مؤید ہو یا کوئی مسلمان حاذق طبیب تجویز دے۔

دلیل...... حاملہ عورت اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کو مریض اور مسافر پر قیاس کیا گیا ہے۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ ''اللہ تعالیٰ نے روزے اور آدھی نماز کا بوجھ مسافر کے سر سے اتار دیا ہے اور حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو روزے میں چھوٹ دی ہے۔ ❷

اگر حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو اپنی جان یا اپنے بچے کی ہلاکت کا خوف ہو تو اس صورت میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

حاملہ اور مرضعہ کی قضاء...... اگر حاملہ اور مرضعہ روزہ نہ رکھیں تو حنفیہ کے نزدیک ان کے ذمہ صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، اگر انہیں بچے کا خوف ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قضاء کے ساتھ فدیہ بھی لازم ہے، جبکہ مالکیہ کے نزدیک صرف مرضعہ پر قضاء کے ساتھ

---

❶...... مد ایک پیمانہ ہے، جس کی مقدار دو رطل کے برابر ہوتی ہے۔ ❷ رواہ الخمسة اصحاب السنن واحمد عن انس بن مالک الکعبی۔

فدیہ لازم ہے جبکہ حاملہ پر فدیہ لازم نہیں اس کی تفصیل آنا چاہتی ہے۔

۵: بڑھاپا...... بوڑھے شخص اور بوڑھی عورت (جنہیں شیخ فانی اور عجوز فانیہ کہا جاتا ہے) کے لئے روزہ نہ رکھنا بالاجماع جائز ہے، خواہ روزے سال کے جس موسم میں آئیں۔ ان کے ذمہ قضاء بھی نہیں، چونکہ انہیں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں، البتہ ان پر ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک فدیہ دینا مستحب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ البقرة۲/ ۱۸۴

یعنی جو لوگ روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر فدیہ واجب ہے جو ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ یہ آیت بوڑھے شخص اور بوڑھی عورت کے لئے معمول بہا ہے، جب یہ لوگ روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں لہٰذا ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

وہ مریض جس کی صحت یابی کی امید نہ رہی ہو وہ بھی انہیں کی مانند ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ......الحج ۲۲/ ۷۸

اور اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تمہارے اوپر کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

البتہ رہی بات اس شخص کی جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو اور کسی دوسرے وقت میں قضاء کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر قضاء واجب ہے فدیہ نہیں۔ ❶

۶: پریشان کن بھوک اور پیاس...... اگر روزہ دار کو شدید بھوک یا پیاس نے پریشان کر دیا ہو جس سے ہلاکت کا خوف ہو یا عقل ضائع ہونے کا خدشہ ہو یا بعض حواس کے مفقود ہونے کا اندیشہ ہو، بایں طور کہ اس نقصان کے ہوتے ہوئے روزہ کی قدرت نہ رہے تو اس عذر کی بناء پر روزہ توڑ دینا جائز ہے اور اس کے ذمہ قضاء واجب ہوگی، اور اگر حالت روزہ میں جان کی ہلاکت کا خوف ہو تو اس صورت میں روزہ رکھنا حرام ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ البقرة۲/ ۱۹۵

اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو۔

قریب البلوغ لڑکا اگر روزہ توڑ دے...... اگر قریب البلوغ لڑکا بھوک یا پیاس کی وجہ سے روزہ توڑ ڈالے تو آیا بقیہ دن کھانے پینے سے رکا رہے یا اس کے لئے کھانا پینا جائز ہے اس میں اختلاف ہے اور دونوں طرح کی آراء ہیں۔ ❷

جو شخص مشقت طلب کام کرے...... ابوبکر آجری کہتے ہیں: جس شخص کا کام مشقت طلب ہو اگر اسے روزہ رکھنے سے جان یا کوئی عضو تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ روزہ توڑ دے اور قضاء کرے یہ تب ہے جب اسے کام چھوڑنے میں ضرر اور نقصان ہوتا ہو، اگر کام چھوڑنے سے ضرر نہ ہوتا ہو اور روزہ توڑ دے تو گناہ گار ہوگا۔ ❸ اور اگر کام چھوڑ دیا لیکن مشقت ختم نہیں ہوئی تو روزہ توڑنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا چونکہ اس نے عذر کی وجہ سے روزہ توڑا ہے۔

---

❶ ...... پھر تو ہر شخص گرمی کے موسم میں عجز کا عذر گھڑے گا یہ قول غیر مفتی بہ ہے۔ ❷ مراہق نابالغ ہے روزہ توڑنے پر قضاء اس کے ذمہ نہیں البتہ نماز توڑ دے تو دوبارہ پڑھوانا واجب ہے چونکہ نابالغ ہے بقیہ دن امساک اس کے لئے ضروری نہیں اسی پر فتویٰ ہے۔ ❸ جیسے کھیتی بالکل تیار ہو اور آسمان ابر آلود ہو اگر کاٹے گا نہیں تو کھیتی تباہ ہو جائے گا اگر کاٹتا ہے تو شدید بھوک یا پیاس کی وجہ سے کاٹ نہیں سکتا تو روزہ توڑ دے کھیتی کاٹے اور بعد میں قضاء کرے، اسی پر فتویٰ ہے۔

جمہور فقہاء نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جو شخص مشقت طلب کام کر رہا ہو جیسے کھیتی کاٹنا، نان بائی کا کام، لوہار کا کام اور کان کنی تو اسے سحری کھا کر روزے کی نیت کر لینی چاہئے پھر اگر اسے شدید بھوک یا پیاس لگے جس سے ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے روزہ توڑ دینا جائز ہے اور اس پر قضاء واجب ہے۔ اور اگر ضرر فی الواقع محقق ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ سورۃ النساء ۴/۲۹

اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم کرنے والا ہے۔

ڈوبتے کو بچانا...... حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی معصوم جان کسی ہلاکت کے منہ میں پڑی ہو جیسے کوئی دریا میں ڈوب رہا ہو (یا آگ میں جل رہا ہو یا کوئی ملبے تلے دبا ہو (جیسے پاکستان میں ۲۰۰۵ھ کے زلزلہ میں معصوم جانیں مکانات تلے دبی پڑی تھیں) تو روزہ دار پر واجب ہے کہ روزہ توڑ دے اور معصوم جان کو بچائے، اگر بغیر روزہ توڑے جان بچانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس صورت میں روزہ توڑنا حرام ہے اور اگر پانی حلق میں داخل ہو گیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹا۔

نفلی روزہ...... حنفیہ کے نزدیک نفلی روزہ بلا عذر بھی توڑ دینا جائز ہے البتہ اس کی قضاء واجب ہو گی چونکہ نفلی عبادت شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے، ضیافت مہمان اور میزبان دونوں کے لئے عذر ہے بشرطیکہ زوال سے پہلے پہلے۔ زوال کے بعد روزہ نہ توڑنے میں اگر والدین کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو جائز ہے کہ توڑ دے ورنہ کسی صورت نہ توڑے چونکہ زوال کے بعد روزہ مؤکد ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نفلی روزہ توڑنے پر قضاء ہے ہاں البتہ اگر کسی نے پانچ دنوں یعنی عیدین اور ایام تشریق میں نفلی روزہ رکھا تو ان کی قضاء روزہ توڑنے سے لازم نہیں ہو گی، مسئلہ پیچھے گزر چکا ہے۔

عذر کی وجہ سے روزہ توڑنے کے بعد امساک...... جو شخص کسی عذر کی وجہ سے روزہ توڑ دے تو آیا بقیہ دن امساک کرے گا یا نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، چنانچہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص رمضان میں عذر کی وجہ سے روزہ توڑ دے تو بقیہ دن امساک واجب ہوگا جبکہ شافعیہ کے نزدیک امساک مستحب ہے، مالکیہ سوائے دو حالتوں کے عدم وجوب اور عدم استحباب کے قائل ہیں۔ آراء اور حالات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ...... جو شخص اپنا روزہ فاسد کر دے گو کسی عذر ہی کی وجہ سے فاسد کیا ہو جو بعد میں زائل ہو جائے تو اس شخص پر بقیہ دن امساک (کھانے پینے سے رکے رہنا) واجب ہے، حیض اور نفاس والی عورت اگر طلوع فجر کے بعد پاک ہو تو امساک اس پر بھی واجب ہے، اسی طرح مسافر مقیم ہو جائے امساک کرے گا مریض صحت مند ہو جائے امساک واجب ہوگا، مجنون کو افاقہ ہو جائے امساک کرے گا جو بچہ بالغ ہو گیا وہ بقیہ دن امساک کرے گا اور جو کافر مسلمان ہوا وہ بھی بقیہ دن امساک کرے گا، چونکہ جتنا ممکن ہو سکے اس کے بقدر وقت کی حرمت واجب ہے۔ ❶ اور ان پر قضاء واجب ہے، البتہ بچے اور نو مسلم پر قضا واجب نہیں، چونکہ طلوع فجر کے وقت بچہ اور نو مسلم مکلف نہیں تھے۔

ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ عارضی جنون قضاء کو واجب کرتا ہے اور جو جنون پورا مہینہ چھایا رہا ہے اس کی قضاء نہیں ہے، یہ مسئلہ بے ہوشی کے مسئلہ کے خلاف ہے چنانچہ بے ہوشی اگر پورے ماہ طاری رہے تو اس میں قضا واجب ہے، چونکہ بے ہوشی بیماری کی ایک قسم ہے، البتہ جس دن بے ہوشی ہوئی تھی اس دن کی قضاء نہیں، اگر رات کو بے ہوشی ہوئی تب بھی آنے والے دن کی قضاء نہیں چونکہ روزے کی شرط یعنی نیت کا وجود ہے۔ ❷

---

❶...... اس کی مثال نماز میں بھی ملتی ہے جیسے کسی نے امام کو سجدہ میں پایا تو اس پر واجب ہے کہ امام کے ساتھ سجدہ میں مل جائے گو یہ رکعت اس سے نکل چکی لیکن مشابہت اور اقتداء واجب ہے اسی طرح یہاں بھی مشابہت واجب ہے۔ اور مشابہت امساک میں ہو گی۔ ❷ دیکھئے مراقی الفلاح ص ۱۱۴ والبدائع ۲/۱۰۲۔

مالکیہ......جس شخص نے رمضان میں خاص طور پر روزہ توڑ دیا یا نذر واجب میں جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا یا زبردستی سے روزہ توڑا یا بھول سے توڑ دیا تو بقیہ دن امساک کرے گا، البتہ جس شخص نے کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ توڑا تو اس کے لئے کھانا پینا، مباح ہے، پھر اگر اس کا عذر ختم ہو گیا تو اس کے لئے امساک مستحب نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے رمضان میں دن کے وقت حیض یا نفاس منقطع ہو جائے یا مسافر کا سفر ختم ہو جائے، یا بچہ رمضان میں دن کے وقت بالغ ہو گیا، یا جنون اور بے ہوشی ختم ہو گئی، یا مریض صحت مند ہو گیا، یا بے چین شخص کا اضطرار ختم ہو گیا تو ان سب صورتوں میں امساک مستحب نہیں ہے، ان کے لئے کھانا پینا جائز ہے۔البتہ یوم شک میں امساک مستحب ہو گا وہ بھی اتنے وقت کہ جس میں رمضان کے ثبوت یا عدم ثبوت کا یقین ہو جائے اور جس کا علم راستے میں گزرنے والوں سے ہو۔نفلی روزے کی صورت میں اگر کسی نے بھولے سے روزہ توڑ دیا تو بقیہ دن امساک واجب ہو گا، اگر جان بوجھ کر روزہ توڑا ہے تو امساک واجب نہیں ہو گا اسی طرح ان روزوں میں بھی امساک واجب نہیں جو پے در پے رکھے جاتے ہیں جیسے کفارۂ ظہار یا کفارۂ قتل کے روزے۔

شافعیہ......جس شخص نے سرکشی کر کے روزہ توڑا تو اسزا اور کوتاہی پر تنبیہ کے طور پر امساک لازم ہو گا، یا جو شخص رات کو روزے کی نیت کرنا بھول گیا تو اس پر بھی امساک لازم ہو گا، چونکہ نیت کا بھول جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے روزے کا اہتمام نہیں کیا، یوم شک میں اگر واضح ہو جائے کہ آج رمضان کا دن ہے تو بھی امساک لازمی ہو گا چونکہ کھانے پینے میں کوتاہی کی تشہیر ہے کہ چاند دیکھنے میں کوشش نہیں کی۔ ❶ پھر معتمد قول کے مطابق رمضان کے فوراً بعد اس کی قضاء واجب ہو گی۔

جب بچہ بالغ ہو گیا تو صحیح قول کے مطابق بقیہ دن اس پر امساک واجب نہیں، یا مجنون کو افاقہ ہوا یا کافر نے اسلام قبول کر لیا (رمضان میں دن کے وقت) تو ان پر بھی امساک واجب نہیں چونکہ روزے کی اداء کا وقت ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، البتہ جو شخص اسلام قبول کرے یا دن کے وقت مجنون کو افاقہ ہو جائے تو ان صورتوں میں اس دن کی قضاء اس پر مستحب ہو گی تا کہ اختلاف سے بچ نکلے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے مسافر اور مریض نے روزہ نہ رکھا ہو اور پھر ان کا عذر جاتا رہے (مثلاً مسافر مقیم ہو جائے اور مریض کی بیماری جاتی رہے) تو ان پر بقیہ دن امساک لازم نہیں ہو گا، چونکہ رخصت ملنے کے بعد عذر مؤثر نہیں ہوتا، جیسے کہ مسافر قصر کرے اور پھر مقیم ہو جائے اور ابھی وقت باقی ہے، البتہ ان کے لئے وقت کے احترام کی خاطر امساک مستحب ہو گا، اسی طرح حائضہ یا نفاس والی عورت جب پاک ہو جائے تو بقیہ دن امساک مستحب ہو گا۔

دلیل......امساک واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عذر کے ہوتے ہوئے ان لوگوں کے لئے کھانا پینا مباح تھا اور رخصت ملنے کے بعد عذر کا زائل ہو جانا مؤثر نہیں رہتا، لہٰذا امساک بھی واجب نہیں ہو گا۔ ❷

حنابلہ......حنابلہ کے نزدیک جس شخص نے بلا عذر روزہ توڑ دیا اس پر بقیہ دن امساک لازم ہو گا، یا کسی نے یہ سمجھ کر روزہ توڑ دیا کہ فجر طلوع نہیں ہوئی حالانکہ فجر طلوع ہو چکی تھی، یا اس کو یہ گمان ہوا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے حالانکہ آفتاب غروب نہ ہوا ہو یا روزے کی نیت کو بھول گیا تو ان صورتوں میں بقیہ دن امساک ضروری ہو گا۔اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔

---

❶......اس لئے حنفیہ کے نزدیک ۲۹ شعبان کی شام کو لوگوں پر رؤیت ہلال میں جستجو کرنا واجب ہے۔ ❷ عذر کا زائل ہونا ادائے فرض میں مؤثر نہیں ہوتا چونکہ سحری کا وقت نکل چکا ہے البتہ وقت کا احترام تو واجب ہے تا کہ صائمین کی مشابہت ہی حاصل ہو جائے جیسے سجدے میں امام کو پایا جاتا ہے اقتداء واجب ہوتی ہے گو رکعت نہیں بھی ملتی۔نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے موقع پر فرمایا؟ جس نے کھانا کھالیا ہو وہ بقیہ دن نہ کھائے (امام البخاری رقم ۲۰۰۷) نیز جب روزہ فی الواقع متحقق نہیں ہو گا تو بقدر ممکن بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی اس کا بقیہ دن امساک لازمی ہو گا۔

اسی طرح حنابلہ کے نزدیک اس شخص پر بھی بقیہ دن امساک لازم ہوگا جس کا عذر دن کے وقت ختم ہو جائے، اور اس پر قضاء واجب ہوتی ہو، جیسے بچہ، مجنون، کافر، مریض، مسافر، حیض اور نفاس والی عورت۔

چنانچہ جب ان لوگوں کا عذر ختم ہو جائے یعنی بچہ بالغ ہو جائے، مجنون کو افاقہ ہو جائے کافر اسلام قبول کرلے مریض جو روزے نہ رکھتا ہو تندرست ہو جائے، مسافر مقیم ہو جائے، حیض یا نفاس والی عورت پاک ہو جائے تو ان لوگوں کے لئے امساک میں ثواب ہے البتہ روزے کا ثواب نہیں ملے گا۔

اگر بچے نے روزہ رکھا اور بحالت روزہ بالغ ہو گیا خواہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہوا یا احتلام سے بالغ ہوا جبکہ اس نے رات کو روزے کی نیت کی ہو تو وہ یہ روزہ مکمل کرے یہی روزہ اسے کافی ہے، جیسے نذر کا روزہ نفل روزے کو مکمل کرنے سے پورا ہو جاتا ہے، اگر مسافر کو یقین ہو کہ وہ کل اہل خانہ میں پہنچ جائے گا تو اس پر روزہ لازمی ہوگا۔ (یعنی رات ہی سے اس دن کا روزہ رکھے)

ساتویں بحث.....ان چیزوں کا بیان جو روزے کو فاسد کر دیتی ہیں اور جو روزے کو فاسد نہیں کرتیں

فقہاء نے اس بحث میں شکل و موضوع کے اعتبار سے اختلاف کیا ہے، لہٰذا اس اختلاف کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ہر مذہب کو مستقلاً علیحدہ بسط و تفصیل سے بیان کیا جائے مختلف مذاہب مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ.....جو چیزیں روزے کو فاسد کر دیتی ہیں وہ دو قسم پر ہیں۔ (۱) وہ چیزیں جن سے صرف قضاء واجب ہوتی ہے (۲) وہ چیزیں جن سے قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔[1]

اول.....وہ امور جو مفسد صوم ہیں اور صرف قضاء کو واجب کرتے ہیں نہ کہ کفارہ کو

وہ امور جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور ان پر صرف قضاء واجب ہوتی ہے اور کفارہ واجب نہیں ہوتا یہ امور تقریباً ستاون (۵۷) ہیں، انہیں تین چیزوں کے ذیل میں بیان کرنا ممکن ہے۔

اول.....ایسی چیز کا کھا لینا جو غذا نہ ہو یا اس میں غذائی معنی نہ پایا جاتا ہو جیسے دوائی۔

یعنی ہر ایسی چیز جس سے غذائیت کا عادۃً قصد نہ کیا جاتا ہو اور نہ ہی طبیعت کا اس کی طرف میلان ہوتا ہو، جیسے روزہ دار نے کچا چاول کھا لیا، گوندھا ہوا آٹا کھا لیا، یا کچا آٹا کھا لیا جو کسی ایسی چیز میں نہ ملا ہو جیسے عادۃً کھایا جاتا ہے جیسے گھی، شیرہ، شہد، شکر وغیرہ۔ (تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ گیا اور صرف قضاء واجب ہوگی اور کفارہ نہیں ہوگا) اور اگر کچا آٹا جو مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز (مثلاً شکر) میں ملایا ہوا تھا اور وہ کھا لیا تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، یا دفعۃً بہت سارا نمک کھا لیا (جو عادۃً نہیں کھایا جاتا) تب بھی صرف قضاء واجب ہوگی اور اگر تھوڑا سا نمک کھا لیا (جو عادۃً کھا لیا جاتا ہے) تو قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے یا پھل پکنے سے پہلے کھا لیا یا دانتوں کے درمیان پھنسے ہوئے خلال (روٹی کے ٹکڑے) کھا لیے جو چنے کے برابر ہوں تو روزہ فاسد ہو گیا اور قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا، اگر دانتوں کے درمیان اٹکے ہوئے ٹکڑے کی مقدار چنے سے کم ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یا کچے اخروٹ کھا لئے تو بھی روزہ فاسد ہوگا اور صرف قضاء واجب ہوگی۔

---

[1].....دیکھئے الدر المختار ۲/۱۳۲، فتح القدیر ۲/۶۴، البدائع ۲/۹۴۔ اللباب ۱/۱۶۵ مراقی الفلاح ص ۱۰۹۔

یا غیر ارمنی مٹی کھالی جو عادۃً نہیں کھائی جاتی تو روزہ فاسد ہو گیا اور قضاء واجب ہوگی اور اگر ارمنی مٹی کھالی ❶ تو قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا یا گٹھلی کھالی یا روئی کھالی یا پتا کھالیا یا چمڑا (کھال) کھالیا یا کنکری نگل گیا یا لوہا، عام مٹی، پتھر درہم، دینار یا ان جیسی کوئی چیز نگل لی یا اپنے فعل سے دھواں اندر داخل کیا یا پچھنے کے واسطہ سے عورت کی قبل اور مرد کی دبر سے پانی یا دوائی کسی طرح پیٹ میں پہنچادی یا ناک اور حلق کے ذریعے دوائی پیٹ میں پہنچائی یا ناک میں دوائی ٹپکائی یا کان میں تیل ٹپکایا نہ کہ پانی صحیح قول کے مطابق چونکہ پانی سرایت نہیں کرتا نیز پانی سے دماغ میں تکلیف ہوتی ہے۔ یا حلق میں بارش داخل ہوگئی یا (صحیح قول کے مطابق) برف داخل ہوگئی جسے وہ اپنے فعل سے نہ نگلا ہو تو ان سبھی صورتوں میں قضاء ہوگی چونکہ روزہ فاسد ہو گیا ہے البتہ کفارہ نہیں ہوگا۔

خلاصہ...... حنفیہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر ایک قطرہ بھی عورت کی قبل (آگے والا حصہ) میں اتر گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، چونکہ قطرہ پچھنے کی مانند ہے، البتہ مرد کے آلہ تناسل میں قطرہ ڈالا گیا تو ظاہر قول اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ بعد میں آرہا ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ قے...... اگر جان بوجھ کر قے کی یا خود بخود قے ہو لیکن روزہ دار نے اپنے فعل سے واپس کردی، جان بوجھ کر قے کرنے کی صورت میں شرط ہے کہ منہ بھر کر ہو اور خود بخود قے ہو اور اسے اپنے فعل سے واپس کردے خواہ منہ بھر کر ہو یا تھوڑی ہو اگرچہ چنے کے برابر ہو بشرطیکہ اسے روزہ یاد ہو تو ان دونوں صورتوں میں روزہ فاسد ہو گیا صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

اگر قے کا غلبہ ہوا یا خود بخود قے کی لیکن قے منہ بھرنے سے کم تھی یا اسے روزہ یاد نہیں تھا یا قے میں بلغم آیا کھانا نہیں تھا، تو بالاتفاق ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹا اس پر یہ حدیث دلیل ہے۔"جس شخص پر قے کا غلبہ ہوا اس پر قضاء نہیں اور جو شخص جان بوجھ کر قے کرے وہ روزے کی قضاء کرے۔ ❷

دوم...... دوسری قسم کہ جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں اس قسم میں شامل امور درج ذیل ہیں۔

یہ کہ روزہ دار نے کسی عذر شرعی جیسے مرض، سفر، اکراہ (زبردستی)، خطاء (چوک) اور شبہ سے غذا یا کوئی دوائی کھالی، مثال کے طور پر روزہ دار نے کلی کی اور خطاً (چوک کر) پانی پیٹ تک جا پہنچا یا سر میں لگے زخم پر دوائی لگائی یا پیٹ کے زخم پر دوائی لگائی اور دوائی پیٹ یا دماغ تک جا پہنچی، یا کسی شخص نے سوتے ہوئے شخص کے پیٹ میں پانی داخل کردیا یا عورت نے اس خوف کے مارے روزہ توڑ دیا کہ خدمت میں لگے رہنے سے اس کی جان جاتی رہے گی تو ان صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے بھول کر کھانا کھالیا یا بھول کر جماع کرلیا تو اس شبہ (کہ کھانے پینے سے یا جماع کرنے سے وہ سمجھا کہ روزہ نہیں رہا) سے جان بوجھ کر کھانا کھالیا یا جماع کرلیا، یا کسی نے رات کو روزے کی نیت نہیں کی تھی اور دن کے وقت روزے کی نیت کی اور پھر کھانا کھالیا، یا مسافر نے اقامت کی نیت کے بعد رات کو روزے کی نیت کرلی اور پھر دن کو کھانا کھالیا، یا مسافر نے رات کو روزے کی نیت کی اور پھر حالت سفر میں صبح ہونے کے بعد کھانا کھالیا یا جماع کرلیا پھر دن کے وقت سفر کی ابتداء کرلی اور اس نے سفر کے شبہ کے پیش نظر کھانا کھایا ہو یا جماع کیا ہو گو اس کے لئے روزہ توڑنا حلال نہیں تھا تاہم اس صورت میں اس کا روزہ فاسد ہو گیا صرف قضاء لازم ہوگی۔

طلوع فجر میں شک کرنے کی وجہ سے کھانا کھالیا یا پانی پی لیا یا جماع کرلیا جبکہ فی الواقع فجر طلوع ہو چکی تھی تو اس شبہ کی وجہ سے اس پر کفارہ نہیں البتہ قضاء لازم ہے، چونکہ اصل رات کا باقی رہنا ہے۔

---

❶...... ایک قسم کی مٹی ہے جو عطر فروشوں کے ہاں مشہور و معروف سمجھی جاتی ہے۔ ❷ رواه الخمسة الا النسائی عن ابی هريرة (نيل الاوطار ۴/۲۰۴)

اسی طرح اگر روزہ دار کو گمان ہوا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے حالانکہ ابھی غروب نہ ہوا ہو تو اس صورت میں بھی اس پر کفارہ نہیں ہوگا چونکہ غروب آفتاب میں اسے ظن غالب تھا۔

اگر کسی شخص نے طلوع فجر سے قبل جماع کیا یا کھانا کھالیا پھر (دوران جماع یا کھانا کھانے کے دوران) طلوع فجر ہوا اور وہ فوراً الگ ہو گیا یا جو کچھ منہ میں تھا فوراً پھینک دیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوا۔❶

سوم......وہ امور جن کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہے ان کی تیسری قسم یہ ہے۔

جب کوئی شخص شرم گاہ کی شہوت پوری نہ کر سکے جیسے مردہ کے ساتھ جماع کرنے کی وجہ سے انزال ہو یا جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے سے انزال ہو یا ایسی چھوٹی لڑکی سے جماع کرنے سے انزال ہو جسے دیکھ کر شہوت نہ ابھرتی ہو یا (عورت کی) رانوں کے ساتھ آلہ تناسل کو رگڑنے سے انزال ہو یا پیٹ کے ساتھ رگڑنے سے انزال ہو یا بوسہ لینے سے انزال ہو یا چھونے سے انزال ہو جائے یا کف دست سے آلہ تناسل کو چھیڑنے سے انزال ہو یا سوئی ہوئی عورت کے ساتھ جماع کر لیا یا عورت کی شرم گاہ میں تیل جیسی کوئی چیز ٹپکادی تو روزہ فاسد ہو گیا اور صرف قضاء واجب ہوگی۔

ملحقات......اس کے ساتھ یہ صورتیں بھی ملحق کی گئی ہیں کہ اگر کوئی شخص پانی یا تیل میں تر کی ہوئی اپنی انگلی کو دبر (پاخانے والا راستہ) میں داخل کیا، یا استنجا کرتے وقت پانی دبر سے اندر داخل ہو گیا یا کسی نے اپنے دبر سے روئی یا کپڑا یا چھپنے کا ایک سرا داخل کیا، یا کسی عورت نے پانی یا تیل میں تر انگلی شرم گاہ کے داخلی حصہ میں داخل کی یا عورت نے روئی، کپڑا یا لکڑی شرم گاہ میں داخل کی بایں طور کہ وہ چیز چھپ گئی تب بھی روزہ فاسد ہو گیا اور قضاء لازم ہے چونکہ ان صورتوں میں دخول تمام ہے، اس میں شرط یہ ہے کہ وہ چیز بقدر امکان پوری اندر داخل ہو جائے، بخلاف اس کے کہ اس چیز کا ایک حصہ (سرا) باہر رہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ کسی چیز کا ناتمام داخل ہونا عدم دخول کی مانند ہے، لہٰذا جب چیز پوری طرح داخل نہ ہوئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اسی طرح حنفیہ کے نزدیک اگر عورتوں کی چیکنگ کے دوران اگر کوئی ایسی دوربین استعمال کی جائے جو شرم گاہ میں داخل کرنی پڑے اور اس کا کچھ حصہ باہر رہے تو اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا، جبکہ حنفیہ کے نزدیک انگلی داخل کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے،❷ انگلی داخل کرنے میں حنابلہ کا اختلاف ہے جو آیا چاہتا ہے۔

یہ مسئلہ بھی مذکورہ صورت کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے روزہ جماع وغیرہ سے فاسد کر دیا اور وہ روزہ ادائے رمضان کا نہ ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضاء لازم ہوگی۔

چونکہ غیر رمضان کے روزہ میں حرمت رمضان کی ہتک کا خدشہ نہیں ہوتا۔

دوم......ان امور کا بیان جو روزے کو فاسد کر دیتے ہیں اور اس کی پاداش میں قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں

یہ تقریباً بائیس (۲۲) امور ہیں۔ چنانچہ جب مکلف روزہ داران میں سے ایک چیز کا بھی ارتکاب کر بیٹھے، بایں حال کہ اس نے رات

❶......لہٰذا اس پر نہ قضاء ہے اور نہ ہی کفارہ۔ ❷ بظاہر مصنف نے اس جزئی کو بیان کر کے حنفیہ پر تنقید کر دی ہے کہ حنفیہ کے ہاں ایک ہی مسئلہ میں تناقض ہے جبکہ واضح رہے اوپر بیان ہوا ہے کہ انگلی کے ساتھ پانی یا تیل لگا ہو تب روزہ فاسد ہوگا اور انگلی داخل کرنے میں بقدر امکان استلذاذ ہے دوربین داخل کرنے میں استلذاذ نہیں بلکہ علاج ہے۔

کو روزے کی نیت کی ہو اور روزہ ادائے رمضان کا ہو، جان بوجھ کر اس سے وہ امر صادر ہوا اور صدور خوشی سے ہوا ہو، وہ حالت اضطرار میں نہ ہوا اور ایسی حالت اسے پیش نہ آئی ہو جو روزہ توڑنے کو مباح کر دے جیسے مرض اور سفر تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

اور اگر بچے نے ان ۲۲ امور میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر دیا یا مکلف ہی نے ارتکاب کیا پر رات کو اس نے روزے کی نیت نہیں کی یا رمضان کے فوت شدہ روزے کی قضاء کر رہا تھا یا رمضان کے علاوہ کسی اور روزہ میں تھا، یا اسے روزہ بھول گیا تھا یا اس سے چوک ہوگئی یا زبردستی کیا ہوا تھا یا حالت اضطرار میں تھا یا اسے سفر پر جانا پڑا یا کسی مرض میں مبتلا ہو گیا اور جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا تو ان صورتوں میں اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا البتہ قضاء واجب ہوگی۔

ان بائیس امور کو دو چیزوں کے ضمن میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

اول...... یہ کہ مکلف آدمی جان بوجھ کر بلا عذر رمضان کے روزے میں غذا یا کوئی ایسی چیز جو اس کے معنیٰ میں ہو کھالے جیسے کھانا، پینا دوائی لینا، مشہور و معروف دھواں (جیسے سگریٹ)، افیون، نشہ آور گھاس جیسے بھنگ وغیرہ اور اسی جیسی دوسری نشہ آور اشیاء کھالیں تو روزہ فاسد ہو گیا اور قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

کھانے کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جو عادۃً کھائی جاتی ہو جیسے انواع واقسام کے گوشت، مختلف اقسام کی چربیاں، خواہ گوشت اور چربی کچی ہو پکائی ہوئی، سالم ہو یا بوٹیوں کی شکل میں، مزید جیسے پھل، سبزیاں، اسی طرح انگور کے پتے کھانا خربوزے کے چھلکے کھانا، نشہ آور اشیاء کھانا بھی اسی میں شامل ہیں۔

منجملہ کھانے میں یہ بھی داخل ہے کہ گندم کے دانے چبالئے اگر چہ ایک ہی دانہ کیوں نہ ہو یا تل کے دانے چبالئے تو روزہ ٹوٹ گیا اور قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوں گے البتہ اگر تل کا دانہ چبایا جو منہ ہی میں پھیل گیا اور پیٹ تک پہنچنے نہیں پایا تو اس صورت میں قضاء ہے کفارہ نہیں۔ منجملہ ان صورتوں کے یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے غیبت کر دی اور اسے گمان ہوا کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ گیا اور اس کے بعد کھانا کھالیا یا سینگی لگوانے، بیوی کو چھو لینے یا شہوت سے بوسہ لینے یا بغیر انزال کے بیوی کے ساتھ لپٹ گیا اور اس کے بعد یہ سمجھ کر کھانا کھالیا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے تو ان صورتوں میں بھی روزہ فاسد ہو گیا قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں، اسی طرح کسی شخص نے اپنی مونچھوں کو تیل لگا دیا اور اسے گمان ہوا کہ اس کا روزہ جاتا رہا ہے اور پھر کھانا کھالیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا کفارہ اور قضاء دونوں واجب ہوں گے۔ الا یہ کہ مونچھوں کو تیل لگانے پر روزہ ٹوٹ جانے کے متعلق کوئی فقیہ فتویٰ دے اور فتویٰ کے بعد وہ کھائے پیئے تو اس صورت میں قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا۔ ❶

اس قسم میں یہ صورتیں بھی داخل ہیں کہ کسی شخص کے منہ میں بارش کا پانی پڑا اور وہ نگل گیا، یا اپنی بیوی کی تھوک (لعاب) نگل لیا یا لذت اٹھانے کے لئے اپنے محبوب کا لعاب نگل لیا، تب بھی روزہ جاتا رہا قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، اسی طرح یہ صورت بھی اس قسم میں داخل ہے کہ کسی شخص نے ارمنی مٹی کھالی یا غیر ارمنی مٹی کھالی یہ مٹی کھانا بھی معروف ہے جیسے بچہ حسب عادت مٹی کھالیتا ہے، اسی قسم میں یہ صورت بھی ہے کہ کسی شخص نے تھوڑا سا نمک چاٹ لیا تو مختار مذہب یہی ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا چونکہ نمک بھی غذا ہے لہٰذا قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، اس پر دلیل یہ حدیث ہے۔ ”روزہ بدن میں داخل ہونے والی چیز سے ٹوٹتا ہے۔“ ❷

دوم...... وہ یہ کہ کامل طور پر شرم گاہ کی شہوت پوری کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ قبل (اگلہ حصہ) یا دبر (پچھلا حصہ) میں جماع کرنا، اس میں فاعل اور مفعول دونوں یکساں ہیں۔ ❸ گو صرف شرم گاہوں کے ملانے ہی کی نوبت آئے اور انزال نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ مفعول زندہ

---

❶...... بیان کردہ ہر صورت میں مذکورہ بالا تمہید کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے تمہید کو بار بار نہیں دہرایا جائے گا۔ ❷ رواہ ابو یعلیٰ الموصلی فی مسندہ عن عائشۃ بلفظ ”انما الافطار مما دخل ولیس مما خرج۔“ (نصب الرایۃ ۲/ ۴۵۳) ❸ یعنی فاعل اور مفعول دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا اور دونوں پر قضاء اور کفارہ واجب ہے۔

آدمی ہواور اس پر شہوت ابھرتی ہو، اگر عورت نے اپنے اوپر کسی چھوٹے (بچے) کو یا مجنون کو قدرت دے دی تو بالاتفاق کفارہ واجب ہوگا۔❶

دلیل.....اس پر دلیل اعرابی کا واقعہ ہے جس نے رمضان میں دن دہاڑے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کفارہ لازم کیا تھا اور فرمایا تھا۔''غلام آزاد کرو پھر لگاتار دو ماہ روزے رکھو اگر غلام نہ پاؤ، پھر اگر روزہ رکھنے سے عاجز ہوتو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ''۔❷

وہ امور جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا.....حنفیہ کے نزدیک جن امور سے روزہ فاسد نہیں ہوتا وہ تقریباً چوبیس (۲۴) ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....بھولے سے کھاپی لینا یا جماع کر لینا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔''جس شخص نے بھولے سے حالت روزہ میں کھالیا یا پی لیا تو وہ اپنا روزہ مکمل کرے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلایا ہے۔❸

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں۔''جس شخص نے بھول کر رمضان میں کسی دن روزہ توڑ دیا تو اس پر قضاء ہے اور نہ ہی کفارہ۔''

جماع بھی کھانے پینے کے حکم میں ہے❹ چنانچہ بھولے سے کھانے پینے والے کو جونہی روزہ یاد آئے فوراً ہاتھ کھینچ لے اگر یاد آنے کے بعد کھاتا رہا یا جماع کرتا رہا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا، اگر کسی شخص نے جماع کیا اور طلوع فجر کے اندیشہ سے فوراً علیٰحدہ ہو گیا پھر علیٰحدہ ہونے اور فجر طلوع ہونے کے بعد منی خارج ہوئی تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں، اگر نفس کو حرکت میں رکھے اور بیوی سے علیٰحدہ نہ ہوا یا علیٰحدہ ہو گیا تھا لیکن پھر شرم گاہ میں آلہ تناسل داخل کر دیا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔

روزے کی یاددہانی.....اگر ایک آدمی بھولے سے حالت روزہ میں کھانا کھا رہا ہو تو اسے دیکھنے والے پر واجب ہے کہ اسے روزے کی یاددہانی کرائے، یاددہانی نہ کرانا مکروہ ہے، اور اگر ایک کمزور شخص بھولے سے کھانا کھا رہا ہو تو افضل یہ ہے کہ اسے یاددہانی نہ کرائی جائے، چونکہ اس میں مہربانی اور شفقت کا پہلو ہے۔

۲.....دیکھنے یا سوچنے سے منی خارج ہو جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر چہ دیر تک دیکھتا رہے یا سوچ میں پڑا رہے۔❺ چونکہ اس صورت میں نہ جماع کی صورت پائی گئی نہ جماع کا معنی پایا گیا، جماع کا معنی مباشرت سے انزال کا ہونا ہے، اگر چہ گناہ گار ضرور ہوگا، اگر دو عورتیں آپس میں لپٹ کر ایک دوسرے کے بدن سے رگڑ کھائیں اور انزال نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ فاعل گناہ گار ہے، البتہ حرمت سے افطار کا لزوم نہیں ہوگا۔

اسی طرح رمضان میں دن کے وقت احتلام ہونے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۳.....آنکھ میں سرمہ لگانے اور دوائی ٹپکانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر چہ روزہ دار دوائی یا سرمے کا ذائقہ یا اثر حلق میں پالے (تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا) چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت روزہ، رمضان میں سرمہ لگایا ہے۔❻

۴.....سینگی لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی درحالیکہ آپ نے احرام باندھ رکھا تھا، اور آپ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی درحالیکہ آپ روزہ میں تھے۔❼

---

❶.....یعنی عورت پر کفارہ واجب ہوگا چونکہ روزے کی مکلف وہی ہے۔❷ رواه الجماعة عن ابی هريرة (نيل الاوطار ۲۱۴/۴) ❸ رواه الجماعة الاالنسائی عن ابی هريرة. ❹ چونکہ کھانے پینے سے پیٹ کی شہوت پوری ہوتی ہے اور جماع سے شرم گاہ کی شہوت پوری ہوتی ہے۔❺ مثلاً روزہ دار کسی عورت کو دیکھتا ہے یا ذہن میں کسی عورت کے محاسن کو سوچنے لگے اور سوچتا ہی چلا جائے اور منی خارج ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔❻ اخرجه ابن ماجة عن عائشة وهو ضعيف. ❼ رواه احمد والبخاری عن ابن عباسؓ

۵.....مسواک کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اگرچہ مسواک پانی مین تر کی ہوئی ہو چونکہ مسواک کرنا سنت ہے۔

۶.....کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگرچہ وضو کے لئے نہ ہو البتہ اس میں مبالغہ نہ کرے تاکہ پیٹ تک پانی نہ جائے۔

۷.....غسل کرنے اور تیرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اسی طرح تر کپڑا بدن پر لپیٹ لیا تاکہ ٹھنڈک حاصل کرے اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح سلائی نما لکڑ (کھر ونچنی) کان میں داخل کی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۸.....غیبت کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (اگرچہ روزے کی روح فاسد ہو جاتی ہے) صرف روزہ توڑنے کی نیت کرنے اور روزہ توڑے نہیں تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۹.....دھواں اندر داخل ہوا یا غبار اندر چلی گئی اگرچہ چکی کا غبار ہی ہو یا مکھی اندر چلی گئی، یا حلق میں دوائی کا اثر محسوس کیا اور اس میں روزہ دار کے فعل کو دخل نہ ہو اور اسے روزہ یاد بھی ہو تو ان صورتوں میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ ان چیزوں سے بچنا ناممکن ہے۔

لیکن اگر روزہ دار نے تکلف کر کے دھونی لی اور دھواں خود اندر داخل کیا اور دھونی کا دھواں سونگھتا رہا جبکہ اسے روزہ بھی یاد تھا تو اس کا روزہ جاتا رہا، چونکہ اس سے بچنا ممکن اور اس کے اختیار میں تھا اس میں یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ دھونی گلاب کا پھول سونگھنے کی طرح ہے یا مشک سونگھنے کی طرح ہے چونکہ مشک وغیرہ سے معطر ہوا میں اور جوہر کے دھوئیں میں فرق ہے نیز دھواں پیٹ تک اس کے فعل سے پہنچتا ہے۔ لہٰذا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۱۰.....ڈاڑھ نکلوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بشرطیکہ خون یا دوائی نگلے نہیں اگر نگل لی تو روزہ فاسد ہو گیا۔

۱۱.....آلہ تناسل میں پانی ڈالنے، تیل ڈالنے یا قطرے ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا یا دریا میں ڈبکی لگانے سے کان میں پانی چلا گیا یا کان میں کھر ونچنی داخل کی اور کان کے سوراخ سے میل کچیل نکالی تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، ان صورتوں کی بالترتیب دلائل یہ ہیں کہ آلہ تناسل کا سوراخ کھلا نہیں ہوتا جو پیٹ تک کسی چیز کے پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتا ہو، کان میں پانی ضرورت کی وجہ سے داخل ہو جاتا ہے، نیز کھر ونچنی داخل کرنے سے روزہ توڑنے والی چیز دماغ تک نہیں پہنچتی البتہ افضل یہ ہے کہ ان امور کو ترک کیا جائے۔

۱۲.....رینٹ، بلغم نگل جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا یا جان بوجھ کر رینٹ ناک میں گھمائی اور پھر اسے نگل گیا تو اس سے بھی روزہ نہیں فاسد ہوتا، چونکہ رینٹ دماغ سے اترتی ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ رینٹ گندی چیز ہے اسے باہر نکال کر پھینک دیا جائے تاکہ روزہ کے مفسد ہونے یا ہونے کے اختلاف سے نکل جائے۔

۱۳.....اگر غلبہ کے ساتھ قے آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگرچہ منہ بھر کر ہی کیوں نہ ہو، صحیح مذہب یہی ہے، اگر جان بوجھ کر قے کی جو منہ بھرنے سے کم ہو تو صحیح قول کے مطابق روزہ فاسد نہیں ہوگا، (۱) البتہ اگر قے ہوئی اور اس نے خود واپس کر دی یا چنے کے برابر واپس کر دی تو حنفیہ کے اتفاق سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس میں کفارہ نہیں، اگر قے غلبہ ہی سے واپس ہوگی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا برابر ہے کہ واپس ہونے والی قے منہ بھر کر ہو یا اس سے کم۔ (۲)

خلاصہ..... یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر قے کی جو منہ بھرے ہو یا قے واپس کر دی تو روزہ فاسد ہو جائے گا صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں، اگر غلبہ سے قے ہوئی یا قے خود بخود واپس ہوگئی یا قے منہ بھرنے سے کم تھی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۱۴.....دانتوں کے درمیان پھنسے ہوئے کھانے کے ٹکڑے جب چنے سے کم ہوں تو انہیں کھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ یہ ٹکڑے لعاب کے تابع ہوتے ہیں۔ یا تل جتنی کوئی چیز دانتوں تلے چبادی حتیٰ کہ وہ منہ ہی میں پھیل گئی اور حلق میں اس کا ذائقہ محسوس نہ ہوا تو اس

(۱).....یہی مفتی بہ ہے۔ (۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الدر المختار ۲/۱۵۱ وتبیین الحقائق ۱/۳۲۵۔

صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ کوئی چیز نگلی نہیں گئی۔

۱۵..... جب کسی شخص نے جنابت کی حالت میں صبح کی گویا دن ہی جنابت میں گزار دے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ جنابت روزے کی صحت میں مؤثر نہیں ہوتی، نیز بوجہ ضرورت کے جنابت لازم ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اگر چہ نماز کے لئے غسل فرض ہوتا ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ...... المائدۃ ۵/۶

اگر تم حالت جنابت میں ہو تو اچھی طرح سے طہارت کا اہتمام کرو۔

نیز طہارت آداب اسلام میں سے بھی ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو یا کتا ہو یا جنبی ہو۔“ ❶

۱۶..... انجکشن جو پٹھوں میں لگایا جائے یا کھال (چمڑے کے نیچے لگایا جائے یا رگوں میں لگایا جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ البتہ افضل یہ ہے کہ ضرورت کے وقت شام تک تاخیر کی جائے، البتہ وہ انجکشن جو براہ راست پیٹ میں دوائی وغیرہ پہنچائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۱۷..... عطری خوشبوئیں سونگھنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا جیسے گلاب کی خوشبو، پھول، مشک اور دوسری خوشبوئیں۔

مالکیہ..... مالکیہ کے نزدیک جن چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں، ایک قسم وہ جس سے صرف قضاء واجب ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ کہ قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

اول.....وہ امور جن سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہے

۱..... رمضان کے علاوہ کوئی اور فرض روزہ جان بوجھ کر توڑ دینا جیسے رمضان کی قضاء کا روزہ، کفارات کے روزے، نذر غیر معین کا روزہ، حج تمتع اور حج قران کرنے والا جب ہدی نہ پائے اور روزہ رکھے، تو ان جملہ صورتوں میں روزہ توڑ دینے سے قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

رہی بات نذر معین کی جیسے کسی شخص نے معین دن، معین ایام یا معین مہینے کے روزوں کی نذر مان لی اور پھر کسی عذر مانع کی وجہ سے روزہ توڑ دیا جو روزہ کی صحت کے مانع ہو یا حیض، نفاس، بے ہوشی، جنون یا کوئی ایسا عذر پیش آیا جو ادائے روزہ کے مانع ہو جیسے مرض، شدت ضرر، یا مرض کے بڑھنے کا خوف ہو یا صحت یابی کے لئے روزہ میں تاخیر کی تو ان صورتوں میں وقت فوت ہو جانے کی وجہ سے ان کی قضا نہیں کرے گا ❷ اور اگر عذر ختم ہو گیا اور نذر معین کا کچھ وقت ابھی باقی ہو تو بقیہ دنوں کا روزہ واجب ہوگا۔

۲..... رمضان کا فرض روزہ جان بوجھ کر توڑ دیا جبکہ کفارہ کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں، جیسے کسی ایسے عذر کی وجہ سے روزہ توڑ دیا جو روزے کو مباح کر دیتا ہو جیسے مرض، سفر یا کسی ایسے عذر کی وجہ سے توڑ دیا جو گناہ کو اٹھا دیتا ہے جیسے نسیان، خطا اور اکراہ، اسی طرح مذی نکلنے کی وجہ سے روزہ توڑ دیا، (عورت کو) دیکھنے سے یا (عورتوں کے محاسن) سوچنے سے لذت معتادہ کے ساتھ منی نکل آئی البتہ دیکھنے میں دوام نہیں کیا اور اس کی عادت یہ ہو کہ استراحت کے وقت انزال ہو جاتا ہو تو ان صورتوں میں بھی روزہ فاسد ہو گیا قضاء ہے کفارہ نہیں یعنی ہر فرض روزے میں توڑنے پر قضاء واجب ہے سوائے نذر معین کا روزہ جو کسی عذر کی وجہ سے توڑا جائے اس میں قضا نہیں۔

۳..... نفلی روزہ جان بوجھ کر توڑ دیا تو اس میں قضاء واجب ہے چونکہ مالکیہ کے نزدیک نفلی روزے کو شروع کر دینے سے لازم ہو جاتا ہے

---

❶..... رواہ ابوداؤد والنسائی والحاکم عن علی۔ ❷ اگر نذر معین کا روزہ نہیں رکھا تو اس کی قضاء ہے چونکہ نذر معین کا روزہ رکھنا واجب ہے اور واجب کی قضاء کی جاتی ہے۔

جیسے کہ پہلے گزرا ہے، البتہ اگر بھولے سے نفلی روزہ توڑ دیا یا کسی عذر کی وجہ سے روزہ توڑا تو قضاء نہیں ہے۔

خلاصہ...... یہ ہے کہ روزے کے سبھی اقسام میں سے اگر کسی نے کوئی روزہ توڑا تو قضاء واجب ہوگی اور سوائے رمضان کے روزے کے کفارہ نہیں ہوگا، اور اگر جمیع اقسام کے روزوں میں سے کسی نے بھول کر روزہ توڑ دیا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں البتہ نفلی روزے کو اگر بھولے سے توڑ دیا تو اس کی نہ قضاء ہے نہ کفارہ۔ ❶

پانچ مفطرات...... وہ امور جو روزہ توڑ دیتے ہیں وہ پانچ ہیں

۱...... ایسا جماع جس سے غسل واجب ہوتا ہے، وہ روزے کو بھی توڑ دیتا ہے۔

۲...... بوسہ لینے سے یا مباشرت سے یا دیکھنے سے یا سوچنے سے منی یا مذی کا نکل آنا۔ دیکھنے اور سوچنے میں یہ شرط ہے کہ ان میں دوام ہو۔

۳...... جان بوجھ کر قے کرنا خواہ منہ بھر کر ہو یا اس سے کم بخلاف اس کے کہ جب قے کا غلبہ ہو (تو یہ روزے نہیں توڑے گا) البتہ اگر قے میں سے کچھ واپس ہوگئی اگر غلبہ ہی سے واپس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۴...... منہ، ناک، کان سے حلق تک کسی مائع چیز کا پہنچ جانا برابر ہے یہ جان بوجھ کر ہو یا بھولے سے یا خطاءً یا غلبہ سے، جیسے کلی کا پانی حلق تک پہنچ گیا، یا مسواک سے پانی حلق تک پہنچ گیا، نیز یہ چیزیں مائع کے حکم میں ہیں بخارات، ہنڈی کے بخارات جب ناک میں چڑھائے اور حلق تک جا پہنچیں، اسی طرح معروف دھواں جیسے تمباکو کا دھواں، دن کے وقت سرمہ لگانا، بالوں کو تیل لگانا (دن کے وقت)، جب سرمے اور تیل کا اثر حلق میں محسوس ہو، تو ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر سرمے اور تیل کا حلق تک نہ پہنچنا محقق ہو تو اس پر کچھ نہیں (یعنی روزہ نہیں ٹوٹا) یہ ایسا ہی ہے جیسے رات کو تیل یا سرمہ لگا دیا۔

۵...... کسی بھی چیز کا معدے تک پہنچ جانا برابر ہے کہ وہ شئے مائع ہو یا غیر مائع، منہ سے پہنچے یا ناک سے یا کان سے، یا آنکھ سے یا سر کے مساموں سے، خواہ جان بوجھ کر ہو یا خطاءً یا بھولے سے یا غلبہ سے، رہی بات اس کی کہ آلہ تناسل کے سوراخ میں دوائی ٹپکائی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح لکڑی وغیرہ سے کان کو کریدنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، دانتوں کے درمیان پھنسے ہوئے ٹکڑوں کو نگلنے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ جان بوجھ کر نگلے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

منفذ کا اعتبار...... اسی طرح کوئی چیز بالائی منفذ (سوراخ) سے معدے تک پہنچ جائے برابر ہے وہ چیز مائع ہو یا غیر مائع وہ قضاء کی موجب ہے، برابر ہے کہ یہ منفذ کشادہ ہو یا تنگ۔ بخلاف اس کے کہ کوئی چیز معدے تک پہنچے نیچے والے منفذ سے تو اس کے لئے شرط ہے کہ یہ منفذ کشادہ ہو جیسے دبر (پچھلا حصہ) یا عورت کی قبل (آگے والا سوراخ) چنانچہ مرد کے آلہ تناسل کا سوراخ اس میں شامل نہیں ہوگا۔

جائفہ...... جائفہ پیٹ میں لگا ہوا بہت چھوٹا زخم جو پیٹ تک پہنچتا ہو، برابر ہے وہ معدے تک پہنچے یا نہیں البتہ پہنچنے والی چیز کے لئے شرط ہے کہ وہ مائع ہو جامد نہ ہو، چنانچہ مائع چیز کا معدے تک پہنچنا مطلقاً مفسد ہے برابر ہے کہ منفذ بالائی ہو یا سفلی۔ جامد شئے مفسد نہیں الا یہ کہ اس کا منفذ بالائی ہو۔

وجوب قضاء...... جو شخص فرض روزے کو توڑ دے اس پر قضاء مطلقاً واجب ہے یعنی برابر ہے کہ روزہ جان بوجھ کر توڑے یا بھولے

❶ ...''حنفیہ کے نزدیک بھول کر کھا پی لیا تو روزہ نہیں ٹوٹا چونکہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلایا ہے وہ اپنا روزہ مکمل کرے۔'' اور نفلی روزہ کی قضاء ہے اگر جان بوجھ کر توڑا ہے۔

سے یا اکراہ سے، برابر ہے روزہ توڑنا حرام ہو یا جائز یا واجب ہو جیسے ہلاکت کے خطرے سے روزہ توڑنا واجب ہے برابر ہے کفارہ واجب ہوتا ہو یا نہیں، خواہ فرض اصل ہو یا نذر کا۔

دوم.....وہ امور جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں

ہر حکم رمضان کے روزوں کے ساتھ خاص ہے، یہ امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....جان بوجھ کر جماع کر لینا، یعنی سپاری کا شرم گاہ میں داخل کرنا خواہ شرم گاہ انسان کی ہو یا جانور کی، اگر چہ انزال سے منی کا خروج نہ ہو، یہ تب کہ جب حرمت رمضان کی ہتک کرے بایں طور کہ اس میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرے اور جان بوجھ کر اس کا ارتکاب ہو اور اس میں قریب قریب کی کوئی تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو، عمداً کی قید اس لئے ہے تاکہ بھولنے والے، جاہل اور متاول (تاویل کیے ہوئے) سے احتراز ہو جائے، اس میں برابر ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے یا کسی اجنبیہ کے پاس، اگر عورت کی رضامندی بھی شامل ہوگئی تو اس صورت میں مرد پر بھی کفارہ ہے اور عورت پر بھی، اور اگر مرد نے سوئی ہوئی عورت سے جماع کر لیا یا کسی عورت سے زبردستی جماع کیا تو وہ اپنی طرف سے بھی کفارہ دے اور عورت کی طرف سے بھی، البتہ اگر بھول کر جماع کیا یا زبردستی اس سے جماع کروایا گیا یا جماع میں کوئی قابل قدر تاویل ہو سکتی تھی تو اس صورت میں کفارہ نہیں ہوگا۔

۲.....بیداری کی حالت میں لذت معتادہ کے ساتھ منی یا مذی کا نکالنا خواہ عورت کا بوسہ لینے سے ہو یا شرم گاہ سے ہٹ کر مباشرت سے ہو یا عورت کو دیکھنے سے یا (محاسن) سوچنے سے یہ تب جب دیکھنے اور سوچنے میں دوام ہو، یا اس کی عادت ہو کہ دوام میں اسے انزال ہوتا ہے، یا صرف دیکھنے سے منی آجانے کی عادت ہو، چنانچہ جس شخص نے عورت کا بوسہ لیا اور اسے منی آگئی تو اتفاقاً اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور اگر بوسہ لینے سے مذی آئی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اگر (عورت کو) دیکھنے سے یا (محاسن) سوچنے سے منی نکل آئے تو راجح قول کے مطابق کفارہ نہیں ہوگا، دیکھنے اور سوچنے سے انزال کی عادت نہ ہو یا صرف سوچنے یا صرف دیکھنے سے جب ان میں دوام نہ ہو اور منی نکل آئی۔ ❶

۳.....جان بوجھ کر کھانا پینا، اسی طرح ہر ایسی چیز کا کھالینا جو منہ سے حلق تک جا پہنچے اگر چہ وہ غذا کے حکم میں نہ ہو جیسے کنکری وغیرہ جو پیٹ تک جا پہنچی، اسی طرح جان بوجھ کر قے کی اور اس میں سے کچھ نگل گیا اگر چہ غلبہ ہی سے کیوں نہ ہو، جان بوجھ کر اخروٹ کے چھلکے سے مسواک کیا اور اسے نگل کیا خواہ غلبہ ہی سے ہو، اس صورت میں بھی قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے چونکہ اسے جماع اور انزال پر قیاس کیا گیا ہے اور اس نے ماہ رمضان کی حرمت کی ہتک کی ہے، بھول کر روزہ توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، اسی طرح جو چیز منہ، ناک اور کان کے علاوہ کسی اور راستے سے پیٹ تک پہنچے تو اس میں بھی کفارہ نہیں، چونکہ کفارہ ہتک حرمت کے علت کے ساتھ معلول ہے اور ہتک جان بوجھ کر ہوتی ہے۔

۴.....صبح کو اگر روزہ توڑنے کی نیت کر لی تو اس سے بھی کفارہ واجب ہوگا اگر چہ بعد میں روزے کی نیت کر لے صحیح قول یہی ہے۔

۵.....بغیر عذر کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا پھر بیمار ہو گیا یا سفر شروع کر دیا یا عورت کو حیض آ گیا تو مشہور قول کے مطابق کفارہ ہوگا۔

کفارے کی شرائط.....کفارہ سات شرائط سے واجب ہوتا ہے جو گذشتہ تفصیل سے سمجھ میں آتی ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

---

❶.....حاصل یہ ہوا کہ جب کسی شخص کو صرف دیکھنے یا سوچنے سے منی نکل آئے اور بار بار دیکھنا سوچنا نہ ہو تو کفارہ نہیں ہوگی اور اگر دیکھنے اور سوچنے میں دوام ہوا (یعنی بار بار دیکھتا رہا) حتیٰ کہ انزال ہو گیا اور اگر اسی کی عادت بھی ایسی ہو کہ بار بار دیکھنے سے انزال ہو جاتا ہو تو کفارہ قطعی ہوگا اور اگر بار بار دیکھنے سوچنے سے انزال کی عادت نہ ہو اور خلاف عادت اسے منی نکل آئی تو مختار قول کے مطابق کفارہ نہیں ہوگا۔

اول..... یہ کہ ادائے رمضان میں روزہ توڑے، ادائے رمضان کے علاوہ میں روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا جیسے رمضان کی قضاء، نذر کا روزہ، کفارہ کا روزہ اور نفلی روزہ۔

دوم..... جان بوجھ کر روزہ توڑے، لہٰذا بھولے سے روزہ توڑنے پر کفارہ نہیں ہوگا اسی طرح خطاءً (چوک کر) روزہ توڑا یا مرض اور سفر کے عذر سے روزہ توڑا تو کفارہ نہیں ہوگا۔

سوم..... روزہ توڑنے والا حالت اختیار میں ہو اکراہ (مجبوری کی حالت) میں نہ ہو۔

چہارم..... روزہ توڑنے کی حرمت کا اسے علم ہو، لہٰذا جو شخص روزہ توڑنے کی حرمت سے جاہل ہو اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔ ❶ جیسے کسی نومسلم نے روزہ توڑ دیا اور اسے گمان ہوا کہ روزے کے ساتھ جماع حرام نہیں، اس نے بیوی سے جماع کر لیا، لہٰذا اس پر کفارہ نہیں ہوگا جو شخص رمضان کے ہو جانے سے جاہل ہو اس پر بھی کفارہ نہیں جیسے کسی نے یوم شک کا روزہ چاند کے ثبوت سے پہلے ہی توڑ دیا۔

پنجم..... حرمت رمضان کی ہتک، یعنی حرمت رمضان کی پرواہ ہی نہ کی جائے، البتہ جس کی قریب قریب کی تاویل ہو تو اس صورت میں کفارہ نہیں ہوگا (تاویل قریب کی صورت) تاویل کی صورت یہ کہ کسی قابل قدر امر کے سہارے روزہ توڑے مثلاً بھولے سے روزہ توڑ دیا یا روزہ توڑنے پر اسے کسی نے مجبور کیا اور پھر جان بوجھ کر کھا پی لیا اور وہ سمجھا کہ اس پر امساک کا وجوب نہیں، چنانچہ اس صورت میں کفارہ نہیں ہوگا چونکہ اس نے قابل قدر امر کو سہارا بنا کر روزہ توڑا ہے اور وہ بھولے سے کھانا یا کھانے پر مجبور کیا گیا تاویل کی دوسری مثال یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے سفر کیا جو قصر کی مسافت سے کم ہو وہ سمجھا کہ مسافر کے لئے رخصت ہے اور آیت کریمہ کے ظاہر سے دلیل پکڑ لی:

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ...... البقرۃ ۲/ ۱۸۴

اسی طرح کسی شخص نے تیس رمضان کو ہتک حرمت کا مرتکب ہوتے ہوئے روزہ توڑ دیا پھر واضح ہوا کہ یہ عید کا دن تھا، اسی طرح حائضہ عورت نے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ تو روزہ توڑنے سے پہلے حائض ہو چکی تھی تو ان سبھی صورتوں میں کفارہ نہیں ہوگا۔

تاویل بعید..... اگر کسی شخص نے دور دراز کی تاویل کو سہارا بنا کر روزہ توڑ دیا تو اس پر بہر صورت کفارہ ہوگا، جیسے کسی شخص کو باری کا بخار آتا ہو یا کسی عورت کو عادت کے موافق معین دن حیض آتا ہو اور اس نے رات ہی کو افطار کی نیت کر لی جبکہ دن ہونے پر یہ عارضہ پیش نہ آیا تو اس صورت میں کفارہ ہوگا، اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے غیبت کی وہ سمجھا اب میرا روزہ باطل ہو گیا اور اس نے جان بوجھ کر کھانا کھا لیا تو اس پر بھی کفارہ ہوگا۔

ششم..... یہ کہ پیٹ تک پہنچنے والی چیز براستہ منہ پہنچے، اب اگر کوئی چیز کان یا آنکھ کے راستے سے پیٹ تک پہنچے تو اس پر کفارہ نہیں ہے اگرچہ قضاء واجب ہوگی۔

ہفتم..... یہ کہ کسی بھی چیز کا معدے تک پہنچنا، لہٰذا اگر کوئی چیز روزہ دار کے حلق تک پہنچی جو اس نے وہاں سے واپس باہر نکال دی تو اس صورت میں کفارہ نہیں ہوگا۔

وہ امور جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا..... چنانچہ مختلف احوال میں روزہ فاسد نہیں ہوتا جبکہ روزہ فاسد ہو جانے کا وہم ہو جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

۱..... کسی روزہ دار پر قے کا غلبہ ہوا اور قے میں سے حلق کی طرف کچھ بھی واپس نہ ہوا یا مکھی یا مچھر غالب ہو کر حلق میں داخل ہو گیا یا

---

❶..... اس شرط پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا دار السلام میں جہالت عذر ہے، بھلا علم حاصل کرنے میں کون سا مانع تھا۔

راستے کا غبار یا چکی کا غبار آٹا پینے والے کے حلق میں داخل ہو گیا یا آٹا چھاننے والے کے حلق میں آٹے کا غبار داخل ہو گیا یا اسی طرح ایک آدمی قبر کھود رہا تھا تو مٹی یا غبار اڑ کر حلق میں داخل ہو گیا یا ایک شخص ایک جگہ سے دوسری جگہ مٹی ڈال رہا تھا اس کے حلق میں داخل ہو گیا، تو ان سبھی صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ ان چیزوں سے احتراز ناممکن ہے نیز کام کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، البتہ جس شخص کو کام کی ضرورت نہ ہو اور وہ کام میں نہ لگا ہو اور یہ چیزیں حلق میں چلی جائیں تو اس پر قضاء ہوگی۔

۲.....آلہ تناسل کے سوراخ میں پچکاری کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اگر کسی مائع چیز ہی کو داخل کیا گیا ہو چونکہ براستہ آلہ تناسل عادۃً کوئی چیز معدے تک نہیں پہنچتی۔

۳.....جائفہ یعنی پیٹ کے معمولی زخم پر تیل وغیرہ لگانا، یعنی پیٹ یا پہلو میں لگے ہوئے زخم پر تیل لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، چونکہ تیل کھانے پینے کے محل تک نہیں پہنچ پاتا، ورنہ وہ اسی وقت مر جاتا۔

۴.....عین طلوع فجر کے وقت کھانے پانی سے الگ ہو جانا یا عین اسی وقت جماع سے الگ ہو گیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا البتہ اگر اس نے گمان میں آ کر روزہ افطار کر دیا تو قضاء ہوگی کفارہ نہیں ہوگا۔

۵.....صرف (عورت کو) دیکھنے سے یا (محاسن) سوچنے سے بشرطیکہ دیکھنے اور سوچنے میں دوام نہ ہو اور پھر منی یا مذی کا غلبہ ہو گیا تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوا۔

۶.....جو شخص اپنا لعاب نگل جائے یا دانتوں میں پھنسے ہوئے ٹکڑے نگل جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر منہ میں بہت سارا لعاب جمع کیا پھر نگل گیا تو روزہ فاسد ہو گیا۔

۷.....پیاس کی وجہ سے کلی کر لی یا جنابت کی حالت میں صبح کی یا کسی شرعی تقاضے کی وجہ سے مسواک کی جیسے وضو، نماز یا قرأت وذکر اللہ کے لئے مسواک کی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۸.....سینگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ سینگی لگوانا (روزہ کی حالت میں) مکروہ ہے۔

شافعیہ

شافعیہ کے نزدیک جو چیزیں روزے کو فاسد کر دیتی ہیں وہ دو قسم کی ہیں:

۱.....وہ قسم جن سے صرف قضاء واجب ہوتی ہے۔

(۲) وہ قسم جن سے قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

اول.....وہ امور جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہو

مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا، بقیہ دن امساک اس شخص پر واجب ہے جس نے بلا عذر روزہ توڑ دیا ہو چونکہ وہ بغیر عذر کے روزہ توڑتا ہے۔

۱.....کسی مادی شے کا پیٹ تک پہنچ جانا اگر وہ مقدار میں قلیل ہی کیوں نہ ہو جیسے تیل یا پیٹ تک ایسی چیز پہنچ گئی جو عادۃً نہیں کھائی جاتی جیسے کنکری، مٹی، یا کسی کھلے منفذ (سوراخ) سے پیٹ تک پہنچے جیسے منہ، ناک، کان قبل، دبر، سر پر لگا دماغ کا زخم یہ تب کہ جب جان بوجھ کر ہو تو ان صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا، چونکہ روزہ پیٹ تک ہر طرح کی چیز کو پہنچانے سے رکے

رہنے کو کہتے ہیں، جبکہ مرتکب امساک نہیں کرتا۔

لہٰذا جس شخص نے بھولے سے کھاپی لیا یا نومسلم تھا جہالت وناواقفی کی وجہ سے کھاپی لیا یا مجبور کئے ہوئے کو کھلایا پلایا گیا، یا علماء سے دور جنگلوں میں رہتا تھا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹا برابر ہے کہ کھائی ہوئی چیز تھوڑی ہو یا زیادہ، چونکہ اس نے جو کچھ بھی کیا جان بوجھ کر نہیں کیا، اکراہ کی وجہ سے روزے کا نہ ٹوٹنا ظاہر ہے۔ اگر پیٹ میں مکھی یا مچھر پہنچ گیا یا راستے کا غبار پیٹ میں چلا گیا یا جان بوجھ کر منہ کھولا اور مٹی پیٹ میں چلی گئی، یا آٹے کی دھول پیٹ میں پہنچ گئی یا ان چیزوں کا اثر پیٹ میں پہنچا جیسے سونگھنے سے ہوا دماغ میں چلی جاتی ہے تو ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹا، چونکہ یہاں جو کچھ ہوا قصداً اور جان بوجھ کر نہیں ہوا۔ چونکہ اس میں شدید مشقت پیش آتی ہے، نیز مٹی یا غبار اڑتے وقت منہ کھولنے سے انسان گریز ہی کرتا ہے، البتہ اگر مریض سانس کی تنگی میں ہوا لے جو کسی دوائی میں آلودہ ہو تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء واجب ہوگی۔

چونکہ مٹی اور ہوا جس سے اجتناب ضروری ہے وہ ابتلائے عام کی حالت پر مجبور ہے۔ اور اگر کوئی خاص شئی ہو جیسے بھنے ہوئے گوشت کی بو کو کوئی شخص نگلنے لگے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا چونکہ اس سے آسانی کے ساتھ بچا جا سکتا تھا، اسی طرح تنگی احساس کے وقت شریانوں کی مضبوطی کے لئے حب صلب کا کھانا بھی شامل ہے اور روزہ فاسد ہو جائے گا صرف قضاء واجب ہوگی۔

تھوک جو خالص اپنے معدن سے پیدا ہوا سے نگلنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (تھوک کا معدن پورا منہ ہے جو کہ تھوک کی جائے قرار اور منبع ہے)، صحیح قول کے مطابق اگر تھوک جمع کی اور پھر نگلی تو بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر زبان پر رکھ کر لعاب باہر نکالا تب بھی فاسد نہیں ہوگا، چونکہ لعاب جمع کرنے کی حالت میں لعاب اپنے معدن سے باہر نہیں نکلنے پاتی، یہ ایسا ہی ہے جیسے متفرق کر کے نگلی جائے۔

اگر منہ سے لعاب باہر نکالا پھر واپس کر لی یا کوئی دھاگا وغیرہ تھوک سے تر کیا اور پھر دھاگے کو باہر سے منہ میں لے گیا جبکہ دھاگے پر تری تھی جو الگ ہو سکتی تھی یا کسی اور چیز میں لعاب مخلوط تھا یا لعاب نجس ہو گیا اور پھر لعاب نگل گیا تو ان تینوں صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا۔ پہلی صورت میں اس لئے کہ لعاب اپنے معدن سے باہر نکل آیا اور باہر کی چیزوں کی طرح ہو گیا، دوسری صورت میں اس لئے کہ اس کی ضرورت ہی بھلا کیا تھی تیسری صورت میں اس لئے کہ لعاب کے ساتھ اجنبی چیز بھی مل گئی، لہٰذا قضاء ہوگی کفارہ نہیں۔

اسی طرح دانتوں کے درمیان کھانے کے ٹکڑے جو پھنسے پڑے ہوں بلا قصد انہیں نگل لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ وہ اس میں معذور ہے اور تقصیر نہیں کرتا یہ تب ہے جب روزہ دار روٹی کے ٹکڑے الگ کرنے اور منہ سے باہر پھینکنے سے عاجز ہو، اور اگر ان ٹکڑوں کو منہ سے الگ کر کے باہر پھینکنے پر قادر تھا پھر بھی وہ نگل گیا اگر چہ وہ چنے سے کم ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا، چونکہ وہ لعاب کے ساتھ دانتوں میں پھنسے ہوئے ٹکڑوں کو باہر نکالنے پر قادر تھا۔

بلغم کو نگلنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے بلغم یا تو سر سے اترتا ہے یا پیٹ سے اوپر چڑھتا ہے اور منہ کے ظاہری حصہ تک پہنچتا ہے، اگر بلغم خود بخود جاری ہو کر آ جائے اور روزہ دار اسے تھوکنے سے عاجز ہو تو عذر کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسے کہ بلغم منہ کی ظاہر حصہ تک نہ پہنچنے پائے اور اندر چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مثلاً بلغم دماغ سے حلق تک آیا (حلق منہ کی باطنی حد ہے) پھر پیٹ کی طرف چلا جائے گو اسے تھوکنے پر قادر تھا اس صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ بلغم اندر ہی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا ہے۔ (1)

---

(1) ..... حنفیہ کے نزدیک تھوڑی سی تفصیل ہے کہ چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بلغم اگر منہ بھر کے ہو تو روزے کو فاسد کر دے گا جبکہ طرفین کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ روزے کا فساد کسی چیز کے داخل کرنے اور قے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے بلغم نہ تو باہر سے اندر جاتا ہے اور نہ اسے قے کا درجہ دیا جا سکتا ہے البتہ اختلاف سے دور رہنے کے لئے احتیاط لازمی ہے۔

معروف دھواں جیسے تمبا کو اور نسوار وغیرہ کا دھواں لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح کسی چیز کو دماغ، پیٹ، انتڑیوں یا مثانے تک پہنچادیا جائے یا مرد کے آلہ میں پچکاری کی یا عورت کے پستانوں میں پچکاری کی اور کان کے باطنی حصہ میں دوائی ٹپکائی یا کان کے اندرونی حصہ میں کھر وچنی داخل کی تو ان سبھی صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا چونکہ بدن کے اندرونی حصہ کو پیٹ کا حکم ملتا ہے جبکہ پیٹ تک کھلے منفذ سے چیز پہنچی ہے۔

اگر بدن پر تیل سے مالش کی تو بدن کے مساموں کے ذریعے جو تیل پیٹ تک پہنچے اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا اسی طرح سرمہ لگانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر چہ حلق میں سرمے کا ذائقہ محسوس کرے چونکہ حلق تک پہنچنے والا ذائقہ منفذ سے نہیں پہنچا بلکہ مساموں سے پہنچا ہے جبکہ بیہقی کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت روزہ میں اثمد سرمہ لگاتے تھے۔'' لہٰذا روزہ دار کے لئے سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے۔

۲..... بلغم کا نگلنا بھی مفسد ہے، بلغم یا تو سر سے اترتا ہے یا پیٹ سے اوپر چڑھتا ہے، وہ بلغم جو روزہ دار کے کھنکھارنے سے آئے اور پھر اسے نگل جائے وہ مفسد صوم ہے، البتہ جو بلغم خود بخود آ جائے اور روزہ دار اسے تھوکنے سے عاجز ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگر بلغم کو نکالنے پر قادر تھا لیکن اسے اپنی حالت میں چھوڑ دیا اور پھر پیٹ میں جا پہنچا تو صحیح قول کے مطابق روزہ ٹوٹ جائے گا چونکہ روزہ دار سے تقصیر ہوئی ہے، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

۳..... شرعی کلی اور ناک میں پانی ڈالتے وقت مبالغہ کیا جس سے پانی پیٹ کی طرف سبقت کر گیا تو اس سے بھی روزہ فاسد ہو جائے گا چونکہ روزہ دار کے لئے کلی اور ناک میں پانی ڈالتے وقت مبالغہ کرنا ممنوع ہے، اگر مبالغہ نہیں کیا اور عام حالت میں پانی پیٹ کی طرف سبقت کر گیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ روزہ دار نے مامور بہ فعل انجام دیا ہے اور پانی کا سبقت کر جانا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

اگر کلی کی یا ناک میں پانی ڈالا غیر مشروع حالت میں جیسے مثلاً ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کلی کر رہا تھا یا ویسے ہی کھیل رہا تھا یا چوتھی بار کلی یا ناک میں پانی ڈال رہا تھا اور پیٹ تک پہنچ گیا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ چونکہ روزہ دار نے فعل مامور بہ انجام نہیں دیا بلکہ چوتھی بار کلی یا ناک میں پانی ڈالنا تو ممنوع ہے۔ [1]

۴..... جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا صرف قضاء واجب ہوگی حتیٰ کہ اگر اسے یقین ہو کہ پیٹ کی طرف قے واپس نہیں ہوگی تب بھی روزہ فاسدہ ہوگا چونکہ قے کی عین مفسد ہے، نیز ابن حبان کی روایت کے ظاہر کا یہی تقاضا ہے روایت یہ ہے کہ ''جس شخص پر قے کا غلبہ ہو جائے اور اسے روزہ یاد ہو تو اس پر قضاء نہیں اور جس شخص نے جان بوجھ کر قے کی تو اسے قضاء کرنی چاہئے۔'' یہ حکم تب ہے جب روزہ دار کو علم ہو کہ جان بوجھ کر ایسا کرنا حرام ہے اور پھر اپنے اختیار سے ایسا کرے، اور اگر نومسلم ہونے کی وجہ سے اسے علم نہ ہو یا علماء سے دور رہ کر اس نے پرورش پائی ہو یا اسے روزہ ہی یاد نہ ہو یا زبردستی اسے قے کروائی گئی تو ان صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۵..... استمناء (بغیر جماع کے منی نکالنا) اس کی دو صورتیں ہیں:

۱..... حرام جیسے اپنے ہاتھ سے منی نکالنا جسے مشت زنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲..... (غیر حرام جیسے بیوی کے ہاتھ سے منی نکالنا) سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے فقط قضاء واجب ہے، اگر چھونے سے یا بوسہ لینے

---

[1] ..... حنفیہ کے نزدیک ذرا تفصیل ہے کہ جب پانی نے پیٹ کی طرف سبقت کی دیکھا جائے گا کہ اسے روزہ یاد ہے یا بھول گیا ہے اگر اسے روزہ بھول گیا ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوا اگر روزہ یاد ہو تو روزہ فاسد ہو گیا، اسی پر فتویٰ ہے چونکہ روزہ دار کے لئے مبالغہ کرنا ممنوع ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شامی ج ۲ / ۱۴۷ و البدائع ۳ / ۳۳۹۔

سے یا بغیر کسی چیز کے حائل ہونے کے بیوی کو لیٹ کر ساتھ چمٹانے سے منی کا خروج ہو تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہو جائے گا چونکہ یہ انزال ہے جو مباشرت سے ہوا ہے۔

اگر (عورتوں کے محاسن) سوچنے سے انزال ہوا یا شہوت سے (کسی عورت کو) دیکھا یا عورت کو شہوت کے ساتھ اپنے ساتھ چمٹایا لیکن درمیان میں کوئی رکاوٹ حائل تھی جبکہ مباشرت کی صورت نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ انزال کی یہ صورت احتلام کے مشابہ ہے، البتہ بار بار ایسا کرنا حرام ہوگا اگر چہ انزال نہ ہو۔

۶.....دن کے وقت سحری کا غلط کھانا واضح ہو کہ طلوع فجر کے بعد کھانا کھایا ہے یا غروب آفتاب کے خیال سے روزہ افطار کر دیا تو دونوں صورتوں میں روزہ فاسد ہوگا فقط قضاء لازم ہوگی چونکہ اس ظن کا کوئی اعتبار نہیں جس کا خطا ہونا آشکارہ ہو۔

دن کے آخری حصہ میں تحری کر کے قرأت کی علامت سے یا نماز کے وقت کو بنیاد بنا کر افطار کرنا حلال ہے، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ دن کے آخری وقت میں تب کھائے جب یقین ہو جائے، جبکہ رات کے آخری وقت میں کھانا جائز ہے جبکہ رات کے باقی ہونے میں ظن غالب ہو یا شک ہو، چونکہ رات کا باقی ہونا اصل ہے۔

اگر طلوع فجر ہوا جبکہ کسی شخص کے منہ میں کھانا ہو اور اس نے دفعۃً کھانا منہ سے باہر اگل دیا تو اس کا روزہ صحیح ہے، اسی طرح کوئی شخص بیوی سے جماع کر رہا ہو اور ادھر طلوع فجر ہو جائے ار وہ دفعۃً الگ ہو جائے تو روزہ صحیح ہوا البتہ اگر جماع میں بدستور لگا رہا تو روزہ فاسد ہو جائے گا فقط قضاء لازم ہوگی۔

۷.....جنون، ردت، حیض اور نفاس کے پیش آنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، چونکہ یہ احوال صحت صوم کی شرائط عقل، اسلام اور خون سے پاک ہونا کے منافی ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت کے دین میں نقصان ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ جب عورت کو حیض آجاتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟

دوم.....وہ امور جن سے قضاء، کفارہ اور تعزیر واجب ہوتی ہو

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قضاء، کفارہ اس کے ساتھ تعزیر اور بقیہ دن امساک صرف ایک چیز سے واجب ہوتے ہیں اور وہ جماع ہے جو رمضان کے کسی دن کا روزہ فاسد کر دے اور اس کے لئے چودہ (۱۴) شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....یہ کہ روزہ دار نے رات کو روزے کی نیت کی ہو اگر نیت چھوڑ دی تو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا اور اس پر پورا دن امساک واجب ہوگا۔ (یعنی رات کو روزے کی نیت کی اور پھر دن کو جماع کیا تو قضاء کفارہ تعزیر اور امساک واجب ہوگا)

۲، ۳، ۴ یہ کہ جان بوجھ کر جماع کرے، اپنے اختیار سے جماع کرے، اور اسے جماع کے حرام ہونے کا بھی علم ہو، چنانچہ بھول کر جماع کرنے والے پر کفارہ نہیں، زبردستی جس سے جماع کرایا گیا ہو اس پر بھی کفارہ نہیں اور جس شخص کو حالت روزہ میں جماع کے حرام ہونے کا علم نہ ہو مثلاً وہ نومسلم ہو تو اس پر بھی کفارہ نہیں۔

۵.....یہ کہ جماع رمضان میں دن کے وقت ہو، چنانچہ اگر رمضان کے علاوہ کسی اور روزہ مثلاً نفلی روزہ ہو یا نذر کا روزہ ہو قضاء کا ہو یا کفارہ کا ان روزوں کے دوران جماع کر لیا تو روزہ فاسد ہوگا لیکن کفارہ نہیں ہوگا چنانچہ رمضان میں دن کے وقت جماع کرنا حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔـٰنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ......البقرۃ ۲/۱۸۷

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کردیا گیا ہے کیونکہ وہ تمہارے اوڑھنے بچھونے ہیں اور تم ان کے اوڑھنے بچھونے ہو......الخ۔

۶......یہ کہ صرف اکیلے جماع سے روزے کا فساد ہو تو تب کفارہ واجب ہوگا، اور اگر پہلے کھانا کھالیا اور پھر جماع کیا تو اس صورت میں کفارہ نہیں ہوگا، بغیر جماع کے کفارہ نہیں ہوتا، چنانچہ کسی نے کھانا کھایا، پانی پیا، یا مشت زنی کی یا شرم گاہ سے ہٹ کر مباشرت کی جس سے انزال ہوگیا تو کفارہ واجب نہیں ہوگا۔❶

۷......یہ کہ اس جماع سے گناہگار ہو، لہٰذا اگر بچے نے روزے کی حالت میں جماع کردیا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا، اسی طرح مسافر روزہ دار یا مریض روزہ دار نے رخصت کی نیت سے جماع کرلیا تو صحیح قول کے مطابق کفارہ نہیں ہوگا، چونکہ مسافر اور مریض کے لئے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے، اسی طرح جس شخص کو روزہ یاد نہ ہو اور وہ زنا کر بیٹھے تو اس پر بھی کفارہ نہیں، چونکہ وہ روزے کو بھولا ہوا ہے، اسی طرح جو مسافر زنا کر کے روزے کو فاسد کردے اور اسے سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہو تو اس پر بھی کفارہ نہیں چونکہ مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

۸......یہ کہ جماع کرنے والے کو اپنے روزے کے صحیح ہونے کا یقین اور اعتقاد ہو، لہٰذا اگر کسی شخص نے پہلے بھولے سے کھانا کھایا اور وہ سمجھا کہ اس کا روزہ جاتا رہا اور پھر جماع کر بیٹھا تو اس پر بھی کفارہ نہیں چونکہ اس کا اعتقاد تھا کہ اس کا روزہ نہیں، اگرچہ فی الواقع اس کا روزہ جماع سے باطل ہوا ہے۔

۹......یہ کہ جماع کرنے میں وہ مخطی نہ ہو، چنانچہ اگر کسی شخص نے جماع کیا اور وہ جماع کے وقت سمجھا کہ ابھی رات باقی ہے جبکہ فجر طلوع ہوچکی ہو تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا یا وہ سمجھا کہ مغرب کا وقت ہوچکا ہے اور جماع کر بیٹھا جبکہ ابھی دن باقی ہو تو اس صورت میں بھی کفارہ نہیں ہوگا چونکہ گناہ نہیں ہے۔

۱۰......یہ کہ جماع کرنے والے پر جنون نہ طاری ہو یا رمضان میں دن کے وقت جماع کرنے کے بعد اسے موت نہ آئے، لہٰذا اگر کسی شخص نے جماع کیا اور پھر وہ پاگل ہوگیا یا مرگیا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا چونکہ اس حالت میں اہلیت باقی نہیں رہتی، چنانچہ جنون، یا موت کی وجہ سے قطعی طور پر کفارہ ساقط ہوجاتا ہے، یعنی اس دن ایسے شخص کا روزہ روزہ کہلانے کا مستحق نہیں رہا، لہٰذا جماع سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مسافر کا روزہ یا اس بات پر گواہ قائم ہوجائیں کہ روزہ شوال کا تھا۔

۱۱......یہ کہ جماع کی نسبت روزہ دار مرد کی طرف کی جاتی ہو، چنانچہ اگر عورت مرد پر چڑھ گئی اور دخول سے انزال ہوگیا تو مرد پر کفارہ نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر مرد نے عورت کو ایسا ہی کرنے پر ابھارا ہو تو پھر کفارہ مرد پر ہوگا۔

۱۲......یہ کہ حشفہ (سپاری) داخل کرنے سے جماع ہو یا آلہ تناسل کی کٹی ہوئی مقدار کے برابر دخول ہو تو تب کفارہ واجب ہوگا، بصورت دیگر اگر مذکورہ مقدار کے برابر دخول متحقق نہ ہو تو کفارہ واجب نہیں ہوگا، البتہ اس پر امساک واجب ہوگا۔

۱۳......یہ کہ جماع شرم گاہ میں ہو خواہ دبر (پچھلا حصہ) میں ہو یا مفعول مردہ ہو یا جانور تو کفارہ واجب ہوگا، جو شخص شرم گاہ کے علاوہ میں

---

❶...امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے جمہور امت کے خلاف ہے چونکہ مفطرات تین چیزوں میں کھانا، پینا اور جماع ان تینوں میں سے کسی ایک کا وجود ہو تو کفارہ واجب ہوگا دلائل واضح ہیں۔

جماع کرے تو اس پر کفارہ نہیں، البتہ جو شخص عورت کے ساتھ پچھلے حصہ میں جماع کرے یا لواطت کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے عورت کے اگلے حصہ میں جماع کرے۔

۱۴.....یہ کہ کفارہ جماع کرنے والے یعنی فاعل پر ہوگا، مفعول بہ پر مطلقاً نہیں ہوگا اور جس عورت کے ساتھ جماع کیا گیا ہو (مفعول بہ) اس پر صرف قضاء ہوگی کفارہ نہیں۔

کفارہ عوارض سے ساقط نہیں ہوتا.....اگر کسی شخص پر کفارہ واجب ہوا اور وہ کفارہ واجب ہونے کے بعد سفر پر چلا گیا یا بیمار ہو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا مرتد ہو گیا تو اس کے ذمہ سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا، چونکہ ان عوارض کے لاحق ہونے سے پہلے روزے کی حرمت پامال کی گئی ہے نیز مرض اور سفر روزے کے منافی نہیں ہیں لہٰذا اس شخص کی طرف سے ہتک متحقق ہو چکی لہٰذا کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ اور ردت کی وجہ سے روزہ مباح نہیں ہوتا۔

روزے کی قضاء.....جس دن کا روزہ فاسد کیا گیا تو صحیح قول کے مطابق کفارے کے ساتھ ساتھ اس کی قضاء بھی واجب ہوگی۔ ❶

تعدد فساد سے تعدد کفارہ.....جس شخص نے دو دن جماع کیا ❷ تو اس پر دو کفارے واجب ہوں گے۔ چونکہ ہر دن مستقل عبادت کا دن ہے، لہٰذا دو کفاروں میں تداخل نہیں ہوگا، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص نے دو مرتبہ حج کیا اور دونوں مرتبہ دوران حج جماع کر لیا تو اس پر دو حج واجب ہوں گے، اسی طرح اگر کسی شخص نے رمضان میں سبھی دنوں میں جماع کیا تو اسی حساب سے اس پر اتنے ہی کفارات واجب ہوں گے۔ ❸

اگر کوئی اکیلا ہی چاند دیکھے اور پھر دوسرے دن جماع کر بیٹھے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک وہ امور جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا.....بھولے سے اگر کوئی چیز پیٹ تک پہنچ گئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اکراہ (زبردستی کھلانے) سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، یا جہالت سے کھا لیا جس کا شرعاً اعتبار ہو، اسی طرح وہ چیز جسے تھوکنے سے عاجز ہو جیسے بلغم اور دانتوں کے درمیان اٹکے ہوئے کھانے کے ٹکڑے تو ان کو نگل لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح ہر ایسی چیز جس سے احتراز مشقت طلب ہو جیسے راستے کا غبار، آٹے کا غبار، مکھی اور مچھر وغیرہ، لہٰذا ان چیزوں کے اندر داخل ہونے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

نشتر لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اس میں کسی کا اختلاف نہیں، سینگی لگوانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی اور احرام باندھ کر بھی سینگی لگوائی ہے۔ ❹

البتہ نشتر لگوانا اور سینگی لگوانا بغیر ضرورت کے مکروہ ہے۔

سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن راجح قول کے مطابق سرمہ لگانا خلاف اولیٰ ہے، بوسہ لینے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اس شخص کے لئے بوسہ لینا مکروہ ہے جس کی شہوت بوسہ لینے سے ابھرتی ہو، معانقہ اور مباشرت سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، شہوت کی نظر اور سوچنے سے انزال ہو جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، علک (گوند) چبانے اور کھانا چکھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ یہ دونوں مکروہ

---

❶.....یعنی کفارے میں اگر غلام آزاد کیا ہے تو ایک روزہ قضا کی نیت سے رکھے اسی طرح دو ماہ کے روزے کفارہ کے رکھے ہیں تو ایک دن مزید قضاء کے لئے روزہ رکھے، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا ہے تو ساتھ ایک دن کا روزہ بھی رکھے۔ ❷ یعنی پہلے دن روزہ رکھا اور دن کے وقت جماع کر لیا پھر دوسرے دن بھی جماع کر لیا۔ ❸ یعنی اگر کسی نے پورے تیس دن جماع کیا تو اس پر تیس کفارات ہوں گے لہٰذا وہ ۳۰ غلام آزاد کرے یا (۱۸۰۰) ایام روزے رکھے یا ۱۸۰۰ مساکین کو کھانا کھلائے۔ گویا اب وہ ساری عمر ہی روزے رکھتا رہے جو بظاہر محال اور ناممکن لگتا ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے رمضان کے پورے روزے ضائع کئے اس پر صرف ایک ہی کفارہ ہوگا اور قضاء پورے دنوں کی ہوگی۔ ❹ رواہ البخاری والنسائی۔

ہیں مسواک کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے لیکن اگر پیاز وغیرہ بھول کر کھالیا تو مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح پسندیدہ اشیاء جیسے دیکھی جانے والی چیزیں، خوشبوئیں اور سنی جانے والی چیزیں تو ان سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ مکروہ ہیں۔ ❶

حنابلہ..... روزہ فاسد کرنے سے یا تو قضاء واجب ہوتی ہے یا قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

اول..... وہ امور جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... کسی مادی شے کا منفذ (راستے) سے پیٹ یا دماغ میں داخل کرنا، یہ چیز روزہ یاد رہتے ہوئے جان بوجھ کر اپنے اختیار سے پیٹ تک پہنچائے، اگرچہ اس فعل کی حرمت سے جاہل ہی ہو، برابر ہے کہ وہ چیز غذا ہو جیسے اشیائے خورد ونوش یا غذا نہ ہو جیسے کنکری، بلغم، نسوار وغیرہ، اسی طرح دوائی، تیل جو حلق یا دماغ تک پہنچ جائے، پچھلے راستے میں پچکاری کرنا، جان بوجھ کر دھواں نگلنا (جیسے سگریٹ کا دھواں) چونکہ دھواں اپنے اختیار سے پیٹ تک پہنچ جاتا ہے، لہٰذا یہ کسی چیز کے کھانے کی طرح ہو گیا، ان سبھی صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضاء واجب ہوگی، اگر کوئی چیز پیٹ تک پہنچی اس میں روزہ دار کا اختیار اور قصد نہیں تھا یا بھولے سے کوئی چیز کھالی یا سوئے سوئے کھالی، یا اسے زبردستی (اکراھاً) کھلائی گئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، چونکہ حدیث مبارکہ ہے "میری امت کو خطاء اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے اور جس چیز پر انہیں مجبور کیا گیا ہو وہ بھی انہیں معاف ہے۔"

دوسری حدیث ہے۔ "جو شخص حالت روزہ میں بھول گیا....." ❷

۲..... سرمہ لگانا جبکہ سرمے کا حلق تک پہنچنا متحقق ہو جائے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اثمد سرمہ سوتے وقت لگانے کا حکم دیا ہے جو کہ آنکھوں کو راحت پہنچاتا ہے نیز فرمایا ہے "کہ روزہ دار کو اس سے بچنا چاہئے۔" ❸ نیز آنکھ منفذ (راستہ) ہے البتہ منفذ معتاد نہیں، جیسے ناک کے ذریعے کوئی چیز حلق تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگر حلق تک سرمے کا پہنچنا متحقق نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ جو چیز روزے کے منافی ہے وہ متحقق ہی نہیں ہوئی۔

۳..... جان بوجھ کر قے کرنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے صرف قضاء لازم ہوتی ہے خواہ کھانے کی قے کرے یا کڑوے پانی کی، بلغم ہو یا خون یا کوئی اور چیز اگرچہ کم ہی ہو، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے۔ "جس شخص پر قے (الٹی) کا غلبہ ہوا اس پر قضاء نہیں اور جو شخص جان بوجھ کر قے کرے اسے روزے کی قضاء کرنی چاہئے۔" ❹

۴..... سینگی لگوانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے صرف قضاء واجب ہوگی۔ یعنی جب خون ظاہر ہوا تو اس سے سینگی لگانے والے اور سینگی لگوانے والے دونوں کا روزہ فاسد ہوگا اگر خون ظاہر نہ ہوا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ دلیل یہ حدیث ہے۔ "سینگی لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ افطار ہو گیا۔" ❺

رہی جمہور کی حدیث کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ اور دانت یا کچلی سے مقام قاحہ میں سینگی لگوائی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶..... اس پر فلم، ڈرامے، قوالی، نغمے اور گانے وغیرہ قیاس نہیں کئے جاسکتے یہ الگ بات ہے کہ فلم دیکھتے یا گانے سننے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا لیکن روزے کی روح فاسد ہو جاتی ہے۔ ❷ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جس شخص نے بحالت روزہ بھول کر کچھ کھالیا وہ اپنا روزہ مکمل کرے اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے، رواہ الجماعۃ الا النسائی عن ابی ہریرۃ۔ ❸ رواہ ابوداؤد والبخاری فی تاریخہ عن حدیث عبدالرحمن بن نعمان بن سعید بن ھوذہ عن ابیہ عن جدہ لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ جبکہ دوسری طرف حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت روزہ میں سرمہ لگایا ہے، البتہ مفتی بہ یہی ہے کہ سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن اختلاف سے بچنے کے لئے احتیاط کی جائے اور رات کو سرمہ لگایا جائے۔ ❹ رواہ الجماعۃ وقال الترمذی حسن غریب ورواہ ایضاً الدارقطنی۔ ❺ رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد عشر نفسا منھم رافع بن خدیج الذی رواہ حدیثہ، احمد والترمذی۔

نے احرام باندھا ہوا تھا اور روزے میں تھے، اس کی وجہ سے آپ نے شدید کمزوری پائی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو سینگی لگوانے سے منع کر دیا‘‘ حنابلہ اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ ❶

۵..... بوسہ لینا، استمناء (آلۂ تناسل سے چھیڑ چھاڑ) لمس اور شرم گاہ سے ہٹ کر مباشرت کی اور منی یا مذی کا خروج ہوا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح بار بار (عورت کو مثلاً) دیکھنے سے منی آئے تو بھی روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر بار بار دیکھنے سے مذی آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہ تب ہے جب جان بوجھ کر کرے اور اسے روزہ بھی یاد ہو، واجب روزہ کی صورت میں قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا، چونکہ ابوداؤد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ’’میں نشاط میں تھا میں نے بیوی کا بوسہ لیا جبکہ مجھے روزہ تھا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھ سے بہت بڑی بات سرزد ہوگئی میں نے حالت روزہ میں بیوی کا بوسہ لے لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بتاؤ اگر تم برتن سے پانی لے کر کلی کر دو اور تمہیں روزہ ہو؟ میں نے عرض کی، اس میں کوئی حرج نہیں، فرمایا اپنا روزہ پورا کرو‘‘ اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسے کو کلی کے ساتھ تشبیہ دی ہے چونکہ یہ روزہ توڑنے کے مقدمات میں سے ہے، چنانچہ بوسے کے ساتھ اگر انزال بھی ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ فاسد نہیں ہوگا، لہٰذا بغیر انزال کے روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ ’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت روزہ میں بوسہ لے لیتے تھے اور وہ تم لوگوں سے زیادہ اپنی حاجت پر قابو پانے والے تھے۔‘‘ ❷

بار بار (مثلاً عورت کو) دیکھنے سے منی خارج ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا چونکہ ایسے فعل سے انزال ہوا ہے، جس سے لذت اٹھائی جا رہی تھی، جبکہ اس سے گریز کرنا ممکن تھا، لہٰذا یہ صورت لمس میں انزال ہونے کے مشابہ ہے۔

اگر بار بار نظر کرنے سے مذی خارج ہوئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ مذی سے روزہ فاسد ہونے میں کوئی نص نہیں ہے، نیز مذی کو منی پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا چونکہ دونوں کے احکام مختلف ہیں۔

۶..... ردت (مرتد ہو جانا) مطلقاً مفسد ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ...... الزمر ۳۹/ ۶۵

اگر تم نے شرک کر دیا تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

۷..... موت اس دن کا روزہ فاسد کر دیتی ہے جس دن اس کا وقوع ہوا ہو، نذر اور کفارہ کے روزے کی حالت میں اگر موت آئے تو اس کے ترکہ میں سے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

۸..... یہ غلطی واضح ہوگئی کہ دن ہوتے ہوتے کھایا تھا، ❸ اگر غروب آفتاب میں شک تھا اور اس نے کھا پی لیا تو روزہ فاسد ہو گیا اور قضاء واجب ہوگی، چونکہ دن کا باقی رہنا اصل ہے، یا کھایا پیا اور اسے ظن تھا کہ دن ابھی باقی ہے جب تک کہ متحقق نہ ہو کہ غروب کے بعد تھا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے رات تک روزہ پورا کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ اس نے تمام نہیں کیا۔ یا رات سمجھ کر کھانا کھایا اور واضح ہوا کہ دن ہو چکا ہے (یعنی طلوع فجر ہو چکا ہے) تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہو جائے گا چونکہ اس نے روزہ تمام نہیں کیا، صرف قضاء کرے گا۔

---

❶ ..... بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت روزہ میں سینگی لگوائی یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق نسخ کی بات کرنا بعید از قیاس ہے چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اعلم بالناسخ والمنسوخ تھے، حنابلہ کے متدل ’’حاجم اور محجوم کا روزہ ٹوٹ گیا‘‘ میں بھی احتمال ہے۔
چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو کسی دوسرے کو سینگی لگوا رہا تھا اور وہ دونوں غیبت کر رہے تھے اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ حاجم اور محجوم کا روزہ افطار ہو گیا، نیز سینگی لگوانے سے تو خون کا اخراج ہوتا ہے جبکہ روزہ دخول سے ٹوٹتا ہے۔
❷ رواہ البخاری۔ ❸ مثلاً صبح کا کھانا کھایا سمجھا ابھی طلوع فجر نہیں ہوئی بعد میں پتہ چلا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی تو روزہ فاسد ہو گیا۔

اسی طرح اگر بھول کر کھاپی لیا پھر بعد میں وہ سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور اب جان بوجھ کر کھاپی لے تو صرف قضاء کرے گا، البتہ اگر اسے ظن ہوا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے کھاپی لیا اور اس کا شک باقی ہو اور حقیقت حال واضح نہ ہو تو اس صورت میں قضاء نہیں ہے چونکہ ذمہ سے بری ہو جانا اصل ہے، یا کھانا کھایا اور واضح یہ ہوا کہ رات کو کھانا کھایا ہے تو بھی قضاء نہیں چونکہ اس نے روزہ تمام کیا ہے۔

دوم......وہ امور جن سے قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں

حنابلہ کے نزدیک کفارہ کا وجوب صرف ایک چیز سے ہوتا ہے اور وہ دن کے وقت جماع کرنا ہے لیکن کوئی عذر نہ ہو جیسے مرض، جماع شرم گاہ میں ہو البتہ برابر ہے، کہ قبل ہو یا دبر، آدمی کی شرم گاہ ہو یا غیر آدمی کی (جیسے جانور کی شرم گاہ) خواہ زندہ سے جماع کرے یا مردہ سے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

جماع کرنے والا جان بوجھ کر جماع کرے یا بھول کر خطاء کرے یا جہالت (ناواقفی اور لاعلمی) میں، اپنے اختیار سے کرے یا اس سے زبردستی کروایا گیا ہو، برابر ہے بیداری کی حالت میں اسے مجبور کیا گیا ہو یا نیند کی حالت میں۔ ❶

اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث ہے جس میں جماع کرنے والے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے، رہی بات بھول کر جماع کرنے والے کی تو وہ ظاہر مذہب ہے جان بوجھ کر جماع کرنے والے کے حکم میں ہے۔ ❷

اس میں مکرہ (مجبور کیا ہوا) مختار (اپنے اختیار سے کرنے والے) کی طرح ہے، سویا ہوا بیدار کی طرح ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے تفصیلات نہیں مانگی تھیں، اگر اس میں حکم کا اختلاف ہوتا تو آپ ضرور تفصیل طلب کرتے، چونکہ بوقت حاجت بیان کو مؤخر کر دینا جائز نہیں ہے۔ نیز سوال جواب میں تیار ہوتا ہے، گویا یوں فرمایا ہے۔ جب رمضان کے روزے میں تم جماع کر بیٹھو تو کفارہ دو۔'' نیز روزہ عبادت ہے اس میں جماع کرنا حرام ہے لہٰذا اس میں جان بوجھ کر یا بھول کر کرنے والا برابر ہے جیسے حج میں برابر ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ انزال ہو یا نہ ہو کفارہ واجب ہوگا، اور ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں چونکہ جماع ہوا تو اس میں انزال ہونے کا قوی گمان ہوتا ہے۔

اکراہ کی حالت میں کفارہ اس لئے واجب ہے کہ جماع پر اکراہ ناممکن ہے چونکہ انتشار آلہ کے بغیر وطی نہیں ہو سکتی اور آلہ شہوت کے بغیر منتشر ہوتا نہیں لہٰذا جماع میں مکرہ غیر مکرہ کی طرح ہے۔ ❸

رہی یہ بات کہ شرم گاہ خواہ قبل ہو یا دبر، مرد کی ہو یا عورت کی ہر حال میں کفارہ واجب ہوگا، چونکہ مکلّف شخص شرم گاہ میں جماع کر کے روزہ فاسد کرتا ہے لہٰذا کفارہ واجب ہوگا، جانور کی شرم گاہ میں جماع ہوا تو اس لئے کہ وہ بھی ایک شرم گاہ ہے جس میں وطی ہوئی ہے جو غسل کی موجب ہے اور روزے کے لئے مفسد ہے، لہٰذا عورت کے ساتھ جماع کرنے کے مشابہ ہوا۔

❶......یعنی عورت سوئی ہوئی ہو اور روزہ دار پر زبردستی کی گئی کہ اس سوئی ہوئی عورت سے جماع کر و تو روزہ دار جماع کرنے والے پر کفارہ ہوگا۔ ❷ حدیث یہ کہ ایک اعرابی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا میں ہلاک ہو گیا، فرمایا! تو نے کیا کیا؟ عرض کی! میں رمضان میں دن کے وقت جان بوجھ کر اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا جبکہ مجھے روزہ تھا، آپ نے فرمایا۔ غلام آزاد کرو جبکہ بعض روایات میں ہے آپ نے اعرابی سے فرمایا: کیا کوئی عذر یا سفر در پیش نہیں تھا؟ عرض کی جی نہیں لہٰذا حنابلہ کا یہ کہنا کہ حدیث میں تفصیل نہیں مطلق حکم ہے جواب یہ ہے کہ اعرابی نے ''جان بوجھ کر'' کی قید سے شبہ ختم کر دیا نیز دوسری روایت میں تفصیل ہے۔ ❸ پھر تو حالت اکراہ میں کھانا کھانا بھی ناممکن ہے دنیا میں کوئی کام بھی ہو اس میں مکرہ مکرہ نہ رہے گا، اگر اس طرح کی دور دراز قیاس تاویلات نکالنی شروع کر دی جائیں، جب التقائے ختانین ہوتا ہے تو حالت اکراہ میں بھی شہوت ابھر آتی ہے شہوت کا ابھرنا الگ نوعیت سے ہے اور وہ اکراہ کے مرہون منت ہے۔

جس عورت سے جماع کیا گیا اس کا روزہ بھی فاسد ہو گیا جس طرح جماع سے مرد کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے، چونکہ جماع بھی مفطرات کی ایک قسم ہے، لہٰذا اس میں مرد عورت دونوں برابر ہیں جس طرح کھانا کھانے سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور اس میں مرد عورت دونوں برابر ہیں اگر عورت کے ساتھ جماع کیا گیا اور کوئی عذر نہ ہو تو عورت پر بھی کفارہ ہوگا البتہ عذر کے ہوتے ہوئے عورت پر کفارہ نہیں ہوگا جیسے عورت سو رہی تھی یا زبردستی اس کے ساتھ جماع کیا گیا ❶ یا بھولے سے اس کے ساتھ جماع کیا گیا جہالت میں جماع کیا گیا تو عورت پر کفارہ نہیں ہوگا چونکہ عورت معذور ہے البتہ اس سے عورت کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اسے قضاء واجب ہوگی۔

البتہ اگر روزہ دار عورت نے سوئے ہوئے شخص یا بچے یا مجنون کا آلہ تناسل اپنی شرم گاہ میں داخل کر دیا تو عورت کا روزہ باطل ہو جائے گا اور اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، یہ تب ہے جب رمضان میں دن کے وقت یہ صورت پیش آئے۔

اگر دو عورتیں آپس میں (لیٹ کر) ایک دوسرے سے بدن رگڑیں اور انہیں انزال ہو جائے یا مجبوب (مقطوع الذکر) کو رگڑنے سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، چونکہ لمس کی وجہ سے اگر انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اس صورت میں تو بطریق اولیٰ روزہ فاسد ہوگا، البتہ ان دونوں عورتوں پر کفارہ نہیں ہوگا اور اصح قول کے مطابق مجبوب پر بھی کفارہ نہیں، چونکہ یہ صورت منصوص نہیں ہے۔ اور نہ ہی منصوص علیہ کے معنی میں ہے، لہٰذا اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

کفارہ میں تعدد..... اگر ایک رمضان کے دو دنوں میں جماع کیا جبکہ پہلے جماع کا کفارہ نہیں دیا تھا کہ دوسرا جماع کر دیا تو اس پر دو کفارات ہوں گے چونکہ رمضان کا ہر دن عبادت ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے دو حجوں میں جماع کر لیا تو قضاء میں دو حج واجب ہوں گے یا جیسے دو رمضانوں میں دو دن جماع کیا تو دو کفارات واجب ہوں گے۔

البتہ اگر رمضان کے ایک ہی دن میں کئی مرتبہ جماع کیا تو ایک ہی کفارہ لازم ہوگا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، لیکن رمضان کے ایک دن میں جماع کیا پھر اس کا کفارہ ادا کر دیا پھر اسی دن دوبارہ جماع کر دیا تو اس پر دوسرا کفارہ لازم ہوگا، چونکہ اس نے حرام وطی کی ہے، لہٰذا حرام وطی کے تکرار سے کفارہ میں بھی تکرار ہوگا جیسے حج میں جماع کر دیا پھر دوسرے حج میں جماع کر دیا تو ذمہ میں دو حج لازم ہوں گے۔

وجوب امساک پر کفارہ ہے..... کفارہ تب لازم ہوگا جب ایسا شخص جماع کرے جسے امساک لازم ہوتا ہو جیسے کسی شخص کو رؤیت ہلال کا علم نہ ہو اور اسی فجر طلوع ہونے کے بعد رؤیت ہلال کا علم ہو، یا کوئی شخص رات کو نیت کرنا بھول گیا، یا جان بوجھ کر کھا لیا اور پھر جماع کر لیا جبکہ ان پر امساک واجب تھا اور پھر جماع کیا ہے لہٰذا کفارہ واجب ہوگا چونکہ رمضان کی حرمت پامال کی گئی ہے، جبکہ حرمت رمضان کی پاسداری واجب ہے۔

اگر طلوع فجر کے شروع ہی میں آلہ تناسل شرم گاہ سے باہر نکالا اور جماع سے الگ ہو گیا تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے چونکہ شرم گاہ سے آلہ تناسل کو باہر نکالنا بھی جماع ہے ❷ اگر فجر طلوع ہوئی درحالیکہ یہ جماع کر رہا ہو اور اسی وقت آلہ تناسل شرم گاہ سے باہر نکال لے جبکہ فجر ثانی طلوع ہو چکی تھی تو قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، چونکہ جس طرح آلہ تناسل شرم گاہ میں داخل کرنے سے لذت ملتی ہے اسی طرح آلہ تناسل شرم گاہ سے نکالنے میں بھی لذت ملتی ہے۔

اگر کسی نے جماع کیا اس کا اعتقاد تھا کہ ابھی رات باقی ہے لیکن واضح ہوا کہ دن ہو چکا ہے اور فی الواقع فجر طلوع ہو چکی ہو تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، چونکہ جان بوجھ کر یا بھول چوک کر جماع کرنے میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

---

❶ ... عورت کے حق میں اکراہ کیوں معتبر ہوا جب عورت کے حق میں اکراہ کا اعتبار ہے کہ مرد کے حق میں بھی اکراہ کا اعتبار ہو گیا لہٰذا مرد کو اگر جماع کرنے مجبور کیا گیا تو کفارہ نہیں ہوگا۔ ❷ گویا جماع میں دو حالتیں ہوتی ہیں دخول کے بعد خروج اور دخول نہ ہو اور دخول ہی رہے دوسری صورت کہ خروج دخول ہے لہٰذا دخول جہاں جماع کا حصہ ہے خروج بھی جماع کا حصہ ہے البتہ نیت کا اعتبار ہے یہ خروج جماع کے انقضاء کے لئے ہے۔

اگر شروع دن میں جماع کیا پھر بیمار ہوگیا یا پاگل ہوگیا یا عورت تھی اسے دن کے وقت حیض یا نفاس آ گیا تو ان صورتوں میں کفارہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ یہ ایک ایسی علت ہے جو وجوب کفارہ کے بعد لاحق ہوئی ہے، لہٰذا کفارہ ساقط نہیں ہوگا جیسے سفر۔ نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے رمضان میں واجب روزے کو فاسد کیا ہے اور اس کا فساد جماع تام سے ہوا ہے لہٰذا اس پر کفارہ لاگو ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی عذر نہ ہو اور دن دہاڑے جماع کرے تو کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔

جماع فیما دون الفرج......اگر شرم گاہ سے ہٹ کر اس کے بجائے اور جگہ جماع کیا❶ اور جان بوجھ کر جماع کیا، پھر انزال ہوا گو انزال میں مذی خارج ہو روزہ فاسد ہو جائے گا اور کفارہ واجب نہیں ہوگا چونکہ یہ حقیقت میں جماع نہیں ہے۔ اور اگر انزال❷ نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسے بیوی کو چھولیا یا بوسہ لے لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

رمضان کے علاوہ روزے کے فساد پر کفارہ نہیں......رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ فاسد کرنے پر کفارہ نہیں اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے، چونکہ رمضان کے علاوہ میں وہ جماع کرتا ہے لہٰذا کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

مثلاً جیسے کوئی شخص کفارہ کے روزے میں جماع کرلے تو کفارہ نہیں ہوگا، گویا اس باب میں قضاء اور ادا میں فرق ہے، چنانچہ ادا کا زمانہ اور وقت متعین ہے جو محترم وقت ہے، لہٰذا اداء کی صورت میں حرمت کی ہتک لازم آتی ہے جبکہ قضاء کی صورت میں ہتک حرمت لازم نہیں آتی۔

روزہ میں جماع کا جواز حنابلہ کے نزدیک......اگر کسی شخص کو کمر توڑ قسم کی شہوت لاحق ہوئی حتیٰ کہ اسے آلہ تناسل میں یا فوطوں میں یا مثانہ میں خلل پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ جماع کرلے اور روزے کی قضاء کرے اور ضرورت کی وجہ سے اس پر کفارہ نہیں جیسے مضطر شخص کے لئے مردار کھانا جائز ہے، اگر اس کی شہوت جماع کے بغیر ہی پوری ہو سکتی ہو جیسے اپنے ہاتھ سے یا بیوی کے ہاتھ سے یا رانوں پر ملنے سے تو اس صورت میں جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔❸

جیسے کہ حالت شبق (ہیجان یعنی شدید شہوت پیش آنے کی حالت) میں حائضہ سے جماع جائز ہے اسی طرح ضرورت شدیدہ کے پیش آنے کے وقت روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع بطریق اولیٰ جائز ہوگا، چونکہ حائضہ سے جماع کرنے کی تحریم نص قرآن سے ہے، اگر دوسری بیوی نابالغ صغیرہ ہو تو حالت شبق میں حائضہ سے اجتناب کرنا واجب ہوگا اور نابالغہ صغیرہ سے جماع کرلے یا اسی طرح دوسری بیوی مجنونہ ہو تو اس سے جماع کرے۔

اگر کسی شخص پر شہوت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ روزے کی قضاء کی بھی قدرت نہیں رکھتا تو وہ بوڑھے کے حکم میں ہے جو روزہ رکھنے سے عاجز آ گیا ہو، لہٰذا ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے قضاء تو تبھی واجب ہوتی ہے جب کوئی معتاد عذر پیش آئے جیسے مرض، سفر، جبکہ یہاں عذر غیر معتاد ہے لہٰذا قضاء واجب نہیں ہوگی۔❹

---

❶ ... مثلاً رانوں میں جماع کرلیا یا پیٹ پر جماع کرلیا وغیرہ۔ ❷ یعنی جماع فی مادون الفرج کیا اور انزال نہیں ہوا تو روزہ بھی فاسد نہیں ہوگا۔ ❸ یہی صورت متعین ہے کہ اولاً اسے چاہئے کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرے کمر پر ٹھنڈا پانی بہائے اور کھیل وغیرہ میں مشغول ہو کر جی بہلائے اگر شہوت ختم نہ ہو زنا کا خوف ہو تو مشت زنی سے شہوت پوری کرے یا رانوں سے مسل کر شہوت دور کرے اگر پھر بھی شہوت میں کمی واقع نہ ہو حرام میں پڑنے کا غالب گمان ہو اور اگر جماع نہ کرے گا تو جنسی اعضاء میں نہ ختم ہونے والا فتور آ جائے گا مثلاً آلہ تناسل یا فوطوں میں سکڑاؤ آ جائے گا تو اس صورت میں جماع کی اجازت ہے صرف قضا واجب ہوگی۔ ❹ یہ ساری تفصیلات حنابلہ کے نزدیک ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بہر حال اسے روزہ رکھنا پڑے گا۔

وہ امور جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

مندرجہ ذیل امور سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۱......ان چیزوں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا جن سے بچنا ناممکن ہو، جیسے لعاب کا نگلنا، راستے کا غبار، آٹے کا غبار، عضو تناسل میں قطرے ٹپکانا اگرچہ مثانہ تک (دوائی) پہنچ جائے، چونکہ عضو تناسل کا سوراخ منفذ نہیں، اسی طرح اگر منہ میں تھوک جمع کی پھر قصداً نگل کیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ تھوک اپنے معدن سے پیٹ تک پہنچی ہے۔

اگر لعاب باہر اپنے کپڑے پر نکالی، یا انگلیوں کے درمیان نکال لی، یا ہونٹوں پر نکالی اور پھر منہ میں ڈال کر نگل گیا یا کسی دوسرے کا لعاب نگلا تو ان صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا چونکہ لعاب منہ سے الگ کی اور پھر نگلی ہے یہ اس طرح ہو گیا جسے کسی دوسرے کے لعاب نگل جائے۔

اگر بلا قصد بلغم تھوکا اور کھنگھارتے وقت حاء مہملہ کا مخرج پیدا ہوا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر بلغم نگل لیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۲......مضمضہ اور استنشاق ❶ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، برابر ہے کہ طہارت کے لئے کلی کرے یا غیر طہارت کے لئے، خواہ مبالغہ کرے، یا تین سے زائد مرتبہ کلی کرے، اس پر دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر گئی ہے جس میں قبلہ کا ذکر ہے۔ ❷ جبکہ استنشاق، مبالغہ اور تین سے زائد مرتبہ کو کلی پر قیاس کر لیا گیا ہے، البتہ ویسے ہی کھیل کود کے لئے یا گرمی یا پیاس کے لئے کلی کی تو یہ مکروہ ہے۔

۳......علک (گوند) چبانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، علک سے مراد وہ علک ہے جس کے اجزاء الگ نہ ہوتے ہوں اور چبانے سے سخت ہوتی ہو، البتہ حالت روزہ میں علک چبانا مکروہ ہے حرام نہیں چونکہ علک تھوک جمع کرتی ہے اور اس سے پیاس لگتی ہے۔

۴......بوسہ لینے، چھونے اور رانوں میں مباشرت کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بشرطیکہ انزال نہ ہو، اگر ان حالات کے ساتھ انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن اس پر کفارہ نہیں قضاء ہوگی چونکہ یہ جماع نہیں، کفارہ تو جماع سے واجب ہوتا ہے۔

۵......بار بار (عورت) کو دیکھنے سے مذی نکلے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ اس میں کوئی نص نہیں، اگر تکرار نظر کے بغیر منی خارج ہو تو بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ پہلی نظر سے احتراز ناممکن ہے، اسی طرح انزال کے بغیر بار بار دیکھنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگر (عورت کے محاسن) کو سوچنے سے منی یا مذی خارج ہو تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات معاف ہیں جب تک کہ ان پر عمل نہ ہو یا زبان سے ان کا تکلم نہ ہو جائے۔ ❸

اسی طرح غیر اختیاری سوچ سے اگر انزال ہوا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا بایں طور کہ اس میں کسی چیز کو سبب نہ بنائے، یا احتلام ہوا یا بغیر شہوت کے انزال ہوا تو ان صورتوں میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مرض کی وجہ سے منی خارج ہو جائے یا بلندی سے نیچے گرنے کی وجہ سے منی خارج ہو۔

ہیجان یا شہوت سے منی خارج ہوئی اور ہاتھ سے عضو تناسل کو چھوا بھی نہیں یا رات کے جماع کی وجہ سے دن کو منی خارج ہوئی تو ان

---

❶......مضمضہ کلی کرنا اور استنشاق ناک میں پانی ڈالنا۔ ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ میں نے روزے میں بیوی کا بوسہ لے لیا، آپ نے فرمایا: مجھے بتلاؤ اگر تم کلی کرو تو اس سے روزہ فاسد ہوگا، عرض کی نہیں۔ فرمایا پھر اپنا روزہ پورا کرو۔ ❸ رواہ اصحاب الستة عن ابی ھریرة۔

صورتوں میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا چونکہ خروج منی کے لئے دن میں کسی چیز کو سبب نہیں بنایا، اسی طرح دن کو مباشرت کی اور رات کو منی کا خروج ہوا تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۶..... پچکاری اور نشتر لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، نکسیر کی وجہ سے خون نکلنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح روزہ دار نے خود اپنے آپ کو (علاج کے لئے) چیرا پھاڑا یا دوسرا کوئی اسے چیرے (یعنی جراحی کا عمل کرے) لیکن روزہ دار کی اجازت سے اور چیرنے والے کے ہاتھ کوئی چیز پیٹ تک نہ پہنچنے پائے اگر چہ جراحی کا عمل سینگی کے متبادل ہو تو اس میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ اس میں کوئی نص نہیں اور قیاس اس کا تقاضا نہیں کرتا۔

۷..... کسی چیز کا پیٹ میں داخل کرنا بشرطیکہ داخل کرنے میں روزہ دار کا قصد شامل نہ ہو، اس کی صورتیں یہ ہوسکتی ہیں جیسے بھولے سے کوئی چیز داخل کردی یا زبردستی اس سے داخل کروائی گئی یا سوئے سوئے کوئی چیز داخل کردی، چونکہ سوئے ہوئے شخص کا قصد نہیں ہوتا، نیز حدیث بھی گزری ہے کہ ”جو شخص روزے میں ہو اور وہ بھول جائے کھانا کھالے یا پانی پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے چونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے کھلایا پلایا ہے۔

البتہ جو شخص روزہ دار کو بھولے سے کوئی چیز کھاتے پیتے دیکھے تو دیکھنے والے پر واجب ہے کہ اسے یاددہانی کرائے، جیسے تنگی وقت کی صورت میں سوئے ہوئے شخص کو نماز کے لئے جگا دینا واجب ہے۔

۸..... طلوع فجر میں شک ہوجائے، اگر کسی شخص نے کھانا کھایا پانی پیا یا جماع کیا اور اسے طلوع فجر میں شک ہوا اور اس کا شک برابر رہے، تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا چونکہ رات کا باقی رہنا اصل ہے، للہذا اس کے شک کا وقت بھی رات کا وقت ہے۔ نیز آیت کا ظاہر بھی اس پر دلیل ہے:

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ......البقرۃ ۲/ ۱۸۷

کھاؤ پیو حتیٰ کہ فجر کی سفیدی رات کی تاریکی سے جدا ہو جائے۔

اگر ایک شخص کھاتا رہا اور وہ سمجھا ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی حالانکہ فجر طلوع ہوچکی تھی یا غروب آفتاب کا اسے گمان ہوا اور اس نے روزہ افطار کردیا حالانکہ سورج غروب نہ ہوا ہو تو ان دونوں صورتوں میں روزہ فاسد ہوجائے گا اور قضاء واجب ہوگی، چونکہ اس سے احتراز ممکن تھا۔

۹..... غلبہ قے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کسی شخص پر قے کا غلبہ ہوا (یعنی اس کے اختیار کے بغیر قے ہوگئی) تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوا، بخلاف اس کے کہ کوئی جان بوجھ کر قے کرے تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا اور قضاء واجب ہوگی۔

۱۰..... مسواک کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا خواہ پورا دن مسواک کرتا رہے، اسی طرح جنابت کا غسل نہ کرنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ جنبی، حائضہ، نفساء اور نو مسلم کے لئے مستحب ہے کہ فجر صادق سے پہلے پہلے غسل کرلیں تاکہ اختلاف سے نکل جائیں۔

۱۱..... سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بشرطیکہ سرمے کا ذائقہ حلق میں محسوس نہ ہو، اسی طرح پاؤں کے تلووں پر مہندی لگانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر چہ حلق میں مہندی کا ذائقہ محسوس کرے۔

۱۲..... عورت اپنی شرم گاہ میں اپنی انگلی داخل کرے یا کسی دوسرے کی انگلی داخل کرے اگر چہ انگلی پانی وغیرہ میں تر کی ہوئی ہو تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

خلاصہ..... مفسدات صوم کے متعلق مذاہب کی مختلف آرا حسب ذیل ہیں۔

رمضان میں دن کے وقت جماع کرنے سے قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں اور بقیہ دن امساک بھی واجب ہے، جماع سے قضاء کفارہ اور امساک بالاتفاق واجب ہے۔

جان بوجھ کر کھانے پینے سے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں چونکہ کھانے پینے کو جماع پر قیاس کیا گیا ہے نیز کھانے پینے سے رمضان کی حرمت پامال ہوتی ہے، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رمضان میں دن کے وقت جان بوجھ کر کھانے پینے سے کفارہ واجب نہیں البتہ قضاء واجب ہے۔

جان بوجھ کر قے کرنے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جان بوجھ کر مادی چیز لینا جو پیٹ تک پہنچے اس سے بھی بالاتفاق روزہ فاسد ہو جاتا ہے، برابر ہے کہ وہ چیز غذا ہو یا غیر غذا ہو، نشتر لگوانے سے بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ جمہور کے نزدیک بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا جبکہ مالکیہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ زبردستی کھلانے سے (یعنی اکراھاً) شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

کلی کرتے وقت پانی خطاءً حلق سے اتر گیا تو حنابلہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹا جبکہ مالکیہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، شافعیہ کے نزدیک ذرا تفصیل ہے۔ چنانچہ مبالغہ کیا پانی حلق سے نیچے اتر گیا یا ویسے کھیل رہا تھا یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کلی کی یا تین سے زیادہ مرتبہ کلی کی اور پانی حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

سرمہ لگانے سے شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا، جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا بشرطیکہ سرمے کا اثر حلق میں محسوس ہو، جمہور کے نزدیک عضو تناسل میں پچکاری سے روزہ فاسد نہیں ہوتا جبکہ شافعیہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جمہور کے نزدیک لکڑی سے کان کریدنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اسی طرح لکڑی کان میں داخل کرنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا جبکہ شافعیہ کے نزدیک اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک سینگی لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ مکروہ ہے جبکہ حنابلہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگر انزال سے مذی خارج ہوئی تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے جبکہ مذی بوسہ لینے سے یا شرم گاہ سے ہٹ کر مباشرت کرنے سے خارج ہو، کسی عورت کو بار بار دیکھنے سے مذی خارج ہو تو حنابلہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو گیا جبکہ مالکیہ کے نزدیک نظر میں دوام ہو یا عادت ہو تب فاسد ہو گا۔

رمضان میں مختلف ایام میں روزے توڑے جس سے کفارہ واجب ہو تو حنفیہ کے نزدیک مختلف کفارات میں تداخل ہو گا اور ایک ہی کفارہ واجب ہو گا۔

جبکہ شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ (جمہور) کے نزدیک مختلف ایام کے متعدد کفارات واجب ہوں گے۔

آٹھویں بحث......روزے کی قضاء، کفارہ اور فدیہ کے بیان میں

اس بحث میں تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد......روزے کی قضاء

اول: لوازم افطار...... مالکیہ کہتے ہیں افطار (یعنی روزہ توڑنے اور فاسد کرنے) پر سات چیزوں کا ترتب ہوتا ہے جو یہ ہیں۔

قضاء، کفارہ کبریٰ، کفارہ صغریٰ (فدیہ) امساک (کھانے پینے سے رُکے رہنا)، تتابع اور توالی (پے در پے رکھنا) کا قطع، سزا اور نیت کا قطع۔

دوم: قضاء کا حکم..... فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جو شخص کسی عذر کی وجہ سے رمضان کے ایک یا ایک سے زیادہ دن روزے نہ رکھے اس پر قضاء واجب ہے، جیسے مرض، سفر اور حیض وغیرہ کی وجہ سے روزے نہیں رکھے، یا بغیر کسی عذر کے روزہ نہیں رکھا جیسے جان بوجھ کر نیت ترک کی یا بھول کر نیت ترک کردی تو اس پر بھی قضاء واجب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ......البقرۃ ۲/ ۱۸۴

جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو (اور روزہ نہ رکھے) تو دوسرے ایام میں شمار کرنا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ ”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حیض آتا تھا اور ہمیں روزے کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا۔“

اگر بلا عذر روزہ نہ رکھا (یا رکھا تھا توڑ دیا) تو گناہ گار ہوگا۔ چونکہ حدیث ہے۔ ”جس شخص نے رمضان میں ایک دن کا روزہ نہ رکھا جبکہ اس کو (روزہ نہ رکھنے کی) رخصت بھی نہ تھی اور نہ مریض تھا تو اس روزے کی قضاء عمر بھر کے روزے بھی نہیں کر سکتے اگر چہ وہ عمر بھر کے روزے رکھ لے۔“ ❶

کون سے روزے کی قضاء واجب ہے..... رمضان، کفارہ کے روزے، نذر کے روزے اور مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک نفلی روزہ جو شروع کرلیا جائے تو ان سبھی اقسام کے روزوں میں قضاء واجب ہے، البتہ نفلی روزے میں مالکیہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ نفلی روزہ جان بوجھ کر توڑا ہو تب قضاء واجب ہوگی۔

البتہ جو شخص نفلی روزہ بھولے سے توڑ دے تو روزہ مکمل کرے، بالاجماع اس پر قضاء نہیں، اسی طرح اگر کسی ایسے عذر کی وجہ سے روزہ توڑا ہے جو روزہ کو مباح کردیتا ہو تو اس میں بھی قضاء نہیں۔ ❷

رمضان کی قضاء کا وقت...... حالیہ رمضان کے بعد آنے والے رمضان تک سارا وقت رمضان کی قضاء کے لئے مناسب اور موزوں ہے البتہ بری الذمہ ہونے کے لئے قضاء میں جلدی کرنا مستحب ہے تاکہ ذمہ میں جو امر واجب ہے وہ ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ اسی طرح ہر وہ عبادت جو ذمہ میں واجب ہو اس کی قضاء کا پختہ ارادہ کرنا واجب ہے اگر فی الفور اس کی قضاء نہ کر سکتا ہو۔

اور اگر دوسرے رمضان کی آمد میں صرف اتنے ہی دن باقی رہے ہیں جن میں بمشکل گذشتہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضاء ہو سکے تو فی الفور قضاء واجب ہوگی۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ فی الفور قضاء کرنا واجب ہے یہ اس وقت کہ جب رمضان کا روزہ بغیر کسی عذر شرعی کے توڑا ہو، جس شخص کے ذمہ رمضان کی قضاء ہو اس کے لئے نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قضاء نہ کی حتیٰ کہ دوسرا رمضان آگیا؟......اگر گزشتہ رمضان کی قضاء نہیں کرسکا کہ اوپر سے دوسرا رمضان آگیا تو جمہور کے نزدیک آنے والے رمضان کے بعد قضاء اور کفارہ (یعنی فدیہ) اس پر واجب ہوں گے جبکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس پر فدیہ نہیں برابر ہے کہ قضاء میں تاخیر کسی عذر کی وجہ سے کی ہو یا بغیر کسی عذر کے۔ شافعیہ کے نزدیک جتنے سال گزریں گے اسی حساب سے فدیہ بھی دینا پڑے گا۔

---

❶ رخصت، تشدید کے خلاف ہے، یہاں ایسا عذر مراد ہے جس کا شریعت میں اعتبار ہو۔ رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ وابن خزیمۃ فی صحیحہ والبیہقی من حدیث ابی ہریرۃ۔ ❷ حنفیہ کے نزدیک قضاء ہے۔

قضاء ممنوعہ ایام میں...... اگر ممنوعہ ایام میں قضاء کے روزے رکھے جیسے عید اور تشریق کے ایام تو یہ قضاء کافی نہیں ہوگی، اسی طرح نذر کے وقت میں بھی قضاء رکھی تو کافی نہیں ہوگی جیسے ذی الحجہ کے ابتدائی ایام، اسی طرح موجودہ رمضان میں گذشتہ رمضان کی قضاء کی نیت کر لی تو یہ قضاء کافی نہیں ہوگی چونکہ رمضان کے روزے اداء کے لئے متعین ہیں لہٰذا رمضان میں کوئی دوسرا روزہ قبول نہیں ہوگا، البتہ شک کے دن قضاء کی نیت کر لی تو وہ کافی ہوگی چونکہ شک کے دن نفل کی نیت سے روزہ رکھنا صحیح ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

روزہ کی قضاء عدد کے اعتبار سے ہوگی یعنی جب رمضان کا مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو اسی حساب سے ۲۹ دن قضاء کے روزے رکھے۔ ❶

کیا قضاء کے روزے لگاتار رکھے...... اکثر فقہاء نے اتفاق کیا ہے کہ قضاء کے روزے پے در پے (لگاتار) رکھنا مستحب ہے، البتہ پے در پے رکھنا اور فی الفور رمضان کی قضاء کرنا شرط نہیں، اگر چاہے الگ الگ رکھے چاہے تو اکھٹے لگاتار ہی رکھے، چونکہ نص قرآنی جو موجب قضاء ہے وہ مطلق ہے۔ ❷

اگر ایسی صورت پیش آئی کہ قضاء نہیں کر سکا حتیٰ کہ شعبان کا مہینہ آ گیا اور اس کے صرف اتنے ہی دن باقی رہے جن میں گذشتہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضاء بمشکل ہو سکتی ہے تو اس صورت میں لگاتار روزے رکھنا واجب ہے ورنہ دوسرا رمضان آ جائے گا یہ ایسا ہی ہے جیسے رمضان کے روزوں کی اداء اس شخص کے حق میں جسے کوئی عذر نہ ہو۔ ❸

پے در پے روزے رکھنا واجب نہیں اس پر دلیل یہ آیت ہے۔ "**فعدۃ من ایام اخر**" یعنی شمار کرنا ہے دوسرے دنوں کو لہٰذا اس آیت کی رو سے جتنے روزے فوت ہوئے ان کی گنتی پوری کرنا دوسرے ایام میں واجب ہے اور تتابع (پے در پے رکھنا) کا وجوب نہیں ہے۔

ظاہریہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ...... ظاہریہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے شرط عائد کی ہے کہ رمضان کی قضاء کے روزے لگاتار رکھے جائیں ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

"**نزلت ...... فعدۃ من ایام آخر متتابعات**"

یعنی آیت جب نازل ہوئی تو اس میں متتابعات کی قید تھی جو ساقط ہوگئی۔

کیا میت کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ سکتا ہے...... جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ رمضان کے کچھ روزے ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت...... یہ کہ اسے روزے رکھنے کا موقع ہی نہیں ملا یا تو وقت تنگ تھا ❹ یا مرض کے عذر میں مبتلا تھا یا سفر پر تھا ❺ یا روزے رکھنے سے عاجز رہا تو ان تمام صورتوں میں اکثر علماء کے نزدیک میت پر کچھ نہیں چونکہ اس نے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اس پر گناہ بھی نہیں، چونکہ روزہ فرض تھا موت تک اسے رکھنے کی دسترس ہی نہیں ملی، لہٰذا اس کا حکم ساقط ہو جائے گا اور اس کا کوئی متبادل بھی نہیں ہوگا جیسے حج۔

اسی تمہید پر ان مسائل کی بنا بھی ہے کہ اگر مریض یا مسافر اپنی حالت (یعنی مرض اور سفر) ہی میں مر گئے تو انہیں قضاء لازم نہیں ہوگی۔

دوسری صورت...... یہ کہ اسے اتنا موقع ملے کہ اس میں روزہ رکھنا اس کے لئے ممکن تھا تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس کے ولی پر اس کی طرف سے روزے رکھنا واجب نہیں، حتیٰ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جدید قول کے مطابق اس کی طرف سے ولی کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، چونکہ

---

❶ ...... جس مہینے میں وہ قضاء کے روزے رکھ رہا ہے اگر چہ وہ ۳۰ دن ہو جبکہ رمضان ۲۹ دن کا تھا تو یہ بھی ۲۹ دن قضاء کے روزے رکھے۔ ❷ یعنی جس شخص کو کوئی عذر نہ ہو اسے رمضان کے روزوں کی اداء واجب ہے اسی طرح یہاں قضاء میں بھی ہوگا۔ ❸ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدیر ۸۱/۲ اللباب ۱۷۱/۱ مراقی الفلاح ص ۱۱۶ ہدایۃ المجتہد ۲۷۹/۱۔ ❹ مثلاً عذر زائل ہونے کے بعد چند دن رہا اور مر گیا جبکہ اس نے پورے مہینے کی قضاء کرنی تھی۔ ❺ دوران سفر ہی مر گیا۔

روزہ محض بدنی عبادت ہے جو اصول شرع سے واجب ہوتی ہے لہٰذا زندگی میں اور موت کے بعد اس میں نیابت نہیں چلتی، جیسے نماز میں نیابت نہیں چلتی نیز حدیث ہے کہ ”کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے البتہ ہر دن کے بدلہ میں اس کی طرف سے ایک مد گندم کھلائی جائے۔ (۱)

البتہ حنابلہ کی نزدیک مستحب ہے کہ ولی میت کی طرف سے روزے رکھ لے، چونکہ یہی صورت میت کے بری الذمہ ہونے کے لئے احوط ہے۔

کیا میت کے ترکہ سے کھانا کھلانا واجب ہے؟:

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اگر میت نے اپنی طرف سے کھانا کھانے کی وصیت کی ہو تو اس کا ولی ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو نصف (۲) صاع کھجوریں یا جو کھلائے چونکہ میت اپنی آخری عمر میں روزے رکھنے سے عاجز آ گیا لہٰذا شیخ فانی کے حکم میں ہو گیا، لہٰذا اس کے لئے وصیت کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

شافعیہ کا جدید قول اور حنابلہ کا راجح قول یہ ہے کہ میت کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں ایک مد کھانا کھلایا جائے، ان کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے، نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ ”جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہوں اس کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔“ (۳)

جبکہ اصحاب حدیث، محدثین شافعیہ کی ایک جماعت، ابو ثور، اوزاعی اور ظاہریہ وغیرہم کی رائے ہے کہ میت کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے، یہ تب ہے کہ جب میت کے ذمہ رمضان یا نذر کے روزے ہوں۔

راجح قول کے مطابق ہر قریب کا رشتہ دار میت کا ولی ہے ان لوگوں کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث ہے۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔“

جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، لیث، ابو عبید اور ابو ثور نے اس حدیث کو نذر کے روزے کے ساتھ مقید کیا ہے۔

دوسرا مقصد.....کفارہ

کفارہ کے متعلق پانچ جہات سے کلام ہوگا، موجب کفارہ، حکم، دلیل، انواع اور تعدد۔

کفارہ کا موجب......رمضان کے روزے کو فاسد کرنا کفارے کا موجب ہے جبکہ رمضان کا روزہ جان بوجھ کر اور قصداً فاسد کیا ہو، چونکہ بغیر کسی عذر مبیح کے رمضان کی حرمت پامال کی جاتی ہے۔ جمہور کے نزدیک جو شخص رمضان کی قضاء کا کوئی روزہ فاسد کر دے تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا ناسی (بھول جانے والا) اور مکرہ (زبردستی کیا ہوا) پر کفارہ نہیں ہے، بوسہ لینے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا، حائضہ عورت نفاس والی عورت، مجنون اور بے ہوش پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، چونکہ حیض اور پاگل پن روزہ دار کا فعل نہیں ہوتا، مریض اور مسافر پر بھی کفارہ نہیں بھوک اور پیاس کے ستائے ہوئے پر بھی کفارہ نہیں، حاملہ عورت پر بھی کفارہ نہیں چونکہ یہ لوگ عذر کی وجہ سے روزہ توڑتے ہیں۔ مرتد پر بھی کفارہ نہیں

---

(۱)......قال الحافظ الزیلعی : غریب مرفوعاً وروی موقوفاً عن ابن عباس وابن عمر فی حدیث الاول رواہ النسائی والثانی رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ۔(نصب الرایۃ ۲/۴۶۳) حدیث میں مد کا لفظ آیا ہے مد ایک پیمانہ ہے جو ایک رطل اور تہائی رطل کے برابر ہوتا ہے جو کہ ۶۷۵ گرام کے برابر ہوتا ہے، مفتی بہ یہی ہے کہ بدنی عبادت میں نیابت نہیں چلتی۔ (۲) نصف صاع موجودہ اوزان کے اعتبار سے ایک کلوگرام اور ۷۶۹ گرام کا ہوتا ہے۔ جبکہ ایک صاع ۳ کلوگرام اور ۵۳۸ کا ہوتا ہے۔ (۳) رواہ بن ماجہ۔

چونکہ اس نے حرمت اسلام کی ہتک کی ہے خصوصیت کے ساتھ حرمت رمضان کی ہتک نہیں کی، کفارہ کے حالات موجبہ کی تفصیل بیان مذاہب میں ہو چکی ہے۔

جماع سے بالاتفاق کفارہ واجب ہو جاتا ہے جبکہ جان بوجھ کر کھانے پینے سے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہوتا ہے۔ (۱)

کفارہ کا حکم...... کفارہ کا حکم یہ ہے کہ کفارہ صرف رمضان کا روزہ توڑنے سے واجب ہوتا ہے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اُس کے علاوہ کسی اور روزے سے واجب نہیں ہوتا، چونکہ رمضان کی حرمت پامال کرنے پہ کفارہ لاگو ہوتا ہے، یعنی رمضان کی حرمت کی چنداں پرواہ نہیں کرتا اور جان بوجھ کر اپنے اختیار سے ہتک حرمت کرتا ہے، اور کوئی قریب کی تاویل بھی نہیں ہو سکتی (مالکیہ کی تعبیر کی رو سے تاکہ ناسی جاہل، متاول سے احتراز ہو چونکہ ان لوگوں پر کفارہ نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا) روزے کا فساد جماع کی وجہ سے ہو یا فساد کھانے پینے سے ہو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک۔

شافعیہ نے یہ کفارہ واجب کرنے کی یہ شرط عائد کی ہے کہ جماع کرنے والے کو روزہ یاد ہو اور بحالت روزہ جماع کی حرمت سے واقف ہو، سفر اور مرض کی اسے رخصت نہ ہو۔

لہٰذا جس شخص نے بھولے سے جماع کر لیا یا اس نے جماع کیا پر وہ اس کی حرمت سے ناواقف تھا یا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ فاسد کر دیا یا جماع کے علاوہ کسی اور طرح سے جان بوجھ کر روزہ فاسد کر دیا یا وہ مسافر تھا اور ان سبھی صورتوں میں کفارہ نہیں ہوگا۔ صرف قضاء ہوگی۔ (۲)

کفارہ واجب کرنے پر دلیل...... کفارہ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلیل ہے کہ ”ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی! یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا، فرمایا! بھلا تجھے کس چیز نے ہلاک کر دیا؟ عرض کی: میں رمضان میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر بیٹھا، فرمایا: تمہارے پاس آزاد کرنے کے لئے کوئی غلام (یا باندی) ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا: کیا دو ماہ لگاتار روزے رکھنے کی طاقت رکھتے ہو؟ عرض کی نہیں، فرمایا: کیا تمہارے پاس اتنا کھانا ہے کہ ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھلا سکو؟ عرض کی نہیں۔

راوی کہتا ہے: وہ شخص وہیں بیٹھ گیا، اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا، ٹوکرے میں کھجوریں تھیں، آپ نے فرمایا: یہ کھجوریں لے جاؤ اور صدقہ کرو، عرض کی: کیا ایسے شخص پر صدقہ کروں جو ہم سے زیادہ فقیر ہو، ان دو پہاڑیوں کے درمیان کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو ہم سے زیادہ محتاج ہو؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دانت مبارک دکھائی دینے لگے، فرمایا: جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ (۳)

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام آزاد کرو، عرض کی: میرے پاس غلام نہیں ہے، فرمایا: لگاتار دو ماہ کے روزے رکھو؟ عرض کی: مجھ میں اس کی طاقت نہیں۔ فرمایا: ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

ابن ماجہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھو۔

---

(۱) یعنی جماع بالاتفاق موجب کفارہ ہے جبکہ جان بوجھ کر کھانا پینا مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک موجب کفارہ ہے۔ (۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الدر المختار ۱۵۰/۲ البدائع ۸۹/۲ بدایۃ المجتھد ۲۸۹/۱ مغنی المحتاج ۴۴۴/۱ المغنی ۱۲۵/۳۔ (۳) رواہ الجماعۃ عن ابی ھریرۃ شوکانی کہتے ہیں اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص تنگدست ہو اس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے، یہی شافعیہ کا ایک قول ہے اور مالکیہ میں سے عیسیٰ بن دینار نے اس پر جزم کیا ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک تنگدست سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا، اس حدیث میں بھی اس امر پھر استدلال نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس حدیث سے تو کفارہ ادا کرنے کی تاکید ثابت ہوتی ہے، رہی یہ بات کہ گھر والوں پر صرف کیا تو یہ اس کی خصوصیت تھی۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ کفارہ میں ترتیب ضروری ہے۔ دار قطنی کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اس واقعہ میں عورت سے زبردستی کی گئی تھی۔

فاسد روزے کی قضاء..... کفارہ کے ساتھ ساتھ اس دن کے روزے کی قضاء بھی واجب ہوگی، بیوی پر قضاء واجب ہوگی گو اس پر کفارہ واجب نہ ہو۔

اقسام کفارہ

کفارہ کی تین انواع ہیں:

۱..... غلام آزاد کرنا ۲..... روزے رکھنا ۳..... کھانا کھلانا۔

جیسا کہ ظہار اور قتل خطا کا کفارہ ہوتا ہے، جمہور کے نزدیک ترتیب میں وہی ظہار کا کفارہ ہے۔

چنانچہ اگر گردن (غلام) آزاد کرنے سے عاجز ہو تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے، اگر روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

مالکیہ کے نزدیک کھانا کھلانا اچھی خصلت ہے نیز مالکیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے اور اس کی ادائیگی میں اختیار ہے، ترتیب ضروری نہیں۔ ❶

علامہ شوکانی کی رائے..... علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ کفارے کی تین صورتوں میں سے کسی صورت پر بھی عمل کر دیا کفارہ کافی ہوگا۔

جبکہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ کی اقسام ثلاثہ میں ترتیب ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے..... علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کفارے کی اقسام ثلاثہ کو "فاء" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور "فاء" ترتیب کے لئے آتا ہے لہٰذا کفارہ کی اقسام میں ترتیب ہے۔

علامہ شوکانی نے مزید کہا ہے کہ احادیث میں بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جو ترتیب اور تخییر دونوں پر دلالت کرتی ہے، البتہ ترتیب کے راویوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ❷

لہٰذا مالکیہ کی دلیل دوسری روایات پر عمل کرنا ہے جس میں تخییر کا بیان ہے۔

خلاصہ..... جمہور کے نزدیک کفارہ میں ترتیب ہے، جبکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ کفارہ تین صورتوں میں واجب ہے اور ان میں اختیار ہے یا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور یہ افضل ہے، یا دو ماہ کے روزے رکھے جائیں یا غلام آزاد کیا جائے۔

گردن آزاد کرنا..... جمہور کے نزدیک مومن غلام (یا باندی) آزاد کیا جائے گا جبکہ حنفیہ کے نزدیک مطلق غلام آزاد کیا جائے خواہ مومن ہو یا کافر۔

بہرحال ایسا غلام آزاد کیا جائے جو ہر طرح کے عیب سے پاک ہو مثلاً پکڑنے کی قوت، چلنے کی قوت، کلام کرنے، دیکھنے کی قوت اور عقل فوت نہ ہو۔

---

❶..... یعنی جس شخص پر کفارہ واجب ہو وہ اقسام ثلاثہ میں سے جون سی صورت چاہے ادا کرے جبکہ جمہور کے نزدیک ہے پہلے تو غلام آزاد کرنا ضروری ہے اگر وہ دستیاب نہ ہو تو دو ماہ کے روزے رکھے اگر اس کی طاقت نہیں ہو تو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ❷ نیل الاوطار ۲۱۵/۴۔

جمہور نے روزے کے کفارہ کو قتل خطا کے کفارہ پر قیاس کر کے مومن ہونے کی شرط لگائی ہے، جبکہ حنفیہ کا کہنا ہے کہ کفارہ میں اگر غیر مومن غلام آزاد کر دیا تب بھی کافی ہوگا چونکہ حدیث میں مومن کی قید نہیں ہے۔ ❶

دو ماہ کے روزے...... یعنی جب گردن آزاد (غلام آزاد) کرنے سے عاجز ہو ❷ تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے، بایں طور کہ دو ماہ کے روزوں میں یوم عید اور ایام تشریق نہ ہوں، اگر کوئی شخص غلام آزاد کرنے پر قدرت رکھتا ہو اس کے لئے روزے رکھنا کافی نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر روزوں کے درمیان میں اگرچہ آخری روزے سے پہلے غلام آزاد کرنے پر قادر ہو گیا تو حنفیہ کے نزدیک اب کفارہ صرف اور صرف غلام آزاد کرنے سے ادا ہوگا جبکہ جمہور کے نزدیک کفارہ روزوں سے آزادی غلام کی طرف منتقل نہیں ہوگا ہاں البتہ کوئی شخص خود ہی اس موقع پر غلام آزاد کر دے تو کافی ہوگا کفارہ تو روزوں کی شکل میں ادا ہوگا اور غلام آزاد کرنا اس کی طرف سے مستحب عمل ہوگا۔

اگر دو ماہ کے روزوں کے دوران کسی دن روزہ نہ رکھا (یا رکھا تھا توڑ دیا) تو ازسرنو روزے رکھے گا، البتہ حیض کا عذر اس سے مستثنیٰ ہے۔

مالکیہ...... مالکیہ کے نزدیک اگر جان بوجھ کر روزہ افطار کر دیا تو ازسرنو رکھے گا ورنہ نہیں اگر بھول کر روزہ توڑ دیا یا کسی عذر کی وجہ سے توڑا یا گنتی میں مغالطہ پیش آنے کی وجہ سے روزہ نہ رکھا (جبکہ ابھی ۶۰ کی گنتی پوری نہ ہوئی ہو) تو اس صورت میں ازسرنو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں جو رکھے وہ معتبر ہیں بقیہ رکھے۔

شافعیہ...... شافعیہ کہتے ہیں اگر ایک دن کا روزہ فاسد کر دیا گو آخری روزہ فاسد کیا ہو برابر ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے کیا ہو جیسے سفر، مرض، بچے کو دودھ پلانے کا عذر یا نیت بھول گیا بغیر کسی عذر کے روزہ توڑا دو ماہ کے روزے ازسرنو رکھے گا۔

البتہ اگر حیض، نفاس، جنون، بے ہوشی جو مستغرق ہو کی وجہ سے روزہ فاسد کیا تو اس سے کفارہ کا نقصان نہیں ہوگا چونکہ یہ حالات روزے کے منافی ہیں۔

حنابلہ...... حنابلہ کہتے ہیں کہ مرض یا حیض کی وجہ سے روزہ توڑا (فاسد کیا) تو اس سے تتابع (پے در پے رکھنا) میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

کھانا کھلانا...... اگر دو ماہ روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔

جمہور کے نزدیک کھانے کی مقدار...... جمہور کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے بقدر گندم کا ایک مد یا نصف صاع کھجوریں یا جو ہر مسکین کو کھلایا جائے۔

حنفیہ...... حنفیہ کے نزدیک دو مد غلہ دینا پڑے گا، یا تو مسکین کو غلہ ہی دے دیا جائے یا صبح اور شام کا کھانا پیٹ بھر کر کھلایا جائے، یا صبح کے دو کھانے کھلائے جائیں یا شام کے دو کھانے (ایک کھانا پہلے دن اور ایک دوسرے دن) یا شام اور سحری کا کھانا کھلایا جائے۔ یا تو دو مد کھانا یا نصف صاع یہ مقدار (یعنی مد اور صاع) گندم سے ہو یا آٹے سے ہو یا ستو سے ہو یا ہر فقیر کو ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو یا کشمش دی جائے یا نصف صاع گندم کی قیمت یا گندم کے علاوہ بقیہ چیزوں سے ایک صاع کی قیمت دے دی جائے اگر متفرق اوقات میں قیمت دی تو بھی کفارہ ادا ہو جائے گا چونکہ قیمت دینے سے واجب حاصل ہو جاتا ہے۔

---

❶ ...... ہدایہ میں تخییر کفارہ کی نسبت امام شافعی کی طرف بھی کی گئی ہے جبکہ یہاں صرف مالکیہ کی طرف نسبت ہے لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ امام شافعی کی دو روایتیں ہیں البتہ جمہور کے نزدیک مومن کی شرط ہے حنفیہ کہتے ہیں حدیث مطلق ہے اس میں مومن ہونے کی شرط نہیں، نیز اگر یہ قید ملحوظ ہوتی تو آیت ہی میں اس کی قید ضرور ہوتی لہٰذا شارع نے جس حکم کو مطلق چھوڑا ہے اسے اپنے اطلاق پر رہنے دیا جائے گا۔ ❷ جیسے ہمارے زمانہ میں غلام دستیاب نہیں ہے۔

کیا فقیر کفارہ اپنے اہل وعیال کو کھلا سکتا ہے؟......کفارے کا غلہ فقیر شخص اپنے اہل وعیال کو نہیں کھلا سکتا جیسے زکوٰۃ اور دیگر کفارات کا غلہ (کھانا یا قیمت وغیرہ) اپنے اہل وعیال کو نہیں کھلا سکتا۔ ❶

حدیث کا جواب......رہی یہ بات کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو فرمایا تھا۔ ''جاؤ اپنے اہل خانہ کو کھلا دو۔'' تو یہ اس صحابی کی خصوصیت تھی یا مکفر عنہ سے تطوعاً کفارہ اس سے پھیر دیا تھا۔ ❷

شافعیہ کے نزدیک عدول......شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اگر کفارہ دینے والے کو روزے رکھنے میں دشواری ہو اور ہیجان شہوت کا خوف ہو ❸ چونکہ بسا اوقات روزے کی حرارت اور ہیجان شہوت کی شدت کی وجہ سے آدمی جماع کر بیٹھتا ہے، اگرچہ دو ماہ میں ایک ہی دن جماع کی نوبت پیش آئے تو وہ روزے رکھنے کی بجائے کھانا کھلا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر ساٹھ دنوں میں ایک ہی دن جماع کر بیٹھا تو روزے از سر نو رکھنے پڑیں گے چونکہ تتابع باطل ہو گیا اور اس میں شدید حرج لاحق ہونے کا خدشہ ہے (جبکہ حرج مرفوع ہے)

ادائے کفارہ کی نیت......شافعیہ کی رائے کے مطابق کفارہ ادا کرتے وقت نیت شرط ہے، یعنی غلام آزاد کرتے وقت یا روزے رکھتے وقت یا کھانا کھلاتے وقت یہ نیت کرنا شرط ہے یہ کفارہ کا ہے۔

چونکہ کفارہ ادا کرنا مالی یا بدنی حق ہے جو پاکی حاصل کرنے کے لئے واجب ہوا ہو جیسے زکوٰۃ اور روزہ لہٰذا اس کے صحیح ہونے کے لئے نیت شرط ہے۔

تعدد کفارہ......اگر جماع میں تکرار ہوا ❹ یا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کھانے پینے سے روزہ توڑنے میں تکرار ہوا، جبکہ پہلی بار کا کفارہ ادا نہیں کیا تھا (یعنی پہلے جماع کا کفارہ ادا نہ کیا) کہ دوسری مرتبہ جماع کر دیا خواہ ایک ہی دن میں دو مرتبہ جماع کیا یا دو دن جماع کیا۔

''ا''......اگر ایک دن میں صرف ایک مرتبہ جماع کیا تو بالاتفاق ایک کفارہ کافی ہوگا۔

''ب''......اگر دو دنوں میں دو مرتبہ جماع کیا ❺ یا رمضان میں اکثر دن جماع کرتا رہا تو اس پر جمہور کے نزدیک جتنی مرتبہ جماع کیا اسی حساب سے کفارہ ہوگا یعنی دو مرتبہ جماع کرنے پر دو کفارات، زیادہ مرتبہ جماع کرنے پر کفارات بھی زیادہ ہوں گے، چونکہ رمضان کا ہر دن منفرد عبادت ہے لہٰذا جب فساد سے کفارہ واجب ہوگا تو اس میں تداخل نہیں ہوگا ❻ جیسے دو رمضانوں یا دو حجوں میں جماع کریں تو اس سے دو کفارے لازم ہوں گے۔

حنفیہ......حنفیہ کے نزدیک اگر متعدد مرتبہ جماع کیا یا متعدد مرتبہ جان بوجھ کر کھا پی لیا تو ایک ہی کفارہ کافی ہوگا، بشرطیکہ کفارہ دینے کے بعد جماع یا جان بوجھ کر کھائے پئے نہیں۔ ❼

صحیح قول کے مطابق اگرچہ دو رمضانوں میں ہی ایسا ہو تب بھی ایک ہی کفارہ کافی ہوگا اگر درمیان میں کفارہ ادا کر دیا تو ظاہر الروایۃ میں

---

❶......ایک صاع = ۳٫۲۸۵ کلوگرام، نصف صاع گندم = ۲٫۱۵ ۲ کلوگرام جبکہ ایک صاع = ۴ مد، ایک مد = ۵۵۳٫۵۷ گرام اور دو مد = ۱٫۱۰۷ کلوگرام۔ تفصیل کے لئے دیکھئے احسن الفتاویٰ ج ۴ / ۳۸۵، وجواھر الفقہ ج ۱ / ۴۰۵۔ ❷ بعض روایات میں ہے کہ تمہارے بعد یہ کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا اس سے خصوصیت ہی معلوم ہوتی ہے دیکھئے البدائع۔ ❸ یعنی ایک ماہ کے روزوں میں ضبط نہیں ہو سکا اور جماع کر بیٹھا دو ماہ کے روزے تو اور بھی مشکل ہوں گے۔ ❹ یعنی ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار کر دیا۔ ❺ یعنی ایک جماع پہلے دن کیا ایک دوسرے دن۔ ❻ تداخل یعنی متعدد مرتبہ جماع کیا اور کفارہ ایک ہی ہو اور ایک جماع کا کفارہ دوسرے جماع کے کفارہ میں داخل ہو جائے گا۔ ❼ اگر جماع کیا پھر کفارہ دیا اور پھر کفارہ دینے کے بعد جماع کیا یا جان بوجھ کر کھا پی لیا تو دوبارہ کفارہ دینا پڑے گا۔

ایک کفارہ کافی نہیں ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ کفارہ جنایت (ظلم وزیادتی) کی سزا ہے جس کے سبب میں ادائیگی سے پہلے تکرار ہوا ہے اور اس سے مقصود زجر اور ڈانٹ پلانا ہے، لہٰذا اس میں تداخل واجب ہوا جیسے حد میں تداخل ہو جاتا ہے، ❶ اور اس سے زجر کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

کفارہ دینے کے بعد پھر اگر جنایت کی تو اس صورت میں دوسرا کفارہ لازم ہوگا چونکہ زجر کا مقصد حاصل نہیں ہوا چونکہ اس نے حرمت رمضان پھر نئے سرے سے پامال کی۔

جو شخص کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو کفارہ اس کے ذمہ میں بدستور واجب رہے گا (ساقط نہیں ہوا)، کفارہ دیتے وقت اس کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا لہٰذا کفارہ کی جس صورت پر قادر ہو وہی بجالائے۔

عمداً افطار کے بعد عذر کا پیش آنا......اگر جماع کے بعد یا (حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک) عمداً کھانے پینے کے بعد سفر یا مرض کا عذر پیش آ گیا تو شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک کفارہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ عذر ایک علت ہے جو وجود کفارہ کے بعد پیش آئی ہے لہٰذا کفارہ ساقط نہیں ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ حنابلہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک سفر اگر دن کے وقت (مثلاً ۱۲ بجے) پیش آئے تو روزہ توڑنا جائز نہیں ہوتا، لہٰذا جو امر کفارہ واجب ہوا ہے اس میں عذر موثر نہیں ہوگا۔

نیز مرض روزہ رکھنے کے منافی نہیں ہے، لہٰذا ہتک حرمت متحقق ہوگی۔

حنفیہ......حنفیہ کہتے ہیں جس دن روزہ دار نے روزہ فاسد کیا اور اس پر کفارہ واجب ہوا اور پھر اسی دن اسے حیض، نفاس یا مرض کا عذر پیش آیا تو کفارہ ساقط ہو جائے گا، چونکہ کفارہ کے ثابت یا ساقط ہونے کے اعتبار سے دن میں جز بندی نہیں ہوتی ❷ لہٰذا اس کے حق میں کفارے کا ثبوت شبہ کا شکار ہو گیا چونکہ دن کے آخری حصہ میں اسے عذر پیش آ گیا ہے۔

البتہ اگر کسی شخص کو سفر پر زبردستی (اکراہاً) لایا گیا یا کسی نے اپنے اختیار سے سفر کیا تو بہرحال اس کے ذمہ سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا، جب اسے کفارہ لازم ہوا ہو، یہی ظاہر الروایہ میں ہے۔

فرق......دونوں صورتوں میں فرق ❸ یہ ہے کہ سفر کی صورت میں مکرہ علیہ (مجبور کیا ہوا) کو عذر صاحب حق (خدا تعالیٰ) کی طرف سے پیش نہیں آیا (اسی طرح جو اپنے اختیار سے سفر کرے اسے بھی عذر رب تعالیٰ کی طرف سے پیش نہیں آتا)۔ جبکہ سفر کے علاوہ حیض نفاس اور مرض کی صورت میں کفارہ کے عدم استحقاق میں شبہ پختہ ہو گیا چونکہ دن کے پچھلے حصہ میں عذر پیش آ گیا، چنانچہ کفارہ صوم مستحق میں واجب ہوتا ہے اور اس میں ثبوت اور سقوط کے اعتبار سے جزء بندی نہیں ہوتی۔

تیسرا مقصد......فدیہ کا بیان

فدیہ کے متعلق تین چیزوں میں کلام ہوگا فدیہ کا حکم، سبب اور سالوں کے تکرار سے فدیہ میں تکرار۔

حکم......فدیہ کا حکم یہ ہے کہ فدیہ واجب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ......البقرة ۲/ ۱۸۴

---

❶......جیسے کسی غیر شادی شدہ نے دو مرتبہ زنا کر لیا اور اس پر دونوں مرتبہ کے گواہ قائم ہو گئے یا دونوں مرتبہ کا اعتراف کر دیا تو اس پر ایک ہی حد جاری ہوگی یعنی صرف ایک مرتبہ سو کوڑے مارے جائیں گے۔ ❷ یوں کہا جائے کہ دن کے پہلے جزء میں کفارہ واجب تھا اور اسی دن کے پچھلے جزء میں عذر کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ❸ یوں کہا جائے کہ دن کے پہلے جزء میں کفارہ واجب تھا اور اسی دن کے پچھلے جزء میں عذر کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں۔

یعنی جن لوگوں کو روزہ رکھنے میں مشقت شدیدہ کا سامنا کرنا پڑے ان پر فدیہ واجب ہے۔

فدیہ کی مقدار میں تھوڑا اختلاف ہے۔

حنفیہ......یہ فدیہ حنفیہ کے نزدیک نصف صاع گندم یا اس کی قیمت دینا ہے لیکن شرط یہ ہے۔ ❶

بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تا موت روزہ رکھنے سے عاجز ہوں۔ ❷

جمہور......جمہور کے نزدیک شہر میں جو غلہ غالب امکان میں چلتا ہو اس کا ایک مد دینا واجب ہے، یعنی جتنے دنوں کے روزے فوت ہوئے انہی کی بقدر مد کے حساب سے اتنا ہی غلہ دینا واجب ہے۔

فدیہ کا مصرف......فدیہ، نذر، کفارات اور صدقات واجبہ کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ (جو کتاب الزکوٰۃ میں انشاء اللہ بیان ہوں گے)

فدیہ کا سبب......فدیہ کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

ا......روزہ رکھنے سے عاجز ہو جانا فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جو شخص کسی حال میں بھی روزہ رکھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور وہ بوڑھا اور بڑھیا ہی ہو سکتے ہیں تو وہ روزے نہ رکھیں اور ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں یہ تب ہے جب انہیں روزہ رکھنے سے دشواری اور شدید مشقت پیش آتی ہو۔

دلیل آیت کریمہ ہے جو پہلے گذر چکی ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ......البقرۃ ۲/ ۱۸۴

جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر فدیہ واجب ہے جو کہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: یہ آیت شیخ کبیر کی رخصت کے لئے نازل ہوئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ روزہ رکھنا واجب ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ روزہ ساقط ہو اور اس کی جگہ کفارہ دینا پڑے، جیسے روزہ ساقط ہونے پر قضاء ہوتی ہے۔ ❸ شیخ فانی کا ذمہ بھی صحیح ہے، لہٰذا فدیہ واجب ہوگا، اور اگر فدیہ میں کھانا کھلانے سے عاجز ہو تو پھر اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ......البقرۃ ۲/ ۲۸۶

اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف میں نہیں ڈالتا۔

حنفیہ کی تجویز......وہ شیخ فانی جو فدیہ دینے سے بھی عاجز ہو وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے اور کوتاہی پر رب تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے۔

---

❶......یعنی حیض، نفاس یا مرض کی صورت میں کفارہ ساقط ہو جاتا ہے جبکہ سفر کی صورت میں کفارہ ساقط نہیں ہوتا اس میں فرق کیا ہے؟ یہی فرق یہاں کیا جارہا ہے۔ ❷ یہی مفتی بہ قول ہے باتفاق حنفیہ ۲/ ۱ صاع گندم واجب ہے، امام ثوری کہتے ہیں فدیہ کھلایا جائے مقدار بیان نہیں کی چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں اور اس نے قضاء نہ کئے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں نصف صاع ایک مسکین کو کھلایا جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ابو ہریرہ اور سعید بن مسیب کہتے ہیں شیخ کبیر کی طرف سے گندم کا نصف صاع کھلایا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عمر رضی اللہ عنہ پر چھ مسکینوں کا کھانا واجب کیا کہ ہر مسکین کو نصف صاع گندم کھلائی جائے مزید تفصیل کے لئے دیکھئے احکام القرآن للجصاص ۱/ ۲۴۹۔ ❸ نقلی دلیل، عقلی دلیل اور قیاس سبھی دلائل جمع کر دیئے۔

اگر مریض مرجائے......اگر مریض مرجائے اور روزے قضاء کرنے کا اسے موقع ہی نہ ملے تو اس کی طرف سے کھانا کھلانا واجب نہیں ہے چونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ابتداہی میں فدیہ میت پر واجب ہو۔

البتہ اگر مریض کے لئے روزہ رکھنا ممکن ہوا تھا لیکن روزے نہ رکھے حتیٰ کہ مرگیا تو اس کی طرف سے فدیہ دیا جائے گا، چونکہ فدیہ کا وجوب حالت حیات کی طرف منسوب ہوگا۔

۲......بالاتفاق فدیہ اس مریض پر بھی واجب ہے جس کی صحتیابی کی کوئی امید نہ رہی ہو چونکہ اس پر روزہ واجب ہی نہیں رہا (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ......الحج ۲۲/۷۸

اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین کے معاملہ میں کوئی حرج نہیں ڈالا۔

۳......اسی طرح جمہور کے نزدیک (حنفیہ کے علاوہ) حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت پر قضاء کے ساتھ فدیہ بھی واجب ہے بشرطیکہ جب انہیں بچے کا خوف ہو اور روزے نہ رکھے ہوں۔

البتہ اگر انہیں روزے رکھنے سے اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو تو اس صورت میں یہ روزے نہ رکھیں اور بالاتفاق ان پر صرف قضاء واجب ہے۔ جمہور کی دلیل یہ آیت ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ......البقرۃ ۲/ ۱۸۴

لہٰذا آیت کے عموم میں حاملہ اور مرضعہ بھی داخلہ ہیں، لہٰذا انہیں فدیہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”شیخ فانی اور بڑھیا کو رخصت دی گئی ہے اور وہ دونوں روزے رکھ سکتے ہیں پر انہیں افطار کی رخصت دی گئی ہے کہ وہ ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) کو جب اپنے بچوں کا خوف ہو تو وہ بھی روزے نہ رکھیں اور کھانا کھلائیں۔“ ❶

عقلی دلیل یہ ہے کہ پیدائشی اور خلقی اعتبار سے نفس عاجز کی وجہ سے روزہ افطار ہوا ہے لہٰذا کفارہ (فدیہ) واجب ہوگا جیسے شیخ فانی میں فدیہ واجب ہوتا ہے۔

حنفیہ......حنفیہ کے نزدیک حاملہ اور مرضعہ پر مطلقاً کفارہ واجب نہیں، حنفیہ کی دلیل انس بن مالک کعبی کی حدیث ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز کا بار اٹھادیا ہے اور حاملہ اور مرضعہ سے روزوں کا بار اٹھادیا ہے، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے متعلق فرمایا ہے یا دونوں کے متعلق۔“ ❷ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم نہیں دیا۔

حنفیہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ نے عذر کی بناء پر روزے نہیں رکھے لہٰذا کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ جیسے مریضوں پر کفارہ نہیں ہوتا اسی طرح ان پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔ ❸

مصنف کی رائے......میرے نزدیک جمہور کی رائے زیادہ قویٰ اور صحیح ہے چونکہ نص میں یہ مطلوب ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث مطلق ہے اور اس میں کفارہ سے تعرض ہی نہیں کیا گیا۔ ❹

---

❶......رواہ ابوداؤد (نیل الاوطار ۴/ ۲۳۱) ❷ رواہ النسائی والترمذی وقال ھذا حدیث حسن وبقیة الخمسة (احمد وابوداؤد وابن ماجہ) (نیل الاوطار ۴/ ۲۳۰) ❸ یہی اصح اور اقویٰ ہے اس پر فتویٰ ہے۔ ❹ مصنف کی رائے وہ ہے مجھ مترجم شارح کی رائے یہ ہے کہ حاملہ مرضعہ پر کفارہ (فدیہ) نہیں چونکہ قضاء اصل ہے اور فدیہ قضاء کا بدل ہے، آب اور تیمم برخاست جب اصل یعنی قضاء کا قیام ممکن ہوا تو بدل خود بخود باطل ہوجائے گا، نیز آیت ”لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا“ کی رو سے حاملہ اور مرضعہ کو دوسری تکلیف میں کیوں ڈالا جائے۔

۴......جمہور کے نزدیک (حنفیہ کے علاوہ) اس شخص پر بھی قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ واجب ہوگا جو رمضان کی قضاء میں تفریط کا شکار ہوجائے یعنی قضاء کو مؤخر کرتا رہا حتیٰ کہ دوسرا رمضان آ گیا لہٰذا جتنے ایام کے روزے فوت ہوئے ان کے بقدر مزید فدیہ واجب ہوگا۔ جمہور نے اس مسئلہ کو جان بوجھ کر روزہ توڑنے والے پر قیاس کیا ہے [1] چونکہ دونوں روزے کی حرمت کو پامال کرتے ہیں۔

البتہ جس شخص کا عذر بھی مرض، سفر، جنون، حیض یا نفاس رمضان کے متصل ہوجائے حتیٰ کہ اتصال ہی میں دوسرا رمضان آ گیا تو فدیہ تفریط لاگو نہیں ہوگا۔

فدیہ میں تکرار...... مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک فدیہ میں تکرار نہیں ہوگا، یعنی سالہا سال گزر گئے اور فدیہ نہیں دیا تو ایک ہی فدیہ واجب ہوگا اس میں تکرار نہیں ہوگا جیسے حدود میں تداخل ہوجاتا ہے۔

شافعیہ...... شافعیہ کے نزدیک جتنے سال گزریں گے فدیہ میں بھی اسی حساب سے تکرار ہوگا، گویا ان کے نزدیک مالی حقوق میں تکرار نہیں، بدنی حقوق میں تکرار ہے۔

حنفیہ...... حنفیہ کہتے ہیں "دوسرے رمضان تک تاخیر سے فدیہ لازم نہیں ہوتا، چونکہ نص قرآنی مطلق ہے۔

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ......البقرۃ ۲/ ۱۸۴

گویا وجوب کی قضاء تراخی کی بنیاد پر ہے، حتیٰ کہ وہ نفلی روزے رکھ سکتا ہے، تاخیر کی وجہ سے کچھ لازم نہیں ہوگا، البتہ تاخیر کی صورت میں قضاء کرنے میں اولیٰ کو ترک کیا ہے۔

فدیہ، کفارہ اور نذر کا وقت...... فدیہ، کفارہ اور نذر کا وقت پوری عمر ہے البتہ افضل یہ ہے کہ بقدر امکان جلدی کی جائے اور ہوسکے تو رمضان ہی میں فدیہ دے چونکہ رمضان میں زیادہ ثواب ہے جبکہ حنابلہ کی رائے میں نذر اور کفارہ فی الفور واجب ہوتے ہیں چونکہ امر کا یہی تقاضا ہے۔

روزے توڑنے کے باقی لوازم...... روزہ توڑ دینے میں بقیہ دن امساک واجب ہے، اور حرمت رمضان کو پامال کرنے پر سزا ہے، اس پر کلام سابق میں ہوچکا ہے۔

قطع تتابع...... مالکیہ کے نزدیک جو شخص نذر کا روزہ جان بوجھ کر توڑ دے یا ان کفارات کا روزہ توڑ دے جن کے روزے پے در پے رکھے جاتے ہیں جیسے کفارہ قتل کے روزے اور ظہار کے روزے تو اسے ازسرنو روزے رکھنے پڑیں گے البتہ جو شخص بھول کر روزہ توڑ دے یا کسی عذر کی وجہ سے روزہ توڑ دے یا روزوں کی گنتی میں اسے مغالطہ پیش آیا [2] تو اس سے تتابع (پے در پے رکھنا) منقطع نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس نے جتنے روزے رکھے ہوں انہیں بنیاد بنا کر بقیہ رکھ لے، دوسرے مذاہب کی آراء پہلے بیان ہوچکی ہیں۔

قطع نیت...... روزہ فاسد کرنے سے نیت منقطع ہوجاتی ہے یا کسی عذر کی وجہ سے نیت مطلقاً ترک کردی یا بلا عذر نیت ترک کردی، یا روزے کی قطعیت زائل ہوگئی جیسے سفر پیش آیا گو سفر میں روزہ رکھ لے، نیت منقطع ہوجائے گی۔ البتہ سفر پیش آنے کی صورت میں نیت کا استصحاب

---

[1] ...... لہٰذا اگر وہ قضاء اور کفارہ نہیں دے گا اوپر سے دوسرا رمضان آ گیا تو دگنا کفارہ دے گا۔
یہ قیاس مع الفارق ہے چونکہ فریق مخالف مقیس علیہ میں بھی جمہور سے اختلاف کرتا ہے جبکہ مقیس علیہ متفق علیہ ہونا چاہئے۔

[2] ...... مثلاً کفارہ ظہار کے دو ماہ کے روزے رکھنے تھے ایک مہینہ ۲۹ دنوں کا تھا اور دوسرا ۳۰ دنوں کا یوں اس نے ۵۹ دن کے روزے رکھنے تھے لیکن گنتی میں مغالطہ پیش آنے کی وجہ سے اس نے ۵۸ دن کے روزے رکھے۔

(ساتھ رہنا) حکماً منقطع ہوگا، نیت کے متعلق یہ ساری تفاصیل مالکیہ کے نزدیک ہیں چونکہ وہ ماہ رمضان کے شروع میں ایک ہی مرتبہ نیت کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں۔

ملحقات

نذر کے روزے اور نماز کا پورا کرنا (وفا) لازم ہوگا.....حنفیہ کہتے ہیں جب کوئی انسان کسی چیز کی نذر (منت) مانے تو چار (۴) شرائط کے ساتھ اس کا پورا کرنا لازم ہے۔

۱.....یہ کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کی جنس میں سے کوئی چیز واجب ہو، ❶ لہٰذا عیادت مریض، مولود نبوی کا پڑھنا لازم نہیں ہوگا چونکہ ان کی جنس واجب نہیں ہے، انسان اگر اللہ تعالیٰ کے ایجاب کو بنیاد بنا کر کسی چیز کو اپنے اوپر واجب کرے تو یہ جائز ہے چونکہ اس میں اللہ کے کسی حکم کو واجب کرنے کی اتباع ہے بدعت نہیں۔

حنفیہ نے عید کے دن کی نذر ماننے کی اجازت دی ہے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک عید کے دن کا روزہ اپنے وصف کے اعتبار سے حرام ہے اپنی اصل کے اعتبار سے حرام نہیں ❷ چونکہ روزہ رکھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے پہلو تہی لازم آتی ہے ورنہ اصل میں روزہ مشروع ہے۔

۲.....جس عمل (اور عبادت) کی نذر مانی ہے وہ مقصود لذاتہ ہو، مقصود لغیرہ نہ ہو، لہٰذا اگر کسی نے وضو کرنے کی نذر مان لی تو یہ نذر لازم نہیں ہوگی۔ ❸ اور نہ ہی قرأت قرآن کی نذر لازم ہوگی۔

چونکہ وضو مقصود لذاتہ نہیں ہے چونکہ وضو غیر کے لئے بطور شرط مشروع ہے جیسے نماز کے حلال ہونے کے لئے بطور شرط مشروع ہے۔

۳.....یہ کہ جس عمل کی نذر مانی ہے وہ بذات خود واجب نہ ہو، لہٰذا پانچ نمازوں کی نذر مان لی تو یہ نذر صحیح نہیں ہوگی چونکہ واجب کو واجب کرنا محال ہے، حنفیہ کے نزدیک نماز وتر اور سجدہ تلاوت کی نذر بھی صحیح نہیں چونکہ یہ دونوں چیزیں حنفیہ کے نزدیک واجب ہیں اور یہ شارع کے واجب کرنے سے واجب ہیں۔

۴.....جس چیز کی نذر مانی ہے وہ محال نہ ہو جیسے کوئی شخص کہے: مجھ پر اللہ کے لئے گذشتہ کل کا روزہ ہے یا رات کا روزہ ہے، چنانچہ یہ نذر اس پر لازم نہیں ہوگی چونکہ گذشتہ کل کا روزہ رکھنا محال ہے۔

مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں اعتکاف کی نذر ماننا صحیح ہے، غیر فرض نماز کی نذر، روزے کی نذر اور مال صدقہ کرنے کی نذر ماننا بھی صحیح ہے، اسی طرح جانور ذبح کرنے کی نذر مان لی تو یہ بھی صحیح ہوگی چونکہ قربانی جو اس کی جنس ہے اور شریعت میں اس کا وجود ہے اور وہ واجب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مختار قول کے مطابق عیدین اور ایام تشریق کے دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر ماننا صحیح ہے، البتہ روزہ افطار کرنا واجب ہوگا اور پھر اس کی قضاء کی جائے گی، اور اگر کسی شخص نے عید ہی کے دن نذر کا روزہ رکھ لیا تو حرمت کے ساتھ کافی ہوگا۔

نذر کا پورا کرنا واجب ہے.....اگر مطلق نذر مانی جیسے دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مان لی یا کسی شرط کے ساتھ معلق کر کے نذر مانی مثلاً یوں کہا: اگر میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا، پھر شرط پائی گئی تو نذر کا پورا کرنا لازم ہوگا۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶ جیسے نماز، روزہ ان کی جنس نماز اور روزہ واجب بھی ہیں لہٰذا ان کی نذر مانی جا سکتی ہے اس کی صورت یہ ہے جیسے کوئی کہے فلاں شخص صحت یاب ہو گیا میں ۳ روزے رکھوں گا۔ ❷ چونکہ عید کا دن بھی تو عام دنوں جیسا ہے البتہ اس دن کا وصف یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ضیافت کا دن ہے اس وجہ سے روزہ کی حرمت ہوئی ہے۔ ❸ چونکہ وضو نماز، تلاوت وغیرہ کے لئے مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ......الحج ۲۹/۲۲

لوگوں کو اپنی نذریں پوری کرنی چاہئیں۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہئے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمان کی نذر مانی تو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے۔ ❶

نذر میں زمان ومکان کی تعیین لغو ہے:

امام زفر کے علاوہ باتفاق حنفیہ نذر میں زمانہ، جگہ، درہم اور فقیہ کی تعیین لغو ہے، چنانچہ اگر کسی نے شعبان کے روزوں کی نذر مانی تو اس کے بجائے رجب کے روزے رکھ لئے تو کافی ہو جائیں گے اسی طرح کسی بھی شہر میں دو رکعت میں پڑھ لیں کافی ہو جائیں گی خواہ مکہ میں پڑھنے کی نذر مانی ہو یا مسجد نبوی میں یا مسجد اقصیٰ میں، چونکہ نذر کا صحیح ہونا خدا تعالیٰ کی قربت کے اعتبار سے ہے نہ کہ جگہ کے اعتبار سے، چونکہ نماز جمیع بدن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہے، جبکہ اس معنی میں سبھی شہر برابر ہیں، گو ان کی فضیلت میں تفاوت ہو۔ ❷

اسی طرح اگر کسی نے معین درہم کو صدقہ کرنے کی نذر مانی اس کی جگہ کوئی دوسرا درہم بھی صدقہ کرسکتا ہے، اسی طرح زید فقیر کو دینے کی نذر مانی تو عمرو کو بھی دے سکتا ہے، چونکہ صدقہ کا مقصود محتاج کی ضرورت کو پورا کرنا ہوتا ہے، یا رب تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے اور یہ مقصد زمان، ماکان اور شخص کی تعیین کے بغیر بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

اگر نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا یا جیسے کسی نے یوں کہا: "اگر فلاں شخص آ گیا میں فلاں چیز صدقہ کروں گا" وجود شرط سے پہلے اس چیز کے متعلق کچھ نہیں کرسکتا چونکہ جو شے کسی شرط کے ساتھ معلق کی گئی ہو وہ وجود سے پہلے معدوم ہوتی ہے۔ اور وجود سبب جس سے نذر معلق کی ہوتی ہے اس کے بعد اداء جائز ہوتی ہے۔

انشاء اللہ نذر کی بحث میں دوسرے مذاہب کی تفاصیل آیا چاہتی ہیں۔

فصل دوم......اعتکاف

اس میں چھ مباحث ہیں۔

۱.....اعتکاف کی تعریف، اعتکاف کی مشروعیت، اعتکاف کا مقصد، اعتکاف کی جگہ اور اس کا وقت۔

۲.....اعتکاف کا حکم اور وہ چیز جو معتکف پر نذر سے واجب ہوتی ہے۔

۳.....اعتکاف کی شرائط۔

۴.....وہ امور جو معتکف کو لازم ہوتے ہیں، اور وہ جو اس کے لئے جائز ہیں۔

۵.....معتکف کے آداب، مکروہات اعتکاف اور اس کے مبطلات (مفسدات)

❶ .....حضور کی نذر ماننے میں بہت سارے لوگ کوتاہی کا شکار ہو جاتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں یہ جانور فلاں کے نام کا ہے یا فلاں مزار پر دینا ہے فلاں پیر صاحب کے نام کا ہے پھر مزار پر لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے، یہ نذر نہیں بلکہ شرک جہالت اور کفر ہے ایسے ذبیحہ کا کھانا حرام ہے، اور اس طرح کی نذر ماننا بھی حرام ہے صحیح طریقہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے اگر مریض صحت یاب ہو گیا یا اگر فلاں خیریت سے واپس آ گیا تو میں اللہ کے لئے جانور ذبح کروں گا۔ ❷ رواہ البخاری۔

۶.....اعتکاف فاسد ہونے پر اس کا حکم۔

اسی ترتیب کے مطابق میں ابتدا کرتا ہوں۔

پہلی بحث......اس بحث میں مندرجہ ذیل امور پر گفتگو ہوگی۔

اعتکاف کی تعریف، مشروعیت، اعتکاف کا مقصد اعتکاف کی جگہ اور وقت۔

اعتکاف کی تعریف

لغوی تعریف......اعتکاف کا لغوی معنی ٹھہرنا، کسی چیز سے لازم ہو جانا، اور کسی چیز پر مداومت کرنا خواہ وہ چیز خیر ہو یا شر، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَعۡكُفُوۡنَ عَلٰٓى اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ......الاعراف ۷/ ۱۳۸

وہ قوم اپنے بتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی (یعنی بتوں کے ساتھ لازم تھی)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيۡلُ الَّتِىۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ ۝۵۲ الانبیاء ۲۱/ ۵۲

یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کے ساتھ تم چمٹے ہوئے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوۡهُنَّ وَ اَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ ۙ فِى الۡمَسٰجِدِ......البقرۃ ۲/ ۱۸۷)

عورتوں کے ساتھ مباشرت نہ کرو اس حال میں کہ تم مساجد میں اعتکاف کر رہے ہو۔

اعتکاف کی شرعی تعریف......مختلف مذاہب میں اعتکاف کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں جو معنی اور مفہوم میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ......"هواللبث فی المسجد الذی تقام فيه الجماعة مع الصوم ونية الاعتكاف"

یعنی روزے کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت سے ایسی مسجد میں ٹھہرنا جس میں جماعت قائم کی جاتی ہو اعتکاف کہلاتا ہے۔ ❶

"لبث"، یعنی ٹھہرے رہنا (کسی جگہ جمے رہنا) اعتکاف کا رکن ہے، چونکہ ٹھہرنا ہی اعتکاف ہے، اور اعتکاف کا وجود ٹھہرنے ہی سے ہے، نذر کے اعتکاف کے لئے روزہ اور نیت شرط ہے، نیز مرد اعتکاف کے لئے ایسی مسجد میں ٹھہرے جو مسجد جماعت ہو۔

مسجد جماعت......مسجد جماعت وہ ہے جس میں امام اور مؤذن ہوں خواہ اس میں پانچ نمازیں ادا کی جاتی ہوں یا نہیں، عورت اپنے گھر کی مسجد یعنی وہ جگہ جو نماز کے لئے گھر میں متعین ہو اس میں اعتکاف بیٹھے، عورت کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے، عورت کا اعتکاف گھر میں متعین کردہ جگہ کے علاوہ (گھر ہی میں) کسی اور جگہ صحیح نہیں ہے۔ ❷

---

❶......دیکھئے فتح القدیر ۲/ ۱۰۶ الدر المختار ۲/ ۱۷۶ ومراقی الفلاح ص ۱۱۸، اللباب ۱/ ۱۷۴۔ ❷ گھر میں عموماً کوئی نہ کوئی جگہ نماز کے لئے متعین ہوتی ہے اور عموماً عورتوں کی نماز کی جگہ الگ اور مردوں کی الگ ہوتی ہے اگر یہ صورت ہو تو عورتیں اپنی متعین کردہ جگہ میں اعتکاف بیٹھیں اور اگر گھر میں کوئی خاص جگہ متعین نہیں نماز کبھی اس کمرہ میں پڑھ لی جاتی ہے اور کبھی دوسرے میں تو اس صورت میں دیکھا جائے کہ عورت کے لئے زیادہ باپردہ جگہ کون سی ہے وہاں اعتکاف بیٹھے۔

مالکیہ.....''هو لزوم مسلم مميز مسجدًا مباحًا لكل الناس، بصوم، كافًا عن الجماع ومقدماته، يومًا وليلة فاكثر، للعبادة بنية''

یعنی امتیاز برت لینے والے مسلمان کا روزے کے ساتھ ایسی مسجد سے لازم ہوجانا جو بھی لوگوں کے لئے مباح ہو، جماع اور جماع کے مقدمات ولوازم سے رکتے ہوئے ایک دن اور ایک رات یا اس سے زیادہ عبادت کے لئے نیت کے ساتھ لازم ہوجانا اعتکاف کہلاتا ہے۔

اس تعریف کی رو سے کافر کا اعتکاف درست نہیں ہوگا اور نہ ہی ایسے شخص کا اعتکاف درست ہوگا جو امتیاز نہ کرسکتا ہو۔❶ گھریلو مسجد میں بھی اعتکاف صحیح نہیں ہوگا جس میں لوگوں کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے، روزے کے بغیر بھی اعتکاف صحیح نہیں، البتہ روزہ ہونا چاہئے خواہ فرض ہو یا نفل، رمضان کا ہو یا غیر رمضان کا،❷ اعتکاف جماع کرنے سے باطل ہوجاتا ہے اسی طرح جماع کے مقدمات ولوازم (بوس وکنار، لمس وغیرہ) سے بھی اعتکاف باطل ہوجاتا ہے۔ تعریف کی رو سے اعتکاف کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ کی حد نہیں، نیت کے ساتھ عبادت کے قصد سے اعتکاف ہو، چونکہ اعتکاف بھی عبادت ہے اور ہر عبات نیت کی محتاج ہے۔

شافعیہ.....شافعیہ کے نزدیک اعتکاف کی یہ تعریف ہے۔

''هو اللبث في المسجد من شخص مخصوص بنية''

یعنی مخصوص شخص کا نیت کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کہلاتا ہے۔

حنابلہ.....''هو لزوم المسجد لطاعة الله على صفة مخصوصة من مسلم عاقل ولو مميزًا طاهر، مما يوجب غسلًا واقله' ساعة''

عاقل مسلمان (خواہ ممیّز ہو) کا مخصوص صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے مسجد کے ساتھ لازم ہوجانا بایں طور کہ غسل واجب کردینے والی نجاسات سے پاک ہو کم از کم ایک گھڑی کے لئے (ٹھہرنا) اعتکاف کہلاتا ہے۔

اس تعریف کی رو سے کافر، مرتد، مجنون اور بچے کا اعتکاف صحیح نہیں ہوگا چونکہ یہ نیت کرنے کے اہل نہیں، جنبی کا اعتکاف صحیح نہیں۔❸ البتہ بحالت وضو اعتکاف صحیح ہے، اعتکاف کے لئے مسجد کو عبور کردینا کافی نہیں البتہ لحظہ بھر کے لئے اعتکاف کے نیت سے ٹھہر گیا تو وہ معتبر ہوگا۔

مشروعیت کے دلائل.....اعتکاف کی مشروعیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

کتاب سے.....چنانچہ فرنان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ.....البقرۃ ۲/۱۸۷

یعنی تم عورتوں کے ساتھ مباشرت نہ کرو دراں حالیکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ.....البقرۃ ۲/۱۲۵

''یہ کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

پہلی آیت میں اعتکاف کی حالت میں مساجد کے ساتھ نسبت مخصوص کی گئی ہے، جو نیکی کا وسیلہ ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے جماع جو مباح

❶.....جیسے بچہ، مجنون وغیرہ۔ ❷ حنفیہ اور مالکیہ کی نزدیک اعتکاف بغیر روزہ کے صحیح نہیں۔ ❸ جب مسجد کی قید لگائی ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے تو الگ سے ظاہر ہونے کی قید بظاہر لغو ہے، البتہ عورت کے لئے یہ قید معتبر ہوگی۔

ہے ترک کرنا اعتکاف کے قربت (نیکی) ہونے پر دلیل ہے۔

سنت سے...... حضرت ابن عمر، حضرت انس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے تھے، آپ کا یہ عمل مدینہ منورہ تشریف لانے سے وفات تک برابر رہا ہے۔ ❶

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال...... امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لوگوں پر تعجب ہے کیونکہ انہوں نے اعتکاف کو چھوڑ دیا ہے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عمل کرتے بھی تھے اور چھوڑ بھی دیتے تھے، لیکن آپ نے وفات تک اعتکاف نہیں چھوڑا۔

اجماع...... پوری امت کا اعتکاف کی مشروعیت پر اتفاق ہے، نیز اعتکاف پہلی شریعتوں میں بھی مہتم بالشان عمل تھا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ ...... البقرۃ ۲/۱۲۵

ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

اعتکاف کا مقصد...... رب تعالیٰ کے دربار میں حاضر رہ کر اور گوشہ نشینی میں ہمہ وقت اس کی طرف متوجہ رہ کر دل کی صفائی و ستھرائی کرنا اعتکاف کا مقصد ہے، چنانچہ فراغت کے اوقات میں انسان دنیا کے بکھیڑوں سے الگ صرف ایک اللہ کا ہو کر رہ جاتا ہے، معتکف اپنی جان و جسم کو رب تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، اپنی خلوت کو رب کے حضور پیش کرتا ہے، معتکف کو رب تعالیٰ کی بخشش پر بھرپور اعتماد ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کے دروازے پر اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے، اپنے رب کی عبادت کو اپنا شیوہ بنالیتا ہے، اس کا مطمح نظر قربت خداوندی ہوتا ہے تاکہ اس پر رب تعالیٰ کی رحمت نازل ہو گویا معتکف قلعہ بند ہو جاتا ہے پھر اس کا دشمن (یعنی شیطان) اس تک نہیں پہنچ پاتا چونکہ معتکف اللہ تعالیٰ کی سلطنت، اس کی مدد اور اس کی تائید میں ہوتا ہے۔

بلاشبہ اعتکاف افضل اور اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل ہے، بشرطیکہ جب خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، چونکہ معتکف نماز کے انتظار میں رہتا ہے گویا وہ اس معنی میں نمازی کی طرح ہوتا ہے اور نماز حالت قرب ہے۔

چنانچہ جب اعتکاف کے ساتھ روزہ ملالیا جاتا ہے (یعنی حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک) تو مومن اللہ تعالیٰ کے اور زیادہ قریب تر ہوتا جاتا ہے، چونکہ روزہ داروں کے قلوب طہارت اور صفائی کے فیض سے بہرہ مند ہوتے رہتے ہیں۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف افضل ہے تاکہ معتکف لیلۃ القدر کی جستجو میں لگا رہے، چونکہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

اعتکاف کا وقت...... اعتکاف رمضان اور غیر رمضان ہر وقت کیا جاسکتا ہے۔

حنفیہ...... کے نزدیک نفلی اعتکاف کی کم از کم مدت غیر محدود ہے۔ تھوڑی سی مدت بھی ہوسکتی ہے جو نیت کے ساتھ صرف ٹھہر لینے سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، مفتیٰ بہ قول کے مطابق اگر چلتے چلتے بھی نفل اعتکاف کی نیت کر لی وہ بھی صحیح ہے، چونکہ نفلی اعتکاف محض ایک تبرع ہے، نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے، اعتکاف کے لئے ٹھہر جانے کے بعد ہر جزء نیت کے ساتھ عبادت ہے اگرچہ اس کا انضمام دوسرے جزء سے نہ ہو، ظاہر مذہب کے مطابق اگر کسی نے نفلی اعتکاف شروع کیا تو بطلان پر اس کی قضاء لازم نہیں ہوتی، چونکہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے جو نفلی اعتکاف میں معدوم ہے۔ ❷

❶ حديث متفق عليه. ❷ مراقي الفلاح ونور الايضاح ص ۱۱۹.

مالکیہ......مالکیہ کے نزدیک اعتکاف کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے، مختار یہ ہے کہ دس دن سے کم نہ ہو، مطلق روزے کے ساتھ خواہ رمضان کا ہو یا غیر رمضان کا، البتہ جسے روزہ نہ ہو اس کا اعتکاف صحیح نہیں ہے، اگرچہ روزہ کسی عذر کی وجہ سے نہ رکھا ہو، لہٰذا جو شخص روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کا اعتکاف صحیح نہیں۔ ⓫

شافعیہ......شافعیہ کے نزدیک اتنی مدت کے لئے ٹھہرنا شرط ہے جسے اعتکاف کا نام دیا جاسکے، بایں طور کہ اس کا وقت اطمینان کے ساتھ رکوع کرنے کے وقت سے قدرے زیادہ ہو، البتہ اتنے ہی وقت پر اکتفاء کرلینا کافی نہیں اور نہ اس پر سکون واجب ہے بلکہ اس میں تردد کافی ہے۔ ⓬

حنابلہ......حنابلہ کے نزدیک ایک ایک گھڑی بھی اعتکاف ہوسکتا ہے جسے معتکف کہا جاسکے، یا لحظہ بھر کے لئے اعتکاف ہو وہ بھی معتبر ہے۔

چنانچہ جمہور تھوڑی سی مدت بھی اعتکاف کرنے پر متفق ہیں جبکہ مالکیہ ایک دن اور ایک رات کی شرط لگاتے ہیں۔

اعتکاف کی جگہ......اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ......حنفیہ کے نزدیک مرد اور امتیاز کرنے والے شخص کے لئے مسجد جماعت اعتکاف کی جگہ ہے، مسجد جماعت وہ مسجد ہے جس کا امام اور مؤذن ہو، برابر ہے اس میں پانچ نمازیں ہوتی ہوں یا نہ ہوتی ہوں، رہی جامع مسجد کی بات سو اس میں مطلقاً اعتکاف صحیح ہے بالاتفاق۔

دلیل......حنفیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ کہ ''اعتکاف نہیں ہوتا مگر مسجد جماعت میں۔'' عورت کے اعتکاف کی جگہ گھر کی مسجد ہے، گھر کی مسجد سے مراد گھر کی وہ جگہ ہے جسے نماز کے لئے مقرر کرلیا جاتا ہے عورت کے لئے گھر میں ایسی جگہ کا ہونا مستحب ہے اسی طرح ہر ایک کے لئے ایسی جگہ کا گھر میں ہونا بھی مستحب ہے۔ ⓭

حنابلہ......جس شخص پر باجماعت نماز لازم ہو اس کا اعتکاف صرف ایسی مسجد میں جائز ہے جس میں جماعت کا قیام ہوتا ہو، بلا خلاف مسجد کے علاوہ اعتکاف جائز نہیں ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ......البقرۃ ۲/۱۸۷

عورتوں سے مباشرت نہ کرو اس حال میں کہ تم مساجد میں اعتکاف کررہے ہو۔

چنانچہ اعتکاف کرنا مساجد کے علاوہ صحیح ہوتا تو اعتکاف کی حالت میں مباشرت کی تحریم نہ ہوتی، حنابلہ کے نزدیک حالت اعتکاف میں مباشرت مطلقاً حرام ہے۔

مسجد جماعت کی شرط......مسجد جماعت کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے چونکہ جماعت واجب ہے ⓮ اور اگر آدمی ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جس میں جماعت کا قیام نہیں ہوتا تو ایسی حالت میں دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو جماعت واجبہ کو ترک کردے یا باجماعت نماز کے لئے مسجد سے باہر بار بار نکلے جبکہ اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نکلنے سے حتی الامکان احتراز کیا جاتا ہے، اور مسجد سے بار بار نکلنا اعتکاف کے منافی ہے، جبکہ اعتکاف نام ہے آدمی کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مقیم ہوجانے کا۔

⓫......الشرح الصغير ولكبير والقوانين الفقهية ص ۱۲۵۔ ⓬ مغنی المحتاج ۱/۴۵۱ المهذب ۱/۱۹۰۔ ⓭ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الدر المختار وردالمختار ۲/۱۷۶۔ ⓮ حنابلہ کے نزدیک جماعت واجب ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

مندرجہ ذیل حالات میں اعتکاف ہر مسجد میں صحیح ہے۔

۱.....اگر اعتکاف ایسے وقت میں ہو جو نماز کا وقت نہ ہو جیسے رات کا وقت یا دن کے بعض اوقات، تو اعتکاف ہر طرح کی مسجد میں کیا جاسکتا ہے چونکہ یہاں کوئی مانع نہیں ہوتا، اور اگر کسی مسجد میں بعض اوقات جماعت کا قیام ہوتا ہو تو اس وقت میں اعتکاف جائز ہو جو دوسرے اوقات میں نہیں۔

۲.....اگر معتکف ایسا شخص ہے جس پر جماعت واجب نہ ہو جیسے مریض، معذور، عورت، بچہ یا کوئی شخص ایسی بستی میں ہو جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی تو اس صورت میں ہر مسجد میں اعتکاف ہوسکتا ہے، چونکہ ایسے اشخاص پر جماعت واجب نہیں ہے، گھریلو مسجد میں عورت کے لئے اعتکاف کرنا صحیح نہیں، چونکہ گھریلو مسجد نہ تو حقیقۃً مسجد ہے نہ حکماً، اگر گھریلو مسجد میں اعتکاف جائز ہوتا تو امہات المومنین ضرور اعتکاف بیٹھتیں، گو بیان جواز کے لئے ایک ہی مرتبہ بیٹھتیں۔

جب عورت مسجد میں اعتکاف بیٹھے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ کسی چیز سے پردہ کرلے چونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کرنا چاہا تو انہیں مسجد میں چبوترے بنانے کا حکم دیا گیا چنانچہ ازواج مطہرات نے (چادروں سے) چبوترے بنالئے، چونکہ مسجد میں مرد حاضر ہوتے ہیں مردوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ عورتوں کو نہ دیکھیں اور عورتیں مردوں کو نہ دیکھیں۔ [1]

جس شخص پر جماعت لازم ہو اس کا اعتکاف ایسی مسجد میں صحیح نہیں جس میں جمعہ ہوتا ہو اور دیگر نمازوں کی جماعت نہ ہوتی ہو، جبکہ اس پر نماز کا وقت آجائے حتیٰ کہ جماعت نہ چھوڑتا ہو۔

ملاحظہ.....مسجد کی چھت، مسجد کا احاطہ کیا ہوا صحن جس پر دروازہ ہو، مسجد کا مینار جو مسجد میں ہو یا وہ مینار جس کا دروازہ مسجد میں ہو ان چیزوں کا شمار مسجد میں ہوتا ہے چونکہ جنبی کو ان چیزوں میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔

''اسی طرح ہر وہ چیز جس کا مسجد میں اضافہ کیا گیا ہو اور ثواب میں اسے مسجد کا حصہ سمجھا گیا ہو گو وہ مسجد حرام یا مسجد نبوی ہی کیوں نہ ہو اس کا شمار بھی مسجد میں ہوگا، اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ مسجد صنعاء شہر تک بنادی جائے تب بھی یہ میری مسجد رہے گی۔''

اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں اضافہ کیا تو فرمایا: اگر ہم اس مسجد میں اضافہ کریں حتیٰ کہ جبانہ (صحراء) تک پہنچ جائے تب بھی یہ مسجد نبوی ہی رہے گی۔

اگر کوئی شخص اعتکاف بیٹھا جس پر جمعہ لازم نہ ہو جیسے مسافر اور عورت اور وہ ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھا جس میں جمعہ کی نماز نہ پڑھی جاتی ہو تو اس کا اعتکاف جمعہ کے لئے نکلنے کی وجہ سے باطل ہوجائے گا، اگرچہ جمعہ کے لئے جانا شرط نہیں، چونکہ جمعہ کے لئے نکلنا لازمی اور لابدی ہے۔

افضل یہ ہے کہ اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے جس میں جمعہ ہوتا ہو، تاکہ جمعہ کے لئے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف چھوڑنا نہ پڑے باوجودیکہ اس سے احتراز ممکن بھی ہوتا ہے۔

جس شخص نے تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے علاوہ کسی اور مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی یا نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مسجد کے علاوہ کہیں بھی اپنی نذر پوری کرلے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ کو عبادت کے لئے معین نہیں کیا، لہٰذا نذر سے متعین نہیں ہوتی اور اگر کسی نے متعین کردی تو لامحالہ وہ شد رحال کا محتاج ہوگا۔

---

[1].....جن لوگوں کا دھندا ہی عورتیں دیکھنا ہو ان سے بچاؤ کیسے ہوگا خصوصاً ہمارے دور میں یہ حنابلہ کی رائے ہے، حنفیہ کے نزدیک عورت مسجد جماعت میں اعتکاف قطعاً نہیں بیٹھ سکتی گھر کی مسجد میں بیٹھے اور یہی مفتی بہ ہے۔

اور اگر کسی شخص نے اعتکاف یا نماز کی تین مساجد میں سے کسی مسجد میں کرنے کی نذر مانی مثلاً مسجد حرام یا مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کی نذر مانی تو یہ نذر کسی اور مسجد میں اعتکاف کرنے سے پوری نہیں ہوگی۔ چونکہ ان مساجد میں عبادت کرنے کو دوسروں مساجد میں عبادت کرنے پر فضیلت ہے لہٰذا ان مساجد کی تعیین ہوجائے گی لہٰذا ان تین مساجد میں سے کسی معین مسجد کی طرف شدرحال ضروری ہوگا چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”شدرحال صرف تین مساجد کی طرف جائز ہے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔ ❶

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں سبھی مسجدیں اعتکاف کی جگہیں ہیں، گھریلو مسجد جس میں عام لوگوں کا داخلہ مباح نہیں ہوتا اس میں اعتکاف صحیح نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے اعتکاف کی نیت کی تو اعتکاف کے دوران جمعہ کے لئے آنا اس پر متعین ہوگا تو اس کے لئے جامع مسجد متعین ہوگی چونکہ اگر وہ جمعہ کے لئے نکلا تو اس کا اعتکاف باطل ہوجائے گا۔

نذر کی صورت میں جس جگہ کی تعیین کی ہو اسی جگہ نذر کا پورا کرنا ضروری ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک مدینہ مکہ سے افضل ہے۔

اور مسجد نبوی مسجد حرام سے افضل ہے، ان کے بعد مسجد اقصیٰ کا نمبر ہے، چنانچہ دارقطنی اور طبرانی کی روایت ہے جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں وارد ہوا ہے کہ ”یا اللہ جس طرح تو نے مجھے میرے محبوب ترین شہر سے نکالا ہے اسی طرح مجھے تو اپنے محبوب ترین شہر میں سکونت عطا فرما۔“ نیز طبرانی نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ”مدینہ میں ایک رمضان دوسرے شہروں میں رمضان کے ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے اور مدینہ میں ایک جمعہ اس کے علاوہ بقیہ شہروں میں ایک ہزار جمعات سے افضل ہے۔ ❷

شافعیہ...... شافعیہ کہتے ہیں اعتکاف صرف مسجد میں صحیح ہے، برابر ہے کہ اعتکاف مسجد کی چھت پر ہو یا مسجد کی ایسی جگہ میں جو مسجد کے تابع ہو، البتہ جامع مسجد اعتکاف کے لئے اولیٰ وافضل ہے، چونکہ جامع مسجد سے باہر نکلنے کی حاجت نہیں پیش آتی، نیز جامع مسجد میں جماعت کی کثرت ہوتی ہے نیز جمعہ کے لئے بھی باہر نہیں جانا پڑتا۔

اگر کسی نے لگاتار مدت میں اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی ہو تو اس صورت میں جامع مسجد میں اعتکاف کرنا واجب ہے چونکہ اس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے، بشرطیکہ نذر ماننے والا ایسا شخص ہو جسے جمعہ لازم ہوتا ہو اور اس نے باہر نکلنے کی شرط نہ لگائی ہو۔

امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ عورت کا اعتکاف اپنے گھر کی مسجد میں صحیح نہیں ہے، گھر کی مسجد سے مراد گھر کی ایسی جگہ ہے جسے گھر میں نماز کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو، چونکہ یہ جگہ فی الواقع مسجد نہیں چونکہ اسے متغیر کرنا جائز ہے نیز اس میں جنبی آجاسکتا ہے اور اس میں ٹھہر سکتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ازواج مطہرات مسجد میں اعتکاف کرتی تھیں۔

---

❶ ...... شدرحال یعنی سامان سفر تیار کر کے نکل پڑنا، حنابلہ کے نزدیک تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد یا جگہ کی طرف بغرض عبادت شدرحال جائز نہیں، یہ حنابلہ کی غیر معتبر رائے ہے، جمہور کے نزدیک شدرحال ان مساجد کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ شدرحال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوۃ کی شرح لمعات میں لکھا ہے کہ شد الرحال سفر سے کنایہ ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص تقرب الی اللہ کی نیت سے صرف ان تین جگہوں کا سفر کرے چونکہ ان مقامات کی عظمت شان ہے، چونکہ باقی مساجد فضیلت میں برابر ہیں، مراد یہ ہے کہ کسی جگہ کو ذاتاً قصد کر کے شدرحال نہ ہو اور اگر حصول علم یا تجارت وغیرہ غرض ہو تو یہ الگ چیز ہے، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف شدرحال نہ کیا جائے، بعض نے اس حدیث کو نذر کے ساتھ مقید کیا یہ بھی مراد ہے کہ حدیث میں ان تین مساجد کی طرف شدرحال کے اہتمام کو بیان کیا گیا ہے اور ان کے تبرک اور فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے حاشیہ صحیح بخاری ج ۱/ ۲۵۱۔

❷ یہ مالکیہ کے نزدیک ہے جبکہ جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ کو مدینہ منورہ پر فضیلت ہے مسجد حرام کو مسجد نبوی پر فضیلت حاصل ہے چونکہ حدیث میں آتا ہے مکہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے مسجد نبوی میں ایک نماز کا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

اگر اعتکاف گھریلو مسجد میں ہوتا تو ازواج مطہرات ضرور اپنے گھروں میں کرتیں۔

اگر کسی شخص نے تین مساجد (حرم، نبوی، اقصیٰ) کے علاوہ کسی اور مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو یہ جائز ہے جیسے کہ حنابلہ کہتے ہیں کہ اس معینہ مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں بھی اعتکاف کرسکتا ہے، چونکہ ان تین مساجد کے علاوہ بقیہ مساجد کو ایک دوسری پر فضیلت نہیں ہے۔ لہٰذا متعین نہیں ہوگی۔

اور اگر تین مساجد میں سے کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو یہ تعیین صحیح ہوگی اور اسے لازم ہوگا کہ اسی مسجد میں اعتکاف بیٹھے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف بیٹھنے کی نذر مان رکھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو۔“

البتہ مسجد حرام دوسری دونوں مسجدوں کے قائم مقام ہوگی چونکہ مسجد حرام کو دوسری دو مساجد پر فضیلت مزیدہ حاصل ہے، لیکن اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ چنانچہ دوسری دو مسجدیں مسجد حرام کے قائم مقام نہیں ہوں گی چونکہ دوسری دونوں مسجدیں فضیلت میں مسجد حرام سے کم ہیں۔ اسی طرح مسجد مدینہ، مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہوگی چونکہ مسجد مدینہ مسجد اقصیٰ سے افضل ہے، اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔ چونکہ مسجد اقصیٰ مسجد نبوی سے فضیلت میں کم ہے۔ [1]

خلاصہ..... مالکیہ اور شافعیہ کسی بھی مسجد میں اعتکاف کی اجازت دیتے ہیں جبکہ حنفیہ اور حنابلہ اعتکاف کے لئے جامع مسجد کی شرط لگاتے ہیں جمہور کے نزدیک گھریلو مسجد میں اعتکاف جائز نہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک عورت گھریلو مسجد میں اعتکاف کرسکتی ہے۔ [2]

دوسری بحث..... اعتکاف کا حکم اور وہ امور جن کو معتکف پر نذر واجب کر دیتی ہے

اس بحث میں دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد، اعتکاف کا حکم..... باتفاق علماء غیر منذور اعتکاف مستحب ہے البتہ اس موقع پر فقہاء کی آراء کی وضاحت بہتر ہوگی۔

حنفیہ..... اعتکاف کی تین اقسام ہیں۔ واجب، سنت موکدہ اور مستحب۔ [3]

واجب..... یہ نذر کا اعتکاف ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے۔ ”مجھ پر اللہ کے لئے ایک دن کا اعتکاف ہے۔“

سنت..... اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ [4] یہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا سے اٹھالیا پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی اعتکاف بیٹھتی رہیں۔

مستحب..... رمضان کے آخری عشرہ کے علاوہ کسی بھی وقت اعتکاف کی نیت سے بیٹھ جانا مستحب ہے بشرطیکہ وہ اعتکاف نذر کا نہ ہو

---

[1] ..... یعنی اگر کسی سے مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی تو وہ مسجد حرام میں اعتکاف بیٹھ سکتا ہے جبکہ مسجد اقصیٰ میں اعتکاف نہیں کرسکتا، چونکہ مسجد حرام مسجد نبوی کے قائم مقام ہوسکتی ہے جبکہ مسجد اقصیٰ مسجد نبوی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ [2] حدیث میں ہے کہ گھر کی مسجد میں عورت کی نماز صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور صحن میں نماز محلے کی مسجد سے افضل ہے معلوم ہوا گھریلو مسجد عورت کے حق میں مسجد ہے خصوصاً اعتکاف کے معاملہ میں لہٰذا گھریلو مسجد میں اس کا اعتکاف ہوگا بہر حال امام ابوحنیفہ سے دو روایت ہیں گھریلو مسجد میں اور محلے کی مسجد میں، ہمارے زمانہ میں محلے کی مسجد میں عورت کیسے اعتکاف کرسکتی ہے۔ [3] دیکھئے الدر المختار ۲ / ۱۷۷ مراقی الفلاح ص ۱۱۸۔ [4] جیسے فرض کفایہ ایسی ہی سنت موکدہ بھی الکفایہ ہے یعنی اگر محلے کے چند آدمی بھی اعتکاف کرلیں تو سب کی طرف سے سنت پوری ہوجائے گی۔

چونکہ نذر کا اعتکاف واجب ہے۔ مثلاً کسی شخص نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلی تو یہ اعتکاف مستحب ہے، اس کی کم ازکم مدت بہت تھوڑی مدت ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے چلتے ہوئے نیت کرلی اور مسجد سے باہر نکل گیا تب بھی مستحب ادا ہوگیا یہی مفتی بہ ہے۔ ❶

روزے کی شرط......نذر کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے جبکہ نذر کے علاوہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں نذر کے اعتکاف کی کم ازکم مدت ایک دن ہے، اگر کسی نے رات کے اعتکاف کی نذر مان لی تو وہ صحیح نہیں ہوگا اگرچہ رات کے ساتھ دن کی نیت کرلے پھر بھی صحیح نہیں چونکہ رات روزے کا محل نہیں، البتہ اگر دن کو اعتکاف کرنے کی نذر مانی اور ساتھ رات کی نیت بھی کی تو یہ اعتکاف صحیح ہوگا ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں اس نے دن کو رات کے تابع بنایا ہے اسی لئے رات جو متبوع ہے کی نذر کا اعتکاف باطل ہوگیا جب متبوع میں اعتکاف باطل ہو تو تابع میں بھی باطل ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں اس لیے اعتکاف صحیح ہے چونکہ اس نے رات کا اطلاق کیا ہے اور مجاز مرسل کے طور پر دن کا ارادہ کیا ہے مطلق زمانہ یعنی دن میں رات کا استعمال کیا ہے لہٰذا اس صورت میں دن مقصود ہوگا۔

اور اگر دن اور رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو بھی اعتکاف صحیح ہوگا اگرچہ اس صورت میں رات روزے کا محل نہیں لیکن رات دن میں تبعاً داخل ہوگی۔

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں اعتکاف قربت (نیکی) ہے اور دوسرے نوافل خیر میں سے ایک نفلی عبادت ہے اور شریعت میں مندوب ومستحب ہے نیز مردوں اور عورتوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے، خصوصاً رمضان کے آخری عشرہ میں اس کی بہت ترغیب دی گئی ہے اور نذر ماننے سے اعتکاف واجب ہوجاتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... ہر وقت اعتکاف سنت ہے یا مستحب ہے، الا یہ کہ نذر کا اعتکاف ہو وہ واجب ہے اور اس کا پورا کرنا لازم ہے، چونکہ اعتکاف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت (ہمیشگی) کی ہے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔ ❷

اور اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی تو جس کیفیت پر اعتکاف کی نذر مانی ہے اسی کیفیت پر اسے پورا کرنا لازم ہوگا مثلاً لگاتار اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو لگاتار اعتکاف کرنا ہوگا، چونکہ حدیث ہے کہ ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہئے۔'' ❸ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ''یا رسول اللہ! میں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔'' ❹

دوسرا مقصد......وہ امور جنہیں نذر معتکف پر واجب کردیتی ہے

اس مقصد میں یہ امور زیر بحث ہوں گے، آیا کہ جب کوئی مسلمان ایک دن یا کئی دن اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو کیا دنوں کے ساتھ راتیں بھی داخل ہوں گی؟ کیا دنوں میں تتابع واجب ہوگا یا نہیں؟ ❺ نیز معتکف ❻ جائے اعتکاف میں غروب سے پہلے داخل ہو یا طلوع فجر سے پہلے؟

---

❶......دیکھئے الدر المختار ۲/۱۷۷ ومراقی الفلاح ص ۱۱۸، فتح القدیر ۲/۱۰۵۔ ❷ تفصیل کے لئے دیکھئے مغنی المحتاج ۱/۴۴۹ والمہذب ۱/۱۹۰، المغنی ۳/۱۸۴ بدایۃ المجتہد ۱/۳۰۲۔ ❸ رواہ البخاری۔ ❹ رواہ البخاری ومسلم۔ ❺ یعنی پے درپے منذور ایام کا اعتکاف کرنا ہوگا یا الگ الگ بھی کرسکتا ہے۔ ❻ معتکف کاف کی کسرہ کے ساتھ اسم فاعل بمعنی اعتکاف کرنے والا اور کاف کی فتح کے ساتھ اسم ظرف بمعنی جائے اعتکاف ہے۔

جمہور فقہاء اعتکاف میں رات کو دن میں داخل سمجھتے ہیں، روزہ نذر کی صورت میں کئی دنوں کے روزے رکھنے ہوں تو تتابع واجب ہے جیسے ہفتے یا مہینے کے روزے اور معتکف جائے اعتکاف میں اس دن سورج غروب ہونے سے پہلے داخل ہو، اور آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد نکلے جبکہ شافعیہ دن کے ساتھ تو رات کو داخل نہیں سمجھتے سوائے عشرہ رمضان کے ظاہر قول کے مطابق بغیر شرط کے تتابع لازم نہیں ہوگا، اور معتکف جائے اعتکاف میں طلوع فجر سے پہلے داخل ہو اور آخری دن غروب آفتاب کے بعد وہاں سے نکلے۔ ❶

حنفیہ کی عبارت...... جس شخص نے اپنے اوپر دو دن یا اس سے زیادہ کا اعتکاف واجب کیا، اسے یہ اعتکاف دنوں کے ساتھ ساتھ راتوں کا بھی لازم ہوگا، چونکہ راتیں تبعاً دنوں میں داخل ہیں، چونکہ جب ایام کا تذکرہ جمع کے لفظ سے ہوتا ہے اس میں راتیں داخل ہوتی ہیں۔ ❷ اسے لگاتار روزے رکھنا لازمی ہوگا اگرچہ اس نے لگاتار روزے رکھنے کی شرط نہ لگائی ہو چونکہ اعتکاف کی بناء تتابع پر ہے، یہ روزے کے بخلاف ہے چونکہ روزے کی بناء تفریق پر ہے، چونکہ راتیں روزہ رکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، لہٰذا الگ الگ رکھنا واجب ہوگا۔ رہی بات اعتکاف کی اس کے لئے سبھی اوقات قابل اور صالح ہوتے ہیں۔

معتکف جائے اعتکاف میں پہلی رات میں داخل ہوگا اور پہلی ہی رات غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، اور اس سے آخری دن غروب آفتاب کے بعد نکلے۔

جس شخص نے راتوں کو اعتکاف کرنے کی نذر مانی اسے دنوں کا اعتکاف لازمی ہوگا اسی طرح دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی تو تبعاً راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔

ملاحظہ...... یہ بات قابل توجہ ہے کہ سبھی راتیں دنوں کے تابع ہیں یعنی گزری رات آنے والے دن کے تابع ہے البتہ عرفہ کی رات اور قربانی کی راتیں گزرے ہوئے دنوں کے تابع ہیں چونکہ یہ لوگوں پر نرمی اور آسانی کرنے کے لئے ہے۔

مالکیہ کی عبارت...... معتکف کو رات کی نذر سے دن کا اعتکاف بھی لازمی ہوگا اگرچہ صرف رات کی نذر مانے جس شخص نے جمعرات کی رات کے اعتکاف کی نذر مانی اسے رات اور آنے والے دن کا اعتکاف لازم ہوگا، روزہ جو کہ اعتکاف کی شرط ہے وہ صرف نذر کے روزے میں لازم ہوتی ہے، چنانچہ معتکف قلیل کی نیت کرے یا کثیر کی جائے اعتکاف میں داخل ہونے سے لازم ہوگی۔

معتکف کے لئے لازمی ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے یا اس کے قریب قریب جائے اعتکاف (مسجد) میں داخل ہو جائے، تا کہ اس کے حق میں کامل رات متحقق ہو جائے، آخری دن غروب آفتاب کے بعد نکلے تا کہ اس کے حق میں کامل دن متحقق ہو جائے۔

حنابلہ کی عبارت...... جس شخص نے ایک ماہ اعتکاف کی نذر مانی اسے تتابع لازمی ہوگا اور دنوں کے ساتھ راتیں بھی داخل ہوں گی، معتکف مسجد میں پہلی رات کا آفتاب غروب ہونے سے پہلے داخل ہو اور آخری دن غروب آفتاب کے بعد نکلے۔

اگر کسی شخص نے ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو اس کا تفریق کرنا جائز نہیں اور دن کے ساتھ رات داخل نہیں ہوگی، نیز اس کے لئے لازمی ہے کہ طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہو اور غروب آفتاب کے بعد نکلے، چونکہ رات دن کا حصہ نہیں بلکہ رات تو مہینے کا حصہ ہے، یوم کے اطلاق سے تتابع سمجھ میں آتا ہے لہٰذا یہ اسے لازم ہوگا جیسے تتابع کی شرط سے کہے، اسی طرح مہینے کا اطلاق تتابع کا تقاضا کرتا ہے جیسے یوں کہے: میں ایک ماہ تک زید سے بات نہیں کروں گا، جیسے ایلاء، عنہ اور عدت کی مدت میں ہوتا ہے۔ ❸

---

❶...... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدیر ۲/ ۱۱۴ الدر المختار ۲/ ۱۸۶ نور الایضاح ص ۱۲۰ مغنی المحتاج ۱/ ۴۵۵، المہذب ۱/ ۱۹۱ والمغنی ۳/ ۲۱۰۔

❷ اردو میں بھی ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی کہے میں آپ کے ہاں ۵ دن رہوں گا اس میں راتیں بھی داخل ہوں گی۔ ❸ یعنی ایلاء عنہ اور عدت کی مدت میں دنوں کے ساتھ راتیں بھی داخل ہوتی ہیں۔ عنہ بمعنی عنین ہونا عنین وہ شخص جس کی جنسی قوت مفقود ہوتی ہو۔

یہ روزوں کے بخلاف ہے ① مہینہ کی نذر مانی اور دو ہلالوں (دو مرتبہ چاند کا طلوع ہونا دو مہینوں میں) کے درمیان اعتکاف بیٹھا تو یہ مدت اسے کافی ہوگی۔ اگر چہ مہینہ ۲۹ دنوں کا ہو، اور اگر دو مہینوں میں تیس دن اعتکاف بیٹھا تو یہ بھی جائز ہے، اس میں راتیں داخل ہوں گی، چونکہ مہینہ دنوں اور راتوں سے عبارت ہے، اس سے کم جائز نہیں ہوگا۔

شافعیہ کی عبارت...... جب کسی نے ایک دن اعتکاف کی نذر مانی تو دن کے ساتھ رات لازمی نہیں ہوگی اس میں کسی کا اختلاف نہیں چونکہ رات دن کا حصہ نہیں، البتہ اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہو اور غروب آفتاب کے بعد وہاں سے نکلے، چونکہ دن حقیقت میں طلوع فجر اور غروب آفتاب کے درمیانی وقت کو کہا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی معین مہینے کے اعتکاف کی نذر مانی تو اسے دن اور رات کا اعتکاف لازم ہوگا، برابر ہے مہینہ ناقص ہو یا کامل، چونکہ مہینہ دو ہلالوں کے درمیانی عرصہ سے عبارت ہوتا ہے، البتہ اگر کامل مہینے کا لفظاً استثناء کر دے تو اس کا اعتبار ہوگا۔

اگر کسی نے مہینے کے نہار نہار (دن دہاڑے) اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو اس صورت میں نہار (دن) لازم ہوگا رات کا اعتکاف لازمی نہیں ہوگا چونکہ اس صورت میں اس نے نہار (دن) کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، لہٰذا اسے رات کا اعتکاف لازمی نہیں ہوگا یہ حنابلہ کے مذہب کے موافق ہے۔ ②

اکثر شافعیہ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ اس مذکورہ بالا صورت میں اگر تتابع کی نیت کی تو رات کا اعتکاف بھی لازمی ہوگا ورنہ نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ بغیر شرط کے تتابع واجب نہیں، اور اگر کسی نے ایک دن اعتکاف کی نذر مانی تو اس دن کے گھنٹوں کو متفرق کرنا جائز نہیں، اور اگر مدت متعین کی مثلاً ہفتہ کی مدت اعتکاف کے لئے متعین کی اور اس میں تتابع پیش نظر رکھا پھر اعتکاف فوت ہو گیا تو ان کی قضاء میں تتابع لازمی ہوگا چونکہ تتابع مقصود بن کر واقع نہیں ہوا بلکہ وقت کی تعیین کی ضرورت کے پیش نظر ہوا ہے لہٰذا رمضان کے تتابع کے مشابہ ہوا۔

اگر کسی شخص نے کہا مجھ پر اللہ کے لئے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف ہے تو اس میں راتیں بھی داخل ہوں گی، حتیٰ کہ پہلی رات بھی داخل ہوگی، یوں مہینے کے اختتام پر مدت اعتکاف کافی ہوگی اگر چہ مہینہ ۲۹ دنوں کا ہو، چونکہ ''عشرہ اخیر'' کا لفظ ۲۰ رمضان کے بعد مہینہ کے آخر تک کے لئے مستعمل ہے۔ یہ اس کے بخلاف ہے کہ اگر کسی نے یوں کہا ''مجھ پر رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف ہے۔'' پھر مہینہ ۲۹ دن کا ہوا تو نذر کے لئے ۹ دن ہوئے لہٰذا یہ کافی نہیں ہوں گے چونکہ اس صورت میں معتکف نے خصوصیت کے ساتھ ۱۰ دنوں کا قصد کیا ہے، لہٰذا اب اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بعد ایک دن اور اعتکاف کرے۔

اگر کسی نے معین ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی پھر اس سے اعتکاف فوت ہو گیا اور اس نے رات کو اس کی قضاء کی تو یہ قضاء اسے کافی ہوگی۔

اگر کسی نے نذر مانی کہ جس دن زید آیا میں اس دن کا روزہ رکھوں گا پھر زید رات کے وقت آیا تو معتمد یہ ہے کہ پورے دن کی قضاء کرے یہ تب ہے جب زندہ سلامت آئے اگر مردہ حالت میں زید لایا گیا یا زبردستی (مکرہ) لایا گیا تو اس صورت میں کچھ نہیں ہوگا۔

تیسری بحث...... اعتکاف کی شرائط

اعتکاف صحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ ③

---

①...... یعنی روزے میں دن کا روزہ ہوتا ہے رات اس میں داخل نہیں ہوتی۔ ② مثلاً اردو میں یوں کہے کہ میں صرف دن دن کو ایک ماہ اعتکاف کروں گا راتوں کا اعتکاف نہیں کروں گا۔ ③ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الدر المختار ۲/۱۷۷ فتح القدیر ۲/۱۰۶ مراقی الفلاح ص ۱۱۹ القوانین الفقھیہ ص ۱۲۵ المھذب ۱/۱۹۰ مغنی المحتاج ج ۱/۴۵۳ المغنی ۳/۱۸۴۔

۱۔اسلام...... اعتکاف کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے لہٰذا کافر کا اعتکاف صحیح نہیں چونکہ اعتکاف اسلام کی فروعات میں سے ہے۔

۲۔عقل اور تمیز...... دوسری شرط عقل اور تمیز ہے لہٰذا مجنون اور بچے وغیرہ کا اعتکاف صحیح نہیں ہوگا، چونکہ یہ عبادت کے اہل نہیں ہوتے، لہٰذا ان کا اعتکاف بھی صحیح نہیں جیسے کافر کا اعتکاف صحیح نہیں۔

البتہ وہ بچہ جو امتیاز رکھ سکتا ہو اس کا اعتکاف صحیح ہوگا۔

۳۔اعتکاف مسجد میں ہو...... تیسری شرط یہ ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہو لہٰذا گھروں میں اعتکاف صحیح نہیں ہوگا، البتہ حنفیہ کے ہاں عورت کے لئے اجازت ہے کہ وہ گھریلو مسجد میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے۔

۴۔نیت...... بالاتفاق اعتکاف کے لئے نیت شرط ہے، بغیر نیت کے اعتکاف صحیح نہیں ہوگا، چونکہ حدیث ہے۔ ''اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرے۔'' نیز اعتکاف محض عبادت ہے، لہٰذا روزے کی طرح بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگا۔

شافعیہ نے اس شرط میں اتنی بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر فرض اعتکاف ہو تو نیت میں فرض کی تعیین کرے تا کہ نفلی اعتکاف سے امتیاز ہو جائے۔

۵۔روزہ...... مالکیہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ مطلقاً شرط ہے، حنفیہ کے ہاں صرف نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے، نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں لہٰذا اعتکاف روزہ کے بغیر بھی صحیح ہے ہاں البتہ اعتکاف کے ساتھ روزے کی نذر بھی مان لی تو اس صورت میں روزہ لازمی ہوگا۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک تنہارات کا اعتکاف بھی صحیح ہے بشرطیکہ اعتکاف نذر کا نہ ہو۔

دلیل...... جو حضرات فقہائے کرام اعتکاف کے لئے روزہ کی شرط لگاتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

''بغیر روزے کے اعتکاف صحیح نہیں۔'' ❶

جو حضرات روزے کی شرط نہیں لگاتے ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ''یارسول اللہ میں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو۔'' ❷ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر واجب کی تھی...... الخ۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روزے کی شرط نہیں لگائی، نیز رات کو اعتکاف بھی صحیح ہے، جبکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا، نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے معتکف پر روزہ لازمی نہیں ہاں البتہ وہ خود ہی اپنے اوپر لازم کر دے۔ ❸

۶۔جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا...... جمہور کے نزدیک جنابت حیض اور نفاس سے پاک ہونا اعتکاف کے لئے شرط ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک جنابت سے خالی ہونا مسجد میں ٹھہرنے کے لئے شرط ہے اعتکاف صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں چنانچہ معتکف کو جب احتلام ہو جائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہے یا تو مسجد ہی میں اگر پانی دستیاب ہو یا مسجد سے باہر۔

---

❶......رواه الدارقطني والبيهقي عن عائشة الا انه ضعيف (نصب الرأية ٢/٤٨٦) ❷ رواه البخاري ومسلم والدارقطني عن ابن عمر عن عمر (نصب الرأية ٢/٤٨٨) ❸ رواه الدار قطني عن ابن عباس ورجح الدار قطني والبيهقي وقفه، واخرجه الحاكم مرفوعاً وقال: صحيح الا سناد.

اسی طرح حنفیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کے حلال ہونے کے لئے جنابت سے خالی ہونا شرط ہے، صحت اعتکاف کے لئے شرط نہیں، لہٰذا اگر جنبی نے اعتکاف کیا تو حرمت کے ساتھ اس کا اعتکاف صحیح ہوگا۔

رہی بات حیض ونفاس سے پاک ہونے کی تو وہ واجب اعتکاف (یعنی نذر کا اعتکاف) کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، چونکہ روزہ اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرط ہے، جبکہ حیض ونفاس کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہوتا۔

۷۔ بیوی کو خاوند کی اجازت ہونا......حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے، لہٰذا خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا اعتکاف صحیح نہیں ہوگا، اگرچہ عورت کا اعتکاف نذر کا کیوں نہ ہو، البتہ مالکیہ کی رائے میں خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا اعتکاف صحیح ہے لیکن گناہ ہوگا۔

ابن جزی کی شرط......ابن جزی مالکی نے ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے وہ یہ کہ بقدر استطاعت دن، رات عبادت میں مشغول رہنا نماز، ذکر اور خصوصاً تلاوت میں لگے رہنا شرط ہے یہ ابن قاسم کے نزدیک ہے، جبکہ ابن وہب کے نزدیک سبھی اعمال میں مشغول رہنا شرط ہے، لہٰذا ابن قاسم کی رائے کے مطابق جنازہ میں شریک نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مریض کی عیادت کرسکتا ہے اور نہ ہی علم کے درس وتدریس میں مشغول ہوسکتا ہے اور یہی راجح ہے، جبکہ دوسری رائے کے مطابق یہ سبھی کام کرسکتا ہے۔

چوتھی بحث......وہ امور جو معتکف کو لازم ہیں اور جو امور اس کے لئے جائز ہیں

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ معتکف کا مسجد میں ٹھہرے رہنا واجب ہے۔ چونکہ مسجد میں ٹھہرے رہنا اعتکاف کا رکن ہے چنانچہ مسجد سے کسی شرعی عذر، ضرورت اور حاجت کے بغیر نہیں نکل سکتا۔

حنفیہ......نفلی اعتکاف اور سنت موکدہ اعتکاف میں معتکف کے لئے مسجد سے نکلنا جائز ہے، چونکہ مسجد سے نکلنا اعتکاف کے مانع ہے البتہ اعتکاف کو باطل نہیں کرتا، لیکن اگر مسنون اعتکاف یعنی عشرہ رمضان شروع کیا پھر اسے فاسد کردیا تو اس کی قضاء واجب ہوگی، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے عشرہ کی قضاء واجب ہوگی جبکہ بقیہ حنفیہ کے نزدیک صرف اسی دن کی قضاء لازم ہوگی جس دن کا اعتکاف فاسد کیا ہے۔

واجب اعتکاف کی صورت میں معتکف کے لئے عذر شرعی کے بغیر نکلنا حرام ہے عذر شرعی جیسے نماز کی ادائیگی جمعہ اور عیدین، لہٰذا اتنے وقت کے لئے نکلے کہ جمعہ کے ساتھ اس سے پہلے کی سنتیں پالے، اور پھر جلد ہی واپس لوٹ آئے، اور اگر اس نے جامع مسجد میں اعتکاف مکمل کیا تو کراہت کے ساتھ اعتکاف صحیح ہوگا۔

طبعی حاجت......معتکف طبعی حاجت کے لئے باہر جاسکتا ہے جیسے پیشاب پاخانہ، ازالہ نجاست وغیرہ، اسی طرح احتلام کی صورت میں غسل کے لئے نکل سکتا ہے، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جائے اعتکاف سے سوائے حاجت کے نہیں نکلتے تھے۔

حاجت ضروریہ......حاجت ضروریہ کے لئے بھی مسجد سے نکلنا جائز ہے جیسے مسجد منہدم ہوگئی یا کوئی ایسی گواہی دینی تھی جس کا تمام تردارومدار اسی پر تھا، یا جان کی ہلاکت کا خوف ہو یا لٹیروں کا خوف ہو یا کسی ظالم حکمران نے اسے زبردستی معتکف سے نکال دیا اور اس کے گھر والوں کو متفرق کردیا تو ان سبھی صورتوں میں معتکف کے لئے جائز ہے کہ اسی وقت کسی اور مسجد میں داخل ہوجائے۔

بلاعذر باہر نکلنا......اور اگر بلاضرورت گھڑی بھر کے لئے مسجد سے باہر نکلا خواہ بھول ہی کر تو واجب فاسد ہوجائے گا، اور غیر واجب

اعتکاف منتہی ہوجائے گا، واجب اعتکاف جو فاسد کیا ہے اس کی قضاء واجب ہوگی، البتہ اگر ردت کی وجہ سے فاسد کیا ہے تو قضا نہیں چونکہ دیگر احکام ساقط ہو چکے ہو۔

اور اگر کسی ایسے عذر کی وجہ سے باہر نکلا جس کا وقوع غالب ہوتا ہو اور یہ حاجت طبعیہ اور شرعیہ ہے تو اس صورت میں اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

مسجد سے منتقل ہونا...... اور اگر کسی ایسی عذر کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلا جو نادر الوقوع ہو جیسے ڈوبتے کو بچانا اور مسجد کا منہدم ہو جانا وغیرہ تو اس صورت میں گناہگار نہیں ہوگا البتہ اعتکاف باطل ہوگا، یہ تب ہے جب دوسری مسجد کی طرف بالفعل نہ جائے۔

عیادت مریض اور جنازہ...... عیادت مریض یا جنازے کے ساتھ چلنے کے لئے مسجد سے باہر نکلا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، البتہ گناہگار نہیں ہوگا، جیسے حالت مرض میں باہر نکلنے سے گناہگار نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں معتکف کے لئے سنت ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے اور جنازہ میں شریک نہ ہو، عورت کو نہ چھوئے اور نہ اس کے ساتھ مباشرت کرے صرف ایسی ہی حاجت کے لئے باہر نکلے جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو اور اعتکاف روزہ کے بغیر نہیں ہوگا اور مسجد جامع کے سوا بھی اعتکاف نہیں ہوتا۔ ❶

کھانا پینا...... معتکف کا کھانا، پینا اور ایسا عقد جس کی خود اسے ضرورت ہو یا اہل وعیال کو ضرورت ہو جیسے خرید و فروخت اور عقد نکاح اور رجعت وغیرہ تو وہ یہ سب امور اپنی جائے اعتکاف ہی میں طے کرے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ٹھکانا صرف مسجد ہوتی تھی چونکہ ان حاجات کا مسجد میں پورا کرنا ممکن ہے لہٰذا مسجد سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔

خرید و فروخت...... مسجد میں خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ سامان خرید و فروخت مسجد میں نہ لایا جائے، چونکہ بسا اوقات خرید و فروخت کی ضرورت پیش آتی ہے البتہ تجارت کی غرض سے خرید و فروخت کرنا مبیع کو حاضر کرنا یا مسجد میں سامان کو حاضر کرنا مکروہ تحریمی ہے، جائے اعتکاف کے علاوہ دوسری جگہ خرید و فروخت مطلقاً حرام ہے، چونکہ مسجد بندوں کے حقوق سے آزاد ہے جبکہ ان امور کی صورت میں مسجد کو جائے شغل بنا دینے کے مترادف ہے، چنانچہ حدیث ہے: اپنی مساجد کو بچوں، پاگلوں، خرید و فروخت اور جھگڑوں سے دور رکھو۔ ❷

نیز ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے مسجد میں گمشدہ چیز کے اعلان سے بھی منع فرمایا ہے، اشعار پڑھنے سے منع فرمایا اور نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنا کر بیٹھ جانے سے بھی منع فرمایا۔ ❸

غیر معتکف کا مسجد میں کھانا پینا...... غیر معتکف کا مسجد میں کھانا پینا اور سونا مکروہ ہے، البتہ اجنبی پردیسی کے لئے جائز ہے، جیسا کہ ابن نجیم نے اشباہ میں لکھا ہے جبکہ ابن کمال کہتے ہیں مسجد میں کھانا، پینا اور سونا مطلقاً مکروہ نہیں برابر ہے کہ مقیم ہو یا پردیسی، لیٹ جائے یا ٹیک لگائے، ٹانگیں خواہ قبلہ کی طرف ہوں یا کسی اور طرف۔

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں معتکف جائے اعتکاف سے صرف چار امور پیش آنے پر نکل سکتا ہے اس کے علاوہ نہیں وہ یہ ہیں:

۱...... حاجت انسان
۲...... معاش کے لئے ایسی چیز کا خریدنا جو لابدی ہو۔
۳...... مرض
۴...... حیض

---

❶...... رواہ ابوداؤد والنسائی (نیل الاوطار ۴/۲۶۷) فتویٰ اسی پر ہے البتہ اگر اختلاف ہو اور غسل کے لئے باہر گیا واپسی پر جنازہ تیار تھا تو پڑھ سکتا ہے یا مریض راستے میں باہر دھوپ میں بیٹھا تھا گزرتے گزرتے عیادت کر دی ضمناً جائز ہے۔ ❷ حدیث ضعیف رواہ ابن ماجه وطبرانی معجمه من حدیث واثلة بن الاسقع (نصب الرایه ۲/۴۹۱) ❸ رواہ اصحاب السنن وحسنه الترمذی۔

جب مذکور بالا کسی چیز کے پیش آنے پر جائے اعتکاف سے نکلا تو وہ اعتکاف کے حکم میں ہوگا۔حتیٰ کہ واپس لوٹ آئے۔اس کے علاوہ عیادت مریض، نماز جنازہ، اذان کے لئے منارہ میں چڑھنا اور مسجد کی چھت پر چڑھنے کے لئے معتکف سے نہیں نکل سکتا۔

جو شخص معتکف کے قریب ہو اسے سلام کرنا جائز ہے، انواع واقسام کی خوشبوئیں لگانا جائز ہے۔

معتکف روزہ دار کے لئے خوشبو لگانا مکروہ ہے، چونکہ اس کے ساتھ ایک مانع موجود ہے جو اعتکاف کے فساد میں رکاوٹ ہے اور وہ مسجد ہے، معتکف کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے کی شادی کرائے اور اپنی شادی بھی کرسکتا ہے، معتکف اپنے ساتھ پہنے ہوئے کپڑوں کے علاوہ اور کپڑا بھی رکھ سکتا ہے چونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

شافعیہ.....شافعیہ کہتے ہیں کہ بلا عذر معتکف کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک باہر نکالتے میں آپ کے سر میں کنگھی کرتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو صرف حاجت انسانی کے لئے گھر میں داخل ہوتے۔“ ❶ اس حدیث کی رو سے جائز ہے کہ معتکف کنگھی کرانے کے لئے سر مسجد سے باہر نکالے یا حاجت طبعیہ کے لئے نکلے یہ بھی جائز ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی رو سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا، اگر بلا عذر مسجد سے باہر نکلا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا، چونکہ باہر نکلنا ایسا فعل ہے جو اعتکاف کے منافی ہے اور اعتکاف مسجد میں ٹھہرنے کا نام ہے۔

معتکف کا اذان دینا.....معتکف مسجد کے منارہ میں جاکر اذان دے سکتا ہے، راجح قول کے مطابق اگرچہ منارہ مسجد سے باہر ہو یا مسجد کے صحن سے باہر ہو تب بھی اذان دے سکتا ہے اور اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا، کھانے کے لئے گھر جاسکتا ہے، چونکہ مسجد میں کھانا مروت میں کمی کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ مسجد میں پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں پیاس لگنے پر پانی پینے کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔

عیادت اور نماز جنازہ.....معتکف نماز جنازہ اور مریض کی عیادت کے لئے نفلی اعتکاف میں باہر جاسکتا ہے البتہ فرض اعتکاف میں باہر نہیں جاسکتا لہٰذا فرض کی حالت میں باہر نکلا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا۔

جمعہ کے لئے نکلنا.....اگر معتکف اہل فرض میں سے ہو تو نماز جمعہ کے لئے باہر نکلنا لازمی ہوگا یہ تب ہے جب اعتکاف جامع مسجد میں نہ ہو، چونکہ جمعہ فرض ہے اور اعتکاف کی وجہ سے اسے چھوڑنا جائز نہیں۔لہٰذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے منصوص علیہ صحیح اور مشہور قول کے مطابق جمعہ کے لئے باہر جانے سے اعتکاف اور تتابع باطل ہوجائیں گے چونکہ باہر نکلنے سے احتراز ممکن ہی نہیں، چونکہ وہ غیر جامع مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہے اگر ایسا نہیں کرے گا اعتکاف باطل ہوجائے گا۔

گواہی کے لئے باہر جانا.....اگر گواہی کا دارومدار معتکف پر ہو تو اس کے لئے باہر جانا لازمی ہوگا چونکہ آدمی کا حق متعین ہوچکا ہے، لہٰذا گواہی دے کر واپس آجائے اور راجح قول کے مطابق اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا چونکہ وہ باہر جانے پر مجبور ہے۔

جب عورت اعتکاف کررہی ہے اور اسے طلاق ہوجائے تو وہ عدت کے لئے باہر جاسکتی ہے، اس کا اعتکاف بھی باطل نہیں ہوگا چونکہ وہ بھی باہر نکلنے کے لئے مجبور ہے۔

مرض.....اگر معتکف کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوگیا جس سے مسجد کے گندہ ہونے کا خطرہ ہو جیسے پیٹ کا بہنا، سلس البول (اور پیچش ہیضہ وغیرہ) تو مسجد سے باہر جاسکتا ہے جیسے حاجت انسانیہ کے لئے باہر جاسکتا ہے، صحیح اور مشہور قول کے مطابق تتابع منقطع نہیں ہوگا۔

---

❶.....رواہ البخاری ومسلم۔

اور اگر ایسا مرض لاحق ہوا جو قابل تحمل ہو اور اس کے ہوتے ہوئے مسجد میں ٹھہرنا ممکن ہو اور مشقت لاحق نہ ہوتی ہو جیسے سر درد، دانت کا درد اور آنکھ وغیرہ کا درد وغیرہ تو مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا، اگر باہر نکلا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

اگر ایسا مرض ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے مسجد میں ٹھہرنے میں دشواری اور مشقت پیش آتی ہو چونکہ اسے بستر، خادم اور طبیب کی ضرورت ہو تو اس صورت میں باہر جانا مباح ہے، صحیح قول کے مطابق اس کا تتابع منقطع نہیں ہوگا۔

بے ہوشی...... اگر معتکف بے ہوش ہو گیا اور اسے مسجد سے باہر نکال دیا گیا تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا چونکہ وہ اپنے اختیار سے باہر نہیں نکلا، اگر معتکف نشے میں دھت ہو گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا، اگر کوئی معتکف مرتد ہوا اور پھر اسلام میں داخل ہو گیا تو اپنے اعتکاف پر بنا کرے۔

اگر معتکفہ کو حیض آ جائے...... اگر کوئی عورت اعتکاف کر رہی تھی کہ اسے حیض آ گیا تو مسجد سے باہر نکل جائے چونکہ حالت حیض میں مسجد میں اقامت ممکن نہیں، البتہ اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا، جب حیض سے پاک ہو جائے تو سابق اعتکاف پر ہی بنا کرے، جیسے لگا تار دو ماہ کے روزوں میں عورت کو حیض آ جائے اور اگر عورت نے ایسی مدت میں اعتکاف کیا جسے حیض سے بچایا جا سکتا تھا تو اس صورت میں اعتکاف باطل ہو جائے گا، جیسے لگا تار تین دن کے روزوں میں عورت کو حیض آ جائے تو تتابع باطل ہو جاتا ہے۔

معتکف نے اگر حج کا احرام باندھا ہو اور وہ حج کے لئے باہر جائے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا چونکہ اپنے اختیار سے باہر نکلا ہے حالانکہ وہ مؤخر بھی کر سکتا تھا۔

اگر معتکف کو کسی ظالم کا خوف ہوا اور باہر نکل کر روپوش ہو جائے تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا چونکہ اس صورت میں وہ مجبور ہے اور اس کا عذر قابل قبول ہے۔

بادشاہ اگر معتکف کو باہر نکالے...... اگر معتکف مسجد سے بھول کر باہر نکل گیا یا اسے اٹھا کر زبردستی کوئی باہر لایا یا مجبور کیا گیا حتیٰ کہ خود ہی باہر نکل آیا یا سلطان نے اسے ظلماً باہر نکالا ہو تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "میری امت سے خطاء، نسیان اور جس امر پر اسے مجبور کیا گیا ہو اس سے اٹھا لیا گیا ہے۔" (۱)

البتہ اگر سلطان اسے کسی ایسے حق کی وجہ سے باہر نکالے جو اس پر واجب ہو اور وہ باوجود قدرت کے ٹال مٹول کرتا رہا ہو، یا سلطان اس لئے اسے باہر نکالے تاکہ اس پر شرعی سزا جاری کرے جیسے حد، قصاص یا تعزیر جو کہ اس کے اپنے اقرار سے ثابت ہوئی ہو تو اس صورت میں اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا، البتہ اگر جرم گواہوں کی وجہ سے اس پر ثابت ہوا ہو تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا اور نہ ہی تتابع منقطع ہوگا، جب واپس لوٹے اسی پر بناء کرے۔

اگر معتکف کسی عذر کی وجہ سے باہر نکلا تھا پھر عذر جاتا رہا معتکف جائے اعتکاف میں واپس نہ لوٹا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا چونکہ اس نے بلا عذر اعتکاف چھوڑ دیا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے بغیر عذر کے باہر نکل جائے۔

جائز امور...... معتکف کے لئے جائز ہے کہ وہ ایسے کپڑے پہنے جو غیر اعتکاف میں پہنتا تھا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ لباس کو تبدیل کرتے تھے (۲) معتکف خوشبو لگا سکتا ہے اور زیب و زینت کر سکتا ہے چونکہ اگر زینت کرنا حرام ہوتا تو بالوں میں کنگھی کرنی بھی حرام ہوتی جیسے احرام میں کنگھی کرنا حرام ہے، حالانکہ شیخین کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

---

(۱)...... حدیث حسن رواہ ابن ماجہ والبیھقی وغیرھما عن ابن عباس۔ (۲) اگر کسی نے غیر شرعی لباس پہنا ہو جیسے تنگ قسم کی پتلون اور ہاف بازوؤں والی شرٹ تو افضل ہے کہ ایسے لباس کو اتار دے اور شرفاء اور دیندار لوگوں کا سا لباس پہنے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کرتی تھیں اور آپ اعتکاف میں ہوتے، اس دلیل کی روایت سے معلوم ہوا کہ خوشبو لگانا حرام نہیں۔

معتکف کے لئے اپنی شادی کرنا دوسرے کی شادی کرانا جائز ہے اس کو خوشبو پر قیاس کیا گیا ہے، علم کا درس وتدریس جائز ہے چونکہ درس وتدریس اعمال خیر ہیں، معتکف اپنے مال اور جائیداد کے انتظام کے لئے تھوڑا بہت حکم دے سکتا ہے، خرید وفروخت کر سکتا ہے، لیکن اس میں کثرت نہ کرے، چونکہ مسجد کو بازار بنانے سے پاک رکھا جائے گا، اگر ان امور میں کثرت کی تو مسجد ہونے کی وجہ سے یہ مکروہ ہے، البتہ اعتکاف باطل نہیں ہوگا، معتکف مسجد میں کھا پی سکتا ہے، چونکہ کھانا پینا عمل قلیل ہے اور اس کے بغیر چارہ کار نہیں مسجد میں دسترخوان بھی بچھا سکتا ہے چونکہ دسترخوان سے مسجد کی نظافت ہوتی ہے، مسجد میں ہاتھ دھو سکتا ہے اور اگر طشت (یا کسی اور برتن) میں ہاتھ دھوئے تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔

حنابلہ..... حنابلہ کہتے ہیں جس معتکف کو اعتکاف میں تتابع لازم ہو جیسے کسی شخص نے ایک ماہ یا کئی دن لگا تار اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی ہو تو اس کے لئے حاجت انسانیہ یا ایسی حاجت جس کے سوا چارہ کار نہ ہو کے سوا مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں البتہ نماز جمعہ کے لئے باہر جا سکتا ہے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے۔ کہ ”معتکف کے لئے سنت ہے کہ وہ ایسی حاجت کے سوا باہر نہ نکلے جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔“ جیسے بول وبراز کی حاجت، دفعۃً قے ہوئی یا نجاست کو دھونے کی ضرورت پڑی، حدث سے طہارت حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی جیسے غسل جنابت اور وضو تو ان صورتوں میں باہر جا سکتا ہے، چونکہ جنبی کا مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے، اور محدث (بے وضو) کی نماز بغیر وضو کے صحیح نہیں ہوتی۔

اگر معتکف کو کھانا پانی لا کر دینے والا کوئی نہ ہو تو خود باہر جا سکتا ہے، البتہ گھر میں بیٹھ کر کھانے پینے کے لئے نہیں جا سکتا چونکہ اس کی حاجت نہیں نیز مسجد میں کھانا پینا مباح ہے اور اس میں کوئی عیب بھی نہیں۔

اگر معتکف پر جمعہ واجب ہو تو جمعہ پڑھنے کے لئے باہر جا سکتا ہے، چونکہ اس صورت میں واجب کی ادائیگی کے لئے باہر نکلا ہے لہٰذا اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا، جیسے معتدہ اگر عدت کے لئے باہر جائے تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا، یا اگر کسی شخص پر جمعہ واجب نہ ہو (جیسے عورت، مریض، بچہ وغیرہم) اور اس نے جمعہ کے لئے باہر جانے کی شروع اعتکاف میں شرط لگا دی ہو تو اس کا جمعہ کے لئے باہر جانا جائز ہے جمعہ کے لئے سویرے سویرے بھی جا سکتا ہے چونکہ جمعہ کے لئے باہر جانا جائز ہے تو اس کے لئے جلدی جانا بھی جائز ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان کی حاجت کے لئے باہر جانا، معتکف جمعہ کے بعد دیر تک بیٹھ بھی سکتا ہے چونکہ وہ جگہ بھی اعتکاف کے لئے صالح ہے۔

اگر کوئی اجتماعی کام پیش آ جائے جس کے لئے عام اعلان کیا گیا[1] ہو تو اگر اس کی احتیاج پیش آئے باہر جا سکتا ہے چونکہ اس طرح کا اجتماعی کام بھی واجب ہے جیسے جمعہ واجب ہے۔

اسی طرح ایسی گواہی جس کا دارومدار اسی پر ہو اس کے لئے بھی باہر جانا جائز ہے، اسی طرح اگر فتنے کا خوف ہو یا اپنی جان کا خوف ہو یا حرمت کا خوف ہو، یا مال لوٹ جانے کا خوف ہو یا آگ لگنے کا خوف ہو یا اسی طرح غرق ہونے کا خوف ہو تو بھی معتکف کے لئے باہر نکلنا جائز ہے، چونکہ یہ سارے امور ترک واجب کے اعذار ہیں جیسے جمعہ ایک عذر ہے، اگر ایسی بیماری لاحق ہو گئی جس کے ہوتے ہوئے مسجد میں اقامت دشوار ہو یا اقامت میں شدید مشقت لاحق ہونے کا امکان ہو جیسے بستر لگوانے میں اسے خادم کی ضرورت ہو تو باہر جا سکتا ہے اور اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا چونکہ وہ ضرورت اور حاجت کے لئے باہر جائے گا۔

---

[1] جیسے جہاد فی سبیل اللہ۔

اگر ہلکے درجے کا مرض ہو جیسے سر درد، ہلکا بخار، ڈاڑھ کا درد وغیرہ تو اس صورت میں باہر نکلنا جائز نہیں چونکہ یہ ایسے امراض ہیں جو قابل برداشت ہیں لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی معتکف گھر جا کر رات گزارے۔❶

اگر معتکف کو سلطان یا غیر سلطان نے باہر نکلنے پر مجبور کیا تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ اسے کوئی اٹھا کر باہر لائے یا باہر نکالا جائے، یا اسے کوئی باہر نکلنے کی دھمکی دے بشرطیکہ دھمکی دینے والا قادر ہو، یا اس پر کوئی غلبہ پائے جیسے چور، ڈاکو اور معتکف اپنے تئیں باہر نکل آیا تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

چونکہ ان جیسے امور پیش آنے پر جمعہ اور جماعت کا چھوڑنا مباح ہے، یہ مریض اور حائضہ کی مانند ہے۔

اگر مسجد سے بھول کر باہر نکل آیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا چونکہ حدیث گزر چکی ہے۔ کہ ”میری امت کو خطا، نسیان اور اکراہ کی صورت میں پیش آنے والا امر معاف ہے۔“ بھول کر نکلنے والا واپس آئے اور اپنے اعتکاف سابق پر بنا کرے، اسی طرح جب عذر زائل ہو جائے جس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا تو واپس آ کر اعتکاف سابق پر بنا کرے۔

عورت حیض ونفاس کی وجہ سے مسجد سے باہر نکل سکتی ہے جب پاک ہو جائے مسجد میں واپس آ جائے، چونکہ حیض ونفاس کے ہوتے ہوئے مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے، اسی طرح عدت وفات کے لئے بھی معتکف سے نکل سکتی ہے چونکہ عدت جمعہ کی طرح واجب ہے، نیز عدت اللہ تعالیٰ اور انسان کا حق ہے، جب چھوڑ دیا جائے تو اس کا تدارک نہیں ہوسکتا جبکہ اعتکاف کا تدارک ممکن ہے۔

استحاضہ مانع اعتکاف نہیں چونکہ استحاضہ مانع نماز نہیں البتہ مستحاضہ کے لئے واجب ہے کہ اچھی طرح اپنی حفاظت کرے تاکہ مسجد آلودہ نہ ہونے پائے۔

معتکف مریض کی عیادت کے لئے نہیں جاسکتا، جنازے میں نہیں جاسکتا، مسجد سے باہر نکل کر میت کی تجہیز وتکفین بھی نہیں کرسکتا، البتہ اگر شروع اعتکاف میں اس کی شرط لگادی ہو تو پھر جائز ہے، یا اس کے علاوہ کوئی اور نہ ہو جو تجہیز وتکفین کا بندوبست کرسکے تو اس صورت میں معتکف پر تجہیز وتکفین واجب ہے چونکہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہے نہیں۔

اعتکاف میں شرط معصیت غیر معتبر ہے..... اگر کسی شخص نے اعتکاف میں جماع کی شرط لگادی یا کسی تماشا کے لئے یا سیر کے لئے یا تجارت کی خرید وفروخت یا مسجد ہی میں کسی پیشے کے کرنے کی شرط لگادی تو یہ شرط جائز نہیں ہوگی چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ......البقرۃ ۲/۱۸۷

اور جب تم اعتکاف میں ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت مت کرو نیز معتکف کا اس طرح کی شرط لگانا معصیت کی شرط ہے جو کسی طرح جائز نہیں، مسجد میں کاریگری اور پیشہ اعتکاف کے علاوہ ممنوع ہے اعتکاف میں تو بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا، مذکور بالا امور اسی قسم کے ہیں ان کی چنداں حاجت نہیں۔

معتکف کے لئے تجارت کرنا یا کاریگری کرنا جائز نہیں چونکہ معتکف کو صرف انہی امور کی اجازت ہے جن کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو پہلے گزر چکا ہے کہ مسجد میں بیع وشراء جائز ہیں۔

مسجد میں عقد نکاح (شادی) کرنے میں کوئی حرج نہیں، معتکف عقد نکاح (جو مسجد میں ہو) میں حاضر ہوسکتا ہے، چونکہ عقد نکاح اطاعت ہے اور عقد نکاح میں حاضری قربت (نیکی ہے) نیز اس کی مدت بھی طویل نہیں ہوتی (یعنی تھوڑے وقت میں عقد نکاح ہو جاتا ہے) ایسا نہیں ہوتا کہ اعتکاف سے پہلو تہی لازم آتی ہو لہٰذا عقد نکاح میں جانا معتکف کے لئے مکروہ نہیں جیسے چھینک اور سلام کا جواب دینا۔

صفائی ستھرائی میں کوئی حرج نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں اپنے سر مبارک کو کنگھی کروا دیتے تھے، معتکف خوشبو لگا سکتا

---

❶.....چونکہ معتکف مسجد میں رات گزار سکتا ہے اور وہ گھر جا کر رات گزارے تو یہ محض لغو ہے، اسی طرح مرض خفیف کے لئے باہر جانا بھی لغو ہے۔

ہے، عمدہ عمدہ کپڑے پہن سکتا ہے، لیکن یہ مستحب نہیں ہے۔

معتکف مسجد میں کھا سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ کھانے کے لئے دستر خوان بچھائے تا کہ مسجد آلودہ نہ ہو اور طشت میں ہاتھ دھوئے ہاتھ دھونے کے لئے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں چونکہ اس کی ضرورت نہیں۔

خلاصہ......اعتکاف میں چار صورتوں میں باہر نکلنا مباح ہے۔

اول......اسی صورت کے لئے نکلنا جس سے قضاء اور کفارہ واجب نہ ہوتا ہو جیسے حاجت انسانی کے لئے باہر جانا اور اس جیسی دوسری حاجات کے لئے جانا۔

دوم......ایسی صورت جس پر قضاء واجب ہو اور کفارہ واجب نہ ہو جیسے حیض کی حالت میں باہر نکل جانا۔

سوم......وہ صورت جس سے قضاء اور کفارۂ یمین واجب ہوتا ہو جیسے کسی فتنے کا خوف ہو کہ اگر مسجد میں بیٹھا رہا تو فتنہ میں پڑ جائے گا، یا مال کے لوٹنے کا خوف ہو یا آگ کا خوف ہو، جب خوف جاتا رہے تو گزشتہ واعتکاف پر بناء کرے، اور جب معین ایام کی نذر مانے اور پھر باہر جانا پڑے تو بعد میں بقیہ ایام کی قضاء کرے اور قسم کا کفارہ دے۔

چہارم......وہ صورت کہ قضاء واجب ہوتی ہو اور کفارہ میں دو صورتیں ہیں۔ جیسے نفیر عام کے موقع پر باہر نکلنا، عدت یا ادائے شہادت کے لئے باہر جانا چنانچہ قاضی ابو یعلیٰ کے قول کے مطابق کفارہ نہیں، چونکہ مسجد سے نکلنا واجب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا حیض کے لئے نکلنے کے مشابہ ہو گیا۔

خرقی کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ واجب ہے چونکہ یہ خروج غیر معتاد ہے لہٰذا کفارہ واجب ہوگا جیسے فتنہ کے موقع پر خروج پر کفارہ ہے۔

پانچویں بحث......آداب معتکف، مکروہات مبطلات

معتکف کے آداب......معتکف کے بہت سارے آداب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱......معتکف کے لئے مستحب ہے کہ وہ بقدر استطاعت دن رات نماز میں مشغول رہے، تلاوت قرآن کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر جیسے۔ "لاالٰہ الا اللّٰہ" وغیرہ میں مشغول رہے اور استغفار کرتا رہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور حکمت کی باریکیوں کی فکر و سوچ میں دل کو مصروف رکھے، زیادہ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، قرآن مجید کی تفسیر پڑھے، علم کے درس و تدریس میں لگا رہے، سیرت قصص انبیاء اور حکایات صالحین کا مطالعہ کرے، اسی طرح دوسرے اعمال طاعت میں مشغول رہے۔

مالکیہ نے ان مستحب اعمال کو اعتکاف کی شرائط میں شمار کیا ہے، جبکہ حنابلہ کے نزدیک معتکف کا علم میں مشغول ہونا مکروہ ہے مالکیہ بھی حنابلہ کے ساتھ ہیں، چنانچہ ان کے ہاں اگرچہ علم شرعی ہو خواہ تعلیم ہو یا تعلم اگر اس کی کثرت ہو تو مکروہ ہے اور اگر قلیل ہو تو مکروہ نہیں۔ چونکہ اعتکاف کا مقصد دل کی صفائی اور ستھرائی ہے اور یہ رب تعالیٰ کے دربار میں حاضری دینے سے حاصل ہوتی ہے خصوصاً ذکر سے حاصل ہوتا ہے جبکہ لوگوں کے ساتھ مشغول ہو جانا اس کے منافی ہے۔

اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک کتابت کا کام بھی مکروہ ہے اگرچہ قرآن مجید کا نسخہ ہی لکھتا ہو چونکہ اس سے ملاحظہ رب (رب تعالیٰ کی طرف قلبی توجہ) نہیں رہتا، اعتکاف سے ثواب کی کثرت مقصود نہیں ہوتی بلکہ آئینہ دل کی صفائی مقصود ہوتی ہے اور اسی سے دونوں جہانوں

کی سعادت مل سکتی ہے۔ ❶

۲..... مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک معتکف کے لئے روزہ رکھنا مسنون ہے، جمہور سے مراد وہ فقہاء ہیں جو روزے کی شرط نہیں لگاتے، جبکہ مالکیہ روزے کی شرط لگاتے ہیں اور حنفیہ اعتکاف منذور کے لئے روزے کی شرط لگاتے ہیں۔

۳..... مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جامع مسجد میں اعتکاف مندوب ومستحب ہے، مالکیہ اور شافعیہ جامع مسجد کی شرط نہیں لگاتے جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے جامع مسجد شرط ہے اس میں سب سے افضل مسجد حرام ہے، مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ۔ ❷

۴..... رمضان میں اعتکاف مندوب ہے چونکہ رمضان افضل مہینہ ہے، خصوصاً اخیر عشرہ میں اعتکاف تو بالاتفاق افضل ہے، چونکہ اخیر عشرہ میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری پوری رات بیدار رہتے، اہل خانہ کو بھی بیدار رکھتے اور تہبند مضبوطی سے باندھ لیتے۔ ❸

۵..... عید کی رات معتکف کے لئے جائے اعتکاف میں ٹھہرے رہنا مستحب ہے تاکہ وہیں سے نکل کر عیدگاہ میں پہنچے اور یوں عبادت سے عبادت کا اتصال رہے، نیز اس رات عبادت کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ کہ ”جس شخص نے عید کی دوراتیں جاگ کر عبادت کی اور رب تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھی تو جس دن سبھی دل مردہ ہوں گے اس دن اس کا دل مردہ نہیں ہوگا“ ❹ یعنی جس دن اس پر نزع کا عالم طاری ہوگا اور جب فرشتے اس سے سوالات کریں گے اور جب قیامت کا سوال ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ایمان پر ثابت قدم رکھے گا۔

۶..... معتکف لایعنی اقوال وافعال سے گریز کرے، کثرت کلام سے اجتناب کرے چونکہ جو زیادہ باتیں کرتا ہے اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں نیز حدیث میں ہے۔ ”آدمی کے اسلام لانے کی خوبی میں سے ہے کہ وہ لایعنی باتیں چھوڑ دے۔ ❺

معتکف لڑائی جھگڑا، ریاکاری، تکبر، گالی گلوچ اور بیہودہ گوئی سے احتراز کرے چونکہ یہ رذائل غیر اعتکاف میں مکروہ ہیں اعتکاف میں بطریق اولیٰ مکروہ ہوں گے، البتہ ان امور سے روزہ باطل نہیں ہوگا چونکہ کلام مباح سے روزہ باطل نہیں ہوتا لہٰذا کلام محظور سے بھی باطل نہیں ہوگا۔

اعتکاف میں کلام کرنا..... معتکف خیر وبھلائی کے سواء اور کوئی بات نہ کرے، ❻ اپنی ضرورت اور حاجت کے لئے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح دوسروں کے ساتھ گفتگو کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرما رہے تھے میں رات کو آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئی میں آپ کے ساتھ باتیں کرتی رہی پھر میں کھڑی ہوگئی اور واپس آنے لگی، آپ بھی مجھے واپس کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ (حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی رہائش اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی) اتنے میں انصار کے دو شخص ادھر سے گزرے، جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا فوراً آپ کی طرف لپکے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے حال پر رہو، میرے ساتھ یہ صفیہ بنت حیی ہے، وہ دونوں بولے: سبحان اللہ! یارسول اللہ ❼ فرمایا: ”شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے، مجھے خوف ہوا کہ شیطان تمہارے دلوں میں شر و برائی نہ ڈال دے یا فرمایا کوئی بری بات نہ ڈال دے۔“ ❽

---

❶..... ہمارے ہاں بعض مساجد میں اس چیز کا بھرپور انتظام کیا جاتا ہے باقاعدہ شیوخ کاملین کے، وعظ ہوتے ہیں جن سے دل کی صفائی وستھرائی میں بھرپور مدد ملتی ہے اور اعتکاف کی روح حاصل ہوتی ہے اس غرض کے لئے عشرہ رمضان میں ہمارے دارالعلوم کراچی میں بندوبست کیا جاتا ہے۔ ❷ فی الواقع یہی ترتیب ہے لیکن اگر آج ایک آدمی مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرے گا اور اسے وہاں یہود کی مزاحمت کا مقابلہ کرنے پڑے گا اس مزاحمت کی وجہ سے یقیناً اس کا ثواب چند در چند ہوگا۔ ❸ متفق علیه (نیل الاوطار ۴/ ۲۷۰)۔ ❹ رواه ابن ماجه عن ابی امامة۔ ❺ حدیث حسن رواه الترمذی وغیره هکذا عن ابی هریرة۔ ❻ خاموشی کو عبادت سمجھنا ضروری نہیں، بلکہ معتکف کو چاہئے کہ کلام کرے ہاں کلام خیر وبھلائی کا ہو۔ ❼ یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آپ کے متعلق شک نہیں ہوا آپ اس سے بالاتر ہیں۔ ❽ تب میں نے یہ وضاحت کردی رواه البخاری ومسلم۔

مکروہات اعتکاف

اعتکاف کے جو آداب اوپر ذکر ہوئے ہیں ان میں سے ایک کو ترک کرنا بھی مکروہ ہے، اسی طرح مذاہب فقہیہ میں مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں۔

حنفیہ.....حنفیہ کے نزدیک مسجد میں مبیع (سامان خرید وفروخت) کو حاضر کرنا مکروہ ہے، چونکہ مسجد حقوق العباد سے آزاد ہے لہٰذا مسجد کو دوکان نہیں بنایا جائے گا۔

اسی طرح ہر ایسا عقد کرنا مکروہ ہے جو تجارت سے متعلق ہو چونکہ معتکف ساری دنیا سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے لہٰذا امور دنیا میں اسے مشغول نہیں ہونا چاہئے۔

قربت (نیکی) سمجھ کر خاموشی اختیار کرنا مکروہ ہے چونکہ خاموشی سے منع کیا گیا ہے چونکہ خاموشی اہل کتاب کا روزہ تھا جو منسوخ ہو چکا۔

مالکیہ.....مالکیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں۔

۱.....یہ کہ اعتکاف دس دنوں سے کم یا ایک ماہ سے زیادہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

۲.....معتکف کا مسجد کے برآمدہ یا صحن میں کھانا جسے مسجد کی فراخی کے لئے بڑھایا گیا ہو، چونکہ معتکف علیحدہ ہو کر کھاتا ہے۔

۳.....یہ کہ قادر شخص کھانے، پینے اور لباس کے بغیر اعتکاف کرے حتیٰ کہ باہر نکلنے ہی نہ پائے، اگر کوئی مستغنی ہو کر اعتکاف کرے تو قریب ترین جگہ جا کر ضرورت کی اشیاء خریدے ورنہ اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، جس شخص کے پاس بقدر ضرورت سامان حاجت نہ ہو اس کا اعتکاف مکروہ ہے۔

۴.....معتکف کا ایسے گھر میں داخل ہونا جس میں اس کی بیوی ہو چونکہ وہ قضائے حاجت کے عذر سے گھر گیا عین ممکن ہے بیوی سے آنکھیں دوچار ہو جائیں اور وہ اعتکاف فاسد کر بیٹھے۔

۵.....معتکف کا کثرت کے ساتھ علم میں مشغول ہونا خواہ علم شرعی ہی کیوں نہ ہو اسی طرح تعلیم وتعلم اور کتابت میں مشغول ہونا بھی مکروہ ہے اگرچہ قرآن مجید کا نسخہ لکھ رہا ہو، چونکہ اعتکاف کا مقصد نفس کی ریاضت، دل کی صفائی اور رب تعالیٰ کے دربار میں ہمہ تن متوجہ رہنا ہے۔ اور یہ مقصد ذکر اور نماز سے حاصل ہوتا ہے، البتہ علامہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے معتکف کو اجازت دی ہے کہ وہ دوسرے کو قرآن سنا سکتا ہے اور دوسرے سے سن بھی سکتا ہے، بشرطیکہ یہ بھی تعلیم تعلم کی غرض سے نہ ہو۔

۶.....ذکر، تلاوت اور نماز کے علاوہ کسی بھی فعل میں مشغول ہونا مکروہ ہے مثلاً کوئی شخص عیادت مریض یا نماز جنازہ میں مشغول ہو گیا، اسی طرح اذان کے لئے منارے پر یا چھت پر چڑھنا بھی معتکف کے لئے مکروہ ہے، نماز کے لئے اقامت کہنا بھی معتکف کے لئے مکروہ ہے، البتہ امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ مستحب ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کیا اور امامت کرتے تھے۔

۷.....دور بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرنا معتکف کے لئے مکروہ ہے البتہ اگر قریب ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ.....حنابلہ کے نزدیک خرید وفروخت میں کثرت مکروہ ہے، اسی طرح کسی قسم کی کاریگری، سینگی لگوانا اور نشتر لگوانا بھی مکروہ ہے یہ تب کہ جب مسجد آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو اور اگر مسجد آلودہ ہونے کا خطرہ ہو تو یہ امور حرام ہیں۔ [1]

حنابلہ.....حنابلہ کے نزدیک قرآن پڑھانے اور علم کی درس وتدریس میں مشغول ہونا مکروہ ہے، اسی طرح فقہاء کے ساتھ مناظرہ

---

[1] .....مزید تفصیل کے لئے دیکھئے المہذب ۱/ ۱۹۴۔

کرنا، ان کی مجالست اور کتابت حدیث جیسے امور جن کا نفع متعدی ہو مکروہ ہیں۔ لایعنی افعال واقوال میں حصہ لینا جیسے لڑائی جھگڑا، تکبر، فضول گوئی وغیرہ مکروہ ہیں، کلام سے خاموش رہنا بھی مکروہ ہے، چونکہ خاموشی شریعت اسلام کا حصہ نہیں، ❶ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ''صبح سے لے کر شام تک خاموش رہنے کی کوئی حقیقت نہیں۔'' ❷

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ احمس کی ایک عورت کے پاس گئے اس عورت کا نام زینب تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا کہ وہ بات نہیں کرتی، فرمایا: اسے کیا ہوا جو باتیں نہیں کرتی؟ لوگوں نے کہا: اس عورت نے خاموش حج کرنے کا ارادہ کیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے فرمایا: کلام کرو، یہ طریقہ حلال نہیں بلکہ یہ تو جاہلیت کا عمل ہے، چنانچہ عورت نے کلام کرنا شروع کیا۔ ❸

مبطلات اعتکاف

اعتکاف مندرجہ ذیل امور سے باطل یا فاسد ہو جاتا ہے۔ ❹

۱.....بغیر کسی عذر شرعی کے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے جیسے خرید وفروخت کے لئے نکلنا، غیر حاجت طبعیہ کے لئے نکلنے سے بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، (بول و براز حاجت طبعیہ ہیں)، بلاضرورت نکلنے سے بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے (مسجد منہدم ہونے کی وجہ سے نکلنا ضرورت کی وجہ سے ہے)، ''وہ امور جو معتکف کے لئے لازمی ہیں'' کے عنوان کے تحت جو امور ذکر ہوئے ہیں ان کے خلاف کرنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک خروج متعین سے بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ خروج واجب ہو جیسے متعین جہاد کے لئے خروج اسی طرح حبس فی الدین کے لئے بھی خروج کرنا اعتکاف کو باطل کر دیتا ہے۔

اگر معتکف کسی ضرورت کے لئے جائے اعتکاف سے نکلا جیسے اشیاء خورد ونوش کی خریداری کے لئے نکلا یا طہارت، قضائے حاجت یا غسل جنابت کے لئے نکلا یا کسی عذر شرعی کی وجہ سے نکلا جیسے نماز جمعہ کے لئے تو ان صورتوں میں اعتکاف باطل نہیں ہوگا بشرطیکہ اس ضرورت میں اتنا ہی وقت صرف کرے جتنا عام حالات میں اس کے لئے وقت چاہئے ہوتا ہے ورنہ اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ ❺

۲.....جماع کرنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، جمہور کے نزدیک جماع خواہ بھولے سے ہو یا اکراھاً، دن کو ہو یا رات کو اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، چونکہ اعتکاف میں جماع کرنا حرام ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا.....البقرة ۲/۱۸۷

اور جب تم مساجد میں اعتکاف کر رہے ہو تو بیویوں سے مباشرت مت کرو یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں ان کے قریب بھی مت جاؤ۔

اگر معتکف نے شرم گاہ میں جان بوجھ کر جماع کیا تو بالاجماع اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

اسی طرح جمہور کے نزدیک غیر عمد (یعنی بھولے سے) جماع کرنے سے بھی اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، چونکہ اعتکاف میں جو امور حرام

---

❶.....حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک حصہ ولایت اور چیزوں میں ہے ۹ حصے ولایت خاموشی میں ہے، نیز حدیث ہے من صمت نجا، یہ سب فضائل اس خاموشی کے ہیں جو فضول گوئی اور کثرت کلام کے مدمقابل اور ضد ہے، یہاں وہ خاموشی مراد ہے جیسے نیکی سمجھا جائے اور اس نیت سے اعتکاف میں خاموش رہنا کہ اس میں ثواب ہے تو یہ خاموشی جہالت ہے اور ممنوع ہے۔ ❷ رواہ ابوداؤد، نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال اور خاموش روزے سے منع فرمایا ہے۔ ❸ رواہ البخاری۔ ❹ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الدر المختار ۲/۱۸۵، مراقی الفلاح ص ۱۲۰ الشرح الكبير ۱/۵۴۳ مغني المحتاج ۱/۴۵۲ المغني ۳/۱۹۶۔ ❺ مثلاً قریب مارکیٹ سے روٹی خرید کر لانی ہے اس کے لئے پانچ سے دس منٹ کافی ہوں اور وہ آدھا گھنٹہ لگا دے تو اس سے اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

ہیں ان میں برابر ہے جان بوجھ کے ہوں یا سہواً ہوں وہ اعتکاف کو فاسد کردیتے ہیں جیسے مسجد سے باہر نکلنا، جماع کی صورت میں حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب میں کفارہ نہیں ہے، اسی طرح باقی مذاہب میں بھی کفارہ نہیں ہے، چونکہ اعتکاف عبادت ہے اصل شرع سے واجب نہیں لہٰذا فاسد کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا جیسے نوافل میں ہوتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: اس جماع سے اعتکاف فاسد ہوتا ہے جو جان بوجھ کر علم رکھتے ہوئے ہو اور اختیار سے ہو، لہٰذا بھولے سے، جہالت سے اور اکراھاً جماع کرنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، جیسے ان حالات میں معتکف جائے اعتکاف سے باہر نکل جائے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، چونکہ مذکورہ حالات میں جماع کرنا ایک طرح کی مباشرت ہے، ان حالات میں جماع سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لہٰذا اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوگا، یہ ایسے ہی ہے جیسے شرم گاہ سے ہٹ کر جماع کرلیا جائے (تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا)

نیز فرمان نبوی میں عموم ہے کہ "میری امت سے خطا، نسیان، اور اکراہ کی صورت میں ہونے والے عمل کو اٹھادیا گیا ہے۔" ❶

۳.....شہوت کے ساتھ مباشرت کی حالت میں انزال ہوجانے سے بھی اعتکاف باطل ہوجاتا ہے، جیسے بوسہ لینا، چھونا اور رانوں میں مباشرت کرنا اور اس سے انزال ہوجائے تو بالاتفاق اعتکاف باطل ہوجائے گا چونکہ فرمان باری تعالیٰ میں عموم ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ......البقرہ ۲/۱۸۷

اگر (عورت کے محاسن) سوچنے سے یا (عورت کو) دیکھنے سے یا مباشرت کرنے سے منی خارج ہوئی پر انزال نہ ہوا تو جمہور کے نزدیک اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، چونکہ ایسی مباشرت سے روزہ اور حج فاسد نہیں ہوتے لہٰذا اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوگا۔

شافعیہ......البتہ شافعیہ اس میں ایک قید لگاتے ہیں کہ اعتکاف تب فاسد نہیں ہوگا جب اس طرح کی مباشرت کی عادت نہ ہو اگر عادت ہوئی تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔

مالکیہ......مالکیہ کہتے ہیں: سوچنے دیکھنے اور مباشرت سے اگر منی خارج ہو گو انزال نہ ہو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، چونکہ یہ بھی ایک طرح کی مباشرت ہے جو حرام ہے، لہٰذا اعتکاف کو فاسد کردے گی یہ ایسا ہی ہے جیسے انزال ہوجائے۔ ❷

بالاتفاق ایسی مباشرت میں کوئی حرج نہیں جو بغیر شہوت کے ہو مثلاً عورت معتکف کا سر دھوڈالے یا کوئی چیز اسی پکڑادے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب کرتے تھے جبکہ آپ معتکف ہوتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سر میں کنگھی کردیتی تھیں۔ ❸

۴.....مرتد ہوجانے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ......الزمر ۳۹/۶۵

اگر تم شرک کروگے تمہارا عمل باطل ہوجائے گا۔" نیز ارتداد کی وجہ سے اب وہ اعتکاف کا اہل نہیں رہا۔

اگر مرتد اسلام کی طرف واپس لوٹ آیا تو جمہور کے نزدیک وہ اعتکاف کی قضاء نہ کرے تاکہ اسلام میں اس کی رغبت پختہ ہوجائے، البتہ حنابلہ کے نزدیک اعتکاف منذور کی صورت میں قضاء لازم ہوگی اور اس پر کفارہ یمین ہوگا جیسے رمضان کے عشرہ اخیرہ میں ہوتا ہے۔

۵.....دن کے وقت نشہ ہوجانے سے اعتکاف باطل ہوجاتا ہے، اسی طرح جمہور کے نزدیک رات کو بھی نشہ چڑھ جانے سے اعتکاف باطل ہوجائے گا، شافعیہ کے نزدیک یہ قید ہے کہ اگر اعتکاف میں داخل ہو تب باطل ہوگا بطلان کی دلیل یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں معتکف میں عبادت کی اہلیت باقی نہیں رہتی، شافعیہ کہتے ہیں اگر تعدی وزیادتی سے نشہ ہو تب اعتکاف فاسد ہوگا۔

---

❶ چونکہ حالت اعتکاف مذکرہ ہے اس میں نسیان کا عذر غیر مقبول ہے۔ ❷ مباشرت میں اگر انزال ہوجائے تو اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ ❸ رواه احمد و شیخان عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها.

۶......بے ہوشی اور پاگل پن جو طویل ہوں وہ بھی اعتکاف کو باطل کر دیتے ہیں، چنانچہ جب کئی دنوں تک معتکف پاگل ہو گیا یا بے ہوش ہو گیا تو جمہور کے نزدیک اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

شافعیہ......جبکہ شافعیہ تعدی (سرکشی، حد سے تجاوز کرنا، زیادتی کرنا) کی قید لگاتے ہیں بہر حال بطلان کی دلیل ہے کہ بے ہوشی اور پاگل پن میں اعتکاف کی اہلیت مفقود ہو جاتی ہے شافعیہ بے ہوشی کے وقت کو اعتکاف میں شمار کرتے ہیں، جبکہ حیض، نفاس، جنابت اور جنون کے زمانے کو اعتکاف میں شمار نہیں کرتے۔

حنابلہ......حنابلہ کہتے ہیں بے ہوشی سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا❶ جیسے نیند سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

۷......حیض ونفاس: جب معتکفہ کو حیض یا نفاس آ جائے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

۸......مالکیہ اور حنفیہ اعتکاف کے لئے روزہ کی شرط لگاتے ہیں لہٰذا جان بوجھ کر کھانے سے اعتکاف بھی باطل ہو جائے گا اور اگر بھولے سے کھا لیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

۹......کبیرہ گناہ جیسے غیبت، چغلی، تہمت کے ارتکاب سے مالکیہ کے دو مشہور اقوال میں سے ایک قول کے مطابق اعتکاف باطل ہو جائے گا، جبکہ جمہور کے نزدیک اور مالکیہ کے دوسرے مشہور قول کے مطابق اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

چھٹی بحث......اعتکاف فاسد کا حکم

اس مسئلہ میں فقہاء کی تفصیلات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ......فاسد اعتکاف دو حالوں سے خالی نہیں یا تو منذور ہوگا یا نفلی۔

ا: اعتکاف واجب (منذور)......جب اعتکاف واجب فاسد ہو جائے اس کی قضاء واجب ہوگی، البتہ اگر ارتداد کی وجہ سے فاسد ہوا تو اس کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔

اگر اعتکاف معین ایک مہینے کا ہو تو فاسد شدہ مقدار کی قضاء کرے گا اس کے علاوہ اور نہیں❷ از سر نو اعتکاف لازم نہیں ہوگا، جیسے رمضان کے روزے۔❸

اگر غیر معین مہینے میں اعتکاف کیا اور پھر اعتکاف فاسد کر دیا تو پورے مہینہ کا اعتکاف لازم ہوگا، چونکہ اس صورت میں تتابع لازمی تھا لہٰذا تتابع کی رعایت از سر نو اعتکاف کرنے ہی میں رکھی جا سکتی ہے۔

اس میں برابر ہے کہ معتکف نے اپنے فعل سے بغیر کسی عذر کے اعتکاف فاسد کیا جیسے باہر نکل گیا، یا جماع کر لیا، یا دن کے وقت کھا پی لیا، یا کسی عذر کی وجہ سے اپنے فعل سے فاسد کیا جیسے کوئی شخص بیمار ہو گیا تو معتکف کو باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئی یا اعتکاف کے فساد میں معتکف کے فعل کو دخل نہیں تھا جیسے حیض، جنون، طویل بے ہوشی ان تینوں صورتوں میں قضاء واجب ہوگی چونکہ قضاء سے فوت شدہ فعل کا جبیرہ ہو جاتا ہے۔

ردت میں سقوط قضاء کی دلیل......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ حنابلہ بے ہوشی کو نیند پر قیاس کرتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق ہے۔ ❷ صورت مسئلہ یہ ہے جیسے رجب کی نذر مانی تھی اس نے ۲۰ دن اعتکاف کیا اور پھر فاسد کر دیا بعد میں بقیہ دس دن جو اس نے فاسد کئے دن کا اعتکاف کرے گا۔ ❸ یعنی رمضان میں جو روزے فاسد ہوئے صرف انہی روزوں کی قضاء لازم ہوتی ہے پورے رمضان کی قضاء لازم نہیں ہوتی۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ......الانفال ۸/۳۸

کافروں سے کہہ دو کہ اگر (کفر سے) باز آ جائیں تو ان کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

قضاء کے دیگر مسائل...... نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اسلام پہلے کے گناہوں (جو حالت کفر میں سرزرد ہوتے ہوں) کو ختم کر دیتا ہے۔ ❶

جس شخص نے کسی معین مہینہ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی جیسے محرم میں اعتکاف کی نذر مانی، پھر پورے مہینے کا اعتکاف فوت ہو گیا تو پورے مہینے کی لگاتار قضاء کرے گا، چونکہ اس صورت میں اعتکاف ذمہ میں قرض ہو گیا ہے۔

اگر کوئی شخص اعتکاف کی قضاء پر قدرت رکھتا تھا قضاء نہ کی حتیٰ کہ زندگی سے مایوس ہو گیا، تو اس پر واجب ہے کہ روزے کی وجہ سے ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلانے کی وصیت کرے، یہ فدیہ روزے کی وجہ سے ہوگا اعتکاف کی وجہ سے نہیں، جیسے رمضان کی قضاء اور نذر معین کے روزہ میں ہوتا ہے۔

اگر نذر مانتے وقت مرض میں تھا پھر حالت مرض ہی میں مر گیا تو اس صورت میں اس پر کچھ نہیں ہوگا۔

''ب'' نفلی اعتکاف...... جب کسی شخص نے دن پورا ہونے سے قبل ہی نفلی اعتکاف قطع کر دیا تو روایت ❷ اصل کے مطابق معتکف پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف واجب کے مبطلات (مفسدات) دو قسم کے ہیں۔

اول...... وہ اعتکاف جو معتکف کے فعل سے باطل ہو اور از سر نو اعتکاف کرنا لازم ہو، جیسے اپنے پاؤں سے چل کر بلا ضرورت باہر نکل جائے، یا والدین میں سے کسی ایک کے مرض کی وجہ سے باہر نکلے، یا نماز جمعہ کے لئے نکلے جبکہ غیر جامع مسجد میں اعتکاف کر رہا ہو، اور جیسے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا یا عمداً اسے نشہ چڑھ گیا، یا رات کو جماع کر دیا یا شہوت سے بوسہ لیا یا چھو لیا، لہٰذا جس شخص نے معین دنوں کی نذر مانی ہو جیسے ہفتہ کی یا تین دنوں کی پھر معتکف سے متذکرہ بالا امور میں سے کوئی امر سرزد ہوا تو قضاء واجب ہوگی اور از سر نو اعتکاف کرے گا۔

دوم...... وہ اعتکاف جس کا زمانہ خاص ہو لیکن اس سے ماقبل کا باطل نہ ہو، اس صورت کی تین اقسام ہیں۔

الف...... وہ صورت جو صرف روزے کے مانع ہے، جیسے عید کا ہونا، خفیف مرض کا لاحق ہو جانا، لہٰذا اگر کسی شخص نے ماہ ذی الحجہ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو وہ عید الاضحیٰ کے دن مسجد سے باہر نہیں نکلے گا ورنہ اصل اعتکاف باطل ہو جائے گا، جس شخص نے بھول کر روزہ توڑ دیا یا اسے مرض خفیف لاحق ہوا جو روزے کے مانع تھا تو اس دن کے گزر جانے کے بعد بناء واجب ہوگی۔ ❸

ب...... ایسی صورت پیش آ جائے جو مسجد میں ٹھہرنے کے مانع ہو جیسے سلس البول، زخم کا بہنا، یا ایسا پھوڑا ہو گیا جس سے مسجد کے آلودہ ہونے کا خوف ہو، تو ان سبھی امور میں معتکف پر باہر نکلنا واجب ہوگا اور جونہی عذر ختم ہو جائے واپس لوٹنا بھی واجب ہوگا اور واپس آ کر سابق اعتکاف پر بناء کرے۔

ج...... ایسی صورت پیش آ جائے جو روزہ اور مسجد میں ٹھہرنے کے مانع ہو جیسے حیض ونفاس، اس کا حکم سابقہ صورتوں کی طرح ہے۔

اگر معتکف کو واپس لوٹنے میں تاخیر ہو گئی بھلے نسیان اور اکراہ کے عذر سے تاخیر ہوا اعتکاف اور استیناف باطل ہو جائے گا اور دوبارہ اعتکاف کرے گا، البتہ اگر عید کی رات یا دن کی وجہ سے واپس لوٹنے میں تاخیر ہوئی تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا، چونکہ ہر کس و ناکس کا روزہ صحیح نہیں ہوتا۔

---

❶ حديث ضعيف رواه ابن سعد عن الزبير عن جبير بن مطعم. ❷ روایت اصل سے مراد اصول ستہ یعنی امام محمد کی چھ کتابیں ہیں جنہیں فقہ حنفی میں اصول کا درجہ حاصل ہے۔ ❸ یعنی جتنے دن اعتکاف بیٹھا وہ معتبر ہوگا اور انہی کو بنیاد بنا کر بقیہ دن کا اعتکاف کرے۔

اگر معتکف کو حیض، نفاس یا بے ہوشی یا شدید مرض اعتکاف کے دوران پیش آ گیا پھر وہ مسجد سے نکل کر گھر پہنچا اور عید کی رات اس کا عذر زائل ہوا اور عید کا دن (یا عید الاضحیٰ کے بعد کے دو دن) گزرنے کے بعد مسجد میں واپس لوٹا تو اس صورت میں اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

البتہ اگر حائضہ پاک ہوگئی یا مریض صحت یاب ہوگیا اور پھر ان میں سے کسی نے واپس لوٹنے میں تاخیر کی تو اس صورت میں اعتکاف باطل ہو جائے گا، چونکہ عذر زائل ہونے کے بعد روزہ رکھنا صحیح ہوتا ہے۔❶

شافعیہ..... جب معتکف سے اعتکاف میں کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو اعتکاف کو باطل کر دے جیسے جائے اعتکاف سے باہر نکل جانا، مباشرت کرنا یا عذر زائل ہونے کے بعد گھر میں ٹھہر جانا۔

الف..... اگر یہ امور نفلی اعتکاف میں سرزرد ہوئے تو جو اعتکاف ہو چکا وہ باطل نہیں ہوگا چونکہ اگر الگ سے اسی کے بقدر اعتکاف کرتا تو باطل نہ ہوتا، نفلی اعتکاف کا پورا کرنا واجب نہیں چونکہ فاسد شدہ اعتکاف کو جاری رکھنا اس پر واجب نہیں، لہٰذا شروع کرنے سے بھی واجب نہیں ہوگا۔

ب..... اور اگر اعتکاف منذور❷ ہو تو دیکھا جائے کہ اگر اس میں تتابع کی شرط لگائی ہے تو جو اعتکاف ہو چکا وہ باطل نہیں ہوگا، اس کی دلیل نفلی اعتکاف میں ذکر کی جا چکی ہے، البتہ معتکف پر لازمی ہے کہ وہ مدت منذور پوری کرے چونکہ اعتکاف منذور پورے کا پورا اس پر واجب تھا جب اس کا بعض حصہ ہوگیا اور بعض حصہ فاسد کر دیا تو فاسد شدہ واجب ہوگا۔

اور اگر تتابع کی شرط لگائی تھی تو تتابع باطل ہو جائے گا اور از سرنو اعتکاف کرنا واجب ہوگا تا کہ اعتکاف اسی حالت پر ہو جس کے مطابق اس پر واجب ہوا تھا۔

اس تفصیل کے مطابق نشہ، کفر، عمداً جماع کرنے سے اور عمداً خروج سے تتابع منقطع ہو جائے گا، البتہ قضائے حاجت سے باطل نہیں ہوگا کھانے پینے سے تتابع قطع نہیں ہوگا، مرض سے قطع نہیں ہوگا، بے ہوشی اور پاگل پن سے بھی تتابع باطل نہیں ہوگا، بغیر کسی حق کے مسجد سے نکلنے پر مجبور (اکراہ) کرنے سے بھی تتابع منقطع نہیں ہوگا۔

حیض سے بھی تتابع منقطع نہیں ہوتا بشرطیکہ حیض مدت طہر کو محیط نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مدت اعتکاف اس قدر طویل ہوگئی کہ غالب احوال میں یہ مدت حیض سے خالی نہیں رہ سکتی بایں طور کہ اعتکاف پندرہ دن سے زیادہ ہو۔

اسی طرح اگر مؤذن راتب (مخصوص مؤذن) مسجد کے منارہ میں اذان دے جو کہ مسجد سے الگ بنا ہو لیکن مسجد کے قریب ہو تو اس سے بھی تتابع منقطع نہیں ہوگا چونکہ اذان کے لئے منارہ پر چڑھنا اس کے فرائض منصبی میں سے ہے، نیز لوگ بھی اس کی آواز سے مانوس ہوتے ہیں۔

اگر معتکف حد کے لئے مسجد سے باہر نکلا جو اس پر اس کے اقرار کے بغیر ثابت ہوئی ہو تو اس سے بھی تتابع منقطع نہیں ہوگا، ادائے شہادت سے بھی تتابع منقطع نہیں ہوتا چونکہ ان سبھی امور میں عذر کا پہلو نمایاں ہے جبکہ ان امور کی اضداد کا حکم اس کے برخلاف ہے۔

اگر معتکف مسجد سے قضائے حاجت کے علاوہ کسی اور غرض کے لئے نکلا تو اسے اعتکاف کی از سرنو نیت کرنی پڑے گی اور اگر قضائے حاجت کے لئے نکلا تو از سرنو نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

❶ استیناف یعنی کسی کام کو از سرنو کرنا۔ ❷ اعتکاف منذور یعنی نذر کا اعتکاف جیسے کسی نے کہا ہو کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ تعالیٰ کے لئے تین دن اعتکاف کروں گا۔

حنابلہ..... اگر اعتکاف نفلی ہو اور معتکف مسجد سے نکل جائے کسی ایسی عذر کی وجہ سے جو غیر معتاد ہو جیسے نفیر عام، شہادت واجبہ، فتنہ اور مرض وغیرہ کا خوف اور پھر خروج طویل تر ہو جائے تو معتکف کو واپس لوٹنے اور نہ لوٹنے میں اختیار ہے چونکہ نفلی اعتکاف شروع سے واجب نہیں ہوتا۔

اور اگر اعتکاف واجب ہو تو معتکف کا واپس لوٹنا واجب ہوگا تاکہ واجب کو ادا کر سکے اعتکاف منذور کے استقراء (سوچ بچار) سے تین احوال ہیں۔

اول..... ایام غیر متتابعہ کے اعتکاف کی نذر مانی جبکہ یہ ایام معین بھی نہ ہوں جیسے دس دن کا اعتکاف مثلاً، تو اعتکاف فاسد کر دینے پر اس کا حکم یہ ہے کہ جو دن گزر چکے ان کے حساب سے بقیہ دنوں کا اعتکاف کرے، جس دن جائے اعتکاف سے نکلا تھا اس دن سے ابتدا کرے تاکہ تتابع رہے، معتکف پر اس صورت میں کفارہ نہیں ہوگا، چونکہ معتکف نے اعتکاف منذور کی مطلوب صورت میں بجالایا ہے۔

دوم..... غیر معین ایام میں پے در پے (لگاتار) اعتکاف کرنے کی نذر مانی مثلاً یوں کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لئے دس دن لگاتار اعتکاف کرنا ہے، پھر کچھ دن اعتکاف کیا اور پھر کسی عذر کی وجہ سے مسجد سے باہر نکل گیا اور اس کا خروج طویل تر ہوتا گیا تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ معتکف کو اختیار دیا جائے گا کہ کئے ہوئے اعتکاف پر بناء کرے یعنی بقیہ دنوں کا اعتکاف کرلے، اس پر کفارہ یمین ہوگا، تاکہ تتابع کے فوت ہو جانے کا جبیرہ ہو جائے۔ اگر یہ نہیں کر سکتا تو از سر نو اعتکاف کرے بغیر کفارہ کے، چونکہ اس صورت میں اس نے اعتکاف منذور حسب طلب بجالایا ہے، لہٰذا اسے کچھ لازم نہیں ہوگا۔

سوم..... ایام معینہ میں اعتکاف کی نذر مانی جیسے رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی نذر مان لی تو اس کا حکم یہ ہے کہ چھوڑے ہوئے دنوں کی قضاء کرے تاکہ واجب کو بجالا سکے، اس پر قسم کا کفارہ ہوگا چونکہ اعتکاف منذور کا محل اس سے فوت ہوا ہے۔

اگر معتکف نے جائے اعتکاف سے اپنا سارا بدن باہر نکال دیا جس کے لئے کوئی نہ کوئی چارہ تھا اپنے اختیار سے جان بوجھ کر سارا بدن نکالا ❶ یا اکراھاً نکالا ایسے کام کے لئے گیا جیسے کہ اس پر قرض واجب تھا اور وہ چاہتا تو ادا کر سکتا تھا لیکن اس نے ادا نہ کیا اور مسجد سے باہر نکال دیا گیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلے چونکہ وہ جائے اعتکاف سے بلا حاجت باہر نکلا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے خروج طویل ہو جائے۔

پھر اگر نذر میں لگاتار کی شرط لگائی تھی یا نیت کی تھی مثلاً لگاتار دس دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی یا اس کی نیت کرلی پھر جائے اعتکاف سے باہر نکلا تو از سر نو اعتکاف کرے گا چونکہ اعتکاف منذور اب صرف اسی طرح ممکن ہو سکتا ہے، البتہ اس پر کفارہ نہیں ہوگا چونکہ اس نے نذر حسب طلب پوری کرلی۔

اور اگر جائے اعتکاف سے مکرھاً (زبردستی) نکالا گیا لیکن ناحق نکالا گیا یا بھول کر نکل گیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا اور پہلے اعتکاف پر ہی بنا کرے گا چونکہ حدیث ہے کہ میری امت سے خطاء نسیان اور اکراہ کو معاف کر دیا گیا ہے۔

اور اگر معتکف نے لگاتار نذر معین مانی ہو جیسے یوں کہے میں شعبان کا مہینہ لگاتار اعتکاف کروں گا یا لگاتار کی شرط کے بغیر نذر معین مانی ہو جیسے شعبان کا مہینہ تو اعتکاف باطل ہونے پر از سر نو اعتکاف کرے گا اس لیے کہ اس کی نذر ضمناً تتابع کو شامل ہے۔ اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

چونکہ اس نے بلا عذر اعتکاف منذور کو وقت متعین میں ترک کیا ہے، نیز سبھی صورتوں میں قضاء ہوگی اور صفت ادا کے موافق حتی الامکان استیناف بھی ہوگا۔

---

❶ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ بعض بدن کو نکالنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک مسجد سے باہر نکالتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سر مبارک میں کنگھی کر لیتی تھیں۔

اگر پہلی صورت میں روزہ مشروط ہو یا تین مساجد میں سے کسی ایک مسجد میں اعتکاف کرے کی شرط لگائی ہو تو اعتکاف باطل ہونے پر قضاء اور استیناف دونوں ہوں گے اور اگر شرط ناممکن ہو جیسے گذشتہ زمانہ کو معین کرلے تو اس صورت میں تدارک ممکن نہیں ہوتا۔

چوتھا باب......زکوٰۃ اور اس کی اقسام

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔

اول: فریضہ زکوٰۃ دوم: صدقہ فطر سوم: نفلی صدقہ

فصل اول......زکوٰۃ

اس میں سات مباحث ہیں:

۱......زکوٰۃ کی تعریف، زکوٰۃ کی حکمت، فرضیت، مانع زکوٰۃ (نہ دینے والے) کی سزا۔

۲......اس مبحث میں زکوٰۃ کے سبب، رکن اور شرط پر کلام ہوگا۔

۳......اس میں زکوٰۃ کے وقت وجود اور وقت ادا پر بحث ہوگی۔

۴......اموال کی مختلف انواع واقسام جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے زیر بحث ہوں گی۔

۵......کیا عمارتوں، کارخانوں فیکٹریوں اور کسب کاری اور آزاد پیشوں پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

۶......زکوٰۃ کے مصارف۔

۷......زکوٰۃ کے آداب اور ممنوعات پر کلام کیا جائے گا۔

میں اسی ترتیب کے موافق سبھی مباحث کو بیان کروں گا۔

پہلی بحث......زکوٰۃ کی تعریف، حکمت، فرضیت، مانع زکوٰۃ کی سزا

اول......زکوٰۃ کی تعریف

لغت میں......لغت میں زکوٰۃ کا معنی نمو پانا، بڑھنا، چنانچہ بولا جاتا ہے: زکا الزرع یعنی کھیتی نے نمو پائی اور بڑھ گئی۔ ”زکت النفقة“ کہا جاتا ہے جب نفقہ میں برکت ہو، کبھی طہارت اور پاکیزگی کے معنی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ الشمس ۹/۹۱

یعنی اس شخص نے فلاح پائی جن نے نفس کو (ادناس اور گندگیوں سے) پاک کیا۔

اسی کے بمثل دوسری جگہ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ الاعلیٰ ۸۷/۱۴

مدح پر بھی زکوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ......النجم ۵۳/۳۲

یعنی تم اپنے آپ کو پاک نہ سمجھا کرو۔ صلاح اور بھلائی پر بھی زکوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ بولا جاتا ہے: رجل زکی یعنی خیر وبھلائی میں بڑھا ہوا۔ "زکی القاضی الشھود" ❶ جب قاضی گواہوں میں خیر وبھلائی کی زیادتی کو بیان کرے۔ شریعت میں مال مخرج کو زکوٰۃ کا نام دیا گیا ہے چونکہ زکوٰۃ سے بقیہ مال میں اضافہ ہوتا ہے اور اسے آفات سے بچاتا ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ......البقرۃ ۲/۴۳

یعنی زکوٰۃ دیتے رہو۔ ❷

ان لغوی معانی کو اس آیت کریم کے موافق بیان کیا جاتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا ......التوبۃ ۹/۱۰۳

یعنی لوگوں کے اموال سے صدقہ لے لیجئے تا کہ اس کے ذریعہ آپ انہیں پاک صاف کر دیں چنانچہ زکوٰۃ، ادا کرنے والے کو گناہوں سے پاک کرتی ہے اور اس کے اجر وثواب اور مال کو بڑھاتی ہے۔

زکوٰۃ کی شرعی تعریف......زکوٰۃ ایسا حق ہے جو مال میں واجب ہوتا ہے۔

مالکیہ......"اخراج جزء مخصوص من مال بلغ نصاباً لمستحقه ان تم الملك وحول فی غیر معدن وحرث ورکاز" "یعنی حد نصاب کو پہنچے ہوئے مال کا "مخصوص حصہ کسی مستحق کو دینا جب ملکیت کامل ہو اور سال بھی پورا ہو جائے اور یہ مال کان، کھیتی اور دفینہ کے علاوہ سے ہو۔"

حنفیہ......"تملیك جزء مال مخصوص من مال مخصوص لشخص مخصوص عینه الشارع لوجه الله تعالیٰ۔" "یعنی مخصوص مال کے مخصوص حصہ کا مخصوص شخص کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے مالک بنا دینا زکوٰۃ ہے۔

قیودات احترازیہ......تعریف میں "تملیک" کی قید لگا کر "اباحت" سے احتراز کیا ہے چنانچہ اگر کسی نے یتیم کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلا دیا تو یہ کافی نہیں ہوگا، البتہ اگر کھانا یتیم کے سپرد کر دے تب درست ہے جیسے زکوٰۃ کی نیت سے کپڑے پہنا دینا، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ یتیم میں مال زکوٰۃ پر قبضہ کرنے کی سمجھ بوجھ ہو، ہاں البتہ اگر کسی پر یتیموں کے اخراجات کا حکم لگا دیا گیا ہو ❸ "جزء مال" کی قید سے منفعت سے احتراز کیا ہے، چنانچہ اگر کسی شخص نے سال بھر کے لئے کوئی فقیر ٹھہرا لیا اور اسے زکوٰۃ کی نیت سے کھلاتا پلاتا رہا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ "الجزء المخصوص" سے مراد مال کی وہ مقدار ہے جس کا دینا واجب ہے، "المال المخصوص" سے شریعت کا مقرر کردہ نصاب ہے۔ "الشخص المخصوص" سے مراد مستحقین زکوٰۃ ہیں "عینه الشارع" یہ نصاب کا "ربع عشر" (۲،۵ فیصدی یا ۱۰/۴ یعنی دسویں حصے کا چوتھائی حصہ) ہے جس پر ایک سال گزر جائے، اس قید سے نفلی صدقات اور صدقہ فطر نکل گیا۔ "لله تعالیٰ" یعنی رب تعالیٰ کی رضا کے لئے دے۔

شافعیہ......شافعیہ نے زکوٰۃ کی تعریف یوں کی ہے۔ "انها اسم لما یخرج عن مال وبدن علی وجه مخصوص" یعنی زکوٰۃ اس چیز کا نام ہے جو مال اور بدن سے مخصوص طریقہ پر نکالی جائے۔

---

❶ مخرج اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی نکالا ہوا۔ ❷ اس سے زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ میں آ گئی کہ زکوٰۃ دینے سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے اور مزکی (زکوٰۃ دینے والا) خود بھی اور اس سے پاک ہو جاتا ہے، نیز زکوٰۃ دینے سے بظاہر مال میں کمی ہوتی ہے لیکن فی الواقع مال میں برکت ہوتی ہے اور مال بڑھتا ہے اس لئے دیئے ہوئے مال کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ ❸ اور وہ یتیموں پر زکوٰۃ کی نیت سے خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہوگی۔

حنابلہ..... "انها حق واجب فی مال مخصوص لطائفة مخصوصة فی وقت مخصوص" یہ مخصوص مال میں حق واجب ہے، مخصوص وقت میں مخصوص طائفہ (جماعت) کے لئے۔

قیودات..... حنابلہ کی تعریف میں "الطائفہ" سے مراد آٹھ مصارف ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ..... الآیۃ" (التوبۃ۹/۶۰) "الوقت المخصوص" اس سے مراد جانوروں نقود، سامان تجارت میں سال کا پورا ہونا غلہ کے دانے پختہ ہو جانا، اور پھل میں صلاحیت پیدا ہونے کا وقت، شہد وغیرہ کو حاصل کرنے کے وقت زکوٰۃ، کانوں سے مال کو نکالتے وقت زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے لئے عید الفطر کی رات کا غروب آفتاب کا وقت مراد ہے۔

"واجب" کی قید سے حق مسنون جیسے سلام میں ابتدا کرنا او جنازے کے ساتھ چلنے سے احتراز کرنا مقصود ہے، "فی مال" کی قید سے سلام کے جواب دینے سے احتراز کیا گیا ہے، "مخصوص" کی قید سے ہر قسم کے اموال جو ذمہ میں واجب ہوتے ہیں جیسے قرض اور نفقات (خرچہ جات) وغیرہ سے احتراز کیا ہے، "لطائفة مخصوصة" کی قید سے دیت وغیرہ سے احتراز کیا ہے چونکہ دیت مقتول کے ورثاء کے لئے ہوتی ہے۔ "فی وقت مخصوص" کی قید سے نذر اور کفارہ کو نکالنا مقصود ہے۔

تبصرہ..... متذکرہ بالا تعریفات سے واضح ہو جاتا ہے کہ فقہاء کے عرف میں زکوٰۃ کا اطلاق مال میں واجب حق کو ادا کرنے پر ہوتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کا اطلاق مال کی اس مقدار پر بھی ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقراء کے حق کے طور پر فرض کیا ہے۔

زکوٰۃ کا دوسرا نام صدقہ کیوں؟..... زکوٰۃ کو صدقہ کا نام بھی دیا جاتا ہے، چونکہ زکوٰۃ بندگی میں بندے کے صدق واطاعت پر دلالت کرتی ہے۔

دوم: زکوٰۃ کی حکمت..... اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق میں تفاوت رکھا ہے۔ چنانچہ کسی کی آمدنی اور کمائی قلیل ہے کسی کی زیادہ، یہ امر واقعی ہے جو شریعت میں محتاج علاج ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

والله فضل بعضكم على بعض فی الرزق

اللہ تعالیٰ نے رزق کے معاملہ میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

چنانچہ رب تعالیٰ نے مالدار غنی پر واجب کیا ہے کہ وہ فقیر محتاج کو حق واجب دے یہ حق اس پر فرض اور واجب ہے، محض نفلی حق یا احسان میں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۞ ..... الذاریات ۵۱/۱۹

لوگوں کے اموال میں سائل اور محروم کے لئے حق معلوم ہے۔

چنانچہ رزق میں تفاوت واقعی کا علاج زکوٰۃ اور دوسروں کی کفالت کرنا ہے، یا اس کا علاج وہ اجتماعی ضمان ہے جو اسلام میں واجب ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کی کچھ حکمتیں درج ذیل ہیں۔

اول..... زکوٰۃ اموال کے لئے محفوظ قلعہ ہے جس میں بقیہ مال محفوظ ہو جاتا ہے اور اس تک کسی بد باطن کی آنکھ اور کسی مجرم کا ہاتھ نہیں پہنچ پاتا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے اموال کو زکوٰۃ دے کر محفوظ کر لو اور صدقہ کے ذریعے اپنے مریضوں کا علاج کرو اور دعا کے ذریعہ بلاء کو دور کرو۔"

دوم..... زکوٰۃ فقراء اور محتاجوں کی مدد ہے، زکوٰۃ ہی کے ذریعے فقراء اپنے کاموں کو از سر نو جاری رکھ سکتے ہیں، زکوٰۃ ایسے حالات پیدا

کر دیتی ہے جو فقراء کی اچھی زندگی کے مساعد ہوتے ہیں جبکہ فی الواقع وہ ان حالات سے یکسر عاجز ہوتے ہیں، یوں معاشرہ فقر و فاقہ کے مرض سے محفوظ رہتا ہے، زکوٰۃ دینے سے دولت کا ضیاع نہیں ہوتا اور دولت محفوظ ہو جاتی ہے۔ ❶

مسلمانوں کی مالدار جماعت فقراء کی ضمانت کی ذمہ دار ہے اور ان کی کفالت کی ذمہ دار ہے۔

چنانچہ روایت ہے ”اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے اموال میں اتنی مقدار (فقراء کو دینا) فرض کی ہے جس سے فقراء کی ضرورت پوری ہو جائے تاکہ فقراء کو بھوک اور فاقے نہ پیش آئیں اور ننگے نہ رہیں، یہ کام ان کے اغنیاء کا ہے، ہوشیار رہو! اللہ تعالیٰ اغنیاء سے سخت حساب لے گا اور انہیں (کوتاہی پر) دردناک عذاب دے گا۔“ ❷

اسی طرح ایک اور روایت ہے۔ ”قیامت کے دن اغنیاء کے لئے فقراء کی طرف سے ہلاکت ہے، چنانچہ فقراء کہیں گے: اے ہمارے رب مالداروں نے ہمارے حقوق میں ہمارے اوپر ظلم کیا جو تو نے ہمارے لئے ان پر فرض کئے تھے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے میری عزت کی قسمت، مجھے میرے جلال کی قسم میں فقراء کو اپنے قریب کروں گا اور اغنیاء کو دور کروں گا۔“ ❸

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝ ......المعارج ۷۰/ ۲۴-۲۵

زکوٰۃ میں دیا ہوا مال نتیجتاً مالداروں کے پاس واپس لوٹ آتا ہے چونکہ فقراء کو جب زکوٰۃ ملتی ہے ان کی قوت خرید بڑھ جاتی ہے اور وہ مالداروں ہی سے اشیاء ضرورت خریدتے ہیں، یوں اس طرح کے مالی تبادلہ سے زکوٰۃ دہندگان کا منافع بڑھ جاتا ہے اور زکوٰۃ میں دیا ہوا مال

❶ ......رواه الطبراني وابونعيم في الحلية والخطيب عن ابن مسعود ورواه ابوداؤد مرسلاً عن الحسن وهو حديث ضعيف۔
❷ رواه الطبراني عن علي وهو حديث ضعيف (مجمع الزوائد ۳/ ۶۲) ❸ رواه الطبراني عن انس وهو ضعيف ايضاً (المعذر السابق)

فائدہ..... اسلام صرف گوشہ نشین ہو کر رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑ دینے ہی کا نام نہیں بلکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور ہمہ گیر پہلو کا حامل ہے، اسلام ایک مسلمان کو ہمہ تن اسلام میں داخل دیکھنا چاہتا ہے چند چیزوں یا اعمال کا نام اسلام نہیں ورنہ اقوام غیر میں بے شمار اچھائیاں علی وجہ الاتم پائی جاتی ہیں، پھر رب تعالیٰ کے ساتھ انسان کا ہر سمت ہر پہلو سے تعلق کما حقہ استوار رہے اس میں کسی طور لغزش نہ ہونے پائے، چنانچہ دنیا کے کتنے ہی انصاف پسند نظام ہائے زندگی وجود میں آئے وہ اسلام کے عادلانہ نظام حیات کے نظیر نہیں پیش کر سکتے اسلام معاشی ضابطہ حیات کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے، اسلام اول وہلہ میں ہی میں اکتساب دولت کے ایسے ضوابط کا پابند بناتا ہے تاکہ دولت چند افراد میں مرکوز ہو کر نہ رہے، یہی وجہ ہے صحابہ کا دور جو اسلام کا سنہری دور سمجھا جاتا ہے ڈھونڈے سے بھی کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا چونکہ لوگوں میں اکتساب دولت کا عادلانہ نظام رائج تھا، اسلام کا مطمع نظر یہ ہے کہ چند اشخاص دولت کے اژدھے نہ بنیں بلکہ دولت کا دوران ہوتا رہے چنانچہ معاشرے کے وہ افراد جو حد فقر و افلاس میں آئے ہوں وہ بھی دولت کا منہ دیکھیں، ایک طرف انہیں کچھ نہ کچھ کرنے کی ترغیب دی، مانگنے، سوال کرنے، نکمے بیٹھنے کی بھرپور مذمت کی دوسری طرف مالداروں پر ترغیباً وترہیباً فقراء کا چولھا نہ بجھنے کی ذمہ داری عائد کی تاکہ وہ دولت جس سے امراء واغنیاء لطف اٹھاتے رہے اب فقراء بھی اسے اپنے ہاں لائیں، چنانچہ بایں ہمہ ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی ہوتی ہے حاشیہ سروے کے مطابق مسلم دنیا کے عیاش پرست بالخصوص عرب کے عیاش پرست اگر اپنی وہ خوراک جو سمندر میں بہا دیتے ہیں یا کچرے کی کنٹروں میں ڈال دیتے ہیں اگر اسے محفوظ کر لیا جائے اور مسلم دنیا کے فقراء مساکین میں تقسیم کی جائے سب کو پوری ہو جائے، اور اگر مسلم دنیا کی زکوٰۃ صحیح معنوں میں ادا کی جائے تو دنیائے اسلام میں کوئی شخص فقیر نہ رہے ہر شخص کا معیار زندگی بلند ہو جائے، مگر افسوس جن مسلمانوں کی دولت مغربی ممالک اور یورپین ممالک کے بنکوں میں پڑی ہے اور غیروں کو نفع مل رہا ہے ان کے کانوں پر کون دستک دے، اب مسلم دنیا کی حد تک ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو ان کوتاہیوں کی طرف مسلمانوں کی سوچ کو مبذول کرے۔ انتہیٰ از مترجم۔

انہیں واپس مل جاتا ہے۔ ❶

سوم..... زکوٰۃ دینے سے نفس بخل اور کنجوسی کے مرض سے پاک ہوجاتا ہے، زکوٰۃ مومن کو سخاوت اور خرچ کرنے کا عادی بناتی ہے، تاکہ صرف زکوٰۃ پر ہی اکتفاء نہ کرے بلکہ ضرورت کے وقت مملکت کے بہبودی کاموں اور سماجی واجتماعی کاموں میں مال خرچ کرے، لشکروں کی تیاری کا سامان فراہم کرے، دشمنوں کو روکنے میں مدد دے، نیز زکوٰۃ بقدر کفایت فقراء کی مدد ہے، جبکہ مومن پر نذریں پوری کرنا، مال کفارات ادا کرنا جیسے قسم کا کفارہ، کفارہ ظہار، قتل خطاء کا کفارہ ماہ رمضان کی ہتک حرمت کا کفارہ یہ سبھی واجب ہیں اور اسی مد میں آتے ہیں، اسی طرح مالی وصیتیں، وقف، قربانی، صدقات نظر، نفلی صدقات، ہبہ جات وغیرہ جیسی مال مدات فقراء اور اغنیاء کے درمیان کفالت اور برداری جیسے عظیم اجتماعی کام کو فروغ دیتی ہیں، یوں اغنیاء اور فقراء کے درمیان حد فاصل ختم ہوجاتی ہے بلکہ اس کی بجائے باہمی ربط، بھائی چارہ اور محبت وہمدردی کا جذبہ جنم لیتا ہے، اور معاشرے کے تمام افراد فرد واحد کی مانند ہوتے ہیں، تمام طبقات ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور یوں معاشرے میں کفایت کا معیار برابر برقرار رہتا ہے۔

چہارم..... چونکہ مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے، شکر کا عملی ثبوت صرف ادائے زکوٰۃ سے ممکن ہوپاتا ہے، حتیٰ کہ زکوٰۃ کی نسبت ہی مال کی طرف کی جاتی ہے اور یوں کہا جاتا ہے۔''مال کی زکوٰۃ'' یہ نسبت سلبی ہے جیسے کہا جاتا ہے ظہر کی نماز، رمضان کا روزہ، بیت اللہ کا حج۔ ❷

سوم..... زکوٰۃ کی فرضیت

فرضیت زکوٰۃ کا تعارف..... زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے، فرائض اسلام میں سے ایک فریضہ ہے، زکوٰۃ شوال ۲ھ میں مدینہ میں فرض ہوئی، زکوٰۃ کی فرضیت، رمضان اور صدقہ فطر کی فرضیت کے بعد ہوئی ہے۔

لیکن بالاجماع انبیاء پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی چونکہ زکوٰۃ ادناس (گندگیوں) سے طہارت اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جبکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اس سے مبراء ومنزہ ہیں، نیز جو کچھ انبیاء کے پاس ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت (امانت) ہوتی ہے، چونکہ انبیاء کی ملکیت ہوتی ہی نہیں اسی لئے انبیاء کے اموال میں وراثت نہیں چلتی۔

قرآن مجید میں بیاسی (۸۲) مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو متصلاً بیان کیا گیا ہے جس سے یہ نظریہ خوب آشکارا ہوجاتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ میں زبردست اتصال (جوڑ) ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے..... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ..... البقرۃ ۲/۴۳

---

❶..... اس مصلحت کا مشاہدہ ۲۰۰۵ کے زلزلہ میں ہوا کہ اہل پاکستان نے دل کھول کر متاثرین کی مدد کی، متاثرین نے اشیاء ضرورت خریدیں یوں زکوٰۃ وخیرات میں دیا ہوا مال واپس مخیرین تک پہنچ گیا بلکہ چنداں نفع کمایا۔ ❷ یعنی مال زکوٰۃ کا سبب ہے، ظہر کا وقت نماز ظہر کا سبب ہے، رمضان کا مہینہ روزے کا سبب ہے، بیت اللہ حج کا سبب ہے۔

لہٰذا مال کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہے، مال رب تعالیٰ کا دیا ہوتا ہے اور اس کی نعمت ہے نیز اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

عہ۔ صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ اور نماز اول اہم ہیں ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوچکی تھی البتہ زکوٰۃ کی تفصیلی احکام ہجرت کے بعد نازل ہوئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر سورۃ المزمل ج ۶۔

یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

دوسری جگہ فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا ......التوبۃ ۹/ ۱۰۳

لوگوں کے اموال سے صدقہ (زکوٰۃ) لو اور اس کے ذریعے انہیں پاک وصاف کردو۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ......الانعام ۶/ ۱۴۱

اور کٹائی کے دن اس کا حق دو۔

ان کے علاوہ بہت ساری آیات کریمات ہیں جو فرضیت زکوٰۃ پر دال ہیں۔

سنت سے...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے...... ان میں سے ایک زکوٰۃ کا دینا بھی ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا: اہل یمن کو بتادو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء میں لوٹا دی جائے گی۔ [1]

ان کے علاوہ بھی بے شمار احادیث میں جو فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرتی ہیں۔

اجماع سے...... ہر زمانے کے مسلمانوں کا فرضیت زکوٰۃ پر اجماع رہا ہے، حتیٰ کہ صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کرنے پر اتفاق کیا ہے جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر ہوگا وہ کافر ہے، اور اگر مسلمان تھا اور زکوٰۃ سے انکار کررہا ہے تو مرتد ہوجائے گا اس پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے۔

تین مرتبہ اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ کرلی تو بہت اچھا ورنہ قتل کردیا جائے گا۔

اور اگر کسی شخص نے جہالت کی وجہ سے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کیا مثلاً وہ نومسلم ہوا بھی احکام اسلام کی اتنی واقفیت ہی اسے نہ ہو یا شہر سے دور دیہات میں پلا پوسا ہو تو اسے زکوٰۃ کے وجوب سے آگاہ کیا جائیگا، اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی چونکہ وہ معذور ہے۔

چہارم...... مانعین زکوٰۃ کا انجام

جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی ایک سزا دنیا میں ہے اور ایک سزا آخرت میں۔

آخرت کی سزا...... جو شخص زکوٰۃ نہ دے آخرت میں اسے دردناک عذاب ہوگا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵

التوبۃ ۹/ ۳۴-۳۵

جو لوگ سونا چاندی سینت سینت کر (جمع کرکے) رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادیجئے، اس (قیامت کے) دن اس (سونے چاندی) کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کے چہرے ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا یہ وہ خزانہ ہے جو تم اپنے لئے جمع کرکے لائے ہو، اب اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے۔

[1] ...... پہلی حدیث متفق علیہ ہے اور دوسری حدیث کو پوری ایک جماعت نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (نیل الاوطار ۴/ ۱۱۴)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس نے اس مال کی زکوٰۃ نہ دی تو اس مال کو گنجے سانپ کی شکل دی جائے گی۔ سانپ کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے قیامت کے دن وہ اس کے گلے کی طوق بن جائے گا اور وہ اسے اپنے جبڑوں کے درمیان پکڑلے گا پھر بولے گا: میں تیرا مال اور تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ آل عمران ۳/۱۸۰

اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کی لئے بہت بری ہے وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیئے جائیں گے اس کا جو انہوں نے بخل کیا تھا اور آخر میں آسمان وزمین اللہ کے رہ جائیں گے اور اللہ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ ❶

ایک اور روایت میں ہے۔ کہ ''جو شخص بھی سونے چاندی کا مالک ہوا اور اس نے ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کیا تو قیامت کے دن اس مال کے پرت بنائے جائیں گے اور انہیں دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے پہلو، پیشانی اور پشت کو ان پرتوں سے داغا جائے گا، جونہی ٹھنڈے ہوں گے انہیں دوبارہ گرم کرلیا جائے گا ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان اس کا فیصلہ ہوجائے پھر اس کی راہ دیکھی جائے گی یا تو جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔

دنیا کی سزا...... ایک بندہ جب ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی کرے اور چنداں اس کی طرف توجہ نہ دے تو حاکم اس پر تعزیر لگائے اور اس پر مالی جرمانہ عائد کرے اور زبردستی اس کے مال کا کچھ حصہ لے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اجر وثواب سمجھ کر زکوٰۃ دیتا ہے اسے اجر وثواب ملتا ہے، اور جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو میں خود اس سے لوں گا اور اس کے اونٹوں سے بھی لوں گا چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ حکم ہے، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زکوٰۃ میں سے کچھ بھی حلال نہیں۔ ❷

زکوٰۃ کے منکر کا حکم...... اگر زکوٰۃ نہ دینے والا زکوٰۃ کا منکر ہو تو وہ کافر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اور اسے مرتد کی طرح قتل کیا جائے گا۔ چونکہ وجوب زکوٰۃ ضروریات دین میں سے ہے، لہٰذا جس شخص نے زکوٰۃ کے وجوب کا انکار کیا اس نے رب تعالیٰ کی تکذیب کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی، لہٰذا اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

اور اگر کوئی جماعت زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہی ہو تو ان سے قتال کیا جائے گا ❸ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں کیا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے ضرور قتال کروں گا، چونکہ زکوٰۃ مالی حق ہے، بخدا لوگوں نے اگر مجھے بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کیا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے میں اس کے انکار پر ان سے قتال کروں گا۔ ❹

مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے ''اگر مجھے رسی دینے سے انکار کریں گے جسے وہ دیتے تھے۔'' اسی کو بنیاد بنا کر علماء نے بالاتفاق کہا ہے کہ جب ایک شخص یا کوئی جماعت زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو قتال سے ان کی باز پرس کی جائے گی اور حاکم وقت پر ان سے قتال

---

❶......رواه اصحاب الكتب الستة الا الترمذی عن ابی هريرة (جمع الفوائد ١/٣٧٦) ❷ من حديث بهز بن حكيم عن ابيه عن جده رواه احمد والنسائی وابوداؤد (نيل الاوطار ١٢١/٤) ❸ قتال کا معنی ڈرانا دھمکانا تلواریں لے کر ان کے سر چڑھ جانا جو مانعین میں سے بھاگ جائے اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا جو مقتول ہوا اس کا خون ہدر ہے۔ ❹ رواه الجماعة الا ابن ماجه عن ابی هريرة (نيل الاوطاری ٤/١١٩)

دوسری روایت میں بکری کے بچے کی بجائے رسی کا ذکر ہے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ رسی سے عام زکوٰۃ مراد ہے چونکہ رسی پر قتال جائز نہیں جبکہ محققین کی کثیر تعداد کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ رسی ہے جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے اور حدیث میں مبالغہ کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔

کرنا واجب ہے۔

اور اگر کوئی شخص وجوب زکوٰۃ سے ناواقفی کی وجہ سے یا بخل کی وجہ سے زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ ❶

دوسری بحث......زکوٰۃ کا سبب، شرائط اور اس کا رکن

۱: زکوٰۃ کا سبب......حنفیہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کا سبب نصاب نامی (بڑھنے والا) کی مقدار کا مالک ہونا ہے خواہ وہ نصاب حقیقتاً نامی (بڑھنے والا) ہو یا تقدیراً بایں طور کہ اسے بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو، بشرطیکہ قمری سال گزر جائے نہ کہ شمسی سال اور یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ دینے والے پر قرض نہ ہو جس کا مطالبہ بندے کرتے ہوں، مستزاد یہ کہ نصاب اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔

سبب اور شرط میں فرق......سبب اور شرط پر کسی چیز کا وجود موقوف ہوتا ہے البتہ سبب کی طرف وجوب کی نسبت کی جاتی ہے جبکہ شرط کی طرف وجوب کی نسبت نہیں کی جاتی، لہٰذا جو شخص نصاب کا مالک نہیں ہوگا اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اوقاف میں زکوٰۃ نہیں چونکہ مال وقف میں ملک معدوم ہوتی ہے۔ ❷ اور اس مال پر بھی زکوٰۃ نہیں جسے دشمن اپنے ملک کے شہروں میں جمع کر رکھے چونکہ انہوں نے مال کو سینت سینت کر رکھا ہے اس لئے وہ اس کے مالک ہیں۔

نصاب......نصاب مال کی وہ خاص مقدار ہے جسے شارع نے مقرر کیا ہے اور وجوب زکوٰۃ کی علامت ہے ان مخصوص مقادیر (مقدار کی جمع) کے متعلق کلام مختلف اموال کی مباحث میں آرہا ہے، جیسے دو سو دراہم یا بیس دینار وغیرہ۔

اسی بنیاد پر خریدے ہوئے مال تجارت پر قبضہ سے پہلے زکوٰۃ نہیں چونکہ ملک کامل نہیں ہوتی۔

حوائج اصلیہ...... ❸ تمام مذاہب میں بالاتفاق حوائج اصلیہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، حوائج اصلیہ (یعنی ضرورت کا سامان) جیسے بدن کے کپڑے، گھریلو ساز و سامان، رہائشی مکانات، گھر کا اثاثہ، سواری کے جانور ❹ استعمال کا اسلحہ ❺ کتب علمیہ گو ان کا مالک ان سے استفادہ کی اہلیت نہ رکھتا ہو بشرطیکہ کتابیں تجارت کے لئے نہ ہوں ❻ اور پیشہ ور لوگوں کے اوزار، ان تمام اشیاء پر زکوٰۃ نہیں ہوگی چونکہ یہ اشیاء حاجت اصلیہ میں مشغول ہیں اور اصلاً نامی (بڑھنے والی) بھی نہیں ہیں۔

غیر نامی ہونے کا مستفاد......حنفیہ کے نزدیک غیر نامی (نہ بڑھنے) ہونے کی وجہ سے مفقود ❼ کے مال میں زکوٰۃ نہیں، اس گمشدہ مال میں بھی زکوٰۃ نہیں جو سالہا سال کے بعد ملے، جو مال سمندر میں گر جائے اور سالہا سال کے بعد ملے اس پر بھی زکوٰۃ نہیں، اس مغصوب (غصب کئے ہوئے) مال پر بھی زکوٰۃ نہیں جس پر گواہ قائم نہ ہوئے ہوں اور اگر مال مغصوب کے مالک کے پاس گواہ ہوں تو غاصب سے مال واپس قبضہ میں لینے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی جو مال جنگل میں دفن کر دیا پھر جگہ بھول گیا اس پر بھی زکوٰۃ نہیں، بھولی ہوئی ودیعت جو کسی غیر معروف کے پاس رکھی تھی اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

اور اگر کسی جان بوجھ والے کے پاس ودیعت رکھی تھی جسے بھول گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی چونکہ نسیان میں تفریط کا شکار ہوا ہے۔ اس قرضے پر بھی زکوٰۃ نہیں جس کا مقروض سالہا سال سے انکار کر رہا ہو اور اس کے خلاف گواہ بھی نہ ہوں ظلماً چھینی ہوئی چیز جو کئی سالوں کے بعد

---

❶......چونکہ مسئلہ تکفیر میں حد درجے کی احتیاط چاہیے اگر کوئی شخص واقعی زکوٰۃ کا منکر ہو تو پوری طرح تحقیق کرنے کے بعد اس پر تکفیر یا عدم تکفیر کا حکم لگایا جائے گا۔ ❷ اوقاف وقف کی جمع ہے یعنی وقف کئے ہوئے اموال، ملک معدوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مال وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ ❸ حوائج اصلیہ یعنی انسان کے پاس ضرورت کا سامان حوائج اصلیہ ہے۔ ❹ سواری کے گاڑی موٹر کار موٹر سائیکل بھی اس میں داخل ہے۔ ❺ جیسے بندوق، تلوار اور تیر و کمان وغیرہ۔ ❻ اگر کتابیں تجارت کے لئے رکھی ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ ❼ مفقود گمشدہ آدمی۔

مالک کو ملے اس پر بھی زکوٰۃ نہیں، اور اگر مقروض قرضے کا اقرار کرتا ہو لیکن اسے مہلت دی گئی ہو یا تنگدست ہو یا مفلس قرار دے دیا گیا ہو یا دین (قرض) کا انکار کرتا ہو پر اس کے خلاف گواہ ہوں، تو ان صورتوں میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہوگی۔

دلیل......مذکورہ بالا احوال میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے میں حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ "**لا زکوٰۃ فی مال الضمار۔**" ❶ اگرچہ پوشیدہ مال میں زکوٰۃ نہیں یعنی وہ مال جس سے انتفاع ناممکن ہو لیکن ملک باقی ہو اس میں زکوٰۃ نہیں۔

جواہر پر زکوٰۃ......جس مال پر سال نہ گزرے بالاتفاق اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، اس کا تفصیلی بیان شرائط میں آئے گا۔ اسی طرح جواہر، موتیوں، یاقوت، زبرجد، فیروزہ، مرجان جیسے قیمتی پتھروں پر بھی بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے، چونکہ شریعت میں ان کے متعلق کوئی ایسی نص وارد نہیں ہوئی جس سے ان پر زکوٰۃ کا ثبوت ہو۔

نیز یہ اشیاء عام استعمال کے لئے بنائی گئی ہیں، البتہ اگر تجارت کے لئے ہوں تو زکوٰۃ ہوگی۔

جمہور کے نزدیک ان جانوروں پر زکوٰۃ نہیں جنہیں گھر باندھ کر چارہ دیا جاتا ہو اور جن سے کام کاج لیا جاتا ہو، چونکہ زکوٰۃ تو ان جانوروں پر ہے جو باہر کھلے عام چرتے ہوں، مالکیہ کے نزدیک گھر میں بندھے ہوئے جانوروں اور کام کاج کرنے والے جانوروں پر بھی زکوٰۃ ہے۔ ❷

رکن زکوٰۃ......نصاب کے ایک جزء کا (جمیع مال سے) نکالنا اس طرح کہ مالک کا اس پر قبضہ نہ رہے۔

نیز اس جز کا فقیر کو مالک بنا دینا اور بالفعل اس کو سپرد کر دینا یا اس کے نائب کو سپرد کر دینا۔

نائب سے مراد حاکم یا مصدق (زکوٰۃ وصول کرنے والا) ہے۔ ❸

زکوٰۃ کی شرائط......زکوٰۃ کی شرائط وجوب بھی ہیں اور شرائط صحت بھی۔

لہٰذا بالاتفاق زکوٰۃ آزاد مسلمان بالغ عاقل پر واجب ہوگی جب وہ نصاب کا مالک ہو اور اس کی ملکیت بھی کامل ہو، نصاب پر سال گزر جائے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت ساتھ ساتھ نیت ہو۔

شرائط وجوب زکوٰۃ......وجوب زکوٰۃ کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔ ❹

۱۔ حریت/آزادی......بالاتفاق غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں، چونکہ غلام ملکیت نہیں رکھتا اور اس کے قبضہ میں جو کچھ بھی ہو وہ اس کے مالک کا ہوتا ہے، مکاتب ❺ بھی غلام کی طرح ہے البتہ مکاتب کی ملک تمام نہیں ہوتی، جمہور کے نزدیک مکاتب کے مالک پر زکوٰۃ واجب ہوگی چونکہ مالک اپنے غلام کے مال کا مالک ہوتا ہے، گویا مکاتب کی زکوٰۃ اس کے آقا پر ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے مال شریک مضارب اور وکیل کے قبضہ میں ہو مالکیہ کہتے ہیں غلام کے مال میں سرے سے زکوٰۃ ہی نہیں نہ غلام پر نہ اس کے آقا پر چونکہ غلام کی ملک ناقص ہوتی ہے، جبکہ زکوٰۃ ملک تام (کامل ملک) پر واجب ہوتی ہے، نیز آقا غلام کے مال کا مالک نہیں ہوتا۔

۲۔ اسلام......بالاجماع کافر پر زکوٰۃ نہیں، چونکہ زکوٰۃ پاک کرنے والی عبادت ہے جبکہ کافر اہل طہارت میں سے ہے ہی نہیں۔

---

❶......نسب الی علی وھو غریب لیس بمعروف وذکرہ سبط ابن الجوزی فی آثار الانصاف عن عثمان وابن عمر ورواہ ابو عبید فی الاموال عن الحسن البصری۔ (نصب الرایۃ ۲/۳۳۴، ۱۲/۲/۱۲۔ ❷ اصطلاح فقہاء میں گھر بندھے جانوروں کو علاقہ کہا جاتا ہے اور کام کاج کرنے والے جانوروں کو عوامل اور باہر چرنے والے جانوروں کو سائم کہا جاتا ہے۔ ❸ دیکھئے البدائع ۲/۳۹۔ ❹ مزید استفادہ کے لئے دیکھئے فتح القدیر ۱/۴۸۱، الدر المختار ۲/۴، بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۶ القوانین الفقھیہ ص۹۸ المھذب ۱/۱۴۰ المجموع ۵/۲۹۳ المغنی ۲/۶۲۱، الام ۴/۱۲۵ وغیرھا۔ ❺ مکاتب سے مراد وہ غلام جس کا آقا کہے اتنے پیسے لاؤ اور آزاد ہو جاؤ۔

جبکہ شافعیہ نے مرتد پر زکوۃ واجب کی ہے اور اس کا اطلاق ارتداد کے زمانہ سے پہلے والے زمانہ اسلام پر ہوگا، لہٰذا زمانہ اسلام کی زکوۃ مرتد سے ساقط نہیں ہوگی۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس زکوۃ کو مرتد سے ساقط سمجھتے ہیں چونکہ مرتد کافر اصلی کی طرح ہو جاتا ہے۔ رہی بات حالت ارتداد میں اس کے مال پر زکوۃ ہوگی یا نہیں تو شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا حکم اس کے مال کا حکم ہوگا اور اس کا مال موقوف ہوگا، اگر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو مال اس کی ملکیت میں باقی رہے گا اور اس پر زکوۃ ہوگی اور اگر اسلام کی طرف نہ لوٹا تو زکوۃ بھی نہیں ہوگی اور مال موقوف تصور ہوگا۔

کیا کافر اصلی پر زکوۃ واجب ہے..... فقہاء نے کافر اصلی پر سوائے دو حالتوں کے زکوۃ واجب نہیں کی وہ دو حالتیں درج ذیل ہیں۔

ا۔ عشور..... (۱) مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اہل ذمہ تاجروں اور حربی تاجروں (۲) سے عشر (مال کا دسواں حصہ) لیا جائے گا، اس وقت کہ جب وہ مسلمانوں کے شہروں سے کسی دوسرے شہر کی طرف تجارت کرتے ہوں اور یہ ان کے اپنے شہر نہ ہوں، گو سال میں بار بار تجارت کے لئے انہیں آنا جانا پڑے، برابر ہے ان کے پاس موجود مال حد نصاب کو پہنچے یا نہ پہنچے۔

مالکیہ کے نزدیک ان تاجروں سے نصف عشر لیا جائے گا ان اشیاء میں سے جو یہ مکہ، مدینہ اور ان دو شہروں کی بستیوں کی طرف لے کر آئیں، بالخصوص گندم اور زیتون کے تیل سے نصف عشر لیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں نصاب کی شرط لگائی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ذمی سے بالخصوص نصف عشر (یعنی ۵ فیصد) لیا جائے گا اور حربی سے عشر (۱۰ فیصد) لیا جائے گا تا کہ ادلے کا بدلہ والا تصور برقرار رہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ..... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں غیر مسلم تاجروں سے بغیر شرط کے کچھ نہیں لیا جائے گا، چنانچہ حربی پر اگر عشر کی شرط لگائی ہے تو عشر (دسواں حصہ) لیا جائے گا ورنہ نہیں۔

۲..... امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بالخصوص نصاریٰ بنو تغلب (۳) پر دوگنی زکوۃ ہوگی، چونکہ زکوۃ ان کے حق میں جزیے کا متبادل ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر عمل کیا تھا۔

اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت محفوظ نہیں۔

۳۔ بلوغ اور عقل..... یہ شرط حنفیہ کے ہاں معتبر ہے، اس شرط کی رو سے بچے اور مجنون کے مال میں زکوۃ نہیں ہوگی چونکہ بچہ اور مجنون عبادت کے مخاطب نہیں جیسے نماز اور روزے کے مخاطب نہیں۔ (۴)

جمہور..... جمہور بلوغ اور عقل کی شرط نہیں لگاتے گویا جمہور کے نزدیک بچے اور مجنون کے مال پر زکوۃ واجب ہوگی اور ان کا ولی مال سے زکوۃ نکالے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ”جو شخص کسی یتیم کی سرپرستی کر رہا ہو اور یتیم کا مال ہو تو سرپرست کو چاہئے کہ یتیم کا مال تجارت پر لگائے اور اسے یونہی نہ چھوڑے رکھے کہیں اس کے مال کو صدقہ (زکوۃ) ہی نہ ہڑپ کر جائے۔“ (۵)

---

(۱)..... عشور بھی مال یا آمدنی کا دسواں حصہ لینا۔ (۲) اہل ذمہ: وہ کفار جن کی حفاظت کا مسلمانوں نے ذمہ لے رکھا ہو، حربی: وہ کافر جس کے ملک سے مسلمانوں کی جنگ ہو جیسے فلسطینیوں کے لئے اسرائیلی حربی ہیں۔ اور ہمارے ملک میں رہنے والے کفار ذمی ہیں۔ (۳) یہ عرب نصرانی تھے جب عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر جزیہ عائد کیا انہوں نے کہا ہم عرب ہیں ہم عجمیوں کے نام کا ٹیکس نہیں دیں گے ہمارے اوپر اسی نام کا ٹیکس لاگو کیا جائے جو تم مسلمان دیتے ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا انہوں نے کہا چلو دوگنا مقرر کر دو چنانچہ دوگنا مقرر ہوا اور وہ جزیہ کو زکوۃ کا نام دیتے رہے۔ (ردالمحتار ۲/ ۳۷) (۴) یہی منتقی ہے۔ (۵) حدیث عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده رواه الترمذی والشافعی والبیهقی باسناد صحیح (نصف الرایة ۲/ ۳۳۱)

اس شرط کے نہ ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ اس لئے دی جاتی ہے تاکہ مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کو ثواب ملے اور فقیر ومحتاج کی غمخواری ہو، جبکہ بچہ اور مجنون بھی ثواب کے مستحق ہیں۔ اسی لئے ان دونوں پر قریبی رشتہ داروں کے اخراجات واجب ہیں۔

اس رائے میں زیادہ بہتری ہے چونکہ فقراء کی اس میں مصلحت پروری ہے اور ان کے احتیاج کا خاتمہ ہے، مال کو محفوظ بنانے کا پہلو اس میں نمایاں ہے، اس میں تزکیہ نفس ہے نیز زکوٰۃ ادا کرنے کی بچے کو مشق کروانا ہے۔

۴۔ مال ایسا ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو...... وہ مال جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی پانچ اقسام ہیں، (۱) نقدین یعنی سونا چاندی اگرچہ سونا چاندی ڈھلا ہوا نہ ہو اب اس کی جگہ کاغذی کرنسی نے لے لی ہے۔ ❶ (۲) معدن (کان) اور رکاز (دفینہ) (۳) سامان تجارت (۴) غلہ اور پھل (۵) چرنے والے پالتو جانور جمہور کے نزدیک، جبکہ مالکیہ کے نزدیک ان جانوروں پر بھی زکوٰۃ ہے جنہیں گھر باندھ کر چارا دیا جاتا ہے۔

مال میں نامی (بڑھنے والا) ہونے کی بھی شرط لگائی گئی ہے، چونکہ زکوٰۃ کا معنی ہی ''بڑھنا'' ہے لہٰذا زکوٰۃ بھی مال نامی پر ہوگی، نامی ہونے سے یہ مقصد نہیں کہ مال کی حقیقتاً نمو ہوتی ہو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مال بڑھوتری کے لئے رکھا جاسکتا ہو خواہ تجارت سے اس کی بڑھوتری ہو یا جمہور کے نزدیک چرانے سے، چونکہ جانوروں کو چرانے ہی سے دودھ، افزائش نسل، گھی وغیرہ کا حصول ہوتا ہے، اور تجارت منافع کے حصول کا سبب ہے لہٰذا سبب مسبب کے قائم مقام ہوگا۔

اس لئے جواہرات موتیوں اور سونا چاندی کے علاوہ دیگر کانوں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، ساز وسامان، اصل املاک اور زمینوں (پلاٹ)، گھوڑوں، خچروں، گدھوں، چیتوں، سدھائے ہوئے کتوں، شہد دودھ، پیشہ جات کے اوزار اور علمی کتابوں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی ہاں البتہ اگر یہ اشیاء تجارت کے لئے ہوں تو زکوٰۃ ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چرنے والے گھوڑے جو افزائش نسل کے لئے رکھے ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے، جبکہ مفتیٰ بہ یہ ہے کہ گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں، نیز حنفیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ واجب ہے۔

جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

۵۔ مال کا نصاب ہونا یا نصاب کی قیمت کے بقدر ہونا...... نصاب سے مراد وہ حد ہے جو علامت کے طور پر شریعت نے مقرر کی ہے، وجوب زکوٰۃ کی مختلف مقادیر آیا چاہتی ہیں ان کا بیان اموال زکوٰۃ کی مختلف انواع کی بحث میں ہوگا البتہ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سونے کا نصاب بیس (۲۰) مثقال ہے، چاندی کا نصاب دوسو (۲۰۰) دراہم ہیں خشک ہونے کے بعد غلہ اور پھلوں کا نصاب حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک پانچ وسق (۶۵۳ کلوگرام) ہے، بھیڑ بکریوں کا پہلا نصاب چالیس (۴۰) بکریاں ہیں اونٹوں میں پانچ کا نصاب ہے اور گائے میں تیس گائے ہیں۔ ❷

۶۔ مال پر ملک تام ہو...... فقہاء میں ملک کے متعلق اختلاف ہے ملک سے مراد کیا ہے؟ آیا کہ ملک ید (قبضہ) یا ملک تصرف یا اصل ملک۔

حنفیہ...... حنفیہ کہتے ہیں کہ ملک سے مقصود اصل ملک اور ملک ید (یعنی چیز پر قبضہ) ہے، یعنی وہ چیز مملوک ہو، ❸ لہٰذا وقف کئے ہوئے چرنے والے جانوروں اور وقف کئے ہوئے گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ چونکہ ان میں ملک معدوم ہوتی ہے، اسی طرح وہ مال جسے دشمن سینت

---

❶...... یہ مطلب نہیں کہ اب نقدین کا تصور کاغذی کرنسی میں بند ہو کر رہ گیا ہے بلکہ سونا چاندی تو نقدین میں ہی ہیں ان کے ساتھ کاغذی کرنسی کا شمار بھی نقدین میں ہوگا۔ ❷ یعنی نصاب کی یہ مقداریں پائی گئیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ ❸ یعنی کسی کی ملک میں داخل ہو۔

کر اپنے ملک میں جمع کرلے اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، چونکہ حنفیہ کی رائے میں دشمن اس مال کا مالک بن جاتا ہے اور مسلمان کی ملک اس مال سے زائل ہوجاتی ہے، مباح زمین (جو لاوارث ہو) میں اگنے والی فصل پر بھی زکوٰۃ نہیں چونکہ یہ کسی کی ملک نہیں ہوتی، مقروض جس کے پاس کسی دوسرے کا مال ہو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں، بلکہ اس مال کی زکوٰۃ تو اصل مالک پر ہوگی۔

ملک تام میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز مالک کے ہاتھ میں ہو اس کے قبضہ میں ہو لہٰذا مال ضمار (پوشیدہ مال) میں زکوٰۃ نہیں، مال ضمار سے مراد وہ مال ہے جس سے نفع اٹھانا قدرت میں نہ ہو، البتہ ایسے مال کی اصل ملک برقرار رہتی ہے، مثلاً جیسے گمشدہ جانور، مفقود کا مال، (1) وہ مال جو سمندر (یا دریا) میں گر جائے اور وہ مال جسے ظلماً کوئی حکمران چھین لے، وہ قرض بھی مال ضمار میں شامل ہے جس کا انکار کیا جارہا ہو اور مالک کے پاس گواہ بھی نہ ہوں جبکہ اس مال پر سال گزر جائے اور پھر گواہ دستیاب ہوں یا مقروض ہی لوگوں کے سامنے اقرار کرلے، صحراء میں مدفون مال بھی مال ضمار میں شامل ہے بشرطیکہ جب مالک کو جگہ کا پتہ نہ رہے، اگر کسی نے اپنے گھر میں مال دفن کیا یا مخصوص جگہ بھول گیا تو اس صورت میں بالا جماع زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی بنیاد پر حنفیہ کی رائے کے مطابق زکوٰۃ دینے والے کا وہ مال جو دین (قرض) کے مدمقابل ہو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں، چونکہ قرض کی مقدار فی الواقع قرض دہندہ کی ملک ہے مقروض کی ملک نہیں۔ (2)

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں ملک سے مقصود اصل ملک اور مملوک شے میں تصرف کرنیکی قدرت ہے، لہٰذا مرتہن کے قبضہ میں جو چیز ہوگی اس پر زکوٰۃ نہیں چونکہ وہ چیز مرتہن کی مملوک نہیں ہوتی، اسی طرح وہ مال جو عام لوگوں کے لئے مباح ہو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہوتی جیسے غیر مملوک زمین میں پیدا ہوجانے والی فصل، چونکہ وہ کسی کی ملک نہیں ہوتی، اسی طرح غیر مالک جیسے غاصب، صاحب ودیعت (3) اور لقطہ اٹھانے والے پر بھی زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

عورت جب اپنے مہر پر قبضہ کرلے اور سال بھی گزر جائے اس پر زکوٰۃ ہوگی، وقف کرنے والے پر مال موقوف کی زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ جب مال موقوف نصاب کو پہنچتا ہو یا مالک کے پاس موجود مال کو ملا کر نصاب کو پہنچتا ہو اگر مال موقوف نصاب سے کم ہو۔ یہ تب ہے جب مالک خود مال موقوف کا متولی ہو مثلاً وقف کی زمین میں خود مالک کاشتکاری کرتا ہو اور حاصل ہونے والے غلے کا خود انتظام کرتا ہو، چونکہ مالکیہ کے نزدیک وقف کرنے سے مال موقوفہ کی عین مالک کی ملک سے نہیں نکلتی۔

مالکیہ کے نزدیک مال مغصوب، چوری کئے ہوئے مال، انکار کئے ہوئے قرض دفینے اور گمشدہ مال پر زکوٰۃ ہوگی لیکن یہ زکوٰۃ تب ہوگی جب مالک اس پر قبضہ کرے اور سال بھی گذر جائے اور صرف ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

رہی بات ودیعت کی جب وہ سالہا سال سے امین کے پاس پڑی رہے تو اس پر قبضہ کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، مقروض کے پاس جو کسی دوسرے کا نقدی مال ہو سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یہ تب ہے جب اس کے پاس دوسرا کوئی مال ہو جیسے زمین، غلہ وغیرہ جس سے قرض ادا کرسکتا ہو۔

چونکہ جب اسے قیمت دینے پر قدرت ہوگی تو قرض کا مالک بن جائے گا اور زکوٰۃ دینا صحیح ہوگا۔

اگر اس کے پاس موجود مال کھیتی (غلہ پھل وغیرہ) ہو یا پالتو جانور ہوں یا کوئی کان ہو تو اس صورت میں مقروض پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگرچہ اس کے پاس اس قسم کی چیز نہ ہو جس سے قرض کی ادائیگی ہوسکتی ہو۔

شافعیہ......شافعیہ کہتے ہیں کہ ملک سے مقصود یہ ہے کہ بھرپور ملک حاصل ہو اور تصرف کی قدرت ہو، لہٰذا مکاتب کے مال میں اس کے آقا پر زکوٰۃ نہیں۔ چونکہ آقا اس مال میں تصرف کی قدرت نہیں رکھتا، گویا مکاتب کا مال اجنبی کے مال کی طرح ہے، نیز اوقاف میں زکوٰۃ

(1)......مفقود لاپتہ شخص۔ (2) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۲/ ۹ وردالمختار ۲/ ۵۔ (3) صاحب ودیعت جس کے پاس کوئی چیز بطور ودیعت (امانت) رکھی گئی ہو، لقطہ گمشدہ مال۔

نہیں۔ چونکہ صحیح قول کے مطابق اوقاف اللہ تعالیٰ کی ملک ہوتے ہیں مال مباح جو عام لوگوں کے لیے ہوتا ہے جیسے جنگل میں اگ جانے والی فصل جسے کوئی نہ اگائے اس پر زکوٰۃ نہیں چونکہ وہ ملک خاص نہیں۔

وقف کی زمین جو شخص اجرت پر لے گا اس پر زکوٰۃ ہوگی اور اس کے ساتھ وہ زمین کی اجرت بھی دے گا، اور اگر موقوف علیہ (جس پر وقف کیا ہو) معین شخص ہو تو کھجور اور انگور وغیرہ کے موقوف درختوں کے پھلوں کی زکوٰۃ اسی پر واجب ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جدید قول کے مطابق مغصوب مال، گمشدہ مال اور لقطہ میں پہلے سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح چوری کیے ہوئے مال، دریا میں گر جانے والے مال، غائب شخص کے مال، ودیعت رکھی ہوئی چیز جب مالک کو واپس مل جائے تو ان میں بھی زکوٰۃ ہوگی چونکہ یہ بھی مملوک مال ہے جو مالک تک پہنچ گیا ہے، غصب کی صورت میں غاصب پر دباؤ ڈالا جائے گا کہ مالک کو مال واپس کردے جیسا کہ اس کے وکیل کے قبضہ میں مال ہو۔

صحیح یہ ہے کہ ملتقط پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب اس پر سال گزر جائے اس وقت سے جب وہ لقطہ کا مالک بنا، چونکہ یہ بھی ملک ہے اور مالک کے قبضہ میں سال گزرا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ دین (قرض) وجوب زکوٰۃ کے مانع نہیں ہوتا چونکہ زکوٰۃ مال کی عین سے تعلق رکھتا ہے اور دین (قرض) ذمہ سے متعلق ہے لہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کے مانع نہیں ہوگا، جیسے دین کا موجود ہونا اور جنایت (زیادتی) کا تاوان، اس کی تائید مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ ''یہ تمہاری زکوٰۃ کا مہینہ ہے، جس شخص پر قرض ہو وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے حتیٰ کہ تمہارے اموال حاصل ہوں اور تم ان کی زکوٰۃ دو۔

عورت پر اس کے مہر کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اور مہر پر قبضہ کرنے کے بعد زکوٰۃ دے، چونکہ جب تک مہر خاوند کے قبضہ میں ہو اس وقت تک وہ دین (قرض) کے حکم میں ہے۔

مقروض کا وہ مال جو وہ قرض میں کسی دوسرے سے لے تو جب اس پر سال گزر جائے اس پر زکوٰۃ ہوگی چونکہ قرض لینے سے یہ مال اس کی ملک تام میں ہوتا ہے۔

حنابلہ..... حنابلہ کہتے ہیں کہ اصل ملک کے بھرپور ہونے اور اپنے اختیار سے اس پر تصرف کی قدرت ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ لہٰذا غیر معین موقوف مال جیسے مساجد، مدارس، مساکین وغیرھا پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اگر موقوف (1) معین ہو جیسے زمین اور درخت تو زکوٰۃ واجب ہوگی، راجح قول کے مطابق مال مغصوب، مسروق (چوری کیا ہوا مال)، انکار کیا ہوا قرض، گمشدہ مال پر زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ جب مالک کا قبضہ ہو جائے، لقطہ کی زکوٰۃ سال پورا ہونے پر ملتقط (2) پر واجب ہوگی جس طرح باقی اموال پر ہوتی ہے بشرطیکہ لقطہ کے اعلان کے بعد سال گزر جائے۔

عورت جب اپنے مہر پر قبضہ کرلے تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرے گی، چونکہ مہر دین ہے اور اس کا حکم بھی عام قرضہ جات کی طرح ہے، اگر عورت نے رخصتی سے پہلے مہر پر قبضہ کرلیا اور اس پر سال گزر گیا تو زکوٰۃ دے گی، پھر اگر خاوند نے رخصتی سے قبل اسے طلاق دے دی تو نصف مہر خاوند واپس لے لے اور زکوٰۃ بقیہ نصف میں ہوگی۔

۷۔ ملک نصاب پر قمری سال کا گزر جانا..... چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی مال پر زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ

---

(1)..... وقف کے باب میں کچھ اصطلاحیں مستعمل ہوتی ہیں انہیں سمجھ لینا بہتر ہے۔ موقوف، وقف کیے ہوئے مال کو کہا جاتا ہے، واقف وقف کرنے والا، موقوف علیہ جس پر مال وقف کیا جائے۔ (2) لقطہ گری پڑی چیز، اس چیز کو جو اٹھائے وہ ملتقط ہے۔

اس مال پر سال نہ گزر جائے۔ ❶ نیز تابعین اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے، بالاتفاق زکوٰۃ کا اعتبار قمری سال سے ہے شمسی سال سے نہیں جس طرح اسلام کے باقی احکام روزہ، حج کا اعتبار قمری سال سے ہوتا ہے، حولان حول (سال کا گزرنا) کے متعلق فقہاء کی آراء قریب قریب ہیں۔

حنفیہ.....حنفیہ کے ہاں سال کے دونوں اطراف میں نصاب کے کامل ہونے کی شرط لگائی گئی ہے، برابر ہے کہ سال کے دوران نصاب کامل رہے یا ناقص، چنانچہ جب کوئی انسان سال کے شروع میں کامل نصاب کا مالک ہوا اور نصاب پورا سال بدستور کامل رہے یا سال کے دوران نصاب میں کمی واقع ہوئی یا سبھی ختم ہوگیا لیکن سال کے آخر میں کامل رہا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چنانچہ دوران سال نصاب میں نقصان ہونے سے زکوٰۃ کے وجوب میں کچھ فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ سال کے دونوں اطراف میں نصاب کامل ہو۔

سال کے دوران جو مال حاصل ہو خواہ ہبہ سے حاصل ہو یا وراثت سے اسے اصل مال کے ساتھ ملالیا جائے گا اور اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، چونکہ علیٰحدہ علیٰحدہ اس کا حساب رکھنا مشکل ہے۔ اور ہر طرح کے حاصل ہونے والے مال کا سالانہ حساب بھی مشکل ہے۔ ❷ اس میں حرج بھی ہے خصوصاً جب دراہم (نقدین خواہ کاغذی کرنسی ہو) کا نصاب ہو اور مالک کو روز بروز آمدنی حاصل ہوتی ہو اور اسے ایک ایک، دو دو دراہم روزانہ ملتے ہوں تو اس صورت میں مالک کو سخت دشواری کا سامان کرنا پڑے گا ❸ جبکہ حولان حول کی شرط ہی اس لئے لگائی گئی ہے تا کہ زکوٰۃ دہندہ کو آسانی رہے۔

حولان حول ❹ کی شرط اناج اور پھلوں کے علاوہ بقیہ اموال کے لئے ہے، اناج اور پھلوں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوجاتی ہے جب یہ اس حد تک پہنچ جائیں کہ ان سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو اور تباہ ہونے کا خوف نہ ہو گو کٹائی چنائی کی نوبت ابھی پیش نہ آئی ہو۔

مالکیہ.....حولان حول عین (یعنی سونا چاندی) اموال تجارت اور جانوروں کے لئے شرط ہے، جبکہ معدن (کان) دفینہ، اناج اور پھلوں کے لئے شرط نہیں بلکہ جب کان سے مال نکالے اس پر زکوٰۃ ہوگی اور جب دفینہ ملے اس پر زکوٰۃ ہوگی اور جب اناج اور پھل قابل استعمال ہوگئے ان میں زکوٰۃ ہوگی اگرچہ ان چیزوں پر سال نہ گزرے۔

رہی بات مال مستفاد جو سال کے دوران حاصل ہوا اور وہ از قسم حیوان نہ ہو تو وہ اگر ہبہ کے ذریعے ملے یا میراث کے ذریعے یا بیع (خرید و فروخت) کے ذریعے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی یہاں تک کہ سال پورا ہوجائے۔ اور اگر مال کا نفع ہو یا تجارت کا نفع ہو تو اس کی زکوٰۃ اصل مال کے سال گزرنے پر ہوگی، برابر ہے کہ اصل مال نصاب ہو یا نہ ہو، کمی کی صورت میں جب منافع سے نصاب کامل ہو، چونکہ مال کا منافع اصل مال کے ساتھ ضم کیا جاتا ہے۔

اگر سال کے دوران سونا چاندی کے نصاب میں کمی واقع ہوجائے پھر مالک کو تجارت وغیرہ سے نفع حاصل ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، مالکیہ کے نزدیک اس قاعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مال کے منافع کا سال اصل مال کا سال ہے، اسی طرح چوپایوں کی نسل کا سال ماؤں کا سال ہے۔

یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا ملازم سال پورا ہونے کے ساتھ جانوروں (بھیڑوں بکریوں) میں آئے، ملازم کے آنے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

شافعیہ.....شافعیہ کی رائے بھی مالکیہ جیسی ہے۔ تاہم شافعیہ کہتے ہیں: حولان حول کی شرط نقدین سامان تجارت اور جانوروں کے لئے ہے، جبکہ پھلوں، اناج، معدن رکاز (زمین میں گاڑا ہوا خزانہ) کے لئے حولان حول شرط نہیں۔ البتہ سال میں یہ شرط ہے کہ لگاتار ایک

---

❶ .....روی من حدیث علی عند ابی داؤد هو حسن ومن حدیث ابن عمر و انس عند الدارقطنی وهو اما ضعیف او موقوف ومن حدیث عائشة عند ابن ماجه وهو ضعیف (نصب الرایة ۳۲۸/۲) ❷ سال کے دوران حاصل ہونے والا مال مختلف اقساط کی شکل اختیار کرلیتا ہے ہر قسط کا علیٰحدہ علیٰحدہ حساب اور ان کے سال کا حساب ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ ❸ آج کل جہاں تاجروں کی یومیہ آمدنی لاکھوں میں ہوتی ہے اور اگر مستفاد کا الگ حساب رکھا جائے پھر مالک کو محض زکوٰۃ کے حساب کے لئے ۳، ۴ ملازم رکھنے پڑیں گے۔ ❹ حولان حول یعنی سال کا گزرنا۔

سال گزرے لہٰذا سال کے دوران اگر نصاب میں کمی واقع ہوئی اگر چہ لمحہ بھر کے لئے نصاب میں کمی واقع ہوتو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی البتہ جانوروں کے بچوں میں اس شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ بچے اپنی ماؤں کے تابع ہوں گے، اور مال تجارت کے منافع کی زکوٰۃ اصل مال کے سال پر ہوگی بشرطیکہ جب اصل مال نصاب کو پہنچتا ہو۔

اور اگر سال کے دوران مال سے ملک زائل ہوگئی مثلاً مال معاوضہ میں لگ گیا، بیچ دیا یا ہبہ کر دیا تو سال کی ابتداء از سر نو ہوگی، اور جب سال کے شروع میں مال کا نصاب کامل ہو پھر سال کے دوران نصاب میں کمی واقع ہوئی پھر سال کے آخر میں نصاب کامل ہوگیا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی الا یہ کہ دوبارہ نصاب مکمل ہونے کے بعد سال پورا ہو جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جو مال سال کے دوران حاصل ہو مثلاً خرید و فروخت سے یا ہبہ سے یا وراثت سے اور یہ اصل مال سے حاصل نہ ہوا ہو تو اس پر الگ سے نیا سال گزرنا شرط ہے، یعنی جانوروں کے بچوں اور مال تجارت کے نفع کے علاوہ بقیہ حاصل ہونے والے مال کے لئے یہ شرط ہے ورنہ جانوروں کے بچوں اور مال تجارت کے نفع کو اصل مال کے ساتھ ضم کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے قصداً مال کی ملک زائل کی جس پر زکوٰۃ واجب تھی اور اس نے ایسا اس لئے کیا تا کہ اس کے ذمہ سے زکوٰۃ کا وجوب اٹھ جائے تو ایسا کرنا مکروہ ہے بلکہ حرام ہے اکثر فقہاء کا حرام ہونے کا فتویٰ ہے چونکہ ایسا کرنے والا شخص نیکی کے کام سے بھاگتا ہے۔

حنابلہ.....سونا چاندی، جانور اور سامان تجارت میں حولان حول شرط ہے، ان کے علاوہ پھلوں اناج معدن اور رکاز (دفینہ) میں حولان حول شرط نہیں، پورا سال نصاب کا موجود رہنا معتبر ہے، جزوقتی کمی کے واقع ہونے سے نصاب کا کچھ نقصان نہیں ہوتا جیسے آدھے دن کے لئے یا چند گھڑیوں کے لئے نصاب کم ہوگیا۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اگر سال کے دوران نصاب میں کمی واقع ہو تو نئے سال کی ابتداء واجب ہوگی۔

البتہ جانوروں کے بچوں اور تجارتی منافع میں کمی سے نصاب میں فرق نہیں پڑے گا چونکہ ان دونوں کو اصل کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے، اور یہ اصل کے تابع اور اصل مال کی پیداوار ہیں، تجارتی منافع جات گھڑی گھڑی اور دن بدن بڑھتے رہتے ہیں اور ان میں تکرار ہوتا رہتا ہے، ان کا ضبط وانتظام مشکل ہے، بسا اوقات تجارتی منافع حاصل ہو رہا ہوتا ہے جبکہ مالک کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا، لہٰذا کثرت اور تکرار کی وجہ سے مشقت زیادہ ہے۔

مال تجارت اور چرنے والے جانوروں کے منافع جات کے علاہ جو مال خرید و فروخت ہبہ، میراث یا غنیمت سے حاصل ہو تو اس کے لئے الگ سال کا حساب ہوگا، اس مال پر الگ سے (اصل مال کے علاوہ) سال گزرنے کے بغیر زکوٰۃ نہیں ہوگی چونکہ اس طرح کا مال شاذ و نادر ہی حاصل ہوتا ہے اور اس میں تکرار بھی نہیں ہوتا، اس کے سال کا ضبط رکھنا مشکل نہیں، اور اگر مشقت ہو بھی تو یہ مشقت جانوروں کے بچوں اور تجارتی منافع کی مشقت سے کمتر ہے لہٰذا اس طرح کے نادر مال کو جانوروں کے بچوں اور تجارتی منافع پر قیاس کرنا ممنوع ہوا۔

خلاصہ.....حولان حول متفق علیہ شرط ہے، جانوروں کے بچے اور تجارتی منافع اصل نصاب کے ساتھ بالاتفاق ضم کر لیا جائے گا، سال کے دوران حاصل ہونے والا مال جو نتاج اور تجارتی منافع کے علاوہ ہو اور از جنس مال ہوا سے بھی حنفیہ کے نزدیک اصل نصاب کے ساتھ ملا لیا جائے گا تا کہ زکوٰۃ دینے والے کے لئے آسانی رہے اسے مشقت اور تنگی نہ ہو، چونکہ ہر حاصل ہونے والے مال کے لئے علیحدہ سے حساب رکھنا مشکل ہے، جبکہ سال کی شرط ہی اسی لئے لگائی گئی ہے تا کہ لوگوں پر آسانی رہے۔

جمہور کے نزدیک سال کے دوران ہر طرح کے حاصل ہونے والے مال کے لئے نئے سال کا حساب لگایا جائے گا، چونکہ یہی عدل کا تقاضا ہے اور اس میں ملک کی جدت کا رجحان بھی ہے، لہٰذا اس کے لئے الگ سے سال کی شرط لگائی جائے گی جیسے اصلی مال کی جنس کے علاوہ

حاصل ہونے والے مال کی نئے نصاب سے ابتدا ہوتی ہے، نیز حدیث بھی ہے۔ ”جس شخص کو کوئی مال حاصل ہے جب تک اس پر سال نہ گزرے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔“ (۱)

۸۔ دین (قرض) کا نہ ہونا.....حنفیہ نے اناج اور پھلوں کے علاوہ بقیہ اموال کی زکوٰۃ کے لئے قرض نہ ہونے کی شرط لگائی ہے، حنابلہ کے نزدیک سبھی اموال میں شرط ہے، مالکیہ کے نزدیک سونے چاندی کے لئے شرط ہے ان کے علاوہ اناج، جانور اور معدن کے لئے شرط نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا مختلف آراء کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ.....حنفیہ کہتے ہیں ایسا قرض جس کا بندوں (انسانوں) کی طرف سے مطالبہ ہو وہ زکوٰۃ سے مانع ہے، برابر ہے کہ قرض اللہ کے لئے ہو جیسے زکوٰۃ اور زمین کا ٹیکس یا انسان کے لئے، اگرچہ کفالت (سرپرستی) کا قرضہ کیوں نہ ہو وہ بھی مانع زکوٰۃ ہے، چونکہ قرض دہندہ مکفول لہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ مقروض سے قرض لے یا کفیل سے اگرچہ قرض تاخیر (مؤجل) سے دینا ہو یا بیوی کی طلاق وغیرہ کی وجہ سے اس کا مہر ہو جو وقت مقررہ پر دینا ہو یا قاضی کے حکم سے کوئی خرچہ ذمہ میں لازم ہوا ہو یا باہمی رضامندی سے لازم کرلیا ہو یہ سبھی قرضہ جات مانع زکوٰۃ ہیں۔

اگر ذمہ میں ایسا قرض ہو جس کا مطالبہ انسانوں کی طرف سے نہ ہو جیسے نذر اور کفارہ کا قرض حج کا قرض تو اس قسم کے قرضہ جات وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہوں گے۔

دین (قرض) وجوب عشر کے مانع نہیں اسی طرح خراج اور کفارہ کے واجب ہونے میں بھی قرض مانع نہیں یعنی قرض ہوتے ہوئے بھی کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ (۲)

حنابلہ.....حنابلہ کہتے ہیں قرض اموال باطنہ (نقدین سونا چاندی، کاغذی کرنسی) میں وجوب زکوٰۃ کے مانع ہے اسی طرح سامان تجارت میں بھی وجوب زکوٰۃ کے مانع ہے، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ تمہاری زکوٰۃ کا مہینہ ہے، جس شخص پر قرض ہو وہ اسے ادا کرے یہاں تک کہ تم اپنے اموال کی زکوٰۃ نکال سکو۔ (۳)

ایک دوسری روایت میں ہے۔ ”جس شخص پر قرض ہو وہ اپنا قرض ادا کرے اور باقی مال کو چھوڑ دے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کہی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر انکار نہیں کیا لہٰذا اس پر صحابہ کا اتفاق ہے۔

حنابلہ کے نزدیک قرض اموال ظاہرہ یعنی چرنے والے جانور، اناج، پھل میں بھی وجوب زکوٰۃ کے مانع ہے، لہٰذا پہلے قرض ادا کرے پھر دیکھے کہ اس کے پاس نفقہ جات نکالنے کے بعد کتنا مال بچا ہے تو اس بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔

جب قرض پورے نصاب کو حاوی ہو جائے یا نصاب میں کمی واقع کردے (۴) اور مالک کے پاس مال نصاب کے سوا اور کوئی مال نہ ہو جو ادائے قرض میں دے تو اس صورت میں بھی قرض زکوٰۃ کے مانع ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کے پاس بیس (۲۰) مثقال سونا ہو (جو سونے کا کامل نصاب ہے) اور اس پر ایک مثقال یا اس سے زیادہ یا کم قرض ہو تو لامحالہ جب اسی نصاب یعنی بیس مثقال سونے سے قرض ادا کرے گا تو نصاب میں کمی واقع ہوگی اور اس کے پاس نصاب کے علاوہ اور مال بھی نہیں جسے قرض میں دے۔

---

(۱).....حدیث موقوف علی ابن عمر رواہ الترمذی والدارقطنی والبیہقی (نصب الرایہ ۲/۳۳۰) (۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الدرالمختار ۲/۶، الشرح الصغیر ۱/۶۴۷ والقوانین الفقہیۃ ص ۹۹ المہذب ۱/۱۴۲ المجموع ۵/۳۱۳ المغنی ۳/۴۱۔ (۳) رواہ ابوعبید فی الاموال۔ (۴) مثلاً مال تجارت کا تخمینہ پچاس ہزار لگایا گیا اور مالک پر پچاس ہزار روپے قرض بھی ہو یا پینتالیس (۴۵۰۰۰) ہزار کا قرض ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

اور اگر کسی شخص کے پاس تیس (۳۰) مثقال سونا ہو اور اس پر دس مثقال (۱۰) قرض ہو تو اس پر (۲۰) بیس مثقال کی زکوٰۃ واجب ہوگی چونکہ نصاب کامل ہے اور اگر اس پر دس مثقال سے زائد قرض ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

یعنی جب مال کی مقدار قرض کی مقدار سے زیادہ ہو اور قرض کم ہو تو اس صورت میں قرضہ مانع زکوٰۃ نہیں ہوگا، اور اگر قرض اور نصاب برابر سرابر ہو یا نصاب کم رہے تو اس صورت میں قرض مانع زکوٰۃ ہوگا۔

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں دین (قرض) عین (سونا چاندی) کی زکوٰۃ کو ساقط کر دیتا ہے بشرطیکہ جب مالک کے پاس ایسا سامان نہ ہو جس سے قرض ادا کر سکتا ہو۔

اور اگر مقررہ مدت کا قرض ہو یا بیوی کا مہر مالک کے ذمہ ہو، یا دین میں تاخیر ہو یا مقدم ہو یا بیوی، باپ، بیٹے کے نفقہ کا قرض ہو، یا زکوٰۃ کا قرض ہو تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کفارہ یمین، کفارہ ظہار، کفارہ صوم، ہدی کا کفارہ جو حج یا عمرہ میں اس پر واجب ہوئی ہو تو اس قسم کے قرضہ جات سے بھی سونے چاندی کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔

اور اگر مالک کے پاس ایسا ساز وسامان ہو جس سے قرض ادا کر سکتا ہو تو بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی گویا زکوٰۃ دو شرطوں کے ساتھ ساقط ہوگی۔

اول......اگر ساز وسامان کا سال مالک کے پاس پورا ہو۔

دوم......ساز وسامان ایسا ہو جسے مفلس پر فروخت کیا جا سکتا ہو جیسے کپڑے، تانبے کے برتن، جانور اگرچہ سواری کا جانور ہو یا جمعہ کو پہننے کے کپڑے ہوں یا کتب فقہ ہوں، اور اگر اس کے بدن کے کپڑے ہوں یا اس کا رہائشی مکان ہو تو انہیں فروخت نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ بدن کے کپڑے اور رہائش کا مکان اس کی حاجت ضروریہ سے فالتو ہو، سامان کی قیمت کا اعتبار سال کے آخر میں زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت کیا جائے گا۔

اگر مالک کا قرض کسی شخص پر ہو اور قرض کے ملنے کی امید ہو اگرچہ تاخیر سے ملے تو وہ اسے اپنے پاس موجود مال میں سے شمار کرے گا اور موجود نقدین میں سے زکوٰۃ ادا کرے گا، اور اگر قرض کے ملنے کی کوئی امید نہ ہو جیسے مقروض تنگدست ہو یا ظالم ہو تو اس قرض پر زکوٰۃ کا حکم جاری نہیں ہوگا اور اسے دین واجب کا متبادل قرار نہیں دیا جائے گا۔

قرض سے اناج، پھلوں اور معدن کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی چونکہ ان اشیاء کی عین اور ذات میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔

اگر قرض مقروض کو ہبہ کر دیا گیا یا قرض دہندہ نے اسے قرض چکانے سے بری الذمہ کر دیا تو موہوبہ مال میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہوگی جب تک کہ موہوب لہ کے قبضہ میں سال نہ گزر جائے ❶ چونکہ ہبہ ملک نصاب کو از سر نو شروع کرتا ہے لہٰذا اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی حتیٰ کہ سال پورا نہ ہو جائے اور سال کا اعتبار بوقت ہبہ ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول...... ایسا قرض جو اموال زکوٰۃ کو حاوی (گھیرے ہوئے) ہو یا نصاب میں کمی کر دے وہ وجوب زکوٰۃ کے مانع نہیں، لہٰذا مال کے مالک پر زکوٰۃ واجب ہوگی، چونکہ زکوٰۃ عین سے متعلق ہوتی ہے اور قرضہ ذمہ سے متعلق ہوتا ہے، لہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کا مانع نہیں ہوگا، جیسے قرض جنایت کے تاوان کا مانع نہیں ہوتا۔

۹۔ مال حاجات (ضروریات) اصلیہ سے زائد ہو...... حنفیہ نے اس شرط کا اعتبار کیا ہے یعنی جس مال پر زکوٰۃ واجب ہو وہ

---

❶......ہبہ کے باب میں چند اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، واہب: کسی چیز کو ہبہ کرنے والا، موہوب، وہ چیز جو ہبہ میں دی جاتی ہے، موہوب لہ، وہ شخص جسے شئی موہوبہ دی جاتی ہے۔

مال قرض اور ضروریات اصلیہ سے فارغ ہو چونکہ جو مال حاجت اصلیہ میں مشغول ہو وہ کالمعدوم ہے۔

حاجت اصلیہ کیا ہے.....ابن ملک نے حاجت اصلیہ کی وضاحت یہ کی ہے کہ وہ ضرورت کی چیز جس کے ذریعے انسان سے ہلاکت کو دور کیا جائے خواہ حقیقۃً جیسے خرچہ، رہائش کے لئے مکان، جنگی ہتھیار سردی اور گرمی سے دفاع کے لئے کپڑے۔

یا اس سے تقدیراً ہلاکت کو دور کیا جائے۔جیسے قرض چنانچہ مقروض نصاب کے ذریعے قرض کو ادا کرنے کا محتاج ہے چونکہ اس نے قرض ادا کر کے گرفتاری سے بچاؤ کا سامان کرنا ہے اور گرفتاری، حبس وقید ہلاکت کی مانند ہیں، اسی طرح پیشے کے اوزار، گھر کا اثاثہ، سواری کے جانور، علمی کتابیں بھی اسی قسم میں شامل ہیں چنانچہ اہل علم کے نزدیک جہالت ہلاکت کے مترادف ہے، لہٰذا جب کسی شخص کے پاس دراہم (روپے پیسے) ان حوائج میں صرف کرنے کے لئے ہوں تو گویا وہ معدوم ہیں، جیسے پیاس کے لئے پانی صرف کردے تو پانی معدوم کی طرح ہوتا ہے اور تیمم جائز ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ کی صحت ادا کی شرائط

زکوٰۃ کی ادا صحیح ہونے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱۔نیت.....فقہاء نے اتفاق کیا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت شرط ہے تاکہ زکوٰۃ کے درمیان اور کفارات ودوسرے صدقات کے درمیان فرق ہو سکے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔'' جبکہ زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی ایک عمل ہے، نیز یہ کہ زکوٰۃ بھی عبادت ہے جیسے نماز لہٰذا عبادت زکوٰۃ بھی نیت کی محتاج ہے تاکہ فرض نفل سے جدا ہو جائے، اس شرط میں فقہاء کی مختلف تفاصیل ہیں ذرہ ان کا جائزہ لے لیتے ہیں۔

حنفیہ.....حنفیہ کہتے ہیں زکوٰۃ کی ادائیگی صرف ایسی نیت سے جائز ہوگی جو فقیر کو دیتے وقت ادائیگی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، خواہ حکماً ہی ملی ہو، جیسے بغیر نیت کے مال دے دیا اور مال ابھی فقیر کے ہاتھ میں ہو کہ مالک نے زکوٰۃ کی نیت کرلی، یا وکیل کو دیتے وقت نیت کرلی پھر وکیل نے بغیر نیت کے فقیر کو دے دی یہ بھی جائز ہے، یا جب واجب مقدار کو بقیہ مال سے الگ کر رہا ہو اس وقت نیت کرلی تو بھی جائز ہے، چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے لہٰذا نیت اس کے لئے شرط ہے، اس میں اصل یہ ہے کہ نیت ادائیگی کے ساتھ ملی ہو، البتہ فقراء کو الگ الگ زکوٰۃ دی جاتی ہے ❶ مال سے مقدار واجب کو الگ کرتے وقت نیت کافی سمجھی گئی ہے چونکہ اس میں زکوٰۃ دینے والے کے لئے آسانی ہے، جیسے روزہ کے لئے پہلے ہی سے نیت کرلی جاتی ہے۔

اگر کسی شخص نے زکوٰۃ بقیہ مال سے الگ کی پھر مال زکوٰۃ ضائع ہو گیا یا چوری ہو گیا یا تلف ہو گیا تو زکوٰۃ اس سے ساقط نہیں ہوگی اس کے متبادل مالک پر تاوان ہوگا چونکہ بقیہ مال سے زکوٰۃ نکالنا ممکن ہے، اگر ادائیگی سے پہلے مر گیا تو زکوٰۃ وراثت میں منتقل ہوگی اور نکالی جائے گی۔

جس شخص نے سارے کا سارا مال صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو استحساناً اس سے زکوٰۃ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس نے مال صدقہ کرتے وقت نذر یا کسی اور واجب کی نیت نہ کی ہو، چونکہ واجب اس کا جزء ہے یوں اس طرح اسی میں تعیین ہو جائے گی اور الگ سے تعیین کی ضرورت نہیں۔

اسی بنیاد پر اگر زکوٰۃ دینے والے کا کسی فقیر پر قرض ہو اور وہ فقیر کے قرض کو زکوٰۃ سے منہا کر کے اسے بری الذمہ کردے تو مقدار

---

❶.....مثلاً ایک شخص نے زکوٰۃ میں دس ہزار روپے دینے ہیں وہ ایک ایک ہزار دس فقراء میں تقسیم کرتا ہے، ہر فقیر کو دیتے وقت نیت کا ہونا باعث حرج ہے لہٰذا مقدار واجب کو الگ کرتے وقت نیت کرلینا کافی ہے یہ مفتی بہ ہے۔

قرض کے برابر زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائیگی، برابر ہے کہ اس میں زکوٰۃ کی نیت کرے یا نہ کرے، چونکہ قرض بھی ہلاکت کے مترادف ہے۔

اگر کسی شخص نے نصاب کا کچھ حصہ صدقہ کر دیا تو اس حصہ پر واجب ہونے والی زکوٰۃ امام ابویوسف کے نزدیک ساقط نہیں ہوگی، یہی قول صاحب ہدایہ کا مختار ہے، لہٰذا صدقہ کئے ہوئے مال اور بقیہ مال دونوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چونکہ ادائیگی کا بعض حصہ ادائے واجب کے لئے متعین نہیں ہے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مال کا جو حصہ صدقہ کر دیا ہے اس کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی جیسے کل مال صدقہ کرنے کی حالت میں زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے چونکہ یقیناً مال کا وہ جزو جس نے زکوٰۃ بننا تھا وہ بھی نکل چکا ہے۔

شافعیہ.....شافعیہ کہتے ہیں دل سے نیت کرنا واجب ہے زبان سے اس کا تلفظ شرط نہیں۔ پس نیت کرے کہ یہ میرے مال کی زکوٰۃ ہے" اگر چہ نیت میں فرض کا ذکر نہ بھی کرے تب بھی درست ہے، چونکہ زکوٰۃ ہوتی ہی فرض ہے، اسی طرح یوں بھی کہہ سکتا ہے یہ مالی صدقہ کا فرض ہے یا میرے مال کا صدقہ مفروضہ ہے یا صدقہ مفروضہ ہے یا صدقہ کا فرض ہے۔

زکوٰۃ دینے سے پہلے بھی نیت کرنا جائز ہے بشرطیکہ زکوٰۃ الگ کرتے وقت ساتھ ساتھ نیت کی ہو یا وکیل کو دیتے وقت نیت کر لی یا اس کے بعد کر لی ہو، زکوٰۃ الگ کرنے سے پہلے بھی نیت جائز ہے جیسے زکوٰۃ الگ کرنے کے بعد جائز ہے، مال زکوٰۃ وکیل کو تفویض کرنا بھی جائز ہے (کہ وہ فقراء میں تقسیم کرے) بشرطیکہ وہ تفویض کا اہل ہو بایں طور کہ وہ مسلمان مکلف ہو چونکہ زکوٰۃ مالی حق ہے اور مالی حقوق میں وکیل بنانا جائز ہے، جیسے قرضہ جات میں وکیل بنانا جائز ہے، اسی طرح ودیعت کے اموال اور عاریۃ لئے ہوئے اموال کو ان کے مالکوں کو واپس کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے۔

رہی بات بچے کی اور کافر کی سو زکوٰۃ کی ادائیگی میں انہیں وکیل بنانا جائز ہے بشرطیکہ صاحب زکوٰۃ فقیر (جسے زکوٰۃ کا مال دیا جائے گا) اس کی تعیین کر دے، جب ولی بچے، مجنون اور سفیہ (بے وقوف) کے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو اس پر (ولی پر) زکوٰۃ کی نیت کرنا واجب ہے اگر نیت میں کوتاہی کی تو زکوٰۃ کا ضامن ہوگا، اگر زکوٰۃ دینے والے نے بغیر نیت کے حکمران کو زکوٰۃ کا مال دیا تو ظاہری قول میں حکمران کی نیت کافی نہیں ہوگی۔

اگر صاحب مال سے زبردستی زکوٰۃ لی گئی تو مالک کو چاہئے کہ جب زکوٰۃ اس سے لی جارہی ہو اس وقت زکوٰۃ کی نیت کر لے وگرنہ بصورت دیگر زبردستی لینے والے پر واجب ہے کہ وہ زکوٰۃ کی نیت کر لے۔

جب زکوٰۃ دیتے وقت نیت نہ ہو سکے تو جو حکمران ٹیکس وصول کرتا ہے اس کی نیت کا کوئی فائدہ نہیں، جو مال فقراء کو عام حالات میں دے دیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کی مد سے کافی نہیں سمجھا جائے گا چونکہ یہ عام صدقہ ہے جو عادۃً دے دیا جاتا ہے۔

حنابلہ.....حنابلہ کا موقف بھی شافعیہ جیسا ہے، چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں: نیت یہ ہے کہ صاحب مال اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ زکوٰۃ ہے، یا فلاں بچے یا مجنون کی طرف سے زکوٰۃ دے رہا ہے، نیت کا محل دل ہے، چونکہ تمام اعتقادات کا محل دل ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے تھوڑ دیر پہلے بھی نیت کرنا جائز ہے جیسے بھی عبادات میں تھوڑی دیر پہلے نیت کرنا جائز ہے، اگر وکیل کو دیتے وقت نیت کر لی تو بھی جائز ہے، بشرطیکہ نیت کو زیادہ وقت نہ گزرا ہو، اگر نیت کو زیادہ وقت ہو چکا تو پھر اس نیت سے زکوٰۃ جائز نہ ہوگی، الا یہ کہ وکیل کو دیتے وقت نیت کر لے اور وکیل کسی مستحق کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت کر لے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

البتہ اگر حکمران (حکومت کا مقرر کردہ آدمی) نے زکوٰۃ لی تو بغیر نیت کے بھی جائز ہے، چونکہ اس کے حق میں نیت دشوار ہے اور نیت کا وجوب اس سے ساقط ہوجائے گا جیسے بچے اور مجنون سے ساقط ہوجاتا ہے۔

اگر کل مال صدقہ کر دیا؟......اگر کسی شخص نے سارے کا سارا مال صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہیں کی حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک اس صدقہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی چونکہ صاحب مال نے فرض کی نیت نہیں کی، جیسے مال کا کچھ حصہ صدقہ کر دے اور نیت نہ کرے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، مزید جیسے کہ سو رکعات پڑھ لے اور ان میں فرض کی نیت نہ کرے تو فرض نماز ادا نہیں ہوگی، البتہ ابوحنیفہ کہتے ہیں خلاف قیاس استحساناً❶ اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ تملیک......❷ زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کے لئے تملیک کی شرط لگائی گئی ہے، یعنی زکوٰۃ مستحقین کو دے دی جائے اور انہیں زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے، صرف مباح کر دینا یا کھانا کھلا دینا کافی نہیں بلکہ تملیک ضروری ہے، مجنون اور فرق نہ کر سکنے والے بچے کا زکوٰۃ میں تصرف کر لینا کافی نہیں ہوگا بلکہ ان کا ولی مثلاً باپ یا وصی قبضہ کرے تب زکوٰۃ ادا ہوگی۔❸ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ......البقرۃ ۲/ ۴۳ یعنی زکوٰۃ دو۔

چنانچہ ایتاء (دوسروں کو دینا) تملیک کے معنی میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ کا نام بھی دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ......التوبۃ ۹/ ۶۰

اور تصدق (صدقہ دینا) تملیک کے معنی میں ہے، اسی طرح ''للفقراء'' میں ''لام'' لام تملیک ہے جیسے کہ شافعیہ کہتے ہیں، چنانچہ بولا جاتا ہے۔ ''ھذا المال لزید'' یعنی یہ مال زید کی ملک ہے۔ اس مقولہ میں بھی ''لام'' تملیک کا ہے۔❹

مالکیہ کی تین شرائط......مالکیہ نے ادائے زکوٰۃ کے لئے تین شرائط لگائی ہیں۔

۱......سال پورا ہونے پر یا اناج اور پھل تیار ہو جانے پر یا سرکاری ملازم (جو حکومت اسلامیہ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو) کے آجانے پر زکوٰۃ کا نکالنا، اگر وقت سے قبل زکوٰۃ نکال لی تو یہ ادائیگی کافی نہیں ہوگی، اس شرط سے جمہور فقہاء نے اختلاف کیا ہے، اگر وقت پورا ہو جانے پر باوجود قدرت کے کسی شخص نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس پر ضمان ہوگا اور اس کا یہ فعل معصیت میں شمار ہوگا۔

۲......زکوٰۃ مستحق کو دینا غیر مستحق کو نہ دینا۔

۳......زکوٰۃ جس مال سے واجب ہوئی ہو بعینہ اسی مال سے دینا۔

تیسری بحث......وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا وقت

اس بحث میں چار مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: (وجوب زکوٰۃ کا وقت)......سبھی فقہاء نے حنفیہ کے اس مفتیٰ بہ قول پر اتفاق کیا ہے کہ جب زکوٰۃ کی شرائط پوری ہو جائیں تو زکوٰۃ کا وجوب علی الفور ہو جاتا ہے، لہٰذا جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ ادائیگی پر قدرت بھی رکھتا ہو اس کے لئے تاخیر کرنا کسی

---

❶......لغت میں استحسان کا معنی ہے کسی چیز کو اچھا سمجھنا اصطلاح میں استحسان ادلہ اربعہ میں سے ایک دلیل ہے جو قیاس جلی کے معارض ہو تب اس پر عمل کر لیا جاتا ہے چونکہ بسا اوقات استحسان قیاس سے قوی ہوتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فبشر عبادہ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (الزمر ۱۷۔۱۸) یعنی قیاس کو چھوڑ کر ایسی صورت اپنا لینا جس میں لوگوں کے ساتھ نرمی اور بھلائی ہو استحسان کہلاتا ہے۔❷ تملیک کا معنی دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنا دینا۔❸ یعنی اگر کسی نے بچے غیر یا مجنون کو زکوٰۃ دی اور انہوں نے زکوٰۃ کے مال میں تصرف کر دیا تو ان کے تصرف سے یہ لازم نہیں آتا کہ صاحب مال کی زکوٰۃ ادا ہو گئی بلکہ بچے کا ولی جب تک قبضہ نہ کرے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔❹ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۲/ ۳۹، الدر المختار ۲/ ۸۵، احکام القرآن لابن العربی ۲/ ۹۴۷ المہذب ۱/ ۱۷۱، المغنی ۲/ ۶۶۶۔

طرح جائز نہیں اور بلا عذر تاخیر کرنے پر گنہگار ہوگا حتیٰ کہ حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کی گواہی مردود ہوگی، چونکہ زکوٰۃ کا دے دینا آدمی کا حق ہے جس پر مطالبہ ہو چکا۔

فقیر کو زکوٰۃ دے دینے کا جو حکم ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ زکوٰۃ علی الفور واجب ہے، چونکہ زکوٰۃ فقیر ومحتاج کی حاجت پوری کرنے کے لئے ہے، لہٰذا جب فی الفور زکوٰۃ نہیں دی جائے گی تو علی وجہ الاتم مقصود کا حصول نہیں ہوگا۔

دو شرائط کے ساتھ زکوٰۃ علی الفور نکالنی چاہئے۔

اول...... یہ کہ زکوٰۃ کا نکالنا صاحب مال کی دسترس میں ہو یعنی مال اس کے پاس موجود ہو۔

دوم...... یہ کہ مستحقین زکوٰۃ کی مختلف اقسام موجود ہوں یا ان اقسام کے نائبین موجود ہوں یا سلطان (حکمران) موجود ہو یا سرکاری نمائندہ زکوٰۃ وصول کرنے والا موجود ہو۔

اگر کسی نے قدرت کے باوجود زکوٰۃ میں تاخیر کی تو وہ زکوٰۃ کا ضامن ہوگا چونکہ اس نے ایک واجب میں تاخیر کی ہے حالانکہ اس کے لئے ادائیگی ممکن تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسے ودیعت کا مالک مطالبہ کرے اور مودع ودیعت نہ دے تو اس پر ضمان ہوگا تاخیر کی وجہ سے، مال کا مالک گناہگار ہوگا چونکہ اس نے فقراء کا مال بلا وجہ روک رکھا ہے اور یہ حرام ہے۔

البتہ شافعیہ کہتے ہیں اگر کسی قریبی رشتہ دار یا پڑوسی یا کسی زیادہ حاجت مند کے انتظار میں ادائے زکوٰۃ میں تاخیر کی تو اس صورت میں گنہگار نہیں ہوگا، لیکن اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اس تاخیر سے حاضرین کو ضرر نہ پہنچتا ہو۔

انتباہ...... ویلفیئر سوسائٹیز/فلاحی انجمنیں بسا اوقات زکوٰۃ کی مد سے ملنے والی رقوم کو اپنے بیلنس میں جمع کر لیتے ہیں اس سے ان کی مختلف اغراض وابستہ ہوتی ہیں، لہٰذا مذکورہ بالا فقہی قاعدہ کی رو سے انجمنوں کا یہ عمل کسی طرح جائز نہیں چونکہ زکوٰۃ علی الفور واجب ہوتی ہے۔

دوسرا مقصد...... اداء زکوٰۃ کا وقت

زکوٰۃ جس قسم کے مال میں واجب ہو اسی کے اعتبار سے ادا کی جائے۔

الف...... نقدی اموال (سونا چاندی، کاغذی کرنسی)، سامان تجارت اور چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ سال پورا ہونے پر ایک ہی مرتبہ دی جائے۔

ب...... اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ اناج کے تکرار کے وقت دی جائے اگرچہ اس میں ایک سال میں بار بار تکرار ہو، اس میں سال پورا ہونے کی شرط نہیں اور نہ ہی نصاب تک پہنچنے کی شرط ہے حنفیہ کے نزدیک جبکہ جمہور کے نزدیک اناج اور پھلوں میں نصاب تک پہنچنے کی شرط ہے۔ [1]

پھلوں میں عشر کب واجب ہوتا ہے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں جب پھل کا ظہور ہو جائے اور کسی قسم کے فساد کا خطرہ نہ رہے تو پھلوں پر عشر واجب ہو جاتا ہے اگرچہ ابھی توڑنے کے قابل نہ ہوا ہو بشرطیکہ جب نفع اٹھانے کی حد تک پہنچ جائے۔ [2]

[1]...... امام بخاری کی روایت ہے۔ "فیما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر۔" اس حدیث میں فیما میں ما عام ہے۔ اسے اپنے عموم پر بھی رکھا جا سکتا ہے جب نصاب کو مقرر نہ کیا جائے اسی پر فتویٰ ہے۔ [2] یعنی کھانے کے قابل ہو جائے۔

دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں پھلوں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب پھل گلنے کے قابل ہو اور چھلکے میں سخت ہو جائے، یعنی کھانے کے قابل ہو جائے اور پھل دار درختوں کو سیرابی کی ضرورت نہ رہے، زکوٰۃ میوہ جات کے خشک ہونے اور توڑنے کے اعتبار سے واجب نہیں ہوتی اور نہ ہی صاف کرنے سے واجب ہوگی۔ پھل کھانے کے قابل ہونے کی حد یہ ہے کہ مثلاً کھجوریں جب زردی مائل ہو جائیں اور انگوروں میں جب مٹھاس پیدا ہو جائے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں پھلوں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب پھل ظاہر ہو جائے اور اس میں صلاحیت پیدا ہو جائے اور دانے سخت ہو جائیں، چونکہ اس وقت پھل مکمل ہو جاتا ہے، اس سے پہلے پھل ناتمام ہوتا ہے، صلاحیت پیدا ہونے پر پھل کے دانے کا شمار طعام میں ہوتا ہے جبکہ اس سے پہلے سبزہ ہے، زکوٰۃ واجب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ فی الحال زکوٰۃ ادا کردی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجوب زکوٰۃ کے سبب کا انعقاد ہو چکا ہے اور یہ زکوٰۃ کھجوروں، انگوروں اور صاف کیے ہوئے دانوں کی ہوگی، نیز خشک کرنے کی اجرت صاف کرنے، کاٹنے، گاہنے اور اٹھانے کی اجرت مالک پر ہوگی وہ مال زکوٰۃ سے نہیں ہوگی۔

حنابلہ...... حنابلہ کا موقف بھی شافعیہ کے موقف جیسا ہے کہ پھلوں میں زکوٰۃ تب واجب ہوگی جب دانے پختہ اور سخت ہو جائیں اور جب پھل میں صلاحیت پیدا ہو جائے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ج...... حنفیہ اور حنابلہ کی رائے کے مطابق شہد جب حاصل ہو جائے اس وقت اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور معادن (کانوں) سے جب مال نکالا جائے زکوٰۃ واجب ہوگی، حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کی رائے میں صدقہ فطر عید الفطر کی رات سورج غروب ہوتے وقت واجب ہوگا۔ [1]

تیسرا مقصد...... سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ دینا

علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ملک نصاب سے قبل پیشگی زکوٰۃ دینا جائز نہیں، چونکہ پیشگی ادا کرنے میں وجوب زکوٰۃ کا سبب نہیں پایا جاتا، لہٰذا پیشگی زکوٰۃ دینا جائز نہیں، جیسے بیع سے پہلے قیمت دینا جائز نہیں، اسی طرح قتل سے پہلے دیت نہیں ہوتی۔ [2]

الغرض جب وجوب زکوٰۃ کا سبب یعنی کامل نصاب پایا جائے تو زکوٰۃ میں جلدی ادا کرنے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

ا۔ جمہور...... جمہور کہتے ہیں جب مالک کے پاس نصاب پورا ہو تو سال پر پیشگی زکوٰۃ دے دینا جائز ہے، چونکہ اس نے سبب وجوب کے پائے جانے کے بعد زکوٰۃ ادا کی ہے لہٰذا ادا ہو جائے گی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشگی زکوٰۃ دینے کے متعلق دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ کو اس میں رخصت دی۔ [3]

لہٰذا پیشگی (ایڈوانس) زکوٰۃ دینا جائز ہوا، جیسے مقررہ وقت کا قرض پہلے دے دیا جائے قتل خطا کی دیت پہلے دے دی جائے، یہ بھی مقررہ وقت کے مالی حقوق کے مشابہ ہے۔ [4]

---

[1]...... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، ردالمحتار ۲/۲۷۔ الشرح الصغیر ۱/۶۱۵، مغنی المحتاج ۱/۳۸٦ کشاف القناع ۲/۱۹۲۔ [2] دیکھئے المهذب ۱/۱٦٦ والمغنی ۲/٦۳۱۔ [3] رواه احمد وابوداؤد وابن ماجه والترمذی باسناد حسن وذکر ابوداؤد انه روی عن الحسن بن مسلم مرسلاً وانه صحیح (نیل الاوطار ۴/۱۴۹) [4] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدیر ۱/۵۱٦، البدائع ۲/۵۰، المجموع ٦/۱۳۹، المهذب ۱/۱٦٦، المغنی ۲/٦۲۹، کشاف القناع ۲/۳۱۰۔

شافعیہ کی شرط.....پیشگی زکوٰۃ دینے میں شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ مالک آخر سال تک وجوب زکوٰۃ کا اہل رہے اور صدقہ فطر کے لئے ماہ شوال کے داخل ہونے تک وجوب کا اہل رہے، نیز زکوٰۃ یا صدقہ فطر پر قبضہ کرنے والا آخر وقت تک یعنی سال پورا ہونے تک اور ماہ شوال ہونے تک مستحق زکوٰۃ رہے۔

اگر ان دو شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے بایں طور کہ مالک مرگیا یا قبضہ کرنے والا مرگیا سال پورا ہونے سے قبل یا قبضہ کرنے والا مرتد ہوگیا یا غائب ہوگیا یا اسے کوئی اور زکوٰۃ ملی تھی اور قابض مستغنی ہوگیا، یا نصاب کم ہوگیا، یا نصاب مالک کی ملک سے نکل گیا اور وہ مال تجارت نہ تھا لہٰذا ان صورتوں میں پیشگی زکوٰۃ کافی نہیں ہوگی چونکہ وجوب کے وقت وہ اہلیت سے نکل گیا ہے۔

۲۔ظاہریہ اور مالکیہ.....ظاہریہ اور مالکیہ کہتے ہیں سال پورے ہونے سے پہلے پیشگی (ایڈوانس) زکوٰۃ دینا جائز نہیں، چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے لہٰذا نماز کے مشابہ ہے لہٰذا وقت سے پہلے زکوٰۃ کا نکالنا جائز نہیں، چونکہ سال کا پورا ہونا زکوٰۃ کے لئے شرط ہے لہٰذا سال سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز نہیں جیسے نصاب پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ جائز نہیں۔

چوتھی بحث.....وجوب زکوٰۃ کے بعد مال کا ہلاک ہوجانا

اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہوگیا (ضائع ہوگیا) تو آیا ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی یا نہیں اس میں دو قسم کی آراء ہیں۔

ا۔حنفیہ.....اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ہلاک (ضائع) ہوجائے تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی جیسے عشر اور اجتماعی ٹیکس۔ چونکہ واجب ہونے والی زکوٰۃ نصاب کا جزو ہے اور اس میں آسانی کے پہلو کو بھی مد نظر رکھا ہے چنانچہ زکوٰۃ ایسی قدرت اور استطاعت کے ساتھ واجب ہوئی جو آسانی سے میسر ہو اور یہ ادائے زکوٰۃ کے وقت تک باقی رہے لہٰذا محل کے ہلاک ہونے سے واجب ساقط ہوجائے گا، برابر ہے کہ ادائیگی پر دسترس ہو یا نہ ہو، چونکہ شریعت نے وجوب کو قدرت میسرہ کے ساتھ معلق کیا ہے، اور جو چیز قدرت میسرہ کے ساتھ معلق ہو اس سے ہٹ کر اس کا وجود نہیں رہتا اور یہاں قدرت میسرہ نما (یعنی بڑھنا) ہے، نصاب نہیں۔ ❶

اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر مال ہلاک کیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اگرچہ قدرت میسرہ منتفی ہو چونکہ یہاں صاحب مال کی طرف سے تعدی (ظلم زیادتی) پائی گئی ہے۔ اگر مال کا کچھ حصہ خود بخود ہلاک ہوا تو اسی کے بقدر زکوٰۃ بھی ساقط ہوجائے گی۔

رہی بات صدقہ فطر اور مال حج کی تو وجوب کے بعد مال ہلاک ہونے سے صدقہ فطر اور مال حج ساقط نہیں ہوگا، جیسے گواہوں کے مرجانے سے نکاح باطل نہیں ہوتا۔

وجہ فرق.....مال زکوٰۃ ہلاک اور ضائع ہونے سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے جبکہ صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ نمو (بڑھوتری) سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا اس کے لئے قدرت میسرہ (یعنی وہ قدرت جس کی وجہ سے آدمی پر زکوٰۃ دینا آسان ہو) کی شرط لگائی ہے تاکہ لوگوں پر آسانی رہے، چونکہ انسان کو اسی چیز کے ادا کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے جو اس کی وسعت میں ہو، یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس کے پاس اس مال کے سوا اور مال ہی نہ ہو، رہی بات صدقہ فطر اور حج کے مال کی سو یہ نماء (بڑھوتری) سے تعلق ہی نہیں رکھتے، یہ تو ذمہ میں واجب ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لئے قدرت ممکنہ کی شرط لگائی گئی ہے۔ ❷

---

❶.....دیکھئے فتح القدیر ۱/۵۱۴، الدر المختار ۲/۲۸، البدئع ۲/۱۵۔ ❷ گویا نماء کی علت مال زکوٰۃ میں پائی جاتی ہے جبکہ صدقہ فطر اور حج کے مال میں یہ علت نہیں قدر اور ممکنہ سے مراد وہ قدرت ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان فعل انجام دیتا ہے۔

ملاحظہ.....ملاحظہ رہے کہ قرض دینے، عاریہ دینے یا مال تجارت کو کسی دوسرے مال تجارت کے ساتھ تبدیل کرنے سے مال ہلاک ہوتو یہ حقیقۃً ہلاک تصور ہوگا لہٰذا زکوٰۃ کا ضامن نہیں ہوگا، اگر مال تجارت کسی اور مال کے ساتھ تبدیل کیا جو مال تجارت نہ ہو یا چرنے والے جانوروں کو چرنے والے جانوروں سے تبدیل کیا تو یہ جان بوجھ کر مال ہلاک کرنا ہے لہٰذا زکوٰۃ کا ضامن ہوگا۔

۲۔ جمہور.....کہتے ہیں اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ہلاک (ضائع) ہوا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مالک پر ضمان ہوگا، گویا امکان اداء ضمان میں شرط ہے وجوب میں شرط نہیں، چونکہ جس شخص پر واجب کا تقرر ہو جائے وہ ادائیگی سے عاجز آنے کی وجہ سے بری الذمہ نہیں ہو جاتا، جیسے صدقہ فطر اور مال حج میں اور لوگوں کے قرضہ جات ہیں، چنانچہ زکوٰۃ متعین حق ہے صاحب مال پر، اگر مستحق تک پہنچنے سے قبل مال تلف ہو گیا تو وجوب سے بری نہیں ہوگا، جیسے کسی آدمی کا قرض ہو۔ اگر زکوٰۃ کی مقدار الگ کی اور زکوٰۃ کی نیت بھی کی پھر مال تلف ہو گیا تو اس کا ضمان صاحب مال پر ہوگا اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی برابر ہے کہ مستحق کو دینے پر قادر تھا یا نہیں۔

البتہ اس حکم سے مالکیہ نے جانوروں کی زکوٰۃ کو مستثنیٰ کیا ہے چونکہ مالکیہ کے نزدیک جانوروں کی زکوٰۃ کا وجوب سال پورا ہونے کے ساتھ سرکاری ملازم کے آ جانے سے ہوتا ہے چنانچہ اگر مر گئے تو مالک ضامن نہیں ہوگا۔ ❶

ابن رشد نے پانچ اقوال ذکر کئے ہیں اس صورت میں جبکہ مالک نے زکوٰۃ نکالی لیکن پھر زکوٰۃ ضائع ہوگئی۔ مثلاً چوری ہوگئی یا مال زکوٰۃ جل گیا اس صورت میں مطلقاً مالک ضامن نہیں ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً ضامن ہوگا، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر مالک سے تفریط (کوتاہی) ہوئی تو ضامن ہوگا اور اگر مالک کی طرف سے کوتاہی نہیں ہوئی تو ضامن نہیں ہوگا امام مالک کے مذہب میں یہی مشہور قول ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ اگر مالک سے تفریط ہوئی تو ضامن ہوگا اور اگر اس کی طرف سے تفریط نہ ہوئی تو بقیہ مال کی زکوٰۃ دے یہی قول ابو ثور اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ جو مال ضائع ہوا وہ کلی مال سے شمار کیا جائے اور مساکین وفقراء اور صاحب مال بقیہ مال میں اپنے اپنے حصہ کے بقدر شریک ہوں۔ ❷

پانچویں بحث.....اموال کی اقسام جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

زکوٰۃ مال کی پانچ اقسام میں واجب ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) نقدی مال (سونا چاندی، کاغذی کرنسی) (۲) معادن (کانیں) (۳) رکاز (دفینہ) (۴) سامان تجارت، (۵) اور چوپائے، چوپایوں میں اونٹ، گائے اور بکریاں شامل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ واجب کی ہے جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

ان تمام انواع خمسہ کے متعلق چھ مقاصد کے تحت بحث کی جائے گی۔

پہلا مقصد.....نقدی اموال (سونا، چاندی، کاغذی کرنسی) کی زکوٰۃ

فقہاء کے نزدیک بالاتفاق نقدی مال میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ سونا چاندی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں یا درہم و دینار کی شکل میں ہوں یا برتن ہوں یا حنفیہ کے نزدیک زیورات ہوں اس پر کتاب، سنت اور اجماع کے دلائل ہیں جو پیچھے گزر چکے ہیں، ❸ اب ہم مندرجہ ذیل

---

❶.....مزید تفصیل کے لئے دیکھئے بدایۃ المجتہد ۱/۲۴۱، المہذب ۱/۱۴۴ القوانین الفقہیۃ ص ۹۹۔ المغنی ۲/۶۸۵۔ ❷ دیکھئے بدایۃ المجتہد ۱/۲۴۰، پانچواں قول کہ اس نقصان میں فقراء اور صاحب مال دونوں شریک ہوں۔ ❸ دیکھئے فتح القدیر ۱/۵۱۹، الدر المختار ۲/۳۸، اللباب ۱/۱۴۸ الشرح الصغیر ۱/۶۲۰۔

امور کے متعلق بحث کریں گے۔

اول.....نقدی مال کا نصاب اور اس میں واجب ہونے والی مقدار

سونے کا نصاب.....سونے کا نصاب بیس (۲۰) مثقال یا بیس دینار ہے، جو کہ عثمانی دور کے سونے کے ۱۴ لیرہ کے برابر ہے، یا ۱۵ سونے کے فرانسی لیرہ ہے، جبکہ ۱۲ انگریزی لیرہ کے برابر ہے۔ ❶

عراقی مثقال کے حساب سے سونے کا نصاب تقریباً ۱۰۰ گرام کے برابر ہے اور عجمی مثقال کے حساب سے ۹۶ گرام کے برابر، جبکہ جمہور کے نزدیک ۲۳/ ۲۵۔۹۱ گرام کے برابر ہے۔

دونوں قسم کی مثقالوں میں ۲ء گرام کا فرق ہے چونکہ عجمی مثقال ۸ء۴ گرام ہے اور عراقی مثقال ۵ گرام ہے، چنانچہ احتیاط اسی میں ہے کہ ہم اقل (کم از کم) مقدار کا اعتبار کریں اور یہ مقدار ۸۵ گرام ہے اور یہ مقدار عربی درہم کے اعتبار سے ہے جو کہ ۲ء۹۷۵ گرام ہے اور زکوٰۃ میں یہی مقدار بہتر ہے۔

چاندی کا نصاب.....چاندی کا نصاب ۲۰۰ (دوسو) درہم ہے جو کہ حنفیہ کے نزدیک تقریباً ۷۰۰ گرام کے برابر ہے جبکہ جمہور کے نزدیک ۶۴۲ گرام کے برابر ہے، ❷ جبکہ ادق ۵۹۵ گرام کے برابر ہے۔

ضم اجزاء.....جمہور کے نزدیک نصاب مکمل کرنے کے لئے سونے چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیا جائے گا لہٰذا قیمت کا اعتبار کر کے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس ۱۰۰ دراہم ہوں اور پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سو (۱۰۰) دراہم کے برابر ہو، چونکہ چاندی کا نصاب پورا ہو گیا لہٰذا زکوٰۃ واجب ہو گی چونکہ سونے چاندی کا مقصد اور زکوٰۃ متفق ہے، لہٰذا ان دونوں کا جنس واحد کی طرح اعتبار کیا جائے گا۔

شافعیہ.....شافعیہ کہتے ہیں سونے چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا جیسے اونٹوں اور گائیوں کو ایک دوسرے سے نہیں ملایا جاتا، ایک نوع کو دوسری نوع سے تب مکمل کیا جاتا ہے جب جنس ایک ہو گو کھرے اور کھوٹے ہونے میں انواع مختلف ہوں۔

مصنف کہتے ہیں: پہلی رائے واجب الاتباع ہے چونکہ آج کل کاغذی کرنسی پر دارومدار ہے۔

لہٰذا اب ایک نوع کو دوسری نوع سے ملانا ضروری اور لازمی ہو گیا ہے۔ ❸

---

❶.....القوانین الفقهية ص ۱۰۰، مغنی المحتاج ۱/ ۳۸۹ المهذب ۱/ ۱۵۷، المغنی ۳/ ۱ كتاب القناع ۲۳/ ۲۶۶ شرح الرسالة ۱/ ۳۲۲۔ ❷ لیرا سونے کا ایک سکہ جو ترکی اور یورپی ممالک میں رائج تھا چنانچہ عثمانی لیرا (۲ء۲۵) دراہم کے برابر ہے۔ فرانسی لیرا (۲ درہم کے برابر اور انگریزی لیرا ۲ء۵۰۰) درہم کے برابر ہے، جدید اوزان کے مطابق مفتی بہ مقدار یہ ہے، سونا ساڑھے سات تولہ، ۸۷ گرام اور ۴۷۹ ملی گرام، چاندی ساڑھے باون تولہ ۵۲۔۲/ ۱، ۶۱۲ گرام اور ۳۵ ملی گرام۔ علمائے ہند میں اوزان شرعیہ میں معمولی اختلاف ہے تفصیل کے لئے دیکھئے احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۶۴، جواہر الفقہ، جدید فقہی مسائل ص ۱۰۱۔ ❸ یہی قول مفتی بہ ہے، چونکہ اس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے چونکہ ضم اجزاء کی صورت میں زکوٰۃ نکلتی ہے جبکہ عدم ضم کی صورت میں زکوٰۃ نہیں نکلتی۔ چنانچہ آج بتاریخ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۰ مطابق ۱۸ اپریل ۲۰۰۹ کو فی دس (۱۰) گرام سونے کی قیمت (اوسطاً) (۲۲۰۰۰) ۲۲۰۰۰ (بائیس ہزار ہے) اور ۸۷ گرام سونے کی قیمت ۱۹۱۵۰۰ روپے ہے۔ جبکہ فی دس گرام چاندی کی قیمت ۳۵۰ (تین سو پچاس) گرام ہے اور ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت ۲۱۵۰۰ گرام ہے، اگر سونے کا اعتبار کیا جائے تو کرنسی نوٹ ۱۹۱۵۰۰ ہوں تب زکوٰۃ واجب ہو گی اور اگر چاندی کا اعتبار کریں تو ۲۱۰۰۰، ۲۲۰۰۰ گرام پر زکوٰۃ آ جاتی ہے اور اسی میں فقراء کا فائدہ ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

سونے چاندی کا بھاؤ...... ہر زمانہ میں رائج الوقت کرنسی کے حساب سے زکوٰۃ کے نصاب کو مقرر کرنا واجب ہے چونکہ ہر سال سونے چاندی کا بھاؤ تبدیل ہوتا رہتا ہے، لہٰذا زکوٰۃ نکالتے وقت صاحب مال کو اپنے شہر کا ریٹ معلوم کر لینا چاہئے، چونکہ سونے چاندی کے بھاؤ کی نوعیت تبدیل ہو چکی ہے اور ان کی قیمت ایک نقطہ پر ثابت نہیں رہتی، شریعت نے دونوں کی ایک حد مقرر کردی ہے یا تو ۲۰ دینار (یا مثقال) یا دوسو دراہم، کبھی یہ ایک ہی چیز ہوتے تھے اور بھاؤ بھی ایک ہی تھا۔

شریعت میں مقرر نصاب کا اعتبار اب بھی واجب ہے قطع نظر اس کے کہ سونے چاندی کے بھاؤ میں کافی تفاوت ہے۔

ادائے زکوٰۃ میں سونے کے نصاب کا اعتبار کیا جائے یا چاندی کے نصاب کا...... موجودہ کرنسی نوٹوں میں بھی نصاب مقرر کرنا واجب ہے اور اسے سونے کے بھاؤ سے مقرر کیا جائے چونکہ تعامل میں سونا اصل ہے، چونکہ نقود (کرنسی نوٹوں) کا پوش سونے کے اعتبار سے ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اہل مکہ کے نزدیک مثقال کو کاروباری سطح پر اساس کی حیثیت حاصل تھی، نیز دیت کے معاملہ میں بھی مثقال کو اساسی حیثیت حاصل تھی۔

ہر شہر میں زرگر (صراف) سے زیورات میں ڈھلے ہوئے سونے کا بھاؤ معلوم کیا جائے مثلاً ایک وقت میں مصری پونڈ ۲.۵۵۸۷ گرام کے برابر کا ہے، جبکہ ایک گرام سونا سوریا (شام) میں (۵۰۰) شامی لیرہ کے برابر ہے۔

ایک گرام چاندی شام کے دس (۱۰) لیروں کے برابر ہے، عصر حاضر کے اکثر علماء کی رائے ہے کہ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ چاندی کے بھاؤ سے دی جائے چونکہ اسی میں احتیاط ہے اور فقراء کی مصلحت بھی اسی میں ہے، نیز چاندی کا نصاب فقراء کے لئے زیادہ نفع بخش ہے، میں اس رائے کو اپنانے میں بہتری سمجھتا ہوں چونکہ جس نصاب میں فقیروں کا زیادہ نفع ہو اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

فلاحی انجمنیں اور اموال زکوٰۃ...... مفتی کو ایسی فلاحی انجمنوں پر نظر رکھنی چاہئے جنہیں زکوٰۃ کا مال دے دیا جاتا ہے انہیں چاہیے کہ زکوٰۃ کا مال بعینہ مستحقین تک پہنچائیں، ان انجمنوں کے منتظمین کے لئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے غذائیں اور کپڑے خرید کر فقراء کو دیں، چونکہ منتظمین کو اس امر کا وکیل نہیں بنایا گیا، جیسا کہ علمی ادارے چلانے والی فلاحی انجمنوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے کتابیں وغیرہ خریدیں، البتہ ایسے اداروں کو چاہئے کہ وہ طالب علموں سے توکیل اور تفویض کروالیں تاکہ زکوٰۃ کے اموال کو وکالت کی آڑ میں ان کی حوائج، کھانا، پینا کتابیں اور اوراق وغیرہ خریدنے میں صرف کر سکیں، چونکہ زکوٰۃ میں تملیک اساسی اور بنیادی شرط ہے، اس شرط کے وجود کے بعد زکوٰۃ کا مال مصلحت کی جگہ میں صرف کیا جائے۔

زکوٰۃ کے مال سے عمارتیں بنانا...... کسی انجمن یا ادارے کے لئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے اموال سے عمارتیں بنائیں، ملیں، فیکٹریاں وغیرہ لگائیں اور پھر آمدنی کو مستحقین پر خرچ کریں چونکہ انجمن کو یہ کام کرنے کی مستحقین کی طرف سے وکالت نہیں ہوتی۔

البتہ ضرورت شدیدہ کے وقت ایسے مراکز قائم کرنا جائز ہے جو فقراء میں ادویات تقسیم کریں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مراکز وقف کی صورت میں نہ ہوں حتیٰ کہ ان کا فروخت کرنا جائز ہو اور حاصل ہونے والی رقم مستحقین میں تقسیم کی جاسکے۔

زکوٰۃ کی مقدار...... نقدین یعنی سونا چاندی اور کاغذی کرنسی میں ربع عشر (یعنی دسویں حصہ کا چوتھائی حصہ جو کہ ۲.۵۰٪ یعنی ڈھائی فیصد) ہے، جب کوئی انسان دوسو دراہم کا مالک ہو اور ان درہموں پر سال بھی گزر جائے تو ان میں ۵ (پانچ) دراہم واجب ہوں گے، اور بیس مثقال سونے میں نصف دینار (نصف مثقال زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دلیل...... اس کی دلیل بے شمار احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشادفرمایا: جب تمہارے پاس دوسو(۲۰۰)دراہم ہوں اوران پرایک سال گزرجائے توان میں پانچ (۵) دراہم زکوٰۃ ہوگی، اور سونے میں اس وقت تک تمہارے اوپر کچھ نہیں جب تک بیس (۲۰) دینارتمہارے پاس نہ ہوں چنانچہ جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں اوران پر سال بھی گزرجائے توان میں نصف دینارزکوٰۃ ہوگی۔ ❶

ان میں سے ایک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ ’’پانچ وسق سے کم کھجوروں میں صدقہ نہیں، پانچ اوقیہ (۲۰۰ دراہم) سے کم چاندی میں بھی صدقہ (زکوٰۃ) نہیں اور پانچ سے کم اونٹوں میں بھی صدقہ (زکوٰۃ) نہیں۔ ❷

بعینہ نصاب سے زکوٰۃ دے...... نیز بخاری کی روایت ہے۔ چاندی میں ربع عشر زکوٰۃ ہے۔ (یعنی ڈھائی فیصد) سونے کے نصاب سے زکوٰۃ میں سونا ہی دینا پڑے گا اور چاندی کے نصاب سے زکوٰۃ میں چاندی ہی دی جائے گی، اگر چاندی کے بجائے سونا دینا چاہا یا سونے کے بجائے چاندی دینا چاہی تو یہ دونوں صورتیں مالکیہ کے نزدیک جائز ہیں اور مشہور قول کے مطابق زکوٰۃ قیمت کے اعتبار سے دی جائے گی۔

جبکہ زکوٰۃ میں متبادل دینا شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ❸

دوم...... نصاب کے کم اور زیادہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ

جب سونا بیس مثقال ہو بالاجماع زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے جبکہ بیس مثقال سونے کی قیمت دوسو دراہم ہو، اگر سونا بیس مثقال سے کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی الا یہ کہ چاندی یا سامان تجارت سے نصاب پورا ہوجائے توزکوٰۃ ہوگی۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جب سونا بیس مثقال سے کم ہو اور اس کی قیمت دوسو دراہم تک نہ پہنچتی ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی،

سونا: ۱۰ گرام = ۲۱۸۰۰۔ ۱۔ تولہ ۰۰۔ ۸۔ ۲۷۔ ۲۲۔ ۲۵۵۰۰۔ ۱۰ گرام = ۳۲۶ چاندی۔ چاندی تولہ ۳۸۰۔

چونکہ مال کا نصاب ہی پورا نہیں۔ عام فقہاء کہتے ہیں کہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اس میں قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی چاندی کے اعتبار سے مقرر کیا جائے گا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ نہیں اور دوسو دراہم سے کم چاندی میں بھی زکوٰۃ نہیں۔ ❹

مال نصاب سے زائد ہوجائے...... اگر مال نصاب سے زائد ہوگیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہوگی حتیٰ کہ چالیس درہم ہوجائیں تو ایک درہم ہوگا، پھر ہر چالیس دراہم میں ایک درہم دینا واجب ہوگا، گویا دو نصابوں کے درمیان زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ ❺

اسی طرح بیس دیناروں پر نصف دینار ہے، پھر اس سے زائد ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں حتیٰ کہ چار دینار اور نہ ہوجائیں، یہی قول حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ’’ہر چالیس درہموں میں ایک درہم ہے۔ ❻

---

❶ رواہ ابوداؤد والبیہقی باسناد جید (نیل الاوطار ۱۳۸/۴) ❷ رواہ الشیخان واللفظ للبخاری۔ ❸ حنفیہ کے نزدیک بھی متبادل اجزاء زکوٰۃ میں دینے جائز ہیں اور قیمت دینا بھی جائز ہے۔ جیسے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہو تو ان کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دی جاتی ہے انہی سے جزو الگ کر کے نہیں دیا جاتا۔ ❹ رواہ ابوعبید۔ ❺ یعنی دوسو دراہم پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے اگر کسی کے پاس (۲۲۰) دراہم ہوں جب بھی زکوٰۃ ۵ درہم ہی دینی ہوگی۔ تاوقتیکہ نصاب پر چالیس درہم زائد ہوجائیں گویا اگر ۲۴۰ دراہم ہوئے تو ۶ دراہم زکوٰۃ میں دینے ہوں گے اسی طرح ۲۰ دینار سونے پر زکوٰۃ ہے پھر ۲۴ دیناروں پر ہے اگر ۲۳ دینار ہو تو تب بھی نصف دینار دینا ہوگا۔ ❻ رواہ احمد، وابو داؤد والترمذی عن علی، (نیل الاوطار ۱۳۷/۴)۔

صاحبین اور جمہور فقہاء...... صاحبین اور جمہور فقہاء کہتے ہیں دوسو دراہم سے جتنا مال زائد ہوگا اسی حساب سے اس کی زکوٰۃ ہوگی، اگرچہ معمولی سا اضافہ ہو، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چالیس دراہم میں ربع عشر دو، تمہارے اوپر کچھ نہیں حتیٰ کہ دوسو دراہم پورے ہوجائیں جب دوسو دراہم پورے ہوجائیں تو ان میں پانچ دراہم ہوں گے اور جو زائد ہوں اسی حساب سے ان کی زکوٰۃ دی جائے۔ ❶ یہی معقول بھی ہے۔

سوم...... مال مغشوش اور مخلوط (یعنی جس میں کھوٹ ملائی گئی ہو) کا حکم

مغشوش سے مراد ایسا مال جس میں کسی کمتر کی ملاوٹ کردی گئی ہو جیسے سونے میں چاندی ملادی گئی ہو یا چاندی میں پیتل ملادیا گیا ہو، ایسے مال کی زکاۃ کے متعلق فقہاء کی تین قسم کی آراء ہیں۔

۱۔ حنفیہ...... حنفیہ کہتے ہیں اگر کھوٹ (غش) پر چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہوگی، اور اگر کھوٹ پر سونا غالب ہو تو وہ سونا ہوگا، اور اگر سونے چاندی پر کھوٹ غالب ہو (یعنی کھوٹ زیادہ ہو اور سونا یا چاندی کم) مثلاً ۴۰٪ سونا یا چاندی ہو اور ۶۰٪ پیتل وغیرہ) تو اس صوت میں یہ مال سامان تجارت کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اس کی زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ اس کی قیمت حد نصاب کو پہنچتی ہو۔ ❷

اور ایسے ملاوٹ والے مال میں تجارت کی نیت کا ہونا بھی ضروری ہے جیسے دیگر سامان تجارت میں نیت ضروری ہے، البتہ اگر کھوٹ سے چاندی الگ کی جائے اور وہ حد نصاب کو پہنچ جائے تو اس صورت میں چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور تجارت کی نیت کی ضرورت نہیں چونکہ خالص چاندی میں قیمت کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور نہ ہی تجارت کی نیت کی جاتی ہے۔

اگر چاندی اور کھوٹ برابر سرابر ہوں (مثلاً ۵۰٪ چاندی ہو اور ۵۰٪ پیتل) تو اس صورت میں مختصراً قول یہ ہے کہ زکوٰۃ لازم ہوگی چونکہ احتیاط اسی میں ہے۔

۲۔ مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی میں اگر کھوٹ ہو تو رواج (چالو ہونے) کا اعتبار کیا جائے گا، لہٰذا سونے چاندی میں جس کا وزن کامل ہوگا اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، کھوٹ والا مال اور جو وزن میں ناقص ہو اگر وہ کامل وزن والے مال کی طرح رائج ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ ہوگی، اگر کھوٹ والے درہم ودنانیر رائج نہ ہوں تو ان میں خالص سونے چاندی کا حساب لگایا جائے گا اور جو درہم یا دینار وزن میں کم ہوں ان میں ایک درہم یا دینار یا اس سے زائد بڑھادیئے جائیں گے، اگر نصاب مکمل ہوگیا تو زکوٰۃ دی جائے گی، اگر نصاب مکمل نہ ہوا تو زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوئی، اسی طرح اگر دراہم اور دنانیر میں پیتل کی کھوٹ ملائی گئی ہو تو کھوٹ ساقط ہوجائے گی اور خالص مال کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

۳۔ شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں کہ کھوٹ والے سونے اور چاندی میں زکوٰۃ نہیں الا یہ کہ خالص سونا یا چاندی نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ ہوگی، چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس کھوٹ والا سونا یا چاندی ہو یا کسی اور دھات کے ساتھ مخلوط کئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی ہاں البتہ سونے چاندی کی مقدار نصاب تک پہنچتی ہو تو زکوٰۃ ہوگی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں''۔

اگر کھوٹ کی مقدار معلوم نہ ہو اور شک ہو کہ نصاب کو مال پہنچا ہے یا نہیں، تو جو رائے زیادہ ظاہر ہو اس پر عمل کرلیا جائے گا تاکہ مالک کو

---

❶...... رواہ الدارقطنی والاثرم ورواہ ابوداؤد عن علی وروی ذالک موقوفاً علی علی وابن عمر مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اللباب ۱/۱۴۹، الدر المختار ۲/۴۲، فتح القدیر ۱/۵۲۰، المغنی ۳/۶۔ ❷ مثلاً ایسے کھوٹ مال کی بازار میں قیمت لگائی جائے گی اگر بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) تک پہنچے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

یقین ہوجائے کہ سونے کی جو مقدار اس نے نکالی ہے وہ زکوٰۃ کی مقدار کو محیط ہے، یا آگ پر تپا کر کھوٹ اور اصل میں فرق کیا جائے تا کہ کھوٹ اور اصل کی مقدار معلوم ہوجائے، یوں یقین ہوجانے کے بعد زکوٰۃ نکالے تا کہ فرض ادا ہوجائے۔

اگر سونے چاندی سے مخلوط کوئی برتن بنایا گیا مثلاً سونے اور چاندی کو پگھلا کر سانچے میں برتن بنا دیا گیا اور اس برتن کا وزن ایک ہزار (۱۰۰۰) دراہم کے برابر ہوان میں سے ایک کی مقدار ۶۰۰ ہو اور دوسرے کی ۴۰۰ سو، لیکن زائد مقدار کس کی ہے؟ یہ مجہول ہو، تو احتیاط اس میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی اس کے فرض کے اعتبار سے زکوٰۃ دے خواہ سونا زیادہ ہو یا چاندی، پورے برتن کو سونے کا فرض کر لینا جائز نہیں چونکہ دو جنسیں ایک دوسرے کی کفایت نہیں کرتیں، اگرچہ برتن کو پگھلا کر فرق معلوم کر لیا گیا تو جب اجزاء مساوی ہوں تب بھی کفایت نہیں ہوگی۔

چہارم......زیورات کی زکوٰۃ

جیسا کہ پہلے میں نے بیان کر دیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک بالاتفاق نقدین (سونا چاندی) پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے خواہ سونا چاندی کے سکے ہوں یا ڈلیاں ہوں یا برتن ہوں یا زیورات ہوں سبھی پر زکوٰۃ واجب ہے، زیورات خواہ حلال ہوں (جیسے عورت کے) یا حرام (جیسے مرد کے) ان پر زکوٰۃ ہے ماسوا چاندی کی انگوٹھی، استعمال کے اوزار اور گھریلو زیب وزینت کے سونا چاندی کے علاوہ اگر زیورات الماس موتی یا یاقوت کے بنے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک کون سے زیورات پر زکوٰۃ ہے؟......مالکیہ کے نزدیک ان زیورات پر زکوٰۃ ہے جو تجارت کے لئے بنائے گئے ہوں جبکہ ایسے زیورات پر بالااجماع زکوٰۃ ہے زیورات میں وزن کا اعتبار ہوگا، بنوائی کی قیمت کا اعتبار نہیں، اسی طرح برتنوں، تجارت کے لئے عود دان (دھونی دان) سرمہ دانی، آنکھ کی سلائی جو تجارت کے لئے ہوں اور جو سونا چاندی کے زیورات ذخیرہ کر رکھے ہوں یا پیش آنے والے واقعات وحوادث کے لئے زیورات رکھے ہوں ان سب پر زکوٰۃ ہے۔

البتہ جو زیورات استعمال کے لئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں۔

عورت کے زیورات اگر توڑ پھوڑ کا شکار ہوجائیں تو پانچ صورتوں میں ان پر زکوٰۃ ہے۔

اول......زیورات اس طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں کہ پگھلا کر سانچے میں ڈھالے بغیر زیور کی شکل میں لوٹ نہ سکتے ہوں۔

دوم......زیورات توڑ کر چورہ چورہ کر دیئے اور ان کی درستی کی نیت ہی نہ ہو۔

سوم......درستی کی نیت سے توڑ کر چورہ چورہ کر دیئے۔

چہارم......زیورات توڑ کر چورہ چورہ کر دیئے اور ان میں سے کچھ کی درستی اور عدم درستی کی اصلاً نیت ہی نہ ہو۔

پنجم......توڑے مگر چورہ چورہ نہیں کیے اور نہ ہی درستی کی نیت ہو۔

اگر کسی انسان نے کرایہ کے لئے زیورات تیار کیے ان پر زکوٰۃ نہیں برابر ہے زیورات عورت کے لئے بنائے گئے ہوں یا مرد کے لئے اسی طرح عورت کے مباح زیورات جیسے کنگن وغیرہ میں بھی زکوٰۃ نہیں، مرد کے جائز زیورات جیسے تلوار کا دستہ جو جہاد کے لئے تیار کی گئی ہو چاندی کی انگوٹھی، نتھ، دانت، مصحف کا زیور، تلوار، اسی طرح بیوی، بیٹی جو فی الحال اس کے پاس موجود ہوں ان کے لئے بنائے گئے زیورات نیز ان میں بڑھاپے کی وجہ سے زیب وزینت کی صلاحیت ہو تو ان بھی اقسام کے زیورات میں زکوٰۃ نہیں۔

اگر زیورات ایسی عورت کے لئے بنائے گا جس کا مستقبل میں موجود ہونا متوقع ہو یا صغرسنی کی وجہ سے زینت کی اس میں صلاحیت ہو

اس صورت میں زکوٰۃ ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک جن زیورات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے......شافعیہ کے نزدیک ان زیورات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جن کو ذخیرہ رکھنے کا قصد ہو، برتن، عورت کے وہ زیورات جن سے مرد زینت کرے، مرد کے وہ زیورات جن سے عورت زینت کرے جیسے تلوار، سونے کی وہ ڈلی جسے غصب کیا گیا ہو اور سانچے میں ڈھال کر زیورات بنالئے گئے ہوں، اسی طرح عورت کے ایسے زیورات جو حد اسراف کو پہنچتے ہوں مثلاً دوسومثقال (یعنی ۸۵۰ گرام) کی مقدار کے برابر ہوں ان سب میں زکوٰۃ ہے۔

اسی طرح وہ زیورات جنہیں حرام پر قیاس کر کے مکروہ قرار دیا گیا ہو جیسے ضرورت کے لئے برتن کی بڑی موسل یا زینت کے لئے چھوٹی موسل تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اعانۃ الطالبین ۲/ ۱۵۸ میں لکھا ہے: سونے اور چاندی کے زیورات میں اگر اسراف نہ ہو تو ان کا استعمال بالا جماع جائز ہے جیسے کنگن، پازیب اور گلے کا ہار، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

اور اگر زیورات میں اسراف ہو مثلاً دونوں پازیبوں کا وزن دوسومثقال کے برابر ہو تو یہ حلال نہیں لہٰذا ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی، دوسو مثقال کی حد صحابی کے اثر سے ماخوذ کی گئی ہے۔

راجح قول کے مطابق عورت کے وہ زیورات جنہیں توڑ دیا جائے اور قابل استعمال نہ رہیں اور سانچے میں انہیں ڈھالنے کی ضرورت ہو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

ظاہر قول کے مطابق عورت کے مباح زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں جیسے پازیب، کنگن (انگوٹھی، بالیاں، نتھ وغیرہ) چونکہ اس طرح کے زیورات کا استعمال مباح ہے لہٰذا ان بکریوں کے مشابہ ہوئے جن سے کام لیا جاتا ہو۔

حنابلہ کے نزدیک جن زیورات پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے......حنابلہ کے نزدیک ان زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے جو تجارت کے لئے تیار کئے ہوں، وہ زیورات جن کا استعمال عورت کے لئے حرام ہو جیسے کوئی عورت مردوں کے حرام زیورات استعمال کرے مثلاً تلوار کا زیور، کمر بند، مرد کے کنگن، سونے کی انگوٹھی، حیوانوں کی سواری کے زیورات، گھوڑوں کے لباس جیسے لگام، زینیں، کتوں کے پٹے، سواریوں کے زیورات، شیشہ (جس پر سونا جڑا ہو) سونے کی کنگھی، سرمہ دانی، پنکھا، سرمچو، جام، تیل دانی، عوددان، دھونی دان، ہینگر، قندیل، برتن، علمی کتابوں کا زیور بخلاف مصحف کے زیور، سونے کی دوات اور قلم، وہ زیورات جو کرائے کے لئے بنائے گئے ہوں، یا ذخیرہ کے لئے ہوں یا اخراجات کے لئے ہوں کہ جب ضرورت پڑے گی لے لے گا یا زیورات سے کچھ قصد نہ کیا ہو تو ان سبھی اقسام کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔

اسی طرح عورت کے زیورات جب توڑ پھوڑ کا شکار ہو جائیں اور انہیں سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہو تو ان پر بھی زکوٰۃ ہوگی، اور اگر زیورات کو سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت نہ ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں، اسی طرح اگر زیورات اس حد تک توڑے جائیں کہ وہ پھر بھی استعمال کے قابل ہوں تو وہ صحیح زیورات کے حکم میں ہیں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہوگی، ہاں اگر توڑ کر انہیں پگھلانے کی نیت کی ہو تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی چونکہ اس صورت میں زیورات کو زیر استعمال لانے کی نیت نہیں کی گئی۔

حنابلہ کے ظاہری مذہب میں عورت کے زیورات پر زکوٰۃ نہیں جب عورت نے زیورات خود لینے یا عاریۃً دینے کے لئے رکھے ہوں، ان زیورات پر بھی زکوٰۃ نہیں جو مرد پر حرام ہیں جیسے کوئی شخص عورتوں کو عاریۃً دینے کے لئے زیورات رکھ لے، یا کوئی عورت مردوں کو عاریۃً دینے کے لئے مردوں کے زیورات رکھ لے ان پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

خلاصہ......جمہور کے نزدیک عورت کے معتاد زیورات میں زکوٰۃ نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔کہ ''زیورات میں زکوٰۃ نہیں۔'' (1) اور یہی ابن عمر، حضرت عائشہ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے، عقلی دلیل یہ ہے کہ زیورات استعمال مباح کے لئے رکھے جاتے ہیں، لہٰذا ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

جیسے جانوروں میں کام کرنے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اور شخصی استعمال کے کپڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہوتی، نیز اسلام نے اس مال میں زکوٰۃ واجب کی ہے جو نامی ہو جبکہ زیورات میں نماء (بڑھوتری) نہیں ہوتی، بخلاف اس کے کہ زیورات خزانہ کے طور پر رکھے ہوں یا زیورات میں اسراف ہو کہ حد سے تجاوز کیا گیا ہو یا مردوں نے اپنے لئے زیورات بنا رکھے ہوں یا برتن ہوں، یا تحائف ہوں یا مورتیاں ہوں تو ان سبھی میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حنفیہ......حنفیہ کہتے ہیں: زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے، زیورات خواہ عورت کے ہوں یا مرد کے، خواہ ڈلی ہو یا پگھلا ہوا، برتن ہوں یا برتنوں کے علاوہ کچھ اور، چونکہ سونا چاندی مال نامی ہے اور اس میں نماء کی دلیل موجود ہے وہ یہ کہ فطرۃً سونا چاندی تجارت میں لگایا جا سکتا ہے۔ بخلاف کپڑوں کے، نیز سونا چاندی فی نفسہ ثمن ہیں لہٰذا جس حالت میں بھی ہوں مالک ان کی زکوٰۃ دے گا، حنفیہ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے آپ نے فرمایا: کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ عورت نے جواب دیا: نہیں، فرمایا: کیا تم اس پر خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے آگ کے دو کنگن پہنائے۔ (2)

زیورات میں وزن کا اعتبار ہوگا یا قیمت کا؟......شافعیہ کی علاوہ بقیہ فقہاء کی نزدیک جن زیورات میں زکوٰۃ واجب ہو تو ان میں وزن کا اعتبار کیا جائے گا قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائیگا، لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس زیورات ہوں جن کی قیمت دوسو درہم ہو لیکن وزن میں دوسو دراہم سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اور اگر زیورات کا وزن دوسو دراہم تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ ہوگی اگرچہ قیمت میں کم ہوں، حدیث پہلے گذر چکی ہے۔کہ ''پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔''

حنابلہ نے تجارتی زیورات مستثنیٰ کئے ہیں کہ اگر زیورات تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت لگائی جائے گی اور قیمت اگر نصاب کو پہنچ گئی خواہ سونے کے نصاب کو یا چاندی کے نصاب کو تو اس میں زکوٰۃ ہوگی، چونکہ تجارت میں زکوٰۃ قیمت سے متعلق ہوتی ہے، اور اگر زیورات تجارت کے لیے نہ ہوں تو عین میں زکوٰۃ ہوگی (یعنی وزن کے اعتبار سے)، گویا زیورات میں قیمت اور وزن دونوں کا اعتبار کیا ہے، پھر مالک کو اختیار ہے کہ بعینہ زیورات سے ربع عشر (ڈھائی فیصد) دے دے یا الگ سے اسی جنس سے ربع عشر دے۔

جواہر سے مرصع زیورات میں زکوٰۃ......اگر زیورات میں جواہرات اور موتی وغیرہ جڑے ہوں تو زکوٰۃ سونا یا چاندی میں ہوگی جواہرات میں نہیں ہوگی، چونکہ جواہر میں اہل علم میں سے کسی کے نزدیک زکوٰۃ نہیں، اور اگر اسی طرح زیورات جواہر سے مرصع ہوں اور تجارت کے لئے ہوں تو بمعہ جواہر کے زیورات کی قیمت لگائی جائے گی اور زکوٰۃ دی جائے گی، چونکہ اگر تنہا تجارت کے لئے جواہرات ہوتے تب بھی قیمت لگا کر ان کی زکوٰۃ دی جائے گی، اسی طرح جواہر سے مرصع زیورات میں بھی زکوٰۃ ہوگی۔

شافعیہ......شافعیہ کہتے ہیں جب زیورات میں زکوٰۃ واجب ہوئی اور پھر اس کی قیمت اور وزن میں اختلاف ہو تو اس صورت میں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا وزن کا نہیں، بخلاف ان زیورات کے جو حرام ہیں جیسے برتن وغیرہ تو ہر حال میں ان کے وزن کا اعتبار ہوگا۔

---

(1)......رواہ الطبرانی عن جابر وقال البیھقی لااصل له انما روی عن جابر من قوله غیر مرفوع (المجموع ٦/٣٢) وروی الشافعی ان رجلاً سأل جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن الحلی افیه زکاة؟ قال: لا۔ (2) رواہ ابوداؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده وضعف ولکن تبلغ درجة الحسن، فیعتربه۔

اگر کسی شخص کے پاس زیورات ہوں جن کا وزن دوسو دراہم کے برابر ہواور ان کی قیمت تین سو دراہم کے برابر ہو، اسے اختیار ہے کہ مشترک طور پر ربع عشر نکال دے، پھر سرکاری کارندہ کسی دوسری جنس سے اسے فروخت کردے، اور کارندہ قیمت مستحقین میں تقسیم کرے، یا مالک نقدی ڈھلے ہوئے پانچ دراہم دے جن کی قیمت ۷۔۲/۱ دراہم کے برابر ہو، زیورات توڑ پھوڑ کر زکوٰۃ دینا جائز نہیں چونکہ اس میں مالک اور مستحقین دونوں کا نقصان ہے۔

پنجم......دین (قرض) کی زکوٰۃ

مال حد نصاب کو پہنچتا ہو اور وہ دین جو کسی دوسرے انسان کے ذمہ ہو اور اس پر سال گزر جائے تو چند شرائط کے ساتھ اس میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے یہ شرائط مختلف مذاہب میں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دین (قرض) کی تین اقسام ہیں، قوی، متوسط، ضعیف۔

دین قوی......دین قوی سے مراد بدل قرض (جسے قرضہ ہی کہا جاتا ہے) مال تجارت جیسے سامان تجارت کی قیمت جب کسی ایسے شخص کے ذمہ ہو جو اقرار کرتا ہو اگرچہ مفلس ہی ہو یا منکر ہو لیکن اس پر گواہوں کا قیام ہوا ہو، تو اس قسم کے قرض پر جب مالک قبضہ کرے گا اس پر زکوٰۃ ہوگی۔

اور جتنے سال گزرے ہیں ان کی زکوٰۃ دے گا، جب بھی چالیس درہم اس کے قبضہ میں آئیں ان پر ایک درہم زکوٰۃ ہوگی چونکہ خمس (پانچویں حصہ) کے علاوہ نصاب میں عفو ہے اس میں زکوٰۃ نہیں اور جو اس سے زائد ہوگا اس کی زکوٰۃ اسی کے حساب سے ہوگی۔

متوسط......یہ وہ قرض ہے جو کسی ایسی چیز کے بدلہ میں نہ ہو جسے تجارت کے لئے رکھا جاتا ہے یعنی مال تجارت کا قرض نہ ہو، جیسے رہائشی مکان کی قیمت، ضرورت کے کپڑوں کی قیمت ❶، اس قسم کے قرض میں تب زکوٰۃ ہوگی جب اس قرض سے پورے نصاب پر قبضہ کرے مثلاً دوسو دراہم پر، اگر دوسو دراہم پر قبضہ کیا تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے، سال کا اعتبار اس وقت سے کیا جائے گا جب یہ قرض خریدار کو لازم ہوا تھا، یہی صحیح روایت ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

حولان حول میں دین متوسط دین قوی کی طرح ہے، صحیح قول کے مطابق سال کا اعتبار اس وقت سے کیا جائے گا جب مقروض پر یہ قرض لازم ہوا، قبضہ کے وقت سے سال کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ❷

ضعیف......یہ وہ دین ہو جو ایسی چیز کے بدلہ میں ہو جو مال نہ ہو جیسے مہر، میراث، وصیت، بدل خلع، بدل صلح جو قتل عمد سے ہو، اور دیت وغیرہا۔ چنانچہ مہر کا قرض کسی ایسے مال کے بدلہ میں نہیں جو خاوند نے اپنی بیوی سے لیا ہو، یہی مثال بدل خلع کی بھی ہے کہ یہ قرض بھی کسی ایسے مال کے بدلہ میں نہیں ہوتا جو بیوی نے اپنے خاوند کو دیا ہو۔ اسی طرح وصیت کا دین، دیت صلح اور میراث کا دین بھی اسی قسم کا ہے، اس قسم کے دین (قرض) پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک اس کے پورے نصاب پر قبضہ نہ کرلے اور اس پر قبضہ کے بعد سال نہ گذر جائے۔ ❸

---

❶......یعنی مکان فروخت کیا مکان کی قیمت کسی شخص کے ذمہ ہو، یا کپڑے فروخت کئے ان کی قیمت کسی پر قرض ہو۔ ❷ مثلاً زید نے محرم ۱۴۲۹ھ میں خالد کو مکان فروخت کیا اور ساری قیمت خالد کے ذمہ قرض ہو محرم ۱۴۲۹ھ ہی سے سال شروع ہو گیا یہ نہیں کہ خالد قیمت دے اور پھر قبضہ کے بعد سال کا اعتبار کیا جائے۔ ❸ مثلاً مہر پر عورت نے جب قبضہ کیا تو اگر وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو اور پھر سال بھی گزر جائے تو تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

خلاصہ......دین کی مذکور بالا تمام انواع میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی قبضہ کرنے پر ہوگی، دین قوی میں نصاب کے پانچویں حصہ پر قبضہ کیا تو زکوٰۃ دے، جبکہ دین متوسط اور دین ضعیف میں تب زکوٰۃ ہوگی جب پورے نصاب پر قبضہ کرلے نیز دین ضعیف کسب جدید (نئی آمدنی) کی مانند ہوتا ہے لہٰذا اس پر سال گزرنا واجب ہے۔

صاحبین کا موقف......صاحبین کہتے ہیں سبھی اقسام کے دیون (قرضہ جات) برابر ہیں اور سب قوی ہیں، ان سب میں قبضہ سے پہلے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے البتہ وہ دین جو دیت کی مد سے ہو اور عاقلہ (عصبہ) پر واجب ہوا اس میں سرے سے زکوٰۃ واجب ہی نہیں جب تک اس پر قبضہ نہ کرلیا جائے اور سال نہ گزر جائے۔ چونکہ دیت کے علاوہ بقیہ قرضہ جات صاحب دین کی ملک ہوتے ہیں، البتہ مالک سے فی الحال ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ قبضہ کے وقت ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

مالکیہ......مالکیہ کہتے ہیں: دیون (قرضہ جات) کی تین اقسام ہیں۔

۱......وہ دین جو قبضہ کے بعد حولان حول کا محتاج ہو، جیسے میراث، ہبہ، وقف، صدقات، مہر، خلع، جنایت کا تاوان اور دیت کی مدات کے قرضہ جات، ان قرضہ جات پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک قبضہ نہ کرلے اور پھر قبضہ کے بعد مالک کے پاس سال نہ گذر جائے۔

چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے باپ کا وارث بنا تو اس کے قبضہ سے پہلے محکمہ مال ایک چوکیدار مقرر کرے گا جو اس مال کی دیکھ بھال کرے گا (چونکہ وارث مثلاً ابھی نابالغ ہو یا معتوہ ہو) یوں کئی سال سے میراث دین چلی آرہی ہو تو ان سالوں کی اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ اس قرضہ پر قبضہ کرلے اور بوقت قبضہ سال گزر جائے تب زکوٰۃ ہوگی۔ اس قسم کے قبضہ کو حنفیہ نے دین ضعیف کا نام دیا ہے، اسی قسم سے ہے سامان تجارت کی قیمت جیسے سامان یا زمین بیچی اس کی مد میں قرض تھا، حنفیہ نے اسے دین متوسط کا نام دیا ہے۔

جب کسی شخص نے اپنا رہائشی مکان بیچ دیا اور قیمت کی مستقبل میں کوئی تاریخ مقرر کردی تو وہ جتنے مال پر قبضہ کرے گا اگر وہ نصاب کو پہنچتا ہو اور سال بھی گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ دے گا۔

۲......وہ دین جس کی فقط ایک سال کی زکوٰۃ دی جائے اور وہ قرض کا دین اور دین تجارت ہے حنفیہ کے نزدیک یہ دین قوی ہے اس میں چار شرائط کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہے۔

اول......یہ کہ اصل دین جو مقروض کو دیا ہے وہ سونا یا چاندی ہو یا تجارتی سامان جسے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو، اس کی قیمت ہو، جیسے کپڑے۔

دوم......یہ کہ مالک نے قرض کے کچھ حصہ پر قبضہ کیا ہو اگر کچھ حصہ پر قبضہ نہیں کیا تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

سوم......جس حصہ پر قبضہ کیا ہے وہ نقد یعنی سونا یا چاندی ہو، اگر سامان تجارت پر قبضہ کیا یا کسی اور جنس جیسے کپڑے اور گندم پر قبضہ کیا تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

چہارم......جتنے قرض پر قبضہ کیا ہے وہ کم از کم نصاب تک پہنچا ہو، اگر قرض پر تھوڑا تھوڑا کر کے قبضہ کیا یا جتنے پر قبضہ کیا وہ نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں ہوگی ہاں البتہ اگر مالک کے پاس اتنا سونا، چاندی موجود ہو جسے قرض سے ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ کہ اس پر سال گزرا ہو۔

۳......دین مدیر۔ مدیر سے مراد وہ تاجر ہے جو موجودہ بھاؤ سے خرید و فروخت کرتا ہو، اور اگر اصل دین تجارتی سامان ہو تو مالک ہر سال قرض کی زکوٰۃ دے گا، اور اس میں اپنے پاس موجود تجارتی سامان کی قیمت ملائے گا اور اسی طرح موجود سونا چاندی کا بھی اضافہ کرے گا۔

شافعیہ......قرض دینے والے کو جب قرض مل جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے گا، یہ تب ہے جب قرض از قسم دراہم و دنانیر ہو،

یا سامان تجارت کا دین ہو، اگر جانوروں یا اشیاء خورد ونوش جیسے کھجوریں اور انگور وغیرہ کا قرض ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

حنابلہ..... حنابلہ کہتے ہیں قرض (دین) میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ قرض فی الحال ادا ہو یا وقت مقررہ کی تاخیر سے، مقروض خواہ قرض کا معترف ہو اور ادا کر رہا ہو یا انکار کرتا ہو اور ٹالتا ہو، البتہ زکوٰۃ قرض پر قبضہ کرنے کے بعد نکالنی واجب ہوگی قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی فوراً زکوٰۃ دے چونکہ یہ ایک دین ہے جو ذمہ میں ثابت ہے، لہٰذا قبضہ سے پہلے واجب نہیں ہوگا، نیز زکوٰۃ غمخواری کے لئے دی جاتی ہے اور جس مال سے نفع نہ اٹھایا جاتا ہو اس کی زکوٰۃ دینا غمخواری نہیں، یہ مال تمام احوال میں حال واحد پر رہتا ہے لہٰذا زکوٰۃ کے وجوب میں برابری کا ہونا واجب ہے جیسے بقیہ اموال میں ہوتا ہے۔

مال ودیعت کی زکوٰۃ...... ودیعت اس مال کے قائم مقام ہے جو مالک کے قبضہ میں ہو چونکہ امین مالک کا نائب ہوتا ہے اور وہ ودیعت کی حفاظت کا مامور ہوتا ہے، لہٰذا نائب کا قبضہ اصل مالک کا قبضہ ہے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا واجب ہوگی، چونکہ ودیعت مالک کی ملکیت ہے اور نفع اٹھانے پر قدرت رکھتا ہے۔

لہٰذا ودیعت کی زکوٰۃ لازمی ہے جس طرح بقیہ اموال کی زکوٰۃ لازمی ہے۔

خلاصہ...... اگر قرض زندہ ہو اس سے مراد وہ قرض ہے جس کا مقروض اعتراف کرتا ہو اور وقت پر چکانے کے لئے تیار ہو یا مطالبہ پر دینے کے لئے رضا مند ہو، تو جمہور ائمہ کے نزدیک قرض دینے والے پر زکوٰۃ ہوگی، اور اگر کسی تنگدست پر قرض ہو جس کے ملنے کی چنداں توقع نہ ہو یا ایسے شخص پر ہو جو مطالبہ پر ٹال دیتا ہو یا انکار کر دیتا ہو اور قرض کا اعتراف نہ کرتا ہو تو اکثر ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

پگڑی (مالی حفاظت) کی زکوٰۃ...... اس سے مراد وہ مال ہے جو مستاجر مالک کو دیتا ہے، یہ مملوک مال ہوتا ہے اور اس کا مالک مستاجر ہوتا ہے، مستاجر مالک کو اس غرض سے دیتا ہے کہ وہ وقت مقررہ پر مالک کو کرایہ جات دینے کا پابند ہوگا۔ ❶ جب اس مال میں وجوب زکوٰۃ کی شرائط پائی جائیں گی تو اس کی زکوٰۃ مالک (مستاجر) پر واجب ہوگی مؤجر پر واجب نہیں۔

ششم...... کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ

کاغذی کرنسی اور معدنی کرنسی (سونا چاندی)، اب کاغذی کرنسی نے معدنی کرنسی کی جگہ لے لی ہے جبکہ کاغذی کرنسی سونے چاندی کا متبادل ہے، اسٹیٹ بینک کے جاری کردہ کاغذی نوٹ اپنے پاس ذخیرہ کئے ہوئے سونے کے قائم مقام ہیں جو رائج الوقت سکے کا احاطہ کیے ہوتا ہے، البتہ ترقی یافتہ ممالک نے سونے کا تعامل ترک کر دیا ہے، لہٰذا کاغذی نوٹ کے بدلہ میں بیلنس نکلوانے کی غرض سے معدنی کرنسی لینا روا نہیں۔ خواہ معدنی کرنسی میں سونا چاندی ہو یا پیتل یا کوئی اور ❷ کرنسی نوٹوں کا جدید نصاب پہلی جنگ عظیم کے بعد شروع ہوا ہے لہٰذا ہمارے قدیم فقہاء نے کرنسی نوٹوں کے متعلق کلام نہیں کیا، لہٰذا اسی زمانے کے فقہاء کو کلام کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ کرنسی نوٹوں کے متعلق زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔

---

❶...... عام اصطلاح میں اسے ہمیشہ اجرتی یا پگڑی کہا جاتا ہے۔ ❷ ۱۹۵۰۔ ۶۰ تک ایسا ہوتا رہا ہے کہ بینک اتنے ہی کاغذی نوٹ جاری کرے گا جتنا اس کے پاس سونا ہو، پھر کاغذی کرنسی کی زیادہ ضرورت پڑی اور کاغذی کرنسی بینک کے پاس موجود سونے کا وثیقہ ہوتا تھا، بعد میں جب کاغذی کرنسی کی زیادہ ضرورت پیش آئی تو سونا چاندی کا نوٹوں کی پشت پر اسی کی مقدار کے برابر بیلنس ہونا متروک ہوگیا اور اب صرف کاغذی کرنسی ہی باقی رہی۔

جمہور...... جمہور فقہاء (حنفیہ مالکیہ، شافعیہ) کے نزدیک کرنسی نوٹوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم لگایا ہے چونکہ کرنسی نوٹ ملکی خزانہ میں دین قوی ❶ کے قائم مقام ہے یا دین کی دستاویزات میں، یا یہ بینک بلٹی ہیں اور ان کی قیمت بینک پر بطور دین ہے۔

حنابلہ...... حنبلی مذہب کے متبعین کے نزدیک کرنسی نوٹوں میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہوگی جب تک بالفعل معدنی کرنسی سے ان نوٹوں کو تبدیل نہ کرلیا جائے ان حضرات نے کرنسی نوٹوں کو دین کے قبضہ پر قیاس کیا ہے۔ ❷

حنابلہ کی اجتہادی خطا...... لیکن حق بات یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں پر (ہر حال میں) زکوٰۃ واجب ہے، چونکہ اب ان کی حیثیت اشیاء کے ثمن (قیمت) کی سی ہوگئی ہے اور سونے سے لین دین ممنوع ہو چکا ہے چنانچہ کوئی ملک بھی کاغذی کرنسی کے بدلہ میں معدنی کرنسی (سونا چاندی) کو دینا روا نہیں سمجھتا، حضرات حنابلہ کا نوٹوں کو دین پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں چونکہ یہ ایسا دین ہے جس سے دائن کسی قسم کا نفع نہیں اٹھا سکتا، نیز فقہاء نے دین پر قبضہ ہونے کے بعد زکوٰۃ واجب کی ہے، جبکہ کرنسی نوٹوں کا حامل بالفعل ان سے نفع اٹھا سکتا ہے چونکہ اب ان کی حیثیت ثمن (قیمت) کی سی ہے لہٰذا کرنسی نوٹوں میں عدم زکوٰۃ کا قول کسی طرح صحیح نہیں، بلاشک عدم وجوب زکوٰۃ کا قول اجتہادی خطا ہے، چونکہ اس کا انجام یہ ہے کہ اموال زکوٰۃ کی ایک اہم قسم پر زکوٰۃ نہ ہو، لہٰذا قطعی طور پر کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے، اور ان میں ڈھائی فیصد (۲،۵۰٪) واجب ہے

کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ سونے کے نصاب سے دی جائے یا چاندی کے نصاب سے؟...... کاغذی کرنسی کی زکوٰۃ سونے کے نصاب کے اعتبار سے دی جائے سونے کا نصاب بیس دینار (مثقال) ہے جو کہ ۸۵ گرام کے برابر ہے یا چاندی کے نصاب سے دی جائے جو کہ ۵۹۵ گرام ہے اور یہ عربی درہم کے مطابق ہے جو ۲،۹۷۵ گرام کا ہوتا ہے۔

اصح یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ سونے کے نصاب کو بنیاد بنا کر دی جائے چونکہ سونے کا نصاب جانوروں کے نصاب کے مساوی ہے، نیز معاشی معیار بلند ہو چکا ہے اور ضروریات زندگی میں زبردست گرانی آ چکی ہے، لہٰذا سونے کے نصاب کو بنیاد بنا کر کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ دی جائے۔ ❸

جبکہ عصر حاضر کے کثیر علماء کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کے لئے چاندی کے نصاب کو بنیاد بناتے ہیں چونکہ چاندی کے نصاب میں فقراء اور محتاجین کا زیادہ فائدہ ہے اور اس میں دینداری کے لحاظ سے احتیاط بھی زیادہ ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے اور سنت صحیحہ سے اس کا ثبوت ہے ماضی قریب میں چاندی کا نصاب ۲۶ مصر ریال ۹ قرش (پیسہ) اور ۲ تہائی قرش کے مساوی ہے، تقریباً ۵۰ سعودی ریال اور اماراتی ریال کے مساوی ہے جبکہ پاکستان اور ہندوستان کے ۵۵،۶۰ روپیہ کے مساوی ہے۔ ❹

کرنسی نوٹوں میں زکوٰۃ تبھی واجب ہوگی جب ان کی مقدار شرعی نصاب تک پہنچ جائے، سال بھی گزر جائے اور قرضہ سے فارغ ہو، یہی حق ہے اور انصاف پسندی کا مسلک ہے۔

---

❶...... دین قوی یعنی سونا چاندی۔ ❷ یعنی جب تک قرض پر قبضہ نہ ہو جائے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں۔ ❸ یا سبحان اللہ مصنف کا رجحان نامعلوم کس سہو کا شکار ہو گیا ہے، اگر انہی کی ترجیح پر عمل کیا جائے تو پھر زکوٰۃ کے لئے کم وبیش دو لاکھ (پاکستانی) روپے پر سال گزرے تب زکوٰۃ واجب ہوگی پھر تو فقراء ومحتاجین آسمان کی طرف دیکھتے رہ جائیں، جب حوائج انسانیہ میں زبردست گرانی آ گئی ہے تو پھر زکوٰۃ ہی معاف ہو جانی چاہئے، یہ کوئی دلیل نہیں، بلکہ فقراء تو اشیاء ضرورت کی گرانی کی وجہ سے خریدنے کے قابل ہی نہیں رہے، ایسے مواضع پر تو کم از کم نصاب کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ دی جانی چاہئے۔ اور وہ چاندی کا نصاب ہے، لہٰذا جس کے پاس بیس ہزار پاکستانی روپے ہو گیا ایک سو سعودی ریال ہوں سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی لہٰذا بیس ہزار پر پانچ سو روپے زکوٰۃ ہوگی۔ ❹ یہ آج (۱۴۳۰) سے ۳۰ سال قبل کی بات ہے اور آج پاکستانی روپیہ کے مطابق ۲۱۰۰۰ روپئے کے مساوی ہے۔

حنفیہ نے اس میں یہ شرط لگائی ہے کہ نصاب مالک کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو، حاجت اصلیہ جیسے روزمرہ کے اخراجات، کپڑے، رہائشی مکان کا کرایہ اور آلات حرب وغیرہ۔ ❶

بونڈز...... بونڈ قرض کی ایک حد کا مقررہ تاریخ تک معاہدہ ہے۔

شیئرز...... شیئر کمپنی کے سرمایہ کا ایک حصہ ہے، حصہ لینے والے کو حصہ دار (شیئر ہولڈر) کہا جاتا ہے، شیئر کمپنی کے ذمہ قرضہ کا ایک حصہ ہے، شیئر ہولڈر (حصہ دار) قرض دہندہ (دائن) ہوتا ہے۔

شیئرز کا لین دین شرعاً جائز ہے البتہ بانڈز کا لین دین حرام ہے، چونکہ اس کا دارومدار سودی فائدہ اور جوے پر ہے۔

انعامی بونڈ باوجود یہ کہ حرام ہے لیکن اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ❷ چونکہ انعامی بونڈز صاحب مال کے لئے دین کی نمائندگی کرتا ہے، مالک کو ہر سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، جیسا کہ مالکیہ کے علاوہ (دین کے متعلق) جمہور کی یہی رائے ہے، چونکہ جس قرض کے ملنے کی توقع ہو اس پر ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

رہی بات سرمایہ کاری کے بانڈز کی سوان میں بہتر یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کی طرح ۲ء۵۰ کے حساب سے ان کی بھی زکوٰۃ دی جائے۔

شیئرز پر زکوٰۃ...... شیرز پر زکوٰۃ ان کی اصلی قیمت کے اعتبار سے ہوگی جو خرید وفروخت میں معتبر سمجھی جاتی ہو، جیسے سامان تجارت کی زکوٰۃ میں اصلی قیمت کے مطابق زکوٰۃ ہوتی ہے، یعنی شیئرز کی زکوٰۃ اصل سرمایہ اور منافع کو ملا کر سال کے آخر میں ۲ء۵۰ کے حساب سے دی جائے، بشرطیکہ اصل سرمایہ اور نفع نصاب کو پہنچتا ہو۔

البتہ شیئرز کی وہ معمولی حد جو کسی نے ذاتی معیشت کے لئے حاصل کر رکھی ہو اور اس کے سوا اس کی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو اس کی زکوٰۃ معاف ہے مثلاً اس معمولی حد کا حصہ دار یتیم ہو یا کوئی بیوہ ہو۔ ❸

یہ ساری تفصیل تجارتی کمپنیوں کی ہے، رہی بات صنعتی کمپنیوں مثلاً شکر ملیں، پیٹرولیم کارخانہ، چھاپہ خانے، فیکٹریاں وغیرہ کی تو ان کے شیئرز کی حالیہ قیمت (مارکیٹ ریٹ) کا اعتبار ہوگا، جبکہ بلڈنگ، مشینری اور دیگر اوزار کی قیمت سے صرف نظر کیا جائے گا۔

خلاصہ...... کسی شخص کے پاس خواہ انعامی بانڈز ہوں یا شیئرز ہوں ان پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی، باؤنڈز اور شیئرز کی قیمت کے ساتھ ان کے منافع کا سال کے آخر میں حساب لگا کر زکوٰۃ دی جائے گی، اور زکوٰۃ شیئر ہولڈر یعنی مالک پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوگی۔

یا کمپنی کی آمدنی سے خالص منافع کی عشری مقدار کے اعتبار سے یکبارگی زکوٰۃ دے دے، اس صورت کو اناج اور پھلوں پر قیاس کر لیا گیا ہے، چونکہ کمپنی کے اموال صنعتی لحاظ سے نامی شمار ہوتے ہیں، چونکہ پہلی صورت میں شیئرز ہولڈر کی حیثیت تاجر کی سی ہے جبکہ دوسری صورت میں کمپنی کی آمدنی کی حیثیت کا اعتبار ہے۔

---

❶...... حاجت اصلیہ کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آدمی نے بیس، پچیس ہزار روپیہ گھر میں رکھا ہوا اور ذہن میں یہ تصور لگائے بیٹھا ہے کہ فلاں فلاں ضروریات کی چیزیں خریدوں گا یوں سال گزر جائے، لامحالہ اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بلکہ حاجت اصلیہ کا یہ مطلب ہے کہ ان اشیاء مثلاً کپڑے، خوراک سواری کے لئے موٹر کار، مکان وغیرہ کی قیمت نہیں لگائی جائے گی کہ زکوٰۃ دے بلکہ ان کے علاوہ بیس ہزار روپے ہوں سال گزر جائے تو زکوٰۃ ہوگی۔ ❷ بانڈز کی حرمت مانع ملک نہیں لہٰذا زکوٰۃ واجب ہوگی البتہ مال مغصوب، مال مسروق، سود وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں چونکہ ان اموال کا حقیقی مالک کو لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ ❸ معمولی مقدار سے مراد کیا ہے جو حد نصاب کو پہنچتی ہو یا اس سے کم ہو، اگر حد نصاب سے کم مقدار مراد ہے تو پھر بلاشبہ اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی اور اگر معمولی مقدار نصاب سے اوپر ہو تو زکوٰۃ نہ دینے اور معاف ہونے کی وجہ سے محتاج دلیل ہے جو امد ادر ہے۔

ہفتم...... کمپنی شیئرز کے متعلق مختلف آراء کی تفصیل

شیئرز اور بونڈز سے لین دین کا وجودی سبب...... ہمیشہ سے انسان مال اور منافع کا خوگر رہا ہے، خواہ اسے منافع فردی تجارت سے ہو یا اجتماعی تجارت سے یا کسی اور طرح، نیز شریعت نے نہ صرف تجارت کو جائز رکھا بلکہ اس کی ترغیب دی، نفس کا فطری تقاضا بھی ہے کہ مال بڑھایا جائے اور آمدنی میں اضافہ کیا جائے تا کہ اصل سرمایہ کو صدقہ ہی نہ ہڑپ کر جائے اور سالہا سال کے مرور سے زکواۃ ہی اصل پونجی کو ختم کر دے۔

بڑے پیمانے پر صنعتی، تجارتی اور زرعی کمپنیوں کے لئے بڑے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً شراکتی کمپنیاں جنہیں اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے کثیر مال درکار ہوتا ہے جو چند آدمی مل کر جمع نہیں کر سکتے، عصر حاضر میں بڑے سرمائے کی ضرورت کو حصص (شیئرز) سے پورا کیا گیا ہے جن کا اقتصادی زندگی میں کافی حد تک دارومدار ہے، یوں حصص کے مالکان کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔

بسا اوقات کسی کمپنی کو اپنا معیار اور مقام برقرار رکھنے کے لئے لوگوں سے قرضہ لینے کی ضرورت پڑتی ہے اس وقت کمپنی کو باؤنڈز کی ضرورت پیش آتی ہے جو معین منافع کے مقابل ہوتے ہیں۔

جدید اقتصادی اور معاشی اصطلاح میں شیئرز اور بونڈز کو ''اوراق مالیہ'' (کاغذی کرنسی، کاغذی نوٹ) کا نام دیا جاتا ہے، لوگوں میں یہی عرف عام ہے، ان شیئرز اور بانڈز کو اخبارات یا پمفلٹس کے ذریعے مشتہر کیا جاتا ہے، اسٹاکس مارکیٹوں میں بونڈز اور شیئرز کو زر مبادلہ کا نام دیا جاتا ہے۔

چنانچہ بیسویں صدی کے دوسرے ربع میں جب شیئرز کمپنیوں کا ظہور ہوا تو شیئرز اور بانڈز کے لین دین میں حلال اور حرام ہونے پر لوگ ایک دوسرے سے سوالات کرتے اور یہ کہ شیئرز پر زکوٰۃ بھی واجب ہے کہ نہیں؟ نیز اگر زکوٰۃ واجب ہوگی بھی تو کس پر واجب ہوگی؟ اس وقت کے علماء فتویٰ دیتے رہے کہ حصص کے ذریعے لین دین مشروع ہے جبکہ بانڈز سے لین دین حرام ہے۔

البتہ وجوب زکوٰۃ کے تناسب میں اس وقت کے علماء میں اختلاف رہا ہے کہ آیا زکوٰۃ ربع عشر (۲۰۵۰٪) ہوگی یا عشر (۱۰٪) جیسا کہ شیئرز ہولڈر کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا شیئرز ہولڈر ہی شیئرز کا مالک ہے یا کمپنی، البتہ علماء کا اس پر اتفاق رہا کہ زکوٰۃ شیئرز اور بانڈز دونوں پر واجب ہے، بشرطیکہ ان کی قیمت حد نصاب کو پہنچتی ہو، اگر چہ بانڈز حرام کاروبار، سود اور حرام آمدنی کے ساتھ مخلوط ہو جائیں، چونکہ کسی ایک جز کی حرمت کا ساتھ مل جانا وجوب زکوٰۃ کے مانع نہیں، بلکہ حرام مال سے خلاصی تو تبھی ممکن ہے جب اس کا صدقہ کر دیا جائے۔

شیئرز اور بونڈز کی تعریفیں

شیئرز...... شیئر ایسی دستاویزات سے عبارت ہوتا ہے جو قیمت میں مساوی ہوتی ہیں اور ان میں تجزی (اجزاء بندی) نہیں ہو سکتی، یہ دستاویزات مختلف تجارتی طریقوں میں رائج پذیر ہوتی ہیں یہ دستاویزات شیئر دہندہ کمپنیوں میں سرمایہ کی نمائندگی کرتی ہیں۔

گویا شیئر کمپنی کے سرمایہ کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، شیئر خریدنے والے کو عربی میں ''مساھم'' اردو میں ''حصہ دار'' اور انگلش میں ''شیئر ہولڈر'' (Share Holder) کہا جاتا ہے، حصص (شیئرز) میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

الف: شیئرز مساوی القیمت...... یعنی شیئرز کی ظاہری قیمت مساوی ہوتی ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ مختلف قیمتوں کے ساتھ جاری کرنا

جائز نہیں مساوی قیمت وہ ظاہری قیمت ہوتی ہے جس کی آڑ میں شیئر کو جاری کیا جاتا ہے، اور قانونی طور پر یہ متعین ہوتی ہے، مثلاً عرب امارات میں اس کی قیمت ایک درہم سے سو درہم کے بین بین ہوتی ہے۔

شیئرز کی ظاہری قیمت (FAce value)...... تجارتی قیمت (Trade value) اور حقیقی قیمت (Find value) سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔

ظاہری قیمت (Face value)...... یہ وہ قیمت ہے جو دستاویز (بونڈ) میں ظاہر کی جاتی ہے اور اس پر لکھی ہوتی ہے، اسی کو اساس بنا کر کمپنی کا سرمایہ جمع کیا جاتا ہے۔

تجارتی قیمت (Trade value)...... یہ مارکیٹ یا زر مبادلہ کی قیمت ہوتی ہے، یہ قیمت طلب اور مارکیٹ کے احوال، کمپنی کی شہرت اور کمپنی کے اثاثہ جات کی سلامتی کے پیش نظر بدلتی رہتی ہے۔

حقیقی قیمت...... شیئر کی یہ قیمت اصلی قیمت ہوتی ہے جس کی شیئر نمائندگی کر رہا ہوتا ہے۔

ب: شیئر قابل تجزی نہیں...... یعنی جو شیئر جس قیمت کو ظاہر کر رہا ہو اس میں توڑ پھوڑ نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ جب شیئرز کے مالکان متعدد ہوں اور براہ راست کمپنی کے حصہ دار ہوں اس وقت شیئرز میں توڑ پھوڑ (کسور) نہیں ہو سکتا۔

ج: مختلف تجارتی طریقوں سے شیئر کا تبادلہ...... شیئرز کی ملکیت مختلف تجارتی طریقوں سے ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل کی جاسکتی ہے۔ اگر شیئر حصہ دار کی اجازت سے جاری ہوا ہو تو اس کا تبادلہ نمائش سے ہوتا ہے یعنی اس کا اعلان کیا جاتا ہے۔

اگر شیئر، شیئر ہولڈر کا ہو تو اسے حامل کی اجازت کے بغیر ہی جاری کیا جاتا ہے اور اس کا باہمی لین دین ہاتھوں ہاتھ سپردگی سے ہو جاتا ہے۔

اکثر قوانین اس بات کا التزام کرتے ہیں کہ شیئرز اسمی مالک کے ساتھ جاری ہوں، بعض قوانین حامل کو کچھ شرائط کے ساتھ جاری کرتے ہیں۔

خلاصہ...... شیئرز کمپنی میں حصص کی نمائندگی کرتے ہیں۔

بانڈز کو عربی میں سندات کہتے ہیں جو "سند" کی جمع ہے اور سند ایک دستاویز ہے جو باہمی لین دین کے قابل ہوتی ہے، خریدار کو یہ سند ثبوت فراہم کرتی ہے کہ جو رقم خریدار نے لگائی ہے وہ اسے واپس بھی مل سکتی ہے، اور یہ قرض دینے کا ایک ثبوت ہے دوسرے حاصل ہونے والے فوائد اس کے علاوہ ہوتے ہیں، جو مال/مدت پوری ہونے پر ملتے ہیں، بالفاظ دیگر بانڈ ایک دستاویز ہے جس پر قرض کی حد لکھی ہوتی ہے جو مقررہ تاریخ پر حامل کو مل سکتی ہے، اور یہ مقرر فائدہ کی ایک نظیر ہے۔

ظاہری قیمت کے اعتبار سے بانڈ شیئر کے مشابہ ہے نیز دونوں سے مختلف تجارتی طریقوں کے ساتھ لین دین کیا جاسکتا ہے اور تجزی دونوں قبول نہیں کرتے۔

فرق...... شیئر اور بانڈ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ شیئر کمپنی میں ایک حصہ کی نمائندگی کرتا ہے یعنی حامل کسی وقت کمپنی میں شریک ہوتا ہے، جبکہ بانڈ کمپنی پر ایک قسم کا دین (قرض) ہوتا ہے جو کمپنی کے قرضہ جات کے ایک جزو (حصہ) کی نمائندگی کرتا ہے یعنی بانڈ ہولڈر مقرض یا دائن (قرض دہندہ) ہوتا ہے۔

چنانچہ جب کمپنی کے منافع متحقق ہو جاتے ہیں تو شیئر ہولڈر منافع لے سکتا ہے جبکہ بانڈ ہولڈر کو متعین فائدہ ملتا ہے جو سالانہ ہوتا ہے خواہ

کمپنی کوفائدہ ہو یا نقصان۔

اکثر اوقات شیئرز مخصوص اسمی ہوتے ہیں اور حاملین کے شیئرز لگائی ہوئی رقم کا ضمان ہیں، لیکن بانڈز یا تو اسمی (امتیازی) ہوتے ہیں یا ہولڈر کے ہوتے ہیں۔

اوراق مالیہ (شیئرز اور بانڈ) سے لین دین...... شیئرز سے لین دین کرنا شرعاً جائز ہے چونکہ شیئرز ہولڈر کمپنی کا حصہ دار ہوتا ہے مثلاً حامل دس حصوں کا یا بیس کا ایک سوحصص کا مالک ہوتا ہے، رہی بات بانڈز کی سوان سے لین دین کرنا شرعاً حرام ہے، چونکہ بانڈز کا کاروبار قطعی طور پر سودی ہے اور اس میں نفع نقصان کو صرف نظر کیا جاتا ہے، گویا بانڈز نفع کے ساتھ قرض جات ہیں، چنانچہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ میں کویت میں اسلامی بنک کی دوسری کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ مغربی معیشت دانوں کی اصطلاح میں جس آمدنی کو فائدہ کا نام دیا جاتا ہے وہ خالص سود ہے جو شرعاً حرام ہے۔

قاہرہ میں اسلامی بنکوں کے لئے شرعی نگرانی میں پہلی کانفرنس جو ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳م میں ہوئی اس میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ مختلف آراء کے جمع کرنے پر یہ بات سامنے آئی کہ جو کمپنیاں حرام مال کا کاروبار کرتی ہیں ان کے شیئرز آمدنی بڑھانے کی غرض سے کسی اسلامی بنک کے لئے خریدنا جائز نہیں۔

چونکہ ان کمپنیوں کے جملہ اثاثے حاصل کردہ منافع پر مشتمل ہوتے ہیں۔

بانڈز کی زکوۃ...... بانڈز کی حقیقت اور اس کا کاروبار میرا موضع بحث نہیں بلکہ اس کی زکوۃ کو بیان کرنا مقصود ہے، باوجود یہ کہ بانڈز کا لین دین حرام ہے لیکن ان کی زکوۃ واجب ہے۔

چونکہ بانڈ اپنے مالک کے قرض کی نمائندگی کرتا ہے، ہر سال کی زکوۃ دی جائے گی تاکہ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے پر عمل ہو جائے، چونکہ جس دین کی وصولی متوقع ہو اس پر ہر سال کی زکوۃ واجب ہوتی ہے، آمدنی کے سرٹیفکیٹ یا آمدنی کی دستاویزات حقیقت میں بانڈز ہی ہوتے ہیں۔

ان میں زکوۃ واجب ہوگی، اگرچہ یہ کاروبار خبیث ہے اور اس کی آمدنی حرام ہے، بانڈز کی زکوۃ کرنسی نوٹوں کی طرح دی جائے گی یا سامان تجارت کی طرح دی جائے گی جو کہ بانڈز کی قیمت کا ۲ء۵۰ فیصد ہے۔ چونکہ بانڈز کے لین دین کی حرمت ملک تام کے پائے جانے کے منافی نہیں لہٰذا زکوۃ واجب ہوگی۔ ❶

رہی بات مال حرام کی جیسے مال مغصوب مال مسروق، رشوت کا مال، جعل سازی کا مال، ذخیرہ اندوزی کا مال، کھوٹ اور ملاوٹ، سود وغیرہ تو ان اموال پر زکوۃ نہیں، چونکہ ان اموال کو سمیٹنے والا ان کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ حقیقی مالک کو واپس کرنا واجب ہوتا ہے، چونکہ باطل مال کھانا ممنوع ہے، اگر قابض کے پاس یہ مال باقی رہے اور سال گزر جائے اور حقیقی مالک کو واپس نہ کرے تو اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی چونکہ اس میں فقراء کی مصلحت کی رعایت ہے۔

کمپنیوں کے شیئرز کی زکوۃ...... اس موضوع کے متعلق تین امور سے بحث کی جائے گی۔

۱...... شیئرز میں زکوۃ کا واجب ہونا۔

۲...... مقدار واجب جس کا زکوۃ کی مد میں نکالنا واجب ہے۔

۳...... زکوۃ کس پر واجب ہوگی شیئر ہولڈر پر یا کمپنی پر؟

---

❶...... بانڈز کا خریدار ان مالی دستاویزات کا مالک ہوتا ہے ان پر اسے ملک تام حاصل ہوتی ہے لہٰذا زکوۃ واجب ہوتی۔

شیئرز کی زکوٰۃ کے متعلق معاصر علماء کی آراء

علمائے متقدمین کی شیئرز کے متعلق کوئی رائے نہیں چونکہ شیئرز کا لین دین عصر حاضر کی ایجاد ہے، لہٰذا اس پر علمائے معاصرین ہی نے کلام کیا ہے، لیکن معاصر علماء میں سے میں نے کسی کی درست رائے اپنے اجتہاد کے شامل حال نہیں پائی، میں نے درستی اور صواب کی جہت اختیار کی ہے البتہ ہر اجتہاد میں حق کا شائبہ ہوتا ہے، ہر عالم کو اس موضوع پر گفتگو کرنے کا حق حاصل ہے۔

اس میں درستی اور صواب کی جہت بھی ہو سکتی ہے اور خطا کی جہت بھی ہو سکتی ہے۔

اب میں جائزہ کے طور پر مختلف آراء پیش کروں گا اور ان میں صواب اور خطا کی جہت بھی بیان کروں گا، پھر آخر میں اس موضوع پر اپنی رائے پیش کروں گا۔

ا۔ **شیخ عبدالرحمٰن عیسیٰ کی رائے**..... شیخ عبدالرحمٰن عیسیٰ نے اپنی کتاب ''**المعاملات الحدیثة واحکامها**'' میں آمدنی کی رو سے شیئرز کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

الف..... صنعتی کمپنیوں کے شیئرز۔ ب..... تجارتی کمپنیوں کے شیئرز

خالص صنعتی کمپنیاں جو عملاً تجارت نہیں کرتیں جیسے رنگائی کی کمپنیاں، ڈاک کمپنیاں، ہوٹل کمپنیاں، اشتہارات کی کمپنیاں، موٹر کمپنیاں بجلی کے کارخانے، بری اور بحری نقل وحمل کی کمپنیاں ❶ اور ائر لائن کمپنیاں ان کمپنیوں کے شیئرز میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، الا یہ کہ شیئرز سے منافع ہو اور اسے مالک کے مال کے ساتھ ملایا جائے پھر وہ نصاب کو پہنچے اور اس پر سال بھی گزر جائے تب زکوٰۃ ہوگی، چونکہ ان شیئرز کی قیمت مشینری ڈیپارٹمنٹس اور عمارات وغیرھا میں لگائی جاتی ہے۔

رہی بات تجارتی کمپنیوں کی ❷ سو یہ وہ کمپنیاں ہوتی ہیں جو سامان تجارت کی خرید وفروخت کرتی ہیں جیسے بیرونی تجارتی کمپنیاں، درآمدات اور برآمدات کی کمپنیاں، ملکی مصنوعات کو فروخت کرنے والی کمپنیاں، خام مال تیار کرنے والی اور خریدنے والی کمپنیاں، جیسے پٹرولیم کی کمپنیاں اور کارخانے، دھاگا اور کپڑا بنانے والی ملیں، لوہے کی کمپنیاں اور کیمیائی ادویات تیار کرنے والی کمپنیاں تو ان شیئرز میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

چونکہ یہ کمپنیاں عملاً تجارت پیشہ ہوتی ہیں خواہ یہ کمپنیاں ساتھ ساتھ صنعتی کام بھی کرتی ہوں یا نہیں۔

ان کمپنیوں کے شیئرز کی حالیہ بازاری قیمت لگائی جائے گی لیکن شیئرز سے کمپنیوں کی عمارات، مشینری اور ڈیپارٹمنٹس کی قیمت منہا کی جائے گی، اس قیمت کا اندازہ کمپنیوں کے مسلمہ اصول کے مطابق چوتھائی یا اس سے کم یا زیادہ کے اعتبار سے لگایا جائے گا۔

یعنی خالص تجارتی کمپنیوں کے شیئرز کی زکوٰۃ شیئرز کے مارکیٹ ریٹ (بازاری تجارتی قیمت) کے اعتبار سے ہوگی، اور اس کے ساتھ منافع بھی شامل ہوگا اور سال کے آخر میں حساب لگا کر زکوٰۃ دی جائے گی جیسے تجارتی سامان کی زکوٰۃ دی جاتی ہے، اس کا تناسب ۲ء۵۰ فیصد ہوگا، بشرطیکہ جب اصل سرمایہ اور منافع نصاب شرعی کو پہنچتا ہو، ذرائع پیداوار جیسے مشینری عمارات اور زمین ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

رہی بات صنعتی تجارتی کمپنیوں کی (یعنی وہ کمپنیاں جو مال تیار بھی کرتی ہیں اور آگے تجارت بھی کرتی ہیں) جیسے شوگر ملیں، پٹرولیم کے کارخانے، چھاپہ خانے، کشتی ساز کمپنیاں، طیارہ ساز کمپنیاں، موٹر ساز کمپنیاں سو ان کمپنیوں کے شیئرز کی حالیہ تجارتی قیمت (مارکیٹ ریٹ) کا اندازہ لگایا جائے گا البتہ عمارات، مشینری اور ڈیپارٹمنٹس اور دفاتر وغیرہ کی قیمت شامل نہیں ہوگی اسے منہا کیا جائے گا۔ ❸

---

❶..... جیسے بحری جہاز، کشتیاں وغیرہ بری کمپنیاں جیسے ٹرانسپورٹ کی کمپنیاں وغیرہ۔ ❷ خالص صنعتی کمپنیاں جو صرف مال تیار کرتی ہیں تجارت نہیں کرتیں، تجارتی کمپنیاں جو صرف تجارت کرتی ہوں مال نہ تیار کرتی ہوں۔ ❸ یعنی مشینری آلات اور عمارات کی قیمت چھوڑی جائے گی اور نکالی جائے گی۔

تبصرہ..... یہ رائے مذاہب اربعہ کے موافق ہے وہ یہ کہ ذرائع پیداوار اور عمارات وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں زکوٰۃ تو ان کے سالانہ منافع جات پر ہوتی ہے جب وہ شرعی نصاب کو پہنچتے ہوں اور ان پر سال بھی گزر جائے (یعنی مالک کے قبضہ میں سال گزرے) یہی رائے ''مجمع الفقہ الاسلامی'' نے جدہ میں اپنے دوسرے دورے کے دوران ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء میں اختیار کی ہے۔

مختلف مذاہب کے فقہاء کے نزدیک یہ اصول مقرر ہے کہ استعمال کے اسلحہ، علمی کتابوں اور پیشہ ور لوگوں کے اوزار پر زکوٰۃ نہیں ہے چونکہ یہ اشیاء حاجت اصلیہ میں شمار ہوتی ہیں، اور فی الواقع نامی بھی نہیں جبکہ نصاب نامی (بڑھنے والا نمو والا) کی ملک زکوٰۃ کا سبب ہے، اگر چہ نصاب کی بڑھوتری (نمو) تقدیراً ہو۔

ابوالعباس کا فتویٰ.....ابوالعباس ونشریسی کی کتاب ''معیار المعرب'' ۱/ ۴۰۲ میں ہے کہ ابوالعباس سے سوال کیا گیا کہ جن صنعت کاروں پر سال گزر جائے اور ان کے قبضہ میں مصنوعات بھی ہوں اور وہ مصنوعات کی قیمت لگائیں اور نقدی مال کے ساتھ سے شامل کریں، نصاب تک پہنچنے میں ان پر زکوٰۃ ہے؟ اور جو کچھ ان کے پاس موجود ہوں اس کی زکوٰۃ دیں یا نہیں؟

ابوالعباس نے یہ جواب دیا، اس کا حکم یہ ہے کہ صنعت کاروں کے پاس جو نقدی مال ہو اور ان کے قبضہ میں ہو اور نصاب پورا ہو تو سال گزرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ ہوگی، انہیں مصنوعات کی قیمت لگانے کی ضرورت نہیں، البتہ مصنوعات کی قیمت کا اعتبار کر کے نئے سال کی ابتداء کریں، چونکہ یہ ان کی کمائی کے فوائد ہیں جو فروخت کے وقت انہیں حاصل ہوئے ہیں، البتہ صنعت کار نے اپنے پیشے میں جو چیز رکھی ہو مثلاً چمڑا، لکڑ، لوہا وغیرہ تو منیجر اس کی قیمت لگائے بشرطیکہ جب یہ اموال تجارت کے لئے خریدے ہوں۔

اس فتویٰ میں غایت درجے کی دِقّت (دشواری) ہے، البتہ صنعتکار کے لیے اس میں آسانی ہے۔ جیسے جوتے، بچھونے اور لوہے کے صنعتکار۔

مصنف کی تائید.....میں شیخ عبدالرحمٰن عیسیٰ کی رائے کی تائید کرتا ہوں اس رائے کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ صنعتی کمپنیوں پر تب زکوٰۃ واجب ہوگی جب ان کی مصنوعات/ پیداوار تجارتی ہو، فروخت اور برآمد کے لئے تیار کی جاتی ہوں، اور ان سے مشینری، عمارت اور آلات کی قیمت نکالی جائے گی۔

مثلاً مطبع کی پیداوار میں کاغذات اور ملکیتی کتابوں کی سال کے آخر میں زکوٰۃ دی جائے گی جیسے سالانہ حاصل ہونے والے منافع جات کی زکوٰۃ دی جاتی ہے، البتہ آلات طباعت، مشینری اور جلد سازی کے آلات کی قیمت اصل سرمائے سے نکالی جائے گی۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی.....لیکن ڈاکٹر یوسف قرضاوی کو یہ رائے پسند نہیں وہ سبھی کمپنیوں کے شیئرز میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ خواہ کمپنیاں صنعتی ہوں یا تجارتی، نیز شیخ عبدالرحمٰن عیسیٰ نے شیئرز کو جو دو انواع میں تقسیم کیا اس کے متعلق ڈاکٹر قرضاوی کا کہنا ہے کہ یہ ایسی پیداوار ہے جسے شریعت کا عدل وانصاف پسند نہیں کرتا چنانچہ شریعت دو متماثل (ہم جیسی) اشیاء میں فرق کو روا نہیں سمجھتی، پھر ڈاکٹر قرضاوی نے استاذ شیخ محمد ابوزہرہ کی رائے کا استصواب کیا ہے چونکہ شیخ محمد ابوزہرہ اور ان کے موافقین شیئرز کی دو انواع کے قائل نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسری رائے افراد کار کے زیادہ موافق اور حساب میں آسان تر ہے، پھر کہا: بخلاف اس کے کہ جب کوئی اسلامی ملک کمپنیوں کی زکواۃ جمع کرنے لگے۔

میں اس رائے کے مقابلہ میں پہلے اجتہاد (یعنی شیخ عیسیٰ کی رائے) کو راجح اور بہتر سمجھتا ہوں واللہ اعلم۔

۲۔ استاذ عبدالوہاب خلاّف، استاذ عبدالرحمٰن حسن اور استاذ محمد ابوزہرہ کی رائے.....ان اساتذہ کی یہ رائے (اجتہاد) ہے کہ شیئرز اور بانڈز (اوراق مالیہ یا کاغذی کرنسی) کو جب تجارت کے لئے حاصل کیا جائے تو وہ سامان تجارت کے حکم میں

ہوں گے، ان پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو تجارتی سامان پر واجب ہوتی ہے، یعنی ۵۰ء۲ فیصد زکوٰۃ اصل سرمایہ اور پیداوار دونوں سے ربع عشر ہوگی۔

جیسا کہ جمہور فقہاء نے یہی مقرر کیا ہے۔

ڈاکٹر قرضاوی نے اسی رجحان کو راجح قرار دیا ہے اور وہ کہتے ہیں: یہ رجحان اور فتویٰ افراد کے زیادہ موافق ہے، چنانچہ ہر حصہ دار اپنے شیئرز کی مقدار پہچانتا ہے، اور سالانہ منافع کو بھی پہچانتا ہے لہٰذا سہولت کے ساتھ وہ زکوٰۃ دے سکتا ہے، بخلاف پہلی رائے کے چونکہ اس رائے میں ایک کمپنی کے شیئرز اور دوسری کمپنی کے شیئرز میں فرق کیا گیا ہے، بعض کمپنیوں کی زکوٰۃ آمدنی اور پیداوار سے لی جاتی ہے جبکہ بعض کمپنیوں کی زکوٰۃ شیئرز سے قیمت کے اعتبار سے لی جاتی ہے لہٰذا اس رائے میں پیچیدگی ہے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پہلا رجحان فقہی اعتبار سے طے شدہ ہے، جب سے کمپنیوں کا ظہور ہوا ہے تب سے اسی پر عمل ہو رہا ہے، اس میں کوئی پیچیدگی نہیں، چنانچہ مسلمان جانتا ہے کہ صنعتی آلات پر زکوٰۃ نہیں، لہٰذا شیئرز کے طریقہ میں جب اسے منافع ہوگا تو ان آلات کے مقابل رقم منہا کر لیتا ہے، جب اسے تجارتی کمپنیوں کے شیئرز سے منافع ملتا ہے وہ اس کی زکوٰۃ دیتا ہے، جس طرح دوسرے تجارتی اموال کی زکوٰۃ دیتا ہے۔

استاذ شیخ محمد ابو زہرہ کی ایک قدیم رائے ہیں اس میں تفصیل ہے جو کہ ۱۹۵۲ء میں دمشق میں منعقدہ جامعۃ الدول العربیہ کے اجتماعی غور و خوض میں سامنے آئی اور یہ وہی رائے ہے جس کا اعلان مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس میں ۱۹۶۵ء میں کیا، اس کا حاصل یہ ہے کہ، جب شیئرز اور بانڈز تجارت کے لئے حاصل کئے جائیں یا مضاربت کی غرض سے حاصل کئے جائیں اور اسٹاک مارکیٹ میں انہیں پھر سے فروخت کرنا ہو اور ان کی تجارت سے آمدنی متوقع ہو تو انہیں تجارتی سامان کا حکم دیا جائے گا، سال کی ابتدائی اور آخری قیمت کے لحاظ سے ۵۰ء۲ فیصد زکوٰۃ لی جائے گی، جو کہ اصل سرمایہ اور پیداوار سے ہوگی بشرطیکہ نصاب کو پہنچتی ہو۔

اگر شیئرز سے سالانہ منافع حاصل کرنا مقصود ہو مضاربت اور خرید و فروخت کی کمائی مقصود نہ ہو تو اس صورت میں کمپنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، شیئر ہولڈرز کی طرف سے یہ زکوٰۃ کافی ہوگی۔

اس رائے کا مطمح نظر یہ ہے کہ شیئر ہولڈر نے شیئرز سے تجارت کا قصد کیا ہے یا سالانہ منافع لینے کا قصد کیا ہے؟ یہ رائے اس وقت ہم آہنگ ہے جب کمپنیاں اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں یا زکوٰۃ کی کیفیت کے متعلق بھی سوالات کر رہی تھیں۔

میں اس تفصیل کو اہم نہیں سمجھتا چونکہ شیئرز کے خریدنے کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے تجارت کرنا اور نفع کمانا، جبکہ ان شیئرز کی زکوٰۃ تجارتی مال کی طرح دی جاتی ہے۔

۳۔ سوڈانی فیصل اسلامی بنک کے لئے شرعی کنٹرول بورڈ کا فتویٰ...... یہ فتویٰ استفتاء کے بغیر مذکورہ بورڈ نے سوڈانی فیصل اسلامی بنک کو دیا تھا یہ فتویٰ نمبر ۱۷ ہے۔

بورڈ کے اکثر ارکان نے یہ رائے دی کہ بنک اپنے شیئرز کی زکوٰۃ مندرجہ ذیل بنیادوں پر دے۔

۱...... بینک سال پورا ہونے پر شیئرز کی زکوٰۃ ربع عشر ۲ء۵۰ فیصد کے حساب سے دے، زکوٰۃ موجود نقدی مال پر ہوگی اور ذرائع پیداوار پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

۲...... وہ زمینیں جنہیں شیئرز کے مال سے بینک خریدتا ہے اگر یہ زمین تجارت کے لئے خریدی ہیں اور ان کی خرید و فروخت کرنا مقصود ہے تو ان کی زکوٰۃ سامان تجارت کی زکوٰۃ کی طرح دی جائے، یعنی زمین کی قیمت نقدی موجود مال کے ساتھ ملا لی جائے، اگر زمین اجرت پر

دینے کے لئے خریدی ہے تو اس کی زکوٰۃ اصول ثابتہ کے مطابق عشر یعنی ۱۰٪ نکالے گا اور یہ مقدار اجرت سے نکالی جائے گی۔

۳..... جب بینک شیئرز کا کچھ مال ایسے شخص کو دے جو مضاربت کرتا ہو تو سرمایہ اور اپنے نفع کے حصہ سے مضارب زکوٰۃ دے۔

۴..... جب بینک پر تجارتی دین ہوں جو فی الحال ہوں اور شیئرز کے مال سے ہوں، اور بنک کے قرضہ جات لوگوں پر ہوں جو ذمہ میں واجب قرض سے زیادہ ہوں، جتنا قرض بنک نے دینا ہے اس کے بقدر لیئے جانے والے قرض سے زکوٰۃ نہیں ہوگی اور جو باقی بچ جائے اس پر زکوٰۃ ہوگی، اگر بنک پر دوسروں کا قرضہ بنسبت اپنے قرض کے زیادہ ہو تو بنک کے پاس موجود نقدی مال کو قرض کے مقابل کرے اور جو باقی بچ رہے اس سے زکوٰۃ دے، جب بنک کے تجارتی قرضے ہوں جو مقرر وقت تک ہوں اور ان کا لینا بھی متوقع ہو، ان کی سامان کی قیمت لگائی جائے گی، پھر سامان کی حالیہ نقدی مال سے قیمت لگائی جائے گیا اور اس قیمت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

۵..... جب بنک کے دوسروں کے ذمہ قرضہ جات ہوں تو بنک اس قرضہ کی نقدی مال کی طرح زکوٰۃ دے گا جب تک ان قرضہ جات کا ملنا متوقع ہو۔

۶..... شیئرز کے چھوٹے پیمانہ کے خریدار استفسار کرتے ہیں کہ کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے جب شیئرز کو دوسرے مال کے ساتھ ملا لیا جائے؟ تو جواب میں کہتے ہیں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، چونکہ وہ اتنے مال کے مالک نہیں ہوتے جس سے نصاب پورا ہو۔

یہ وہ بنیادی نکات ہیں جن پر بورڈ کی اکثریت نے اتفاق کیا کہ شیئرز کی زکوٰۃ سامان تجارت کی زکوٰۃ کی طرح دی جائے گی، لیکن اس کی بعض تفصیلات میں پھر اختلاف ہے چونکہ ان بنیادی نکات میں شیئرز کی اصلی قیمت (قیمت اسمیہ) کا اعتبار کیا گیا ہے، بازاری قیمت (مارکیٹ ریٹ) کا اعتبار نہیں کیا گیا، چونکہ بازاری قیمت تقدیری ہوتی ہے جبکہ حقیقی اور اصلی قیمت واقع میں نمائندگی کررہی ہوتی ہے۔

لہٰذا جب تک اصلی قیمت کی پہچان رہے گی تقدیری قیمت کی چنداں ضرورت نہیں جیسے پیداوار کے لئے حاصل کی ہوئی زمیں، ان کی زکوٰۃ کرائے سے دی جاتی ہے نہ کہ قیمت سے چونکہ زمین فی الواقع سامان تجارت نہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ شیئرز کی پہلی قسط جس پر مال گزر جائے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، بنک پر لازم ہے کہ وہ بنیادی متذکرہ بالا حدنکات کو سامنے رکھ کر زکوٰۃ نکالے، اگر متذکرہ نکات کے ساتھ مطابقت بنک کے لئے دشوار ہو تو بینک کے لئے جائز ہے کہ ۲ء۵۰٪ کی نسبت سے پہلی قسط کی زکوٰۃ دے، اور اس سے اثاثہ جات کی قیمت نکالے۔

یہ وقتی حل قائل کی رائے سے مختلف نہیں چونکہ اعتبار یہ ہے کہ شیئرز سامان تجارت میں اور بازاری قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ لی جائے گی، اس میں منافع جات شامل کئے جائیں گے اور اثاثہ جات کی قیمت منہا کی جائے گی۔

البتہ دو صورتوں میں ایسا نہیں۔

اول..... شیئرز کے لئے قیمت اسمیہ (اصلی قیمت) کا اعتبار۔

دوم..... منافع کا ساتھ اضافہ نہیں ہوگا چونکہ یہ غیر معروف ہے، اور اخراجات منہا نہ کرنا اگرچہ وہ معروف ہوں، چونکہ اخراجات منافع سے ہوتے ہیں، اصل مال سے نہیں ہوتے، جب تک نفع ہو تو اصل سے نہیں منہا ہوگا، عدل یہ ہے کہ اعتبار میں اخراجات نہ لئے جائیں۔

فی الجملہ اس فتویٰ پر میری تائید ہے لیکن درج ذیل امور سے مجھے اختلاف ہے۔

اول..... وہ جاگیریں جن سے نفع حاصل کیا جائے ان کے منافع جات پر ۲ء۵۰ فیصد زکوٰۃ ہوگی اور ان جاگیروں کے کرایہ اور اجرت سے عشر نہیں لیا جائے گا، جاگیروں کے منافع جات پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ ہوگی جبکہ وہ مالکان کے قبضہ میں ہوں یا بنک کے پاس ہوں۔

دوم..... شراکت داری کی صورت میں شیئرز کی زکوٰۃ خلیطین (ایسے دو آدمی جو اپنے اپنے مال کو آپس میں خلط کرلیں) کی زکوٰۃ کی طرح

ہوگی یہ تب ہے جبکہ حصہ دار کے شیئرز نصاب شرعی کو نہ پہنچتے ہوں جیسا کہ بعد میں آیا چاہتا ہے۔

سوم.....شیئرز کی بازاری قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، چونکہ یہی قیمت معروف ہوتی ہے، چنانچہ کئی بار اصلی قیمت تجاوز بھی کر جاتی ہے، جیسا کہ بعض بازار حصص میں ایسا بالفعل ہوا ہے، جب شیئرز کی حالیہ قیمت معروف نہ ہو تو صرف اس کی معرفت/ پہچان پر زکوٰۃ ہوگی۔

چہارم.....منافع جات کو اصل قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا چنانچہ ہر کمپنی سال کے آخر میں اپنا میزانیہ مرتب کرتی ہے، چنانچہ کمپنی اس میزانیہ میں اصول، تجارتی تعبیری جھگڑے، اصل سرمایہ، منافع جات اور تمام قرضے واضح کرتی ہے۔

شیئرز کی زکوٰۃ میں مقدار واجب.....تجارتی سامان کی طرح شیئرز کی زکوٰۃ دی جائے گی، گویا شیئرز میں واجب ہونے والی مقدار ربع عشر یعنی ۲٫۵۰ فیصد ہے، جو کہ اصل سرمایہ، آمدنی اور منافع جات سے نکالی جائے گی، جب ہم نے مذکورہ تفصیل کو شیخ محمد ابوزہرہ کی پہلی رائے سے خارج از امکان قرار دیا اور ہم نے شیخ عبدالرحمٰن عیسیٰ کی رائے پر اعتماد کیا، باوجود یہ کہ ضرورت کے پیش نظر تجارتی اور صنعتی کمپنیوں میں فرق روا ہو، تو مرحوم ابوزہرہ نے تجارتی شیئرز کی زکوٰۃ ۲٫۵۰ فیصد مقرر کی اور جو شیئرز سرمایہ کاری کے لئے خریدے گئے ہوں ان کی زکوٰۃ ۱۰٪ مقرر کی، یہ رائے غیر مناسب ہے، نیز ہمارے فقہاء کی مشہور رائے کہ شیئرز کی زکوٰۃ ۲٫۵۰ فیصد ہوگی جیسے تجارتی سامان کی زکوٰۃ ہوتی ہے کے بھی خلاف ہے، گویا ابوزہرہ کی رائے کہ جو شیئرز سرمایہ کاری کی غرض سے خریدے گئے ہوں ان کی زکوٰۃ ۱۰ فیصد ہوگی مذاہب فقہیہ سے کسی طرح موافق نہیں ہوسکتی، بعد وہ کون سا داعیہ پیش آیا کہ تجارتی شیئرز اور سرمایہ کاری کے شیئرز میں فرق روا رکھا جائے، خصوصاً شیخ ابوزہرہ نے اپنی دوسری رائے میں یہ تفصیل ذکر نہیں کی بلکہ صرف اتنی بات پر اکتفا کیا ہے کہ شیئرز کی زکوٰۃ سامان تجارت کی زکوٰۃ کی طرح ہوگی۔

خلاصہ.....شیئرز اور بانڈز کی زکوٰۃ ربع عشر یعنی ۲٫۵۰٪ کی نسبت سے واجب ہے سال کے آخر میں تجارتی قیمت اور ساتھ منافع جات کو شامل کر کے زکوٰۃ دی جائیگی اور اصل سرمایہ جو کہ منافع جات سے الگ ہو اس کی ۱۰ فیصد زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

شیئرز کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے.....شیخ ابوزہرہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کی رائے ہے کہ جو شیئرز اور بانڈز جو خریدے جاتے ہوں اس شخص کے لئے جو تجارت کرنا چاہتا ہو علاوہ ازیں کہ بذات خود کمپنیوں سے لیے ہوں چونکہ جن کمپنیوں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے وہ اس اعتبار سے کہ کمپنیوں کے اموال صنعتی اعتبار سے نامی ہیں اور کمپنی میں تاجر کے حصص وہ بھی تجارتی سامان ہونے کے اعتبار سے نامی ہیں، (یعنی کمپنی اور حصہ دار تاجر دونوں سے زکوٰۃ لی جائے گی)

ڈاکٹر قرضاوی نے اس طرح دونوں سے زکوٰۃ لینے پر تنقید کی ہے چونکہ اس صورت میں شیئرز پر دو مرتبہ زکوٰۃ کا وجوب لازم آتا ہے، چونکہ کہ ایک مرتبہ حصہ دار تاجر ہونے کی حیثیت سے دے گا اور ہم اس کے شیئرز اور منافع جات سے ربع عشر لیں گے اور پھر دوسری مرتبہ مال کی پیداواری حیثیت سے لیں گے، یوں شیئرز کے منافع سے زکوٰۃ ہوگی یا کمپنی کی آمدنی سے ۱۰٪ ہوگی۔

جبکہ راجح یہ ہے کہ ہم صرف ایک ہی زکوٰۃ پر اکتفاء کریں گے، یا تو شیئرز کی قیمت اور ساتھ اس کے منافع کو ملا کر ۲٫۵۰٪ ہوگی یا کمپنی کی مجموعی پیداوار سے ہوگی اور ساتھ آمدنی بھی ملائی جائے گی اور خالص کمائی سے ۱۰٪ لی جائے گی تا کہ دوگنی زکوٰۃ نہ لی جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ شیئرز کی زکوٰۃ فقط ۲٫۵۰٪ ہے جو اصل سرمایہ اور سالانہ منافع سے لی جائے گی، شیئرز کی اس طرح قیمت لگائی جائے گی جس طرح سامان تجارت کی قیمت لگائی جاتی ہے اور زکوٰۃ دیتے وقت بازاری قیمت اور بھاؤ کا اعتبار ہوگا، قیمت خرید کا اعتبار نہیں ہوگا، تجارتی شیئرز قیمت لگاتے وقت ایک دوسرے کے ساتھ ملا لئے جائیں گے اگر چہ تجارت اور صنعت میں ان کی جنسیں الگ الگ ہوں البتہ مشینری اور آلات وغیرہ کی قیمت منہا کی جائے گی۔

کمپنیاں بھی حصص کی زکوٰۃ دیں گی چونکہ ہر کمپنی کے لئے شیئرز میں منافع ہوتا ہے، اور کمپنی نفع میں شیئرز ہولڈر کی شریک ہوتی ہے چونکہ جو کمپنی شیئرز جاری کرتی ہے اس کی مستقل امتیازی حیثیت ہوتی ہے، جبکہ زکوٰۃ ایک ایسا حکم ہے جو نفس مال سے متعلق ہوتا ہے اور زکوٰۃ امتیازی حیثیت پر واجب ہوتی ہے، چونکہ زکوٰۃ میں ایسی ذمہ داری کی شرط نہیں لگائی گئی جس کی اساسی قدر بلوغ مع العقل ہو۔

نیز اسے جانوروں کی زکوٰۃ پر بھی قیاس کیا گیا جو کہ شافعیہ کے جدید قول کے مطابق ہے چنانچہ ان کے نزدیک جانوروں میں خلطہ کا اعتبار موثر ہے، یہی مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے چونکہ زکوٰۃ کے متعلق حدیث ہے۔" جو جانور الگ الگ ہوں انہیں جمع نہیں کیا جائے گا اور جو جانور اکٹھے جمع ہوں انہیں الگ الگ نہیں کیا جائے گا۔" (۱)

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شیئرز مخصوص مالی قیمت کی نمائندگی کرتا ہے اور مال کی ایک خاص مقدار کی نمائندگی کرتا ہے، لہٰذا یہ بھی مال ہے اور اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، لہٰذا جانوروں کی طرح یہاں بھی خلطہ موثر ہوگا، نیز دو حیثیتوں کے اموال مؤنت (تکلیف) میں مال واحد کی طرح ہیں، جیسے ایک المباری کا مال یا ایک نظامت کا مال، اسی طرح جانوروں کے علاوہ نقدی مال، اناج، میوہ جات، سامان تجارت بھی اس زمرے میں جانوروں کی طرح ہیں، لہٰذا مؤنت میں اس وقت تخفیف ہوگی جب اموال کی المباری (تجوری)، ترازو اور خریدار ایک ہو۔ (۲)

خلطہ کی صورت میں کمپنیوں کے حصہ داروں میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ میں چھوٹ نہیں ہوگی خواہ کسی کے حصہ میں ایک ہی شیئر ہو، (۳) زکوٰۃ کمپنی کے صافی مال سے ادا کی جائے گی جو کہ نامی اور نفع کو ساتھ ملایا جائے گا، زکوٰۃ ربع عشر یعنی ۵۰ء۲ ہوگی، زرائع پیداوار جیسے زمین، عمارات، مشینری اور آلات وغیرہ کی قیمت کو مال کے ساتھ شامل نہیں کیا جائے گا، چونکہ شیئرز صافی مال اور ذرائع پیداوار میں ثابت شدہ حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، نیز شیئرز کرنسی نوٹوں اور سامان تجارت کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔

رہا یہ قول کہ شیئرز کی زکوٰۃ اصول ثابتہ (یعنی اصل سرمایہ زمین مشینری وغیرہ) کی طرح ۱۰٪ کی نسبت سے ہوگی جو منافع جات سے لی جائے گی، یہ قول ضعیف ہے اور ہمارے فقہاء متقدمین کی آراء اس کی تائید نہیں کرتیں۔

پھر بھی حصص کے اعتبار سے کمپنی کے زکوٰۃ نکالنے میں فقراء کا نفع ہے۔

اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہمارے استاذ شیخ محمد ابوزہرہ نے مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۵ء میں ایک رائے پیش کی کہ جب شیئرز سرمایہ کاری کے لئے خریدے گئے ہوں دراں حالیکہ شیئرز جاری کرنے والی کمپنی کے اصل سرمایہ کی حصص نمائندگی کرتے ہوں تو اگر کمپنی ہی زکوٰۃ دے دے تو شیئرز ہولڈر کی طرف سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

البتہ مجمع البحوث الاسلامیہ نے یہ وصیت کی کہ اشتراکی کمپنیاں (لمیٹڈ کمپنیاں) جن میں بہت سارے افراد حصہ لیتے ہیں تو ان افراد کی

---

(۱) رواہ الترمذی۔ خلطہ کا معنی ہے مویشیوں کو اکٹھا کر لینا، خلطہ کی دو قسمیں ہیں (۱) خلطہ الشیوع یعنی دو شخص مال کی ملکیت رکھتے ہوں اور ملکیت میں شریک ہوں اور مال دونوں کے درمیان مشاع ہوا سے خلطۃ الشیوع کہا جاتا ہے۔ (۲) حلطۃ الجوار یعنی دو اشخاص ملکیت میں تو باہمی شریک نہ ہوں بلکہ دونوں کی ملکیتیں جدا جدا ہوں لیکن باڑا، چراگاہ اور دودھ دوہنے والا ایک ہو تو اسے خلطۃ الجوار کہا جاتا ہے مثلاً ایک کی چالیس بکریاں ہوں اور دوسرے کی بھی چالیس انہوں نے آپس میں بکریاں خلط کر لی ہوں تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک ہی بکری واجب ہوگی جبکہ حنفیہ کے نزدیک خلطات کی دونوں اقسام غیر معتبر ہیں لہٰذا الگ الگ ایک ایک بکری ہر ایک کی ملکیت پر واجب ہوگی۔ حنفیہ کی دلیل سنت ابوداؤد نے دی حضرت بھی بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے کہ ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور اگر صرف ۳۹ بکریاں ہوں تو ان میں تمہارے اوپر کچھ نہیں وہ اب چونکہ حنفیہ کے نزدیک خلطۃ الشیوع معتبر نہیں لہٰذا کمپنی کا شخص قانون بھی غیر معتبر ہے لہٰذا کمپنی پر بحیثیت کمپنی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ حصہ داروں میں جو لوگ صاحب نصاب ہوں ان کے انفرادی حصوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے درس ترمذی ۲/ ۴۲۴-۴۲۲۔ (۳) سبحان اللہ! پھر تو لازم آتا ہے کہ ایک آدمی کے پاس نصاب ہی نہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ یہاں دولت مند کے بلے بلے ہوگی جبکہ غریب کنویں میں ڈوب گیا۔

تعداد پر کمپنیوں کے مجموعی منافع جات کے ساتھ ان احکام کو تطبیق دینے کے لئے نظر نہ کی جائے، بلکہ اس بات پر نظر رکھی جائے کہ ہر شریک کا علیحدہ سے کتنا حصہ ہے۔

لیکن میں اس رجحان کی اسباب سابقہ کی وجہ سے مخالفت کرتا ہوں، رہی بات الگ الگ زکوٰۃ کی حالت میں اور اسے تقسیم کرنے کی حالت میں تو حصہ دار کو زکوٰۃ دینے میں کوئی چیز مانع نہیں کمپنی کی طرف سے نیابت ہوگی اور اپنی طرف سے اصالۃً دے رہا ہو۔

خزانہ مال اسلامی مملکت عربیہ سعودیہ کے جملہ عوامی حصہ داران کی کمیٹی نے ایک قرارداد پیش کی کہ حصہ داروں میں سے جو شخص اپنے شیئرز کے حصہ پر واجب زکوٰۃ کو پابند کرنا چاہتا ہو تا کہ شخصی طور پر خود ہی تقسیم کرے تو اسے یہ حق ملنا چاہئے اس قرارداد میں یہ نص تھی کہ مالی ادارہ واجب زکوٰۃ کو شرعاً منہا کرنے کا پابند ہوگا۔

مالی سال کے آخری تین ماہ میں ہر حصہ دار کو ترغیب دی جائے کہ اس نے اپنا حصہ جو مخصوص کیا ہے اسے صرف کرے تا کہ ادارہ تمام تر کارروائی جو شرعی کمیٹی نے مقرر کر رکھی ہو وہ اس کے مطابق اپنا عمل بحال رکھ سکے۔

خلاصہ......میری رائے ہے کہ کمپنیوں کے شیئرز کی زکوٰۃ شیئرز کی بازاری قیمت (مارکیٹ ریٹ) کے اعتبار سے ہونی چاہئے، فقط اصلی قیمت کا اعتبار نہ کیا جائے، اور یہ کہ شیئرز کی زکوٰۃ سامان تجارت کی زکوٰۃ کی طرح ۲ء۵۰٪ کی نسبت سے دی جائے، جبکہ کمپنی تجارتی ہو، اور اگر کمپنی محض صنعتی ہو جو نہ تجارت کرتی ہو اور نہ ہی سامان تجارت کی سرمایہ کاری کرتی ہو تو اس کے شیئرز کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔

اور اگر کمپنی کی پیداوار میں سامان تجارت ہو جیسے برف ساز کمپنیاں تو ان کی مشینری آلات اور عمارتیں وغیرہ کی قیمت منہا کر کے شیئرز کی زکوٰۃ دی جائے، کمپنی اپنے تئیں سبھی شیئرز کی زکوٰۃ دینے کا انتظام کرے، حصہ داروں کے ذمہ پر ادائیگی نہ چھوڑے، البتہ ممکن ہو تو جب زکوٰۃ تقسیم کی جارہی ہو شیئرز ہولڈر کو اس کے حصص کی زکوٰۃ دی جائے تا کہ وہ خود فقراء میں تقسیم کرے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مقصد......معادن اور رکاز کی زکوٰۃ

معدن (کان) کے معنی اور مصداق میں فقہاء کرام میں اختلاف ہے، اسی طرح معدن (کان) کی مختلف انواع جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، پھر معدن اور رکاز میں زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہو اس میں بھی اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک رکاز [1] میں معدن داخل ہے جبکہ جمہور کے نزدیک رکاز اور معدن الگ الگ چیزیں ہیں، وہ معدن (کان) جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک سونا اور چاندی کی کانیں ہیں، جبکہ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ چیز جو آگ پر تپائی جائے وہ معدن ہے۔ حنابلہ کے نزدیک معدن میں میں جامد (ٹھوس) اور مائع ہر طرح کی معدنیات شامل ہیں۔

پھر حنفیہ کے نزدیک معدن میں خمس (پانچواں حصہ) ہے، جبکہ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ربع عشر یعنی ۲ء۵۰٪ ہے۔ البتہ رکاز میں بالاتفاق خمس ہے، جیسا کہ آئندہ تفصیل سے ظاہر ہو جائے گا، چنانچہ جمہور کے نزدیک معدنیات میں زکوٰۃ ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک معدنیات غنیمت کا حکم رکھتی ہے، رکاز میں جتنی مقدار واجب ہے اسے عوام الناس کے مصالح میں صرف کیا جائے گا جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جائے گا، پھر معدن میں نصاب تک پہنچنا شرط ہے اور رکاز میں جمہور کے نزدیک نصاب شرط نہیں جبکہ شافعیہ کے نزدیک شرط ہے۔

معدن اور رکاز اگر از قسم سونا چاندی ہو تو ان سے مخصوص احکام متعلق ہوتے ہیں، جیسے سال کا گزر جانا، فیصدی نسبت جو مستحق کو دی جاتی ہے۔

---

[1]......زمین میں گاڑی یا دفن کی ہوئی چیز اس میں دفینہ بالاتفاق داخل ہے، رکاز کے معنی میں معدن بھی داخل ہے۔

حنفیہ کا مذہب......معدن، رکاز، کنز ایک معنی میں ہیں۔ ❶ اس سے مراد ہر وہ مال ہے جو زمین میں مدفون ہو، البتہ معدن کا بالخصوص یہ معنی ہے کہ وہ دھات اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اسے بھی زمین میں پیدا کیا ہو، جبکہ رکاز اور کنز (خزانہ) وہ مال ہے جسے کفار نے زمین میں دفن کیا ہو۔ ❷

معادن کی تین اقسام:

الف......وہ ٹھوس دھات جو پگھل جائے اور تپا کر سانچے میں ڈھالی جا سکے جیسے نقدین (یعنی سونا اور چاندی) لوہا، پیتل، سیسہ، پارہ بھی اسی قسم کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے، اس قسم میں زکوٰۃ کا خمس واجب ہے اگرچہ نصاب تک نہ پہنچے۔

ب......ایسی ٹھوس دھات جو پگھلتی نہ ہو اور نہ ہی آگ پر تپائی جاتی ہو جیسے جص (گچ، پلاسٹر)، چونا، سرمہ، ہڑتال اور انواع واقسام کے دوسرے قیمتی پتھر جیسے یاقوت اور نمک وغیرہ۔

ج......ایسی معدنیات جو از قسم مائع ہوں جیسے تارکول اور پیٹرولیم۔

خمس صرف پہلی قسم کی معدنیات میں واجب ہوگا خواہ یہ معدنیات خراجی زمین میں پائی جائیں یا عشری زمین میں۔ ❸ اس خمس کو مال غنیمت کے خمس کے مصارف میں صرف کیا جائے گا۔

دلائل......حنفیہ نے کتاب، سنت اور قیاس سے استدلال کیا ہے۔

کتاب سے......چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ......الانفال ۸/۴۱

جان لو جو کچھ بھی تمہیں غنیمت میں ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

چنانچہ معدن کو غنیمت میں شمار کیا گیا ہے، چونکہ معدن زمین میں اپنے محل میں کفار کے قبضہ میں ہوتا ہے اور اس پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے یعنی عنوۃً اس جگہ کو فتح کر لیتے ہیں۔

سنت......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”اگر کوئی حیوان کسی آدمی کو زخمی کر دے تو یہ زخم ہدر ہے کنویں میں کوئی شخص گر کر مر گیا اس کا خون ہدر ہے، جو شخص معدن (کان) میں دب کر مر جائے اس کا خون بھی ہدر ہے۔

اور رکاز (زمین میں گاڑی ہوئی چیز) میں خمس (پانچواں حصہ یعنی ۲۰٪) ہے۔ ❹ رکاز کا معنی معدن اور کنز دونوں کو شامل ہے، چونکہ رکاز کا لفظ ”الرکز“ سے ماخوذ ہے اور رکاز بمعنی مرکوز (گاڑا ہوا) ہے برابر ہے خالق نے اسے اپنی قدرت سے زمین میں گاڑھا ہو یا مخلوق نے۔

قیاس......معدن (کان) کو جاہلی دور کے کنز (خزانہ) پر قیاس کر لیا گیا ہے، ان دونوں میں جامع علت دونوں میں معنی غنیمت مشترک ہے لہٰذا معدنیات میں خمس واجب ہوگا۔

---

❶......معدن کان جس سے کوئی دھات نکالی جاتی ہے معدن کی جمع معادن ہے غالب کہتا ہے۔ ”جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو۔“ رکاز زمین میں گاڑا ہوا مال خواہ مسلمانوں کا گاڑا ہو یا کافروں کا۔ ”کنز“ دفینہ جسے کسی نے زمین میں گاڑا ہو اور پھر جگہ بھول گیا وہ کنز (خزانہ) ہے۔ ❷ مزید تفصیل کے لئے فتح القدیر ۱/ ۵۳۷، الدر المختار، ۲/ ۵۹، البدائع ۲/ ۶۵۔ ❸ ہر وہ زمین جسے عنوۃً فتح کیا جائے اور اس میں اسی کے باسیوں کو آباد کر دیا جائے یا کسی سرزمین کے باسیوں کے ساتھ امام ٹیکس پر صلح کر لے وہ خراجی زمین ہوتی ہے البتہ مکہ مکرمہ کی سرزمین اس سے مستثنیٰ ہے عشری زمین وہ ہوتی ہے جس کے باسی مسلمان ہو جائیں اور وہ زمین انہی کے پاس رہے یا کوئی زمین عنوۃً فتح کی گئی اور پھر غازیوں میں تقسیم کی گئی وہ بھی عشری زمین ہے۔ (۴) رواہ الستۃ عن ابی ہریرۃ۔

خمس سے زائد......اگر مال اپنی مملوکہ زمین سے ملا ہے تو خمس کے علاوہ بقیہ مال مالک کا ہوگا، اور اگر غیر مملوکہ زمین میں مال پایا گیا جیسے صحراء سے یا پہاڑ سے تو وہ پانے والے کی ملکیت ہوگا۔ رکاز میں خمس تب واجب ہوگا جب اس مال پر دور جاہلیت (کفار کے زمانے) کی کوئی علامت اور نشانی ہو جیسے بت بنا ہو یا صلیب کا شان ہو اگر مال پر اسلام کی کوئی علامت ہو مثلاً کلمہ طیبہ کندہ کیا ہوا ہو یا کسی حکمران کا نام ہو تو وہ لقطہ کے حکم میں ہے اس میں خمس واجب نہیں ہوگا۔

اگر معدن یا رکاز مملوکہ گھر میں پائے گئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان پر بھی خمس نہیں ہے، چونکہ یہ مال زمین کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے اور زمین کا مرکب ہے، جبکہ زمین کے بھی اجزاء پر ٹیکس نہیں ہوتا، اسی طرح اس جزو میں بھی ٹیکس نہیں ہوگا۔

صاحبین کہتے ہیں: اس میں بھی خمس واجب ہے چونکہ حدیث ''رکاز میں خمس ہے'' مطلق ہے، زمین اور گھر میں فرق روا نہیں رکھا گیا۔ ❶

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عام زمین اور گھر میں فرق کرتے ہیں چونکہ گھر کی ملکیت مؤنت (ٹیکس) وغیرہ سے خالی ہوتی ہے جبکہ زمین مؤنت سے خالی نہیں ہوگی، اس پر دلیل یہ ہے کہ عام زمین پر عشر اور خراج واجب ہوتا ہے جبکہ گھر پر عشر خراج واجب نہیں ہوتا، لہٰذا خمس کی مؤنت زمین میں واجب ہوگی اور گھر میں واجب نہیں۔

معدنیات کی دوسری دونوں اقسام (یعنی جو آگ پر نہ تپائی جاتی ہو وہ اور جو مائع ہوں) پر زکوۃ واجب نہیں البتہ مائعات میں سے صرف پارے پر زکوۃ ہے اس میں خمس واجب ہوگا، چونکہ پارہ سیسے کی طرح ہے۔ ❷

فیروزہ جو قیمتی پتھر ہے اور پہاڑوں میں پایا جاتا ہے اس میں زکوۃ نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''پتھر میں خمس نہیں۔'' ❸

موتیوں میں اور سمندر میں پائے جانے والی عنبر میں زکوۃ نہیں، اسی طرح سمندر سے جو کچھ بھی نکالا جائے خواہ سونے کے زیورات ہوں یا کنز ہو اس پر بھی زکوۃ نہیں چونکہ ان پر فوجی غلبہ نہیں ہوا، لہٰذا غنیمت بھی نہیں ہوگا، البتہ اگر تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ ہوگی۔

کنز یا رکاز......کنز (دفینہ) یا رکاز (گاڑا ہوا مال) جب ایسی زمین میں ملے جس کا مالک نہ ہو تو اس پر خمس واجب ہوگا، اس کی دلیل حدیث سابق ہے کہ۔ ''رکاز میں خمس ہے۔'' ہر وہ چیز جو زمین میں مدفون پائی جائے جیسے اسلحہ، آلات، کپڑے وغیرہ بھی رکاز کے ساتھ ملحق کئے جائیں گے یعنی ان میں بھی خمس واجب ہوگا چونکہ یہ بھی غنیمت ہیں اور سونا چاندی کی مانند ہیں۔

اگر کوئی مسلمان امان (پاسپورٹ) لے کر دار حرب میں داخل ہوا اور دشمن کے کسی گھر سے اسے رکاز (دفینہ) ملا تو (قانوناً) دشمن کے سپرد کرے گا تاکہ غدر اور دھوکا سے اجتناب ہو سکے، اگر مسلمان نے رکاز واپس نہ کیا بلکہ نکال کر اپنے ملک لے آیا تو وہ مالک بن جائے گا، البتہ اس کی ملک ملک خبیث ہوگی، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مال صدقہ کر دے، اگر مسلمان نے دار حرب میں صحراء میں رکاز پایا تو وہ اس کی ملکیت ہوگا، چونکہ خصوصیت سے یہ مال کسی کی ملکیت نہیں ہے، لہٰذا دار اسلام میں لانے سے غدر لازم نہیں آئے گا۔ اس میں کچھ واجب نہیں ہوگا، چونکہ یہ شخص اس چور کی مانند ہے جو دار حرب کی کوئی چیز اچک کر لے آئے اور دار الاسلام میں محفوظ کر لے۔

مالکیہ کا مذہب......مالکیہ کے نزدیک معدن اور رکاز میں فرق ہے، معدن وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کر رکھا ہو جیسے سونا، چاندی، پیتل، گندھک اور ہر وہ چیز جسے نکالنے میں تگ و دو کرنی پڑے اور صاف کی جاتی ہو۔

---

❶..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں دوسری روایت یہی صاحبین والی ہے گویا یہ روایت متفق علیہ ہے اور متفق علیہ روایت مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، دیکھئے شامی ۲۵۹/۳۔ ❷ یہی مفتی بہ ہے۔ ❸ قال الزيلعي غريب واخرج ابن عدي في الكامل عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده "زكوة في حجر" وفيه ضعيف اومجهول. (نصب الراية ۳۸۳/۲)

معدن کی ملکیت.....معدنیات تین قسم کی ہیں۔

اول.....یہ کہ معدنیات ایسی زمین میں ہوں جو کسی کی مملوکہ نہ ہو یہ معدنیات سرکاری ہوں گی حکومت وقت جسے چاہے جاگیر میں سونپ دے، یا بیت المال کی تحویل میں دے دے جو مسلمانوں کے فلاحی کاموں میں صرف ہو حکومت ذاتی مصرف میں نہیں لاسکتی۔

دوم.....یہ کہ معدنیات کسی معین شخص کی ملکیت میں ہوں، ایسی معدنیات بھی سرکاری ہوں گی، زمین کا مالک ان پر قبضہ نہیں کرسکتا، ایک قول یہ بھی ہے کہ زمین کا مالک ایسی معدنیات کا مالک ہوگا۔

سوم.....یہ کہ معدنیات ایسی زمین میں ہوں جو کسی اور معین شخص کی ملکیت ہو جیسے عنوۃ فتح کی ہوئی زمین اور ایسی زمین جس پر صلح ہوئی ہو، عنوۃ فتح کی ہوئی زمین کی معدنیات سرکاری ہوں گی، جس زمین کے باسیوں سے صلح ہوئی ہو وہاں کی معدنیات انہی لوگوں کی ہوں گی جن سے صلح ہوئی ہو جب تک وہ کفار رہیں گے ہم ان معدنیات سے تعرض نہیں کریں گے، اگر وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو یہ معدنیات سرکاری ہوجائیں گی۔

خلاصہ.....معدنیات مطلقاً سرکاری ہوں گی، البتہ وہ زمین جس میں صلح کرلی گئی ہو اور اس کے باسی جب تک کفار رہیں وہ ان کی ملکیت ہوگی۔

واجب مقدار در معدن.....معدنیات اگر نصاب تک پہنچیں تو ان میں ربع عشر ۲:۵۰ فیصد واجب ہے، اس میں بھی آزادی اور اسلام کی شرط ہے جس طرح زکوٰۃ میں شرط ہیں، البتہ معدن کی زکوٰۃ میں سال گزرنا ضروری نہیں، بلکہ جس وقت معدنیات نکالی جائیں اسی وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جس طرح اناج میں واجب ہوتی ہے۔

وہ کونسی معدن ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے.....صرف سونا چاندی کی معدن پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے علاوہ اور کسی پر زکوٰۃ نہیں، مثلاً پیتل، سیسہ، پارہ وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر ان دھاتوں کو سامان تجارت بنالیا گیا تو ان پر (یعنی ان کی آمدنی پر) زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سبب اختلاف.....مقدار واجب کے متعلق حنفیہ اور مالکیہ کے درمیان سبب اختلاف یہ ہے کہ رکاز میں معدن بھی شامل ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک رکاز میں معدن شامل ہے لہٰذا حدیث رکاز میں خمس ہے۔ پر عمل کیا جائے گا، جبکہ مالکیہ کے نزدیک رکاز معدن کو شامل نہیں اس میں نقدین کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی، یعنی ۔ ۵ء۲ فیصد، اور اس زکوٰۃ کو زکوٰۃ ہی کے مصارف میں صرف کیا جائے گا۔

اگر دوسری مرتبہ کان سے مال نکالا تو اسے زکوٰۃ میں پہلی مرتبہ کے نکالے گئے مال کے ساتھ ضم کیا جائے گا، یہ اس وقت ہے جب کان کی رگ ایک ہو یعنی اسی رگ سے پہلی مرتبہ مثلاً سونا نکالا تھا، اگر سبھی مال نصاب کو پہنچا یا نصاب سے بڑھ گیا تو زکوٰۃ دی جائے گی، اگر کام تاخیر سے ہوتا رہے۔

البتہ ایک رگ کے ساتھ دوسری رگ نہیں شامل کی جائے گی جس طرح ایک کان کو دوسری کان کے ساتھ نہیں ملایا جاتا، ہر ایک رگ اور کان سے الگ الگ زکوٰۃ ہوگی۔

اس مال سے نادر مال کو الگ کرلیا جائے گا، نادر سے مراد سونے چاندی کا وہ ٹکڑا جس سے آسانی کے ساتھ مٹی وغیرہ صاف کی جاسکے اور خالص کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس ٹکڑے سے خمس نکالا جائے گا، اگرچہ نصاب سے کم ہو، اسے مسلمانوں کے عام مصالح میں صرف کیا جائے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تپائی جانے والی معدنیات کے متعلق حنفیہ کا موقف ہے۔

رکاز یا کنز.....رکاز یا کنز جاہلیت کا دفینہ ہے، خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا ان کے علاوہ کچھ اور، اگر مال کے جاہلی ہونے یا نہ ہونے میں

شک ہوتو جاہلی ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

ملکیت......زمین کے مختلف ہونے سے رکاز کی ملکیت بھی مختلف ہوجاتی ہے اوراس کی چار اقسام ہیں۔

اول......یہ کہ رکاز جنگل میں پایا جائے اور یہ جاہلیت کا دفینہ ہو یہ پانے والے کی ملکیت میں ہوگا۔

دوم......یہ کہ رکاز مملوک زمین میں پایا جائے وہ اس شخص کی ملکیت ہوگا جس نے اس زمین کو اولاً آباد کیا تھا اگر وہ زندہ نہ ہوتو اس کے ورثاء کی ملکیت ہوگا، البتہ پانے والے کی ملکیت میں نہیں ہوگا۔ اگر یہ زمین کسی نے خرید لی یا ہبہ سے کسی کومل گئی وہ بھی رکاز کا مالک نہیں ہوگا، بلکہ بیچنے والے اور ہبہ کرنے والے کا ہوگا اگر اس کا پتا ہو ورنہ اس کا شمار لقطہ میں ہوگا۔

سوم......رکاز ایسی زمین سے ملا جو عنوۃً فتح کی گئی ہوتو وہ پانے والے کی ملکیت ہوگا۔

چہارم......یہ کہ رکاز ایسی زمین سے ملا جس پر صلح کر لی گئی تھی اس صورت میں بھی رکاز پانے والے کا ہوگا۔

یہ تفصیلات تبھی ہیں جب مال پر کوئی نشانی یا مہر وغیرہ نہ ہو اگر مال پر مسلمانوں کی کوئی نشانی مثلاً مہر وغیرہ لگی ہوتو اس کا حکم لقطہ کا حکم ہے، ایک سال تک اس کا اعلان کیا جائے گا اگر اصل مالک نہ مل جائے تو پانے والے کی ملکیت ہوگا۔

رکاز یا کنز کی زکوٰۃ......رکاز میں مطلقاً خمس واجب ہے، خواہ سونا ہو یا چاندی یا ان کے علاوہ کچھ اور، برابر ہے پانے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم، رکاز کا خمس مصالح عامہ میں صرف کیا جائے گا، البتہ اگر کسی بڑے کام یا کسی بڑے خرچے میں صرف کرنے کی ضرورت پڑے تو صرف کیا جاسکتا ہے البتہ اس صورت میں ربع عشر ۲ء۵۰ فیصد واجب ہوگا اور مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جائے گا۔

دونوں حالتوں میں رکاز میں نصاب کی شرط نہیں، واجب زکوٰۃ دینے کے بعد جو باقی بچ رہے گا وہ پانے والے کا ہوگا، البتہ اگر مملوک زمین میں ملا تو اصلی مالک کا ہوگا جیسے بیان کر دیا ہے۔

جس مال کو سمندر لہروں کے تھپیڑوں سے ساحل پر پھینک دے جو کسی کا مملوک نہ ہو اس مال پر زکوٰۃ نہیں، جیسے عنبر موتی، مرجان اور مچھلیاں وغیرہ، یہ مال اسی کا ہوگا جو اسے پالے اور پہلے اس پر ہاتھ رکھ لے، اس میں خمس نہیں ہوگا چونکہ اس میں اصل اباحت ہے، اگر علامات سے معلوم ہو کہ یہ مال (جو سمندر نے ساحل پر ڈالا ہے) جاہلیت میں کسی کی ملکیت میں رہا ہے تو اس میں خمس واجب ہو گا، چونکہ یہ رکاز کے حکم میں ہے، اگر علامات سے معلوم ہو کہ یہ کسی مسلمان یا ذمی کا ہے تو یہ لقطہ تصور ہوگا ایک سال تک اس کا اعلان کیا جائے گا۔

۳۔شافعیہ کا مذہب

معدن......شافعیہ کے نزدیک معدن رکاز نہیں، معدن وہ مال ہے جو کسی جگہ سے نکالا جائے اور اس جگہ میں یہ مال اللہ تعالیٰ نے پیدا کر رکھا ہو، معدن سونا اور چاندی کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔

اس میں ربع عشر ۲ء۵۰ فیصد واجب ہے (بشرطیکہ سونا یا چاندی ہو، ان کے علاوہ میں زکوٰۃ نہیں جیسے یاقوت، زبرجد، پیتل، لوہا وغیرہ برابر ہے مباح زمین میں پایا جائے یا کسی کی مملوکہ زمین میں، چونکہ زکوٰۃ کے دلائل میں عموم ہے جیسا کہ حدیث ہے۔ ''چاندی میں ربع عشر ہے۔''

زکوٰۃ کے لئے نصاب کی شرط ہے جیسا کہ باقی ائمہ نے بھی کہا ہے، البتہ ظاہر مذہب میں حولان حول کی شرط نہیں، چونکہ حولان حول کی شرط نماء (بڑھوتری) کامل ہونے کے لئے لگائی جاتی ہے، اور جو کچھ معدن سے نکالا جاتا ہے وہ فی نفسہ نماء ہے، لہٰذا اناج اور پھلوں کے

مشابہ ہوا۔

اگر کان سے کچھ مال پہلے نکالا اور کچھ بعد میں اگر ایک ہی کان ہو دونوں مرتبہ کا نکالا ہوا مال ملا لیا جائے گا، جس طرح پھلوں کو ملا لیا جاتا ہے، پہلی مرتبہ کے نکالے ہوئے مال کے لئے شرط نہیں کہ وہ نکالنے والے کی ملک میں باقی رہے، اگر مال نکلنے کی جگہ متعدد ہو تو نکالا ہوا مال ضم نہیں کیا جائے گا، چونکہ جگہوں کے مختلف ہونے سے عمل بھی از سر نو سفر ہوتا ہے، اگر ایک جگہ سے مال نکالا گیا لیکن کسی عذر کی وجہ سے کام موقوف کرنا پڑا مثلاً مال نکالنے کے آلات کی درستی کے لئے یا کام کرنے والے مزدور بھاگ گئے یا نکالنے والا بیمار ہو گیا یا سفر پر چلا گیا تو مال ضم کیا جائے گا اگرچہ وقفہ طویل ہو جائے چونکہ یہاں اعراض نہیں پایا گیا، البتہ اگر بلا عذر کام بند کر دیا تو بعد میں نکالا ہوا مال ضم نہیں کیا جائے گا چونکہ یہاں کام سے اعراض کیا ہے۔

دوسرے مرتبہ کا نکالا ہوا مال پہلی مرتبہ نکالے ہوئے مال کے ساتھ ملایا جائے گا، جیسے نصاب مکمل کرنے کے لئے اپنی ملک سے مال ملا لیا جاتا ہے، معدنیات صاف کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی، اگر مال صاف کرنے سے پہلے زکوٰۃ دے دی تو کافی نہیں ہوگی۔

رکاز...... رکاز جاہلیت کا دفینہ ہے، اس میں خمس واجب ہوگا، جیسے حنفیہ کے ہاں ہے اس میں بھی شرائط یعنی آزادی، اسلام، نصاب تک پہنچنا، سونا چاندی ہونا کا اعتبار کیا جائے گا، چونکہ رکاز بھی زمین سے حاصل کیا گیا مال ہے، لہٰذا اسی نوع کے ساتھ خاص ہوگا جس میں زکوٰۃ ہو اس لئے مقدار اور نوع کا اعتبار کیا جائے گا جیسے معدنیات میں ہوتا ہے، البتہ حولان حول کی شرط اس میں نہیں ہے، رکاز سے نکالا گیا مال بھی خمس مصارف زکوٰۃ میں خرچ کیا جائے گا، واجب مقدار کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے "کہ رکاز میں خمس ہے۔"

اگر رکاز جاہلی نہ ہو بلکہ علامات سے اس کا اسلامی ہونا متیقن ہو یا اس کے جاہلی اور اسلامی ہونے میں شک ہو تو اس صورت میں مالک کا ہوگا، یا اس کے ورثاء کا ہوگا، چونکہ مسلمان کے مال پر زبردستی قبضہ کرنے سے اس کا کوئی مالک نہیں بنتا، اور اگر اصل مالک کا پتہ نہ چل سکے تو وہ لقطہ کے حکم میں ہوگا، یا نے والا لقطے کی طرح اس کا اعلان کرتا رہے گا۔

اگر رکاز (دفینہ) کسی ایسی زمین سے ملا جو کسی شخص کی مملوکہ ہو یا اس پر وقف کی گئی ہو تو یہ دفینہ مالک شخص کا ہوگا بشرطیکہ وہ دعویٰ کرتا ہو، وہ بغیر قسم کے مال لے سکتا ہے، جیسے گھریلو سامان، اگر مالک شخص اس کا دعویٰ نہ کرتا ہو یا خاموش رہے تو دفینہ اس کو ملے گا جو مالکان میں سبقت کرے گا حتیٰ کہ معاملہ اس شخص تک پہنچ جائے جس نے زمین آباد کی تھی۔

اگر دفینہ مسجد یا شارع عام سے ملا تو وہ شافعیہ کے مذہب کے مطابق لقطہ کے حکم میں ہوگا، اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو لقطہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہے اور فی الحال مالک مجہول ہے لہٰذا لقطہ کے حکم میں ہوگا۔

اگر دفینے کی ملکیت میں خریدار اور بیچنے والے کے درمیان تنازع کھڑا ہو جائے یا کرائے پر دینے والے اور کرایہ پر لینے والے کے درمیان تنازع ہو جائے یا عاریۃً دینے والے اور لینے والے کے درمیان تنازع ہو جائے تو اس صورت میں اس شخص کی تصدیق کی جائے گی جس کا قبضہ ہوگا (مثلاً خریدار، کرایہ پر لینے والا اور عاریۃً لینے والا) اور ساتھ اس سے قسم بھی لی جائے گی جیسا کہ ان دونوں کے درمیان گھریلو مال میں تنازع ہو جائے۔

۴۔ مذہب حنابلہ...... حنابلہ کے نزدیک معدن رکاز کے علاوہ ہے معدن وہ ہے جو زمین سے نکالا جائے اور اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا [illegible] کی جنس سے نہ ہو، نیز یہ مدفون بھی نہ ہو، خواہ جامد ہو یا مائع۔

میر [illegible] ملکیت...... اگر معدنیات جامد (ٹھوس) ہوں جیسے سونا چاندی، پیتل وغیرہ تو ان کی ملکیت زمین کی ملکیت کے اعتبار سے
۲ [illegible] یات بھی زمین کا ایک جزو ہیں۔ یہ بھی مٹی اور پتھروں کی مانند ہے، یہ رکاز کے بخلاف ہے، یعنی رکاز زمین کے اجزاء میں سے

نہیں ہوتا اسی اصول کی بناء پر اگر کوئی شخص اپنی ملک میں یا غیر آباد زمین میں کوئی چیز پائے تو وہ اس کی ملکیت ہوگی، جب غیر آباد زمین کی طرف دو آدمی سبقت کریں تو جو پہلے معدن کو پائے گا اس کی ملکیت ہوگی، جب معدن کو وہ ترک کردے تو دوسرے شخص کے لئے جائز ہوگی، جو مال مملوک زمین میں ملے تو اس کے مالک کی تشہیر کی جائے گی وہ مال اس جگہ کے مالک کا ہوگا۔

رہی بات مائع دھاتوں کی جیسے تارکول، ہڑتال وغیرہ یہ ہر حال میں مباح ہیں، البتہ دوسرے کی ملکیت میں بغیر اجازت داخل ہونا ممنوع ہے۔

وہ معدن جس میں زکوٰۃ واجب ہے...... ہر وہ معدن جو زمین سے نکلے جو زمین میں پیدا کی گئی ہو، جب کان سے سونا نکالا جائے اور وہ بیس مثقال ہو، یا کان سے چاندی نکالی ہو اس کی مقدار دو سو دراہم کے برابر ہو یا لوہا، سیسہ، پیتل، پارہ، یاقوت، زبرجد، بلور، عقیق، سرمہ، ہڑتال وغیرہ کی قیمت دو سو دراہم تک پہنچ جائے تو ان میں بھی زکوٰۃ ہوگی اسی طرح مائع دھاتیں جیسے تارکول، پیٹرولیم، سلفر وغیرہ کی قیمت بھی نصاب تک پہنچے تو اس میں بھی زکوٰۃ ہوگی، یہ دھات نکالنے پر فوراً ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حنابلہ کی دلیل...... حنابلہ کی دلیل یہ آیت ہے:

یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ......البقرۃ ۲/ ۲۶۷

اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ خرچ کیا کرو۔ (۱)

آسان ترجمہ ۱/ ۱۶۸

چنانچہ معدن سے زکوٰۃ متعلق ہوگی جیسے سونا چاندی میں زکوٰۃ ہوتی ہے، رہی بات مٹی کی سو وہ معدن نہیں، معدن تو وہ ہے جو زمین کی جنس سے نہ ہو۔

مقدار واجب اور اس کی صفت...... معدن میں جو مقدار زکوٰۃ واجب ہے وہ ربع عشر ہے، یہ اپنے وصف اور صفت کے اعتبار سے زکوٰۃ ہے جیسا کہ شافعیہ کا قول ہے، چنانچہ ابوعبید کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو مقام قبلیہ کی کانیں جاگیر میں عطا کیں، جو کہ مقام فرع کے ایک سمت میں تھیں، ابوعبید کہتے ہیں: ان کانوں سے آج تک زکوٰۃ لی جاتی رہی ہے۔ (۲)

نیز یہ قرابت داروں کا ایک حق ہے جو اغنیاء کے لئے حرام ہے، لہٰذا معادن کی زکوٰۃ سونے چاندی کی زکوٰۃ کے مترادف ہوگی۔

معادن (معدنیات) کا نصاب...... اگر سونے کی دھات ہو تو اس میں بیس مثقال کا نصاب ہوگا، چاندی میں دو سو درہم کا نصاب ہے، اگر دھات سونا چاندی کے علاوہ ہو تو اس میں نصاب یہ ہے کہ اس کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "پانچ اوقیہ چاندی سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔" دوسری حدیث یہ ہے۔ "ایک سو نوے دراہم پر کچھ زکوٰۃ نہیں" ایک اور حدیث ہے۔ "سونے میں تمہارے اوپر کچھ زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ بیس مثقال تک نہ پہنچ جائے۔"

معدن کے لئے حولان حول کی شرط نہیں چونکہ کانوں سے دھاتیں دفعۃً نکالی جاتی ہیں لہٰذا دھاتیں اناج اور پھلوں کے مشابہ ہیں۔

ایک مرتبہ نکالے گئے مال کے نصاب کا اعتبار ہوگا یا کئی بار نکالا اور درمیان میں چھوڑ دینے کی نیت سے وقفہ نہ کیا ہو، اگر رات کو کام چھوڑا، یا آرام کرنے کے لئے وقفہ کیا یا کسی اور عذر کی وجہ سے کام چھوڑا تو یہ کام چھوڑنے کے حکم میں نہیں ہوگا اور دفعۃً ایک نصاب معتبر ہوگا دو مرتبہ کے نکالے ہوئے مال کو نصاب مکمل کرنے کے لیے ملا لیا جائے گا، البتہ ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، اور ہر معدن (کان) میں مستقل نصاب کا اعتبار ہوگا۔ چونکہ مختلف کانیں الگ الگ جنس کی حیثیت رکھتی ہیں لہٰذا ایک جنس کو دوسری جنس

(۱) آیت کا مصداق پیداوار زمین یعنی اناج اور غلہ ہے اور عشر پر دلالت کرتی ہے، کانوں پر نہیں۔ (۲) ابوعبید کہتے ہیں قبلیہ حجاز مقدس کا معروف مقام ہے۔

سے مکمل نہیں کیا جائے گا۔ جیسے غیر معدن میں ہوتا ہے، البتہ سونے اور چاندی کو تکمیل نصاب کے لئے ایک دوسرے سے ملایا جائے گا، جیسا کہ سامان تجارت کو سونا چاندی کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کا وقت...... جس وقت کان سے دھات نکالی تو نکالتے وقت ہی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ بشرطیکہ نصاب مکمل ہو، البتہ اس میں سال پورا ہونے کی شرط نہیں اس پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے، چونکہ دھاتیں زمین سے حاصل کیا ہوا مال ہوتی ہیں لہٰذا ان میں حق واجب ہونے میں سال کی شرط نہیں جیسے اناج، پھل اور رکاز میں شرط نہیں۔

معدنیات میں زکوٰۃ نکالنے کی شرائط...... اس میں دو شرطیں ہیں۔

اول...... یہ کہ دھات آگ پر تپانے اور صاف کرنے کے بعد نصاب کو پہنچتی ہو یہ اس وقت ہے جبکہ دھات سونا ہو یا چاندی ہو، اگر ان کے علاوہ کوئی اور دھات ہو تو اس میں شرط ہے کہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو۔

دوم...... یہ کہ دھاتیں نکالنے والا (یعنی مالک) ان لوگوں میں سے ہو جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لہٰذا ذمی، کافر اور مدیون پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

سمندری معادن...... جو مال سمندر سے نکالا جائے جیسے موتی، مرجان، عنبر اور مچھلیاں وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، جیسا کہ باقی مذاہب میں مقرر ہے چونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ کہ ”عنبر میں کچھ نہیں، عنبر تو ایسی چیز ہے جسے سمندر ساحل پر لا ڈالتا ہے۔“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے۔ ❶

نیز اس میں اصل یہی ہے کہ کچھ زکوٰۃ واجب نہ ہو، اسے خشکی کی کان (معدن) پر قیاس نہیں کیا جائے گا، چونکہ عنبر سمندر کے کنارے پڑا ہوا ملتا ہے اور اس میں کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی، لہٰذا زمین پر عام مباح اشیاء کے مشابہ ہے، رہی بات مچھلی کی سو وہ شکار ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جیسے خشکی کے شکار پر زکوٰۃ نہیں۔ ❷

رکاز...... حنابلہ کے نزدیک رکاز جاہلیت کا دفینہ ہے، یعنی کفار کا مال جو عہد اسلام میں مل پائے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اسی کے ساتھ وہ مال بھی ملحق کر دیا گیا ہے جو سطح زمین پر پڑا ہوا ملے جس پر کفار کی کوئی علامت ہو، اس میں خمس واجب ہوتا ہے، جیسا کہ حنفیہ شافعیہ اور مالکیہ کے ہاں بھی مقرر ہے، دلیل وہی پہلے والی حدیث ہے۔ ”رکاز میں خمس ہے۔“ متفق علیہ حدیث ہے۔

اگر دفینہ پر کوئی اسلام کی نشانی پائی گئی مثلاً آیت قرآن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی یا خلفائے مسلمین میں سے کسی کا نام یا کسی والی کا نام تو وہ لقطہ تصور ہوگا، اس میں لقطہ ہی کے احکام جاری ہوں گے، چونکہ یہ مسلمان کی ملکیت ہے اس کا زوال غیر معلوم ہے۔

مصرف...... رکاز کا خمس بیت المال میں رکھا جائے گا اور عام مصالح میں صرف کیا جائے گا خمس کے علاوہ بقیہ چار حصے پانے والے کی ملکیت ہوں گے، بشرطیکہ یہ مال مباح زمین میں پایا جائے، اگر مملوک زمین میں پایا گیا تو مالک زمین کا ہوگا، اگر کسی نے غیر کی ملک میں دفینہ پایا اگر مالک زمین دعویٰ نہ کرتا ہو تو مال پانے والے کا ہوگا، اگر مالک دعویٰ کرتا ہو تو قسم کے ساتھ اسی کا ہوگا۔

اگر دار حرب میں دفینہ پایا گیا پھر اگر اسے دارالاسلام میں لانے کی قدرت جماعت مسلمین کی وساطت سے ہوئی ہو تو وہ منجملہ مال غنیمت میں سے ہوگا، اگر اپنے تئیں دارالاسلام میں لانے پر قادر رہا تو پانے والے کا ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمانوں کی غیر آباد زمین سے دفینہ ملے تو وہ پانے والے کا ہوگا۔

---

❶...... رواھما ابو عبید عنبر ایک بڑی مچھلی کو کہا جاتا ہے اور ایک قسم کی خوشبو کو بھی عنبر کہا جاتا ہے۔ ❷ اگر مچھلی کی تجارت کی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی اگر نصاب تک پہنچے اور سال بھی گزر جائے تو زکوٰۃ ہوگی۔

کونسے رکاز میں خمس واجب ہے...... ہر وہ مال جو مختلف الانواع ہو جیسے سونا، چاندی، لوہا، سیسہ، پیتل، برتن وغیرہ، چونکہ حدیث میں عموم ہے۔ ''رکاز میں خمس ہے۔''

رکاز میں مقدار واجب اور اس کا مصرف...... رکاز (دفینہ) پر خمس واجب ہے، اس کی دلیل سابق حدیث ہے، اور اجماع ہے، دفینہ کے مصرف کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں، صحیح روایت ہے کہ اسے غنیمت کے عام مصالح میں صرف کیا جائے گا، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی مصارف میں صرف کیا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا مال ہے کہ اس سے کافر کا قبضہ اٹھ جاتا ہے لہٰذا غنیمت کے خمس کے مشابہ ہے۔

کس شخص پر خمس واجب ہوگا؟...... ہر وہ شخص جو دفینہ پائے اس پر خمس واجب ہے خواہ پانے والا مسلمان ہو یا ذمی، آزاد ہو یا غلام، بڑا ہو یا چھوٹا، عاقل ہو یا مجنون، یہی جمہور کی رائے ہے چونکہ حدیث میں عموم ہے۔ کہ ''رکاز میں خمس ہے۔'' جبکہ شافعیہ کہتے ہیں: خمس اسی شخص پر واجب ہوگا جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، چونکہ خمس بھی ایک طرح کی زکوٰۃ ہے۔

جائز ہے کہ کوئی انسان خمس میں بطور زکوٰۃ نکالے ہوئے مال کو خود تقسیم کرے یہ متاخرین فقہاء کی رائے ہے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دفینہ پانے والے شخص کو مسکینوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ ❶

تیسرا مقصد...... سامان تجارت کی زکوٰۃ

میں اس مقصد کے ذیل میں مندرجہ ذیل امور سے بحث کروں گا سامان تجارت کا مقصد، سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط، سامان تجارت کی قیمت، مقدار واجب، منافع، پیداوار اور غیر تجارتی مال کو اصل مال کے ساتھ ضم کرنے کا حکم، مالکیہ کے نزدیک سامان تجارت کی زکوٰۃ کی کیفیت اور شرکت مضاربت کی زکوٰۃ۔

اول: سامان تجارت کا معنی...... سامان کو عربی میں ''عروض'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، عرض (عین اور راء کی فتح کے ساتھ) بمعنی دنیا کا ٹوٹا، چورا، عرض (راء کے سکون کے ساتھ) سے مراد وہ سامان جو نقدین یعنی سونا چاندی کے علاوہ ہو جیسے گھریلو ساز و سامان، پلاٹ، زمین، مختلف انواع کے حیوانات، اناج، کپڑے وغیرہ جو اشیاء تجارت کے لئے رکھی گئی ہوں، مالکیہ کے نزدیک اس میں وہ زیورات بھی داخل ہیں جو تجارت کے لئے رکھے ہوں وہ زمین بھی سامان میں داخل ہے جس میں اس کا مالک خرید و فروخت کرتا ہو ایسی زمین کا حکم بھی سامان تجارت جیسا ہے، اس زمین کی زکوٰۃ سامان تجارت کی زکوٰۃ کی طرح ہوگی، البتہ وہ زمین (پلاٹ) جسے مالک نے رہائش کے لئے رکھا ہو یا کوئی کام کرنے کے لئے رکھی ہو جیسے تجارت گاہ یا صنعتی کام کے لئے مقرر کی گئی جگہ تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

دوم: سامان تجارت کی زکوٰۃ کے لئے شرائط...... سامان تجارت میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے فقہاء نے چند شرائط عائد کی ہیں جن کا اجمالی خاکہ کچھ یوں ہے۔ ''حنفیہ کے نزدیک چار شرائط ہیں، مالکیہ کے نزدیک پانچ شرائط ہیں، شافعیہ کے نزدیک چھ شرائط ہیں جبکہ حنابلہ کے نزدیک فقط دو شرطیں ہیں، ان میں سے تین شرائط متفق علیہ ہیں جو یہ ہیں (۱) سامان تجارت کا نصاب تک پہنچنا (۲) حولان حول (۳) تجارت کی نیت کرنا، کچھ شرائط بعض مذاہب میں زائد ہیں جو آیا چاہتی ہیں۔ ❷

---

❶...... اگر شرعی حکومت ہو تو پھر خمس حکومت کی تحویل میں دینا ضروری ہوگا اگر غیر شرعی حکومت ہو جیسے عصر حاضر میں حکومت پاکستان تو ان حالات میں دفینہ پانے والا خود ہی خمس لوگوں میں تقسیم کر دے۔ (واللہ اعلم) ❷ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۲/۲۱، الدر المختار ۲/۴۵، فتح القدیر ۱/۵۲۶، اللباب ۱/۱۵۰، بدایة المجتهد ۱/۲۶۰، القوانین الفقهية ص ۱۰۳، الشرح الصغير ۱/۶۳۶، مغنی المحتاج ۱/۳۹۸، المغنی ۳/۲۹۔

ا۔ سامان تجارت کا نصاب تک پہنچنا...... سامان تجارت کا نصاب تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ سامان تجارت کی قیمت ڈھلے ہوئے سونا یا چاندی کے نصاب تک پہنچتی ہو، قیمت کا اعتبار اسی شہر میں کیا جائے گا جس شہر میں مال ہو، اگر مال شہر سے دور کہیں جنگل میں ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس جنگل کے قریب ترین شہر کون سا ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ ❶

اس پر مرفوع وموقوف دونوں طرح کی احادیث دلائل ہیں جن میں مال تجارت کی قیمت کا بیان ہے، چنانچہ ہر دوسو درہم کی مالیت کے سامان پر پانچ دراہم واجب ہوں گے۔ (یہ احادیث احمد، عبدالرزاق، دارقطنی وغیرھم نے روایت کی ہیں۔ نصب الرایۃ، ۲/۳۷۵)

اس شرط کے متعلق مالکیہ کا کہنا ہے کہ اگر تاجر ذخیرہ اندوز ہو تو واجب ہے کہ سونا یا چاندی کے نصاب کے بقدر سامان تجارت فروخت کرے، اور اگر تاجر کی تجارت رواں ہو تو لازم ہے کہ ان میں سے کسی بھی چیز کے بدلہ میں فروخت کرے۔

رواں تجارت...... رواں تجارت سے مراد یہ ہے کہ تاجر خرید وفروخت کرتا ہو، وقت کا انتظار نہ کرتا ہو، اس کے لئے سال کا انضباط نہ ہو جیسے اہل بازار ہوتے ہیں، وہ اپنے لئے سال میں ایک ماہ کا انتخاب کرلے وہ دیکھے کہ اس کے پاس نقدی مال کتنا ہے اور سامان تجارت کی قیمت لگائے اور مال حاصل کو نقدی مال کے ساتھ ملائے اگر مجموعہ نصاب تک پہنچتا ہو تو قرض منہا کر کے زکوٰۃ دے۔ ❷

ذخیرہ اندوز...... ذخیرہ اندوز سے مراد وہ تاجر ہے جو مال خرید لے پھر نرخ گراں ہونے کا انتظار کرتا رہے، اس پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک سامان فروخت نہ کردے اگر سال کے بعد یا کئی سال گزرنے کے بعد سامان فروخت کیا تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے گا۔

خلاصہ...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کہتے ہیں کہ رواں تاجر اور ذخیرہ اندوز دونوں کے لئے ایک ہی حکم ہے، چنانچہ جو شخص تجارت کے لئے سامان خریدے اور اس پر سال گزر جائے، تو اس مال کی قیمت لگائے اور زکوٰۃ دے، جمہور کے نزدیک سال پورا ہوئے بغیر رواں تاجر پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی چونکہ سال کا گزرنا اصل مال کے لئے شرط ہے، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ رواں تاجر پر ہر حال میں زکوٰۃ واجب کرتے ہیں خواہ سال پورا ہو یا نہ ہو البتہ ایک نوع کے مال پر سال گزرنا ان کے نزدیک کافی ہے، یہ اس لئے ہے تاکہ رواں تاجر سے بالا ستقلال زکوٰۃ نہ ساقط ہو، اس اختلاف کی بنیاد مصالح مرسلہ ہیں جن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منصوص علیہ اصل میں استناد شرط نہیں۔

۲۔ حولان حول...... یعنی جس وقت سامان کی ملکیت حاصل ہوئی اس وقت سے سامان کی قیمت پر سال گزرنا، گویا نفس سامان پر سال گزرنا شرط نہیں، بلکہ ملک میں آکر سال گزرے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک معتبر...... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ذخیرہ کیے ہوئے مال میں سال کی طرفین (ابتداء وانتہاء) معتبر ہے وسط کا اعتبار نہیں ❸ چونکہ ابتدا میں مالداری متحقق ہوگی، انتہاء میں اس لئے تاکہ زکوۃ کا وجوب ثابت ہوسکے، چنانچہ اگر کوئی شخص ابتدائے سال میں نصاب کا مالک ہوا پھر دوران سال نصاب میں کمی واقع ہوئی پھر سال کے آخر میں نصاب پورا ہو گیا، اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ اگر سال کی ابتداء میں نصاب ناقص تھا یا سال کے آخر میں ناقص رہا تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

---

❶ ...... مثلاً پاکستان میں کسی شخص کے پاس ۲۲ ہزار روپے کا سامان تجارت ہو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی اسی طرح سعودی ریال کے اعتبار سے جس کے پاس ایک ہزار ریال کے برابر سامان تجارت ہو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ❷ صورت مسئلہ یہ ہے مثلاً ایک شخص کے پاس ۱۵ ہزار کی قیمت کا سامان تجارت ہے اس کے پاس نقدی ۸ ہزار روپے ہوں اور اس پر ایک ہزار روپے قرض ہوں، موجود کل مال ۲۳ ہزار ہوا اس سے ایک ہزار روپے نکال دیئے جائیں بقیہ ۲۲ ہزار روپے پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ ہوگی۔ ❸ یعنی سال کے شروع اور آخر میں نصاب پورا ہو، وسط سال میں اگرچہ ناقص ہوجائے۔

شافعیہ کے نزدیک معتبر......شافعیہ کے نزدیک سال کے آخر میں سامان تجارت (یعنی اس کی قیمت) کا نصاب تک پہنچنا معتبر ہے، ابتداء اور انتہاء کا نصاب تک پہنچنا معتبر نہیں مثلاً اگر کسی شخص کے پاس ایک سو دراہم ہوں، پچاس دراہم سے سامان تجارت خرید لے، تجارت کرتا ہے جو سال کے آخر میں ڈیڑھ سو دراہم ہو گئے اور پچاس دراہم اس کے پاس نقدی پہلے سے موجود ہیں تو کل ملا کر دو سو دراہم ہو چکے نصاب پورا ہے اور سال بھی گزرا ہے لہٰذا زکوٰۃ واجب ہوگی گویا شافعیہ کے نزدیک سال کے آخر میں اگر نصاب مکمل ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حنابلہ کے نزدیک معتبر......حنابلہ کے نزدیک سال بھر نصاب کامل رہنا ضروری ہے، البتہ تھوڑا معمولی سا نقصان غیر معتبر ہے مثلاً نصف دن کے لئے نصاب ناقص ہو گیا، یعنی سال کے ابتداء وسط اور انتہاء میں نصاب کا کامل رہنا وجوب زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے۔

۳۔ سامان خریدتے وقت تجارت کی نیت......یعنی مالک سامان خریدتے وقت تجارت کی نیت کرے، اگر ملکیت حاصل ہونے کے بعد نیت کی تو کاروبار کے ساتھ نیت کا ملا ہونا ضروری ہے۔

حنفیہ اس میں یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ جس سامان میں تجارت کی جارہی ہو وہ تجارت کی نیت کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، چنانچہ اگر کسی شخص نے تجارت کے لئے خراجی زمین خرید لی تو اس میں خراج ہوگا زکوٰۃ نہیں ہوگی، اسی طرح عشری زمین خریدی اور اس میں کاشتکاری کی تو پیداوار میں عشر واجب ہوگا نہ کہ زکوٰۃ۔

شافعیہ نے اس میں یہ شرط لگائی ہے کہ معاوضہ کے وقت اصل عقد میں یا مجلس میں سامان سے تجارت کی نیت کرے، اگر اس طرح نیت نہ کی تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ہر معاملہ کے وقت تجدید نیت شرط ہے حتیٰ کہ اصل سرمایہ فارغ ہو جائے۔

۴۔ سامان تجارت کی ملک معاوضہ دے کر حاصل کی ہو......حنفیہ کے علاوہ جمہور یہ شرط لگاتے ہیں کہ سامان تجارت کی ملکیت معاوضہ سے ملی ہو جیسے خریداری سے، اجارہ سے اور مہر وغیرہ سے، اگر بغیر معاوضہ کے ملکیت آئی جیسے وراثت سے یا خلع سے یا ہبہ سے یا وصیت اور صدقہ وغیرہ سے مثلاً ایک شخص نے ترکہ میں سامان تجارت چھوڑا، اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی حتیٰ کہ ورثاء تجارت کی نیت سے اس میں تصرف نہ کریں۔

مالکیہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ سامان تجارت کے ثمن (قیمت رقم) کا معاوضہ مالیہ سے مالک ہو، ہبہ اور میراث وغیرہ سے ثمن کا مالک نہ ہوا ہو۔ چنانچہ سامان کے بدلہ میں سامان فروخت کیا اور سامان کو نقدی مال میں نہ بدلا تو مالکیہ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، البتہ اگر کسی نے ایسا زکوٰۃ کے بھاگنے کی غرض سے کیا تو بہر حال زکوٰۃ ہوگی۔ جبکہ ایسے تاجر پر دوسرے مذاہب میں بھی زکوٰۃ ہے۔

۵۔ مال سے عدم تجارت کی نیت نہ ہو......یعنی کسی شخص نے سامان تجارت خریدا اور انتفاع کے لئے اپنے پاس روکے رکھا تجارت کا قصد نہ کیا تو شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہوگی، اگر تجارت کا قصد کیا سال منقطع ہوگا اور اگر اس کے بعد تجارت کا ارادہ کرے تو تجارت کے لئے تجدید نیت کی ضرورت ہوگی۔

۶۔ دوران سال سارا سامان نقدی نہ ہو......یہ شرط شافعیہ کے ہاں معتبر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سبھی سامان تجارت سال کے دوران نقدی نہ ہو جائے دراں حالیکہ نصاب سے کم ہو، اگر سامان تجارت سال کے دوران نقدی ہو گیا اور نصاب سے بھی کم ہو تو سال منقطع ہو جائے گا زکوٰۃ نہیں ہوگی، شافعیہ کے علاوہ اور کسی نے یہ شرط نہیں لگائی۔

۷۔ زکوٰۃ بعینہ سامان تجارت سے متعلق نہ ہو...... یہ شرط مالکیہ کے ہاں معتبر ہے، اگر زکوٰۃ بعینہ سامان تجارت سے

متعلق ہو جیسے سونا چاندی کے زیورات، مویشی (اونٹ، گائے، بکری) یا کھیتی (اناج، پھل) اگر یہ مال نصاب تک پہنچ گیا تو اس میں وہی زکوٰۃ ہوگی جو نقدین، مویشیوں اور اناج پر ہوتی ہے، اگر زکوٰۃ بعینہ مال سے متعلق نہ ہو جیسے کپڑے، کتابیں وغیرہ تو ان میں تجارت کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

خلاصہ: حنابلہ.....سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے دو شرطیں لگاتے ہیں۔
اول.....یہ کہ سامان تجارت کی ملکیت اپنے فعل سے حاصل ہوئی ہو مثلاً خریداری سے یہ ہمارے نزدیک چوتھی شرط ہے۔
دوم.....یہ کہ سامان تجارت کی ملک کے وقت تجارت کی نیت کرے یہ منجملہ تیسری شرط ہے۔

حنفیہ.....حنفیہ کے نزدیک چار شرائط ہیں۔
اول.....سامان تجارت کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو۔
دوم.....حولان حول۔
سوم.....بالفعل کاروبار تجارت کرتے وقت تجارت کی نیت ہو چونکہ صرف خالی نیت کافی نہیں۔
چہارم.....مال ایسا ہو جس میں تجارت کی صلاحیت اور قابلیت ہو۔

مالکیہ.....مالکیہ نے پانچ شرطیں لگائی ہیں۔
اول.....یہ کہ بعینہ سامان تجارت سے زکوٰۃ متعلق نہ ہو جیسے کپڑے اور کتابیں۔
دوم.....یہ کہ سامان تجارت کی ملکیت معاوضہ سے حاصل ہوئی ہو یا مبادلہ سے ہوئی ہو مثلاً خریداری سے، وراثت اور ہبہ وغیرہ سے ملکیت حاصل نہ ہوئی ہو۔
سوم.....سامان خرید کرتے وقت تجارت کی نیت ہو۔
چہارم.....یہ کہ جس رقم سے سامان تجات خریدا جارہا ہو وہ رقم مالی معاوضہ سے تاجر کی ملک ہو مثلاً خریداری سے وہ رقم ملک میں آئی ہو، وراثت اور ہبہ سے ملک میں نہ آئی ہو۔
پنجم.....یہ کہ ذخیرہ اندوز اس سامان سے نصاب یا اس سے زائد کو فروخت کرے یا کسی بھی چیز کے بدلہ میں فروخت کرے اگرچہ درہم ہی ہو جبکہ رواں تجارت ہو۔

شافعیہ.....شافعیہ نے چھ شرائط لگائی ہیں۔
اول.....یہ کہ سامان تجارت کی ملکیت معاوضہ سے آئی ہو جیسے خریداری سے وراثت وغیرہ سے نہ آئی ہو۔
دوم.....صلب عقد میں یا مجلس میں سامان تجارت سے تجارت کی نیت کرے وگرنہ تجدید نیت کی ضرورت ہوگی۔
سوم.....مال تجارت کو رکھ کر نفع اٹھانے کا قصد نہ ہو۔
چہارم.....سامان تجارت خریدتے وقت سے سال کا گزرنا۔
پنجم.....یہ کہ کبھی مال نقدی نہ ہو جائے جو نصاب سے کم ہو، شافعیہ اس شرط کو یوں بیان کرتے ہیں کہ مال ظاہری حالت میں نقدی نہ ہو جائے۔
ششم.....یہ کہ سامان تجارت کی قیمت سال کے آخر میں نصاب کو پہنچتی ہو۔

سوم......سامان کی قیمت لگانا، اس زکوٰۃ میں واجب ہونے والی مقدار اور قیمت لگانے کا طریقہ

ہر سال کے آخر میں تاجر سامان تجارت کی قیمت لگائے، زکوٰۃ نکالتے وقت سامان کے بھاؤ کے حساب سے قیمت لگائی جائے گی، خریدتے وقت کے بھاؤ کے اعتبار سے قیمت نہیں لگائی جائے گی قیمت لگاتے وقت مختلف تجارتی سامان کو ایک دوسرے سے ملالیا جائے گا اگرچہ ان کی جنسیں مختلف ہوں، جیسے کپڑے، چمڑا اور دوسری اشیاء ضرورت، بلا اختلاف زکوٰۃ سامان تجارت کی قیمت میں واجب ہوگی، بعینہ سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں چونکہ سامان تجارت میں نصاب قیمت سے معتبر ہوتا ہے، تو زکوٰۃ بھی قیمت میں ہوگی۔

سامان تجارت میں نقدین (سونا چاندی) کی طرح ربع عشر ۲ء۵ فیصد واجب ہے اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔

ابن منذر کہتے ہیں: اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ وہ سامان جس سے تجارت کا ارادہ کیا گیا ہو اس پر سال گزرنے پر زکوٰۃ ہے۔

دلائل......سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہونے کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

۱......فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ......البقرہ ۲/۲۶۷)

اے ایمان والوں جو کچھ تم نے کمایا ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ آیت تجارت کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

۲......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ کہ ”اونٹوں میں صدقہ (زکوٰۃ) ہے، گائیوں میں صدقہ ہے، بکریوں میں صدقہ ہے، اور کپڑوں میں بھی صدقہ ہے۔“ [1]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ کہ ”جو اشیاء ہم نے فروخت کے لئے رکھی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیتے تھے۔ [2]

ابوعمرو بن حماس اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا اور فرمایا: اپنے مال کی زکوٰۃ دو، میں نے عرض کی: میرے پاس مال نہیں، البتہ صرف تیروں کے تھیلے اور کھالیں ہیں۔ فرمایا: ان کی قیمت لگاؤ اور زکوٰۃ دو۔ [3]

امام مالک اور داؤد ظاہری کی ایک روایت......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ تجارت میں زکوٰۃ نہیں اور ان کی مستدل یہ حدیث ہے۔ ”گھوڑوں اور غلاموں میں میں نے تمہیں صدقہ معاف کردیا ہے۔“

اس حدیث سے عین مال کا صدقہ مراد ہے، یعنی بعینہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں، قیمت کی زکوٰۃ حدیث میں مراد نہیں۔

چونکہ دوسرے دلائل اسی معنی کی تائید کرتے ہیں۔ پھر یہ حدیث عام ہے۔ اور اوپر بیان کی گئی احادیث خاص ہیں لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے، البتہ مالکیہ کے ہاں مفتیٰ بہ یہی ہے کہ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ [4]

سامان تجارت کی قیمت لگانے کا طریقہ......شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک جب سامان تجارت پر سال گزر جائے تو سونے چاندی میں سے جس میں فقراء کے حق کی رعایت ہو اس سے سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی۔

---

[1]......رواہ الحاکم باسنادین صحیحین علی شرط الشیخین والدارقطنی عن ابی ذر۔ حدیث میں ہے کہ کپڑوں پر زکوٰۃ ہے لامحالہ عام استعمال کے کپڑوں پر زکوٰۃ نہیں، کپڑوں میں زکوٰۃ تبھی ہوگی جب کپڑے تجارت کے لئے ہوں تو معلوم ہوا سامان تجارت میں زکوٰۃ ہے۔
[2] رواہ ابوداؤد باسناد مقارب عن سمرۃ۔ [3] رواہ احمد وابوعبید۔ [4] یعنی امام مالک سے دو روایتیں ہیں ایک روایت مرجوح ہے اور دوسری روایت راجح اور مفتیٰ بہ ہے۔

البتہ جس چیز سے سامان تجارت خریدا ہے اس کی قیمت نہیں لگائی جائے گی، چنانچہ جب سامان تجارت پر سال گزر جائے اور اس کی قیمت چاندی کے اعتبار سے نصاب تک پہنچتی ہو جبکہ سونے کے نصاب تک قیمت نہ پہنچتی ہو تو ہم چاندی کے نصاب کو معیار بنا کر سامان تجارت کی قیمت لگائیں گے، تاکہ فقراء کے حق کی رعایت ہو جائے، اگر چاندی کے اعتبار سے قیمت نصاب کو نہ پہنچے جبکہ سونے کے نصاب کو پہنچتی ہو تو ہم سونے کے نصاب کو معیار بنا کر قیمت لگائیں گے، اور اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ سامان تجارت سونے سے خریدا ہو یا چاندی سے یا کسی اور جنس سے خریدا ہو۔

شافعیہ.....شافعیہ کہتے ہیں سامان تجارت کی قیمت اسی چیز سے لگائی جائے گی جس سے وہ خریدا ہے یعنی سونے سے خریدا تو سونے کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی اور اگر چاندی سے خریدا تو چاندی کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی، چونکہ سامان تجارت کے نصاب کا دارومدار اسی چیز پر ہے جس سے سامان خریدا ہے، لہٰذا اگر اس میں زکوٰۃ واجب ہو تو سامان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، لہٰذا اسی مال کا اعتبار ہوگا جس سے سامان خریدا ہے، جیسا کہ اگر سامان نہ خریدتا تو اسی اصل سرمایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ اگر نقد مال سے سامان کا مالک بنا اگر نصاب کا مالک ہو تو ابھی نقدی کے اعتبار سے سامان کی قیمت لگائی جائے گی برابر ہے کہ یہ نقدی غالب ہو یا نہ ہو، خواہ سلطان نے اسے باطل کر دیا ہو رائج رکھا ہو چونکہ اس کے ہاتھ میں یہی اصل ہے، لہٰذا دوسری چیز سے اس کا اعتبار بہتر ہے، اگر سامان کے بدلہ میں سامان کا مالک بنا یا خلع سے سامان کا مالک ہوا یا دم عمد سے صلح کی اور سامان ملک میں آیا تو شہر میں جس نقد کا غالب رواج ہوگا اس کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی، خواہ شہر میں غالب رائج سونا ہو یا چاندی، چونکہ جب اصل کے اعتبار سے قیمت لگانا دشوار ہوا تو شہر میں جو نقد ہوگا اس کی طرف رجوع کیا جائے گا، جیسا کہ قیمت کے قاعدہ میں ہوتا ہے۔

اگر سامان ایسی جگہ ہو جہاں نقد مال کا رواج نہ ہو جیسے کسی شہر میں فلوس سے کاروبار ہوتا ہو تو اس کے قریب ترین شہر کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر کوئی ایسے دین کے بدلہ میں سامان کا مالک ہو جو بائع کے ذمہ میں ہو تو اسی جنس کے نقد سے قیمت لگائی جائے گی۔

اگر کسی شہر میں کاروبار میں نقدین رواج میں برابر ہوں اور سامان تجارت ایک کے اعتبار سے حد نصاب کو پہنچتا ہو اور دوسرے نقد کے اعتبار سے نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو جس نقد کے اعتبار سے سامان کی قیمت حد نصاب کو پہنچتی ہو اسی کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی، اگر دونوں نقدین (سونا چاندی) کے اعتبار سے سامان تجارت کی قیمت نصاب کو پہنچی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو۔

اگر سامان تجارت نقدی مال اور سامان جو اس کے پاس تھا اس سے خریدا جیسے سامان تجارت دو سو دراہم اور پاس رکھے کچھ سامان کے بدلہ میں خریدا تو سامان تجارت جتنا نقدی خریدا اسی نقد کے اعتبار سے اس سے خریدے ہوئے کی قیمت لگائی جائے گی اور بقیہ کی قیمت شہر میں غالب رائج کے اعتبار سے لگائی جائے گی، جیسے ان میں سے اکیلے کسی ایک سے سامان خریدا جائے۔

جمہور تاجر کی سہولت اور فقراء کے نفع کے لئے یہ رائے بہتر سمجھتے ہیں کہ تاجر ہر سال اپنے پاس موجود سامان کو الگ کرے اور اسی وقت قیمت لگائے اور قیمت رائج نقود کے اعتبار سے لگائی جائے گی، اگر قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو کل مال کا ربع عشر ۲ء۵۰ فیصد حصہ نکالنا واجب ہوگا، نفع اصل سرمایہ کے ساتھ ملا لیا جائے گا، البتہ اثاثہ، دوکان میں موجود اشیاء (مثلاً شوکیس، منیاں وغیرہ) تجارتی آلات (کنڈا، بٹے وغیرہ) کی قیمت نہیں لگائی جائے گی۔

کیا سامان تجارت ہی کو زکوٰۃ میں دینا جائز ہے.....آیا کہ سامان تجارت زکوٰۃ کی جگہ دینا جائز ہے اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ.....حنفیہ کہتے ہیں: تاجر کو اختیار ہے کہ زکوٰۃ میں خواہ عین جنس دے یا قیمت دے تاجر کو سال کے آخر میں اختیار ہوگا، کل قیمت کا

ربع عشر نکالے گا یا موجود سامان کا بعینہ ربع عشر دے۔ ❶

دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ سامان تجارت میں واجب ہوئی ہے لہٰذا بعینہ سامان تجارت کو زکوٰۃ میں دینا جائز ہے۔

جس طریقہ سبھی اموال میں بعینہ وہی اموال دینا جائز ہیں۔ اسی قاعدہ پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ کپڑے فروش کو اختیار ہے کہ زکوٰۃ میں نقدی رقم دے یا درمیانی قسم کے کپڑے دے، بہتر یہ ہے کہ ہر نوع کے کپڑے سے زکوٰۃ دے، البتہ ردی قسم کا مال یا ایک ہی قسم کا کپڑا از زکوٰۃ میں نہ دے۔

جمہور......جمہور کہتے ہیں کہ سامان تجارت کی قیمت نکالنا واجب ہے، اور سامان تجارت سے بعینہ سامان نکالنا جائز نہیں، چونکہ نصاب کا اعتبار قیمت سے کیا گیا ہے لہٰذا زکوٰۃ بھی قیمت سے دی جائے گی اور قیمت سے زکوٰۃ دینا گویا عین جنس سے زکوٰۃ دینا ہے، ہم نہیں تسلیم کرتے کہ زکوٰۃ مال میں واجب ہے زکوٰۃ تو مال کی قیمت میں واجب ہے ❷

چہارم......اصل مال کے ساتھ منافع پیداوار اور غیر تجارتی مال ملانے کا حکم

تمام مذاہب کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تجارتی منافع جات کو سال میں اصل سرمایہ کے ساتھ ملایا جائے گا، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک تجارت کے علاوہ باقی حاصل ہونے والا مال جیسے عطیہ کا مال وراثت کا مال وغیرہ اصل مال کے ساتھ ملا لیا جاتا ہے، یہ مسئلہ درج ذیل تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے۔

حنفیہ......حنفیہ کہتے ہیں تجارت سے ملنے والا منافع، مویشیوں کے بچے اور غیر تجارت سے حاصل ہونے والا مال جیسے میراث ہبہ وغیرہ یہ سبھی اصل مال کے ساتھ ملائے جائیں گے، بشرط یہ کہ جب سال کے شروع میں نصاب کا مالک ہو، اور دوران سال نصاب کا کچھ حصہ باقی رہے تا کہ حاصل ہونے والا مال ساتھ ملایا جائے اور پھر سال کے آخر میں نصاب کی مقدار کامل ہو، سال پورا ہونے پر سبھی اموال کی زکوٰۃ دی جائے گی، چونکہ مال مستفاد (حاصل ہونے والا) اصل مال کی جنس سے ہے، اور اصل مال کے تابع ہے، اصل مال پر ایک زائد مال ہے، چونکہ اصل مال مستفاد سے زائد اور کثیر ہوتا ہے، لہٰذا زائد مزید علیہ کے تابع ہوگا، جبکہ تابع پر متبوع سے الگ کوئی انفرادی حکم نہیں لگتا۔

البتہ اگر سال گزرنے کے بعد حاصل ہونے والا مال اصل مال کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا یہ بالا تفاق ہے۔

اسی طرح مختلف اجناس کے مویشی جیسے اونٹ اور بکریاں بھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملائی جائیں گی۔

جبکہ نقدین یعنی سونا چاندی ایک دوسرے کے ساتھ ملائے جائیں گے۔

مالکیہ......مالکیہ کہتے ہیں تجارت سے حاصل ہونے والا منافع اور پیداوار، تجارت کا لیا ہوا کرایہ اصل مال کے ساتھ ملایا جائے گا، اگرچہ اصل مال نصاب سے کم ہو۔

البتہ وہ مال جو تجارت کے علاوہ حاصل ہو جیسے وراثت، ہبہ، وغیرہ تو وہ مال سال میں اصل مال کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، البتہ اس مال کا الگ سال سے حساب کیا جائے گا۔

---

❶......مثلاً دوکان میں سامان تجارت ایک لاکھ روپے کا ہے تاجر کو اختیار ہے نقدی کرنسی نوٹوں سے ۲۵۰۰ روپے دے دے یا ۲۵۰۰ روپے کی اشیاء مثلاً چاول، چینی، آٹا اور دالیں وغیرہ دے دے دونوں میں اسے اختیار ہے۔ ❷ قیمت اصل مال (سامان) کے تابع ہے۔ تابع اور متبوع دونوں کا ایک ہی حکم ہوتا ہے البتہ قیمت دینے میں فقراء کے مصالح کی زیادہ رعایت ہے وہ اپنی من پسند کی چیز خرید سکے گا ورنہ بعینہ سامان دینے سے وہ ایک ہی چیز کا پابند ہوگا جبکہ اسے کپڑے اور اشیاء ضرورت کی تھی، قیمت دینے میں اختلاف سے بھی نکل جاتا ہے۔

مویشیوں میں سے جو مال حاصل ہو مثلاً وراثت میں کچھ مویشی ملے یا ہبہ میں ملے تو انہیں پاس موجود مویشیوں کے ساتھ ملایا جائے گا، اگر نصاب سے کم ہوں تو پھر مستفاد مویشی نہیں ملائے جائیں گے۔

شافعیہ..... شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ منافع، سامان تجارت کی پیداوار، درختوں کے پھل، ٹہنیاں اور پتے، جانوروں کی اون اور بال وغیرہ یہ سبھی مال تجارت ہیں لہٰذا اصل سرمایہ کے ساتھ ملائے جائیں گے، بشرط یہ کہ اصل سرمایہ پر سال گزرا ہو اگر چہ اصل مال نصاب سے کم ہو، چونکہ منافع وغیرہ اصل مال کا جزو ہے، لہٰذا اس کا سال اصل کے سال کے تابع ہوگا، جیسے چرنے والے مویشیوں کے بچے ان کے تابع ہوتے ہیں۔

رہا وہ مال جو تجارت کے علاوہ کسی اور طرح سے حاصل ہو تو سال میں اسے مال تجارت کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، اس کے لئے ملکیت کے دن سے مستقل سال ہوگا۔

حنابلہ..... حنابلہ کا مذہب شافعیہ کے قریب قریب ہے البتہ اصل مال کے نصاب ہونے کی شرط میں مختلف ہے۔

چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں: جب کسی انسان کی ملک میں زکوٰۃ کا نصاب ہو اور وہ اس میں تجارت کرے اسے نفع حاصل ہو تو سال گزرنے پر اصل مال کے ساتھ منافع کو ملا کر زکوٰۃ دے گا، گویا منافع کا دارومدار اصل مال کے سال گزرنے پر ہے، چونکہ منافع اصل کے تابع ہے، لہٰذا سال گزرنے میں بھی منافع اصل کے تابع ہوگا جیسے مویشیوں میں ہوتا ہے۔

البتہ وہ مستفاد (حاصل ہونے والا مال) جو تجارت کے علاوہ کسی اور مد میں حاصل ہوا سے اصل مال کے ساتھ کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، بلکہ اس کے لئے ملکیت کے دن سے مستقل سال کا اعتبار ہوگا۔

پنجم..... مالکیہ کے نزدیک تجارت کی کفیت

مالکیہ کے نزدیک تاجر یا تو ذخیرہ اندوز ہوگا یا رواں تاجر یا ذخیرہ اندوز اور رواں دونوں ہوگا۔

''ا'' ذخیرہ اندوز..... ذخیرہ اندوز وہ ہے جو سامان خریدے اور نرخ گراں ہونے کا انتظار کرے، اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک سامان فروخت نہ کرے اس پر زکوٰۃ نہیں، اگر ایک سال کے بعد یا کئی سالوں کے بعد سامان فروخت کرے تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے گا، اگر مال سے کچھ اس کے پاس باقی ہو تو ثمن کو اس کے ساتھ ملائے گا۔

مالکیہ کی یہ رائے جمہور کی رائے کے خلاف ہے، جمہور کہتے ہیں: ذخیرہ اندوز ہر سال کی زکوٰۃ دے گا اگر چہ مال فروخت نہ کرے، حنفیہ کے نزدیک عین سامان یا قیمت سے زکوٰۃ دینے میں اسے اختیار ہوگا، شافعیہ کے جدید قول کے مطابق اور حنابلہ کے نزدیک عین سامان سے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ذخیرہ اندوز کے سال کی ابتدا اس وقت سے ہوگی جب وہ اصل مال کا مالک ہوا یا قبل ازیں جس وقت زکوٰۃ دی تھی۔

ذخیرہ اندوز کے وہ قرضے جو کسی دوسرے کے ذمہ ہوں اور تجارت کی مد سے ہوں ان کی زکوٰۃ تب دے گا جب ان پر قبضہ کرے گا اور صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے گا۔

''ب'' رواں تاجر..... رواں تاجر وہ ہے جو سامان بیچتا بھی ہو اور خریدتا بھی ہو وقت کا انتظار نہ کرتا ہو، اس کے لئے سال کا انضباط نہیں کیا جائے گا جیسے بازار والے کرتے ہیں، رواں تاجر سال میں کوئی ایک مہینہ مقرر کر لے اپنے پاس موجود نقدی مال دیکھے لے

اورسامان تجارت کی قیمت لگائے اور قیمت کونقدی مال کے ساتھ ملالے اگر مجموعہ نصاب تک پہنچتا ہوتو ذمہ میں واجب قرض منہا کرنے کے بعدزکوٰۃ دے۔

رواں تاجر کی زکوٰۃ کا حکم......رواں تاجر کی زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے پاس موجودسامان کی ہر سال قیمت لگائے اگر چہ بازار میں مندی ہواورکئی سال سے سامان اس کے پاس پڑارہے، پھر قیمت کواپنے پاس موجودنقدی مال سے ملائے اور سبھی مال کی زکوٰۃ دے۔

رواں تاجر کے سال کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جب وہ سامان کی قیمت کا مالک بنا تھا، یعنی سامان کے سال کا اعتبار اصل مال جس سے سامان خریدا ہے اس کے سال سے ہوگا، گویا اس وقت سال کی ابتداء ہوگی جب وہ اصل مال کا مالک بنا تھا، اگر چہ تجارت کی روانی میں تاخیر ہوئی ہو، جیسے کوئی شخص اصل مال کا محرم میں مالک بنے اور پھر تجارت کی روانی رجب میں ہوتو اس کے سال کی ابتداء محرم سے ہوگی۔

رواں تاجر کے قرضے جو تجارت کی مد سے ہوں اور اگر ان قرضوں کے ملنے کی توقع ہوتو انہیں اصل مال کے ساتھ ملالیا جائے گا، اور کل مال کی زکوٰۃ دے گا، اگر دین تجارتی سامان کی صورت میں ہوتو اس کی قیمت لگا کر اصل مال کے ساتھ جمع کرلے اور کل کی زکوٰۃ دے۔

اگر رواں تاجر کا قرضہ ایسے فقیر شخص پر ہو جس سے ملنے کی توقع نہ ہوتو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی الا یہ کہ جب مدیون سے قبضہ کرلے، جب قبضہ کرلے تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے۔

رواں تاجر کی دوکان میں رکھے ہوئے برتن جیسے ٹوکریاں وغیرہ اور آلات جیسے کنڈا بٹے وغیرہ تو ان کی قیمت نہیں لگائی جائے گی یعنی یہ آلات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

”ج“ ذخیرہ اندوز اور رواں تاجر دونوں ہو......اگر تاجر نے کچھ سامان تجارت اپنے پاس ذخیرہ کررکھا ہواور کچھ سامان، تجارت میں رواں رکھا ہوا گر ذخیرہ اندوزی اور روانی کی نسبت میں برابر ہو یا رواں مال کم ہواور ذخیرہ کیا ہوا مال زیادہ ہوتو ان دونوں صورتوں میں ذخیرہ اندوز کی طرح زکوٰۃ دے گا، یعنی ثمن (رقم) پر قبضہ کرنے کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ دے گا۔

اگر رواں مال زیادہ ہواور ذخیرہ کیا ہوا کم ہوتو اس صورت میں سامان تجارت سبھی رواں تصور ہوگا اور ذخیرہ اندوزی کا حکم باطل ہوگا، یعنی ہر سال سبھی مال کی قیمت لگائے گا اور زکوٰۃ دے گا، اس صورت میں جانب روانی کو جانب ذخیرہ پر فوقیت دی گئی ہے۔

شرکت مضاربت کی زکوٰۃ...... [1] رب المال (مالک) اصل سرمایہ اور نفع سے اسے جو حصہ ملا ہے ان دونوں کی زکوٰۃ دے گا، عامل نفع سے ملنے والے حصہ کی زکوٰۃ دے گا، فقہاء کے نزدیک اس کی تفصیل درجہ ذیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مالک اور عامل میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصہ کی ہر سال زکوٰۃ دے گا، شرکت کے خاتمہ تک زکوٰۃ مؤخر نہیں کی جائے گی۔

حنابلہ......کہتے ہیں: رب المال اصل سرمایہ اور حاصل ہونے والے منافع کی زکوٰۃ دے گا، چونکہ تجارتی منافع کا سال اصل سرمایہ کا سال ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے کوایک ہزار روپے مضاربت کے لئے دیئے شرط یہ ٹھہری کہ نفع نصف نصف تقسیم کرلیا جائے گا، اب سال گزرنے کے بعد سرمایہ تین ہزار ہوگیا تو رب المال دو ہزار کی زکوٰۃ دے گا۔

عامل پر اس کے حصہ کی اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہوگی جب تک کہ منافع کی تقسیم تمام نہ ہوجائے، اسی وقت سے اس کے سال کی ابتداء ہوگی، چونکہ مضارب کی ملک تام نہیں ہوتی، جب مضارب مالک کے ساتھ حساب کرلے تو مال اگر نصاب کو پہنچتا ہواور سال بھی گزر جائے تو

---

[1] مضاربت کہتے ہیں کہ ایک شخص کا مال ہواور دوسرے کا کام اور وہ دونوں حصوں میں نفع تقسیم کرلیتے ہوں، جو شخص مال لگاتا ہے اسے رب المال یا مالک کہا جاتا ہے اور جو کام کرتا ہے اسے مضارب یا عامل کہا جاتا ہے اور جو مال لگایا جاتا ہے اسے رأس المال یا سرمایہ کہا جاتا ہے۔

زکوٰۃ دے گا۔ سال کا اعتبار حساب کرنے کے بعد سے ہوگا۔

چونکہ جب حساب کے بعد خسارہ ہوا تو خسارہ رب المال کے زمرے میں جائے گا۔

شافعیہ..... کہتے ہیں: رأس المال اور حصہ کی زکوٰۃ مالک پر لازم ہوگی، چونکہ وہ ان دونوں کا مالک ہوتا ہے، شافعیہ کا مذہب یہی ہے کہ عامل پر اس کے اپنے حصہ کی زکوٰۃ لازمی ہوگی، چونکہ اس کی دسترس میں یہی اس کا اپنا حصہ ہوتا ہے جب چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے، لہٰذا یہ اس قرضہ کے مشابہ ہوا جو کسی مالدار شخص پر ہو۔

عامل کے سال کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جب منافع کا ظہور ہوا تھا تقسیم سے پہلے زکوٰۃ دینا عامل کے ذمہ لازمی نہیں یہی شافعیہ کا ظاہری مذہب ہے۔

مالکیہ...... جب مضاربت کا مال اس شہر میں ہو جو رب المال کا شہر ہو تو اس مال پر رواں تجارت کی زکوٰۃ کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی ہر سال مال کی قیمت لگائی جائے گی اور ساتھ منافع جمع کیا جائے گا تو وہ رأس المال اور اپنے حصہ کے نفع کی زکوٰۃ دے گا، حساب سے پہلے زکوٰۃ ہوگی یہی مالکیہ کا ظاہری مذہب ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک معتمد یہ ہے کہ حساب تمام ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ دی جائے گی، اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینی ہوگی، اسی طرح اگر مال کی حالت معلوم نہ ہو کہ آیا مال باقی ہے یا تلف ہو چکا، یا نفع ہوا یا خسارہ رہا تو اس صورت میں بھی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

عامل حساب کے بعد اپنے حصہ کے منافع کی صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے گا۔

چوتھا مقصد......اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ

اس مقصد میں درجہ ذیل امور پر کلام ہوگا، اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ کی فرضیت، سبب فرضیت، شرائط، وہ کون سی اشیاء ہیں جن میں یہ زکوٰۃ واجب ہو، وہ نصاب جس سے زکوٰۃ کی ابتداء ہو، مقدار واجب اور اس کی صفت، زکوٰۃ واجب ہونے کا وقت اور زکوٰۃ نکالنے کا وقت، وہ اشیاء جو ایک دوسری سے ملائی جائیں گی، وقف پھلوں کی زکوٰۃ، اجرت پر لی ہوئی زمین کی زکوٰۃ، خراجی زمین کی زکوٰۃ عشر وصول کرنے والا، عشر کی مد کا ٹیکس، اناج اور پھل کی زکوٰۃ کا نکالنا اور اس کا ساقط کرنا۔

پہلی چیز......اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ کی فرضیت اور سبب فرضیت

یہ زکوٰۃ قرآن، سنت، اجماع اور عقل کی دلیل سے ثابت ہے۔

قرآن سے ثبوت.....فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ......الانعام/۱۴۱)

اور جب کٹائی کا دن آئے تو اللہ تعالیٰ کا حق دو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا حق فرض زکوٰۃ ہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ حق، عشر (دسواں حصہ) اور نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

دوسری جگہ فرمان ہوا:

یاایھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ ومما اخرجنالکم من الارض

اے ایمان والو اپنی کمائی سے اور زمین سے جو پیداوار ہم تمہارے لئے نکالیں اس سے اچھی چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

آیت میں زکوٰۃ کو نفقہ یعنی خرچہ کا نام دیا گیا ہے۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ......التوبۃ ۹/ ۳۴

اور جو لوگ سونا چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

سنت سے..... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو آسمان نے یا چشموں نے سیراب کیا ہو یا خود زمین سر سبز ہو تو اس میں دسواں حصہ واجب ہے اور جو زمین بیلوں کے ذریعے کنویں سے سیراب کی جائے اس میں بیسواں حصہ واجب ہے۔ [1]

ایک اور حدیث ہے۔ کہ ”وہ زمین جسے نہریں سیراب کرتی ہوں یا بارش سے سیراب ہوتی ہو اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے اور جو زمین اونٹ کے ذریعے کنویں سے سیراب کی جاتی ہو اس میں بیسواں حصہ واجب ہے۔ [2]

اجماع سے..... پوری امت کا عشر کی فرضیت پر اجماع ہے۔ [3]

عقلی دلیل..... جیسا کہ میں نے زکوٰۃ کی مشروعیت کی حکمت میں بیان کیا ہے، چنانچہ فقیر کے لئے عشر نکالنا شکر نعمت کے باب سے ہے، عاجز مسکین کو صاحب قدرت بنانا ہے، فقیر کو فرائض کے قیام کی قوت دینا ہے نیز گناہوں سے نفس کو پاک کرنا مقصود ہے یہ سب عقلاً و شرعاً لازمی ہے۔

عشر کی فرضیت کا سبب..... پیداواری زمین نامی (بڑھوتری والی) ہوتی ہے یا تو حقیقۃً نامی ہوتی ہے جیسے حق عشر میں یا تقدیراً نامی ہوتی ہے جیسے خراج کے حق میں۔ چنانچہ اگر کھیتی پر آفت آن پڑی، پیداوار سبھی ضائع ہوگئی تو عشر واجب نہیں ہوگا، اور نہ ہی خراجی زمین میں (آفت پڑنے پر) خراج ہوگا۔

چونکہ نماء (بڑھوتری) حقیقۃً اور تقدیراً فوت ہوئی ہے، اگر زمین عشری ہو مالک نے پیداوار کے لئے تگ و دو کی لیکن پیداوار نہ ہو سکی تو عشر واجب نہیں ہوگا، چونکہ پیداوار حقیقۃً معدوم ہے۔ اور اگر زمین خراجی ہو تو خراج واجب ہوگا چونکہ تقدیراً پیداوار پائی گئی ہے۔

اناج پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی جب اناج کے دانے نکل آئیں اور ان میں سختی آ گئی ہے اگرچہ بعض دانے غیر پختہ ہوں زکوٰۃ واجب ہوجائے گی جبکہ پھلوں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب پھل میں صلاحیت ظاہر ہوجائے یعنی سرخ ہونے سے یا زرد ہونے سے یا رنگ بدلنے میں پکنے لگے۔ [4] ہر پھل میں اس کی اپنی حالت کا اعتبار ہے، ایک ہی جنس کے پھلوں میں بعض پھلوں میں صلاحیت کا ظہور وجوب زکوٰۃ کے لئے کافی ہے۔

دوسری چیز: اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ کی شرائط..... کچھ شرائط تو وہ ہیں جو ہر طرح کی زکوٰۃ کے لئے ضروری ہیں اور سابق میں بیان کر دی ہیں جیسے اہلیت یعنی بالغ ہونا عقل کا ہونا چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی البتہ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح اسلام ایک شرط ہے چنانچہ کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں، چونکہ زکوٰۃ میں عبادت کا معنی ہے جبکہ کافر عبادت کا اہل نہیں۔

---

[1] ..... رواہ الجماعۃ الامسلماعن ابن عمر (نیل الا وطار ۴/ ۱۳۹) [2] رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداؤد عن جابر۔ [3] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۲/ ۵۳، مغنی المحتاجا /۱/ ۳۸۱ بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۴۵ المغنی ۲/ ۶۸۹ فتح القدیر ۲/ ۴۔ [4] جیسے سیب جب تک سبز ہوتا ہے کھانے کے قابل نہیں ہوتا جب اس میں سرخی ظاہر ہونے لگتی ہے کھانے کے قابل ہوجاتا ہے۔

چنانچہ زمینی پیداوار کے لئے مزید کچھ شرائط ہیں جو مذاہب میں مفصل بیان کی جاتی ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک شرائط:.....زکوٰۃ کی عام شرائط کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱.....یہ کہ زمین عشری ہو، لہٰذا خراجی زمین میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، چنانچہ عشر اور خراج ایک زمین میں جمع نہیں ہوتے۔

۲.....پیداوار کا موجود ہونا، اگر زمین نے کچھ نہ پیدا کیا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، چونکہ واجب ہونے والی مقدار پیداوار کا حصہ ہوتی ہے۔

۳.....پیداوار ان اشیاء میں سے ہو جن کی کاشت سے زمین کی پیداوار، اس کی آمدنی اور غلہ لینا مقصود ہو، چنانچہ لکڑی، گھاس وغیرہ میں عشر نہیں چونکہ ان اشیاء کی پیداوار سے زمین کی نماء (بڑھوتری) میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ زمین میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجوب عشر کے لئے نصاب شرط نہیں پیداوار خواہ کثیر ہو یا قلیل اس میں عشر واجب ہے۔

مالکیہ کے نزدیک شرائط.....مالکیہ کے نزدیک دو شرطیں ہیں۔

۱.....زمین کی پیداوار اناج یعنی دانے ہوں اور پھلوں میں کھجوریں، کشمش اور زیتون ہوں دیگر پھلوں میں زکوٰۃ نہیں جیسے سیب، انار وغیرہ اور نہ ہی سبزیوں میں زکوٰۃ ہے: برابر ہے کہ فصلیں اور پھل خراجی زمین میں ہوں جیسے مصر اور شام کی زمینیں جو کہ عنوۃً فتح ہوئی ہیں چنانچہ ان زمینوں کا خراج عشر کو ساقط نہیں کرے گا، خواہ فصلیں اور پھل عشری زمین میں ہوں یہ وہ زمین ہوتی ہے جس کے باسی اسلام قبول کرلیں اور غیر آباد زمین۔

۲.....یہ کہ پیداوار نصاب کو پہنچتی ہو اور نصاب پانچ وسق (۶۵۳ کلوگرام) ہے، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع چار مد کا ہوتا ہے مد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مد مراد ہے ایک مد بارہ اندلسی قنطار کا ہوتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک شرائط.....شافعیہ کے نزدیک تین شرطیں ہیں۔

۱.....زمین کی پیداوار ایسی ہو جو قوت (خوراک) بنائی جاتی ہو، ذخیرہ ہوتی ہو اور جسے انسان لگاتے ہوں، اناج میں سے: گندم، جو، تیل کے بیج، چاول، ماش، چنا اور جو اجناس ان کے مشابہ ہوں، پھلوں میں سے: کھجوریں، کشمش، سبزیوں میں چارے میں اور پھلوں میں جیسے ککڑی، خربوزہ، انار اور گنا وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے، اناج کو صاف کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی یعنی بھوسی اور تنکے صاف کرنے کے بعد عشر دیا جائے گا۔

۲.....یہ کہ پیداوار کا نصاب پورا ہو اور وہ پانچ وسق ہیں جو کہ ایک ہزار چھ سو (۱۶۰۰) بغدادی رطل کے برابر ہے، اور دمشقی رطل تین سو بیالیس (۳۴۲) جو کہ ۶۵۳ کلوگرام کے برابر ہے۔

۳.....یہ کہ پیداوار معین مال کی ملکیت میں ہو، لہٰذا مساجد کے لئے وقف کی ہوئی زمین پر زکوٰۃ نہیں۔ چونکہ اس کا معین مالک نہیں ہوتا، اسی طرح صحرائی درختوں پر عشر نہیں چونکہ وہ مباح الاصل میں اور ان کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

حنابلہ کے نزدیک شرائط.....حنابلہ کے نزدیک عشر کے لئے تین شرطیں ہیں۔

۱.....یہ کہ پیداوار ذخیرہ کرنے اور باقی رکھنے کے قابل ہو اور جس میں یہ اوصاف ہوں، وہ پیداوار ناپی یا تولی جاتی ہو اور خشک کی جاتی جیسے اناج اور پھل، وہ پیداوار ایسی ہو جسے لوگ اگاتے ہوں برابر ہے کہ وہ قوت (خوراک) ہو یا از قسم دالیں ہو جیسے ماش، چنا اور لوبیا، یا پیداوار از قسم مصالحہ جات ہو جیسے زیرہ، دھنیا، ککڑی کے بیج اور کھیرے کے بیج وغیرہ یا از قسم سبزی کے بیج میں سے ہو جیسے مولی کے بیج عصفر کے دانے ترمس کے دانے، تل اور دیگر دانے اور بیج۔

ان پھلوں میں بھی عشر واجب ہوگا جن میں یہ اوصاف موجود ہوں جیسے کھجوریں، کشمش، اخروٹ اور پستہ وغیرہ۔
پھلوں میں زکوٰۃ نہیں جیسے شفتالو، دراق میوہ، امرود، سیب اور نہ ہی سبزیوں میں زکوٰۃ ہے۔ جیسے ککڑی، کھیرا، بینگن اور گاجر وغیرہ۔

۲...... یہ کہ پیداوار نصاب کو پہنچے، نصاب پانچ وسق ہے یعنی اناج کو صاف کرنے کے بعد اگر کل مقدار پانچ وسق کو پہنچے تو زکوٰۃ ہوگی، پھلوں میں یہ نصاب خشک کرنے کے بعد ہوگا، یہ ۷/ ۴۔۱۴۲۸ مصری رطل کے برابر ہے۔ یا ۵۰ کیلہ یا ۴ اروب، مصری ارب ۱۲۸ لٹر پانی کے برابر ہوتا ہے، یا ۹۶ کیپ۔ کے برابر ہوتا ہے۔

۳...... جس وقت زکوٰۃ واجب ہو اس وقت نصاب آزاد مسلمان کی ملکیت میں ہو، یہ وہ وقت ہے جب اناج کے دانے پختہ ہو جائیں اور پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہو جائے، وہ پیداوار جو خود بخود اگ جائے بشرطیکہ وہ ایسی پیداوار ہو جسے انسان اگاتے ہوں تو اس میں بھی زکوٰۃ ہوگی، جیسے کسی شخص سے بیج گر گیا اور اگ گیا، چونکہ بوقت وجود وہ اس کا مالک ہوگا، نیز کاشتکاری بالفعل شرط نہیں، اچکے جو جمع کر لیتے ہیں اس پر زکوٰۃ نہیں۔ یا جیسے پیداوار ہبہ کر دی گئی صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد، یا پیداوار خریدی، یا وہ اناج جسے کاٹنے والے جاتے ہیں اسی طرح کٹائی اور گاہی کی اجرت وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں جیسے صاف کرنے کی اجرت میں زکوٰۃ نہیں، اسی طرح صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد جو اناج یا پھل خریدے گئے ان پر بھی زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد پیداوار وراثت میں ملی، یا بدل خلع میں ملی، یا اجارہ میں ملی یا صلح کے عوض کے طور پر ملی تو اس میں بھی زکوٰۃ نہیں چونکہ وجوب کے وقت اس کی ملکیت نہیں ہوتی، ان پھلوں میں بھی زکوٰۃ نہیں جنہیں مباح زمین سے چن لیا ہو خواہ وہ چننے والے کی اپنی زمین میں اگے ہوں یا اس نے غیر آباد زمین سے چنے ہوں، چونکہ لیتے وقت وہ مالک نہیں تھا لہٰذا بوقت وجوب وہ اس کا مالک بھی نہیں تھا۔

تیسری چیز: وہ پیداوار جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے...... زمین سے نکلنے والی پیداوار کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں، ایک رائے میں عموم ہے اور دوسری رائے میں خصوص ہے۔ (1)

پہلی رائے: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... زمین سے نکلنے والی پیداوار خواہ جو بھی ہو قلیل ہو یا کثیر اس میں زکوٰۃ ہے، البتہ لکڑی، گھاس، نڑی اور بھوسہ میں عشر نہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس سے زمین کے غلے کا قصد نہ ہو اور ادھر ادھر اگ جائے اس پر بھی عشر نہیں۔ البتہ اگر زمین میں بانس اگائے، یا درخت لگائے یا گھاس اگائی اور اس زمین تک پانی سیرابی کے لئے لایا لوگوں کو اس میں آنے سے منع کیا تو اس میں عشر واجب ہوگا، زمین کی پیداوار پر عشر کے وجوب کے اطلاق سے حولان حول کی شرط معدوم ہو جاتی ہے۔ چونکہ عشر میں مؤنت (ٹیکس) کی علت ہے اور اسی لئے حکمران جبراً زکوٰۃ وصول کرے گا، ترکہ سے بھی لی جائے گی، قرض کے ہوتے ہوئی بھی عشر واجب ہوگا، بچے اور مجنون کی زمین سے بھی عشر لیا جائے گا اور موقوفہ زمین سے بھی لیا جائے گا۔

دلیل...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''زمین کی جو پیداوار بھی ہو اس میں عشر ہے۔'' (2) زمین کی پیداوار کے متعلق حدیث میں عموم ہے، حنفیہ کے نزدیک صحیح مذہب یہی ہے جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، سبھی نے امام صاحب کی دلیل کو راجح قرار دیا ہے۔

---

(1) ...... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدیر ۲/۲، اللباب ۱/۱۵۱، الشرح الکبیر ۱/۴۰۹، مغنی المحتاج ۱/۳۸۱ المہذب ۱/۱۵۶، المغنی ۲/۶۹۰، المجموع ۵/۴۳۲۔ (2) قال الذیلعی غریب بهذا اللفظ وبمعناه حديث ابن عمر، فيما سقت السماء والعيون العشر (نصب الراية ۲/۳۸۴)
امام صاحب کی دلیل آیت بھی ہے۔ ''مما اخرجنا لكم من الارض۔'' (البقرة ۲/۲۶۷)

دوسری رائے: صاحبین اور جمہور فقہاء کی رائے: زکوٰۃ اسی اناج اور پھلوں میں واجب ہوگی جو قوت بننے کے قابل ہوں، ذخیرہ ہو سکتے ہوں، حنابلہ کے نزدیک وہ اناج جو خشک ہو سکے، باقی رہے اور ناپا تولا جائے، سبزیوں اور پھلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہی راجح مذہب ہے۔

صاحبین.....حنفیہ میں سے صاحبین کہتے ہیں: عشر صرف اسی پیداوار میں واجب ہوگا جس کا ثمرہ باقی رہے اور اس کی مقدار پانچ وسق تک پہنچ جائے، صاحبین کے نزدیک سبزیوں (پھل، سیب، امرود، ککڑی وغیرہ) میں زکوٰۃ نہیں چونکہ ان کا ثمرہ باقی نہیں رہتا۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: بیس اقسام کی پیداوار میں زکوٰۃ (عشر) واجب ہے۔ ان میں اناج کی سترہ اقسام شامل ہیں۔ ان میں سات قطانی ہیں جیسے (چنا، لوبیا، مسور، ترمس (کڑوا قسم کا دانہ)، مٹر، پیاز، ماش) گندم سلت (جو کی ایک قسم جس میں چھلکا نہیں ہوتا)، علس (گیہوں کی ایک قسم) ذرہ، دخن، چاول، تیل کی پیداوار چار قسم کی ہیں۔ وہ یہ ہیں، زیتون، تل، حب عصفر، حب فجل احمر، جبکہ فجل ابیض میں زکوٰۃ نہیں چونکہ اس میں تیل نہیں ہوتا۔

پھلوں میں تین اقسام ہیں۔ کھجور، کشمش اور زیتون۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ زیتون میں عشر ہے۔

میوہ جات میں زکوٰۃ نہیں جیسے: انجیر اور سیب وغیرہ۔ کتان کے بیجوں اور شلغم میں بھی زکوٰۃ نہیں، اخروٹ اور بادام میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

شافعیہ.....شافعیہ کے ہاں یہ مقرر ہے کہ زکوٰۃ قوت (خوراک) کے ساتھ خاص ہے، پھلوں میں سے یہ اشیاء ہیں، کھجوریں، کشمش، اناج میں سے یہ ہیں: گندم، جو، مکئی، چاول، مسور، ماش اور دیگر خوردنی اشیاء جیسے چنا، لوبیا، ہرطمان (ایک قسم کے دانے جو گندم اور جو کے درمیان ہوتے ہیں) مٹر، گاؤدانہ، خشخاش اور تل، ان سبھی اشیاء میں زکوٰۃ ہے۔

ککڑی، خربوزہ، انار، برسیم میں زکوٰۃ نہیں، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشیاء سے زکوٰۃ معاف کی ہے، پھلوں میں زکوٰۃ نہیں جیسے شفتالو، انار، انجیر، بادام، اخروٹ، سیب خوبانی، جنگلی بیجوں پر زکوٰۃ نہیں جیسے حب حنظل، اسی طرح وحشی جانوروں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جیسے ہرن، مسجدوں پر وقف کی ہوئی زمین پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، جو زمین پلوں یا سرحدوں، فقیروں اور مسکینوں پر وقف کی ہو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، چونکہ موقوفہ زمین کا معین مالک نہیں ہوتا، زیتون، زعفران ورس، حب عصفر میں بھی زکوٰۃ ہے۔

شافعیہ کے جدید قول کے مطابق شہد پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

حنابلہ.....حنابلہ کے نزدیک ہر وہ قوت (خوراک) جس کا کیل کیا جاتا ہے اور اناج میں سے ذخیرہ کی جاتی ہو، جیسے گندم، جو، سلت (ایک اناج جس کا رنگ گندم جیسا اور کھانے میں جو جیسا ہوتا ہے) مکئی دالوں میں سے: لوبیا، چنا، مسور، ماش، ترمس (ایک دال جو لوبیے سے چھوٹی ہوتی ہے)، چاول، مٹر، حلبہ، خشخاش اور تل، علس (گندم کی ایک قسم جو چھلکے سمیت ذخیرہ کی جاتی ہے) ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔

سبزیوں کے سبھی بیجوں میں زکوٰۃ واجب ہے جیسے کاسنی، اجوائن، پیاز، روئی کے بیج پھولوں کے ہر طرح کے بیجوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، دھنیا، زیرہ، کالی مرچ، ستو تیز، حب قضب، بزر قطونہ، چارہ کے بیج بینگنوں کے بیج، خس اور جزر میں بھی زکوٰۃ واجب ہے

سبزہ جیسے رشاد کے بیج، حب فجل، قرطم (حب عصفر) یہ سب نباتات ہیں ان کے دانوں میں بھی زکوٰۃ ہوگی۔

ہر وہ پھل جس کا کیل کیا جاتا ہو اور ذخیرہ کیا جاتا ہو جیسے کھجوریں، کشمش، بادام، پستہ، سماق (ایک پھل جو کھٹا ہوتا ہے) میں زکوٰۃ واجب ہے۔

خلاصہ......زکوٰۃ اناج، دانوں، بیجوں اور ذخیرہ کئے جانے والے پھلوں میں واجب ہے۔

جیسا کہ کتاب الفروع میں لکھا ہے کہ ظاہر مذہب یہی ہے کہ انگور، انجیر، خوبانی، توت میں زکوٰۃ واجب ہے چونکہ یہ چیزیں کھجوروں کی طرح ذخیرہ کی جاتی ہیں، لیکن قابل اعتماد رائے یہ ہے کہ ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، چونکہ عادۃً ان اشیاء کو ذخیرہ نہیں کیا جاتا، پہاڑی پودینہ اشنان اور ان کے بیجوں میں زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح ہر قسم کے پتے جن کو کسی کام میں لایا جاتا ہے جیسے بیری کے پتے، خطمی کے پتے، آس کے پتے ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے چونکہ انہیں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔

البتہ روئی، کتان، زعفران، ورس، نیل، ہندی اخروٹ اور پھل جیسے شفتالو سیب، امرود، ناشپاتی، انار، کیلا وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، چونکہ یہ مکیلی (ناپی جانے والی اشیاء) نہیں ہیں اخروٹ میں بھی زکوٰۃ نہیں چونکہ عددی (گنتی کئے جانے والے) ہیں، گنے میں بھی زکوٰۃ نہیں۔

سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں جیسے خربوزہ، ککڑی، کھیرا، بینگن، شلغم، چقندر، کرم کلا، گوبھی، پیاز، تھوم، گندنا، گاجر، مولی وغیرہ۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ ''سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔''❶ اسی طرح کاسنی، اجوائن، جرجیر، رشاد اور دھنیا وغیرہ میں بھی زکوٰۃ نہیں۔

خوشبو اور پھولوں میں زکوٰۃ نہیں جیسے گلاب، بنفشہ کا پھول، نرگس، نیلوفر، خیری (پھلدار نباتات) چنبیلی، نر کھجور کا خوشہ، کھجور کی ٹہنیوں، چھال، اناج کی بھوسی، عام بھوسہ، لکڑیوں، گھاس توب کے پتے، جھاڑ، بڑی، جانوروں کا دودھ، اون، بال، ریشم، ریشم کا کپڑا ان سبھی چیزوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، چونکہ ان کی زکوٰۃ پر کوئی نص نہیں، اور نہ ہی منصوص علیہ کے معنی میں ہیں، لہٰذا اپنی اصل یعنی عفو کے درجہ میں ہوں گے۔

زیتون......خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے جدید قول کے مطابق زیتون میں زکوٰۃ نہیں اور یہی حنابلہ کے نزدیک قابل اعتماد ہے، البتہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ ہے، مالکیہ کے نزدیک اس کا نصاب پانچ وسق ہے۔❷

شہد پر زکوٰۃ......شہد پر زکوٰۃ کے متعلق دو طرح کی آراء ہیں۔

حنفیہ اور حنابلہ......کہتے ہیں، شہد میں عشر ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں، شہد میں اس وقت عشر واجب ہوگا جب اسے عشری زمین سے حاصل کیا گیا ہو، خواہ شہد تھوڑا ہو یا زیادہ، خراجی زمین میں شہد پر عشر نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں شہد کا نصاب دس افراق ہے افراق ''فرق'' کی جمع ہے، حنابلہ کے نزدیک ایک ''فرق''❸ سولہ (۱۶) رطل کا ہوتا ہے، گویا شہد کا نصاب ایک سو ساٹھ (۱۶۰) بغدادی رطل ہے، یا ۷/ ۲۔ ۳۴ دمشقی رطل، ۱۰۴ مصری رطل، حنفیہ کے نزدیک رطل ۱۳۰ درہم کا ہے جو کہ متوسط درہم ہو، یعنی ۲٫۹۷۵ گرام ایک درہم۔❹

دلیل......حنابلہ اور حنفیہ کی دلیل ابوسیارہ متعی کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس شہد کی مکھیاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عشر ادا کرنا۔❺

دوسری روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد سے عشر لیا ہے۔❻
عقیلی نے ضعفاء میں عبدالرزاق عن ابی ہریرہ کی طریق سے حدیث روایت کی ہے کہ ''شہد میں عشر ہے۔''❼

---

❶......عن عائشة معناه رواهما الدارقطني، وروای الاثرم عن موسیٰ بن طلحة وهو مرسل قوی (نيل الاوطار ۱۴۲/۲/۴) ❷ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الاموال ص ۵۰۴، المغنی ۶۹۴/۲ نيل المآب ۱۸۵/۱۔ ❸ فرق، چھوٹا مشکیزہ۔ ❹ دیکھئے البدائع ۶۱/۲ اللباب ۱۵۳/۱ المجموع ۴۳۴/۵۶ مغنی المحتاج ۳۸۲/۱، المغنی ۷۱۳/۲۔ ❺ رواه احمد وابن ماجه والبيهقى وهو منقطع (نيل الاوطار ۱۴۵/۴) ❻ رواه ابن ماجه وروى مسنداً ومرسلاً۔ ❼ قال الزيلعي لم اجده فی مصنف عبدالرزاق۔

مالکیہ اور شافعیہ.....شہد میں زکوٰۃ نہیں اس پر دو دلیلیں ہیں۔

اول.....جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ شہد کے عشر کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بڑی چیز جو صحیح ہو مروی نہیں نیز ابن منذر کہتے ہیں شہد میں عشر کے وجوب پر نہ کوئی حدیث ثابت ہے اور نہ ہی اجماع ہے۔

دوم.....چونکہ شہد مائع شے ہے جو ایک حیوان سے نکلتا ہے لہٰذا دودھ کے مشابہ ہے، بالا جماع دودھ پر زکوٰۃ نہیں۔

البتہ ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ شہد نکالنے والوں کو شہد کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا جائے گا، اور اس کی ترغیب دی جائے گی، انہیں زکوٰۃ سے روکنا مکروہ ہے، اس کے چھپانے میں گناہ کا خوف ہے، علاوہ ازیں کہ زکوٰۃ فی الواقع ان پر واجب ہو۔

چوتھی چیز.....نصاب جس سے اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ دی جائے

امام ابوحنیفہ.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصاب وجوب عشر کے لیے شرط نہیں ہے، پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر، اس میں عشر واجب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ میں عموم ہے۔ ❶

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ......البقرۃ ۲/ ۲۶۷

اے ایمان والو تم اپنی کمائی سے اور جو ہم تمہارے لئے زمین میں پیداوار نکالیں اس کی اچھی چیزیں خرچ کرو۔

دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ......الانعام ۶/ ۱۴۱

کٹائی کے دن اس کا حق دو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”جس پیداوار کو آسمان سیراب کرے اس میں عشر ہے، اور جس پیداوار کو ڈول سے یا رہٹ سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ ❷ ان دلائل میں قلیل وکثیر پیداوار میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب زمین کا پیداواری اعتبار سے نامی (بڑھوتری) ہونا ہے، اس سبب کے پائے جانے میں قلیل وکثیر میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

زمین کی ہر ایسی پیداوار جس میں عشر واجب ہو اس میں مزدوروں، کھیتی کا خرچہ اور کھیتی کے آلات وغیرہ کے خرچہ کا زکوٰۃ میں حساب نہیں لگایا جائے گا۔ ❸ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخراجات کا اعتبار کر کے پھر عشر کا حکم مختلف مختلف دیا ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارانی زمین میں عشر کا حکم دیا اور جو زمین ڈول سے پانی نکال کر سیراب کی جائے اس پر نصف عشر کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح وہ اخراجات جو کاشتکار کے ذمہ ہوتے ہیں تو اس طرح کے اخراجات پیداوار سے منہا کیے بغیر زکوٰۃ دی جائے گی۔

صاحبین اور جمہور فقہاء.....صاحبین اور جمہور فقہاء کے نزدیک عشر کا نصاب شرط ہے، چنانچہ اناج اور پھلوں کے مقدار جب تک پانچ وسق تک نہ پہنچے تو ان کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ (۵ وسق ۶۵۳ کلوگرام کے برابر ہے یا ۵۰ مصری کیلہ کے برابر ہے) چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔“ ایک وسق ۶۰ (ساٹھ) صاع کے برابر ہے، یہ حدیث عشری زکوٰۃ کے ساتھ خاص

---

❶......دیکھئے البدائع ۲/ ۵۹ فتح القدير ۲/ ۲۔ ❷ رواہ ابو مطيع البلخى عن ابان بن عياش عن رجل عن النبى صلى الله عليه وسلم لكن اسناده لا يساوى شيئاً (نصب الراية ۲/ ۳۸۵) واخرج البخارى عن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما سقت السماء والعيون وكان عشريا العشر۔ الحديث۔ ❸ یعنی یہ اخراجات زکوٰۃ میں منہا نہیں ہوں گے کہ ان اخراجات کو نکال کر باقی پیداوار اس پر زکوٰۃ دے بلکہ یہ اخراجات بقیہ کل پیداوار سے عشر دیا جائے گا۔

ہے، لہٰذا اس کی تقدیم واجب ہے، نیز یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کے لئے مخصوص بھی ہے۔

جس طرح کہ ایک ہی حدیث کے شروع میں ہے۔ ''چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ ہے۔'' اور اسی حدیث کے خاتمہ میں ہے۔ ''پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔'' اسی طرح ایک حدیث میں ہے ''چاندی میں صدقہ ہے۔'' جبکہ دوسری حدیث میں ہے۔ ''پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔''

نیز چونکہ پیداوار بھی ایک طرح کا مال ہے اور تھوڑی پیداوار میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی جس طرح باقی اموال کی تھوڑی مقدار میں زکوٰۃ واجب نہیں، یہی رائے میرے نزدیک صحت حدیث کی وجہ سے راجح ہے۔

عشر میں سال کا اعتبار نہیں کیا گیا چونکہ پیداوار کی کٹائی سے اس کی نماء مکمل ہو جاتی ہے، اناج باقی رکھنے سے نماء مکمل نہیں ہوتی، بقیہ اموال زکوٰۃ کے لئے حولان حول کی شرط تکمیل نماء کے لئے لگائی جاتی ہے، یہاں نصاب مکیلی ہے چنانچہ وسق ایک مکیل اور پیمانہ ہے۔ جس طرح صاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اہل مدینہ کا پیمانہ تھا، صاع کی مقدار چار مد کے برابر ہے یا ایک صاع پانچ رطل اور ثلث رطل کے برابر ہے، اور ایک رطل ۶۷۵ گرام کے برابر ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر چھوہارے اور کشمش ہو تو ان کے لئے بھی نصاب شرط ہوگا، چونکہ مسلم کی حدیث ہے کہ ''اناج اور چھوہاروں میں صدقہ نہیں یہاں تک کہ پانچ وسق تک نہ پہنچ جائیں۔''

اور اگر کھجوروں اور انگور سے چھوہارے اور کشمش نہیں بنائی یا ان کے سوکھنے میں وقت زیادہ لگا مثلاً سال گزر گیا تو اس صورت میں تر کھجوروں اور انگور کے نصاب کا اعتبار کر لیا جائے گا۔

لہٰذا تازہ کھجوریں اور انگور ہی کا وسق سے حساب لگایا جائے گا، چونکہ یہی ان کی تکمیل کا وقت ہے، لہٰذا اسی تازہ حالت سے خشک حال کو مکمل کیا جائے گا اور دونوں (کھجوروں اور انگور) سے فی الحال زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

اناج سے بھوسہ وغیرہ صاف کر کے پانچ وسق کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا چونکہ اناج کو بھوسہ کے ساتھ ذخیرہ نہیں کیا جاتا۔

اگر اناج ایسا ہو جسے چھلکے سمیت ذخیرہ کیا جائے جیسے چاول (دھان) اور مسور تو اس کا نصاب دس وسق ہوگا، چونکہ چھلکے کو اگر الگ کیا جائے تو پیداوار نصف رہ جاتی ہے۔

نصاب پورا کرنے کے لئے ایک پھل کو دوسرے پھل سے نہیں ملایا جائے گا، اسی طرح ایک قسم کے اناج کو دوسری قسم کے اناج کے ساتھ نصاب مکمل کرنے کے لئے نہیں ملایا جائے گا۔ اگرچہ موسم کے بدلنے یا علاقہ کے مختلف ہونے سے اناج کے تیار ہونے میں تاخیر ہو۔ ❶ اسی طرح ایک سال کے اناج کو تکمیل نصاب کے دوسرے سال کے اناج کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں معتبر یہ ہے کہ اناج بھوسہ وغیرہ سے صاف کیا ہو اور کھجوروں اور انگور کو خشک کیا ہو، اگر تر کھجوریں اور تازہ انگور فروخت کر دیئے تو ان کی قیمت میں نصف عشر واجب ہوگا، اسی طرح تھوم، چنا جو خشک نہ کیا ہو فروخت کر دیا تو ان کی قیمت میں بھی نصف عشر (۵٪) ہوگا۔

نصاب شرعی میں چاول مسور اور جو کے چھلکے کا حساب کیا جائے گا، مثلاً چاول جو چھلکے سے صاف کیا ہو وہ چار وسق ہو اور اگر چھلکے کے ساتھ پانچ وسق ہو تو زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

جمہور نے حنفیہ کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ کٹائی اور گاہی وغیرہ کے اخراجات کی وجہ سے نصاب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

---

❶ ......مثلاً کشمیر میں چاول تاخیر سے تیار ہوتا ہے جبکہ سندھ میں چاول جلد تیار ہو جاتا ہے اب اگر ایک آدمی کی زمین کشمیر میں بھی ہو اور سندھ میں بھی ہو تو وہ دونوں جگہوں کی پیداوار کو نہیں ملائے گا۔

پانچویں چیز.....عشر کی مقدار کا بیان

فقہائے کرام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ عشر (دسواں حصہ) اس پیداوار میں واجب ہے جس کی سیرابی میں مشقت نہ اٹھائی گئی ہو جیسے بارانی زمین کی پیداوار، یا وہ زمین جسے کسی قریب کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو۔

نصف عشر (بیسواں حصہ) اس زمین کی پیداوار میں واجب ہے جس کی سیرابی میں مشقت ہو (یا روپے دینے پڑیں) جیسے کنویں سے ڈولوں کے ساتھ پانی نکال کر سیراب کی گئی زمین یا رہٹ وغیرہ سے سیراب کی گئی زمین۔

دلیل.....فقہاء کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جو پہلے گذر چکی ہے۔ ''کہ وہ زمین (پیداوار) جو آسمان اور چشموں کے پانی سے سیراب کی جاتی۔ سیلاب (ندی نالے وغیرہ) کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو اس میں عشر ہے، اور جو زمین رہٹ سے سیراب کی جاتی ہو اس میں نصف عشر ہے۔''

پوری امت کا اس مقدار پر اجماع ہے۔

زمین کی مختلف سیرابی.....اگر ایسی زمین ہو جسے نصف سال مشقت سے سیراب کیا جاتا ہو اور نصف سال بغیر مشقت کے (مثلاً بارش سے) تو اس میں دسویں حصے کا تین چوتھائی دینا ہوگا (یعنی ۷۵ء۰ فیصد) تاکہ دونوں طرح کی سیرابیوں کا لحاظ رکھا جائے۔

اگر ایک طرح کی سیرابی سال کے اکثر حصہ ہوتی ہو (مثلاً ۹ ماہ بارش سے سیراب ہو) تو اکثر کا اعتبار ہوگا یعنی عشر (دسواں حصہ زکوٰۃ) واجب ہوا چونکہ اکثریت کی رعایت واجب ہے اور اقل کا اعتبار ساقط ہوگا۔

بارانی زمین اور سیرابی زمین میں فرق کا سبب واضح ہے یعنی سیرابی زمین میں مشقت زیادہ ہے جبکہ بارانی زمین میں مشقت نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جانوروں میں یعنی جن جانوروں کو گھر پر باندھ کر چارا دیا جاتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں جبکہ چرنے والے جانوروں پر زکوٰۃ ہے۔

پیداوار کی زکوٰۃ کے نصاب میں عفو نہیں (جس طرح بقیہ اموال کے نصاب میں ہوتا ہے)، اگر نصاب (یعنی پانچ وسق) سے زیادہ ہو جائے تو اسی حساب سے زکوٰۃ دی جائے گی ❶ یعنی عشر یا نصف عشر دیا جائے گا۔

مقدار واجب کی صفت.....حنفیہ کے نزدیک عشر میں پیداوار ہی کا حصہ دیا جائے یا اس کی قیمت دے دی جائے ❷ جبکہ جمہور کے نزدیک بعینہ اس پیداوار کا حصہ دیا جائے گا قیمت جائز نہیں۔

کیا اناج پر ہونے والے اخراجات منہا کئے جائیں گے.....کاشتکار حسب عادت کاشتکاری پر اخراجات کرتا ہے مثلاً بیج کی قیمت، ہل چلانے کی مزدوری، سیرابی کا کرایہ کٹائی کی مزدوری اور صاف کرنے کی مزدوری وغیرہ۔

چنانچہ ندوۃ البرکۃ المنعقدہ جدہ کے فتویٰ نمبر ۱۵ میں ہے۔

اس مسئلہ میں تین طرح کی آراء سامنے آئی ہیں۔

۱.....سبھی قسم کے اخراجات منہا کئے جائیں۔

۲.....کسی قسم کا کوئی خرچہ منہا نہ کیا جائے۔

---

❶.....مثلاً پانچ وسق جو کہ ۶۵۳ کلوگرام کے برابر ہے اس میں عشر تقریباً ۲/۱-۶۵ کلوگرام دینا واجب ہے اور پیداوار اس سے زائد ہو اس کا بھی دسواں حصہ دیا جائے گا۔ ❷ مثلاً ایک سو من غلہ سے ہے ۱۰ من غلہ ہی زکوٰۃ میں دے دے یا دس من غلہ کی قیمت دے۔

۳.....محصول کا ایک تہائی ساقط کر دیا جائے۔
پھر باقی اناج سے زکوٰۃ دی جائے۔
مجلس کے حاضرین نے تیسری رائے کو اختیار کیا جو کہ متوسط قسم کی ہے اس کے بعد اگر بارانی زمین ہے تو دسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا اور اگر آلات سے سیراب کی جاتی ہو تو نصف عشر دیا جائے۔
یہ تفصیل شرح ترمذی میں ابن عربی کے کلام سے مستفاد ہوتی ہے، چونکہ حدیث ہے کہ ''ایک تہائی یا ایک چوتھائی کو چھوڑ دو۔''
البتہ وہ رائے جس پر سبھی مسلمانوں کا عمل ہے اور مذاہب اربعہ میں مقرر ہے جسے ابن حزم نے محلی ۵/ ۲۵۸ میں ذکر کیا ہے، نیز فقہاء نے بھی اسی کی تصریح کی ہے کہ اخراجات کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں کی جائے گی چونکہ زکوٰۃ عین پیداوار سے متعلق ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

و آتوا حقه یوم حصاده کٹائی کے دن اس کا حق دو۔

میں اسی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔

چھٹی چیز.....عشر واجب ہونے کا وقت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کا وقت اناج کے نکلنے کا وقت ہے اور پھلوں کے ظہور کا وقت ہے۔ ❶ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ......البقرۃ ۲/ ۲۶۷

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ زمین سے جو نکلے اسے خرچ کرو، لہٰذا آیت دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب پیداوار کے نکلنے کے ساتھ متعلق ہے، وجوب کے بعد مالک نے پیداوار جان بوجھ کر ہلاک کر دی تو عشر کا ضامن ہوگا۔
جبکہ وجوب سے پہلے ضامن نہیں ہوگا، اگر پیداوار خود بخود ہلاک ہوئی تو عشر نہیں ہوگا۔ ❷

مالکیہ..... کے نزدیک وجوب عشر کا وقت پھلوں کی صورت میں پھلوں میں عمدگی آجانے کا وقت ہے (یعنی کھجوروں میں زردی آجائے اور انگوروں میں مٹھاس پیدا ہو جائے تو یہی عشر کے وجوب کا وقت ہے)
جبکہ اناج کی صورت میں دانوں میں عمدگی پیدا ہونے کا وقت ہے جس وقت کہ دانے کھانے کے قابل ہو جائیں اور فصل کو سیرابی کی ضرورت نہ رہے، گویا وجوب کا وقت پیداوار کے خشک ہونے اور صاف ہونے کے وقت سے نہیں ہوگا۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ..... کے نزدیک پھلوں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب پھل میں بدو صلاح ہو جائے یعنی پھل میں کھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے چونکہ اسی وقت پھل کامل ہوتا ہے اس سے پہلے پھل کچا اور نا قابل استعمال ہوتا ہے۔
جبکہ اناج میں عشر اس وقت واجب ہوگا جب دانوں میں سختی آجائے چونکہ اسی وقت اناج کا شمار طعام میں ہوتا ہے جبکہ قبل ازیں فصل سبزہ ہے۔
مذکورہ بالا تفصیل میں وجوب زکوٰۃ سے یہ مراد نہیں کہ فی الحال زکوٰۃ دینا واجب ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کا سبب منعقد ہو چکا ہے۔

---

❶ یعنی اناج جس وقت بالیوں سے نکل آیا ظاہر ہو گیا اس وقت عشر واجب ہو جاتا ہے اور پھل کا جب ظہور ہوا عشر واجب ہو جاتا ہے اگر چہ ادائیگی بعد میں کرنی ہوتی ہے لیکن واجب پہلے ہو جاتا ہے۔ ❷ دیکھئے البدائع ۲/ ۶۳۔ ❸ دیکھئے القوانین الفقهیه ص ۱۰۶ الشرح الکبیر ۱/ ۴۵۱۔

تیسری رائے کہ مطابق اگر مالک نے وجوب کے بعد پیداوار تباہ کردی تو عشر کا ضامن ہوگا اگر وجوب سے قبل تباہ کی تو عشر واجب نہیں ہوگا، اگر عشر دینے سے فرار اختیار کیا تو ضامن ہوگا۔

اگر پھل توڑے اور ٹھنڈی جگہ محفوظ کر لئے یا غلہ تھیلوں میں بھر لیا تو وجوب بدستور ثابت رہے گا، اگر اس کے بعد غلہ تباہ کر دیا تو ضامن ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے سال پورا ہونے پر مویشیوں کو ہلاک کر دے یا نقدی مال ضائع کر دے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، اگر پھل صلاحیت کے پیدا ہونے سے پہلے تباہ ہوا یا اناج میں پختگی آنے سے پہلے تباہ ہوگیا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، وقت وجوب کے اندازہ سے پہلے اناج میں مالک کا تصرف یعنی بیع اور ہبہ جائز ہے، اگر بدو صلاح سے پہلے فروخت کیا یا ہبہ کیا تو بائع اور واہب پر صدقہ ہوگا۔ یہ حنابلہ اور مالکیہ کا قول ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں جب کھیتی تیار ہونے سے پہلے فروخت کردی تو زکوٰۃ مشتری پر واجب ہوگی، شافعیہ کہتے ہیں بوقت وجوب مالک پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ساتویں چیز......وہ اناج جسے ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے

اناج اور پھلوں کے علاوہ اشیاء میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ تکمیل نصاب کے لئے ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، چنانچہ مویشیوں کی اجناس تین قسم پر ہیں۔ اونٹ، گائے اور بکریاں، ان میں سے ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، پھلوں میں بھی ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، چنانچہ کھجوروں کو کشمش کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، اسی طرح بادام اور پستہ وغیرہ کو بھی دوسری جنس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، پھلوں کو چرنے والے مویشیوں کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا اور نہ ہی اناج اور پھلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انواع اجناس کو تکمیل نصاب کے لئے ایک دوسری کے ساتھ ملالیا جائے گا، اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ تجارتی سامان نقود کے ساتھ ملایا جائے گا اور نقدی مال سامان تجارت کے ساتھ ملایا جائے گا، البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صرف اسی جنس کے ساتھ ملانے کے قائل ہیں جس سے سامان تجارت خریدا ہو۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور میں اختلاف نہیں کہ گندم مسور کے ساتھ ملائی جائے گی چونکہ مسور بھی ایک اسی جنس کی نوع ہے، اسی طرح بغیر چھلکے والا جو چھلکے والے جو کے ساتھ ملایا جائے گا۔

علماء میں یہ اختلاف ہے کہ اناج کی ایک قسم دوسری قسم کے ساتھ ملائی جائے گی اور نقدین کی ایک قسم دوسری قسم کے ساتھ ملائی جائے گی۔

حنفیہ اور شافعیہ......حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، نصاب کا ہر جنس میں الگ الگ اعتبار کیا جائے گا، چونکہ اناج کی مختلف اجناس ہیں ہر جنس کا الگ الگ اعتبار ہوگا، جیسے پھلوں اور مویشیوں میں ہوتا ہے، البتہ ملاحظہ رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ زمین سے نکلنے والی ہر پیداوار میں ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، ان کے نزدیک نصاب کی شرط نہیں، لہٰذا ان کے نزدیک ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملانے کی مشکل ہے ہی نہیں۔

مالکیہ......مالکیہ اور حنابلہ میں سے قاضی حنبلی کہتے ہیں: گندم جو کے ساتھ ملائی جائے گی، اور دالیں ایک دوسری کے ساتھ ملائی جائیں گی، چونکہ یہ سب از قسم قوت (خوراک) ہیں، لہٰذا دالیں ایک دوسری کے ساتھ ملائی جائیں گی جیسے گندم کی مختلف اقسام ایک دوسری کے ساتھ ملائی جاتی ہیں۔

آراء کی تفصیل

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں سات قسم کی دالیں ایک دوسرے سے ملائی جائیں گی یعنی چنا، لوبیا، ماش، مسور، ترمس (ایک قسم کی دال) مٹر اور ترشا، یہ ایک دوسری کے ساتھ ملالی جائیں گی، چونکہ یہ زکوٰۃ میں ایک ہی جنس ہیں، جب ان میں سے دو اقسام یا سبھی اقسام جمع ہو جائیں تو سبھی کو جمع کر کے زکوٰۃ دے دی جائے گی، ہر قسم سے وہی نکالے جو اس کے قائم مقام ہو، چنانچہ گندم، جو، بغیر چھلکے والے جو ایک قسم میں شمار ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ ملالئے جائیں گے۔

ادنیٰ قسم کے بجائے اعلیٰ قسم زکوٰۃ میں دے دی تو کافی ہوگی جبکہ اس کا الٹ کافی نہیں ہوگا، جیسے گیہوں، بغیر چھلکے کے جو، چھلکے والا جو چونکہ یہ تینوں ایک ہی جنس ہیں، ان میں سے کچھ بھی علس (لمبے دانے والا ایک اناج ہے جو گندم کے مشابہ ہوتا ہے اور یمن میں پایا جاتا ہے) کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، چونکہ علس منفرد جنس ہے، اسی طرح علس میں سے مکئی کے ساتھ کچھ نہیں ملایا جائے گا اور نہ چاول کے ساتھ، چونکہ ان میں سے ہر ایک منفرد جنس ہے، بلکہ ہر ایک کا الگ جنس کا اعتبار ہوگا۔

وہ اناج جس سے تیل نکالا جاتا ہے وہ چار قسم کے ہیں، زیتون، تل، مولی کے دانے اور حب عصفر، یہ بھی مختلف اجناس ہیں انہیں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

ایک ہی جنس کی مختلف انواع کو ایک دوسری کے ساتھ ملالیا جائے گا، چنانچہ کشمش کی جملہ اقسام جنس واحد ہیں جبکہ کشمش کو دوسری کسی اور جنس کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے نہیں ملایا جائے گا، چھوہاروں کی جملہ اقسام جنس واحد ہیں، گندم کی جملہ اقسام خواہ گندم ردی ہو یا عمدہ ایک ہی جنس ہیں۔

شافعیہ...... شافعیہ کہتے ہیں ایک جنس کا نصاب دوسری جنس سے مکمل نہیں کیا جائے گا، البتہ ایک نوع کو دوسری نوع کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے ضم کرلیا جائے گا، دو انواع سے ان کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے گی، چونکہ ایسا کرنے میں کوئی مشقت نہیں بخلاف مویشیوں کے، صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا ایک ہی نوع زکوٰۃ میں دے گا، ایسا نہیں ہوگا کہ کچھ ایک نوع سے لے لیا اور کچھ دوسری نوع سے، چونکہ اس میں مشقت ہے، چنانچہ اگر کثرت انواع کی وجہ سے ایک جز کی زکوٰۃ کا نکالنا دشوار ہوا اور اس کی پیداوار بھی قلیل ہو تو متوسط نوع کو زکوٰۃ میں دے، نہ اعلیٰ قسم نکالے نہ ادنیٰ قسم، بلکہ متوسط قسم کی نکال دے۔

چونکہ اس میں جانب اعلیٰ اور جانب ادنیٰ کی رعایت ہے۔

علس (گیہوں کی ایک قسم) کو گندم کے ساتھ ملایا جائے گا، چونکہ علس گندم کی ایک نوع ہے، اور علس اہل یمن کی خوراک ہے، جبکہ سلت (چھلکے کے بغیر جو) مستقل ایک جنس ہے، لہذا اسے دوسری جنس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا جیسے جو کسی دوسری جنس سے نہیں ملائے جائیں گے۔

پھل...... ایک سال کے پھل دوسرے سال کے پھلوں کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے نہیں ملائے جائیں گے۔ البتہ ایک سال کا پھل دوسرے پھل کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے اگرچہ ان میں صلاحیت پیدا ہونے کا وقت مختلف ہو، چونکہ پھلوں کی انواع مختلف ہیں موسم کی حرارت اور جگہ کے اعتبار سے ان کی صلاحیت کا وقت مختلف ہوتا ہے، ظاہر قول یہ ہے کہ پھلوں کی توڑائی کا ایک سال میں اعتبار ہوگا۔

ابن قدامہ...... حنابلہ میں سے ابن قدامہ کہتے ہیں: قاضی ابویعلیٰ کے نزدیک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تین روایتوں میں سے صحیح یہ ہے کہ گندم جو کے ساتھ ملائی جائے گی، دالیں ایک دوسری کے ساتھ ملائی جائیں گی، اسی طرح سونا چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا، اناج کی

ایک جنس کی مختلف انواع کوملایا جائے گا، ایک سال کے پھلوں کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائے گا، جیسے مویشیوں اور نقدین میں ہوتا ہے۔

سلت (بغیر چھلکے کے جو) جو کی ایک نوع ہے لہٰذا جو کے ساتھ اسے ملایا جائے گا، علس بھی گندم کی ایک نوع ہے، لہٰذا علس گندم کے ساتھ ملائی جائے گی۔

ایک سال کا اناج اور ایک سال کے پھل ایک دوسرے سے ملائے جائیں گے تا کہ نصاب مکمل ہو جائے، برابر ہے کہ کاشت کا وقت اور قابلیت کا وقت ایک ہو یا الگ الگ۔

مبھوتی......مبھوتی نے کشاف القناع میں ذکر کیا ہے کہ اناج کی ایک جنس کی مختلف انواع اور پھل کی مختلف انواع جو ایک سال کے ہوں ایک دوسرے کے ساتھ ملائے جائیں گے، ایک بڑی جنس کو دوسری کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، جیسے گندم اور مکئی۔ چونکہ یہ مختلف اجناس ہیں ایک دوسری کے ساتھ نہیں ملائی جائیں گی، جیسے پھلوں کی مختلف اجناس اور جانوروں کی مختلف اجناس کو نہیں ملایا جاتا، لہٰذا علس کو گندم کے ساتھ ملانے پر قیاس نہیں کیا جائے گا چونکہ علس گندم کی ایک قسم ہے، نقود (سونا چاندی) کو ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا اور نہ ہی نقود کو اناج پھل اور جانوروں کے ساتھ ملایا جائے گا، چونکہ یہ مختلف اجناس ہیں، اسی طرح نقود کو تجارتی سامان کے ساتھ بھی نہیں ملایا جائے گا، البتہ نقود کو سامان تجارت کی قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا، یہی مذہب حنابلہ کے نزدیک قابل اعتماد ہے، یوں اس طرح حنابلہ کی رائے دوسرے مذاہب کے ساتھ اس صورت میں متفق ہو جاتی ہے۔

خلاصہ...... مالکیہ اور حنابلہ میں سے قاضی ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گندم جو کے ساتھ ملائی جائے گی، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے معتمد قول کے مطابق گندم اور جو ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملائے جائیں گے، دالیں مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایک دوسرے کے ساتھ ملائی جائیں گی، جبکہ شافعیہ کے نزدیک نہیں ملائی جائیں گی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت بھی یہی ہے۔

آٹھویں چیز......وقف کے پھلوں کی زکوٰۃ

موقوف پھلوں کی زکوٰۃ کے متعلق فقہاء کی دو طرح کی آراء ہیں۔ اس کا دارومدار زمین کی ملکیت اور عدم ملکیت پر ہے، ایک رائے کے مطابق موقوفہ زمین کی زکوٰۃ ہے اور دوسری رائے کے مطابق موقوفہ زمین میں زکوٰۃ نہیں۔ ❶

حنفیہ......حنفیہ کہتے ہیں زمین کی پیداوار کی ملک کا ہونا شرط ہے، چنانچہ وہ زمین جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان میں عشر واجب ہے اور یہ موقوفہ زمینیں ہیں، چونکہ فرمان باری تعالیٰ میں عموم ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ......البقرۃ ۲/۲۶۷

اے ایمان والو! اپنی کمائی اور جو ہم تمہارے لئے زمین سے پیداوار نکالتے ہیں ان کی اچھی چیزوں کو خرچ کرو۔

دوسری جگہ فرمان ہوا:

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ......الانعام ۶/۱۴۱

کٹائی کے دن اس کا حق دو۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”جس پیداوار کو آسمان سیراب کرتا ہو اس میں عشر ہے اور جو پیداوار (زمین) ڈول اور رہٹ

❶ دیکھئے البدائع ۲/۵۶، الشرح الکبیر ۱/۴۸۵، مغنی المحتاج ۱/۳۸۲، کشاف القناع ۲/۲۴۲۔

سے سیراب کی جاتی ہو اس میں نصف عشر ہے۔"

عقلی دلیل یہ ہے کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے، بعینہ زمین میں واجب نہیں، گویا زمین کی ملکیت اور عدم ملکیت ایک معنی میں ہیں۔

مالکیہ......مالکیہ کی رائے حنفیہ جیسی۔ہے، چنانچہ مالکیہ کے نزدیک واقف (وقف کرنے والا) اور متولی پر واجب ہے کہ وہ قرض کے لئے وقف کیے ہوئے سونا چاندی کی زکوۃ دے، بشرطیکہ اس پر سال گزرجائے سال کا حساب بوقت ملک ہوگا یا جب مال وقف نہیں کیا تھا اس وقت نصاب پورا تھا، جس وقت وقف کیا اس وقت ہر سال کی زکوۃ واجب ہوگی، جیسا کہ وقف کی نباتات کی زکوۃ دی جاتی ہے جو کہ مملوک زمین میں یا اجرت پر لی ہوئی زمین میں اگائی جاتی ہوں، چوپایوں میں جو جانور وقف کیا ہو اس کی زکوۃ دی جائے صورت یہ ہے کہ اس کا دودھ، اون وقف کیا جائے یا سواری کے لئے دیا جائے اس کی نسل اس کے تابع ہوگی، مساجد اور فقراء خواہ معین ہوں یا غیر معین پر وقف کی ہوئی زمین پر بھی زکوۃ ہے بشرطیکہ اگر مالک متولی ہو، اگر موقوفہ زمین کے متولی وہ لوگ ہوں جن پر زمین وقف کی گئی ہے (یعنی موقوف علیہم) اور وہی اس کی دیکھ بھال اور اس کا انتظام چلاتے ہوں تو اگر پیداوار تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک حصہ دار کے پاس پورا نصاب ہو تو زکوۃ انہی پر ہوگی۔ اگر نصاب پورا ہر ایک کے حصہ میں نہ آیا تو زکوۃ نہیں ہوگی، اور اگر حصہ دار کے پاس اپنا غیر موقوفہ اناج اتنا ہو جسے موقوفہ کے ساتھ ملانے سے نصاب پورا ہو جائے تو زکوۃ واجب ہوگی۔

شافعیہ......شافعیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق باغات اور غلہ جات جو مساجد، پلوں فقراء کے لئے بنائی ہوئی عمارات فقراء اور مساکین پر موقوف کیے ہوں ان پر زکوۃ نہیں ہے جبکہ ان موقوفات کا کوئی معین مالک نہ ہو۔

حنابلہ......حنابلہ نے موقوفہ زمین کے عشر میں فرق کیا ہے حنابلہ کہتے ہیں اگر زمین، چرنے والے جانور، غلہ اور درخت کسی معین شخص پر موقوف ہوں تو زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ حصہ داروں میں سے ہر شخص کا حصہ پورے نصاب تک پہنچتا ہو۔ اور اگر یہ چیزیں کسی غیر معین پر موقوف ہوں تو اس صورت میں زکوۃ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر مساجد پر موقوف ہوں تو بھی زکوۃ نہیں ہوگی۔

نویں چیز......اجرت پر لی ہوئی زمین کی زکوۃ

اجرت پر دی ہوئی زمین کی زکوۃ کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے اور دو آراء سامنے آئی ہیں آیا کہ زکوۃ موجر (اجرت پر دینے والا) پر ہوگی یا مستاجر (اجرت پر لینے والا) پر ہوگی۔ [1]

امام ابوحنیفہ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اجرت پر دی ہوئی زمین کی زکوۃ موجر پر ہے، چونکہ زکوۃ اسی کے اخراجات میں سے ہے، یہ زکوۃ خراج مؤظف کی طرح ہے، نیز اس لئے بھی کہ زمین کی پیداوار کا بدل یعنی اجرت موجر لیتا ہے لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ خود زمین میں کاشت کاری کرے، نیز زمین وجوب زکوۃ میں اصل کا درجہ رکھتی ہے۔

صاحبین......صاحبین کہتے ہیں اجرت پر دی ہوئی زمین کی زکوۃ مستاجر پر ہوگی، چونکہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے اور پیداوار مستاجر کی ملکیت ہے، لہٰذا عشر بھی مستاجر پر ہوگا۔

البتہ فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے اور یہی معمول بہ ہے، چونکہ امام صاحب کا قول ظاہر الروایۃ ہے اگر مستاجر پر زکوۃ

[1]......مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۵۶/۲ اللباب ۱۵۴/۱ المهذب ۱۵۷/۱، المغنی ۷۲۸/۲ فتح القدیر ۸/۲، بدایۃ المجتہد ۲۳۹/۱۔

واجب کرنے میں فقراء کا زیادہ نفع ہوتو مستاجر پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی، متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ ❶

جمہور......جمہور کہتے ہیں جب کسی انسان نے زمین اجرت پر لی اس میں باغات لگائے یا فصل اگائی اور اس میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہوتو عشر مستاجر (اجرت پر لینے والے) پر واجب ہوگا، اور اگر عاریۃً زمین لی ہے تو مستعیر (عاریۃً لینے والی) پر عشر ہوگا۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ......الانعام ۶/ ۱۴۱

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ "جس زمین (پیداوار) کو آسمان سیراب کرے اس میں عشر ہے۔ الحدیث

عقلی اعتبار سے مالک (موجر) پر عشر واجب کرنے میں غمخواری کی خلاف ورزی ہے، عشر تو اناج کا حق ہے، چونکہ اگر مستاجر کاشتکاری نہ کرتا عشر واجب نہ ہوتا۔

دسویں چیز......خراجی زمین کی زکوٰۃ

زمین کی دو قسمیں ہیں۔ عشری اور خراجی۔

عشری زمین...... یہ وہ زمین ہے جس میں عشر واجب ہوتا ہے اور عشر میں عبادت کا معنی ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

الف......سرزمین عرب کی حدود مقام عذیب (کوفہ کی ایک بستی) سے اقصائے یمن اور عدن تک ہیں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے سرزمین عرب سے خراج وصول نہیں کیا، لہٰذا سرزمین عرب عشری ہے۔

ب......وہ زمین جس کے باسی خوشی سے اسلام قبول کرلیں وہ عشری ہے چونکہ ایسی زمین اسلامی ہوتی ہے لہٰذا اس زمین کے وظیفہ میں عبادت کا معنی ہوگا۔

ج......وہ زمین جو عنوۃً اور جبراً فتح کی گئی ہو اور پھر مسلمان غازیوں میں تقسیم کردی گئی ہو وہ بھی عشری ہے اس کی وجہ بھی وہی ہے جو "ب" کے تحت بیان ہوا۔

د......مسلمان جب اپنے گھر کو باغ بنالے اور اسے عشری پانی سے سیراب کرے تو وہ بھی عشری زمین ہوئی اگر اسے خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو وہ خراجی زمین ہوگی۔

غیر آباد زمین......اور وہ زمین جسے کوئی مسلمان امام کی اجازت سے (امام ابوحنیفہ اور مالکیہ کے نزدیک) آباد کرلے تو ایسی زمین کے متعلق امام ابویوسف کہتے ہیں: اگر یہ زمین عشری زمین کی حدود سے ملتی ہوتو عشری ہوگی اور اگر خراجی زمین کی حدود سے ملتی ہوتو خراجی ہوگی، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بصرہ عشری زمین ہے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر غیر آباد زمین کو کسی نے آباد کیا اور وہ آسمان کے پانی سے سیراب ہوتی ہو یا کنویں سے پانی نکال کر اسے سیراب کیا جاتا ہو یا بڑی بڑی نہروں کے پانی سے سیراب ہو جن کا کوئی مالک نہ ہو جیسے دجلہ اور فرات تو وہ عشری زمین ہے، اگر عجمیوں کی نہروں سے الگ نہر کھود کر لائی اور اسے سیراب کیا تو وہ خراجی زمین ہے۔

خراجی زمین......خراجی زمین وہ ہوتی ہے جس میں خراج واجب ہوتا ہو، چونکہ یہ اصل میں کفار کی زمین ہوتی ہے۔ یہ وہ زمینیں ہو

---

❶......اس مسئلہ میں مفتی کو چاہیے کہ وہ مستاجر، موجر کے احوال کی تحقیق کرے، زمین کی حالت معلوم کرے، اجرت کی مقدار اور پیداوار کی مقدار دیکھے اور دونوں اقوال میں سے کسی ایک قول پر فتویٰ دے تفصیل کے لئے دیکھئے شامی ۳/ ۲۷۷۔ البتہ دونوں اقوال میں فتویٰ کی گنجائش ہے۔

ہیں جنہیں عنوۃً وجبراً فتح کیا جاتا ہے پھر امام ان زمینوں کے باسیوں پر احسان کر کے انہیں ہی آباد کرنے کے لیے دے دیتا ہے، جب وہ اسلام نہ قبول کریں تو ان پر امام جزیہ عائد کرتا ہے اور ان کی زمینوں پر خراج (ٹیکس) مقرر کرتا ہے۔ خواہ وہ اسلام لے آئیں نہ لائیں۔ جیسے عراق، شام، مصر، ہندوستان یہ سبھی خراجی زمینیں ہیں یہ حنفیہ کی رائے ہے۔ ❶

جمہور...... جمہور کہتے ہیں: خراجی زمین کی تین اقسام ہیں۔

۱...... وہ زمین جو عنوۃً فتح کی جائے اور غانمین میں تقسیم نہ کی جائے۔

۲...... وہ زمین جس کے باسی ہمارے خوف سے جلاوطنی کر گئے۔

۳...... جس زمین کے باسیوں سے صلح کر لی جائے کہ زمین البتہ ہماری ہی رہے گی اور باسیوں ہی کو خراج دینے کی شرط پر اس زمین میں رہنے دیں۔

عشری زمین وہ ہوتی ہے جس پر خراج نہ ہو چونکہ وہ زمین اس کے باسیوں کی ملک ہوتی ہے۔ یہ مملوکہ زمین ہوتی ہے اس کی پانچ اقسام ہیں۔

۱...... وہ زمین جس کے رہنے والے اسلام قبول کر لیں جیسے مدینہ منورہ اسی طرح جواثی جو کہ بحرین کا ایک شہر ہے۔

۲...... وہ زمین جسے مسلمان آباد کریں اور اس کی حد بندی کر لیں جیسے بصرہ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں آباد کیا گیا، بصرہ کو ۱۸ھ میں آباد کیا گیا تھا جبکہ اس کے علاوہ سرزمین عراق موقوف تھی بصرہ عراق کی حدود میں تو داخل ہے لیکن عراق کے حکم میں نہیں۔

۳...... وہ زمین جس کے باسیوں کے ساتھ صلح کر لی گئی ہو ٹیکس دینے کی شرط کے ساتھ جیسے سرزمین یمن۔

۴...... سواد عراق کی وہ زمینیں جو خلفائے راشدین نے جاگیروں کی طور پر عنایت کیں۔

۵...... وہ زمینیں جو عنوۃً فتح کر لی جائیں اور پھر غانمین میں تقسیم کر دی جائیں جیسے نصف خیبر۔

خراج کی اقسام...... خراج کی دو قسمیں ہیں: (۱) خراج وظیفہ (۲) خراج مقاسمہ۔ ❷

خراج وظیفہ...... یہ زمین پر مقررہ کیا ہوا ٹیکس ہے، برابر ہے کہ مالک زمین سے غلہ حاصل کرتا ہو یا نہیں، یہ ٹیکس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقرر کیا تھا، مقدار یہ تھی کہ ہر جریب ❸ اس زمین کا جو چٹیل ہو اور کاشتکاری کے قابل ہو اس میں پیداوار کا ایک قفیز اور ایک درہم ہوگا، اس ٹیکس کا دارومدار طاقت پر ہے۔

خراج مقاسمہ...... یہ ایسا قطعی ٹیکس ہے جو زرعی پیداوار سے وصول کیا جاتا ہے گویا نصف پیداوار، تہائی، چوتھائی پیداوار اس ٹیکس کی مد میں لی جا سکتی ہے، جب خیبر فتح ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ یہ پیداوار میں عشر کی طرح ہوگا البتہ اسے ٹیکس (خراج) کی جگہ رکھا ہے، چونکہ یہ حقیقت میں خراج ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ جب خراجی زمین کسی غیر مسلم کی ملک میں ہو تو اس میں خراج واجب ہوگا، عشر واجب نہیں ہوگا، اور یہ کہ عشری زمین جب کسی مسلمان کی ملک میں ہو تو اس پر عشر واجب ہوگا۔

---

❶...... ہندوستان کی بعض زمینیں عشری ہیں بعض خراجی، کلی طور پر خراجی کہنا سہو سے خالی نہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالصمد رحمان نے طویل تحقیق کے بعد ۱۰ صورتیں ذکر کی ہیں، انہی پر مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے جدید فقہی مسائل ص ۱۲۳۔ ❷ دیکھئے البدائع ۶۲/۲ الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۱۴۱۔ ❸ جریب یعنی ساٹھ مربع ذراع۔

خراجی زمین کی زکوٰۃ..... خراجی زمین جب کسی مسلمان کی ملک بن جائے تو اس کی زکوٰۃ میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، آیا کہ خراجی زمین پر فقط خراج باقی رہے گا یا خراج کے ساتھ عشر بھی لازم ہوگا۔

ا۔حنفیہ..... اگر زمین خراجی ہو تو اس میں خراج واجب ہے، اس زمین کی پیداوار میں الگ سے عشر واجب نہیں ہوگا چنانچہ عشر اور خراج ایک ہی زمین میں جمع نہیں ہوئے۔

۲۔ائمہ ثلاثہ..... ایسی زمین کی پیداوار میں عشر اور خراج دونوں جمع ہوں گے۔

حنفیہ کے دلائل..... حنفیہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

الف..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ کہ ''عشر اور خراج مسلمان کی زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔'' ❶

ب..... عادل حکمرانوں اور ظالم حکمرانوں میں سے کسی نے بھی سرزمین سوادعراق سے عشر نہیں لیا، چنانچہ عشر کے ساتھ خراج کا قول اجماع کے خلاف ہے، لہٰذا باطل ہے۔

ج..... خراج اور عشر دونوں کا سبب ایک ہی ہے اور وہ ہے زمین کا نامی ہونا لہٰذا یہ دونوں ایک زمین میں جمع نہیں ہوں گے، جیسے دو زکوتیں ایک ہی مال میں واجب نہیں ہوتیں۔

جمہور کے دلائل: الف..... سابقہ آیات واحادیث کے عموم سے جمہور کا استدلال ہے ان دلائل میں وظیفہ زکوٰۃ اور خراج واجب ہے خواہ زمین خراجی ہو یا عشری۔

ب..... خراج اور عشر دو حقوق ہیں جو کہ مختلف ہیں ذاتی اعتبار سے بھی اور محل کے اعتبار سے بھی سبب مصرف اور دلیل الگ الگ ہیں۔ ان دونوں میں ذاتی اعتبار سے اختلاف اس طرح ہے کہ عشر میں عبادت کا معنی ہے جبکہ خراج میں عقوبت اور سزا کا معنی ہے، محلاً مختلف اس طرح ہیں کہ عشر پیداوار پر واجب ہوتا ہے جبکہ خراج ذمہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، سبب کے اعتبار سے اختلاف اس طرح ہے کہ عشر کا سبب نفس پیداوار ہے پیداوار کے بغیر عشر واجب ہی نہیں ہوتا، جبکہ خراج کا سبب زمین کا نامی ہونا ہے یعنی زراعت کے قابل ہونا، دلیل وجوب کی وجہ سے اگرچہ مالک زمین میں کاشتکاری نہ کرے۔

عشر اور خراج کے مصارف بھی مختلف ہیں۔ چونکہ عشر کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں جبکہ خراج کا مصرف رفاح عامہ عام مصالح اور فوجی ہیں، دلیل میں بھی عشر وخراج مختلف ہیں۔ عشر کی دلیل نص قطعی ہے جبکہ خراج کی دلیل اجتہاد ہے جو کہ مراعاۃ مصالح پر مبنی ہے۔

جب ان وجوہ سے عشر اور خراج میں اختلاف ثابت ہو چکا تو ان کے اجتماع میں کوئی مانع نہ رہا، لہٰذا ایک کا وجوب دوسرے کے وجوب کے مانع نہیں ہوگا، جیسے حرم کے مملوک شکار میں جزاء اور قیمت دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

جمہور کی رائے راجح ہے چونکہ حنفیہ کی مستدل حدیث ضعیف ہے، نیز چونکہ خراج واجب اجتہادی ہے اور یہ مسلمانوں کی جماعت کو تقویت پہنچانے کے لئے لیا جاتا ہے۔ اور عام حاجات میں صرف کیا جاتا ہے، عشر دینی واجب ہے اور واجب بھی مسلمانوں پر ہے لہٰذا ان دونوں میں کوئی تنافی نہیں۔ خراج میں عقوبت اور سزا کا معنی نہیں ہے، اگر اس میں عقوبت کا معنی ہوتا تو مسلمان پر واجب نہ ہوتا جیسے جزیہ۔

حنفیہ نے تصریح کی ہے جیسے ابن عابدین (ردالمحتار ۲/۶۷) وغیرہ کہ خراجی زمینیں جو کہ مصر اور شام میں ہیں جو، ہی بیت المال کی تحویل میں آئیں گی ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔

---

❶..... حديث ضعيف جداً ذكره ابن عدي في الكامل عن يحيىٰ بن عنبسة وقال ابن حبان ليس هذا الحديث من كلام النبوة. انظر فتح القدير ۳۶۶/۴، كشاف القناع ۲۵۵/۲۔

چونکہ جس پر واجب ہوگا وہ معدوم ہے، اب ان سے اجرت لی جاتی ہے خراج نہیں، البتہ اس میں عشر واجب ہے۔

گیارہویں چیز......عشر وصول کرنے والا (ملازم) اور عشور کا ٹیکس

عاشر عشر وصول کرنے والا ملازم...... عاشر وہ ہوتا ہے جسے امام تعینات کرے تا کہ تاجروں سے صدقات وصول کرے، چنانچہ جب عاشر اور تاجروں کے درمیان اختلاف ہو جائے تاجر ایک سال پورا ہونے کا انکار کرتا ہو یا قرض کے فارغ ہونے کا انکار کرتا ہو تو وہ وجوب زکوٰۃ کا منکر ہے قسم کے ساتھ منکر کا قول معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر تاجر کہے میں نے دوسرے عاشر کو زکوٰۃ دے دی ہے یا میں نے خود اپنے شہر کے فقراء میں تقسیم کر دی ہے تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔

جن امور میں مسلمان کی تصدیق کی جاتی ہے ان میں ذمی کی تصدیق بھی کی جائے گی۔

مقدار...... وہ مقدار جو عاشر مسلمان سے لے گا وہ ربع عشر ہے ذمی سے نصف عشر اور حربی تاجر سے عشر۔

دلیل...... محمد بن حسن، زیاد بن حدیر کی سند سے مروی ہے کہ زیاد کہتے ہیں مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین التمر کی طرف بھیجا تا کہ صدقات وصول کروں، مجھے حکم دیا کہ میں مسلمانوں کے اموال سے ربع عشر لوں جبکہ مسلمان تجارت کے لئے مال لائے ہوں، اہل ذمہ کے اموال سے نصف عشر لوں اور اہل حرب کے اموال سے عشر لوں۔

حنفیہ کے نزدیک...... حربیوں سے ٹیکس لینے کے متعلق حنفیہ کے ہاں ایک محکم اصول ہے اُسے کہا جاتا ہے ''معاملہ بالمثل''، یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔'' چنانچہ اگر دار حرب میں ہم سے ٹیکس لیا جاتا ہو تو ہم بھی حربیوں سے ٹیکس لیں گے، اگر حربی ہم سے ٹیکس نہیں لیتے تو ہم بھی کچھ نہیں لیں گے تا کہ وہ بھی ہمارے تاجروں سے کچھ نہ لیں، نیز مکارم اخلاق کو اپنانے کے ہم زیادہ حق دار ہیں۔ اگر کوئی حربی پچاس درہم لے کر ہمارے ملک سے گزرا تو اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا البتہ اگر وہ ہم سے لیتے ہوں تو ہم بھی اسی کی مثل لیں گے۔

چونکہ لیا جانے والا ٹیکس زکوٰۃ ہے یا اس کا دوگنا ہے، لہٰذا نصاب کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر حربی دو سو درہم لے کر گزرا تو یہ چاندی کا نصاب ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کتنا لیتے ہیں ہم عشر لیں گے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: اگر وہ تمہیں تھکا دے تو عشر ہوگا۔

اگر حربی عاشر (ٹیکس منیجر) کے پاس سے گزرا عاشر نے اس سے ٹیکس وصول کر لیا پھر دوسری مرتبہ گزرا تو اب سال پورا ہونے سے پہلے عشر نہیں لے سکتا، چونکہ پہلے امان کا حکم ابھی باقی ہے۔

البتہ سال گزرنے کے بعد امان میں بھی جدت آئے گی، چونکہ دار الاسلام میں قیام صرف ایک سال تک ممکن ہے، سال بعد لینے میں مال کا خاتمہ نہیں ہوتا۔

اگر عاشر نے حربی سے ٹیکس لیا اور پھر وہ دار حرب میں چلا گیا پھر اسی دن دار حرب سے واپس لوٹا تو عشر از سر نو لیا جائے گا چونکہ اب کی بار وہ جدید امان (پاسپورٹ) سے واپس لوٹا ہے، اسی طرح دوسری مرتبہ عشر لینے سے مال کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

اگر ذمی شراب یا خنزیر تجارت کی نیت سے لے کر گزرا، اس مال کی قیمت ۲۰۰ درہم تک پہنچتی ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر اس کی قیمت سے عشر لیا جائے گا، جبکہ خنزیر کی نہ قیمت لگائی جائے گی اور نہ ہی عشر لیا جائے گا، چونکہ ذمہ کی دیکھ بھال ہمارا حق ہے اس حق کے لئے عشر لیا جائے گا۔ مسلمان شراب کو محفوظ کر کے (کیمیکل یا ادویات سے) سرکہ بنا سکتا ہے، جبکہ خنزیر کو نہیں روک سکتا، بلکہ اسے کھلا چھوڑا جائے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر ذمی نے شراب اور خنزیر دونوں اکٹھے لائے ہیں تو دونوں کا ٹیکس لیا جائے گا اور خنزیر کو شراب کے تابع بنا دیا جائیگا۔ اور اگر الگ الگ لائے ہیں تو پھر شراب کا ٹیکس لے گا اور خنزیر کا نہیں لے گا۔

امام شافعی.....امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: شراب اور خنزیر سے عشر نہیں لیا جائے گا چونکہ اسلام میں ان کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر حربی مضارب کسی دوسرے کے مال کو لے کر آیا جو دوسو درہم کے برابر ہو اور عاشر کے پاس سے گزرے تو عاشر عشر نہیں لے گا، چونکہ مضارب اس مال کا مالک نہیں ہے، اور نہ ہی مالک کی طرف سے نائب ہے جو زکوٰۃ دے سکے، البتہ اگر اصل مال میں منافع ہوا ہو اور مضارب کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہو تو صرف اس کے حصہ سے عشر لیا جائے گا۔

بارہویں چیز.....زکوٰۃ نکالنا اور ساقط کرنا

اس بحث کے ذیل میں میں چند موضوعات سے بحث کروں گا۔

اول: رکن اخراج.....یعنی زکوٰۃ نکالنے کا رکن تملیک ہے۔" فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ......الانعام ۶/۱۴۱

آتوا ایتاء سے ماخوذ ہے اور ایتاء (دوسروں کو دینا) یہی تملیک ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ......البقرہ ۲/۲۷۷

لہٰذا اگر طعام مباح طور پر رکھ دیا ہے یعنی جو چاہے کھائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی طرح مساجد وغیرہ میں تملیک کی شرط مفقود ہوتی ہے لہٰذا مساجد کے لئے صرف کئے ہوئے مال سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ❶

دوم: کیفیت اخراج.....علماء کے درمیان اس میں اختلاف نہیں کہ جب کوئی مال جس میں زکوٰۃ واجب ہو وہ ایک ہی نوع کا ہو خواہ عمدہ ہو یا ردی، عاشر اسی سے لے گا، چونکہ فقراء کا حق غمخواری کے طور پر واجب ہوتا ہے، لہٰذا فقراء بھی شرکاء کی طرح ہوں گے۔

اگر مال کی مختلف انواع ہوں تو ہر نوع سے لے گا، یہ تفصیل حنابلہ اور حنفیہ کی رائے کے مطابق ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: درمیانی قسم کا اناج لیا جائے گا جو نہ اعلیٰ ہو نہ ادنیٰ، یہ نہیں کہ ہر نوع سے لے چونکہ اس میں مشقت ہے، ہاں البتہ مالک خود ہی اعلیٰ نوع کا اناج عشر میں دینے پر راضی ہو تو فبہا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ہر نوع کا حصہ لیا جائے گا اگر اس میں تنگی ہو تو متوسط قسم کا لیا جائے۔

بالاتفاق ردی مال کا زکوٰۃ میں نکالنا جائز نہیں۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ......البقرہ ۲/۲۶۷

یہ نیت نہ رکھ کہ خراب چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم خرچ کرو گے۔

یہ بھی جائز نہیں کہ ردی (ادنی) مال سے عمدہ مال کو زکوۃ میں لیا جائے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں کے عمدہ مال سے گریز کرو۔ ❷ ہاں البتہ خود مالک ہی عمدہ مال دینے پر راضی ہو تو فبہا۔

سوم: عشر نکالنے کا وقت.....اناج کی زکوٰۃ صاف کرنے سے پہلے نہیں لی جائے گی، اور پھلوں کی زکوٰۃ خشک ہونے کے بعد لی

❶..... دیکھئے البدائع ۲/۲۴ ومابعدہ۔ ❷ رواہ الجماعۃ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث معاذاً الی الیمن (نیل الاوطار ۴/۱۱۴)

جائے گی، یہ فقہاء کا اتفاقی فیصلہ ہے، چونکہ یہ اناج کے مکمل ہونے کا وقت ہے اور پھلوں کو ذخیرہ کرنے کا وقت ہے۔ صاف کرنے کی مزدوری، کٹائی کی مزدوری، خشک کرنے کی مزدوری اور دیگر خرچے مالک کے ذمہ ہوں گے ان کا حساب زکوۃ میں نہیں لگایا جائے گا، چونکہ اناج اور پھل مویشیوں کی طرح ہیں لہٰذا جس طرح مویشیوں کے اخراجات، ان کی حفاظت، چرانے کی مزدوری اور دیگر اخراجات جو زکوۃ نکالنے تک ہوں وہ بھی مالک کے ذمہ ہیں۔

اگر سرکاری ملازم نے پھل خشک ہونے سے پہلے زکوۃ اٹھائی تو اس نے برا کیا، اگر اناج بالکل تر ہو تو ملازم اسی وقت واپس کردے اگر ضائع کردیا تو اس کا مثل واپس کرے اور اگر خشک کردیا گیا تو گویا واجب ادا ہوگیا۔ اگر کم لیا تھا تو مزید لے اور اگر زیادہ لیز اتھا تو واپس کرے۔

اگر زکوۃ نکالنے والا وہ رب المال ہو تو اسے کافی نہیں ہوگا، اسے لازم ہے کہ مزید نکالے خشک کرنے کے بعد، چونکہ اس نے غیر فرض نکالا، جیسے چھوٹا بچہ جانوروں کو بڑوں کی طرف سے نکالے۔

چہارم: اندازے میں مقدار واجب کی تعیین:

حنفیہ......اندازہ کرنا، تخمینہ لگانا، یہ ایک ظنی مقدار ہے اس کا وقوع ایک باخبر عادل انسان سے ہوتا ہے۔

حنفیہ نے اندازہ اور تخمینہ لگانے کو مکروہ سمجھا ہے۔ چونکہ انداز اٹکل پچو کی ایک قسم ہے، ایک قسم کا ظن اور تخمین ہے اس سے حکم لازم نہیں ہوتا۔ جس طرح حنفیہ نے قرعہ اندازی کا انکار کیا ہے، چونکہ اندازہ لگانے میں خوف ہے کہ کاشتکار دھوکا اور خیانت نہ کردیں۔ ⑪

جمہور......جمہور کہتے ہیں پھلوں (چھوہاروں اور انگوروں) میں اندازہ لگانا مسنون ہے، البتہ ان کے علاوہ تخمینہ نہ لگایا جائے، پھلوں میں بھی اندازہ تب لگایا جائے گا جب پھل میں صلاحیت پیدا ہوجائے اور عمدہ ہوجائے اس سے پہلے اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ مناسب یہ ہے کہ امام ملازم کو اس وقت بھیجے جب پھل میں صلاحیت پیدا ہوجائے تا کہ اس کا اندازہ کرے اور زکوۃ کی مقدار بھی جان سکے، اور مالک کو بھی آگاہ کرسکے۔ اگر امام کارندے کو نہ بھیجے تو مالک خود ہی کسی باخبر آدمی سے چھوہاروں اور انگوروں کا تخمینہ لگائے، برابر ہے کہ وہ خشک ہونے کے قابل ہوں یا نہ ہوں۔

دلیل......ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس ایک آدمی کو بھیجتے تھے جو ان کے انگوروں اور پھلوں کا تخمینہ لگاتا تھا، حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ انگوروں کا اندازہ لگایا جائے جیسے کہ کھجوروں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ البتہ انگوروں کی زکوۃ کشمش کی صورت میں لی جائے گی جیسے کھجوروں کی زکوۃ چھوہاروں کی صورت میں لی جاتی ہے۔ ⑫

ایک تہائی یا ایک چوتھائی کو رہنے دینا...... اندازہ سب پھلوں کا کیا جائے گا البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تخمینہ نگار مالکان پر توسع کرنے کی غرض سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی پھل چھوڑ دے، بقیہ سے عشر لے۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اندازہ لگاؤ تو عشر لے لو اور تہائی چھوڑ دو اگر تہائی نہ چھوڑو تو چوتھائی ہی چھوڑ دو۔'' ⑬

---

⑪......یعنی اندازے سے عشر نہیں دیا جائے گا اس میں دھوکے کا شائبہ ہے۔ دیکھئے المغنی ۲/ ۷۰۶۔ والاموال ص ۴۹۲ ⑫ روی الحدیث الاول الترمذی وابن ماجه وروی الثانی ابوداؤد (نیل الاوطار ۴/ ۱۴۳)

یہ احادیث مؤول ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے بھیجتے تھے تا کہ ایک اندازہ کرلیا جائے کہ فلاں کے ملک میں اندازاً اتنا پھل ہے یہ نہیں کہ زکوۃ کی ادائیگی بھی اندازے سے کی جاتی تھی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

⑬ رواه الخمسة الا ابن ماجه

جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں چھوڑا جائے چونکہ سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک غیر معروف راوی ہے، جیسا کہ ابن قطان نے کہا ہے۔

ایک اندازہ گر پر اکتفاء...... ایک ہی اندازہ گر کافی ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اندازہ کے لئے بھیجتے تھے، جب کھجوروں میں صلاحیت پیدا ہو جاتی وہ کھجوروں کا اندازہ لگاتے تھے، ❶ چنانچہ ان کے ساتھ کسی دوسرے کا ذکر نہیں کیا گیا، چونکہ اندازہ گر مقدار میں اجتہاد کرتا ہے لہٰذا حاکم اور قیافہ شناس کی طرح ہوا۔

اندازہ گر کی شرائط...... اندازہ گر کی شرائط میں کہ وہ عادل ہو، امانتدار ہو، چونکہ فاسق کا قول قابل قبول نہیں ہوتا، آزاد ہو، مرد ہو عورت نہ ہو، چونکہ اندازہ لگانا ایک ذمہ داری ہے اور ایک عہدہ ہے، غلام اور عورت اندازہ کے اہل نہیں، ضروری ہے کہ اندازہ گر اندازہ کے کام سے اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہو، چونکہ اندازہ اجتہاد ہے، جاہل کا قدم اجتہاد کے کوچے میں نہیں پڑتا۔

اندازہ اور تخمینہ کا بیان...... اندازے کا طریقہ پھل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے، ایک پھل نوع واحد کا ہے تو ہر درخت اور پیڑ کی سیوا کرنی پڑے گی، دیکھے گا کہ سب پھل میں تازہ کتنا ہے کھجوریں کتنی ہیں اور انگور کتنے ہیں۔ پھر اس حساب سے ایک خاص اندازہ مقرر کرے گا، اگر پھلوں کی مختلف انواع ہوں تو ہر ہر نوع کا الگ اندازہ کرے گا. چونکہ انواع مختلف ہوتی ہیں۔ بعض انواع میں تازہ کھجوریں زیادہ ہوتی ہیں اور چھوہارے کم ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے یہی حال انگوروں کا ہے۔

جب اندازہ گر اندازہ کر چکے تو مالک کو اختیار دے کہ پھل میں جو چاہے کرے اور زکوٰۃ کی مقدار کا ضامن ہو یا توڑائی تک حفاظت کرتا رہے۔

اگر مالک نے یہ اختیار کیا کہ وہ توڑائی تک پھلوں کی حفاظت کرے گا پھر اس کی کوتاہی سے پھل ضائع ہوا تو وہ فقراء کے حق زکوٰۃ کا ضامن ہوگا۔ اور اگر اجنبی نے پھل تلف کئے تو اس کے ذمہ تلف کئے ہوئے پھلوں کی قیمت ہوگی، اگر پھل آسمانی آفت سے تباہ ہو گیا تو مالک سے اندازہ کیا ہوا ساقط ہو جائے گا، چونکہ ادائے زکوٰۃ سے قبل پھل تلف ہوا ہے، لہٰذا جتنا پھل تلف ہوا اس کے بقدر زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی۔ اور کل پھل تباہ ہوا تو زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی اور بعض تلف ہوا تو بقیہ کی زکوٰۃ دے۔

اور اگر مالک نے پھلوں کے تلف ہو جانے کا دعویٰ کیا، پھل تلف ہونے میں مالک کی کوتاہی نہ ہوئی ہو مثلاً پھل چوری ہو گئے یا آگ لگ جائے یا اولے پڑے یا اچکے لے اڑے، قسم کے ساتھ مالک کے قول کی تصدیق کی جائے گی، البتہ شافعیہ کے نزدیک قسم کا اعتبار ہے حنابلہ کے نزدیک بغیر قسم کے مالک کا قول معتبر ہوگا۔

اندازہ گر کی خطا...... اندازہ گر سے اگر مقدار کی تعیین میں خطا ہوئی مقدار میں کمی بیشی کر گیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اندازہ گر کا قول معتبر ہوگا خواہ مقدار میں کمی ہو یا بیشی، یہ تب ہے جب زکوٰۃ متقارب ہو۔ ❷ چونکہ یہ حکم واقع ہو چکا اس میں کوتاہی نہیں ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر مالک دعویٰ کرے کہ اندازہ گر سے واضح اور نمایاں غلطی ہوئی ہے مثلاً ثلث یا ربع کی حالانکہ عادۃً ایسی غلطی کا وقوع نہیں ہوتا تو اس صورت میں مالک کا قول بغیر قسم کے معتبر نہیں ہوگا، اور اگر تھوڑا بہت تفاوت ہو تو اس صورت میں کیل کانٹے کی مقدار کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

حنابلہ...... اگر مالک نے اندازہ گر کے غلط اندازہ کا دعویٰ کیا اور اس کا دعویٰ ایسا ہو کہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے، اس کا قول بغیر قسم کے

---

❶..... رواہ احمد بن حنبل وابو داؤد عن عائشہ۔ ❷ یعنی اندازہ کے قریب قریب ہو ۱۹، ۲۰ کا فرق ہو۔

قبول کرلیا جائے گا، اگر ایسا تفاوت ہو جس کا احتمال نہیں ہوسکتا مثلاً مالک نصف کے غلط ہونے کا دعویٰ کرے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔
چونکہ اس قدر تفاوت کا احتمال نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس کا جھوٹ عیاں ہوگا، اگر کہے میرے سامنے اس کے علاوہ تلف نہیں ہوا تو اس کا قول قبول کرلیا جائے گا چونکہ بسااوقات کسی آفت سے بھی پھل تلف ہوجاتا ہے۔

پنجم: وہ امور جن کی وجہ سے نباتات کی زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے......حنفیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ وجوب زکوٰۃ کے بعد پیداوار مالک کی کوتاہی کے بغیر تباہ ہوگئی تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، چونکہ زکوٰۃ پیداوار میں واجب ہوتی ہے، جب کل پیداوار ہلاک ہوتو واجب مقدار بھی اس کے ساتھ ہلاک ہوگئی، جیسے سال پورا ہونے پر زکوٰۃ کا سبھی مال ہلاک ہوجائے۔

اگر جان بوجھ کر اناج یا پھل ساہ کیا تو دیکھا جائے گا کہ مالک نے تباہ کیا یا غیر مالک نے، اگر غیر مالک نے تباہ کیا تو اس سے ضمان لیا جائے گا، اور ضمان سے عشر ادا کیا جائے گا، اگر اناج کا بعض حصہ تباہ کیا تو تباہ شدہ حصہ کا ضمان ادا کرے گا۔ اگر مالک نے پھل وغیرہ ہلاک کئے یا بعض حصہ ہلاک کیا مثلاً آدھا کھالیا۔ تو ہلاک ہونے والے حصہ کا ضامن ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مالک کے ذمہ دین ہوگا، مرتد ہونے سے حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے چونکہ عشر میں عبادت کا معنی ہے جبکہ کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مالک کے مرنے سے عشر ساقط ہوجاتا ہے بشرطیکہ اس نے ادائیگی کی وصیت نہ کی ہو، یہ اس وقت ہے جب پیداوار تباہ کردی جیسا کہ زکوٰۃ کی بقیہ انواع میں ہوتا ہے، اگر پیداوار بعینہ قائم ودائم ہوتو ظاہر الروایۃ کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ دی جائے گی۔

پانچواں مقصد......مویشیوں کی زکوٰۃ کا بیان

اس مقصد کے ذیل میں ان امور پر بحث ہوگی۔ مشروعیت، اس زکوٰۃ کی شرائط، ہر نوع کا نصاب، خلیطین کی زکوٰۃ، زکوٰۃ کے متعلق متفرق احکام، (کیا زکوٰۃ عین میں واجب ہوتی ہے یا ذمہ میں؟) زکوٰۃ میں قیمت کا دینا، مختلف اجناس کی انواع کو ایک دوسرے سے ملانا، مویشیوں کے بچے اصل کے تابع ہیں، دوران سال مال مستفاد کا حکم، زکوٰۃ نصاب میں ہے عفو میں نہیں، محصل جو کچھ لے لے۔

پہلی چیز: حیوانوں کی زکوٰۃ کی مشروعیت......حیوانوں کی زکوٰۃ کا ذکر صحیح اور حسن احادیث میں آیا ہے ان میں سے دو ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

اول......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں اونٹوں کی زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب بیان کیا گیا ہے، مویشیوں کی مقدار اور نصاب بیان کیا گیا ہے، خلیطین (شریکین) کی زکوٰۃ کی کیفیت، مویشیوں کی زکوٰۃ سے جو چیز نکالی جائے گی، اور وہ متوسط نوع ہے، اس حدیث میں اور بھی بہت سارے امور بیان کئے گئے۔ [1]

دوم......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں گائے کا نصاب بیان کیا ہے۔ [2]

علماء نے جانوروں کی زکوٰۃ پر اجماع کیا ہے، وہ جانور متفق علیہا یہ ہیں، اونٹ گائے، بکری، (جو کہ پالتو ہوں وحشی نہ ہو)۔ جبکہ گھوڑا، غلام، خچر، گدھے ہرن میں زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب کی ہے، جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے، صاحبین کہتے ہیں گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے انہی کے قول پر فتویٰ ہے۔

---

[1] رواہ احمد والنسائی وابوداؤد والبخاری والدار قطنی عن انس ورواہ ایضاً احمد وابوداؤد والترمذی عن الزہری عن سالم عن ابیہ۔ [2] رواہ الخمسۃ یعنی احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ عن معاذ۔

دوسری چیز حیوانات کی زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرائط.....فقہاء کرام نے حیوانوں پر زکوٰۃ کے وجوب کی پانچ شرائط عائد کی ہیں ان میں سے بعض مختلف فیہ ہیں۔ (۱) وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....یہ کہ حیوانوں میں یہ جانور ہوں اونٹ، گائے بکری یہ جانور پالتو ہوں وحشی نہ ہوں، اگر جانور متولد مختلفین ہوں یعنی بکری اور ہرن سے، بیل اور نیل گائے سے، تو شافعیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق ان میں زکوٰۃ نہیں ہوگی چونکہ اصل عدم وجوب ہے نہ اس میں کوئی نص ہے اور نہ اجماع جبکہ ہرن سے پیدا ہونے والے بچے پر بکری کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بھی دو وحشیوں سے پیدا ہونے والے کے مشابہ ہوا۔

حنابلہ.....کہتے ہیں ایسے جانوروں میں زکوٰۃ ہوگی جیسے کہ چرنے والے اور گھر پر باندھے ہوئے جانوروں سے پیدا ہونے والے جانوروں پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔

حنفیہ:.....حنفیہ کہتے ہیں اگر ماں پالتو ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور ایسے جانور سے نصاب کی بھی تکمیل کی جائے گی اگر ماں پالتو نہیں تو زکوٰۃ بھی نہیں ہوگی۔ جبکہ جانوروں کا چھوٹا بچہ اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے۔ (۲)

۲.....یہ کہ جانور نصاب شرعی کو پہنچتے ہوں جس کا سنت میں مفصل بیان ہے۔ عنقریب تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۳، ۴.....یہ کہ جانوروں پر مالک کی ملکیت میں رہتے ہوئے پورا سال گزرے، ملکیت جس وقت آئی تھی اس وقت سے سال کا حساب شروع کیا جائے گا، پھر پورا سال ملکیت باقی رہے، اگر اس کی ملکیت میں سال نہیں گزرا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ چونکہ حدیث ہے۔ ”ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے جس پر سال نہ گزرا ہو۔“ (۳)

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ سال پورا ہوئے بغیر جانوروں کی نماء کامل نہیں ہو پاتی، اور یہ جانوروں کے بچوں کی صورت میں ممکن ہو جاتا ہے، بچے سال میں اپنی ماؤں کے تابع ہوں گے۔

اگر سال میں نصاب سے یا کچھ نصاب سے بیع یا ہبہ وغیرہ کی وجہ سے ملک زائل ہوگئی یا جانوروں کا صحیح تبادلہ کیا جو تجارت کی غرض سے نہ ہو جیسے اونٹ کے بدلہ میں اونٹ یا کسی دوسری جنس کے بدلہ میں تبادلہ کیا جیسے اونٹ کے بدلہ میں گائیں، اب چونکہ پہلا سال منقطع ہو چکا لہٰذا از سر نو سال کی ابتداء کرے گا، یوں ملک جدید ہو جائے گی، لہٰذا نئے سال کا گزرنا ضروری ہوگا۔

۵.....یہ کہ جانور سائمہ (۴) ہوں یعنی سال کے اکثر حصہ چرتے ہوں، جانور ایسے نہ ہوں جنہیں باندھ کر گھر چارا دیا جاتا ہو، جنہیں معلوفہ کہا جاتا ہے اور نہ ہی ہل وغیرہ جوتنے کے کام میں لگے ہوں جنہیں عاملہ کہا جاتا ہے، چونکہ حدیث ہے۔ ”ہر چالیس چرنے والے اونٹوں میں بنت لبون ہے۔“ (۵) ایک اور حدیث ہے۔ ”بکریاں جو کہ سائمہ (چرنے والی) ہوں چالیس سے ایک سو بیس تک ایک بکری ہے۔“ (۶)

سائمہ کیا ہے؟.....حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سائمہ وہ جانور ہوتے ہیں جو سال کا اکثر حصہ مباح سبزہ چرتے ہوں، ان کے چرنے سے دودھ حاصل کرنا، افزائش نسل، فربہی مقصود ہو، اگر جانوروں کو ذبح کے لئے یا بوجھ لادنے کے لئے یا سواری اور ہل چلانے کے لئے چرایا تو

---

(۱).....دیکھئے الدرالمختار ۲/۳۰ فتح القدیر ۱/۴۹۴ القوانین الفقهية ص۱۰۷ مغنی المحتاج ۱/۳۶۸، المغنی ۲/۵۷۵۔ (۲) البدائع ۲/۳۰ مغنی المحتاج ۱/۳۶۹، المغنی ۲/۵۹۵۔ (۳) رواه ابوداؤد والترمذی عن ابن عمر من استفا دمالا فلا زكوٰة عليه حتی يحول عليها الحول (سبل السلام ۲/۱۲۹) (۴) باہر چرنے والے۔ (۵) رواه ابوداؤد وغيره قال الحاكم صحيح الاسناد والراوی بهز بن حكيم عن ابيه۔ (۶) رواه البخاری فی حديث انس عن ابی بكر۔

ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، اگر تجارت کے لئے چرایا تو ان میں زکوٰۃ ہوگی تھوڑا بہت گھر باندھ کر چارا دینے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا، چونکہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے، اگر نصف سال گھر باندھ کر چارا دیا یا اکثر سال تو پھر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

اگر جانور خود چرتے رہے اور مالک نے دودھ نسل، اور فربہی کا قصد نہ کیا تو حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہوگی، جبکہ حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ ہے۔

شافعیہ......کے نزدیک سائمہ جانور وہ ہوتے ہیں جنہیں مالک مباح گھاس میں چرنے کے لئے پورا سال یا سال کا اکثر حصہ چھوڑ دے، اگر معمولی چارا گھر باندھ کر دیا تو اس سے زکوٰۃ پر اثر نہیں پڑے گا جیسے ایک یا دو دن، چونکہ مویشی دو دن تک بغیر چارے کے بھی صبر کر سکتا ہے، تیسرے دن صبر نہیں کرتا، اگر سال کے اکثر حصہ باندھ کر چارہ دیا، یا اتنی مدت چارا دیا جتنی مدت کہ چارا کے بغیر جانور زندہ نہیں رہ سکتا، یا اس مدت جانور زندہ رہا تاہم اس کا جانور پر واضح اثر پڑا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، چونکہ اس میں مشقت پائی گئی ہے۔

اگر جانور خود چرتے رہے، یا غاصب کے عمل سے چرتے رہے، یا خریدار نے شراء فاسد سے خریدا اور جانور چراتا رہا، یا جانور کھیتی اور رہٹ وغیرہ میں کام کرنے والے تھے تو صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ نہیں ہے، چونکہ جانوروں کو مالک نے نہیں چرایا، چونکہ اس میں مال کا قصد معتبر ہے چرانے کا قصد معتبر نہیں۔ چونکہ چرانا وجوب زکوٰۃ میں اثر کرتا ہے، یہ شافعیہ کے نزدیک شرط ہے کہ جانوروں کو مالک چرائے لہٰذا اگر جانور خود چرنے لگے یا غیر مالک نے چرایا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مالکیہ......مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ جانور چرنے والے ہوں یا انہیں باندھ کر گھر پہ چارا دیا جاتا ہو یا عوامل (کام کرنے والے ہوں) چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابق حدیث میں عموم ہے۔ ”ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔“

منشاء اختلاف......ابن رشد نے دونوں آراء یعنی مالکیہ اور جمہور کی آراء میں اختلاف کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ یہ مطلق اور مقید کا معارضہ ہے اور عموم کے لئے دلیل خطاب کا معاوضہ ہے۔ اور عموم لفظ سے قیاس کا معارضہ ہے، چنانچہ مطلق پر یہ حدیث ہے۔ ”ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے۔“

چنانچہ اس حدیث میں عموم ہے خواہ بکریاں سائمہ ہوں یا علوفہ جبکہ مقید یہ ہے۔ ”چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ ہے۔“ مالکیہ نے مطلق کو مقید پر ترجیح دی ہے اور کہا کہ جانوروں میں زکوٰۃ ہے خواہ جانور سائمہ ہوں یا غیر سائمہ۔ جبکہ جمہور نے مقید کو ترجیح دی ہے۔ اور کہا کہ جانوروں میں سے صرف سائمہ پر زکوٰۃ ہے۔ جبکہ مقید کو مطلق پر ترجیح دینا زیادہ مشہور اور اولیٰ ہے۔

دلیل خطاب یعنی مفہوم مخالف میں یہ حدیث ہے۔ ”چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ ہے۔“ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ علوفہ (نہ چرنے والی بکریوں) میں زکوٰۃ نہیں ہے، جبکہ عموم پر یہ حدیث ہے۔ ”چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے۔“ اس حدیث میں سائم اور غیر سائم دونوں برابر ہیں۔ اس میں مالکیہ نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ عموم لفظ مفہوم مخالف سے اقویٰ و اولیٰ ہوتا ہے۔

”رہی بات قیاس کی جو عموم حدیث (یعنی چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے۔“ کے معارض (مخالف) ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ سائمہ میں ہی زکوٰۃ کا مقصود متحقق ہوتا ہے اور وہ نماء اور نفع ہے، زکوٰۃ تو فاضل مال ہوتا ہے اور فاضل والی سائمہ میں ہوتا ہے، اسی لئے سائمہ جانوروں میں حولان حول کی شرط ہے۔ چنانچہ جمہور نے اس قیاس سے عموم میں تخصیص کی ہے اور غیر سائمہ میں زکوٰۃ واجب نہیں کی، جبکہ مالکیہ نے یہ تخصیص نہیں کی، وہ سمجھتے ہیں کہ عموم اقویٰ اور اولیٰ ہے اس لئے انہوں نے دونوں اقسام خواہ سائمہ ہوں یا نہ ہوں میں زکوٰۃ واجب کی ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ جمہور کا قول اصح ہے چونکہ دوسری حدیث میں صراحۃً سائمہ کا ذکر ہے، لہٰذا اونٹوں والی حدیث کو بھی اسی حدیث پر محمول کیا جائے گا۔ چونکہ حدیث کا آخری حصہ اول حصے کے مخالف نہیں ہوتا لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کو متضمن ہے جس میں مویشیوں کے صدقات کا ذکر ہے اور اونٹوں کی زکوٰۃ کی مقدار بیان کی گئی ہے، پھر اس میں بکریوں کی زکوٰۃ کا ذکر ہے جو یوں ہے۔ ''سائمہ بکریوں کا صدقہ جبکہ چالیس ہوں ان میں ۱۲۰ تک ایک بکری ہے۔''

تیسری بات...... جانوروں کی انواع جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور ان کی ہر نوع کا نصاب

زکوٰۃ اونٹ، گائے اور بکری میں واجب ہوتی ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ واجب کی ہے؟ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، البتہ اگر تجارت کے لئے ہوں تو صاحبین کے نزدیک بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ...... اونٹ خواہ نر ہوں یا مادہ چھوٹے ہوں یا بڑے سبھی میں زکوٰۃ واجب ہے چھوٹے بچے بڑے اونٹوں کے تابع ہیں، ان اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہے جو سائمہ ہوں، سائمہ کی قید میں مالکیہ کا اختلاف ہے جو دلائل کی وضاحت کے ساتھ گزر چکا ہے، اسی طرح علاقہ (جنہیں گھر پر ہی چارہ دیا جائے) ان میں بھی مالکیہ کا اختلاف ہے۔

بالاجماع پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ ''جس شخص کے پاس صرف چار اونٹ ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے الا یہ کہ مالک اپنی طرف سے چاہے تو کچھ زکوٰۃ میں دے سکتا ہے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

لیس فیما دون خمس ذود صدقة ❶

علماء کا اجماع ہے کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے، دس میں دو بکریاں، پندرہ میں تین بکریاں بیس میں چار بکریاں۔ ❷ اس کی دلیل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اونٹوں کی زکوٰۃ میں یا تو بڑی بکری دی جائے یا چھ ماہ کا دنبہ (بھیڑوں میں سے) یا ثنی (یعنی وہ بکری جو ایک سال مکمل کر کے دوسرے سال میں چل رہی ہو) مالکیہ کے نزدیک بھیڑ بکریوں میں سے وہ دیا جائے گا جس کا شہر (علاقہ) میں عام رواج ہو، جبکہ جمہور کے نزدیک عام رواج کا کوئی اعتبار نہیں مطلق بھیڑ بکریوں میں سے جو بھی دے دیا جائے کافی ہے چونکہ حدیث۔ ''فی کل خمس شاة'' میں شاۃ مطلق ہے اور اس کا اطلاق بھیڑ بکری دونوں پر ہوتا ہے۔

علماء کا اجماع ہے کہ پچیس (۲۵) سے پینتیس (۳۵) تک اونٹوں میں بنت مخاض ہے (بنت مخاض سے مراد وہ اونٹنی کی بچی جس نے ایک سال مکمل کر چکے اور دوسرے سال میں چل رہی ہو)، مالکیہ اور شافعیہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ اگر بنت مخاض موجود نہ ہو تو ''ابن لبون'' دیا جائے۔

چھتیس سے پینتالیس (۳۶ تا ۴۵) تک بنت لبون ہے، (یہ اونٹنی کی بچی جس نے دو سال مکمل کر لئے ہوں اور تیسرے سال میں چل رہی ہو۔)

---

❶ متفق علیہ، ذود بمعنی اونٹ۔ ذود کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے۔ ❷ فقہاء کی آراء کی تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدیر ۱/۴۹۴، البدائع ۳۱/۲، الشرح الکبیر ۱/۴۳۲، المهذب ۱/۱۴۵، مغنی المحتاج ۱/۳۶۹ المغنی ۲/۵۷۶ کشاف القناع ۲/۲۱۳۔

چھیالیس سے ساٹھ (۴۶ تا ۶۰) تک ایک حقہ ہے۔ (وہ اونٹ جس کے تین سال مکمل ہوجائیں اور چوتھے سال میں چل رہا ہو۔)

اکسٹھ سے پچھتر (۶۱ تا ۷۵) تک ایک جذعہ ہے (یعنی وہ اونٹ یا اونٹنی جس کے چار سال مکمل ہوچکیں اور پانچویں سال میں چل رہا ہو۔)

چھہتر سے نوے (۷۶ تا ۹۰) تک دو بنت لبون ہیں۔

اکانوے سے ایک سوبیس (۹۱۔۱۲۰) تک دو حقے ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اسی پر دلالت ہوتی ہے۔

ایک سو اکیس سے ایک سو انتیس (۱۲۱۔۱۲۹) تک تین بنت لبون ہیں، یہ جمہور کے نزدیک ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک ۱۲۱ سے ۱۲۹ تک دو حقے اور ایک بکری ہے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک جب اونٹ ۱۲۰ سے زائد ہوجائیں گے فریضہ از سرنو لوٹے گا گویا پانچ اونٹوں (یعنی ۱۲۵) میں دو حقے اور ایک بکری ہوگی، دس (یعنی ۱۳۵) میں دو بکریاں (اور ساتھ دو حقے) ہوگی، پندرہ میں تین بکریاں، بیس میں چار بکریاں پچیس (یعنی ۱۴۵) میں ایک بنت مخاض اور دو حقے ہوں گے، جب ایک سو پچاس (۱۵۰) ہوجائیں تو ان میں تین حقے ہوں گے، اس سے پانچ اونٹ زائد ہوئے تو فریضہ از سرنو لوٹے گا یعنی پانچ (۱۵۵) میں تین حقے اور ایک بکری ہوگی۔ الخ

مسئلہ...... مالکیہ کے نزدیک سرکاری ملازم کو (۱۲۱۔۱۲۹) اونٹوں میں اختیار ہوگا کہ دو حقے لے یا تین بنت لبون لے، جبکہ مالک کے پاس دونوں قسم کے جانور ہوں (یعنی حقے بھی ہوں اور بنت لبون بھی ہوں) یا نہ ہوں، اگر مالک کے پاس صرف دو حقے ہوں یا صرف تین بنت لبون ہوں تو وہی متعین ہوں گے۔

۱۳۰ سے زائد کی صورت میں...... ۱۳۰ سے زائد ہونے میں جمہور کے نزدیک ہر چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون ہوگی، اور ہر پچاس میں ایک حقہ ہوگا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جب اونٹ ۱۲۰ سے زائد ہوجائیں تو ہر ۴۰ میں ایک بنت لبون ہوگی۔" دار قطنی کی ایک روایت میں ہے۔ "۱۲۰ تک، جب ایک بھی زائد ہوجائے تو ہر چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ ہوگا۔"

حنفیہ...... حنفیہ کہتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ جب اونٹ ایک سوبیس (۱۲۰) سے زائد ہوجائیں تو فریضہ از سرنو لوٹے گا، یعنی ۱۲۰ میں دو حقے ہوں گے، اس سے زائد پر کچھ نہیں تاوقتیکہ پانچ (۵) اونٹ نہ ہوجائیں، جب پانچ ہوجائیں تو ان میں ایک بکری واجب ہوگی ساتھ دو حقے بھی ہوں گے۔

تفصیل یوں ہے۔

۱۲۰ میں	دو حقے
۱۲۱ سے ۱۲۹ تک	دو حقے اور ایک بکری
۱۳۰ سے ۱۳۴ تک	دو حقے اور دو بکریاں
۱۳۵ سے ۱۳۹ تک	دو حقے اور تین بکریاں
۱۴۰ سے ۱۴۴ تک	دو حقے اور چار بکریاں
۱۴۵ سے ۱۴۹ تک	دو حقے اور ایک بنت مخاض
۱۵۰ میں	تین حقے ہوں گے۔

فریضے کا دوسرا پہلو اس کے بعد کا ہے۔

۱۵۰ سے ۱۵۴ تک	۱۵۰ کا فریضہ رہے گا
۱۵۵ سے ۱۵۹ تک	تین حقے اور ایک بکری ہوگی

اسی طرح تین حقوں کے ساتھ پانچ اونٹوں میں ایک بکری، ۱۰ میں دو بکریاں، ۱۵ میں ۳ بکریاں، ۲۰ میں ۴ بکریاں، ۲۵ میں بنت مخاض، ۳۶ میں بنت لبون، جب اونٹوں کی تعداد ۱۹۶ ہو جائے گی تو ان میں ۴ حقے واجب ہوں گے۔ یہ (۲۰۰) تک ہوگا۔

۲۰۰ کے بعد تیسری مرتبہ کا پہلو یعنی ۱۵۰ کے بعد کی طرز کا بدلتا رہے گا اور ہر پچاس اونٹوں میں ایک حقہ واجب ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک نر اونٹ زکوٰۃ میں تبھی کافی ہوں گے جب اونٹنیوں کی قیمت کا ان میں اعتبار کیا جائے۔ بخلاف گائے اور بکریوں کے، حنفیہ کے نزدیک مالک کو اختیار ہوگا، فریضہ کے از سر نو لوٹنے پر حنفیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوبکر بن محمد بن حزم کی کتاب میں ہے، اس حدیث میں اونٹوں کے فریضے بیان کئے گئے ہیں حتیٰ کہ جب۔ ''۱۲۰ سے زائد ہو جائیں تو فریضہ پہلی صورت کے فریضہ کی طرح لوٹے گا۔ ❶

وقص...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو فریضوں کے درمیان مقدار جسے وقص کہا جاتا ہے وہ معفو ہے۔ (یعنی اس پر زکوٰۃ نہیں) چنانچہ پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے اور اگر نو اونٹ ہوں تب بھی ایک ہی بکری ہوگی ❷ چنانچہ ابوعبید نے یحییٰ بن حکم سے روایت نقل کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان الا وقاص لاصدقة فیھا'' یعنی وقص میں زکوٰۃ نہیں۔ چونکہ وقص نصاب سے ناقص مقدار ہوتی ہے۔

دو فریضوں کا تبادلہ...... شافعیہ کا بیان ہے کہ اگر دو فریضے متفق ہو جائیں جیسے دو سو (۲۰۰) اونٹ تو ان میں چار حقے بھی دیئے جا سکتے ہیں اور پانچ بنت لبون بھی چونکہ ۲۰۰ کے عدد میں چار پچاس (ففٹیز) ہوتے ہیں یا پانچ چالیس ہوتے ہیں۔

دلیل ابوداؤد وغیرہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خط میں ہے۔ ''جب ۲۰۰ (دوسو) اونٹ ہو جائیں تو ان میں چار حقے یا پانچ بنت لبون ہیں، ان میں سے جون سی صنف بھی پائی جائے وہی لے لی جائے گی۔ اور اگر مالک کے پاس صرف ایک ہی صنف ہے (یعنی صرف حقے ہوں یا صرف بنت لبون ہوں) تو وہی لے لی جائے گی۔ اگر دونوں صنفوں میں سے ایک صنف بھی نہیں پائی گئی تو مالک خرید کر یا کسی اور طرح سے زکوٰۃ کی مقدار پوری کر کے دے گا۔

اگر فریضوں میں دونوں اصناف پائی جائیں تو وہ لی جائے گی جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہوگا، اگر مالک نے دھونس دھاندلی سے وہ صنف چھپا دی جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو تو اس صورت میں ادنیٰ صنف کافی نہیں ہوگی۔ اور اگر ملازم نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی مالک نے دھونس دھاندلی کی اور ادنیٰ صنف دے دی تو کافی سمجھی جائے گی۔

کمی کو پورا کیا جائے گا یا نہیں...... اونٹوں کی زکوٰۃ میں جو جانور واجب ہوا وہ اگر مفقود پایا گیا مثلاً بنت مخاض واجب ہوئی تھی اور وہ مالک کے پاس نہ ملی تو اس سے اوپر والی اونٹنی لے لی جائے گی اور سرکاری ملازم سے دو بکریاں یا بیس درہم مالک واپس لے لے، چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بخاری نے روایت کیا ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اس میں یہی بیان ہوا ہے، یا واجب سے نچلے درجہ پر آ جائے اور حسب اختیار دو بکریاں یا ۲۰ درہم لے لئے جائیں۔ یہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔

---

❶ ......رواہ ابوداؤد فی المراسل واسحاق بن راھویہ فی مسندہ والطحاوی فی مشکل الآثار عن حماد بن سلمة۔ ❷ پانچ تا نو کی درمیانی مقدار کو وقص کہا جائے گا یہ مقدار معفو ہے اس میں زکوٰۃ نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں: ایسی حالت پیش آنے پر مالک واجب ہونے والے جانور کی قیمت دے گا یا واجب ہونے والے جانور سے عمر میں کم والا جانور دے اور فرق کو درہموں سے پورا کرے یا ہر کارہ اعلیٰ قسم کا جانور لے اور مالک کو فاضل واپس کر دے۔ ❶

ایک صنف سے دوسری صنف کی طرف نزول یا صعود تب کیا جائے گا جب واجب ہونے والا جانور متعذر ہو مثلاً بنت مخاض سے حقہ کی طرف صعود نہیں ہوگا یا حقہ سے بنت مخاض کی طرف نزول نہیں ہوگا، مگر اسی وقت جب بنت لبون دستیاب نہ ہو۔

گائے کی زکوٰۃ

گائے کی زکوٰۃ کی فرضیت سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

سنت سے ثبوت..... حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا انہیں حکم دیا کہ ہر تیس گائے میں ایک تبیع یا تبیعہ (گائے کا بچھڑا جو ایک سال مکمل کر کے دوسرے سال میں چل رہا ہو) لیں اور ہر چالیس گائے میں ایک مسنہ (بچھڑا جو دو سال مکمل کر کے تیسرے سال میں چل رہا ہو) میں یا اس کے برابر کے معافیر کپڑے لیں۔ معافر یمن کی ایک بستی کی طرف منسوب کپڑے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ ''جو شخص بھی اونٹ، گائے، بکری کا مالک ہو اور وہ ان کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن یہ جانور جسامت میں بڑا اور فربہ ہو کر آئے گا اور سینگوں کے ساتھ مالک کو مارے گا اور اسے اپنے کھروں تلے مسلے گا، یوں ہی آخری جانور مار کر ختم ہوگا پہلا آجائے گا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔'' ❷

تیس سے کم گائے میں زکوٰۃ نہیں۔ اس کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکور بالا حدیث ہے۔ جمہور کے نزدیک غیر سائمہ میں زکوٰۃ نہیں جبکہ مالکیہ کے نزدیک علوفہ اور عوامل میں بھی زکوٰۃ ہے۔ لیکن راجح قول جمہور کا قول ہے۔ چنانچہ حدیث ہے۔ ''جن بیلوں سے کام لیا جائے ان میں صدقہ نہیں۔''

نیز نماء (بڑھوتری افزائش نسل وغیرہ) کا تصور صرف سائم میں پایا جا سکتا ہے۔

سبھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ گائے کا ابتدائی نصاب تیس (۳۰) گائیں ہیں، چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث بالا کا یہی مقتضاء ہے، گائے کے ساتھ بھینس بھی شامل ہے، تیس سے انتالیس (۳۰۔۳۹) گائے میں ایک تبیع / تبیعہ ہے، جمہور کے نزدیک تبیعہ وہ بچھڑا ہے جو ایک سال مکمل کر لے اور دوسرے سال میں چل رہا ہو، مالکیہ کے نزدیک تبیع / تبیعہ وہ بچھڑا جو دو سال مکمل کر کے تیسرے سال میں چل رہا ہو۔ یہ زکوٰۃ تب ہوگی جب سال گزر جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں گائے اور بھینس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ گائے وحشی بیل سے پیدا ہو یا پالتو سے بخلاف اس کے عکس کے۔ یعنی اگر ماں وحشی ہو اور بیل پالتو ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔

چالیس سے انسٹھ (۴۰۔۵۹) تک ایک مسنہ ہے، جمہور کے نزدیک مسنہ وہ بچھڑا جو دو سال مکمل کر لے اور تیسرے سال میں چل رہا ہو اسے ثنی (جس کے دو دانت چڑھے ہوں) بھی کہتے ہیں مالکیہ کے نزدیک مسنہ وہ ہے جو تین سال مکمل کر کے چوتھے سال میں چل رہا ہو۔ حنفیہ نے اس نصاب میں اجازت دی ہے کہ خواہ مسنہ دیا جائے یا مسن (بچھڑا یا بچھڑی)۔

---

❶ تفصیل کے لئے دیکھئے المغنی ۲/۵۸۷، کشاف القناع ۲/۲۱۹۔ ❷ الحدیث الاول متفق علیہ والثانی رواہ الدارقطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وروی ابو داؤد عن علی۔

پھر ساٹھ سے ابتدا کر کے ہر تیس میں تبیعہ یا تبیع ہوگا اور ہر چالیس میں مسنہ ہوگا ۶۰ سے ۶۹ تک دو تبیع یا تبیعہ ہوں گے، ۷۰ سے ۷۹ تک ایک مسنہ اور ایک تبیع ہوگا یعنی ۴۰ کی طرف سے مسنہ دے اور ۳۰ گائے کی طرف سے تبیعہ۔ ۸۰ سے ۸۹ تک دو مسنہ دے، ۹۰ سے ۹۹ تک تین تبیعہ دے، ۱۰۰ میں دو تبیعہ اور ایک مسنہ، یعنی ۶۰ کی طرف سے دو تبیعہ اور ۴۰ کی طرف سے ایک مسنہ، اسی طرح ہر نئے دس پر فریضہ تبیعہ اور مسنہ کے درمیان تبدیل ہوتا رہے گا۔ چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اسی عمل کی مقتضی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں ۱۲۰ گائے میں سرکاری ملازم (جو زکوٰۃ وصول کرتا ہو) کو اختیار ہے خواہ تین مسنہ لے یا چار تبیعہ لے۔ اگر مالک کے پاس ایک ہی صنف ہو تو وہی لی جائے گی۔ ❶

عفو کا بیان...... دو فریضوں کے درمیان جو زائد گائیں ہوں گی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی یعنی چالیس سے ساٹھ تک کے درمیان بھی زکوٰۃ ہوگی چنانچہ ایک گائے پر مسنہ کا ربع عشر دیا جائے گا، دو میں نصف عشر مسنہ، تین میں مسنہ کے تین چوتھائی اور چار گائے پر مسنہ کا دسواں (عشر) حصہ ہوگا۔

صاحبین...... کہتے ہیں اور انہی کی رائے پر فتویٰ ہے اور یہی مختار قول ہے کہ چالیس سے زائد گائیوں پر کچھ نہیں حتیٰ کہ ساٹھ ہو جائیں تو ان پر دو تبیعہ/تبیع ہوں گے، بھینسوں اور گایوں میں کوئی فرق نہیں۔ چونکہ ان کی جنس ایک ہی ہے۔

جب جانوروں میں نر مادہ مشترک ہوں تو اس وقت زکوٰۃ میں تنہا نر نہیں دیئے جائیں گے چونکہ جانوروں میں مادہ افضل ہوتی ہے، چونکہ مادہ سے دودھ اور نسل حاصل ہوتی ہے، البتہ گائے کی جنس میں نر دینا جائز ہے، اگر مالک کے پاس صرف نر ہی ہوں تو زکوٰۃ میں نر ہی دیئے جائیں گے، چونکہ زکوٰۃ غمخواری کے طور پر مشروع ہوئی ہے اور مالک کو کلفت میں ڈالنا مشروعیت کے خلاف ہے۔

بھیڑوں اور بکریوں کی زکوٰۃ

یعنی اس عنوان کے تحت غنم کی زکوٰۃ کے متعلق گفتگو ہوگی "غنم" عربی میں بھیڑ اور بکری دونوں کو کہا جاتا ہے، خواہ نر ہوں یا مادہ۔

بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ بھی سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

سنت سے...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط جو کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے۔ "بھیڑ بکریاں جو کہ سائمہ (چرنے والی) ہوں وہ جب ۴۰ سے لے کر ۱۲۰ ہوں تو ان میں ایک بکری ہوگی جب ۱۲۰ سے زائد ہو جائیں تو ان میں دو بکریاں ہوگی، جب دو سو سے تین سو تک زائد ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو ہر سو میں ایک بکری ہوگی۔"

جب کسی شخص کی چالیس سائمہ بکریوں سے ایک بکری بھی کم ہو تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں البتہ مالک چاہے تو دے سکتا ہے۔

متفرق بھیڑ بکریوں کو یکجا نہ کیا جائے اور نہ ہی زکوٰۃ کے خوف سے یکجا جانوروں کو متفرق کیا جائے۔ نیز جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ دونوں برابر برابر تقسیم کر لیں۔ ❷

زکوٰۃ میں بوڑھا اور لاغر جانور نہ دیا جائے اور نہ ہی کانا دیا جائے اور نہ ہی نر بکرا لیا جائے ہاں البتہ خود مالک ہی دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

---

❶......یعنی اگر مالک کے پاس صرف تبیعہ ہی ہوں وہی لے گا۔ ❷ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً تین آدمی ہوں ان میں سے ہر ایک کے پاس ۴۰، ۴۰، ۴۰ بکریاں ہوں اب ان میں سے ہر ایک پر تین بکریاں زکوٰۃ آتی ہے وہ اکٹھی نہ کریں کہ ایک ہی بکری زکوٰۃ میں دیں، یکجا کو متفرق کرنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً دو شریکوں میں سے ایک کے پاس ۴۰ بکریاں دوسرے کے پاس بھی ۴۰ بکریاں وہ دونوں میں مشترک ہو تو ان پر ایک بکری زکوٰۃ ہوگی اس صورت میں خطاب ساعی کو ہوگا، تو جو مشترک زکوٰۃ دی ہے اس میں دونوں شریک ایک دوسرے سے رجوع کر لیں، مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے جو آیا چاہتا ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ چالیس سے کم بکریوں پر زکوۃ نہیں، چونکہ نصاب مکمل نہیں، جمہور کے نزدیک علوفہ (غیر سائم جنہیں گھر پر چارا دیا جاتا ہو) اور عوامل (کام میں جتے ہوئے جانور) میں زکوۃ نہیں، چونکہ علوفہ اور عوامل کا شمار حاجت اصلیہ میں ہوتا ہے۔البتہ مالکیہ کے نزدیک سائمہ علوفہ اور عوامل میں کوئی فرق نہیں۔

جب بکریاں چالیس سے ایک سو بیس (۴۰۔۱۲۰) تک ہوں تو ان میں ایک بکری ہے ایک سو اکیس سے دو سو (۱۲۱۔۲۰۰) تک دو بکریاں ہیں۔

دو سو ایک سے تین سو ننانوے (۲۰۰۔۳۹۹) تک تین بکریاں ہیں۔اور چار سو (۴۰۰) میں چار بکریاں ہیں۔پھر ہر سو پر ایک بکری ہے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بھیڑ اور بکریاں زکوۃ میں برابر ہیں۔

بکریوں کی زکوۃ صرف ثنی یعنی وہ بکری جس کا ایک سال مکمل ہو چکا ہو لیا جائے گا یہ جمہور کے نزدیک ہے، شافعیہ نے شرط لگائی ہے خصوصاً بکری وہ ہو جس کے دو سال مکمل ہو چکے ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں چھ ماہ کا دنبہ بھی کافی سمجھا جائے گا، اگر مالک زکوۃ میں عمدہ مال دینا چاہے تو جائز ہے۔

حنابلہ کی دلیل......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جو کہ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا جو زکوۃ وصول کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم بھیڑوں سے چھ ماہ کا دنبہ لیں اور بکریوں سے ثنی یعنی (جو دوسرے سال میں چل رہا ہو) لیں۔'' ابراہیم حربی کہتے ہیں: بھیڑوں سے چھ ماہ کا دنبہ اس لئے کافی ہوتا ہے چونکہ وہ بھیڑوں کو گابھن کر سکتا ہے جبکہ چھ ماہ کا بکرا گابھن نہیں کر سکتا، الا یہ کہ جب دوسرے سال میں چل رہا ہو تب بکری کو گابھن کر سکتا ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو فریضوں کے درمیان عفو ہے اس میں زکوۃ نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ بکریوں کی زکوۃ میں بھیڑ دینا اور اس کے برعکس جائز ہے، البتہ قیمت کی رعایت شرط ہے، یعنی بکری کی قیمت ۶ ماہ کے دنبہ کے مساوی ہو اور اس کے برعکس بھی مساوی ہو چونکہ جنس متحد ہے۔

حنابلہ نے یہ صوت بھی جائز قرار دی ہے کہ بکری کا ثنی (جس کا ایک سال مکمل ہو چکا ہو) چھ ماہ کے دنبہ کی جگہ دینا جائز ہے، اور چھ ماہ کا دنبہ ثنی (بکری) کی جگہ دینا بھی جائز ہے، البتہ قیمت سے ایک دوسرے کی کمی نہیں پوری کی جائے گی۔

گھوڑے، خچر اور گدھوں کی زکوۃ کا حکم......بالاجماع خچروں میں زکوۃ نہیں الا یہ کہ تجارت کے لئے ہوں، چونکہ اس وقت یہ سامان تجارت کے حکم میں ہوں گے، اسی طرح اگر گھوڑے تجارت کے لئے ہوں تو ان میں بھی بلا خلاف زکوۃ ہوگی۔

اگر گھوڑے تجارت کے لئے نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر گھوڑے سائم ہوں نر اور مادہ مشترک ہوں یا صرف مادہ ہوں جو دودھ اور افزائش نسل کے لئے ہو تو ان میں زکوۃ واجب ہے۔

مالک کو اختیار ہے چاہے تو ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے یا چاہے گھوڑوں کی قیمت لگائے اور ہر دو سو درہم پر پانچ درہم (یا کرنسی نوٹوں کا حساب لگا کر) دے، جس طرح سامان تجارت میں ہوتا ہے، البتہ اگر تنہا نر گھوڑے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں چونکہ سنت میں ان کی روایت نہیں ملتی۔[1]

[1]......مزید تفصیل کے لئے دیکھئے البدائع ۳۴/۲، فتح القدیر ۵۰۲/۱، الدر المختار ۲۵/۲۔

دلیل......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔''ہر چرنے والے گھوڑے میں ایک دینار یا دس درہم ہیں۔'' ❶ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو گھوڑوں کی زکوٰۃ کے متعلق خط لکھا اس میں گھوڑوں کے مالکان کو اختیار دیا اور فرمایا: اگر چاہو تو ہر گھوڑے کی طرف سے ایک درہم دو، ورنہ قیمت لگاؤ اور ہر دوسو درہم پر ۵ درہم دو۔ ❷

صاحبین......صاحبین کہتے ہیں: گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں اور نہ خچروں پر اور نہ ہی گدھوں پر زکوٰۃ ہے۔ الا یہ کہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر زکوٰۃ ہوگی، صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ ❸ یہ رائے بقیہ ائمہ کی رائے کے موافق ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں۔ ❹

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کیا گدھوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ان کے متعلق کوئی حکم (بذریعہ وحی) نہیں آیا، البتہ یہ ایک آیت ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ الزلزلۃ ۹۹/ ۷۔۸

جو شخص ذرہ برابر بھی بھلائی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی برائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ ❺

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ''میں نے تمہیں گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے۔'' ❻

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑوں کی زکوٰۃ میں جو کچھ لیتے تھے وہ مالکان کی طرف سے محض تبرع ہوتا تھا، یہی رائے صحیح رائے ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے اسلام میں گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کی زکوٰۃ نہیں۔

چوتھی چیز......جانوروں میں خلیطین (دو شریکوں) کی زکوٰۃ

حنفیہ کے نزدیک خلطہ (شراکت) سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، چونکہ ہر شریک کا نصاب مستقلاً تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ جب دو نصابوں میں شراکت ہوئی مثلاً شریکین میں سے ہر شریک چالیس چالیس بکریوں کا مالک ہو تو ہر ایک شریک پر ایک ایک بکری واجب ہوگی چنانچہ حدیث نبوی ہے۔''چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے۔''

جمہور......کہتے ہیں: خلطہ (شراکت) زکوٰۃ میں موثر ہے، لہٰذا دو شریک تنہا مالک کی طرح زکوٰۃ دیں گے البتہ مالکیہ کہتے ہیں اگر مجموعی حصہ کا نصاب یکجا ہو جائے جو دونوں شریکوں کے حصوں کا مجموعہ ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ ❼ شراکت تب موثر ہوتی ہے جب ہر ایک شریک نصاب کا مالک ہو۔

جمہور کے مذاہب کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

مالکیہ......کہتے ہیں ایک نوع کے جانوروں کے شرکاء کا زکوٰۃ میں مالک واحد کا حکم ہے، جیسے تین شرکاء ہوں اور ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہوں تو زکوٰۃ میں صرف ایک بکری واجب ہوگی۔ اور ہر شریک پر بکری کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ معلوم ہوا شراکت (خلطہ) اثر

---

❶......اخرجه البيهقي والدارقطني وهو ضعيف جداً (نصب الراية ۲/ ۳۵۷) ❷ الاثر مروى عند الدارقطني بنحو آخر۔ ❸ امام صاحب کے قول پر بھی فتویٰ کی گنجائش ہے بہرحال امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دینے کے لئے مفتی کو محقق ہونا ضروری ہے۔ ❹ رواه الجماعة عن ابي هريرة۔ ❺ رواه احمد عن ابي هريرة وفي الصحيحين معناه۔ ❻ رواه الترمذي عن علي رضي الله تعالى عنه۔ ❼ مثلاً بیس بکریاں ایک شریک کی ہو، اور بیس دوسرے کی تو یکجا کر لینے سے زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

انداز ہوئی ہے اور اس نے زکوٰۃ میں تخفیف کی ہے۔البتہ اگر شرکاء متفرق ہوں تو ہر ایک پر ایک ایک بکری واجب ہوگی۔

بسا اوقات خلطہ بوجھ بھی بن جاتا ہے جیسے مثلاً ایک شخص (شریک) کے پاس ایک سوایک بکریاں ہوں اور دوسرے کے پاس بھی ایک سوایک بھیڑ بکریاں ہوں تو اس صورت میں تین بکریاں زکوٰۃ میں واجب ہوں گی، جبکہ اگر خلطہ کی صورت نہ ہوتی تو ہر ایک پر صرف ایک ایک بکری واجب ہوتی، یہاں خلطہ نے تیسری بکری بھی واجب کردی۔لہٰذا یکجا جانوروں کو متفرق نہیں کیا جائے گا اور متفرق کو یکجا نہیں کیا جائے گا۔

خلطہ اسی وقت اثر انداز ہوگا جب شریکین میں سے ہر شخص انفرادی طور پر نصاب کا مالک ہو، اگر دونوں کا مجموعہ (بمشکل) نصاب کو پہنچتا ہو تو شریکین پر زکوٰۃ نہیں ہوگی ❶ اگر دونوں کا مجموعہ نصاب تک نہ پہنچتا ہو تو بالا جماع زکوٰۃ نہیں ہوگی۔اگر ایک شریک کی ملک میں نصاب کامل ہو اور دوسرے کی ملک میں نصاب ناقص ہو تو صاحب نصاب پر زکوٰۃ ہوگی۔اور وہ انفرادی زکوٰۃ دے گا۔

اختلاط (اشتراک) چار شرائط کے ساتھ موثر ہوتا ہے۔

اول......اشتراک سے زکوٰۃ سے بھاگنے کی نیت نہ ہو۔

دوم......شریکین میں سے ہر ایک کے مویشی ایسے ہوں جو ایک دوسرے میں ضم ہو سکتے ہوں جیسے بھیڑ بکریاں۔

سوم......یہ کہ شریکیں میں سے ہر ایک زکوٰۃ کا شرعاً مخاطب ہو، یعنی آزاد ہو، مسلمان ہو، نصاب کا مالک ہو، سال پورا ہو، اگر ایک شریک مسلمان ہو اور دوسرا کافر ہو تو زکوٰۃ صرف مسلمان پر واجب ہوگی، اسی طرح اگر ایک شریک کے مویشیوں پر سال گزرا جبکہ دوسرے شریک کے مویشیوں پر سال نہ گزرا تو پہلا شریک انفرادی صرف اپنے نصاب کی زکوٰۃ دے گا۔

چہارم......یہ کہ دونوں کا چرواہا، نر (گابھن کرنے والا بکرا)، ڈول، چراگاہ، اور باڑہ بھی مشترک ہو یعنی دونوں کا چرواہا ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں پر دونوں کے لئے مشترک ہوں، چرانے میں دونوں مشترک ہوں یا ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوں، دونوں کی بکریوں کا نر (بکرا) مشترک ہو، دونوں کی بکریاں ایک ہی جگہ سے پانی پیتی ہوں، چراگاہ میں بکریاں اکٹھی جاتی ہوں، باڑے میں رات کو اکٹھی رہتی ہوں البتہ اگر بقدر ضرورت باڑے ایک سے زائد بھی ہوں تو بھی کچھ حرج نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں خلطہ (شراکت) یا تو مویشیوں میں ہوگی یا ان کے علاوہ دیگر اموال میں۔

الف: غیر مویشیوں میں شراکت...... یعنی دیگر اموال میں شراکت ہو جیسے نقود، اناج، پھل، سامان تجارت، حنابلہ کے نزدیک ان اموال میں خلطہ اثر انداز نہیں ہوتا، چونکہ فرمان نبوی ہے۔" زکوٰۃ کے خوف سے یکجا مال کو متفرق نہ کیا جائے۔" چونکہ خلطہ (شراکت) مویشیوں میں ہوتا ہے، ان میں بسا اوقات نفع ہوتا ہے اور بسا اوقات نقصان۔مویشیوں کے علاوہ دیگر اموال میں رب المال کو ضرر (نقصان) ہونے کا تصور نہیں ہوتا، چونکہ مویشیوں کے علاوہ دیگر اموال میں نصاب پر زکوٰۃ ہوگی اور جو مال زکوٰۃ سے زائد ہوگا اس کی زکوٰۃ اسی کے حساب سے ہوگی، لہٰذا اموال کو یکجا کرنے میں کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی یکجا کرنے سے نصاب میں معافی نہیں ہوتی۔

شافعیہ کے جدید مذہب کے مطابق خلطہ مویشیوں کے علاوہ دیگر اموال میں مؤثر ہے چونکہ حدیث سابق ہے۔کہ" متفرق مال کو یکجا نہیں کیا جائے گا اور زکوٰۃ کے خوف کی وجہ سے یکجا کو متفرق نہیں کیا جائے گا۔" دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مویشیوں کے علاوہ بھی مال ہے لہٰذا خلطہ اس میں بھی موثر ہوگا، جیسے مویشیوں میں خلطہ موثر ہوتا ہے، نیز دونوں قسم کے اموال مال واحد کی طرح ہیں، ان کی مشقت بھی ویسی اٹھانی پڑتی ہے مثلاً دوسرے اموال کے لئے بھی نگران چاہئے، حفاظت کی جگہ چاہئے وغیرہ۔

❶......مثلاً دونوں کی ۲۰،۲۰ بکریاں ہوں یا ایک کی ۳۰ دوسرے کی ۵ تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

لہٰذا جب اسٹور، اسٹاک، ترازو اور بائع ایک ہو تو مشقت تخفیف لائے گی، شافعیہ کہتے ہیں: منفعت بہم ہوگی لہٰذا مال واحد کی طرح دونوں قسم کے اموال کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

ب: مویشیوں میں خلطہ..... یعنی زکوٰۃ دینے والے مویشیوں میں شراکت کرلیں، تو اس قسم کا خلطہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ کے واجب کرنے، ساقط کرنے اور تشدید وتخفیف میں موثر ہوگا، لہٰذا مختلف اموال مال واحد کی طرح ہوں گے، چونکہ حدیث گزر چکی ہے۔ کہ ''متفرق مال کو یکجا نہیں کیا جائے گا اور یکجا کو متفرق نہیں کیا جائے گا۔'' اس حدیث میں مالک کو مال الگ الگ کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح یکجا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے زکوٰۃ کے واجب ہونے یا اس کے زیادہ ہونے کے خوف سے، سرکاری کارندے کو بھی اس سے منع کیا گیا ہے زکوٰۃ ساقط کرنے یا کم کرنے کے خوف سے۔

جو خلطہ جائز اور موثر ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱..... خلطۃ الشیوع اسے خلطہ اعیان بھی کہا جاتا ہے۔

۲..... خلطۃ الجوار اسے خلطۃ اوصاف بھی کہا جاتا ہے۔

۱: خلطۃ الشیوع..... خلطۃ الشیوع یا خلطۃ اعیان یہ ہے کہ دو آدمی (جو زکوٰۃ دینے والے ہوں) ایک ہی جنس کے مویشیوں میں شریک ہوں جو مویشی وراثت میں دونوں کو ملے ہوں یا باہمی طور پر خریدے ہوں یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوئے ہوں خواہ مویشی نصاب تک پہنچتے ہوں یا نصاب سے کم ہوں، جیسے دو بھائیوں کو وراثت میں چالیس بکریاں ملی ہوں، یا دونوں نے باہم مل کر تیس گائیں خریدی ہوں، یا مویشی دونوں کے درمیان مشترک ہوں اور مویشیوں میں دونوں کا حصہ مشاع ہو۔ یعنی دونوں مالوں میں باہمی امتزاج اور شیوع (اشتراک ہو) ایک کی ملک دوسرے کی ملک سے ممتاز نہ ہو، اور ہر ایک کا مال میں غیر متعین حصہ ہو۔

۲: خلطۃ الجوار..... خلطۃ الجوار یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا مال ممتاز (جدا) ہو البتہ دونوں شریک آپس میں مویشیوں کو خلط کرلیں اور آنے والے اوصاف میں باہم شریک ہوں، برابر ہے کہ دونوں کا حصہ برابر ہو یا مختلف ہو، مثلاً ایک شخص کی ایک بکری ہو اور دوسرے کی انتالیس (۳۹) بکریاں ہوں یا مثلاً چالیس آدمیوں کی چالیس بکریاں ہوں اور ہر ایک کے حصہ میں ایک ایک بکری ہو، یعنی خلطۃ الجوار کی صورت میں اموال میں امتزاج نہ ہو بلکہ الگ الگ ہو۔

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اشتراک سے پہلے ہر شریک کے مال کا کامل نصاب ہونا شرط نہیں جبکہ اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک نصاب ہونا شرط ہے جبکہ خلطہ کی نیت شرط نہیں چونکہ مشقت مختلف مواقع کے اتحاد کی وجہ سے کم ہوتی ہے، یعنی خلطہ سے مقصود ایسا فائدہ ہے جو اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ نیز نیت خلطہ پر اثر انداز نہیں ہوتی، لہٰذا حکم میں بھی موثر نہیں ہوتی۔

شرکت کی یہ دونوں اقسام شریکین کو تخفیف کا فائدہ دیتی ہیں، جیسی دو آدمی اسی (۸۰) بکریوں میں برابر سرابر کے شریک ہوں، یہ شرکت کبھی گرانی بھی بنتی ہے جیسے چالیس بکریوں میں دو آدمی شریک ہوں، یا تخفیف اور گرانی دونوں ہوتی ہیں جیسے دو آدمی ساٹھ (۶۰) بکریوں میں شریک ہوں ایک کا حصہ دو تہائی ہو اور دوسرے کا حصہ ایک تہائی ہو، بسا اوقات یہ شراکت نہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ ہی تثقیل کا جیسے دو سو بکریوں میں دو شخص برابر برابر شریک ہوں۔

شراکت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط..... شراکت کی صورت میں اسی طرح زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جس طرح انفرادی طور پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ تاہم شراکت کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱..... یہ کہ دونوں شریکین وجوب زکوٰۃ کے اہل ہوں، یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ زکوٰۃ مسلمان آزاد جس کی ملک تام ہو اس پر واجب

ہوتی ہے۔

۲.....جس مال میں شراکت ہو وہ نصاب تک پہنچا ہو، شراکت کے اس مال پر زکوۃ نہیں ہوگی جو نصاب کو نہ پہنچا ہو۔

۳.....یہ کہ شراکت کے مال پر سال گزرا ہو اگر ایسا نہیں تو ہر شریک انفرادی طور پر سال گزرنے پر زکوۃ دے گا، اگر ایک شخص کی چالیس بکریاں ہوں ان پر سال کا کچھ حصہ گزر جائے پھر ان میں سے کچھ مشترک بکریوں کو بیچ دے تو بائع کا سال ان بکریوں میں منقطع ہو جائے گا جو نہیں بیچیں، دونوں شریکوں کا سال از سر نو شروع ہوگا اور اس کا حساب بوقت بیع سے کیا جائے گا۔

۴.....یہ کہ دونوں شریکوں کا مال مندرجہ ذیل چھ اوصاف میں ایک دوسرے سے الگ نہ ہو۔

۱.....چراگاہ الگ الگ نہ ہو بلکہ مشترک ہو۔ ۲.....پانی کا گھاٹ مشترک ہو جدا جدا نہ ہو۔

۳.....دودھ ایک ہی برتن میں دوہا جاتا ہو۔ ۴.....بیاہنے والا نر مشترک ہو۔

۵.....چرواہا مشترک ہو۔ ۶.....باڑہ مشترک ہو۔

چونکہ مذکورہ اوصاف میں سے ایک وصف میں بھی امتیاز برتا گیا تو مشترک مال مال واحد کے حکم میں نہیں رہے گا، شراکت کا قصد اور ارادہ بھی ہوتا کہ مال واحد کے حکم سے اخراجات میں تخفیف ہو۔ متعدد چرواہے ہونا بھی جائز ہے لیکن یہ امتیاز نہ ہو کہ یہ چرواہا فلاں کی بکریاں چروائے گا اور یہ چرواہا فلاں کی۔

ان شرائط میں اصل وہی پیچھے والی حدیث ہے۔ کہ "متفرق مال کو یکجا نہیں کیا جائے اور یکجا مال کو متفرق نہیں کیا جائے گا۔ اور جو دو شریک ہوں وہ برابر برابر ایک دوسرے سے رجوع کرلیں۔

نیز دونوں اموال مال واحد کے حکم میں ہیں لہٰذا ان دونوں اموال کی زکوۃ بھی مال واحد کی زکوۃ کی طرح ہوگی، اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ "جب دونوں شریک ایک نر، چراگاہ اور حوض وغیرہ پر اکٹھے ہوں۔" ❶ اس حدیث میں تین اوصاف منصوص علیہ ہیں اور بقیہ تین اوصاف پر تنبیہ کردی گئی ہے۔ ❷

شراکت کے مال سے زکوۃ کا طریقہ کار

.....شافعیہ کا صحیح قول اور امام احمد کا ظاہری کلام یہ ہے کہ زکوۃ اصول کرنے والا ملازم شریکین کے مال سے فرض زکوۃ لے برابر ہے اس کی حاجت پیش آئے یا نہ آئے۔

حاجت پیش آنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً فریضہ عین واحد ہو اور فرض زکوۃ کا لینا دو اموال میں سے صرف ایک مال سے لینا ممکن ہو، حاجت/ضرورت پیش نہ آنے کی مثال کہ دونوں شریکین کے اموال میں فرض زکوۃ دستیاب ہو چونکہ شراکت سے اموال مال واحد کی طرح ہو جاتے ہیں لہٰذا دونوں سے زکوۃ لینا واجب ہے۔

اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لایجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة

یہاں دو طرح کے خوف ہیں ایک رب المال کا خوف ہے جو زکوۃ کے زائد ہونے کا ہے اور دوسرا سرکاری ملازم کا ہے جو زکوۃ کم ہونے کا ہے، لہٰذا مالکان متفرق اموال کو یکجا نہیں کرسکتے کہ ان میں سے ہر مالک کے مال میں ایک بکری واجب ہے، تاکہ واجب ہونے والی زکوۃ کم

---

❶.....رواہ الدارقطنی والبیھقی باسناد ضعیف عن سعد بن ابی وقاص۔ ❷ حنفیہ کے نزدیک خلطہ کی دونوں صورتوں کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ انفرادی طور پر ہر شخص پر اپنے حصہ کی زکوۃ واجب ہوگی۔ حنفیہ کا استدلال ابوداؤد کی روایت سے ہے جو علی بن معاویہ سے مرفوعاً منقول ہے۔ "وفی الغنم فی کل اربعین شاۃ فان لم یکن لا تسع وثلاثون فلیس علیک فیھا شئی" ائمہ ثلاثہ کے مستدل حدیث لا یجمع بین متفرق الحدیث کا مطلب حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ زکوۃ کو کم کرنے کی غرض سے متفرق مال کو نہ یکجا کیا جائے اور نہ یکجا مال کو متفرق کیا جائے۔ دیکھئے درس ترمذی ۲/۴۱۷ تا ۴۲۱

ہوجائے، اسی طرح یکجا ہونے سے اگر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو یکجا مال کو متفرق نہیں کرسکتے، اس غرض سے کہ زکوٰۃ ہی ان کے ذمہ سے ساقط ہوجائے۔ سرکاری ملازم کے لئے بھی روا نہیں کہ وہ کثرت زکوٰۃ کے لئے شریکوں کے اموال کو متفرق کردے اور نہ ہی زکوٰۃ واجب ہونے کی غرض سے متفرق اموال کو یکجا کرسکتا ہے۔

جب سرکاری ملازم (مصدق، ساعی) شریکین میں سے کسی ایک کے مال سے زکوٰۃ لے لے تو دی گئی زکوٰۃ میں ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر اس پر رجوع کرسکتا ہے، مالکیہ کی رائے یہی ہے، چونکہ سابق میں حدیث گزر چکی ہے کہ "ما كان من خليطين فانهما يتراجعان بالسوية" جب ایک شریک کا حصہ ایک تہائی ہو اور دوسرے شریک کا حصہ دو تہائی ہو اور ساعی نے اس شریک کے مال سے زکوٰۃ لی جس کا حصہ ایک تہائی ہو تو وہ بکری کی دو تہائی قیمت میں اپنے شریک سے رجوع کرلے (یعنی اس سے بکری کی دو تہائی قیمت لے) اگر ساعی نے دوسرے شریک کے مال سے زکوٰۃ لی تو وہ ایک ثلث قیمت میں شریک سے رجوع کرلے۔

اگر شریکین کا آپس میں اختلاف ہوجائے تو مرجوع علیہ ❶ کا قول معتبر ہوگا جبکہ گواہ معدوم ہوں، چونکہ وہ تاوان دہندہ ہوتا ہے لہٰذا قول اسی کا معتبر ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے غاصب کا مالک کے ساتھ مغصوبہ مال کی قیمت میں اختلاف ہوجائے اور مغصوبہ مال ضائع ہوجائے تو قول غاصب کا معتبر ہوگا۔

اگر سرکاری ملازم نے زکوٰۃ بغیر تاویل کے زیادہ لے لی مثلاً ایک بکری واجب تھی اور اس نے دو بکریاں لے لیں یا حقہ کی بجائے جذعہ لے لیا تو جس شریک کے مال سے زکوٰۃ لی گئی وہ وہ بقدر واجب میں رجوع کرے گا جو زائد دیا تو اس میں رجوع نہیں کرے گا❷ چونکہ وہ ظلم ہے لہٰذا ظلم میں غیر ظالم پر رجوع نہیں کرسکتا۔

اگر ملازم نے معتبر تاویل کی روشنی میں حق سے زائد زکوٰۃ لی جیسے مریض جانوروں میں سے تندرست لے لیا یا چھوٹے جانوروں سے بڑا لے لیا تو اس صورت میں لئے گئے جانور کے نصف حصہ سے اپنے شریک پر رجوع کرے گا چونکہ یہ سلطان کی طرف سے اجتہاد ہوا ہے لہٰذا اس میں کمی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر زکوٰۃ میں قیمت لی تو قیمت کے بقدر حصہ رجوع کرے گا چونکہ ملازم نے سلطان کے اجتہاد کے مطابق زکوٰۃ لی ہے۔

پانچویں چیز......جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق متفرق احکام

ا: کیا زکوٰۃ عین میں واجب ہے یا ذمہ میں؟......فقہاء کی مسئلہ عنوان الصدر میں دو رائیں ہیں۔❸

الف......حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ جدید قول کے مطابق کہتے ہیں: زکوٰۃ عین میں واجب ہوتی ہے نہ کہ ذمہ میں، چنانچہ زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد جب مال ہلاک ہوجائے اگرچہ ساعی (سرکاری ملازم) کو انکار کرنے کے بعد مال ضائع ہوجائے حنفیہ کے صحیح قول میں، تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، چونکہ زکوٰۃ ایک حق ہے جو مال سے متعلق ہوتا ہے، لہٰذا مال کے ہلاک ہونے سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، معلوم ہوا زکوٰۃ عین مال سے تعلق رکھتی ہے، جیسے مضاربت کی صورت میں مال کا کچھ حصہ ضائع ہوجائے تو مضارب کے حصہ کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔

اگر مال جان بوجھ کر ہلاک کیا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، چونکہ وجوب کے بعد زکوٰۃ امانت کی مترادف ہے، چنانچہ جب مالک مال کو جان

---

❶......مرجوع علیہ سے مراد وہ شریک جس کے مال سے زکوٰۃ نہیں لی گئی بلکہ دوسرا شریک اس پر رجوع کرتا ہے۔ ❷ مثلاً دو بکریاں میں جبکہ واجب ایک ہی بکری تھی تو صرف ایک بکری کے حصہ میں رجوع کرے گا دوسری بکری میں رجوع نہیں کرسکتا۔ ❸ دیکھئے الدر المختار ۲/۲۷، شرح المجموع ۵/۳۴۱، البدائع ۲/۲۲، المغنی ۲/۶۷۸۔

بوجھ کر ہلاک (ضائع) کر دیتا ہے تو اس کا ضامن ہوتا ہے جیسے ودیعت جان بوجھ کر ہلاک کرنے سے ضمان دینا پڑتا ہے۔

ب.....حنابلہ کہتے ہیں سال گزرنے پر زکوٰۃ ذمہ میں واجب ہوتی ہے اگر چہ مالک مال کو تلف کر دے اور تلف میں خواہ اس کی کوتاہی ہو یا نہ ہو، چنانچہ جب سال گزر جائے اور مالک زکوٰۃ نہ دے تو گزشتہ سال کی زکوٰۃ کا دینا واجب ہوگا۔

فرع.....شافعیہ نے اسی اصول پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے کہ مالک زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال بیچ ڈالے مال خواہ جانور ہوں یا اناج ہو نقدی ہو یا غیر نقدی تو بقدر زکوٰۃ میں بیع باطل ہوگی، چونکہ زکوٰۃ کی مقدار میں مساکین مالک کے شریک ہیں۔ لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر بیع باطل ہوگی۔

جبکہ حنفیہ اور حنابلہ نے زکوٰۃ کے مال کی بیع جائز قرار دی ہے، البتہ مالک زکوٰۃ کا ضامن ہوگا۔

۲: زکوٰۃ میں قیمت دینا..... حنفیہ اپنی اصل پر تفریع بٹھاتے ہوئے کہ زکوٰۃ میں نصاب کا جزو واجب ہوتا ہے خواہ صورۃً ومعناً یا فقط معناً کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں قیمت دینا جائز ہے۔ ❶

اسی طرح عشر، خراج، صدقہ، فطر نذر اور غلام آزاد کرنے کی صورت کے کفارہ کے علاوہ بقیہ کفارہ جات میں بھی قیمت دینا جائز ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجوب کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے، صاحبین کے نزدیک ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے، البتہ سائمہ جانوروں کی قیمت میں بالاتفاق زکوٰۃ ادا کرنے کے دن کا اعتبار ہوگا، واجب ہونے والی چیز (مثلاً بکری، اناج وغیرہ) کی قیمت اس شہر میں لگائی جائے گی جس میں مال موجود ہو، اگر مال جنگل میں ہو تو قریب ترین شہر کا اعتبار ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں واجب ہونے والی چیز نصاب کا جزو ہوتا ہے اور وہ معنی کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے، معنی سے مراد مالیت ہے، قیمت کا ادا کرنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ مال ہے، نیز قیمت دینے میں زکوٰۃ دہندہ پر آسانی ہے، اور مسکین کو بھی حسب حاجت صرف کرنے میں آسانی ہے۔ ❷

''ایک روایت بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے اونٹوں میں بلند کوہان والا ایک اعلیٰ اونٹ دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم عامل پر غصہ ہوگئے، اور فرمایا: کیا میں نے تمہیں لوگوں کے عمدہ اموال سے زکوٰۃ لینے سے منع نہیں کیا؟ عامل نے کہا: میں نے یہ اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں لیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے ''میں نے اسے واپس کر دیا تھا، اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔''

حدیث سے معلوم ہوا دو اونٹوں کے بدلہ میں ایک اونٹ لینا باعتبار قیمت کے تھا۔ ❸

ج.....جمہور کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں قیمت دینا جائز نہیں، چونکہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منصوص علیہ پر معلق کیا ہے، لہٰذا واجب زکوٰۃ کا کسی اور چیز کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں۔ جیسے قربانی بعینہ جانور کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اس میں قیمت کسی طرح جائز نہیں، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک نیکی ہے، جو چیز بھی اس نوعیت کی ہو اس میں اصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کی جائے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور دو سو دراہم میں پانچ دراہم ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے مجمل فرمان۔ ''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' (البقرة ۲/۲۷۷) کی تفصیل بھی ہے، گویا حدیث میں بکری کا ذکر مامور بہ زکوٰۃ ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن روانہ کیا تو ان سے

---

❶.....دیکھئے البدائع ۲/۲۵، الدر المختار ۲/۲۹ اللباب ۱/۱۴۷ فتح القدير ۱/۵۰۷۔ ❷ مثلاً زکوٰۃ میں بکری واجب ہوئی مزکی بکری دے دے اس سے مسکین کی دودھ اور گوشت کی حاجت پوری ہوگی اور اگر بکری کی قیمت دے دی جائے تو اس کی سب ہی حاجات اس سے پوری ہوسکتی ہیں۔
❸ رواه احمد والبيهقي۔

فرمایا: اناج سے اناج ہی لو، بکریوں سے بکری لو، اونٹوں سے اونٹ لو اور گائیوں سے گائے لو ❶ یہ نص ہے اور اس کا التزام واجب ہے، یہ ساری تفصیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ عین میں واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں زکوٰۃ میں قیمت لینا جائز نہیں البتہ پانچ مسائل میں قیمت لینا جائز ہے:

۱.....سامان تجارت کی زکوٰۃ میں قیمت لینا جائز ہے۔

۲.....جبران کی صورت میں اس سے مراد یہ ہے کہ مثلاً اونٹوں کی زکوٰۃ میں دو بکریاں واجب ہوں اور وہ دستیاب نہ ہوں تو بیس دراہم لے لئے جائیں۔

۳.....اونٹوں کی طرف سے بکری نکالی یہ جانتے ہوئے کہ اگر قیمت نہ ہوتی تو بکری قیمت کے معنی میں ہے۔

۴.....زکوٰۃ میں اعلیٰ اور ادنیٰ کے تفاوت کی حالت میں کمی پوری کرنے کے لئے قیمت دینا جائز ہے مثلاً اچھی ادنیٰ جانور لے لے اور کمی پورے کرنے کے لئے نقدی لے لے۔

۵.....یہ کہ امام (حکمران) مستحقین کے لئے نقدی مال صرف کردے جو کہ فی الحال زکوٰۃ کا بدل ہو۔

میں حنفیہ کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں چونکہ زکوٰۃ کا مقصد فقیر کی حاجت براری ہے اور یہ قیمت ادا کرنے سے متحقق ہوتی ہے، اس لئے بھی کہ فقیر اب بعینہ مال کے بجائے قیمت لینے میں زیادہ رغبت کرتا ہے، قیمت کا دینا لوگوں کے لئے آسان اور حساب کرنے میں سہل تر ہے۔ ❷

۳: اجناس کی مختلف انواع کو ایک دوسرے میں ضم کرنا..... اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجناس کی مختلف انواع کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم کیا جائے گا، چنانچہ بکریوں کو بھیڑوں کے ساتھ ملا لیا جائے گا، بھینسوں کو گائیوں کے ساتھ ملا لیا جائے گا اور بختی اونٹوں کو عربی اونٹوں کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ ❸

جمہور کے نزدیک مالک جس نوع سے چاہے زکوٰۃ دے سکتا ہے برابر ہے کہ اس کی حاجت پیش آئے یا نہ آئے، جیسے دو مختلف انواع میں مستقلاً زکوٰۃ واجب ہو تو مالک کو اختیار ہے ان دو انواع میں سے جس سے چاہے زکوٰۃ دے، چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس بیس (۲۰) بھیڑیں ہوں اور بیس (۲۰) بکریاں ہوں، ان دونوں انواع سے ایسا جانور دے جس کی قیمت نصف بھیڑ اور نصف بکری کے برابر ہو۔

شافعیہ.....شافعیہ کہتے ہیں۔ اگر مویشیوں کی نوع متحد ہو (یعنی ایک ہی نوع ہو) تو زکوٰۃ اسی نوع سے لی جائے گی۔ جیسے ایک ہی صفت کے اونٹ ہوں یا سب کی سب بھینسیں ہی ہوں تو انہی سے زکوٰۃ لی جائے گی، شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق بکریوں کی طرف سے بھیڑ لینا جائز ہے اور اس کے برعکس بھی جائز ہے، البتہ اس میں قیمت کی رعایت شرط ہے، اگر مویشیوں کی نوع مختلف ہو جیسے بھیڑیں اور بکریاں تو ظاہری قول یہ ہے کہ مالک دونوں انواع سے جو چاہے دے سکتا ہے، البتہ قیمت کی رعایت رکھی جائے گی۔ چنانچہ اگر کسی کے پاس تیس (۳۰) بکریاں ہوں اور دس (۱۰) بھیڑیں ہوں تو اچھی بکری لے، یا بھیڑ لے جس کے تین چوتھائی بکری کے تین چوتھائی قیمت کے برابر ہوں اور ایک چوتھائی بھیڑ کے ایک چوتھائی کے برابر ہو، بھیڑ لینے میں بھی یہی اعتبار کیا جائے گا۔

حقیقت میں شافعیہ کا مذہب بھی دوسری مذاہب کی طرح ہے صرف بھیڑ اور بکری کی قیمت کی رعایت میں تھوڑی تفصیل ہے۔

۴: بچے زکوٰۃ میں اصل کے تابع ہوں گے..... مذاہب اربعہ کے ائمہ کا اتفاق ہے کہ جانوروں کے بچے سال میں اپنی ماؤں

---

❶.....رواہ ابوداؤد وابن ماجہ (نیل الاوطار ۴/۱۵۲) ❷ یہی مفتی بہ ہے۔ چونکہ اس میں بے شمار آسانیاں ہیں۔ ❸ بختی اونٹ جو عربی اور عجمی اونٹوں سے پیدا ہو۔

کے تابع ہوں گے، نصاب کا سال مکمل ہونے سے پہلے ہر وہ بچہ جو سال سے پہلے پیدا ہو جائے اگر چہ سال مکمل ہونے سے لحہ بھر پہلے پیدا ہو تو اصل (ماؤں) کے سال گزرنے پر اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عامل سے کہا تھا۔" بکری کا وہ بچہ بھی شمار کرو جسے شام کے وقت چرواہا ہاتھوں پر اٹھا کر لے آئے، زکوٰۃ میں یہ بچہ نہ لو۔" عقلی دلیل یہ ہے کہ سال کی شرط اس لئے لگائی جاتی ہے تا کہ حاصل ہونے والی نماء مکمل ہو جائے، سال کے دوران پیدا ہونے والے بچے حقیقت میں نماء ہیں لہٰذا واجب ہے کہ بچوں کو اصل کے ساتھ ملایا جائے جیسے اموال تجارت کی آمدنی کو اصل مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ (۱)

چنانچہ مذکور بالا اصول کے تحت اگر کسی شخص کے پاس ایک سوبیس بکریاں ہوں اور سال گزرنے سے لحہ بھر پہلے ایک بکری نے بچہ جنم دیا جبکہ مائیں بھی باقی ہوں تو دو بکریاں زکوٰۃ میں لازم ہوں گی۔

اگر کوئی بچہ اس طرح پیدا ہوا کہ سال مکمل ہونے سے پہلے بچے کا کچھ حصہ ظاہر ہوا اور سال مکمل ہونے کے بعد وہ پوری طرح پیدا ہوا تو اس بچے کا سال اصلی مال کا سال نہیں ہوگا چونکہ اس کے مکمل طور پر پیدا ہونے سے پہلے اصل کا سال گذر چکا، البتہ دوسرے سال کا شمار اس میں ہوگا۔

تنہا بچوں کی زکوٰۃ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اونٹوں کے بچوں، گائے کے بچوں اور بکریوں کے بچوں پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ اگر بچوں کے ساتھ بڑے جانور بھی ہوں اگر چہ ایک ہی ہو تو زکوٰۃ ہوگی۔

زکوٰۃ میں یہی ایک بڑا جانور دینا واجب ہوگا بشرطیکہ نہایت عمدہ نہ ہو، ورنہ درمیانی قسم کا لازم ہوگا۔

اسی اصول کے مطابق شرط ہے کہ مویشی سال تک پہنچیں، زکوٰۃ میں وہی کافی سمجھا جائے گا جو سال تک پہنچا ہو، مثلاً مویشی سبھی یا بعض مسنہ (جن کے دو سال مکمل ہو جائیں) ہوں چونکہ سال ہی سے فرض میں تغیر آتا ہے، لہٰذا کمی اور نقصان سے زکوٰۃ متاثر ہوگی۔ جیسے تعداد سے متاثر ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بقیہ ائمہ نے مخالفت کی ہے اور بچوں میں مطلقاً زکوٰۃ واجب کی ہے چونکہ بچے بڑوں کے ساتھ شمار کئے جاتے ہیں لہٰذا انفرادی طور پر بھی شمار کئے جائیں گے جیسے مائیں اکیلی شمار کی جاتی ہیں، جبکہ تعداد زکوٰۃ میں اضافہ کرتی ہے یہ سال کے بخلاف ہے۔

۵: دوران سال حاصل ہونے والا حیوان......حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: جس شخص کے پاس جانوروں کا نصاب مکمل ہو سال کے دوران اسی جنس کے کچھ جانور حاصل ہوئے خواہ خریدنے سے، یا ہبہ سے یا صدقہ وغیرہ سے تو انہیں اصل مال کے ساتھ ضم کر لیا جائے گا اور اصل مال کے ساتھ ان کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔ جیسے تجارتی مال کا منافع زکوٰۃ میں اصل مال کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور سائمہ جانوروں کے بچے جس طرح زکوٰۃ میں اصل کے ساتھ ضم کر لئے جاتے ہیں، مستفاد کے لئے اصل کا سال معتبر ہوگا چونکہ مستفاد اصل کے تابع ہے، لہٰذا مستفاد متصل نماء کے مشابہ ہوا، متصل نماء سے مراد سامان تجارت کی قیمت کا زائد ہونا ہے، اگر مال مستفاد اصل کی جنس سے نہ ہو تو بالاتفاق اصل کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: خریدنے سے، ہبہ سے، وراثت سے یا وصیت سے حاصل ہونے والے جانور اصل کے ساتھ نہیں ملائے جائیں گے، اس مستفاد کے لئے الگ سے نئے سال کی ابتداء کی جائے گی، چونکہ مستفاد جانور نتاج (پیدا ہونے والے بچوں) کے معنی میں نہیں ہے، نیز حولان حول پر دلیل قائم ہے اور بچوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے لہٰذا بچوں کے علاوہ

---

(۱)......دیکھئے البدائع ۲/ ۳۱، فتح القدیر ۱/ ۵۰۴، الدر المختار ۲/ ۲۶، القوانین الفقهية ص ۱۰۹ الشرح الصغير ۱/ ۵۹۱ مغنی المحتاج ۱/ ۳۷۸، المغنی ۲/ ۶۰۲ الشرح الكبير ۱/ ۴۳۲۔

جو مویشی مستفاد ہوں گے انہیں اپنی اصل پر رکھا جائے گا، پھر یہ بھی ایک وجہ ہے کہ بچے اور نتاج ملک میں تابع ہیں لہٰذا اصل کی ملک کے ساتھ وہ بھی ملک میں ہوں گے یہ مستفاد کے بخلاف ہے۔

فرع...... مذکور بالا اختلاف کے پیش نظر جس شخص کے پاس جانوروں کا نصاب ہو مثلاً پانچ اونٹ ہوں، تیس گائیں ہوں، چالیس یا اس سے زیادہ بکریاں ہوں، ان کے علاوہ ہبہ یا صدقہ یا وراثت یا وقت وغیرہ کے استحقاق کی وجہ سے ایک دوسرا نصاب حاصل ہو گیا یا ان سے دوسرا نصاب مکمل ہو گیا تو حنفیہ اور مالکیہ کی رائے کے مطابق مستفاد کو پہلے موجود نصاب کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی، یعنی پہلے اگر ایک بکری واجب تھی تو اب (مزید (۸۱) اکیاسی بکریاں آنے پر) دو بکریاں زکوٰۃ میں دی جائیں گی۔ یا دو تبیعہ دیئے جائیں گے جبکہ صرف ایک تبیعہ واجب تھا، یا حقہ دینا پڑے گا مثلاً۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس سال کے شروع میں نقدی مال کا نصاب ہو پھر اس نے ماہانہ تنخواہیں لیں تو یہ تنخواہیں پاس موجود مال کے ساتھ ضم کی جائیں گی۔ اگرچہ سال کی آخری تنخواہ ہو وہ بھی اصل نصاب کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستفاد اور نئے مال کے لئے مستقل سال کا حساب لگایا جائے گا، ہر نیا مال اور پہلے سے موجود مال کا الگ الگ سال ہوگا۔

۶: زکوٰۃ نصاب میں ہے عفو میں نہیں...... عفو یا وقص ایک معنی ہے اس سے مراد وہ جانور ہیں جو دو فریضوں کے درمیان ہوں۔ ⓫ مذاہب اربعہ میں وقص/عفو میں زکوٰۃ نہیں، بلکہ زکوٰۃ شرعی مقرر شدہ نصاب پر ہوگی، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''اوقاص میں صدقہ نہیں ہے۔'' ⓬ اس لئے بھی کہ عفو ایسا مال ہوتا ہے جو نصاب سے ناقص ہوتا ہے، اس سے ابتدائی فریضہ (پہلا فریضہ) متعلق ہوتا ہے، لہٰذا نصاب سے پہلے وجوب زکوٰۃ نہیں ہوگا، جیسے پہلے نصاب کی کمی واقع ہو جانے پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ لہٰذا نصاب سے علاوہ جو مقدار ہوگی وہ عفو ہے پھر نصاب سے اوپر دوسری مقرر حد تک بھی عفو ہے، اگر عفو ہلاک ہو گیا اور پہلا نصاب باقی رہا تو پورا واجب باقی رہے گا ⓭ جیسے مثلاً کسی شخص کے پاس ۹ اونٹ ہوں یا ۱۲۰ بکریاں ہوں سال پورا ہونے کے بعد مثلاً چار اونٹ مر گئے یا اسی (۸۰) بکریاں مر گئیں تو زکوٰۃ کچھ بھی ساقط نہیں ہوگی۔ ⓮

ساعی کون سا مال زکوٰۃ میں لے گا؟...... ساعی، عامل، مصدق سرکاری کلرک کے مختلف القاب ہیں جسے حاکم نے زکوٰۃ اور ٹیکس جمع کرنے کے لئے مقرر کر رکھا ہو۔

چنانچہ زکوٰۃ دہندہ کے مال میں مختلف صفات ہوں یعنی عمدہ بھی ہو گھٹیا بھی ہو، فربہ بھی ہو لاغر اور مریل بھی ہو، تندرست بھی ہوں، بیمار بھی ہوں، بڑے بھی ہوں چھوٹے بھی ہوں، زکوٰۃ میں قیمت کی رعایت کرتے ہوئے متوسط قسم کا جانور واجب ہوگا، تاکہ کلرک اور مالک میں میانہ روی رہے۔

حنفیہ کے نزدیک متوسط وہ ہے جو گھٹیا سے اعلیٰ اور اعلیٰ سے گھٹیا ہو، نہایت عمدہ جانور زکوٰۃ میں نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی نہایت گھٹیا اور برا لیا جائے گا، زکوٰۃ میں بچے بھی نہیں لئے جائیں گے، اگر مالک کے پاس سبھی مویشی عمدہ ہوں تو زکوٰۃ میں عمدہ ہی لیا جائے گا یہ حنفیہ کے نزدیک

⓫ ...... مثلاً بکریوں کا پہلا فریضہ ۴۰ ہے اور دوسرا ۱۲۰، چالیس پر ایک بکری اور ۱۲۱ ہو جانے پر دو بکریاں ہیں اب ۴۰ سے ۱۲۰ تک ۸۰ بکریاں عفو ہیں یا وقص ہیں یعنی ان کی زکوٰۃ معاف ہے۔ ⓬ رواہ ابوعبید فی الاموال عن یحییٰ بن الحکم۔ والاوقاص جمع وقص وھو العفو۔ ⓭ مثلاً ۶۰ بکریاں ہوں ان پر ایک بکری زکوٰۃ ہوگی اگر بیس (۲۰) ہلاک ہو جائیں تب بھی ایک بکری واجب رہے گی۔ ⓮ اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے دیکھئے الہدایہ ۱/ ۱۹۳۔

ہے۔ ❶ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ ”زکوٰۃ دینے والے لوگوں کے عمدہ اموال لینے سے گریز کرو۔“ اسی طرح دوسری حدیث ہے۔ ”یقیناً اللہ تعالیٰ تم سے اچھے مال کا سوال نہیں کرے گا اور برے مال کا تمہیں حکم بھی نہیں دے گا۔“ ❷ عقلی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا دارو مدار غمخواری پر ہے بیمار جانوروں میں سے تندرست کو لینا تقاضائے غمخواری کے خلاف ہے، جبکہ متوسط جانور لینے میں مالک اور مستحق دونوں جانبین کی رعایت ہے۔

اس اصول کو اساس بنا کر فقہاء نے مختلف مسائل متفرع کیے ہیں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: سرکاری کلرک کو چاہئے کہ وہ عمدہ مال لے اور نہ ہی گھٹیا ہاں البتہ مالک کی رضامندی سے قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے لے سکتا ہے، اسی طرح وہ جانور بھی نہ لے جو اپنے بچے کو دودھ پلا کر پال رہا ہو، ❸ گابھن جانور جو قریب الولادت ہو وہ بھی نہ لے اور وہ جانور جسے محض کھانے کے لئے فربہ کیا ہو وہ بھی نہ لے۔

ملازم متوسط قسم کا جانور لے برابر ہے نصاب ایک نوع کا ہو یا دو انواع کا جیسے بھیڑیں بھی ہوں اور بکریاں بھی، گائیں بھی ہوں اور بھینسیں بھی، عربی اونٹ بھی ہوں اور بختی اونٹ بھی، متوسط سے مراد وہ جانور ہے جو بڑھیا سے کمتر ہو اور کمتر سے بڑھیا ہو۔

اونٹوں کی زکوٰۃ میں نر (بیاہنے والا) نہ لے، واجب ہونے والے جانور میں مادہ متعین ہے جو نصاب کی جنس سے ہو یعنی بنت مخاض، بنت لبون، حقہ، جذعہ وغیرہ، اونٹوں سے نر لینا جائز نہیں یعنی ابن مخاض، ابن لبون، حق اور جذع نہ لے، ہاں البتہ قیمت کے لحاظ سے لیا جا سکتا ہے، چونکہ منصوص علیہ مادہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ میں قیمت دینا جائز ہے لہٰذا اونٹوں کی زکوٰۃ میں مادہ کی قیمت کا نر دیا جا سکتا ہے۔

رہی بات گائیوں کی سو ان میں نر اور مادہ دونوں لئے جا سکتے ہیں چونکہ اس میں نص وارد ہوئی ہے جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ ❹

تنہا بچوں میں اور تنہا نروں میں زکوٰۃ نہیں، جب چھوٹے بڑے مخلوط ہوں تو بچوں کو بڑوں کے ساتھ شمار کیا جائے گا، لہٰذا گائے کے بچوں میں جب بڑے بھی ساتھ ہوں تو مسنہ ہی واجب ہو گا جیسے بڑوں میں ہوتا ہے۔

اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ زکوٰۃ میں ایک جانور واجب ہوا اور مال میں وہ جانور دستیاب نہ ہو مثلاً مسنہ واجب ہوا لیکن مال میں وہ دستیاب نہیں تو ساعی مسنہ سے اعلیٰ لے لے اور جس قدر زائد میں ہے اس کی قیمت مالک کو واپس کر دے یا ادنیٰ جانور لے لے اور ساتھ کچھ زائد (نقد) بھی لے لے جو مسنہ کی کمی کو پورا کر دے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں سرکاری ملازم پر متعین ہے کہ وہ زکوٰۃ میں واجب ہونے والا متوسط قسم کا جانور لے، نہ عمدہ مال لے اور نہ ہی گھٹیا، حتیٰ کہ اگر مالک کے پاس کلی عمدہ مال ہو یا کلی گھٹیا مال ہو تب بھی متوسط لے گا، ہاں البتہ اگر ملازم سمجھتا ہو کہ انہی میں سے لینے میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے مثلاً جانور فربہ ہو تو لے سکتا ہے، ملازم بچوں کو نہیں لے سکتا، جب بھیڑوں اور بکریوں کی تعداد برابر سرابر ہو تو ملازم کو اختیار ہے، اگر تعداد برابر نہ ہو تو جو جانور کثرت میں ہوں ان سے لے، جیسے دس بھیڑیں ہوں اور تیس بکریاں ہوں تو بکری لے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں زکوٰۃ میں بیمار جانور اور عیب دار جانور نہیں لیا جائے گا، ہاں البتہ سبھی مویشی ایسی ہوں تو لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ زکوٰۃ میں نر نہیں لیا جائے گا چونکہ نص ماداؤں پر وارد ہوئی ہے، ہاں البتہ اگر نر ہی زکوٰۃ میں واجب ہو جیسے ابن لبون اور تبیع تو لیا جائے گا یا

❶ ..... دیکھئے البدائع ۳۲/۲، الدر المختار ۳۰/۲، فتح القدیر ۵۰۶/۱، اللباب ۱۴۶/۱، الشرح الکبیر ۴۳۴/۱، الشرح الصغیر ۵۹۸/۱ المغنی المحتاج ۳۷۵/۱، المہذب ۱۴۷/۱، المغنی ۵۹۸/۱ کشاف القناع ۲۱۳/۲۔ ❷ رواہ ابوداؤد۔ ❸ مثلاً وہ بکری جس نے حال ہی میں بچہ جنم دیا ہو زکوٰۃ میں نہ لے؟ ❹ گائے کی نصاب میں حدیث گزر چکی ہے۔

سبھی جانور نر ہوں تو شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق نر ہی لیا جائے گا۔جیسا کہ سبھی جانور بیمار ہوں یا سبھی عیب دار ہوں تو انہی میں سے لیا جائے گا،شافعیہ کے جدید قول کے مطابق چھوٹے جانوروں میں سے چھوٹا ہی لیا جائے گا،وہ جانور جو اپنے بچے کو دودھ پلا کر پال رہا ہو وہ زکوٰۃ میں نہیں لیا جائے گا،جس جانور کو محض کھانے کے لئے فربہ کیا ہو وہ بھی نہیں لیا جائے گا،اور گابھن جانور بھی نہیں لیا جائے گا بکریوں کا نر (بیاہنے والا) بھی نہیں لیا جائے گا اور عمدہ مال بھی نہیں لیا جائے گا،چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث گذر چکی ہے۔کہ ''لوگوں کے عمدہ (کریم) اموال لینے سے گریز کرو۔'' نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔''بچہ پالنے والا جانور،گابھن،وہ جانور جو گوشت کے لئے فربہ کر رکھا ہو اور بیاہنے والا نر نہ لیا جائے۔'' ہاں البتہ اگر مالک خود ہی اپنی رضامندی سے عمدہ مال دینا چاہے تو دے سکتا ہے،چونکہ وہ احسان اور نیکی کرنا چاہتا ہے،چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ......التوبہ ۹/۹۱

احسان کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں۔

جبران یعنی کمی پوری کرنے کے متعلق پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جب ساعی مطلوب واجب ہونے والا جانور نہ پائے تو مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ ایک یا دو درجے اوپر نیچے ہو جائے،یعنی اعلیٰ دے دے یا ادنی دے اور ساتھ دو بکریاں یا بیس دراہم دے (یہ اونٹوں کے نصاب میں ہوگا) چونکہ اس صورت میں مالک پر تخفیف ہے،حتیٰ کہ مالک کو واجب مال خریدنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا،بلکہ اسے دو بکریوں یا ۲۰ درہم دینے میں اختیار ہے،برابر ہے کہ مالک ہو یا ساعی چونکہ بخاری کی روایت جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کے متعلق ہے او رحضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہی ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں زکوٰۃ میں نر (بیاہنے والا) نہیں لیا جائے گا،بوڑھا (مریل سا) نہیں لیا جائے گا،اور کانا (عیب دار) بھی نہیں لیا جائے گا،ہاں البتہ عامل چاہے تو لے سکتا ہے،مثلاً سبھی مال ایک صفت پر ہو یعنی عیب دار ہو مثلاً تو وہی لے گا،سبھی جانور بوڑھے ہوں تو بوڑھا ہی لے گا،سبھی نر ہوں تو نر ہی لے گا،ان کی دلیل ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق ہے۔

تندرست جانوروں سے بیمار زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں اگرچہ اس کی قیمت زیادہ ہو چونکہ اس میں فقراء کا نقصان ہے۔

بچہ پالنے والا جانور،گابھن،کھانے کے لئے جو فربہ کر رکھا ہو زکوٰۃ میں نہیں لیا جائے گا،جیسا کہ شافعیہ کے مذہب میں گزر چکا ہے۔

چھوٹا میمنہ نہیں لیا جائے گا ہاں البتہ اگر سبھی چھوٹے ہوں تو لے لیا جائے گا۔

جبران یعنی کمی پوری کرنے کے مسئلہ میں حنابلہ کا مؤقف شافعیہ جیسا ہے چنانچہ زکوٰۃ میں اگر ایک عمر کا جانور واجب ہوا جو میسر نہ ہو تو مالک کو اختیار ہے ساعی کو اختیار نہیں،یعنی مالک عمر میں اوپر والا جانور دے،وہ دستیاب نہ ہو اس سے اوپر والا دے دے،یا واجب سے کمتر دے،وہ نہ ہو نیچے والے درجے کا دے،وہ نہ ہو اس سے نیچے والا دے،اور ساتھ دو بکریاں یا بیس (۲۰) درہم بھی دے،جبران (کمی پوری کرنے) کا حل صرف اونٹوں کے نصاب کے لئے ہے ان کے علاوہ کے لئے نہیں،چونکہ نص اونٹوں ہی میں وارد ہوئی ہے لہٰذا انہی پر اکتفا کیا جائے گا،اونٹوں کے علاوہ باقی جانور ان کے معنی میں نہیں اس لئے بھی کہ بکریوں کی عمر مختلف ہونے سے فریضہ مختلف نہیں ہوتا اور گائے کے دو فریضوں کے درمیان حد اونٹوں کے دو فریضوں کے درمیان حد کے مخالف ہے لہٰذا یہاں گائے کو اونٹ پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

جو شخص گائے یا بکری کی زکوٰۃ میں فرض ہونے والا جانور اپنے پاس نہ پائے تو اس سے ادنیٰ زکوٰۃ میں دینا حرام ہے،مالک پر واجب ہونے والا جانور حاصل کرنا لازمی ہے،اگر اس سے اعلیٰ دستیاب ہو تو زکوٰۃ میں وہی دے لیکن فضل اسے واپس نہیں ملے گا بس وہی اس سے قبول کر لیا جائے گا،اگر مالک واجب سے اعلیٰ نہ دے تو اسے واجب ہونے والا جانور خریدنے پر مجبور کیا جائے گا،چونکہ واجب (زکوٰۃ) ادا کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔

پانچویں بحث.....کیا عمارات، کارخانوں، کمائی، آمدنی اور آزاد پیشوں میں بھی زکوٰۃ ہے؟

میں نے نقود (نقدی رقم) کی زکوٰۃ کے متعلقہ بحث میں شیئرز اور بانڈز کے حکم کی وضاحت بسط وتفصیل سے کردی ہے، اس بحث میں بالخصوص آمدنی کے مختلف ذرائع کے متعلق گفتگو ہوگی، آمدنی کے یہ ذرائع انسان نے مختلف طریقوں سے حاصل کررکھے ہیں چنانچہ بیشتر ذرائع عمارتوں (بلڈنگوں) کی شکل میں ہیں جو اجرت (کرایہ) پر دی جاتی ہے، صنعتی کارخانے، کمائی، ملازمت اور آزاد پیشے بھی آمدنی (انکم) کے مختلف ذرائع ہیں، آمدنی کے ان ذرائع کی زکوٰۃ پر اس بحث میں گفتگو ہوگی۔

اس مبحث میں دو مقاصد ہیں۔

مقصد اول.....عمارات اور کارخانوں وغیرہ کی زکوٰۃ

عصر حاضر میں آمدنی کے مختلف ذرائع میں سرمایہ لگانے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، آمدنی کے یہ ذرائع زمین اور تجارت کے علاوہ ہیں۔ مثلاً عمارات بنا کر کرائے پر دی جاتی ہیں، کارخانے چلائے جاتے ہیں نقل وحمل کے لئے ہوائی جہاز تیار کئے جاتے ہیں، بحری جہاز اور ٹرانسپورٹ کا نظام چلایا جاتا ہے، گائے بھینسوں کے فارم اور مرغی فارم بھی عصر حاضر میں آمدنی کے ذرائع میں، یہ سب ذرائع ایک حیثیت میں ہیں یعنی بعینہ ان ذرائع میں زکوٰۃ واجب نہیں (مثلاً کرائے پر لگائی ہوئی عمارت میں زکوٰۃ واجب نہیں) بلکہ زکوٰۃ تو ان کی آمدنی، پیداوار اور منافع جات میں واجب ہے۔

اس میں درماندگی یہ ہے کہ جمہور فقہاء نے آمدنی کے ان ذرائع کی زکوٰۃ کے متعلق کوئی منصوص وضاحت نہیں کی، البتہ فقہاء کا یہ موقف ہے کہ رہائشی گھروں، گھریلو اثاثہ جات، پیشے کے اوزار (مشینری) سواری کے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے جیسا کہ پہلے میں نے ذکر کردیا ہے۔

میری رائے ہے کہ جاگیروں اور غیر منقولہ جائیداد کی آمدنی میں آنے والی شرائط کے ساتھ زکوٰۃ ضروری ہے۔

چونکہ زکوٰۃ کی علت ''نماء (بڑھوتری)'' ہے اور یہ علت آمدنی کے ان ذرائع میں پائی جاتی ہے، اور اصول یہ ہے کہ ''الحکم یدور مع علته وجوداً وعدماً'' یعنی حکم علت کے ساتھ ساتھ گھومتا رہتا ہے جہاں علت پائی جائے گی حکم بھی پایا جائے گا جہاں علت معدوم ہوگی حکم بھی معدوم ہوگا۔

نیز زکوٰۃ کی حکمت بطریق اولیٰ ان ذرائع میں زکوٰۃ کی متقاضی ہے اور زکوٰۃ کی حکمت نفس ومال کا تزکیہ اور تطہیر (پاکی) ہے، محتاجوں کی غمخواری کرنا ہے اور فقر وفاقہ کے خاتمہ میں نظام عالم میں حصہ لینا ہے۔

علماء مسلمین کی دوسری کانفرنس اور مؤتمر البحوث الاسلامیہ الثانی منعقدہ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵م، نے یہ قرارداد پیش کی کہ وہ اموال جو نامی (بڑھنے والے، نمو والے) ہوں جن کے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کی زکوٰۃ کے متعلق کوئی فقہی رائے ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ آمدنی کی عمارات، کارخانے، کشتیاں (بحری جہاز) ہوائی جہاز وغیرھا میں بعینہ (ان چیزوں میں) زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ ان اشیاء کی صافی آمدنی میں نصاب کی شرائط اور حولان حول کی شرط پائے جانے پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار.....سال پورا ہونے پر صافی آمدنی میں ربع عشر یعنی ۲٫۵٪ زکوٰۃ ہے جیسے سامان تجارت اور نقدی مال میں زکوٰۃ کی یہی شرح ہے، کمپنیوں کے مجموعی منافع جات کی طرف نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ہر شریک کے مخصوص حصہ پر علیحدہ زکوٰۃ ہوگی۔

یہ قرارداد امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک رائے کے موافق ہے کہ پیداواری ذرائع کی آمدنی کی زکوٰۃ دی جائے گی، بعض مالکیہ کی بھی اس

طرح کی رائے ہے کہ آمدنی پر قبضہ ہونے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی۔

ابن عقیل حنبلی اور زیدیہ میں سے ہادویہ کی رائے ہے کہ ہر طرح کی آمدنی میں زکوٰۃ واجب ہے لہٰذا یہ رائے کرائے پر دی ہوئی جائیداد اور پلاٹ وغیرہ کو بھی شامل ہوئی۔

اسی طرح اس رائے کے مطابق ہر وہ سامان جو اجرت اور کرائے پر دیا ہو اس میں زکوٰۃ ہوگی یعنی اصل سرمایہ کی ہر سال قیمت لگائی جائے گی اور تجارت کی طرح اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔ ❶

دوسرا مقصد.....کمائی اور آزاد پیشوں کی زکوٰۃ

کمائی یا آزاد ہوگی یا سرکاری اداروں کے ساتھ مربوط ہوگی، آزاد کمائی جیسے طبیب انجینئر، وکیل، درزی اور بڑھی وغیرہ کی کمائی ان کے علاوہ بے شمار کام کاری کے شعبے (جیسے عام مزدور، مستری وغیرہ)

کمائی کے وہ شعبے جو کسی سرکاری ادارے یا غیر سرکاری ادارے سے باہم مربوط ہوں اور اہل کار کو ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہو جیسا کہ یہ معروف بھی ہے، چنانچہ وہ آمدنی جو کوئی بھی کام کا آزاد طریقہ سے یا کسی ادارہ کے ماتحت تنخواہانہ طریقہ سے کماتا ہے اس پر "مال مستفاد" کا اصول منطبق ہوتا ہے۔

مذاہب اربعہ میں یہ اصول مقرر ہے کہ مال مستفاد پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک نصاب مکمل نہ ہو جائے اور سال نہ گزر جائے، شافعیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کی رائے میں پورے سرمائے کی زکوٰۃ دی جائے گی اگرچہ سال مکمل ہونے سے لحہ بھر پہلے کچھ مال حاصل ہو بشرطیکہ اصل نصاب بہم چلا آرہا ہو۔

یہ قول بھی ممکن العمل ہے کہ مال مستفاد پر محض قبضہ کر لینے سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، اگرچہ مال مستفاد پر سال نہ گزرا ہو، چونکہ اس صورت میں بعض صحابہ ابن عباس، ابن مسعود اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور بعض تابعین زہری، حسن بصری اور مکحول، عمر بن عبدالعزیز، امام باقر، صادق، ناصر اور داؤد ظاہری کی بھی یہی رائے ہے۔ ❷

اس طرح کی آمدنی کی زکوٰۃ کی مقدار عام نصوص کے مطابق ربع عشر (۲٫۵۰٪) ہے برابر ہے کہ سال گزرے یا نہ گزرے، جب مسلمان کمائی یا آمدنی حاصل ہوتے وقت زکوٰۃ دے دے تو سال مکمل ہونے پر اسے دوسری مرتبہ زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں۔

اس طرح وہ لوگ جن کی آمدنی وقتاً فوقتاً ہو وہ کسان (زمیندار) کے مساوی ہو جاتے ہیں چونکہ کسان پر بھی فصلیں کاٹنے اور گاہنے سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اسی طرح پھلوں پر بھی صلاحیت پیدا ہو جانے پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، یہاں سال گزرنا شرط نہیں۔ ❸

چھٹی بحث.....زکوٰۃ کے مصارف

اس بحث میں دو مقاصد ہیں (۱) مستحقین زکوٰۃ (۲) تقسیم زکوٰۃ کے متفرق احکام۔

---

❶.....حنفیہ کی یہ رائے کہ دوران سال مستفاد اصل مال کے ساتھ ملایا جائے گا اور اس میں زکوٰۃ ہوگی اس نظریہ کے پیش نظر مختلف ذرائع کی آمدنی بھی اصل بیلنس کے ساتھ ملائی جائے گی اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ❷ عبارات کا طرز بیان مختلف ہے ورنہ یہاں حنفیہ کا مذہب مفتی بہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مال کے ساتھ مال مستفاد کی بھی زکوٰۃ واجب ہے ورنہ اس قول کا ماحصل یہی ہے کہ جو تنخواہ بھی لی جائے اس کی زکوٰۃ لیتے ہی فوراً دی جائے جو کہ زکوٰۃ کے بقیہ مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ کیوں نہ یوں کہا جائے کہ اصل مال کے ساتھ مستفاد کی بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے اور شرط یہ ہے کہ اصل مال نصاب کو پہنچے اور اس پر سال بھی گزر جائے۔ واللہ اعلم۔ ❸ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

پہلا مقصد...... مستحقین زکوٰۃ کون ہیں؟

اول: مستحقین کی حد بندی...... سورت توبہ کی آیت نمبر "۶۰" میں مستحقین زکوٰۃ کی آٹھ اصناف پر نص کی گئی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝ ......التوبہ ۹/ ۶۰

صدقات (زکوٰۃ ہائے اموال) تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا، ان اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں، اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہو، نیز غلاموں کی آزاد کرنے میں اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے، یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم کا بھی مالک ہے اور حکمت کا بھی۔

آیت کی اس بات پر دلالت ہے کہ زکوٰۃ آٹھ اصناف پر صرف کی جائے۔

ایک بڑی جماعت (محدثین کی) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن روانہ کیا تو ان سے فرمایا...... اگر اہل یمن وجوب زکوٰۃ سے تمہاری اطاعت کریں تو انہیں آگاہ کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور انہیں کے فقراء پر لوٹا دیا جائے گا...... الحدیث۔

حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ امام (حکمران) کی طرف سے مالدار مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور مسلمان فقراء پر صرف کی جائے گی، فقراء پر صرف کرنے میں امام مالک وغیرہ کے مذہب کا استدلال ہے کہ صرف ایک ہی صنف پر زکوٰۃ صرف کر دینا کافی ہے۔

دوم: کیا آٹھ اصناف پر بالعموم زکوٰۃ صرف کرنا واجب ہے؟:

شافعیہ...... کہتے ہیں: صدقات واجبہ خواہ صدقہ فطر ہو یا زکوٰۃ کے اموال سبھی صدقات کو آٹھ اصناف پر صرف کرنا واجب ہے، چونکہ آیت کریمہ "انما الصدقات......" (الآیۃ) میں آٹھ اصناف بیان کی گئی ہیں اور سبھی صدقات کی نسبت ان آٹھ اصناف کی طرف بواسطہ لام تملیک کی گئی ہے اور اصناف کے درمیان تشریک کی واؤ لائی گئی ہے، لہٰذا اس بات پر دلالت ہے کہ سب کے سب صدقات ان آٹھ اصناف کی ملک میں، اور صدقات ان کے درمیان مشترک ہیں۔

اگر امام خود زکوٰۃ تقسیم کرتا ہو تو اسے چاہئے کہ زکوٰۃ کے آٹھ حصے کرے، ایک حصہ عامل کو دے اسی سے ابتداء کی جائے گی چونکہ عامل (سرکاری اہلکار) عوض کے طور پر لے گا، اور اس کے علاوہ بقیہ لوگ مواسات اور غمخواری کے طور پر زکوٰۃ لیتے ہیں، اگر خود مالک زکوٰۃ تقسیم کر رہا ہو یا مالک کا کوئی وکیل زکوٰۃ تقسیم کر رہا ہو تو اہلکار کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور زکوٰۃ بقیہ سات اصناف میں تقسیم کی جائے گی، بشرطیکہ سات اصناف موجود ہوں ورنہ جو اصناف موجود ہوئیں انہی میں تقسیم کی جائے گی، مستحب ہے کہ ہر صنف کو بالعموم زکوٰۃ دی جائے اگر ممکن ہو، ہر صنف کے تین افراد سے کم میں زکوٰۃ تقسیم کرنا جائز نہیں چونکہ آیت میں ہر صنف کے لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور جمع کے کم از کم افراد تین ہوتے ہیں۔ اگر صنف کے دو افراد کو زکوٰۃ دے دی تو تیسرے فرد کے حصے کا ضامن ہوگا، البتہ صنف عامل میں چونکہ عامل (اہلکار) ایک ہی ہوتا ہے اس لئے وہ فرد واحد ہی کافی ہے۔

آج کل غالب احوال میں چار اصناف کا وجود عام ہے: فقیر، مسکین، مقروض اور مسافر، شافعیہ کی ایک جماعت نے فقراء اور مساکین

میں سے تین تین افراد کو زکوۃ دینے کو جائز رکھا ہے، شافعیہ میں سے رویانی نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ حصہ داروں میں سے تین افراد کو زکوۃ دی جائے، اور کہا ہے کہ فتویٰ کی رو سے یہی مختار مذہب ہے جب ہمارے مذہب پر عمل دشوار ہو۔

جمہور...... حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک صنف واحد میں بھی زکوۃ صرف کرنا جائز ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ نے بھی جائز رکھا ہے کہ صنف واحد کے ایک ہی فرد کو زکوۃ دے دی جائے۔ ❶ مالکیہ کے نزدیک شدید محتاج کو دینا مستحب ہے۔

البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے آٹھ اصناف کو دینا مستحب ہے، واجب نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مذکورہ آٹھ اصناف اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کو زکوۃ دینا جائز نہیں، اور آٹھ اصناف کو زکوۃ دینے میں اختیار ہے کہ چاہے ایک صنف کو دو یا ایک سے زائد کو، ان اصناف کی تعیین کی گئی ہے یہ مقصود نہیں کہ سبھی کو دی جائے۔

شخص واحد پر اکتفاء کرنے کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ہر صنف کو جمع معرف بالام لایا گیا ہے جیسے فرمایا: الفقراء اس جمع کو مجاز پر محمول کیا جائے گا اور مجاز جنس فقیر ہے، جو کہ فرد واحد سے متحقق ہو جاتی ہے، چونکہ اسے حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہے اور حقیقت استغراق ہے یعنی سبھی فقراء کو حکم میں شامل کرنا دشوار ہے ورنہ یہ مطلب ہوگا کہ روئے زمین پر ہر فقیر کو صدقہ دیا جائے اور یہ غیر معقول ہے۔ ❷

سوم: آٹھ اصناف کا بیان......

مستحقین زکوۃ کی آٹھ اقسام ہیں اور وہ یہ ہیں: فقراء، مساکین، عاملین (سرکاری اہلکار) مولفۃ القلوب، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن سبیل۔

ا۔ فقراء...... زکوۃ کے مستحقین اور حصہ داروں میں سے اول نمبر پر فقراء ہیں، فقراء فقیر کی جمع ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقیر وہ ہے: جس کے پاس کسی قسم کا مال نہ ہو اور نہ ہی اتنا آمدنی کا ذریعہ ہو جس سے اس کی کفایت ہو سکے یا اس کی حاجت پوری ہو سکے، اور نہ ہی اس کی بیوی ہو نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد ہو جو اس کا خرچہ برداشت کر سکیں، کھانے پینے اور پہننے میں اسے اتنا معاش بھی دستیاب نہ ہو جس سے ان امور میں کفایت کر سکے، مثلاً اسے (دس دراہم کی ضرورت ہو اور اسے بمشکل تین ہی دراہم مل پائیں، حتیٰ کہ اگرچہ تندرست ہو، لوگوں کے آگے دست سوال پھیلاتا ہو یا اس کے پاس رہائش کے لئے مکان ہو یا کم از کم پہننے کے لئے کپڑا ہو۔

۲: مساکین...... زکوۃ کے حصہ داروں میں سے دوسرے نمبر پر مساکین ہیں، مساکین، مسکین کی جمع ہے، مسکین وہ ہوتا ہے جو کمانے کی قدرت رکھتا ہو اور اپنی حاجت کو بقدر ضرورت پوری کر سکتا ہو، لیکن اس کی کفایت نہ ہوتی ہو مثلاً جیسے کسی شخص کو دس دراہم کی ضرورت ہو اور اس کے پاس آٹھ ہی ہوں اور اس کی حالت کے موافق کھانے پینے اور پہننے کا سامان نہ ہو سکتا ہو۔

مسکین کون ہے؟...... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقیر کے حالات مسکین سے زیادہ خراب ہوتے ہیں، فقیر وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور بالکلیہ کمائی بھی نہ کر سکتا ہو، یا اتنی چیز کا مالک ہو یا کما سکتا ہو جو اس کی نصف حاجت کو بمشکل کافی ہو اور جن لوگوں کے اس پر اخراجات واجب ہوں بغیر اسراف کے ان کی نصف ضروریات بمشکل پوری کرتا ہو، جبکہ مسکین وہ ہے جو کسی نہ کسی چیز کا مالک ہو یا نصف ضروریات سے زائد کی کمائی کر سکتا ہو لیکن اس کی کمائی بقدر کفایت نہ ہو، قدر کفایت سے مراد یہ ہے کہ جو شخص کما سکتا ہو وہ دن کے دن کی ضرورت پوری کر سکتا ہو، کمانے والے کے علاوہ میں قدر کفایت یہ ہے کہ اس کی اوسطاً عمر یعنی ۶۲ سال میں سے جو باقی ہو اس کی ضرورت پوری ہو سکے۔

---

❶...... یعنی اگر کسی نے ایک ہی فقیر کو زکوۃ دے دی یہ بھی جائز ہے۔ ❷ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الکتاب مع اللباب ۱/۱۵۶، فتح القدیر ۲/۱۴، البدائع ۲/۴۶۔ الدر المختار ۲/۸۴ القوانین الفقهیه ص ۱۱۱ بدایة المجتهد ۱/۲۶۷ المغنی ۲/۶۶۸ الشرح الصغیر ۱/۶۶۴۔

شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل کہ فقیر کی حالت مسکین سے بدتر ہوتی ہے، یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اصناف کو بیان کرتے ہوئے فقراء سے ابتداء کی ہے، عموماً اہم سے ابتدا کی جاتی ہے لہٰذا معلوم ہوا فقیر مسکین سے زیادہ بدحالی کا شکار ہوتا ہے، دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ ......الکہف ۷۹/۱۸

رہی بات کشتی کی سو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کاج کرتے تھے۔

آیت سے پتہ چلا مسکینوں کے پاس کشتی تھی جس میں وہ کام کاج کرتے تھے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکینی رب تعالیٰ سے طلب کی جبکہ فقر سے پناہ مانگی، اور یوں دعا فرمائی:

اللهم احینی مسکینا وأمتنی مسکیناً واحشر نی فی زمرة المساکین

یا اللہ مجھے مسکین کی حالت میں زندہ رکھ، مسکین کی حالت میں مجھے موت دے اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر کر۔

جبکہ شدید تر حالت کا سوال جائز نہیں اور کم از کم بہتر حالت سے پناہ مانگنا روا نہیں، چنانچہ فقیر وہ لغوی اعتبار سے مفقود کے معنی میں ہے اور مفقور وہ ہوتا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی نکل آئے اور اس کی کمر ٹوٹ جائے۔

حنفیہ اور مالکیہ...... کہتے ہیں مسکین فقیر سے زیادہ بدحالی کا شکار ہوتا ہے جیسا کہ بعض لغت کے ائمہ سے بھی منقول ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ یا کسی مسکین کو جو مٹی میں رل رہا ہو۔ البلد ۱۶/۹۰)

یعنی مسکین وہ ہوتا ہے جو اپنے بدن کو خاک کے ساتھ چمٹائے رکھے تا کہ اپنے بدن کو چھپا سکے یہی چیز مسکین کی نہایت محتاجی اور بدحالی پر دلالت کرتی ہے، نیز مسکین وہ ہوتا ہے جو جہاں بھی جائے ٹھہر جائے اس کے پاس سکونت کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اس سے بھی معلوم ہوا کہ مسکین زیادہ بدحالی کا شکار ہوتا ہے۔

۳: تیسری صنف "عاملین"...... عاملین سے مراد وہ سرکاری اہلکار ہوتے ہیں جو ٹیکس اور زکوٰۃ کی وصولی کا کام کرتے ہیں، اہلکاروں میں یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں، عادل ہوں اور امانت دار ہوں۔ "عامل" کے لفظ میں وسعت ہے اس میں عشر لینے والا، کاتب، قاسم (زکوٰۃ تقسیم کرنے والا)، نگران، اموال زکوٰۃ کو جمع کرنے والا، عریف (اناؤنسر جو مستحقین کی شناخت کرائے)، شمار کنندہ، ناپنے والا، وزن کرنے والا زکوٰۃ کے مویشیوں کا چرواہا اور ہر وہ شخص جو زکوٰۃ کے کام میں مصروف عمل ہو وہ "عامل" میں شامل ہے۔

البتہ قاضی اور والی اس میں داخل نہیں چونکہ وہ بیت المال سے باقاعدہ تنخواہ لیتے ہیں، زکوٰۃ کے اموال کی سپردگی کے وقت کیل کاٹنے کی اجرت (مزدوری) مالک کے ذمہ ہوگی، اور جب اہلکار زکوٰۃ لے لے اس کے بعد کے جملہ اخراجات مال زکوٰۃ سے لئے جائیں گے اور ان کا حساب عاملین کے حصہ میں ہوگا۔

عاملین کو زکوٰۃ کا مال اجرت اور مزدوری کے طور پر دیا جائے گا اگرچہ عاملین مالدار ہوں پھر بھی یہ مزدوری انہیں دی جائے گی، اگر انہیں زکوٰۃ اور صدقہ کی حیثیت سے مال دیا جاتا پھر ان کے لئے حلال نہ ہوتا۔

۴: چوتھی صنف "مؤلفۃ القلوب"...... یعنی لوگوں کی دلداری کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، وہ لوگ جو اسلام میں کمزور نیت والے ہوں وہ بھی اسی صنف میں شامل ہیں۔ انہیں بھی زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے تا کہ اسلام پر پختہ ہو جائیں، مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں (۱) مسلمان (۲) کفار۔

کفار..... کفار مؤلفہ قلوب کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱..... وہ کفار جن سے امید کرم و بھلائی ہو۔

۲..... جن کے شر وفساد کا خوف ہے۔

یہ ثابت شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی ایک قوم کو زکوٰۃ کے اموال اس مقصد سے دیئے تا کہ ان کی دلداری ہو اور وہ اسلام قبول کرلیں، صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں سے ہر ایک کو سوسو اونٹ عطا کئے، اسی طرح حنین کے غنائم میں سے علقمہ بن ابی علاثہ کو بھی عطا کیا۔

مولفۃ القلوب اگر کفار ہوں تو آیا کہ انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے، حنابلہ اور مالکیہ کا موقف ہے کہ ان کفار کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے زکوٰۃ دینا جائز ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان اور کفار کے مؤلفہ قلوب کو زکوٰۃ دی ہے۔

جبکہ حنفیہ اور شافعیہ کا مؤقف ہے کہ کافر کو زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا نہ تالیف قلب کے لئے اور نہ ہی کسی اور مقصد کے لئے، صدر اسلام میں کفار کو جو زکوٰۃ دی گئی وہ اس لئے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی جبکہ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو سربلند کر دیا ہے، لہٰذا اب اس کی حاجت نہیں رہی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے مؤلفہ قلوب کو زکوٰۃ نہیں دی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اب ہم اس پر کوئی چیز نہیں دیں گے جو چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے کفر پر رہے۔

مسلمان مولفۂ قلوب..... مسلمان مؤلفہ قلوب تو ہماری اپنی احتیاج اور ضرورت کی وجہ سے انہیں زکوٰۃ دی جائے گی، تاہم اس کی چند صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... وہ مسلمان جو اسلام میں کمزور نیت کے مالک ہوں انہیں زکوٰۃ دی جائے گی تا کہ اسلام پر پختہ ہو جائیں اور جم جائیں۔

۲..... وہ شریف اور معزز مسلمان جو اپنی قوم کا بڑا سمجھا جاتا ہو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اس غرض سے کہ اس جیسے دیگر غیر مسلم اس کی دیکھا دیکھی اسلام قبول کرلیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور دوسرے لوگوں کو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے زکوٰۃ دی ہے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبرقان بن بدر، عدی بن حاتم کو بھی زکوٰۃ دی ہے چونکہ یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے معززین سمجھے جاتے تھے۔

۳..... مسلمانوں کی سرحدوں پر رہنے والا رہائشی جو کفار کے پڑوس میں رہ رہا ہو اسے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تا کہ جنگ میں کفار کے شر سے ہماری کفایت کر سکے۔

۴..... وہ شخص جو اپنے تئیں صدقات اور زکوٰۃ کی وصولی کا کام کرے اور وہاں کے لوگوں کے پاس عامل کا بھیجنا دشوار ہو اسے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ ردت والے سال جب حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی قوم کی زکوٰۃ اور صدقات وصول کر کے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں زکوٰۃ کے مال سے دیا۔

کیا مؤلفہ قلوب کی صنف منسوخ ہو چکی؟..... علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مؤلفہ قلوب کا حصہ باقی ہے یا نہیں چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مؤلفۃ قلوب کا حصہ زکوٰۃ سے ساقط ہو چکا ہے چونکہ اسلام چہار دانگ عالم پھیل چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو سربلندی عطا کی ہے، لہٰذا اب مؤلفہ قلوب کی ترغیب کی حاجت نہیں رہی، لہٰذا مؤلفہ قلوب کے علاوہ سات اصناف باقی

رہی ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ اسلام کو قوت حاصل ہو چکی ہے لہٰذا اب تالیف قلب میں زکوٰۃ صرف کرنے کی ضرورت نہیں رہی اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ اور مالکیہ میں سے خلیل کہتے ہیں کہ مؤلفہ قلوب کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہوا، لہٰذا ضرورت کے وقت مؤلفہ قلوب کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے، رہی یہ بات کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے دور خلافت میں مؤلفہ قلوب کو زکوٰۃ نہیں دی چونکہ انہیں اس کی حاجت پیش نہیں آئی، اس لئے نہیں کہ مؤلفہ قلوب کا حصہ ہی ساقط ہو گیا، چونکہ اصناف پر مستدل آیت آخر میں نازل ہوئی ہے۔

جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدی بن حاتم، زبرقان بن بدر کو زکوٰۃ کا مال دیا ہے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔ نیز مؤلفہ قلوب کو زکوٰۃ اسلام میں رغبت دلانے کی وجہ سے دی جائے گی، تاکہ وہ دوزخ سے بچ سکیں، اس لئے نہیں دی جائے گی کہ وہ ہماری مدد کریں، حتیٰ کہ یہ صنف اسلام کے پھیل جانے سے ساقط ہو جائے۔

۵۔ پانچویں صنف رقاب......یعنی غلام آزاد کرنے کے لئے بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ''رقاب'' سے مراد مکاتبین ہیں۔

یعنی مسلمان مکاتب غلام ❶ جو بدل کتابت نہ پاتے ہوں اگرچہ ان میں کمانے کی قوت ہو، چونکہ زکوٰۃ مکاتب ہی کو دینا ممکن ہے اگر مطلق غلام کو زکوٰۃ دی تو وہ زکوٰۃ لینے والا غلام نہیں ہوگا بلکہ اس کا مالک ہوگا۔

جبکہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے اور یہ شرط مکاتب کی صورت میں پائی جاتی ہے مطلق غلام کی صورت میں نہیں پائی جاتی، اس مذہب کو یہ آیت بھی تقویت بخشتی ہے:

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ......النور ۲۴ / ۳۳

یعنی مکاتبوں کو اس مال میں سے دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''الرقاب'' کی تفسیر مکاتبین سے کی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں ''رقاب'' کے حصہ زکوٰۃ سے مطلق غلام خرید کر آزاد کیا جائے گا، چونکہ قرآن میں جہاں بھی غلام آزاد کرنے کا حکم آیا ہے اس کے لئے ''الرقبۃ'' کا لفظ آیا ہے اور اس سے غلام آزاد کرنا مراد ہوتا ہے، اور آزاد کرنے کا تصور خالص غلام ہی میں ہوسکتا ہے، جیسے کہ کفارات میں ہوتا ہے۔

مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو یا محتاج ہو۔

اب پورے عالم میں غلام نہیں پائے جاتے چونکہ بین الاقوامی سطح پر غلام بنانے کا نظام معطل کر دیا گیا ہے، اب اس حصہ کا حقیقۃً کوئی وجود نہیں رہا، اگر اس کی کوئی صورت پائی بھی جائے تو اس کی کوئی جائز شرعی صورت نہیں بنتی۔

۶۔ چھٹی صنف ''غارمین''......غارمین سے مراد مقروض لوگ (یعنی مدیون) ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کی نزدیک برابر ہے کہ مدیون نے اپنے لئے قرض لیا ہو یا کسی اور کے لئے، برابر ہے معصیت کے لئے قرض لیا ہو یا طاعت کے لئے، اگر کسی شخص نے اپنے لئے قرض لیا ہو تو اسے زکوٰۃ تب دی جائے گی جب وہ فقیر ہو، اگر باہمی حالات کی اصلاح کے لئے قرض لیا اگرچہ اہل ذمہ کے ساتھ صلح کے لئے لیا یا کسی جان کے تلف ہونے پر لیا تو غارمین کے حصہ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اگرچہ مدیون مالدار ہو، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ صدقہ

---

❶......مکاتب سے مراد وہ غلام ہوتا ہے جسے مالک کہے تم اتنے پیسے لاؤ اور آزاد ہو جاؤ اور غلام معینہ قسطوں کی ادائیگی میں کوشاں رہے۔

مالدار کے لئے حلال نہیں مگر پانچ آدمیوں کے لئے (وہ یہ ہیں): مجاہد فی سبیل اللہ، اہلکار، مقروض یا کوئی شخص زکوٰۃ کا مال اپنے مال سے خرید لے یا کسی شخص کا پڑوسی کوئی مسکین ہو اور مسکین زکوٰۃ کا مال اسے بطور ہدیہ دے دے۔ [1]

حنفیہ کہتے ہیں: غارمین سے مراد ایسے مقروض ہیں جسے قرض لازم ہو چکا ہو اور قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں: غارمین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے کچھ دستیاب نہ ہو، جبکہ قرض معصیت کے لئے نہ لیا ہو مثلاً شراب نوشی اور قمار بازی (جوا کھیلنے) کے لئے نہ لیا ہو، اسی طرح زیادہ خرچ کرنے کے لئے بھی قرضہ نہ لیا ہو ایسی صورتوں میں مقروض کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، چونکہ قرضہ کی یہ سبھی مذموم مدات ہیں۔ بخلاف فقیر کے چونکہ فقیر ضرورت کے لئے قرض لیتا ہے اسے ادائیگی کے لئے زکوٰۃ دی جائے گی۔

البتہ وہ مدیون جس نے معصیت کے لئے قرضہ لیا ہو اور وہ معصیت سے توبہ تائب ہو جائے تو اسے بطریق احسن زکوٰۃ دی جائے گی۔

۷۔ ساتویں صنف فی سبیل اللہ..... یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں نکلے ہوں ان سے مراد مجاہدین ہیں جنہیں فوجی ہیڈ کوارٹر سے ماہانہ تنخواہ نہ ملتی ہو، چونکہ ''سبیل'' کا اطلاق جہاد پر ہوتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ لڑتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ..... البقرۃ ۲/۱۹۰

اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے رہو۔

ان کے علاوہ بھی بہت ساری آیات اس پر دال ہیں۔ لہٰذا مجاہدین کو مہمات سر کرنے کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی، جمہور کے نزدیک اگرچہ مجاہدین مالدار ہوں تب بھی انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

چونکہ جہاد مصلحت عامہ ہے، البتہ اگر کسی مجاہد (سپاہی، فوجی) کی تنخواہ سرکاری طور پر مقرر ہو تو اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔ چونکہ حقیقت میں وہ زکوٰۃ کی رقم سے بے نیاز ہوتا ہے۔

البتہ کوئی شخص بھی اپنے ذاتی مال کی زکوٰۃ سے حج اور جہاد نہیں کر سکتا اور نہ ہی زکوٰۃ کے مال سے اس کی طرف سے حج اور جہاد کرایا جا سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مجاہد فی سبیل کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی ہاں البتہ اگر وہ فقیر ہو تو دی جا سکتی ہے۔

حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک حج کا شمار بھی سبیل اللہ میں ہے، لہٰذا جو شخص حج کرنا چاہتا ہو اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے چونکہ ابوداؤد اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اونٹنی صدقہ کی، اس شخص کی بیوی حج کا ارادہ کر چکی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیوی سے فرمایا: ''اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ، چونکہ حج بھی سبیل اللہ میں سے ہے۔'' اگر حج کرنے والا فقیر ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے، یعنی جس سے فرض حج یا فرض عمرہ یا دونوں فرائض کی ادائیگی کے لئے مدد لی جا سکتی ہے چونکہ فرض کو ذمہ سے ساقط کرنے کا احتیاج پیش آتی ہے، رہی بات نفلی حج کی سو اس میں بھی زکوٰۃ کی رقم لینے کی گنجائش ہے۔

۸۔ آٹھویں صنف ''ابن سبیل''..... ابن سبیل سے مراد مسافر ہے یا وہ شخص جو ایسے سفر کا ارادہ رکھتا ہو جو طاعت میں ہو اور

---

[1] ..... رواہ ابوداؤد، وابن ماجہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

معصیت نہ ہو، اور وہ مسافر اپنے مقصد میں بغیر مالی معاونت کے کامیاب نہ ہوسکتا ہو، طاعت سے مراد حج، جہاد، کسی عالم کی ملاقات (تبلیغ دین، حصول علم) وغیرہ ہے۔

مسافر کو زکوٰۃ کا اتنا مال دے دیا جائے جس سے وہ بآسانی اپنا مقصد حل کر لے اگر چہ وہ اپنے وطن میں مالدار ہو۔

چہارم: کیا زکوٰۃ آٹھ اصناف کے علاوہ بھی کسی کو دی جاسکتی ہے؟...... جماہیر ❶ فقہاء مذاہب کا اتفاق ہے کہ اصناف مذکورہ کے علاوہ کسی اور مقصد میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں، خواہ وہ مقصد کتنا ہی نیکی اور طاعت کا ہو، مثلاً مساجد بنانا، پل، پانی کی سبیلیں، نہروں کا کرایہ، راستوں کی درستی، مردوں کا سامان تجہیز وتکفین، ادائیگی قرض، مہمانوں کے لئے وسعت کرنا، سرحدیں بنانا، جہاد کے وسائل کی تیاری جیسے جنگی بحری بیڑے اور اسلحہ وغیرہ کا خریدنا اور ان کے علاوہ بہت سارے نیکی کے راستے جن میں تملیک نہیں ہوسکتی ان مقاصد کے لئے زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں چونکہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے اور ان مقاصد میں تملیک مفقود ہے، چونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔"**انما الصدقات للفقراء**" انما کلمہ حصر ہے جو اثبات پر بھی دلالت کرتا ہے لہٰذا مذکورین کا اثبات ہوگا اور ان کے علاوہ جو بھی صنف ہو وہ منفی ہوگی، لہٰذا مذکورہ بالا وجوہ میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں، چونکہ ان میں بالکلیہ تملیک نہیں پائی جاتی۔ ❷

البتہ علامہ کاسانی نے بدائع میں وضاحت کی ہے کہ "فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" کے مفہوم میں وسعت ہے اس میں ہر طرح کی نیکی کا راستہ شامل ہے، لہٰذا اس میں طاعت خداوندی میں کسی طرح کی بھی کوشش اور خیرات کے راستے جب ان کا احتیاج ہو، بھی داخل ہیں۔ چونکہ "فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" ملک میں عام ہے لہٰذا مساجد کی تعمیرات وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

بعض حنفیہ نے "سبیل اللہ" کی تفسیر طلب علم سے کی ہے اگر چہ طالب علم مالدار ہو۔ "حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں! میں نے پلوں کی تعمیر اور راستوں کی درستی کے لئے جو مال دیا وہ گذشتہ کا صدقہ ہے۔" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے بے شمار ہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ سبیل اللہ سے یہاں مراد جہاد ہے اور اس میں کسی کا اختلاف ہو۔

پنجم: مستحقین زکوٰۃ کو کتنی مقدار میں مال دیا جائے...... فقیر اور مسکین کو کتنی مقدار میں مال دیا جائے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں فقیر اور مسکین کو اتنا مال دینا جائز ہے جس سے ان کی ضرورت پوری ہو جائے، یا اگر ان میں قوت ہو وہ اس مال سے کام کاج کرنے کے اوزار خرید سکیں اور ان کے لئے دیا ہوا مال کافی ہو۔ یا اتنا مال ہو جس سے وہ کوئی جائیداد خرید کر تجارت کر سکے، اگر چہ فقیر جائیداد کے لئے زیادہ رقم کا محتاج ہو، بشرطیکہ وہ بطریق احسن تجارت کر سکتا ہو، چونکہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کا ثبوت ان لوگوں کے لئے کیا ہے تاکہ ان کی بھلائی کا حصول ہو جائے لہٰذا زکوٰۃ سے مقصود اتنا ہے کہ ان کی حاجت اور ضرورت پوری ہو جائے، فقیر اور مسکین کو اتنا مال دیا جائے گا جس سے انؑ کی ضرورت پوری ہو اور وہ کفایت سنۃ میں ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیصہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو کہ مسلم نے روایت کی ہے۔ فرمایا: ایسے محتاج کے لئے دست سوال پھیلانا حلال ہے یہاں تک کہ اس کا معاش درستی پر آ جائے اس سے مراد بقدر کفایت ہے۔

---

❶ ...... جماہیر جمہور کی جمع ہے بمعنی سبھی علماء وفقہاء کے ہے۔ ❷ دیکھئے الدر المختار ۸۱/۲، البدائع ۴۵/۲، الشرح الکبیر ۴۹۷/۱ المهذب ۱۷۰/۱ المغنی ۶۶۷/۲ احکام القرآن لابن العربی ۹۵۷/۲۔ ❸ الدرا لمختار ۹۸/۲، فتح القدیر ۹۸/۲، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۴۹۴/۱ احکام القرآن لابن العرب ۹۶۱/۳ المجموع ۲۰۲/۶، المهذب ۱۷۱/۱ مغنی المحتاج ۱۱۴/۳ بدایة المجتهد ۳۶۸/۱۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زکوٰۃ کا اتنا مال کسی انسان کو دینا مکروہ سمجھتے ہیں جس سے وہ نصاب کا مالک بن جائے یعنی وہ مقدار دوسو درہم ہے، اس کے علاوہ جتنی مقدار میں بھی دیا جائے جائز ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ..... نے نصاب کے برابر زکوٰۃ کا مال دینا جائز قرار دیا ہے، گویا یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، البتہ غرض سبھی کی یہ ہے کہ فقیر کو اتنا مال دیا جائے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے، البتہ مالکیہ کے نزدیک کفایت سنۃ سے زائد نہ دیا جائے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں کوئی حد بندی نہیں کہ آٹھ اصناف میں سے فلاں کو بس اتنا مال دیا جائے۔

عامل (اہلکار) کو زکوٰۃ کا کتنا مال دیا جائے اس میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ امام عامل کو اتنا مال دے جتنا اس نے کام کیا ہو یعنی جس سے اس کی ضرورت پوری ہوتی ہو اور اسے کافی ہو، البتہ حنفیہ نے اتنی قید لگائی ہے کہ عامل کو نصف زکوٰۃ سے زائد نہ دیا جائے۔

مدیون کو اس کے دین (قرضہ) کے بقدر زکوٰۃ دی جائے جس سے وہ قرضے چکا سکے بشرطیکہ اس نے قرضہ اطاعت کے لئے لیا ہو اور اسراف اور معصیت کے لئے نہ لیا ہو۔

اسی طرح مسافر کو اتنا مال دیا جائے جس سے وہ اپنے وطن با آسانی پہنچ جائے۔ ❶

ششم: اگر کوئی زکوٰۃ کی رقم مانگے حالانکہ وہ مستحق نہ ہو..... اس مسئلہ میں سبھی آٹھ اصناف شریک ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا مال مانگے اگر امام اسے مستحق سمجھے تو دے سکتا ہے اور اگر مستحق نہ ہو تو اسے زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں۔

اگر سائل کا حال واضح نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) خفی (۲) جلی۔

خفی..... یعنی سائل کا حال خفی (پوشیدہ ہو) مثلاً اس کا فقر اور مسکینی مخفی ہو تو مدعی سے گواہوں کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا چونکہ اس میں تنگی ہے، اگر سائل کا معروف مال ہو اور وہ مال کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرتا ہو تو اس کا قول بغیر گواہوں کے قابل قبول نہیں ہوگا، اگر عیال کا دعویٰ کرے تو صحیح قول کے مطابق گواہ پیش کرنا ضروری ہوں گے۔

جلی..... جلی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ زمانہ مستقبل میں اس کا استحقاق ثابت ہو یہ صورت مجاہد اور مسافر کی ہو سکتی ہے لہٰذا بغیر گواہ اور بغیر قسم کے زکوٰۃ انہیں دی جائے گی، پھر اگر بعد میں حال حقیقت کے خلاف نکلا تو زکوٰۃ کا مال ان سے واپس لیا جائے گا، سفر اور جہاد میں نکلنے کے لئے مناسب طریقہ سے ان کی دیکھ بھال کی جائے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ دست سوال پھیلانے والے کی حالت زمانہ حال میں اس کے استحقاق کو ظاہر کرتی ہو، اس صورت میں آٹھ مصارف شامل ہیں، چنانچہ عامل اگر دعویٰ کرے کہ ''میں عامل (اہلکار) ہوں'' اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا، اسی طرح مکاتب اور مدیون سے بھی گواہ طلب کئے جائیں گے، رہی بات مؤلفہ قلوب کی سوان میں سے اگر کوئی شخص کہے: اسلام میں میری نیت کمزور ہے تو اس کا قول قبول کر لیا جائے گا۔

چونکہ اس کا کلام ہی اس کی تصدیق کر رہا ہے، اگر کہے میں اپنی قوم کا شریف آدمی ہوں اس سے گواہ طلب کئے جائیں گے، شافعیہ میں سے رافعی کہتے ہیں دست سوال پھیلانے والے کا ظاہری حال اس کی حقیقت کی خبر دینے کے لئے گواہوں کے قائم مقام ہے چونکہ ظاہری حالت سے علم اور یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

❶..... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الکتاب مع اللباب ۱/۱۵۵، الشرح الکبیر ۱/۴۹۵، بدایۃ المجتہد ۱/۲۶۸ الدر المختار ۲/۸۱۔

ہفتم: مستحقین کی شرائط......فقہاء نے زکوٰۃ کے مستحق کے لئے پانچ شرائط لگائی ہیں۔

۱۔ **مستحق فقیر ہو**......یعنی جس شخص کو زکوٰۃ دی جارہی ہو وہ مستحق ہو، البتہ عامل کے لئے یہ شرط نہیں وہ اگر مالدار ہوا سے زکوٰۃ دی جائے گی، چونکہ وہ مزدوری لیتا ہے، نیز عامل اپنے آپ کو اسی کام کے لئے فارغ کرتا ہے لہٰذا اسے زکوٰۃ دی جائے گی۔ اسی طرح ابن سبیل (مسافر) کے لئے بھی یہ شرط نہیں اگر چہ وطن میں اس کا مال ہو، مسافر فقیر کی مانند ہے، چونکہ زکوٰۃ میں حاجت کا اعتبار بھی ہے وہ فی الحال حالت سفر میں محتاج ہے، اگر چہ ظاہری حالت سے وہ مالدار لگتا ہو، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے میں مؤلف القلب اور مجاہد کے لئے بھی فقیر ہونے کی شرط نہیں۔

فقیر ہونے کی شرط ہر قسم کے صدقات صرف کرنے کے لئے شرط ہے خواہ صدقات فرض ہوں یا واجب ہو جیسے عشر، کفارات، نذر کا صدقہ، صدقہ فطر، چونکہ آیت میں عموم ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ......التوبۃ ۹/۶۰

اس شرط کی اساس پر زکوٰۃ اور صدقات کو مالدار پر صرف کرنا جائز نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ ''صدقہ مالدار اور قوت کے حامل شخص کے لئے حلال نہیں۔'' (۱) چار یا پانچ قسم کے مالداروں کو صدقہ اور زکوٰۃ دینا جائز ہے، وہ یہ ہیں عامل، مؤلف، مجاہد، مقروض جو باہمی صلہ کے لئے مقروض ہوا ہو یہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مالدار کے لیے صدقہ حلال نہیں البتہ پانچ مالداروں کے لئے حلال ہے، عامل، وہ شخص جو اپنے مال سے زکوٰۃ کا مال خرید لے، مجاہد فی سبیل اللہ، مقروض، وہ مسکین جسے زکوٰۃ دی گئی ہو اور وہ اپنے تئیں کسی مالدار کو ہدیہ کردے۔ (۲)

حنفیہ کے نزدیک غنی (مالدار) کون ہے؟......حنفیہ کے نزدیک غنی یعنی مالدار وہ شخص ہے جو نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو خواہ مال کسی قسم کا بھی ہو لیکن وہ مال حاجت اصلیہ کے علاوہ ہو، لہٰذا جو شخص نصاب شرعی سے کم کا مالک ہو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اگر چہ زکوٰۃ لینے والا قوی اور کمائی کرنے پر قدرت رکھتا ہو، چونکہ وہ فقیر ہے اور فقراء مصارف زکوٰۃ میں سے ہیں۔ نیز اس لئے بھی کہ حاجت کی حقیقت کی واقفیت مشکل ہے، لہٰذا حاجت کی دلیل پر حکم گھومے گا، اور دلیل نصاب کا نہ ہونا ہے، لہٰذا جس شخص کے پاس رہائش کا مکان ہو، گھریلو اثاثہ ہو، خادم، گھوڑا (سواری کے لئے گاڑی) علمی کتابیں اسلحہ اور پہننے کے کپڑے ہوں اسے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، چونکہ یہ سبھی اشیاء حوائج اصلیہ میں سے ہیں جن کے سوا انسان کو کوئی چارہ کار نہیں، اگر ان ضروریات سے زائد مال ہو جس کی قیمت دوسو دراہم تک پہنچتی ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہے، مکاتب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگر چہ اسکے پاس بدل کتابت ہو اور اگر چہ بدل کتابت سے زائد نصاب بھی ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے، جو شخص کسی قسم کے مال کے نصاب کا مالک ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، چونکہ شرعی طور پر وہ غنی (مالدار) ہے۔

مالکیہ کے نزدیک غنی کون ہے؟......مالکیہ کے نزدیک غنی وہ شخص ہے جس کے پاس ایک سال کا بقدر کفایت معاش موجود ہو، جبکہ فقیر وہ ہے جس کے پاس سال کا بقدر کفایت معاش موجود نہ ہو، اگر چہ فقیر کمائی کی طاقت رکھتا ہو، مالکیہ کے نزدیک اگر چہ فقیر نے محنت مزدوری اختیاری طور پر چھوڑ رکھی ہو تب بھی اسے زکوٰۃ دینا درست ہے۔ جو شخص ایک سال کی بقدر کفایت معاش نہ پاتا ہو اور اس کے اخراجات مثلاً اس کا باپ، بیٹا یا بیت المال برداشت کرتا ہو لیکن اس کے کھانے پینے اور پہننے کا سامان کافی نہ ہوتا ہو یا اس کی اپنی دستکاری ہو جو کافی نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک غنی کون ہے؟......شافعیہ کے نزدیک غنی وہ ہے جس کے پاس غالب عمر کی بقدر کفایت معاش ہو غالب عمر دہ

---

(۱)......رواہ ابو داؤد والترمذی من حدیث عمرو بن العاص۔ (۲) رواہ ابو داؤد وابن ماجہ۔

۶۲ سال کی اوسطاً عمر ہے، ہاں البتہ اگر اس کے پاس مال ہو جس سے وہ تجارت کرتا ہو تو اس کے روز کے روز کے منافع کا اعتبار ہوگا، اگر منافع اس دن کی نصف معاش کے بقدر ہو تو وہ فقیر ہے، اسی طرح اگر غالب عمر سے تجاوز کر جائے تو ہر روز کا علیحدہ اعتبار ہوگا، اگر کسی کے پاس مال ہو یا کوئی دھندہ ہو جو نصف دن کی کفایت نہ کرتا ہو تو وہ بھی فقیر ہے۔

جبکہ فقیر وہ ہے جس کے پاس سرے سے مال ہی نہ ہو اور نہ کمائی کا کوئی حلال دھندہ ہو، اگر مال یا دھندہ ہو بھی تو وہ نصف دن کی کفایت سے کمتر ہو اور اس پر خرچ کرنے والا بھی کوئی نہ ہو جیسے شوہر، اعتبار اس کسب اور کمائی کا ہے جو اس کی حالت اور مروت کے لائق اور مناسب ہو، اور جو دھندہ اس کے لائق نہ ہو تو وہ کالمعدوم ہے۔ ❶

علوم شرعیہ کا طالب علم زکوٰۃ لے سکتا ہے؟..... علوم شرعیہ کا طالب زکوٰۃ لے سکتا ہے اس کے لئے زکوٰۃ لینا حلال ہے، چونکہ تحصیل علم فرض کفایہ ہے، اگر طالب علم محنت مزدوری اور کمائی میں مصروف ہوگیا تو اس کی تحصیل علم منقطع ہو جائے گی۔

شافعیہ کے نزدیک مسکین وہ ہے جو مال یا کمائی پر قدرت رکھتا ہو جو کہ اس کی غالب عمر کی نصف کفایت کے مساوی ہو۔

شافعیہ کے نزدیک جو فقیر یا مسکین کمانے کی قدرت رکھتا ہوا سے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی چونکہ حدیث سابق جو ابوداؤد نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ ''زکوٰۃ میں مالدار کا حصہ نہیں اور نہ ہی قوت کے حامل جو کما سکتا ہو اس کے لئے حصہ ہے۔''

البتہ مکاتب غلام کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اگر چہ وہ کسب اور کمائی پر قدرت رکھتا ہو۔

خلاصہ..... رہائش کے لئے مکان، کپڑے فقر کے مانع نہیں اسی طرح وہ مال جو دو مرحلوں (قصر) کی مسافت پر ہو، مقررہ مدت کا قرض ہے، غیر مناسب کسب اور دھندہ بھی مانع نہیں، فقیر ہونے میں اپاہج ہونا اور دست سوال پھیلانے سے گریز کرنا شرط نہیں، قریبی رشتہ دار کا خرچ جو بقدر کفایت نہ ہو یا خاوند خرچ کرنے کے لئے موجود ہو تو وہ فقیر کے حکم میں نہیں۔ اگر کوئی شخص علم میں مشغول ہو اور کمائی حصول علم میں خلل ڈالتی ہو تو وہ فقیر ہے۔

حنابلہ کے نزدیک غنی کون ہے؟..... امام احمد رحمہ اللہ علیہ سے مروی ہے دو روایتوں میں سے مشہور روایت یہ ہے کہ غنی وہ ہے جو پچاس دراہم یا اس کی قیمت کے بقدر سونے کا مالک ہو یا کمائی کا کوئی ذریعہ، تجارت یا پلاٹس وغیرہ جن سے علی الدوام کفایت ہو سکتی ہو تو وہ غنی ہے۔'' اس کی دلیل ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث ہے کہ غنی وہ ہے جس کے پاس پچاس دراہم یا ان کی قیمت کے بقدر سونا ہو۔''

فقیر وہ ہے جو قطعی طور پر کوئی چیز نہ پاتا ہو یا جو کسب و کمائی سے نصف کفایت سے کم معاش پاتا ہو جیسے دس دراہم جو اس کی کفایت کرتے ہوں وہ ان میں سے صرف دو ہی رکھتا ہو۔

مسکین وہ ہے جو اپنی کفایت کا زیادہ حصہ یا نصف حصہ پاتا ہو خواہ کمائی سے یا کسی اور طرح سے، لہٰذا فقیر اور مسکین کو زکوٰۃ سے اتنا مال دیا جائے جو ان کے عیال سمیت ان کے لئے سال بھر تک کفایت کر سکتا ہو۔ اگر فقیر اور مسکین کمانے پر قدرت رکھتے ہوں تو انہیں زکوٰۃ نہیں دی جائے گی دلیل ابوداؤد کی گزشتہ روایت ہے۔

البتہ اگر کمانے پر قدرت رکھنے والا فقیر یا مسکین حصول علم میں مصروف ہو تو اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے چونکہ حصول علم اور حصول معاش کے یکجا ہونے میں دشواری ہے، اگر کوئی شخص عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرلے اور کمانے کی طرف توجہ نہ دے تو اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی یہ تب ہے جبکہ وہ کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور حامل قوت ہو۔

خلاصہ..... غناء یعنی مالداری صدقہ لینے کے مانع ہے، مالداری شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ ہے جو پچاس درہم کی ملکیت میں ہو

❶..... جیسے ایک شخص گریجویٹ ہو چپڑاسی کا کام اس کے لائق نہیں لہٰذا یہ دھندہ اس کے لئے معدوم سمجھا جائے گا اور وہ فقیر ہے لہٰذا زکوٰۃ اسے دی جا سکتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نصاب کا مالک ہونا مالداری ہے، چونکہ شریعت نے معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مالک نصاب کا جو اعتبار کیا ہے وہ غنی ہی ہوسکتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مالداری کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ یہ مجتہد فیہ ہے چونکہ مالداری حالات، حاجات، اشخاص، جگہ اور زمانہ کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتی ہے۔

جب کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اسے بے نیاز کرسکتا ہو تو ایسی حالت میں صدقات، زکوٰۃ، نفلی صدقہ اور کفارہ وغیرہ کی رقم لینے کے لئے دست سوال پھیلانا حرام ہے، چونکہ بے نیاز کرنے والے مال کی موجودگی میں اس کے لئے سوال کرنا حرام ہے، اور حرام کے وسائل بھی حرام ہوتے ہیں۔

کیا زکوٰۃ بتا کر دی جائے...... جب کوئی مسلمان کسی شخص کو فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دے اور اسے ظاہری علامات سے محتاج سمجھے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کا بتانا ضروری نہیں۔ ❶

فقیر بعد میں غیر مستحق نکلے...... اگر زکوٰۃ ایسے شخص کو دی جو ظاہری حالت سے فقیر لگتا ہو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو غنی (مالدار) تھا، یا مسلمان سمجھ کر زکوٰۃ دی اور بعد میں وہ کافر نکلا تو اس ادائیگی سے فرض پورا نہیں ہوگا، اس سے واپس لینا واجب ہے، یہ شافعیہ اور مالکیہ کی رائے ہے اور حنابلہ کی بھی راجح رائے یہی ہے ❷ چونکہ زکوٰۃ دہندہ نے غیر مستحق کو زکوٰۃ دی ہے لہٰذا وہ عہدہ برآ نہیں ہوگا، اس سے واپس لے اور کسی فقیر کو دے، اگر لینے والا صرف کر چکا ہو تو زکوٰۃ کا متبادل لے اور کسی فقیر کو دے، اور لینے والے کے پاس کسی قسم کا مال نہ ہو تو مالک پر ضمان واجب نہیں ہوگا، چونکہ اگر مالک امام کو زکوٰۃ دیتا تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجاتا اور امام ضامن نہ ہوگا چونکہ امام امین ہے ظالم نہیں۔

اگر زکوٰۃ کی رقم خود مالک نے دی ہو پھر اگر دیتے وقت یہ نہیں بتایا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اب وہ رجوع نہیں کرسکتا، چونکہ مالک واجب زکوٰۃ بھی دیتا ہے اور نفلی صدقہ بھی دیتا ہے، اگر دیتے وقت وضاحت کردی تھی کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو رجوع کرسکتا ہے۔

خلاصہ...... جمہور کے ہاں یہ اصول مقرر ہے کہ اگر غیر مستحق کو زکوٰۃ دی تو وہ کافی نہیں ہوگی ہاں البتہ اگر امام دے دے تو فرض ساقط ہوجائے گا، مالکیہ کے نزدیک قاضی اور وصی بھی امام کی مانند ہے، اگر واپس لینا دشوار ہو تو کافی ہوگی، چونکہ زکوٰۃ اجتہاد سے دی گئی ہے، حنابلہ نے یہ صورت مستثنیٰ کی ہے کہ فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دی اور بعد میں وہ مالدار نکلا تو زکوٰۃ کافی ہوگی۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: جب مالک نے کسی انسان کو زکوٰۃ دی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مالدار ہے یا ذمی ہے یا وہ مالک کا باپ یا بیٹا ہے یا اس کی بیوی ہے یا ہاشمی ہے تو وہ بری الذمہ ہوگیا اب اسے دوبارہ زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں، چونکہ اس کی وسعت میں یہی تھا یعنی اس نے کسی نہ کسی کو زکوٰۃ کا مالک بنایا ہے اور تملیک ہی زکوٰۃ کا اہم رکن ہے اور مالک اپنی وسعت کے بقدر یہ رکن بجالایا ہے، چنانچہ مالک تحری (سوچ بچار) اور کھوج کرید کا حتی الوسع سے بڑھ کر مکلف نہیں، ہاں البتہ اگر بغیر تحری کے زکوٰۃ دی تو کافی نہیں ہوگی چونکہ یہاں مالک کی خطا عیاں ہے۔

۲۔ یہ کہ زکوٰۃ کا مستحق مسلمان ہو...... یعنی مستحق زکوٰۃ کی دوسری شرط یہ ہے کہ مستحق مسلمان ہو، البتہ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک تالیف قلب کے مصرف کی صورت میں مستحق کا مسلمان ہونا شرط نہیں، بلا اختلاف کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ کہ ''مسلمانوں کے مالداروں سے زکوٰۃ لو اور انہی کے فقراء میں واپس لوٹا دو۔'' حدیث میں مسلمانوں کو واپس زکوٰۃ دینے کا حکم ہے (یعنی امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے) لہٰذا غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

---

❶ ...... یعنی دیتے وقت یہ بتانے کی حاجت نہیں کہ میں زکوٰۃ کا پیسہ دے رہا ہوں۔ ❷ دیکھئے المجتھد ۱/۱۷۵ المغنی ۲/۶۶۷ کشاف القناع ۲/۳۴۴ الشرح الصغیر ۱/۶۶۸، غایۃ المنتہیٰ ۱/۳۱۵۔

دوسرے صدقات...... زکوۃ کے علاوہ دوسرے صدقات مثلاً صدقہ فطر، کفارات کا صدقہ، نذر کا صدقہ وغیرہ تو ان میں افضل جہت یہ ہے کہ مسلمان فقراء کو دیئے جائیں چونکہ مسلمان فقراء کو صدقات دینے میں ان کی اعانت اور مدد ہے، کیا ذمیوں کو اس طرح کے صدقات دینا جائز ہے؟

تاہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ذمیوں کو اس طرح کے صدقات دینا جائز ہے ان کی دلیل یہ آیت ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ سورۃ البقرہ ۲۷۱

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو تب بھی اچھا ہے اور اگر ان کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے اور اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا۔

اس آیت میں ایک فقیر اور دوسرے فقیر میں فرق نہیں کیا گیا، آیت کا عموم اس چیز کا متقاضی ہے کہ صدقات ذمیوں کو دینا جائز ہے، البتہ زکوۃ کو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے مخصوص کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ...... المائدۃ ۸۹/۵)

اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

اس آیت میں ایک مسکین اور دوسرے مسکین میں فرق نہیں کیا گیا، البتہ اس حکم سے حربی کو نکال دیا گیا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ حربی صدقات لے کر کہیں ہمارے خلاف ہی استعمال نہ کرے، ذمیوں کو صدقات دینے میں ان کے ساتھ ایک طرح کا حسن سلوک اور بھلائی ہے، ہمیں حسن سلوک سے منع نہیں کیا گیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ ...... الممتحنہ ۸/۶۰

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو۔

ان دلائل کی روشنی میں ذمیوں کو زکوۃ کے علاوہ دیگر صدقات دینا جائز ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف، زفر، شافعی اور جمہور کا یہ موقف ہے کہ صدقات کا ذمیوں پر صرف کرنا جائز نہیں چونکہ صدقات کو زکوۃ پر قیاس کیا گیا ہے اور ذمیوں کو حربی پر قیاس کیا گیا ہے۔ [1]

۳۔ مستحق زکوۃ بنی ہاشم میں سے نہ ہو...... یعنی مستحق زکوۃ کی تیسری شرط یہ ہے کہ مستحق ہاشمی نہ ہو، چونکہ بنی ہاشم اہل بیت ہیں اور اہل بیت پر زکوۃ لینا حرام ہے، چونکہ زکوۃ لوگوں (کے اموال) کی میل ہوتی ہے، اہل بیت کے لئے خمس ہوتا ہے جو انہیں کافی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "یہ صدقات لوگوں کی میل کچیل ہوتے ہیں اس لئے یہ صدقات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے حلال نہیں۔" [2]

بنی ہاشم کون ہیں؟...... حنفیہ میں سے کرخی اور حنابلہ کے نزدیک بنو ہاشم یہ لوگ ہیں۔ آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل بن ابی طالب آل حارث بن عبدالمطلب۔ چونکہ اوپر بیان کی گئی حدیث کا عموم اسی پر دلالت کرتا ہے۔

شافعیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ "بنی ہاشم اور بنی مطلب ایک

---

[1] ...... یعنی جس طرح زکوۃ ذمیوں کو نہیں دی جاسکتی اسی طرح دوسرے صدقات بھی ذمیوں کو نہیں دیئے جائیں گے اور جس طرح حربی کو صدقات دینا نہیں اسی طرح ذمیوں کو بھی صدقات دینا جائز نہیں۔ [2] رواہ مسلم عن ابی رافع۔

ہی چیز ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں داخل کر کے فرمایا۔ ❶

ابوحنیفہ اور مالکیہ..... کہتے ہیں کہ بنی ہاشم سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں، ان کے نزدیک بنو مطلب یعنی ہاشم کے بھائی اہل بیت میں سے نہیں ہیں، لہٰذا مشہور قول کے مطابق بنو مطلب کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

ابوحنیفہ، مالکیہ اور بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، چونکہ ہاشمیوں کو بیت المال کے حصہ سے محروم کر دیا گیا ہے جو کہ ذوی القربیٰ کا حصہ تھا، چونکہ ہاشمیوں کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اور ان کی حاجت بھی اس میں ہے نیز مصالح کا بھی یہی تقاضا ہے، جیسا کہ دسوقی مالکی نے کہا ہے کہ ہاشمیوں کو غیر ہاشمیوں کی بنسبت زکوٰۃ دینا افضل ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک ہاشمیوں کو نفلی صدقات دینا حلال ہے۔ ❷

۴۔ **مستحق مالک کے قریبی رشتہ داروں میں سے نہ ہو**..... یعنی مستحق مالک کا ایسا قریبی رشتہ دار نہ ہو جس کے اخراجات مالک کو برداشت کرنے پڑتے ہوں اور شرعاً اس کو یہ اخراجات لازم ہوں، جیسے قریبی رشتہ دار اور بیوی، اگر چہ بیوی عدت میں ہو۔ چونکہ زکوٰۃ کا اہم رکن تملیک ہے، قریبی رشتہ دار کو زکوٰۃ کا مال دینے میں بھرپور تملیک نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح سے اپنے اوپر ہی صرف کرنا لازم آتا ہے، یوں قریبی رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں اپنی ذات کے لئے جلب منفعت ہے ❸ لہٰذا والدین اگر چہ اوپر چلے جاؤ (یعنی اجداد، دادا، دادی، نانا، نانی) اولاد اگر چہ نیچے چلے جاؤ (یعنی پوتا، پڑپوتا وغیرہ) زوجات (بیویوں) کو زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا، حتیٰ کہ بیوی کو اگر طلاق بائن دی ہو اور وہ عدت میں ہو تب بھی اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی حتیٰ کہ طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہو حنفیہ کے نزدیک تب بھی زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، چونکہ مزکی (مالک زکوٰۃ) پر الگ سے ان کا نفقہ واجب ہے، زکوٰۃ دفع حاجت کے لئے دی جاتی ہے اور وجوب نفقہ کے ساتھ حاجت زکوٰۃ نہیں رہتی، نیز اس لئے بھی کہ قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھاتے ہیں۔

بلکہ شافعیہ کے نزدیک ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جس کا نفقہ مزکی کو لازم نہ ہوتا ہو بلکہ کسی اور کو لازم ہوتا ہو۔ چونکہ وہ شخص محتاج نہیں اس لئے کہ اس کا نفقہ ایک دوسرے شخص کو لازم ہوتا ہے، جیسے روز کے روز بقدر کفایت کمائی کرنے والا شخص۔

حنفیہ نے ایسی عورت کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے جو خود تو فقیرہ ہو لیکن اس کا خاوند غنی ہو، حنفیہ کے نزدیک زانی اپنے ولد زنا کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، ہاں البتہ لڑکا اگر کسی مشہور خاوند کی عورت کا ہو تو اسے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

مذکورین جنہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں وہ اگر غارمین یا مجاہدین ہوں تو انہیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، شافعیہ نے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ امام نووی نے مجموع میں تصریح کی ہے اسی طرح مالکیہ اور ابن تیمیہ نے بھی جائز قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ اس بیٹے کو دی جا سکتی ہے جس کا خرچہ مزکی (مالک زکوٰۃ) کو لازم نہ ہو، بشرطیکہ جب بیٹا فقیر ہو، چونکہ حالت فقر میں وہ اجنبی کی طرح ہوگا، مالکیہ نے اجازت دی ہے کہ عورت اپنے فقیر خاوند کو صدقہ فطر دے سکتی ہے جبکہ واجب زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

استاذ ابو اسحاق شیرازی نے المعذب میں وضاحت کی ہے۔ کہ "قریبی رشتہ دار اور زوجات کو فقراء کے حصہ سے زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں چونکہ زکوٰۃ حاجت کے لئے دی جاتی ہے اور ان لوگوں کو زکوٰۃ کی حاجت نہیں چونکہ مزکی پر ان کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: بیٹے اور باپ کو عاملین، مکاتبین، غارمین اور مجاہدین کے حصہ سے زکوٰۃ دینا جائز ہے جب وہ ان

---

❶..... رواہ البخاری عن جبیر بن مطعم۔ ❷ بہر حال فتویٰ اس پر ہے کہ ہاشمی کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی بلکہ کسی اور طرح سے ان کی مدد کی جائے گی۔
❸ یعنی ایسا نفع جو نتیجتاً زکوٰۃ دینے والے ہی کو پہنچتا ہے چونکہ اس کے ذمہ رشتہ دار کا خرچہ برداشت کرنا ہے اور وہ زکوٰۃ دے کر اپنے اخراجات کم کرنا اور بچانا چاہتا ہے جس کا نتیجتاً اس کا اپنا نفع اٹھانا ہے۔

مصارف کی صفات پر ہوں، تالیف قلب کے حصہ سے انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں چونکہ اس کا نفع مزکی کو پہنچتا ہے اس لئے کہ اس کے ذمہ ان کا نفقہ ہوتا ہے۔ اگر نفقہ لازم نہ ہو تو پھر زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی اساس پر اولاد میں سے کوئی ایسا ہو جس کی کمائی اسے کافی نہ ہوتی ہو اور وہ اپنے باپ کے گھر میں بھی نہ رہتا ہو تو شافعیہ کے نزدیک اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

کیا عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے؟...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور حنابلہ کا راجح قول یہ ہے کہ عورت کا اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں چونکہ نتیجتاً زکوٰۃ بیوی کی طرف واپس لوٹ آئے گی۔ ❶

صاحبین، شافعیہ، اور مالکیہ صحیح قول کے مطابق کہتے ہیں کہ خاوند اور اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ان کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ''کہ تمہارا خاوند اور تمہاری اولاد اوروں کی بنسبت صدقہ کے زیادہ حق دار ہیں۔'' ❷

عقلی وجہ یہ ہے کہ خاوند اور اولاد کا نفقہ بیوی اور ماں پر لازم نہیں ہوتا۔

بقیہ رشتہ دار..... قریبی رشتہ داروں میں سے جو لوگ اوپر مذکور ہوئے اور جنہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ان کے علاوہ بقیہ قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، ان رشتہ داروں میں یہ لوگ ہیں بھائی، بہن، پھوپھی، چچا، خالہ، ماموں وغیرھم۔ اس کی دلیل طبرانی کی روایت ہے جو سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرزی ہے کہ ''مسکین پر کیا ہوا صدقہ محض صدقہ ہوتا ہے جبکہ ذی رحم محرم پر کیے ہوئے صدقہ میں دو طرح کا ثواب ہے، صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔'' بلکہ قریبی رشتہ دار تو مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کی زکوٰۃ کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سب سے افضل لوگ جنہیں تم زکوٰۃ دو وہ ہیں جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں جن کے اخراجات تمہیں برداشت نہ کرنے پڑتے ہوں۔

باپ کی بیوی، بیٹے کی بیوی اور داماد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، مالکیہ نے اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں رکھا جس کا نفقہ مزکی پر لازم ہو یا اسے ماہانہ بیت المال سے وظیفہ ملتا ہو، اسی طرح حنابلہ نے عمودی نسبت میں آنے والے رشتہ داروں مثلاً نانا اور نواسے کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں رکھا، چونکہ ان کا نفقہ کسی قدر مزکی پر واجب ہے۔

نفلی صدقات..... نفلی صدقات فروع واصول، زوجات اور ازواج ❸ کو دینا جائز ہے بلکہ نفلی صدقات انہیں دینا افضل ہے، چونکہ اس میں دہرا اجر ہے ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

نفلی صدقہ مالداروں اور کفار کو دینا جائز ہے، مالداروں اور کفار کا نفلی صدقہ لینا بہتر ہے بلکہ اس میں اجر ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ (سورۃ الدھر ۷۶/۸)

''اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے رہیں۔''

اس وقت قیدی کافر ہی ہوتا تھا، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مشرک ماموں کو جوڑا پہنایا تھا وہ جوڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنایا تھا، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتاء لیا آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔'' ❹

البتہ صدقات ایسے شخص کو دینا مستحب ہے جو دست سوال پھیلانے سے بے نیاز ہو باوجودیکہ وہ محتاج ہوتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶..... دیکھئے الدر المختار ۸۶/۲، البدائع ۴۰/۲، کشاف القناع ۳۳۸/۲ واضح رہے فتویٰ امام صاحب ہی کے قول پر ہے۔ ❷ رواہ البخاری ومسلم۔ ❸ فروع پوتے پڑپوتے، اصول، باپ دادا، زوجات بیویاں، ازواج خاوند۔ ❹ رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ......البقرۃ ۲/ ۲۷۳

چونکہ وہ سوال کرنے سے پاک دامن ہوتے ہیں اس لئے ناواقف شخص انہیں مالدار سمجھتا ہے۔

اگر مالدار شخص جو بظاہر فاقہ کش لگتا ہو صدقات لے لے تو یہ اس پر حرام ہے، اگر چہ صدقات نفلی ہوا، چونکہ اس میں جھوٹ اور دھوکہ دہی کا پہلو ہے۔

زکوٰۃ دینے میں اگر مزکی سے خطاء ہو جائے......اگر زکوٰۃ دینے میں مزکی سے خطا ہو جائے مثلاً اصول یا فروع (آباواجداد، پوتے پڑپوتے) میں سے کسی کو اندھیرے میں دے دی، دیتے وقت اسے علم نہیں تھا کہ یہ اس کا قریبی رشتہ دار ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ کا اعادہ نہیں، جبکہ امام ابو یوسف امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس پر اعادہ لازمی ہے۔

۵۔ یہ کہ مستحق عاقل بالغ اور آزاد ہو......چنانچہ بالاتفاق غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، حنفیہ کے نزدیک چھوٹا بچہ جو غیر مراہق (سات سال سے کم عمر کا) ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، مجنون کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، البتہ اگر بچے یا مجنون کا ولی مثلاً باپ، وصی وغیرہ زکوٰۃ پر قبضہ کرے تو اس صورت میں جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک تمیز کرنے والے بچوں کو عید کے موقع پر زکوٰۃ دینا جائز ہے، البتہ مالدار شخص کے بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، چونکہ باپ کے مالدار ہونے سے چھوٹا بچہ بھی مالدار سمجھا جاتا ہے، البتہ اگر مالدار شخص کا بڑا بیٹا فقیر ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے، چونکہ بڑا (بالغ) باپ کے مالدار ہونے سے مالدار شمار نہیں ہوتا، لہٰذا وہ اجنبی کی طرح ہوگا، جیسا کہ بیٹے کے مالدار ہونے سے باپ مالدار شمار نہیں ہوتا، اسی طرح خاوند کے مالدار ہونے سے بیوی مالدار شمار نہیں ہوتی، ماں کے مالدار ہونے سے بچہ مالدار نہیں شمار ہوتا۔

شافعیہ نے شرط لگائی ہے کہ زکوٰۃ پر قبضہ کرنے والا عقلمند ہو، عقلمند سے مراد عاقل بالغ اور حسن تصرف جانتا ہو، لہٰذا بچے، مجنون، سفیہ (بے وقوف) کو زکوٰۃ دینا دیا تنا کافی نہیں ہوگی ہاں البتہ اگر ان کا ولی قبضہ کرے تو جائز ہے۔

مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ عامل زکوٰۃ بالغ ہو لہٰذا نابالغ عامل کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔

حنابلہ نے چھوٹے بڑے سبھی کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے، برابر ہے چھوٹا کھانا کھا سکتا ہو یا نہ کھا سکتا ہو، اسی طرح مجنون کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے البتہ چھوٹے بچے اور مجنون کا ولی زکوٰۃ پر قبضہ کرے گا، چنانچہ دار قطنی نے حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلکار بھیجا اس نے ہمارے مالداروں سے زکوٰۃ کا مال لیا اور ہمارے فقراء میں واپس دے دیا، میں یتیم لڑکا تھا میرے پاس مال نہیں تھا، ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھے جوان اونٹنی دی۔

فرع......ان پانچ شرائط کی روشنی میں وہ شخص جو مالدار ہو خواہ مال ہو یا کمائی کا کوئی ذریعہ اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک بنی مطلب کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول کے مطابق بھی بنی مطلب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اس شخص کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں جس کا خرچہ مزکی پر لازم ہو، چھوٹے بچوں اور مجنونوں کو براہ راست زکوٰۃ دینا جائز ہیں، اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو زکوٰۃ کے شہر کا نہ ہو، حنفیہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اہل بدعت کو دینا جائز نہیں جیسے رب تعالیٰ کی ذات اور صفات میں تشبیہ کے قائلین، حنفیہ نے فقراء کو حج کے موقع اور عیدین کے مواقع پر زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے، یا جو شخص کوئی بشارت وغیرہ لائے اسے بھی زکوٰۃ دینا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

دوسرا مطلب......تقسیم زکوٰۃ کے متفرق احکام

اول: امام کوزکوٰۃ دینااورانسان کاخودزکوٰۃ نکالنا......آیت کریمہ "والعاملین علیھا" اس بات پردال ہے کہ زکوٰۃ کے اموال لینے کا اختیار امام کوسونپا گیا ہے، جبکہ خود مالک بھی مستحقین کوزکوٰۃ دے سکتا ہے، چونکہ عامل بسااوقات ٹیکس وصول کررہا ہوتا ہے، ایک دوسری آیت سے بھی اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ......التوبۃ ۹/ ۱۰۳

لوگوں کے اموال سے صدقہ لو۔

امام پرواجب ہے کہ وہ اپنے اہلکارزکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مختلف علاقوں میں تعینات کرے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے بعد خلفاء راشدین اہلکاروں کومختلف علاقوں میں وصولی زکوٰۃ کے لئے بھیجتے تھے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں میں ایسا شخص بھی ہوتا ہے جو مال کا مالک ہوتا ہے حالانکہ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر کیا واجب ہے، اسی طرح لوگوں میں بعض بخیل بھی ہوتے ہیں، لہٰذا اہلکاروں کا بھیجنا واجب ہے۔

ساعی کی شرائط......امام اسی اہلکار کو بھیجے جو آزاد، عادل اور ثقہ ہو چونکہ عمل ذاری ایک ذمہ داری اور امانت کا عہدہ ہے، جبکہ غلام او رفاسق امانت اورولایت کے اہل نہیں ہوتے، اہلکارفقیہ ہونا چاہیے چونکہ اتنی پہچان ضروری ہے کہ کیا چیز زکوٰۃ میں لی جائے گی اور کیا چیز نہیں لی جائے گی، نیز مسائل زکوٰۃ میں بسااوقات اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اہلکار کا فقیہ ہونا ضروری ہے۔

یہاں ایک آیت ایسی بھی ہے جو مالکان کو اجازت مرحمت کرتی ہے کہ وہ خود اپنے تئیں بھی زکوٰۃ مستحقین کو دے سکتے ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝ المعارج ۷۰/ ۲۴۔۲۵

اور جن لوگوں کے اموال میں متعین حق ہے سوالی اور بے سوالی کا۔

چونکہ جب زکوٰۃ سوالی اور بے سوالی کا حق ہے تو واجب ہے کہ اسے براہ راست زکوٰۃ دے دی جائے۔

اسی طرح دوسری آیات جن میں علماء نے زکوٰۃ تقسیم کرنے کی تفصیل بیان کی ہے ان کا مدلول بھی یہی ہے۔

الف......اگر مال باطنی یعنی سونا چاندی اور اموال تجارت ہوتو مالک اپنے تئیں بھی زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کرسکتا ہے اور امام کو بھی دے سکتا ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زکوٰۃ کا مطالبہ کیا ہے، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آپ کی اتباع کی، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایک مدت تک زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے رہے، پھر جب لوگوں میں اموال کی کثرت ہوگئی اور زکوٰۃ کے تتبع میں امت پر حرج ہونے لگا تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا معاملہ اصحاب اموال کو سونپ دیا کہ خود بنفس نفیس ادا کریں، امام کو اس لئے زکوٰۃ دی جائے گی چونکہ وہ فقراء کا نائب ہوتا ہے۔ جس طرح یتیم کے ولی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اس طرح امام کو بھی دینا جائز ہے، اس لئے بھی امام کو دینا جائز ہے کہ امام مصارف زکوٰۃ سے بخوبی واقف ہوتا ہے، امام کو زکوٰۃ دینے سے مالک ظاہری اور باطنی طور پر بری الذمہ ہوجاتا ہے، چونکہ امام کو زکوٰۃ دے کر اختلاف اور تہمت سے بچ جاتا ہے۔

ب......اگر زکوٰۃ کا مال ظاہری ہو یعنی مویشی، اناج، پھل تاجر کا مال جو ٹیکس آفیسر کے پاس سے لے کر گزرے جمہور (ان میں حنفیہ اور مالکیہ بھی شامل ہیں) کے نزدیک امام (یعنی اہلکار) کو زکوٰۃ دینا واجب ہے، اگر مالک نے خود ہی زکوٰۃ تقسیم کردی تو اس کی ادائیگی حساب میں

نہیں لائی جائے گی چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ......سورۃ التوبۃ/ ۱۰۳

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ لینے کا حکم دیا ہے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام زکوٰۃ کا مطالبہ کرسکتا ہے، آیت مصارف میں ''والعاملین علیھا'' بھی اس بات پر دال ہے کہ امام مالداروں سے صدقات کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مصدقین (اہلکار جو صدقات وصول کرتے تھے) کو عرب کے دور دراز علاقوں میں، دوسرے شہروں میں مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔ ❶

خلفائے راشدین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے رہے چنانچہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مانعین زکوٰۃ نے سر اٹھایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر لوگ مجھے زکوٰۃ میں وہ رسی دینے سے انکار کریں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے میں اس پر بھی ان کے ساتھ جنگ کروں گا۔ ❷

مالکیہ کہتے ہیں اگر امام (حکمران) عادل ہو تو اسے زکوٰۃ دینا واجب ہے، اگر غیر عادل ہو تو مالک کو خود زکوٰۃ تقسیم کرنی چاہئے، اگر امام ہی کو دے دی کافی سمجھی جائے گی، مستحب یہ ہے کہ مالک خود زکوٰۃ تقسیم نہ کرے چونکہ اس میں ثناء خواہی کا پہلو ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول ہے کہ مالک اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی خود تقسیم کرسکتا ہے جس طرح اموال باطنہ کی زکوٰۃ تقسیم کرسکتا ہے، چونکہ وہ بھی تو آخر زکوٰۃ ہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: انسان کو خود اپنے تئیں زکوٰۃ تقسیم کرنی چاہیے تاکہ اسے یقین ہوجائے کہ اس نے زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کی ہے، برابر ہے کہ زکوٰۃ اموال ظاہرہ کی ہو یا باطنہ کی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے یہ پسند ہے کہ مالک خود زکوٰۃ دے اگر سلطان کو دے یہ بھی جائز ہے، حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ مزکی حق اس کے مستحق کو دے گا جس کا تصرف روا ہوگا لہٰذا خود نکالی ہوئی زکوٰۃ کافی سمجھی جائے گی، جیسے خود دیا ہوا دین کافی سمجھا جاتا ہے، جیسے اموال باطنہ کی زکوٰۃ، نیز مال ظاہر زکوٰۃ کی دو انواع میں سے ایک نوع ہے، لہٰذا دوسری نوع کے مشابہ ہوا، امام کو زکوٰۃ دینے کی صورت میں عاملین کی تنخواہ بھی ہوجاتی ہے۔

البتہ امام زکوٰۃ لینے کا حق رکھتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں چونکہ آیت کی دلالت اسی پر ہے۔ ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زکوٰۃ کا اس لئے مطالبہ کیا تھا چونکہ لوگوں نے زکوٰۃ سے انکار کردیا تھا اگر لوگ مستحقین کو زکوٰۃ دیتے تو آپ رضی اللہ عنہ ان سے قتال نہ کرتے۔

ہر حال میں زکوٰۃ کا نکالنا اموال کے مالکان سے وابستہ ہے۔ آج فریضہ زکوٰۃ کے احکام اور شرائع کا مرتب کرنا لازم ہے تاکہ زکوٰۃ کے باقاعدہ قوانین وجود میں آئیں، ریاست کو زکوٰۃ جمع کرنے کا باقاعدہ بندوبست کرنا چاہئے، چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہت زیادہ کوتاہی کی جاتی ہے، جب باقاعدہ قوانین مرتب ہوں گے تو زکوٰۃ کو مصارف پر صرف کرنے میں آسانی ہوگی، یہ بھی ضروری ہے کہ حکمران عادل اور امین ہو اور مصالح مسلمین کا احساس رکھنے والا ہو۔

دوم: ادائے زکوٰۃ میں وکیل بنانا.....فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے وکیل بنانا جائز ہے، البتہ اس میں مؤکل کو نیت کرلینی چاہئے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر مؤکل نے وکیل کو زکوٰۃ دیتے وقت یا ادائیگی کے وقت وکالت کی نیت کرلی تب بھی کافی سمجھی جائے گی، حنابلہ کے نزدیک ادائے زکوٰۃ سے پہلے پہلے نیت کرلینی چاہئے۔

مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک زکوٰۃ کا مال الگ کرتے وقت وکالت کی نیت کرلی تو بھی کافی سمجھی جائے گی، پھر وکیل فقراء کو بلانیت

❶......ثبت ذالک فی حدیث انس الذی رواہ احمد والنسائی وابوداؤد والبخاری۔ ❷ رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ عن ابی ھریرہ۔

دے سکتا ہے، چونکہ تقسیم زکوٰۃ حقوق مال میں سے ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی میں وکیل بنانا جائز ہے، وکیل بغیر اجازت کے اپنا وکیل بنا سکتا ہے (یعنی وکیل کا وکیل) البتہ اگر مؤکل نے دوسرے وکیل کی نیت نہ کی تو جائز نہیں، چونکہ فرض کا تعلق اسی سے ہے، اگر مالک نے امام کو زکوٰۃ دیتے وقت تو نیت کی لیکن امام نے فقراء کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت نہ کی تو یہ بھی جائز ہے۔ ❶

اس اصل پر (کہ وکیل بنانا جائز ہے) حنفیہ کی رائے میں یہ بھی جائز ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے ذمی غیر مسلم کو وکیل بنایا جائے، چونکہ زکوٰۃ ادا کرنے والا درحقیقت مسلمان ہے، اگر مؤکل نے کہا: یہ نفلی صدقہ ہے یا میرا کفارہ ہے پھر وکیل کو دینے سے پہلے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ صحیح ہے، وکیل اپنے فقیر بیٹے اور فقیر بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے، بشرطیکہ مؤکل نے کسی معین شخص کو زکوٰۃ دینے کا حکم نہ دیا ہو، وکیل زکوٰۃ خود نہیں رکھ سکتا، ہاں البتہ موکل نے کہا ہو جہاں چاہو زکوٰۃ دے دو تو تب خود بھی رکھ سکتا ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ وکیل فقیر ہو۔

اگر مؤکل نے وکیل کو معین شخص کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا، وکیل نے غیر معین شخص کو زکوٰۃ دی تو اس میں حنفیہ کے دو اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ وکیل زکوٰۃ کا ضامن نہیں ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے صدقہ کرنے کی نذر مانی کہ فلاں معین پر صدقہ کرے گا، اسے اختیار ہے کہ اس معین کو صدقہ دے یا نہ دے، دوسرا قول جسے ابن عابدین نے راجح قرار دیا ہے کہ وکیل ضامن ہوگا، چونکہ وکیل مؤکل کی قوت تصرف کی مدد کرتا ہے جبکہ موکل نے فلاں معین کو دینے کا حکم دیا ہے، لہٰذا اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دے سکتا، جیسے کسی شخص نے مثلاً زید کے لئے کسی چیز کی وصیت کی تو وصی وہ چیز کسی اور کو نہیں دے سکتا۔

سوم: مال مؤدیٰ کی شرط...... یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ادا کی ہوئی چیز مال متقوم ہو، حنفیہ کے نزدیک برابر ہے کہ مال منصوص علیہ ہو یا نہ ہو، خواہ مال اس جنس میں سے ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، حنفیہ کے نزدیک اصل قاعدہ اس میں یہ ہے کہ ہر وہ مال جس کا نفلی صدقہ کرنا جائز ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی جائز ہے اور جو مال اس صفت پر نہ ہو اس کی زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ اگر مالک نے فقیر کو سامان دیا، کپڑے دے دیئے، روٹی دی، شکر دی یا گھی دے دیا یا جوتے پہنا دیئے اور ساتھ زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ صحیح ہے۔ جبکہ حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک منصوص علیہ مال (یعنی وہ مال جس پر نص وارد ہوئی ہے) کا زکوٰۃ میں ادا کرنا متعین ہے، اس موضوع پر ''زکوٰۃ میں قیمت دینے'' کی بحث میں گفتگو ہو چکی ہے۔

چہارم: مزکی کے شہر سے دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنا...... عام قاعدہ یہ ہے کہ ہر قوم کا صدقہ انہی کے فقراء میں تقسیم کیا جائے اس کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث ہے۔ کہ ''اہل یمن، کے مالداروں سے زکوٰۃ لو اور انہی کے فقراء میں لوٹا دو۔''

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ کے اموال میں اسی جگہ کا اعتبار ہے جس جگہ کا مال ہو، صدقہ فطر میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں صدقہ کرنے والا شخص ہو، چنانچہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنے کے متعلق فقہاء کی تفصیلات ہیں۔ ❷

حنفیہ...... کہتے ہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے، الا یہ کہ دوسرے شہر میں مزکی کے رشتہ دار ہوں جو اس کے شہر کے فقراء سے زیادہ محتاج ہوں، یا دوسرے شہر کے لوگ مزکی کے رشتہ دار نہیں تاہم اس کے شہر کے فقراء سے زیادہ محتاج ہوں یا دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنے میں کوئی بڑی مصلحت ہو یا دوسرے شہر کے لوگ زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوں یا دوسرے شہر میں مسلمانوں کا زیادہ نفع ہو، یا زکوٰۃ دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف منتقل کی گئی ہو یا دوسرے شہر میں طالب علم کو دی گئی ہو یا دوسرے شہر میں زاہدین کو دی گئی

❶...... دیکھئے البدائع ۴۰/۲، الدر المختار ۱۴/۲، الشرح الصغیر ۶۶۶/۱، المهذب ۱۶۸/۱ المغنی ۶۳۸/۲۔ ❷ دیکھئے الدر المختار ۹۳/۲، الفتاویٰ الهندیة ۱۷۸/۱، الکتاب مع اللباب ۱۵۸/۱ فتح القدیر ۲۸/۲، القوانین الفقهیه ص ۱۱۱ الشرح الصغیر ۶۶۷/۱ المجموع ۲۳۷/۶ مغنی المحتاج ۱۱۸/۳ لمغنی ۶۷۱/۲ المهذب ۱۷۳/۱۔

ہو یا سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ دی ہو تو ان تمام صورتوں میں دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ نہیں، اگر مذکورہ احوال کے علاوہ کسی اور وجہ سے زکوٰۃ دوسرے شہر میں منتقل کی تو جائز ہے چونکہ زکوٰۃ کا مصرف مطلق فقراء ہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں مسافت قصر کے بقدر اگر دوسرا شہر ہو تو اس کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ اس شہر کے فقراء زیادہ محتاج ہوں تو جائز ہے، اگر مسافت قصر یعنی ۸۹ کلومیٹر سے کم فاصلہ میں زکوٰۃ منتقل کی ہے تو یہ جائز ہے چونکہ یہ وجوب زکوٰۃ کی جگہ ہے اور اس جگہ میں فی الفور زکوٰۃ تقسیم کرنا ضروری ہے۔

وجوب کی جگہ اناج اور پھلوں کی جگہ ہے، مویشیوں کی وہ جگہ جہاں سے انہیں زکوٰۃ میں لایا گیا ہے، نقدی مال اور سامان تجارت کی زکوٰۃ کی جگہ مالک کی جگہ ہے وہ جہاں بھی ہو، جب تک کہ مالک سفر نہ کرے یا ایسے شخص کو وکیل نہ بنائے جو زکوٰۃ کو مال کے شہر سے نکال کر دوسرے شہر میں لے جائے۔

شافعیہ...... کے نزدیک زیادہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی منتقلی ممنوع ہے، جس شہر میں زکوٰۃ کا مال ہو اسی شہر میں مصارف پر صرف کرنا واجب ہے، چونکہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اسی کے متقاضی ہے، البتہ اگر مصارف کی اصناف زکوٰۃ کے شہر میں نہ پائی جائیں، یا بعض ہوں بعض نہ ہوں، یا بعض موجود اصناف سے زکوٰۃ بچ جائے تو ان صورتوں میں دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا جائز ہے۔

حنابلہ...... حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مسافت قصر کے بقدر مال زکوٰۃ کے شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ کی منتقلی جائز نہیں۔ یعنی مسافت قصر کی طرف منتقلی حرام ہے، البتہ اگر اس کے باوجود کسی نے زکوٰۃ منتقل کی تو کافی سمجھی جائے گی، مسافت قصر سے کم فاصلہ کی طرف زکوٰۃ کی منتقلی جائز ہے، مستحب یہ ہے کہ جس شہر میں زکوٰۃ ہو اسی میں تقسیم کی جائے، پھر قریب والی بستی کی طرف منتقل کی جائے پھر اس کے قریب۔

پنجم: باغیوں اور خوارج کا زکوٰۃ لینا...... جب خوارج کا یا باغیوں کا کوئی گروہ اسلامی ملک پر غلبہ حاصل کر لیں اور زکوٰۃ کے اموال، اراضی کا عشر اور خراج لوگوں سے لیں، یا کوئی ظالم حکمران لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ لے تو مالکان کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی دوبارہ ان سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، اور مکلّف کی طرف سے خراج کا دیا جانا کافی سمجھا جائے گا برابر ہے لینے والا عادل ہو یا ظالم، برابر ہے زبردستی لے یا خوشی سے، چونکہ اسی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے۔

البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے والے (مالکان) کو دیانتاً یہ فتویٰ دیا جائے گا زکوٰۃ اور عشر دوسری مرتبہ دیں، حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر سلطان نے صدقات، ٹیکس یا ظلماً مال لیا اور دینے والے نے دیتے وقت صدقہ کی نیت کر لی تو صدقہ کی نیت جائز ہوگی، یہی مفتی بہ ہے، جب کسی ظالم کو صدقہ کی نیت سے مال دیا جائے تو عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی سمجھا جائے گا، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ صدقہ دوبارہ دیا جائے۔

ششم: اسقاط زکوٰۃ کے لئے حیلہ سازی...... زکوٰۃ ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا حرام ہے، اس کی صورت یوں ہو سکتی ہے مثلاً ایک شخص کسی فقیر کو مال ہبہ کر دے اور پھر اس سے واپس خرید لے یا سال گزرنے سے پہلے کسی قریبی رشتہ دار کو مال ہبہ کر دے اور سال گزرنے کے بعد مال واپس لے لے۔

اگر کسی شخص نے کسی اور جنس کے ساتھ مال تبدیل کیا مثلاً مویشیوں کو دراہم میں تبدیل کیا، اس نے ایسا زکوٰۃ سے بھاگنے کے لئے کیا ہو یا نصاب کا ایک حصہ تلف کر دیا تا کہ نصاب میں کمی واقع ہو جائے اور زکوٰۃ واجب نہ ہو، یا مثلاً سائمہ جانوروں کو علوفہ بنا لیا تو ان حیلوں سے

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی تاکہ ایسے حیلوں کا دروازہ بند کیا جاسکے، چونکہ مالک نے مال کے ایسے حصہ کو ساقط کرنے کی کوشش کی ہے جس کے استحقاق کا سبب منعقد ہو چکا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ سورۃ القلم، آیت ۱۷ تا ۲۰

''ہم نے ان مکہ والوں کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ایک باغ والوں کو اس وقت آزمائش میں ڈالا تھا جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کا پھل توڑ لیں گے اور یہ کہتے ہوئے کوئی استثناء (صدقہ) نہیں کر رہے تھے، پھر ہوا یہ کہ جس وقت وہ سو رہے تھے اس وقت تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بلا اس باغ پر پھیرا لگا گئی، جس سے وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو صدقہ سے بھاگنے پر سخت سزا دی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صدقہ باطل کرنے کے لئے کسی طرح کا حیلہ نہ کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حیلہ کرنے سے ہر حال میں زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی چونکہ حیلہ کی وجہ سے وجوب زکوٰۃ کی شرط یا کسی رکن میں کمی واقع ہو جاتی ہے لہٰذا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جیسے کسی شخص نے اپنی حاجت کے لئے مال تلف کر دیا ہو تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گا۔ ❶

ہفتم: ریاست کو دیا گیا ٹیکس زکوٰۃ میں کافی سمجھا جائے گا؟.....ٹیکس دینے سے زکوٰۃ سرے سے ادا ہی نہیں ہوتی، چونکہ زکوٰۃ مسلمان پر فرض عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے فرض ہے، جبکہ ٹیکس محض مالی پالیسی ہے جو عبادت کے معنی سے خالی ہے، اور اس کا مقصد قربت خداوندی نہیں ہوتا، اسی لئے زکوٰۃ میں نیت شرط ہے جبکہ ٹیکس میں شرط نہیں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار شرعاً مقرر ہے جبکہ ٹیکس کی کوئی مقدار مقرر نہیں، سلطان جتنا چاہے مقرر کر لے، زکوٰۃ دائمی ثابت شدہ حق ہے جبکہ ٹیکس بحسب حاجت وقتی طور پر دیا جاتا ہے، زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں، جبکہ ٹیکس سرکاری امور میں صرف کیا جاتا ہے، زکوٰۃ کے روحانی، اخلاقی، اجتماعی اور انسانی اہداف ہیں جبکہ ٹیکس میں یہ اہداف مقصود نظر نہیں ہوتے۔ ❷

ہشتم: میت کے اموال پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟.....فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، چنانچہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور ادائیگی اس کی دسترس میں ہو پر ادائیگی سے پہلے مر جائے تو اس سے معصیت ہوئی، اس کے ترکہ سے زکوٰۃ دینا واجب ہے، گو اس نے وصیت نہ کی ہو، موت سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، چونکہ زکوٰۃ حق واجب ہے اور اس کی وصیت کرنا صحیح ہے، یا یوں کہہ لیا جائے کہ زکوٰۃ حق مال ہے جو حالت حیات میں لازمی ہوتا ہے لہٰذا موت سے ساقط نہیں ہوگا جیسے آدمی کا قرض موت سے ساقط نہیں ہوتا، البتہ تہائی ترکہ سے زکوٰۃ دی جائے گی جیسا کہ وصیت میں ہوتا ہے یہ مالکیہ کا مشہور مذہب ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترکہ کے سرمائے سے زکوٰۃ دی جائے گی۔

---

❶.....اسی پر فتویٰ ہے کہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، البتہ حیلہ ساز گنہگار ہوگا، مثلاً دیکھئے ایک شخص سال پورا ہونے سے قبل مال کسی قریبی رشتہ دار کو ہبہ کر دے، سال پورا ہونا زکوٰۃ کے لئے شرط ہے لہٰذا جب شرط نہ پائی جائے گی وجوب ساقط ہو جائے یعنی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، حنفیہ کے ہاں اس میں ایک قاعدہ ہے کہ ہر وہ حیلہ جس سے حکم شرعی فوت ہوتا ہو تو ایسا حیلہ کرنا سرے سے ناجائز ہے اگر حکم شرعی باطل نہ ہوتا ہو تو حیلہ کرنا جائز ہے، یہ بات الگ ہے کہ حیلہ خواہ جائز ہو یا ناجائز احکام پر اس کا اثر بہر حال ہوگا، زیر بحث صورت ہی کو دیکھ لیا جائے کہ حیلہ کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ ❷ یہی رائے مفتی بہ ہے دیکھئے فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۴۷ ج ۶ بحوالہ شامی باب الزکوٰۃ الغنم۔ آپ کے مسائل ص ۳۸۷ ج ۳۔ المغنی ۲/ ۶۷۶، مغنی المحتاج ۱/ ۳۷۹، الخراج لابی یوسف ص ۸۰۔

جب کسی میت کے ترکہ میں اللہ تعالیٰ کا قرض اور کسی آدمی کا قرض جمع ہوجائے پہلے کی مثال جیسے زکوٰۃ، کفارہ، نذر، حرم کے شکار کی جزاء وغیرہ، تو شافعیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرض کو مقدم کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں موت سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے، ہاں البتہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے زکوٰۃ دی جائے گی، زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ دوسرے اصحاب وصیت کو بھی حصہ ملے گا، اگر وصیت نہیں کی تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے جو موت سے ساقط ہوجاتی ہے جیسے روزہ موت سے ساقط ہوجاتا ہے۔

گویا حنفیہ کے نزدیک تین چیزوں سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے۔

۱..... جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اس کا بغیر وصیت کے مرجانا۔

۲..... مرتد ہوجانا۔

۳..... سال گزرنے کے بعد جب زکوٰۃ ادا کرنے پر دسترس ہو اور نصاب ہلاک ہوجائے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ان تین امور میں اختلاف ہے۔

نہم: اسقاط دین زکوٰۃ کا وقوع نہیں..... فقراء کو زکوٰۃ دینے میں تملیک شرط ہے، حنفیہ کے نزدیک دین (قرضہ) میں چشم پوشی کر لینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، چونکہ فقیر کو زکوٰۃ ہاتھوں ہاتھ دینا واجب ہے دائن کو البتہ یوں کرنا چاہیے کہ فقیر (مدیون) کو زکوٰۃ دے اور پھر اپنے قرضہ کا مطالبہ کرے، حنابلہ نے بھی اسے جائز رکھا ہے، بشرطیکہ حیلہ کی صورت نہ بنے وہ اس طرح کہ دائن واپسی کی شرط نہ لگائے، اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کی رقم سے کھانا خریدا اور صبح شام فقیروں کو کھانا کھلایا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چونکہ اس میں شرط تملیک معدوم ہے، اگر زکوٰۃ فقیر کو دی تو ادائیگی اس وقت صحیح ہوگی جب فقیر زکوٰۃ پر قبضہ کرلے، یا اس کا ولی یا وصی قبضہ کرلے۔

اسی طرح اگر میت فقیر کے قرضہ میں زکوٰۃ کی رقم دی تو زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی چونکہ یہاں فقیر کو زکوٰۃ کا مالک نہیں بنایا گیا، البتہ اگر زندہ فقیر کے کہنے پر اس کا قرضہ ادا کیا تو زکوٰۃ صحیح ہوجائے گی چونکہ یہاں فقیر کی تملیک صحیح ہے، چونکہ جب فقیر نے مزکی کو قرضہ چکانے کا حکم دیا تو مزکی فقیر کا وکیل بھی بن گیا، گویا فقیر نے خود دین پر قبضہ کیا اور قرض خواہ کو دے دیا، لہٰذا اس ساری تفصیل کی روشنی میں اگر دائن مدیون فقیر کے قرضہ سے سبکدوشی کا اظہار کرے اور نیت زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہو تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

دہم: ابراء من الدین..... یعنی مستحق زکوٰۃ کو قرضہ سے سبکدوش کرنا اور اس قرضہ کو زکوٰۃ میں سے شمار کرنا اور واجب زکوٰۃ کو ادا سمجھنا کہ یہ پیشگی زکوٰۃ ادا ہوئی۔

یہ موضوع یعنی "الابراء من الدین" کا اکثر وقوع زکوٰۃ کے معاملہ میں ہوتا ہے اور اس موضوع پر متقدمین نے بھی بحث کی ہے، ہمارے زمانہ میں بھی اس مسئلہ کے حکم کو جاننے کی اشد ضرورت پیش آئی ہے، عموماً لوگ زکوٰۃ کے نکالنے میں خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے اور بعض تو مختلف حیلوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادئیگی چھوٹ جائے۔

واجب الاتباع حکم کو جاننے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیائے افتاء میں یہ اصول ہے کہ فتویٰ اسی حکم کا دیا جاتا ہے جس کے دلائل راجح ہوں اور اس میں حق نمایاں دکھائی دیتا ہو، جیسا کہ علماء نے اس کا تذکرہ کیا ہے، یعنی وہ حکم مفتی بہ ہے جس کی تائید قواعد شرعیہ سے ہوتی ہو، عقل اس سے مطمئن ہو اور اس سے نفس کو راحت ملے یا اکثر علماء کا وہ قول ہو تو ایسے حکم کو اپنانا راجح ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو اسلامی فقہ کے وسیع میدان میں کوئی رائے مل جاتی ہے جو ان کی خواہش کے مطابق ہو، اسے دیکھ کر خوش ہوجاتے ہیں، آج کل ایسا دیکھنے میں آیا ہے، خواہ وہ رائے شاذ ہو یا ضعیف ہو، جبکہ ایسی رائے پر عمل کرنے کی کوئی خاص حاجت اور ضرورت بھی پیش نہیں

آتی، نیز بعید ہے کہ کوئی مسئلہ ایسا ہو جس میں دو مختلف اقوال نہ ہوں حتیٰ کہ دس دس اقوال تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے، جدت، ترجیح اور اجتہاد سے شاذ رائے معمول بہا نہیں بن جاتی۔

یہ مسئلہ جب اول وہلہ میں موضوع بحث بنا تو اس میں قواعد شرعیہ کی رعایت نہیں کی گئی، وہی رائے اپنالی گئی جس میں لوگوں کو آسانی ملتی، چنانچہ مالدار شخص یوں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا کہ دوسرے مستحقین کے ذمہ جو قرض ہوتا اس سے بری الذمہ ہو جاتا، ظاہریہ اور مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک دیئے ہوئے مال میں پیشگی زکوٰۃ کا اعتبار کیا جائے گا، جمہور ایک سال کی پیشگی زکوٰۃ کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ دو سالوں کی پیشگی زکوٰۃ کو جائز قرار نہیں دیتے، وہ بھی تب جبکہ نصاب شرعی کی ملک حاصل ہو، چونکہ یہ سب وجوب کے بعد ادائیگی ہوگی۔

مدیون کو دین ہبہ کر دینے کا نام ابراء ہے چونکہ حقیقت میں ہبہ وہ ہوتا ہے جو مدیون کے علاوہ کو کہا جائے، اس بحث میں علماء کی مختلف آراء اور دلائل بیان کروں گا، پھر مناقشہ کے بعد میرے نزدیک جو راجح رائے ہوگی اسے بھی بیان کروں گا۔

ابراء دین اور اسے زکوٰۃ کے حساب میں لگانے کے متعلق علماء کی مختلف آراء

اسی موضوع میں فقہاء کی دو طرح کی آراء ہیں:

۱......ابراء دین جائز ہے اور یہ ادائے زکوٰۃ میں کافی سمجھا جائے گا۔

۲......جائز نہیں اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی کافی نہیں ہوگی۔

پہلی رائے......یہ رائے ظاہریہ اور بعض تابعین (حسن بصری اور عطاء) کی ہے۔

جبکہ دوسری رائے جمہور امت، آئمہ اربعہ، اباضیہ، زیدیہ، سفیان ثوری اور ابو عبید کی ہے۔

پہلی رائے کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

الف: ابن حزم ظاہری......کہتے ہیں: جس شخص کا قرضہ کسی مستحق صدقہ پر ہو، اگر دائن قرضہ صدقہ کر دے اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کر لے تو اس کی زکوٰۃ میں یہ ادائیگی کافی سمجھی جائے گی، اسی طرح اگر مستحق کو قرضہ صدقہ کر دیا اور پھر جس شخص کا دین ہو اس کے لئے حوالہ کیا اور اس سے زکوٰۃ کی نیت کر لی تو ادائیگی کی یہ صورت زکوٰۃ سے کافی سمجھی جائے گی۔

اس کی دلیل......مالدار شخص (دائن) صدقہ واجبہ کا مامور ہے اور اسے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ مستحقین صدقات پر صدقہ کرے، یہ صدقہ اس کی واجب زکوٰۃ سے ہو، جب قرضہ سے سبکدوشی کو صدقہ کا نام دیا گیا ہے تو یہ ادائے زکوٰۃ میں کافی سمجھی جائے گی۔ اس کی تائید مسلم کی روایت جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سے بھی ہوتی ہے۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص تنگدست ہو گیا اور اس کے خریدے ہوئے پھلوں پر آفت پڑی جس کی وجہ سے اس کا قرضہ زیادہ ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص پر صدقہ کرو۔“ ❶

لیکن یہ حدیث اس شخص پر ہاتھوں ہاتھ صدقہ کرنے کی واضح دلیل ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مالدار لوگ بالفعل اس مدیون شخص کو مال دیں۔ برابر ہے کہ صدقہ کرنے والا اس کا قرض خواہ ہو یا نہ ہو، یہ واضح ہے کہ صدقہ میں مال دینا ”ابراء من الدین“ سے مختلف ہے جبکہ ابراء من الدین اسقاط دین ہے، چونکہ صدقات کرنا اغنیاء کا راستہ ہے اور ادائے قرض کی دسترس اور خلاصی پر مدیون

---

❶......المحلی لابن حزم ۶/۱۰۵۔

کی مدد کرنا قرض اور افلاس کی ایک کڑی ہے، ابـراء مـن الـديـن ‘(قرضہ سے سبکدوشی) اسقاط دین ہے تملیک نہیں (اکثر علماء کے نزدیک)، اگر دائن نفلی صدقہ کا اعتبار کرے تو یہ ہوسکتا ہے جبکہ زکوٰۃ کا اعتبار دشوار ہے چونکہ ادائے زکوٰۃ کے وقت نیت شرط ہے جو ادائیگی سے ملی ہو، جیسا کہ آرہا ہے۔

ب: بعض تابعین (حسن بصری اور عطاء رحمہما اللہ)...... کہتے ہیں: تنگدست مدیون کے لئے دین کو زکوٰۃ سے منہا کرنا کافی ہے، چونکہ اگر دائن مدیون کو زکوٰۃ کی مد سے رقم دیتا اور پھر اس سے لے لیتا تو ایسا کرنا جائز ہے اور جب اس پر قبضہ نہ کرے تب بھی جائز ہے، جیسے کسی شخص کے پاس کچھ رقم بطور ودیعت رکھی ہو اور مالک امین کو زکوٰۃ میں دے دے اور نئے سرے سے قبضہ نہ کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر کسی شخص کا قرضہ کسی دوسرے کے ذمہ ہو وہ مدیون کو چھوڑ دے اور اسے اپنے پاس موجود مال کی زکوٰۃ سے محسوب (شمار) کرے تو اس قرضہ کو زکوٰۃ کی طرف سے کافی سمجھا جائے گا، البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ مدیون زکوٰۃ کا مستحق ہو، چنانچہ ایک شخص نے عطاء بن ابی رباح سے کہا فلاں شخص پر میرا قرضہ ہے جبکہ وہ تنگدست ہے کیا میں اسے قرضہ چھوڑ دوں اور اسے اپنے مال کی زکوٰۃ میں وضع کر سکتا ہوں؟ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جی ہاں۔

حسن بصری رحمہ اللہ بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، پھر فرمایا: تمہاری یہ جو بیوعات ہیں یہ درست نہیں۔ [1] یعنی جب قرض کسی سامان کی قیمت بنالیا جائے اور وہ چیز مبیع تصور کی جائے تو اس طرح کی بیع درست نہیں، حتی کہ یہ تجارت کا ایک ذریعہ بن جائے۔

حافظ ابوعبید کا مناقشہ...... لیکن حافظ ابوعبید نے مذکورہ رائے کا ان الفاظ میں مناقشہ کیا ہے۔ ”ہماری رائے ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ اس میں رخصت دیتے تھے، یعنی دین کو زکوٰۃ شمار کرنے میں، چونکہ زکوٰۃ کے متعلق ان کا ایک خاص مذہب ہے، وہ یہ کہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ قرض میں زکوٰۃ کے قائل نہیں تھے، اگر چہ قرض مالدار پر ہو، جبکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے دین ضمار (جس کا ملنا مشکل ہو مثلاً مال غصب، مال مفقود، گمشدہ مال وغیرہ) میں تھی، جبکہ تنگدست پر جو قرضہ ہوتا ہے وہ دین ضمار ہے، چونکہ اس میں غالب امکان عدم وصولی کا ہوتا ہے، اگر قرضہ ملنے کی امید ہو تو وہ دین ضمار نہیں ہوتا، تنگدست پر یہ والا قرضہ دین ضمار ہے اور اس کے ملنے کی امید نہیں ہوتی، یوں ایک نکتہ پر ان دونوں تابعین کے اقوال اکٹھے ہو جاتے ہیں، چنانچہ جب ان دونوں حضرات نے دیکھا کہ رب المال کو مال ضمار میں اللہ تعالیٰ کا حق لازم نہیں ہوتا اور انہوں نے اس مال کو نکالی ہوئی زکوٰۃ کی طرح قرار دیا، اب مالک کے پاس سوائے زکوٰۃ کی نیت کرنے کی کوئی اختیار نہیں رہتا، اور یہ کہ مدیون کو بری الذمہ کر دے لہٰذا انہوں نے اس قرض کے ابراء کو زکوٰۃ سے کافی سمجھا، جبکہ نیت اور ابراء دونوں ہوں۔

میں نہیں جانتا کہ اس مذہب پر کسی نے عمل کیا ہو اس مذہب کو نہ کسی محدث نے اپنایا اور نہ کسی فقیہ نے۔ [2]

جب اس قول میں دائن اور مدیون دونوں کے لئے آسانی ہے، لہٰذا آسانی کا محل اور آسانی کی حالت شرط ہے، مثلاً سفر میں نماز قصر پڑھی جاتی ہے، مسافر اور مریض سے روزے کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، چونکہ ان میں سفر اور مرض کی علت موجود ہے۔ اگر آسانی کی کوئی صورت، محل اور شرعاً مقبول حالت مہیا نہ ہو جیسے ”ابـراء مـن الـديـن“ کی صورت میں تو وہ آسانی شرعاً فضول اور عبث ہے، اس میں زکوٰۃ کے احکام اور شرائط کو بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے۔

ج: شیعہ امامیہ (جعفریہ)...... کہتے ہیں: جب کسی انسان کے ذمہ دین (قرضہ) ہو اور وہ ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہو نیز مستحق زکوٰۃ بھی ہو تو مستحق کے لئے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ میں اس کا تقاصہ کرلے [3] اسی طرح اگر کسی میت پر قرضہ ہو تو قرض خواہ زکوٰۃ

---

[1]...... المجموع للنووی ۱۵۷/۶ طبع مکتبۃ الارشاد جدہ، الاموال لابی عبید ص ۵۳۳ طبع منشورات مکتبۃ الکلیات الازھریہ۔
[2] الاموال لابی عبید ص ۵۳۳۔ [3] تقاصہ یعنی زکوٰۃ کی رقم مالک (دائن) کے پاس رہنے دے اور وہ دین سے منہا کرلے۔

میں اس کا تقاضہ کرلے۔ چنانچہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: ایک قوم کے ذمہ طویل عرصہ سے میرا قرضہ ہے وہ اس کی ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتے درحال یہ کہ وہ مستحقین زکوٰۃ بھی ہیں، کیا میں قرضہ چھوڑ دوں اور اسے زکوٰۃ میں سے شمار کرلوں؟ امام جعفر نے فرمایا: جی ہاں۔ ❶

یہ رائے محتاج دلیل ہے جبکہ شرعی قواعد اس کی نفی کرتے ہیں، چونکہ علماء تنگدست کے دین کو ضائع اور ساقط مال نہیں سمجھتے جس کی وصولی ہر طرح دشوار ہوگئی ہو اور پھر اسے زکوٰۃ سے کافی سمجھا جائے اور اس سے بے نیازی کا حیلہ تراشا جائے، یہ ہر حال میں دین مایوس ہوجاتا ہے۔

دوسری رائے کے انصار اور وہ سب جمہور ہیں

کل جمہور کہتے ہیں تنگدست مدیون کو دین سے بری الذمہ کردینا یا دین کو ساقط کردینا یا دین (قرض) سے سبکدوش ہوجانا (دستبرار ہوجانا) کسی حال میں بھی ادائے زکوٰۃ نہیں اور نہ ہی یہ زکوٰۃ میں کافی ہوگا، بلکہ واجب تو یہ ہے کہ بالفعل فقیر کو زکوٰۃ دی جائے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر میت کے دین کو زکوٰۃ کی نیت سے ادا کیا جائے تو یہ زکوٰۃ میں صحیح نہیں ہوگا، چونکہ فقیر کی طرف سے یہاں تملیک معدوم ہے چونکہ اس میں قبضہ نہیں، البتہ اگر زندہ فقیر کا قرضہ ادا کرے اور فقیر اس کا حکم بھی دے تو زکوٰۃ کی مد میں یہ ادائیگی جائز ہوگی، چونکہ یہاں تملیک کی شرط پائی جاتی ہے، چونکہ جب فقیر نے مزکی کو قرضہ ادا کرنے کا حکم دیا تو مزکی اس کا وکیل بن گیا لہٰذا اس کا قبضہ درست ہوگا، گویا صورت یوں ہوگئی کہ فقیر نے خود اپنے لئے صدقہ پر قبضہ کیا اور پھر دائن قرض خواہ کو دے دیا۔

اب میں اس رائے کے ہر مذہب کی عبارات ذکر کروں گا۔

الف: حنفیہ..... کہتے ہیں: زکوٰۃ بعینہ مزکی (مالک) کے مال کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، جیسے حق رہن کا تعلق مال مرہون کے ساتھ ہوتا ہے، یہ حق زائل نہیں ہونے پاتا مگر اسی وقت جب زکوٰۃ کا مال مستحق کو دے دیا جائے۔ ❷

زکوٰۃ جائز نہیں مگر ایسی نیت کے ساتھ جو ادائیگی سے ملی ہوئی ہو یا زکوٰۃ کی مقدار الگ کرتے وقت نیت کرلی ہو۔

چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے لہٰذا اس میں نیت شرط ہے، اس میں اصل اقتران (باہم ملا ہوا ہونا) ہے ہاں البتہ زکوٰۃ دینے میں تفرقہ ہوسکتا ہے اس لئے زکوٰۃ کا مال علیحدہ کرتے وقت کی نیت کا اعتبار کرلیا گیا جیسے روزہ میں پہلے سے نیت کرلی جاتی ہے۔

اس اساس پر اگر کسی شخص کا قرضہ کسی فقیر پر ہو اس نے فقیر کو ادائے زکوٰۃ کی نیت سے قرضہ سے بری الذمہ کردیا تو یہ ابراء کافی نہیں سمجھا جائے گا چونکہ بری الذمہ کرنا اسقاط ہے اور ساقط مال نہیں لہٰذا ذمہ میں واجب ہونیوالے مال کا بدل بھی نہیں ہوسکتا، اسی اساس پر حنفیہ کہتے ہیں کہ دو صورتوں میں اداء جائز نہیں۔

اول..... عین کے بدلہ میں دین ادا کرنا۔ جیسے دائن مدیون کے ذمہ میں قرضہ کو زکوٰۃ کی مد سے منہا کرے، یہ اس صورت کے خلاف ہے جب دائن مدیون فقیر کو حکم دے کہ فلاں میرے مدیون سے میرا قرضہ قبضہ میں لے لو اور وہ میری طرف سے تمہیں زکوٰۃ ہوگی، یہ صورت جائز

---

❶..... دیکھئے الفقه علی المذاهب الخمسة ص ۱۷۵ للستاذ محمد جواد مغنیة الطبعة الخامسة، وفقه الامام جعفر للاستاد مغنیه ۸۸/۲۔ والفتاوی لیشخ الطائفه محمد بن حسن علی الطوسی ص۱۸۸۔ ❷ شافعیہ مالکیہ اور امامیہ کہتے ہیں زکوٰۃ عین مال میں واجب ہوتی ہے اور فقیر مالک کا حقیقی شریک ہوتا ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔'' وفی اموالهم حق للسائل والمحروم '' احادیث سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقراء کو اموال میں اغنیاء کا شریک بنایا ہے، البتہ شریعت نے آسانی کے لئے دوسرے اموال سے بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی ہے۔

ہے۔ چونکہ یہاں دین فقیر کے قبضہ سے عین بن جائے گا اور اس صورت میں عین کے بدلہ میں عین ہوگا، یعنی قرضہ پر قبضہ زکوٰۃ پر قبضہ کرنے کے مترادف ہے۔

دوم...... دین کے بدلہ میں دین ادا کرنا۔ جیسے فقیر بعض نصاب سے بری الذمہ کردے اور اس کی نیت اس سے بقیہ مال کی طرف سے ادائیگی ہو، چونکہ باقی نصاب قبضہ سے عین ہو جائے گا، اور یوں دین کو عین کے بدلہ میں ادا کرنے والا ہوگا۔ ❶

ب: مالکیہ...... مالکیہ کا مؤقف بھی حنفیہ جیسا ہے، چنانچہ مالکیہ کہتے ہیں۔ فقیر کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت کا ہونا واجب ہے، فقیر کو زکوٰۃ کا بتانا واجب نہیں بلکہ مکروہ ہے، چونکہ اس میں فقیر کی شکستہ دلی ہے، مالکیہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے لہٰذا نماز کے مشابہ ہوئی، اس لئے بھی کہ حولان حول زکوٰۃ کی دو شرائط میں سے ایک شرط ہے، لہٰذا سال سے پہلے زکوٰۃ دینا صحیح ہیں، وجوب زکوٰۃ سے ایک ماہ پہلے پیشگی زکوٰۃ دینا مکروہ ہے، مالکیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر مستحق نے زکوٰۃ کے بقدر مال چوری کر لیا تو یہ مال زکوٰۃ سے کافی نہیں ہوگا۔ چونکہ اس میں نیت معدوم ہے۔

ونشریسی کی کتاب معیار العرب میں ہے۔ "وہ قرضہ جو فقراء کے ذمہ واجب ہوا سے زکوٰۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا، چنانچہ سوال کیا گیا کہ کسی مالدار شخص کا قرضہ فقراء کے ذمہ واجب ہو تو کیا مالدار اس قرض کو اپنے مال کی زکوٰۃ سے منہا کر سکتا ہے؟ جواب دیا: ایسا کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کر بھی دیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی کافی نہیں ہوگی دوبارہ دی جائے گی۔

(ج) شافعیہ...... کہتے ہیں فقیر کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرنا واجب ہے یا زکوٰۃ کا مال الگ کرتے وقت نیت کر لی تو یہ کافی سمجھی جائے گی، وہ نہیں تو زکوٰۃ تقسیم کرتے وقت نیت کر لی جائے، اگر مزکی نے سلطان کو زکوٰۃ دیتے وقت نہیں کی تو صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینی پڑے گی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المجموع میں لکھا ہے کہ "جب کسی شخص کا کسی تنگدست کے ذمہ قرضہ ہو، دائن اسے زکوٰۃ میں تبدیل کرنا چاہے اور یوں کہے کہ اس قرضہ کو میری طرف سے زکوٰۃ سمجھو، تو اس میں دو صورتیں ہیں جنہیں صاحب البیان نے نقل کیا ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کافی نہیں سمجھی جائے گی بلکہ دوبارہ دی جائے گی اسی رائے کو صیمری نے قطعی قرار دیا ہے، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ چونکہ زکوٰۃ ذمہ میں واجب ہوتی ہے، قبضہ میں دیئے بغیر مزکی بری الذمہ نہیں ہوتا، دوسری رائے یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور کافی سمجھی جائے گی یہ حسن بصری اور عطاء کا مذہب ہے، چونکہ اگر مزکی فی الواقع تنگدست کو زکوٰۃ کی رقم دیتا پھر اس سے واپس لیتا تو یہ جائز ہے تو جب قبضہ نہ کرے وہ صورت بھی جائز ہے...... الخ

اس سے تھوڑا پہلے امام نووی رقم طراز ہیں کہ "بہر حال وہی یہ صورت کہ جب مزکی تنگدست کو اس شرط پر زکوٰۃ دے کہ وہ اسے قرضہ کے بدلہ میں واپس کرے گا تو یہ ادائیگی صحیح نہیں اور بالاتفاق زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، اور اس طرح قرضہ ادا کرنا بھی بالاتفاق صحیح نہیں۔

اس مسئلہ کی تصریح ان فقہاء نے کی ہے، قفال (فتاویٰ میں)، صاحب التہذیب نے "باب الشرط فی المہر" میں، صاحب البیان نے اسی موقع پر، رافعی اور کئی دوسرے فقہاء نے۔ اگر مزکی اس طرح زکوٰۃ کی نیت کر لے اور شرط نہ لگائے تو بالاتفاق جائز ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کافی سمجھی جائے گی، جب فقیر مزکی کو واپس کر دے قرضہ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

امام بغوی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر مدیون نے کہا: مجھے اپنی زکوٰۃ دو تا کہ میں تمہارا قرضہ ادا کر سکوں، دائن نے ایسا کیا تو زکوٰۃ کی یہ ادائیگی کافی سمجھی جائے گی اور قابض اس کا مالک ہو جائے گا، مدیون نے زکوٰۃ لی تو لینے کے بعد دائن کو واپس کرنا ضروری نہیں، اگر واپس کر دی

---

❶ ......البدائع ۲/ ۳۹، فتح القدیر ۲/ ۱۶۹ طبع دار الفکر بیروت۔ حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۲۷۰ الفتاویٰ الهندیہ ۱/ ۱۷۸۔

تو ادائیگی ہو چکی۔

قفال کہتے ہیں: اگر رب المال نے مدیون سے کہا میرا قرضہ جو تمہارے اوپر ہے مجھے ادا کرو میں وہ زکوٰۃ کی مد میں تمہیں واپس کردوں گا، مدیون نے قرضہ ادا کیا تو اس کی ادائیگی درست ہوگی اور مدیون پر واپس لوٹانا لازمی نہیں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

رویانی نے البحر میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے مسکین کو زکوٰۃ دی پھر مسکین سے وعدہ کیا وہ رقم مسکین اسے بیع، ہبہ یا کسی اور طرح سے واپس کرے گا تا کہ مزکی اس رقم کو مسکین کے کپڑوں اور دیگر مصالح میں صرف کرے اس رقم کے صحیح قبضہ ہونے میں دو احتمال ہیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں زکوٰۃ کی یہ ادائیگی اور قبضہ کافی نہیں یہ احتمال صحیح ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے مزکی واپسی کی شرط لگا دے، قفال کہتے ہیں: اگر مزکی کی گندم کسی فقیر کے پاس بطور ودیعت ہو، مزکی (زکوٰۃ دینے والا یعنی مالک) کہے اتنی گندم پیمانے سے اپنے لئے ناپ تول لو، اور مزکی نے اس سے زکوٰۃ کی نیت کرلی، تو اس مال کے زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہونے میں دو وجہیں ہیں:

ا..... یہ کہ زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ چونکہ مالک نے خود گندم کو ناپا تولا نہیں اور فقیر کے ناپنے تولنے کا اعتبار نہیں۔

۲..... اگر مزکی نے گندم کی مذکور مقدار کے خریدنے کا فقیر کو وکیل بنایا وکیل نے مذکور مقدار خریدی اور قبضہ بھی کرلیا پھر موکل نے کہا اسے اپنے لئے لے لو اور خود موکل نے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ ادائیگی کافی سمجھی جائے گی، چونکہ اس صورت میں مزکی ناپنے تولنے کا محتاج نہیں واللہ اعلم۔

د: حنابلہ..... کہتے ہیں: زکوٰۃ ادا کرنے میں نیت شرط ہے، ادائیگی سے تھوڑا عرصہ پہلے نیت کرلینا جائز ہے جیسے سبھی عبادات میں جائز ہے، البتہ ادائیگی کے ساتھ نیت کا ملا ہوا ہونا یا ادائیگی کے قریب قریب نیت کا ہونا ضروری ہے، زکوٰۃ فقیر کو دینا واجب ہے، لیکن اگر مدیون کو زکوٰۃ دی پھر اپنے حق کا مطالبہ کیا اور لے لیا تو یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ حیلہ کی صورت نہ ہو، یعنی مزکی قرضہ کی ادائیگی میں زکوٰۃ واپس کرنے کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ امام نووی نے ذکر کیا ہے۔ ❶

کشاف القناع میں ہے۔ فقیر کو قرضہ سے بری الذمہ کردینا زکوٰۃ کے لئے کافی نہیں، برابر ہے کہ مد میں نکالا ہوا مال دین ہو یا عین ہو، اس میں حوالہ کافی نہیں ہوگا، چونکہ یہ زکوٰۃ کا دینا نہیں ہے، اسی طرح حوالہ بھی زکوٰۃ دینا نہیں، چونکہ مزکی پر تو ایسا دین نہیں جس کا حوالہ ہو، ہاں البتہ قبضہ میں اجازت کے معنی میں ہو تو وہ جائز ہے۔ ❷

ھ: اباضیہ..... کہتے ہیں: اگر مزکی نے مدیون کو زکوٰۃ دینے کے چکر میں کہا: تمہارے ذمہ جو میرا قرضہ ہے وہ میں نے ادا کر دیا اسے قبول کرو اور اب مجھے یہ قرضہ نہ دینا، یا فلاں شخص پر میرا قرضہ ہے وہ تم میرے مال کی زکوٰۃ میں لے لو یا میرے مال کی زکوٰۃ کے بدلہ میں لے لو تو اس طرح کی زکوٰۃ کافی نہیں ہوگی چونکہ یہ دین کے بدلہ میں دین کی بیع ہے، اور یہ انشاء اللہ تعالیٰ جائز نہیں، البتہ اگر یہ قرضہ ادا کیا اور پھر مدیون پر صدقہ کیا تو یہ جائز ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی یہ صورت (جو پہلے بیان ہوئی یعنی ابراء من الدین) جائز ہے چونکہ یہ صورت ہبہ کی طرح ہے چونکہ یہ ذمہ میں ہوتا ہے اور ذمہ میں واجب شے کا ہبہ جائز ہے۔

لیکن پہلا قول مختار ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز ہے جب مزکی یوں کہے کہ میں نے اپنا مال جو تجھ پر قرضہ ہے وہ ادا کر دیا بشرطیکہ وہ جہاں سے پائے قرض سے خلاصی کرے اگر نہ پائے تو اس میں بھی دو اقوال ہیں۔ ❸

و: زیدیہ..... زیدیہ کہتے ہیں: رب المال کا جو قرضہ فقیر پر ہو اسے بری الذمہ کر دینے سے اور اس کی زکوٰۃ کی نیت کرنے سے زکوٰۃ

---

❶..... المغنی ۶۳۸/۲ کشاف القناع ۳۳۷/۲ طبع الشرح الکبیر مع المغنی ۵۳۳/۲۔ ❷ کشاف القناع ۲۶۹/۲ طبع عالم الکتب بیروت۔ ❸ شرح النیل وشفاء الخلیل للعلامۃ محمد بن یوسف اطفیش ۲۵۱/۳۔

کافی نہیں ہوتی، بلکہ فقیر سے رب المال قبضہ کرے پھر اسے دے، یا رب المال قبضہ کا فقیر کو وکیل بنائے پھر اپنے لئے اسے صرف کرے، یا فقیر مالک کو وکیل بنائے کہ وہ اس کے لئے زکوٰۃ کی رقم قبضہ کرے اور پھر اپنا قرضہ قبضہ کرے گویا یہاں دو طرح کے قبضے ضروری ہیں پہلا قبضہ زکوٰۃ کا اور دوسرا ادا کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے غیر عین کو زکوٰۃ میں نکالا ہے اسی طرح اس کی شرائط میں سے ایک تملیک بھی ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دین ناقص ہوتا ہے وہ کامل کی طرف سے کافی نہیں ہوتا، یعنی دین زکوٰۃ نہیں بن سکتا۔

زیدیہ نے فقیر سے رب المال کے قبضہ کرنے میں یہ شرط لگائی ہے کہ مقبوض جنس دین میں سے ہو اور اگر اس کی جنس میں سے نہ ہو تو وہ بیع کے حکم میں ہے، اس صورت میں طرفین کی طرف سے کسی کا بھی متولی ہونا صحیح نہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابراء مطلقاً صحیح ہے، زیادہ سے زیادہ یہ صورت فاسد ہو سکتی ہے اور وہ تو قبضہ سے مالک ہو سکتا ہے۔

ز......سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ: کہتے ہیں: قرضہ کو زکوٰۃ کی طرف سے شمار کرنا مکروہ ہے، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اسے کافی نہیں سمجھتے، جیسا کہ ابوعبید نے ذکر کیا ہے۔

ح......ابوعبید: اسی طرح ابوعبید بھی ابراء کو زکوٰۃ میں کافی نہیں سمجھتے۔ ابوعبید نے اس مؤقف پر تین دلائل قائم کئے ہیں۔

اول......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زکوٰۃ میں سنت ابراء کے برخلاف ہے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالداروں سے ہاتھوں ہاتھ زکوٰۃ لیتے تھے اور پھر اسے فقراء میں واپس کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء کا بھی یہی دستور رہا، ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے متعلق یہ رائے نہیں پہنچی کہ انہوں نے دین کو زکوٰۃ میں شمار کیا ہو حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صحابہ کرام اپنے زمانہ میں قرضہ کا لین دین کرتے تھے۔

دوم......یہ مال (جو فقیر کو قرضہ میں دیا ہے) ہلاکت ضیاع اور خسارہ کے پس منظر میں ہے جو مالک کے ہاتھ میں موجود نہیں چونکہ یہ دین ہے، اب جبکہ یہ مال پس ہلاکت ہے تو مالک نیت کے ذریعہ اسے دوسرے حکم میں تبدیل کرنا چاہتا ہے جبکہ لوگوں کے لین دین کے معاملات میں ایسا کرنا کسی طرح جائز نہیں، یہاں تک کہ مالک فقیر سے قرضہ وصول کرے پھر زکوٰۃ کی مد میں اسے دے، جب ابراء کی صورت بندوں کے معاملات میں جائز نہیں تو بندوں اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کیوں کر جائز ہو؟ چونکہ حقوق العباد کنجوسی پر مبنی ہیں جبکہ حقوق اللہ چشم پوشی پر مبنی ہیں۔

سوم......مزکی اب اس قسم کے دین سے مایوس ہو چکا ہے چونکہ اسے ملنا دشوار ہے لہٰذا اس دین کا حکم ردی اور بیکار مال کی طرح ہوا، اب مالک اس ردی مال کو رب تعالیٰ کے کھاتے میں ڈالنا چاہتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ صرف خالص مال کو قبول کرتا ہے۔

ترجیح......یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پہلی رائے کے حمایتیوں کے دلائل ضعیف ہیں، جبکہ دوسری رائے کے حمایتیوں کے دلائل مضبوط ہیں کہ اسقاط دین اور ابرائے دین کسی طرح زکوٰۃ نہیں، دوسری رائے کے حمایتیوں کے دلائل کی تلخیص درج ذیل اجزاء میں کی جاسکتی ہے۔

۱......ذمہ میں واجب دین (قرضہ) دائن مزکی کی مالک میں نہیں ہوتا چونکہ دین ملک میں صرف قبضہ سے آتا ہے۔

۲......قبضہ کی صورت موجود نہیں ہوتی چونکہ قبضہ سے ہی مستحقین کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

۳......زکوٰۃ وغیرھا میں نیت جو ادائیگی سے ملی ہو دائما شرط لگائی گئی ہے۔

۴......ادائے زکوٰۃ کی صحت (درستی) کے لئے تملیک شرط ہے یعنی زکوٰۃ کی رقم مستحقین کو دی جائے اور انہیں اس کا مالک بنا دیا جائے۔ لہٰذا زکوٰۃ میں اباحت اور کھانا کھلانا کافی نہیں الا یہ کہ بطور تملیک ہو، چونکہ فرمان باری تعالیٰ۔ "انما الصدقات للفقراء" صدقات کے صیغہ میں تصدق (صدقہ کرنا) کا معنی پایا جاتا ہے اور "تصدق" تملیک ہے، نیز "للفقراء" میں لام تملیک کی ہے، جبکہ دین ملک میں صرف

قبضہ سے آتا ہے، جیسا کہ امامیہ نے خود کہا ہے۔ ❶
جبکہ ابراء (دین سے بری الذمہ کرنا) حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسقاط ہے تملیک نہیں۔ اور جب ابراء مالکیہ کے نزدیک ملک کا نقل کرنا ہے اور شافعیہ کے جدید قول کے مطابق ذمہ میں مدیون کے لئے تملیک ہے تو یہ صورت ان کے نزدیک ابراء من الدین میں زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوسکتی چونکہ دین سے سبکدوشی تملیک نہیں ہوتی۔

۵.....ابراء زکوٰۃ سے بھاگنے کا ایک حیلہ ہے، اور فقراء کے حقوق سے جان چھڑانے کا ایک مذموم طریقہ ہے۔

۶.....اس ابراء کو بیع الدین فی الدین (یعنی قرضہ کی صورت میں قرضہ کی بیع) میں شمار کیا گیا جیسا کہ اباضیہ نے ذکر کیا ہے اور یہ جائز نہیں۔

۷.....یہ عمل سنت نبوی کے مخالف ہے اور خلفاء راشدین اور صحابہ وتابعین کے عمل کے بھی خلاف ہے۔

۸.....مدیون کے پاس موجود مال مورد ہلاکت میں ہوتا ہے یعنی وہ تلف، ضائع اور ہلاک سمجھا جاتا ہے۔

۹.....مزکی اس دین (قرضہ) سے اپنا مال بچانا چاہتا ہے جبکہ اس دین سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے۔

۱۰.....ابراء کی صورت میں قبضہ کرنے کا طریقہ تبدیل ہوجاتا ہے جیسا کہ امین کو ودیعت کا مال ہبہ کردیا جائے یا مستعیر کو عاریہ کی چیز ہبہ کردی جائے اور اس میں قبضہ جدیدہ کی حاجت نہ ہو جیسا کہ حنفیہ نے ذکر کیا ہے، لیکن زکوٰۃ میں یہ قول دشوار ہے چونکہ نیت کا وقت فوت ہو چکا ہوتا ہے۔ اور نیت کا وقت یہ ہے کہ ادائیگی کے ساتھ ملی ہو یا قبضہ میں دیتے وقت نیت کی ہو۔

واللہ اعلم۔ والحمد للہ رب العالمین

ساتویں بحث.....زکوٰۃ کے آداب اور ممنوعات (مکروہات)

ممنوعات.....ابن جزی مالکی کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کے تین ممنوعات ہیں۔ ❷

۱.....یہ کہ زکوٰۃ احسان جتلانے سے اور اذیت پہنچانے سے باطل ہوجاتی ہے۔ چونکہ احسان جتلانے سے صدقہ حبط ہوجاتا ہے یعنی اس کا ثواب ضائع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ......البقرۃ ۲/ ۲۶۴

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع مت کرو۔

اسی طرح احسان جتلانے سے صدقات کی قدر نہیں بڑھتی چونکہ احسان جتلانا اعمال کو ضائع کردیتا ہے۔

۲.....یہ کہ انسان اپنا صدقہ خود خریدے تو اس سے صدقہ باطل ہوجاتا ہے۔

۳.....یہ کہ اہلکار لوگوں کو زکوٰۃ کے لیے اپنے پاس جمع کرے بلکہ لوگوں کو ان کی جگہوں میں رکھ کر امن سے زکوٰۃ لے۔

حنابلہ نے دوسری صورت میں مالکیہ کی موافقت کی ہے چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں ❸ زکوٰۃ دینے والے کو چاہئے کہ وہ زکوٰۃ میں دیا ہوا مال واپس نہ خریدے، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے فی سبیل اللہ سواری کے لئے گھوڑا فراہم کیا، چنانچہ جس شخص کے پاس وہ گھوڑا پہنچا اس نے گھوڑے کی قدر نہ کی اور اسے ضائع کردیا، میں سمجھا وہ اسے سستے داموں فروخت کردے گا، میں نے گھوڑا خریدنا چاہا، تاہم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مت خریدو اگرچہ وہ تمہیں

---

❶.....دیکھئے الفقہ علی المذاهب الخمسہ للاستاذ محمد جواد مغنیہ ص ۱۶۷۔ ❷القوانین الفقهیة ص ۹۹ وما بعدها۔
❸المغنی ۲/ ۶۵۱۔

ایک درہم میں دیتا ہو تب بھی اپنے صدقہ کو واپس نہ لو، چونکہ جو شخص صدقہ واپس لیتا ہے وہ اس کتے کی مانند ہوتا ہے جو قے کر کے اسے پھر چاٹنے لگتا ہے۔ ❶

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں: زکوٰۃ کے مال کو خرید کر واپس لینا جائز ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے (جو پہلے بھی گذر چکی ہے)۔ کہ ''مالدار شخص کے لئے صدقہ جائز نہیں مگر پانچ آدمیوں کے لئے جائز ہے۔ ایک وہ شخص جو اپنے ذاتی مال سے صدقے کا مال خرید لے۔'' ❷

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس میں نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ لہٰذا جو شخص کوئی چیز صدقہ کرے یا زکوٰۃ دے یا کفارہ دے یا نذر میں کوئی چیز دے جو عند اللہ قربت سمجھی جاتی ہو اس کے لئے خریدنا مکروہ ہے، اگر اس چیز کا وارث بن گیا تو پھر مکروہ نہیں۔

زکوٰۃ کے آداب......ابن جزی کہتے ہیں زکوٰۃ کے چھ آداب ہیں۔

۱......یہ کہ مزکی خوش دلی سے زکوٰۃ نکالے۔

۲، ۳......یہ کہ زکوٰۃ میں نکالا ہوا مال اپنی کمائی کا اچھا اور عمدہ مال ہو یعنی ایسا مال ہو جو مالک کا پسندیدہ اور محبوب مال ہو، البتہ اہلکار کو چاہئے کہ وہ متوسط قسم کا مال لے۔

۴......یہ کہ لوگوں کی نظروں سے چھپا کر زکوٰۃ دے، یہ حنفیہ کی بھی رائے ہے، چنانچہ چھپا کر زکوٰۃ دینا افضل ہے، چونکہ یہ صورت ریاکاری سے بعید رکھتی ہے، اور فقیر کی رسوائی بھی نہیں ہوتی، ہاں البتہ مزکی اگر بڑے درجہ کا مال دار ہو اور دوسرے مالدار اس کی اقتداء کرتے ہوں تو وہ اعلانیہ بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: زکوٰۃ میں افضل یہ صورت ہے کہ ظاہر کر کے نکالی جائے، تا کہ دوسرے لوگ اسے دیکھیں اور وہ بھی زکوٰۃ دیں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر چھپا کر زکوٰۃ دے گا تو اس کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بدگمانیاں پیدا ہوں گی، لیکن یہ اس مال کی بنسبت ہے جو اموال باطنہ نہ ہوں بلکہ ظاہرہ ہوں۔ امام کے لئے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

نفلی صدقہ......بالاتفاق نفلی صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے، چونکہ حدیث میں ہے۔ ''سات آدمی عرش کے سائے تلے ہوں گے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ اس کے دائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ ❸

شافعیہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ اگر مقتدی شخص نفلی صدقہ کو دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے ظاہر ادے اور شہرت وریاکاری کا قصد نہ ہو اور لینے والے کو اس سے اذیت بھی نہ ہو تو ظاہر اً اعلانیہ نفلی صدقہ دینا افضل ہے۔

۵......تعریف اور واہ واہ سے بچنے کے لئے مزکی کو وکیل بنا دینا چاہئے۔

۶......یہ کہ زکوٰۃ دیتے وقت مزکی کو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اللهم اجعلها مغنماً ولاتجعلها مغرمًا

یا اللہ! زکوٰۃ کو فائدہ مند بنا اور نقصان کا باعث نہ بنا۔

زکوٰۃ لینے والے کو یا عامل کو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

---

❶......متفق عليه عن زيد بن اسلم عن ابيه۔ ❷رواه ابوداؤد وغيره۔ ❸ رواه مالك والترمذى عن ابى هريرة وابى سعيد ورواه احمد والشيخان والنسائى عن ابى هريرة۔

اجرك الله فيما اعطيت وبارك فيما ابقيت وجعله لك طهوراً

اللہ تعالیٰ تمہیں دیئے ہوئے عطا پر اجر وثواب عطا فرمائے، اور جو کچھ تمہارے پاس باقی ہے اس میں برکت عطا فرمائے اور اسے تمہارے لئے پاکی کا ذریعہ بنائے۔

ان مذکورہ آداب کے علاوہ مزید آداب بھی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۷.....مزکی کو چاہئے زکوٰۃ دینے کے لئے ایسے فقیر شخص کا انتخاب کرے جو تقویٰ اور علم سے متصف ہو اپنے فقر کو چھپا کر رکھتا ہو، اور کوئی قریبی رشتہ دار ہو، چونکہ عطائے مال طاعت خدائے تعالیٰ کی مدد کرنا ہے، تحصیل علم کی حوصلہ افزائی کرنا ہے اور دست سوال پھیلانے کا سدباب کرنا ہے، قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کرنے میں دوہرا اجر ہے ایک صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

۸.....زکوٰۃ نکالنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال ہو جائے اور یہ بھی خاطر میں رہے کہ زکوٰۃ علی الفور واجب ہے۔

اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرے کسی قریبی رشتے دار یا کسی شدید حاجتمند کے تلاش میں ہو جو زکوٰۃ کا زیادہ حقدار ہو تو حنابلہ کہتے ہیں، اگر زکوٰۃ کی تھوڑی مقدار کو بچا رکھا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر کثیر مقدار میں ہو تو اس کی تاخیر جائز نہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، قریبی رشتہ داروں کو ماہ بہ ماہ قسطوں میں زکوٰۃ دینا درست نہیں اور اس طرح کی ادائیگی کافی نہیں سمجھی جائے گی۔ یعنی اس طرح زکوٰۃ نکالنا ماہ بہ ماہ فقیروں کو دے گا تو اس طرح کی تاخیر کرنا صحیح نہیں، البتہ اگر تھوڑ تھوڑی زکوٰۃ فقیروں کو دے دی اور تاخیر نہیں کی تو یہ جائز ہے، چونکہ اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر نہیں ہوئی۔

۹.....حنفیہ کے نزدیک فقیر کو زکوٰۃ کا اتنا مال دینا مستحب ہے جس سے اس کی اور اس کے عیال کی حاجت اور ضرورت پوری ہو جائے۔

۱۰.....فقیر کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ مال زکوٰۃ کی مد سے ہے۔

مصارف زکوٰۃ کے متعلق دو مباحث

۱۔ زکوٰۃ میں مؤلفۂ قلوب کا حصہ.....اسلامی بیداری کے نفع بخش ثمرات میں سے ایک فریضہ زکوٰۃ کا اہتمام کرنا محتاج مستحقین پر صرف کرنے کی رہنمائی، یا ان لوگوں پر صرف کرنا جو آفاق عالم میں دعوت اسلام کا کام خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت باہمی تعاون، اتحاد و یکجہتی کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے، عالمی اور مقامی معاشی مشکلات کو شریعت حل کرنا چاہتی ہے، اس کا اساس اور بنیاد صحیح دینی جذبہ ہے اور وہ ذاتی اڑن ہے جو معاشرتی ضروریات کا دفعیہ چاہتی ہے، قطع نظر زبردستی اور جبری اقدام کے اور ایسے امور کے قطع نظر جو ڈرانے دھمکانے اور سزا دینے کے متعلق ہوں۔

جب سیاست اسلامیہ کے حکیمانہ اصول استحسان اور بھلائی کو وجود دیتے ہیں اور معاندانہ ذرائع کا سدباب چاہتے ہیں تو اسی لئے شریعت مطہرہ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف کو ان مواقع کے لئے مخصوص کیا ہے اور وہ مؤلفہ قلوب کا مصرف ہے، تاکہ اجتماعی زندگی رو بہ اصلاح رہے، اس کی حاجت اس لئے پیش آئی ہے تاکہ ایمان اور اسلام نومسلموں کے دلوں میں اچھی طرح رچ بس جائے، اور جو لوگ اعتقاداً متردد رہیں کسی قسم کے مالی تعاون، نفع خدمات اور دیگر وسائل کے انتظار میں ہیں ان کی دل گیری کر کے اسلام وایمان کی طرف مائل کرنا ہے اور وہ لوگ جو مادیت کی آڑ میں اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں ان سے دفاع کرنا مقصود ہے۔

میں اس مبحث کے ذیل میں "مؤلفہ قلوب" کے مصرف کی حقیقت وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے یہ بھی ایک مصرف ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ التوبۃ ۹/ ۶۰

اس آیت میں مؤلفہ قلوب کا مصرف چوتھے نمبر پر ہے۔

خاکہ بحث.......اس بحث میں مندرجہ ذیل امور شامل ہوں گے۔

۱......مؤلفۂ قلوب کا معنی، کیارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مؤلفۂ قلوب کا حصہ منسوخ ہوگیایا معمول بہاہے اور منسوخ نہیں ہوا؟

۲......وہ احوال جن میں اس حصہ کو استعمال کیا جاسکتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کی اس زمانہ میں اس حصہ کی حد اور انتہاء۔

۳......جن لوگوں کی طرف سے اسلام کی امید ہو، جن میں ان کی دل گیری یا دعوت اسلامیہ کے مصالح میں اس حصہ کی تاثیر۔

۴......اس مصرف کی مدد سے نومسلموں کی انجمنوں اور تنظیموں کا قیام۔

۵......بعض غیر اسلامی حکومتوں اور ریاستوں کی دل گیری اور ان ریاستوں کی دلگیری جو اسلامی برادری پر مشتمل ہیں تا کہ ان میں امن امان کا تحقق ہو سکے یا ایسے بعض ممالک جو غیر اسلامی ہیں اور وہ اسلامی ممالک میں شریعت اسلامیہ کے قیام میں رکاوٹ بنتے ہیں ان کی دلگیری کرنا۔

۶......مؤلفہ قلوب کے حصہ کو ان عطیات اور خیرات میں شامل کرنا جو بعض غیر اسلامی ممالک میں قدرتی آفات مثلاً زلزلے اور سیلاب وغیرہ میں صرف کئے جاتے ہیں۔

۷......مؤلفۂ قلوب کے حصہ کو ان امور میں صرف کرنا جو اسلام اور مسلمانوں کے تحسین نظریہ کا باعث ہوں۔ یعنی اسلام اور مسلمانوں کی اچھائی کو ظاہر کرتے ہوں۔

میں اسی ترتیب کے مطابق ان عناصر کو بیان کروں گا۔

۱......مؤلفۂ قلوب کا معنی، کیا مؤلفۂ قلوب کا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منسوخ ہوگیا یا ابھی باقی ہے اور منسوخ نہیں ہوا؟

مؤلفۂ قلوب سے مراد وہ کفار ہیں جن سے بھلائی کی امید ہو اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرنا اور اسلام قبول کرنے پر اکسانا مقصود ہو، یا وہ کفار جن کی اذیت، ضرر اور شر کے خوف کو دور کرنا ہو، مؤلفۂ قلوب سے مراد مسلمانوں کی وہ جماعت بھی ہے، جن کی اسلام کے متعلق نیت کمزور ہو، انہیں زکوٰۃ سے حصہ دیا جاسکتا ہے تا کہ اسلام میں پکے ہو جائیں اور دین اسلام پر ثابت قدم رہیں، یا ان جیسے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کیا جانا ہو، یا ان لوگوں کی قوم سے صدقات وصول کرنے کی ترغیب دینی ہو، وہ لوگ بھی مراد ہیں جو سرحدوں پر کفار کے پڑوسی ہوں، ❶ یا وہ لوگ جو عطیات لے کر مانوس ہوتے ہوں جیسا کہ حسن بصری اور ابن جریج نے کہا ہے، یعنی وہ لوگ جن کا اسلام میں کوئی شمار نہ ہو۔ ❷

علامہ طبری نے مؤلفۂ قلوب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اوپری دل سے اسلام سے محبت کرتے ہوں اور جن کی نصرت اصلاح کی غرض سے نہ ہو، جیسے ابوسفیان بن حرب، عیینہ بن بدر اور اقرع بن حابس اور ان جیسے دوسرے لوگ جو اپنے قبائل کے رؤساء ہوں۔ ❸

❶......المجموع للنووی ۲۰۶/۶۔ ❷ الاموال ص ۲۰۶۔ ❸ تفسیر الطبری ۱۱۲/۱۰۔

علامہ قرطبی نے ان الفاظ میں مؤلفۃ قلوب کی تعریف کی ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدر اسلام میں اسلام کا اظہار کرتے تھے اور زکوۃ کا حصہ انہیں دیا جاتا تاکہ یقین کی کمزوری کی وجہ سے ان کی دل گیری ہو جائے۔ ❶

سنت نبویہ میں بے شمار ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جو تالیف قلوب پر دلالت کرتی ہیں۔ تاکہ جس شخص کا ایمان راسخ نہیں اس کی دل گیری کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے مال میں سے انہیں حصہ دیا جائے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے لئے جن لوگوں کو مال عطا کیا ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس، مالک بن عوف نضری، حکیم بن حزام، وغیرھم، ان میں سے ہر شخص کو سو سو اونٹ عطا کئے البتہ عبدالرحمٰن بن یربوع اور حویطب بن عبدالعزی کو پچاس پچاس اونٹ عطا کئے، یہ سبھی لوگ روٴسائے قریش اور صنادید عرب میں سے تھے، جن کی جان بخشی کی گئی تھی، یہ لوگ شان وشوکت اور قوت والے سمجھے جاتے تھے، ان کی متبعین بھی کثیر تعداد میں تھے، ان میں سے بعض تو حقیقۃً اسلام قبول کر چکے تھے بعض ظاہری طور پر اسلام لائے تھے اور منافقین میں ان کا شمار ہوتا تھا جبکہ بعض کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہ بن علاثہ کو سو اونٹ عطا کئے، جب انصار نے یہ صورت حال دیکھی اور وہ کچھ نالاں ہوئے تو آپ نے انصار سے فرمایا۔ ”کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کجاووں کی طرف لے کر جاؤ؟ جب آپ کو خبر پہنچی کہ انصار کہتے ہیں: نجد کے روٴساء کو عطا کیا جا رہا ہے اور ہمیں محروم کیا جا رہا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا: میں نے ایسا ان لوگوں کی دلگیری کے لئے کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے نام پر جو چیزیں مانگی گئیں آپ نے ضرور عطا کی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا آپ نے اس کی لئے بکریوں کے ایک بڑے ریوڑ کا حکم دیا جو دو پہاڑوں کے درمیان چر رہا تھا، یہ بکریاں صدقہ کی تھیں، وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس لوٹا اور کہا: اے میری قوم! اسلام قبول کرو چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کثیر مال عطا کرتے ہیں پھر انسان کو فاقے کا خوف نہیں رہتا۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن تغلب سے روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غیر معمولی مال یا قیدی لائے گئے، آپ نے سب کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا، اس پر آپ کو خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو مال (یا غلام یا باندی) نہیں ملا وہ نالاں ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: امابعد! اللہ کی قسم! میں ایک شخص کو دیتا ہوں، اور ایک دوسرے شخص کو چھوڑ دیتا ہوں، میں جسے نہیں دیتا اور اسے چھوڑ دیتا ہوں وہ مجھے اس شخص سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے عطا کرتا ہوں، البتہ میں بہت سارے لوگوں کو عطا کرتا ہوں چونکہ میں ان کے دلوں میں جزع فزع اور بے صبری دیکھتا ہوتا ہوں۔

جبکہ بہت سارے لوگوں کو ان کے دلوں میں پائے جانے والے استغناء (بے نیازی) اور بھلائی کے سپرد کر دیتا ہوں انہی لوگوں میں سے ایک عمرو بن تغلب بھی ہے، چنانچہ عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان میرے لئے اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے مقابلہ میں سرخ اونٹوں کا ریوڑ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مؤلفۃ قلوب کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے جواب دیا: یہ یہودیوں اور نصرانیوں میں سے نومسلم ہیں اگرچہ وہ مالدار ہوں۔ ❷

یہ احادیث اور اقوال واضح دلالت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض کفار کو مال عطا کرتے تھے اور ان لوگوں کو بھی عطا کرتے

❶ ..... تفسیر القرطبی ۱۷۸/۸ ۔ ❷ تفسیری الطبری ۱۱۲/۱۰ ۔

تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا ہو، یہ مال زکوٰۃ کے مدسے بھی ہوتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤلفہ قلوب کو مال عطاء کرنے سے رک گئے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان، عینیہ، اقرع اور عباس بن مرداس کو مال عطا نہیں کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اسلام کے نام پر کچھ نہیں دیں گے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر پر رہے۔

اس واقعہ کی روشنی میں علماء میں بھی اختلاف ہوا کہ آیا مؤلفہ قلوب کا مصرف منسوخ ہے یا باقی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کے دو فریق ہو گئے، ایک فریق نسخ کا قائل ہے کہ صدقات مفروضہ (زکوٰۃ) میں صرف حاجتمند کا حصہ ہے، دوسرا فریق اس مصرف کے باقی رہنے کا قائل ہے کہ ہر اس مصرف کے حصہ دار ہر زمانہ میں موجود ہیں اور ان کا صدقات میں حصہ ہے۔ (1)

مسئلہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ بھی مذاہب کی آراء ذکر کی جائیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ایک مذہب میں اگر اختلاف ہے تو دوسرے میں الگ تفصیلات ہیں۔

حنفیہ..... حنفیہ کا مؤقف ہے کہ مؤلفہ قلوب کا حصہ ساقط ہو چکا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ حصہ منسوخ ہو چکا ہے، یا تو اس لئے کہ اس مصرف کی علت منتفی ہو چکی ہے اور وہ علت ''اعزاز دین (دین کی سربلندی) اور صدر اسلام میں کمزور مسلمانوں کو حاجت تھی۔'' چنانچہ جب اسلام کو سربلندی مل چکی تو اس مصرف کی حاجت نہ رہی گویا یہاں علت غائیہ کے منتہی ہونے سے حکم بھی منتہی ہو گیا چونکہ اسی علت کی وجہ سے مال عطا کیا جاتا تھا، اور مال کا دینا اعزاز دین کے لئے تھا، اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی ہے اور مسلمانوں کو مؤلفہ قلوب سے بے نیاز کر دیا ہے۔

جیسا کہ ابن عابدین نے بحر الرائق کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ کہتے ہیں: مؤلفہ قلوب کا حصہ ساقط ہو چکا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور سربلندی عطا کی ہے اور ان سے بے نیاز کیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

یا تو مؤلفہ قلوب کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ساقط ہوا ہے چونکہ زکوٰۃ کے منتہی حکم کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا: زکوٰۃ کے اموال اہل یمن کے اغنیاء سے لو اور انہی کے فقراء میں واپس لوٹا دو۔

یا اس حکم کا ناسخ اجماع صحابہ ہے جیسا کہ علامہ کاسانی نے ذکر کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مؤلفہ قلوب کو صدقات سے کچھ نہیں دیا اور ان پر صحابہ میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو وہ لوگ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (تالیف قلب کے لئے) عطا کرتے تھے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے حصوں کا باضابطہ تحریری حکم نامہ لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نوشتہ کی تحریر بدل دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں اس کی خبر کی آپ رضی اللہ عنہ نے نوشتہ ان کے ہاتھوں سے لیا اور پھاڑ دیا پھر فرمایا: ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو تالیف قلب (دلگیری) کے لئے عطا کرتے تھے، رہی بات آج کی سو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی ہے اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہے تو بہت اچھا ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔'' چنانچہ وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس گئے اور انہیں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوٹوک جواب کی خبر دی اور کہا: خلیفہ آپ ہیں یا وہ ہیں (یعنی حکم آپ کا نافذ العمل ہے)؟ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر اللہ نے چاہا تو وہ بھی خلیفہ ہیں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول و فعل کی تردید نہیں کی، صحابہ کو بھی اس کی خبر ہوئی انہوں نے بھی انکار نہیں کیا، گویا اس پر صحابہ کا اجماع منعقد ہو گیا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ پوری امت سے بالاتفاق ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ قلوب کو دلگیری کے لئے دیتے تھے تا کہ

اسلام کی طرف راغب ہوں، یہ لوگ بہت زیادہ تھے قوت والے تھے، آج الحمدللہ اسلام سربلند ہے اس کے نام لیوا کثیر تعداد میں ہیں اور اس کے قلعے مضبوط ہیں۔

اس کی بنیادیں مستحکم ہیں، اہل شرک ذلیل ورسوا ہو چکے ہیں، جب حکم اس علت کی بنا پر ثابت تھا اب اس علت کے ختم ہونے کی وجہ سے حکم بھی ختم ہو چکا۔

یہ بھی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب عینیہ بن حصن آئے اور آپ رضی اللہ عنہ سے مال طلب کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے سورت کہف کی یہ آیت پڑھ کر سنائی:

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ......الکہف ۱۸/ ۲۹

تمہارے رب کی طرف سے حق آتا ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

یعنی آج مؤلفہ قلوب کا حصہ نہیں رہا۔

ابن ابی شیبہ نے شعبی سے یہ روایت نقل کی ہے۔ ’’مؤلفہ قلوب کا مصرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو یہ مصرف جاتا رہا۔

بعض مالکیہ......بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ مؤلفۂ قلوب کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہوا۔ یہ رائے قاضی عبدالوہاب کی بھی ہے اسے ابن بشیر اور ابن حاجب نے صحیح قرار دیا ہے اور علامہ خلیل نے مختصر میں اسی پر اعتماد ظاہر کیا ہے، مؤلفۂ قلوب سے کفار مراد ہیں جنہیں اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جائے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے نومسلم مراد ہے تاکہ وہ اسلام پر جم جائے۔ یعنی بعض مالکیہ کے نزدیک تالیف قلب کا مصرف معمول بہ ہے، چونکہ زکوٰۃ دینے سے مقصد ہوتا ہے کہ راغب ہو کر اسلام میں داخل ہوں اور دوزخ سے اپنی جان بچا سکیں۔

مالکیہ کا مشہور مذہب......مالکیہ کا مشہور اور راجح مذہب یہ ہے کہ مؤلفہ قلوب کا حصہ منقطع ہو چکا ہے چونکہ اسلام سربلند ہو چکا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مولفۂ قلوب کو اس لئے مال دیا جاتا تھا تاکہ اسلام کی طرف راغب ہوں اور ہماری مدد کریں۔

مؤلفۂ قلوب کا یہ حکم تب ہے جب وہ کافر ہوں اور اسلام کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو، اور اگر مؤلفۂ قلوب نومسلم ہوں تو ان کا حکم باقی ہے تاکہ اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے۔

مالکیہ مشہور قول میں حنفیہ کے موافق ہیں کہ مولفۂ قلوب اگر کفار ہوں تو ان کا حصہ منسوخ ہو چکا جبکہ نومسلم کی صورت میں حنفیہ سے ان کا اختلاف ہے۔ یہی عمر رضی اللہ عنہ، حسن بصری شعبی وغیرہم کا قول ہے، یہ کہتے ہیں کہ نومسلم کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ سے مال دیا جاسکتا ہے، یہی اباضیہ کی رائے ہے چنانچہ اباضیہ کہتے ہیں اگر مسلمانوں کو امام طاقتور ہو تو یہ مصرف ساقط ہے چونکہ قوت حاصل ہونے کے وقت مولفۂ قلوب سے بے نیاز ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی قوم اسلام کی وجہ سے کسی جگہ آئے اور ان کے کمزور اسلام کا خوف ہو تو ان کا نفع اپنے کھاتے میں ڈالنے کے لئے مال دیا جاسکتا ہے۔

شافعیہ......شافعیہ کا مذہب تفصیل میں مالکیہ جیسا ہے چنانچہ شافعیہ کہتے ہیں۔ کفار مؤلفۂ قلوب کو بلا خلاف زکوٰۃ کا مال ان کے کفر کی وجہ سے نہیں دیا جائے گا، شافعیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق مؤلفہ قلوب کفار کو مال غنیمت کے خمس سے بھی حصہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ اسے مصالح عامہ میں صرف کیا جائے گا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمادی ہے، اور اہل اسلام کو مؤلفۂ قلوب سے بے غم اور بے پرواہ کر دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤلفۂ قلوب کو اس وقت مال عطا کیا تھا جب اسلام کمزور تھا جبکہ اب اسلام کی کمزوری

ختم ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

رہی بات مؤلفہ اسلام یعنی نومسلموں کی جن کی نیت میں لڑکھڑاہٹ ہو انہیں دلگیری کے لئے یہ حصہ دیا جائے گا تا کہ اسلام پر پختہ ہو جائیں، اسی طرح دوسری قسم کے وہ لوگ جو اپنی قوم میں شرفاء سمجھے جاتے ہوں انہیں بھی مال دیا جائے گا تا کہ ان جیسے دوسرے شرفاء اسلام کی طرف راغب ہوں، ایک قسم کے وہ لوگ جو کفار میں رہ رہے ہوں انہیں مال دیا جائے گا تا کہ کفار سے جہاد کریں اور زکوٰۃ وصول کریں، صحیح مذہب یہی ہے کہ انہیں بھی حصہ دیا جائے گا۔

حنابلہ.....حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حکم باقی ہے، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم کے شرفاء سمجھے جاتے ہوں اور جن کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو یا ان کے شر کا خوف ہو جیسے خوارج، یا انہیں دے کر اسلام کی قوت مقصود ہو یا ان کے نظراء کا قبول اسلام مقصود ہو، یا جہاد کی خیر خواہی مقصود ہو تو زکوٰۃ کا اتنا مال دیا جا سکتا ہے جس سے ان کی دلگیری ہو جائے۔ جو شخص ضعف اسلام کا قول کرتا ہو اس کا قول قبول کر لیا جائے گا یعنی بوقت ضرورت اسے مال دیا جا سکتا ہے۔

حنابلہ کی دلیل.....حنابلہ کی دلیل واضح ہے وہ آیت کریم ہے جس میں مصارف زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے جو بار ہا زیر بحث آچکی ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اسے آٹھ اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔'' مشہور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ مؤلفہ قلوب کو مال دیا گیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تا وفات دیتے رہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نسخ سے ترک کیا جاتا ہے، جب احتمال آجائے تو اس سے نسخ ثابت نہیں ہوتا، جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نسخ صحیح نہیں ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤلفۃ قلوب کا حصہ ترک کیا چونکہ انہیں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، ایسا نہیں کہ ان کا حصہ ہی ساقط ہو گیا، چونکہ آیت کا نزول میں آخری زمانہ ہے (یعنی آخر آخر میں نازل ہوئی ہے) جبکہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر کو مال عطا کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مؤلفہ قلوب کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا تا کہ دوزخ سے وہ اپنی جان بچا سکیں، اس لئے نہیں کہ وہ ہماری مدد کریں حتیٰ کہ اسلام پھیلنے سے یہ حصہ ساقط ہو جائے، چنانچہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مجھے کچھ علم نہیں کہ مؤلفۃ قلوب کا حکم منسوخ ہوا ہے۔ [11]

شیعہ جعفریہ، زیدیہ کی رائے بھی اس رائے کے موافق ہے کہ مؤلفہ قلوب کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہی تبدیل ہوا۔ [12]

خلاصہ.....مؤلفۃ کفار کو زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا یہ ایک رائے ہے، جبکہ دوسری رائے کے مطابق انہیں نہیں دیا جائے گا مؤلفۃ اسلام کو اتفاقاً دیا جائے گا جبکہ وہ نومسلم ہوں تا کہ ان کا اسلام راسخ ہو جائے جیسا کہ دسوقی نے تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ملاحظہ رہے کہ یہ اتفاق حنفیہ کی مخالفت سے منقوض ہو جاتا ہے چونکہ حنفیہ کا موقف ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حصہ مطلقاً منسوخ ہے۔

میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حصہ باقی ہے منسوخ نہیں ہوا، انہیں زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا یا مصالح عامہ کے حصہ سے بوقت حاجت مال دیا جائے گا، برابر ہے کہ مؤلفۃ قلوب مسلمان ہوں یا کفار ہوں، چنانچہ ابوعبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے۔ ''حسن بصری اور ابن شہاب زہری کا قول جس کا ماحصل یہ ہے کہ مؤلفہ قلوب کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری وساری ہے، یہی قول میرے نزدیک راجح ہے چونکہ آیت محکم ہے (متشابہ نہیں) اور ہمیں کتاب وسنت سے اس کا نسخ نہیں معلوم ہوا۔ [13]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ظاہر یہی ہے کہ بوقت حاجت تالیف قلب جائز ہے، چنانچہ جب امام عادل کے زمانہ میں ایسے لوگ

---

[11] ......المغنی ۶۶۶/۲، کشاف القناع ۳۲۵/۲ غایۃ المنتہی ۳۱۰/۱، نیل المآرب ۳۱۹/۱۔ [12] المختصر النافع فی فقہ الامامیۃ ص ۸۳ البحر الزکار ۱۷۹/۲۔ [13] الاموال ص ۶۰۷۔

ہوں جوغلبہ اور قوت سے اس کی اطاعت قبول نہ کرتے ہوں تو تالیف قلب کے طور پر انہیں مال دے سکتا ہے، البتہ اسلام کو پھیلانے میں اس کی کوئی تاثیر نہیں، چنانچہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤلفۃ قلوب کے ناموں کو مستقل ایک جزو میں شمار کیا ہے جن کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔ ❶

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً علماء کا اختلاف ذکر کیا اور پھر کہا: میرے نزدیک درست قول دو معنوں میں ہے۔(۱) مسلمانوں کی حاجت براری (۲) اسلام کی معونت اور تقویت، جہاں اسلام کی معرفت اور اس کے اسباب کی تقویت مطلوب ہو تو وہاں مالدار اور فقیر دونوں کو مال دیا جاسکتا ہے، چونکہ مالدار کو اس کی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے نہیں دیا جاتا بلکہ دین میں اس کی اعانت کی جاتی ہے، جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی صورت میں مال دین اسلام کی اعانت کے لئے دیا جاتا ہے، چنانچہ جہاد کے لئے فقیر اور مالدار دونوں کو دیا جاتا ہے جہاد کی صورت میں حاجت براری مقصود نہیں ہوتی، اسی طرح مؤلفہ قلوب کو دین میں اعانت کے طور پر زکوٰۃ کا مال دیا جائے گا حاجت براری کے طور پر نہیں۔ تاکہ عطائے مال سے اسلام کو تقویت ملے اور ان کی تائید حاصل ہو، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتوحات کے بعد مؤلفۃ قلوب کو مال عطا کیا جبکہ اس وقت عرب میں اسلام پھیل چکا تھا مسلمان سر بلند ہو چکے تھے، لہٰذا یہ قول حجت نہیں کہ آج تالیف قلب کی ضرورت نہیں چونکہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ چکی ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں مال عطا کیا ہے۔ ❷

۲۔وہ احوال جن میں اس حصہ کو استعمال کیا جائے اور اس زمانہ میں مسلمانوں اور اسلام کو اس حصہ کی غایات حاجت..... جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ مؤلفۃ قلوب کی دو قسمیں ہیں (۱) مسلمان (۲) کفار۔ پھر کفار کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) وہ کفار جن سے بھلائی کی امید ہو (۲) جن کے شر کا خوف ہو، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو عطا کرتے تھے۔ میں نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بوقت حاجت کفار کو حصہ علی الدوام دیا جاسکتا ہے، چونکہ مؤلفہ قلوب کے حصہ کا نسخ معتبر دلیل سے ثابت نہیں، اس کی حاجت اور ضرورت ہر دور میں پیش آ سکتی ہے اور قوت وضعف کے اعتبار سے اشخاص کے مختلف احوال اس کا تقاضا کرتے ہیں۔ ❸

مؤلفۃ قلوب مسلمان..... مؤلفہ قلوب مسلمان ہوں تو ان کی چار اقسام ہیں۔

اول..... وہ مسلمان جو اپنی قوم کے شرفاء اور سادات سمجھے جاتے ہوں اور اپنے قبائل میں ان کی اطاعت کی جاتی ہو، انہیں حصہ دیا جائے گا تاکہ ان کے نظراء اسلام کی طرف راغب ہوں۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق نے زبرقان بن بدر اور عدی بن حاتم کو حصہ دیا۔

دوم..... وہ لوگ جو اسلام قبول کریں لیکن اسلام میں ان کی نیت کمزور ہو ان کی نیت پختہ کرنے کے لئے انہیں یہ حصہ دیا جائے گا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو مال عطا کیا تھا، ہر ایک کو ایک ایک سو اونٹ دیئے، جیسے پہلے گذر چکا ہے۔

سوم..... وہ مسلمان جن کے ساتھ کفار بھی مل کر رہ رہے ہوں ان مسلمانوں کو حصہ دیا جائے گا تاکہ کفار سے جنگ کریں۔

چہارم..... وہ مسلمان جو صدقات، خیرات کرنے والوں کے ساتھ رہ رہے ہوں انہیں دیا جائے گا تاکہ صدقات وغیرہ وصول کریں۔

خلاصہ..... گویا فریقین سے مجموعی طور پر چھ اصناف سامنے آتی ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ مؤلفۃ قلوب کے حصہ کے استعمال کرنے کے بہت سارے احوال ہیں، حکمران کو چاہئے کہ وہ مؤلفۃ قلوب کو عطا کرتے وقت مصلحت کو پیش نظر رکھے۔

---

❶..... نیل الاوطار ۴/۱۶۶۔ ❷ تفسیر الطبری ۱۰/۱۱۳۔ ❸ المجموع ۶/۲۰۶ کشاف القناع ۲/۳۲۵، تفسیر المنار ۱۰/۵۷۴

جیسا کہ حنابلہ اور شیعہ کی رائے ہے، نومسلموں پرتو فقہاء کا اتفاق ہے، تا کہ اسلام ان کے دلوں میں رچ بس جائے۔
اب کچھ ایسی مثالیں لائی جاتی ہیں جو ہمارے زمانہ میں واقعی ہیں مولفہ قلوب کے احوال کے مناسب ہیں۔

اول: مسلمانوں کولاحق خطرات کا دفاع..... جب کچھ غیر مسلمان اہمیت کی حامل جگہ میں ہوں جنہیں دشمنوں سے چھڑانا ممکن ہواور وہ ممالک اسلامیہ کے ساتھ اپنا الحاق کرلیں تو انہیں تالیف قلب کے حصہ سے دینا جائز ہے تا کہ ممکنہ خطرات کا دفعیہ ہواور اس میں اسلامی مصالح کی رعایت بھی ہے، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عطاء سے اگر جہاد کی خیر خواہی یا مسلمانوں کا دفاع ممکن ہوتو اس سے گریز نہیں کیا جائے گا، جیسے اسلامی ممالک کی سرحدوں پر رہنے والے، یا ان لوگوں کے شر کو روکنا مقصود ہو جیسے خوارج وغیرہ۔

دوم: جہاد میں غیر مسلموں کی مدد لینا..... جب جنگوں کے دوران مسلمانوں کو غیر مسلموں سے مدد لینے کی ضرورت پڑے مثلاً مسلمان کمزور ہواوران سے مدد لینے کی ضرورت پڑی یا فنی عسکری مہارت کی ضرورت پیش آئی یا کسی اور جنگی مقصد میں غیر مسلموں کی ضرورت پیش آئی تو زکوٰۃ کے اس حصہ کو یہاں صرف کرنا جائز ہے چونکہ یہاں ضرورت ہے مصلحت کا تقاضا ہے۔

سوم: صدقات وغیرہ کی وصولی..... جب صدقات وغیرہ ٹیکسز اور کسٹم وغیرہ کی وصولی دشوار ہو جائے اور بعض کفار کے ذریعے ان مدات کا لینا ممکن ہوتو کفار کو زکوٰۃ سے حصہ دینے میں کوئی چیز مانع نہیں چونکہ یہ حصہ دینے سے مسلمانوں کو دوسرے بہت سارے اموال کی وصولی کا راستہ ہموار ہوتا ہے جو اموال دشوار اور مایوس حالت تک پہنچ چکے ہوں۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب کفار کو ٹیکس، زکوٰۃ وغیرہ کی وصول پر قوت حاصل ہواوران مدات کی وصولی ڈرانے دھمکانے کے بغیر ممکن نہ ہوتو کفار جو وصولی کا ذریعہ بنیں انہیں یہ حصہ دینا جائز ہے۔

چہارم: دعوت اسلام کی نشر و اشاعت اور ایسے وسائل کا قیام جو دعوت کا کام کریں..... اس زمانے میں بیشتر اسلامی ممالک مثلاً افریقہ، انڈونیشیاں وغیرہ میں بہت ساری این جی اور عیسائی تبلیغی مشن پر کام کر رہی ہیں، ان ممالک میں ایسے وسائل اور تنظیموں کا قیام ناگزیر ہو چکا ہے جو عیسائی تبلیغی مشن کا قلع قمع کرسکیں لہٰذا اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کے اس حصہ کو صرف کیا جا سکتا ہے، جس طرح دعوت اسلام کو مختلف طریقوں سے پھیلانے میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے، برابر ہے کہ اس حصہ کا مال تبلیغی جماعات کو دیا جائے یا اسلامی تعارف پر مبنی چھوٹے چھوٹے پمفلٹس شائع کرنے پر صرف کیا جائے، چونکہ اس مصرف کا اصل ہدف ترغیب اسلام ہے اور عقیدہ اسلام کی پختگی ہے یہ ہدف مذکورہ امور سے پایا جا سکتا ہے۔

پنجم: قدرتی آفات میں حصہ لینا..... قدرتی آفات سے مراد زلزلے، سیلاب، قحط وغیرہ ہیں، چونکہ ان آفات کے مواقع پر عیسائی ممالک اپنے مشن بھیجتے ہیں اور عیسائی این جی اوز ہر طرح کی مادی اور غذائی ضروریات محتاجوں تک پہنچاتی ہیں، ہم مسلمان اس کام کے زیادہ حق دار ہیں چونکہ اسلام عمدہ اخلاق اور اعلیٰ فضائل کا مذہب ہے، اسلام تنگی اور سختی کے مواقع میں فراخی کا تصور پیش کرتا ہے چونکہ زکوٰۃ کا مقصد محتاجوں کی ضرورت پوری کرنا، مسلمانوں کی مدد کرنا اور اسلام کو تقویت پہنچانا ہے۔ لہٰذا مؤلفہ قلوب کے حصے کو اس مصرف میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

ششم: غریب ممالک کے رؤساء اور پسماندہ اقوام کو اکسانا..... یعنی مؤلفہ قلوب کا حصہ غریب ممالک کے رؤساء اور پسماندہ اقوام کو دے کر اسلام پر اکسایا جائے، جنگ زدہ قبائل اور خاندانوں کو اس مد سے تحائف اور مالی معاونت اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کی جائیں تا کہ ان کی دلگیری ہو، اسلام کی طرف راغب ہوں، یا ان کے شر سے بچنے کے لئے خرچ کیا جائے۔
جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤساء قریش اور عرب کے زعماء کے ساتھ کیا ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اسلام کی امید پر مولفہ

کے نظراء کو دیا جاسکتا ہے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر کو عطا کیا تھا، حالانکہ ان کی نیت اور اسلام صاف تھا مقصد یہ تھا تاکہ ان کے نظراء (ان جیسے دوسرے لوگ) انہیں دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہوں۔

ہفتم: ایمان کو تقویت پہنچانے کے لئے......فقہاء نے تصریح کی ہے ان میں حنابلہ بھی شامل ہیں کہ مؤلفہ قلوب کا حصہ قوت ایمان کو بڑھانے کی نیت سے مسلمان کو دیا جاسکتا ہے چنانچہ طبری نے کتاب التفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ "والمولفة قلوبهم" سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطیات اور صدقات میں سے کچھ نہ کچھ انہیں عطا کرتے تھے، جب آپ انہیں عطا کرتے تو وہ کہتے: یہ بہت اچھا دین ہے اگر علاوہ ازیں اچھا نہ سمجھتے ہوں۔ ❶

۳: جن لوگوں سے اسلام کی توقع ہو یا جن لوگوں کا معاشرتی ذہن سازی میں اثر ونفوذ ہو تاکہ دعوت اسلام کی راہیں ہموار ہو سکیں......مؤلفہ قلوب کو مصارف زکوٰۃ میں شامل کرنے کا اصل ہدف اسلام کی نشر واشاعت ہے اور نشر واشاعت کا عمل ان لوگوں کے ذریعہ بآسانی ہوسکتا ہے جو کمزور نفس کے مالک ہوں اور جنہیں مالی معاونت سے بآسانی نرغے میں لایا جاسکتا ہے، چونکہ ایسے لوگ مال اور مادی نفع کے شوقین ہوتے ہیں، اس قسم کے لوگ کمزور اور پسماندہ معاشروں میں بکثرت ملتے ہیں جن کی آمدنی انتہائی قلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو اس حصہ سے دینا امر مستحسن ہے۔

لہٰذا جب کبھی ایسے لوگ معاشروں میں پائے جائیں جو دعوت اسلام کے لئے موزوں ہوں اور معاشروں میں ان کا اثر ورسوخ ہو تو آگے بڑھ کر ان کی مالی معاونت کی جائے اور یہ زکوٰۃ کے مال سے ہو، خواہ وہ لوگ بعض غیر مسلم حکومتوں کے معیار کے ہوں، یا کسی تنظیم اور ادارے کے ہوں، یا کسی قبیلہ اور خاندان کے ہوں یا عام معمول کے سماجی لوگ ہیں، یا خطباء ہوں، یا کاتب، اسی طرح کے دیگر افراد جن کا معاشرے میں اثر ورسوخ ہو اور دعوت حق اور توحید کی اشاعت بطریق احسن کر سکتے ہوں۔

فقہاء نے تصریح کی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے انواع مؤلفہ میں سے وہ شخص بھی ہے جسے مضبوطی ایمان کے لئے مال دیا جائے یا اس جیسے لوگوں کو اسلام میں لانا مقصود ہو یا جہاد کی خیر خواہی مقصود ہو یا مسلمانوں کا دفاع کرانا مقصود ہو چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بھی زکوٰۃ سے حصہ دیا ہے، جن کی نیت اسلام میں کمزور تھی تاکہ ان کی دلگیری ہو جائے اور اسلام پر ثابت قدم ہو جائیں۔ ❷

۴: اس مصرف کی آڑ میں ایسے ادارے وجود میں لائے جائیں جو نو مسلموں کی رعایت کریں......مزکی (مالک) کے لئے جائز ہے کہ وہ وکیل کو زکوٰۃ دے جو مستحقین میں سے بعض پر صرف کرے یا سب پر یا قرآن مجید میں بیان کردہ مصارف پر خرچ کرے البتہ مالک کو چاہئے وہ باتفاق العلماء علی الفور زکوٰۃ دے، اس معنی میں ایسے ادارے قائم کئے جائیں جن پر عاملین کا حصہ صرف کیا جائے اور ان اداروں کا کام یہ ہو کہ وہ ساری دنیا میں نو مسلموں کو تلاش کریں اور ان کی ہر طرح کی مالی، مادی، ثقافتی معاونت کی جائے اور ان نو مسلمین کو زکوٰۃ کے مال سے حصہ دیا جائے تاکہ وہ اسلام پر ثابت قدم ہو جائیں، ان کی حوصلہ افزائی ہو اور ان کی اقوام کے سامنے ان کی عزت افزائی ہو چونکہ اصل مقصد نو مسلم کی رعایت کرنا ہے۔

چنانچہ ابو عبید کہتے ہیں: جب کوئی قوم ایسی ہو کہ اس کا یہی حال ہو اور مال امداد سے اسلام میں ان کی رغبت ہو جبکہ ان کے ارتداد اور جنگ سے اسلام کو ضرر کا خطرہ ہو چونکہ ان لوگوں کے پاس قوت اور دفاعی صلاحیت ہو، اگر امام انہیں صدقات میں سے کچھ نہ کچھ دینا بہتر سمجھتا ہو تو تین اصول کی بناء پر دے سکتا ہے۔

---

❶......تفسیر الطبری ۱۰/۱۱۲۔ ❷ کشاف القناع ۲/۳۲۶ المجموع ۶/۲۰۹ تفسیر ابن کثیر ۲/۳۶۵۔

۱۔۔۔۔۔کتاب اور سنت کو بنیاد بنا کر۔

۲۔۔۔۔۔بقیہ مال مسلمانوں پر صرف کیا جائے۔

۳۔۔۔۔۔یہ کہ امام ان سے مایوس نہ ہو اور اسلام میں اچھی خاصی رغبت رکھتے ہوں۔ (۱)

سید رشید رضا کہتے ہیں: افضل یہ ہے کہ جو لوگ دشمن ممالک کی سرحدوں میں قیام پذیر ہوں ہمارے زمانہ میں ان کی دلگیری کی جائے، یوں ان مسلمانوں کو دیکھ کر ان کے پڑوسی کفار ان سے مانوس ہوں گے اور مسلمانوں کی حمایت کریں گے یا مسلمانوں کا دین اختیار کرلیں گے، ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم استعماری قوتوں سے سبھی مسلمانوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام سے دست کش کرنا چاہتے ہیں اس غرض کے لئے وہ (کفار) مسلمانوں کی تالیف قلب کے لئے اپنی حکومتوں کا اچھا خاصا مال صرف کرتے ہیں، چنانچہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بہت سارے مسلمان نصرانیت سے الفت کرنے لگتے ہیں اور نصرانیت کو اسلام دشمن نہیں سمجھتے، غیر مسلم بعض مسلمانوں کی دلگیری اس لئے بھی کرتے ہیں کہ وہ ان کی حمایت کریں۔ اور پھر اسلامی وحدت اور اسلامی ریاستیں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں جیسے جزیرۂ عرب کے بہت سارے امراء اور سلاطین پر غیر مسلموں نے اپنی حمایت کی چادریں تان دی ہیں۔ کیا غیر مسلموں سے زیادہ مسلمان اس حکمت عملی کے حقدار نہیں؟ (۲)

۵: بعض غیر اسلامی حکومتوں اور غیر اسلامی ریاستوں کی دل گیری اور ان ریاستوں کی دلگیری جو غیر ملکی اسلامی برادری پر مشتمل ہیں تا کہ امن متحقق ہو، یا بعض غیر اسلامی ممالک جو اسلامی شریعت کے قیام میں متعارض ہوں:

اسلام اور مسلمانوں کے فروغ کے لئے کوئی امر بھی ہو وہ شرعاً مطلوب ہے، خواہ اس امر کا تعلق اسلام کو دین بنانے سے ہو یا مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ سے ہو، یا مسلمانوں کے امن عامہ سے ہو یا مسلمانوں کے تشخص سے ہو، یا اسلامی دعوت کی نشر واشاعت کے مصالح سے ہو، مساجد، مراکز اسلامیہ، ایسے وسائل کا قیام جو تعلیم قرآن کو ممکن بنا سکیں، اسلامی تربیت کو فروغ دیں، مسلمان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی حفاظت ونگرانی، نوجوانان اسلام کو ممکنہ خطرات سے باخبر رکھنا، اسلامی اقدار وروایات کا موثر پہلو اور غیر مسلم اقوام کی روایات واقدار سے گریز وغیرھا بے شمار ایسے امور ہیں جو شرعاً مطلوب ہیں۔

اسی لئے اس مصرف میں مال خرچ کرنا مشروع ہوا ہے، اسی طرح بعض غیر اسلامی ممالک اور غیر اسلامی حکومتوں کو اس مال سے عطا کرنا تا کہ ان کے ہاں آباد اسلامی برادری کی نگرانی اور حفاظت کا سامان ہو سکے اور انہیں امن وامان کی صورت میسر رہے، وہ بآسانی شعائر اسلام کو بجالا سکیں، تا کہ ان کے ناموں میں اسلامی رنگ باقی رہے، اور آپس کے معاملات مثلاً شادی بیاہ، طلاق، قسم اٹھانا، منتیں اور نذریں ماننا وغیرہ کے تمام تر فیصلہ جات وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کر سکیں۔

جس طرح غیر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے لئے معاونت پیش کرنا مشروع ہے تا کہ مسلمان غیر اسلامی سرزمین میں اسلام کی اساسی چیزوں کا احیاء کر سکیں جیسے مساجد کا بنانا، اسلامی مراکز کا بنانا اور اسلامی مدارس کا بنانا وغیرہ۔ اس میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس سے مسلمان خود اپنی نگرانی اور حفاظت کر سکتے ہیں اپنے آپ کو ضائع ہونے سے بچا سکتے ہیں اور اپنے آپ کو اسلامی رنگ میں رنگ سکتے ہیں۔ اسلامی نشان، علامت اور لیبل کی حفاظت اور اسلامی عقیدہ کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

اس وقت غیر مسلم ممالک مثلاً امریکا اور یورپ وغیرہ میں آباد مسلم برادری کو درپیش خطرات میں سے اہم خطرہ نئی نسل (دوسری پود) جن

---

(۱)۔۔۔۔۔الاموال ص ۶۰۷۔ (۲) تفسیر المنار ۱۰/۵۷۴۔

کی غیر اسلامی ممالک میں تربیت ہورہی ہے یا وہیں پلے بڑھے ہیں ان کے اسلامی رنگ کا روبہ زوال ہونا ہے، رہی بات نئی نسل کے آباؤ اجداد کی جو اسلامی ممالک سے ہجرت کرکے وہاں پہنچے اور وہ مغرب کی پہلی پود ہے (یعنی مسلمانوں کی) ان پر اسلامی رنگ غالب رہا ہے وہ کسی حد تک اسلامی تہذیب واسلامی اقدار وروایات کی پاسداری کرتے ہیں ان میں دینداری، اخلاق وعادات عربی زبان خصوصاً ان کے کلام اور خط وکتابت میں عربی ادب کا گہرا رنگ رہا ہے، لہٰذا نئی نسل جو حد شباب تک پہنچ چکی ہے یا پہنچنے والی ہے ان کی تعلیم وتربیت اور اسلامی تہذیب کا ان میں شعور بیدار کرنا ضروری ہے، اس کے لئے تالیف قلب کے مصرف میں سے زکوٰۃ کا مال خرچ کرکے مساجد، مراکز اور مدارس بنائے جائیں جو اسلام میں اساسی کردار کے حامل ذرائع ہیں یقیناً یہ امر مستحسن ہے، اور دوررس نتائج کا حامل ہے۔

۶: قدرتی آفات میں عطیات میں مؤلفۃ قلوب کے حصہ میں باہمی شرکت.....قدرتی آفات مثلاً زلزلے، سیلاب اور قحط وغیرھا جو بعض غیر اسلامی ممالک میں پیش آتی ہیں ان کے لئے اجتماعی طور پر دیئے گئے عطیات میں مؤلفۃ قلوب کے حصے کا مال دیا جائے یا نہیں؟

چنانچہ مختلف اسلامی ممالک میں آباد مسلمانوں کا آپس میں باہمی ربط وتعلق قابل ستائش امر ہے جسے شرعی سیاست وحکمت میں اچھائی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، چونکہ باہمی تعلق سے اسلامی مصالح اور مفادات کو فروغ ملتا ہے، جبکہ تعلقات کی خرابی اور بے یقینی مسلمانوں کے مفادات کے لئے مضر ہے، خصوصاً کمزوری اور ضعف کی حالت میں اور عصر حاضر کے سنگین حالات میں خرابی تعلقات نہایت ضرر رساں ہے۔ جبکہ اس وقت مسلمانوں کا اجتماعی ہدف ''جہاد فی الاسلام'' ہے اس کا تمام تر منشاء اور دار ومدار مضبوط اور خوش کن تعلقات پر ہے، تبھی مطلوبہ حالات اور مسلمانوں کے اجتماعی مفادات معرض وجود میں آسکتے ہیں، لہٰذا ہر وہ وسیلہ اور ذریعہ جو ان تعلقات کے لئے مدومعاون ہو وہ شرعاً جائز ہے۔

جہاں تک فریضہ زکوٰۃ پر ہم نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلہ رحمی کا مضبوط کڑا ہے، محتاج مسلمانوں کے احوال سنوارنے کا اہم ترین ذریعہ ہے، اس سے مسلمانوں کے درمیان باہمی کفالت کی اہم سہولت وجود میں آتی ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ عبادت کے رنگ میں رنگا ہوا اسلامی فریضہ ہے، اسے محدود چند اصناف اور مصارف میں بند کیا گیا ہے جن پر قرآن حکیم کی مہر ثبت ہے، لہٰذا اس تقریر کے پیش نظر غیر مسلم اقوام کو آفات میں زکوٰۃ کے اموال میں سے دینا درست نہیں۔

البتہ زکوٰۃ سے ہٹ کر مسلمانوں کے عام اموال سے بطور عطیہ غیر مسلموں کو دینے میں کوئی حرج نہیں اور اس میں شرعاً کوئی مانع نہیں، تاکہ ان کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں اور وہ خیر وبھلائی کی طرف مائل ہوں، جیسا کہ مسلمانوں نے تصریح کی ہے، لہٰذا عطیات وتبرعات میں سے مشکل گھڑی قدرتی آفات مثلاً زلزلے، سیلاب وغیرہ میں غیر مسلموں کو دینا جائز ہے، اس میں بچاؤ اور سد ذرائع کا سامان بھی ہے، چنانچہ بعض شافعیہ نے بیت المال سے بعض کفار کو عطا کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ ان کی دلگیری ہوجائے اور وہ مال مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ ہے چونکہ یہ حصہ مفادات عامہ کے لئے مختص ہوتا ہے اور آفات کا اریا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

شافعیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء جو تالیف قلب کے لئے کفار کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیتے ہیں۔

ان کا قول قدرتی آفات کے احوال پر منطبق نہیں ہوگا یہ فقہاء چاہتے ہیں کہ تالیف قلب دخول اسلام کا غالب سبب بن رہی ہو، چنانچہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مؤلفۃ قلوب گنوار اور غیر گنوار ہوتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ کے ذریعہ ان کی دلگیری کرتے تھے تاکہ ایمان لے آئیں۔ [۱] جبکہ قدرتی آفات کے احوال میں غیر مسلموں کی دلگیری سے ان کا دخول فی الاسلام بعید ہے، لہٰذا زکوٰۃ کا مال کفار کو ان احوال میں دینا جائز نہیں۔

---

[۱].....تفسیر الطبری ۱۰/۱۱۲۔

زکوٰۃ سے ہٹ کر دیگر تبرعات اور عطیات انسانی ہمدردی کے پیش نظر کفار کو ان مشکل حالات میں دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، چونکہ بہترین حکمت عملی اور اعلیٰ پالیسی شعور انسانی سے منسلک جذبات، انسانی معاشرہ کے افراد کے لئے ہمدردی کے محتاج ہیں چونکہ انسانی بھائی چارہ اسی کا متقاضی ہے، اس لئے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دین اسلام تمام جہانوں کے لئے رحمت کا دین ہے۔

۷: مؤلفہ قلوب کے حصہ کو ان داعی امور میں صرف کرنا جو اسلام اور مسلمانوں کے تحسین نظریہ کا باعث ہوں
(یعنی ایسے امور جو مسلمانوں کی اچھائی اور خوبی کو ظاہر کرتے ہوں)۔

آج کل ہم تقریباً سارے عالم میں داعی اور اعلامی اسالیب سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں (یعنی میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا) جن میں سرفہرست مشہور مصنفین کے مضامین، روزنامچے، اخبارات، عام شائع ہونے والی مجلات اور رسائل وغیرہ، اس لئے ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم عصر حاضر سے ہم آہنگ رہیں اور اس کے ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے آگاہ ہوں، جو افکار، نظریئے، مبادیات، شخصی اخلاقی قدریں، اجتماعی اخلاقی قدریں، انسانی اور مادی قدریں عمدہ اور اسلام سے ہم آہنگ ہوں انہیں پیش کریں اور ہر وہ سوچ اور نظریہ جو ہماری شریعت کے منافی اور متضاد ہو ہم اس کے برسر پیکار ہو جائیں، اسی طرح جو رسومات، اخلاق، عادات اور سازشیں جنم لیں ہم ان کا سدباب کریں، چونکہ میڈیا کے ذریعے شریعت مطہرہ پر طرح طرح کے افترات، تہمتیں شبہات اور تاویلات باطلہ ٹھونسی جاتی ہیں، لہٰذا انہی کے اسلوب میں ان کا جواب ہمارے اوپر لازمی ہے۔

ایجابی اور سلبی دونوں حالتوں میں تحریک جہاد ہمارے اوپر واجب ہے اور دین اس کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مشرکین کے ساتھ اپنے اموال، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔''

مسلمانوں کو تبرعات اور عطیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے اور اس میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنی چاہئے، اور یہ عطیات ''فی سبیل اللہ'' یا ''مؤلفہ قلوب'' کے حصوں سے ہوں جو اہل قلم اور خطباء کو دیا جائے تا کہ اسلام اور مسلمانوں کی خوبیوں کو منظر عام پر لایا جائے، شریعت کی حکمت، اسلام کا دفاع، مسلمانوں کے ذاتی اور اجتماعی مسائل اور عالمی سطح پر لگائے گئے الزامات اور تہمتیں، شبہات کا خاتمہ، مخالفت تحریکات کا سدباب، فکری جنگیں، بیہودہ تہذیب اور اس طرح کے کئی عناصر کی وضاحت ضروری ہے، پہلے واضح ہو چکا ہے کہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تقویت اسلام کے لئے مؤلفہ قلوب کے حصہ کو صرف کرنا جائز قرار دیا ہے۔

شرعی اعتبار سے اچھا کام ہے کہ مسلمانوں کے اموال سے دعوتی اور اطلاعاتی ذرائع کے لئے بیت المال سے صرف کیا جائے، چونکہ یہ وسائل مفادات عامہ کا سبب بنتے ہیں۔

خلاصہ.....زکوٰۃ کے اموال خواہ جس مصرف میں بھی صرف کرنے ہوں حاکم یا سلطان کو چاہئے کہ دانشور علماء سے مشورہ لے اور پھر اموال صرف کرے، اگر حکومتوں نے اس محکمہ سے بے اعتنائی کر رکھی ہو تو غیر سرکاری تنظیمیں اور ادارے جو اسلامی ہوں وہ اس محکمہ کا احیاء کریں، زکوٰۃ کے اموال جمع کریں اور ان کی شرعی تقسیم کا انتظام کریں، غیر مسلمانوں کی مختلف طریقوں سے دلگیری کریں، تا کہ اسلام کا دفاع کر سکیں اور اسلام کی نشر واشاعت کر سکیں اور نو مسلم افراد کے اموال کی دیکھ بھال کا سامان ہو سکے۔

۲: زکوٰۃ کا مصرف ''فی الرقاب''.....فریضہ زکوٰۃ کو اسلام میں زبردست اہمیت اور شان حاصل ہے، زکوٰۃ دائماً فریضہ نماز کے ساتھ مقترن ہو کر آئی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نماز کے ذریعے تعلق بحال رہے اور مسلمان معاشرے کا آپس میں تعلق زکوٰۃ سے رہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا ہدف اور منشاء اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتا جب تک مزکی زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ صرف کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس آیت میں ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ التوبۃ ۹/۶۰

وَ فِي الرِّقَابِ آیت میں پانچویں نمبر کا مصرف ہے، اس پر اجمالی گفتگو پہلے ہوچکی ہے لیکن اس کے مخفی گوشوں پر روشنی ڈالنا ابھی باقی ہے۔

غضب یہ ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی ممالک میں مصارف کی صرف چار انواع پائی جاتی ہیں، فقیر، مسکین، مقروض اور مسافر اب جبکہ سلسلہ غلامی کا دنیا میں خاتمہ ہوچکا ہے لہٰذا حالات کا تقاضا یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال ان لوگوں پر صرف کیا جائے جنہیں اسلامی اقوام غلام بنالیتی ہیں، اسی طرح مختلف استعماری اشکال میں مسلمانوں کی جان بخشی، سب سے ہم نوآبادیاتی طوفان ہے، دشمن کی جیلوں سے مسلمان قیدیوں کی مدد، مظلوم قیدیوں کو چھڑانے اور مختلف انسانی حقوق کے احیاء میں اس مصرف کا حصہ صرف کیا جائے۔ جیسا کہ اسرائیل کے یہود فلسطینی قوم کو غلام بنائے ہوئے ہیں انہیں بے جا طور پر جیلوں اور قید خانوں میں ٹھونس رکھا ہے اس پر مستزاد یہ کہ اسرائیلیوں نے بڑے ممالک کے باہمی تعاون سے ایسا کیا ہے، لہٰذا فلسطینی قیدیوں میں حصہ صرف کرنے میں کوئی مانع نہیں۔

بحث کا خاکہ: ۱......"وَ فِي الرِّقَابِ" کا معنی۔

۲......عصر حاضر میں غلامی کا خاتمہ۔

۳......مختلف اسلامی ادوار میں اس مصرف کا غیر مکاتبین میں صرف کرنے پر تاریخی سوابق۔

۴......اس زمانہ میں "فی الرقاب" کے مصرف میں "قیدی چھڑانے" کا مصرف شامل ہوسکتا ہے؟ فی الرقاب کے حصہ میں فقہی مذاہب۔

۵......مکاتب کی اعانت کے متعلق غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرانے میں اس مصرف کی اصلی تطبیق۔

۶......وہ مسلمان اقوام جو کافر حکومتوں کی ظلم کی چکی تلے پس رہی ہیں کیا انہیں اس مصرف کا حصہ دیا جاسکتا ہے تا کہ وہ اپنے آپ کو ظالموں سے نجات دلاسکیں؟

فی الرقاب کا معنی......رقاب کا ظاہری کلمہ عموم معنی کا مقتضی ہے یعنی اس میں انسانی جان کو غلامی سے آزاد کرنا، انسان کو غلامی کی قید سے چھڑانا، مکاتبت کی صورت میں گردنوں کا چھڑانا قید و بند سے رہائی دلانا وغیرہ معانی شامل ہیں، زجاج "وَ فِي الرِّقَابِ" کے متعلق کہتے ہیں اس میں حذف اور تقدیری عبارت یہ ہے "وفی فك الرقاب" یعنی گردنیں چھڑانے میں۔

چنانچہ آیت کریمہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اول کی چار اصناف کو لازم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمان ہوا:

انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم

جبکہ دوسری چار اصناف کو "فی" کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمان ہوا:

وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل

وجہ فرق یہ ہے کہ خیر کی چار اصناف زکوٰۃ کا زیادہ استحقاق رکھتی ہیں، چونکہ "فی" ظرف کے لئے ہے، لہٰذا تنبیہ کی گئی ہے کہ ان چار اصناف میں خصوصیت کے ساتھ صدقات وضع کئے جائیں، اس طرح گردنیں چھڑانے اور انہیں خلاصی دلوانے میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جائے، یہی حالت "فی سبيل الله" کے مصرف کی ہے کہ امت کی سربلندی جہاد کے ذریعہ ہو، اسی طرح "ابن السبيل" کہ ہم مسافر

کوافلاس سے بچائیں اوردوران سفراس کومنقطع ہوجانے سے بچائیں۔❶

بجیرمی شافعی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آیت کریم میں چاراصناف کی طرف لام کے ذریعہ صدقات کی اضافت کی ہے، جبکہ دوسرے چار مصارف کی طرف صدقات کی نسبت ''فی'' ظرفیہ کے ساتھ کی گئی ہے، پچھلے چار مصارف کو ''فی'' کے ساتھ لانے کا مقصد یہ ہے کہ جب زکوٰۃ مال خرچ کرنے کے لئے یہ مصارف دستیاب نہ ہوں پہلے مصارف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔❷

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے حرف لام کے ساتھ چار مصارف کا ذکر کیا پھر ''لام'' کو ''فی'' سے بدل دیا، اورفرمایا ''وَفِي الرِّقَابِ'' یہ فرق فائدہ سے خالی نہیں، اس فائدے کا بیان یہ ہے کہ پہلی چاراصناف کو صدقات سے ان کا حصہ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ جیسے چاہیں صدقہ کے مال میں تصرف کریں، اوررہی بات ''وَفِي الرِّقَابِ'' کی سوان کا حصہ غلامی سے چھڑانے کے لئے لگایا جائے گا اور براہ راست غلاموں کو نہیں دیا جائے گا، یعنی غلاموں کی طرف سے یہ حصہ ادا کیا جائے گا، اسی طرح ''فی الغارمین'' کے مصرف کے لئے ان کے قرضے ادا کئے جائیں، مجاہدین کا حصہ ان کے ضروری سازوسامان کے لئے صرف کیا جائے گا جس کی انہیں جہاد میں ضرورت پیش آئے، حاصل یہ ہے کہ پہلی چاراصناف کو ہاتھوں ہاتھ مال دیا جائے گا جیسے چاہیں مال میں تصرف کریں، جبکہ پچھلے چار مصارف کے مستحقین کو دست بدست مال نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ مناسب ضرورت کے مواقع جن کی انہیں حاجت پیش آئے ان میں صرف کیا جائے گا چونکہ انہی ضروریات کے مواقع کی وجہ سے وہ مستحق ٹھہرتے ہیں بالفاظ دیگر پچھلے چار مصارف میں تملیک شرط نہیں۔❸

اکثر علماء کا موقف......اکثر علماء کا موقف ہے کہ ''وَفِي الرِّقَابِ'' سے مراد مکاتبین ہیں۔ یعنی وہ مسلمان غلام جواپنے آپ کو غلامی سے آزاد کرنے کے لئے بدل کتابت نہ پاتے ہوں اگر چہ وہ کمانے پرقادر ہوں تب بھی انہیں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے، چونکہ ''فك رقبه'' یعنی گردن چھڑانے کا معنی تبھی مراد لیا جاسکتا ہے جب غلام مکاتب ہو، اگرنرا غلام زکوٰۃ کی رقم سے خریدا گیا تو زکوٰۃ کا مال غلام کو نہیں دیا گیا بلکہ اس کا آقا کو دیا گیا اور تملیک جوزکوٰۃ کا اہم رکن ہے اس صورت میں متحقق نہیں ہوگا، چنانچہ اس موقف کی تائید سورۃ نور کی آیت نمبر ۳۳ سے بھی ہوتا ہے۔

وآتوهم من مال الله الذي آتاكم

مکاتبین کو تم اس مال سے دوجواللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ نیز ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''وَفِي الرِّقَابِ'' کی تفسیر مکاتبین سے کی ہے۔

جبکہ امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے نرا غلام خرید کر آزاد کیا جائے، چونکہ قرآن میں جہاں بھی ''رقبہ'' کا لفظ آیا ہے اس سے غلام (غیر مکاتب) کو آزاد کرنا مراد ہوتا ہے۔

چنانچہ عتق اورتحریر (آزادی) کا تصور صرف نرے غلام ہی میں ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ کفارات میں ہوتا ہے۔

مکاتب کو مال دینے کی شرط......مکاتب کو زکوٰۃ کا مال دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، محتاج ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

چنانچہ غلاموں کو آزاد کرنے کا مصرف آزادی پر واضح دلیل ہے، یہ بھی حکمت خداوندی ہے کہ قرآن مجید میں تحریر اور عتق (آزادی) پر نص وارد ہوئی ہے جبکہ رقیت (غلامی) پر نص وارد نہیں ہوئی۔ چونکہ اسلام دنیا میں وہ پہلا نمائندہ ہے جس نے انسانیت کو غلامی سے چھڑانے کی آواز بلند کی۔

چونکہ اسلام نے آزادی کے بہت سارے مواقع متعین کئے اورانسانوں کو آزادئ غلاماں کی ترغیب دی، للہٰذا ماضی کے واقعات کو سامنے

---

❶......الکشاف ۱۹۸/۲ طبع طهران۔❷ بجيرمى على الخطيب ۳۱۳/۲۔❸ تفسير كبير ۱۱۵/۱۶ المجلد ۸۔

رکھ کر مصلحت یہ تقاضا کرتی ہے کہ قیدی بھی غلام کے معنی میں ہے، لہٰذا معاملہ بالمثل کے قاعدہ سے یہ جائز معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کو چھڑانے میں ''وَفِی الرِّقَابِ'' کے حصہ کا مال صرف کیا جا سکتا ہے، چونکہ یہ معقول نہیں کہ کبھی مسلمان قیدیوں کو غلام بنائیں گے اور پھر انہیں آزاد کیا جائے گا، جبکہ دشمن قو میں مسلمانوں کو قید کر کے ایک طرح سے غلام بنالیتی ہیں۔

عصر حاضر میں غلامی کی عدم دستیابی...... قدیم اقوام، فلاسفہ، اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے نزدیک غلامی مشروع تھی، تاریخ میں سب سے پہلے رومیوں نے انسانوں کو غلام بنانے کا رواج ڈالا، چنانچہ رومیوں نے مغلوب اقوام کو زیر کیا اور غلام بنالیا ان کے ہاں غلام بنانے کے مختلف طریقے تھے۔

غلام تجارت اور زراعت کا اہم محرک اور سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور اجتماعی معاشرہ میں اقوام کا اقتصادی و معاشی دارومدار غلامی پر تھا۔

اہل اسلام کے مجتہدین دنیا میں عالمی سطح پر غلامی کے خاتمہ کے قائل ہیں، حتی کہ دعوت اسلام نفوس کے مانوس ہونے پر گڑبڑ کا شکار نہیں ہوتی، یوں یہ بھی انکار نہیں کہ غلامی سے لوگوں میں جھگڑے اور فساد بڑھ جائیں گے معاشرہ میں فقر وفاقہ کا اضافہ ہو جائے گا، اس وقت غلاموں کے جرائم ان کی آزادی سے پہلے افزودہ تر ہو جائیں گے۔

انسان اور شریعت اسلام میں اصل حریت ہے اور اسلام حریت پر اکساتا ہے اور اس کی حمایت کرتا ہے، اسلام بتدریج سلسلۂ غلامی کے ازالہ کی تدبیر کرتا رہا اور ایسے اسباب اسلام نے پیدا کئے جو غلامی کو نمٹانے کے لئے مددومعاون ہیں، قیدیوں کو غلام بنانے کے سوا ایسے تمام دروازے اسلام بند کرنا چاہتا ہے جو ناجائز غلامی کا سبب بنیں جیسے دشمن کے دفاع کے لئے عادلانہ جنگ، دوسری اقوام کے ساتھ صلح اور معاہدہ کے ذریعے توازن برقرار رکھا، معاملہ بالمثل، البتہ وراثت میں ملنے والی غلامی کو اسلام بحال رکھتا ہے، پھر اسلام نے غلامی کے خاتمہ کے لئے بے شمار دروازے کھولے اور غلاموں کو آزاد کرنے کی اسلام نے ترغیب دی، اور آزادی غلاماں کو عنداللہ محض قربت اور نیکی کا ذریعہ بنایا یا بعض ایسے سنگین جرائم جیسے قتل، قسم توڑنا بیوی سے ظہار کرنا وغیرہ جرائم میں کفارہ اور جرمانہ کے طور پر آزادی غلاماں کو لازمی قرار دیا۔ قیدیوں کو رہائی کو یا تو محض احسان مندی یعنی بغیر کسی بدلہ کے آزادی ورہائی قرار دیا فدیہ لے کر انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا، غلاموں کے ساتھ اچھائی کرنے کا حکم دیا، حتی کہ زکوٰۃ ایک حصہ غلاموں کو آزادی دلانے کے لئے مخصوص کیا۔

اسلام رقیت اور غلامی کے خاتمہ کو بنظر احسان دیکھتا ہے، اسلام اس کی حمایت کرتا ہے تبھی اسلام نے خاتمہ کے لئے ایسے مواقع روشناس کرائے جو بتدریج خاتمہ اور الغاء تک پہنچاتے ہیں جبکہ بین الاقوامی سطح پر غلامی کو ممنوع قرار دینے میں یک دم فیصلہ کیا گیا جو عقل وشرع کی حکمت کے خلاف ہے۔

یہ تفصیل ایک واضح حقیقت کے اثبات کی طرف لے جاتی ہے کہ اسلام عالم دنیا سے رقیت کے خاتمہ پر معارضہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ اسلام تو آزادی غلاماں پر اکساتا ہے، غلامی کے موارد اور اسباب کا استیصال کرنا چاہتا ہے، چونکہ یہ بات عیاں ہے کہ آزاد انسان کو سرے سے غلام بنانا جائز ہی نہیں، اسلام غلاموں کی تجارت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے، اسلام وسطی افریقا کے غلامی کے جملہ سلاسل اور ان کے معاملہ کو حرام قرار دیتا ہے، اسلام فردی اور جماعتی غلامی کی شکل اختیار کرنے والی اقوام کو کسی حال میں اپنے حالت پر برقرار نہیں دیکھنا چاہتا، جس طرح امریکا اور برطانیہ میں نسلی تعصب جو گورے اور کالے کی بنیاد پر کھڑا کیا جاتا ہے اسلام سختی سے اس کی بھی بیخ کنی کرنا ہے۔

زمانہ وسطی میں بھی غلاموں کا نظام معمول رہا ہے پھر زمانہ وسطی کے بعد بھی جاری رہا حتی کہ یورپی ممالک نے غلاموں کی عام طور پر تجارت کو ۱۸۱۵ء میں ممنوع قرار دیا، اس طرح کے اس تاریخ کے بعد اور بھی بہت سارے معاہدے ہوئے حتی کہ آخری معاہدہ جنیوا معاہدہ ہے جو ۷ ستمبر ۱۹۰۶ء میں کیا گیا، جنیوا معاہدہ کے مطابق غلام بنانا، غلاموں کی تجارت اور غلامی جیسے حالات پیدا کرنا عالمی سطح پر ممنوع قرار

دیئے گئے۔ ❶

۳: عہد اسلامی میں اس مصرف کو غیر مکاتبین میں استعمال کرنے کی کچھ مثالیں...... اسلام نے غلام آزاد کرنے کی عام ترغیب دی ہے اور آخرت کی نجات کا اہم ترین سبب اور وسیلہ بنایا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ البلد ۹۰/۱۱۔۱۳

پھر بھی وہ اس گھاٹی میں داخل نہیں ہوسکا اور تمہیں کیا معلوم وہ گھاٹی کیا ہے، وہ کسی گردن کا چھڑانا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مومن (غلام) کو دنیا میں آزاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس مومن کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ ❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر صحابہ کرام نے بڑھ چڑھ کر غلاموں کو آزاد کیا، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمزور مسلمان جنہیں قریش کے روساء سخت اذیتیں دیتے تھے خرید کر آزاد کئے جیسے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت وفات پائی جب ایک ہزار غلاموں کو آزاد کر چکے۔

مسلمانوں کے بہت سارے خلفاء نے ''وفی الرقاب'' کے مصرف کو غیر مکاتب غلاموں کو آزاد کرنے میں استعمال کیا، جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ایسے واقعات پیش آئے، چنانچہ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے افریقا کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا چنانچہ میں نے لوگوں سے بھرپور صدقات وصول کئے، پھر جب انہی کے فقراء کو دینے کی نوبت آئی تو مجھے کوئی لینے والا فقیر نہ ملا چونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کی معاشی حالت زبردست بڑھادی تھی، میں نے صدقات کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کئے اور ان کا حق ولاء مسلمانوں کو دیا۔ ❸

اس میں کوئی شک نہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت میں ہونے والا یہ کام بعد میں آنے والے لوگوں اور ائمہ دین کے لئے پیشوائی کا سامان ہے، اس موضوع پر مزید گفتگو دلائل کی بحث میں آرہی ہے۔

۴: ''فی الرقاب'' کے مصرف میں اس زمانہ میں قیدیوں کو رہا کیا جاسکتا ہے اور فی الرقاب کے مصرف میں مذاہب کی تفصیلات...... اس موضوع میں بہتر یہ ہے کہ پہلے صحابہ، تابعین کی آراء بیان کی جائیں پھر اس کے بعد فقہی مذاہب اور ان کے دلائل بیان کئے جائیں۔ ❹

رقاب کے متعلق علماء کی آراء کا بیان...... رقاب کی تفسیر میں علماء کے چار اقوال ہیں۔

پہلا قول...... آیت کریمہ میں ''فی الرقاب'' (گردنوں میں) سے مراد ''فی فك الرقاب''، یعنی گردنیں چھڑانے میں یہ حصہ صرف کیا جائے، اس حصہ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں، یہ ابن عباس، ابن عمر، حسن بصری، ابوعبید کا قول ہے یہی امام مالک، امام احمد، اسحاق، عبیداللہ بن حسن عنبری کا مذہب ہے، امام کے لئے جائز ہے کہ وہ صدقہ کے مال سے گردنیں (غلام) خرید کر آزاد کرے، اور انہیں مسلمانوں کی طرف سے آزاد کرے، پھر مالکیہ کی رائے میں حق ولاء عام مسلمانوں کے لئے ہوگا۔

اگر مزکی انفرادی طور پر غلام خرید کر آزاد کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

---

❶ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مصنف ہی کی کتاب آثار الحرب فی الفقه الاسلامی ص ۴۴۱۔ ❷ رواه الطبرانی عن عمر وبن عبسة۔ ❸ سيرة عمر بن عبدالعزيز لابن عبدالحكم ص ۵۹۔ ❹ رقاب، رقبة کی جمع ہے بمعنی، گردن، یعنی گردن آزاد کرنا، گردن چھڑانا، گردن بول کر پورا غلام مراد لیا جاتا ہے۔

دوسرا قول......رقاب (گردنوں) کا حصہ مکاتبین کے لئے مقرر ہے تا کہ اس حصہ سے انہیں آزاد کیا جائے، صاحب زکوۃ جز ولاء (حق ولاء کو اپنی طرف کھینچنے) کے لئے غلاموں کو خرید کر آزاد نہ کیا جائے، یہ ابوموسیٰ اشعری، مقاتل، سعید بن جبیر، لیث بن سعد، ابن وہب، ابن زید کا قول ہے، یہی امام شافعی ابوثور، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے۔ ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جو "وَفِي الرِّقَابِ" کے متعلق ہے کہ رقاب سے مکاتبین مراد ہیں، اس قول کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ......النور ۲۴/۳۳

مکاتبوں کو اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے دو۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں پہلا قول صحیح ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وفی الرقاب" خبر دیتا ہے کہ صدقات میں گردنوں کے لئے حصہ ہے، مزکی کے لئے جائز ہے کہ وہ گردن خرید کر آزاد کرے، اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص زکوۃ کے مال سے گھوڑا خریدے اور فی سبیل اللہ سواری کے لئے دے دے تو یہ جائز ہے چنانچہ جب زکوۃ سے پورا گھوڑا خرید کر دینا جائز ہے تو کامل گردن خرید کر آزاد کرنا بھی جائز ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

تیسرا قول......امام ابوحنیفہ، صاحبین، سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ زکوۃ کی رقم سے کامل گردن خرید کر آزاد نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ وہ غلام زکوۃ کی رقم سے خرید کر آزاد کیا جاسکتا ہے جو پہلے آدھا آزاد ہوا اور آدھا غلام ہو یا جو مکاتب ہو چونکہ آیت "وفی الرقاب" کا تقاضا ہے کہ غلام کا اس میں کوئی نہ کوئی دخل ہو اور کامل غلام (نرا غلام) خرید کر آزاد کرنے کے یہ منافی ہے، دوسرا اور تیسرا قول فی الواقع ایک ہی ہے۔

چوتھا قول......یہ امام زہری کا قول ہے کہ رقاب کے حصہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے ا، ایک حصہ مکاتبین کے لئے اور دوسرے حصہ سے نمازی اور روزہ دار غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ یہ ابوعبید کی بھی رائے ہے۔

دوسرے قول کے اصحاب یعنی شافعیہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ مکاتبین کی اجازت سے زکوۃ کا مال (جو بدل کتابت ہے) ان کے مالکان کو دیا جائے چونکہ پہلے چار مصارف لام تملیک کے ساتھ لائے گئے ہیں جیسا کہ فرمان ہے۔ "انما الصدقات للفقراء" (آلایۃ) لہٰذا تملیک کے لئے ان کے مالکان کو احتیاطاً رقم دی جائے۔

خلاصہ......مالکیہ اور حنابلہ کے علاوہ بقیہ علماء کے نزدیک رقاب کا حصہ مکاتبوں کو آزاد کرانے میں صرف کیا جائے گا۔ جبکہ حنابلہ او مالکیہ کی نزدیک مطلق غلام پر بھی صرف کیا جاسکتا ہے گویا دو چیزوں میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

۱......زکوۃ کے مال سے قیدی رہا کئے جاسکتے ہیں یا نہیں۔

۲......نرا غلام (کامل غلام) آزاد کیا جاسکتا ہے یا نہیں چنانچہ الکیا طبری کہتے ہیں: عتق (آزادی) ابطال ملک ہے، تملیک نہیں مکاتب کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ تملیک ہے، صدقات میں یہ اصول واجب ہے کہ صدقہ تبھی جاری ہوگا جب تملیک ہو یہی حنفیہ اور شافعیہ رائے ہے، لہٰذا زکوۃ کا مال خالص غلام کو آزاد کرانے میں صرف نہیں کیا جائے گا۔

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ زکوۃ کے مال سے خالص غلاموں کو آزاد کیا جاسکتا ہے یہی رائے امام بخاری اور ابن منذر کی ہے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ: خالص غلام آزاد کرنے پر حدیث وارد ہوئی ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل اور دارقطنی حضرت براء بن عازب رضی تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے ایسے عمل پر راہنمائی کر جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کردے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم بات مختصر کرتے مسئلہ پیش کر دیتے، لہٰذا تم غلام آزاد

اور گردنیں چھڑاؤ، صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں۔ فرمایا: نہیں غلام (یا جان) آزاد کرنا یہ ہے کہ تم انفرادی طور پر کسی غلام کو آزاد کرو، اور گردنیں چھڑانا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت (ثمن) میں اس کی مدد کرو۔

حنفیہ نے اس حدیث کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں ''وفی الرقاب'' پر دلیل نہیں۔

مکاتب کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جسے ابوداؤد کے علاوہ اصحاب خمسہ نے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے: مجاہد فی سبیل اللہ، وہ مکاتب جو بدل کتابت ادا کرنا چاہتا ہو، نکاح کا خواہشمند جو پاکدامنی چاہتا ہو۔

قیدی رہا کرنا......اصبغ اور ابن قاسم کہتے ہیں زکوٰۃ کی رقم قیدیوں کی رہائی میں صرف کرنا جائز نہیں، مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ قیدیوں کی رہائی میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنا کافی نہیں (یعنی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ دی جائے گی) یہی حنفیہ اور شافعیہ کا قول ہے، ابن حبیب اور ابن عبدالحکم کہتے ہیں: قیدیوں کی رہائی کے لئے زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے، چونکہ قیدی معرض غلامی میں آچکا ہوتا ہے تو غلامی سے نکل کر آزادی کی راہ پر آجاتا ہے، یہ تو فی الواقع غلام آزاد کرنے سے اولیٰ وافضل ہے، چونکہ جب مسلمان غلام کو مسلمان کی غلامی سے نجات دلانا کار ثواب ہے اور صدقہ کا مال سے اس کا خریدنا جائز ہے تو یہ بطریق اولیٰ کار ثواب ہوگا کہ کافر کی غلامی سے مسلمان کو خرید کر رہا کیا جائے۔ یہ حنابلہ کا قول ہے۔

فقہی مذاہب کی تفصیل اور ان کے دلائل......اس موضوع میں دو رجحانات سامنے آتے ہیں ایک رجحان میں تنگی ہے اور وہ حنفیہ اور شافعیہ کا موقف ہے کہ ''وَفِی الرِّقَابِ'' کا مصرف صرف مکاتبین پر مقصود ہے، جبکہ دوسرے رجحان میں وسعت ہے اور وہ مالکیہ اور حنابلہ کا موقف ہے کہ یہ حصہ مطلق غلاموں اور گردنوں کو آزاد کرنے میں صرف کیا جائے، حنابلہ کے مذہب میں عموم ہے کہ خواہ غلام مکاتب ہوں یا خالص غلام۔

رہا یہ کہ اس مصرف کے حصہ سے قیدیوں کو رہا کیا جاسکتا ہے یا نہیں حنابلہ اس کی اجازت دیتے ہیں جبکہ مالکیہ کا مشہور قول اس کے خلاف ہے۔ میں ہر مذہب کی رائے مختصراً بیان کرتا ہوں پھر علیحدہ علیحدہ ہر مذہب کی دلیل لاؤں گا۔

۱۔ حنفیہ......مصارف زکوٰۃ کی پانچویں قسم ''الرقاب'' ہے، اس سے مراد مکاتبین ہیں جن کی کتابت صحیح ہو اور کتابت مزکی کے علاوہ کسی اور نے کی ہے تو ایسے مکاتبوں کو زکوٰۃ کا حصہ دیا جائے گا، اگرچہ ان کے مالکان کی اس میں اجازت شامل نہ ہو، مکاتب غیر ہاشمی ہو، اس کی گردن چھڑانے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جائے گا اگرچہ مکاتب بدل کتابت سے زائد نصاب کا مالک بن جائے تب بھی دیا جائے گا۔ ❶

۲۔ شافعیہ......کہتے ہیں پانچویں قسم ''الرقاب'' ہے، یہ وہ مکاتبین ہیں جن کی کتابت صحیح ہو اور مکاتب بنانے والا مزکی نہ ہو انہیں زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا، اگر مکاتب خود مزکی کا ہو تو وہ اسے زکوٰۃ کا مال نہیں دے سکتا، چونکہ اس کا نفع خود مزکی ہی کو پہنچتا ہے۔ ❷

۳۔ مالکیہ......کہتے ہیں زکوٰۃ کا مال مومن غلام پر صرف کیا جاسکتا ہے نہ کہ کافر پر، زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے، یا مزکی کے پاس اگر غلام ہو یا باندی ہو کسی عادل شخص سے اس کی قیمت لگائے اور زکوٰۃ میں انہیں آزاد کردے، یہی مراد آیت میں ''الرقاب'' کی ہے۔

---

❶......احکام القرآن للجصاص ۱۲۵/۳ طبع بھرور، فتح القدیر ۲۶۳/۲ ردالمختار ۳۴۱/۲۔ ❷ شرح المجموع للنووی ۱۴۶/۶۔

غلام میں شرط یہ ہے کہ وہ خالص غلام ہوایسا غلام نہ ہو جس کی آزادی کا انعقاد ہو چکا ہو جیسے مکاتب، مدبر، ام ولد، اگر مذکورہ غلاموں میں سے کوئی ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کافی نہیں ہوگی لیکن مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اگر مکاتب یا ام ولد وغیرھا آزاد کر دیا تو کافی ہوگی۔

غلام میں یہ بھی شرط ہے کہ ایسا غلام نہ ہو جو ملکیت میں آنے سے خود بخود آزاد ہو جاتا ہو جیسے مزکی کے والدین غلام ہوں یا اولاد میں سے کوئی غلام ہو، بہن بھائی وغیرہ، چنانچہ امام احمدؒ، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ''جو شخص کسی ذی رحم محرم (قریبی رشتہ دار) کا مالک ہوا وہ آزاد ہے۔'' اگر مالک نے کوئی رشتہ دار مثلاً بھائی زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر آزاد کیا تو یہ ادائیگی کافی نہیں ہوگی زکوٰۃ دوبارہ دے گا۔ البتہ اس کا حیلہ یہ ہے کہ مالک سرکاری اہلکار کو زکوٰۃ دے اور پھر اہلکار اپنی طرف سے مزکی کا رشتہ دار خرید کر آزاد کر دے۔

آزاد کردہ غلام کی ولاء مذکور بالا صورت میں عام مسلمانوں کے لئے ہوگی۔ برابر ہے کہ آزاد کرنے والے نے اس کی تصریح کی ہو یا نہ کی، بلکہ شرط بھی لگا دی ہو تب بھی ولاء مسلمانوں کے لئے ہوگی۔

مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قیدیوں کو رہا کرنے میں زکوٰۃ کی ادائیگی کافی نہیں ہوگی، چنانچہ ابن حبیب کہتے ہیں، قیدیوں کو رہائی دلانا ان غلاموں کو آزاد کرنے سے افضل ہے جو غلام ہمارے قبضہ میں ہوں۔ ابن عبدالحکم نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔ ❶

۴۔ حنابلہ..... حنابلہ نے اپنی معتمد علیہ کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ ''مصارف کی پانچویں قسم ''الرقاب'' ہے اس سے مراد مسلمان مکاتبین ہیں جو بدل کتابت نہ پاتے ہوں اگر چہ وہ کمانے اور مزدوری کرنے کی طاقت اور قوت رکھتے ہو تب بھی انہیں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ''وَفِي الرِّقَابِ'' میں عموم ہے۔ مبدع میں لکھا ہے۔ ''مذہب میں یہ اختلاف نہیں کہ مکاتبین رقاب میں سے ہیں، چونکہ کہا جاتا ہے ''اعتقت رقابی'' یہ لفظ مکاتبین کو بھی شامل ہوتا ہے، نیز فرمان باری تعالیٰ ''فکاتبوھم'' (النور ۲۴/۳۳) میں اسی موقف کی تصریح ہے چونکہ مکاتب اپنے آقا سے ہٹ کر زکوٰۃ کے مال کا مالک بن جاتا ہے، اس کا آقا اس کا تاوان دیتا ہے گویا اسے دینا آقا کو دینا ہوا جبکہ رقاب میں یہ بات نہیں۔

مکاتب کو چاہئے کہ قسطوں کی مقررہ مدت سے پہلے پہلے زکوٰۃ کا مال لے لے تاکہ کتابت فسخ نہ ہو جائے، حنابلہ کے نزدیک مکاتب کے آقا کو زکوٰۃ دینا مکاتب کو زکوٰۃ دینے سے اولیٰ ہے۔

مزکی کے لئے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم سے ایسا غلام خریدے جو اس پر آزاد نہ ہوتا ہو چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مزکی کے لئے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال میں اپنا غلام یا باندی آزاد کر دے، چونکہ یہ قیدی کی گردن چھڑانا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک حق ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گا، چونکہ شیخین کی روایت ہے کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق ولاء تو اسی کو ملتا ہے جس نے غلام آزاد کیا ہو۔'' البتہ سرکاری اہلکار جن غلاموں کو آزاد کرے ان کا حق ولاء عام مسلمانوں کے لئے ہوتا ہے۔

مذاہب کے دلائل

حنفیہ شافعیہ اور اسلاف کے رجحان کے دلائل..... یعنی ''الرقاب'' کا حصہ مکاتبین کی مدد کے لئے صرف کیا جائے گا ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

❶..... دیکھئے مواہب الجلیل الخطاب ۲/۳۵۰ الشرح الصغیر للدردیر ۱/۶۶۱۔

۱.....فرمان باری تعالیٰ ”وَفِي الرِّقَابِ“ بعینہ ”وفی سبیل اللّٰہ“ کی طرح ہے، چنانچہ ”فی سبیل اللّٰہ“ کے مصرف کا حصہ مجاہدین کو دینا واجب ہے اسی طرح ”وَفِي الرِّقَابِ“ کے مصرف کا حصہ مکاتبین کو دینا واجب ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس مصرف کی رقم سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے تو اس صورت میں غلاموں کو زکوٰۃ نہیں دی جاتی، بلکہ ان کے آقاؤں کو دی جاتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مصارف کے مستحقین کو براہ راست زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔

”وَفِي الرِّقَابِ“ کا کلمہ مکاتبین کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ یہاں عام غلاموں کے لئے زکوٰۃ صرف کرنے کا کوئی قرینہ نہیں ہے، جبکہ یہ قرینہ دیگر کفارہ جات میں عام غلاموں کے متعلق پایا جاتا ہے۔

وہ قرینہ یہ ہے کہ ”تحریر“ (آزادی) صرف خالص غلاموں میں ہی مقصود ہوسکتی ہے، جبکہ یہ قرینہ ”وَفِي الرِّقَابِ“ میں نہیں پایا جاتا، لہٰذا ہم نے ”وَفِي الرِّقَابِ“ کو مکاتبین پر محمول کردیا۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تملیک کی شرط صرف مکاتبین میں پائی جاتی ہے بقیہ غلاموں میں نہیں پائی جاتی، لہٰذا مکاتبین کی زکوٰۃ کے مال سے مدد کی جائے گی۔

لیکن ملاحظہ رہے کہ امام رازی کے بقول پچھلے چار مصارف میں تملیک شرط نہیں جبکہ پہلے چار مصارف میں تملیک شرط ہے چونکہ پہلے چار کو لام تملیک کے ساتھ لایا گیا ہے جبکہ پچھلے چار مصارف کو ”فی“ کے ساتھ لایا گیا تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

۲.....نرے غلام (خالص غلام) کے آزاد کرنے کو صدقہ نہیں کہا جاتا، اور جو مال رقبہ کی رقم میں دیا جاتا ہے وہ بھی صدقہ نہیں ہوتا، چونکہ رقبہ (گردن) کو بیچنے والا رقم لیتا ہے، لہٰذا رقبہ کو آزاد کرنے سے صدقہ متحقق نہیں ہوتا۔

اسی طرح صدقہ تملیک کا تقاضا کرتا ہے جبکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا، البتہ غلام رقبہ ہونے سے ساقط ہوجاتا ہے چونکہ وہ اپنے آقا کی ملک میں ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ آزادی کا وقوع آقا کی ملک میں ہوتا ہے وہاں سے منتقل نہیں ہوتی، اسی لئے مولیٰ کے لئے ملک ولاء ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اس کا صدقہ کی طرف سے وقوع جائز نہیں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجت ثابت ہوچکی ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کو ملتا ہے لہٰذا واجب ہوا کہ ولاء کسی اور کو نہ ملے، لہٰذا جب ثابت ہوا کہ ولاء صرف آزاد کرنے والے کو ملے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس سے مراد صرف مکاتبین ہیں۔

۳.....چنانچہ عبدالرحمٰن بن سہل بن حنیف اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مکاتب کی مدد کرتا ہے یا تنگی میں کسی مجاہد کی مدد کرتا ہے یا جہاد فی سبیل اللہ میں کسی مجاہد کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سواء اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔“ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مکاتبین کو صدقہ ان کی مدد کے لئے دیا جائے گا، تاکہ وہ آزادی مکمل کرلیں۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ ”وَفِي الرِّقَابِ“ فرمایا تو اولیٰ یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال غلاموں کی معونت میں دیا جائے یعنی مکاتب کو مال دیا جائے تاکہ وہ اپنی گردن چھڑالے، اس سے غلام خریدنا مراد نہیں چونکہ خریدنے کی صورت میں ثمن (رقم) بائع لیتا ہے، اس میں کوئی قربت اور نیکی نہیں، قربت اور نیکی تو یہ ہے کہ مال براہ راست غلام کو دیا جائے تاکہ وہ خود اپنی گردن غلامی سے چھڑا سکے۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے جبکہ غلام از قسم مکاتب ہو۔ لہٰذا جب غلام مکاتب ہوگا جب وہ زکوٰۃ کا مال لے گا اس مال کا مالک اس کا آقا نہیں بن سکتا، لہٰذا مکاتب کو مال دینا کافی ہوگا۔

۴.....رقبہ یعنی گردن کا آزاد کرنا مولیٰ کے حق کو بغیر تملیک کے رقبہ سے ساقط کردیتا ہے، اس میں آقا کے اذن کی ضرورت نہیں ہوتی،

لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی کے حکم کے بغیر اس کا قرضہ چکا دے، لہٰذا یہ صورت اداء میں کافی نہیں سمجھی جائے گی بلکہ زکوٰۃ دوبارہ دی جائے گی اگر زکوٰۃ کا مال مقروض کو دیا اس نے قرض خواہ کو دیا تو یہ کافی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح جب زکوٰۃ کا مال مکاتب کو دیا تو وہ مالک بن جائے گا اور یہ زکوٰۃ ادائیگی میں کافی ہوگی۔

۵...... حسن بصری، زہری، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ "وَفِي الرِّقَابِ" سے مراد مکاتبین ہیں۔ [1]

۶...... علامہ طبری نے اپنی تفسیر میں محمد بن اسحاق، حسن بن دینار، حسن بصری کی سند سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مکاتب کھڑا ہوا اور کہا: اے امیر! لوگوں کو ترغیب دو تا کہ بدل کتابت میں میری مدد کریں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی اور اس پر اکسایا، دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں نے مال جمع کرنا شروع کیا ایک آتا عمامہ رکھ جاتا، دوسرا آتا چادر پھینک جاتا، تیسرا آتا انگوٹھی اتار کر پھینک جاتا یوں کافی سارا مال جمع ہو گیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مال جمع کرلو۔ مال جمع کیا گیا پھر فروخت کرنے کا حکم دیا، فروخت کرنے میں جو رقم حاصل ہوگئی وہ مکاتب کو دے دی گئی اور جو باقی بچی رقاب میں صرف کردی گی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! یہ مال جو تم لوگوں نے دیا ہے یہ "وَفِي الرِّقَابِ" کے مصرف میں دیا ہے۔

لیکن یہ روایت میرے اندازے کے مطابق مطلق غلاموں کو آزاد کرنے کے مانع نہیں۔

مالکیہ، حنابلہ اور ان کے موافقین کے رجحان کے دلائل...... ان حضرات کے نزدیک "فی الرقاب" سے مراد مطلق غلام (نرا اور خالص غلام) آزاد کرنا مراد ہے اور اپنے موقف پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

۱...... الرقاب (گردنیں) عام ہے خواہ مکاتب کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے یا مزکی خود زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کردے۔ الرقاب مطلق تعبیر ہے اسے اپنے اطلاق پر رکھا جائے گا۔

۲...... اگر یہ مصرف مکاتب کے ساتھ خاص کرلیا جائے تو پھر وہ تو "غارمین" (مقروض) کے مصرف میں داخل ہوگا چونکہ مکاتب بھی ایک طرح سے مقروض ہوتا ہے۔

۳...... عام غلام کا خرید کر آزاد کرنا مکاتب کی اعانت سے افضل ہے چونکہ مکاتب کی بسا اوقات اعانت (مدد) کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود آزاد نہیں ہوتا، چونکہ جب تک مکاتب کے ذمہ ایک درا ہم بھی ہو وہ غلام ہی کے حکم میں ہوتا ہے، چونکہ غلام کو خریدنے کا موقع ہر وقت دستیاب رہتا ہے جبکہ مکاتب کوئی کوئی بنتا ہے۔

۴۔ **راجح رائے......** مذاہب کے دلائل کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے رجحان کی رائے راجح ہے چونکہ "وَفِي الرِّقَابِ" مطلق ہے لہٰذا مطلق کو اپنے اطلاق پر رہنے دیا جائے، جن جن آراء کو میں ترجیح دیتا ہوں وہ ابن عباس، ابن عمر، حسن بصری، زہری، ابوعبید، حنابلہ کا مذہب ہے کہ "وَفِي الرِّقَابِ" کے مصرف میں مکاتبین شامل ہیں اور سبھی قسم کے غلام شامل ہیں، یعنی خالص غلام، چونکہ "وَفِي الرِّقَابِ" مطلق ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رقاب مکاتبین سے عام ہے، لہٰذا زکوٰۃ میں عام گردن کے آزاد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" یہ خوف بھی نہیں کہ مزکی آزاد کرنے سے ولاء کا وارث بن جائے گا چونکہ جسے ولاء ملتی ہے وہ دیت تاوان اور دوسری ہونے والی جنایات کو بھی تو ادا کرتا ہے اگر اسے ولاء ملتی ہے تو اس میں کیا مضائقہ، چونکہ اصول ہے الغنم بالغرم، یعنی جو تاوان دیتا ہے نفع بھی وہی اٹھاتا ہے، جب یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ کا مال میراث میں مزکی کو واپس مل جائے تو سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ولاء اگر مزکی کو ملے تو اس میں کیا حرج ہے۔

---

[1]...... فتح القدیر ۲/۲۶۳۔

یہ رجحان اپنے اندر بہت ساری آراء کو جمع کرتا ہے، یہی رجحان ظاہر اور حق ہے، چونکہ آیت میں دو احتمال میں (۱) مکاتب (۲) رقیق قن یعنی خالص غلام، حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے وہ دلیل ہے کہ فک رقاب عتق (آزادی) نہیں جبکہ عتق (آزادی) اور مکاتبین کی اعانت قربت کے اعمال میں سے ہیں، جو جنت کے قریب لے جاتے ہیں اور دوزخ سے دور کرتے ہیں۔

۵۔اصل تطبیق......مکاتب کی اعانت تاکہ وہ غلامی سے اپنی جان آزاد کرا سکے، اس مصرف کے لئے اصل تطبیق حسب ذیل ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غلام کو قسطوں پر مکاتب بنانے کی ترغیب دی ہے یعنی فلاں مدت تک قسطوں میں غلام اپنے آقا کو مقرر کردہ رقم دیتا ہے اور اپنے آپ کو آزاد کرالیتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ

وہ غلام جو کتابت کے خواہشمند ہوں اور تمہاری ملکیت میں ہوتو انہیں مکاتب بنالو اگر تمہیں انہیں مکاتب بنانے میں بھلائی معلوم ہوتی ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال دیا ہے اس میں سے انہیں دو۔ النور ۲۴/ ۳۳

نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس آیت میں کتابت کا چوتھائی حصہ بیان ہوا ہے۔" نیز "وفی الرقاب" کی تفسیر مکاتبین سے کی گئی ہے، ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آقا کو حکم دیا ہے کہ مکاتب کو اس کے ثمن (قیمت) کا چوتھائی حصہ چھوڑ دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آقا کو ایک قسم کی تعلیم دی گئی ہے کوئی فریضہ نہیں ہے، البتہ اس میں اجر وثواب ہے۔ میں نے مکاتب کی معاونت پر دال بہت ساری احادیث نقل کی ہیں۔ آیت اور احادیث میں آقاؤں کو مکاتب بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ ماضی میں لوگوں نے مکاتب اور غیر مکاتب کی بڑھ چڑھ کر مدد کی ہے تاکہ وہ اپنی گردن کو غلامی سے آزاد کرا سکیں، حتیٰ کہ اگر چہ مکاتب نصاب سے زائد مال کا مالک بھی بن جائے تب بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کی یہی رائے ہے، جبکہ حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ مکاتب کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اس کی قسطوں کی ادائیگی کے لئے کافی ہو، چنانچہ مکاتب کو بایں معنی دیا جائے گا کہ وہ اپنی گردن چھڑانے کے قرض سے مایوس اور عاجز ہو چکا ہے لہٰذا وہ زکوٰۃ کے مال سے اپنی گردن چھڑائے، اگر چہ وہ محنت مزدوری کی قدرت رکھتا ہو۔

تطبیق فعلی......"وَ فِي الرِّقَابِ" کے حصہ کی تطبیق فعلی اور اس حصہ کو مکاتبین میں صرف کرنے میں غالب امکان یوں ہے کہ مکاتبین کو زکوٰۃ کی مد سے نقدی مال یا جنس جیسے اناج، پھل اور مویشی دیا جاتا ہے یا دوسرے صدقات دیئے جاتے ہیں، جیسا کہ سابقہ حدیث جو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک مکاتب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہوا جبکہ آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، مکاتب نے اپنی حاجت پیش کی اور مطالبہ کیا کہ لوگوں کو میری مدد پر اکسایا جائے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی استدعا کا جواب دیا اور لوگوں کو اس کی معاونت کی ترغیب دی چنانچہ لوگوں نے اسے بڑھ چڑھ کر ساز وسامان دیا، پھر مال جمع کیا گیا اور فروخت کیا گیا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مکاتب کو اس کا بدل کتابت دیا اور جو مال بچ رہا دوسرے مکاتبین کے لئے دے دیا، جبکہ ساز وسامان لوگوں کو واپس نہیں کیا۔

دوسروں کی مدد گیری نمایاں وصف ہے، اور یہاں یہی وصف زیر بحث ہے تاکہ مکاتب غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرا سکے اور غلامی کے آثار سے نجات پا سکے، چونکہ اسلام آزادی پر اکساتا ہے، اور غلاموں کو غلامی سے جان چھڑانے کی ترغیب دیتا ہے، چنانچہ تحریر یعنی آزادی

دلوانے کا جب راستہ بند ہوا اور یہی صورت سامنے ہو کہ غلام کا مالک عوض لے کر آزادی کا نفاذ کرے گا یعنی مقررہ قسطیں لے کر غلام کو آزاد کرے گا تو غلام کی مدد کی جائے گی۔ چنانچہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ابوداؤد نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہو وہ اپنی مکاتبت میں بدستور باقی رہتا ہے۔

۶: وہ اقوام جو کافر حکومتوں کے ماتحت ہیں کیا انہیں زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے تا کہ وہ اپنے آپ کو کافروں سے آزاد کرا سکیں؟...... ''الرقاب'' کے متعلق شرعی اصطلاح واضح ہے کہ اس سے مراد عبودیت (غلامی) سے غلاموں کو نجات دلانا ہے برابر ہے کہ غلامی کی جکڑن میں ایک فرد ہو یا جماعت ہو، رہی بات نوآبادی یا سامراجی نظام کی جو ایک غیر شرعی صورت ہے تو اس پر استرقاق اور معروف غلامی کا مفہوم منطبق نہیں ہوتا، یہ کہنا مشکل ہے کہ نوآبادی غلامی کے مترادف ہے، یہ کہنا بھی بعید ہے کہ نوآباد اقوام کو ''الرقاب'' کا حصہ دیا جائے تا کہ وہ استعماریت سے اپنے آپ کو آزاد کرا سکیں۔

البتہ سید شیخ رشید رضا کی رائے میں نوآباد اقوام کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔ تا کہ غلامی کی جکڑن سے آزاد ہو سکیں اور اسلام کی طرف واپس لوٹ آئیں، بلکہ جب عالم دنیا سے غلامی کو معطل کر دیا گیا ہے تو اس وقت ''وَفِي الرِّقَابِ'' کا مصرف معدوم ہو چکا اور غیروں نے جو کچھ دارالاسلام سے لوٹ لیا اسے واپس لانا اہم تقاضا ہے۔ ہمارے استاذ مرحوم شیخ محمود شلتوت نے اپنی کتاب ''الاسلام عقیدۃ وشریعۃ'' میں اسی رائے کی اتباع کی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے چنگل اور غلامی سے نکالنا مقصود ہے، زکوٰۃ کا جو مال دیا جاتا ہے وہ یا تو عشر ہوتا ہے یا ربع عشر ہوتا ہے جو حاجت اصلیہ سے فاضل ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے ''الرقاب'' کے مدلول کے فہم میں توسع سامنے آتا ہے اور اس کلمہ کی توجیہ میں ایک مجاز ہے جیسے نوپید نظام جو شرعاً اور عقلاً معروف غلامی سے مختلف ہے، لہٰذا استعماریت کا شکار بننے والے لوگ غلامی کے حکم میں نہیں آتے ہاں البتہ ایسے مغلوب مسلمانوں کی کسی اور طرح سے مدد کی جائے۔

مظلوم قومیں یا نوآبادیاں یا وہ اقوام جن کی سرزمین قوت اور ظلم سے غصب کر لی گئی ہو تو ان مسلمانوں کی مدد ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف سے کی جاسکتی ہے، البتہ ان کی مدد بقدر محدود ہو، ہاں دوسرے صدقات سے انہیں دل کھول کر دیا جاسکتا ہے، حکومت کے اموال سے ان کی مدد کی جائے اور زکوٰۃ کے علاوہ چندے کر کے ان کی مدد کی جائے۔

خاتمہ بحث...... مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''وَفِي الرِّقَابِ'' جو زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے یہ مطلق ہے لہٰذا عام غلاموں (جو خالص غلام ہوں) کو آزاد کرنا بھی اس میں شامل ہے اور مکاتبین کی معاونت تا کہ وہ اپنی جان کو غلامی سے نجات دلا سکیں بھی اس میں شامل ہے اسی طرح کفار کے ممالک میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مسلمانوں کو رہا کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

اب جبکہ غلامی کا سلسلہ دنیا سے بحمد اللہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا زکوٰۃ کے ایک حصہ کو مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لئے صرف کرنا جائز ہے، چنانچہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے چونکہ اس میں قید وبند سے گردن کو نجات دلانا ہے۔

اسی طرح ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف سے نوآبادیاتی کی چکی میں پسنے والے مسلمانوں کو زکوٰۃ کا حصہ دینا بھی جائز ہے تا کہ جہاد کے ذریعے وہ ظالم حکومتوں کی نجاست سے اپنے آپ کو نجات دلا سکیں اور نوآبادیاتی کی ہلاکتوں اور ظلمتوں سے اپنی جان چھڑا سکیں۔

کلمۃ توفیق از مترجم...... زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کے متعلق تفصیلات وضاحت کے ساتھ مذکور ہو چکی ہیں ان میں چار مصارف عام ہیں، یعنی فقراء، مساکین، غارمین اور ابن سبیل، جبکہ بقیہ چار مصارف کی مطلوبہ مصداق کمیاب بلکہ معدوم ہے، لہٰذا عصر حاضر کے تقاضا کو سامنے رکھتے ہوئے ''فی

سبیل اللہ'' کا بہترین مصرف مدارس میں پڑھنے والے طلباء ہیں، اور وہ مجاہدین ہیں جو غاصب اور ظالم حکومتوں کے خلاف برسرپیکار ہیں جیسے فلسطین مجاہدین، افغانستان کے مجاہدین، کشمیر اور چیچنیا کے مجاہدین ''وَفِي الرِّقَابِ'' کے مصرف کا حصہ قیدیوں کے چھڑانے میں صرف کیا جائے اگرچہ ہمارا مذاہب اور فتویٰ دوسرا ہے لیکن حالات اس بھلائی کے متقاضی ہیں، چنانچہ دنیائے کفر کی مختلف جیلوں میں بے شمار مسلمان قید و بند کی صعوبتیں برداشت کررہے ہیں جیسے گوانتاناموبے کی بدنام زمانہ جیل میں بے شمار مجاہدین اسلام بند پڑے ہیں، ہندوستان کی جیلوں میں اکثر کشمیری مجاہدین گل سڑ رہے ہیں اگر ان کی جان بچانے کے لئے اس مصرف سے مدد لی جائے یقیناً اس کے دور اس اثرات نمایاں طور پر دیکھنے میں ملیں گے، تقریباً دوسرے مذاہب پر فتویٰ دینے کے اسباب یہاں موجود ہیں چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ ابن حبیب اور ابن عبدالحکم تو جرفا کہہ رہے ہیں کہ نچہ کفار میں پڑے ہوئے مسلمان قیدیوں کو رہا کرنا مکاتبین اور عام غلاموں کے آزاد کرنے سے افضل بلکہ بہت افضل اور بے مثال زبردست کار خیر ہے ایک مسلمان وہ بھی مجاہد کی جان بچانا...... یہ فتویٰ یا تبدیل مذہب نہیں ایک مشورہ ہے ایک رائے ہے جسے اپنانے کی سخت ضرورت ہے۔

مؤلفۃ قلوب کے مصرف کے متعلق احناف کا مذہب نسخ کا ہے، اب دنیا میں اسلام بڑے شوق سے قبول کیا جارہا ہے اس عمل کو مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے، ہم اہل کشمیر تالیف قلب کے تجربہ سے گزرے ہیں لوگ عیسائی بلکہ کٹر عیسائی این جی روز کی مدح میں رطب اللسان رہتے ہیں یقیناً تالیف قلب کا بننے اور بگاڑنے میں بڑا اثر ہے اگر اس مصرف کے حصے کا مال غیر مسلم ممالک میں جانے والی تبلیغی جماعات کو نومسلم اور کمزور مسلمانوں کی تالیف قلب کے لئے دیا جائے تو اس کے دوررس نتائج سامنے آئیں گے۔ عاملین کے مصرف میں مسلم اقوام خود ایسی اسلامی تنظیمیں بنائے جو اس محکمہ کا احیاء کرسکیں اور شرعی طور پر زکوٰۃ کی وصل اور تقسیم عمل میں آئے۔ واللہ اعلم

دوسری فصل......صدقہ فطر

اس فصل میں پانچ مباحث ہیں۔

۱......صدقہ فطر کی مشروعیت، اس کا حکم اور صدقہ فطر کا مامور کون ہے؟

۲......صدقۂ فطر کے وجوب کا وقت، پیشگی یا تاخیر سے صدقہ فطر دینے کا حکم۔

۳......صدقۂ فطر کی جنس واجب، واجب کی صفت اور اس کی مقدار۔

۴......صدقہ فطر کے مستحبات اور مباحات۔

۵......صدقۂ فطر کا مصرف یا صدقۂ فطر کون لے گا؟

پہلی بحث......صدقہ فطر کی مشروعیت، اس کا حکم اور اس کا مامور کون ہے

صدقہ فطر شعبان ۲ھ میں مشروع ہوا، اسی سال زکوٰۃ سے پہلے رمضان کے روزے بھی فرض ہوئے، صدقہ فطر کے وجوب کے دلائل احادیث ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ ❶

۱: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت...... ابن ماجہ کے سوا ایک بڑی جماعت نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر رمضان کا صدقۂ فطر فرض کیا ہے، جس کی مقدار یہ ہے چھوہاروں کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع، ہر شخص پر لازم ہے خواہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت جو کہ مسلمان ہو۔''

صاع...... صاع ایک پیمانہ ہے جو پیالے کی مانند ہوتا ہے، چنانچہ مصر کے حالیہ پیمانے کے مطابق ایک صاع = ایک قدح + ایک

❶ چونکہ صدقہ فطر روزے رکھنے پر واجب ہوتا ہے یعنی رمضان کے ساتھ مشروط ہے، اس لئے صدقہ فطر کی مشروعیت روزوں کے ساتھ ساتھ ہے۔

تہائی قدح۔جبکہ قدیم پیمانہ میں صاع دو قدح کے برابر ہے، یا ایک صاع = دمشقی مد کے آٹھویں حصہ کے برابر ہے۔چنانچہ ناپ تول میں یہی مشہور ہے، جو کہ ۲۷۵۱ گرام کے برابر ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک ۳۸۰۰ گرام کے برابر ہے۔ (۱)

حدیث میں صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے لئے مسلمان ہونے کی شرط لگائی گئی ہے لہٰذا کافر پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا۔

۲: **حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث**......جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے تو ہم صدقہ فطر نکالتے تھے، جس کی مقدار یہ تھی، ایک صاع اناج (غلہ) سے یا ایک صاع جو سے، یا ایک صاع کشمش کا یا ایک صاع پنیر کا، جس طرح میں پہلے یہی مقدار نکالتا رہا ہوں جب تک زندہ ہوں گا یہی مقدار دیتا رہوں گا، (۲) حدیث میں اناج سے مراد گیہوں ہے۔

۳: **ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث**......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر روزہ دار کے لئے فرض کیا ہے تاکہ لغو اور فضول گوئی سے پاک ہو جائے مسکینوں کو کھانے کے طور پر دیا جائے سو جو شخص نماز (عید) سے پہلے ادا کرے تو یہ مقبول زکوٰۃ ہوگی، اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے تو یہ اس کے صدقات میں سے ایک صدقہ ہوگا۔ (۳)

اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ صدقۂ فطر کا مصرف مساکین ہیں اور زکوٰۃ کے دوسرے مصارف صدقۂ فطر کے مصارف نہیں۔

۴: **عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث**......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے خطاب کیا اور ارشاد فرمایا: گندم کا ایک صاع دو یا جو کا ایک صاع دو یا چھوہاروں کا ایک صاع دو ہر آزاد، غلام، چھوٹے اور بڑے کی طرف سے دو۔ (۴)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع ہے خواہ گندم دی جائے، جو یا کھجوریں۔بعض فقہاء نے ان احادیث کی دوسری احادیث جن میں نصف صاع گندم کا تذکرہ ہے سے تخصیص کی ہے، ان احادیث میں سے، ایک حدیث ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے جسے حاکم نے روایت کیا ہے کہ صدقہ فطر گندم کے دو مد ہیں۔اسی جیسی ایک روایت ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ان کے علاوہ بھی بیشتر احادیث ہیں۔ (۵)

صدقۂ فطر کی حکمت......شارع نے صدقہ فطر اس لئے واجب کیا ہے تاکہ روزہ میں رہ جانے والی نقص کا جبیرہ ہو جائے۔اور عید کے دن فقراء دست سوال پھیلانے سے بچے رہیں، چنانچہ وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ماہ رمضان کے بعد صدقۂ فطر ایسا ہی ہے۔ جیسے سجدہ سہو نماز کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ صدقہ فطر روزے کی کمی کو پورا کر دیتا ہے جس طرح سجدہ سہو نماز کے نقص کو پورا کر دیتا ہے۔

ایک حدیث بھی ہے کہ فقراء کو عید کے دن گھومنے سے لاپرواہ کر دو۔ (۶) یعنی عید کے دن فقراء کو سوال کرنے سے بے نیاز کر دو۔

صدقہ فطر کا حکم......صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو اس کے وقت پر قدرت رکھتا ہو، دلیل مذکورہ بالا احادیث ہیں ان میں امر کے صیغے لائے گئے ہیں اور امر وجوب کے لئے آتا ہے (۷) چنانچہ ابن منذر کہتے ہیں:

اہل علم جن سے ہم نے علم حاصل کیا ان سب کا صدقہ فطر کے فرض ہونے پر اجماع ہے، اسحاق کہتے ہیں: گویا یہ اہل علم کا اجماع ہے۔

---

(۱)......اوزان شرعیہ میں علمائے ہند کا تھوڑا اختلاف ہے تاہم معتمد تحقیق کے مطابق ایک صاع جو تقریباً ۲۵۰۰ گرام کے برابر ہے نصف صاع گیہوں ۲۴۹،۲ کلوگرام کے برابر ہے۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے احسن الفتاویٰ ۴/۳۸۵۔ (۲) رواہ الجماعۃ (نیل الاوطار ۴/۱۷۹) (۳) رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔ (۴) اخرجہ عبدالرزاق ورواہ ابوداؤد وغیرہ عن الزہری عن وجوہ (نصب الرایۃ ۲/۴۰۲) (۵) دیکھئے نیل الاوطار ۴/۱۸۳۔ (۶) رواہ الدارقطنی وابن عدی والحاکم فی علوم الحدیث عن ابن عمر۔ (۷) دیکھئے الدر المختار ۲/۹۸، الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۸۹۔الشرح الصغیر ۱/۶۷۲، بدایۃ المجتہد ۱/۲۶۹ مغنی المحتاج ۱/۴۰۲ المہذب ۱/۱۶۳ المغنی ۳/۵۵۔

بعض حنفیہ..... کہتے ہیں: واجبات اسلام سات ہیں، صدقہ فطر، ذی رحم محرم کا نفقہ، وتر، قربانی، عمرہ، والدین کی خدمت اور بیوی کی اپنے خاوند کی خدمت کرنا۔ ❶ مطلب یہ ہے کہ یہ سات واجبات اسلام میں سے ہیں۔ ورنہ ان کے علاوہ اور بھی واجبات ہیں جیسے باجماعت نماز اور عیدین وغیرہ۔

ماموربھا..... حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر کا مامور (یاوہ شخص جس پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے وہ) ہر آزاد مسلمان ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، عاقل ہو یا مجنون۔ بشرطیکہ جب نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو (خواہ مال جونسا بھی ہو) جو حاجت اصلیہ سے فاضل ہو، (یعنی رہائش، پہننے کے کپڑے، گھریلو اثاثہ، گھر کا ساز وسامان، گھوڑا، اسلحہ، خادم، اہل وعیال کی ضروریات کا سامان یا دینی سامان مثلاً کتابیں۔) ❷

جب باپ مرجائے اور دادا زندہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے بیٹے کی اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے یعنی پوتوں کی صدقہ فطر دے بیٹی کی اولاد یعنی نواسوں کا صدقہ فطر اس پر واجب نہیں۔ بشرطیکہ پوتے فقراء ہوں۔ ❸

صدقہ فطر کے وجوب کے لئے تین چیزیں شرط ہیں۔ ❹ (۱) اسلام (۲) آزاد ہونا (۳) نصاب کا مالک ہونا جو نصاب حاجت اصلیہ سے فاضل ہو، پہلی اور دوسری شرط کی دلیل وہ احادیث ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔

اور ملک نصاب کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "لاصدقة الا عن ظهر غنى" ❺ یعنی صدقہ وہی ہوتا ہے جو مالداری میں دیا جائے۔ نصاب کی قید اس لئے ہے چونکہ شریعت نے اسی کا اعتبار کیا ہے اور جو حاجت اصلیہ کا مستحق ہو وہ کالمعدوم ہے۔

کن کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے..... جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہو وہ اپنی طرف سے اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے اولاد میں جو کم عقل ہوں یا مجنون ہوں بشرطیکہ وہ فقراء ہوں تو ان سب کی طرف سے فطرانہ دے، اپنی خدمت کے لئے جو غلام رکھے ہوں ان کی طرف سے فطرانہ دے، جو تجارت کے لئے ہوں ان کی طرف سے مالک پر واجب نہیں، مسلمان مولیٰ اپنے کافر غلام کی طرف سے دے گا، چونکہ سبب اس کے حق میں بھی متحقق ہو چکا ہے، مولیٰ اہل وجوب میں سے ہے۔

وہ افراد جن کا صدقہ فطر دوسرے پر واجب نہیں..... آدمی پر اس کے ماں باپ کا صدقہ فطر واجب نہیں اگر چہ وہ اس کے عیال میں ہوں چونکہ والدین پر ولایت نہیں ہوتی، جیسے بڑی اولاد پر ولایت نہیں ہوتی۔ اپنے چھوٹے بھائیوں کی طرف سے دینا واجب نہیں، اپنے قریبی رشتہ داروں کا فطرانہ واجب نہیں اگر چہ وہ اس کے عیال میں ہوں۔ البتہ آدمی اپنی بیوی چھوٹی اولاد بشرطیکہ اس کے عیال میں ہوں کی طرف سے صدقہ فطر دے سکتا ہے، اور اگر بیوی اور اولاد کے حکم کے بغیر ان کی طرف سے صدقہ فطر دے دیا تو استحساناً جائز ہے۔ ❻

بیوی کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں چونکہ بیوی پر ولایت ناقص ہوتی ہے اور مونت (مشقت) بھی ناقص ہے، چونکہ خاوند بیوی کی صرف ازدواجی حقوق کا متولی ہوتا ہے، گھریلو اخراجات کے علاوہ دیگر خرچہ برداشت کرنا خاوند کی ذمہ داری ہیں، جیسے علاج وغیرہ کا خرچہ۔ حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں اصل وجہ ہے کہ صدقہ فطر کا دارومدار دو چیزوں پر ہے (۱) ولایت (۲) مونت (شفقت خرچہ) لہٰذا آدمی کے ذمہ جس شخص کا خرچہ اور مونت واجب ہو اور اس پر آدمی کو ولایت بھی ہو تو اس کا صدقہ فطر دینا اس پر واجب ہوگا جہاں ایک شرط یا دونوں

---

❶ ..... الدر المختار ۱۰۹/۲ ❷ ٹیلی ویژن وغیرہ آلات لہولعب کا شمار ضروریات اصلیہ میں نہیں ہوتا۔ ❸ الکتاب مع اللباب ۱۵۹/۱ ردا الدر المختار ۹۹/۲۔ ❹ فتح القدیر ۲۹/۲ الدر المختار ۹۹/۲ الفتاویٰ الھندیہ ۱۷۹/۱۔ ❺ رواہ احمد فی مسندہ عن ابی ھریرۃ۔ ❻ قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ فطرانہ صحیح نہ ہو چونکہ بیوی پر مستقلاً صدقہ فطر واجب ہے اور اس نے خاوند کو ادا کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن بھلائی کی خاطر قیاس چھوڑ دیا گیا ہے۔

مفقود ہوں وہاں صدقہ فطر بھی واجب نہیں۔

جمہور...... جمہور کے نزدیک صدقہ فطر ہر شخص پر واجب ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مسلمان ہوں، جیسے حنفیہ کہتے ہیں۔ کافر پر صدقہ فطر واجب نہیں، البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک آدمی کے کافر غلام کا صدقہ فطر واجب ہے، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک رقیق (غلام) پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ نہ اس کی اپنی ذات کا نہ کسی اور کا۔ چونکہ اسے ملک حاصل نہیں ہوتی، ❶ جبکہ حنابلہ کے نزدیک غلام پر صدقہ فطر واجب ہے، چونکہ سابق میں حدیث گزر چکی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ہر آزاد غلام مرد اور عورت پر صدقہ فطر فرض کیا ہے، اس حدیث میں عموم ہے۔

جمہور کے نزدیک جو شخص عید کی رات اور عید کے دن اپنے اور اپنے عیال (جن کا خرچہ اس پر واجب ہو) کے کھانے اور نفقہ کا مالک ہو اس پر صدقہ فطر واجب ہے، جبکہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک ملک نصاب شرط ہے، جو شخص اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے زائد اشیاء کا مالک ہو اس پر صدقہ فطر واجب ہے ضرورت کی اشیاء مثلاً رہائش، سواری، پہننے کے کپڑے وغیرہ، حتیٰ کہ مالکیہ کے نزدیک جو شخص قرضہ لے کر صدقہ فطر دے سکتا ہے اور بعد میں قرضہ چکانے کی اسے امید ہو تو وہ بھی صدقۂ فطر دے چونکہ حکماً وہ بھی قادر ہے۔ گویا جمہور کے نزدیک صدقہ فطر کے وجوب کے لئے نصاب شرط نہیں۔

جس شخص پر صدقۂ فطر لازم ہوتا ہو اس پر اس کے ان قریبی رشتہ داروں کا صدقہ فطر بھی لازم ہو جن کا نفقہ (خرچہ) اس پر لازم ہوتا ہو جیسے فقراً والدین، بیوی، غلام وغیرہ بشرطیکہ مسلمان ہوں، اور صدقہ فطر کا سامان پاتا ہو۔ چنانچہ صحیح مسلم کے روایت ہے۔ ''مسلم پر اس کے غلام کا صدقہ واجب نہیں ہاں البتہ صدقہ فطر واجب ہے۔'' غلام پر باقی رشتہ داروں کو قیاس کرلیا گیا ہے اگر قریبی رشتہ دار، بیوی غلام کافر ہوں تو ان کا صدقہ فطر آدمی پر واجب نہیں ہوگا، چونکہ حدیث میں ''عن المسلمین'' کی قید ہے، کافر غلام میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔

باپ پر اولاد کا صدقہ فطر اس وقت تک واجب رہتا ہے جب تک اولاد بالغ نہ ہوئی ہو۔ مالکیہ کے نزدیک لڑکیوں کا صدقہ فطر والد پر واجب رہتا ہے حتیٰ کہ لڑکیوں کی رخصتی ہو جائے، حنابلہ کہتے ہیں اگر چھوٹے بچے کے پاس مال ہو اور اس پر قریبی رشتہ داروں کا خرچہ واجب ہو تو صدقہ فطر بھی اس پر واجب ہوگا البتہ اس کی طرف سے اس کا باپ صدقہ فطر نکالے گا چونکہ وہ اس کا متولی ہوتا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسی حکم میں فقیر باپ کی بیوی اور اس کا خادم بھی شامل ہے بیوی کے خادم کا نفقہ اگر واجب ہوتا ہو تو اس کا صدقہ فطر بھی واجب ہوگا۔ چونکہ صدقہ فطر نفقہ کے تابع ہے چونکہ دارقطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھوٹے، بڑے، آزاد غلام جن کے اخراجات تم برداشت کرتے ہو کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔'' اس حدیث میں عموم ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں۔ بیٹے پر باپ کی بیوی کا صدقہ فطر واجب نہیں (یعنی سوتیلی ماں کا صدقہ فطر واجب نہیں) اگرچہ سوتیلی ماں کا خرچہ بیٹے پر واجب ہوتا ہے۔ چونکہ باپ جب تنگدست ہو جاتا ہے تو اس کے اخراجات بیٹے ہی کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اور وہ نفقہ ہوتا ہے لیکن تنگدستی کی حالت میں صدقہ فطر لازم نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص نے اپنے چھوٹے مالدار بیٹے کی طرف سے صدقہ فطر نکالا تو یہ جائز ہے یہ ایسا ہے ہی جیسے کسی اجنبی کے حکم سے صدقہ فطر دے دے، رہی بات بڑے بیٹے کی سو اس کا حکم ضروری ہے، وہ لوگ جن کا فطرانہ دوسروں پر واجب ہو جیسے بیوی تو ان کے اذن (اجازت کے حکم) کے بغیر ہی ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں برابر ہے کہ وہ حاضر ہو یا غائب بشرطیکہ اس کی زندگی کا علم ہو۔

---

❶ ..... الشرح الكبير ١/ ٥٠٩ مغني المحتاج ١/ ٤٠٢ المغني ٢/ ٦٩۔

قدرت ممکنہ یا قدرت میسرہ سے حنفیہ کے نزدیک فطرانہ واجب ہوگا؟

قدرت ممکنہ.....وہ ہوتی ہے جو فعل پر محض امکانی حد تک ہو جس سے مامور ادا ہو جائے اس میں بقائے وجوب کے لئے اس کی بقاء شرط نہیں۔

قدرت میسرۃ.....وہ ہوتی ہے جس سے آسانی اور سہولت کے ساتھ اداء وجود میں آجائے اس میں وجوب کی بقاء کے لئے اس قدرت کا باقی رہنا شرط ہے۔[1]

حنفیہ.....حنفیہ کہتے ہیں: صدقہ فطر، قربانی اور قریبی رشتہ داروں کا نفقہ راجح قول کے مطابق قدرت ممکنہ کے ساتھ واجب ہوتی ہے، اس قدرت کا باقی رہنا شرط نہیں، وہ قدرت یہاں نصاب شرعی ہے، لہٰذا نصاب بقاء وجوب کے لئے شرط نہیں۔ چونکہ یہ شرط محض ہے، یہ مذکورات قدرت میسرہ سے واجب نہیں ہوتے۔

چنانچہ مال ہلاک ہو جانے سے صدقہ فطر اور حج ساقط نہیں ہوتے واجب ہونے کے بعد، چنانچہ اگر عید الفطر کی فجر کے بعد مال ہلاک ہوگیا تو فطرانہ ساقط نہیں ہوگا، بخلاف زکوٰۃ، عشر اور خراج کے کہ واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہوگیا تو زکوٰۃ عشر وغیرہ واجب ہوگا۔ چونکہ قدرت میسرہ میں بقاء شرط ہے اور وہ وصف نما ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ فطرانہ، کفارہ، نذر وغیرہ واجب ہونے کے بعد مر گیا تو اس کے ترکہ سے زکوٰۃ فطرانہ وغیرہا نہیں لیا جائے گا ہاں البتہ ورثاء تبرعاً دے دیں تو جائز ہے بشرطیکہ ورثاء تبرع کے اہل ہوں، اگر زکوٰۃ اور فطرانہ دینے سے انکار کریں تو زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اگر میت نے زکوٰۃ وغیرہ کی وصیت کی ہو تو تہائی مال میں وصیت نافذ العمل ہوگی۔[2]

جمہور.....کہتے ہیں اگر کوئی شخص مر گیا دراں حالیکہ اس پر فطرانہ واجب ہوا اور وہ ادا کرنے سے پہلے مر گیا، تو فطرانہ اس کے ترکہ سے نکالا جائے گا، چونکہ جب اللہ کا حق اور بندے کا حق محل واحد کے ساتھ متعلق ہو جائیں اور وہ دونوں قسم کے حقوق ذمہ میں ہوں یا عین کی شکل میں ہوں تو ادائیگی میں دونوں حقوق برابر ہوں گے، یعنی زکوٰۃ حق مال ہے اور حالت حیات میں لازم ہوتا ہے لہٰذا موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا، جیسے کسی دوسرے آدمی کا دین ساقط نہیں ہوتا، میرے نزدیک یہی راجح ہے۔

دوسری بحث.....فطرانہ واجب ہونے کا وقت، فطرانہ پیشگی یا تاخیر سے دینے کا حکم

فطرانہ کے وجوب کے وقت کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ.....کہتے ہیں صدقۂ فطر عید الفطر کے دن طلوع فجر کے وقت واجب ہوتا ہے چونکہ صدقہ کی فطر کی طرف اضافت کی گئی ہے (یعنی صدقۃ الفطر میں صدقہ مضاف ہے اور الفطر مضاف الیہ ہے، یعنی صدقہ کی فطر کی طرف اضافت کی گئی ہے) اور یہ اضافت اختصاص کی ہے جبکہ فطر (افطار کرنا) دن کے ساتھ خاص ہے رات کے ساتھ نہیں، چونکہ فطر، روزہ کی ضد ہے۔ (فطر کا معنی ہے کھانا، روزہ نہ رکھنا) چونکہ روزہ دن کے وقت ہوتا ہے رات کے وقت نہیں، چونکہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، لہٰذا جو شخص طلوع فجر سے قبل مر گیا اس کا فطرانہ واجب نہیں اور جو شخص طلوع فجر کے بعد اسلام لائے یا کوئی بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہو تو ان کا فطرانہ بھی واجب نہیں۔

[1].....قدرت ممکنہ وہ ادنیٰ قدرت جس سے بغیر کسی حرج کے مامور بہ ادا ہو، قدرت میسرہ وہ ہے جو بآسانی مامور کی اداء کو بندے پر واجب کرے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۱۳۳ والتعریفات ۱۲۲۔ [2] اسی پر فتویٰ ہے دیکھئے الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۲/ ۹۹ الفتاویٰ الھندیۃ ۱/ ۱۸۲۔

صدقہ فطر پیشگی دینا بھی جائز ہے اور تاخیر سے دینا بھی جائز ہے، چنانچہ رمضان داخل ہونے کے بعد وقت وجوب سے پہلے یعنی عیدالفطر سے پہلے صدقہ فطر دینا جائز ہے اور عیدالفطر سے موخر کر کے دینا بھی جائز ہے، پیشگی دینا اس لئے جائز ہے چونکہ وجوب کا سبب (روزہ) موجود ہے، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے وجوب زکوٰۃ کے بعد اداء کر دی جائے، اس میں ایک وقت اور دوسرے وقت کی کوئی تفصیل نہیں۔ تاخیر سے ادا کرنا اس لئے جائز ہے چونکہ صدقہ فطر قربت (نیکی) مالی ہے جو معناً معقول ہے لہٰذا تاخیر سے ساقط نہیں ہوگا۔

خلاصہ.....صدقہ فطر پیشگی دینا جائز ہے، اگر عیدالفطر سے موخر کیا تو ساقط نہیں ہوگا، ظاہر الروایہ ہے کہ رمضان سے قبل بھی صدقہ فطر دینا جائز ہے لیکن مفتی بہ قول میں دخول رمضان شرط ہے لہٰذا رمضان سے پہلے دینا جائز نہیں۔ ❶

جمہور.....کہتے ہیں: عیدالفطر کی رات جونہی سورج غروب ہوا صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے، چونکہ گذشتہ مذکورہ احادیث میں ''صدقہ'' کی ''فطر'' کی طرف اضافت کی گئی ہے لہٰذا ''فطر'' کے وجود میں آتے ہی صدقہ کا وجوب ہو جائے گا، چونکہ اضافت اختصاص کا تقاضا کرتی ہے اور عیدالفطر کی رات جب سورج غروب ہوتا ہے اس کے بعد روزہ نہیں ہوتا اور غروب آفتاب سے روزہ ختم ہو جاتا ہے۔ ❷

سبب اختلاف.....جمہور اور حنفیہ کے درمیان اختلاف کا سبب یہ ہے۔ ''کیا صدقہ فطر کی عبادت عید کے دن کے ساتھ متعلق ہے یا ماہ رمضان کے خروج اور خاتمہ کے ساتھ متعلق ہے، چونکہ عید کی رات ماہ رمضان کا حصہ نہیں۔

ثمرہ اختلاف.....لہٰذا جو شخص غروب آفتاب کے بعد مر گیا اس پر صدقہ فطر واجب ہے، جو کہ غروب کے بعد پیدا ہوا یا کسی نے اسلام قبول کیا یا کوئی شخص غروب آفتاب کے بعد بوقت وجوب تنگدست تھا بعد میں مالدار ہوا تو جمہور کے نزدیک اس پر صدقہ فطر واجب نہیں چونکہ سبب وجوب معدوم ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہوگا۔ جمہور کے نزدیک وجوب کے بعد صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا موت کی وجہ سے نہ کسی اور وجہ سے اس کے ذمہ میں واجب باقی رہے گا حتیٰ کہ ادا کر کے بری الذمہ ہو جائے۔

فطرانہ پیشگی دینا.....شافعیہ کے نزدیک پیشگی صدقہ فطر دینا جائز ہے یعنی یکم رمضان کے بعد تیس رمضان کے غروب آفتاب تک صدقہ فطر پیشگی دینا جائز ہے۔ چونکہ یہ دو سببوں سے واجب ہوتا ہے۔

(۱) ایک سبب ماہ رمضان کا روزہ (۲) دوسرا سبب رمضان کے بعد فطر (افطار) لہٰذا جب ایک سبب پایا جائے گا تو اس کا دوسرے پر مقدم کرنا جائز ہے، جیسے ملک نصاب کے بعد مال کی زکوٰۃ، یا سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا، البتہ ماہ رمضان سے پہلے دینا جائز نہیں، چونکہ اس صورت میں دونوں اسباب سے تقدیم لازم آتی ہے، جس طرح نصاب اور سال پورا ہونے سے قبل زکوٰۃ نکالنا جائز نہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عید سے ایک یا دو دن قبل صدقہ فطر دینا جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں۔ چونکہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام عیدالفطر سے ایک یا دو دن پہلے صدقہ فطر دے دیتے تھے ❸ اس سے اکثر دن پہلے اگر دیا تو کافی نہیں ہوگا (دوبارہ دیا جائے گا) چونکہ اس صورت میں اغناء (دوسرے کو بے نیاز کرنا) جو مامور بہ ہے وہ فوت ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیدالفطر کے دن فقراء کو دست سوال پھیلانے سے بے نیاز کر دو۔ ❹

صدقہ فطر کو عید سے موخر کرنا

شافعیہ.....مستحب یہ ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے، یعنی عیدالفطر سے موخر نہ کیا جائے، چونکہ صحیحین میں عیدگاہ کی

❶.....تبیین الحقائق ۱/۳۱۰ الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۷۹ فتح القدیر ۲/۴۱ الدر المختار ۲/۱۰۶۔ ❷ دیکھئے بدایة المجتهد ۱/۲۷۳ القوانین الفقهیة ص ۱۱۲، الشرح الصغیر ۱/۶۷۷ المغنی ۳/۶۷ المهذب ۱/۱۶۵۔ ❸رواه البخاری۔ ❹رواه الدارقطنی۔

طرف جانے سے پہلے پہلے ادائیگی کا حکم ہے۔ اگر عید پڑھنے سے پہلے نہیں دے سکا تو شروع دن میں دے دیا جائے تاکہ مستحقین بھی فراخی دیکھیں، بلا عذر عید کے دن کے بعد تاخیر کرنا حرام ہے، معقول عذر جیسے مال گم گیا یا مستحقین دستیاب نہیں اس کی وجہ سے تاخیر ہوئی تو حرام نہیں۔ چونکہ بلا عذر تاخیر میں وجہ مقصود فوت ہو جاتی ہے۔

مقصود......خوشی کے دن فقراء کو ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز کرنا ہے، اگر بلا عذر تاخیر کی تو نافرمانی کی اور قضاء واجب ہے، قدرت کے بعد زکوٰۃ ادا نہیں کی بلکہ تاخیر کی تو پھر بھی ادا ہوگی جبکہ صدقہ فطر تاخیر کے بعد دیا تو قضا ہوگا ان دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ فطرانہ کا محدود وقت ہے جیسے نماز جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت میں توسع ہے۔

حنابلہ......کا مؤقف بھی شافعیہ جیسا ہے تاہم حنابلہ کہتے ہیں صدقہ فطر کا آخری وقت عید الفطر کے دن غروب آفتاب کا وقت ہے۔ چونکہ اوپر حدیث گذر چکی ہے "کہ فقراء کو اس دن مانگنے سے بے نیاز کردو۔" اگر عید کے دن کے بعد بھی تاخیر کی تو گناہگار ہوگا چونکہ واجب کو وقت سے مؤخر کرنا لازم آتا ہے، اور اس میں امر (حکم) کی مخالفت ہے۔ اس پر قضاء واجب ہے۔

چونکہ صدقہ فطر عبادت ہے، لہٰذا وقت نکل جانے سے ساقط نہیں ہوتا، جیسے نماز وقت نکلنے سے ساقط نہیں ہوتی، افضل یہ ہے کہ عید کے دن عید کی نماز سے پہلے پہلے دے دیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں......عید الفطر کے دن عید پڑھنے کے بعد بھی فطرانہ نکالنا جائز ہے وقت گزر جانے سے فطرانہ ساقط نہیں ہوتا، بلکہ ذمہ میں باقی رہتا ہے حتیٰ کہ ادا کر کے بری الذمہ ہوتا ہے۔ جیسے اس کے علاوہ دیگر فرائض اگر باوجود قدرت کے عید الفطر کے بعد بھی مؤخر کیا تو گناہگار ہوگا۔ اگر تنگدستی میں فطرانہ کا وقت گزر گیا تو ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

تیسری بحث......واجب کی جنس، اس کی کیفیت اور مقدار

حنفیہ......کہتے ہیں: صدقہ فطر چار اشیاء سے دینا واجب ہے۔ گیہوں، جو، چھوہارے اور کشمش، صدقہ فطر کی مقدار یہ ہے کہ گیہوں کا نصف صاع، یا جو، چھوہارے اور کشمش کا ایک صاع دیا جائے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صاع آٹھ عراقی رطل کے برابر ہے، اور ایک عراقی رطل ۱۳۰ (ایک سوتیس) درہم کے برابر ہے، جو کہ موجودہ اوزان کے مطابق ۳۸۰۰ گرام کے برابر ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد سے وضو کرتے تھے جو دو رطل کے برابر ہوتا تھا، ❶ اور ایک صاع جو کہ آٹھ رطل کے برابر ہوتا اس سے غسل فرماتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاع بھی ایسا ہی تھا، یہ صاع ہاشمی صاع سے چھوٹا ہے۔ ❷

دلیل......صدقہ فطر کی مقدار پر حنفیہ کی دلیل حضرت ثعلبہ بن صعیر عذری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کیا اور فرمایا: ہر آزاد اور غلام کی طرف سے نصف صاع گندم یا ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع جو ادا کرو۔ ❸

حنفیہ کے نزدیک قیمت دینا......حنفیہ کے نزدیک ان تمام اجناس کی قیمت دینا بھی جائز ہے، قیمت خواہ دراہم کی شکل میں ہو یا

---

❶ رواہ الدار قطنی من حدیث انس وابن عدی من حدیث جابر وھو ضعیف والصحیح ماروی عن انس (نصب الرایۃ ۲/ ۴۳۰)
❷ صاع کی مقدار میں علماء ہند کا اختلاف ہے یہاں مصنف سے اس کی مقدار ۳٫۸۰۰ کلوگرام جبکہ جدید فقہی مسائل کے مطابق ۲٫۳۳۳ کلوگرام، احسن الفتاویٰ ج ۴ کی تحقیق کے مطابق صاع از گیہوں ۴٫۳۴۰ کلوگرام ہے اسی طرح اوزان شرعیہ از مفتی محمد شفیع عثمانی ازن اور بنتا ہے تاہم جس تحقیق پر عمل کیا جائے صدقہ فطر ادا ہو جائے گا تفصیل کے لئے دیکھئے احسن الفتاویٰ ج ۴/ ۳۸۵، اوزان شرعیہ حصہ جواھر الفقہ وغیرھا۔ ❸ رواہ ابوداؤد وروی ایضاً عن ابن عباس معناہ نصب الرایۃ ۲/ ۴۰۶۔

دینار کی شکل میں فلوس ہوں یا سامان یا کسی اور شکل میں (جیسے کاغذی نوٹ) چونکہ حقیقت میں فقیر کو بے نیاز بنانا مقصود ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فقراء کو اس جیسے دن میں بے نیاز کرو۔" بے نیازی کا مقصد قیمت سے حاصل ہو جاتا ہے، بلکہ علی وجہ الاتم اور زیادہ آسانی اور سہولت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

چونکہ قیمت دینے سے حاجت زیادہ سے زیادہ پوری ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نص معلل ہے اور علت اغنائے فقیر (فقیر کو بے نیاز کرنا) ہے۔

جمہور...... جمہور کہتے ہیں صدقہ فطر اناج، پھلوں اور دوسرے غلہ جات سے ادا کیا جائے گا اور اس کی مقدار ایک صاع ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔ ❶

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں شہر میں جس غلے کا غالب رواج ہو اس سے دینا واجب ہے اور غلہ میں صرف ۹ (نو) چیزیں شامل ہیں یعنی ان نو چیزوں میں سے کوئی چیز صدقہ فطر میں دی جائے وہ یہ ہیں۔ گیہوں، جو، سلت (چھلکے سے صاف جو) مکئی، دخن، چھوہارے، کشمش، پنیر (خشک پنیر مراد ہے) اور چاول، شہر میں جو جنس غالب الاستعمال ہو صدقہ فطر میں اس کا دینا متعین ہے، ان کے علاوہ کسی اور چیز کا نکالنا جائز نہیں، غیر غالب جنس کا دینا بھی جائز نہیں، الا یہ کہ غالب جنس کی بجائے اعلیٰ جنس نکالی جائے، جیسے جو کے بدلہ میں گیہوں دے، صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع ہے جو چار مد کے برابر ہے اور مد دو متوسط قسم کی لپیں ہیں۔

شافعیہ...... شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ صدقہ فطر میں وہ جنس (غلہ) واجب ہوگی جو شہر کا غالب قوت ہو یا اس جگہ کا غالب قوت ہو، چونکہ غالب استعمال کا غلہ علاقہ کے بدلنے سے بدل جاتا ہے، پھر وہ غالب مراد ہے جو سال بھر میں غالب ہو، البتہ ادنیٰ جنس کی طرف سے اعلیٰ جنس دی جاسکتی ہے، اس کے برعکس نہیں ہو سکتا، اس کا اعتبار غلہ جات کے زیادہ ہونے سے ہوگا قیمت سے نہیں۔ چنانچہ گیہوں چھوہاروں اور چاول سے اعلیٰ ہے، صحیح یہ ہے کہ جو چھوہاروں سے اعلیٰ ہیں۔ چھوہارے کشمش سے اعلیٰ ہیں، ایک صاع ایک ہی شخص کی طرف سے مختلف اجناس کا نہیں دیا جاسکتا، اگر شہر میں کوئی جنس غالب نہ ہو تو اس وقت اختیار ہے افضل یہ ہے کہ اعلیٰ و افضل جنس دی جائے، سالم اور محفوظ اناج دینا واجب ہے گھن لگا یا عیب دار دینا جائز نہیں اگر چہ عیب دار غلہ کھایا جاتا ہو۔

صاع کی مقدار...... صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع ہے اور صاع کی مقدار اصح قول کے مطابق ۶۸۵ درہم اور پانچ اسباع درہم ہے (یعنی ۷/۵-۶۸۵) یا پانچ رطل اور ثلث رطل بغدادی، یا چار مصری رطل اور نصف رطل اور سات اوقیہ ہے۔

حنابلہ...... وہی اناج دینا واجب ہے جس پر نص وارد ہوئی ہو یعنی گندم، جو، چھوہارے، کشمش اور پنیر، اگر یہ اصناف نہ پائی جائیں تو جو غلہ اور پھل ہوں وہ صدقۂ فطر میں دینا واجب ہے، ان اجناس کے علاوہ عام اشیاء خورد ونوش سے صدقہ فطر دینا کافی نہیں ہوگا بلکہ دوبارہ دیا جائے گا۔ جیسے گوشت یا دودھ، حنابلہ کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ جب مذکورہ اصناف پر قدرت ہو تو انہیں چھوڑ کر کسی اور جنس سے صدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔ برابر ہے وہ دوسری جنس شہر کا غالب قوت ہو یا نہ ہو، صدقۂ فطر میں آٹا اور ستو دینا جائز ہے، البتہ روٹی صدقۂ فطر میں دینا جائز نہیں۔ وہ اصناف جن پر نص وارد ہوئی ہے تو ان میں سے جو بھی دی جائے جائز ہے اگر چہ وہ قوت نہ ہو۔

صاع کی مقدار...... حنابلہ کے ہاں صدقہ فطر کی مقدار عراقی صاع ہے جو کہ چار لپوں کے برابر ہی جو کہ معتدل قسم کی لپ ہو۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عراقی صاع ہی سے فطرانہ دیا جاتا تھا۔ صاع کی مقدار ۲۷۵۱ گرام ہے اور فقہاء کی ایک جماعت کے

---

❶ ..... دیکھئے الشرح الصغیر ۱/۶۷۵ بدایۃ المجتهد ۱/۲۷۲ المهذب ۱/۱۶۵ المغنی ۳/۶۰ کشاف القناع ۲/۲۹۵۔

نزدیک ۲۱۷۶ گرام ہے۔

جمہور کی دلیل...... جمہور کی دلیل سابقہ احادیث ہیں، یہ احادیث حنفیہ کی احادیث سے زیادہ صحیح ہیں، ان میں سے ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے ”کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے ہم صدقہ فطر میں غلے کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع یا چھوہاروں کا ایک صاع یا کشمش کا ایک صاع یا پنیر کا ایک صاع دیتے تھے۔“ دار قطنی نے مالک بن انس سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل عراقی کے برابر تھا۔

جمہور کے نزدیک قیمت دینا...... جمہور کے نزدیک اجناس مذکورہ کی بجائے صدقہ فطر میں ان کی قیمت دینا کافی نہیں لہٰذا جو شخص ان کی جگہ قیمت دے تو اس کا صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا وہ دوبارہ ان اجناس میں سے دے، چونکہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع چھوہارے اور ایک صاع جو سے صدقۂ فطر فرض کیا ہے۔ چنانچہ اگر اس سے عدول کیا گیا تو گویا فرض ترک ہوگا۔

چوتھی بحث......فطرانہ کے مندوبات اور مباحات

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عید الفطر کے دن فجر کے بعد نماز عید سے پہلے صدقہ فطر دینا مستحب ہے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے پہلے صدقہ فطر دینے کا حکم دیا۔“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی ہے ”کہ جس شخص نے نماز سے پہلے صدقہ فطر دیا تو وہ مقبول زکوٰۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد دیا تو وہ صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔“ جس حدیث میں زکوٰۃ سے مراد صدقہ فطر ہے، اور صدقات میں سے صدقہ ہونے سے مراد عام اوقات میں دیا جانے والا صدقہ، اس کی قبولیت کا معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد ہے۔

البتہ اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ نماز عید سے پہلے صدقہ فطر دینا فقط مستحب ہے اور جزماً تصریح کی ہے کہ عید الفطر کے دن کے آخر تک صدقہ فطر دے دینا کافی ہے، جس نے نماز عید کے بعد تاخیر کی گویا اس نے افضل کو ترک کیا، چونکہ صدقہ فطر سے مقصود فقیروں کو چکر لگانے سے بے نیاز کرنا ہے (اغناء عن الطواف) اور دست سوال پھیلانے سے بے نیاز کرنا ہے چونکہ حدیث ہے۔ ”اس دن فقیروں کو دست سوال پھیلانے سے بے نیاز کرو۔“

جوں جوں فطرانہ میں تاخیر ہوگی توں توں مقصد بعید ہوتا جائے گا، خصوصاً وقت نماز میں، لہٰذا یہ دلائل واضح ہیں کہ نماز کے بعد تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے، نماز سے پہلے نکالنے کا امر ندب (مستحب) پر محمول ہے بالاتفاق عید الفطر کے دن سے مؤخر کرنا حرام ہے۔ چونکہ فطرانہ بھی زکوٰۃ ہے لہٰذا تاخیر میں گناہ ہے، جیسے نماز وقت سے نکل جائے تو اس میں گناہ ہے۔

مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ فطرانہ افضل اور اعلیٰ (عمدہ) غلے سے نکالا جائے گا صاع سے زیادہ نہ دینا مندوب ہے، بلکہ صاع سے زیادہ دینا مکروہ ہے، چونکہ شارع نے جب ایک مقدار مقرر کی ہے تو اس سے زائد دینا بدعت ہے۔ بدعت بسا اوقات فساد کی طرف لے جاتی ہے۔

بسا اوقات کراہت کی طرف لے جاتی ہے اور کراہت کا محل زائد دینے سے متحقق ہوجاتا ہے، البتہ اتنا زائد دینا جس سے شک زائل ہو وہ متعین ہے۔

پانچویں بحث.....صدقہ فطر کا مصرف

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مصارف زکوٰۃ فطرانہ کا مصرف ہے چونکہ صدقہ فطر بھی زکوٰۃ ہے لہٰذا اس کا مصرف وہی ہوگا جو بعینہ صدقات کا مصرف ہے چونکہ فطرانہ بھی صدقہ ہے لہٰذا آیت کریمہ کے عموم میں یہ بھی داخل ہوگا۔ "انما الصدقات للفقراء والمساکین" جس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اسے صدقہ فطر دینا بھی جائز نہیں، جمہور فقہاء یعنی مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صدقہ فطر ذمی کو دینا جائز نہیں، چونکہ صدقہ فطر بھی زکوٰۃ ہے، لہٰذا غیر مسلم کو دینا جائز نہیں، جیسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، جبکہ بالاتفاق زکوٰۃ غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں۔ چنانچہ ابن منذر کہتے ہیں۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ مال کی زکوٰۃ اہل ذمہ میں سے کسی کو دینا جائز نہیں۔

حنفیہ..... کہتے ہیں صدقہ فطر ہر حال میں مصارف کے اعتبار سے زکوٰۃ کی طرح ہے، البتہ صدقہ فطر ذمی کو دینا جائز ہے لیکن اس میں کراہت ہے، اور صدقہ فطر مال تباہ ہونے سے ساقط نہیں ہوتا لیکن فتویٰ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ صدقہ فطر ذمی کو دینا جائز نہیں جیسے اموال کی زکوٰۃ ذمی کو دینا جائز نہیں چونکہ حدیث گزر چکی ہے۔ کہ "صدقہ مالداروں سے لیا جائے اور انہی کے فقراء میں واپس لوٹایا جائے۔ ❶

فرع..... اسی اصل پر یہ مسئلہ بھی ہے کہ صدقہ فطر ہر آزاد فقیر مسلمان کو دیا جائے گا، جو کہ ہاشمی نہ ہو، چونکہ ہاشمی کے شرف واعزاز کا یہی تقاضا ہے کہ اسے صدقہ نہ دیا جائے چونکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے، لیکن عصر حاضر میں ہاشمی کو صدقہ فطر دینے میں گنجائش ہے چونکہ بیت المال سے ہاشمیوں کو وظیفہ ملتا تھا اب بیت المال کا نظام منقطع ہو چکا ہے لہٰذا انہیں دینا جائز ہے۔ ❷

اگر کوئی مسلمان پورا صدقہ فطر نکالنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور کچھ صدقہ فطر نکالنے کی قدرت رکھتا ہو تو وجوباً وہی نکالے تاکہ حتی الامکان صدقہ فطر نکالنے پر پابندی رہے۔

پہلے اپنی طرف سے فطرانہ دے پھر اپنے عیال (جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہو) کی طرف سے جمہور کے نزدیک بیوی کا فطرانہ خاوند دے گا چونکہ اس کا خرچہ خاوند پر لازم ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ظاہری مذہب یہی ہے کہ والد کو اولاد پر مقدم کرے، اس دلیل کی ترتیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ "اپنے آپ سے ابتداء کرو پھر ان کی طرف سے دو جو تمہارے عیال میں ہیں۔" ❸ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ صدقہ فطر کا دارومدار نفقہ پر ہے، لہٰذا جس طرح نفقہ میں اپنی ذات سے ابتدا کرنی ہوتی ہے اسی طرح فطرانہ میں بھی اپنی ذات سے ابتدا کی جائے گی۔

شافعیہ..... کے نزدیک پہلے اپنی طرف سے دیا جائے گا پھر اپنی بیوی کی طرف سے پھر چھوٹی (نابالغ) اولاد کی طرف سے پھر باپ کی طرف سے پھر ماں کی طرف سے پھر بڑی اولاد کی طرف سے چونکہ مسلم کی حدیث ہے۔ "کہ پہلے اپنے آپ پر خرچہ کرو اگر کچھ بچ جائے تو اپنے اہل خانہ پر خرچ کرو پھر بھی اگر بچ رہے تو تو اپنے قریبی رشتے داروں پر خرچ کرو۔" اپنے قریبی رشتہ دار جنہیں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے انہیں صدقہ فطر دینا بھی جائز ہے، قریبی رشتہ داروں میں سے مالدار کو نہ دے، اور قریبی رشتہ داروں میں سے اس کو بھی نہ دے جس کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہو، ان لوگوں کو بھی نہیں دے سکتا جو زکوٰۃ کا مال نہیں لے سکتے، صدقہ فطر مصارف زکوٰۃ جو آٹھ ہیں ان پر صرف کرنا جائز ہے،

---

❶ ..... مذکورہ فتویٰ کے متعلق یہ بات عیاں ہے کہ یہ فتویٰ مبنی براحتیاط ہے معنی پر جواز نہیں ورنہ غیر مسلم کو صدقہ فطر دینا جائز ہے ہاں البتہ مکروہ ہے۔
❷ غیر مفتی بہ قول ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے کہ ہاشمیوں کی اور طرح سے مدد کر دینی چاہئے۔ ❸ هذا مجموع الحديثين الشق الاول رواه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن جابر، والثانی مروی عن حكيم بن حزام عند الطبرانی۔ (نيل الاوطار ۲/۲۲۱)

چونکہ یہ بھی صدقہ ہے لہٰذا زکوٰۃ کے مشابہ ہے۔

شافعیہ کا ظاہری مذہب یہی ہے کہ آٹھ اصناف پر صرف کرنا واجب ہے، البتہ اس میں تھوڑی تنگی ہے، بعض شافعیہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ صنف واحد پر صرف کیا جائے، ہمارے زمانہ میں اس قول کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسے باجوری نے کہا ہے، حتیٰ کہ بعض شافعیہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے اسی پر فتویٰ دیتے (کہ صنف واحد پر صرف کرنا جائز ہے)۔

فقہاء نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ مختلف مساکین کو ایک صاع دے دیا جائے اور پھر وہ آپس میں تقسیم کرلیں۔ شافعیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ ایک سے زائد صاع (فطرانہ) ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے، ایک سر کا فطرانہ ایک فقیر اور مختلف فقراء کو دینا جائز ہے، یعنی جمہور نے مختلف سروں کا فطرانہ فقیر واحد کو دینا جائز قرار دیا ہے، فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک سر کا صدقہ فطر مختلف مسکینوں کو دینا جائز ہے چونکہ صدقہ مستحق تک پہنچ جاتا ہے، لہٰذا دینے والا بری الذمہ ہوجائے گا یہ ایسا ہی ہے جیسے فرد واحد کو دے دیا۔

رہی بات مختلف سروں کے فطرانہ کی کہ آیا وہ فرد واحد کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ شافعیہ چھ اصناف میں تقسیم کرنا واجب قرار دیتے ہیں اور پھر ہر صنف کے تین افراد کو دینا ضروری ہے، جیسا کہ زکوٰۃ کے مصارف میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن راجح جمہور کی رائے ہے چونکہ یہ صدقہ ہے جو غیر معین کے لئے ہے، لہٰذا فرد واحد (ایک ہی مسکین) کو دینا جائز ہے، لہٰذا ایک فقیر مختلف سروں کا صدقہ فطر لے سکتا ہے۔

تیسری فصل ...... نفلی صدقہ کا بیان

نفلی صدقہ کے متعلق مندرجہ ذیل امور کے متعلق گفتگو ہوگی نفلی صدقہ کا استحباب، نفلی صدقہ چھپا کردینا، سارے کا سارا مال صدقہ کرنا، صدقہ میں افضل کیا ہے، کس پر صدقہ کیا جائے (غنی، کافر، قریبی رشتہ دار، شدید حاجتمند، میت پر صدقہ کرنا) مدیون کا صدقہ، اس آدمی پر صدقہ کرنا جس کا نفقہ واجب ہو (جیسے ماں باپ)، سب مومنوں کی نیت کرنا، مال حرام سے صدقہ کرنا، خریداری سے یا کسی اور طریقہ سے صدقہ واپس لینا، بغیر حاجت اور بلاضرورت دست سوال پھیلانا اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنے کی کراہت۔

پہلی چیز ...... نفلی صدقہ کا حکم

نفلی صدقہ ہر وقت مستحب ہے، اس کی دلیل کتاب وسنت سے ہے۔

کتاب سے ...... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ......البقرۃ ۲/ ۲۴۵

کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے سے قرضہ دے تا کہ وہ اسے اس کے مفاد میں اتنا بڑھائے چڑھائے کہ وہ بدرجہا زیادہ ہوجائے۔

اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیات میں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

سنت سے ...... بہت ساری احادیث نفلی صدقہ پر دلیل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلاتا ہے، جو شخص کسی پیاسے کو پانی پلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت سربمہر جنتی شراب کا جام پلائیں گے، جو شخص کسی ننگے مومن کو کپڑے پہناتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز رنگ کے جوڑے پہنائے گا۔ [1]

ایک حدیث یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے پاکیزہ مال میں سے صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا

[1] ...... رواہ ابوداؤد والترمذی باسناد جید.

ہے۔اور اپنے دائیں ہاتھ سے لیتا ہے پھر اسے اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح صدقہ کرنے والا گھوڑے یا اونٹ کے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے، چنانچہ ایک شخص لقمہ بھر صدقہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے، لہٰذا (اے لوگو) صدقہ کرتے رہو۔ ❶

چنانچہ کبھی کبھی صدقہ کرنا حرام بھی ہوتا ہے مثلاً جب ایسے شخص کو دے جو حرام کام میں صدقہ کے مال کو صرف کرے، بسا اوقات صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے مثلاً کسی بے چین کو پائے جو حالت اضطراب میں ہو تو اس پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ جبکہ صدقہ کرنے والے کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال ہو۔

دوسری چیز.....صدقہ چھپا کر دینا اور رمضان میں صدقہ کرنا

اعلانیہ (جہراً) صدقہ کرنے سے سراً (چھپا کر) صدقہ کرنا افضل ہے، یعنی نفلی صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے بخلاف زکوٰۃ کے یعنی زکوٰۃ علانیہ دینا چاہئے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ......بقرہ ۲/۲۷۱

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تب بھی اچھا ہے، اور اگر ان کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے اور اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ کردے گا۔

نیز صحیحین کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات آدمیوں کو اپنے عرش کے سائے تلے جگہ عطا فرمائے گا جبکہ اس دن عرش کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ان سات میں ایک شخص یہ بھی ہے۔ ’’وہ شخص جو صدقہ کرے اور چھپا کر صدقہ کرے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا ہے۔‘‘ اسی طرح امام طبرانی نے معجم صغیر میں روایت ذکر کی ہے کہ پوشیدہ صدقہ کرنا رب تعالیٰ کے غصہ کو بجھا دیتا ہے۔

رمضان میں صدقہ......رمضان میں صدقہ کرنا غیر رمضان میں صدقہ کرنے سے افضل ہے چنانچہ امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان میں صدقہ کرنا افضل ہے۔‘‘ عقلی وجہ یہ ہے کہ رمضان میں روزے کی وجہ سے فقراء محنت مزدوری اور کمائی سے عاجز ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں عاجزی کی حالت میں دینا باعث فضیلت ہے، نیز رمضان میں نیکیاں چند در چند بڑھا دی جاتی ہیں۔

فضیلت والے دنوں میں بھی صدقہ کرنا افضل عمل ہے جیسے ذی الحجہ کے دس دن، عید کے ایام اسی طرح قابل احترام اور فضیلت والے مقامات میں صدقہ کرنا بھی افضل ہے جیسے مکہ اور مدینہ، جہاد، حج اور اہم امور کے پیش آتے وقت جیسے سورج گرہن چاند گرہن، مرض اور سفر میں بھی صدقہ کرنا فضیلت سے خالی نہیں۔

اگر کھانے کی بنسبت پانی کی زیادہ ضرورت ہو تو ایسے موقع پر پانی کا صدقہ کرنا اور زیادہ فضیلت کا باعث ہے، چونکہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ ’’کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی کا صدقہ افضل ہے۔‘‘ اور اگر کھانے کی حاجت زیادہ ہو تو کھانے کا صدقہ کرنا افضل ہے، اسی طرح دودھ دینے والی گائے بھینس بکری اور اونٹنی کو دودھ پینے کے لئے دے دینا بھی عمدہ اور افضل صدقہ ہے (یعنی حاجت مند دودھ پی کر جانور واپس کردے گا) چونکہ اس میں نیکی اور احسان کا نمایاں پہلو ہے۔

جب صدقات کی حاجت اور ضرورت بڑھ جائے اس وقت زیادہ سے زیادہ صدقہ دینا مستحب ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶......رواہ ابن خزیمة عن ابی هریرة ورواہ البخاری ومسلم والنسائی والترمذی وابن ماجه عن ابی هریرة باختلاف لفظ یسیر۔

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ⑭ البلد ۹۰/۱۴

یا پھر کسی بھوک کے دن بھوکے کو کھانا کھلانا۔

ہر معصیت (اللہ کی نافرمانی) کے بعد صدقہ کرنا مسنون ہے، صدقہ دیتے وقت بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، چونکہ صدقہ کرنا بھی تو ایک طرح کی عبادت ہے۔ ❶

تیسری چیز......سارے کا سارا مال صدقہ کرنا

اگر کوئی شخص چھڑا (مجرد، تنہا) ہو یا کوئی شخص خرچہ برداشت کرنے کا ذمہ دار ہو اور وہ سبھی مال صدقہ کرنے کا ارادہ کرے اور وہ باروزگار ہو یا اسے اپنے اوپر اچھی طرح توکل کرنے کا بھرپور اعتماد ہو، اور حالت فقر میں صبر کر سکتا ہو اور دست سوال پھیلانے سے اجتناب کر سکتا ہو تو اس کا سبھی مال صدقہ کرنا اچھا عمل ہے، اگر مذکورہ احوال میں سے کوئی بھی نہیں پایا جاتا (مثلاً صبر نہیں کر سکے گا یا باروزگار نہ ہو) تو سارا مال صدقہ کرنا جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ ❷ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تنگدست کی ضرورت پوری کرنا افضل صدقہ ہے۔ ❸

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اتفاق ایسا ہوا کہ میرے پاس مال آ گیا، میں نے کہا: آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھوں گا، میں اپنا آدھا مال لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ باقی چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کی: جتنا مال خدمت میں لایا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنے پاس جتنا مال تھا سبھی لے کر خدمت میں حاضر کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی: اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا: اس کے بعد (اے ابوبکر) میں آپ سے کسی چیز سے مقابلہ نہیں کروں گا۔ ❹ اس واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں شاندار فضیلت ثابت ہوتی ہے، چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی قوت ایمان اور یقین علی وجہ الاتم درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ تاجر بھی تھے اس لئے سارا مال لا کر خدمت میں پیش کر دیا۔

چوتھی چیز......صدقہ میں اولیٰ وافضل کیا ہے؟

اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ آدمی اپنی ضرورت اور کفایت سے زائد مال صدقہ کرے، چنانچہ اگر کسی شخص نے اتنا مال صدقہ کیا جس سے اس کے اہل وعیال جن کا خرچہ اس کے ذمہ واجب ہے کے خرچہ میں کمی واقع ہو یعنی ان کا خرچہ متاثر ہو تو گنا ہگار ہوگا۔ ❺ چونکہ حدیث نبوی ہے جو پہلے گزر بھی چکی ہے۔ کہ ''بہترین صدقہ وہ ہے جو مالداری کے بھروسہ پر کیا جائے اور صدقہ کرنے میں ان لوگوں سے ابتدا کرو جن کا خرچہ تم برداشت کرتے ہو۔'' ❻ یعنی نفس میں غنیٰ ہو اور فقر وفاقہ پر صبر کیا جا سکتا ہو، اس پر ایک دوسری روایت دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے گنا ہگار ہونے میں اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ اس شخص کو ضائع کر دے جس کا خرچہ برداشت کرتا ہو۔ ❼

❶ ......مغنی المحتاج ۱۲۱/۳ المغنی ۸۲/۳، المجموع ۲۵۸/۶۔ ❷ الدر المختار ۹۶/۲، مغنی المحتاج ۱۲۲/۳، المغنی ۸۳/۳۔
❸ رواہ احمد والطبرانی عن ابی امامة وفی اسنادہ علی بن یزید۔ ❹ رواہ الترمذی وصححہ۔ ❺ المجموع ۲۵۳/۶، المهذب ۱۷۵/۱ والدر ومغنی المحتاج والمغنی۔ ❻ متفق علیہ۔ ❼ حدیث حسن رواہ ابوداؤد والنسائی عن ابی هريرة۔

پانچویں چیز......ضرورت سے زائد مال صدقہ کرنا مستحب ہے

آدمی کے ذمہ میں لازم ہونے والے جمیع اخراجات کے فاضل مال صدقہ کرنا مستحب ہے۔ ❶ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے دیناروں سے صدقہ کرے، اپنے دراہم سے صدقہ کرے، اسے چاہئے کہ اپنے اناج سے صدقہ کرے اور اسے چاہئے کہ اپنی کھجوروں سے پیمانہ بھر صدقہ کرے۔ ❷

چھٹی چیز......جو میسر ہو اس کا صدقہ کرنا

آدمی کو جو کچھ میسر آئے اس کا صدقہ کرنا مستحب ہے، اور اسے قلیل نہ سمجھے، حتیٰ کہ قلیل اور حقیر سمجھ کر صدقہ سے رکنا نہیں چاہئے۔ چونکہ قلیل صدقہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل واعلیٰ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ جس صدقہ کو قبول کرلے اور اس میں برکت عطا فرمائے وہ کسی طرح بھی قلیل نہیں ہوتا، ❸ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ الزلزال ۹۹/۷

چنانچہ جس نے ذرہ برابر بھی اچھائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔

صحیحین میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دوزخ سے بچاؤ کا سامان کرو خواہ تمہیں اس کے لئے چھوہارے کا آدھا حصہ ہی صدقہ کرنا پڑے۔''

صحیحین ہی میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے مسلمان عورتو! کوئی عورت بھی اپنی پڑوسن کو ہدیہ کرنے میں حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کا جلا ہوا کھر ہی صدقہ کرے۔''

اسی طرح نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک درہم سو درہموں پر سبقت لے جاتا ہے، صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اس طرح کہ ایک شخص کے پاس (مثلاً) بہت سارا مال ہو اور وہ اس سب سے سو درہم نکال کر صدقہ کردے، جبکہ ایک اور شخص کے پاس صرف دو درہم ہوں وہ ایک درہم اپنے پاس رکھ لے اور ایک صدقہ کرلے۔'' ❹

ساتویں چیز......صلحاء (نیکوکاروں) پر صدقہ کرنا

صدقہ کرنے والا صلحاء اتقیاء اور نیکوکاروں پر صدقہ کرے یہ صدقہ مستحب ہے، اسی طرح اہل خیر، اہل مروّت اور حاجتمندوں پر صدقہ کرنا بھی مستحب ہے۔ ❺

آٹھویں چیز......وہ کون لوگ ہیں جن پر صدقہ کیا جائے؟

الف: اقارب......افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کرے پھر پڑوسیوں پر صدقہ کرے، چنانچہ پڑوسی اجنبیوں

---

❶..... المجموعہ ۲۵۵/۶، المہذب ۱۷۵/۱۔ ❷ حدیث صحیح رواہ مسلم عن جزیر بن عبداللہ۔ ❸ المجموع ۲۶۱/۶۔ ❹ اس آدمی نے اپنی حاجت بھی بقدر کفایت پوری کی اور صدقہ بھی کیا اس کے صدقہ میں زیادہ مشقت ہے جبکہ مالدار شخص کے صدقہ میں کوئی مشقت نہیں۔
❺ المجموع ۲۵۸/۶، المہذب ۱۷۶/۱، مغنی المحتاج ۱۲۰/۳، المغنی ۸۲/۳۔

سے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَّتِيْمًا ذَامَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ البلد ۹۰/ ۱۵) وہ یتیم جو قرابت دار ہو۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی سے فرمایا: تمہارا خاوند اور تمہاری اولاد ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جن پر تم صدقہ کرو۔ ❶

اسی طرح امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے حدیث حسن روایت کی ہے۔ کہ ''مسکین پر کیا ہوا صدقہ محض صدقہ ہی ہوتا ہے اور قریبی رشتہ دار پر کئے ہوئے صدقہ میں دو طرح کا ثواب ہوتا ہے ایک صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔'' اسی طرح بخاری کی روایت ہے کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کو ہدیہ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان میں سے جس کا دروازہ تمہارے زیادہ قریب ہو اس پر (پہلے) صدقہ کرو۔'' یہی حکم زکوٰۃ کے اموال، کفارہ جات، نذور، وصیت کے مال، وقف کے مال اور بقیہ احسان میں دیئے ہوئے مال کا ہے۔ چنانچہ جب مستحقین میں قریبی رشتہ دار ہوں تو انہیں مقدم کیا جائے پھر ان میں جو عداوت اور دشمنی میں شدید تر ہو اسے پہلے دیا جائے تا کہ اس کی دلگیری ہو اور محبت والفت کی طرف متوجہ ہو۔

ب: جو شخص شدید حاجتمند ہو...... جو شخص شدید حاجتمند ہو اس پر صدقہ کرنا مستحب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَامَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ البلد ۹۰/ ۱۶ یا وہ مسکین جو خاک میں ملا جارہا ہو۔

ج: مالدار، ہاشمی، کافر اور فاسق...... اگر مالدار شخص قریبی رشتہ داروں میں سے ہو تو اس کے لئے صدقہ حلال ہے، چونکہ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان سے کہا گیا: جبکہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان لگائی گئی سبیلوں سے پانی پی رہے تھے، کہا گیا: کیا آپ صدقہ کے پانی سے پی رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر فرض صدقہ حرام کیا ہے۔ ❷

اسی طرح صحیحین کی حدیث ہے جو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی چور، زانیہ اور مالدار پر صدقہ کر سکتا ہے، رہی بات چور پر صدقہ کرنے کی سو وہ اس لئے تا کہ وہ چوری سے باز رہے، زانیہ پر اس لئے صدقہ جائز ہے تا کہ وہ زنا سے بچ جائے، رہی بات مالدار کی اس پر صدقہ اس لئے جائز ہے تا کہ اسے عبرت حاصل ہو اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے صدقہ کرے۔

البتہ مالدار شخص کو صدقہ لینے سے اجتناب کرنا مستحب ہے، اور مالدار کے لئے صدقہ کا تعرض کرنا مکروہ ہے۔

رہی بات ہاشمی پر صدقہ کرنے کی سو اس کا حکم زکوٰۃ میں بیان ہو چکا ہے کہ اکثر علماء کی رائے میں ہاشمی کے لئے صدقہ لینا جائز ہے، لہٰذا صدقہ ہاشمیوں کے لئے حلال ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال نہیں تھا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا یہی تقاضا ہے۔

فاسق، کافر یہودی، نصرانی اور مجوسی، ذمی اور حربی پر صدقہ کرنا جائز ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿٨﴾ الانسان ۷۶/ ۸

اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر یتیم، مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

یہ بات عیاں ہے کہ قیدی حربی کافر ہی ہو سکتا ہے، نیز صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص پیاسے کتے کو پانی پلائے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر جاندار دل میں اجر وثواب ہے۔'' رہی یہ حدیث کہ ''تمہارا کھانا صرف پرہیز گار شخص

❶ ......رواه البخاري ومسلم. ❷ رواه الشافعي والبيهقي.

ہی کھانے پائے۔'' اس حدیث میں اولیٰ مراد ہے۔

د: میت پر صدقہ کرنا...... جنائز کی مبحث میں ہم نے بیان کر دیا ہے میت پر کھانے، پینے، کپڑے، درہم ودینار کا صدقہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا میت کو نفع پہنچتا ہے، اسی طرح دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے مثلاً یوں دعا کر دی جائے۔'' یا اللہ فلاں میت پر رحم فرما'' بالاجماع دعا سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

البتہ بدنی اعمال میت پر صدقہ نہ کئے جائیں مثلاً کوئی شخص نماز، روزہ کا ثواب میت کو ہبہ کر دے تو اس سے میت کو نفع نہیں پہنچتا، رہی بات قراۃ قرآن کی تو اس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قراۃ قرآن سے میت کو نفع نہیں پہنچتا جبکہ اکثر علماء کی رائے ہے کہ قرأت سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

نویں چیز...... مدیون کا صدقہ اور جس کا نفقہ واجب ہو اس کا صدقہ

مقروض کے لئے مستحب ہے کہ وہ صدقہ نہ کرے یا جس شخص کو رشتہ داروں کا نفقہ لازم ہو یا صاحب عیال ہو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ وہ صدقہ نہ کرے حتیٰ کہ مستحقین کے حقوق ادا کر کے اگر مال فاضل رہے تو صدقہ کر سکتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک وہ مقروض جو ادائیگی، قرض کی کوئی صورت نہ پاتا ہو اس کے لئے صدقہ کرنا حرام ہے، اسی طرح جس شخص کو اقرباء کا نفقہ لازم ہو اور وہ ان کے نفقہ کے سوا اور کچھ نہ پاتا ہو تو اس کے لئے بھی صدقہ کرنا حرام ہے، چونکہ یہ حق واجب ہے۔

لہٰذا حق واجب کو صدقہ کے ذریعے ترک نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا دین نفلی صدقہ پر مقدم ہوگا چونکہ دین کی ادائیگی واجب ہے۔

اگر کسی اور جہت سے قرضہ کی ادائیگی کی امید ہو تو صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہاں البتہ اگر ادائیگی میں تاخیر ہو تو پھر صدقہ نہیں کر سکتا، چونکہ قرضہ ادا کرنا مطالبہ پر واجب علی الفور ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ جن رشتہ داروں کا نفقہ ذمہ میں واجب ہو اس کی دلیل کی سووہ حدیث ہے جو پہلے بھی گذر چکی ہے۔ کہ'' آدمی کو گناہ میں اتنی بات کافی ہے کہ وہ اس آدمی کو ضائع کر دے جس کا نفقہ اس پر لازم ہو، اور جو تمہارے عیال میں ہوں ان سے ابتدا کرو۔'' دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عیال کو بقدر کفایت خرچہ دینا فرض ہے، لہٰذا وہ نفل پر مقدم ہوگا یہ بھی واضح رہے کہ ضیافت بھی صدقہ کے معنی میں ہے۔

رہی بات انصاری کی حدیث کی جس کے پاس رات کو مہمان آیا تھا، بچوں کو بہلا کر سلا دیا اور اپنا کھانا مہمان کو کھلا دیا تو عین ممکن ہے کہ اس وقت بچے حاجت شدیدہ میں نہ ہوں اور میاں بیوی نے تبرعاً اپنا حق مہمان کو کھلا دیا اور انہیں صبر کرنے پر مکمل بھروسہ تھا خاوند نے بیوی کو اس لئے کہا تھا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دے۔ تاکہ بچے اپنی عادت کے موافق کھانا نہ طلب کریں۔ حالانکہ انہیں کھانے کی حاجت نہیں۔ ❶

دسویں چیز...... سب مومنین کی نیت کرنا

افضل یہ ہے کہ نفلی صدقہ میں سب مومن مردوں اور عورتوں کی طرف سے صدقہ کی نیت کرے، چونکہ اس کا ثواب مومنین کو پہنچ جائے اور صدقہ کرنے والے کے اجر وثواب میں کمی واقع نہیں ہوگی۔ ❷

---

❶ ...... یہ بھی ممکن ہے کہ انصاری اور اس کی بیوی کو، اس وقت حقوق واجبہ کا مکمل علم نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ اور بعد میں علم ہوا ہو۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار ۱/۹۷۔

گیارہویں چیز...... مال حرام سے صدقہ کرنا

حنفیہ کہتے ہیں: جب کوئی شخص قطعی حرام مال کا صدقہ کرے یا قطعی حرام مال سے مسجد یا اس جیسی کوئی اور عمارت بنائے جس سے نیکی کا ارادہ کیا جاتا ہو اور مال صدقہ کرنے والے نے ثواب کی نیت کی تو اس نے کفر کیا۔

چونکہ وہ اس طرح کے صدقہ کو حلال سمجھتا ہے اور معصیت کو حلال سمجھنا کفر ہے اور حرام میں کوئی ثواب نہیں ہوتا، اگر کسی شخص نے ایک آدمی سے ظلماً سو درہم لئے پھر دوسرے آدمی سے بھی سو درہم چھین لئے اور پھر ان کا صدقہ کیا تو وہ مرتکب کفر نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ مال حرام قطعی نہیں وجہ یہ ہے کہ دونوں سے مال چھین کر اس نے خلط کر لیا پھر صدقہ کیا، چونکہ خلط کر لینے سے وہ مالک بن گیا پھر وہ اس کا ضامن ہوگا۔

خلاصہ..... صدقہ کے متعلق کفر کی دو شرائط ہیں۔ (۱) دلیل کا قطعی ہونا (۲) وہ مال بعینہ حرام ہو جیسے خنزیر کا گوشت، یعنی حرام بعینہ، ہو حرام لغیرہ نہ ہو۔ جو مال کسی دوسرے سے چھینا جائے وہ حرام بعینہ نہیں ہوتا بلکہ حرام لغیرہ ہوتا ہے لہٰذا دوسرے شخص سے چھینا ہوا مال حنفیہ کے نزدیک حرام محض نہیں ہوتا، اگرچہ اس سے نفع اٹھانا ادائے بدل سے پہلے جائز نہیں۔

بارہویں چیز...... صدقہ کے محرمات، مکروہات اور مستحبات

مالدار شخص سے مال یا کسب وکمائی کا سوال کرنا حرام ہے اسی طرح مالدار شخص کے سامنے فاقہ کا اظہار کرنا بھی حرام ہے، چنانچہ اہل صفہ کا ایک شخص مر گیا اور ترکہ میں دو دینار چھوڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دوزخ کی آگ کے دو داغ ہیں۔'' محدثین نے اس حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہے۔

صدقہ کر کے اسے جتلانا صدقہ (کے ثواب) کو باطل کر دیتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اے ایمان والو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنے صدقات (کے ثواب) کو باطل مت کرو۔ البقرۃ ۲/ ۲۲۴

''جان بوجھ کر ردی چیز کا صدقہ کرنا مکروہ ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ...... البقرۃ ۵/ ۲۶۷

اور ویسے خراب قسم کی چیزوں کو خرچ کرنے کی نیت نہ کرو۔

اچھے اور عمدہ مال کو صدقہ میں دینا مستحب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ...... آل عمران ۳/ ۹۲

تم ہرگز نیکی کا اعلیٰ مقام نہیں پا سکتے یہاں تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو۔

مشتبہ چیز کا صدقہ کرنا مکروہ ہے، اپنے عمدہ اور اعلیٰ مال جو حرام یا شبہ حرام سے پاک ہو اس کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلے بھی گذر چکی ہے کہ ''جس شخص نے اپنی پاک کمائی سے کھجور کے برابر صدقہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ مال کا صدقہ قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے۔ ❶ پھر اللہ تعالیٰ اسے اس قدر پروان چڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

❶ ...... اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے دائیں ہاتھ سے قبول کرنا، اچھی طرح قبول کرنے اور اس پر کئی گنا ثواب عطا کرنے سے کنایہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مستحب ہے کہ صدقہ بطیب خاطر (دل کی خوشی سے) کیا جائے چونکہ اس میں اجر زیادہ ہے اور دل کا حوصلہ ہے، فقیر (یعنی جسے صدقہ دیا جا رہا ہو) کو صدقہ دیتے وقت بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، چونکہ صدقہ دینا عبادت ہے، علماء نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ صدقہ کرنے والے کو فقیر سے دعا کی طمع نہیں کرنی چاہئے، تاکہ صدقہ کا اجر وثواب کم نہ ہو، اگر فقیر اپنی طرف سے دعا کر دے تو صدقہ کرنے والے کو چاہئے کہ اور صدقہ کرے تاکہ اجر وثواب ثابت رہے۔ ❶

جو شخص صدقہ کرے، یا زکوٰۃ کا مال دے یا کفارہ اور نذر وغیرہ کا مال دے یا اسی طرح کوئی چیز دے جس کا تعلق طاعت خداوندی سے ہو تو اس شخص کے لئے اس صدقہ یا زکوٰۃ کے مال (مثلاً بکری وغیرہ) کا خرید کر یا معاوضہ سے یا ہبہ سے یا کسی اور طریقہ سے واپس لینا اور مالک بننا مکروہ ہے۔ البتہ اگر وراثت میں صدقہ کی ہوئی چیز کا مالک بننا مکروہ نہیں، اسی طرح وراثت کے علاوہ کسی اور طرح سے مالک بننا بھی مکروہ نہیں۔ ❷

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ کہ ”میں نے فی سبیل اللہ گھوڑا سواری کے لئے دیا چنانچہ وہ گھوڑا جس شخص کے پاس پہنچا اس نے اسے ضائع کر دیا (یعنی نہ چارہ دیا نہ اچھی طرح دیکھ بھال کی) میں نے اس سے خریدنا چاہا، میں سمجھا شاید وہ مجھے ارزاں نرخوں میں فروخت کر دے، تاہم میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مت خریدو اگرچہ وہ شخص تمہیں ایک درہم کا ہی کیوں نہ دے، چنانچہ جو شخص اپنے صدقہ کو واپس لیتا ہے اس کی مثال اس کتے جیسی ہے جو قئے کر کے اسے دوبارہ چاٹ لیتا ہے۔ ❸

ملاحظہ..... اگر کسی شخص نے وکیل، غلام، خادم وغیرہ کو صدقہ کا مال دیا اور ساتھ ہدایت کی کہ فلاں کو دے دو، وہ مال برابر مالک کی ملک میں رہتا ہے حتیٰ کہ وکیل فقیر تک پہنچا نہ دے لہٰذا فقیر تک پہنچنے سے پہلے پہلے مالک صدقہ واپس لے سکتا ہے اور اس میں تصرف بھی کر سکتا ہے اگر وکیل نے غیر معین کو صدقہ دیا تو مالک کے لئے مستحب ہے کہ صدقہ واپس نہ لے، اگر واپس لیا اور تصرف کر دیا تو جائز ہے چونکہ معین شخص تک نہیں پہنچا لہٰذا اس کی ملک میں ہے اور تصرف جائز ہے۔ ❹

انسان کے لئے مکروہ ہے کہ وہ جنت کے سوا کسی اور چیز کو اللہ کا واسطہ دے کر طلب کرے، جو ایسا کرے اسے روکنا چاہئے، چونکہ حدیث ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر صرف جنت طلب کی جائے۔“

❺ اسی طرح ایک اور حدیث ہے۔ ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر پناہ مانگے اسے پناہ دو، جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے اسے عطا کرو، جو شخص اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر امن طلب کرے اسے امن دو، جو شخص تمہارے ساتھ بھلائی کرے۔ اس کا اسے بدلہ دو، اگر تم ایسی چیز نہ پاؤ جس سے اس کا بدلہ چکا سکو تو اس کے لئے دعا کرو، یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم اس کا بدلہ چکا چکے ہو۔ ❻

الحمد للہ ترجمہ باب الزکوٰۃ آج ۲۰ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۶ مئی ۲۰۰۹ بروز ہفتہ بوقت غروب مکمل ہوا۔

---

❶ ..... المغنی المحتاج ۱۲۳/۳ الحضرمیۃ ص ۱۰۹۔ ❷ اس میں تھوڑا تامل ہے۔ ❸ خریدنا افضل اور اچھا نہیں البتہ جائز ہے متصدق مالک بن جائے گا، دوسری احادیث جو کتاب الزکوٰۃ میں گزری ہیں وہ اس پر دال ہیں ایک یہ کہ ”مالدار کے لئے صدقہ اور زکوٰۃ حلال نہیں مگر چار آدمیوں کے لئے ان میں ایک وہ بھی ہے جو مسکین سے خرید لے اس میں عموم ہے مصدق بھی شامل ہے۔ ❹ المجموع ۲۶۳/۶۔ ❺ رواہ ابوداؤد والضیاء فی المختارۃ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ❻ رواہ ابوداؤد والنسائی واللفظ لہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرطھما من حدیث عبداللہ بن عمرو۔

پانچواں باب......حج اورعمرہ

اس میں تین فصلیں ہیں۔

فصل اول......احکام حج وعمرہ۔

فصل دوم......حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کے خصائص۔

فصل سوم......سفرحج وغیرہ کے آداب،سفرحج سے واپس لوٹنے والے حاجی کے آداب۔

ابواب کی وجہ ترتیب......ملاحظہ ہو میں نے حج کو نماز، زکوٰۃ اور روزہ سے مؤخر ذکر کیا ہے چونکہ نماز دین کا ستون ہے اور نماز روز کے روز پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے لہٰذا اس کا اولاً بیان کرنا ناگزیر تھا۔

نماز کے بعد زکوٰۃ کا باب اس لئے ذکر کیا ہے چونکہ قرآن مجید میں اکثر مواقع میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو ملا کر ذکر کیا گیا ہے، پھر روزہ کی بحث لائی ہے چونکہ سال کے سال روزے میں تکرار ہوتا ہے، رہی بات حج کی سو، حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہوتا ہے۔

فصل اول......احکام حج وعمرہ

احکام حج وعمرہ میں تین امور شامل بحث ہوں گے۔

اول......اس عبادت کے مقدمات کا بیان جو کہ حج وعمرہ کے حکم اور ان کی شرائط کی معرفت سے متعلق ہیں۔

دوم......حج وعمرہ کے بنیادی اجزاء (لوازم) یعنی وہ افعال جو مطلوب ہیں اور وہ افعال جو احرام باندھنے کے بعد متروک ہیں، اس میں حج وعمرہ کے ارکان، واجبات اور سنن کی وضاحت شامل بیان ہوگی۔

سوم......ملحقات کا بیان، یعنی وہ افعال جو احرام کے تابع ہیں جیسے احصار (محصور ہو جانا) حج وعمرہ کا فوت ہو جانا، جنایات کی جزاء اور ہدی، یہ فصل اس بات کے موضع میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، جسے میں نے خصوصیت کے ساتھ اسلام کے چار ستونوں میں سے ایک ستون سے تعبیر کیا ہے اور بقیہ تین ستونوں یعنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے بعد اسے لایا ہوں۔

ان جملہ موضوعات کو تیرہ (۱۳) مباحث کے ذیل میں بیان کرنا ممکن ہے، جن کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

۱......اس مبحث میں حج وعمرہ کی تعریف، اسلام میں حج وعمرہ کا مقام، ان کی حکمت اور حکم کا بیان ہوگا۔

۲......حج وعمرہ کی شرائط (شرائط وجوب، شرائط صحت اور شرائط ادا) اور عمرہ حج کے موانع۔

۳......مواقیت حج وعمرہ۔ یعنی حج وعمرہ کا وقت اور جگہ۔ (میقات زمانی اور میقات مکانی)

۴......حج وعمرہ کے اعمال، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج وعمرہ کا بیان۔

۵......اس مبحث میں حج وعمرہ کے ارکان کا بیان ہوگا۔

۶......واجبات حج۔

۷......حج وعمرہ کی سنن۔

۸......ادائے حج وعمرہ کی کیفیت۔

۹......حج وعمرہ سے حلال ہونے کی کیفیت۔

۱۰......محظورات (ممنوعات) احرام اور مباحات۔

۱۱......حج وعمرہ میں ہونے والی جنایات کی جزاء۔

۱۲......احصار اور فوت شدہ ہونے والے اعمال۔

۱۳......ہدی۔

میں مذکور ترتیب کے مطابق جملہ مباحث کو بیان کروں گا۔ (انشاء اللہ)

پہلی بحث......حج وعمرہ کی تعریف، اسلام میں حج وعمرہ کا مرتبہ اور مقام ان کی حکمت اور حکم (اول) حج وعمرہ کی تعریف

لغوی تعریف......لغت میں حج مطلق قصد کو کہتے ہیں، امام خلیل سے مروی ہے کہ حج جس کی تم تعظیم کرتے ہو اس کا کثرت سے قصد (ارادہ) کرنا ہے۔ ❶

شرعی تعریف......"قصد الكعبة لاداء أفعال مخصوصة" یعنی مخصوص افعال کو ادا کرنے کے لئے کعبہ کا قصد کرنا۔

دوسری تعریف......"هوزيارة مكان مخصوص فى زمن مخصوص بفعل مخصوص" یعنی مخصوص وقت میں مخصوص افعال کے ساتھ مخصوص جگہ کی زیارت کرنا حج ہے۔

فوائد قیود......الزيارة۔ یعنی کسی چیز کے دیدار کے لئے جانا۔ "المكان المخصوص" کعبہ اور میدان عرفات۔ "الزمن المخصوص"، مخصوص وقت وہ حج کے مہینے ہیں جو یہ ہیں۔ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن۔ حج کے ہر فعل کا مخصوص وقت ہوتا ہے مثلاً جمہور کے نزدیک طواف کا وقت یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ قربانی کے دن) کی فجر سے عمرات کے آخر تک، اور وقوف عرفہ کا وقت عرفہ کے دن (۹ ذی الحجہ) زوال آفتاب سے یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) کی طلوع فجر تک ہے۔ "الفعل المخصوص" سے مراد یہ ہے کہ محرم (جس نے احرام باندھا ہو) حج کی نیت سے مقررہ جگہوں میں آئے۔ ❷

حج کی مشروعیت......صحیح قول کے مطابق حج ۹ھ کے آخر میں فرض ہوا اور حج کی فرضیت کی آیت یہ ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ......آل عمران ۳/۹۷

اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔

یہ آیت وفود والے سال ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی، یہ اکثر علماء کی رائے ہے، گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہونے کے بعد ایک سال موخر نہیں کیا۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ تک عذر کی وجہ سے موخر کیا تھا، عذر یہ تھا کہ آیت فرضیت حج کا وقت نکل جانے کے بعد نازل ہوئی، ❸ گویا ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک حج ۱۰ھ میں کیا۔ یہی امام احمد اور امام مسلم کی

❶......الحج "القصد الى شئى معظم" یعنی قابل تعظیم شئے کے قصد اور ارادہ کو حج کہتے ہیں دیکھئے التعریفات باب الحاء رقم ۵۳۰۔ ❷ دیکھئے الدر المختار ۲/۱۸۹، اللباب ۱/۱۷۷، فتح القدير ۲/۱۲۰، معنى المحتاج ۱/۴۵۹، المغنى ۳/۲۱۷ الشرح الكبير مع الدسوقى ۲/۲، كشاف القناع ۲/۴۳۷۔ ❸ حاشيه ابن عابدين ۲/۱۹۰۔

روایت ہے۔

عمرہ...... عمرہ کا لغوی معنی زیارت ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آباد جگہ کا قصد کرنا، عمرہ کو عمرہ اس لئے کہتے ہیں چونکہ ساری عمر عمرہ کیا جاسکتا ہے۔

شرعی تعریف...... "قصد الكعبة للنسك" یعنی ادائے ارکان کے لئے کعبہ کا قصد کرنا۔ عمرہ کے ارکان طواف اور سعی ہے، حج عمرہ سے مستغنی نہیں کرتا اگرچہ حج میں عمرہ ہوتا ہو۔

دوم...... اسلام میں حج وعمرہ کا مقام اور حکمت

حج ارکان اسلام کا پانچواں رکن ہے، اللہ تعالیٰ نے صاحب استطاعت پر فرض کیا ہے، عمرہ کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج اور عمرہ اصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۶

یعنی حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا پورا ادا کرو۔

جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے۔ انشاء اللہ آئندہ میں اسے بیان کروں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ عمرہ کیا ہے، اور ان میں سے تین مرتبہ عمرہ ذی الحجہ کے (مختلف سالوں میں) مہینہ میں کیا اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ کیا، ❶ تفصیل اس کی یوں ہے کہ پہلا عمرہ حدیبیہ سے ۶ھ میں کیا، دوسرا عمرہ ۷ھ میں کیا جو عمرۂ قضاء ہے، تیسرا عمرہ فتح مکہ کے سال ۸ھ میں کیا، چوتھا عمرہ ۱۰ھ میں حج کے ساتھ کیا، چوتھی مرتبہ کے عمرہ کا احرام ذی القعدہ میں باندھا اور بقیہ اعمال ذی الحجہ میں کئے۔

قاضی حسین شافعی...... کہتے ہیں: حج سب عبادات میں سے سب سے افضل ہے چونکہ یہ مالی اور بدنی عبادت ہے، حلیمی کہتے ہیں: حج میں سبھی عبادات کے معانی پائے جاتے ہیں، چونکہ جس شخص نے حج کیا گویا اس نے روزہ رکھا، نماز پڑھی، اعتکاف کیا، زکوۃ دی فی سبیل اللہ سرحدوں کی چوکیداری کی اور جہاد بھی کیا، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں (عالم ارواح میں) تھے کہ ہمیں حج کی دعوت دی گئی جیسے ایمان عبادات میں افضل ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز حج سے افضل ہے چونکہ نماز دین کا ستون ہے۔ ❷

کیا حج جہاد سے افضل ہے؟...... بہت ساری احادیث افضل اعمال کے بیان پر مشتمل ہیں بسا اوقات جہاد کو افضل قرار دیا گیا۔ بسا اوقات ایمان کو افضل قرار دیا گیا، اور بسا اوقات نماز کو افضل قرار دیا گیا، اور کبھی کسی اور عمل کو افضل قرار دیا گیا۔ منجملہ ان احادیث میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے جسے حضرات شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ "ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا افضل عمل ہے، عرض کی گئی پھر کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: پھر جہاد فی سبیل اللہ افضل عمل ہے، عرض کی گئی پھر کون سا افضل عمل ہے؟ فرمایا: "حج مبرور افضل عمل ہے۔"

ایک حدیث یہ بھی ہے جسے ابوداؤد کے علاوہ محدثین کی ایک بڑی جماعت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ "ایک

---

❶...... رواہ مسلم۔ ❷ حنفیہ کا بھی یہی موقف ہے چونکہ حج صاحب استطاعت پر فرض ہے نیز نماز کفر واسلام کے درمیان فرق ہے، قبر میں سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ قرآن میں تقریباً سات سو جگہوں میں نماز کا سوال آیا ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر نماز پڑھی جبکہ حج صرف ایک مرتبہ کیا۔

عمرہ دوسرے عمرہ کے درمیان کی ہونے والی برائیوں کے لئے کفارہ ہے، حج مبرور کا جنت کے سواء کچھ بدلہ نہیں۔" مبرور بمعنی مقبول ہے، چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے کہ حج مبرور وہ ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔

علامہ شوکانی کا مؤقف...... علامہ شوکانی کہتے ہیں: افضلیت اعمال کے بیان میں وارد ہونے والی احادیث کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ مخاطب کے احوال مختلف ہونے سے فضیلت بھی مختلف ہوئی، چنانچہ جب مخاطب جنگ کی موثر صلاحیت کا حامل ہوا اور پہلوان سمجھا گیا تو اس سے کہا گیا کہ افضل عمل جہاد ہے۔ جب مخاطب مالدار شخص ہوا اس سے کہا گیا کہ افضل عمل صدقہ ہے اسی طرح مخاطبین کے احوال مختلف ہونے سے افضلیت کا بیان کا بھی مختلف ہوا۔ (۱)

مالکیہ کا مؤقف...... مالکیہ کہتے ہیں حج اگرچہ نفلی ہو جہاد سے افضل ہے۔ البتہ اگر دشمن کا خوف ہو تو اس حالت میں جہاد حج سے افضل ہے۔

مشروعیت کی حکمت...... حج وعمرہ سے فرض کفایہ کا تحقق ہوتا ہے اور وہ ہر سال عبادت کے ذریعہ احیائے کعبہ ہے عمرہ اس معنی میں حج سے ممتاز ہے کہ پورا سال ہوتا ہے جبکہ حج مقررہ ایام ہی میں ہو پاتا ہے، چنانچہ حج کے شخصی (ذاتی) فوائد بھی ہیں اور اجتماعی فوائد بھی ہیں۔

شخصی فوائد...... حج کے شخصی فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔ حج صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور نفس کو معاصی کی آلودگی سے پاک کرتا ہے، بعض علماء جیسے بعض حنفیہ کہتے ہیں، حج کبیرہ گناہوں کو بھی مٹا دیتا ہے، اس کی دلیل حدیث سابق ہے۔" ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے ان گناہوں کے لئے جو دونوں عمروں کے درمیان میں ہوں اور حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔" اس حدیث کی روشنی میں بعض گناہوں کو مٹانا نہیں بلکہ جنت کا داخلہ لابدی ہے۔ اسی طرح دوسری روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حج کیا اور دوران حج جماع کے متعلق باتیں نہ کیں اور فسق میں مبتلا نہ ہوا وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر واپس آئے گا جیسے اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ (۲)

ایک حدیث یہ بھی ہے۔" حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کا وفد ہوتے ہیں، اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی پکار کا جواب دیتا ہے، اگر رب تعالیٰ سے استغفار کریں تو وہ ان کی مغفرت کر دیتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح یہ بھی فرمایا: حاجی کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اس شخص کی مغفرت بھی ہو جاتی ہے جس کے لئے حاجی استغفار کرے۔ (۳)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح قرضہ ساقط ہونے کا قائل بھی کوئی نہیں اگرچہ قرض اللہ تعالیٰ کا حق ہو جیسے نماز اور روزہ۔

چنانچہ حج گناہوں کا صفایا کر دیتا ہے، خطاؤں کو ختم کر دیتا ہے، البتہ انسانوں کے حقوق کو معاف نہیں کرتا، چونکہ انسانوں کے حقوق ذمہ سے متعلق ہوتے ہیں، یہاں تک کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ اہل حقوق کو جمع کرے گا تا کہ ہر شخص اپنا حق لے سکے۔ ہاں البتہ صاحب حق رب تعالیٰ کی نعمتوں سے راضی ہو اور اللہ تعالیٰ بندے پر کرم کر دے اور مقروض سے چشم پوشی کا معاملہ فرمائے، الغرض آدمیوں کے حقوق ادا کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، رہی بات اللہ تعالیٰ کے حقوق کی سو یہ اللہ تعالیٰ غفور ورحیم کے تسامح پر مبنی ہیں۔

حج نفس کو پاک کر دیتا ہے، نفس کو صفائی اور اخلاص کی طرف لے جاتا ہے، جس سے زندگی نئی راہوں پر گامزن ہو جاتی ہے، انسان کی باطنی سوچوں کو ختم کر دیتا ہے، رب تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور امید کو مضبوط کرتا ہے۔

---

(۱)...... دیکھئے نیل الاوطار ۲۸۲/۴۔ (۲) رواہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ والترمذی عن ابی ہریرۃ۔ (۳) روہ البزار والطبرانی فی الصغیر وابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم۔

حج ایمان کوقوت بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کی تجدید کرتا ہے توبہ کرنے پر مدد دیتا ہے اور انسان صدق دل سے توبہ کرتا ہے، نفس کونکھارتا ہے، مقامات حج کا مشاہدہ کر کے دل کو مہذب اور متاثر بناتا ہے، بیت اللہ کے پاس جا کر رب تعالیٰ کی مہربانیوں کو اپنے دامن میں لیتا ہے۔

حج مومن کو ماضی کا شاندار اسلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے جہاد کی یاد دلاتا ہے، چونکہ اسلاف ہی نے دنیا کو اعمال صالحہ سے منور کیا۔

حج دوسرے اسفار کی طرح انسان کو صبر کا عادی بناتا ہے اور مشکلات اور دشواریاں برداشت کرنے کا عادی بناتا ہے۔ انسان ایک انتظام کا عادی بن جاتا ہے۔ اوامر کا التزام کرتا ہے پھر اسے رب تعالیٰ کی راہ میں دشواریاں اور مشکلات برداشت کرنے کا ایک چسکا سا لگ جاتا ہے اور انسان میں ایثار وقربانی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

حج کے ذریعہ بندہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے، ان نعمتوں میں نعمت مال، عافیت کی نعمت وغیرھا شامل ہیں، انسان کے نفس میں کامل بندگی کا درخت جڑ پکڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کی متعین شریعت کے آگے جھک جاتا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: حج میں بندگی کا اظہار اور نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔

بندگی کا اظہار......یوں ہوتا ہے کہ بندہ معبود کے آگے جھک جاتا ہے اور زیر کر دیتا ہے، چنانچہ حج میں یہی عامل کارفرما ہوتا ہے، چونکہ حاجی حالت احرام میں اپنی پراگندگی کا مظاہرہ کرتا ہے، زیب وزینت کا سامان ترک کر دیتا ہے، بندہ اپنی صورت سے رب تعالیٰ کی ناراضی کو ظاہر کر رہا ہوتا ہے یوں اس کی پراگندگی اور بدحالی کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی مہربانیاں اور عنایات بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

شکر نعمت کا اظہار...... چونکہ بعض عبادات بدنی ہوتی ہیں اور بعض مالی لیکن حج مال وبدن سے مخلوط عبادت ہے، اسی لئے حج تبھی واجب ہوتا ہے جب مال بھی موجود ہو اور بدن بھی حالت صحت میں ہو، گویا حج میں دو طرح کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جاتا ہے یعنی نعمت مال اور نعمت بدن، نعمتوں کا شکر تبھی بجالایا جاسکتا ہے جب نعمتوں کو منعم کی طاعت میں صرف کیا جائے، نعمتوں کا شکر ادا کرنا عقلاً وشرعاً واجب ہے۔

حج کے اجتماعی فوائد......حج امت کے مختلف رنگوں، زبانوں اور ملکوں کے افراد میں باہمی تعارف پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے، آزاد معاشی منافع جات کے تبادلہ کا ذریعہ ہے، عام مسلمانون کے حالات کو تذکرہ میں لانے کا سبب ہے، حج یہ درس دیتا ہے کہ مسلمان ایک صف بنا کر دشمن کے سامنے کھڑے ہو جائیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ......الحج ۲۲/۲۸

تاکہ وہ ان فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو ان کے لئے رکھے گئے ہیں۔

حج ساری دنیا کے مسلمانوں کے باہمی ربط وبھائی چارے کی علی روس الخلائق اشتہار ہے۔

چونکہ رب تعالیٰ کے فرمان ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' (الحجرات ۴۹/۱۰) کا عملی نمونہ دوران حج ہی دیکھنے کو ملتا ہے، دوران حج یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ سب مسلمان برابر ہیں اور حق پر ہیں، کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فوقیت حاصل نہیں یہ نظریہ حج ہی میں مشاہد ہوتا ہے۔

حج دعوت اسلام کو پھیلانے میں زبردست معاونت کرتا ہے، دنیا میں دعوت کے ستون کو حج مضبوط کرتا ہے اور وہ طریقہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے لئے رائج کیا حاجیوں کو اس سے واقفیت ہوتی ہے۔

رہا یہ کہ حج مومنین کی مخاطبت کا عام قومی اجتماع اور کانفرنس ہے جو ایام حج میں جمع ہوجاتا ہے اور ایک طرح کے عزم کا اعلان کرتا ہے سو یہ شرعاً مطلوب نہیں چونکہ اسلامی سیاست کا دارومدار اہل رائے اور اہل مشورہ پر ہے، اہل رائے ہی مرجع اور مرکز ہیں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی زبردست کثرت اس فائدہ کی تحقیق کے مانع ہے جس کی امید ہو، چونکہ سیاست کا دائرہ کار اور اسلامی طریقہ مسلمان حکام کی رائے پر ہے، عام افراد میں سے یہ اختیار کسی کے سپرد نہیں کہ وہ نفوذ اور حکومت میں کارفرما ہو۔ ❶

سوم...... حج اور عمرہ کا حکم

علماء امت کا اتفاق ہے کہ عمر میں حج ایک مرتبہ کرنا فرض ہے۔ اس پر کتاب وسنت سے دلائل ہیں۔

کتاب سے...... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶...... یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حج بندہ اور معبود کے درمیان تعلق کا اہم ذریعہ ہے، چنانچہ بالفاظ دیگر حج محبوب کی اداؤں کو ادا کرنے کا نام ہے، بندہ رب تعالیٰ سے گہرے عشق ومحبت کا دعویٰ کرتے کرتے تھکتا نہیں، کبھی اس کا اظہار کرکے تو دکھائے، رب تعالیٰ نے اس کا راستہ خود ہی مقرر فرمایا چونکہ انسان کی فطرت میں عیش ومحبت کا عنصر غالب ہے، ہر کوئی اپنے طریقہ سے اظہار عشق کرے لامحالہ راہ ہدایت سے بھٹک جائے گا، چنانچہ اس کا طریقہ کار وضع فرمایا، دیکھئے عقل سے ماوراء یہ عبادت محض عیش ومحبت کی اداؤں کا دوسرا نام ہے، ورنہ عقل یہ کب روا سمجھتی ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان جاکر آوارہ گھومو، عقل کب تسلیم کرتی ہے کہ ایک میدان میں جاکر پڑے رہو، لیکن میدان عشق ومحبت جو عقل کے دائرہ کار سے آزاد ہے اس کا بھرپور یہ تقاضا ہوتا ہے کہ محبوب کے لئے اپنے آپ کو ذلیل وخوار کردو، گویا بندہ اپنی جگہ عشق ومحبت کے بانگ دراز دعوے کرتا ہے وہ بھلا اس ساغر کی کیا قیمت جو جھلک نہ جائے، ساغر عشق ومحبت کے جھلکنے کا مشاہدہ ہونا ہو حج میں ضرور ہوتا ہے۔

خصوصاً عصر حاضر میں انسانیت مادیت کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ہے روحانیت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے چنانچہ وفود حج عقل ومادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرہ بغاوت بلند کرتے ہیں۔ حج کرنے والا انسان مادیت کے قفس زریں سے نکل کر اپنے آپ کو روحانیت کی بیکراں وسعتوں میں لے جاتا ہے، چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ارکان اربعہ میں رقم طراز ہیں۔ ''روزہ مادیت کے بتوں کو کماحقہ ہماری کوتاہی کی وجہ سے لگام نہیں دیتا چونکہ انسان کو روزہ بھی ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ مادیت کے بتوں سے بھی اپنے کو آشنا رکھتا ہے حتیٰ کہ شام کو مرغن اور طرح طرح کے کھانوں سے حاصل ہونے والی روحانیت پر مردنی چھاجاتی ہے، لہٰذا انسان کو دفعۃً باجرأت ہوکر ایسی قلندرانہ جست کی ضرورت تھی جس سے مادیت اور عقل کے طوق وسلاسل کو پاش پاش کرکے رکھ دے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں رنگ ونسل سے ماوراء عشق ومحبت اور شوق کی حکمرانی ہو۔

انسان کو کبھی کبھی اپنی سنجیدہ اور متین اور جامد عقل کے خلاف بغاوت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور اس کی حاجت بھی پیش آتی ہے کہ عادات واطوار پسند وناپسند، خودساختہ قوانین، مصنوعی تہذیب، ظاہر تکلفات، رسمی وضع داریوں اور سماج کے بندھے ٹکے نظام اور فرضی بندھنوں کو توڑ کر آزاد ہوجائے۔ (ملخص از ارکان اربعہ صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۶)

رہی یہ بات کہ کچھ ملحدین عبادت حج جو اسلام کی شان اور عظمت کا زبردست ذریعہ اشعار کو عقل کی ناقص کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں اور اسے عالمی کانفرنس سے تعبیر کرتے ہیں، لامحالہ یہ صریح کفر ہے چونکہ دلائل قطعیہ اور فرض عین کا انکار کفر ہے، انسانی عقل خواہ کتنی آگے بڑھ دوجائے وہ پھر بھی ناقص ہے اس کی رسائی وہاں ناممکن ہے جہاں شریعت مطہرہ کی رسائی ہے، مصنف کی بیان کردہ حکمت اور ہماری وضاحت سے فلسفہ حج کا لب لباب انشاء اللہ نمایاں سمجھ میں آجاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الغرض اس عظیم الشان عبادت کے لئے سب سے پہلی شرط ایمان کا بنانا ضروری ہے اور ذہن کو اس عبادت کے لئے تیار رکھنا ضروری ہے ورنہ کتنے لوگ وہاں صرف خریداری اور سیر کے لئے جاتے ہیں، لہٰذا رب کے ساتھ اگر گہرا تعلق نہیں بنایا اور اپنے آپ کو رب تعالیٰ کے دربار میں حاضری کے لئے ذہناً تیار نہیں کیا وہ لطف وکرم فوت ہوجائے گا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ آل عمران ۲/۹۷

اورلوگوں میں سے جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے

اور جو انکار کرے تو اللہ دنیا جہاں کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص نے حج کے غیر واجب ہونے کا اعتقاد رکھا اس نے کفر کیا۔ دوسری آیت میں ہے:

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ......البقرة ۲/۱۹۶

اللہ تعالیٰ کے لئے حج اور عمرہ پورا پورا ادا کرو۔

ایک اور جگہ فرمان ہے:

وَ أَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ......سورۃ الحج ۱۷/ ۲۷۔۲۸)

اورلوگوں میں اعلان کردو کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں

جو (لمبے سفر سے) دبلی ہو گئی ہوں تا کہ وہ ان فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو ان کے لئے رکھے گئے ہیں۔

اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں۔

سنت سے...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ ''گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ ❶

فریضہ حج زندگی میں ایک مرتبہ ہے...... زندگی میں صرف ایک بار حج فرض ہوتا ہے اس پر دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ''ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کیا اور فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے لہٰذا حج کرتے رہو، ایک شخص نے سوال اٹھایا کہ یا رسول اللہ! ہر سال حج کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ سائل نے تین مرتبہ سوال دہرایا، تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اس پر ''نعم (جی ہاں)'' کہہ دوں تو حج واجب ہو جائے گا اور تم اس کی استطاعت نہیں رکھو گے۔'' ❷

اسی معنی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بھی ہے اور اس روایت میں سائل کی تعیین ہے کہ سائل اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے، اس روایت میں یہ بھی ہے۔ ''جس شخص نے زیادہ حج کئے تو وہ نفلی ہوں گے۔'' ❸

یہ موقف کہ زندگی میں حج ایک بار فرض ہے اس کی تائید اصول فقہ کے اس قاعدہ سے بھی ہوتی ہے کہ امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا۔

بیہقی کی حدیث کا شبہ اور اس کا ازالہ...... چنانچہ بیہقی ابن حبان کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے ہر پانچ سالوں میں حج کرنا ضروری ہے حدیث یہ ہے۔ ''ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے جس بندے کو جسمانی صحت عطا فرمائی ہو اور اسے معاشی فراخی عطا فرمائی ہو اس پر پانچ سال گزر جائیں اور میری طرف سفر کر کے نہ آئے تو وہ محروم ہی رہتا ہے۔'' یہ حدیث ندب (استحباب) پر محمول ہے، یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے صحت، قوت اور معاشی فراخی عطا فرمائی ہو اس کے لئے ہر پانچ سالوں میں حج کرنا مستحب ہے اگر حج نہ کیا تو اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم رہے گا۔

❶......رواه البخاري ومسلم عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما۔ ❷ رواه احمد ومسلم والنسائي (نيل الاوطار ۲۷۹/۴) ❸ رواه احمد والنسائي (نيل الاوطار المكان السابق)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حج صرف ایک مرتبہ فرض ہے، ایک سے زائد مرتبہ حج نفلی ہوگا۔ ❶ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج اور عمرہ کو ملا کر کرو (یعنی پہلے عمرہ کرو پھر حج کرو) چونکہ حج اور عمرہ گناہوں کو اور فقر وفاقہ کو اس طرح مٹاتے ہیں جس طرح (لوہار کی) بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کی میل کو ختم کر دیتی ہے، حج مبرور (مقبول) کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔ ❷

زائد حج بھی واجب ہو جاتا ہے..... ''بسا اوقات حج ایک سے زائد مرتبہ بھی واجب ہو جاتا ہے جیسے کسی شخص نے یوں کہا: مجھ پر اللہ کے لئے حج ہے۔'' چونکہ نذر اسباب وجوب میں سے ہے، عبادات اور مقصود قربتوں میں نذر وجوب کا مسبب ہے، اسی طرح نفلی حج فاسد کر دیا تو اس کی قضاء بھی واجب ہوتی ہے۔

حرام حج..... بسا اوقات حج کرنا حرام ہوتا ہے جیسے حرام مال سے حج کرنا حرام ہے۔ بسا اوقات حج کرنا مکروہ ہوتا ہے جیسے جن لوگوں سے اجازت حج لینا ضروری ہو ان کی اجازت کے بغیر حج کر لیا مثلاً والدین جو محتاج خدمت ہوں ان کی اجازت کے بغیر حج کرنا مکروہ ہے، دادا، دادی والدین کے نہ ہونے پر والدین کے قائم مقام میں۔ ❸

اسی طرح مقروض کا قرض خواہ کی اجازت کے بغیر حج کرنا بھی مکروہ ہے، کفیل جس نے قرض کا ذمہ لے رکھا ہو قرض خواہ کی اجازت کے بغیر اس کا حج کرنا بھی مکروہ ہے، لہٰذا قرض خواہ اور والدین کی اجازت کے بغیر حج کے لئے جانا مکروہ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ کراہت تحریمی ہے۔

مالکیہ شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص مال حرام سے حج کر لے تو اس کا فرض یا نفل ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یہ ایسا ہی ہے جیسے مغصوب زمین میں نماز پڑھ لی جائے، چونکہ صحت اور عصیان میں کوئی منافات نہیں۔

حنابلہ نے اس مؤقف کی مخالفت کی ہے ان کے نزدیک مال حرام سے کیا ہوا حج ذمہ سے فرض ونفل کو ساقط نہیں کرتا، چونکہ ان کے نزدیک مغصوب زمین میں نماز صحیح نہیں ہوتی۔

نوع فرضیت..... حج یا تو فرض عین ہوگا یہ وہ نوع ہے کہ جو شخص شرائط (جو بعد میں آرہی ہیں) کے مطابق حج نہ کرے، یا فرض کفایہ ہوگا اور وہ ہر سال کعبۃ اللہ کا حج وعمرہ سے احیاء ہے، یا محض نفلی ہوگا یہ صرف غلاموں اور بچوں میں ہو سکتا ہے، اور ہر پانچ سالوں میں حج مندوب ومستحب ہے۔

تکرار عمرہ..... شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک ایک سال میں کئی بار عمرات کرنے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک ماہ میں دو مرتبہ عمرہ کیا ایک عمرہ حج قران میں اور دوسرا حج کے بعد کیا، چنانچہ بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ہونے والے گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔''

مالکیہ کے نزدیک سال میں عمرہ کا تکرار مکروہ ہے چنانچہ ابراہیم نخعی کہتے ہیں۔ صحابہ کرام سال میں صرف ایک بار عمرہ کرتے تھے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ ❹

---

❶ .....شرح مسلم ۹/۱۰۱ المجموع ۸/۷، نیل الاوطار ۲۸۰/۴ الدر المختار ۱۹۰/۲ فتح القدیر ۱۴۴/۲۔ ❷ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجه عن ابن مسعود۔ ❸ لہٰذا دادا دادی اگر محتاج ہوں ان کی اجازت کے بغیر حج کرنا مکروہ ہے۔ ❹ ایک سال میں بار بار عمرہ کا جائز بلکہ مستحسن ہے اسی پر فتویٰ ہے تاہم مالکیہ کا مذہب بھی معقول ہے چونکہ جب ایک مرتبہ عمرہ کرے گا وہ مزا وہ لطف وعشق ومحبت بار بار عمرہ کرنے میں نہیں ہوتی جو ایک مرتبہ عمرہ کرنے میں ہے۔ نیز حدیث ''زرغباً تزدد حباً۔'' واللہ اعلم۔

کیا حج واجب علی الفور ہے یا واجب علی التراخی.....امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف، مالکیہ کا راجح قول اور حنابلہ کہتے ہیں استطاعت کے مہیا ہوجانے کے بعد اور بعد میں آنے والی شرائط پائے جانے پر حج پہلے ہی سال واجب علی الفور ہے یعنی پہلے وقت میں حج واجب ہے۔ ❶ اگر سالوں تک حج مؤخر کیا تو فسق کا مرتکب ہوگا اور شہادت مردود ہوگی، چونکہ حج کو مؤخر کرنا صغیرہ گناہ ہے، اگر ایک سال نہ کیا تو فاسق نہیں ہوگا لیکن سالہا سال گزر گئے اور حج نہیں کیا تو گنا ہگار ہوگا چونکہ فوریت ظنی ہے، چونکہ فوریت کی دلیل ظنی ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، اگر حج میں تاخیر کی تو پھر بھی ادا ہوگا اگر مرنے تک نہیں کیا تو گنہگار ہوگا، فقہاء کہتے ہیں اگر کسی شخص پر حج فرض ہوا مگر اس نے تاخیر کی پھر مال ختم ہوگیا تو اب قرضہ لے کر حج کرے، اگر چہ قرضہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو، اگر ادائیگی کی نیت ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مواخذہ نہیں کرے گا، حنابلہ کہتے ہیں اگر کسی شخص نے کوتاہی کی حج نہ کیا اور مر گیا تو اس کے سبھی مال سے اتنا مال نکالا جائے گا جس سے اس کی طرف سے حج اور عمرہ کیا جاسکے۔ ان حضرات نے ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ ”ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً“ اور ”واتموالحج والعمرة لله“ جبکہ حنابلہ کے نزدیک بھی حج واجب علی الفور ہوتا ہے۔

ان حضرات کی واجب علی الفور پر دلیل ان احادیث سے بھی ہے۔ ”حج کرو قبل ازیں کہ تمہارا حج کیا جائے۔“ ❷ ایک اور حدیث ہے۔ ”حج کرنے میں جلدی کرو چونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کیا حالات پیش آنے والے ہیں ❸ ایک حدیث یہ بھی ہے۔ ”جس شخص کو مرض، کوئی ظاہری حاجت، ظاہری مشقت یا ظالم سلطان (حج سے) نہ روکے اور وہ حج نہ کرے وہ چاہے یہودی کی موت مرے یا نصرانی کی موت مرے۔“ ❹

ایک روایت ترمذی کی ہے۔ ”جس شخص کے پاس زادراہ ہو، سواری ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکتی ہو، (اس استطاعت کے باوجود) اس نے حج نہ کیا، اس پر کچھ نہیں خواہ یہودی مرے یا نصرانی، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔“ اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔“ یہ احادیث حج کے واجب علی الفور پر دلالت کرتی ہیں، اور جو شخص پہلے وقت میں حج نہ کرے باوجود یکہ کر سکتا ہو اس کے متعلق وعید آئی ہے، چونکہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں: من ملك ...... فلم يحج فاء تعقیب بلافصل (مع الوصل) کے لئے آتا ہے یعنی جو شخص زادراہ اور سواری کا مالک ہو اس نے اس کے فوراً بعد حج نہ کیا۔

شافعیہ.....شافعیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حج واجب علی التراخی ہے، اس کا معنی یہ نہیں کہ تاخیر متعین ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ حج علی الفور لازم نہیں ہوتا، جس پر حج واجب ہو اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ تاخیر نہ کرے، بلکہ اپنے ذمہ سے فارغ ہونے کے لئے جلدی کرے اور طاعت کی طرف بڑھ کر جائے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ......البقرة ۲/ ۱۴۸ بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جاؤ۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب تاخیر کرے گا تو حج کو فوت کرنے کی طرف خود پیش رفت کرے گا اور حج کو حوادث زمانہ کے رحم وکرم پر چھوڑے گا، البتہ ایک سال سے دوسرے سال تک مؤخر کرنا جائز ہے، ان حضرات کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ حج کی فرضیت ۶ھ میں ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ تک حج مؤخر کیا جبکہ کوئی عذر بھی نہیں تھا اگر تاخیر جائز نہ ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر نہ کرتے۔ ❺

یہ رائے اولیٰ و افضل ہے چونکہ اس میں لوگوں پر آسانی ہے اور گناہ کا حکم بھی نہیں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جمہور نے جن احادیث سے

---

❶ ......واجب علی الفور کا مطلب یہ ہے کہ جونہی استطاعت حاصل ہوئی حج فوراً واجب ہوگا حج کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ ❷ حديث صحيح رواه الحاكم وللبيهقي عن علي۔ ❸ رواه احمد وابو القاسم الا صبهاني عن ابن عباس وفي سنده ابو اسرائيل ضعيف الحفظ (نيل الاوطار ۲۸۴/۴) ❹ رواه سعيد بن المنصور واحمد وابو يعلي والبيهقي عن ابي امامة وفيه ليث بن ابي سليم ضعيف۔ ❺ دیکھئے شرح المجموع ۸۲/۷، المهذب ۱۹۹/۱، الايضاح ص ۱۷ مغنی المحتاج ۴۶۰/۱۔

استدلال کیا ہے وہ سب ضعیف ہیں، یہ بھی حق ہے کہ حج ۶ ھ میں فرض ہوا۔

یعنی جس وقت سورت آل عمران نازل ہوئی اسی وقت حج فرض ہوا جیسا کہ شافعیہ کی تحقیق ہے، جن لوگوں نے ۱۰ھ میں حج کے فرض ہونے کا قول کیا اس نے خطا کی چونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ سورت آل عمران ۱۰ھ سے پہلے نازل ہوئی ہے، لیکن حج میں جلدی کرنا احتیاطاً ضروری ہے۔

عمرہ کا حکم......حنفیہ کا مذہب اور مالکیہ کا راجح قول یہ ہے کہ عمرہ سنت زندگی میں ایک مرتبہ کرنا سنت موکدہ ہے، ❶ چونکہ مشہور احادیث جن میں اسلام کے فرائض کی تعداد بیان کی گئی ہے ان میں عمرہ کا ذکر نہیں ہے، مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔'' ان پانچ چیزوں میں صرف حج کا ذکر ہے، اسی طرح جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! مجھے عمرہ کے بارے میں خبر دیں کیا یہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، ہاں اگر تم عمرہ کرو تمہارے لئے بہتر ہے۔ دوسری روایت بھی ہے۔'' تمہارے لئے اولیٰ ہے۔'' ❷

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ '' حج جہاد (فرض) ہے اور عمرہ نفلی ہے۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ کا ظاہر قول اور حنابلہ کہتے ہیں: عمرہ حج کی طرح فرض ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "اتموا الحج والعمرة لله" یعنی اللہ کے لئے حج وعمرہ پورا پورا ادا کرو۔'' "اتموا'' امر ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں عورتوں پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں ہوتی یعنی حج اور عمرہ۔ ❹

میرے نزدیک دوسری رائے زیادہ صحیح ہے چونکہ دوسری رائے کی دلیل آیت ہے اور پہلی رائے کی مستدل احادیث ضعیف ہیں۔ ❺

اہل مکہ پر عمرہ ہے؟......حنابلہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اہل مکہ پر عمرہ نہیں چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ عمرہ کو واجب سمجھتے تھے اور کہتے تھے: اے اہل مکہ تمہارے اوپر عمرہ نہیں ہے۔ تمہارا عمرہ یہی ہے کہ تم بیت اللہ کا طواف کرتے رہو، اسی طرح عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عمرہ کا اہم رکن طواف ہے اور اہل مکہ طواف کرتے رہتے ہیں لہٰذا انہیں یہی کافی ہے۔

دوسری بحث......حج وعمرہ کی شرائط اور موانع (ممنوعات)

اس بحث میں دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد......حج وعمرہ کی شرائط

کچھ شرائط ایسی ہیں جو مردوں اور عورتوں کے لئے عام ہیں اور کچھ شرائط عورتوں کے ساتھ خاص ہیں اگر یہ شرائط پائی گئیں تو حج واجب ہوگا اور اس کی ادا بھی واجب ہوگی اگر شرائط نہ پائی گئیں تو حج واجب نہیں ہوگا اور ادا بھی واجب نہیں۔

---

❶......الدر المختار ۲۰۶/۲، فتح القدير ۳۰۶/۲ البدائع ۲۲۶/۲ بداية المجتهد ۳۱۲/۱، اگرچہ علامہ کاسانی نے عمرہ کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے۔ ❷ رواه الترمذی وصححه احمد والبيهقی وابن ابی شيبة وعبد بن حميد وفی اسناده حجاج بن ارطاة وفی تصحيح الترمذی نظر وقال النووی اتفق الحفاظ علی ضعفه. ❸ رواه الدار قطنی والبيهقی وابن حزم واسناده ضعيف كما قال ابن حجر وقال ايضاً ولا يصح من ذالک شئی. ❹ رواه ابن ماجه والبيهقی وغيرهما باسانيد صحيحة. ❺ آیت سے استدلال صحیح نہیں چونکہ اس میں اتمام کا حکم ہے اور اتمام شروع کر لینے کے بعد ہوتا ہے حنفیہ بھی کہتے ہیں عمرہ شروع کر لینے کے بعد تمام کرنا واجب ہے۔

عام شرائط.....شرائط عام کا اجمالی خاکہ کچھ یوں ہے، ایسی شرط جو وجوب، صحت اور ادا کے لئے ہو اور وہ اسلام اور عقل ہے، وہ شرط جو وجوب اور اجزاء (یعنی کافی ہونے) کے لئے ہو اور وہ صحت کی شرط نہیں وہ بالغ ہونا اور آزاد ہونا ہے، ان میں سے ایک شرط وہ بھی ہے جو فقط وجوب کے لئے ہے اور وہ استطاعت کا ہونا ہے۔

یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱۔ اسلام.....حج مسلمان پر فرض ہے، کافر پر فرض نہیں دنیا میں حالت کفر میں حج کا مطالبہ اس سے نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی کافر کی طرف سے حج صحیح ہوتا ہے چونکہ کافر میں ادائے عبادت کی اہلیت ہی نہیں ہوتی، اگر کافر نے حج کیا پھر اسلام قبول کیا تو اس پر حج اسلام واجب ہوگا۔ حالت کفر میں کئے ہوئے حج کا کوئی اعتبار نہیں، حنفیہ کے نزدیک احکام آخرت کے اعتبار سے بھی کافر پر حج واجب نہیں، لہٰذا کافر سے مواخذہ نہیں ہوگا چونکہ کافر شریعت کی فروع کا مخاطب نہیں جبکہ جمہور کے نزدیک کافر کا ترک حج پر مواخذہ ہوگا چونکہ جمہور کے نزدیک کافر فروع کا مخاطب ہے۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اسلام شرط صحت (حج صحیح ہونے کی شرط) ہے شرط وجوب نہیں، لہٰذا کافر پر بھی حج فرض ہے البتہ بغیر اسلام کے اس کا حج صحیح نہیں۔ رہی بات کافر اصلی کی سو اس پر حج واجب نہیں۔

۲۔ تکلیف.....مکلّف ہونا بھی شرط ہے یعنی عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے، چھوٹے بچے اور مجنون پر حج فرض نہیں، چونکہ نابالغ اور مجنون سے احکام شریعت کا مطالبہ نہیں۔ لہٰذا انہیں حج لازم نہیں ہوگا، مجنون عبادت کا اہل نہیں ہوتا، اگر بچے اور مجنون نے حج کر دیا پھر بچہ بالغ ہوگیا اور مجنون کو افاقہ ہوا تو انہیں از سرنو حج کرنا ہوگا، بچہ بلوغ سے پہلے جو حج کرے گا وہ نفلی ہوگا کہ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی مرفوع القلم ہیں۔ سویا ہوا شخص حتیٰ کہ بیدار ہو جائے، بچہ حتیٰ کہ بالغ ہو جائے، معتوہ (کم عقل، مجنون، نیم پاگل) حتیٰ کہ سمجھدار ہو جائے۔ ❷ ایک اور حدیث ہے کہ "جس بچے کو اس کے گھر والے ساتھ حج کرائیں پھر (بچہ مر گیا تو اس کی طرف سے یہ حج کافی ہوگا۔ اگر سن بلوغ کو پہنچا تو اس پر حج (اسلام) واجب ہوگا، جس غلام کو اس کے مالکان اپنے ساتھ حج کرائیں پھر وہ مر جائے تو اس کی طرف سے یہ حج کافی ہوگا اگر آزاد کر دیا گیا تو اس پر از سرنو حج واجب ہوگا۔" ❸

مسئلہ.....جنون (پاگل پن) بے ہوشی، موت، نشہ اور نیند سے احرام باطل نہیں ہوتا۔

اگر بچے نے حج کر لیا تو اس کا حج صحیح ہوگا البتہ حج اسلام کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔

اگر مجنون نے اور فرق نہ کر سکنے والے بچے نے حج کیا تو ان کا ادائے حج صحیح نہیں چونکہ مجنون اور ناسمجھ بچے کی ادا عقل پر موقوف ہے۔

بچے اور مجنون کا حج کرانا: ا.....شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: ولی یعنی باپ یا دادا خواہ حلال ہوں یا احرام باندھا ہوا اپنی طرف سے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو کے لئے جائز ہے کہ سمجھدار بچے یا غیر سمجھدار بچے یا مجنون کی طرف سے احرام باندھے، ولی ان کی طرف سے احرام کی نیت کرے یا کہے: میں نے فلاں کی طرف سے احرام باندھا ہے، بچے اور مجنون کے بوقت احرام حاضر ہونا شرط نہیں اور نہ ہی ان کی مواجہت شرط ہے، چونکہ اس سے ولی محرم نہیں ہوتا، بے ہوش اور مریض کی طرف سے احرام باندھنا جائز نہیں۔ ❹

---

❶.....دیکھئے البدائع ۲/۱۲۰، فتح القدیر ۲/۱۲۰، الدر المختار ۲/۱۹۳ اللباب ۱/۱۷۷ الشرح الصغیر ۲/۶۔ بدایۃ المجتھد ۱/۳۰۸، المجموع ۷/۱۷ مغنی المحتاج ۱/۴۶۱ المھذب ۱/۱۹۵ کشاف القناع ۲/۴۴۰ المغنی ۳/۲۱۸ وغیرھا۔ ❷ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والترمذی وقال حدیث حسن وھومن روایۃ علی۔ ❸ ذکرہ اوحمد مرسلاً ورواہ الحاکم عن ابن عباس وقال حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ (نصب الرایۃ ۳/۶) ❹ مغنی المحتاج ۱/۴۶۱، الایضاح ص ۹۹ المجموع ۷/۳۴ الشرح الصغیر ۲/۱۰ المغنی ۳/۲۵۲۔

بچے اور مجنون کی طرف سے احرام باندھنے کے جواز میں دلیل یہ حدیث ہے:'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام روحاء میں سواروں کی ایک جماعت سے ملے، آپ نے پوچھا: تم کون لوگ ہو، جواب دیا! ہم مسلمان ہیں، انہوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، اتنے میں ایک عورت بچہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا: کیا اس بچے کا حج بھی ہے؟ فرمایا: جی ہاں اس میں تمہارے لئے اجر وثواب بھی ہے۔ ❶

ولی کی اجازت...... ولی کی اجازت کے بغیر بچے کا احرام باندھنا جائز نہیں، ولی باپ، دادا (اگر باپ نہ ہو) وصی اور نگران ہو سکتا ہے، یہی قول شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے، شافعیہ کے نزدیک بھائی، چچا اور ماں بچے کے ولی نہیں ہو سکتے، بشرطیکہ جب وصیت یا حاکم کے فیصلہ ولایت نہ ہو۔ اگر وصیت کے مطابق یا حاکم کے فیصلہ سے بھائی یا چچا ولی ہو تو اس کا ولی ہونا جائز ہے۔

ولی کو چاہئے کہ وہ اس شخص کو اجازت دے دے جو بچے کی طرف سے احرام باندھتا ہو۔

چنانچہ غیر ممیز بچہ (جو نا سمجھ ہو، صبی غیر عاقل) یا مجنون احرام باندھ کر جوں ہی چلے تو ولی اس کی طرف سے وہ افعال بجالائے جو بچہ یا مجنون نہیں کر سکتا، اس میں ولی کا فعل کافی نہیں بلکہ جو فعل بجالانا ہو اس میں بچے کو ساتھ ساتھ رکھنا ضروری ہے، چنانچہ بچے کو ساتھ رکھ کر سعی کرے بچے کو ساتھ رکھ کر طواف کرے، البتہ احرام اور طواف کی دو دو رکعتیں تنہا ولی ہی پڑھے، اگر ولی بچے یا مجنون کو سوار کر کے سعی یا طواف کرائے تو ولی سواری کو آگے سے کھینچے یا پیچھے سے ہانکے، اگر ولی نے ایسا نہ کیا تو اس کا طواف صحیح نہیں ہوگا۔

بچے پر طہارت واجب ہے، ستر عورت طواف کے دوران بھی واجب ہے۔ البتہ طہارت وضو شرط نہیں۔ وقوف کی جگہوں میں ولی بچے یا مجنون کے ساتھ موجود رہے، جو وقوف واجب ہیں وہاں اس کا حاضر رہنا واجب ہے اور جو وقوف مندوب ہیں ولی کا حاضر رہنا بھی مندوب ہے۔ بچہ یا مجنون رمی وغیرہ پر قدرت رکھتا ہو تو اس کا رمی کرنا واجب ہے، ولی کے لئے مستحب ہے کہ رمی کے لئے کنکری، بچے کے ہاتھ میں دے اگر بچہ رمی کرنے سے عاجز ہو اور نہ کر سکتا ہو تو ولی ہی اس کی طرف سے کرے، پھر اپنی طرف سے رمی کرے، اگر ولی نے اپنی طرف سے رمی نہ کی اور بچے کی طرف سے کر دی تو یہ رمی ولی کی طرف سے ہوگی اگرچہ اس نے بچے کی نیت کی ہو۔

خلاصہ...... ہر وہ فعل جو بچہ کر سکتا ہو اس کا کرنا واجب ہے، ایسے فعل کو اس کا نائب نہیں کر سکتا، جیسے وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ وغیرھما۔ جن افعال سے بچہ عاجز ہو ولی اس کی طرف سے کرے۔

اگر اعمال حج میں ولی نے کوئی کوتاہی کر دی جس کی وجہ سے دم ❷ لازم ہوا تو وہ ولی کے مال سے لازم ہوگا۔

ولی پر محظورات احرام سے باز رہنا واجب ہے، اگر بچہ غیر ممیز ہو تو محظور (ممنوع) کے ارتکاب سے کسی پر فدیہ نہیں آئے گا۔ سفر کی وجہ سے زائد از ضرورت جو خرچہ ہوگا وہ اصح قول کے مطابق ولی کے مال سے ہوگا۔

اگر بچے نے اپنے حج کے دوران جماع کر لیا تو حج فاسد ہو جائے گا، قضا لازم ہوگی اگرچہ بچپن ہی میں قضاء کرے جیسے بالغ شخص جماع کر بیٹھے اور نفلی حج کر رہا ہو تو قضاء اس پر بھی لازم ہوتی ہے، حج فاسد ہونے میں بچے کا اعتبار بالغ سے کیا جائے گا۔

مسئلہ...... بچہ طاعات میں سے جو عمل بھی بجالائے اس کا اجر وثواب اس کے لئے لکھا جاتا ہے اور اگر معصیت کر بیٹھے تو اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا یہ مسئلہ بالا جماع ہے۔

ب...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور روایت: بچے کا حج صحیح نہیں، اس کی دلیل حدیث سابق ہے'' کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں:

---

❶...... رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابن عباس (نیل الاوطار ۲۹۳/۴) ❷ دم سے مراد جانور ذبح کرنا، اعمال حج میں کوتاہی کر دینے پر کفارہ لازم ہوتا ہے اور وہ جانور ذبح کرنا ہوتا ہے۔ یعنی غیر ممنوع افعال کرنے پر بکری وغیرہ ذبح کرنی ہوتی ہے اسے دم کہتے ہیں۔

بچہ حتیٰ کہ بالغ ہو جائے.....الخ''۔

نیز اسے نذر پر بھی قیاس کیا گیا ہے کہ بچے کی نذر صحیح نہیں، اس لئے بھی کہ حج بچے پر واجب نہیں لہٰذا اس کی طرف سے حج صحیح بھی نہیں ہوگا، چونکہ اگر بچے کا حج صحیح ہوتا تو اس کی قضاء واجب ہوتی جب حج فاسد کردے۔

نیز حج بدنی عبادت ہے لہٰذا ولی کی طرف سے بچے کے لئے حج کا کرنا صحیح نہیں ہوگا جیسے نماز صحیح نہیں ہوتی۔

۳۔ آزاد ہونا.....غلام پر حج واجب نہیں، چونکہ حج ایسی عبادت ہے کہ اس کے لئے تھوڑا عرصہ چاہیے، یہ عبادت سفر سے تعلق رکھتی ہے، اس میں زادراہ اور سواری کی استطاعت شرط ہے، ان تمام امور کے پیش نظر آقا کے وہ حقوق جو غلام سے تعلق رکھتے ہیں وہ لامحالہ منقطع ہوں گے لہٰذا غلام پر حج واجب نہیں جس طرح غلام پر جہاد واجب نہیں۔

بچپن اور غلامی میں حج کرنے کا حکم.....اس مسئلہ کا دارومدار شرط نمبر ۳ یعنی آزادی پر ہے، چنانچہ اگر نابالغ نے حج کیا اور وقوف عرفہ کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے بچہ بالغ ہوگیا یا غلام آزاد کردیا گیا تو ان کے ذمہ از سر نو حج لازم ہوگا اس کی دلیل حدیث سابق ہے۔ ''جس بچے کو اس کے گھر والے اپنے ساتھ حج کرائیں.....اگر وہ بالغ ہوگیا تو اس پر حج ہے، جس غلام کو اس کے گھر والے اپنے ساتھ حج کرائیں.....اگر وہ آزاد کردیا گیا تو اس پر بھی حج لازم ہے۔''

اگر وقوف عرفہ سے پہلے (مثلاً ۹ ذی الحجہ کو صبح صبح) بچہ بالغ ہوا یا غلام آزاد ہوا انہوں نے از سر نو احرام باندھا اور ارکان حج مکمل کئے تو یہ حج ان کے حج کی طرف سے کافی ہوگا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، چونکہ ارکان حج میں سے کوئی رکن فوت نہیں ہوا اور نہ ہی وجوب سے قبل کوئی رکن بجالایا ہے۔

اگر بچہ وقوف عرفہ سے پہلے یا وقوف عرفہ کے دوران بالغ ہوا اور وہ حالت احرام میں ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حج اس کے حج اسلام کی طرف سے کافی ہوگا، چونکہ بچے نے وقوف عرفہ کو بعد از بلوغ پالیا ہے۔ اس طرح غلام کی طرف سے بھی یہ حج ہو جائے گا جب وقوف سے پہلے یا وقوف کے وقت آزاد ہو۔

جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مذکور بچے اور غلام کو یہ حج کافی نہیں ہوگا چونکہ ادائے حج کے لئے شرط ہے کہ محرم احرام باندھتے وقت آزاد اور مکلّف ہو جبکہ بچے اور غلام کا احرام نفلی حج کے لئے منعقد ہوا لہٰذا فرض حج کے لئے منقلب نہیں ہوگا۔

البتہ حنفیہ کہتے ہیں: اگر بچے نے وقوف عرفہ سے پہلے (بالغ ہونے کے بعد) از سر نو احرام باندھا، تلبیہ کہا، حج اسلام کی نیت کی، حج کے اعمال یعنی وقوف، طواف زیارت اور سعی وغیرھا مکمل کئے تو یہ جائز ہے۔

لیکن غلام اگر ایسا کرے تو اس کا حج حج اسلام نہیں ہوگا نفلی ہوگا (یعنی آزاد ہونے کے بعد) فرق کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا احرام صحیح واقع ہوا البتہ لازم نہیں تھا، چونکہ بچہ میں اہلیت نہیں۔ لہٰذا بچے کے احرام کو ختم کرنے کا احتمال ہے، چنانچہ جب حج اسلام کے لئے از سر نو احرام باندھے گا تو پہلا احرام ختم ہو جائے گا۔ رہی بات غلام کے احرام کی سو وہ لازم ہو کر واقع ہوا ہے چونکہ غلام خطاب کا اہل ہے (مکلف ہے) لہٰذا اس کا احرام نفلی منعقد ہوگا، اس کا دوسرا احرام پہلے احرام کے فسخ کرنے سے صحیح نہیں ہوگا، نیز یہ احرام کے فسخ کا احتمال ہی نہیں، یہی اختلاف کافر اور مجنون کے احرام میں بھی ہے، چنانچہ اہلیت معدوم ہونے کی وجہ سے کافر اور مجنون کا احرام اصلاً منعقد ہی نہیں ہوگا۔

بچے، غلام اور بیوی کے لئے اجازت.....ممیز بچے (جو فرق کرسکتا ہو) کے لئے حج کا احرام باندھنا ولی کی اجازت کے بغیر جائز نہیں چونکہ بچہ ایسے عمل کو ادا کرنا چاہتا ہے جو لازم نہیں لہٰذا بنفسہ حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک احرام منعقد نہیں ہوگا۔

غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر احرام نہیں باندھ سکتا چونکہ حج سے اس کے مالک کے حقوق فوت ہوں گے، آقا کے حقوق کا بجالانا

غلام پر واجب ہے جبکہ حج اس پر واجب نہیں۔ اگر احرام باندھ ہی لیا تو صحیح ہوگا اور منعقد ہو جائے گا۔

چونکہ حج بدنی عبادت بھی ہے جیسے نماز اور روزہ لہٰذا آقا کی اجازت کے بغیر بھی صحیح ہوگا۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک آقا غلام کو احرام سے حلال کر سکتا ہے (یعنی غلام کا احرام ختم کروا سکتا ہے) چونکہ بغیر اجازت کے حج کرنے سے آقا کے حقوق فوت ہوتے ہیں لہٰذا غلام اس صورت میں محصر (روکے گئے شخص) کی طرح ہو گیا۔

عورت خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی حج کا احرام نہیں باندھ سکتی چونکہ اس میں خاوند کے حقوق فوت ہونے کا پہلو ہے، اگر اجازت کے بغیر بیوی نے احرام باندھ لیا تو خاوند اسے احرام سے حلال کرا سکتا ہے چونکہ خاوند کا حق لازمی ہے لہٰذا احرام ختم کرا سکتا ہے جیسے بغیر اجازت کے اعتکاف بیٹھ جائے تو اعتکاف ختم کرا سکتا ہے۔ اس صورت میں عورت محصر کے معنی میں ہوگی۔

والدین کو روا نہیں کہ وہ اولاد کو فرض حج یا حج منذور سے روکیں اور اولاد کو احرام سے حلال بھی نہیں کرا سکتے، اس میں اولاد کے لئے والدین کی اطاعت جائز نہیں، یعنی حج چھوڑنے میں والدین کا حکم ماننا جائز نہیں۔ اسی طرح ہر وہ عمل جیسے نماز باجماعت، جمعہ، علم کے لئے سفر کرنا وغیرہ کے ترک کرنے کے مطالبہ میں والدین کا حکم ماننا جائز نہیں، چونکہ یہ اعمال فرض ہیں ان میں والدین کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے نماز کے لئے والدین کی اجازت کا اعتبار نہیں۔

۴۔ **بدنی اور مالی استطاعت اور موجب حج امنیہ**...... استطاعت سے مراد مکہ مکرمہ تک پہنچنے کی قدرت ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ...... آل عمران ۳/۹۷)

لوگوں میں سے جو لوگ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لئے حج فرض ہے۔

لیکن استطاعت کی حدود اور وجوہات میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ..... حنفیہ کہتے ہیں استطاعت کی تین اقسام ہیں: بدنیہ، مالیہ اور امنیہ (امن کی قدرت)

بدنی استطاعت...... بدنی استطاعت سے مراد بدن کا صحت مند و تندرست ہونا ہے، لہٰذا مریض، اپاہج، لنجا مفلوج، نابینا وغیرہم پر حج فرض نہیں اگر چہ ان لوگوں کو کوئی قائد ہی مل جائے تب بھی ان پر حج واجب نہیں۔

اسی طرح شیخ کبیر (بہت بوڑھا) جو سواری پر جم کر بیٹھ نہ سکتا ہو، محبوس (گرفتار) اور وہ شخص جو سلطان کے ظلم کی وجہ سے روک دیا گیا ہو ان پر بھی حج فرض نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ نے استطاعت کی شرط لگائی ہے اور یہ شرط وجوب حج کے واسطے ہے۔ اس سے مراد استطاعت تکلیف ہے۔

یعنی سلامتی کے اسباب اور مکہ تک پہنچنے کے وسائل مراد ہیں، منجملہ اسباب میں سے بدن کا آفات سے سلامتی میں ہونا ہیں چونکہ حج کے لئے سفر لابدی ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے۔ "اِلَيْهِ سَبِيْلًا" کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ بندے کا بدن تندرست ہو، زادراہ اور سواری کے لئے نقدی مال (روپے پیسے) ہوں۔ ❶

مالی استطاعت...... مالی استطاعت یہ ہے کہ بندہ زادراہ اور سواری کا مالک ہو، یعنی اس کے پاس آنے جانے کی زادراہ کا بندوبست ہو اور سواری دستیاب ہو، اس کی یہ مالی استطاعت حاجت اصلیہ، رہائش کے مکان، پہننے کے کپڑوں، گھریلو اثاثہ اور خادم وغیرہ کے علاوہ ہو، نیز مالی استطاعت اپنے عیال جن کا نفقہ اس پر واجب ہو سے زائد ہو یعنی عیال کے پاس اتنا خرچہ ہوتا کہ حاجی بآسانی واپس لوٹ آئے۔

---

❶ ..... البدائع ۲/۱۲۱ اللباب ۱/۱۷۷ الدر المختار ۲/۱۹۴۔

سواری کی استطاعت کے لئے ضمنی شرائط:ا...... یہ کہ سواری بندے کی مخصوص سواری ہو مشترک نہ ہو کہ باری باری جس پر سوار ہونا پڑے، عصر حاضر میں چونکہ سفر گاڑیوں، بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے مشترکہ قدرت کا اعتبار ہوگا۔

ب...... یہ کہ سواری لوگوں کے احوال کے مطابق ہو، لہٰذا جو شخص کجاوے میں بیٹھ کر سفر کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس پر حج فرض نہیں۔ ❶

ج......سواری کی شرط کا اعتبار آفاقی کے لئے ہے آفاقی سے مراد وہ ہے جو مکہ مکرمہ سے تین ایام کی مسافت کے فاصلہ پر ہو، رہی بات اس شخص کی جو مکہ کا رہنے والا ہو یا مکہ کے مضافات میں رہتا ہو جو تین ایام سے کم مسافت کے فاصلہ میں رہتا ہو اگر وہ سواری پر نہ بیٹھ سکتا ہو تو جب اسے چلنے کی قدرت حاصل ہو تو پیدل چل کر حج کرے۔

امنی استطاعت......یعنی جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اسے امن وامان کی استطاعت بھی حاصل ہو، کہ راستہ پر امن ہے اور سلامتی کا غالب گمان ہے، اگر چہ امن وسلامتی کے حصول کے لئے بندے کو رشوت بھی دینی پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کرے چونکہ راستے کی سلامتی کے بغیر حج کی استطاعت حاصل نہیں ہوتی۔ امن وسلامتی کی استطاعت شرط وجوب ہے امام ابوحنیفہ سے یہی مروی ہے، بعض حنفیہ کے نزدیک امن کی استطاعت شرط ادا ہے۔ ❷

عورت کا امن......عورت کا امن یہ ہے کہ اس کے ساتھ عاقل بالغ محرم ہو، اگر بالغ نہیں تو مراہق (جو قریب البلوغ ہو) قابل اعتماد جو فاسق نہ ہو وہ ساتھ ہونا ضروری ہے، محرم یا تو (خونی) رشتہ داروں میں سے ہو یا سسرالی رشتہ داروں میں سے یا خاوند ہو۔ جو عورت کے ساتھ عورت ہی کے خرچہ پر حج کر سکے، عورت کا بغیر محرم یا بغیر شوہر کے حج کرنا مکروہ تحریمی ہے، یہ تب ہے جب عورت کے ٹھکانے اور مکہ مکرمہ کے درمیان مدت سفر (تین دن تین رات کے بقدر) ہو، اگر عورت نے بغیر محرم کے حج کر ہی لیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہے، صحیح قول کے مطابق عورت کو اگر محرم دستیاب نہ ہو تو اس پر شادی کرنا واجب نہیں، محرم کی شرط شرط وجوب ہے، بعض نے شرط اداء کا قول بھی کیا ہے۔ البتہ ہمارے زمانہ میں عورت اپنی رضاعی بھائی کے ساتھ سفر حج نہ کرے چونکہ فساد کا غلبہ بڑھ چکا ہے، چونکہ رضاعی بھائی کے ساتھ خلوت مکروہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مرد اپنی سالی کے ساتھ خلوت نہیں کر سکتا۔

ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس قول کو مختار سمجھا ہے کہ بحالی صحت اور راستے کے امن کے ساتھ ساتھ محرم کا موجود ہونا وجوب ادا کی شرائط ہیں، لہٰذا اگر مرض یا راستے کا خوف آڑے آ جائے یا عورت کا خاوند نہ ہو اور کوئی محرم بھی نہ ہو تو حج کی وصیت کرنا واجب ہے۔

وجوب حج کی شرائط یعنی زادراہ اور سواری وغیرھا کے دستیاب ہونے کا اعتبار اہل شہر کے نکلنے کے وقت سے ہوگا، اگر حج کے لئے نکلنے کا وقت آ گیا اور مال اپنے پاس موجود ہو تو بندے کے لئے جائز نہیں کہ یہ مال کسی اور مصرف میں صرف کرے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں، استطاعت وہ حسب عادت مکہ تک پہنچنے کا امکان ہے خواہ پیدل چل کر یا سوار ہو کر، یعنی مکہ تک جانے کی استطاعت مراد ہے، واپس لوٹنے کی استطاعت کا اعتبار نہیں، الا یہ کہ جب مکہ میں یا مکہ کے قریب کسی شہر میں اقامت ممکن نہ ہو۔

مالکیہ کے نزدیک استطاعت کا اعتبار تین چیزوں سے ہے۔

ا:قوت بدن......یعنی مکہ تک پہنچنے کا امکان ہو، یعنی عادۃً پیدل چل کر یا سوار ہو کر مکہ تک پہنچنا ممکن ہو، خواہ خشکی کے راستے یا سمندر

---

❶......ہمارے زمانہ میں بھی بعض لوگ گاڑی کے ذریعہ ایک کلومیٹر سفر نہیں کر سکتے، چنانچہ میرا ایک دوست اچھا خاصا ٹرانسپورٹر ہے لیکن اس کی والدہ میلوں سفر پیدل کر لیتی ہے گاڑی پر نہیں بیٹھتی، لہٰذا فی عصرنا بھی اس شرط کا اعتبار ہے۔ ❷ آج جدید ٹیکنالوجی کے دور میں یہ شرط زیادہ معتبر ہے چونکہ سفر جہازوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

کے راستے، اور سفر میں کوئی بڑی مشقت پیش نہ آئے، رہی بات سفر کی عادۃً مشقت کا وہ تو لابدی ہے، چونکہ سفر عذاب کا ایک حصہ ہے، پیدل چلنے کی قدرت کی استطاعت ہونے میں مالکیہ متفرد ہیں، حتیٰ کہ مالکیہ کے نزدیک وہ نابینا شخص جو چلنے کی قدرت رکھتا ہو اس پر بھی حج فرض ہے جب وہ کسی رہبر کو پاتا ہو، دور سے چل کر عورت کے لئے حج کرنا مکروہ ہے۔

ب: **بقدر ضرورت زادراہ کا ہونا**.....لوگوں کے مختلف احوال کے موافق اور ان کی عادات کے موافق زادراہ ہونا شرط ہے، کاریگری اور پیشہ زادراہ کے قائم مقام ہے بشرطیکہ پیشہ ایسا ہو جو کاریگر کو عیب دار نہ کرے اور اس سے ضرورت پوری ہو جاتی ہو۔

یہ اس چیز پر بھی دلالت کرتا ہے کہ مالکیہ کے ہاں زادراہ اور سواری بالذات شرط نہیں چنانچہ جو شخص پیدل چل سکتا ہو وہ سواری سے بے پرواہ ہے اسی طرح کاریگری اور پیشہ زادراہ سے مستغنی کرتا ہے۔

مکہ تک پہنچنے کی قدرت ہو تو اس سے استطاعت متحقق ہو جاتی ہے اگرچہ یہ استطاعت مویشی، زمین علمی کتابیں، اوزار وغیرہ مفلس پر بیچ کر حاصل ہوا گرچہ حج کے بعد مفلس ہو جائے، یا اپنے پیچھے عیال چھوڑے یا وہ لوگ چھوڑے جن کا نفقہ اس پر واجب ہوتا ہو تب بھی قدرت متحقق ہوگی اگر ان افراد کے ہلاک ہونے کا خدشہ ہو تو استطاعت متحقق نہیں ہوگی۔ مثلاً ایسی صورت پیدا ہونے کا امکان ہو کہ ان پر صدقہ نہیں ہوگا یا محافظ نگران نہ ہو۔

قرضہ لینے سے حج واجب نہیں ہوتا اگرچہ قرضہ اپنی اولاد سے لیا جائے تب بھی حج واجب نہیں یہ تب ہے جب ادائیگی کی امید نہ ہو، اسی طرح ہبہ وغیرہ سے مال ہاتھ لگا، صدقہ کا مال ہاتھ آیا تو اس سے بھی حج واجب نہیں ہوتا، مطلقاً ہاتھ پھیلا کر سوال کرنے سے بھی حج واجب نہیں ہوتا یعنی سوال کرنا خواہ عادت ہو یا نہ ہو، جو شخص سوال کرنے کا عادی ہو اپنے شہر میں اس پر اس شرط سے حج واجب ہے کہ اس کی عطا کرنے کا گمان ہو اگر نہیں تو حج بھی واجب نہیں۔

ج: **راستے کی سہولت**.....یعنی بری یا بحری راستہ جب پرامن ہو اور سلامتی کا غالب امکان ہو تو حج واجب ہے اور یہ استطاعت میں داخل ہے، اگر راستے کی سلامتی کا غالب امکان نہ ہو تو حج واجب نہیں ہوگا، یہ تب ہے جب بحری راستہ متعین ہو، بحری سفر کی صورت میں عورت کا حج مکروہ ہے ہاں البتہ اگر بحری جہاز میں عورت کی جگہ متعین کردی جائے تو جائز ہے۔

راستے کی سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ مسافر کو اپنی ذات اور اپنے مال کا غاصبوں (لٹیروں) چوروں اور ڈاکوؤں سے امن ہو، جبکہ مال کوئی اچھی حالت والا ہو اور جس سے چھینا جا رہا ہو اس کے لئے ذیشان ہو چنانچہ دینار کسی شخص کے لئے ذیشان ہو سکتا ہے اور دوسرے کے لئے نہیں ہوتا۔

عورت کے حق میں اس شرط کا اضافہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا نسبی محرم یا سسرالی محرم (مثلاً سسر) یا رضاعی محرم ہو، اگر خاوند یا محرم نہ ہو تو قافلہ با اعتماد ہو جس کے ساتھ عورت حج کرنے جائے۔ ❶ خواہ قافلہ عورتوں کا ہو یا مردوں اور عورتوں کا مخلوط ہو، اگر عورت طلاق یا وفات کی عدت گزار رہی ہو تو اس پر عدت کے مکان میں ٹھہرنا واجب ہے، حج کے لئے نہ جائے، تاہم اگر حج کر لیا تو حج صحیح ہوگا لیکن گناہگار ہوگی۔

شافعیہ.....حج اور عمرہ کی استطاعت اس شخص کے لئے جو مکہ سے مسافت قصر (یعنی ۸۹ کلومیٹر کا فاصلہ ہو) پر ہو اس کے لئے سات شرائط ہیں، ان میں اوپر بیان کی گئی تین شرائط بھی شامل ہیں۔

---

❶.....جبکہ حدیث ہے: ''جو عورت بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ ایک دن اور ایک رات سفر کرے مگر یہ اس کے ساتھ ضرور کوئی محرم ہو۔

اول: بدنی قدرت.....یعنی حج کرنے والا جسمانی طور پر صحیح اور صحت مند ہو، ضرر شدید اور مشقت شدیدہ کے بغیر سواری پر جم کر بیٹھ سکتا ہو، اگر ایسا نہیں تو وہ صاحب استطاعت نہیں، نابینا شخص اگر راہبر پائے تو اس پر حج اور عمرہ واجب ہے، جس شخص پر بے وقوفی کی وجہ سے بندش لگی ہو اس پر بھی حج واجب ہے۔

البتہ مال اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا تا کہ فضول خرچی نہ کرے بلکہ اس کا ولی اس کے ساتھ جائے جو دستور کے مطابق سفیہ پر خرچ کرے یا اس کے ساتھ کسی اور شخص کو بھیجے جو قابل اعتماد ہو اور ولی کی طرف سے سفیہ پر خرچ کرے، اگر اجرت پر کوئی شخص لینا پڑے تو اس سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔

دوم: مالی قدرت.....یعنی زادراہ اور آنے جانے کا خرچہ مہیا ہو، اگر ہر روز اتنا کما سکتا ہو جس سے ہر روز کے خرچہ کی کفایت ہو جاتی ہو اور اس کا سفر بھی طویل ہو یعنی ۸۹ کلومیٹر یا اس سے زائد تو اسے حج کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا حتیٰ کہ اگر چہ ایک دن میں کئی دنوں کی کفایت کی کمائی کر لیتا ہو چونکہ بسا اوقات کسی عارضہ کی وجہ سے کمائی منقطع بھی ہو سکتی ہے، بالفرض اگر چار و نا چار دوران سفر ساتھ ساتھ کمائی پر قادر ہو تب بھی سفر اور کمائی کی مشقت جمع ہو جاتی ہے یہ دو طرح کی مشقتیں جمع ہو کر مشقت عظیمہ بن جاتی ہے، یہ مالکیہ کے سابق مذہب کے خلاف ہے جس میں دوران سفر کاریگری پر اکتفاء کیا گیا ہے، اور اگر مسافت قلیل ہو مثلاً مکہ سے دو مرحلوں کے فاصلہ پر ہو اور وہ زادراہ کی کفایت کے لئے روز کے روز کما سکتا ہو تو اسے حج کا مکلّف بنایا جائے گا چونکہ اس میں اس کی مشقت کم ہے۔

سوم: سواری کا دستیاب ہونا.....سواری جو صحیح وسالم ہو۔ خواہ اپنی ذاتی ہو یا مناسب دام سے خریدی ہو یا مناسب کرائے پر لی ہو، سواری کی شرط اس شخص کے لئے ہے جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں یا اس سے زائد فاصلہ میں ہو برابر ہے پیدل چلنے پر قادر ہو یا نہ ہو، اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک جو شخص پیدل چلنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے لئے حج پر نکلنا مستحب ہے۔ یہ شرط مالی قدرت میں بھی معتبر ہے۔

جو شخص مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں سے کم فاصلے پر ہو اور پیدل چلنے پر قدرت رکھتا ہو تو اسے حج لازم ہو گا اگر پیدل چلنے سے عاجز ہو جائے یا اسے ضرر لاحق ہوتا ہو تو وہ بھی بعید کے حکم میں ہے لہٰذا اس کے حق میں بھی سواری کی دستیابی شرط ہو گی۔

زادراہ اور سواری میں شرط ہے کہ یہ دونوں دین حالی اور مقررہ مدت کے دین سے فاضل ہوں خواہ دین آدمی کا حق ہو یا اللہ تعالیٰ کا حق ہو جیسے نذر اور کفارہ، یہ دونوں اس شخص کے نفقہ سے بھی زائد ہوں جس کا خرچہ اسے لازم ہوتا ہو، اور اس کا خرچہ جانے اور واپس آنے کی مدت کے لئے کافی ہوتا کہ اہل خانہ ضائع نہ ہو جائیں چنانچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ”آدمی کے گناہ میں اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس کو جن لوگوں کا خرچہ لازم ہو وہ ضائع ہو جائیں۔“ [1]

صحیح قول کے مطابق زادراہ اور سواری اس کی رہائش، خادم جس کا وہ محتاج ہو سے زائد ہو چونکہ فی الحال ان کی ضرورت پڑتی ہے۔

صحیح قول کے مطابق آدمی کو تجارت کا مال زادراہ، سواری اور ان کے لوازم میں صرف کرنا لازم ہے، جس شخص کی آمدنی کے کچھ وسائل ہوں اسے لازم ہے کہ انہیں فروخت کر کے خرچہ پیدا کرے جیسے دین کے لئے فروخت کرنا لازمی ہے۔

چہارم: پانی، زادراہ اور سواری کا چارا دستیاب ہونا.....یعنی حسب عادت جن مقامات میں پڑاؤ کرنا ہو ان جگہوں میں ان چیزوں کا دستیاب ہونا استطاعت کے لئے شرط ہے، پانی اور چارہ ظاہر ہے خریدنا پڑتا ہے لہٰذا مناسب دام میں ملتے ہوں، اگر گراں نرخوں میں ملیں تب بھی خریدے جائیں گے، اگر پانی، زادراہ اور سواری کا چارہ دستیاب نہ ہو یا ان میں سے ایک چیز پائی جائے اور بقیہ نہ پائی جائیں یا

---

[1].....رواہ احمد وابو داؤد والحاکم والبیہقی عن عبداللہ بن عمرو وھو صحیح۔

مناسب دام سے کہیں زیادہ نرخوں میں ملتی ہوں تو اس صورت میں حج اور عمرہ لازم نہیں ہوں گے، یہ شرط قدرت مالیہ میں بھی معتبر ہے۔

پنجم: استطاعت آ مینہ مہیا ہو...... یعنی راستہ پر امن ہو، اس کا ہر جگہ کے مناسب احوال سے اعتبار کیا جائے گا، امن سے مراد امن عامہ ہے، اگر کسی شخص کو اپنی ذات یا بیوی یا مال کا خوف ہو اور خوف کسی درندے یا دشمن یا گھاتی اچکے سے ہو اور راستہ بھی صرف ایک ہو تو اس صورت میں حج واجب نہیں ہوگا چونکہ یہاں ضرر اور نقصان کا خوف ہے۔

اور اگر محافظ یا چوکیدار سے غالب گمان میں امن حاصل ہو سکتا ہو تو صحیح قول کے مطابق محافظ کو اجرت پر ساتھ رکھنا واجب ہے، بشرطیہ کہ اجرت مثل (مناسب) سے محافظ دستیاب ہوتا ہو۔

ششم...... یہ کہ عورت کے ساتھ اس کا خاوند یا کوئی محرم ہو یا قابل اعتماد عورتوں کی جماعت ہو چونکہ عورت کا تنہا سفر کا نا حرام ہے، اگرچہ عورت قافلہ یا جماعت کے ہمراہ ہو تب بھی محرم کے نہ ہوتے ہوئے اس کا سفر حرام ہے چونکہ اگر قافلہ یا جماعت کے ہمراہ ہوگی تو اسے پھسلانے اور دھوکا دینے کا خوف ہے اس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے۔ کہ ''عورت دو دن کا سفر نہ کرے الّا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا کوئی محرم ہو۔'' شوہر اور محرم کا ثقہ ہونا شرط نہیں، چونکہ طبعی مانع شرعی مانع سے اقویٰ ہوتا ہے۔

اگر حج کے لئے سفر کرنے والی سبھی عورتیں ہوں تو ان میں کسی ثقہ عورت کا ہونا شرط ہے تاکہ امن و بے خوفی معدوم نہ ہو، اگر قریب البلوغ لڑکیاں ہوں تو متاخرین فقہاء کے نزدیک شرط ہے کہ عورت کے علاوہ تین لڑکیاں ہوں، چونکہ تین کا عدد کم از کم جمع ہے، ایک عورت کے ساتھ حج کے لئے جانا واجب نہیں، یہ سبھی وجوب کی شرائط ہیں، رہی بات جواز کی سو عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ حج اسلام کی ادائیگی کے لئے صحیح قول کے مطابق ایک ثقہ عورت کے ساتھ جا سکتی ہے، اصح قول کے مطابق عورتوں میں سے کسی کے لئے محرم کا موجود ہونا شرط نہیں، عورت پر اصح قول کے مطابق محرم کا خرچہ لازم ہے یہ تب ہے جب محرم صرف عورت کی ہمراہی کے لئے ساتھ جائے۔

نفلی حج اور حج کے علاوہ دوسرے اسفار جو واجب نہیں ان میں عورت کا ایک عورت کے ساتھ جانا جائز نہیں بلکہ خالص عورتوں کی جماعت کے ساتھ بھی سفر کرنا جائز نہیں۔ البتہ عورت اگر محرم کے ساتھ نفلی حج کرے اور دوران حج محرم مرجائے تو عورت اتمام حج کرے (یعنی حج کے مناسک پورے کرے)۔

مسئلہ...... اگر عورت کو دار کفر سے تنہا سفر کرنے کی نوبت پیش آئے تو وہ دار الاسلام کی طرف تنہا سفر کر سکتی ہے۔ ❶

ہفتم: امکان سفر...... اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ جب شرائط کے جملہ انواع مقدور ہوں تو اتنا وقت بھی شرط ہے جس میں حج ادا ہو سکے، استطاعت کا اعتبار حج کے وقت کے داخل ہونے سے کیا جائے گا حج کا وقت شوال تا عشرہ ذی الحجہ ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص وقت کے اندر اندر سفر کرنے سے عاجز رہا تو اس پر حج واجب نہیں۔ ❷

حنابلہ...... کہتے ہیں: مشروط استطاعت سے مراد زاد راہ اور سواری کی قدرت ہے چونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استطاعت کی تفسیر زاد راہ اور سواری سے کی ہے، لہٰذا اسی تفسیر کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، چنانچہ حدیث ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سبیل (استطاعت) کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زاد راہ اور سواری۔'' ❸ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ موجب حج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: زاد راہ اور سواری۔ ❹

❶...... حنفیہ کے نزدیک بھی یہی قول مفتی بہ ہے چنانچہ تمیر میں اس کی عملی صورت دیکھنے کو ملی ہے۔ ❷ مثلاً بقیہ شرائط کے اتمام میں لگا رہا اب وقت ہی اتنا باقی رہا کہ اس کے اندر اندر مکہ نہیں پہنچ سکتا۔ ❸ رواه الدارقطني عن جابر وابن عمر وابن عمرو وانس وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم. ❹ رواه الترمذي وقال حديث حسن.

شافعیہ کے اصح قول کے مطابق اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اولاد یا کوئی اجنبی اپنا مال خرچ کریں تو ان کے مال پر حج کرنا واجب نہیں چونکہ اس میں احسان مندی کا پہلو ہے۔

حنابلہ بھی شافعیہ کی طرح رائے رکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کو حج کا مکلّف بنایا گیا حالانکہ حقیقت میں اسے حج لازم نہ ہو، اور وہ بلاضرر حج کر سکتا ہو مثلاً ایک شخص پیدل سفر اور اپنے پیشے کو بذریعہ معاش بنا کر روز کے روز کمائے اور لوگوں کے سامنے دست سوال نہ پھیلائے تو اس کے لئے حج کرنا مستحب ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ ......الحج ۲۲/۲۷

وہ تمہارے پاس پیدل آئیں اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں۔

آیت میں پیدل چلنے والوں کو مقدم کیا گیا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ پیدل چل کر حج کرنے میں رب تعالیٰ کی اطاعت میں مبالغہ آرائی ہے۔ البتہ جس شخص کا پیشہ دست سوال پھیلانا ہو اس کے لئے حج کرنا مکروہ ہے۔

حنابلہ کے نزدیک مشروط زادراہ شافعیہ کی طرح ہے، یعنی اتنا زادراہ جو جانے اور واپس لوٹنے کے لئے کافی ہو، اس میں اشیاء خورد ونوش اور پہننے کے کپڑے شامل ہیں۔ مناسب داموں زادراہ کی خریدنا لازم ہے اس میں داموں کی معمولی زیادتی متحمل ہے۔

اگر منزل بہ منزل زادراہ، پانی اور چارا ملنے کی توقع نہ ہو تو اپنے ساتھ اٹھا کر لے جانا لازمی ہے اگر منزل بہ منزل ملنے کی توقع ہو تو ساتھ لے جانا لازمی نہیں چونکہ اس میں مشقت ہے اور عادت کے خلاف ہے۔

زادراہ کے ساتھ ساتھ برتن جس میں زادراہ اور پانی محفوظ رکھا جا سکے لے کر جانا لازم ہے چونکہ اس کے سوا چارۂ کار نہیں۔

سواری...... سواری میں شرط ہے کہ صحیح وسلامتی والی ہو خواہ خرید کر یا کرائے پر رکھ کر جس پر سوار ہو کر حج کے لئے جا بھی سکے اور واپس بھی آ سکے۔ سواری کی درستی کے آلات بھی ساتھ ہوں، سواری کا ہونا مکہ سے مسافت پر موقوف ہے اگر چہ پیدل چلنے پر قدرت رکھتا ہو، چونکہ استطاعت سے مراد زادراہ اور سواری ہے۔

بعد مسافت سے مراد وہ فاصلہ ہے جس کے ہوتے ہوئے نماز قصر کی جاتی ہو وہ دونوں کی مسافت ہے۔ مسافت قصر سے کم فاصلہ میں سواری کا بطور شرط کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا جو شخص مکی ہو یا مکہ سے باہر کا ہو جو مسافت قصر کے فاصلہ پر نہ ہو اسے پیدل چلنا لازم ہے، چونکہ یہ قریب رہنے والا ہے لہٰذا اس کی مشقت بھی قلیل ہے، اس کے لئے قدرت علی المشی کا خوف نہیں، نہ ہی سواری کے ہلاک ہونے کا خوف ہے ہاں البتہ کوئی بوڑھا ہو یا مریض ہو تو اس کے لئے سواری کا اعتبار ہوگا، اگر چہ مسافت قصر سے کم فاصلہ ہو، مریض پر یا معذور پر گھٹنوں کے بل چل کر جانا لازمی نہیں چونکہ اس میں زیادہ مشقت ہے۔

زادراہ اور سواری عیال کے نفقہ سے زائد ہو اور ان کے علاوہ گھر والوں کے لئے آنے جانے کی مدت تک نفقہ کافی ہو، واپس لوٹ آنے کے بعد کی مدت کے نفقہ کا اعتبار نہیں، چونکہ نفقہ آدمیوں کے حقوق سے متعلق ہوتا ہے اور آدمی اس کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں اور آدمیوں کا حق بھی زیادہ موکد ہوتا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”آدمی کو گناہ گار ہونے میں اتنی بات بھی کافی ہے کہ وہ اپنے عیال کو ضائع کرے۔“

زادراہ اور سواری اپنی اور گھر والوں کی ضروریات سے زائد ہوں یعنی رہائش، خادم اور وہ اشیاء جن کے سوا چارہ کار نہیں ان سے زائد ہوں، اسی طرح یہ دونوں قرضہ کی ادائیگی سے بھی زائد ہوں چونکہ قرضہ کی ادائیگی کا شمار بھی حوائج اصلیہ میں ہوتا ہے۔ نیز قرضہ کے ساتھ آدمیوں کے حقوق متعلق ہوتے ہیں اور آدمیوں کا حق زیادہ ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص شادی کی ضرورت محسوس کرے اور اسے اپنے اوپر گناہ کا خوف ہو تو وہ پہلے شادی کرے پھر حج کو جائے، چونکہ شادی کرنا ایسی حالت میں واجب ہے اور اس سے مفر نہیں۔ شادی بھی نفقہ کی مانند ہے، اگر اپنے اوپر گناہ کا خوف نہ ہو تو شادی سے پہلے حج کرسکتا ہے، چونکہ ایسی صورت میں شادی کرنا نفلی عمل ہے لہٰذا نفل کو واجب پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص کی زمین ہو اس میں براہ راست اس کی رہائش کی ضرورت ہو، یا عیال کی رہائش کی ضرورت ہو، یا اس کی اجرت کا محتاج ہوا پنے یا عیال کے نفقہ کے لئے، یا نفع پر سرمایہ لگا رکھا ہو اور اس کے منافع کے نقصان کا اندیشہ ہو، یا باہر چرنے والے مویشی ہوں جن کے لئے اس کی ضرورت ہو تو ان سبھی صورتوں میں حج لازمی نہیں ہوگا۔

اگر ان اشیاء سے کوئی فاضل چیز ہو تو حج کے لئے ان کا فروخت کرنا ضروری ہے۔ اگر کتابیں ہوں جن کی اسے ضرورت پیش آتی ہو تو حج کے لئے ان کا فروخت کرنا ضروری نہیں۔ اگر ایسی کتابیں ہوں جن کی اسے ضرورت نہ پڑتی ہو تو ان کا فروخت کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی شخص کا قرضہ کسی دوسرے پر ہو جو مقروض اسے دے رہا ہو اور وہ حج کے لئے کافی ہو تو اس پر حج کرنا لازمی ہے، چونکہ وہ قادر ہے، البتہ اگر قرضہ کسی تنگدست پر ہو یا اس کا وصول کرنا دشوار ہو تو حج لازمی نہیں ہوگا۔

اسی طرح راستے کا پر امن ہونا بھی شرط ہے، یعنی راستے میں دشمن وغیرہ کی رکاوٹ کا خوف نہ ہو، عورت کے لئے خاوند یا کسی محرم کا موجود ہونا شرط ہے، اگر عورت کے ساتھ ان دو میں سے کوئی نہ ہو تو اس پر حج واجب نہیں، وقت کے اندر اندر سفر کا طے کرلینا بھی شرط ہے یعنی مدت کے اندر اندر شرائط پوری کر کے سفر کر کے مکہ تک پہنچ سکتا ہو یہ شرط حنفیہ اور مالکیہ کے مذہب کے موافق ہے، البتہ ان دو شرائط کے متعلق حنابلہ کی دو روایتیں ہیں۔

۱.....یہ کہ دونوں شرائط وجوب کی شرائط میں سے ہیں جیسے حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں۔

۲.....یہ شرائط حج کے لئے کوشش کرنے اور سعی کرنے کی شرائط میں سے ہیں، لہٰذا جو شخص مرگیا اور اس پر حج واجب تھا تو اس کی طرف سے حج کردیا جائے گا، جبکہ پہلی روایت کے مطابق اس پر حج واجب نہیں ہوگا حنابلہ کا بھی مذہب یہی ہے۔

عورت اجازت لے یا نہ لے؟.....اکثر علماء کے نزدیک خاوند بیوی کو حج اسلام سے نہیں روک سکتا، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے، چونکہ عورت پر حج فرض ہے لہٰذا خاوند کو روکنے کا اختیار نہیں۔ جیسے رمضان کا روزہ اور پانچ نمازیں۔ البتہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ خاوند سے حج کے لئے اجازت لے، اگر خاوند اجازت دے تو بہت اچھا ورنہ بغیر اجازت کے حج کرے۔ اگر عورت نفلی حج کرنا چاہتی ہو تو خاوند اسے منع کرسکتا ہے۔

شافعیہ.....کہتے ہیں خاوند عورت کو فرض حج سے روک سکتا ہے اسی طرح حج مسنون سے بھی روک سکتا ہے، چونکہ خاوند کا حق بھی علی الفور ہے جبکہ حج کا وجوب علی التراخی ہے، جبکہ خاوند عورت کو نماز، روزہ سے نہیں روک سکتا، دونوں کی وجہ فرق یہ ہے کہ نماز اور روزہ کی مدت اور وقت قلیل ہوتا ہے جبکہ حج کا وقت زیادہ اور طویل ہوتا ہے۔

عورتوں کی مخصوص شرائط.....عورتوں کی خاص شرائط دو ہیں جو سابقہ تفصیل سے بخوبی سمجھ آتی ہیں جو یہ ہیں۔

اول.....یہ کہ عورت کے ساتھ اس کا خاوند یا کوئی محرم ہو، اگر ان دو میں سے کسی کو نہ پائے تو عورت پر حج فرض نہیں ہے، یہ شرط متفق علیہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو پہلے بھی گذر چکی ہے۔ کہ ''عورت تین دن سے زائد سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرم ضرور ہو۔ (۱) دوسری حدیث ہے۔ ''عورت ہرگز حج نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ خاوند ہو۔ (۲)

(۱).....متفق علیه عند البخاری ومسلم واحمد عن ابن عمر (نیل الاوطار ۲۹۰/۴) (۲) رواه الدار قطنی وصححه ابو عبدالله.

عورت کوخاوند یامحرم دستیاب نہ ہوتو پھر کیا کرے؟......البتہ شافعیہ کہتے ہیں کہ عورت کے ساتھ اگر بااعتماد عورتیں ہوں تو اس عورت پرحج فرض ہے، اگرایک عورت ہوتو اس کے ساتھ حج واجب نہیں، مالکیہ کہتے ہیں اگرعورت کے ساتھ قابل اعتماد عورتیں ہوں تو اس پرحج واجب ہے، اگرفقط مرد ہوں اور قابل اعتماد ہوں تو تب بھی اس پرحج واجب ہے یا دونوں مخلوط ہوں یعنی مرد عورتیں مشترک ہوں تب بھی عورت پرحج واجب ہے، اس میں شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل آیت کریمہ ہے۔انہوں نے آیت سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ آیت میں عموم ہے۔"وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" لہٰذا جس عورت کو اپنے اوپر فساد کا خوف نہ ہوتو اسے حج لازم ہے۔

محرم کا ضابطہ......وہ لوگ جن کے ساتھ عورت کا نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو، کسی سبب مباح اور عورت کی حرمت کی وجہ سے خواہ حرمت نسب کی وجہ سے ہو یا رضاع کی وجہ سے ہو یا سسرال کی وجہ سے ہو۔

چنانچہ ہمیشہ ہمیشہ کی قید سے بہنوئی اور پھوپھا نکل گئے یہ رشتے محرم نہیں۔سبب مباح کی قید سے اس عورت کی ماں سے احتراز ہوگیا جس عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی ہوجائے اور اس کی بیٹی بھی نکل گئی، عورت کی حرمت کی قید سے لعان کرنے والی عورت کا خاوند نکل گیا۔ لہٰذا عورت لعان کرنے والے خاوند کے ساتھ بھی حج نہیں کرسکتی۔

ملاحظہ......شافعیہ اور مالکیہ کے درمیان اختلاف اور باقی فقہاء کے درمیان اختلاف فریضہ کے سفر میں محصور ہے۔اس میں سے حج کا سفر بھی ہے، بالاجماع اس پر اختیاری سفر کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے الا یہ کہ عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو، عورت سفر نہ کرے مگر کسی محرم کے ساتھ، ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! میری بیوی حج کے لئے چلی گئی جبکہ میں فلاں اور فلاں غزوہ میں مصروف پیکار تھا، آپ نے فرمایا: جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔[1]

دوم......عورت طلاق یا وفات کی عدت میں نہ ہو۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے عدت گزارنے والی عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کیا ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ ......الطلاق ۶۵/۱

عدت گزارنے والی عورتوں کو ان کے گھروں سے مت باہر نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد دوسرے وقت میں بھی حج ادا کرنا ممکن ہے جبکہ عدت وقت مخصوص میں واجب ہوتی ہے، طلاق اور وفات کے بعد عدت ہوتی ہے یوں دونوں حکموں کو جمع کرنا ممکن ہے کہ عدت گزارنے کے بعد دوسرے سال وقت آنے پرحج کرے۔

ملاحظہ......یہ دو شرائط سلامتی بدن کی شرائط کے ساتھ یعنی آفات جو سفر کے مانع ہیں جیسے مرض اور اندھاپن، اور حسی مانع کا زائل ہونا جیسے حبس وقید کا ختم ہونا، راستے کا پرامن ہونا یہ شرائط حنفیہ کے نزدیک وجوب اداء کی شرائط ہیں اور یہ پانچ ہیں۔رہی بات شرائط وجوب یا شرائط فرضیت کی تو وہ آٹھ ہیں: اسلام، عقل، بلوغ، حریت (آزادی) وقت، قدرت زادراہ اگرچہ مکہ میں ہو اور سواری کی قدرت اور بلامشقت کے قوت ہو۔

اگر کوئی معذور تکلف کرکے اپنی طرف سے خود حج کرلے تو اس کا یہ حج، حج اسلام کی طرف سے کافی ہوگا۔

---

[1]......متفق علیہ عن ابن عباس واللفظ لمسلم (سبل السلام ۲ / ۱۸۲)

حنفیہ کے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ وہ معذور عاقل بالغ اور آزاد ہو، چونکہ وہ بھی اہل فرض میں سے ہے، ہاں البتہ اس پر حج فرض نہیں۔تا کہ وہ حرج میں مبتلا نہ ہو، اور جب خود اس نے حرج برداشت کرنے کی ٹھان لی تو اس کا حج بھی واقعی ہوگا۔

حنابلہ عدت وفات میں عورت کو حج کے لئے جانے کی اجازت نہیں دیتے جبکہ اگر عورت کو طلاق بائنہ ہو تو وہ ان کے نزدیک حج کا سفر کر سکتی ہے، چونکہ عدت وفات کی صورت میں گھر پر ٹھہرنا اور گھر ہی میں رات گزارنا عورت پر واجب ہے، جبکہ طلاق بائنہ کی صورت میں گھر پر رہنا عورت پر واجب نہیں۔اگر عورت طلاق رجعی میں ہو اور سفر حج پر چلی جائے اور پیچھے اس کا خاوند وفات پا جائے اگر گھر کے قریب ہو (نسبتاً مکہ سے ابھی دور ہو) گھر واپس لوٹ جائے اور اپنے گھر میں عدت گزارے اور اگر گھر سے دور نکل گئی ہو (اور مکہ کے نسبتاً قریب ہو) تو سفر جاری رکھے اور حج کرے۔

نیابت حج اور دوسرے کی طرف سے حج کرنا

اس موضوع میں مندرجہ ذیل امور حل طلب ہیں۔ ❶

اول: کون سی عبادات میں نیابت چل سکتی ہے اور کن میں نہیں چل سکتی......عبادات کی تین اقسام ہیں۔

ا.....محض مالی عبادات جیسے زکوٰۃ کفارہ اور قربانی، ان اقسام میں بالاتفاق نیابت جائز ہے خواہ حالت اختیاری میں یا ضرورت وحاجت میں، چونکہ ان عبادات سے مقصود ان کے اہل کو نفع پہنچانا ہے یہ مقصد کسی بھی شخص سے حاصل ہو سکتا ہے خواہ خود مالک بجالائے یا اس کا نائب۔

ب.....محض بدنی عبادات: جیسے نماز اور روزہ، اس میں نیابت جائز نہیں۔ چونکہ ان عبادات سے مقصود نفس کو کھپانا ہے یہ مقصد نیابت سے حاصل نہیں ہوتا۔

ج.....مرکب عبادات یعنی ایسی عبادات جو بدنی بھی ہوں اور مالی بھی، جیسے حج۔ چنانچہ حج میں مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک نیابت جائز ہے جبکہ بندہ خود حج کرنے سے عاجز ہو یا نیابت کی ضرورت ہو، چونکہ مشقت مقصودہ نفس کے فعل سے حاصل ہوتی ہے اور یہ مشقت اپنا مال دے کر دوسرے کے فعل سے بھی حاصل ہوتی ہے، یہ عبادت نماز سے مختلف ہے چونکہ حج میں دوران سفر مال خرچ کرنا پڑتا ہے اور مالی قربت پر مشتمل ہے۔

مالکیہ......مالکیہ صحیح قول کے مطابق کہتے ہیں: زندہ آدمی کی حج میں نیابت جائز نہیں خواہ حج فرض ہو یا نفلی، خواہ اجرت سے ہو یا بغیر اجرت کے، حج میں تو اجارہ فاسد ہے، چونکہ حج بدنی عمل ہے یہ نیابت کو قبول نہیں کرتا، جیسے نماز وروزہ۔ چونکہ حج سے مقصود نفس کی تادیب وتہذیب ہے چونکہ وطن کو چھوڑنا پڑتا ہے، سفر کرنا پڑتا ہے، سلے ہوئے کپڑوں کو ترک کرنا پڑتا ہے تا کہ معاد آخرت اور قبر کی یاد تازہ ہو، حج کی مخصوص جگہوں میں شعائر اللہ کی تعظیم کرنی پڑتی ہے، اور جن چیزوں کی حقیقت نا معلوم ہو ان کے لئے بلا چوں وچراں ظاہری انقیاد کرنا پڑتا ہے جیسے رمی جمار اور صفا ومروہ کے درمیان سعی، یہ بھی مقاصد اور مصالح تبھی متحقق ہو سکتے ہیں جب انسان خود براہ راست حج کرے۔

البتہ اگر میت نے زندگی میں حج کی وصیت کی ہو تو اس کی طرف سے حج صحیح ہے لیکن اس میں بھی کراہت ہے، اور نیابت میں نفلی حج کرنا بھی مکروہ ہے۔

دوم: میت کے لئے ایصال ثواب......علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دعا، صدقہ اور ہدیٰ (قربانی) وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

---

❶......دیکھئے فتح القدیر ۲/۳۰۸، البدائع ۲/۲۱۲، تبیین الحقائق ۲/۸۳، الدر المختار ۲/۳۲۶، الشرح الکبیر ۲/۱۰ الشرح الصغیر ۲/۱۴ مغنی المحتاج ۱/۴۲۸، غایۃ المنتہی ۱/۳۵۸ المغنی ۳/۲۲۷۔

چنانچہ حدیث گزر چکی ہے۔کہ ”جب کوئی انسان مرجاتا ہے اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے البتہ تین چیزیں باقی رہتی ہیں، صدقہ جاریہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، نیک اولاد جو میت کے لئے دعا کرتی رہے۔ ❶

جمہور اہل سنت والجماعت...... کہتے ہیں کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے، یعنی نماز، روزہ صدقہ، تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے، اور یوں کہے: یا اللہ میں نے جو عمل کیا ہے اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دو، اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خوبصورت مینڈھوں کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔ ❷

اسی طرح دوسری روایت ہے۔کہ ایک شخص نے سوال کیا: میرے والدین تھے میں ان کی زندگی میں ان سے بھلائی کرتا رہا ہوں ان کے مرنے کے بعد میں ان سے کیسے بھلائی کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلائی کے بعد بھلائی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کا روزہ بھی رکھو۔ ❸

شبہ کا ازالہ......فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ النجم ۵۳/۳۹

اور یہ کہ انسان کو اپنی کوشش کے سوا کسی کا حق نہیں پہنچتا۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایصال ثواب کا کوئی فائدہ نہیں۔اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ اگر انسان دوسرے کو ثواب ہبہ کردے تو اسے پہنچتا ہے، جیسا کہ ابن ہمام نے اس کی تحقیق کی ہے۔یا یہ کہ یہ طریق عدل میں سے نہیں لیکن طریق فضل میں سے تو ہے، ہی ایک دوسری آیت سے بھی تائید ہوتی ہے:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ......الطور ۵۲/۲۱

اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ایمان میں ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی کی ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کرلیں گے۔

دوسرا شبہ......حدیث ہے کہ ”جب کوئی انسان مرجاتا ہے اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔“ بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ ایصال ثواب کا کوئی فائدہ نہیں۔اس کا ازالہ یہ ہے کہ آدمی کا اپنا ذاتی عمل موت سے منقطع ہوجاتا ہے دوسرے کا عمل میت کی حق میں منقطع نہیں ہوتا۔

ایک اور حدیث ہے کہ ”کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا اور دوسرے کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔“ اس سے بھی یہی شبہ پیدا ہوتا ہے، اس کا ازالہ یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا کرنے سے عہدہ برآ اور بری الذمہ نہیں ہوتا، ثواب کے حق میں کوئی ممانعت نہیں۔

ایصال ثواب میں کوئی عقلی ممانعت نہیں چونکہ اس میں اپنا ثواب دوسرے کو بخشنا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ میت تک ثواب کو پہنچا دیتا ہے اور وہ اس پر قادر ہے لہٰذا ایصال ثواب ایک عمل کے ساتھ خاص ہو اور دوسرے کے ساتھ نہ ہو ایسا قطعاً نہیں۔

ایصال ثواب کے متعلق معتزلہ کا موقف......معتزلہ کہتے ہیں انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کو پہنچائے، ثواب دوسرے کو پہنچتا ہی نہیں اور نہ ہی اس کو نفع پہنچتا ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ النجم ۵۳/۳۹،۴۰

اور یہ کہ انسان کو اپنی کوششوں کے سوا کسی کا حق نہیں پہنچتا اور یہ کہ انسان عنقریب اپنی کوشش کو دیکھ لے گا۔

❶......رواه مسلم عن ابی هريرة (رياض الصالحين، ص ۳۴۷) ❷روى فيه سبعة احاديث عن عائشه وجابر وابى رافع وحذيفه بن اسيد الغفارى ابى طلحه انصارى وانس۔(نصب الراية ۲/۱۵۱) ❸ رواه الدار قطنى۔

چونکہ عمل کو ثواب (بدلہ) جنت ہے نیز انسان کے بس میں یہ نہیں کہ وہ اپنے عمل کے ثواب کو اپنے لئے مرتب کرے چہ جائیکہ دوسرے کو پہنچائے گا۔

امام مالک اور امام شافعی..... کہتے ہیں کہ: صدقہ، عبادت مالیہ اور حج کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جا سکتا ہے جبکہ ان کے علاوہ وہ جتنے بھی اعمال طاعت ہیں مثلاً نماز، روزہ قرأت قرآن وغیرھا کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز نہیں۔ ❶

سوم: حج میں نیابت کی مشروعیت اور جواز میں اقوال فقہاء..... جو شخص مرجائے حالانکہ اس پر حج فرض ہو اور حج نہ کر سکے یا زندہ ہو پر بیمار ہو اور حج کرنے سے عذر کی وجہ سے عاجز ہو تو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے (اسی کو نیابت بھی کہا جاتا ہے) فقہاء کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷ (ایسے حج کو حج بدل کہا جاتا ہے)

حنفیہ..... کہتے ہیں: جس شخص پر بنفسہ کسی عذر مثلاً مرض وغیرہ کی وجہ سے حج واجب نہ ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اس کے لئے لازمی ہے کہ اپنی طرف سے حج کرنے کے لئے کسی دوسرے شخص کو بھیجے اور یہ حج اس کے حج اسلام کی طرف سے کافی سمجھا جائے گا، بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ فقط بوقت عجز حج میں نیابت جائز ہے، جبکہ قدرت ہوتے ہوئے جائز نہیں، اس میں شرط یہ ہے کہ عذر موت تک دائمی ہو، رہی بات اس شخص کی جو حج کرنے میں کوتاہی برتتا رہا حتیٰ کہ مرگیا تو اس کے لئے اپنی طرف سے حج کروانے کی وصیت کرنا واجب ہے وصیت کا اطلاق اس کے شہر سے ہوگا، بشرطیکہ کسی دوسرے شہر کی تعیین نہ کی ہو، گویا حج بدل کی دو حالتیں ہیں: (۱) خود حج کرنے سے عاجز (معذور) ہونا (۲) موت کے بعد حج کرانے کی وصیت۔

مالکیہ..... مالکیہ کے نزدیک قابل اعتماد مذہب یہ ہے کہ زندہ شخص کی طرف سے حج بدل کرنا جائز نہیں، گویا مالکیہ کے نزدیک حج بدل مطلقاً صحیح نہیں۔ صرف اس میت کی طرف سے حج بدل کیا جا سکتا ہے جس نے مرتے وقت وصیت کی ہے، میت کی طرف سے حج بدل کراہت کے ساتھ صحیح ہے اور میت کے تہائی مال سے حج کروایا جائے گا، لنجے معذور شخص پر حج واجب نہیں الا یہ کہ وہ خود بنفس نفیس حج کرے چونکہ آیت حج میں ہے۔ ''مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا'' یعنی جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو جبکہ لنجا معذور حج کی استطاعت نہیں رکھتا۔

شافعیہ..... شافعیہ دو حالتوں میں حج بدل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا: کمزوری کی حالت..... اسے کمزوری کی حالت یا حالت عذر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس سے مراد ایسا شخص جو اس حالت کے ہوتے ہوئے حج کرنے سے عاجز ہو مثلاً بڑھاپے کی حالت، لنجا پن، لنگڑا پن وغیرہ۔

یعنی وہ شخص جو ان میں سے کسی عذر سے معذور ہو وہ سواری پر جم کر بیٹھ نہ سکتا ہو، اسے حج لازمی ہے۔

اگر ایسے شخص کو پائے جو اس کی طرف سے حج کر سکے اور مثلی اجرت لے، بشرطیکہ نائب کو جو مال دے وہ حاجت اصلیہ کے علاوہ ہو، لیکن اس میں عیال کے نفقہ کی شرط نہیں، چونکہ اس کے بغیر ہی اسے استطاعت حاصل ہے۔

چونکہ جس طرح استطاعت نفس کے اعتبار سے ہوتی ہے اسی طرح بذل مال اور طاعت رجال سے بھی ہوتی ہے۔

لہٰذا جو شخص حج کرنے سے عاجز ہو اس پر لازم ہے مال دے کر کسی نائب کو کھڑا کرے جو اس کی طرف سے حج کر سکے۔

---

❶ ..... واضح ہو چکا ہے کہ اعمال طاعت کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جا سکتا ہے اس کے دلائل بے شمار ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ ایصال ثواب للمیت مصنفہ ابو ریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی طبع مکتبہ جامعہ فریدیہ اسلام آباد۔ ❷ دیکھئے البدائع ۲/۲۱۲، الدر المختار ۲/۳۲۶، الشرح الصغير ۲/۱۵ بداية المجتهد ۱/۳۰۹ مغنى المحتاج ۱/۴۲۸ المغنى ۳/۲۲۷، كشاف القناع ۲/۴۱ ۔

ب..... جس شخص کو موت آجائے اور وہ حج نہ کرے تو اس کے ورثہ پر اس کی طرف سے حج کرانا واجب ہے، اور حج میت کے ترکہ سے کرایا جائے، جیسے اس کا قرضہ ادا کرنا واجب ہے، ورثاء پر واجب ہے کہ اس کے ترکہ سے اتنا مال کسی کو دے کر اس کی طرف سے حج بدل کرائیں۔ اور نائب کو اتنا مال دیا جائے جو اسے آنے جانے میں کافی ہو۔

خلاصہ..... شافعیہ کی نزدیک استطاعت حج کی دو انواع ہیں۔ ایک برائے راست خود حج کرنے کی استطاعت، اور دوسرے سے حج کروانے کی استطاعت، پہلی قسم کی استطاعت کے لئے سابقہ بیان کردہ شرائط ضروری ہیں یعنی سواری، زادراہ، راستے کا پرامن ہونا، بدن کا تندرست ہونا، سفر کا وقت بقدر امکان ہو۔

استطاعت کی دوسری قسم یہ ہے کہ بندہ بذات خود حج کرنے سے عاجز ہو یا تو مرگیا ہو، یا اپاہج ہو یا بہت بوڑھا ہو، یا ایسا مریض ہو کہ اس کی صحت یابی کی کوئی امید نہ ہو یا ایسا بوڑھا ہو جو سواری پر جم کر بیٹھ نہ سکتا ہو اور اس میں شدید مشقت پیش آتی ہو، یہ زندہ عاجز ہے اسے معضوب (کمزور) کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص مرگیا جو صاحب استطاعت تھا مگر حج نہ کرسکا، اگر اس نے اپنے پیچھے مال چھوڑا تو ورثاء پر اس کی طرف سے حج بدل کرانا واجب ہے، اجنبی وارث کے لئے بھی اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے برابر ہے میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

رہی بات معضوب (کمزور، عاجز معذور) شخص کی اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے حج بدل کرانا جائز نہیں، اگر وہ مال پاتا ہو تو نائب بنانا واجب ہے یعنی مزدوری پر ایک شخص کو اپنی طرف سے حج کرانے کے لئے بھیجے اور مزدوری میں دیا ہوا مال حاجت اصلیہ سے زائد ہو بشرطیکہ نائب اجرت مثل کے ساتھ راضی ہو، اگر مال نہ پاتا ہو البتہ ایسا شخص پائے جو اس کی اولاد سے ہو خواہ مرد ہو یا عورت جو تبرعاً اس کی طرف سے حج کرے تو اس صورت میں بھی نائب بنانا لازمی ہے۔

میت کی لئے نفلی حج میں نائب بنانا اصح قول کے مطابق جائز ہے اسی طرح کمزور شخص کے نفلی حج کے لئے بھی نائب بنانا جائز ہے۔ اگر کمزور عاجز شخص نے حج کے لئے نائب بنایا پھر اس کا عذر جاتا رہا اور صحت یاب ہوگیا تو اسے نائب کا حج کافی نہیں ہوگا اصح قول کے مطابق، بلکہ اس پر از سرنو حج کرنا لازمی ہے۔ ❶

فرع..... مذکورہ اصول کی اساس پر اگر کسی شخص پر حج واجب ہوا اور اس نے حج نہ کیا حتیٰ کہ وہ مرگیا تو اس کے حال پر غور کیا جائے گا اگر حج ادا کرنے کی قدرت سے پہلے مرگیا تو اس کا حج ساقط ہوگیا اور قضاء اس پر واجب نہیں۔

اور اگر ادائے حج پر قدرت حاصل ہونے کے بعد مرا تو فرض ساقط نہیں ہوگا اور اس کے ترکہ سے حج بدل کرانا واجب ہے، میقات سے حج کرانا واجب ہے۔ ❷ چونکہ حج میقات سے واجب ہوتا ہے، حج اصل سرمایہ (رأس المال) سے واجب ہوگا چونکہ حج دین واجب ہے لہٰذا راس المال سے کرایا جائے گا جیسے قرضہ دیا جاتا ہے، اگر حج اور کسی آدمی کا قرضہ جمع ہوگئے اور ترکہ سے ان دونوں کی ادائیگی کی گنجائش نہ ہو تو اصح قول کے مطابق حج مقدم ہوگا۔ (یعنی حج پہلے کرایا جائے گا)۔ ❸

حنابلہ..... حنابلہ نے بھی شافعیہ کی طرح دو حالتوں میں حج بدل کو جائز قرار دیا ہے۔

۱: معضوب، کمزور معذور..... معضوب سے مراد وہ شخص ہے جو بڑھاپے، اپاہج ہونے، مرض، یا بوجھل ہونے کی وجہ سے جو سواری کی قدرت نہ رکھتا ہو مگر ایسی مشقت کے ساتھ جو برداشت سے باہر ہو یا عورت محرم سے مایوس ہو تو ان اسباب کی وجہ سے جو حج وعمرہ کرنے

---

❶..... کتاب الایضاح للنووی ص ۱۶ المهذب ۱/ ۱۹۹۔ ❷ میقات حرم مکہ کی وہ حد جہاں سے آگے بغیر احرام کے جانا ممنوع ہے۔
❸ المهذب ۱/ ۱۹۹ المجموع ۷/ ۸۹۔

سے عاجز ہو۔

یہ تمام مذکورین اگر نائب پائیں تو ان کی طرف سے حج بدل لازمی ہے، نائب کا آزاد ہونا شرط ہے، حج وعمرہ علی الفور کرایا جائے اپنے شہر سے، یا ایسی جگہ سے جہاں سے حج عمرہ کرنے میں آسانی ہو۔

مرد کی طرف سے عورت اور عورت کی طرف سے مرد کا نائب ہونا جائز ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک عورت کو نائب بنانا مکروہ ہے چونکہ عورت رمل نہیں کرسکتی، صفا ومروہ کے درمیان سعی نہیں کرسکتی اور سر بھی نہیں منڈ واسکتی لہٰذا حج میں قدرے نقصان اور کمی پائی جائے گی۔

اگر مال نہ پائے جسے نائب کو دے کر حج کرایا جائے تو اس صورت میں بلاخلاف حج واجب نہیں چونکہ اگر صحت مند اور تندرست آدمی ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہوتا۔ جبکہ مریض پر بطریق اولیٰ حج کرنا واجب نہیں، اور اگر مال تو پائے لیکن نائب کو نہ پائے تو مسئلہ کی نوعیت سابقہ دو روایتوں کے مطابق ہوگی کہ آیا امکان سفر شرائط وجوب میں سے ہے جیسا کہ یہی مذہب حنابلہ ہے اس کی رو سے موت کے بعد حج واجب نہیں یا یہ حج کے لئے کوشش کرنے کی شرائط میں سے ہے تو اس صورت میں موت کے بعد حج واجب ہوگا۔

اگر بیماری ختم ہونے اور قید وبند ختم ہونے کی امید ہو تو اس شخص کے لئے نائب بنانا جائز نہیں اگر ایسا کردیا تو نائب کا حج اس کی طرف سے کافی نہیں ہوگا چونکہ اسے بذات خود حج کرنے کی امید ہے لہٰذا اس کے لئے نائب بنانا جائز نہیں اگر نائب بنادیا تو حج کافی نہیں ہوگا بلکہ از سر نو دوبارہ بذات خود کرنا ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی فقیر حج کرلے تو فقر زائل ہونے کے بعد دوبارہ حج اس پر لازمی ہوگا۔

اگر معذور شخص نائب کے احرام باندھنے سے پہلے صحیح ہوگیا اور اس کا عذر جاتا رہا تو بالاتفاق نائب کا حج اسے کافی نہیں ہوگا چونکہ نائب کے شروع کرنے سے پہلے اصیل بذات خود قادر ہوگیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے مقیم پانی پالے تو اس کا تیمم باطل ہوجاتا ہے۔

جب معذور شخص نے اپنی طرف سے حج بدل کرادیا پھر اس کا عذر جاتا رہا تو اس پر دوبارہ حج کرنا واجب نہیں، چونکہ وہ اپنا سا مامور بہ بجالایا ہے اور ذمہ داری سے نکل چکا اور عہدہ برآ ہوچکا۔ البتہ شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں اسے دوسرا حج لازمی ہے، چونکہ یہ مایوسی میں بدل تھا چنانچہ جب عذر جاتا رہا معلوم ہوا کہ وہ مایوس نہیں تھا، لہٰذا اسے اصل حج لازم ہوگا جیسے کوئی مایوس عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارتی ہے اور پھر اسے حیض آجائے تو مہینوں کے حساب سے گزاری ہوئی عدت کافی نہیں ہوتی۔

زندہ شخص کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر حج اور عمرہ کرنا جائز نہیں، برابر ہے حج وعمرہ فرض ہوں یا نفلی، چونکہ یہ ایسی عبادت ہے کہ اس میں نیابت چلتی ہے لہٰذا عاقل بالغ شخص کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

۲۔ میت جس پر زندگی میں حج واجب تھا...... جس شخص پر حج واجب تھا اور مطلوبہ شرائط جو پہلے گزرچکی ہیں وہ بھی پوری تھیں لیکن وہ حج میں کوتاہی کرتا رہا اور تاخیر کرتا رہا حتیٰ کہ حج کرنے سے پہلے ہی مرگیا یا میت سے کوتاہی نہیں ہوئی کسی عذر یا مرض کی وجہ سے یا قید و بند وغیرہ کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور مرگیا تو اس کے جمیع مال سے اتنا مال نکالا جائے گا جس سے حج اور عمرہ کیا جاسکے۔ اگرچہ اس نے وصیت نہ کی ہو، اس کی طرف سے حج بدل اس جگہ سے واجب ہے جہاں سے اس پر حج واجب ہوا تھا اس جگہ سے حج نہ کرایا جائے جہاں اس کی موت واقع ہوئی، چونکہ قضاء علیٰ صفت الاداہونی چاہئے۔

(یعنی عمل کی قضاء بعینہ اداء کی طرح ہو) بلکہ واجب ہے کہ نائب میت کے شہر سے باہر کا رہنے والا نہ ہو جو مسافت قصر کی دوری پر ہو، مسافت قصر کے اندر اندر نائب سے حج کروانا جائز ہے، چونکہ اتنی مسافت کے اندر حاضر کے حکم میں ہے، اگر ایک شخص حج کے لئے نکلا راستے میں مرگیا یا نائب حج بدل کررہا تھا کہ راستے میں مرگیا تو جس جگہ اس کی موت واقع ہوئی وہیں سے حج کروایا جائے۔

اگر اجنبی میت کی طرف سے حج کردے تو اس کا حج ساقط ہوجائے گا اگرچہ اجنبی میت کے ولی کی اجازت کے بغیر حج کرے، چونکہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو قرضہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی میت کی طرف سے حج کرنا جائز ہے خواہ حج فرض ہو یا نفلی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے حج کرنے کا حکم دیا ہے باوجود معلوم ہونے کے کہ اس کی اجازت نہیں ہوگی، لہٰذا جو فرض جائز ہو وہ نفلی بھی جائز ہے جیسے صدقہ کرنا میت کی طرف سے جائز ہے خواہ فرض ہو یا نفلی۔

اگر کسی مسلمان نے نفلی حج کی وصیت کی اور نائب کی جگہ متعین نہ کی تو اس کی طرف سے میقات سے حج بدل کرانا جائز ہے جب تک کہ بقدر کفایت سے وصیت کا قرینہ مانع نہ ہو، لہٰذا اس کے شہر کے میقات سے متعین ہوگا، اگر مال تھوڑا ہو اور اس کے شہر سے حج بدل نہ ہوسکتا ہو مثلاً میت نے اتنا مال چھوڑا جس سے حج نہیں ادا ہوسکتا یا اس پر قرضہ تھا تو حج کے لئے حصہ کے بقدر مال لیا جائے گا اور جہاں سے اس مال سے حج ممکن ہو وہاں سے کروایا جائے گا چونکہ حج دین کے مشابہ ہے۔

خلاصہ..... مالکیہ اور حنفیہ میت کی طرف سے حج بدل کو اس صورت میں جائز قرار دیتے ہیں جب میت نے وصیت کی ہو اور حج میت کے تہائی مال سے کرایا جائے گا، مالکیہ کے علاوہ جمہور زندہ عاجز معذور شخص کی طرف سے حج بدل جائز قرار دیتے ہیں، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نائب اصیل کے شہر سے حج کرے گا شافعیہ کے نزدیک میقات سے حج کرے گا۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وصیت راس المال (کل مال کل سرمایہ) سے نافذ ہوگی تہائی مال سے نافذ نہیں ہوگی۔ ❷

جمہور کے نزدیک نائب علی الفور حج کرے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ..... البقرۃ ۲/ ۱۹۶

اور

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ..... آل عمران ۳/ ۹۷

ان آیات میں علی الفور کا حکم ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک نائب پر علی التراخی حج واجب ہے، یعنی نائب حج میں تاخیر کرسکتا ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رہے جبکہ جنگ میں مشغول تھے اور نہ کسی اور کام میں، آپ کے ساتھ بہت سارے لوگ جو حج پر قدرت رکھتے تھے وہ بھی پیچھے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ حج واجب علی التراخی ہے۔

حج بدل کی مشروعیت کے دلائل..... فقہاء کرام نے حج بدل کی مشروعیت پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ کہ ”قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے والد شیخ فانی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج ہے، لیکن وہ اونٹ کی پشت پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والد جو حج کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے، چنانچہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے۔ ❸

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت ہے۔ کہ ”قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: میری ماں نے حج کی منت (نذر) مانی ہے، پر وہ حج کرنے سے پہلے مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ فرمایا جی ہاں اپنی ماں کی طرف سے حج کرو۔ مجھے بتلاؤ اگر تمہاری ماں پر قرضہ ہو کیا تم اسے ادا کروگی؟ لہٰذا اللہ کا حق ادا کرو چونکہ اللہ تعالیٰ

❶..... مثلاً ایک آدمی اسلام آباد سے مرگیا تو حنفیہ کے نزدیک نائب اسلام آباد سے حج کرنے جائے شافعیہ کے نزدیک جدہ سے حج کرنے جائے۔ ❷ مثلاً میت کل مال ۲ لاکھ ہو اور حج پر ۲ لاکھ خرچ ہوتا ہو تو پورا ۲ لاکھ خرچ کیا جائے گا، جبکہ حنفیہ کے نزدیک تہائی مال ۶۶ ہزار سے حج کرایا جائے گا۔ ❸ رواہ الجماعۃ احمد و اصحاب الکتب الستہ عن ابن عباس۔

کا حق ادا کرنے کے زیادہ لائق ہے۔ ❶

دار قطنی نے ان الفاظ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی: میرا باپ مر چکا ہے اس پر حج اسلام واجب ہے، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بتاؤ اگر تمہارے باپ کے ذمہ قرضہ ہوکیا اسے ادا کرو گے؟ عرض کی جی ہاں، فرمایا: اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا اولاد مرحوم باپ کی طرف سے حج کرسکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو قرضہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اسی طرح دوسری بہت ساری روایات بھی دلالت کرتی ہیں کہ وارث میت کی طرف سے حج کرسکتا ہے ایک روایت میں ہے۔ ”میری بہن نے حج کی نذر مانی ہے۔“ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل نہیں مانگی کہ آیا وہ اس کا وارث ہے یا نہیں۔

رہی یہ بات کہ نائب نے حج کیا ہوتب دوسرے (اصیل) کی طرف سے حج کرے اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہتے سنا شبرمہ کی طرف سے لبیک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: شبرمہ کون ہے؟ جواب دیا: میرا بھائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے پہلے حج کیا ہے؟ جواب دیا نہیں۔ فرمایا: پہلے اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔ ❷

چہارم: اجرت لے کر حج کرنا..... متقدمین حنفیہ نے اجرت لے کر حج کرنا، اذان دینا، تعلیم قرآن اور فقہ کی تعلیم جائز قرار نہیں دی اسی طرح دوسری دینی اطاعات اور قربتیں بھی اجرت پر کرنی جائز نہیں۔ چونکہ یہ اطاعات کے کام کرنے والے کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا: ”میں تمہیں اتنا مال دیتا ہوں اس کے بدلہ میں تم میری طرف سے حج کرو۔“ اس شخص کا حج جائز نہیں۔ لیکن حنفیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصیل (مواجر) کی طرف سے حج ہوجائے گا۔“ البتہ اصیل یوں کہے: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میری طرف سے حج کرو۔“ اور ساتھ اجرت اور مزدوری کا ذکر نہ کرے، چنانچہ نائب کے لئے بطریق کفایت مناسب نفقہ مثل ہوگا۔ چونکہ نائب اپنے کاموں سے اپنے آپ کو فارغ کرکے حج کے لئے تیار ہوتا ہے، مزدوری پر کیا گیا حج اس لئے جائز ہے کہ جب اجارہ باطل ہوجائے گا حج کا حکم باقی رہے گا۔ خرچہ وغیرہ سے جو زائد رقم ہوگی وہ حج کرانے کا حکم دینے والے کو واپس لوٹا دی جائے گی، ہاں اگر ورثہ تبرعاً نائب کو چھوڑ دیں تو جائز ہے یا یہ کہ میت وصیت کرجائے کہ زائد مال حج کرنے والے کا حق ہے۔

دلیل..... حج اور اطاعات پر اجرت لینے کے عدم جواز پر حنفیہ کی دلیل یہ ہے۔ کہ ”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ایک شخص کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھی۔ متعلم نے انہیں ایک کمان ہدیہ میں دی، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا: آپ نے فرمایا: کام کرکے تمہاری خوشی اس میں ہوئی کہ تم آگ کی بنی ہوئی کمان گلے میں ڈال رہے ہو چنانچہ یہی تمہیں ڈالی جائے گی۔ ❸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ایک ایسا موذن رکھو جو اذان پر اجرت نہ لے۔“ ❹

عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی عبادت ہے جو فاعل (کرنے والے) کے ساتھ خاص ہے اور یہ کہ وہ اہل قربت میں سے ہو لہٰذا حج پر اجرت لینا جائز نہیں جیسے نماز اور روزے پر اجرت لینا جائز ہے۔

جمہور فقہاء اور متاخرین حنفیہ..... جمہور فقہاء اور متاخرین حنفیہ نے حج اور بقیہ اطاعات پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، ❺

---

❶..... رواہ البخاری والنسائی بمعناہ عن ابن عباس۔ ❷ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ والدارقطنی (نیل الاوطار ۴/ ۲۹۲) ❸ رواہ ابن ماجہ۔ ❹ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ۔ ❺ دیکھئے القوانین الفقہیہ ص ۱۲۸ الشرح الصغیر ۲/ ۱۵ المغنی المحتاج ۱/ ۴۶۹ المغنی ۳/ ۲۳۱۔

ان کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ کتاب اللہ اس چیز کی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس پر اجرت لو❶ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر دم کرتے اور اس پر انعام واکرام لیتے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کرتے آپ ان کی تصویب فرماتے۔❷

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حج کرنے کی صورت میں خرچہ لینا جائز ہے، جیسا کہ اس کا اقرار متقدمین حنفیہ نے بھی کیا ہے۔ لہٰذا حج پر اجرت لینا جائز ہے جیسے مسجد اور پل کی تعمیر پر اجرت لینا جائز ہے۔

ثمرہ اختلاف...... یہ کہ جب حج پر اجرت لینی جائز نہ ہوگی تو حج کرنے والا محض نائب ہوگا اور اسے جو مال دیا جائے گا وہ اس کا راہ خرچ ہوگا، چنانچہ اگر نائب مر گیا یا محصور ہوگیا یا بیمار ہوگیا یا راستہ بھول گیا تو جو رقم خرچ کر چکا اس کا ضامن نہیں ہوگا، چونکہ اس نے صاحب مال کی اجازت سے خرچ کیا ہے، اگر نائب کی کسی کوتاہی اور زیادتی کی وجہ سے (مثلاً حرم کا شکار کرلیا) اس پر دم واجب ہوا تو وہ اس کے ذاتی مال سے واجب ہوگا، چونکہ اسے کوتاہی اور زیادتی کی اجازت نہیں دی گئی۔

لہٰذا دم اسی پر واجب ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ نائب ہو ہی نہ، اگر نائب نے حج فاسد کردیا تو اس پر قضاء واجب ہوگی، اور جو خرچہ لیا وہ واپس کیا جائیگا۔ چونکہ نائب کی طرف سے حج کافی نہیں ہوگا بوجہ اس کی تفریط اور جنایت کے، اسی طرح اگر حج نائب کی کوتاہی کی وجہ سے فوت ہوگیا، اگر حج نائب کی تفریط سے فوت نہ ہوا تو اس کے لئے نفقہ کا حساب کیا جائیگا۔ چونکہ اس کے فعل کی وجہ سے حج فوت نہیں ہوا لہٰذا حکم کی مخالفت اس سے سرزد نہیں ہوئی یہ ایسا ہی ہے جیسے نائب مرجائے، اگر نائب آدھے راستے میں مر گیا تو جہاں وہ پہنچا وہیں سے حج کرایا جائے گا اس کے پاس جو مال بچا ہوا ہوگا وہ مالک کو واپس کیا جائے گا۔ ہاں اگر اسے لینے میں اجازت دی گئی تو لے سکتا ہے، بقدر حاجت اپنے اوپر خرچ کرسکتا ہے بغیر فضول خرچی کے۔ اگر نائب قریب کا راستہ چھوڑ کر دور کے راستے سے گیا تو دور کے راستے سے جو زائد خرچہ ہوگا وہ نائب کی ذاتی مال سے ہوگا۔ حج کر لینے کے بعد مدت قصر کے بقدر اگر نائب مکہ میں ٹھہر گیا جبکہ اس کے لئے واپسی کا سفر کرنا ممکن تھا تو اس دوران کا خرچہ اس کے ذاتی مال سے ہوگا۔

اگر زندہ شخص یا میت کی طرف سے اجرت لے کر حج کیا گیا تو اجرت کے معاملہ میں اجارہ کی جملہ شرائط کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اجرت معلوم ہو، عقد اجارہ کی نوعیت واضح ہو، جو چیز اجرت میں لے وہ اس کی ملکیت ہو، اس میں نائب کا تصرف مباح ہو، اور نفقہ میں وسعت ہو وغیرھا۔ اگر محصور ہوگیا یا راستہ بھول گیا یا نفقہ اس سے گم ہوگیا تو یہ اس کے ضمان میں ہوگا اور اس پر حج واجب ہوگا۔ اگر نائب مر گیا تو اجارہ فسخ ہوجائے گا، چونکہ معقود علیہ (وہ چیز جس پر عقد اجارہ ہوا یعنی حج) وہ تلف ہوگیا، لہٰذا عقد فسخ ہوجائے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسے اجرت میں لیا ہوا جانور مرجائے، اس صورت میں بھی حج وہاں سے کرایا جائے گا جہاں نائب پہنچا ہو۔ اور کوتاہی وغیرہ سے جو دم لازم ہوگا وہ نائب کے ذاتی مال سے ہوگا۔

مالکیہ کے نزدیک اجارہ علی الحج...... مالکیہ اگرچہ اجرت پر حج کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں یعنی میت کی طرف سے حج اجرت پر کرایا جائے جس نے حج کی وصیت کی ہو، البتہ مالکیہ کہتے ہیں وہ عمل جو اللہ کے لئے ہو اس پر اجرت لینا مکروہ ہے، برابر ہے وہ عمل حج ہو یا کوئی اور عمل ہو، جیسے قرأت قرآن، تعلیم علم۔ البتہ کتاب اللہ کی تعلیم پر اجرت لینا جائز بلا کراہت ہے مالکیہ کے نزدیک اجارہ علی الحج کی دو قسمیں ہیں۔

اول: اجرت معلومہ کے ساتھ اجارہ...... اجرت، اجیر کی ملک ہو جیسے سبھی قسم کے اجارات میں ہوتا ہے، جس چیز کی کفایت سے

---

❶ ...... رواہ البخاری عن ابن عباس۔ ❷ رواہ الجماعۃ الا النسائی عن ابی سعیدن الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

عاجز ہو وہ اپنے مال سے پوری کرے اور جو مال بچ رہے وہ اس کی ملکیت ہوگا۔

دوم: بلاغ......یعنی مستاجر اجیر کو مال ہاتھوں ہاتھ دے دے تاکہ وہ اس کی طرف سے حج کرے، اگر نائب کو زائد مال کی ضرورت پڑے تو مستاجر سے لے، اگر باقی بچ رہے تو مستاجر کو واپس کرے۔

جب میت نے اپنی طرف سے اپنے مال سے حج کرنے کی وصیت کی ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو تو اس کی وصیت تہائی مال سے نافذ ہوگی اگر وصیت نہ کی ہو تو حج ساقط ہو جائے گا۔

اجیر جس شخص کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہو اس کی نیت کرے، حج کے لئے اجیر ایسا شخص ہونا بھی حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے جس نے پہلے اپنا حج نہ کیا ہو جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت میں شرائط میں کروں گا۔

حصہ پنجم......حج بدل کی شرائط

حنفیہ نے حج بدل کی بیس (۲۰) شرائط عائد کی ہیں میں ان شرائط کے ضمن میں دوسرے فقہاء کی آراء بھی ذکر کروں گا۔ ❶

۱......نائب احرام باندھتے وقت اصیل کی طرف سے حج کی نیت کرے، چونکہ نائب اصیل کی طرف سے ہی تو حج کرنا چاہتا ہے نہ کہ اپنی طرف سے لہٰذا نیت کا ہونا ضروری ہے۔ افضل یہ ہے کہ زبان سے یوں کہے:

نويت الحج عن فلان وأحرمت به لله تعالىٰ، ولبيك عن فلان

یا اردو میں کہے: میں نے فلاں کی طرف سے حج کی نیت کی اور اس کی طرف سے اللہ کے لئے احرام باندھا اور فلاں کی طرف سے تلبیہ کہہ رہا ہوں۔ جیسا کہ اپنی طرف سے حج کرتے وقت نیت کی جاتی ہے، اگر نائب نام بھول گیا تو مطلق اصیل کی طرف سے نیت کردے، اس میں دل کی نیت کافی ہے، یہ شرط متفق علیہ ہے۔

۲......یہ کہ اصیل بذات خود حج کرنے سے عاجز ہو اور اس کے پاس مال ہو، اگر حج کرنے پر اصیل خود قادر ہو اور اس کے پاس مال بھی ہو اور بدن تندرست ہو تو اس کی طرف سے حج بدل کرنا جائز نہیں، یہ شرط بھی مالکیہ کے علاوہ متفق علیہ ہے، مالکیہ زندہ شخص کی طرف سے حج بدل کو مطلق جائز قرار نہیں دیتے، البتہ جو شخص بذات خود حج کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کا نائب بنانا بالاجماع جائز نہیں۔

سبھی فقہاء نے میت کی طرف سے حج بدل کرنے کی اجازت دی ہے البتہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک وصیت کی شرط ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر میت نے زندگی میں کوتاہی کی اور حج نہ کیا تو اس کی طرف سے حج کرانا واجب ہے۔

۳......جس عذر کی وجہ سے حج کرنے سے قاصر ہو وہ عذر تاموت بدستور رہے جیسے قید و بند اور مرض کے اعذار، یہ شرط حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بالاتفاق ہے، اگر موت سے پہلے عذر زائل ہو گیا (مثلاً قید و بند سے رہائی مل گئی) تو نائب کا حج اس کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔ چونکہ حج بدل کا جواز خلاف قیاس ثابت ہے۔

اور عذر کی وجہ سے اس کا جواز ہے لہٰذا عذر کے ساتھ اس کا جواز مقید ہوگا۔

حنابلہ......حنابلہ کہتے ہیں اگر موت سے قبل عذر ختم ہو گیا تو نائب کا حج اصیل کے لئے کافی ہوگا، چونکہ وہ مامور بہ بجا لایا ہے لہٰذا ذمہ داری سے نکل چکا، یہ ایسا ہی ہے جیسے تاموت عذر زائل ہی نہ ہو۔

---

❶......دیکھئے الدر المختار وردالمحتار ۳۲۷/۲، فتح القدير ۳۱۷/۲، البدائع ۲۱۲/۲، شرح الصغير ۱۵/۲، الشرح الكبير ۱۸/۲، القوانين الفقهية، ص ۱۲۸، شرح المعلى ۹۰/۲ و كتاب الايضاح

۴: وجوب حج......اگر فقیر یا تندرست جس پر حج واجب نہ ہو اس نے اپنی طرف سے حج بدل کرایا تو اسے حج بدل کافی نہیں ہوگا، اگر چہ بعد میں اس پر حج واجب ہو جائے۔ تب بھی کافی نہیں ہوگا بلکہ از سر نو حج کرے گا۔

۵: حج کرانے سے پہلے عذر کا موجود ہونا......یعنی حج بدل کرانے سے پہلے اصیل میں عذر موجود ہو اگر صحت مند شخص نے حج بدل کرایا پھر بعد میں اسے عذر لاحق ہوا تو یہ حج اسے کافی نہیں ہوگا، یہ دونوں شرائط بداہتہً سمجھی جاسکتی ہیں۔

۶......یہ کہ خرچہ اصیل کی ذاتی مال سے ہو، خواہ سارے کا سارا خرچہ یا اکثر خرچہ اصیل کی طرف سے ہو یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، ہاں البتہ اگر وارث اپنی طرف سے تبرع کردے تو میت کا ذمہ ساقط ہو جائے گا یہ تب ہے جب میت نے حج کی وصیت نہ کی ہو۔

اگر نائب نے تبرعاً اپنا ذاتی مال خرچ کر کے حج کیا تو حنفیہ کے نزدیک میت کی طرف سے یہ حج نہیں ہوگا، اسی طرح جب موروث میت وصیت کرے کہ اس کی طرف سے حج کیا جائے اور پھر اس کا وارث تبرعاً اپنے مال سے حج کرائے تو یہ حج میت کے لئے کافی نہیں ہوگا چونکہ فرض میت کے مال سے متعلق ہوا ہے لہٰذا جب میت کے مال سے حج نہ کرایا گیا تو اس کا فرض بھی ساقط نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ اور حنابلہ جائز قرار دیتے ہیں کہ وارث یا کوئی اجنبی تبرعاً (اپنی طرف سے مال دے کر) حج کرائے تو یہ صحیح ہے برابر ہے میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، خواہ وارث نے اجنبی کو اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اجنبی میت کا قرض اپنی طرف سے تبرعاً ادا کردے۔

۷......یہ کہ نائب میقات سے احرام باندھ کر حج بدل کرے، اگر نائب نے عمرہ کیا حالانکہ اسے حج کا حکم دیا گیا تھا پھر نائب نے مکہ ہی سے حج کیا تو یہ حج بدل جائز نہیں اور خرچے کا ضامن ہوگا۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر نائب کو حج افراد کا کہا گیا تھا لیکن اس نے حج تمتع کردیا تو اصیل کی طرف سے حج واقع نہیں ہوگا۔ اور حنفیہ کے اتفاق سے نائب ضامن ہوگا۔ اور اگر نائب کو حج افراد کا حکم ملا تھا اور اس نے حج قران کردیا تو وہ حکم عدولی کا مرتکب ہوگا اور خرچے کا ضامن ہوگا، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک استحساناً اصیل کی طرف سے حج ہوگا۔

اگر میت نے حج کی وصیت کی ہو اور مال کی حد بھی مقرر کردی ہو یا جگہ کی تعیین کی ہو تو حکم مقررہ کردہ مال اور متعین کردہ جگہ پر لاگو ہوگا۔ اور اگر میت نے مطلق حکم دیا ہو اور کسی چیز کی تعیین نہ کی ہو اور پھر اس کے شہر سے حج کرایا گیا تو قیاساً حج صحیح ہوگا نہ کہ استحساناً۔ اور عمل قیاس پر ہوگا۔

شافعیہ......کہتے ہیں نائب پر حج اصیل کے متعلقہ میقات سے واجب ہے، چونکہ حج میقات سے کرنا واجب ہے، اگر اصیل نے حج افراد کا حکم دیا ہو اور نائب نے حج قران کردیا ہو تو یہ حج اصیل کی طرف سے واقع ہوگا جیسے صاحبین نے کہا ہے، البتہ اگر اصیل نے حج افراد کا حکم دیا تھا اور نائب نے حج تمتع کردیا تو اس کا وقوع اصیل کی طرف سے نہیں ہوگا۔ اور یہ اصیل کے حج اسلام کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں مالکیہ نے حج قران اور تمتع کو برابر درجہ میں رکھا ہے جب یہ دونوں کئے جائیں اور حج افراد کافی ہوتا ہوگا، اگر وصی کی طرف سے شرط ہو اصل کی طرف سے نہ ہو۔

حنابلہ......کہتے ہیں، اصیل کے شہر سے نائب پر حج کرنا واجب ہے، چونکہ حج عاجز یا میت پر اس کے شہر سے واجب ہوتا ہے، لہٰذا اسی شہر سے نائب حج کرے، چونکہ قضاء اداء کے موافق ہوتی ہے، جیسے نماز اور روزہ کی قضاء اداء کے موافق ہوتی ہے۔ یہی حکم حج منذور اور قضاء کے حج میں ہے، حنابلہ ہر حال میں اصیل کے لئے نائب کے حج کو صحیح قرار دیتے ہیں خواہ حج افراد ہو یا تمتع ہو یا قرآن ہو۔ البتہ اگر اقسام حج میں اجرت کا فرق پڑے تو اجیر پر رجوع کیا جائے گا، اگر اصیل کے دو وطن ہوں تو قریب کے وطن سے حج کے لئے نائب بنایا

جائے گا، اگر ایک شخص حج کے لئے نکلا اور راستے ہی میں مرگیا تو جہاں مرا وہیں سے حج بدل کرایا جائے گا چونکہ حج کے بعض واجب امور اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکے تھے لہٰذا جن امور کا سقوط ہوا وہ از سر نو واجب نہیں ہوں گے، اسی طرح نائب اگر راستے میں مرگیا تو وہیں سے نائب کا نائب بنا کر حج کروایا جائے۔

اگر ایک شخص نے احرام باندھا پھر وہ مرگیا تو بقیہ ارکان میں نیابت درست ہے برابر ہے کہ میت نے احرام اپنے لئے باندھا تھا یا کسی اور کے لئے، چونکہ اس عبادت میں نیابت چلتی ہے، اور جب ایک فعل کا کچھ حصہ ادا کرنے کے بعد مرجائے تو بقیہ اس کی طرف سے ادا کیا جائے گا جیسے زکوٰۃ۔

اگر میت نے نفلی حج کی وصیت کی ہو اور تہائی مال اس کے شہر سے کافی نہ ہو تو جہاں سے حج ہوسکتا ہو وہاں سے کرایا جائے، ہاں البتہ اگر ورثہ رضامندی سے زائد مال دے کر اسی کے شہر سے حج کرائیں تو جائز ہے۔ جس ادا کا روزہ رکھا جاتا ہے اسی طرح قضاء کا روزہ بھی رکھا جاتا ہے۔ کمی بیشی نہیں کی جاتی۔ اسی طرح جیسے ادا کی نماز بعینہ اسی طرح قضاء بھی ہوتی ہے۔

۸: حج کا حکم ہو...... حنفیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اصیل اپنی طرف سے حج کرانے کا حکم دے، لہٰذا حج بدل اصیل کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، البتہ وارث حج کرسکتا ہے اور میت بری الذمہ ہو جائے گا۔

ان کی دلیل خثعمیہ کی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ کتاب۔ "نطاق المشية الالٰهية" میں لکھا ہے: اگر میت کے لئے کسی اجنبی نے حج بدل کردیا تو انشاء اللہ اس کی طرف سے حج اسلام ساقط ہو جائے گا۔

چونکہ حج بدل بھی ایصال ثواب کی ایک صورت ہے اور ایصال ثواب قریبی اور اجنبی کے ساتھ خاص نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: انشاء اللہ! میت کو یہ حج کافی ہوگا اور اگر وصیت کی ہو تو پھر "انشاء اللہ" کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔

۹..... حنفیہ نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ حج بدل میں اجرت کی شرط نہ لگائی گئی ہو، پہلے گزر چکا ہے کہ اجرت پر حج بدل کرانا جائز نہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک بھی معتمد یہ ہے کہ حج ہو جائے گا، جمہور فقہاء نے اجرت پر حج کرانے کو جائز قرار دیا ہے۔

"حنابلہ نے وضاحت کی ہے کہ جس شخص کے والدین وفات پا گئے ہوں یا حج کرنے سے عاجز ہوں اس شخص کے لئے ان کی طرف سے حج کرانا مستحب ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورزین کو حکم دیا تھا کہ اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کرو" دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا باپ مر چکا ہے اور وہ حج نہیں کرسکا، آپ نے فرمایا: "اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔" اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ "جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا یا ان کی طرف سے تاوان (قرض وغیرہ) ادا کیا تو قیامت کی دن اسے نیکوکاروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔" ❶

والدہ کی طرف سے حج کی ابتداء کرنا مستحب ہے کیونکہ ماں کا مرتبہ بڑا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگوں میں سے کس سے زیادہ حسن سلوک کروں؟ تو جواب ملا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ تین مرتبہ ماں کے ذکر کے بعد چوتھی مرتبہ باپ کا ذکر فرمایا۔ اور اگر صرف والد پر حج واجب ہو تو والد کی طرف سے ابتداء کرے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: جس شخص نے والدین کی طرف سے حج کا احرام باندھا تو وہ والدین میں سے کسی ایک کی طرف سے کردے اسے کافی ہوگا، چونکہ جو شخص دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر حج کرتا ہے تو وہ حج ادا کرنے کے بعد اس کا ثواب اسے بخش سکتا ہے۔ لہٰذا ادا سے پہلے نیت لغو ہوگی اور ادا کرنے کے بعد والدین میں سے کسی ایک کو ثواب بخش دے۔ بخلاف اس کے کہ کسی شخص کو حج کا مامور بنادیا گیا ہو تو اس کا حج آمر کی طرف سے ہوگا۔

---

❶ ..... رواه الدارقطنی كل تلك الاحاديث.

۱۰: اہلیت..... حج بدل صحیح ہونے کے لئے اہلیت شرط ہے یعنی نائب مکلّف (عاقل، بالغ) ہو، یہ شرط متفق علیہ ہے، حنفیہ نے مراہق کے نائب بننے کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک غیر ممیّز بچے کو نائب بنا کر حج کرانا صحیح نہیں۔

حج صرورہ..... صرورہ سے مراد وہ شخص جو اپنی طرف سے حج نہ کرے حنفیہ کے نزدیک وہ شخص جس نے پہلے اپنا حج نہ کیا ہو وہ نائب بن کر حج بدل کر سکتا ہے، لیکن اس میں حنفیہ کے نزدیک کراہت تحریمی ہے، گویا حنفیہ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ نائب نے پہلے اپنا حج کیا ہو۔ چونکہ خثعمیہ کی حدیث مطلق ہے اس میں ہے۔" اپنے باپ کی طرف سے حج کرو۔" جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خثعمیہ سے استفسار نہیں کیا کہ تم نے پہلے اپنا حج کیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اصول ہے کہ تفصیل کا ترک حوادث احوال میں عموم مقام اور عموم خطاب کے قائم مقام ہوتا ہے، لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تفصیل نہیں پوچھی لہٰذا اس میں عموم ہے کہ خواہ نائب نے اپنا حج کیا ہو یا نہ کیا ہو، رہی بات کراہت کی سو وہ اس لئے ہے کہ نائب نے فرض حج ترک کیا ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں اگر حج بدل کی وصیت ہو تو اس صورت میں غیر حاجی کا حج کرنا مکروہ ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حج واجب علی التراخی ہے۔ ورنہ واجب علی الفور کا قول ہوگا اور وہ ان کے نزدیک معتمد ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ..... حج بدل کرنا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک نائب پہلے اپنا حج اسلام نہ کر لے، حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ اگر ایک شخص اپنے بھائی شبرمہ کی طرف سے تلبیہ پڑھ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پہلے اپنا حج کرو پھر شبرمہ کا کرو۔" خثعمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس امر پر محمول کی جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا ہوگا کہ وہ اپنی طرف سے حج کر چکی ہے، اگرچہ آپ کے معلوم ہونے کا طریقہ مخفی ہو۔ تاکہ سبھی دلائل جمع ہو جائیں: جیسا ابن ہمام نے بھی کہا ہے۔

اس مذہب کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔" اسلام میں حج نہ کرنا نکاح نہ کرنا بے حقیقت ہے۔" ❶

فرض کی بجائے نفلی حج کرنا..... جس شخص پر حج یا عمرہ فرض ہو اس کا نفلی حج یا عمرہ کرنا یا حج منذور کرنا جائز نہیں، چونکہ نفلی حج اور حج منذور مرتبہ میں حج اسلام سے کمتر ہیں، لہٰذا نفلی اور نذر کے حج کو مقدم کرنا جائز نہیں، جیسے حج بدل کو اپنے حج سے مقدم کرنا جائز نہیں، اگر کسی شخص نے حج بدل کا احرام باندھا تو اس کا احرام اس کی طرف سے منعقد ہوگا، چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پہلے گزر چکی ہے۔ کہ" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا وہ شبرمہ کی طرف سے حج کر رہا تھا: کیا تو نے اپنا حج کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، آپ نے فرمایا:" یہ حج اپنی طرف سے کرو پھر شبرمہ کی طرف سے کرو۔"

فرع..... اگر کسی انسان کے حق میں تین اقسام کے حج جمع ہو جائیں یعنی حج اسلام، حج قضاء اور حج منذور تو پہلے حج اسلام کرے پھر قضاء کا پھر منذور، اگر اس نے حج اسلام کی بجائے حج منذور یا قضاء کا احرام باندھ لیا تو احرام حج اسلام کا منعقد ہوگا۔

۱۱..... یہ کہ نائب سوار ہو کر حج کرے چونکہ اس پر جو حج فرض ہوا وہ سوار ہو کر ہے، اگر مطلقاً حج کا حکم ہو تو اس میں سوار ہو کر حج کرنے کی قید معتبر ہوگی، اگر نائب نے پیدل چل کر حج کیا تو اس نے اصیل کے حکم کی نافرمانی کی، لہٰذا نفقہ کا ضامن ہوگا۔

حنفیہ..... کے ہاں معتبر یہ ہے کہ اکثر راستے میں سوار رہے ہاں اگر خرچہ کم پڑ جائے تو اکثر کو چھوڑ سکتا ہے، اور ایسی صورت میں پیدل حج کیا تو جائز ہے، سوار ہو کر وجوب حج جمہور کے نزدیک ہے جبکہ مالکیہ مشقت شدیدہ نہ ہو تو پیدل حج کرنا واجب ہے۔ جیسے پہلے بیان کیا ہے۔

---

❶ رواہ ابو داؤد، باسناد صحیح، بعضہ علی شرط مسلم وباقیہ علی شرط البخاری۔

۱۲...... یہ کہ نائب اصیل کے وطن سے حج کرنے جائے بشرطیکہ تہائی ترکہ میں وطن سے حج کرنے کی گنجائش ہو، یہ حالت وصیت میں ہے، اگر حج کی گنجائش نہ ہو تو جہاں سے حج کرنے کی گنجائش ہو وہاں سے کرے، یہ حنفیہ کی رائے ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تہائی مال سے نہیں بلکہ کل مال سے حج کرایا جائے گا۔ چونکہ حج بھی ذمہ میں واجب قرضہ کی طرح ہے لہٰذا کل سرمایہ سے ہوگا جیسے کسی آدمی کا قرضہ کل مال سے ادا کیا جاتا ہے۔

۱۳...... اگر اصیل نے کسی نائب کو متعین کیا ہو تو نائب کا بذات خود حج بدل کرنا شرط ہے وہ یعنی نائب اپنا نائب نہیں بنا سکتا اگر ایسا کیا تو دونوں نائب (اول اور دوم) خرچے کے ذمہ دار ہوں گے۔

البتہ اگر اصیل نے معاملہ نائب کو سونپا ہوا اور کہا ہو "جو تم چاہو کرو" تو ایسی صورت میں نائب کا نائب بنانا درست ہوگا اور حج آمر (اصیل) کی طرف سے واقع ہوگا۔

۱۴...... یہ کہ نائب حج کو فاسد نہ کرے، اگر نائب نے حج فاسد کر دیا تو فساد کا وبال نائب ہی پر پڑے گا چونکہ وہ حج صحیح کا مامور ہے، اور حج صحیح وہ ہوتا ہے جو جماع سے خالی ہو جبکہ نائب نے جماع کر کے آمر کی مخالفت کی ہے لہٰذا خرچے کا ضامن ہوگا اور یہ حج اسی (نائب) کی طرف سے واقع ہوگا اصیل کی طرف سے نہیں، چونکہ اس کی قضاء اسی کو لازم ہے۔

۱۵...... حج میں مخالفت نہ ہونا شرط ہے یعنی اصیل نے اگر حج افراد کا حکم دیا تو نائب حج افراد ہی کرے اگر نائب نے حج قران یا تمتع کر دیا تو وہ میت کی طرف سے نہیں ہوگا، خرچے کا ضامن ہوگا، اگر نائب کو عمرہ کا حکم دیا گیا تھا اس نے عمرہ کیا اور پھر اپنی طرف سے (اپنے لئے) حج کیا یا اسے حج کا حکم ملا تھا اس نے پہلے حج کیا پھر اپنے لئے عمرہ کیا تو یہ جائز ہے، البتہ زائد اقامت کا خرچہ نائب کے اپنے مال سے ہوگا، اگر نائب نے اس کے الٹ کیا تو یہ جائز نہیں۔

۱۶...... یہ کہ نائب ایک ہی حج کا احرام باندھے اگر نائب نے پہلے آمر کی طرف سے احرام باندھا پھر دوسری بار اپنی طرف سے احرام باندھا تو یہ جائز نہیں الا یہ کہ دوسرے احرام کو ترک کر دے۔

۱۷...... یہ کہ حج میں انفرادیت نمایاں ہو یعنی اگر دو آدمیوں نے ایک ہی شخص کو اپنے لئے حجوں کا نائب بنایا تو نائب ان میں سے کسی ایک کے حج کا احرام باندھے اگر دونوں کی طرف سے احرام باندھ لیا تو ضامن ہوگا۔

۱۸۔۱۹...... نائب اور اصیل کا مسلمان ہونا اور دونوں کا عاقل ہونا بھی شرط ہے، لہٰذا مسلمان کافر کے لئے حج نہیں کر سکتا، مجنون کسی اور کے لئے حج نہیں کر سکتا اور اس کا الٹ بھی جائز نہیں، البتہ اگر مجنون پر جنون طاری ہونے سے پہلے حج واجب ہوا ہو تو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے۔

۲۰...... وقوف عرفہ نائب سے فوت نہ ہو۔ اس کی تفصیل بعد میں آیا چاہتی ہے۔

نفلی حج دوسرے کی طرف سے...... حج بدل اگر فرض ہو تو مذکورہ بالا جملہ شرائط حنفیہ کے نزدیک ملحوظ ہوں گی اگر حج بدل نفلی ہو تو اس کے لئے یہ سب شرائط ملحوظ نہیں بلکہ اسلام، عقل، تمیز کی شرطیں معتبر ہوں گی، اسی طرح نفلی حج اجرت کرنا بھی صحیح ہے چونکہ نفل کے باب میں توسع ہے چونکہ نفل میں تسامح (چشم پوشی) برتا جا سکتا ہے جبکہ فرض حج میں تسامح نہیں برتا جا سکتا۔

ششم...... نائب کی خلاف ورزی

اس ضمن میں اصل یہ ہے کہ نائب کو حج کے متعلق جو حکم ملا ہے وہی بجالائے اگر حج میں حکم کی مخالفت کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تفصیل

مندرجہ ذیل ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: نائب مندرجہ ذیل حالات میں حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے۔

ا...... جب نائب کو حج افراد، یا صرف عمرہ کرنے کا حکم ملا اور اس نے حج وعمرہ دونوں کو ملا لیا تو اسے خلاف ورزی کا مرتکب سمجھا جائے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔ چونکہ اس نے مامور بہ بجانہیں لایا، چونکہ نائب کو مخصوص طریقہ پر سفر کا حکم ملا، اور وہ اسے بجانہیں لایا، لہٰذا آمر کے حکم کی خلاف ورزی کی اور ضامن ہوگا۔ صاحبین کہتے ہیں۔ یہ حج آمر کی طرف سے استحساناً کافی سمجھا جائے گا، لہٰذا اس میں ضامن نہیں ٹھہرایا جائے گا، چونکہ وہ مامور بہ بجالایا ہے بلکہ بڑھ چڑھ کر بھلائی کو بجالایا ہے۔ دلالۃً اسے زائد بھلائی کرنے کا اذن حاصل ہے، خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہوگا، اس کی یہ خلاف ورزی کا انجام بھلائی ہے۔

ب...... اگر اصیل نے حج کا حکم دیا تھا اور نائب نے عمرہ کر دیا تو خلاف ورزی سمجھی جائے گی اور خرچے کا ضامن ہوگا، اگر نائب نے عمرہ کیا پھر مکہ ہی سے حج کر لیا تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا، چونکہ اسے سفر کر کے حج کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس نے حج سفر کر کے نہیں کیا بلکہ سفر کر کے اس نے عمرہ کیا ہے اور حج مکہ ہی سے کیا ہے لہٰذا ضامن ہوگا۔

ج...... اگر نائب کو عمرہ کا حکم دیا اس نے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کر لیا پھر اپنے ذاتی حج کے لئے احرام باندھا تو اس صورت میں خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہوگا۔ چونکہ وہ مامور بہ بجالایا ہے، اور وہ سفر کر کے عمرہ کرنا ہے، اور اس کا حج عمرہ کے بعد ہوا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی دوسرے کام مثلاً تجارت وغیرہ میں عمرہ کے بعد مشغول ہو جائے، البتہ حج کا خرچہ نائب کے ذاتی مال سے ہوگا، چونکہ اس نے اپنی ذات کے لئے عمل کیا ہے۔

د...... اگر نائب کو حج کا حکم دیا اور نائب نے پیدل چل کر حج کیا تو حج کے لئے کیے گئے خرچے کا ضامن ہوگا، چونکہ حج کے حکم کا اطلاق متعارف حج پر ہوتا ہے متعارف حج سوار ہو کر کیا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سوار ہو کر حج کرنے کا حکم دیا ہے جب مطلق رکھا تو اس سے متعارف حج مراد ہوگا، جب پیدل چل کر حج کرے گا تو خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔

ھ...... اگر دو آدمیوں نے ایک ہی شخص کو حج کا حکم دیا اس نے دونوں کی طرف سے احرام باندھا تو خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا، دونوں سے لئے ہوئے خرچے کا ضامن ہوگا، چونکہ دونوں اصیلوں نے حج تام کا حکم دیا ہے اور نائب حج تام نہیں بجالایا لہٰذا دونوں کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب سمجھا جائے گا، دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی حج نہیں ہوگا لہٰذا دونوں کے لئے ضامن ہوگا۔ اور حج نائب کا ذاتی حج واقع ہوگا، چونکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ ہر فاعل کا فعل اسی کی طرف سے واقع ہو، دوسرے کی طرف سے تب واقع ہوتا ہے جب اس کی طرف سے مقرر کیا جائے۔

اگر نائب نے دو میں سے کسی ایک کی طرف سے متعین کر کے احرام باندھا تو اس کی طرف سے واقع ہوگا اور دوسرے کے خرچے کا ضامن ہوگا۔ اگر دو میں سے کسی ایک غیر معین کی طرف سے احرام باندھا تو کسی ایک کے کھاتے میں ڈال دے، اسی طرح اگر بیٹے نے والدین میں سے ایک کی طرف سے احرام باندھا تو کسی ایک کے لیے تعیین کر دے، چونکہ احرام ادا نہیں، بلکہ احرام شرط جواز ہے۔

اگر ایک نے نائب کو حج کا حکم دیا اور دوسرے نے عمرہ کا حکم دیا، اگر دونوں نے حج وعمرہ جمع کرنے کی اجازت دی تو یہ حج قران ہوگا، اگر دونوں نے اجازت نہ دی اور جمع کر لیا تو کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں، یہی راجح ہے چونکہ بغیر اجازت کے حج وعمرہ جمع کرنا خلاف ورزی ہے جبکہ آمر نے اس کو پورا سفر حج میں صرف کرنے کا حکم دیا۔

خلاف ورزی کی سزا...... جب نائب سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا جس سے دم واجب ہوتا ہو تو وہ نائب پر ہی پڑے گا، اگر آمر کے حکم

سے حج قران کیا تو حج قران کا دم آمر پر ہوگا، حاصل یہ ہے کہ وہ تمام اقسام کے دم جو احرام سے متعلق ہوں وہ نائب یعنی حج کرنے والے کی طرف سے ہوں گے، البتہ احصار کا دم اصیل کی طرف سے ہوگا۔ چونکہ اصیل ہی نے نائب کو اس ذمہ داری میں داخل کیا ہے لہٰذا یہ دم حج کے نفقہ اور مشقت سے ہوتا ہے اور نفقہ اصیل کی طرف سے ہوتا ہے۔

اگر نائب نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرلیا تو حج فاسد ہو جائے گا البتہ مناسک میں برابر چلتا رہے، خرچہ نائب کے ذاتی مال سے ہوگا۔ فساد حج سے پہلے اصیل کے مال سے جو خرچہ ہوا اس کا ضامن ہوگا، اور نائب آئندہ سال ذاتی مال سے حج کی قضاء کرے۔

و.....جس شخص نے دوسرے کی طرف سے حج کیا اور راستے میں بیمار پڑ گیا تو اس نائب کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی اور کو خرچہ دے جو میت کی طرف سے حج کرے ہاں البتہ نائب کو نائب بنانے کی اجازت دی گئی ہو تو جائز ہے، چونکہ نائب کو صرف حج کرنے کا حکم دیا گیا ہے حج کرانے کا حکم نہیں دیا گیا۔

ز.....اگر ایک شخص سے حج کرایا گیا پھر اس نے حج ادا کیا اور مکہ میں مقیم ہو گیا تو یہ جائز ہے، چونکہ فرض حج ادا ہو چکا، البتہ افضل یہ ہے کہ حج کرنے کے بعد واپس لوٹ آئے، چونکہ جب بھی خرچہ زیادہ ہوگا آمر کو ثواب زیادہ ملے گا۔

جب نائب حج کر کے فارغ ہو گیا اور اس نے پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی اقامت کی نیت کرلی تو اپنے مال سے خرچ کرے، چونکہ اقامت کی نیت صحیح ہوتی ہے۔ اور سفر کا تارک ہوگا لہٰذا اسے آمر کے مال سے خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اگر مال خرچ کیا تو ضامن ہوگا چونکہ اس نے اقامت کے دوران دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے۔

اگر عادۃً تین دن اقامت کرلی تو اصیل کے مال سے خرچ کرے اور اگر معتاد تین دن سے زائد اقامت کرلی تو تو زائد دنوں کا خرچہ اپنے مال سے کرے۔

تجارت اور اجرت وغیرہ کے لئے اقامت کرلینا جواز حج کے مانع ہیں، تاجر، اجیر اور کرایہ دار کا حج جائز ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۸

تمہارے اوپر کوئی حرج نہیں کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ (۱)

حنابلہ: ا...... (۲) حنابلہ کہتے ہیں اگر اصیل نائب کو حج کرنے کا حکم دیا اور اصیل نے حج تمتع کر دیا یا میقات سے اپنے لئے عمرہ کر دیا اور پھر حج کیا اور دیکھا جائے گا کہ اگر نائب نے میقات میں جا کر وہاں سے احرام باندھا ہے تو حج جائز ہے اور اس پر کچھ ضمان نہیں۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی ہے، چونکہ جب اس نے میقات سے احرام باندھا تو وہ حج صحیح بجالایا، البتہ اگر مکہ سے ہی احرام باندھ کر حج کرلیا تو ترک میقات کی وجہ سے اس پر دم آئے گا اور اتنا نفقہ بھی واپس کرے گا جو احرام حج میقات سے ترک کرنے کی صورت میں اس کے پاس باقی بچا رہا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے احرام کے بغیر میقات کو تجاوز کر جائے۔

ب.....اگر نائب کو حج افراد کا حکم دیا اور اس نے حج قران کر دیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک نائب کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا، یہی رائے صاحبین کی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف ہے۔ حنابلہ وغیرہ ہم کی دلیل یہ ہے کہ نائب نے حکم کی تعمیل کی ہے بلکہ بطریق زائد حکم بجالایا ہے، لہٰذا صحیح ہے ضامن نہیں ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص نے نائب کو ایک دینار سے ایک بکری خریدنے کا حکم دیا اور وہ ایک دینار میں دو بکریاں خرید لایا اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار کے برابر کی ہو۔

(۱) چونکہ حضر حاضر میں ویزہ مخصوص دنوں کا ہوتا ہے مثلاً ۱۵ دن، ۲۰، ایک ماہ، اس سے پہلے بھی نہیں آ سکتا اور اس کے بعد رک نہیں سکتا لہٰذا جتنے دن ویزہ کے مطابق مکہ میں رکے گا خرچہ اصیل کی طرف سے ہوگا اور اگر ویزہ کے بعد حکم عدولی کر کے ٹھہرا رہا تو وہ خرچہ، واپس ٹکٹ کا خرچہ ذاتی مال سے ہوگا۔

(۲) المغنی ۳/ ۲۳۴۔

پھر اگر اصیل نے نائب کو حج کے بعد عمرہ کا حکم دیا اس نے حکم بجالایا تو اس پر کچھ ضمان نہیں ہوگا، اور اگر حکم بجانہ لایا تو عمرہ کے بقدر خرچہ واپس کرے۔

ج.....اور اگر نائب کو حج تمتع کا حکم دیا لیکن نائب نے حج قرآن کردیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک حج آمر کی طرف سے واقع ہوگا چونکہ آمر نے حج اور عمرہ کا حکم دیا تھا اور ماموران دونوں کو بجالایا، البتہ مامور نے احرام میں خلاف ورزی کی ہے وہ اس طرح کہ آمر نے اسے مکہ سے حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا تھا لیکن مامور نے میقات سے احرام باندھا، خرچہ سے کچھ بھی واپس نہیں کرے گا۔

اگر حج افراد کردیا تو یہ بھی اصیل کی طرف سے واقع ہوگا، البتہ آدھا خرچہ واپس کرے گا، چونکہ اس نے میقات سے احرام نہیں باندھا حالانکہ اسے اس کا حکم دیا گیا تھا۔

د.....اگر اصیل نے حج قران کا حکم دیا لیکن نائب نے حج افراد کردیا یا حج تمتع کردیا تو یہ صحیح ہے، اور دونوں یعنی حج اور عمرہ آمر کی طرف سے ہوں گے۔ اور میقات سے احرام باندھنا جو ترک کیا اس کے بقدر خرچہ واپس کرے گا۔

ھ.....اگر ایک شخص کو دو آدمیوں نے نائب بنایا ایک نے حج کے لئے اور دوسرے نے عمرہ کے لئے اور دونوں آمروں نے اسے حج قران کی اجازت دی، مامور نے ایسا ہی کیا تو یہ جائز ہے، چونکہ قران مشروع ہے، اگر آمروں کی اجازت کے بغیر قران کیا تو دونوں کی طرف سے ہوگا اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، البتہ دونوں کو نصف نصف خرچہ واپس کرے گا، چونکہ اس نے سفر دونوں کی طرف سے قرار دیا حالانکہ ان کی اجازت نہ تھی، البتہ مامور بہ بجالایا ہے لیکن اس کے طریقہ کار میں خلاف ورزی کی ہے اصل مامور بہ میں خلاف ورزی نہیں کی، لہٰذا یہ اس کے مشابہ ہوا کہ جب اسے حج تمتع کا حکم دیا گیا ہو اور وہ قران کرلے۔

اگر ایک نے اجازت دی اور دوسرے نے اجازت نہ دی تو جس نے اجازت نہیں دی اس کا نصف خرچہ واپس کرے۔

نائب کو جب حج قران کی اجازت نہ دی گئی ہو تو دم قران اس کے ذاتی نفقہ سے ہوگا چونکہ اسے سبب کی اجازت نہیں دی گئی تھی جس کی وجہ سے دم آیا۔ البتہ اگر دونوں نے اسے حکم دیا تو قران کا دم دونوں آمروں پر ہوگا (یعنی ان کے خرچہ سے دیا جائے گا) چونکہ دم کے سبب یعنی حج قران کی اجازت دونوں نے دی ہے۔

اگر ایک نے اجازت دی اور دوسرے نے اجازت نہ دی تو نصف دم آمر کی طرف سے ہوگا اور نصف نائب کی طرف سے۔

و.....اگر نائب کو حج کا حکم ملا اس نے پہلے حج کیا اور پھر اپنے لئے عمرہ کیا یا اسے عمرہ کا حکم ملا اور اس نے پہلے عمرہ کیا پھر اپنے لئے حج کیا تو یہ صحیح ہے، خرچہ میں سے کچھ بھی آمر کو واپس نہیں کرے گا چونکہ وہ مامور بہ کو اس کے طریقہ کے مطابق بجالایا ہے۔

اگر نائب کو میقات سے احرام باندھنے کا حکم ملا اس نے میقات کے علاوہ کہیں اور سے احرام باندھ لیا تو یہ جائز ہے، چونکہ میقات اور غیر میقات کافی ہونے میں برابر ہیں۔

اگر نائب کو اس کے شہر سے احرام باندھنے کا حکم ملا اور اس نے میقات سے احرام باندھنا تو یہ بھی جائز ہے چونکہ مامور نے افضل کو بجا لایا ہے۔

اگر مامور کو میقات سے احرام باندھنے کا حکم ملا اور اس نے اپنے شہر سے احرام باندھ لیا یہ بھی جائز ہے چونکہ وہ امر زائد بجالایا جو باعث ضرر نہیں۔

اگر آمر نے ایک سال حج کرنے کا حکم دیا اور مامور نے دوسرے سال حج کیا یا آمر نے ایک مہینہ میں عمرہ کرنے کا حکم دیا اور مامور نے کسی اور مہینہ میں عمرہ کیا تو یہ بھی جائز ہے چونکہ اسے فی الجملہ اجازت حاصل ہے۔

ز.....اگر ایک شخص کو دو آدمیوں نے نائب بنایا اس نے دونوں کی طرف سے احرام باندھا تو یہ حج نائب کا ذاتی واقع ہوگا جیسا کہ حنفیہ

کہتے ہیں جوایک حج دوآدمیوں کی طرف سے نہیں ہوسکتا، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح بھی نہیں دی جاسکتی۔

اگر نائب نے اپنی طرف سے بھی اور دوسری کسی شخص کی طرف سے بھی احرام باندھا تو حج اس کی اپنی طرف سے واقع ہوگا، چونکہ اگر احرام باندھتا اور کچھ نیت نہ کرتا تب بھی حج اس کی اپنی طرف سے ہوتا اور جب اس نے نیت کرلی تو بطریق اولی اس کی اپنی طرف سے واقع ہوگا۔

اسی طرح اگر دونوں میں سے کسی ایک غیر معین کی طرف سے احرام باندھا تو اس میں احتمال ہے کہ حج نائب کی طرف سے ہی واقع ہو، چونکہ یہاں بھی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، لہٰذا یہ صورت بھی اس کے مشابہ ہے کہ جب دونوں کی طرف سے احرام باندھے، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حج صحیح ہے چونکہ مجہول احرام صحیح ہے وگرنہ وہ جس کی طرف سے چاہے حج مقرر کردے اگر ایسا نہ کیا حتیٰ کہ طواف کا ایک چکر لگالیا تو حج اس کی اپنی طرف سے ہوگا۔ اب وہ حج کسی کی طرف منسوب نہیں کرسکتا چونکہ طواف غیر معین کی طرف سے نہیں ہوتا۔

دوسرا مطلب......حج کے موانع

موانع، مانعۃ کی جمع ہے جس کا معنی رکاوٹ، یعنی ایسا محرک جو حج سے روک دے۔ چنانچہ جس قدر بھی سابق میں تفصیل سامنے آئی ہے اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جہاں حج کی بہت ساری شرائط ہیں وہاں کچھ کے کچھ موانع بھی ہوں گے، چنانچہ حج کے موانع مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱: ابوت (باپ دادا کا ہونا)...... یعنی والدین دادا، دادی اور ان کے اوپر کے رشتے (پڑدادا وغیرہ) دونوں یا دونوں میں سے ایک اولاد کو نفلی حج سے منع کریں تو اولاد کو حج سے رک جانا ضروری ہے، البتہ والدین فرض حج سے نہیں روک سکتے نفلی حج سے روکنے کی دلیل یہ ہے کہ والدین کی خدمت جہاد ہے جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے، فرض حج میں بھی والدین سے اجازت لینا مسنون ہے۔

۲: زوجیت...... شافعیہ کے نزدیک خاوند، بیوی کو فرض اور نفلی حج دونوں سے منع کرسکتا ہے چونکہ خاوند کا بیوی پر حق علی الفور ہے جبکہ (شافعیہ کے نزدیک) حج کا وجوب علی التراخی ہے۔

جمہور...... کہتے ہیں اگر عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کے لئے جائز نہیں کہ وہ بیوی کو حج سے روکے، چونکہ حج علی الفور واجب ہوتا ہے، اگر عورت نے فرض حج کے لئے احرام باندھ لیا خاوند اسے احرام سے حلال نہیں کراسکتا البتہ اتنی بات ہے کہ اس سے خاوند کو ضرر پہنچے گا۔

۳: غلامی...... آقا اپنے غلام کو حج سے روک سکتا ہے خواہ حج فرض ہو یا مسنون، جب آقا غلام کو حج سے روک دے تو وہ محصر کی طرح حلال ہوگا (یعنی بکری وغیرہ ذبح کرکے حلال ہوگا)، اگر غلام نے آقا کی اجازت سے احرام باندھا تو آقا اسے اتمام حج سے نہیں روک سکتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے جملہ منافع ہمہ وقتی آقا کے لئے ہوتے ہیں۔

۴: حبس بے جا...... اگر ظلم کی وجہ سے کسی شخص کو قید وبند میں رکھ دیا گیا یا قرضہ کی پاداش میں اسے قید وبند کا سامنا کرنا پڑا در اں حالیکہ وہ تنگدست ہو تو وہ احرام سے حلال ہوسکتا ہے۔

---

❶...... دیکھئے القوانين الفقهية ص ۱۴۰، الحضرمية ص ۱۳۶ كشاف القناع ۲/۴۴۶، المغني ۳/۲۴۰ البدائع ۲/۱۲۰ الدر المختار ۲/۲۰۰۔

۵: قرضہ کا استحقاق..... قرضہ دہندہ اپنے حق کی خاطر مالدار مدیون کو سفر سے روک سکتا ہے البتہ وہ اسے حلال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ مدیون کے لئے ضروری نہیں کہ وہ احرام سے حلال (احرام ختم کرنا) ہو بلکہ قرضہ ادا کرے، اگر قرضہ مقررہ تاریخ کا ہو تو دائن مدیون کو سفر سے نہیں روک سکتا۔

۶: بندش..... سفیہ (بے وقوف) ولی کی اجازت کے بغیر حج کے لئے سفر نہیں کرسکتا، چونکہ اس پر معاملات کرنے کی بندش لگائی گئی ہوتی ہے۔ یہ مانع مالکیہ نے ذکر کیا ہے۔

۷: احرام باندھنے کے بعد دشمن کی وجہ سے محصر ہوجانا..... یعنی محرم کو ہر طرف سے حج کے لئے جانے سے روک دیا جائے اور جنگ کے سوا لڑائی کثیر مال بھتہ میں دینے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ ہوتو محصر کے لئے بالاجماع حلال ہونا جائز ہے، البتہ محصر متوقع مدت تک احصار اٹھائے جانے کا انتظار کرے، جب احصار کے خاتمہ سے مایوس ہوجائے، جس جگہ ہو وہیں حلال ہوجائے خواہ حرم میں ہو یا غیر حرم میں، مالکیہ کے نزدیک اس پر ہدی نہیں اور اگر اس محصر کے پاس ہدی ہوتو اسے ذبح کرلے۔

جمہور..... کہتے ہیں محصر بکری یا گائے اونٹ کا ساتواں حصہ بطور دم ذبح کرے سر منڈا کر یا بال کٹوا کر حلال ہوجائے۔ اس میں بھی تھوڑی تفصیل ہے کہ شافعیہ کے نزدیک سر منڈوا کر یا بال کٹوا کر حلال ہو اور اس پر قضا نہیں اور نہ ہی عمرہ ہے، اگر اس نے حج نہ کیا ہوتو اس پر حج اسلام ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر محصر حرم میں ہے تو سر منڈوائے اور اگر حل (حرم کے باہر) میں ہے تو اس پر سر منڈوانا واجب نہیں۔ اس پر قضاء ہے حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک۔ جیسے بعد میں اس کا تذکرہ آرہا ہے۔ البتہ حنابلہ کے راجح قول کے مطابق محصر پر سر منڈوانا واجب نہیں۔

محصر کے پانچ حالات ہیں جیسا کہ مالکیہ نے ذکر کیا ہے۔ تین احوال میں حلال ہونا (احرام ختم کرنا) صحیح ہے، وہ یہ کہ (۱) احرام کے بعد عذر طاری ہو (۲) یا عذر پہلے سے تھا لیکن محصر کو اس کا علم نہیں تھا۔ (۳) یا محصر کو علم تھا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ یہ عذر اس کے راستے کا روڑا نہیں بنے گا۔ جبکہ چوتھی حالت میں حلال ہونا ممنوع ہے وہ یہ کہ محصر کو ایک راستے سے روکا گیا ہو جبکہ دوسرے راستے سے حرم تک پہنچنا ممکن ہو۔

پانچویں حالات میں حلال ہونا صحیح ہے (۵) وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے زادراہ ختم ہونے پر یا مرض لاحق ہونے پر یا دشمن کے روکنے یا نہ رکونے کے شک پر یا کسی اور وجہ سے حلال ہونے کی شرط لگادی۔

۸: مرض..... اگر کسی شخص کو احرام باندھنے کے بعد مرض لاحق ہوا تو مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک وہ جس جگہ ہو وہیں مقیم ہوجائے اور حالت احرام میں رہے یہاں تک کہ صحت یاب ہوجائے۔ اگرچہ مرض کا عرصہ طویل ہوجائے۔

حنفیہ نے مرض کی وجہ سے حلال ہونا جائز قرار دیا ہے جیسے کوئی ایسا شخص جس کا احصار دشمن کی وجہ سے ہو۔

تیسری بحث..... حج وعمرہ کے مواقیت زمانی ومکانی

اس بحث میں دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد..... حج وعمرہ کا وقت

۱. حج کا وقت..... حج کا وقت متعین ہے قرآن عظیم میں اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۱۸۹

لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ انہیں بتادیجئے کہ یہ لوگوں کے (مختلف معاملات کے) اور حج کے اوقات متعین کرنے کے لئے ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمان ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۷ — حج کے مہینے مقرر ہیں۔

حج کے مہینے مالکیہ کے ہاں...... مالکیہ کے نزدیک حج کے تین پورے پورے مہینے ہیں یعنی شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ، مالکیہ کے نزدیک ذوالحجہ پورا مہینہ حج کا محل ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ'' میں عموم ہے۔ لیکن اس کا اطلاق ذوالحج کے پورے ایام پر ہوگا۔ چونکہ کم از کم جمع تین ہے اور احرام کے وقت کی ابتدا اور شوال یعنی عید الفطر کی رات سے ہوسکتی ہے اور احرام قربانی عید ۱۰ ذی الحجہ کی فجر تک جاسکتا ہے۔ سو جس شخص نے عید الاضحیٰ (۱۰ ذی الحجہ) کی فجر سے لحہ بھر پہلے احرام باندھا اور عرفہ میں موجود ہوا تو گویا اس نے حج پالیا، اس پر طواف زیارت باقی رہ جاتا ہے، اور سعی اس کے بعد ہوتی ہے چونکہ مالکیہ کے نزدیک وقوف عرفہ رات کو کیا جاتا ہے لہٰذا وہ حاصل ہوگیا۔ ❶

شوال سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے اگر کسی نے شوال سے پہلے احرام باندھ دیا تو منعقد ہوجائے گا اور ان کے نزدیک صحیح ہے، احرام صحیح ہونے کا سبب یہ ہے کہ وقت مقرر یعنی شوال کمال کے لئے ہے وقت وجوب نہیں۔ یعنی اس وقت کی رعایت واجب نہیں بلکہ درجہ کمال کا۔

مالکیہ کے نزدیک طواف زیارت ذی الحجہ کے آخر تک موخر کرنا صحیح ہے اور جب بھی کرلیا جائے کافی ہوگا۔

چنانچہ ابتدائے شوال سے دس ذی الحجہ کی طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے تک حج کی مدت ہے یہ مدت حج کے لئے احرام باندھنے کے جواز کی مدت ہے۔ دس ذی الحجہ کی طلوع فجر سے آخر ذی الحجہ تک حج سے حلال ہونے کی مدت ہے، اہل مکہ کے لئے اول ذی الحجہ سے احرام باندھنا افضل ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں حج کے مہینے...... حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج کا وقت شوال، ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ❷ جیسا کہ عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اکبر کا دن قربانی کا دن ہے۔ ❸ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حج اکبر کا دن اشہر حج میں سے نہ ہو؟ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی کے دن میں حج کا رکن بھی ہوتا ہے، اور وہ طواف زیارت ہے، اس دن حج کے بہت سارے افعال ہوتے ہیں۔ جیسے رمی جمار، قربانی، سر منڈانا طواف کرنا، سعی کرنا، منی کی طرف واپس آنا، نیز حج دس ذی الحجہ کے گزرنے سے فوت ہوجاتا ہے اور وقت کے باقی رہنے سے فوت کا تحقق نہیں ہوتا۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت میں ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ'' سے مراد دو مہینے اور تیسرے مہینے کا کچھ حصہ ہے۔ تیسرا مہینہ پورا مراد نہیں، لہٰذا دس ذالحجہ کے بعد کا بقیہ مہینہ حج کے مہینوں میں سے نہیں، چونکہ دس تاریخ کے بعد کا وقت احرام کا وقت نہیں۔ اور نہ ہی حج کے ارکان کا وقت ہے، لہٰذا بقیہ بیس دن محرم کی طرح ہیں۔

رہی یہ بات کہ آیت میں حج کے مہینوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے ''قروء'' کا صیغہ حیض کے لئے آیا ہے۔ اس میں وہ طہر بھی حساب میں لایا جاتا ہے جس میں طلاق دی ہو، اور سابقہ آیت میں آیا کہ ''فمن فرض

---

❶ دیکھئے بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۱۵ الشرح الصغیر ۲/ ۱۷ الشرح الکبیر ۲/ ۲۱۔ ❷ دیکھئے فتح القدیر ۲/ ۲۲۰، الکتاب مع اللباب ۱/ ۱۹۸ المغنی ۳/ ۲۷۱ کشاف القناع ۲/ ۴۷۲۔ ❸ رواہ ابوداؤد وروی البخاری بمعناہ۔

فیھن الحج" یعنی اکثر ایام مراد ہیں۔

اگر حج کا احرام ان مہینوں سے پہلے باندھ دیا تو اس کا احرام جائز ہے، اس احرام سے حج کا انعقاد ہو جائے گا عمرہ میں تبدیل نہیں ہوگا چونکہ فرمان باری تعالیٰ میں عموم ہے۔ "واتموالحج والعمرۃ للہ" البتہ حج کے افعال صرف حج کے مہینوں میں کرے گا۔ جب احرام باندھے گا اس کے احرام کا انعقاد ہو جائے گا۔ چونکہ اسے اتمام کا حکم ملا ہوا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک احرام شرط ہے، لہٰذا طہارت کے مشابہ ہوا کہ طہارت وقت سے پہلے حاصل کرنا جائز ہے، نیز احرام بہت ساری اشیاء کو حرام کر دیتا ہے اور بہت ساری اشیاء کو واجب کرتا ہے، اور یہ ہر زمانے میں صحیح ہے، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے میقات مکانی سے پہلے احرام باندھا گویا حنفیہ نے میقات زمانی کو میقات مکانی کے مشابہ قرار دیا ہے، بہر حال حج کا احرام اشہر حج سے پہلے باندھنا مکروہ ہے چونکہ بخاری نے ابن عباس سے روایت نقل کی ہے۔ کہ "سنت میں سے ہے کہ حج کا احرام نہ باندھا جائے مگر حج کے مہینوں میں۔

شافعیہ.....شافعیہ کا موقف بھی حنفیہ اور حنابلہ جیسا ہے، کہ حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن۔ گویا دس ذی الحجہ کے طلوع فجر تک اس کا اطلاق ہوگا۔ البتہ شافعیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے حج کے لئے ان مہینوں کے علاوہ کسی مہینہ میں احرام باندھا تو وہ احرام عمرہ کے لئے منعقد ہوگا چونکہ حج موقت عبادت ہے، چنانچہ جب وقت سے پہلے اسے منعقد کیا جائیگا تو اس کا انعقاد اسی کے جنس سے اس کے علاوہ کے لئے ہوگا (یعنی حج کے ہی جنس سے عمرہ کے لئے احرام ہوگا) گویا شافعیہ نے حج کے وقت کو نماز کے وقت کے مشابہ قرار دیا ہے، لہٰذا وقت سے پہلے حج واقع نہیں ہوگا۔ شافعیہ کی دلیل یہ آیت ہے "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ" تقدیری عبارت یوں ہے۔ "وقت الحج اشھر یا اَشْهَرُ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ" آیت میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا جب حج کا وقت معلوم ہو چکا یعنی وقت مقرر ہے تو مقررہ وقت سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں۔ جیسے نماز کے اوقات متوجہ ہوتے ہیں اور مقررہ وقت سے پہلے نماز کی تکبیر تحریمہ واقع نہیں ہوتی بلکہ نفلی نماز ہو جاتی ہے۔ ❶

ایک سال میں ایک حج سے زائد حج نہیں کئے جا سکتے چونکہ حج کا وقت صرف ایک حج کے افعال کو محیط ہوتا ہے، لہٰذا وقت میں دوسرے حج کی ادائیگی ممکن نہیں۔

۲: عمرہ کا وقت.....علماء کا اتفاق ہے کہ عمرہ پورے سال میں جس وقت میں بھی ہو جائز ہے، حج کے مہینوں میں بھی جائز ہے، یعنی عمرہ کا میقات زمانی پورا سال ہے، پورا سال عمرہ کے لئے احرام کا وقت ہے، چونکہ عمرہ کے وقت میں کوئی تخصیص نہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ عمرہ کیا ذی الحجہ اور شوال میں۔ ❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ ❸ جبکہ مسلم کی روایت ہے۔ کہ "عمرہ حج میں داخل ہے، دو مرتبہ نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔" اس کا معنی یہ ہے کہ عمرہ قیامت تک حج کے مہینوں میں جائز ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا تھا اسلام نے اس خیال کو باطل قرار دیا۔

تکرار عمرہ.....جمہور کے نزدیک سال میں عمرہ کا تکرار مکروہ نہیں، سال میں کئی بار عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ اور شوال میں دو مرتبہ عمرہ کیا، یعنی شوال کے آخر اور ذی الحجہ کے شروع میں۔

---

❶..... دیکھئے مغنی المحتاج ۱/۴۷۱ المھذب ۱/۲۰۰۔ ❷ رواہ ابو داؤد فی سننہ باسناد صحیح عن عائشۃ۔ ❸ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وغیرھم عن ام معقل ورواہ البخاری ومسلم عن ابن عباس۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرات کئے، سب کے سب ذی القعدہ میں میں کیے۔“ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، اسی بنیاد پر شافعیہ کہتے ہیں: کثرت سے عمرہ کرنا مسنون ہے، اگر چہ ایک ہی دن میں کئی بار کئے جائیں۔

چونکہ معتمد قول کے مطابق عمرہ طواف سے افضل ہے۔لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث قوی دلیل ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: سال میں ایک مرتبہ سے زائد عمرات کرنا مکروہ ہیں۔ چونکہ عمرہ ایسی عبادت ہے جو طواف اور سعی پر مشتمل ہے، لہٰذا سال میں صرف ایک بار ہی کیا جائے۔ جیسے حج۔ مالکیہ کی اس رائے کا اختلاف کیا گیا ہے چونکہ حج کا وقت مقررہ ہے جبکہ عمرہ کا کوئی وقت مقرر نہیں، لہٰذا اس میں تکرار کا تصور ہوگا۔ جیسے نماز۔

کب عمرہ کرنا مکروہ ہے؟...... حنفیہ کے نزدیک عرفہ کے دن اور نحر کے دن (عید الاضحیٰ کے دن) عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور ایام تشریق یعنی ۱۰ ذی الحجہ کے بعد تین دنوں میں بھی عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے چونکہ یہ دن (یعنی پانچ دن) حج کے لئے مقرر ہیں۔

مالکیہ...... نے ذرا مختلف رائے قائم کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں جس شخص نے حج کا احرام باندھا ہو وہ مستثنیٰ ہے، یعنی عمرہ کے وقت کے پورا سال ہونے سے حاجی مستثناء ہے۔ حاجی جب حج کے تمام افعال سے فارغ ہو تب اس کا احرام صحیح ہوگا، گویا حاجی عمرہ کے لئے تب احرام باندھ سکتا ہے جب چوتھے دن کی رمی سے فارغ ہو جائے اگر اس نے رمی میں قبل ازیں جلدی نہ کی ہو۔

چوتھے دن غروب آفتاب تک احرام باندھنا مکروہ ہے، اگر چوتھے دن رمی کے بعد غروب سے پہلے احرام باندھ ہی لیا تو اس کا احرام صحیح ہے البتہ طواف کو تاخیر سے کرنا واجب ہے، اور سعی بھی غروب کے بعد کرے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں حاجی کے لئے عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ ہے جب تک حاجی کے ذمہ حج کے اعمال میں سے کچھ باقی ہو جیسے رمی، چونکہ احرام کے حکم کا باقی رہنا بنفسہ احرام کے باقی رہنے کی طرح ہے، عمرہ کسی وقت مکروہ نہیں، اور عمرہ کا تکرار بھی مکروہ نہیں جیسا پہلے گزر چکا ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: نو ذی الحجہ اور دس ذی الحجہ کے بعد عمرہ کے لئے احرام باندھنا مکروہ نہیں، جیسے طواف محض مکروہ نہیں ہوتا، چونکہ اصل عدم کراہت ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔

دوسرا مقصد......حج اور عمرہ کا میقات مکانی

میقات کا لغوی معنی...... میقات، مثال واوی ہے اور مجرد وقت ہے، حد اور مقررہ جگہ کے معنی میں ہے۔

شرعی تعریف...... مخصوص عبادت کے لئے معین جگہ اور معین وقت۔ یعنی وہ جگہ جہاں سے مکہ مکرمہ جانے والے کے لئے احرام باندھنا واجب ہے۔ اور اس جگہ سے بغیر احرام کے آگے تجاوز کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ اگر بغیر احرام کے آگے چلا گیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ یا میقات کی طرف واپس لوٹے، میقات سے پہلے احرام باندھ دیا تو یہ بالاتفاق جائز ہے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو یہ افضل ہے بشرطیکہ محظورات سے باز رہنے کا یقین ہو، میقات سے پہلے احرام باندھنے کی دلیل یہ آیت ہے:

واتموا الحج والعمرة لله

حج وعمرہ کا اتمام یہ ہے کہ بندہ اپنے گھر سے احرام باندھ کر جائے۔

جیسا کہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اتمام حج مفسر بہ ہے اس میں مشقت زیادہ ہے اور بھر پور تعظیم کا پہلو ہے۔

مکی اور آفاقی ہونے کے اعتبار سے میقات کی نوعیت مختلف ہے۔مکی سے مراد مکہ میں رہنے والا اور آفاقی جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو باہر کا رہنے والا ہو۔❶

اول: مکہ کے رہائشی کا میقات...... جو شخص مکہ میں ہو خواہ مکہ کا باشندہ ہو یا باہر کا ہو اور عارضی طور پر مکہ میں مقیم ہو اس کا میقات حرم ہے۔چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو درمیان مکہ سے حج احرام باندھنے کا حکم دیا تھا، اور فرمایا تھا۔"حتیٰ کہ اہل مکہ مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔❷ اور جو شخص حرم کی حدود میں رہ رہا ہو تو اس کے لئے مسجد حرام سے احرام باندھنا مستحب ہے۔

عمرہ کے لئے میقات......عمرہ کے لئے میقات حل ❸ کا قریب ترین والا حصہ ہے، تاکہ سفر کا تحقق ہو جائے، چونکہ حج عرفہ سے ادا ہوتا ہے، اور عرفہ حل میں ہے، گویا احرام حرم سے ہوگا اور عمرہ بھی حرم سے ادا ہوگا، لہٰذا عمرہ کے لئے احرام حل سے باندھا جائے تاکہ عمرہ کے لئے حل وحرم دونوں جمع ہو جائیں، چونکہ ہر طرح کے احرام میں یہ شرط ہے، اگر حرم ہی سے عمرہ کے لئے احرام باندھ دیا تو احرام منعقد ہو جائے گا لیکن اس پر دم آئے گا۔الا یہ کہ احرام باندھنے کے بعد حل کی طرف چل جائے تو دم نہیں ہوگا۔

عمرہ کے لئے احرام باندھنے کی حل میں سے افضل جگہ شافعیہ کے نزدیک جعرانہ ہے، چونکہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے ہی عمرہ کیا تھا، جیسا کہ شیخین کی روایت ہے۔جعرانہ کے بعد افضل جگہ تنعیم ہے۔چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم دیا تھا، تنعیم کے بعد حدیبیہ افضل مقام ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ...... کے نزدیک حل کا افضل مقام جہاں سے احرام باندھا جائے وہ تنعیم ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مقام تنعیم سے عمرہ کرائیں،❹ دوسری وجہ یہ ہے کہ مقام تنعیم مکہ کے قریب تر ہے، پھر جعرانہ اور پھر حدیبیہ افضل مقام ہیں۔

مالکیہ...... کے نزدیک جعرانہ یا تنعیم سے احرام باندھا جائے۔

دوم: اہل حل...... اہل حل سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ٹھکانے مواقیت خمسہ سے اندر ہوں جیسے اہل بستان یعنی بنی عامر وغیرہم، چنانچہ بنی عامر میقات سے اندر ہیں اور حرم سے باہر ہیں۔یعنی حل سے مراد وہ جگہ جو حرم سے باہر اور میقات سے اندر ہو۔

مالکیہ...... کہتے ہیں جس شخص کا گھر میقات کی بنسبت مکہ کے زیادہ قریب ہو تو اس کا میقات اس کا گھر ہے، حج میں بھی اور عمرہ میں بھی۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں جو شخص ایک راستے میں چل کر میقات تک نہ پہنچ پائے تو وہ اپنی سیدھ میں خشکی اور تری سے احرام باندھ لے، اگر دو میقاتوں کی سیدھ میں رہتا ہو تو قریب ترین میقات سے احرام باندھے یہ اگر سیدھ میں دونوں برابر ہوں تو اس میقات سے احرام باندھے جو مکہ سے نسبتاً دوری پر ہو، اگر کسی میقات کی سیدھ میں بھی نہ ہو تو مکہ سے دو مرحلوں (دو دن کے سفر) کے فاصلے سے احرام باندھے، اور جس شخص کی رہائش مکہ اور میقات کے درمیان ہو تو اس کا میقات اس کی رہائش گاہ ہے۔

---

❶ ......فتح القدیر ۲/۱۳۱ البدائع ۲/۱۶۳، اللباب ۱/۱۷۸، القوانین الفقهية ص ۱۳۰ الشرح الکبیر ۲/۲۲ الشرح الصغیر ۲/۱۸، مغنی المحتاج ۱/۴۷۳، المهذب ۱/۲۰۳ المغنی ۳/۲۵۷۔❷ رواه الشیخان وروی مسلم عن جابر.(نصب الراية ۳/۱۶)❸ حل، حرم کے باہر کا علاقہ لیکن میقات سے اندر۔❹ متفق علیه.

حنفیہ.....حج وعمرہ کے لئے اہل حل کا میقات ان کے گھر ہیں، یا اپنے گھروں اور حرم کے درمیان حل کی جس جگہ سے چاہیں احرام باندھ لیں وہ ان کے لئے میقات ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔"واتموا الحج والعمرة لله" حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی تم حج وعمرہ کے لئے اپنے گھروں سے احرام باندھو، لہٰذا اہل حل کے لئے اپنے میقات کو بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں، حل کا وہ حصہ ہو جو اہل حل کے گھروں اور حرم کے درمیان ہو وہ ایک ہی چیز ہے۔ لہٰذا اہل حل کے لئے حل کی دوسری جگہوں سے بھی احرام باندھنا جائز ہے۔

خلاصہ.....جو شخص میقات سے اندر رہتا ہو حج وعمرہ کے لئے اس کا میقات بالاتفاق حل ہے، حنفیہ کے نزدیک اہل حل کے لئے بغیر احرام کے بھی مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔

سوم: آفاقی یا اہل آفاق.....آفاقی سے مراد وہ شخص ہے جو میقات کی حدود سے باہر رہتا ہو، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا آپ بھی آفاقی تھے، میقات کا اطلاق پانچ جگہوں پر ہوتا ہے، جیسا کہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ کو مقرر کیا، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن المنازل، اہل یمن کے لئے یلملم۔ ❶ یہ سب مذکورہ علاقوں کے لوگوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہیں ہیں اور ان مقامات سے گزرنے والے ان لوگوں کے لئے بھی جو ان علاقوں کے علاوہ ہوں۔

یہ جگہیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو حج اور عمرہ کا ارادہ کریں اور جو شخص ان مقامات سے اندر رہتا ہے اس کے احرام باندھنے کی جگہ اس کا گھر ہے، اسی طرح اہل مکہ مکہ ہی سے احرام باندھیں۔ ❷ اس حدیث میں چار مواقیت کا ذکر ہوا ہے۔

رہی بات ذات عرق کی اس کا ذکر مسلم کی روایت میں ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "اہل مدینہ کے احرام باندھنے کی جگہ ذوالحلیفہ ہے اور دوسرے راستے سے جحفہ ہے، اہل عراق کے احرام باندھنے کی جگہ ذات عرق ہے۔ ❸

میقات کی یہ پانچ جگہیں مکی کے علاوہ کے لئے ہیں۔ حرم پاک کی مختلف جہات کے لحاظ سے ان جگہوں کو تقسیم کیا گیا ہے، جو شخص حج اور عمرہ کرنا چاہتا ہو اس کے لئے بغیر احرام کے ان جگہوں سے آگے جانا جائز نہیں۔ ان پانچ جگہوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱: اہل مدینہ کی میقات.....اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ ہے جسے آج کل آبار علی کہا جاتا ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے مکہ سے دس مرحلوں (منزلوں کے فاصلہ پر ہے یہ مواقیت کا بعید ترین میقات ہے، اور "۴۶۰" کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

۲: اہل شام، مصر اور اہل مغرب کی میقات.....جحفہ ہے اس ے آج کل رابغ کہا جاتا ہے، یہ مکہ سے تین منزل یعنی ۱۸۷ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، آج کل اہل شام اہل مدینہ کی میقات اور اس میقات سے گزرتے ہیں۔ اہل شام کو احرام باندھنے میں ان دونوں جگہوں کا اختیار ہے۔

---

❶.....ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، قرن المنازل مکہ مکرمہ سے ۴۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے یہ ایک پہاڑ ہے، نجد یمن اور نجد حجاز اور نجد تہامہ سے آنے والوں کی میقات ہے، یلملم مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف ایک پہاڑ ہے اسے آج کل سعدیہ بھی کہتے ہیں اہل یمن، اہل ہند اور اہل پاکستان کے لئے میقات ہے۔ جحفہ رابغ کے قریب مکہ مکرمہ سے تین منزل پر ایک مقام ہے شام سے آنے والوں کی میقات ہے۔ ذات عرق: ایک جگہ ہے جو آج کل ویران ہو چکی ہے مکہ مکرمہ سے تین روز کی مسافت پر ہے یہ اہل عراق کا میقات ہے۔ ❷ نیل الاوطار ۴: ۲۹۵۔

❸ نیل الاوطار ۴/۲۹۶۔

۳: اہل عراق کی میقات...... اہل عراق اور اہل مشرق کی میقات ذات عرق ہے۔ یہ ایک بستی ہے جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں کے فاصلے پر ہے اور وادی عقیق کے سامنے ہے، مکہ سے مشرق کی جانب ہے ۱۹۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

۴: اہل یمن کی میقات...... اہل یمن، اہل تہامہ اور اہل ہند کی میقات یلملم ہے، مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف دو مرحلوں کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے۔

۵: اہل نجد کی میقات...... اہل نجد، اہل کویت امارات اور طائف کی میقات، قرن المنازل ہے، یہ بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے۔ اسے قرن ثعالب بھی کہا جاتا ہے، یہ مقام سیل سے قریب ہے اور مکہ سے ۹۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

جو شخص میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کر جائے اس پر دم واجب ہوگا ہاں البتہ اگر احرام پہن کر میقات کی طرف واپس لوٹ آیا اس پر دم نہیں؟ جبکہ مالکیہ کے نزدیک دم پھر بھی ساقط نہیں ہوگا۔ تفصیل آ رہی ہے۔

جب غیر حرم میں اقامت اختیار کرنے کی نیت سے میقات کو تجاوز کر جائے تو حنفیہ کے نزدیک جائز ہے کہ وہ پندرہ دن کی نیت کر سکتا ہے۔ یہ حنفیہ کے مذہب میں اقامت کی کم از کم مدت ہے۔ چونکہ وطن کا حکم تبھی ثابت ہو سکتا ہے جب اس مدت کی نیت ہو۔

جو شخص میقات کی سیدھ میں ہو یا سیدھ میں نہ ہو...... جس شخص نے خشکی کے راستے سفر کیا یا سمندر کے راستے سفر کیا یا فضائی سفر کیا اور اس کا سفر دو میقاتوں کے درمیان میں ہو تو وہ تحری کر کے احرام باندھے تاکہ اس کا احرام قریب ترین میقات کی سیدھ سے واقع ہو۔ یعنی اس کے قریب جو میقات ہو اس کے اعتبار سے احرام باندھے اگر چہ دوسری میقات مکہ سے دور پر ہو۔ اگر دونوں میقات برابر ہوں تو اس میقات سے احرام باندھے جو مکہ سے دور ہو۔ اگر چہ صحیح راستے کی تعیین نہ ہو کہ یہ سیدھ میں ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ دور کے میقات کی سیدھ سے احرام باندھ لے تاکہ بغیر احرام کے تجاوز نہ کرنے پائے۔ چونکہ میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے، اور تاخیر کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا احتیاط یہی ہے کہ وہ فعل بجالایا جائے جس میں شک نہ ہو۔ اگر کسی نے ایسے راستے سے سفر کیا جو کسی میقات کی سیدھ میں نہیں آتا تو دو مرحلوں یعنی ۸۹ کلومیٹر کے فاصلے سے احرام باندھ لے، چونکہ میقات کی کوئی مسافت اس مقدار سے کم نہیں۔

حج و عمرہ کرنے کے بعد مکہ میں داخل ہونے والے کا حکم...... اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

شافعیہ...... کہتے ہیں جس شخص نے حج اسلام اور عمرہ کیا ہو پھر وہ مکہ مکرمہ میں کسی کام کے لئے داخل ہونا چاہیے، جیسے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے تجارت وغیرہ کے لئے یا مکی مسافر ہو اور سفر سے واپس ہونے پر مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو، تو کیا اسے حج یا عمرہ کا احرام باندھنا لازمی ہے؟ اس میں تفصیل ہے۔ [1]

ا...... اگر کوئی شخص باغیوں سے جنگ کرنے کے لئے داخل ہوا، یا ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے داخل ہوا یا ان کے علاوہ کوئی واجب یا مباح جنگ کے لئے داخل ہوا یا کسی ظالم سے خوفزدہ ہو کر داخل ہو یا قرض خواہ سے ڈر کر داخل ہوا در اں حالیکہ وہ تنگدست ہو بلا اختلاف اس کے لئے احرام لازمی نہیں، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوئے چونکہ آپ جنگ و جدال سے بے خوف نہیں تھے۔ [2]

ب...... جو شخص مکہ میں داخل ہونا چاہے اور اسے بار بار داخل نہ ہونا پڑے جیسے تجارت کے لئے، زیارت کے لئے اور عیادت مریض کے لئے تو اصح قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک احرام باندھنا مستحب ہے البتہ واجب نہیں۔

---

[1] المجموع ۷/۱۰، المهذب ۱/۱۹۵، الدر المختار ۲/۲۱۲ الشرح الصغير ۲/۲۴، المغنى ۳/۲۶۸. [2] رواه مسلم والنسائی عن جابر (نيل الاوطار ۴/۳۰۰)

امام مالک اور امام احمد کہتے ہیں اس کے لئے احرام باندھنا لازمی ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: اگر داخل ہونے والے کا گھر میقات میں ہو یا مکہ کے قریب ہو تو اس کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، اور اگر ایسا نہیں یعنی میقات سے باہر کا ہے (آفاقی ہے) تو اس کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں۔

ج..... جو شخص بار بار مکہ میں داخل ہوتا ہو جیسے لکڑ ہارا، گھاس لانے والا، شکاری، پانی لانے والا، ڈاکیا، ڈرائیور وغیرہم تو اس کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔ چونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ”مکہ میں بغیر احرام کے کوئی شخص داخل نہ ہو۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑ ہاروں کو چھوٹ دی ہے۔“ ❶

اہل حرم..... اہل حرم اگر باہر گئے ہوں اور واپسی میں انہیں مکہ میں داخلہ کے لئے احرام کی ضرورت نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے مسجد میں کوئی شخص ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا سے تحیۃ المسجد لازم نہیں ہوتا۔

جو شخص حرم میں داخل ہونا چاہے اور مکہ میں داخل ہونا نہ چاہتا ہو تو اس کے جملہ احکام دخول مکہ جیسے ہیں جو تفصیل کے مطابق پہلے گزر چکے ہیں۔

حرم میں داخلہ کے لئے جب احرام لازم ہو اور کوئی شخص بغیر احرام کے داخل ہو جائے تو وہ گنہگار ہوگا، شافعیہ کے مذہب کے مطابق اس پر قضاء لازم نہیں۔ چونکہ اس میں تسلسل کا خوف ہے، بعض شافعیہ کہتے ہیں ہر وہ عبادت جو واجب ہو جب اسے ترک کر دیا جائے اس کی قضاء اور کفارہ لازم ہوتا ہے البتہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام اور یوم شک کا امساک اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، لہٰذا جس شخص پر یوم شک کو امساک واجب تھا اس نے امساک ترک کر دیا (یعنی کھا پی لیا) تو اس پر کفارہ اور قضاء نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قضاء لازم ہے چونکہ سبھی واجبات کی قضاء واجب ہے۔

د..... جو شخص حج کا مکلف نہ ہو اور پھر مکلف ہو جائے مثلاً غلام تھا آزاد کر دیا گیا، بچہ تھا بالغ ہو گیا، کافر تھا مسلمان ہو گیا اور ان لوگوں نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا تو حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ لوگ اپنی اپنی جگہوں سے احرام باندھیں اور ان پر دم نہیں ہوگا چونکہ انہوں نے اسی جگہ سے احرام باندھا جہاں ان پر واجب ہوا، لہٰذا مکی کے مشابہ ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک ان سب پر دم واجب ہے چونکہ ہر ایک نے واجب کو ترک کیا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: نو مسلم پر دم نہیں، جو بچہ بالغ ہو جائے اس پر بھی دم نہیں، البتہ غلام پر دم ہے۔

میقات سے احرام باندھنا افضل ہے یا اپنے گھر سے؟:

حنفیہ..... کہتے ہیں: اپنے شہر سے احرام باندھنا افضل ہے بشرطیکہ احرام حج کے مہینوں میں باندھے اور اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہو۔ ❷ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ”واتموا الحج والعمرة لله“ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اتمام حج یہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے احرام باندھو۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے یا فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ ❸ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایلیا (قدس) سے احرام باندھا جبکہ آپ کے رفیق سفر ضبی بن معبد نے اپنے گھر سے احرام باندھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تم نے اپنے نبی کی سنت پر عمل کیا۔ ❹

---

❶..... رواہ ابن ابی شیبة وفیه راو ضعیف۔ ❷ البدائع ۱۶۴/۲ اللباب ۱۷۸/۱۔ ❸ رواہ ابوداؤد واحمد عن ام سلمة وفی لفظ رواہ ابن ماجه وهو ضعیف (نیل الاوطار ۲۹۸/۴) ❹ رواہ النسائی وابوداؤد۔

جمہور فقہاء...... کہتے ہیں میقات سے احرام باندھنا افضل ہے ❶ چونکہ میقات سے احرام باندھنا اکثر احادیث کے موافق ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بھی میقات ہی سے احرام باندھا تھا، انہوں نے افضل پر ہی عمل کیا ہوگا، بالا جماع یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے لئے میقات سے احرام باندھا تھا، اسی طرح عمرۂ حدیبیہ کے لئے بھی میقات سے احرام باندھا۔ جیسا کہ بخاری نے مغازی میں روایت کیا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا اپنے آپ کو تنگی اور سختی پر پیش کرنا ہے۔ اگر چہ جائز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ”جہاں تک ہو سکے تم حل میں فائدہ اٹھالو (جماع وغیرہ کرلو) چونکہ تمہیں نہیں معلوم احرام میں تمہیں کیا پیش آئے گا“ ❷

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے شہر سے احرام باندھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ غصہ ہوئے اور فرمایا: ”لوگوں سے تسامح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے اپنے شہر سے احرام باندھا ہے۔“ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ ”حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے خراسان سے احرام باندھا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے انہوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کی اور اسے مکروہ سمجھا“ ❸

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکروہ سمجھتے تھے کہ خراسان یا کرمان سے احرام باندھا جائے۔“ ❹

میرے نزدیک یہی رائے راجح ہے تاکہ نفس مشقت سے دور رہے اور ممنوع افعال جو احرام سے ہو جاتے ہیں ان سے تعرض کی صورت سے دور رہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیت المقدس سے احرام باندھنے کی حدیث ضعیف ہے۔ رہا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضبی کو جو فرمایا کہ تم نے اپنے نبی کی سنت پر عمل کیا آپ رضی اللہ عنہ یہ حج قران پر فرمایا تھا، نہ کہ میقات سے پہلے احرام باندھنے پر، چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میقات سے احرام باندھنے کی ہے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو یہ فرمایا کہ اتمام عمرہ یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے شروع کرو، اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے شہر سے سفر شروع کرو، چنانچہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر کی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اپنے گھروں سے احرام نہیں باندھا۔

بغیر احرام کے میقات کو تجاوز کر جانے کی سزا...... اگر ایک شخص میقات کی مقررہ پانچ جگہوں میں سے کسی جگہ سے بغیر احرام کے آگے تجاوز کر جائے، اگر میقات کی طرف واپس لوٹ آیا اور احرام باندھ کر پھر میقات کو تجاوز کیا تو بالا جماع اس پر کچھ (جرمانہ) نہیں۔ ❺ چونکہ جب واپس لوٹا اور احرام باندھ کر پھر میقات سے داخل ہوا تو پہلا داخلہ معدوم ہو گیا گویا ابتدائی داخلہ سمجھا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے میقات کو عبور کر دیا اور افعال حج سے پہلے پہلے احرام باندھا اور پھر میقات کی طرف واپس آیا تو اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ ❻

۱: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: اگر میقات کی طرف واپس لوٹ آیا اور تلبیہ ❼ کہہ دیا تو دم ساقط ہو جائے گا اگر تلبیہ نہ

---

❶......بدایۃ المجتہد ۱/۳۱۴، مغنی المحتاج ۱/۴۷۵ والمغنی ۳/۲۶۴۔ ❷رواہ ابو یعلی الموصلی فی مسندہ عن ابی ایوب۔ ❸رواہ سعید والا ثرم۔ ❹چونکہ گھر سے احرام باندھنے میں مشقت زیادہ ہے اور احرام کا احترام کرنا مشکل ہے اس لئے ارشاداً کراہت کی کہ اس کا احترام ہر ایک کی بس کی بات نہیں یہ نہیں کہ افضلیت کا انکار لازم آئے۔ چنانچہ حج کا فلسفہ عشق خدائے تعالیٰ ہے یہ اسی کا مقتضی ہے کہ انسان پراگندہ حالی کا مظاہرہ اپنے گھر سے کرے یہ کہاں ہے کہ گھر سے چلے اور حالت میں اور آگے جا کر عشقیہ حالت بنالے اہل دل کے ہاں یہ راز مخفی نہیں۔ ❺ اس کے سزا یہی کافی ہے کہ واپس آیا اور احرام باندھا۔ ❻دیکھئے البدائع ۲/۱۶۵ الشرح الصغیر ۲/۲۴، الشرح الکبیر ۲/۲۴ مغنی المحتاج ۱/۴۷۴ المغنی ۳/۲۶۱۔ ❼لبیک اللھم لبیک الخ کو تلبیہ کہتے ہیں۔

کہا دم ساقط نہ ہوگا چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا اس نے میقات کے بعد احرام باندھا تھا: ''واپس میقات کی طرف جاؤ اور تلبیہ کہو ورنہ تمہارا حج نہیں ہوگا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تلبیہ میقات سے واجب سمجھا ہے لہٰذا اس کا اعتبار ضروری ہے۔

صاحبین، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں جس شخص نے میقات تجاوز کیا اور پھر احرام باندھا اگر میقات کی طرف واپس نہ لوٹا تو اس پر دم لازمی ہے۔ اور اگر احرام باندھنے کے بعد طواف وغیرہ کرنے سے پہلے میقات کی طرف واپس لوٹ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا، برابر ہے تلبیہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اس کی حرمت کا اسے علم ہو یا نہ ہو۔ چونکہ حالت احرام میں میقات کو تجاوز کرنا اس کا حق تھا، دم ساقط ہونے کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے احرام ترک کیا اس پر دم ہے۔ ❶ اور اگر بغیر احرام کے میقات کو عبور کر جائے تو اسے احرام کے لئے واپس میقات کی طرف جانا لازمی ہے ہاں البتہ اگر وقت تنگ ہو یا راستہ خوفزدہ ہو تو وہیں سے احرام باندھ کر آگے جائے اور دم دے۔

اسی اصول پر مکی بھی منطبق ہوتا ہے چنانچہ مکی اگر میقات کی طرف نہ نکلا اور عمرہ کے افعال بجالایا تو اس پر دم ہے اور یہ کافی ہوگا، اگر حل کی طرف آیا احرام باندھنے کے بعد تو دم ساقط ہو جائے گا یہ ایسا ہی ہے جیسے میقات عبور کرے اور پھر حالت احرام میں واپس لوٹ آئے تو دم ساقط ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے احرام باندھا اور میقات سے باہر حج فاسد کر دیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک دم ساقط نہیں ہوگا، حنفیہ کہتے ہیں دم ساقط ہو جائے اور قضاء واجب ہوتی۔

۳: مالکیہ...... کہتے ہیں: جو شخص میقات سے تجاوز کر جائے اور پھر احرام باندھے تو اس کے لئے واپس لوٹنا لازمی نہیں البتہ اس پر دم واجب ہے چونکہ اس نے بغیر احرام کے میقات کو تجاوز کیا ہے اگر واپس لوٹا تب بھی دم ساقط نہیں ہوگا چونکہ اس سے زیادتی سرزد ہو چکی ہے اور دم لازم ہو چکا ہے۔

اگر میقات تجاوز کرنے کے بعد اس نے ابھی احرام نہ باندھا ہو تو اس کے لئے میقات کی طرف واپس لوٹنا واجب ہے، البتہ اگر تنگی وقت کا خوف ہو یا راستہ پرخطر ہو یا رفقائے سفر کے جدا ہونے کا خوف ہو، یا اپنی جان کا خطرہ ہو یا مال کا خطرہ ہو یا واپس لوٹنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ان صورتوں میں واپس لوٹنا واجب نہیں البتہ بغیر احرام کے میقات تجاوز کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

چوتھی بحث...... حج وعمرہ کے افعال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمرہ کی کیفیت

اول: اعمال حج...... اعمال حج کی تعداد دس (۱۰) ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷

۱: احرام...... احرام باندھتے وقت حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت ہو، اور یوں کہے: میں نے حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت کی اور اس کا احرام اللہ تعالیٰ کے لئے باندھا، عربی میں یوں کہے۔ ''نویت الحج واحرمت بہ للہ تعالٰی'' اگر حج بدل کر رہا ہو تو آمر (اصیل) کا نام لے کر کہے کہ فلاں کی طرف سے حج یا عمرہ کی نیت کی اور اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لئے احرام باندھا۔ پھر احرام کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد تلبیہ کہے۔

۲...... مکہ میں بالائی حصہ یعنی مقام ''کداء'' سے داخل ہونا، پھر مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہونا، پھر طواف قدوم کرنا اور اس طواف کی ابتداء رکن اسود سے کرے۔

---

❶...... روی موقوفاً ومرفوعاً والموقوف رواہ مالک وغیرہ باسنادہ صحیح۔ ❷ القوانین الفقہیة ص ۱۳۱۔

۳: طواف...... حج میں تین طواف کرنے پڑتے ہیں۔طواف قدوم،طواف زیارت،طواف وداع۔

۴...... صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

۵: وقوف...... میدان عرفات اور منیٰ میں وقوف کرنا، چنانچہ حاجی ۸ ذی الحجہ کو منیٰ کی طرف جائے، ۸ ذی الحجہ کے دن کو یوم الترویہ کہتے ہیں۔ ❶ منیٰ میں ظہر اور عصر کی نماز پڑھے اور یہیں رات گزارے پھر طلوع آفتاب کے بعد میدان عرفات کی طرف جائے اور ۹ ذی الحجہ کو ظہر اور عصر کی نمازیں امام کے پیچھے مسجد نمرہ میں یا اس کے باہر جمع کر کے پڑھے، پھر میدان عرفات میں جہاں دوسرے لوگوں نے وقوف کیا ہو یہ بھی ان کے ساتھ وہیں وقوف کرے۔

۶: مزدلفہ میں رات گزرنا (وقوف مزدلفہ)...... مزدلفہ منیٰ اور عرفات کے درمیان واقع ہے، حج کرنے والے لوگ مزدلفہ میں عید کی رات غروب شفق کے بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی (جمع) کر کے پڑھتے ہیں اور نمازیں قصر پڑھی جائیں گے۔ فجر کی نماز مشعر حرام میں پڑھیں، مشعر حرام مزدلفہ کا آخری کونا ہے، مزدلفہ میں تضرع، عاجزی، دعا وغیرہ کے لئے وقوف کریں پھر طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ کر جائیں۔

۷: رمی جمار...... قربانی کے دن یعنی دس ذی الحجہ کو حاجی جمرہ عقبہ (بڑا جمرہ، بڑا شیطان) کی رمی کرے یعنی طلوع آفتاب کے بعد سات کنکریاں جمرہ عقبہ کو مارے۔ ایام منیٰ یعنی عید کے دوسرے تیسرے اور چوتھے دن میں ہر جمرے کو سات سات کنکریاں مارے جمرہ اولیٰ (جمرہ صغریٰ، چھوٹے شیطان) سے ابتدا کرے، جمرہ اولیٰ وہی ہے جو مسجد خیف سے ملا ہوا ہے اور عرفات کی طرف ہے۔ پھر جمرہ وسطی کی رمی کرے اور پھر جمرہ عقبہ کی، یہ رمی زوال اور غروب کے درمیان کرے۔

۸: حلق یا تقصیر...... سر منڈانا مردوں کے لئے افضل ہے عورت بال کٹوائے گی منڈوا نہیں سکتی سر کے سارے بالوں کو پوروں کے برابر کٹوائے، حلق کے وقت دعا کرنی چاہئے، یہ قربانی کا دن ہوگا، اگر قربانی کا جانور پاس ہو تو ذبح کرے (یعنی پہلے جانور ذبح کرے پھر حلق کرے) پھر مکہ آجائے اور طواف زیارت کرے یہ طواف فرض ہے۔

۹: ذبح...... جمرہ کبریٰ (بڑے شیطان) کی رمی کی بعد جانور ذبح کرے، ذبح سے پہلے حلق کرنا جائز ہے اور جمرہ کی رمی سے پہلے بھی ذبح کرنا جائز ہے، ہدی طلوع آفتاب سے پہلے بھی ذبح کرنا جائز ہے۔

۱۰: طواف وداع...... طواف وداع مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ جمہور کے نزدیک واجب ہے، جو لوگ مکہ کے رہنے والے ہوں ان کے لئے طواف وداع نہیں، بلکہ طواف وداع باہر کے لوگوں کے لئے ہے۔ اگر کسی عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آجائے تو وہ مالکیہ کے نزدیک طواف وداع سے پہلے جا سکتی ہے۔

دوم: عمرہ کا اعمال...... عمرہ کے اعمال چار ہیں۔ احرام، طواف، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، اور سر منڈوانا یا بال کٹوانا۔

سوم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ...... شیخین اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی

---

❶...... چونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا خواب دیکھا تو یہ خواب ترویہ کی رات دیکھا تھا جب صبح ہوئی تو صبح سے شام تک اس خواب کے متعلق غور و فکر کرتے رہے کہ آیا یہ خواب شیطان کی طرف سے ہے یا رب تعالیٰ کی طرف سے اسی سوچ بچار کو ترویہ کہتے ہیں، اسی مناسبت سے اس دن کو یوم ترویہ کہتے ہیں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس دن لوگ میدان عرفات میں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے پانی بھرتے ہیں عربی میں سیرابی کو ''ری'' کہتے ہیں اسی سے ترویہ ہے۔

اللہ علیہ وسلم نے چار (۴) عمرات کئے ہیں، اور وہ سب ذی القعدہ کے مہینہ میں کئے گئے تھے، علاوہ اس ایک عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا گیا تھا اور ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا تھا، چنانچہ آپ نے ایک عمرہ حدیبیہ سے ذی القعدہ کے مہینہ میں، دوسرا عمرہ اس کے اگلے سال وہ بھی ذوالقعدہ میں ہو، تیسرا عمرہ جعرانہ سے جہاں غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا یہ عمرہ بھی ذی القعدہ میں ہوا اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ جو ذی الحجہ میں ہوا تھا۔'' یہ چار عمرے ہوئے، حدیبیہ والا عمرہ جو بیت اللہ حرام کی زیارت کے لئے ۶ ھ میں ہوا، عمرۂ قضاء جو ۷ ھ میں کیا، عمرہ جعرانہ جو ۸ ھ میں مکہ اور طائف کے درمیان وادی حنین سے کیا، اور حجۃ الوداع کے ساتھ ۱۰ ھ میں عمرہ کیا۔

چہارم: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی روداد۔ یعنی حجۃ الوداع...... امام مسلم وغیرہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی روداد روایت کی ہے، یہ روداد ایک بڑی حدیث پر مشتمل ہے، اس میں بیش بہا فوائد، اہم قواعد، احکام فقہ وغیرھا مندرجہ ہیں، اس میں احکام فقہ کی تعداد پچاس سے اوپر ہے، جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر بن منذر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

متن حدیث...... جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں داخل ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے حال احوال پوچھے پھر مجھ تک پہنچے میں نے عرض کی: میں محمد بن علی بن حسین ہوں، آپ رضی اللہ عنہ نے شفقت سے اپنا ہاتھ میرے سر کی طرف لائے اور میری قمیص کا بالائی بٹن کھولا پھر نیچے والا بٹن کھولا پھر شفقت کے لئے میرے سینے پر ہاتھ رکھا، اس وقت میں نوجوان لڑکا تھا، فرمایا: اے بھتیجے! خوش آمدید، جو چاہتے ہو سوال کرو۔ (آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ اہل بیت کے اکرام وعزت کے لئے کیا) آپ رضی اللہ عنہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے چھوٹی سی چادر اوڑھ رکھی تھی، جوں جوں آپ رضی اللہ عنہ کے کاندھے سے نیچے اتر جاتی آپ اسے کاندھے پر رکھ دیتے، جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی بڑی چادر پاس ہی کھونٹی پر رکھی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی ❶ میں نے عرض کی: مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے متعلق بتلائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے نو کا ہندسہ بنایا اور پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو سال تک ٹھہرے رہے (صبر کیا) اور آپ نے حج نہیں کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ ھ میں اعلان عام کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج کریں گے۔ چنانچہ مدینہ میں لوگوں کا سمندر امنڈ آیا، ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں جائے اور آپ کے عمل کو نمونہ بنائے۔

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چل پڑے حتیٰ کہ ہم ذوالحلیفہ پہنچ گئے، یہیں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ کو محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجوا کر پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا: غسل کر کے کپڑے کا لنگوٹ ❷ باندھو اور پھر احرام باندھ لو۔

بہر کیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ میں (احرام کے دو رکعت کی) نماز پڑھی اور قصواء جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی تھی پر سوار ہوئے، جب اونٹی ❸ آپ کو لے کر میدان بیداء میں کھڑی ہوئی، میں نے نظر دوڑائی کیا دیکھتا ہوں تاحد نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں آگے پیچھے کیا سوار کیا پیادہ، لوگوں کا سمندر ہے جو بہے جا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے اور آپ پر قرآن نازل ہو رہا تھا، آپ قرآن کی تاویل سے بخوبی واقف تھے، آپ جو عمل بھی کرتے ہم بھی وہی کرتے، آپ نے کلمات توحید سے لبریز تلبیہ پڑھا:

لبيك اللهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك

---

❶...... معلوم ہوا گھر کا مالک نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ ❷ لنگوٹ ایک کپڑا جو حائضہ یا نفاس والی عورت شرم گاہ پر باندھ لیتی ہے تاکہ خون اس میں جذب ہوتا رہے اور احرام آلودہ نہ ہونے پائے۔ ❸ قصواء، عضباء، جدعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی اونٹنی کے مختلف نام تھے۔

اے اللہ میں تیرے دربار میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، بلاشبہ حمد وستائش کا لائق تو ہی ہے نعمتوں اور بادشاہت کا حقیقی مالک ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔

لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ اسی طرح تلبیہ کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ رد نہیں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو یہی توحید والا تلبیہ لازم کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ہم صرف حج کی نیت کرتے تھے اور حج کے ساتھ عمرہ کو پہچانتے بھی نہیں تھے، حتیٰ کہ جب ہم آپ کے ساتھ بیت اللہ میں آ گئے آپ نے حجر اسود پر ہاتھ رکھا اور تین بار رمل کیا اور چار بار اپنی رفتار سے چلتے رہے، پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت کی:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ......البقرۃ ۲/ ۱۲۵

مقام ابراہیم (کے اطراف) کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔

چنانچہ آپ نے مقام ابراہیم اور بیت اللہ کو اپنے درمیان رکھ کر دو رکعت نماز پڑھی۔

جعفر بن محمد کہتے ہیں: میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی تذکرہ ملا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں "قل هوالله احد" اور "قل يا ايها الكافرون" پڑھتے تھے، پھر آپ حجر اسود کی طرف لوٹے اور اس کا بوسہ لیا، پھر باب صفا سے نکلے اور صفا پہاڑی کی طرف چلے، جب آپ صفا پہاڑی کے قریب پہنچے تو یہ آیت تلاوت کی:

ان الصفا والمروة من شعائر الله......البقرۃ ۲/ ۱۵۹

صفا اور مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا: میں بھی اسی سے ابتدا کرتا ہوں جس سے رب تعالیٰ نے ابتدا کی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کی ابتداء صفا سے کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے حتیٰ کہ آپ کو بیت اللہ دکھائی دینے لگا۔ آپ نے رخ انور بیت اللہ کی طرف کیا اور رب تعالیٰ کی توحید (تہلیل) و تکبیر (اللہ اکبر) کہی۔ اور یوں فرمایا:

لاالٰه الا الله وحده لاشريك لهٗ له الملك ولله الحمد وهو على كل شيءٍ قدير

لاالٰه الاالله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحدهٗ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے وہ ہی لائق احمد وستائش ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس نے اسلام کے بول بالا کا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ہی لشکروں کو شکست دی۔

پھر آپ نے دعا کی اور یہ کلمات تین بار کہے۔

پھر آپ مروہ کی طرف اترنے لگے، جب آپ کے قدم مبارک وادی کے نشیب میں پہنچے تو آپ نے سعی کی یعنی دوڑے جب آپ کے قدم مبارک فراز کی طرف بڑھنے لگے تو آپ نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کیا حتیٰ کہ مروہ پہاڑی پر آ گئے اور اس پر بھی وہی اعمال کئے جو صفا پہاڑی پر کئے تھے۔ (اور اسی طرح مروہ پر سعی کا اختتام کیا)۔

پھر آپ نے فرمایا: اگر اپنے بارے میں مجھے پہلے سے وہ بات معلوم ہوتی جو بعد میں معلوم ہوئی ہے تو میں ہدی قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا تو میں اپنے حج کو عمرہ کر دیتا، لہٰذا تم میں سے جو شخص اپنے ساتھ ہدی نہ لایا ہو وہ حلال ہو جائے یعنی حج کا احرام کھول دے، اور حج کو عمرہ بنا لے۔

اتنے میں حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے واسطے یہ حکم اسی سال کے

لئے ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیں اور فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے، دو مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا: نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حکم ہے۔ ❶

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم مقرر کیا تھا وہ آپ کے لئے یمن سے قربانی کے اونٹ لے کر آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حلال ہونے والوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی پایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رنگدار کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرمہ سجا رکھا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے ناجائز سمجھ کر کچھ نالاں ہوئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: میرے والد محترم نے مجھے اس کا حکم دیا ہے، راوی کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق میں فرمایا کرتے تھے: میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کبیدہ روئی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ میں آپ سے فاطمہ کے ایسا کرنے کے متعلق استفسار کروں۔ میں نے عرض کی: مجھے فاطمہ کا ایسا ہونا اچھا نہیں لگتا، فرمایا: فاطمہ نے جو کہا سچ کہا، جب تم نے احرام باندھ کر حج اپنے اوپر فرض کیا اس وقت کیا کہا (یعنی کیا نیت کی)؟ میں نے عرض کی: میں نے یہ کہا تھا: یا اللہ میں اسی قسم کا احرام باندھتا ہوں جس قسم کا تیرے رسول نے باندھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ہدی (قربانی کا جانور) ہے لہٰذا تم احرام سے حلال نہ ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اونٹ لائے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اونٹ لائے ان کی تعداد ایک سو تھی، چنانچہ بھی لوگوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیا البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ لوگ جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے تھے انہوں نے احرام نہیں کھولا۔

ترویہ کے دن یعنی ۸ ذی الحجہ کو سب لوگ منیٰ کی طرف چل پڑے اور حج کے لئے احرام باندھا (یعنی جنہوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول لیا تھا انہوں نے حج کے لئے دوبارہ احرام باندھا) آپ بھی سوار ہو کر منیٰ کی طرف تشریف لے گئے اور یہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھی گئیں پھر ۹ ذی الحجہ کی صبح کو تھوڑی دیر ٹھہرے رہے جب سورج طلوع ہو چکا تو آپ نے حکم دیا کہ وادی نمرہ عرفات میں بالوں کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لئے نصب کیا جائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے عرفات کی طرف چل دیئے، قریش یہی سمجھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہو نہ ہو مشعر حرام (مزدلفہ) میں وقوف کریں گے، جس طرح جاہلیت میں قریش مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے آگے نکل گئے حتیٰ کہ جب آپ میدان عرفات میں پہنچے وہاں آپ نے اپنا خیمہ نصب پایا جو وادی نمرہ کے قریب ہی تھا، آپ نے اس خیمہ میں قیام فرمایا، حتیٰ کہ جب سورج ڈھل چکا آپ نے اپنی قصواء نامی اونٹنی کو لانے کا حکم دیا، اونٹنی لائی گئی اور اس پر پالان کسا گیا، پھر آپ اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی (وادی نمرہ کے بیچ میں) تشریف لائے اور لوگوں سے (تاریخی) خطاب کیا اور فرمایا:

اے لوگو! تمہاری جانیں، تمہاری آبرو اور تمہارے اموال آپس میں ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہیں، جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں تلے ہیں، جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں، سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون جو بنی ہذیل پر ہے معاف کرتا ہوں، جاہلیت کے بھی سود ختم ہیں میں سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کا سود ساقط قرار دیتا ہوں، وہ سارے کا سارا ساقط ہے۔

عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، تم نے عورتوں کو خدا کے امان سے لیا ہے، اور تم نے ان کی شرمگاہوں کو خدا کے حکم کے مطابق اپنے لئے حلال کیا ہے، عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اگر سمجھانے کے باوجود وہ ایسا کریں تو انہیں مارو، لیکن ایسی پٹائی نہ کرو جس سے انہیں گزند پہنچے، اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کو دستور کے مطابق سامان خورونوش اور کپڑا اچھا دو۔

---

❶ ..... یعنی عمرہ کے افعال حج کے مہینوں میں کرنے جائز ہیں جاہلیت کا عقیدہ کہ اشہر حج میں عمرہ نہیں ہو سکتا باطل ہو گیا۔

پھر فرمایا: میں تم میں ایسی محکم چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، اور وہ کتاب اللہ ہے، تمہیں میرے بارے میں سوال کیا جائے گا، تم کیا کہو گے؟ صحابہ نے عرض کی: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے رسالت کو ہم تک پہنچایا، اس کا حق ادا کیا اور ہماری خیر خواہی کی، آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف سر جھکا کر تین بار فرمایا: یا اللہ گواہ رہنا، اللہ گواہ رہنا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دلوائی پھر اقامت ہوئی اور اپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت ہوئی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی، جبکہ آپ نے ان دونوں نمازوں کے درمیان اور کوئی نماز نہیں پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے اور میدان عرفات میں ٹھہرنے کی جگہ پہنچے وہاں اپنی اونٹنی کا پیٹ پتھروں کی طرف کیا اور مقام ''جبل مشاۃ'' کو اپنے سامنے رکھا اور پھر قبلہ رو ہو گئے، آپ یہیں حالت وقوف میں رہے یہاں تک کہ ۹ ذی الحجہ کا سورج غروب ہو گیا، آہستہ آہستہ زردی غائب ہوئی پھر سورج کی ٹکیہ بھی غائب ہو گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا، اور مزدلفہ کی طرف کوچ کر گئے۔

حال یہ تھا کہ آپ نے قصواء کی لگام کھینچی، حتیٰ کہ اونٹنی کا سر پالان سے لگنے لگا، آپ دائیں ہاتھ سے اشارہ کر رہے تھے کہ اے لوگو! آرام سے، آرام سے، جونہی راستے میں ریت کا ٹیلا آتا آپ لگام ڈھیلی کر دیتے تاکہ اونٹنی آسانی سے چڑھ جائے۔

یوں آپ مزدلفہ پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھی، اور دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے از قسم سنت ونفل کوئی نماز نہیں پڑھی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے حتیٰ کہ فجر طلوع ہوئی آپ نے فجر کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام (مزدلفہ) میں آ گئے اور قبلہ رو ہو کر دعا کی، تکبیر وتہلیل کہی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا، آپ یہاں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ جب اچھی طرح سفیدی پھیل گئی تو آپ طلوع آفتاب سے پہلے کوچ کر گئے اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹھایا، فضل بن عباس خوبصورت بالوں والے اور خوبرو شخص تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا تو آپ کے پاس سے چلتی ہوئی عورتیں گزریں، فضل رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو دیکھنا شروع کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کے آگے ہاتھ مبارک رکھ دیا، فضل رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر اس طرف سے آگے کر لیا، فضل رضی اللہ عنہ نے چہرہ دوسری طرف موڑ کر دیکھنے لگے، حتیٰ کہ آپ محسر وادی میں پہنچے تو اپنی سواری کو تیز چلانے کے لئے حرکت دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی راستہ سے چلنے لگے جو جمرہ کبریٰ کے اوپر سے جاتا ہے، حتیٰ کہ آپ جمرہ کے پاس پہنچے جو درخت کے پاس ہے، آپ نے اس جمرہ کو سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا۔ اور وہ کنکریاں باقلہ کے دانے کے برابر تھیں اور کنکریاں وادی کے درمیان سے ماریں۔

پھر آپ قربان گاہ جو منیٰ میں واقع ہے کی طرف واپس لوٹے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ نحر (ذبح) کئے اور باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کئے اور سینتیس (۳۷) اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانوروں میں شریک کر لیا تھا۔ ❶ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر جانور سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لیا جائے چنانچہ گوشت لے کر ہنڈی میں ڈالا گیا اور پکایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گوشت کھایا اور شوربا بھی نوش کیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف کوچ کر گئے اور مکہ میں ظہر کی نماز ادا کی، اور پھر آپ بنی عبد المطلب یعنی حضرت

❶ یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق عجیب عجیب قیاس آرائیاں اور بیہودہ خیالات کئے جاتے ہیں، حدیث سے ان سب کی تردید ہوتی ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد کے پاس آئے یہ لوگ زمزم کا پانی پلار ہے تھے آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: اے بنی عبدالمطلب پانی کھینچواور لوگوں کو پلاؤ (چونکہ یہ کار ثواب ہے)، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ مجھے پانی کھینچتا دیکھ کر تمہارے اوپر غلبہ پا جائیں گے اور اسے فضلیت کا کام سمجھ کر وہ بھی پانی کھینچنے لگیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ مل کر پانی کھینچتا، چنانچہ بنی عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈول تھمایا آپ نے پانی پیا۔

حصہ پنجم......اعمال حج کے احکام، فقہاء کے نزدیک

فقہاء کے نزدیک حج کے ارکان واجبات اور سنن ہیں، میں انہیں اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا پھر مذاہب کے مطابق ارکان واجبات اور سنن کا نقشہ لاؤں گا۔

(ارکان حج)

پہلا مذہب......حنفیہ کا مذہب ارکان حج

حج کے ارکان دو ہیں۔وقوف عرفہ، یہ حج کا حقیقی رکن ہے، دوسرا طواف زیارت ہے، رکن کے فوت ہونے سے حج فاسد اور باطل ہو جاتا ہے، رکن اور فرض وہ ہوتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، جبکہ واجب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے، اگر عذر کسی وجہ سے واجب ترک کیا جائے تو ترک کرنے والے پر کچھ نہیں ہوگا، اگر بغیر عذر کے واجب ترک کیا تو دم لازم ہوگا۔

واجبات حج......حج کے واجبات کثیر ہیں اہم اہم پانچ ہیں: صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، وقوف مزدلفہ رات کے پچھلے پہر میں اگر چہ لمحہ بھر کے لئے کرلیا جائے، رمی جمار، حلق (بال منڈوانا) یا بال کٹوانا، طواف صدر جسے طواف وداع بھی کہتے ہیں، البتہ حلق اور طواف ذبح کے بعد ہوگا۔قربانی کا جانور ذبح کرنا ایام نحر کے ساتھ مخصوص ہے ان سے پہلے جائز نہیں۔

حج کی سنتیں......احرام کا دھونا، احرام پر لگی خوشبو کو دھونا، جس حج کی نیت کی ہے اس کا نطق کرنا (یعنی زبان سے کہنا) مثلاً جو شخص حج افراد کرنا چاہتا ہو وہ یوں کہے:

اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی

عمرہ کرنے والا یوں کہے:

اللھم انی ارید العمرۃ فیسرہ لی وتقبلھا منی

حج قران کرنے والا یوں کہے:

اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسرھما لی وتقبلھا منی۔

ہر فرض اور نفل نماز کے بعد تلبیہ کہنا مسنون ہے اور تلبیہ یوں کہے:

لبیك اللھم لبیك، لبیك لاشریك لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك والملك، لاشریك لك

یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ ہے۔مکہ میں داخل ہونا خواہ دن کو یا رات کو، پھر مسجد حرام میں داخل ہونا اور باب بنی شیبہ سے داخل ہونا، کعبہ کو دیکھنے پر یہ کلمات آہستہ آہستہ پڑھنا:

سبحان اللہ والحمدللہ ولاالہ الااللہ واللہ اکبر، اللھم ھذا بیتك عظمته

وشرفته و کرمته فزدہ تعظیما وتشریفاً وتکریماً

یااللہ تو پاک ہے اور حمد وستائش کا لائق ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، یااللہ یہ تیرا گھر ہے اسے تو نے عظمت دی، عزت دی اور کرامت دی لہٰذا اس کی عظمت، عزت اور کرامت میں اضافہ فرما۔

جو شخص حج قران کرنا چاہتا ہو وہ طواف قدوم سے ابتدا کرے اور طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرے دراں حالیکہ اس کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو اور طواف شروع کرتے وقت رفع یدین کرے، اور ہاتھ کاندھوں تک اٹھائے، افضل یہ ہے کہ حج اسود کا بوسہ لے چونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے بشرطیکہ کسی دوسرے کو اذیت پہنچانے کا خوف نہ ہو، ورنہ دور سے استلام کرے، تکبیر کہے، تہلیل کہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ جیسا کہ نماز میں درود بھیجا جاتا ہے۔

پھر سات چکروں میں طواف کرے پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور بقیہ چار چکروں میں وقار کے ساتھ چلے، ہر چکر میں حجر اسود کا بوسہ لے اگر کسی دوسرے کو اذیت پہنچائے بغیر ممکن ہو، رکن یمانی کا استلام سنت ہیں۔

البتہ اگر اس کا بھی استلام کرلیا جائے تو اچھا ہے، یعنی رکن یمانی کا استلام مستحب ہے سنت ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک مسنون ہے۔

حج کی سنتوں میں سے امام کا خطبہ بھی ہے، چنانچہ تین مواضع میں خطبہ دینا مسنون ہے، ۷ ذی الحج کو یوم ترویہ سے پہلے، عرفہ کے دن، اور ۱۱ ذی الحجہ کے دن، یہ ایک ہی خطبہ ہوگا نماز ظہر کے بعد، البتہ عرفہ کا خطبہ ایک نہیں بلکہ زوال کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو خطبے ہوں گے۔

خطبہ کی کیفیت......امام کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، تکبیر وتہلیل کرے، لوگوں کو وعظ ونصیحت کرے، اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تاکید کرے اور نواہی سے باز رہنے کی تاکید کرے، لوگوں کو ارکان حج سے آگاہ کرے، اسی طرح وقوف عرفہ، طواف زیارت اور وقوف مزدلفہ وغیرھا کے متعلق لوگوں کو آگاہ کرے۔

پھر امام ظہر اور عصر کی نمازیں قصر کرکے جمع کرے پہلے ان کے لئے ایک اذان ہو اور دو اقامتیں، ان نمازوں سے پہلے اور بعد میں نوافل نہ پڑھے جائیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، امام ان دونوں نمازوں میں قرأت سراً کرے بخلاف جمعہ اور عیدین کے چنانچہ جمعہ، عیدین میں قرأت جہراً کی جاتی ہے، اس میں مکی اور غیر مکی سب برابر ہیں پھر نماز کے بعد لوگ امام کے ساتھ عرفات کی طرف چلے جائیں، میدان عرفات میں غروب آفتاب تک وقوف کریں، تکبیر وتہلیل اور اللہ کی حمد وثناء کرتے رہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں، اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کا سوال کریں اور اللہ تعالیٰ کے حضور خوب گڑگڑا کر دعائیں کریں۔

مزدلفہ میں دن کی سفیدی پھیل جانے تک ٹھہرنا بھی مسنون ہے، ۸ ذی الحجہ کی رات (جو حقیقت میں یوم عرفہ کی رات ہے یعنی ۸ اور ۹ ذی الحجہ کی درمیانی رات) منیٰ میں گزارنا بھی مسنون ہے، اور منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کیا، اسی طرح دو راتیں یعنی ایام تشریق کی پہلی رات اور رمی کے ایام کی دوسری رات منیٰ میں گزارنا بھی مسنون ہے، یہ راتیں منیٰ کے علاوہ کہیں اور گزارنا مکروہ ہے، اگر منیٰ سے ہٹ کر کہیں اور یہ راتیں گزار دیں تو اس پر کچھ نہیں ہوگا البتہ گنہگار ہوگا، چونکہ منیٰ میں رات گزارنا واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ پانی پلانے کے لئے مکہ ہی میں رات گزار لیں۔

۱۰ ذی الحجہ یوم نحر کو زوال سے قبل اور طلوع آفتاب کے بعد جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں مارنا مسنون ہے کنکری اس طرح مارے کہ کنکرے شہادت کی انگلی پر رکھے اور انگوٹھے سے اچھال دے، جیسے کنکری اچھالی جاتی ہے۔

اس کے بعد دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کی رمی زوال کے بعد کی جائے، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلے جمرہ سے ابتدا کرے جو کہ مسجد خیف کے ساتھ ملا ہوا ہے، پھر درمیانی جمرے کی رمی کرے پھر بڑے جمرہ یعنی جمرہ عقبہ کی رمی کرے، جوں ہی ایک جمرے کو

کنکریاں مار کر فارغ ہوتو اس کی پاس تکبیر وتہلیل کرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کا سوال کرے۔

کنکریاں مزدلفہ اور راستے سے لے لی جائیں چونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، اگر کسی نے جمرہ کے پاس سے کنکری اٹھا کر ماری تو کافی ہوگی لیکن اس میں برا کرنے والا ہوگا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمی کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں۔'' آپ نے مطلق رمی کا حکم دیا ہے۔

جونہی جمرہ عقبہ کو پہلی کنکری مارے تلبیہ منقطع کردے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جمرہ عقبہ کو کنکری ماری مارتے ہی تلبیہ منقطع کردیا تھا۔ ❶

وادی محصب یا ابطح میں ٹھہرنا بھی مسنون ہے یہ منیٰ اور مکہ کے درمیان دو پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ ہے، یعنی مقبرہ حجون کے پاس اترنا چاہئے، گھڑی بھر کے لئے یہاں رکنا چاہئے، یہ سنت ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابطح میں اترتے رہے ہیں۔ ❷

اعمال عمرہ..... حنفیہ کے نزدیک عمرہ کا رکن طواف ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾ الحج ۲۲/۲۹

لوگوں کو چاہئے کہ پرانے گھر کا طواف کریں۔

عمرہ کے واجبات دو ہیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، بال منڈوانا یا کٹوانا۔ ❸

عمرہ کی سنتیں یہ ہیں۔ جونہی حجر اسود کا بوسہ لی تلبیہ ختم کردے یعنی طواف کے پہلے چکر کے ساتھ ہی جونہی استلام حجر کرے تلبیہ منقطع کردے۔ ❹

دوسرا مذہب..... مالکیہ کا مذہب

حج کے ارکان واجبات، سنن اور مندوبات (مستحبات) ہیں۔ رکن یا فرض وہ ہوتا ہے جس کے بغیر حج یا عمرہ کی حقیقت نہ پائی جاسکے، واجب وہ ہے جس کا ترک بلاضرورت حرام ہو، واجب ترک کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا بلکہ دم دے کر اس کا جبیرہ کیا جاسکتا ہے۔ ❺

ارکان حج..... مالکیہ کے نزدیک ارکان حج چار ہیں۔

۱: احرام..... احرام سے مراد نیت ہے جو زبانی کہی جائے یا ایسے فعل سے ملی ہو جو حج کے متعلق ہو، جیسے تلبیہ، راستے پر چل پڑنا، مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حج کا انعقاد مجرد (محض) نیت سے ہوجاتا ہے۔

۲: سعی..... صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگانا، چنانچہ علامہ اجہوری نے تذکرہ کیا ہے کہ سعی وقوف عرفہ سے افضل ہے، چونکہ سعی صفا اور مروہ کے درمیان ہوتی ہے اور صفا اور مروہ بیت اللہ کے قریب ہیں، پھر سعی کے بعد طواف کیا جاتا ہے لہٰذا سعی، وقوف عرفہ سے افضل ہے۔

---

❶ ..... یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث سے سمجھی جاسکتی ہے ورواہ البیہقی صراحۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ ❷ مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابطح میں اترتے تھے۔ روی عن ابن عمر۔ ابطح کنکریالی زمین کو کہتے ہیں یعنی پہاڑوں کے درمیان بہنے والا سیلابی ریلہ یہاں کنکریاں لا کر ڈھیر کردیتا تھا اس نسبت سے اسے ابطح کیا گیا۔ ❸ دیکھئے البدائع ۲/۲۲۷۔ ❹ دیکھئے الشرح الصغیر ۲/۱۶ القوانین الفقہیہ ص ۱۳۱۔ ❺ دیکھئے الشرح الصغیر ۲/۱۶ القوانین الفقہیۃ ص ۱۳۱۔

۳: وقوف عرفہ...... میدان عرفات میں حاضری دینا خواہ دس ذی الحجہ کی رات کو ہی وقوف ہو جائے اگر چہ وہاں سے گزر ہی ہو جائے، اگر گزرنے والے کو معلوم ہو کہ یہ میدان عرفات ہے اور وہ رکن کی نیت بھی کر لے۔

۴: طواف زیارت...... یعنی بیت اللہ کے ارد گرد سات چکر لگانا طواف زیارت ہے یہ بھی حج کا رکن ہے۔

عمرہ کے ارکان...... عمرہ کے تین ارکان ہیں: میقات یا حل سے احرام باندھنا، بیت اللہ کا طواف کرنا (سات چکروں میں) صفا اور مروہ کی سعی کرنا، رہی بات سرمنڈوانے کی سو وہ واجب ہے، سال میں عمرہ کا تکرار مکروہ ہے۔ جیسے پیچھے گزر چکا ہے۔

احرام...... کے واجبات، سنن، مندوبات ہیں: یہ معلوم رہے کہ ترک سنت پر دم نہیں۔

احرام کے واجبات...... احرام کے کپڑے کا سلائی سے خالی ہونا، مرد کا سر کو کھلا رکھنا، تلبیہ پڑھنا، تلبیہ کا احرام کے ساتھ ملا کر پڑھنا (یعنی احرام باندھتے ہوئے پڑھنا) جس شخص نے سرے سے تلبیہ چھوڑ دیا یا احرام اور تلبیہ میں زیادہ فاصلہ رکھا تو اس پر دم آئے گا۔

احرام کی سنتیں...... احرام باندھتے وقت غسل کرنا، ازار پہننا اور کاندھوں پر چادر ڈالنا، پاؤں میں نعلیں پہننا، اگر چادر لپیٹ لی وہ بھی کافی ہے لیکن اس میں سنت کی خلاف ورزی ہے۔ احرام سے پہلے اور غسل کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے، فرض نماز پڑھ لینا احرام کی دو رکعت کے لئے بھی کافی ہوتی ہے۔ لیکن افضل الگ سے دو رکعت پڑھنا ہے۔

سوار کے لئے مستحب ہے کہ جب سواری پر براجمان ہو جائے تب احرام باندھے (یعنی آخری وقت میں احرام باندھے اور سواری پر فوراً سوار ہو گویا سوار ہونے سے قبل اس کا آخری کام احرام باندھنا ہو) پیدل چلنے والا جب چلنے لگے اس کے لئے احرام باندھنا مندوب ہے۔

محرم کے لئے مستحب ہے کہ احرام کے غسل سے پہلے اپنی پراگندہ حالی دور کر لے یعنی ناخن کاٹ لے، مونچھیں کاٹے، زیر ناف بال اور بغلوں کے بال صفا کر لے، سر کے بالوں کو کنگھی کرے یا حلق کرے جب حلق کرانا اس کی عادت ہو تا کہ بالوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ پر اکتفا کرنا مندوب ہے، اور وہ یہ ہے:

لبيك اللهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك[1]

جوں جوں حالت تبدیل ہو تلبیہ پڑھنا مستحب ہے یعنی اٹھتے بیٹھتے، اوپر چڑھتے، نیچے اترتے، سواری پر سوار ہوتے اور سواری سے نیچے اترتے، نیند سے بیدار ہوتے، غفلت سے بیدار ہوتے، فرض ونفل کے نماز کے بعد قافلوں سے ملاقات کرتے وقت ہر حال میں تلبیہ پڑھنا مستحب ہے، درمیانی آواز سے تلبیہ پڑھنا مستحب ہے یعنی آواز نہ زیادہ اونچی ہو اور نہ زیادہ پست، ٹھہر ٹھہر پر پڑھنا مستحب ہے، ایسا نہ ہو کہ بالکل ہی چھوڑ دے اور لگاتار بھی نہ پڑھے جائے کہ اس میں ضرر پہنچنے کا خدشہ ہے، مکی جس جگہ سے احرام باندھے اسی جگہ سے تلبیہ پڑھنا اس کے لئے مستحب ہے۔

اگر آفاقی عمرہ کرنا چاہتا ہو تو وہ میقات سے تلبیہ پڑھے، وہ شخص جس کا حج احصار کی وجہ سے فوت ہو جائے وہ عمرہ کرے تو میقات سے تلبیہ کہے، جو شخص میقات کے علاوہ سے ہو جیسے جعرانہ سے عمرہ کرنے چاہے تو وہ وہیں سے تلبیہ کہے حتیٰ کہ مکہ کی عمارتوں تک پہنچ جائے۔

جس محرم نے حج کے لئے احرام باندھا ہو وہ میقات سے تلبیہ کہے اگر حج قران کرنا چاہے تب بھی میقات سے تلبیہ کہے یہاں تک کہ مکہ کی عمارتوں تک پہنچ جائے، یا طواف قدوم کی ابتداء کر لے۔

---

[1]...... رواہ الشیخان۔ تلبیہ کا معنی جواب دینا ہے یعنی اے میرے رب میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، یہ ابراہیم علیہ السلام کی پکار کا بھی جواب ہے۔

واجب سعی......طواف کے بعد سعی کرنا واجب ہے، جیسے طواف قدوم اور طواف زیارت ان کے بعد سعی کرنا واجب ہے، اگر حج کرنے والے پر طواف قدوم واجب ہوتو سعی کو وقوف عرفہ سے مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ طواف زیارت کے بعد کرے، طواف قدوم تین شرائط کے ساتھ واجب ہے۔ حج افراد کرنے والے پر، حج قران کرنے والے پر جس نے حل سے احرام باندھا ہو، جب وقت کی تنگی آڑے نہ ہواور حج کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو، اگر احرام کے وقت حج سے پہلے عمرہ کی نیت نہ کی ہو، حائضہ عورت، نفاس والی عورت، بے ہوش اور مجنون طواف قدوم چھوڑنے میں معذور ہیں، جیسے حالت خوف میں حج فوت ہونے کا اندیشہ ہوتو طواف قدوم چھوڑا جاسکتا ہے۔

واجب طواف......طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا واجب ہیں، پہلی رکعت میں سورت ''الکافرون'' اور دوسری رکعت میں سورت ''الاخلاص'' پڑھنا مستحب ہے، مقام ابراہیم میں ان دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرنا واجب ہے، جو شخص پیدل چلنے کی قدرت رکھتا ہو اس پر پیدل چلنا واجب ہے اگر قدرت کے باوجود سوار ہوا تو دم واجب ہوگا۔

طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے ملتزم سے لپٹ کر دعا مانگنا مستحب ہے، ملتزم: حجر اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان کی دیوار ہے، اس پر اپنا سینہ رگڑے، بازو پھیلا کر اس پر رکھے جو چاہے دعا مانگے۔

آب زم زم کثرت سے پینا مستحب ہے چونکہ آب زم زم نری رحمت ہے، نیکی سمجھ کر پیئے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''آب زم زم نیکی سمجھ کر پیا جائے۔ ❶ اپنے شہر اور گھر والوں کے لئے ساتھ لے کر جانا مستحب ہے اور باعث برکت ہے۔

طواف کی سنتیں: ۱......بغیر آواز کے حجر اسود کا بوسہ لینا مسنون ہے، یعنی طواف کے شروع میں، بشرطیکہ بھیڑ کی وجہ سے اذیت کا خوف نہ ہو، ورنہ ہاتھ سے یا چھڑی وغیرہ سے چھو لینا کافی ہے، اور پھر ہاتھ یا چھڑی کو منہ پر رکھے، ہر بوسے کے ساتھ تکبیر کہنا مستحب ہے اور یہ کلمات کہے:

بسم الله والله اكبر اللهم ايماناً بك وتصديقاً بكتابك ووفاء بعهدك واتباعًا لسنة نبيك محمد صلى الله عليه وسلم

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے، یا اللہ میں تجھ پر ایمان لایا، تیری کتاب کی تصدیق کی، تیرے وعدہ پورا کیا اور تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی۔

۲......طواف کے پہلے چکر میں رکن یمانی (بیت اللہ کا جنوبی مغرب گوشہ) کا استلام (بوسہ) کرنا سنت ہے یعنی اس پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے اور پھر ہاتھ کو منہ پر رکھ لے۔

۳......اگر مرد ہو تو طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا (یعنی اکڑ کر چلنا) لیکن خیال رہے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچنے پائے، رمل اس شخص کے لئے ہے جس نے میقات سے احرام باندھا ہو۔ رمل طواف قدوم اور طواف عمرہ میں ہوتا ہے بشرطیکہ میقات سے احرام باندھا ہو، اگر میقات سے احرام نہیں باندھا تو رمل کرنا مندوب ہے، جس شخص نے کسی عذر کی وجہ سے طواف قدوم نہ کیا ہو تو طواف زیارت میں رمل کرنا اس کے لئے مستحب ہے۔

۴......طواف کے بعد دعا کرنا مسنون ہے، جو چاہے دعا کرے رب تعالیٰ سے عافیت، علم، توفیق، فراخی رزق اور اچھائی کی دعا مانگے البتہ قرآنی دعائیں اور ماثور دعائیں مانگنا افضل ہے۔ مثلاً:

---

❶......رواه عن جابر احمد وابن ماجه والبيهقي وابن ابي شيبة.

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ البقرة ۲/۲۰۱

اسی طرح:

اللهم انی آمنت بکتابك الذی انزلت ونبیك الذی ارسلت، فاغفرلی ماقدمت وما اخرت ⓫

سعی کی سنتیں.....سعی کی چار سنتیں ہیں۔

۱.....سعی کے لئے نکلنے سے پہلے اور طواف کی دو رکعتوں کے بعد حجر اسود کا بوسہ لینا مسنون ہے۔

۲.....صفا اور مروہ پر چڑھنا، عورت کو چاہئے کہ مردوں سے خالی جگہ دیکھ کر اس میں چڑھے۔

۳.....میلین اخضرین ⓬ کے درمیان رمل سے نسبتاً تیز اور دوڑ سے قدرے کم چلنا، یعنی مروہ کی طرف جاتے ہوئے اور واپسی میں صفا کی طرف آتے ہوئے دوڑنا مسنون ہے۔

۴.....صفا اور مروہ پر دعا کرنا برابر ہے صفا پر چڑھے یا نہ چڑھے، ان پر کھڑا ہو یا بیٹھا رہے۔

طواف کے مستحبات.....جس شخص نے میقات کے علاوہ کسی جگہ سے احرام باندھا ہو مثلاً تنعیم سے یا جعرانہ سے اس کے لئے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا مستحب ہے، اگر کسی نے طواف قدوم نہ کیا ہو اس کے لئے طواف زیارت میں رمل کرنا مسنون ہے پہلے چکر کے علاوہ بقیہ چکروں میں حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرنا مستحب ہے۔

سعی کے مستحبات.....نماز کی شرائط یعنی طہارت، ستر عورہ، صفا اور مروہ پر کچھ ٹھہرنا سعی کے مستحبات ہیں البتہ صفا اور مروہ پر بیٹھنا مکروہ یا خلاف اولیٰ ہے۔

وقوف عرفہ کے واجبات.....اطمینان اور تسلی سے وقوف کرنا، یعنی دو سجدوں کے درمیان جلسہ کی بقدر میدان عرفات میں قرار پکڑنا، کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے یا سوار ہو کر ٹھہرنا، البتہ سوار ہو کر وقوف کرنا افضل ہے۔

وقوف عرفہ کی سنتیں: ۱.....مسجد نمرہ میں جمعہ کی طرح دو خطبے دینا مسنون ہیں، ان خطبوں میں امام حمد و ثناء اور شہادتین کے بعد لوگوں کا ارکان حج اور مناسک کی تعلیم دے، خطبہ زوال کے بعد ظہر کی اذان سے پہلے دے، ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کرنے، قصر کرنے، رمی جمار، طواف زیارت، وقوف مزدلفہ، مزدلفہ میں صبح کی نماز، طلوع فجر تک مشعر حرام میں وقوف کرنے اور پھر وہاں سے رمی جمار کے لئے منی کی طرف کوچ کرنے، وادی محسر میں تیز چلنے، حلق یا بال کٹوانے ہدی ذبح کرنے کے متعلق لوگوں کو آگاہ کرے۔

۲.....ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرنا مسنون ہے، ظہر کی نماز مقدم کی جائے، قصر کرنا بھی مسنون ہے، البتہ اہل عرفہ نماز پوری پڑھیں گے، مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا مسنون ہے، یہ جمع تاخیر ہوگی اور یہ نمازیں بھی قصر پڑھیں جائیں گی البتہ اہل مزدلفہ پوری پڑھیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ عرفہ اور مزدلفہ کے مقیمین نمازیں پوری پڑھیں گے اور باہر سے آنے والے قصر کریں گے۔

وقوف عرفہ کے مستحبات: ۱.....جبل رحمت کے پاس وقوف کرنا مستحب ہے، جبل رحمت میدان عرفات میں ایک پہاڑ ہے۔

۲.....لوگوں کے ساتھ مل کر وقوف کرنا چونکہ اجتماع رحمت مزیدہ کا باعث ہے۔

۳.....وقوف میں سوار رہنا مستحب ہے، پھر کھڑے کھڑے وقوف کرنا مستحب ہے البتہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ سکتا ہے۔

⓫.....رواہ البخاری۔ ⓬ صفا اور مروہ کے درمیان مسجد حرام کی دیوار میں دو سبز میل لگے ہوئے ہیں جس کے درمیان سعی کرنے والے دوڑ کر چلتے ہیں۔

۴..... دنیا وآخرت کی بھلائی کی دعا کرنا، اللہ کے حضور خوف سے گڑگڑانا حتیٰ کہ غروب آفتاب ہوجانے چونکہ وقوف عرفہ قبولیت دعا کا مقام ہے۔

وقوف مزدلفہ کا واجب..... مزدلفہ میں پالان اتارنے اور مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھنے کے بقدر وقوف کرنا واجب ہے تاکہ اس وقت میں کھاپی بھی لے، اگر مزدلفہ میں سواری سے نیچے نہیں اترا تو دم لازم ہوگا۔

وقوف مزدلفہ کے مستحبات: ۱..... مزدلفہ میں رات گزارنا پھر فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا اور اندھیرے میں مزدلفہ سے کوچ کرنا مستحب ہے۔

۲..... مزدلفہ میں مشعر حرام میں وقوف کرنا، مشعر حرام، مزدلفہ میں منیٰ کی طرف ایک جگہ ہے۔ مزدلفہ میں مغفرت کی دعا کرنا، حمد وثناء کرنا اور قبلہ رو ہوکر دعا کرنا مستحب ہے۔

۳..... محسر وادی سے تیز تیز چلنا مستحب ہے، محسر مشعر حرام اس منیٰ کے درمیان ایک وادی ہے۔

منیٰ میں رمی کے مستحبات: ۱..... قربانی کے پہلے دن طلوع آفتاب سے زوال تک جونہی جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے سات کنکریوں سے اس کی رمی کرے یہ کنکریاں مزدلفہ سے اپنے ساتھ لائے، دوسرے جمروں کی رمی زوال کے بعد نماز ظہر سے پہلے کرے، باوضو ہوکر کرے اور پہلے جمرے سے ابتدا کرے جو کہ مسجد خیف سے ملا ہوا ہے، پھر درمیانی جمرہ کی رمی پھر جمرہ عقبہ کی اگر اس ترتیب کی خلاف ورزی کی تو رمی صحیح نہیں ہوگی۔

۲..... قربانی والے دن جمرہ عقبہ کے علاوہ بقیہ جمرات کی رمی کے لئے پیدل چلنا مندوب ہے۔

۳..... تکبیر کہنا یعنی اللہ اکبر کہنا۔ یا "بسم اللہ اللہ اکبر، رغماً للشیطان وحزبہ ورضاء الرحمٰن" جمرہ عقبہ اور دوسرے جمرات کی رمی کرتے وقت یہ تکبیر کہنا مستحب ہے۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے، درمیانی جمرے کے پاس وقوف کرنا اور قبلہ رو ہوکر دعا، ثناء کرنا اور سورت بقرہ کے بقدر طویل دعا کرنا مستحب ہے۔

۴..... لگاتار کنکریاں مارنا، دورمیوں کے درمیان کسی کام اور کلام میں مشغول نہ ہو۔

۵..... کنکریاں خود چننا اور کسی بھی جگہ سے چن لینا مستحب ہے البتہ جمرہ عقبہ کی کنکریاں مزدلفہ سے چنے۔

۶..... زوال سے پہلے اگر ممکن ہو تو ہدی ذبح کرنا اور سر منڈوانا۔

۷..... حلق اور تقصیر کو ذبح کرنے سے موخر کرنا۔ عورت کے بال پوروں کے بقدر کاٹے جائیں اور سبھی بال کاٹے جائیں، مرد بال یا مبالغہ کرکے کٹوائے یا پوروں کی بقدر کٹوائے، عورت کے کچھ بال چھوڑ کر نہ کاٹے جائیں بلکہ سبھی بال کاٹے جائیں۔

۸..... وادی محصب میں اترنا، یعنی تیسرے دن کی رمی جمار کے بعد وادی محصب میں اترنا، وادی محصب مکہ کے باہر کنکریالی زمین ہے، اس میں چار نمازیں پڑھی جائیں، ظہر وعصر، مغرب اور عشاء، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، یہ افعال اس شخص کے لئے جسے جلدی نہ ہو، جس شخص کو جلدی ہو اس کے لئے یہ افعال یعنی وادی محصب میں اترنا اور نمازیں پڑھنا مستحب نہیں۔

جب عقبہ کی رمی کرلے، قربانی، حلق یا تقصیر کرلے تو منیٰ سے مکہ آجائے تاکہ طواف زیارت کرے، منیٰ میں نماز عید مسنون نہیں اور نہ ہی مسجد حرام میں، چونکہ حاجی کے لئے عید نہیں۔ آج کل جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد مسجد حرام میں جو نماز عید پڑھی جاتی ہے یہ مالکیہ کے علاوہ بقیہ مذاہب کے مطابق ہے۔

جمرہ عقبہ کی رمی کے دو واجبات..... جمرہ عقبہ کی رمی حلق سے پہلے کرنا واجب ہے۔ چونکہ چونکہ جب تک جمرہ عقبہ کی رمی نہیں کرے حلال نہیں ہوسکتا، لہٰذا جمرہ عقبہ کی رمی سے پہلے حلق اور دوسرے محرمات احرام کرنا جائز نہیں۔

جمرہ عقبہ کی رمی طواف زیارت سے پہلے کرنا بھی واجب ہے۔ اگر جمرہ عقبہ کی رمی کو حلق اور طواف زیارت سے مؤخر کیا تو دم آئے گا، البتہ رمی کو قربانی پر مقدم کرنا اور قربانی یا حلق کو طواف زیارت پر مقدم کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قربانی کے دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو چار کام کیے جائیں گے، رمی، قربانی، حلق اور طواف زیارت۔

طواف زیارت کے مستحبات..... اپنے احرام کے دو کپڑوں ہی میں طواف کرنا، تاکہ حج کے سبھی ارکان انہی دو کپڑوں میں ہو جائیں بلا تاخیر حلق کے بعد طواف زیارت کرنا البتہ قضائے حاجت وغیرھا کی تاخیر، تاخیر نہیں۔

تیسرا مذہب.....شافعیہ کا مذہب

حج کے سب اعمال تین اقسام کے ہیں: ارکان، واجبات اور سنن۔

ارکان..... ارکان میں سے اگر ایک بھی چھوٹ گیا حج نہیں ہوتا، اگر کوئی رکن باقی احرام کا ختم کرنا جائز نہیں، جب تمام ارکان بجالائے تب احرام سے حلال ہو۔ اگر طواف کے سات چکروں میں سے ایک چکر باقی رہے یا سعی کا ایک چکر باقی رہے تو حج صحیح نہیں اور حلال بھی نہیں ہوسکتا، اسی طرح اگر دو بال کٹوائے اور بس تب بھی حج پورا نہیں ہوگا، حتیٰ کہ پورا سر منڈوائے یا تیسرا بال بھی کٹوائے ارکان میں سے اگر کوئی رکن چھوٹ گیا اس کا جبیرہ دم سے نہیں ہوگا، بلکہ بعینہ وہی رکن بجالانا ضروری ہے۔

طواف، سعی اور حلق ان ارکان کا آخری وقت کوئی نہیں، بلکہ جب تک حاجی زندہ رہے یہ فوت نہیں ہوتے، حلق صرف منیٰ کے ساتھ خاص نہیں اسی طرح حرم کے ساتھ بھی خاص نہیں بلکہ حلق وطن میں واپس جا کر بھی کرایا جاسکتا ہے۔

ارکان کے درمیان ترتیب قائم رکھنا واجب ہے، احرام سب ارکان سے مقدم کیا جائے گا، وقوف عرفہ طواف زیارت سے پہلے کیا جائے گا، سعی طواف صحیح کے بعد کرنا شرط ہے، طواف قدم کے بعد سعی کرنا صحیح ہے، طواف اور حلق میں ترتیب واجب نہیں۔

واجبات..... جس شخص نے واجبات میں سے کوئی واجب ترک کر دیا اس پر دم لازم ہوگا، واجب کے بغیر حج صحیح ہو جاتا ہے، خواہ واجب جان بوجھ کر چھوڑا یا بھولے سے، البتہ جان بوجھ کر چھوڑنے والا گناہگار ہوگا۔

سنن..... جس نے کوئی سنت چھوڑ دی اس پر کچھ (جرمانہ) نہیں نہ وہ گنہگار ہوگا، نہ اس پر دم آئے گا اور نہ ہی کچھ اور چیز، البتہ فضیلت، کمال اور زیادہ ثواب جاتا رہے گا۔

۱: ارکان..... حج کے پانچ ارکان ہیں۔ احرام، وقوف عرفہ، طواف، سعی، حلق یا تقصیر جبکہ عمرہ کے ارکان چار ہیں۔ احرام، طواف، سعی، حلق یا تقصیر۔

۲: واجبات..... حج کے واجبات پانچ ہیں:

اول: میقات سے احرام باندھنا..... میقات عام ہے اس سے مراد زمانی و مکانی ہے۔ چنانچہ حج کا میقات زمانی: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ عمرہ کا میقات زمانی پورا سال ہے، پورے سال میں کسی بھی وقت عمرہ کے لئے احرام باندھا جاسکتا ہے۔ حج کے لئے میقات مکانی: مکی مقیم کے لئے نفس مکہ میقات ہے۔ غیر مقیم کے لئے پانچ مواقیت ہیں۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، یعنی ذوالحلیفہ اہل مدینہ کے لئے، جحفہ اہل شام کے لئے، یلملم اہل یمن کے لئے، قرن منازل اہل نجد کے لئے اور ذات عرق اہل مشرق کے لئے۔

دوم: رمی جمار...... تین جمروں کی رمی کرنا واجب ہے، جمرہ اولیٰ صغریٰ جو کہ مسجد خیف سے ملا ہوا ہے ❶ اس سے ابتدا کی جائے۔ پھر جمرہ وسطیٰ کی رمی کی جائے، پھر جمرہ عقبہ جو مکہ کی طرف والا ہے اس کی رمی کی جائے، ایام تشریق میں سے ہر دن جمرات کی رمی کی جائے، البتہ ۱۰ ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کی جائے۔

سوم...... مزدلفہ میں رات گزارنا۔ شافعیہ کے مذہب میں یہی راجح ہے کہ وقوف مزدلفہ واجب ہے سنت نہیں۔

چہارم...... منیٰ میں رات گزارنا، شافعیہ کے مذہب میں راجح یہی ہے۔

پنجم...... طواف وداع، یعنی جس وقت مکہ سے واپسی کا ارادہ ہو طواف کر کے واپس لوٹے برابر ہے واپس جانے والا حاجی ہو یا نہ ہو، خواہ سفر طویل ہو یا نہ ہو، وجوب کا قول زیادہ ظاہر ہے۔

۳: سنن...... حج کی عام سنتیں آٹھ سے زائد ہیں۔ چنانچہ ارکان اور واجبات کے علاوہ بقیہ اعمال سنن ہیں۔

۱: افراد...... یعنی حج افراد کرنا، اس میں عمرہ سے پہلے حج کرنا ہوتا ہے، یعنی پہلے حج کا احرام باندھے میقات سے، حج سے فارغ ہو کر پھر قریب ترین حل سے عمرہ کا احرام باندھے افضل یہ ہے کہ بقاع پھر جعرانہ پھر تنعیم پھر حدیبیہ سے احرام باندھا جائے۔

۲: تلبیہ...... تلبیہ پڑھنا مسنون ہے، تلبیہ کے کلمات یہ ہیں:

لبيك اللهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك

جو شخص عربی میں اچھی طرح نہ کہہ سکتا ہو وہ اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کہے، اگر عربی الفاظ کی ادائیگی پہ قدرت ہو تب بھی اپنی زبان میں تلبیہ کہنا جائز ہے، احرام باندھتے وقت کثرت سے تلبیہ پڑھنا مسنون ہے اور بلند آواز سے پڑھا جائے۔

جب تلبیہ سے فارغ ہو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے رب تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے اور دوزخ سے پناہ مانگے۔

۳: طواف قدوم...... جو شخص حج کرنا چاہتا ہو وہ وقوف عرفہ سے پہلے طواف قدوم کرے، جو شخص عمرہ کرنا چاہتا ہو اور وہ عمرہ کے لئے طواف کر دے تو اسے یہ طواف کافی ہوگا۔ الگ سے طواف قدوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

۴: طواف کی دو رکعتیں...... طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت پڑھنا مسنون ہے، دن کے وقت قرأت سراً کرے اور رات کو اگر پڑھے تو قرأت جہراً کرے۔ اگر مقام ابراہیم کے پیچھے جگہ نہ ملے تو حجر اسماعیل کی جگہ پڑھے اگر وہاں بھی جگہ نہ ملے تو مسجد میں پڑھے ورنہ پورے حرم میں جہاں بھی جگہ ملے پڑھ لے۔

۵: احرام سلا ہوا نہ ہو...... احرام سلے ہوئے کپڑوں کا نہیں ہونا چاہئے، کسی چیز سے اٹکایا ہوا یا ٹانکا ہوا یا باندھا ہوا بھی نہیں ہونا چاہئے حتیٰ کہ بدن کے کسی حصہ سے بھی نہیں ٹانکا ہونا چاہئے، جوتے ایسے ہوں جو پاؤں کی انگلیوں کو چھپانے نہ ہوں، پھر ازار پہنا ہو اور دوئی چادریں ہوں یا پرانی دھلی ہوئی صاف ستھری ہوں، چنانچہ حدیث ہے۔ ”اپنے سفید کپڑوں میں سے پہنو“ ابوعوانہ کی حدیث ہے۔ ”تمہیں چاہئے کہ تمہارا احرام ازار، چادر اور نعلین میں ہو۔“

۶: امام کا چار خطبے دینا...... پہلا خطبہ ۷ ذی الحجہ کو یہ خطبہ ظہر کی نماز کے بعد کعبہ کے پاس دے، دوسرا خطبہ عرفہ کے دن وادی عرنہ میں دے، یہ خطبہ آج کل مسجد نمرہ میں دیا جاتا ہے، تیسرا خطبہ ۱۰ ذی الحجہ قربانی کے دن دے، چوتھا خطبہ ایام تشریق کے دوسرے دن ظہر کی نماز

❶...... جمرہ کبریٰ وہ جمرہ عقبہ ہے شافعیہ اور حنابلہ کی بعض کتب میں [illegible] واقع ہوئی ہے کہ جمرہ اولیٰ وہ جمرہ کبریٰ ہے۔

کے بعد دے، ان خطبات میں اہم مناسک حج کی تعلیم دے اور ان کو اللہ کی اطاعت پر برانگیختہ کرے اور حج کو استقامت کے ساتھ ختم کرنے کی تلقین کرے اور انہیں یہ یاددہانی کروائے کہ اللہ سے کیا ہوا معاہدہ وہ نہ بھولیں۔ یہ تمام خطبات فردی فردی ہیں یعنی صرف ایک ہی خطبہ دیا جائے، جمعہ اور عید کی طرح دو خطبے نہیں۔

البتہ عرفہ کے دن دو خطبے دیئے جائیں یہ خطبے نماز سے پہلے دیئے جائیں گے۔

۷: حج میں سات مسنون غسل کرنا.....سات امور کے لئے غسل کرنا مسنون ہے۔

۱.....احرام کے لئے، اگر حاجی پانی استعمال کرنے سے عاجز ہو تو تیمم کرے۔

۲، ۳.....حرم پاک اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے گو حلال ہی ہو۔

۴.....وقوف عرفہ کے لئے۔

۵.....وقوف مزدلفہ کے لئے۔

۶.....ایام تشریق کے ہر دن زوال کے بعد رمی کے لئے غسل کرنا مسنون ہے۔

۷.....مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے۔ غسل کے مواقع کے متعلق آثار واحادیث وارد ہوئی ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اجتماع کی جگہیں ہیں لہٰذا جمعہ کی طرح غسل کرنا مسنون ہے۔

۸: آب زمزم پینا.....حاجی ہو یا معتمر ہو یا ان دونوں میں سے کچھ نہ ہو ہر ایک کے لئے آب زمزم پینا مسنون ہے، اور پیتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا بھی مسنون ہے، اور پانی پیتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم انہ بلغنی عن نبیك صلی اللہ علیہ وسلم ان ماء زمزم لما شرب لہ
وانا أشربہ لسعادۃ الدنیا والآخرۃ اللھم فافعل

یا اللہ مجھے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث پہنچی ہے کہ زمزم کا پانی جس حاجت کے لئے پیا جائے وہ قبول ہوتی ہے میں دنیا اور آخرت کی سعادت مندی کے لئے اسے پی رہا ہوں یا اللہ مجھے سعادت عطا فرما۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آب زمزم پیتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

اللھم انی اسألك علماً نافعاً ورزقاً واسعۃً وشفاءً من کل داء [1]

یا اللہ میں تجھ سے علم نافع، فراخ رزق اور ہر بیماری سے شفا کا سوال کرتا ہوں۔

بسم اللہ پڑھ کر پینا اور تین سانسوں میں پینا مسنون ہے، زمزم کا پانی اپنے سر چہرے اور سینے پر ملے، اب اعمال حج کے متعلق مخصوص سنن بیان کی جاتی ہیں۔

اول: احرام کی سنتیں.....احرام کے لئے غسل کرنا مسنون ہے، بدن کو خوشبو لگانا اور اصح قول کے مطابق کپڑوں کو خوشبو لگانا بھی مسنون ہے، عورت کا اپنے ہاتھوں کو مہندی لگانا، احرام باندھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا، اتباع کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی جیسے کہ شیخین نے روایت نقل کی، پہلی رکعت میں ''الکافرون'' دوسری رکعت میں ''الاخلاص'' پڑھے، افضل یہ ہے کہ سواری کی معمولی سی حرکت کرتے ہی احرام باندھ لے جبکہ حج کرنے والا سوار ہو، اگر پیادہ ہو تو جونہی چلنا شروع کرے احرام باندھ لے، کثرت سے تلبیہ پڑھنا، بآواز بلند پڑھنا، احوال کے تبدیل ہونے پر تلبیہ پڑھنا مثلاً سوار ہوئے نیچے اترتے، اوپر ٹیلے پر چڑھتے، ٹیلے سے نیچے اترتے،

[1].....قال الحاکم صحیح الاسناد.

قافلوں سے ملتے ہر تبدیلی پر تلبیہ پڑھنا مسنون ہے، شافعیہ کے نزدیک احرام باندھنے کے شروع میں قبلہ رو ہونا مسنون ہے اور احرام باندھ یہ دعا پڑھے:

اللهم احرم لك شعري وبشري ولحمي ودمي❶

دوم: طواف کی سنتیں...... اتباع سنت کی خاطر پیدل چل کر طواف کرنا سنت ہے اگر چہ عورت ہو جیسا کہ مسلم کی روایت ہے، طواف کی ابتداء میں حجر اسود کا بوسہ لے اور پھر ہر چکر میں دائیں ہاتھ سے استلام کرے اور پھر اس کا بوسہ لے، اپنی پیشانی اس پر رکھے، چونکہ یہی اتباع سنت ہے جیسا کہ شیخین کی روایت ہے، اگر بوسہ لینے سے عاجز ہو تو اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے، رکنین شامیین (جو کہ حجر اسود کے پاس ہیں) کا استلام نہ کرے، اور نہ ان کا بوسہ لے، چنانچہ بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام فرمایا۔ ہاتھ سے رکن یمانی کا استلام کرے اور اس کا بوسہ نہ لے، چونکہ اس کا بوسہ لینا منقول نہیں۔

طواف کے شروع میں حجر اسود کے مد مقابل ہو کر یہ دعا پڑھے:

بسم الله، والله اكبر اللهم، ايماناً بك وتصديقاً بكتابك ووفاءً بعهدك واتباعًا لسنة بنبيك محمد صلى الله عليه وسلم"

جب کعبہ کے دروازے کے مقابل ہو یہ دعا پڑھے:

اللہ ان البيت بيتك والحرم حرمك والا من امنك وهذا مقام العائذ بك من النار

یا اللہ حقیقت میں گو تیرا ہی گھر ہے، تیرا ہی حرم ہے اور تیرا ہی امن ہے، یہ دوزخ سے تیری پناہ لینے کا مقام ہے۔

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے:

اللهم اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

طواف میں جو چاہے دعا مانگے البتہ ماثور دعا غیر ماثور دعا سے افضل ہے اور قرآن افضل ذکر ہے۔ پہلے تین چکروں میں رمل کرے، ہر اس طواف میں رمل ہوگا جس کے بعد سعی ہو، رمل کا طریقہ یہ ہے کہ طواف کرنے والا تیز تیز چلے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے، بقیہ چار چکروں میں وقار کے ساتھ چلے، چنانچہ شیخین نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف کرتے تو طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلتے اور بقیہ چار چکروں میں آرام سے چلتے" رمل کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهم اجعله حجاً مبروراً وذنباً مغفوراً وسعياً مشكوراً

یا اللہ میرے حج کو حج مبرور بنادے، میرے گناہ بخش دے اور میری سعی و کوشش تو مقبول فرما۔

طواف کے دوران مردوں کو اضطباع کرنا چاہئے ❷ اگر چہ نابالغ بچہ ہی کیوں نہ ہو، شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق سعی میں بھی اضطباع کرے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے، عورت رمل کرے لیکن اضطباع نہ کرے۔

طواف کے چکر پے در پے لگائے تاکہ اختلاف سے نکل جائے چونکہ بعض فقہاء طواف کے چکروں میں تسلسل کو واجب قرار دیتے ہیں، چنانچہ بلا عذر چکروں میں فرق کرنا مکروہ ہے؟ چنانچہ جماعت کا کھڑا ہو جانا عذر ہے، کسی ضروری حاجت کا پیش آ جانا بھی عذر ہے، فرض طواف کا نماز جنازہ یا سنت نماز کے لئے منقطع کرنا مکروہ ہے۔

---

❶......مغنی المحتاج ۱/ ۴۷۸۔ ❷ اضطباع: احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے کے اوپر ڈالنا۔

طواف بیت اللہ کے قریب سے کرے چونکہ بیت اللہ کا شرف اسی کا مقتضی ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بیت اللہ کے قریب قریب سے طواف کرنے میں استلام اور بوسہ لینے میں آسانی ہے، بلا رمل بیت اللہ کا قرب اس کی دوری سے افضل ہے، اور رمل کرتے وقت بیت اللہ سے دور رہنا قرب سے افضل ہے۔

طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھنا مسنون ہے، چنانچہ صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی دو رکعتیں مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی ہیں، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے اپنے مناسک سیکھو پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے، رات کو ان رکعتوں میں جہر کرے، حجر اسود سے طواف میں داخل ہوتے ہی درود شریف اور دعا زیادہ سے زیادہ کرے، نسک کے طواف میں نیت کرنا مسنون ہے، اور وہ طواف جو نسک پر مشتمل نہ ہو اور طواف وداع میں نیت کرنا واجب ہے۔

سوم: سعی کی سنتیں...... ساعی کے لئے مسنون ہے کہ طواف کے خاتمہ پر حجر اسود کا ہاتھ سے استلام کرے (۱) اور دو رکعت نماز پڑھے پھر باب صفا سے نکل کر سعی کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان چلا جائے۔ (۲)

مرد کے لئے مستحب ہے کہ انسان کی طاقت کے بقدر صفا اور مروہ پر چڑھے اور بیت اللہ کو دیکھے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں پہاڑوں پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ کو دیکھا۔ (۳)

جب صفا پر چڑھے یہ کلمات کہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر، وللہ الحمد، اللہ اکبر علٰی ماھدانا، والحمدللہ علٰی ماأولانا، لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد۔ یحیی ویمیت بیدہ الخیر وھوعلٰی کل شیء قدیر

اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ ہی حمد وستائش کا سزاوار ہے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اس نے ہمیں ہدایت دی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اسی نے ہمیں سب نعمتیں عطا کیا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اسی کے ہاتھ میں سب بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر یہ کلمات کہے:

لاالٰہ الااللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لا الٰہ الااللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اور تنہا اس نے لشکروں کو شکست فاش دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، دین کو یکسو ہو کر خالص اسی کے لئے رکھتے ہیں اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو۔

پھر دین و دنیا کے لئے جو چاہے دعا کرے، مذکورہ بالا دعائیں دوسری اور تیسری مرتبہ دہرائے۔ (۴) سعی کرتے وقت ہر چکر کے شروع اور آخر میں وقار سے چلے اور جب میلین اخضرین کے درمیان پہنچے تیز تیز چلے (یہ چال رمل سے تیز ہو)۔ مرد دوڑتے وقت یہ دعا پڑھے:

رب اغفروارحم وتجاوزعما تعلم انك انت الاعز والاكرم

اے میرے رب میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، میرے جن گناہوں کو تو جانتا ہے انہیں معاف فرما بلاشبہ تو عزت اور بزرگی والا ہے۔

چہارم: وقوف عرفہ کی سنتیں...... مسنون ہے کہ امام نو ذی الحجہ کو زوال کے بعد دو خطبے دے، پھر لوگوں کو ظہر اور عصر کی نمازیں قصر کرکے پڑھائے، اور جمع تقدیم کرے یعنی عصر کی نماز کو مقدم کرکے ظہر کے ساتھ اکٹھی پڑھے، پہلے ظہر کی دو رکعتیں پھر عصر کی۔ جیسا کہ امام مسلم

(۱)...... رواہ مسلم۔ (۲) رواہ مسلم، باب صفا رکنین یمانیین کے بالمقابل ہے۔ (۳) رواہ مسلم۔ (۴) رواہ مسلم۔

کی روایت میں ہے۔

غروب آفتاب تک وقوف کرنا مسنون ہے۔ ❶ افضل یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد شفق غروب ہونے تک وقوف کیا جائے۔

حاجیوں کے لئے مسنون ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور زیادہ سے زیادہ دعائیں کریں، اور تکبیر و تہلیل میں مشغول رہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین دعا وہ ہے جو عرفہ کے دن مانگی جائے اور بہترین کلمات وہ ہیں جو میں نے کہے ہیں اور مجھ سے پہلے انبیاء نے بھی کہے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

لا الہ الااللّٰہ وحدہ، لا شریك لہٗ لہ الملك ولہ الحمد، وھو علی کل شئی قدیر

بیہقی میں یہ بھی اضافہ ہے:

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی سمعی نوراً وفی بصری نوراً اللھم اشرح لی صدری ویسرلی امری

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے، وہی سزاوار حمد وستائش ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
یا اللہ میرے دل میں نور عطا فرما، میرے کانوں میں اور آنکھوں میں نور ودیعت کردے، یا اللہ، میرا سینہ کھول دے اور میرا معاملہ آسان فرما۔

کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا سنت ہے، تکلف کرکے دعا میں سجع بندی نہ کی جائے، اگر محفوظ سلامت روی ہو تو سجع بندی میں کوئی حرج نہیں۔ یا بلاقصد بے ساختہ مسجع دعا لبوں پہ جاری ہوگئی تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

کثرت سے تلاوت قرآن مسنون ہے، مستحب ہے کہ عرفہ میں کثرت سے سورۃ حشر تلاوت کی جائے، سورت اخلاص کی قرأت بھی مسنون ہے چنانچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس شخص نے عرفہ کے دن ایک ہزار مرتبہ سورت اخلاص پڑھی وہ جس چیز کا سوال کرے گا وہ اسے ضرور ملے گی۔ ❷

دعا کے دوران ہاتھوں کو اوپر اٹھانا مسنون ہے، طہارت کی حالت میں قبلہ رو ہو کر دعا کرے، جہراً دعا کرنے میں افراط کا شکار نہ ہو۔
راجح قول کے مطابق افضل یہ ہے کہ آدمی سوار ہو کر وقوف کرے، جبل رحمت پر چڑھنے میں کوئی فضیلت نہیں۔

میدان عرفات میں یہ دعائیں پڑھنا مختار ہے:

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار، اللھم انی ظلمت نفسی ظلمًا کثیرًا والا یغفر الذنوب الا انت، فاغفرلی مغفرۃ من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا، یا اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو کوئی بخشنے والا نہیں، میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما بلاشبہ تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے:

اللھم انقلنی من ذل المعصیۃ الی عزالطاعۃ وا کفنی بحلالك عن حرامك واغننی بفضلك عمن سواك ونور قلبی وقبری واھدنی واعذنی من الشر کلہ، واجمع لی الخیر، اللھم انی اسألك الھدیٰ والتقٰی والعفاف والغنی

یا اللہ مجھے معصیت کی ذلت سے اطاعت وفرمانبرداری کی عزت کی طرف منتقل فرما، مجھے حرام سے محفوظ رکھ کر حلال عطا فرما، مجھے اپنے غیر سے اپنے فضل وکرم سے بے نیاز کردے، میرے دل اور میری قبر کو نور سے بھر دے، مجھے ہدایت عطا فرما، مجھے اپنی پناہ عطا فرما ہر قسم کے شر سے،

---

❶ ..... رواہ مسلم۔ ❷ من کتاب الدعوات للمستغفری عن ابن عباس مرفوعاً، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان مواقع میں دعا قبول ہوتی ہے طواف میں، ملتزم کے پاس، میزاب کے نیچے، بیت اللہ، صفا اور مروہ پر، سعی میں مقام ابراہیم پر عرفات میں، مزدلفہ میں اور جمرات کے پاس۔

مجھے ہر طرح کی بھلائی سے نواز، میں تجھ سے ہدایت تقویٰ، پاک دامنی اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔

حاجی کو چاہیے کہ جمیع مومنین کے لئے اپنی دعا میں استغفار کرے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔''یا اللہ حج کرنے والے کی مغفرت فرما اور اس شخص کی بھی مغفرت فرما جس کے لئے حاجی مغفرت طلب کرے۔ ❶

پنجم: وقوف مزدلفہ کی سنتیں......اتباع سنت کی وجہ سے عرفہ سے کوچ کرنے کے بعد مزدلفہ میں رات بسر کرنا واجب ہے، ❷ اگر کوئی شخص رات کے پچھلے نصف حصہ میں مزدلفہ میں وقوف نہیں کر سکا تو اس پر دم واجب ہے، مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز میں جمع کرنا واجب ہے یہ جمع تاخیری ہوگی یعنی مغرب کی نماز موخر کر کے پڑھی جائے گی ❸ چونکہ اتباع سنت کا یہی تقاضا ہے۔ ❹

آدھی رات گزر جانے کے بعد عورتوں اور کمزور لوگوں کو منیٰ کی طرف پہلے سے بھیج دینا مسنون ہے۔ بقیہ لوگ وہیں ٹھہرے رہیں حتیٰ کہ فجر کی نماز اندھیرے اندھیرے میں پڑھیں۔ چونکہ یہی اتباع سنت ہے، ❺ پھر سب لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہو جائیں، مزدلفہ ہی سے رمی جمار کے لئے کنکریاں جمع کر کے لائیں، یہ ستر (۷۰) کنکریاں ہوں گی، چنانچہ بیہقی اور نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن کی صبح کو ان سے فرمایا: میرے لئے کنکریاں چن لو، چنانچہ میں نے آپ کے لئے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن لیں۔'' دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مزدلفہ میں کنکر نما پہاڑ ہے وہاں سے آسانی کے ساتھ کنکریاں مل جاتی ہیں، نیز سنت یہ ہے کہ جب مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آئے تو رمی کے علاوہ دائیں بائیں کوئی اور کام نہ کیا جائے یہ تبھی ممکن ہے جب مزدلفہ ہی سے کنکریاں ساتھ لائی گی ہوں، تا کہ منیٰ پہنچ کر کسی اور کام میں اسے مشغول نہ ہونا پڑے۔

مشعر حرام کے پاس وقوف کرنا مسنون ہے، ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اور خوب سے خوب دعائیں بھی کرے، حتیٰ کہ اچھی طرح روشنی ہو جائے اور قبلہ رو رہے۔ چونکہ اسی میں اتباع سنت ہے۔ ❻ کثرت سے یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

اس کے ساتھ یہ دعا بھی پڑھے:

اللهم كما أوقفتنا فيه وأريتنا اياه فوفقنا لذكرك كما هديتنا واغفر لنا وارحمنا كما وعدتنا بقولك وقولك الحق

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ البقرة ۲/ ۱۹۸-۱۹۹

یا اللہ جس طرح تو نے ہمیں یہاں وقوف کی توفیق عطا فرمائی اور ہمیں یہ مقام دکھایا، اسی طرح ہمیں اپنے ذکر کی توفیق عطا فرما، اور جس طرح تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی، ہماری مغفرت فرما اور ہمارے اوپر رحم کر، جس طرح تو نے اپنے فرمان کے ساتھ ہمارے ساتھ وعدہ کیا اور تیرا فرمان برحق ہے۔''پھر جب تم عرفات سے روانہ ہو تو مشعر حرام (جو مزدلفہ میں واقع ہے) کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے، جبکہ تم اس سے پہلے بالکل ناواقف تھے، اس کے علاوہ تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں اور اللہ سے مغفرت مانگو بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

یہ کلمات بھی پڑھے: الله اكبر ۳ بار لا اله الا الله والله اكبر ولله الحمد

---

❶ رواه الحاكم وقال صحيح الاسناد۔ ❷ رواه الحاكم۔ ❸ مغنی المحتاج ۱/ ۴۹۸۔ ❹ رواه الشيخان۔ ❺ رواه الشيخان عن عائشة۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جن کمزور لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے پہلے ہی روانہ کر دیا تھا ان میں، میں بھی شامل تھا۔
❻ رواه مسلم۔

پھر سارے حاجی وقار وسکون کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے چل پڑیں، ان کی زبانوں پر تلبیہ اور ذکر ہونا چاہئے، طلوع آفتاب تک روانگی کو موخر کرنا مکروہ ہے، وادی محسر سے تیز تیز چلیں برابر ہے حاجی سوار ہوں یا پیادہ۔

ششم: منیٰ میں رمی کی سنتیں...... ہر شخص دس ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور سات کنکریاں مارے، جونہی رمی کرے تلبیہ منقطع کردے۔ منیٰ میں رمی کا یہ پہلا عمل ہوگا اس سے پہلے کوئی اور کام نہ کیا جائے۔

جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جمرہ کے سامنے جائے اور مکہ بائیں طرف ہو اور منیٰ دائیں طرف، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، تلبیہ کی بجائے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے، تکبیر یہ ہے:

الله اکبر الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر ولله الحمد

مسنون ہے کہ دائیں ہاتھ کے ساتھ رمی کرے اور ہاتھ اوپر اٹھا کر رمی کرے تاکہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگے، عورت ہاتھ اٹھا کر رمی نہ کرے اس جمرہ کے پاس رمی کرنے والا دعا کے لئے نہ رکے۔

عید کے دن ان چار امور میں ترتیب قائم کرنا مسنون ہے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی ہو پھر ہدی (قربانی کا جانور) ذبح کی جائے، پھر حلق یا تقصیر کی جائے پھر طواف زیارت، ان افعال کا وقت ۱۰ ذی الحجہ کی نصف رات سے شروع ہوجاتا ہے اور رمی کا وقت قربانی کے آخری دن تک رہتا ہے، ہدی ذبح کرنے کا وقت قربانی کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ حلق، طواف اور سعی کا آخری وقت کوئی نہیں۔

حاجی تشریق کے تین ایام میں ہر جمرہ کی رمی کرے اور سات سات کنکریاں مارے، یہ دن ۱۱ ذی الحجہ اور ۱۲ ذی الحجہ کے دن میں، زوال آفتاب کے بعد ہر دن غروب آفتاب تک رمی کی جائے پہلے جمرہ سے ابتدا کی جائے پھر درمیانی جمرہ کی پھر جمرہ عقبہ کی جو کہ منیٰ میں نہیں بلکہ منیٰ کی حد اس پر ختم ہوجاتی ہے۔

مسنون یہ ہے کہ چھوٹی کنکری ماری جائے، کنکری پورے سے کم لمبی اور باقلا (لوبیا) کے برابر چوڑی ہونی چاہئے، اگر اس سے بڑی کنکری یا چھوٹی کنکری ماری تو مکروہ ہے البتہ کافی ہوگی۔

چوتھا مذہب......حنابلہ مذہب

ارکان حج...... ① حج کے چار ارکان ہیں۔

۱......احرام باندھنا، احرام محض نیت کرلینے سے منعقد ہوجاتا ہے۔

۲......وقوف عرفہ اور طواف زیارت، اگر طواف زیارت چھوڑ دیا اور مکہ سے روانہ ہوگیا تو عمرہ کی نیت سے واپس آئے۔

۴......صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

ارکان عمرہ......عمرہ کے تین ارکان ہیں:

۱......احرام ۲......طواف ۳......اور سعی

چنانچہ جس شخص نے ایک رکن بھی ترک کیا اس کا حج اور عمرہ صحیح نہیں ہوگا، یا یوں کہہ لیجئے کہ حج کے مناسک رکن سے ہی تمام ہوتے ہیں، جس نے احرام ترک کیا اس کا حج منعقد نہیں ہوگا۔

حج کے واجبات......حج کے سات واجبات ہیں:

① ......کشاف القنا ۲/۶۰۵ غایة المنتهی ۱/۴۲۱ الحجر فی الفقه الحنبلی لابن تیمیة ص ۲۴۲۔

۱.....میقات سے احرام باندھنا
۲.....دن کے وقت عرفات میں وقوف کرنا
۳.....نصف رات کے بعد مزدلفہ میں رات گزارنا
۴.....منیٰ میں رات گزارنا
۵.....جمرات کی رمی کرنا
۶.....حلق یا تقصیر
۷.....طواف وداع

عمرہ کے واجبات.....عمرہ کے واجبات دو ہیں:

۱.....حلق یا تقصیر
۲.....حل یا میقات سے احرام باندھنا

اگر کسی شخص نے بھول کر یا عذر کی وجہ سے واجب ترک کر دیا تو اس پر دم واجب ہوتا ہے، اگر دم دینے سے عاجز ہو تو دس دن کے روزے رکھے۔

سنن.....عرفہ کی رات منیٰ میں رات گزارنا، طواف قدوم، رمل، اضطباع، تلبیہ، حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام، حجر اسود کا بوسہ لینا، پیدل چلنا، خطبے دینا، اذکار وادعیہ پڑھنا، صفا اور مروہ میں چڑھنا، غسل کرنا، بدن پر خوشبو لگانا، احرام سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا، طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا اور رمی کے وقت قبلہ رو ہونا۔

سنن کے چھوڑنے میں کوئی جرمانہ نہیں البتہ نذر کی صورت میں واجب ہے۔

احرام کی سنن.....غسل کرنا، یا عذر و عجز کے وقت تیمم کرنا جیسا کہ غایۃ المنتھی میں ذکر کیا گیا ہے، بال کٹوانا، ناخن کاٹنا، بدبو کو دور کرنا، مشک، عود یا گلاب کی خوشبو لگانا، عورت کا مہندی لگانا۔

ازار اور چادر سفید رنگ کے جو صاف ستھرے ہوں، اور جوتے، یہ دو کپڑے مرد پہنے اور سلے ہوئے کپڑے اتارنے کے بعد پہنے، فرض نماز یا دو رکعتوں کے بعد احرام پہنے۔

احرام کے بعد تلبیہ پڑھنا اور زیادہ سے زیادہ پڑھنا، جہاں بھی اوپر چڑھے یا نیچے اترے، فرض نمازوں کے بعد، رات آنے پر اور دن کے ختم ہونے پر تلبیہ پڑھے، قافلوں سے ملتے وقت اور با آواز بلند پڑھے، البتہ زیادہ اونچی آواز سے نہ پڑھے کہ تکلیف ہونے لگے (مثلاً گلا خراب ہو جائے) تلبیہ کے بعد دعا کرنا مسنون ہے، اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے، دوزخ سے پناہ مانگے، جو چاہے اللہ سے مانگے، تلبیہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مسنون ہے، چونکہ تلبیہ کے بعد ذکر اللہ مشروع ہے لہٰذا درود بھیجنا بھی مشروع ہے۔

جیسے نماز، تلبیہ کے بعد دعا اور درود بلند آواز سے نہ پڑھے، چونکہ بلند آواز پر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی، عورت کے لئے بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا مکروہ ہے البتہ اتنی آواز بلند کرے جیسے اس کی سہیلی سن پائے، بیت اللہ کا طواف کرنے والے کے لئے بھی تلبیہ مکروہ ہے۔

بالاجماع تلبیہ کے کلمات یہ ہیں:

لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك

اس پر زیادہ کرنا مستحب ہیں، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا ہی منقول ہے۔

جو شخص عربی میں تلبیہ پڑھنے کی قدرت رکھتا ہو وہ دوسری زبان میں نہیں پڑھ سکتا، چونکہ تلبیہ ذکر مشروع ہے، اگر عربی میں تلبیہ پڑھنے سے عاجز ہو تو اپنی زبان میں تلبیہ پڑھے جیسے نماز کے لئے تکبیر اپنی زبان میں کہی جا سکتی ہے۔

طواف کی سنتیں.....دائیں ہاتھ سے حجر اسود کا استلام کرنا، اس کا بوسہ لینا، اضطباع، پہلے تین چکروں میں رمل کرنا، دعا کرنا، ذکر کرتے رہنا، بیت اللہ کے قریب سے طواف کرنا، طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا، بیت اللہ کے قریب سے طواف کرنے میں رمل کرنا اولیٰ

ہے،طواف زیارت کے علاوہ طواف میں رمل کرنا اور اضطباع کرنا مسنون نہیں۔

اگر حجر اسود کا بوسہ لینا مشکل ہو تو ہاتھ سے استلام کرے اور ہاتھ کا بوسہ لے لے، اگر استلام کرنا بھی مشکل ہو تو ہاتھ سے یا کسی اور چیز سے استلام کرے اور اس کا بوسہ نہ لے۔

حجر اسود کی طرف رخ کرنا مسنون ہے، اور حجر اسود کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھے:

بسم الله الله اکبر، اللهم ایماناً لك وتصدیقاً بکتابك ووفاءً بعهدك واتباعًا
لسنة نبیك محمد صلی الله علیه وسلم

جب بھی استلام کرے یہ دعا ضرور پڑھے، اس دعا کے ساتھ یہ کلمات بھی پڑھے:

الله اکبر الله لااله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد

طواف کرنے والا بایاں پہلو بیت اللہ کی سمت رکھے، رکن یمانی کا استلام کرے، رکن یمانی کا استلام ہر چکر میں ہوگا، رکن شامی اور رکن غربی کا استلام نہ کرے۔ (۱)

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

بقیہ طواف میں یہ دعا پڑھے:

اللهم اجعله حجا مبرورًا، وسعیًا مشکورًا وذنبًا مغفورًا ربنا اغفر وارحم
واهدنی السبیل الاقوم، وتجاوز عما تعلم وأنت الا عز الاکرم

اس کے علاوہ جو ذکر اور جو دعا چاہے کرتا رہے۔

سعی کی سنتیں.....جیسا کہ شافعیہ کے ہاں مذکور ہے کہ سعی کے لئے باب صفا سے نکلے، (۲) باب صفا پہاڑ ابوقبیس کے پاس ہے، مرد صفا پہاڑی پر چڑھے تا کہ بیت اللہ کو دیکھ لے، پہاڑ پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف منہ کرے، تین بار تکبیر کہے اور تین بار یہ کلمات پڑھے:

الحمدلله علی ما هدانا لااله الاالله وحده لا شریك له......الخ

یہ دعا پہلے کئی بار ذکر کی جا چکی ہے۔ پھر جو چاہے دعا مانگے پھر صفا سے نیچے اترے پھر میلین اخضرین کے درمیان دوڑ لگائے، پھر مروہ پر چڑھے اور اس پر جا کر وہی اذکار پڑھے جو صفا پر پڑھے تھے، عورت پہاڑوں پر نہ چڑھے اور نہ ہی دوڑ لگائے۔

خلاصہ.....سعی کی سنتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ طہارت ہو، ستر عورت ہو، ذکر، دعا، تیز چلنا، پہاڑی پر چڑھنا، چکروں میں تسلسل کا ہونا، طواف کے بعد سعی کا ہونا، اگر ایک دن طواف کیا اور دوسرے دن سعی کی اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

وقوف عرفہ کی سنتیں.....جیسا کہ شافعیہ کے ہاں مذکور ہے کہ وقوف عرفہ کی اہم سنت نمرہ میں امام کا خطبہ دینا ہے، مختصر خطبہ دے، تکبیر سے ابتدا کرے، خطبہ میں وقوف کے متعلق بتائے اور اس کے وقت کی تعلیم دے، یہاں سے کوچ کرے، مزدلفہ میں رات گزارنے اور نماز ظہر اور عصر کو جمع کرنے کے متعلق بتائے۔

سوار ہو کر وقوف کرنا مسنون ہے بخلاف حج کے بقیہ مناسک کے، یعنی بقیہ مناسک پیدل کرنا مسنون ہیں، جبل رحمت کے نیچے بڑی

---

(۱).....پہلے رکن جس کے پاس سے طواف کرنے والا گزرتا ہے اسے رکن شامی کہتے ہیں جو کہ شام کی طرف سے ہے اسے عراقی بھی کہتے ہیں اس کے ساتھ رکن غربی ہے مغرب کی طرف ہے پھر رکن یمانی ہے جو یمن کی طرف ہے۔ (۲) غایة المنتهی ۱/۴۰۴۔

چٹانوں کے پاس قبلہ رو ہو کر وقوف کرنا مسنون ہے جبل رحمت پر چڑھنا مشروع نہیں، رفع یدین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دعا کرے، کثرت سے استغفار تضرع، خشوع، عاجزی کا اظہار، محتاجی، آہ وزاری اور دعا میں خوب گڑگڑائے، یہ کلمات کثرت سے پڑھے:

لاالٰه الاالله وحده لا شريك له'...... الخ

جو چاہے دعا مانگے، دعا کے ساتھ روئے یہی آنسو بہانے کا مقام ہے اور یہیں گناہوں کو کم کیا جا سکتا ہے۔

وقوف مزدلفہ کی سنتیں......۹ ذی الحجہ کے دن غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کی طرف کوچ کرنا، نہایت سکون اور استغفار کرتے ہوئے کوچ کرنا۔ اس بات کا علم رکھتے ہوئے کہ نصف رات کے بعد مزدلفہ میں ٹھہرنا واجب ہے، مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز میں جمع کرنا اور یہ جمع تاخیر ہوگی، صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنا، پھر مشعر ❶ حرام میں آجانا، اس کے پاس وقوف کرے اور تحمید وتکبیر اور دعا زیادہ سے زیادہ کرے، اور یہ دعا پڑھے جیسا کہ شافعیہ کے مذہب میں مذکور ہو:

"''اللهم'' كما وفقنا فيه واريتنا اياه فوفقنا لذكرك كما هديتنا......الخ

وادی محسر سے تیز تیز چلنا مسنون ہے خواہ پیدل ہو یا سوار ہو۔ حاجی مزدلفہ سے رمی کے لئے ستر کنکریاں چن لائے کنکریاں چنے سے بڑی اور غلیلے سے چھوٹی ہوں، منی سے کنکریاں چنا مکروہ ہے اسی طرح بقیہ حرم سے بھی کنکریاں چنا مکروہ ہیں، نجس کنکری کے سوا باقی کنکریاں دھونا مکروہ ہے البتہ نجس کنکری کافی ہوگی لیکن اس میں کراہت ہے۔

منیٰ میں رمی کی سنتیں......جمرہ عقبہ سے رمی کی ابتدا کرنا اور سات کنکریاں مارنا مسنون ہے، جمرہ عقبہ کی رمی منیٰ کا پہلا کام ہے، اشراق کے بعد رمی کرنا مستحب ہے، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور یہ دعا پڑھے:

اللهم اجعله حجًا مبرورًا وذنبًا مغفورًا وسعيًا مشكورًا......الخ

قبلہ کی طرف منہ کرے، دائیں طرف سے رمی کرے، ہاتھوں کو اوپر اٹھائے حتیٰ کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگے، جمرات کے پاس وقوف نہ کرے، بلکہ چلتے چلتے رمی کرے، اوپر سے رمی کرے، رمی کی ابتدا کرتے ہی رمی کو منقطع کر دے۔

صدی ذبح کرنے کے بعد حلق کرنا مسنون ہے، حلق تقصیر سے افضل ہے، دس ذی الحجہ کو چار چیزوں میں ترتیب قائم کرنا مسنون ہے پہلے رمی کرے پھر قربانی، پھر حلق پھر طواف، جیسا کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں بیان کیا ہے، اگر بھول کر یا سنت سے جاہل ہونے کی وجہ سے ترتیب بدلی تو اکثر علماء کے قول کے مطابق اس پر دم نہیں ہوگا، اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اگر کسی شخص نے حلق کو رمی پر مقدم کر دیا یا حلق کو قربانی پر مقدم کر دیا تو دم واجب آئے گا۔

حج کا احرام کھولنے کے بعد ناخن کاٹنا، مونچھیں کاٹنا، بغلوں کے بال صاف کرنا، ناک کے بال اکھاڑنا زیر ناف بال صاف کرنا، اور خوشبو لگانا مسنون ہے۔

عرفہ کے دن خطبہ دینا مسنون ہے، قربانی کے دن منیٰ میں امام کا ایک خطبہ دینا مستحب ہے یہ خطبہ تکبیر سے شروع کرے اس میں قربانی، طواف زیارت اور رمی کی تعلیم دے۔

ایام تشریق میں ظہر کی نماز سے پہلے جمرات کی رمی کرنا مسنون ہے، جمرہ اولیٰ جو کہ مسجد خیف سے ملا ہے اس سے ابتداء کرنا واجب ہے۔ اس جمرہ کی رمی کرتے وقت قبلہ رو ہو اور جمرہ کو بائیں طرف رکھے، اور رمی کرے پھر تھوڑا آگے بڑھ جائے ہو سکتا ہے کنکری نہ پہنچنے پائے، پھر وقوف کرے اور ہاتھ اٹھا کر طویل دعا کرے۔

---

❶......مشعر حرام مزدلفہ میں چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے جبل قزح کہتے ہیں۔ پورے مزدلفہ کو مشعر کہا جاتا ہے۔

پھر جمرہ وسطیٰ کی رمی کرے اس جمرہ کو دائیں طرف رکھے اور قبلہ رو ہو، پھر وقوف کرے اور دعا کرے، پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور اس جمرہ کو دائیں جانب رکھے اور قبلہ رو ہو کر رمی کرے، اس کے پاس نہ ٹھہرے کنکریاں مارنے میں ترتیب رکھنا شرط ہے۔

ایام تشریق میں سے دوسرے دن امام کا خطبہ دینا مستحب ہے، اس خطبہ میں امام تعجیل، تاخیر، مکہ سے رخصت ہونے وغیرھا کی تعلیم دے، امام کے علاوہ بقیہ لوگوں کے لئے دوسرے دن جلد بازی کرنا جائز ہے، یہ پہلی روانگی ہوگی، اگر حاجی منیٰ میں ہو اور آفتاب غروب ہو جائے تو یہیں رات گزارنا اور دوسرے دن صبح کو رمی کرنا لازمی ہے، جو شخص جلدی میں ہو اس سے دوسرے دن کی رمی ساقط ہے اور ماری جانے والی کنکریاں اس جگہ دفن کردے جہاں ان کو مارا جانا تھا۔

جب منیٰ سے روانہ ہو تو ابطح یعنی وادی محصب میں اترنا مسنون ہے یہ دو پہاڑوں کے درمیان قبرستان تک کا علاقہ ہے، اس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھے، پھر تھوڑی دیر کے لئے سو جائے اور پھر مکہ میں داخل ہو۔

مختلف مذاہب کے مطابق اعمال حج کے اہم احکام کا نقشہ

نمبر شمار	اعمال حج	مذہب حنفیہ	مذہب مالکیہ	مذہب شافعیہ	مذہب حنابلہ
		فرض علی الفور علی المستطیع	فرض علی الفور	فرض علی التراخی	فرض علی الفور
۱	حج کا حکم	سنت موکدہ	سنت موکدہ	فرض علی التراخی	فرض علی الفور
۲	عمرہ کا حکم	شرط	رکن	رکن	رکن
۳	احرام حج یعنی نیت	شرط	رکن	رکن	رکن
۴	احرام عمرہ یعنی نیت	واجب	واجب	واجب	واجب
۵	میقات سے احرام باندھنا	واجب	واجب	سنت	سنت
۶	احرام کے ساتھ تلبیہ ملا کر پڑھنا	سنت	سنت	سنت	سنت
۷	احرام کے لیے غسل	سنت	سنت	سنت	سنت
۸	احرام کے لیے خوشبو لگانا	واجب	واجب	سنت	سنت
۹	تلبیہ	سنت	واجب	سنت	سنت
۱۰	مفرد اور قارن کے لیے طواف قدوم	شرط	واجب	سنت	سنت
۱۱	طواف کی نیت	واجب	واجب	شرط	شرط
۱۲	حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرنا	واجب	شرط	شرط	شرط
۱۳	طواف کرنے والے کا بیت اللہ کو بائیں طرف رکھنا	واجب	واجب	سنت	شرط
۱۴	طواف میں چلنے کی قدرت رکھنے والے کیلئے پیدل چلنا				
۱۵	طواف میں غسل اور وضو کی طہارت کا ہونا	واجب	شرط	شرط	شرط
۱۶	بدن، کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا	سنت	شرط	شرط	شرط
۱۷	طواف کا حطیم یا حجر اسود سے باہر ہونا	واجب	شرط	شرط	شرط

۱۸	طواف کا مسجد میں ہونا	شرط	شرط	شرط	شرط
۱۹	طواف کے سات چکر	واجب	شرط	شرط	شرط
۲۰	طواف کے چکروں میں تسلسل کا ہونا	سنت	واجب	سنت	واجب
۲۱	طواف میں ستر عورت	واجب	شرط	شرط	شرط
۲۲	طواف کی دو رکعتیں	واجب	واجب	سنت	سنت
۲۳	عمرہ کا طواف	رکن	رکن	رکن	رکن
۲۴	صفا اور مروہ کے درمیان سعی	واجب	رکن	رکن	رکن
۲۵	طواف کے بعد سعی کا ہونا	واجب	واجب	شرط	شرط
۲۶	سعی کی نیت	واجب	شرط	شرط	شرط
۲۷	سعی کی ابتدا صفا سے کرنا اور مروہ پر ختم کرنا	واجب	شرط	شرط	شرط
۲۸	جو پیدل چل سکتا ہو اس کا پیدل چل کر سعی کرنا	واجب	واجب	سنت	شرط
۲۹	سعی کے سات چکروں کا ہونا	واجب	شرط	شرط	شرط
۳۰	سعی کے چکروں میں تسلسل کا ہونا	سنت	شرط	سنت	شرط
۳۱	عمرہ میں حلق یا تقصیر	واجب	واجب	مشہور قول کے مطابق رکن	واجب
۳۲	عرفہ کی رات منیٰ میں گذارنا	سنت	سنت	سنت	سنت
۳۳	وقوف عرفہ	رکن	رکن	رکن	رکن
۳۴	وقوف عرفہ کا وقت	بالاتفاق ۹ ذی الحجہ زوال کے بعد تا ۱۰ ذی الحجہ طلوع فجر			
۳۵	اگر دن کو وقوف ہو تو غروب کے بعد وقوف کا امتداد	واجب	واجب	سنت	واجب
۳۶	عرفہ سے امام یا اس کے نائب کے ساتھ روانہ ہونا	واجب	واجب	سنت	سنت
۳۷	مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرنا	واجب	سنت	سنت	سنت
۳۸	وقوف مزدلفہ	واجب اگرچہ فجر کے بعد لمحہ بھر کے لیے ہو	واجب اتنی ہے کہ جتنے وقت میں پالان اتار لیا جائے اور نمازیں جمع کر کے پڑھی جائیں اور کھا پی لیا جائے رات گزرنا مستحب ہے	واجب اگرچہ رات کے دوسرے نصف حصہ میں لمحہ بھر کے لیے ہو	رات گزارنا واجب ہے یعنی رات کا دوسرا نصف

۳۹	مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس فجر سے اشراق تک وقوف کرنا	مستحب	سنت	سنت	سنت
۴۰	قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی	واجب	واجب	واجب	واجب
۴۱	حج میں حلق یا تقصیر (بال کٹوانا)	واجب	واجب	رکن	واجب
۴۲	رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب قائم کرنا	واجب	سنت	سنت	سنت
۴۳	طواف زیارت	اکثر چکر مثلاً ۴ رکن ہیں	رکن	رکن	رکن
۴۴	طواف زیارت کا قربانی کے ایام میں ہونا	واجب	ذی الحجہ میں واجب ہے	سنت	عید کے دن سنت ہے
۴۵	جمرہ عقبہ کے بعد طواف زیارت کرنا	سنت	واجب	سنت	سنت
۴۶	ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی کرنا	واجب	واجب	واجب	واجب
۴۷	رات تک رمی کو مؤخر نہ کرنا	سنت	واجب	سنت	ساقیوں اور راعیوں کے علاوہ پر واجب ہے ساقی اور راعی دن یا رات میں موقع ملنے پر کریں
۴۸	ایام تشریق میں منیٰ میں رات گزارنا	سنت	چرواہوں اور ساقیوں کے علاوہ کے لیے	چرواہوں اور ساقیوں کے لیے واجب	واجب
۴۹	طواف وداع	واجب	واجب	واجب	واجب
۵۰	ایام تشریق میں عمرہ کرنا	مکروہ تحریمی	مندوب غیر صحیح حتیٰ کہ چوتھے دن کی رمی کے بعد غروب آفتاب تک	واجب اعمال حج کے ختم کرنے کے بعد صحیح ہے	واجب بلا کراہت صحیح ہے واجب
۵۱	جمرات کی رمی میں ترتیب قائم کرنا یعنی پہلے جمرہ اولیٰ کی رمی پھر وسطیٰ کی پھر عقبہ کی	سنت	واجب	واجب	واجب

پانچویں بحث......ارکان حج وعمرہ

ارکان حج......ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک حج کے صرف دو رکن ہیں وقوف عرفہ اور طواف زیارت، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار ارکان ہیں، احرام، وقوف عرفہ، طواف زیارت اور سعی، شافعیہ کے نزدیک حج کے پانچ ارکان ہیں احرام، وقوف عرفہ، طواف، سعی اور حلق یا تقصیر۔

ارکان عمرہ......حنفیہ کے نزدیک عمرہ کا ایک ہی رکن ہے اور وہ طواف بیت اللہ ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین ارکان ہیں احرام، طواف اور سعی، جبکہ شافعیہ کے نزدیک عمرہ کے چار ارکان ہیں، احرام، طواف، سعی اور حلق یا تقصیر۔

ملاحظہ......حلق یا تقصیر، شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک واجب ہے، رکن ہیں۔

میں ان امور کی تفصیلاً بحث کروں گا۔

پہلا مقصد......احرام

احرام کی حقیقت......احرام کی حقیقت حرمت میں داخل ہونا ہے، یہاں احرام سے مراد اعمال حج یا عمرہ میں داخل ہونے کی نیت ہے، یا مخصوص حرمتوں میں داخل ہونا یعنی اس کا التزام کرنا ہے، جب احرام تمام ہو جائے پھر جن اعمال کے لئے احرام باندھا ان کے کئے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتا، اگر احرام فاسد کر دیا تو اس کی قضاء واجب ہوگی، اگر وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو عمرہ سے اسے تمام کیا جائے، اگر حاجی محصر (روک دیا گیا اس پر آگے بڑھنے پر پابندی لگادی گئی) ہو گیا اور حج مکمل کرنے سے اسے روک دیا گیا تو ہدی ذبح کرے اور حج کی قضاء کرے۔

اس مقصد میں مندرجہ ذیل امور پر گفتگو ہوگی، وہ امور جن سے کوئی شخص محرم ہو جاتا ہے، احرام کی کیفیت، فلاں کی طرح احرام کا ہونا (کسی کے احرام پر اپنے احرام کو معلق کرنا) احرام کی جگہ، احرام کا زمانہ، احرام باندھنے والا کیا کرے، حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام، احرام کے ساتھ احرام کا اضافہ، عمرہ کو حج میں داخل کرنا اور اس کے برعکس یعنی حج کو عمرہ میں داخل کرنا اور احرام فسخ کرنا۔

پہلی چیز......اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب حج یا عمرہ کی نیت کی قول وفعل سے نیت کو ملالیا جو کہ احرام کی خصوصیت ہے تو اس سے محرم ہو جائے گا، یعنی حج کی نیت کرتے ہوئے تلبیہ کہے یا عمرہ کی نیت ہو یا دونوں کی۔

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے راجح قول کے مطابق احرام محض نیت سے منعقد ہو جاتا ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک تلبیہ ترک کرنے سے دم واجب ہوگا۔ نیت کے سلے ہوئے کپڑوں کو اتار دینا احرام کے ساتھ میں سے ہے۔ رہی بات قول وفعل (تلبیہ اور احرام باندھنے سے) کو نیت سے ملالینے کی تو حنفیہ کہتے ہیں، محض نیت کر لینا احرام کی شروعات میں سے نہیں ہے جب تک کہ تلبیہ نہ کہے، یعنی احرام کا ثبوت محض نیت سے نہیں ہوتا جب تک نیت کے ساتھ قول وفعل کا اقتران نہ ہو اور یہ احرام کی خصوصیات اور اس کے دلائل میں سے ہے، حنفیہ کے نزدیک نیت حج کا رکن نہیں، بلکہ شرط ہے، چنانچہ جب نیت کرتے ہوئے تلبیہ کہا تو حنفیہ کے نزدیک محرم ہو گیا۔

مالکیہ......احرام ایسی نیت سے منعقد ہوتا ہے جو قول وفعل سے ملی ہو اور وہ قول وفعل حج کے متعلق ہو جیسے تلبیہ اور راستے پر چل پڑنا،

لیکن مالکیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ محض نیت سے احرام منعقد ہو جاتا ہے، تلبیہ چھوڑنے کی صورت میں دم لازم ہوگا، نیت کے وقت سلے ہوئے کپڑوں کو اتارنا لازمی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ..... احرام یہ ہے کہ اعمال حج میں داخل ہونے کی نیت کی جائے، احرام بغیر نیت کے منعقد نہیں ہوتا اگر صرف نیت کی اور تلبیہ نہ کہا تو بھی کافی ہے، اگر بغیر نیت کے تلبیہ کہہ دیا تو احرام منعقد نہیں ہوگا، تلبیہ کے ساتھ نیت کا ملانا شرط نہیں، چونکہ تلبیہ اذکار میں سے ہے، لہٰذا تلبیہ حج میں بقیہ اذکار کی طرح واجب نہیں ہوگا۔

حاصل..... یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک احرام نیت سے منعقد ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک محض نیت کر لینے سے احرام منعقد نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ نیت قول و فعل (تلبیہ اور راستے پر چل پڑنا وغیرہ) کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ (۱)

احرام نیت کے بغیر صحیح نہیں اس کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ ”اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔“ (۲) عقلی وجہ یہ ہے کہ حج عبادت محضہ ہے لہٰذا نیت کے بغیر صحیح نہیں جیسے نماز اور روزہ۔

نیت کا محل..... نیت کا محل: دل ہے، اور احرام دل کی نیت کو کہتے ہیں، اکثر علماء کے نزدیک نیت کا نطق کر لینا افضل ہے، چونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ کہ ”**لبيك بحجة وعمرة**“ میں حج وعمرہ کا تلبیہ کہتا ہوں۔ (۳)

نیت کے الفاظ..... ان الفاظ میں نیت کرے:

نويت الحجه او العمرة واحرمت به اوبها الله تعالٰى

یا یوں کہے:

اللهم انى اريد الحج او العمرة فيسره لى وتقبله منى

اور جب قران کا ارادہ کرے تو یوں کہے:

اللهم انى اريد والعمرة والحج

پھر حنفیہ کے نزدیک نماز کے بعد تلبیہ کہنا واجب ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد تلبیہ کہا ہے، جمہور کے نزدیک نیت کے ساتھ تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

اگر کسی دوسرے شخص کی طرف سے حج یا عمرہ کر رہا ہو تو ان الفاظ میں نیت کرے:

نويت الحج او العمرة عن فلان واحرمت به اوبها الله تعالٰى

اگر حج افراد کرنا چاہتا ہو تو تلبیہ میں حج کی نیت کرے، چونکہ حج عبادت ہے اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔

تلبیہ کے کلمات..... سابقہ بحث میں گذر چکا ہے تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

لبيك اللهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك

یہ تلبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، ان کلمات میں سے کسی لفظ کو چھوڑنا جائز نہیں، چونکہ یہ کلمات راویان کے اتفاق سے

---

(۱)..... البدائع ۱۶۱/۲، فتح القدير ۱۳۴/۲، اللباب ۱۷۹/۱ القوانين الفقهيه ص ۱۳۱ الشرح الصغير ۱۶/۲ مغنى المحتاج ۴۷۱/۱ المهذب ۲۰۴/۱ غاية المنتهى ۳۶۵/۱ المجموع ۲۲۶/۷ المغنى ۲۸۱/۳۔ (۲) رواه البخارى ومسلم عن عمر رضى الله تعالىٰ عنه۔ (۳) رواه مسلم۔

منقول ہیں، لہٰذا ان میں کمی نہیں کی جائے گی، اگر ان میں اضافہ کر دیا تو بلا کراہت جائز ہے۔

دوسری چیز: احرام کی کیفیت، تعیین، اطلاق، احالہ اور شرط لگانا......افضل یہ ہے کہ محرم حج یا عمرہ یا دونوں کی تعیین کرے، مطلق حج سے تعیین افضل ہے، ❶ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو معین مناسک کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص حج اور عمرہ کا احرام باندھنا چاہے وہ احرام باندھ لے، جو صرف حج کا احرام باندھنا چاہتا ہے وہ بھی باندھ لے اور جو شخص صرف عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہے وہ بھی باندھ لے۔ ❷

حنفیہ......حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کسی شخص نے حج کا احرام باندھا اور اس نے حج اسلام کی تعیین نہ کی حالانکہ اس پر حج اسلام واجب ہو تو استحساناً حج اسلام واقع ہوگا، چونکہ ظاہری حالت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نے احرام باندھا ہے تو نفل حج کے لئے احرام نہیں باندھا ہوگا، کہ فرض حج اس کے ذمہ میں باقی رہے، لہٰذا اس کے حال کی دلالت کی وجہ سے اس کے حج کو حج اسلام قرار دیا جائے گا، لہٰذا مطلق ہونے کی صورت میں تعیین ہوگی، جیسے رمضان کے روزہ میں ہوتا ہے، اور اگر نفلی حج کی نیت کی تو نفلی حج ہوگا، چونکہ حال کی دلالت تعیین کے ہوتے ہوئے سود مند نہیں ہوتی۔

شافعیہ......بھی حنفیہ کی طرح رائے رکھتے ہیں کہ انعقاد حج کے لئے تعیین شرط نہیں، اگر کسی شخص کے ذمہ فرض حج ہو اور وہ فرض حج کے لئے احرام باندھے تو فرض حج ہوگا۔

معین کر کے احرام منعقد ہو جاتا ہے یعنی حج کی نیت کرے یا عمرہ کی نیت کرے یا دونوں کی نیت کرے یہ بالاجماع ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث بھی ہے، اسی طرح مطلق کی صورت میں بھی منعقد ہو جاتا ہے، مثلاً تین اقسام حج عمرہ یا دونوں کی نیت کرے، یا صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرے کہ "میں نے احرام باندھا" اس کی دلیل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ گھروں سے نکلے اور احرام باندھا پھر وحی کے انتظار میں رہے، چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ جس شخص کے پاس ہدی کا جانور نہ ہو وہ اپنے احرام کو عمرہ کے لئے مقرر کرے اور جس شخص کے پاس ہدی ہو وہ اپنے احرام کو حج کے لئے بنا دے۔

مطلق احرام کی صورت میں، حنفیہ...... کہتے ہیں جب تک بیت اللہ کے طواف کا ایک چکر نہیں لگایا تو حج و عمرہ میں سے جسے چاہے کر گزرے، اگر ایک چکر لگا لیا تو اس کا احرام عمرہ کے لئے ہوگا، چونکہ طواف عمرہ کا رکن ہے جبکہ طواف قدوم سنت ہے، لہٰذا طواف کو عمرہ کا رکن قرار دینا اولیٰ ہے جبکہ عمرہ جس طرح قصد و ارادہ کرنے سے متعین ہو جاتا ہے اس طرح فعل سے بھی متعین ہو جاتا ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں، جس شخص نے نیت احرام کو مبہم رکھا اور حج و عمرہ میں سے کسی چیز کی تعیین نہ کی تو اس کی تعیین کو حج کے لئے مقرر کرنا مستحب ہے اور حج افراد ہوگا، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی نیت کو حج قران کی طرف پھیرا جائے چونکہ یہ دو طرح کے اعمال پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے بھولنے والا یہی تعین کر سکتا ہے۔

شافعیہ و حنابلہ...... کہتے ہیں جس شخص نے حج کے مہینوں میں مطلق احرام باندھا تو مناسک میں سے جس کی چاہے تعیین کرے، پھر اعمال میں مشغول ہو، اگر کسی شخص نے طواف کیا پھر طواف کو حج کے لئے قرار دیا تو اس کا طواف شافعیہ کی نزدیک طواف قدوم ہوگا، اگر حج کے مہینوں کے علاوہ میں احرام و مطلق رکھا تو شافعیہ کے نزدیک احرام عمرہ کا منعقد ہوا مشہور قول کے مطابق اسے حج کا نہیں قرار دیا جا سکتا۔

---

❶......البدائع ۱۶۳/۲، الشرح الصغیر ۲۵/۲، المہذب ۲۰۵/۱ مغنی المحتاج ۴۷۶/۱ المغنی ۲۸۴/۳۔ ❷متفق علیه عن عائشه رضی الله تعالی عنها (نیل الاوطار ۳۰۸/۴)

حنابلہ کے ہاں اولیٰ وافضل یہ ہے کہ احرام کو عمرہ کا قرار دیا جائے چونکہ اگر احرام حج کو مہینوں کے علاوہ میں ہو تو احرام کو حج کا قرار دینا مکروہ ہے یا ممنوع ہے، کراہت کا قول حنابلہ کے نزدیک زیادہ راجح ہے، اگر احرام مطلق حج کے مہینوں میں ہو تو عمرہ کا قرار دینا زیادہ مناسب ہے، چونکہ حنابلہ کے نزدیک حج تمتع افضل ہے، چونکہ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی قسم کا احرام باندھا جس قسم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اس احرام کو عمرہ کا احرام قرار دو۔

احرام کو کسی دسرے کے احرام کے ساتھ معلق کرنا یا احرام کو مبہم رکھنا...... احرام کو مبہم رکھنا صحیح ہے، مثلاً کوئی شخص اس طرح احرام باندھے کہ جس طرح فلاں نے احرام باندھا ہے اسی قسم کا احرام اس کا بھی ہو، اس کی دلیل حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کس قسم کا احرام باندھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اسی قسم کا احرام باندھا ہے جس قسم کا احرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے، فرمایا: بہت اچھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کی سعی کی پھر فرمایا: حلال ہو جاؤ۔ [1] اگر فلاں شخص جس کا احرام مشروط ہوا اس نے احرام نہ باندھا ہو تو شرط لگانے والے کا احرام مطلق ہوگا، اگر موت کی وجہ سے اس کے احرام کی معرفت دشوار ہو تو احرام کا حکم بھول جانے والے کے حکم کی طرح ہوگا۔

بھول جانے کا حکم...... جب کسی شخص نے مناسک کے لئے احرام باندھا پھر تعیین بھول گیا کہ آیا حج کی تعیین کی تھی یا عمرہ کی یا دونوں کی اور یہ کیفیت طواف سے پہلے پیش آئے تو حنابلہ کے نزدیک جس کی چاہے تعیین کرے، جبکہ مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک حج قران ہوگا، چونکہ وہ یقینی طور پر احرام کے ساتھ متصل ہو چکا ہے، لہٰذا حج وعمرہ دونوں کے مناسک بجالائے تاکہ مشروع سے نکل سکے، لہٰذا وہ حج کے افعال بجالانے سے حج سے بری الذمہ ہو جائے گا، البتہ عمرہ سے بری الذمہ نہیں ہوگا چونکہ اس نے احرام حج کے لئے باندھا ہے، حج پر عمرہ کو داخل کرنا ممنوع ہے اور البتہ دم نہیں ہوگا، صرف حج سے بری الذمہ ہوگا، جبکہ مالکیہ کے نزدیک اس پر از سرنو نیت کرنا واجب ہے۔

دونوں آراء کا منشاء اختلاف یہ ہے کہ آیا حج فسخ ہو کر عمرہ ہو جاتا ہے یا نہیں چنانچہ حنابلہ کے نزدیک یہ جائز ہے جبکہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

احرام میں شرط لگانا...... [2] شافعیہ اور حنابلہ نے احرام میں شرط لگانے کو جائز قرار دیا ہے، یعنی کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ مرض وغیرہ کی وجہ سے وہ حلال ہو جائے گا، بغیر شرط کے احرام سے حلال ہونا جائز نہیں، اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بیمار عورت ہوں اور حج کرنا چاہتی ہیں، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احرام باندھو اور شرط لگالو کہ یا اللہ میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہوگی جہاں تو مجھے روک دے گا، راوی کہتا ہے چنانچہ ضباعہ رضی اللہ عنہ نے حج پالیا۔ [3]

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں حج میں شرط لگانا صحیح نہیں چونکہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی رائے تھی، ان حضرات ائمہ کرام کے نزدیک ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ جزئی واقعہ ہے اور انہی کے ساتھ مخصوص ہے، منشاء اختلاف یہ ہے کہ آیا شرط کا خطاب فرد واحد کے لئے تھا یا عام تھا۔

---

[1] ......متفق علیہ۔ (شرح مسلم ۱۹۸/۸) [2] دیکھئے نیل الاوطار ۳۰۸/۴ المغنی ۲۸۲/۳۔ [3] رواہ الجماعۃ الا البخاری۔ (نیل الاوطار ۳۰۷/۴)

دو حجوں یا دو عمروں کا احرام

حنابلہ......حنابلہ کے نزدیک جس شخص نے دو حجوں کے لئے احرام باندھا یا دو عمروں کے لئے احرام باندھا ان میں سے ایک حج یا ایک عمرہ کے لئے احرام منعقد ہوگا اور دوسرا لغو ہوجائے گا۔ چونکہ دو حج مستقلاً دو عبادتیں ہیں یکبارگی انہیں بجالانا ممکن نہیں لہٰذا احرام بھی صحیح نہیں ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے دو نمازوں کے لئے یکبارگی تکبیر تحریمہ کہی جائے، اگر کسی شخص نے حج یا عمرہ فاسد کردیا تو اس کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ......کہتے ہیں: دو حجوں یا دو عمروں کے لئے احرام منعقد ہوجائے گا اور اس پر ایک کی قضاء واجب ہوگی (یعنی ایک تو ادا ہوجائے گا دوسرے کی قضاء کرنی پڑے گی) چونکہ اس نے احرام تو باندھا مگر اسے مکمل نہ کرسکا۔ اگر اس نے جس کی نیت کی تھی اسے فاسد کردیا تو دونوں کی قضاء لازم ہوگی چونکہ جب دونوں کا احرام صحیح تھا تو دونوں کی قضا بھی کرنی ہوگی۔

تیسری چیز......احرام کی جگہ اور احرام کا وقت

احرام کی جگہ میقات ہے، احرام کا وقت، حج کا وقت یا عمرہ کا وقت ہے ان دونوں امور پر تیسری بحث کے ذیل میں سیر حاصل گفتگو ہوچکی ہے۔ اس بحث میں وضاحت ہوچکی ہے کہ عمرہ کا وقت پورا سال ہے اور اس سے عید کا دن اور ایام تشریق حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مستثنیٰ ہیں۔

حج کا وقت تین مقررہ مہینے میں یعنی شوال، ذوالقعدہ اور عشرۃ ذوالحجہ، جبکہ مالکیہ کے نزدیک ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے، میقات کے متعلق لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: اہل آفاق......یہ وہ لوگ ہیں جن کے ٹھکانے میقات سے باہر ہوں، میقات سے مراد وہ پانچ جگہیں ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہیں۔ یعنی ذوالحلیفہ اہل مدینہ کے لئے، جحفہ اہل شام کے لئے، قرن منازل اہل نجد کے لئے، یلملم اہل یمن کے لئے اور ذات عرق اہل عراق کے لئے۔

دوسری قسم: اہل حل......یہ وہ لوگ ہیں جو میقات کے اندر اور حرم سے باہر رہتے ہوں جیسے اہل بستان بنی عامر وغیرہم، ان لوگوں کا میقات ان کے گھر ہیں یا حل ہے جہاں سے چاہیں وہ جگہ ان کے لئے میقات ہے۔

تیسری قسم: اہل مکہ......اہل مکہ یعنی اہل حرم کا میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل ہے، چنانچہ مکہ کا اپنے والد حج کے لئے اپنے گھر سے احرام باندھے گا یا حرم سے جہاں سے چاہے باندھے، اور عمرہ کے لئے مقام تنعیم سے یعنی حل سے باندھے گا۔

چوتھی چیز......احرام کے خواہاں کے افعال

جب کوئی شخص احرام کا ارادہ کرے تو وہ تمام سنتیں بجالائے جن کا ذکر اعمال حج کی بحث میں ہوچکا ہے، ان میں سے اہم اہم مندرجہ ذیل ہیں،❶ رہی بات محرم کے ممنوعات سے بچنے کی یعنی سلے ہوئے لباس سے اجتناب، جوتوں سے اجتناب وغیرھا تو ان کا بیان محظورات احرام میں آئے گا انشاء اللہ۔

---

❶......فتح القدير ۲/۱۳۴، اللباب ۱/۱۷۹، القوانين الفقهية ص ۱۳۱ الشرح الصغير ۲/۲۹ مغنی المحتاج ۱/۴۷۸، المهذب ۱/۲۰۴ المجموع ۲۱۱/۷، المغنی ۲۷۰/۳۔

(۱)......صفائی ستھرائی کے لئے غسل کرے یا وضو کرے، البتہ غسل کرنا افضل ہے، چونکہ غسل سے کامل صفائی حاصل ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لئے غسل کیا ہے، ❶ یہ غسل نظافت کے لئے تھا طہارت کے لئے نہیں تھا، اسی لئے حائضہ عورت اور نفاس والی عورت یہ والا غسل کرے گی چونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ ”حیض ونفاس والی عورت غسل کرے اور پھر احرام باندھے حج کے سبھی افعال بجالائے البتہ طواف زیارت نہ کرے۔“ ❷ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل کا حکم دیا درحالیکہ وہ حالت نفاس میں تھیں۔ ❸

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ احرام کے وقت غسل عورتوں کے لئے مشروع ہے جیسے مردوں کے لئے مشروع ہے، چونکہ احرام بھی افعال حج میں سے ہے لہٰذا عورتوں کے لئے زیادہ مؤکد ہوگا۔

احرام کے لئے غسل کرنا متفق علیہ ہے اگر کوئی شخص پانی نہ پائے تو شافعیہ کے نزدیک تیمّم کرے چونکہ غسل قربت اور نظافت کے لئے کیا جائے گا جب ان میں سے ایک چیز متعذر ہو تو دوسری باقی رہے گی، چونکہ تیمّم غسل واجب کا نائب ہے، لہٰذا مندوب کا نائب بطریق اولیٰ ہوگا اگر اتنا پانی پائے جو وضو کے لئے تو کافی ہو لیکن غسل کے لئے ناکافی ہو تو وضو کر لے اور غسل کے لئے تیمّم کرے۔

ابن قدامہ کی رائے میں ایسے شخص کے لئے تیمّم مسنون نہیں چونکہ اس کے لئے تو بس غسل کرنا مسنون ہے، لہٰذا پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمّم مستحب نہیں ہوگا جیسے جمعہ کے لئے تیمّم مستحب نہیں، واجب اور مسنون میں فرق یہ ہے کہ واجب نماز کی اباحت کے لئے ہے اور اس جگہ تیمّم قائم مقام ہو جاتا ہے جبکہ مسنون میں غرض نظافت حاصل کرنی ہوتی ہے اور بدبو ختم کرنی ہوتی ہے جبکہ نظافت تیمّم سے حاصل نہیں ہوتی۔

بلکہ تیمّم تو پراگندگی میں اور اضافہ کرتا ہے، باوجود ابن قدامہ کی اس رائے کے حنابلہ کے ہاں راجح یہی ہے کہ پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں احرام کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے۔

میل، پراگندگی، غبار اور آلودگی وغیرہ دور کر کے نظافت حاصل کرنا مستحب ہے اسی طرح، بدبو ختم کرنا، بغلوں کے بال لینا، مونچھیں ترشوانا، ناخن کاٹنا، زیرناف بال صاف کرنا اور بالوں میں کنگھی کرنا بھی مستحب ہے، چونکہ احرام کے لئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہے لہٰذا یہ امور بھی مسنون ہوں گے جیسے جمعہ کے لئے مسنون ہیں۔

۲......مرد سلے ہوئے کپڑے اتار دے، اور دو صاف ستھرے کپڑے پہنے، ایک تہبند اور دوسری چادر ہو دونوں نئے ہوں یا دھوئے ہوئے ہوں، دو جوتے ہوں، چوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں چاہیے کہ تہبند اور چادر سے احرام باندھو اور دو جوتے، اگر دو جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے اور موزے ٹخنوں سے کے نیچے سے کاٹ دے۔ ❹ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کے مشہور مذہب میں کاٹنا ضروری نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ ”جو شخص دو جوتے نہ پائے وہ دو موزے پہن لے۔

عورت باتفاق فقہاء احرام میں چہرے کو کھلا رکھے گی، اگر مردوں کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے عورت کو چہرہ ڈھانپنے کی ضرورت پڑے تو حنابلہ کے نزدیک سر کے اوپر سے چہرے پر کپڑا لٹکائے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری احرام باندھی ہوئی عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایسا ہی کیا۔ ❺

۳......جمہور کے نزدیک احرام باندھنے سے پہلے بدن کو خوشبو لگائے، کپڑے کو خوشبو نہ لگائے یہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، چونکہ کپڑا بدن سے الگ ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کپڑے کو بھی خوشبو لگائے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی

---

❶......رواہ الدارمی والترمذی۔ ❷ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ ❸ رواہ مسلم عن جابر۔ ❹ رواہ احمد بن حنبل عن ابن عمر
❺ متفق علیہ یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے لئے ناسخ ہوگی۔

حدیث ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھتے وقت اچھی سے اچھی خوشبو لگایا کرتی تھی ❶ یعنی احرام کے وقت خوشبو لگاتی تھیں، احرام باندھنے کے بعد خوشبو کے اثر کے باقی رہنے میں کوئی گناہ نہیں، چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں مشک کی سفیدی دیکھ رہی ہوں۔

مالکیہ ...... کے نزدیک خوشبو نہ لگائے، بلکہ ان کے نزدیک غسل سے پہلے اور غسل کے بعد خوشبو لگانا مکروہ ہے چونکہ خوشبو کا اثر بدن میں باقی رہتا ہے، چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو احرام باندھے دراں حالیکہ وہ خوشبو میں معطر ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔ خوشبو دھو ڈالو، تین بار فرمایا، اور جبہ اتار دو، اور وہی افعال اپنے عمرہ میں کرو جو اپنے حج میں کرتے ہو ❷ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں خوشبو لگانا ممنوع ہے لہٰذا اس کا باقی رہنا بھی ممنوع ہے۔

فتویٰ ...... البتہ ظاہر یہی ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے، چونکہ جبے والے کا قصہ ۸ھ میں جعرانہ سے کئے ہوئے عمرہ کا ہے جو حنین کے بعد ہوا تھا، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حجۃ الوداع سے متعلق ہے اور حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوا، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ناسخ ہے اور جبہ والی حدیث منسوخ ہے، رہی یہ بات کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشبو لگانے سے منع فرماتے تھے تو ان کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل حجت ہے۔

مہندی ...... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کا مہندی لگانا مسنون ہے، چنانچہ عورت پہنچے تک ہاتھوں کو مہندی لگائے، چونکہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عورت کے لئے مہندی لگانا مسنون ہے۔

۴...... احرام کی دو رکعتیں غسل کے بعد اور احرام باندھنے سے پہلے بالاتفاق پڑھی جائیں گی، جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک احرام فرض نماز کے بعد باندھے، پہلے مذہب کی دلیل شیخین کی روایت ہے۔ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں اور پھر احرام باندھا۔'' ❸ مکروہ اوقات میں حرم مکہ کے علاوہ کہیں اور یہ دو رکعتیں حرام ہیں۔ پہلی رکعت میں سورہ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ الاخلاص پڑھنا مسنون ہے۔

حنابلہ کی نزدیک فرض نماز کے بعد احرام باندھنا اولیٰ وافضل ہے ان کی دلیل ابوداؤد اور اثرم کی روایت ہے جو سعید بن مسیّب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے۔ کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تب احرام باندھا۔ حنابلہ کے نزدیک نماز کے بعد احرام باندھنا جائز ہے یا جب اپنی سواری پر براجمان ہو جائے تب باندھے یا جب سواری چلنے لگے باندھے، جب سواری پر بیٹھ جائے تو تلبیہ کہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ جب سواری چل پڑے تب احرام باندھے، ان کی دلیل شیخین کی روایت ہے، یا اس وقت احرام باندھے جب پیادہ اپنی راہ پر چل پڑے اس کی دلیل مسلم کی روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم چل پڑیں احرام باندھیں۔

۵: حنفیہ ...... کے نزدیک تلبیہ نماز کے بعد پڑھے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد تلبیہ پڑھا ہے۔ ❹ یہی افضل ہے، اور جب سواری پر جم کر بیٹھ جائے تلبیہ پڑھے، پھر نیت کرے اگر حج افراد کے لئے احرام باندھنا چاہتا ہو تو تلبیہ سے

❶...... رواہ البخاری ومسلم والنسائی حین اراد الاحرام۔ ❷ متفق علیہ عن یعلیٰ بن امیہ۔ ❸ نصب الرایہ ۳/ ۲۰۔ ❹ اخرجہ الترمذی والنسائی عن ابن عباس۔

حج کی نیت کرے چونکہ یہ عبادت ہے اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

شافعیہ..... کے نزدیک نیت کے ساتھ ہی تلبیہ پڑھے، ان کی دلیل مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی نیت ہے۔ کہ "جب تم منیٰ کی طرف جاؤ تو حج کے لئے تلبیہ کہو۔" اعتبار نیت کا ہے تلبیہ کا نہیں، اگر تلبیہ ایسی چیز کا پڑھ دیا جس کی نیت نہیں کی مثلاً تلبیہ عمرہ کا پڑھ دیا حالانکہ اس نے نیت حج کی کری ہو تو اعتبار اسی کا ہوگا جس کی نیت کی ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ..... کے نزدیک اس وقت تلبیہ کہے جب سواری پر جم کر بیٹھ جائے یا پیادہ ہو تو جب چلنا شروع کر دے، ان کی دلیل بخاری کی روایت ہے جو حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور جم کر بیٹھ گئے تو اس وقت تلبیہ پڑھا۔" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت احرام واجب کیا جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے۔ اور جب سواری پر جم کر بیٹھ گئے اور سواری آپ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ نے تلبیہ پڑھا۔"

راستے بھی جب بھی نشیب آئے تلبیہ پڑے، بلندی پر چڑھتے تلبیہ پڑھے، جب بھی کوئی نئی بات ہو تلبیہ پڑھے، قافلوں سے ملاقات ہو تلبیہ پڑھے، نمازوں کے بعد تلبیہ پڑھے جب کسی دوسرے کو تلبیہ پڑھتے سنے تو یہ بھی تلبیہ پڑھے۔

کثرت سے تلبیہ پڑھنا مستحب ہے، احرام باندھتے وقت با آواز بلند تلبیہ پڑھنا مستحب ہے البتہ زیادہ آواز بلند نہ کرے، عورتیں بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل حج وہ ہے جس میں با آواز بلند تلبیہ پڑھا جائے اور جانور کا خون بہایا جائے۔ ❶

کلمات تلبیہ..... تلبیہ کے کلمات یہ ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکے ہیں:

لبيك اللهم لبيك لبيك لاشريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك

مستحب یہ ہے کہ ان میں اضافہ نہ کیا جائے اگر اضافہ کر دیا تو یہ بھی جائز ہے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک جب نیت کر کے تلبیہ کہہ دیا تو گویا اس کا احرام منعقد ہو چکا۔

تلبیہ کب منقطع کرے؟..... مالکیہ کے نزدیک حاجی جب طواف میں لگ جائے تو تلبیہ منقطع کر دے، اور سعی کے بعد پھر شروع کر دے، حتیٰ کہ عرفہ کے دن زوال آفتاب تک پڑھتا رہے اس کی دلیل حضرت علی اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ یہ دونوں عرفہ کے دن زوال آفتاب تک تلبیہ پڑھتے رہتے تھے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک عید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی میں شروع ہوتے وقت تلبیہ منقطع کر دے، یعنی پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ پڑھنا ترک کر دے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برابر تلبیہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ رمی جمرۂ عقبہ کی تو اس وقت تلبیہ منقطع کیا۔" دوسری وجہ یہ ہے کہ رمی کرنے سے حلال ہو جاتا ہے۔ یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک تب ہے جب حلق سے پہلے رمی کرے، اگر حلق سے پہلے کر دیا تو تلبیہ منقطع کر دے چونکہ حلال ہونے کے ساتھ تلبیہ کا ثبوت ہیں۔

جو شخص عمرہ کر رہا ہو وہ طواف میں شروع ہوتے ہی تلبیہ ختم کر دے۔

پانچویں چیز..... حج، عمرہ یا دونوں کا احرام

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حج وعمرہ کے ادا کرنے کی تین اقسام ہیں۔ (۱) حج افراد (۲) حج تمتع (۳) حج قران۔ یعنی یا تو صرف تنہا حج کیا جائے گا، یا تنہا عمرہ کیا جائے گا یا حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا جائے گا۔

---

❶ ..... رواه الترمذی وابن ماجه عن ابن عمرو رواه الترمذی عن ابی بكر الصديق رضی الله تعالیٰ عنه ورواه ابو القاسم اصبهانی عن جابر۔

جولوگ احرام باندھتے ہیں ان کی بھی تین اقسام ہیں۔مفرد حج، مفرد عمرہ، جامع حج وعمرہ۔ پہلے کو مفرد کہا جاتا ہے دوسرے کو متمتع اور تیسرے کو قارن۔

مفرد حج.....مفرد حج (مفرد بالحج) وہ ہے جس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو، ایسا شخص پہلے حج کرے پھر عمرہ کے لئے احرام باندھے۔

متمتع.....وہ ہے جو حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کے لئے احرام باندھے اور عمرہ مکمل کرے پھر اسی سال حج کے مہینوں میں حج کے لئے احرام باندھے۔

قارن.....قارن سے مراد آفاقی یعنی غیر مکی ہے جو عمرہ اور حج کے احرام کو جمع کرے اور عمرہ کا رکن وجود میں آنے سے پہلے ہی جمع کر لے۔عمرہ کا رکن طواف ہے، چنانچہ پہلے عمرہ کے افعال بجالائے گا پھر حج کے افعال، لیکن افعال حج عمرہ سے حلق وغیرہ کرا کے حلال ہونے سے قبل بجالائے گا، برابر ہے کہ کلام موصول کے ساتھ دونوں احراموں کو جمع کرے یا کلام مفصول کے ساتھ [1] چنانچہ اگر کسی شخص نے عمرہ کے لئے احرام باندھا پھر عمرہ کے طواف سے پہلے حج کے لئے بھی احرام باندھ لیا (نیت کرلی) یا طواف کی اکثر چکروں سے پہلے حنفیہ کے نزدیک احرام باندھا، تو وہ قارن (حج قران کرنے والا) ہوگا۔ چونکہ اس میں قران کا معنی موجود ہے اور قران دو احراموں کو جمع کرنے کا نام ہے، اور اگر عمرہ کے طواف کے بعد حج کے لئے احرام باندھا یا اکثر چکروں کے بعد حج کے لئے احرام باندھا تو قارن نہیں ہوگا، بلکہ متمتع (حج تمتع کرنے والا) ہوگا۔ چونکہ یہاں حج تمتع کا معنی پایا جاتا ہے، حج تمتع یہ ہے کہ عمرہ کے رکن کے بعد حج کا احرام باندھے، حنفیہ کے نزدیک طواف رکن ہے اور اس کے بعد، جبکہ جمہور کے نزدیک اور سعی کے بعد حج کا احرام ہو۔ شافعیہ کے نزدیک تو حلق یا تقصیر کے بعد حج کا احرام ہو۔فقہائے مذاہب میں اختلاف ہے کہ اقسام حج میں کون سا حج افضل ہے، افضلیت میں تین اقوال ہیں۔

۱: حنفیہ.....کہتے ہیں: حج قران، حج افراد اور حج تمتع سے افضل ہے۔حج قران ایک سفر میں عمرہ وحج کا احرام جمع کرنا ہے، چونکہ حج قران میں میقات سے احرام باندھا جاتا ہے اور انسان اس احرام میں دائماً رہتا ہے حتیٰ کہ افعال حج سے فارغ ہو جائے، جبکہ حج تمتع میں یہ بات نہیں ہوتی لہٰذا حج قران تمتع سے افضل ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے آل محمد حج میں عمرہ داخل کرو اور احرام باندھو۔[2] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حج وعمرہ کا تلبیہ کہتے سنا اور فرمایا: لبيك عمرة وحجة[3] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ اور حج دونوں کا تلبیہ کہا اور دونوں کا احرام باندھا۔

۲: مالکیہ وشافعیہ.....کہتے ہیں کہ حج افراد، حج قران اور حج تمتع سے افضل ہے،[4] اگر اس سال عمرہ کیا ہو، چونکہ جو شخص حج افراد کرتا ہے اسے ہدی نہیں لانی پڑتی، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کیا ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے ہم میں سے کچھ لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا، کچھ لوگوں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا۔[5] یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کیا ہے یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف طرق سے مروی ہے یہی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان عائشہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔

مالکیہ کے نزدیک حج افراد کے بعد حج قران افضل ہے، حج قران کی دوصورتیں ہیں۔

---

[1] ... کلام موصول یعنی ایک ہی کلام میں کہے کہ میں حج وعمرہ کو جمع کرتا ہوں یا یوں کہے کہ میں نے حج کے لئے احرام باندھا اور بعد میں کہے کہ میں ساتھ عمرہ کے بھی احرام باندھتا ہوں۔ [2] اخرجه الطحاوى عن ام سلمة (نصب الراية ۳/۹۹) [3] اخرجه البخارى ومسلم عن انس۔ [4] دیکھئے الشرح الصغير ۲/۳۴، القوانين الفقهية ص ۱۳۵ بداية المجتهد ۱/۳۲۴ مغنى المحتاج ۱/۵۱۴ المجموع ۲/۱۳۷۔ [5] رواه البخارى ومسلم۔

اول..... یہ کہ حج قران یعنی حج وعمرہ کی ایک ساتھ نیت کرے اور ایک ہی نیت کرے، نیت میں عمرہ کو مقدم کرنا واجب ہے، اگر نیت کا زبان سے تلفظ کرے تو عمرہ کا مقدم کرنا مستحب ہے۔

دوم..... یہ کہ عمرہ کی نیت کرے پھر وہ سمجھے کہ عمرہ کے بعد حج بھی کرے تو حج کی نیت بھی کرلے، حج پر عمرہ لانا صحیح نہیں شافعیہ کے نزدیک حج افراد کے بعد حج تمتع افضل ہے پھر حج قران، چونکہ متمتع دو کامل اعمال کو مستقلاً بجالاتا ہے اور ان کے لئے دو میقاتوں کی ضرورت نہیں ہوتی، رہی بات قارن کی سو وہ میقات واحد سے ایک ہی عمل بجالاتا ہے، گویا شافعیہ کی کثرت اعمال پر نظر ہے۔

حنابلہ..... کہتے ہیں حج تمتع افضل ہے پھر افراد اور پھر قران، ❶ یعنی شافعیہ کے برعکس، حج تمتع یہ ہے کہ عمرہ کا احرام اشہر حج میں باندھے پھر اسی سال حج کا احرام باندھے، یعنی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد جہاں سے چاہے باندھے۔ حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے سال حج تمتع کیا اور عمرہ حج کے ساتھ ملایا اور ذی الحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی ہانک کر لے گئے۔ ❷

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس چیز کا مجھے پہلے علم ہوتا جس کا بعد میں علم ہوا تو میں ہدی ہانک کر ساتھ نہ لاتا اور میں اسے عمرہ بناتا۔ ❸

یہ انواع حج میں افضلیت کے متعلق فقہاء کے اقوال تھے۔

سبب اختلاف..... اصل میں فقہاء کا اختلاف اس امر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا حج کیا ہے، چنانچہ ہر رائے کی تائید میں صحیح روایات ہیں، دوسری رائے زیادہ راجح ہے چونکہ دوسری رائے کی موید احادیث کے راویان کی تعداد اکثر ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے اور آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں متقدم ہیں اور صحابہ میں مناسک کو سب سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہیں، بہر حال بالاجماع حج افراد میں کوئی کراہت نہیں اور حج تمتع او حج قران میں نقص پورا کرنے کے لئے دم دینا پڑتا ہے، بخلاف حج افراد کے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''المجموع'' میں رقم طراز ہیں۔'' درست اور صواب یہ ہے جس کا ہمیں اعتقاد ہونا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا پھر حج پر عمرہ داخل کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قارن کہلائے، ہمارے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق عمرہ کو حج میں داخل کرنا جائز ہے، جبکہ صحیح قول کے مطابق ہمارے لئے یہ جائز نہیں، حالانکہ اس سال ضرورت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز تھا، اور آپ نے اس کا حکم دیا اور فرمایا: ''لبیك عمرة فی حجة'' یعنی عمرہ کو حج میں داخل کرنے کا تلبیہ کہا۔ ❹

چھٹی چیز..... احرام کے ساتھ دوسرے احرام کا اضافہ، حج کو عمرہ میں داخل کرنا اور اس کے برعکس حج فسخ کر کے عمرہ کی نیت کرنا

ایک احرام کے ساتھ دوسرے احرام کا اضافہ کرنا:

حنفیہ..... کہتے ہیں: مکی اگر ایک احرام کے ساتھ دوسرے احرام کا اضافہ کرے تو یہ اس کی طرف سے جنایت ہوگی اسی طرح اگر آفاقی

---

❶ ..... غاية المنتهى ١/٣٦٦. ❷ رواه البخاري ومسلم عن ابن عمر. ❸ رواه البخاري ومسلم وابوداؤد والنسائي عن جابر عبدالله (جمع الفوائد ١/٤٩٩) ❹ رواه مسلم عن انس.

حج کا احرام کے ساتھ عمرہ کے احرام کا اضافہ کرے تو اس کی طرف سے بھی یہ جنایت ہوگی، اور دم واجب ہوگا، رہی بات عمرہ کے احرام کے ساتھ حج کے احرام کے اضافہ کرنے کی سو یہ جائز ہے اور اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱: حج کو عمرہ سے ملانا...... جب مکی عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے احرام پر حج کا احرام داخل کرے تو اس میں تین احتمالات ہیں۔

ا...... یا تو عمرہ کے طواف سے پہلے حج کو عمرہ میں داخل کیا ہوگا تو اس صورت میں ائمہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق عمرہ چھوڑ دیا جائے گا، یہ مکی کے لئے ہے، اگر آفاقی ایسا کرے گا تو وہ قارن ہوگا۔

ب...... یا مکی نے طواف کے اکثر چکروں کے بعد حج کو عمرہ کے ساتھ ملایا ہوگا تو باتفاق حنفیہ حج چھوڑ جائے گا، (چونکہ عمرہ رکن کے پائے جانے سے مؤکد ہو چکا) اگر آفاقی نے ایسا کیا تو وہ متمتع ہوگا بشرطیکہ عمرہ کا طواف اشہر حج میں ہو۔

ج...... یا تو مکی نے طواف کے کم چکر لگانے کے بعد مثلاً تین چکروں کے بعد حج کو عمرہ کے ساتھ ملایا ہوگا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: حج چھوڑ دیا جائے گا چونکہ عمرہ چھوڑنے سے ابطال عمل لازم ہوتا ہے، حالانکہ کچھ نہ کچھ اعمال کی ادائیگی سے عمرہ مؤکد ہو چکا، جبکہ حج کا احرام ابھی موکد نہیں ہوا، اور جو چیز ابھی موکد نہیں ہوئی اس کا چھوڑ دینا آسان ہے۔

صاحبین کہتے ہیں: عمرہ چھوڑا جائے گا، چونکہ عمرہ کی حالت ابھی کمتر ہے، چونکہ عمرہ اپنی جنس کے اعتبار سے فرض نہیں، بخلاف حج کے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمرہ کے اعمال حج کی بنسبت قلیل ہیں اور عمرہ کی قضاء بھی آسان ہے۔

اگر ایسا آفاقی نے کیا تو وہ قارن ہوگا، ہر وہ شخص جو نسک کو چھوڑے گا اس پر دم آئے گا۔ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عبدالملک بن عمیر کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ چھوڑنے پر جانور ذبح کرنے کا حکم دیا۔

عمرہ چھوڑنے پر اس کی فقط قضاء واجب ہوگی، جبکہ حج چھوڑنے میں حج اور عمرہ دونوں کی قضاء واجب ہوتی ہے، حج کی قضاء تو اس لئے چونکہ حج شروع کرنا صحیح تھا اور پھر اسے چھوڑ دیا، رہی بات عمرہ کی سو وہ حج فوت ہونے کے معنی میں ہے، جبکہ جس شخص سے حج فوت ہو جائے وہ افعال عمرہ بجالانے سے حلال ہو جاتا ہے، اور یہاں افعال عمرہ سے حلال ہونا متعذر رہے چونکہ وہ عمرہ میں چل رہا ہوتا ہے جبکہ دو عمروں کے درمیان حج کرنا ممنوع ہے لہٰذا اس پر حج وعمرہ کی قضاء واجب ہوگی۔

اور جب مکی حج یا عمرہ کو نہ چھوڑے اور ان دونوں پر چلتا رہے اور انہیں ادا کرے تو اسے ادا کافی ہوگی، چونکہ اس نے حج وعمرہ کے افعال جیسے لازم کئے تھے ایسے ہی ادا کر دیئے ہاں اگر چہ ممنوع تھے، یعنی مکی کے لئے حج وعمرہ دونوں کا احرام اس کے لئے ممنوع تھا، چونکہ حج کے دو احراموں کو جمع کرنا یا عمرہ کے دو احراموں کو جمع کرنا بدعت ہے، جبکہ نہی تحقق فعل کے مانع نہیں ہوتی، البتہ اس پر دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے دم ہوگا، چونکہ اس نے ممنوع کا ارتکاب کیا ہے اور عمل میں کمی کی ہے۔

۲: حج کو دوسرے حج سے ملانا...... جس شخص نے حج کا احرام باندھا پھر قربانی کے دن دوسرے حج کا احرام باندھ لیا تو اس کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل ہے۔

ا...... اگر پہلے حج میں حلق کر لیا تو دوسرا حج لازم ہو جائے گا اور اس پر واجب کچھ نہیں ہوگا۔ چونکہ پہلے سے حلال ہونے کے بعد دوسرے حج کا احرام باندھا ہے۔

ب...... اور اگر پہلے حج میں حلق نہیں کیا تو دوسرا حج لازم ہو جائے گا اور اس کی قضاء کرے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج میں شروع ہونا صحیح تھا لہٰذا دم واجب ہوگا خواہ دوسرے احرام کے بعد حلق کیا ہو یا نہ کیا ہو، چونکہ اگر حلق کرا، تو دوسرے احرام پر

جنایت ہوگی اور اگر حلق نہ کیا تو پہلے حج کے لئے حلق کو مؤخر کرے گا جبکہ حلق قربانی کے ایام میں کیا جاتا ہے اور حلق میں تاخیر کرنے سے دم واجب ہوتا ہے۔

صاحبین...... کہتے ہیں: دوسرے حج کا احرام باندھنے کے بعد اگر حلق یا تقصیر نہ کی تو اس پر کچھ نہیں، چونکہ صاحبین کے نزدیک ایام نحر سے حلق موخر کرنے پر کچھ واجب نہیں ہوتا، اگر دوسرے حج کا احرام باندھنے کے بعد حلق کی تو دم واجب ہوگا۔

۳: عمرہ کے ساتھ عمرہ ملانا...... جو شخص عمرہ سے فارغ ہوا اور صرف حلق یا تقصیر باقی تھی کہ دوسرے عمرے کا احرام باندھ دیا تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر دم واجب ہوگا، چونکہ اس نے قبل از وقت احرام باندھ دیا ہے، جبکہ اس کا وقت پہلے احرام کے حلق کے بعد شروع ہوتا ہے، جبکہ حلق نہیں پایا گیا، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے عمرہ کے دو احراموں کو جمع کیا ہے، ایسا کرنا مکروہ ہے، لہٰذا دم واجب ہوگا، دم نقصان کا جبیرہ بھی ہے اور کفارہ بھی۔

۴: عمرہ کو حج سے ملانا...... جس شخص نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اسے حج وعمرہ دونوں لازم ہوں گے، چونکہ حج وعمرہ جمع کرنا آفاقی کے لئے مشروع ہے، یوں وہ قارن ہوگا، لیکن سنت کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا اور گناہگار ہوگا، چونکہ سنت تو حج کو عمرہ میں داخل کرنا ہے، عمرہ کو حج میں داخل کرنا سنت نہیں۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۶

حج کو آخری غایت قرار دیا گیا ہے لیکن جب حج ادا نہیں کرے گا تو یہ صحیح ہے۔

جس شخص نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا احرام باندھ لیا پھر مکہ میں داخل ہونے سے پہلے عرفات کا وقوف کیا تو گویا اس نے وقوف سے عمرہ چھوڑ دیا۔ اور اگر عرفہ میں وقوف نہ کیا تو عمرہ چھوڑنے والا نہیں ہوگا، چونکہ وہ قارن ہو جائے گا، حج قران مشروع ہے، لیکن حج کے احرام کو عمرہ کے احرام پر مقدم کرنے کی وجہ سے بدی کا مرتکب ہوگا، چونکہ سنت کی خلاف ورزی کردی ہے، جبکہ سنت یہ ہے کہ دونوں کا اکٹھے احرام باندھے یا عمرہ کے احرام کو حج کے احرام پر مقدم کرے۔

اگر حج کے لئے طواف قدوم کیا پھر عمرہ کا احرام باندھا، اور برابر دونوں کے افعال بجالاتا رہا بایں طور کہ افعال عمرہ کو افعال حج پر مقدم کیا تو اس پر دم واجب ہوگا، چونکہ دونوں کو جمع کر دیا ہے، اگرچہ وہ قارن ہے لیکن عمرہ کے احرام کو اس نے طواف قدوم تک مؤخر کیا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ عمرہ چھوڑ دے چونکہ حج کا احرام بعض افعال حج سے مؤکد ہو چکا ہے، اگر عمرہ چھوڑ دیا تو اس کی قضاء کرے چونکہ عمرہ شروع کرنا صحیح تھا لہٰذا دم واجب ہوگا۔

اگر حاجی نے ایام نحر یا ایام تشریق میں عمرہ کا احرام باندھا تو اسے عمرہ لازم ہوگا، فی الحال عمرہ چھوڑنا لازمی ہے، چونکہ حج کا رکن ادا کر چکا ہے، یوں افعال عمرہ کی افعال حج پر بنا کرے گا اور یہ خطائے محض ہے، چونکہ ایام میں تعظیم حج کی خاطر عمرہ کرنا مکروہ ہے، لہٰذا عمرہ چھوڑ دیا جائے گا، جب عمرہ چھوڑ دیا تو حلال ہونے کے لئے دم واجب ہوگا، جب عمرہ شروع کرنا صحیح تھا اور چھوڑ دیا لہٰذا عمرہ کی قضاء واجب ہے، اگر عمرہ کر لیا تو کافی سمجھا جائے گا لیکن دم واجب ہوگا چونکہ اس نے عمرہ اور افعال حج کو جمع کر دیا ہے۔

جس شخص سے حج فوت ہو گیا اور اس نے عمرہ یا حج کا احرام باندھا تھا تو جس چیز کا احرام باندھا تھا اسے چھوڑ دے چونکہ جس شخص سے حج فوت ہو جائے وہ افعال عمرہ بجالانے سے حلال ہوتا ہے، البتہ جو احرام اس نے باندھا ہوا ہے اسے حلال ہونے کے لئے عمرہ کے واسطے تحویل نہیں کر سکتا، ورنہ افعال میں دو عمروں کو جمع کرنے والا ہوگا اور یہ بدعت ہے، لہٰذا باندھے ہوئے احرام کو چھوڑے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسا دو حجوں

کا احرام باندھ دیا، جب عمرہ شروع کرنا صحیح تھا لہٰذا قضاء واجب ہوگی، وقت آنے سے پہلے حلال ہونے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

حج کو عمرہ میں داخل کرنے اور اس کے برعکس کرنے کے متعلق جمہور کی رائے...... حج کو عمرہ میں داخل کرنے کی جمہور اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں کہ عمرہ کے طواف کو شروع کرنے سے پہلے حج کو عمرہ میں داخل کرے، حنفیہ چار چکروں سے پہلے داخل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، بلا اخلاف یہ حج قران ہوگا، اگر حج کو عمرہ میں داخل کیا تو طواف کے بعد تو اس کو یہ جائز نہیں اور قارن بھی نہیں ہوگا، چونکہ وہ عمرہ سے حلال ہونے کے عمل میں شروع ہو چکا لہٰذا حج کو عمرہ میں داخل کرنا جائز نہیں۔

دلیل...... جمہور کی دلیل، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے چنانچہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا پھر اس کے ساتھ حج بھی ملا لیا پھر فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔ ❶

عمرہ کو حج میں داخل کرنا جائز نہیں، جیسا کہ حنفیہ کے مذہب میں وضاحت کردی گئی ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک حج قران کرنے والا ہوگا، جبکہ جمہور کے نزدیک داخل کرنا صحیح نہیں اور حج قران بھی نہیں ہوگا، چنانچہ اثرم نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کرنے والے کو اس سے منع فرمایا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمرہ کو حج میں داخل کرنے سے صرف یہی فائدہ ہوتا جو پہلا احرام فائدہ دے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مدت اجارہ میں معاہدہ کا تکرار۔

حج فسخ کر کے عمرہ کرنا...... یعنی حج کے احرام کی نیت کو عمرہ کے احرام کی طرف پھیر دینا، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ کی طرف پھیرنے کا حکم دیا اور فرمایا: اپنے احرام سے حلال ہو جاؤ، بیت اللہ کا طواف کرو اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرو، پھر بال کٹوا کر اور حلال ہو کر مقیم ہو جاؤ حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا: اگر میں ہدی ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے، لیکن میرے لئے حرام چیز حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ ہدی اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے، ❷ مشہور روایت تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا مجھے بعد میں پتہ چلا اگر وہ پہلے معلوم ہوتی تو میں ہدی ہانک کر نہ لاتا، اور میں عمرہ کرتا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو جو ہدی نہیں لائے تھے حکم دیا کہ وہ احرام فسخ کر کے عمرہ کی طرف پھیر دیں، اس فسخ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ فسخ اسی سال صرف صحابہ کے ساتھ خاص تھا یا قیامت تک معمول بہا ہے۔ ❸

حنابلہ اور ظاہریہ...... کہتے ہیں یہ حکم صحابہ کے ساتھ خاص نہیں تھا، بلکہ تا قیامت حکم باقی ہے، لہٰذا ہر شخص جو حج کا احرام باندھے اس کے لئے فسخ حج جائز ہے، درحالیکہ اس کے پاس ہدی نہ ہو۔

جمہور...... یعنی حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں فسخ حج کا حکم صرف صحابہ کے ساتھ اسی سال خاص تھا، ان کے بعد جائز نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے رواج کے مخالفت میں اس کا حکم دیا تھا، چونکہ اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا حرام ہے، اس کی دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ ''حج تمتع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لئے تھا'' یعنی حج فسخ کر کے عمرہ کی طرف پھیرنا۔

کتاب نسائی میں ہے کہ حارث بن بلال اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! فسخ حج ہمارے لئے خاص ہے یا عام لوگوں کے لئے بھی اس کا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ ہمارے لئے خاص ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دو متعے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جائز تھے میں انہیں ممنوع قرار دیتا ہوں اور ان

---

❶ ...... متفق علیه عن نافع (نیل الاوطار ۴/۳۱۷) ❷ هذا اللفظ رواية مسلم عن موسى بن نافع (شرح مسلم ۸/۱۶۶) ❸ شرح مسلم ۸/۱۶۷، بداية المجتهد ۱/۳۲۲، المغنى ۳/۲۸۷۔

کے مرتکب کو سزا دوں گا۔ایک عورتوں کا متعہ دوسرا متعہ حج یعنی حج تمتع۔ ❶

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: متعہ حج (حج تمتع) ہمارے لئے تھا تمہارے لئے نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہمارے بعد کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ حج کا احرام باندھے اور پھر اسے فسخ کر کے عمرہ کرے۔جمہور کے مذہب کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ......البقرۃ ۲/۱۹۶

دوسرا مقصد.....طواف

اس مقصد میں یہ امور موضوع گفتگو ہوں گے۔انواع طواف، ہر نوع کا حکم، طواف کی شرائط (یعنی طواف کا مقام، زمانہ اور مقدار) اور طواف کی سنتیں۔

اول: طواف کی انواع اور ہر نوع کا حکم...... ❷ حج میں تین قسم کے طواف مشروع ہیں طواف قدوم، طواف زیارت اور طواف وداع، طوافوں وداع آخر میں کیا جاتا ہے، اُسے طواف وداع اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حاجی یہ طواف کر کے الوداع ہو کر رخصت ہو جاتا ہے ان تین طواف کے علاوہ جو بھی طواف ہوگا وہ نفلی ہوگا، رہی بات سعی کی سو وہ ایک ہی ہے اور سعی طواف کے بعد ہوگی، اگر طواف قدوم کے ساتھ سعی کر دی ہو تو بعد میں سعی نہ کرے اور اگر طواف قدوم کے ساتھ سعی نہ کی تو طواف زیارت کے ساتھ سعی کرے۔

فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ مکی پر صرف طواف زیارت ہے، جیسا کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عمرہ کرنے والے پر صرف طواف عمرہ ہے، اس پر طواف قدوم نہیں ہے، فقہاء کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ متمتع پر دو طواف ہیں، ایک طواف عمرہ سے حلال ہونے کے لئے اور دوسرا طواف حج کے لئے۔

جو شخص حج افراد کر رہا ہو اس پر قربانی کے دن صرف ایک طواف ہے، مالکیہ کے نزدیک مفرد پر طواف قدوم بھی ہے بشرطیکہ اس کے پاس اس کا وقت ہو، جبکہ جمہور کے نزدیک مسنون ہے۔

رہی بات حج قران کرنے والے کی تو جمہور کے نزدیک اسے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے، یہی ابن عمر اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، جبکہ حنفیہ کہتے ہیں: قارن پر دو طواف ہیں اور دو سعیاں ہیں یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ ان تین طوافوں میں سے وہ طواف جس کے فوت ہونے سے حج فوت ہو جاتا ہے وہ طواف زیارت ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ الحج ۲۲/۲۹

حاجیوں کو چاہئے کہ پرانے گھر کا طواف کریں۔

اس طواف کی طرف سے دم کافی نہیں ہوگا۔

مالکیہ کی ایک جماعت کی علاوہ سبھی فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ طواف زیارت کے لئے طواف قدوم کافی نہیں ہوگا جبکہ طواف زیارت کوئی شخص بھول جائے۔

---

❶......اصطلاحی تمتع مراد نہیں بلکہ حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ کی طرف پھیرنا مراد ہے۔ ❷ دیکھئے البدائع ۲/۱۲۷ اللباب ۱/۱۸۴، شرح المجموع ۸/۱۲، القوانین الفقهية ص ۱۳۲، الشرح الكبير ۲/۲۳ الایضاح ۳/۷۰ غاية المنتهى ۱/۳۹۵، بداية المجتهد ۱/۳۳۲۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طواف زیارت نہ کر سکے تو اس کے لئے طواف وداع کافی ہوگا چونکہ بیت اللہ کا طواف وقت وجوب میں کیا گیا ہے، بخلاف طواف قدوم کے چونکہ طواف قدوم طواف زیارت کے وقت سے قبل ہوتا ہے۔

حاصل......حاصل یہ ہے کہ عمرہ کے لئے طواف قدوم نہیں، عمرہ میں صرف ایک طواف ہے، اسے طواف فرض اور طواف رکن کہا جاتا ہے، جب کوئی شخص عمرہ کے لئے طواف کر لے تو وہ طواف قدوم کے لئے کافی ہے۔

قارن، مفرد......قارن اور مفرد تین طواف کرے گا، طواف قدوم، طواف زیارت اور طواف وداع، یہاں مذکورہ طوافوں کے علاوہ ایک اور نفلی طواف بھی ہے، حنفیہ کے نزدیک قارن کے لئے ایک طواف کافی نہیں بلکہ اس پر دو طواف ہیں ایک عمرہ کا اور ایک حج کا، مفرد اور قارن نے اگر مکہ کی علاوہ کسی اور جگہ سے احرام باندھا ہو اور وقوف عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہوئے ہوں تو وہ طواف قدوم کریں گے۔

طواف قدوم......جمہور فقہاء کے نزدیک جو شخص وقوف عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہو اس کے لئے طواف قدوم سنت ہے، برابر ہے کہ وہ حج افراد کرنا چاہتا ہو یا حج قران، اہل مکہ کے لئے طواف قدوم نہیں، چونکہ قدوم کا معنی ہے ''باہر سے آنا'' اور مکی کے حق میں قدوم ثابت نہیں ہوتا، اہل مکہ کے علاوہ باہر سے آنے والوں کے لئے طواف قدوم سنت ہے اس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے، وقوف عرفہ کے بعد حاجی کے لئے طواف قدوم مسنون نہیں۔ معتمر کے لئے بھی مسنون نہیں۔ چونکہ یہ دونوں اس وقت داخل ہوئے جب طواف قدوم کا وقت گزر چکا تھا۔

سقوط طواف قدوم......تین آدمیوں سے طواف قدوم ساقط ہو جاتا ہے۔

۱......مکی اور وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہو، یعنی وہ شخص جس کا گھر مواقیت کے اندر ہو۔

۲......معتمر اور متمتع اگر چہ متمتع آفاقی ہو۔

۳......اور وہ شخص جو براہ راست وقوف کے لئے عرفہ آجائے۔

مالکیہ......مالکیہ کہتے ہیں: جس شخص نے حل سے احرام باندھا ہو اگر چہ وہ مکی ہی کیوں نہ ہو اس پر طواف قدوم ہے اور جو شخص طواف قدوم چھوڑ کر براہ راست عرفات چلا جائے حالانکہ اتنا وقت تھا کہ وہ طواف قدوم کر سکتا تھا تو اس پر فدیہ واجب ہے۔

حنابلہ......حنابلہ کہتے ہیں: متمتع طواف زیارت سے پہلے طواف قدوم کرے پھر طواف زیارت کرے۔

جس شخص نے احرام نہ باندھا ہو یعنی حلال ہو تو شافعیہ کے نزدیک طواف قدوم اس کے لیے مسنون ہے، چونکہ وہ مکہ میں داخل ہونے والا ہے، مکہ میں آنے والا ہے اور مکہ میں وارد ہونے والا ہے لہٰذا طواف قدوم کرے گا۔

طواف قدوم کی حکمت......طواف بیت اللہ کے لئے تحیۃ اور آداب بجالانے کا نام ہے، طواف مسجد حرام کے آداب بجالانے کا نام نہیں، چنانچہ مسجد حرام میں آنے کا مقصد بیت اللہ ہے، اور بیت اللہ کے آداب طواف کرنا ہے جیسے عام مساجد کے لئے آداب بجالانے کے لئے تحیۃ المسجد ادا کئے جاتے ہیں۔

متفرق مسائل......جب فرض نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو طواف نہیں شروع کرنا چاہئے، اگر سنت موکدہ فوت ہونے کا خوف ہو تب بھی طواف شروع نہ کرے اسی طرح اگر جماعت کھڑی پائے، یا فوت شدہ کوئی نماز یاد آ گئی تو پہلے نماز پڑھے پھر طواف کرے۔

اگر نماز کھڑی کر دی گئی، درحالیکہ یہ طواف کر رہا ہو تو طواف منقطع کر دے اور نماز پڑھے، اسی طرح اگر نماز جنازہ ہونے لگی تو اگر طواف نفلی ہو تو منقطع کر دے۔

جو شخص پہلی مرتبہ مکہ میں داخل ہو رہا ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ رہائش گاہ پر جانے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرے۔

البتہ اگر کوئی عورت حسین وجمیل ہو یا کوئی معزز عورت ہو جو باپردہ ہو تو اس کے لئے مسنون ہے کہ رات تک طواف موخر کرے۔

اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو حال یہ ہو کہ لوگوں کو طواف سے منع کیا گیا ہو تو تحیۃ المسجد ادا کرے، طواف قدوم مسجد میں بیٹھ جانے سے فوت نہیں ہوتا جس طرح تحیۃ المسجد بیٹھنے سے فوت نہیں ہوتے۔

اسی طرح مکہ سے باہر نکلنے سے بھی طواف قدوم فوت نہیں ہوتا البتہ براہ راست عرفہ میں چلے جانے سے فوت ہو جاتا ہے۔

حنفیہ..... حنفیہ کے نزدیک قارن اعمال حج ختم کر لینے کے بعد طواف کرے گا۔

مالکیہ..... جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو تو اس کے لئے طواف قدوم واجب ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ طواف سے وجوب کی نیت کرے تا کہ واجب کا وقوع ہو جائے، اگر نفلی طواف کی نیت کی تو دوبارہ وجوب کی نیت سے طواف کرے، اسی طرح نفلی طواف کے بعد جو سعی کی اسے بھی دہرائے تا کہ واجب طواف کے بعد سعی بھی ہو، یہ تب ہے جب وقت ہو اور مشغول ہونے سے حج کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو، اگر حج فوت ہونے کا خوف ہو تو طواف دوبارہ نہ کرے البتہ طواف زیارت کے بعد سعی کو دہرائے، طواف قدوم فوت ہونے کی وجہ سے دم ہوگا بشرطیکہ وقت ہو، اگر وقوف عرفہ کے فوت ہونے کا خوف ہو تو طواف قدوم ساقط ہو جائے گا اور اس پر فدیہ بھی نہیں ہوگا۔

حاصل..... مالکیہ کے نزدیک طواف قدوم تین شرائط کے ساتھ واجب ہے اگر

۱..... مفرد یا قارن حل سے احرام باندھے اگر چہ وہ مکی ہی کیوں نہ ہو۔

۲..... اور حج کے لئے وقت تنگ نہ ہو، اگر وقت تنگ ہو تو عرفہ کی طرف چلا جائے اور طواف قدوم چھوڑ دے۔

۳..... اور یہ کہ حرم میں عمرہ کے بعد حج نہ کرتا ہو اگر تین شرائط میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو طواف قدوم واجب نہیں، اور اس پر دم بھی نہیں۔

جو شخص طواف قدوم چھوڑ دے اس پر دو شرطوں کے ساتھ دم واجب ہوگا:

۱..... یہ کہ اس طواف کے بعد طواف زیارت پر سعی کو مقدم کر دے۔

۲..... یہ کہ طواف زیارت کے بعد سعی کو نہ دہرائے اور اپنے وطن واپس آ جائے، اگر طواف زیارت کے بعد سعی دہرالی تو دم واجب نہیں ہوگا۔

طواف زیارت..... باتفاق فقہاء طواف زیارت رکن ہے، حج طواف زیارت ہی سے تمام ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ الحج ۲۲/۲۹

یعنی قدیم ترین گھر کا طواف کرو۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں طواف زیارت فرائض حج میں سے ہے، اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا اور قربانی کے دن طواف زیارت کیا، اسی اثناء میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آ گیا، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضی اللہ عنہا سے ہم بستری کرنی چاہی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ تو حالت حیض سے ہے، آپ نے فرمایا: کیا اس نے ہمیں روک دیا؟ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صفیہ رضی اللہ عنہا نے قربانی والے دن طواف زیارت کر لیا ہے، فرمایا: چلو کوچ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طواف کے بغیر چارہ کار نہیں، جو شخص طواف زیارت نہ کرے وہ مکہ میں رکا رہے گا، چونکہ طواف عمرہ کی طرح حج کا بھی رکن ہے۔

جس شخص نے طواف زیارت ترک کر دیا اور اپنے وطن واپس لوٹ آیا تو جب بھی اسے احرام باندھنا ممکن ہو تو اسے اس کے سوا کوئی چارہ

کارنہیں، اس کی دلیل حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے جو اوپر گزر چکا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حائضہ ہونے کے بعد فرمایا: کیا اس نے ہمیں روک دیا ہے؟ عرض کیا گیا: صفیہ رضی اللہ عنہا تو طواف کر چکی ہیں، فرمایا: تب وہ کوچ کیا جائے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس طواف کے سوا چارہ کار نہیں، اور یہ کہ جس شخص نے طواف زیارت نہ کیا ہو وہ حرم میں رکا رہے گا، اگر حلال ہونے کی نیت کر لی اور احرام چھوڑ دیا تو اس کے لئے یہ حلال نہیں چونکہ نکلنے کی نیت سے احرام سے نہیں نکل سکتا، اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہے کہ اگر ایام عید میں طواف فوت ہوگیا تو طواف ساقط نہیں ہوگا بلکہ طواف کرنا واجب ہوگا، چونکہ سبھی اوقات طواف کے اوقات ہیں۔

طواف وداع.....طواف وداع اس شخص کے لئے ہے جو مکہ سے باہر جانا چاہتا ہو، طواف وداع مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے، یعنی اگر چہ مکی ہی باہر جانا چاہتا ہو اس کے لئے بھی طواف وداع مستحب ہے۔ چونکہ طواف وداع حائضہ اور نفاس والی عورت پر واجب نہیں چونکہ اگر حائضہ اور نفاس والی عورت پر واجب ہوتا تو طواف زیارت کی طرح واجب ہوتا جبکہ ایسا نہیں ہے۔

جمہور.....جمہور کے نزدیک طواف وداع واجب ہے، اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے پاس گزرنا چاہئے، ہاں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کے لئے تخفیف کی ہے۔ ❶ مسلم کی روایت میں ہے۔ ’’کوئی شخص بھی مکہ سے کوچ نہ کرے حتیٰ کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے پاس (یعنی طواف کرنے میں) گزرے۔‘‘ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ ’’جو شخص بیت اللہ کا حج کرے اس کا آخری وقت بیت اللہ کے پاس گزرے، ہاں البتہ حیض والی عورتیں، (طواف وداع کے بغیر بھی جا سکتی ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض والی عورتوں کو رخصت دی ہے، معذور سے اگر طواف وداع ساقط ہوجائے تو اس پر دم نہیں ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے حائضہ عورت سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، جبکہ حائضہ کے علاوہ بقیہ معذورین پر قضاء واجب ہوتی ہے، بلکہ یوں کہے کہ طواف وداع کا ساقط ہونا صرف حائضہ عورت کے ساتھ خاص ہے، یہی طواف وداع کے وجوب کی دلیل ہے۔

طواف وداع کے ترک پر جزا.....جب طواف وداع کا وجوب ثابت ہوگیا تو یہ بلا خلاف رکن نہیں، بقیہ واجبات کی طرح ترک کرنے پر دم واجب ہوگا، چنانچہ اگر کوئی شخص مکہ سے یا منیٰ سے طواف وداع کے بغیر ہی جان بوجھ کر یا بھول کر یا وجوب سے جاہل ہونے پر نکل گیا پھر مکہ سے مسافت قصر کے اندر اندر سے واپس لوٹ آیا اور طواف کر لیا تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دم ساقط ہو جائے گا، چونکہ مسافت قصر کے اندر اندر مقیم کا حکم ہے، اور اس مسافت میں قصر بھی نہیں ہوتی اور روزہ بھی افطار نہیں کرنا پڑتا، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو مقام مرظہران سے مکہ واپس کیا تاکہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں گزرے۔ ❷ جو شخص طواف وداع ترک کر دے اگر وہ قریب ہو تو اس پر واجب ہے کہ واپس لوٹ آئے، مسافت قصر سے کم کم درجہ قریب میں شمار ہے، اگر مسافت قصر سے دور ہو تو دم بھیجے گا۔ ❸

شرائط.....طواف وداع کی شرائط وجوب، شرائط صحت وادا۔

طواف وداع کی اہم شرائط وجوب دو ہیں۔

ا.....یہ کہ اہل طواف اہل آفاق میں سے ہو، حنفیہ کے نزدیک اہل مکہ پر طواف نہیں ہے، جو اہل مکہ کے حکم میں ہو اس پر بھی طواف نہیں یہ وہ شخص ہے جو داخل میقات ہو، چونکہ طواف وداع مکہ سے رخصت ہونے پر ہوتا ہے، حنابلہ کہتے ہیں: جس شخص کا گھر حرم میں ہو وہ مکی کے حکم میں ہے، جس شخص کا گھر خارج مکہ ہو لیکن مکہ کے قریب ہو تو وہ طواف وداع کئے بغیر باہر نہ جائے، چونکہ گذشتہ حدیث میں عموم ہے۔ ’’ہرگز کوئی

❶.....متفق علیہ۔ ❷ رواہ سعید بن المنصور فی سننہ۔ ❸ یعنی بکری بھیجے جو حرم میں ذبح کی جائے۔

شخص بھی مکہ سے کوچ نہ کرے حتیٰ کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے پاس گزرے۔''

شافعیہ کہتے ہیں: جو شخص بھی مکہ سے باہر جانا چاہتا ہو اور اس کا سفر کا ارادہ ہو اگرچہ وہ مکی ہی کیوں نہ ہو، برابر ہے سفر طویل ہو یا کم اس کے لئے بھی طواف وداع واجب ہے، اس کی دلیل بھی ابن عباس کی حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے، دوسری دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے'' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعمال حج سے فارغ ہوئے تو طواف وداع کیا۔'' مالکیہ کے نزدیک مکی کے لئے یہ عموم مستحب ہے۔

۲..... دوسری شرط حیض ونفاس سے پاک ہونا ہے، چنانچہ حائضہ اور نفاس والی عورت پر طواف وداع واجب نہیں، ان پر چھوڑنے کی وجہ سے دم بھی نہیں، دلیل حدیث سابق ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کو رخصت دی ہے۔'' اس طواف کو چھوڑنے پر کوئی بدلا واجب نہیں لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حائضہ عورتوں پر یہ طواف واجب نہیں۔ چونکہ اگر واجب ہوتا تو اس کا بدل بھی واجب ہوتا، طواف وداع سے پہلے جب کسی عورت کو حیض آجائے وہ چلی جائے اس پر طواف نہیں، اور نہ ہی فدیہ ہے یہ حکم بالاتفاق ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو حیض آگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بغیر طواف وداع کے واپس چلی جائیں۔

طواف وداع کے وجوب کے لئے طہارت شرط نہیں ہے یعنی وضو اور غسل کی طہارت شرط نہیں، بلکہ بے وضو اور جنبی پر بھی طواف وداع واجب ہے چونکہ حدث اور جنابت کا ازالہ ممکن ہے۔

طواف وداع کے صحیح ہونے کی دو شرائط: ۱..... نیت شرط ہے چونکہ طواف عبادت ہے لہٰذا اس کے لئے نیت شرط ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک نیت کی تعیین شرط نہیں، چنانچہ اگر کسی نے طواف زیارت کے بعد طواف کیا یا کچھ بھی تعیین نہ کی یا نفلی طواف کی نیت کر لی تو جو بھی طواف ہوا وہ طواف وداع ہی ہوگا چونکہ یہ وقت اسی کے لئے متعین ہے، لہٰذا مطلق نیت اسی کی طرف پھیری جائے گی جیسے رمضان کا روزے کی نیت۔

۲..... یہ کہ طواف وداع طواف زیارت کے بعد ہو اگر عرفات سے کوچ کرنے کے بعد طواف وداع کر دیا یا کچھ نیت نہ کی یا نفلی طواف کی نیت کر دی تو وہ طواف زیارت ہی ہوگا چونکہ یہ وقت طواف زیارت کا وقت ہے اور طواف وداع طواف زیارت پر مرتب ہوتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک طواف وداع طواف زیارت سے ادا ہو جاتا ہے اور طواف عمرہ سے بھی ادا ہو جاتا ہے، ایک طواف سے دونوں کی نیت کر لی ثواب حاصل ہو جائے گا جیسے تحیۃ المسجد فرض سے ادا ہو جاتا ہے۔

طواف وداع کی کیفیت طریقہ اور سنتیں بقیہ طوافوں کی طرح ہیں جو ذیل میں ہیں۔

وقت..... جب آدمی حج کے سب افعال سے فارغ ہو جائے تب طواف وداع کرے، اور جس وقت مکہ سے کوچ کرنے کا ارادہ ہوتا کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے پاس گزرے۔ یہ مستحب اور افضل وقت کا بیان ہے یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، اگر مکہ میں طویل مدت تک ٹھہرا رہا اور مکہ کو وطن نہ بنایا اس کا طواف صحیح ہوگا، اگرچہ طواف کے بعد سال بھر ٹھہرا رہے، حنفیہ کے نزدیک طواف وداع ایام نحر اور ان کے بعد کیا جا سکتا ہے، وہ ادا ہوگی قضاء نہیں۔

جمہور..... جمہور کہتے ہیں: جس وقت حاجی مکہ سے کوچ کرے اس وقت طواف وداع کرے اگر طواف وداع پہلے کر لیا پھر تجارت وغیرہ میں مشغول ہو گیا تو دوبارہ طواف کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل گذشتہ حدیث سے ہے۔'' کوئی شخص بھی ہرگز مکہ سے کوچ نہ کرے یہاں تک کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے پاس گزر جائے۔'' عقلی وجہ یہ ہے کہ جب طواف کے بعد مکہ میں ٹھہرا رہے گا تو عادۃً اسے الوداع ہونا

نہیں کہتے، لہٰذا اسے یہ طواف کافی نہیں ہوگا یہ ایسا ہی ہوگا جیسے افعال حج مکمل ہونے سے پہلے طواف وداع کرلے۔

اگر راستے میں چلتے چلتے خرید وفروخت کرلی یا اپنی کوئی ضرورت پوری کرلی تو دوبارہ طواف کرنے کی ضرورت نہیں۔

طواف کی جگہ.....طواف کی جگہ بیت اللہ کا اردگرد ہے، چنانچہ طواف بیت اللہ کے گرد گھومنے ہی کا نام ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس گھر کا حج کرلے تو اسے چاہئے کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں صرف ہو۔" اگر کوئی شخص بغیر طواف کے رخصت ہوگیا تو اس پر واجب ہے کہ واپس لوٹے اور بیت اللہ کا طواف کرے، حنفیہ کہتے ہیں جب تک میقات کو تجاوز نہیں کیا واپس لوٹ آئے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسافت قصر کے اندر اندر ہو تو واپس لوٹ آئے، چونکہ اس نے طواف واجب چھوڑ دیا ہے اور واپس لوٹنا اس کے لئے ممکن ہے از سر نو احرام باندھنے کی ضرورت بھی نہیں، اگر میقات کو تجاوز کرگیا یا مسافت قصر سے باہر نکل گیا تو واپس لوٹنا واجب نہیں، بہتر بھی یہی ہے کہ واپس نہ لوٹے اور طواف کی بجائے جانور ذبح کرے چونکہ اس میں اس کے لئے آسانی ہے اور فقراء کے لئے اس میں زیادہ نفع ہے، چونکہ اس میں مشقت نہیں عمرہ کے لئے احرام باندھنے کا ضرر بھی نہیں، چونکہ جب واپس آئے گا عمرہ کا احرام باندھے گا، عمرہ کا طواف کرے گا پھر سعی کرے گا اس کے بعد طواف وداع کرے گا، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر کچھ نہیں، چونکہ وہ جگہ سے دور نکل چکا ہے۔

شافعیہ اور قاضی ابویعلیٰ حنبلی کے نزدیک دم ساقط نہیں ہوگا اگر مسافت قصر سے واپس لوٹ آیا، چونکہ طویل سفر کرکے اس پر دم کا حکم امر ہوچکا۔ لہٰذا ساقط نہیں ہوگا۔

دو رکعت نماز، ملتزم اور حطیم میں وقوف، دعا، آب زمزم کا پینا اور طواف وداع کے بعد حجر اسود کا بوسہ لینا......جب حاجی طواف وداع سے فارغ ہوجائے تو دو رکعت نماز پڑھے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، جو شخص طواف وداع کرے تو اس کے لئے ملتزم میں ٹھہرنا مستحب ہے، ملتزم حجر اسود اور رکن کے درمیان چار ہاتھ کے بقدر جگہ ہے، اس جگہ کے ساتھ چمٹ جائے، اپنا سینہ رگڑے اور دونوں ہاتھوں کو پھیلائے، حاجی دائیں طرف دروازے کی سمت کرے اور بائیں طرف حجر اسود کی طرف۔ اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ ❶

حطیم کے پاس بھی آئے یہ پرنالے کے نیچے کا علاقہ ہے، پھر آب زمزم پیئے، حجر اسود کا استلام کرے اور اس کا بوسہ لے، منصور کہتے ہیں میں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ جب میں طواف وداع کا ارادہ کروں تو اس وقت میں کیا کروں۔ فرمایا: تم بیت اللہ کے گرد سات چکر لگاؤ، مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھو، پھر زمزم کے پاس آجاؤ اور پانی پیئو، پھر حجر اسود اور دروازے کے درمیان ملتزم کے پاس آجاؤ، اس کا استلام کرو، پھر دعائیں کرو، اپنی حاجت طلب کرو پھر حجر اسود کا استلام کرو اور واپس لوٹ جاؤ۔

ملتزم کے پاس پڑھنے کی دعا.....فقہاء کرام کہتے ہیں ملتزم کے پاس یہ دعا پڑھے:

"اللهم هذا بيتك وأنا عبدك وابن عبدك، حملتني على ماسخرت لي من خلقك وسيرتني في بلادك حتي بلغتني بنعمتك الى بيتك واعنتني على اداء نسكي، فان كنت رضيت عن فازددعني رضاً والا فمن الآن قبل ان تنأ ى عن بيتك داري، فهذا اوان انصرافي، ان اذنت لي، غير مستبدل بك ولا بيتك ولا راغب عنك ولا عن بيتك، اللهم فاصبحني العافية في بدني، والصحة في جسمي، والعصمة في عيني، واحسن منقلبي وارزقني طاعتك ابداً ما ابقيتني، واجمع لي بين خيري الدنيا والآخرة انك على كل شيءٍ قدير" ❷

❶.....رواه ابوداؤد عن عبدالرحمن بن صفوان وعن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده۔ ❷ هومن كلام الا مام الشافعي، اخرجه البيهقي۔

یا اللہ یہ تیرا گھر ہے، میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تو نے اپنی مخلوق میں سے مسخر کی ہوئی سواری پر سوار کیا، اپنے شہروں اور ملکوں میں مجھے چلنے کی توفیق بخشی، حتیٰ کہ تو نے اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنے گھر تک پہنچایا، افعال حج ادا کرنے کی مجھے توفیق بخشی، اگر تو مجھ سے راضی ہے تو رضامندی میں اضافہ فرما، ورنہ بیت اللہ سے دور ہونے سے پہلے پہلے مجھ پر احسان فرما، ابھی یہ میرے واپس لوٹنے کا وقت ہے، میں تیرے حضور کھڑا ہوں اور تیرے گھر کے پاس ہوں، تجھ سے پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور تیری گھر سے بھی کوئی چیز پھیرنے والی نہیں، یا اللہ میرے بدن کو صحت عطا فرما اور عافیت سے نواز، دین پر چلنے کا ملکہ مجھے عطا فرما، میرا واپس لوٹنا اچھا ہو، جب تک میں زندہ رہوں مجھے اپنی اطاعت عطا فرما، مجھے دنیا وآخرت بھی بھلائی عطا فرما، بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر عورت کو حیض آجائے تو مسجد میں داخل نہ ہو بلکہ دروازے پر کھڑے یہ دعا کرے۔

واپس لوٹنے کی کیفیت..... شافعیہ اور بقیہ فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ بیت اللہ کے پاس سے رخصت ہونے والا شخص بیت اللہ کی طرف پشت کر کے چل پڑے، الٹے پاؤں پیچھے نہ چلے۔ ❶ جیسا کہ بیت سارے لوگ کرتے ہیں، فقہاء کہتے ہیں بلکہ الٹے پاؤں پیچھے چلنا مکروہ ہے، چونکہ اس میں کوئی حدیث مروی نہیں اور نہ کوئی اثر مروی ہے، جس عمل کی کوئی اصل نہ ہو اس کا تکلف نہیں کیا جائے گا، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب تم مسجد کے دروازے سے باہر جارہے ہو تو تو مڑ کر ایک نظر کعبہ کو دیکھو پھر کہو: یا اللہ! بیت اللہ کے پاس آنا میرا یہ آخری بار نہ ہو۔

حج سے واپس لوٹنے کی دعا..... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حج سے یا عمرہ سے یا کسی غزوہ سے واپس لوٹتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

آیبون تائبون، عابدون لربنا حامدون، صدق اللہ وعدہ، ونصر عبدہ وھزم الا حزاب وحدہ

ہم سفر سے واپس لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں، رب تعالیٰ کی بندگی کرنے والے ہیں اور رب تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے اسی نے لشکروں کو شکست سے دوچار کیا۔

حرم سے کسی چیز کا لینا..... حرم کی مٹی، حرم کے پتھر اپنے ساتھ اپنے وطن لے کر جانا جائز نہیں، حل سے بھی کسی چیز کا ساتھ لے کر جانا جائز نہیں، کعبہ کی خوشبوجات میں سے بھی کوئی خوشبو ساتھ لے کر جانا جائز نہیں، نہ ہی تبرک کے لئے اور نہ ہی کسی اور مقصد کے لئے، جو شخص بھی کعبہ کی کوئی چیز اٹھائے اسے واپس کرنا واجب ہے، کعبہ کے پردوں کو چاک کرنا جائز نہیں، پردوں کو ساتھ لے کر جانا، ان کی خرید وفروخت، قرآنی اوراق کے درمیان رکھنا وغیرہ کوئی چیز جائز نہیں، جو شخص بھی پردوں کا ٹکڑا اٹھائے اس کا واپس رکھنا واجب ہے۔

حرم کے جانور کو شکار کرنا حرام ہے خواہ شکاری محرم ہو یا حلال، اسی طرح حرم کے شکار کا مالک بننا اور رکھنا حرام ہے۔ آب زمزم کو ساتھ لے کر جانا جائز ہے اسی طرح حرم کے دوسرے پانی بھی ساتھ لے کر جانا جائز ہے چونکہ پانی کے بعد اور پانی آجاتا ہے بخلاف مٹی اور پتھر کے۔

دوم: طواف کی شرائط اور واجبات..... صحت طواف کے لئے حنفیہ کے نزدیک پانچ شرائط ہیں، مالکیہ کے نزدیک سات شرائط ہیں، شافعیہ کے نزدیک آٹھ شرائط ہیں، اور حنابلہ کے نزدیک چودہ (۱۴) شرائط ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک طواف کی شرائط..... حنفیہ کے نزدیک طواف کے صحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ ❶

---

❶..... یعنی اس طرح نہ چلے کہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور ایڑیوں کی سمت پیچھے چلنا شروع کرے۔ ❷ دیکھئے البدائع ۱۲۸/۲، فتح القدیر ۱۸۰/۲۔

نیت طواف......طوف کے لئے اصل نیت شرط ہے تعیین کی چنداں ضرورت نہیں، اگر طواف کی اصل نیت نہ ہوئی یا بھاگتے ہوئے طواف کر دیا یا مقروض کی تلاش میں چلتے چلتے طواف کر دیا تو یہ طواف کافی نہیں ہوگا، چنانچہ طواف اور وقوف عرفہ کے درمیان فرق نیت کا ہے طواف کے لئے نیت شرط ہے وقوف عرفہ کے لئے شرط نہیں، چونکہ وقوف عرفہ رکن ہے جو حالت احرام میں کیا جاتا ہے اس کے لئے حج کی سابقہ نیت ہی کافی ہے، جیسے نماز میں رکوع اور سجدہ کی مستقلاً نیت نہیں کی جاتی اصل نماز کی نیت کافی ہوتی ہے، رہی بات طواف کی سو وہ احرام کے ہوتے ہوئے حلال ہونے کے لئے کیا جاتا ہے، اور حلال ہوتے ہوئے احرام نہیں ہوتا۔

۲: قادر کا پیادہ پا طواف کرنا......جو شخص پیدل چلنے پر قدرت رکھتا ہو اس کا پیدل چل کر طواف کرنا شرط ہے البتہ اگر معذور ہو تو سوار ہو کر طواف کرے، اگر کسی شخص نے سوار ہو کر بلا عذر طواف کیا تو دہرانا واجب ہے، یعنی جب تک مکہ میں رہے دہرائے، اگر اعادۂ طواف کے بغیر واپس لوٹ آیا تو دم واجب ہوگا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ سورۃ الحج ۲۲/۲۹

قدیم گھر کا طواف کرو۔

چنانچہ سوار حقیقت میں طواف کرنے والا نہیں ہوتا، اس سے نقص آئے گا جس کا جبیرہ دم سے کرنا واجب ہے۔

۳: طواف کی جگہ......یہ کہ طواف بیت اللہ کے ارد گرد ہو اور مسجد حرام میں ہو، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ سورۃ الحج ۲۲/۲۹

بیت اللہ کا طواف وہی ہوگا جو اس کے ارد گرد ہوگا، لہٰذا مسجد کے اندر بیت اللہ کا طواف جائز ہوا ہے خواہ بیت کے قریب قریب سے ہو یا دور سے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مسجد میں ہو، اگر کسی شخص نے زمزم کے پیچھے سے اور مسجد کی دیوار کے قریب سے طواف کیا تو یہ کافی سمجھا جائے گا، چونکہ یہاں بیت اللہ کا طواف پایا گیا، اگر مسجد کے گرد طواف کیا درحالیکہ طواف کرنے والے اور بیت اللہ کے درمیان دو دیواریں حائل ہوں تو یہ طواف کافی نہیں ہوگا، چونکہ مسجد کی دیواریں رکاوٹ ہیں۔

البتہ حطیم کے باہر سے طواف کرے چونکہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیت اللہ کا حصہ قرار دیا ہے۔

۴: وقت......طواف زیارت کا وقت قربانی کے دن کا طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے طواف زیارت جائز نہیں، طواف زیارت کا آخری مقرر وقت کوئی نہیں، بلکہ سبھی دن سبھی راتیں اس کا وقت ہیں، اگر کسی شخص نے قربانی کے دن سے موخر کر کے طواف کیا تو اس پر کچھ جرمانہ نہیں، چونکہ طواف زیارت کے متعلق حدیث مطلق ہے۔ کہ ''طواف کرو کوئی حرج نہیں۔'' البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایام قربانی سے موخر کرنے پر دم ہوگا، اگر اپنے وطن واپس لوٹ آیا تو اپنے پہلے احرام کے ساتھ مکہ واپس جائے، نئے احرام کی چنداں حاجت نہیں، تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

رہی یہ بات کہ قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ) کے طلوع فجر سے پہلے طواف جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں طلوع فجر سے پہلے کا وقت حج کے ایک اور رکن کا وقت ہے اور وہ وقوف عرفہ ہے، لہٰذا طلوع فجر سے قبل طواف کا وقت نہیں چونکہ ایک وقت دو ارکان کا وقت نہیں ہو سکتا۔

۵: طواف کی فرض مقدار......طواف کے اکثر چکر طواف کی فرض مقدار ہے، اور سات چکر پورے کرنا واجب ہے، فرض نہیں۔

حدث، جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں، چونکہ طواف جائز ہے، طہارت طواف کے لئے فرض نہیں بلکہ واجب ہے، حتیٰ کہ طہارت کے بغیر بھی طواف ہو جاتا ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ سورۃ الحج ۲۲/۲۹

آیت میں مطلق طواف کا حکم دیا گیا ہے اور طہارت کی شرط نہیں لگائی گئی، خبر دار کے ساتھ مطلق کو مقید نہیں کیا جاسکتا، رہی وہ حدیث جس میں طہارت کو شرط قرار دیا گیا ہے تو وہ حدیث نماز پر محمول ہے۔ ❶ البتہ اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کے طور پر کلام کو مباح رکھا ہے معنی یہ ہے کہ طواف نماز کی طرح ہے، وجہ شبہ ثواب اور اصل فرضیت ہے۔

اگر کسی شخص نے بغیر طہارت کے طواف کر دیا تو جب تک وہ مکہ میں ہو اس پر اعادہ واجب ہے، تا کہ ایک چیز کا جبیرہ اسی کی جنس سے ہو جائے، اگر ایام نحر میں اعادہ کر دیا تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، اگر ایام نحر سے تاخیر کر دی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم واجب ہوگا، اگر اعادہ نہ کیا اور اپنے وطن واپس لوٹ آیا تو دم واجب ہوگا، البتہ اگر حالت حدث (بے وضو) طواف کیا تو بکری ذبح کرے چونکہ نقصان تھوڑا ہے، اگر حالت جنابت میں طواف کیا تو گائے یا اونٹ ذبح کرے چونکہ طواف میں فاحش قسم کا نقص آیا ہے۔

طواف کے چکروں میں تسلسل حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں، چنانچہ اگر کسی شخص نے طواف کے دوران نماز جنازہ پڑھ لی، یا فرض نماز پڑھی یا تازہ وضو کرنے چلا گیا پھر واپس لوٹا تو اپنے طواف پر بنا کرے ازسرنو طواف کرنا لازمی نہیں۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ سورۃ الحج ۲۲/۲۹

آیت میں تسلسل کی شرط نہیں لگائی گئی بلکہ مطلق ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرنا بھی شرط نہیں، بلکہ ظاہر الروایہ میں اسے سنت قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی شخص نے حجر اسود کے علاوہ کسی اور جگہ سے طواف شروع کر دیا تو وہ بھی جائز ہے لیکن مکروہ ہے چونکہ مذکورہ بالا آیت مطلق ہے اس میں جو اسود سے شروع کرنے کی شرط نہیں لگائی گئی۔

جوتے اور موزے پہن کر طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ پاک ہوں، چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کے ساتھ طواف کیا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک طواف کی شرائط...... مالکیہ کے نزدیک طواف کی سات شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷

۱.....حدث اور نجاست سے پاک ہونا اور ستر کا ہونا جیسے نماز کے لئے یہ چیزیں شرائط میں طواف کے لئے بھی شرائط ہیں البتہ طواف میں باتیں کرنا مباح ہیں۔

۲.....سوالات یعنی طواف کے چکر پے در پے لگانا، طواف کے چکروں میں فصل کثیر نہ ہو اگر چکروں میں کثیر فرق کر دیا خواہ کسی ضرورت کی وجہ سے یا بلاضرورت تو ازسرنو طواف کرے۔

جب فرض نماز کھڑی کر دی جائے اور جماعت امام راتب کرا رہا ہو تو طواف قطع کر دینا واجب ہے، امام راتب سے مراد مقام ابراہیم کا امام ہے، اور یہ مقام شافعی کے نام سے مشہور ہے، امام غیر راتب کے ساتھ طواف قطع کرنا جائز نہیں، جب چکر کے دوران نماز کھڑی کر دی جائے تو چکر پورا کرنا مستحب ہے، یعنی حجر اسود تک چکر لگالے تا کہ اگلے چکر کی ابتدا حجر اسود سے کرے، اگر چکر پورا نہ کرے تو اسی جگہ سے شروع کرے جہاں سے چکر منقطع کیا تھا، پھر سلام پھیرنے کے بعد اسی چکر پر طواف کی بنا کرے۔

حاصل.....فرض نماز طواف کو نہیں توڑتی اور نہ ہی باطل کرتی ہے، جبکہ نفل نماز اور نماز جنازہ طواف کو باطل کر دیتی ہے، کسی عذر کی وجہ

---

❶.....ابن حبان اور حاکم نے ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے الا یہ کہ اس میں بات کرنا حلال ہے لہذا جو شخص طواف میں بات کرے وہ بھلی بات کرے۔ واخرجه الترمذی بتغيير يسير. ❷ القوانين الفقهية ص ۱۳۲ الشرح الصغير ۲/۴۶، بداية المجتهد ۱/۳۳۰.

سے طواف کے چکروں میں وقفہ پڑ گیا مثلاً نکسیر آ گئی تو اس سے بھی طواف باطل نہیں ہوگا، خون وغیرہ دھو کر وہیں سے طواف جاری رکھے جہاں سے چھوڑا تھا۔

۳..... یہ کہ بیت اللہ کو بائیں جانب رکھے اور حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرے۔

۴..... یہ کہ پورے کا پورا دن بیت اللہ سے باہر ہو، بیت اللہ کے اندر طواف نہیں ہوتا۔

۵..... یہ کہ مسجد کے اندر اندر سے طواف ہو، باہر سے طواف کافی نہیں ہوگا۔

۶..... حجر اسود سے پھر حجر اسود تک طواف کے ساتھ چکر لگانا شرط ہے، سات چکروں سے کم کافی نہیں اور چھ چکروں پر مثلاً اکتفا کر لینا جائز نہیں، اگر طواف کے چکروں میں شک ہو جائے آیا کہ تین چکر لگائے ہیں یا چار چکر تو مشکوک کی کم از کم تعداد پر بنا کرے۔ یعنی تین ہو گئے چوتھا چکر لگائے۔

۷..... طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا۔

جو شخص پیدل چلنے کی قدرت رکھتا ہو تو مالکیہ کے نزدیک پیدل چلنا واجب ہے جیسے سعی کے دوران پیدل چلنا واجب ہے۔ اگر قادر نے پیدل چل کر طواف کیا پھر اس کا اعادہ نہ کیا اور مکہ سے باہر نکل آیا تو اس پر دم واجب ہے، اگر وطن سے واپس آ کر پیادہ یا طواف کیا تو دم ساقط ہو جائے گا، جو شخص پیدل چلنے سے عاجز ہو اس پر دم نہیں۔

اسی طرح حجر اسود سے ابتداء کرنا مالکیہ کے نزدیک واجب ہے شرط نہیں، اگر کہیں اور سے ابتدا کر دی تو اس پر دم لازمی ہے۔

طواف زیارت کا وقت مالکیہ کے نزدیک قربانی کے دن طلوع فجر سے ہے جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک ہے، طلوع فجر سے پہلے طواف صحیح نہیں، جیسے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی دس ذالحجہ سے پہلے صحیح نہیں ہوتی۔

شافعیہ کے نزدیک طواف کی شرائط..... یہ واجبات ہیں جو شرائط اور ارکان پر مشتمل ہیں اور وہ آٹھ ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔ [1]

۱..... ستر عورت جیسا کہ نماز میں ستر عورت ہوتا ہے، اس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے۔ "کوئی عریاں شخص بیت اللہ کا طواف نہ کرے، اگر کوئی شخص ستر عورت سے عاجز ہو وہ عریاں ہی طواف کرے اور اسے یہ طواف کافی ہوگا جیسے نماز عریاں ہو جاتی ہے۔

۲، ۳..... حدث اور نجاست سے کپڑے، بدن اور جگہ کا پاک ہونا چونکہ بیت اللہ میں طواف کرنا نماز کی طرح ہے، جیسا کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے، اگر طواف کے دوران کسی کو حدث لاحق ہو گیا یا اس کا بدن نجاست سے آلود ہوا یا کپڑا نجاست زدہ ہوا، یا جائے طواف نجاست زدہ ہوئی یا ستر عورت پر قادر ہونے کے باوجود بدن ننگا ہو گیا تو پاکی حاصل کرے اور بدن ڈھانپے پھر اسی طواف پر بنا کرے، گو پاکی حاصل کرنے اور بدن ڈھانپنے میں وقفہ طویل ہو جائے تب بھی سابقہ طواف پر بنا کرے، چنانچہ شافعیہ موالات یعنی تسلسل کی شرط نہیں لگاتے البتہ از سر نو طواف کرنا مسنون ہے۔

البتہ مطاف (جائے طواف) میں نجاست کا غلبہ ہو جانا عموم بلویٰ ہے لہٰذا حج کے دوران اتنی مقدار معاف ہوگی جس سے احتراز دشوار ہو، البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ طواف کرنے والا جان بوجھ کر نجاست میں نہ پڑے، اور نجاست میں رطوبت بھی نہ ہو۔

جس شخص نے تیمم کیا ہو یا وہ پانی کے استعمال سے معذور ہو تو زیادہ راجح قول یہی ہے کہ وہ طواف کر سکتا ہے تاکہ احرام سے حلال ہو سکے، پھر اگر مکہ واپس آئے تو اعادہ لازمی ہوگا۔

۴..... یہ کہ طواف کرنے والا بیت اللہ کو اپنی بائیں طرف رکھے، اس طرح گزرے کہ چہرہ دروازے کی طرف ہو، اسی میں سنت کی

---

[1]..... دیکھئے مغنی المحتاج ۱/ ۴۸۵۔

پیروی ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔ ''اپنے مناسک مجھ سے حاصل کرلو۔ ❶ اگر سنت کی مخالفت کی تو طواف صحیح نہیں ہوگا، اگر گدی کے بل لیٹ کر یا منہ کے بل لیٹ کر اس طرح طواف کیا کہ بیت اللہ بائیں طرف رہا تو بھی طواف صحیح ہوا۔

۵..... حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرنا۔ چونکہ یہ اتباع سنت ہے، طواف اس طرح ہو کہ بائیں جانب کے بدن کا کوئی حصہ بھی حجر اسود سے آگے نہ ہو اور بالکل حجر اسود کی سیدھ میں رہ کر شروع کرے، اگر سیدھ صحیح نہ ہوئی مثلاً بدن کا کچھ حصہ دروازے کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہو تو طواف صحیح نہیں ہوگا۔ جب چکر لگا کر حجر اسود کی سیدھ میں پہنچے اسی سے دوسرے چکر کی ابتداء کردے۔

طواف میں یہ شرط ہے کہ طواف بیت اللہ، حجر اسماعیل اور شاذ روان ❷ کی حدود کے باہر سے ہو، اگر کوئی شخص شاذ روان پر چلا یا دیوار کو مس کر دیا، یا شاذ روان کے فضائی حصہ میں اپنے بدن کا کوئی حصہ داخل کر دیا یا حجر اسماعیل کی حدود کے اندر کسی حصہ کے ساتھ داخل ہوا تو اس کا طواف صحیح نہیں ہوگا۔ رہی یہ بات کہ طواف حجر (حطیم) کے باہر سے ہوگا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ سورۃ الحج ۲۲/۲۹

بیت اللہ کا طواف تبھی ہوگا جب طواف بیت اللہ کے باہر سے ہو اور حجر بیت اللہ کا حصہ ہے، ورنہ طواف بیت اللہ کے اندر سے ہوگا۔

رہی بات حجر کی ❸ سو اس کے باہر سے اس لئے طواف ہوگا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باہر سے طواف کیا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''مجھ سے افعال حج سیکھو اور حاصل کرو۔'' امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتی ہیں۔ ''میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حجر (حطیم) کے بارے میں پوچھا: آیا کہ وہ بیت اللہ کا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں، میں نے عرض کیا پھر لوگوں نے حطیم کو بیت اللہ میں شامل کیوں نہیں کیا؟ فرمایا: تمہاری قوم (قریش) کے پاس اخراجات کم پڑ گئے تھی، میں نے عرض کیا پھر اس کا دروازہ کیوں اوپر اٹھا ہوا ہے؟ تمہاری قوم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ جسے چاہیں بیت اللہ میں داخل کریں اور جسے چاہیں داخل ہونے سے روکیں، اگر تمہاری قوم جاہلیت سے ابھی ابھی نہ نکلی ہوتی میں دیوار کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا تاہم مجھے ان کے دلوں کے منکر ہو جانے کا خوف ہے، اور میں اس کے دروازے کو زمین کے ساتھ ملا دیتا۔'' ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر (حطیم) کا سبھی حصہ بیت اللہ میں داخل ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں، بلکہ بیت اللہ کے ساتھ ملا ہوا چھ ہاتھ کے برابر کا حصہ بیت اللہ کا حصہ ہے، بہر حال پوری حطیم کے باہر سے طواف کرنا واجب ہے چونکہ حج اتباع کا نام ہے۔

ملاحظہ..... واضح رہے جو شخص حجر اسود کا بوسہ لے رہا ہو اس کا سر بوسہ لیتے وقت کسی قدر بیت اللہ کے حصہ میں ہوتا ہے ایسی حالت میں طواف کرنے والے کے لئے لازمی ہے کہ اس کے پاؤں جگہ پر جمے رہیں حتیٰ کہ بوسہ لے کر فارغ ہو جائے اور جگہ پر سیدھا کھڑا ہو جائے۔

۶..... یہ کہ طواف مسجد کے اندر ہو، سنت کے اتباع میں مسجد کے گرد چکر لگانے سے طواف صحیح نہیں ہوتا۔

اگر چہ طواف کرنے والے اور بیت اللہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے جیسے ستون وغیرہ، مسجد کی چھت پر طواف کرنا صحیح ہے، اگر چہ مسجد کی چھت، بیت اللہ کی چھت سے بلند ہو، جیسے پہاڑ ابو قبیس پر نماز پڑھنا صحیح ہے حالانکہ یہ پہاڑ بیت اللہ سے بلند ہے۔

۷..... یہ کہ بیت اللہ کے گرد طواف کے لئے سات چکر لگائے اگر ایسے اوقات میں طواف کر رہا ہو جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، اگر سات چکروں میں سے کچھ چھوڑ دیا اگر چہ تھوڑی مقدار میں چھوڑے تو طواف کافی نہیں ہوگا، اگر چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو کم از کم

---

❶ ..... یعنی حج کرنے کا طریقہ مجھ سے سیکھ لو۔ ❷ شاذ روان کوہان نما ایک چھوٹی سی دیوار ہے جو رکن غربی اور رکن یمانی کے درمیان واقع ہے، اخراجات کم ہونے کی وجہ سے قریش نے اسے بیت اللہ کی تعمیر کے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ❸ حجر رکنین شامیین یعنی شمال کی طرف کا حصہ ہے جس کا چھوٹی سی دیوار کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے یہ دیوار زمین سے تین ہاتھ بلند کی گئی ہے۔

مقدار کو یقین قرار دے کر اس پر عمل کرے۔

۸.....مستقلاً طواف کی نیت کرنا بایں طور کہ دیگر افعال کو شامل نہ ہو جیسے سبھی اقسام کی عبادات میں ہوتا ہے، جیسا کہ طواف منذ ور اور نفلی طواف اگر ایسا طواف ہے جو افعال حج میں شامل ہے جیسے طواف زیارت تو مستقلاً اس کی نیت کی ضرورت نہیں چونکہ افعال حج کی نیت اسے بھی شامل ہوتی ہے۔

طواف وداع کے لئے نیت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں چونکہ طواف وداع حلال ہونے کے بعد کیا جاتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شیخین یعنی امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طواف وداع مناسک میں سے نہیں ہے لہٰذا تعیین کی نیت لابدی ہے۔

طواف وداع کا وقت دس ذی الحجہ کی نصف رات سے شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قربانی کی رات بھیجا انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی اور پھر طواف زیارت کیا۔ ❶

طواف میں پیدل چلنا شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں بلکہ سنت ہے جیسا کہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے، ننگے پاؤں چلنا مسنون ہے۔ الا یہ کہ کوئی عذر ہو تو پاک وصاف جوتے پہن کر کرے۔

طواف کے بعد کی دو رکعتیں شافعیہ کے نزدیک سنت ہیں، طواف کے کچھ دینی واجبات ہیں، منجملہ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱.....طواف کے وقت ہر طرح کی خلاف ورزی سے اجتناب کرے۔

۲.....دوسروں کو حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔

۳.....ہر طرح کے آداب کی رعایت کرے۔

۴.....اپنے ہاتھ اور نظر کی حفاظت کرے۔

حنابلہ کے نزدیک طواف کی شرائط.....حنابلہ کے نزدیک طواف کی چودہ شرائط ہیں۔ ❷ اسلام، عقل، نیت، دخول وقت، جو قادر ہو اس کا ستر عورت ہونا، حدث سے پاک ہونا، بچے کے لئے یہ شرط نہیں، نجاست سے پاک ہونا، سات چکروں کو بالیقین مکمل کرنا، اگر چکروں میں شک ہو تو یقینی تعداد پر عمل کرے، چکروں کی تعداد میں دو عادل آدمیوں کی گواہی قبول کی جائے گی، بیت اللہ کو بائیں طرف رکھنا، الٹے پاؤں نہ چلنا، جو قدرت رکھتا ہو اس کا پیدل چلنا، طوف کے چکر پے درپے لگانا، طواف مسجد کے اندر ہو یا باہر نہ لگانا، حجر اسود کی سیدھ سے طواف کی ابتداء کرنا بیت اللہ کے کسی حصہ میں مثلاً حطیم اور شاذ روان میں داخل نہ ہونا۔

رہی بات طواف زیارت کے وقت کی تو اس کا وقت دس ذی الحجہ کی رات کے نصف سے شروع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے، طواف کی دو رکعتیں سنت ہیں جیسا کہ شافعیہ کے ہاں ہے۔

طواف کی شرائط کے متعلق فقہاء کی آراء کا خلاصہ.....مذکورہ بالا فقہی آراء کا خلاصہ مندرجہ ذیل طریقہ سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱.....حدث اور نجاست سے پاک ہونا حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں، بلکہ حنفیہ کے نزدیک طہارت واجب ہے، جبکہ باقی مذاہب میں شرط ہے۔

۲.....اصل نیت حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، مالکیہ کے نزدیک شرط نہیں، تعیین کے ساتھ نیت کرنا شافعیہ کے نزدیک شرط ہے جبکہ معین نیت حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔

---

❶.....رواہ ابو داؤد باسناد صحیح علی شرط مسلم عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ❷ دیکھئے غایۃ المنتہی ۱/ ۴۰۲ المغنی ۳/ ۴۴۰

۳.....جو شخص پیدل چلنے کی قدرت رکھتا ہو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا پیدل چلنا شرط ہے، مالکیہ کے نزدیک واجب ہے، شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔

۴.....مسجد کے اندر طواف کرنا بالاتفاق شرط ہے۔

۵.....حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرنا حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں بلکہ واجب ہے، بقیہ مذاہب میں شرط ہے۔

۶.....پے در پے چکر لگانا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔

۷.....جمہور کے نزدیک سات چکر شرط ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک سات چکر لگانا واجب ہے اور طواف کے اکثر چکر فرض ہیں۔

۸.....طواف زیارت کا وقت حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قربانی کے دن طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نصف رات سے شروع ہوتا ہے۔

۹.....طوف کی دو رکعتیں مالکیہ کے نزدیک واجب ہیں، حنفیہ کے نزدیک مباح وقت جس میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں اس میں پڑھنا واجب ہے، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ دو رکعتیں سنت ہیں۔

حائضہ عورت کا حج......جب احرام باندھتے وقت عورت حائضہ ہو تو احرام کے لئے غسل کرے اور وہ افعال بجالائے جو حاجی بجا لاتا ہے، البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے حتیٰ کہ پاک ہو جائے، جب عورت کو حیض آ جائے یا نفاس آئے تو احرام باندھنے کے بعد اس پر غسل نہیں، البتہ حائضہ اور نفاس والی عورت اندام نہانی پر کس کر کپڑا باندھے جو خون کو نہ پھیلنے دے، پھر حج کے سب افعال بجالائے البتہ طواف نہ کرے، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا تھا کہ وہ حاجی کی طرح سبھی افعال بجالائیں البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں۔ (۱)

ایک اور صحیح حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: جو کچھ حاجی کرے وہ تم بھی کرتی رہو البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو۔

اسی لئے حائضہ عورت پر طواف قدوم لازمی نہیں، چونکہ جمہور کے نزدیک طواف قدوم سنت ہے، اگر عورت حج تمتع کر رہی ہو اور عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے اسے حیض آ جائے تو وہ بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی، چونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے، جبکہ عورت اگر حائضہ ہو تو مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی، اگر حج فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے اور جمہور کے نزدیک حج قران کر لے۔

امام ابو حنیفہ......کہتے ہیں عمرہ چھوڑ دے اور حج کا احرام باندھے، ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ "سر کے بال کھول لو، کنگھی کرو اور حج کا احرام باندھو اور عمرہ کو چھوڑ دو۔" پھر جب تنعیم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عمرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تمہارے عمرہ کی جگہ عمرہ ہے۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ چھوڑ دیا تھا اور حج کا احرام باندھ لیا تھا۔

جمہور......کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا یوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج قران کیا، حتیٰ کہ جب پاک ہو چکیں تب بیت اللہ کا طواف کیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ سے حلال ہو چکی ہو، مقام تنعیم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمرہ کرنے کا حکم نہیں

---

(۱) ......متفق علیه عن جابر وروی مسلم عن عائشة۔ (نیل الاوطار ۴/۱۸۹)

دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو ایسا اس لئے کیا تا کہ وہاں سے بیت اللہ کی زیارت کر سکیں، حج کو عمرہ پر داخل کرنا بالا جماع جائز ہے، تب بھی جائز ہے جب حج کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو اگر حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بطریق اولیٰ حج کو عمرہ پر داخل کرنا جائز ہے، احرام باندھ لینے کے بعد خروج کی نیت سے حج یا عمرہ سے خروج کرنا جائز نہیں، حج یا عمرہ سے آدمی تب نکلتا ہے جب حلال ہو جاتا ہے اور افعال سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو فرمایا تھا کہ ''عمرہ چھوڑ دے، اس کا معنی ہے کہ عمرہ کے اعمال چھوڑ دو، چونکہ عمرہ کے افعال یعنی طواف، سعی اور بال کٹوانا حج میں داخل ہو جائیں گے۔

طواف زیارت کے بعد حیض کا آ جانا...... اگر وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد عورت کو حیض آ جائے تو مکہ سے واپس لوٹ جائے، طواف وداع چھوڑنے پر اس پر کچھ جرمانہ نہیں، چنانچہ طواف وداع سے پہلے اگر حیض آ جائے بالاتفاق عورت پر طواف وداع نہیں اور نہ ہی فدیہ ہے، اس کی دلیل حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث ہے کہ جب عورتوں نے خبر دی کہ یا رسول اللہ: صفیہ رضی اللہ عنہ کو حیض آ گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے ہمیں روک دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! انہوں نے طواف زیارت کر لیا ہے، فرمایا: تب وہ کوچ کر سکتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ ہی فدیہ کا حکم دیا اور نہ ہی کسی اور چیز کا، اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے کہ ''البتہ طواف وداع میں حائضہ کو رخصت دی گئی ہے۔'' حکم میں نفاس والی عورت حائضہ کی طرح ہے، چونکہ نفاس کے احکام حیض کے احکام کی طرح ہیں۔ اگر حائضہ عورت کے کوچ کرنے کا وقت آ جائے تاہم اس نے طواف زیارت نہ کیا ہو اور وہ مکہ چھوڑنے پر بے حد مضطرب ہو حالانکہ اس کی مدت حیض یا مدت نفاس ابھی باقی ہو تو ایسی صورت میں حائضہ عورت اندام نہانی پر اچھی طرح کس کر کپڑا باندھے اور اس سے پہلے غسل کرلے پھر طواف زیارت کے سات چکر لگاتے پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرلے، اس پر بدنہ ذبح کرنا واجب ہوگا بدنہ سے مراد پانچ سال کا اونٹ یا پورے دو سال کا گائے کا بچہ، حائضہ عورت حنفیہ کی تقلید میں ایسا کر سکتی ہے چونکہ ایسی حالت میں حنفیہ طواف کو صحیح قرار دیتے ہیں باوجودیکہ حالت حیض میں طواف حرام ہے لیکن بدنہ ذبح کرنا واجب ہوگا۔ [1]

سوم: طواف کی سنتیں...... میں نے ہر مذہب کے مطابق علیحدہ علیحدہ حج کی سنتیں بیان کی ہیں اور اب طواف کی سنتیں بیان کرتا ہوں۔ [2]

ا: حجر اسود کا استلام...... یعنی حجر اسود کو دائیں ہاتھ یا ہتھیلی سے چھونا ہر طواف کے شروع میں اور ہر چکر کی ابتداء میں استلام مسنون ہے، بغیر آواز کے حجر اسود کا بوسہ لینا، شافعیہ کے نزدیک حجر اسود پر پیشانی رکھنا جبکہ اس کے لئے مزاحمت نہ کرنی پڑے، اگر ہاتھ سے استلام کرنا ممکن نہ ہو تو چھڑی وغیرہ سے استلام کرے اور حجر اسود کی طرف منہ کرے، اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ہاتھ سے اشارہ کر دے پھر ہاتھ یا چھڑی کو منہ پر رکھے اور بوسہ لینے میں آواز نہ پیدا ہو، اگر آواز پیدا ہو گئی تو مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حجر اسود کو سجدہ کرنا اور چہرے کو اس پر رگڑنا مکروہ سمجھتے ہیں۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک حجر اسود پر پیشانی رکھنا اور بوسہ لینا مسنون سمجھتے ہیں۔

طواف کے دوران تکبیر، تہلیل، اللہ کی حمد کرتا رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا رہے۔

دلیل...... حجر اسود کا بوسہ لینے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے جیسا کہ شیخین کی روایت ہے اور اس پیشانی رکھنا اتباع

---

[1]...... دیکھئے شرح مسلم ۸/ ۱۳۹، بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۳۱، فتح القدیر ۲/ ۲۲۲، مغنی المحتاج ۱/ ۵۱۴، المغنی ۳/ ۴۶۱، ایسی حالت پیش آنے میں بندش کی گولیاں اور دیگر ادویات بھی استعمال کر سکتی ہے بہتر یہی ہے کہ خون کی بندش کی گولیاں استعمال کرے اور جب خون بند ہو جائے تب طواف کرے واللہ اعلم۔

[2] الدر المختار ۲/ ۲۲۷ البدائع ۲/ ۱۳۱، مراقی الفلاح ص ۱۲۴ الشرح الصغیر ۲/ ۴۸ الایضاح ص ۳۴ المغنی ۳/ ۳۷۲۔

سنت ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے، کسی دوسرے کواذیت پہنچائے بغیر ہاتھ سے استلام کرنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو حجر اسود پر مزاحمت نہ کرنا ورنہ کمزور کواذیت پہنچاؤ گے، اگر تنہائی (موقع) پاؤ تو استلام کرلو ورنہ تہلیل وتکبیر کرلو۔ ❶

''دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اذیت کا ترک کرنا واجب ہے جبکہ استلام حجر سنت ہے چنانچہ صحیحین کی روایت ہے کہ جب بھی تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اسے بجالاؤ۔'' اسی طرح امام مسلم، نافع سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہاتھ سے حجر اسود کا استلام کرتے دیکھا اور فرمایا میں نے جب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے دیکھا ہے اس وقت سے نہیں چھوڑا۔

استلام اور بوسہ لینا ہر چکر میں، اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چکر میں رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام کرنا نہیں چھوڑتے تھے۔'' ❷

اگر حجر اسود کی طرف منہ کیا اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک طواف کی نیت کرلی تو حجر اسود سے ابتداء ہونے کے لئے کافی ہے۔

ہاتھ سے رکنین شامین کا استلام نہ کرے، اور نہ ہی ان کا بوسہ لے، البتہ رکن یمانی کا استلام کرے، رکن یمانی رکن حجر سے پہلے آتا ہے ہر چکر کے اختتام پر اس کا استلام کرے، اس کا بوسہ نہ لے، چونکہ اس کا بوسہ منقول نہیں ہے، چنانچہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرتے تھے۔''

حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے کہ عورت جب مکہ آئے تو رات تک طواف کو مؤخر کرے، تاکہ اس کے پردے کا زیادہ اہتمام رہے، عورت کے لئے مردوں کی مزاحمت کرنا اور حجر اسود کا بوسہ لینا مستحب نہیں۔ البتہ ہاتھ سے حجر اسود کی طرف اشارہ کردے جیسے کوئی مرد وہاں تک رسائی نہیں کرسکتا اور وہ بھی ہاتھ سے اشارہ کردیتا ہے۔

۲: دعا..... طواف میں کوئی معین دعا نہیں جو چاہے مانگے، البتہ طواف کے شروع میں یہ دعائے ماثور پڑھنا افضل ہے:

بسم الله الله اكبر، اللهم ايماناً بك وتصديقاً بكتابك ووفاءً بعهدك واتباعاً لسنة نبيك محمد صلى الله عليه وسلم.

باب کعبہ کے بالمقابل جا کر یہ دعا پڑھے:

اللهم ان البيت بيتك والحرم حرمك والامن امنك وهذا مقام العائذ بك من النار

رکنین یمانیین کے درمیان یہ دعا پڑھے:

اللهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

ماثور دعائیں پڑھنا قراۃ قرآن سے افضل ہے، چونکہ اسی میں اتباع ہے، جبکہ قراۃ قرآن غیر ماثور دعاؤں سے افضل ہے، چونکہ طواف کا مقام ذکر کا مقام ہے اور قرآن افضل ذکر ہے، چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''جس شخص کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا میں اسے مانگنے والوں سے بہتر عطا کروں گا، اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت باقی سب کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔'' البتہ مالکیہ کے نزدیک قراۃ قرآن مکروہ ہے۔

خاموشی سے ذکر کرنا اور قرأت کرنا مسنون ہے چونکہ خاموشی سے ذکر کرنے سے خشوع وخضوع حاصل ہوتا ہے، ہر چکر میں ثواب کے لئے دعاؤں کا اہتمام کرے، پہلے چکر میں اور طاق عدد کے چکروں میں دعائیں پڑھنا افضل ہے۔

---

❶ ..... رواه الشافعي واحمد عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه. ❷ رواه ابوداؤد والنسائي عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه.

چنانچہ حدیث ہے۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔''

اشعار پڑھنا اور باتیں کرنا طواف کے دوران مکروہ ہیں چونکہ سابق میں حدیث گذر چکی ہے۔ کہ ''بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے لہٰذا باتیں کم سے کم کرو۔'' ایک اور روایت میں ہے جو شخص طواف میں کوئی بات کرے تو بھلائی کی بات کرے۔'' دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ باتوں میں مشغول ہو کر دعائیں چھوٹ جاتی ہیں۔

۳: رمل...... ① مردوں اور بچوں کے لئے رمل کرنا مسنون ہے، عورتوں کے لئے رمل نہیں۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جائے، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہر اس طواف کے بعد رمل کرنا سنت ہے جس طواف کے بعد سعی ہو مثلاً طواف قدوم، اگر طواف قدوم کر چکا اور اس کے بعد سعی بھی کر چکا تو اب طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا اگر طواف نہیں کیا یا طواف کیا اس کے بعد سعی نہیں کی تو طواف زیارت میں رمل کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں: جس شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو تو اس کے لئے طواف قدوم اور طواف عمرہ میں رمل کرنا مسنون ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طواف میں رمل کیا وہ طواف قدوم تھا اور اس کے بعد سعی تھی۔

جو شخص آفاقی ہو اور اس نے میقات سے حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھا ہو اس کے لئے رمل کرنا مسنون ہے اور اگر میقات کے اندر رہتا ہو مثلاً تنعیم یا جعرانہ سے احرام باندھا ہو تو اس کے لئے رمل کرنا مستحب ہے، اسی طرح جس شخص نے طواف قدوم نہ کیا ہو یا بھول گیا ہو وہ طواف زیارت میں رمل کرے، نفلی طواف اور طواف وداع میں رمل کرنا مندوب نہیں۔

اسی طرح حنابلہ بھی مالکیہ کی طرح کہتے ہیں کہ طواف قدوم اور طواف عمرہ کے علاوہ رمل کرنا مسنون نہیں۔

طواف کے باقی چکروں میں وقار وسکون کے ساتھ چلے اس کی دلیل شیخین کی روایت ہے جو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ کا طوف کرتے تو پہلے تین چکروں میں رمل کرتے اور بقیہ چار چکروں میں وقار سے چلتے۔'' مسلم کی روایت ہے کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر سے رمل کیا اور چار چکروں میں وقار سے چلے۔

اگر سوار ہو تو سواری کو کوچا دے کر حرکت دے، بلا عذر رمل ترک کرنا مکروہ ہے، اگر پہلے تین چکروں میں رمل چھوڑ دیا تو بقیہ چار چکروں میں رمل کی قضاء نہ کرے، چونکہ بقیہ چار چکروں میں وقار کے ساتھ چلنا متعین ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے پہلی دو رکعتوں میں جہراً قرأت چھوڑ دے تو بقیہ دو رکعتوں میں جہر کی قضا نہیں ہوگی چونکہ بقیہ دو رکعتوں میں سراً قرأت کرنا مسنون اور متعین ہے۔

رمل کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعلہ حجًا مبرورًا وذنبًا مغفورًا وسعیا مشکورًا

۴: اضطباع...... امام مالک کے علاوہ جمہور کے نزدیک اضطباع کرنا مسنون ہے، اضطباع کا طریقہ یہ ہے کہ چادر کا درمیان دائیں کاندھے کے نیچے سے نکالے اور چادر کے دونوں کونے بائیں کاندھے کے اوپر ڈال دے، اور بایاں کاندھا ننگا رہے، اس کی دلیل یعلیٰ بن امیہ کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطباع کر کے طواف کیا۔ ② اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے عمرہ کیا، بیت اللہ کا طواف کرتے وقت رمل کیا اور اپنی چادریں بغلوں کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھوں پر ڈال لیں۔ ③

---

① ......رمل۔ چنانچہ جب مسلمان مکہ میں عمرہ کرنے آئے تو کفار مکہ کہنے لگے کہ مسلمانوں کو مدینہ کی فضا راس نہیں آئی اور کمزور ہو گئے ہیں مسلمانوں کو رمل کرنے کا حکم دیا گیا، رمل کا معنی تیز تیز چلنا، اچھلنے کودنے سے گریز کر کے تیز تیز چلنا، اگرچہ اس کا سبب فوت ہو چکا ہے لیکن حکم باقی ہے۔ ② رواہ احمد وابوداؤد (نیل الاوطار ۵/۳۸) ③ رواہ ابوداؤد باسناد صحیح۔

اضطباع حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سنت ہے، جیسے رمل سنت ہے، البتہ جس طواف میں رمل نہیں اس میں اضطباع کرنا بھی مسنون نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک سعی میں بھی اضطباع کیا جائے گا، انہوں نے سعی کو طواف پر قیاس کیا ہے، برابر ہے کہ سعی سے پہلے طواف میں اضطباع کیا ہو یا نہ کیا ہو، طواف کی دورکعتوں میں اضطباع کرنا مستحب نہیں چونکہ نماز میں اضطباع کرنا مکروہ ہے، لہٰذا جب دورکعتیں پڑھنے کا ارادہ کرے تو اضطباع ختم کردے اور جب سعی کا ارادہ کرے دوبارہ اضطباع کرلے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک طواف کے علاوہ اور کہیں بھی اضطباع نہیں کیا جائے گا، وہ لہٰذا جونہی طواف سے فارغ ہوا اپنی چادر درست کرلے، چونکہ نماز میں اضطباع کرنا مستحب نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی میں اضطباع نہیں کی، سنت اقتداء ہی میں ہوتی ہے۔

عورت نہ رمل کرے اور نہ ہی اضطباع کرے، چونکہ رمل کرنے سے اس کی سرین نمایاں دکھائی دینے لگیں گی اور اضطباع کی صورت میں کشف عورت کا اندیشہ ہے۔

۵: بیت اللہ کے قریب رہنا...... یعنی مرد بیت اللہ کے قریب رہ کر طواف کریں، چونکہ بیت اللہ کے شرف کا یہی تقاضا ہے اور یہ مقصود بھی ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بیت اللہ کے قریب رہنے سے استلام اور بوسہ لینے میں آسانی ہوتی ہے، افضل یہ ہے کہ بیت اللہ اور اپنے درمیان تین قدموں کا فاصلہ رکھے، اگر قریب ہونے میں مزاحمت کا اندیشہ ہو تو بیت اللہ سے دور رہ کر طواف کرنا بہتر ہے۔

عورت اور خنثی جائے طواف کے کنارے کنارے طواف کریں، اگر خالی جگہ میں طواف کریں تو قریب ہونے میں مرد کے حکم میں ہیں۔ یعنی پھر ان کے لئے بھی بیت اللہ کے قریب ہونا مستحب ہے۔

یہ استحباب شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے البتہ شافعیہ کے نزدیک بیت اللہ سے دور رہ کر طواف کرنا قریب سے طواف کرنے سے افضل ہے۔ اگر دور رہ کر رمل کرنے میں دشواری ہو یا عورتوں سے ٹکرانے کا خوف ہو یا عورتوں کے ساتھ اختلاط کا خوف ہو تو اس صورت میں قریب رہنا بہتر ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طواف موکدہ کی سنتوں میں سے ایک سنت قدرت رکھنے والے کے لئے پیدل چل کر طواف کرنا بھی ہے، اسی طرح طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دورکعتیں پڑھنا پھر حجر میں میزاب کے نیچے پڑھنا پھر مسجد حرام میں پھر پورے حرم میں جہاں چاہے اور جس وقت چاہے نماز پڑھنا سنت ہے۔

جبکہ یہ دو چیزیں مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک واجب ہیں، چنانچہ طواف کے بعد اگر فرض نماز پڑھ لی تو حنابلہ کی نزدیک طواف کی دو رکعتوں کے لئے یہ فرض نماز کافی ہوجائے گی، چونکہ طواف کی دورکعتیں افعال حج کے لئے مشروع ہیں لہٰذا فرض نماز دورکعتوں کے لئے کافی ہوں گی، جیسے احرام کے لئے فرض نماز کافی ہوتی ہے۔ جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فرض نماز کافی نہیں ہوگی جیسے فجر کی دورکعتیں۔

طواف کی سنتوں میں سے موالات یعنی طواف کے چکروں میں تسلسل برقرار رکھنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بھی سنت ہے، جبکہ موالات حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط ہے۔ وہ طواف جو افعال حج میں شامل ہو اس کے لئے نیت کرنا شافعیہ کے نزدیک مسنون ہے جبکہ وہ طواف جو افعال حج میں شامل نہیں اس کے لئے نیت کرنا واجب ہے۔

تیسرا مقصد......سعی

حنفیہ کے نزدیک سعی واجب ہے، جبکہ بقیہ ائمہ کے نزدیک رکن ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سعی کرو چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر سعی کو واجب کیا ہے۔'' دوسری روایت میں ہے۔ ''تمہارے اوپر سعی واجب کردی گئی ہے لہٰذا سعی کرو۔ ❶ رہی بات اس

❶......رواه احمد الاول عن حبيبة بن ابی تجراة والثانی عن صفية بنت شيبة.

آیت کی:

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت اواعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، لہٰذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔ (البقرۃ ۲/۱۵۸) تو اس آیت میں گناہ کے اٹھا لینے کا حکم بیان ہوا ہے، چونکہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر دو بت رکھے ہوئے تھے اور سعی کرنا گناہ تھا، اس گناہ کے اٹھائے جانے کا بیان ہے۔

یہاں میں سعی کے واجبات، سنتیں اور سعی کو اس کے وقت اصلی سے موخر کرنے کا حکم بیان کروں گا۔ ❶

اول: سعی کے واجبات یا شرائط..... صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کے واجبات یا شرائط ہیں۔

۱: یہ کہ سعی سے پہلے صحیح طواف ہو..... یعنی صحیح طواف کے بعد سعی ہو حتیٰ کہ طواف اور سعی کے درمیان وقوف عرفہ حائل نہ ہو، چونکہ اتباع سنت کا یہی تقاضا ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "مجھ سے اپنے مناسک حاصل کرلو۔" دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ سعی طواف کے تابع ہے۔ جس شخص نے طواف قدوم کے بعد سعی کی ہو تو وہ سعی کو نہ دہرائے، جو شخص حج قران کر رہا ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے سعی کو مقدم کرنا افضل ہے۔

حنفیہ نے طواف کے اکثر حصہ کے پائے جانے کے بعد سعی کو جائز قرار دیا ہے۔ ❷ چونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے۔

جمہور کے نزدیک طواف خواہ مطلق ہو یا مسنون ہو تو اس کے بعد سعی صحیح ہے، شافعیہ کے نزدیک سعی تب درست ہوگی جب طواف رکن یا طواف قدوم کے بعد ہو۔

۲: ترتیب..... سعی کے لئے ترتیب قائم کرنا واجب ہے یعنی سعی کی ابتداء صفا سے کی جائے اور سعی کا خاتمہ مروہ سے کیا جائے، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی سے ابتدا کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے۔ ❸ حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ.....البقرۃ ۲/۱۵۸

اگر کسی نے مروہ سے چکر لگانے کی ابتدا کی تو یہ چکر شمار میں نہیں آئے گا۔

۳: سات چکر..... سعی میں سات چکر لگانا واجب ہے چنانچہ چار مرتبہ صفا پر وقوف ہوگا اور چار ہی مرتبہ مروہ پر اور مروہ پر چکروں کا خاتمہ ہوگا، صفا سے مروہ تک ایک چکر شمار ہوگا اور پھر مروہ سے صفا تک بھی ایک چکر شمار ہوگا، اگر چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو کم از کم تعداد پر بنا کرے، سات چکروں کی دلیل اجماع امت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے۔ ❹

۴: صفا اور مروہ کے درمیانی فاصلہ کا استیعاب..... یعنی صفا اور مروہ کا درمیانی فاصلہ بالاستیعاب قطع کیا جائے اگر ایک قدم کے برابر بھی فاصلہ قطع ہونے سے رہ گیا تو سعی درست نہیں ہوگی۔ چونکہ اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہے۔

۵: پے در پے چکر لگانا..... سعی کے چکر پے در پے لگانا مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے جبکہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔

---

❶..... دیکھئے البدائع ۲/۱۳۴ الدر المختار ۲/۲۲۴، الشرح الصغیر ۲/۵۰، الشرح الکبیر ۲/۴۱ مغنی المحتاج ۱/۴۹۳ الایضاح ص ۴۴ نمایۃ المنتھی ۱/۴۰۴ المغنی ۳/۳۸۵۔ ❷ یعنی طواف کے چار چکروں کے بعد سعی کی جا سکتی ہے۔ ❸ رواہ النسائی باسناد علی شرط مسلم ورواہ اصحاب السنن الا ربعۃ بلفظ فیہ تغییر یسیر۔ ❹ رواہ الشیخان۔

حنابلہ نے چند شرائط کا اور بھی اضافہ کیا ہے یوں ان کے نزدیک سعی کی نو (۹) شرائط ہیں وہ یہ ہیں اسلام، عقل، نیت اور قدرت رکھنے والے کا پیدل چلنا۔

رہی بات حیض ونفاس اور جنابت سے پاک ہونے کی سوان چیزوں سے پاک ہونا سعی کے لئے شرط نہیں جیسے وقوف عرفہ کے لئے ان چیزوں سے پاک ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ حائضہ عورت اور جنبی نے اگر پاکی کی حالت میں طواف کیا ہو تو ان کی سعی درست ہوگی، چونکہ یہ افعال بیت اللہ کے متعلق نہیں ہیں۔

دوم...... سعی کی سنتیں

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کی مندرجہ ذیل سنتیں ہیں۔

۱..... طواف ختم کرنے کے بعد حجر اسود کا استلام کرنا اور اس کا بوسہ لینا، پھر باب صفا سے نکل جانا۔ چونکہ یہی اتباع سنت ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔

۲..... طواف کے فوراً بعد سعی کرنا اور سعی کے چکروں میں تسلسل برقرار رکھنا، سعی کے دوران باتوں وغیرہ کے لئے بیٹھ جانا مکروہ ہے، اگر ایک دن طواف کیا اور دوسرے دن سعی کی تو یہ بھی جائز ہے، سعی کے بعد نماز مسنون نہیں۔

۳..... سعی کے لئے حدث اور نجاست وغیرہ سے پاک ہونا اور ستر عورت کا ہونا۔

۴..... جو شخص چل سکتا ہو اس کا پیدل چل کر سعی کرنا۔

۵..... صفا اور مروہ پر مردوں کا اوپر چڑھنا، بایں طور کہ کعبہ کو دیکھ لے، شافعیہ کے نزدیک بقدر قامت اوپر چڑھنا سنت ہے، اگر عورت مردوں سے خالی جگہ پائے تو اوپر چڑھے ورنہ نیچے کھڑی رہے۔

۶..... جو چاہے دعا کرے اور اذکار کرے، شافعیہ کے نزدیک ہر چکر کے بعد تین بار تکرار کرنا اور قبلہ رو ہو کر تکرار کرنا ہے، بلند آواز سے دعا کرے اور آسمان کی طرف اوپر ہاتھ اٹھائے۔ ❶ ماثور دعا کرنا افضل ہے، تکبیر وتہلیل کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر یہ دعا پڑھے۔

الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر ولله الحمد الله اكبر على ماهدانا والحمد لله على ما اولانا، لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، يحى ويميت، بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير، لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده لا اله الا الله ولا نعبد الا اياه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون

(اللہ سب سے بڑا ہے (۳ بار) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی اور ہمیں نعمتوں سے نوازا اس پر ہم اس کی بڑائی بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں بادشاہت اسی کے لئے ہے، وہ حمد وستائش کا سزاوار ہے وہی اپنی قدرت سے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا اور یکتا ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندے کی مدد کی اکیلے ہی نے لشکروں کو شکست دی، اللہ تعالیٰ کے سوا

❶..... سات جگہوں میں ہاتھ اوپر اٹھائے جائیں گے، نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت، کعبہ پر پہلی نظر ڈالتے وقت، صفا پر، مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں، جمرہ اولی اور وسطی کے پاس۔

کوئی معبود نہیں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں اور دین کو صرف اسی لئے خالص رکھتے ہیں اگر چہ کافروں کو یہ ناپسند ہو۔'' جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے پھر یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً اللھم اشرح لی صدری ویسرلی امری، اللھم لك الحمد کالذی نقول، وخیراً مما نقول

یا اللہ میرے دل میں نور ڈال دے میری آنکھوں میں نور ڈال دے میرا سینہ ہدایت کے لئے کھول دے میرا معاملہ آسان فرما یا اللہ تو ہی لائق حمد وستائش ہے جیسا کہ ہمیں اعتراف ہے بلکہ ہمارے کہے سے کہیں بہتر اور اعلیٰ۔

۷.....میلین اخضرین کے درمیان مردوں کے لئے دوڑ لگانا، یہ دوڑ رمل سے زیادہ اور تیز دوڑ سے کم ہو، صفا سے مروہ کی طرف جاتے ہوئے اور مروہ سے صفا کی طرف واپس آتے ہوئے دوڑ لگائی جائے گی، اسی میں اتباع سنت ہے جیسا کہ مسلم کی روایت ہے، رہی بات عورت اور خنثی کی سووہ آتے جاتے چلیں گے۔

دوڑ لگاتے وقت مرد یہ دعا پڑھیں:

رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم، انك انت الاعز الاکرم

اے میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور میرے گناہوں کو معاف فرما بے شک تو عزت اور شرافت والا ہے۔'' اگر سوار ہو تو سواری کو حرکت دے، اس میں احتیاط کرے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچنے پائے۔

۸.....امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ آدمی سعی اور طواف کے لئے خالی جگہ تلاش کرے، اور جب بھیڑ زیادہ ہو تو لوگوں کو اذیت پہنچانے سے گریز کرے، جب میلین اخضرین کے درمیان بھیڑ کی وجہ سے دوڑ لگانے سے عاجز ہو تو صرف اس کی مشابہت کرلینا کافی ہے جیسے رمل میں ہوتا ہے۔

سوم: سعی کو اس کے رمل وقت سے موخر کردینا..... سعی کا اصلی وقت قربانی کا ایام ہیں یعنی طواف زیارت کے بعد۔

ا.....اگر کوئی شخص اپنے اہل خانہ کی طرف واپس نہ لوٹے تو وہ سعی کرسکتا ہے اور اس پر کچھ نہیں ہوگا، چونکہ وہ واجب بجا لایا ہے، تاخیر سے کچھ واجب نہیں ہوتا، چونکہ وقت اصلی میں واجب ادا کردیا ہے اور وقت اصلی طواف زیارت کے بعد ہوتا ہے، اگر کسی شخص نے طواف زیارت کردیا اور پھر جماع کیا تو حنفیہ کے نزدیک اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا چونکہ ان کے نزدیک سعی رکن نہیں ہے۔

ب.....اگر کوئی شخص اپنے اہل خانہ کی طرف واپس لوٹ آئے تو حنفیہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا، چونکہ بغیر کسی عذر کے سعی چھوڑ دی ہے، چونکہ سعی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے رکن نہیں، اگر گھر سے واپس مکہ لوٹنا چاہے تو از سر نو احرام باندھ کر لوٹے، چونکہ پہلا احرام طواف زیارت کے بعد حلال ہونے سے ختم ہو جائے گا لہٰذا تجدید احرام ضروری ہے، اگر واپس لوٹ آیا اور سعی کرلی تو دم ساقط ہو جائے گا تاکہ متروک شے کا اس نے تدارک کردیا۔ جمہور کے نزدیک سعی رکن ہے اس کے بغیر حج تام نہیں ہوتا اور سعی چھوڑنے کی وجہ سے حج میں جو نقص آیا اس کا جبیرہ دم سے نہیں ہوگا۔

چوتھا مقصد.....وقوف عرفہ

وقوف عرفہ کا حکم، جگہ، وقت، مقدار، سنتیں، اور جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو اس کا حکم۔ ❶

❶ دیکھئے البدائع ۲/۱۲۵، الدر المختار ۲/۲۳۷، اللباب ۱/۱۹۱، الشرح الصغیر ۲/۵۳، بدایۃ المجتہد ۱/۳۳۵، مغنی المحتاج ۱/۴۹۶۔

اول: وقوف عرفہ کا حکم...... علماء کا اجماع ہے کہ وقوف عرفہ حج کا رکن اصلی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وقوف عرفہ حج ہے، پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ وقوف عرفہ حج کا رکن ہے، حج وقوف عرفہ کے بغیر تمام نہیں ہوتا۔ جس سے وقوف عرفہ فوت ہو جائے وہ اگلے سال دوبارہ حج کرے گا۔

دوم: وقوف کی جگہ...... پورے کا پورا میدان عرفات وقوف کی جگہ ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہاں وقوف کیا ہے حالانکہ سارا عرفات جائے وقوف ہے ❶ لہٰذا میدان عرفات میں جہاں چاہے وقوف کر سکتا ہے، افضل یہ ہے کہ جبل رحمت کے پاس ٹھہرا جائے، اور بطن عرنہ میں ٹھہرنے سے احتراز کیا جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اور خبر دی ہے کہ یہ شیطان کی وادی ہے چنانچہ فرمایا، سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے البتہ بطن عرنہ سے احتراز کرو۔ ❷ وادی عرنہ جائے وقوف کا حصہ نہیں، اسی طرح عرفہ سے پہلے مثلاً نمرہ میں بھی وقوف صحیح نہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ جس شخص نے وادی عرنہ میں وقوف کیا اسے یہ وقوف کافی نہیں ہوگا۔

عرفہ کی حدود...... جبل مشرف سے سامنے کے بالمقابل پہاڑوں تک اور وہاں سے بنی عامر کے باغات تک، اب عرفہ کی حدود متعین کر دی گئی ہے عرنہ اور نمرہ اور مسجد ابراہیم علیہ السلام اس میں سے نہیں، اس کی آخری حد یہاں تک اور اس کی ابتدا عرنہ سے ہوتی ہے۔

جبل رحمت کے نیچے بچھی ہوئی کنکریوں جو کہ بڑی چٹانوں کے پاس ہیں وہاں وقوف کرنا مستحب ہے، اور قبلہ رو ہو کر وقوف کیا جائے، چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ چٹانوں کی طرف کیا اور جبل مشاۃ اپنے سامنے رکھا اور قبلہ رو ہو گئے۔

سوم: وقوف کا زمانہ...... بالاتفاق حاجی عرفہ کے دن زوال آفتاب سے لے کر دس ذی الحجہ کے طلوع فجر تک وقوف کر سکتا ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال کے بعد وقوف کیا اور فرمایا: مجھ سے افعال حج حاصل کرو۔ حنابلہ کہتے ہیں: وقوف کے وقت کی ابتداء عرفہ کے دن طلوع فجر سے ہوتی ہے اور انتہاء قربانی کے دن طلوع فجر تک ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور ہمارے ساتھ وقوف کیا حتیٰ کہ ہم نے کوچ کر دیا، حالانکہ وہ عرفہ میں اس سے پہلے دن کو یا رات کو وقوف کر چکا تو اس کا حج مکمل اور وہ اپنی پراگندگی دور کرتے حلال ہو سکتا ہے۔ ❸

جس شخص نے زوال سے پہلے وقوف کیا اور پھر زوال سے پہلے ہی عرفات سے کوچ کر گیا تو بالاجماع اس کا وقوف معتبر نہیں ہوگا، اگر واپس نہ لوٹا تو اس کا حج فوت ہو جائے گا۔

جس شخص نے عرفات میں وقوف کیا اگر چہ وہاں سے گزرتے ہوئے یا سوتے ہوئے یا بیہوشی کے عالم میں اور اسے عرفہ کا علم نہیں تھا تو حنفیہ کے نزدیک یہ وقوف کافی ہو جائے گا، عبدالرحمن بن یعمر دیلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

میں عرفات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اہل نجد کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی! یا رسول اللہ! حج کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا: حج وقوف عرفہ ہے، جو شخص قربانی کی رات طلوع فجر سے پہلے پہلے عرفہ میں آ گیا تو گویا اس کا حج مکمل ہو گیا۔ ❹

مالکیہ نے عرفات سے گزرنے والے کے متعلق دو شرطیں لگائی ہیں:

ا..... گزرنے والے کو عرفہ کا علم ہو۔

---

❶ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔ ❷ رواہ ابن ماجہ۔ ❸ رواہ الخمسة عن عروة بن مضرس۔ ❹ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔

۲.....وقوف کے رکن میں حاضری کی نیت ہو۔ مالکیہ نے حنفیہ کی طرح سوئے ہوئے اور بیہوش کے لئے وقوف جائز قرار دیا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وقوف کرنے والا عاقل ہو، عبادت کی اہلیت رکھتا ہو اس میں بچہ اور سویا ہوا برابر ہیں۔ چونکہ سویا ہوا بیدار کے حکم میں ہے، رہی بات بیہوش اور نشہ والے کی سو ان کا وقوف صحیح نہیں، چونکہ ان میں عبادت کی اہلیت نہیں، ان میں سے ہر ایک کی عقل زائل ہے، جو شخص بھی اہل عبادت میں سے ہو وہ لمحہ بھر کے لئے بھی وقوف کے وقت میں عرفہ میں ٹھہر جائے تو اس کا وقوف صحیح ہوگا، برابر ہے جان بوجھ کر حاضر ہوا یا غفلت کے عالم میں حاضر ہوا یا خرید وفروخت کی غرض سے حاضر ہوا یا بات چیت کی غرض سے یا کھیل کود کے لئے، یا نیند کے عالم میں یا وقوف کے وقت میں عرفات کے میدان کو عبور کیا دراں حالیکہ اسے عرفات کا علم ہی نہیں تھا، یا جلد بازی کی حالت میں تیزی سے گزر گیا، یا مقروض کی تلاش میں میدان عرفات کو عبور کیا، یا بدکے ہوئے جانور کا پیچھا کرتے گزرا، یا اپنے اونٹ پر سویا ہوا تھا اور سونے کے عالم میں گزر گیا، یا اس کے علاوہ کسی اور طرح سے عرفات سے گزرا تو ان سب صورتوں میں وقوف صحیح ہوگا البتہ اور کمال فضیلت فوت ہوجائے گی۔

جمہور یعنی حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے، تاکہ دن اور رات کے اکھٹے ہونے کا وقت عرفہ میں وقوف کی حالت میں گزرے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب تک وقوف کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عرفہ سے روانہ ہوئے جب آفتاب غروب ہوچکا تھا۔ اگر غروب آفتاب سے پہلے کوئی شخص روانہ ہوگیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک وقوف درست ہے البتہ اس پر دم واجب ہوگا۔

شافعیہ.....شافعیہ کہتے ہیں! فقط رات اور دن کو جمع کرنا مسنون ہے، اور یہ اتباع سنت کی وجہ سے ہے، لہٰذا جو شخص غروب آفتاب سے پہلے روانہ ہوگیا اس پر دم نہیں آئے گا، اگرچہ بعد میں واپس نہ بھی لوٹے، ان کی دلیل صحیح حدیث ہے کہ جو شخص عرفہ میں فجر سے پہلے رات کو یا دن کو آ گیا تو اس کا حج مکمل ہوگیا۔ ❶ لہٰذا اگر دم واجب ہوتا تو لامحالہ اس کا حج ناقص ہوتا۔ جی ہاں اتنی بات ہے کہ دم مسنون ہے، کیونکہ خلاف سنت اس نے عرفہ سے کوچ کیا ہے۔

مالکیہ.....مالکیہ کہتے ہیں۔ عرفہ میں حاضر ہونے کا رکن قربانی کی رات ہے خواہ جس حالت میں بھی حاضری ہو۔ اگرچہ گزرنے والا ہو بشرطیکہ اسے عرفہ کا علم ہو اور حاضری کی نیت بھی کرے، لہٰذا جس شخص نے عرفہ کے دن زوال کے بعد وقوف کیا اور پھر غروب آفتاب سے پہلے روانہ ہوگیا اور پھر طلوع فجر سے پہلے عرفات کی طرف نہ لوٹا تو اس پر آئندہ سال حج واجب ہوگا، البتہ اگر غرب آفتاب کے بعد اور امام سے پہلے روانہ ہوگیا تو وقوف اسے کافی ہوگا، اس تفصیل کی روشنی میں مالکیہ کے نزدیک وقوف عرفہ کی شرط یہ ہے کہ رات کے وقت وقوف ہو۔ ان کی دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے بعد عرفہ میں وقوف کیا ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کے وقت عرفات کو پالیا گویا اس نے حج پالیا، اور جس سے رات کے وقت وقوف فوت ہوگیا اس کا حج بھی فوت ہوگیا۔ وہ عمرہ کرکے حلال ہوجائے اور اگلے سال دوبارہ حج کرے۔

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل یہ عمل کیا ہے، کیونکہ آپ کو افضل اور غیر افضل میں عمل کرنے کا اختیار تھا، اور دوسری دلیل میں وقوف کے آخری وقت کو بیان کیا گیا ہے۔

حاصل.....یہ ہے کہ جمہور کہتے ہیں: وقوف خواہ رات کو ہو یا زوال کے بعد دن کو ہو کافی ہوجاتا ہے، مالکیہ کہتے ہیں: رات کو وقوف کرنا واجب ہے، جس شخص نے رات کو وقوف ترک کیا اس کا جبیرہ دم سے ہوگا، جیسے حنفیہ اور مالکیہ رات کو وقوف ترک کرنے والے پر دم واجب کرتے ہیں، شافعیہ کہتے ہیں اس پر دم دینا مسنون ہے۔

---

❶ رواہ الخمسہ یعنی احمد واصحاب السنن (الاربعۃ، صححہ الترمذی عن عروہ بن مضرس بن اوس۔

چہارم: وقوف عرفہ کی مقدار...... علما کا اتفاق ہے کہ عرفہ کے کسی جزء میں وقوف کافی ہوتا ہے۔ اگر چہ وقوف لمحہ بھر کے لئے ہو، مالکیہ نے اتنی مقدار واجب کی ہے جس میں واقف کو اطمینان اور سکون مل جائے یعنی دو سجدوں کے درمیان جلسہ کی بقدر ٹھہرنا واجب ہے، خواہ کھڑے کھڑے یا بیٹھے یا سوار، لہٰذا فرض مقدار یہ ہے کہ واقف کا اس وقت گھڑی بھر کے لئے میدان عرفات میں موجود ہونا ہے، برابر ہے اسے عرفہ کا علم ہو یا نہ ہو، سویا ہوا ہو یا بیدار ہو، بے ہوشی کے عالم میں یا نشہ میں ہو، یا پاگل پن میں ہو، یہ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے میں ہے۔ برابر ہے ٹھہرا ہو یا گزر رہا ہو، پیدل چل رہا ہو یا سوار ہو، سواری پر ہو یا کسی نے اٹھایا ہو، چونکہ وہ فرض مقدار میں وقوف کر چکا، چونکہ حدیث سابقہ ہے۔ ''جس شخص نے عرفہ کا وقوف کر لیا تو گویا اس کا حج مکمل ہو چکا۔ چلنے کی حالت میں وقوف ہو جاتا ہے برابر ہے وقوف کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو''

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وقوف کے لئے طہارت، ستر، استقبال قبلہ اور نیت شرط نہیں۔ اگر وقوف کرنے والا حالت حدث میں ہو یا جنبی ہو یا حالت حیض میں ہو یا نفاس میں ہو تو تب بھی اس کا وقوف صحیح ہے۔ ابن منذر کہتے ہیں۔ ہم نے جن لوگوں سے بھی علم حاصل کیا ہے ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ عدم طہارت کی حالت میں وقوف صحیح ہے اور واقف پر کچھ تاوان نہیں۔

''اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جو کچھ حاجی کرتا ہے تم بھی کرتی رہو سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حالت حیض میں عرفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وقوف کیا۔ البتہ طہارت کا ہونا مستحب ہے جیسا کہ میں بیان کروں گا انشاء اللہ۔

پنجم: جب وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اس کا حکم...... جب وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اس سال کا حج بھی فوت ہو جائے گا، اس سال اس کا تدارک ممکن نہیں رہتا، چونکہ کسی چیز کا رکن اس چیز کی ذات ہوتی ہے اور فوت ہو جانے پر اس چیز کی بقاء محال ہوتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے الیضاح ص ۵۴ میں ذکر کیا ہے کہ جب حاجیوں سے یوم عرفہ کی تعیین میں غلطی ہو جائے اور عرفہ کے دن کی بجائے کسی اور دن وقوف کر لیں تو دیکھا جائے گا کہ تاخیر میں غلطی ہوئی یا تقدیم میں، اگر تاخیر میں غلطی ہوئی کہ دس ذی الحجہ کو عرفہ کا دن سمجھ کر وقوف کر لیا تو یہ وقوف کافی سمجھا جائے گا اور حج پورا ہو جائے گا اور حاجیوں پر کچھ تاوان نہیں ہوگا، برابر ہے کہ وقوف کے بعد غلطی ہوئی یا حالت وقوف میں غلطی ہوئی۔

اگر ۹ کی بجائے ۱۱ ذی الحجہ کو وقوف کر دیا یا ۸ ذی الحجہ کو وقوف کر دیا یا میدان عرفات کے علاوہ کسی اور جگہ وقوف کر لیا تو ان کا حج کسی طرح نہیں ہوا۔

اگر وقوف میں حاجیوں کے کسی گروہ سے غلطی سرزد ہوئی جبکہ عام حاجیوں سے غلطی نہیں ہوئی تو اس گروہ کا حج کسی حال میں صحیح نہیں۔

اگر ایک شخص یا چند اشخاص نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان کی گواہی رد کر دی گئی تو ان کے نزدیک ۹ ذی الحجہ کو وقوف کے لئے حاضر ہونا واجب ہے، اگر چہ لوگ اس کے بعد وقوف کر لیں۔

ششم: وقوف عرفہ کے آداب اور سنتیں...... ۸ ذی الحجہ کو شام کے وقت منیٰ کی طرف جانا مسنون ہے، پھر منیٰ میں رات گزارنا اور عرفہ کی فجر تک رہنا پھر طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف جانا مسنون ہے، حاجی عرفات کے قریب نمرہ میں وقوف کریں اسی میں اتباع سنت ہے، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے، حنابلہ کہتے ہیں: اگر چاہیں تو عرفہ میں اقامت کریں حتیٰ کہ زوال شمس ہو جائے، پھر ظہر کی نماز سے پہلے امام جمعہ کی طرح دو خطبے دے، خطبہ میں لوگوں کو وقوف کی تعلیم دے، عرفہ سے روانگی کے متعلق بتائے، وقوف مزدلفہ کے متعلق بتائے، رمی جمار کی کنکریاں لینے کی تعلیم دے۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

پھر موذن اذان دے اور امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے پڑھائے یہ جمع تقدیم ہوگی، ان نمازوں کی قصر کی جائے گی، چونکہ اسی میں سنت کی اتباع ہے، ایک اذان اور دو مرتبہ اقامت کہی جائے اور قرآت سرأ کی جائے گی، دونوں نمازوں میں وقفہ نہیں کیا جائے گا، حنفیہ کے نزدیک عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ظہر کے وقت میں نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

یہ اعمال حج حنفیہ کے نزدیک ہیں، لہٰذا مقیم و مسافر کو شامل ہوں گے، اگر مقیم ہو مثلاً مکہ کا امام ہو تو لوگوں کو مقیمین کی نماز پڑھائے گا اس کے لئے قصر کرنا جائز نہیں۔ اور نہ ہی حاجیوں کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز ہے۔

مالکیہ کی رائے بھی اس سے ملتی جلتی ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز کی جمع تقدیم سنت ہے یہاں تک کہ اہل عرفہ کے لئے بھی مسنون ہے، ان کی قصر کرنا مسنون ہے البتہ اہل عرفہ کے لئے قصر کرنا مسنون نہیں۔ دوسری اذان اور عصر کی اقامت ہوگی، دونوں نمازوں کے درمیان نفلی نماز نہ پڑھی جائے، اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دونوں نمازیں جمع کر کے نہ پڑھ سکے تو وہ اپنے خیمے میں جمع کر کے پڑھے۔

حنابلہ نے عرفہ میں مکی اور غیر مکی ہر ایک کے لئے نماز جمع کرنا جائز قرار دیا ہے، رہی بات قصر نماز کی سو وہ اہل مکہ کے لئے جائز نہیں۔

حاصل:...... یہ ہے کہ جمہور ہر طرح کے حاجی کے لئے دونوں نمازوں کے جمع کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، رہی بات قصر کی تو وہ اہل مکہ اور اہل عرفہ کے لئے جائز نہیں۔ جبکہ مالکیہ نے اہل مکہ کے لئے جائز قرار دیا ہے۔

شافعیہ کی رائے...... یہ ہے کہ ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنا اور قصر کرنا اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کرنا سفر کی وجہ سے ہے حج کی وجہ سے نہیں، جمع اور قصر فقط مسافر کے لئے جائز نہیں، اور یہ مسافت قصر کے ساتھ خاص ہیں، لہٰذا امام کو چاہئے کہ جو شخص ۸۹ کلومیٹر کی مسافت پر ہو اسے جمع اور قصر کا حکم دے، اور جو شخص مسافت قصر سے کم فاصلے کا رہنے والا ہو اسے پوری نماز پڑھنے اور نماز جمع نہ کرنے کا حکم دے، مثلاً سلام پھیرنے کے بعد یوں کہے: ''اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کر لو ہم مسافر لوگ ہیں۔'' جب حجاج مکہ میں داخل ہوں اور چار دن اقامت کی نیت کر لیں تو ان کے لئے نماز پوری پڑھنا لازمی ہے، جب حجاج ترویہ کے دن منی کی طرف چلیں اور اپنے اپنے وطن کو روانہ ہونے کی نیت کریں جب مناسک سے فارغ ہوں تو جس وقت حجاج نکلیں قصر شروع کر دیں۔ کیونکہ حجاج بالفعل سفر کو شروع کر دیں گے۔

پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد جائے وقوف کی طرف لوٹ جائیں اور جلدی سے اٹھ کر چلیں۔

وقوف کی سنتیں اور آداب: ۱...... نمرہ میں غسل کرنا۔

۲...... یہ کہ عرفات میں کوئی شخص داخل نہ ہو مگر زوال اور دو نمازوں کے بعد۔

۳...... امام کا دو خطبے دینا اور دو نمازوں کو جمع کرنا۔

۴...... نمازوں کے بعد وقوف کرنے میں جلد بازی کرنا۔

۵...... جبل رحمت کے نیچے بڑی چٹانوں کے پاس وقوف کرنا افضل ہے۔

۶...... غروب آفتاب تک وقوف میں رہنا تاکہ وقوف میں رات اور دن کا ملاپ ہو جائے بلکہ شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک جھٹ پٹے میں وقوف کا ہونا واجب ہے۔

۷...... پاکی کی حالت میں ستر عورت کے ہوتے ہوئے قبلہ رو ہو کر وقوف کرنا اگر کسی نے حالت حدث یا حالت جنابت یا نجاست کی حالت میں یا کشف عورت کی حالت میں وقوف کیا تو وقوف صحیح ہوگا البتہ فضیلت جاتی رہے گی۔

۸...... سوار ہو کر وقوف کرنا افضل ہے، سوار ہو کر وقوف کرنا چلتے چلتے وقوف کرنے سے افضل ہے۔
چونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے۔ سوار ہو کر وقوف کرنے میں دعا کو مدد ملتی ہے۔

۹..... سائے کی بنسبت دھوپ میں وقوف کرنا افضل ہے البتہ عذر کی وجہ سے سایہ میں وقوف کرنا بھی درست ہے مثلاً دھوپ میں بیٹھ کر دعا میں غور وخوض نہ ہوتا ہو تو سائے میں بیٹھ جائے۔

۱۰..... یہ کہ وقوف کے دوران روزہ نہ ہو چونکہ افطار کی حالت میں دعا بہتر طور پر ہوتی ہے، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت افطار میں وقوف کیا ہے۔

۱۱..... یہ کہ وقوف کرنے والا حضور قلب سے وقوف کرے دیگر تمام مشغولیات سے فارغ ہو کر دعا واذکار میں مشغول رہے۔

۱۲..... لڑائی جھگڑا، فساد، گالم گلوچ، ٹکراؤ، فحش کلام وغیرہ سے گریز کرنا، بلکہ کلام مباح سے جہاں تک ہو احتراز کرے، چونکہ فحش کلامی میں ضیاع وقت ہے جبکہ یہ وقت انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

۱۳..... خصوصاً عرفہ کے دن اور حج کے بقیہ ایام میں بھی خیر وبھلائی کے اعمال کثرت سے کرنا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایام حج (یعنی عشرہ ذی الحجہ) میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ سب اعمال سے افضل ہوتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: جہاد بھی ان اعمال کی بنسبت افضل نہیں؟ فرمایا: جہاد بھی افضل نہیں، ہاں البتہ جو شخص اپنا مال اور اپنی جان جہاد میں لگا دے اور کچھ بھی لے کر سامنے نہ آئے تو اس کا عمل افضل ہے۔ ❶

(۱۴)..... دعا، تہلیل، قرأت قرآن، استغفار، خشوع وخضوع، اللہ کے حضور عاجزی، فقر ومحتاجی کا اظہار دعا میں گڑگڑانا اور تین تین بار دعائیں کرنا، تسبیح، تحمید اور تکبیر زیادہ سے زیادہ کرے اور ساتھ روئے چونکہ یہی مقام آنسو بہانے اور لغزشیں معاف کرانے کا ہے۔

اس مقام میں افضل دعا وہ ہے جو ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کے دن افضل دعا وہ ہے جو میں پڑھتا ہوں اور مجھ سے پہلے انبیاء بھی پڑھتے رہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہٗ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر

کتاب ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن جائے وقوف میں کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے:

اللھم لك الحمد کالذی نقول وخیراً مما نقول اللھمِ لك صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی والیك مآبی ولك ربی تراثی

پھر یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اعوذبك من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الأمر اللھم انی اعوذبك من شرما تجئی به الریح

اسی طرح مختار دعاؤں میں سے یہ بھی ہے:

"اللھم آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار،اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً وانه لایغفر الذنوب الا انت، فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم، اللھم اغفرلی مغفرة من عندك تصلح بھاشأ نی فی الدارین وارحمنی رحمة منك اسعد بھا فی الدارین وتب علی توبة نصوحاًلا انکثھا ابداً، والزمنی سبیل الاستقامة لا ازیغ عنھا ابداً اللھم انقلنی من ذل المعصیة الی عزا لطاعة وأغننی بحلالك عن حرامك وبطاعتك عن معصیتك وبفضلك عمن سواك ونور قلبی وقبری، واعذنی من الشر کله، واجمع لِی الخیر کله واستود عك دینی وأ مانتی

❶ ..... رواہ البخاری عن ابن عباس۔

وقلبي وبدني وخواتيم عملي وجميع ماأنعمت به علي وعلى جميع احبائي والمسلمين اجمعين

با آواز بلند تلبیہ پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے، دعاؤں، اذکار کی جمیع انواع گاہے گاہے کرتا رہے یعنی کبھی دعا کرے، کبھی تہلیل کرے، کبھی تکبیر کہے کبھی تلبیہ پڑھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، کبھی استغفار کرے اور کبھی انفرادی دعا کرے اور کبھی اجتماعی دعا کرے۔

حاجی کو چاہئے کہ اپنے لئے دعا کرے، والدین، قریبی رشتہ دار، دوست واحباب احسان مندوں اور مسلمانوں کے لئے دعائیں کرے۔

کثرت سے استغفار کرنا مستحب ہے، ہر طرح کی خلاف ورزی سے استغفار کرے، دل کے ساتھ اعتقاد بھی ہو، دعاؤں اور اذکار کے ساتھ روئے یہی آنسو بہانے کا اور لغزشیں معاف کرانے کا مقام ہے، چونکہ حج عظیم اجتماع ہے جس میں اللہ کے مخلص بندے جمع ہوتے ہیں، اللہ کے خاص اور مقرب بندے جمع ہوتے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کے دن سے بڑھ کر ایسا کوئی دن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ دوزخ سے کثرت سے بندوں کو نجات دیتا ہو، ان لوگوں پر فرشتوں کو رشک آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔"

چھٹی بحث.....واجبات حج

واجبات حج وعمرہ وہ ہوتے ہیں جن کو چھوڑنے پر دم واجب ہوتا ہے اور ہونے والی کمی دم سے پوری ہوجاتی ہے، واجبات فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔

حنفیہ.....کے نزدیک حج کے واجبات بارہ ہیں، لباب میں پندرہ تک بیان کئے گئے ہیں۔ ان سب میں سے کچھ یہ ہیں۔ سعی، وقوف مزدلفہ، اگر چہ رات کے آخری نصف میں ایک لمحہ کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ رمی، جمار، حلق یا تقصیر، طواف وداع حنفیہ کے نزدیک طواف وداع آفاقی یعنی اس شخص کے لئے ہے جو مواقیت سے باہر ہو اور عورتوں میں غیر حائضہ کے لئے ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے واجبات دو ہیں، سعی، حلق یا تقصیر۔

مالکیہ.....مالکیہ کے نزدیک حج کے واجبات پانچ ہیں، طواف قدوم، وقوف مزدلفہ، رمی جمار، حلق یا تقصیر منیٰ میں رات کا پڑاؤ، جبکہ مالکیہ کے نزدیک عمرہ کا صرف ایک واجب ہے حلق یا تقصیر۔

شافعیہ.....شافعیہ کے نزدیک حج کے واجبات پانچ ہیں۔ میقات زمانی اور مکانی کی رعایت رکھ کر احرام باندھنا، رمی جمار، مزدلفہ میں وقوف، منیٰ میں رات کو ٹھہرنا، طواف وداع، جبکہ شافعیہ کے نزدیک عمرہ کے اعمال سبھی ارکان ہیں البتہ حل سے احرام باندھنا واجب ہے، جیسا کہ حلق یا تقصیر شافعیہ کے مشہور قول کے مطابق حج اور عمرہ میں رکن ہیں۔

حنابلہ.....حنابلہ کے نزدیک حج کے واجبات چھ ہیں، میقات سے احرام باندھنا، دن کے وقت غروب تک وقوف عرفہ کرنا، آدھی رات کے بعد مزدلفہ میں رات گزارنا منیٰ میں رات کو ٹھہرنا، جمرات کی رمی کرنا، حلق یا تقصیر اور طواف وداع۔

حنابلہ کے نزدیک عمرہ کے واجبات دو ہیں، حلق یا تقصیر، حل سے احرام باندھنا۔

مذکورہ بالا واجبات میں سے احرام، سعی اور طواف کے احکام بسط وتفصیل سے ہم نے بیان کردیئے ہیں اور ان کے علاوہ بقیہ واجبات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا مقصد......وقوف مزدلفہ

اس مقصد کے ذیل میں یہ امور زیر بحث آئیں گے۔ وقوف مزدلفہ کی شرعی کیفیت، رکن، وقوف مزدلفہ کی جگہ، وقت، وقت سے فوت ہوجانے کا حکم اور سنتیں۔ ❶

پہلی چیز: وقوف مزدلفہ کی کیفیت......وقوف مزدلفہ تمام مذاہب میں بالاتفاق واجب ہے رکن نہیں، لہٰذا جس شخص نے وقوف مزدلفہ ترک کیا اسے دم لازم ہوگا، مزدلفہ میں رات گزارنا حنابلہ کے نزدیک واجب ہے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہے، شافعیہ کے نزدیک اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق سنت اور دوسرے قول کے مطابق واجب ہے۔

البتہ امام نووی اور سبکی کے نزدیک وجوب کا قول راجح ہے، دونوں اقوال کا محل عذر نہ ہونے کے اعتبار سے ہے، رہی بات معذور کی سو بالیقین اس پر دم نہیں ہے، معذورین میں سے یہ شخص بھی ہے جو رات کو عرفہ میں آئے اور وقوف عرفہ میں مشغول رہے، ایک وہ شخص بھی معذور ہے جو عرفہ سے مکہ کو چلا جائے اور طواف رکن کرے اور وقوف مزدلفہ فوت ہوجائے، علامہ اذرعی کہتے ہیں: جو شخص خود چل کر مزدلفہ نہ جاسکتا ہو اسے اٹھا کر لے جانا چاہئے، بشرطیکہ اسے اٹھانے میں مشقت نہ ہوتی ہو، معذورین میں سے وہ عورت بھی ہے جسے حیض پیش آجانے کا خوف ہو اور وہ عرفہ سے مکہ روانہ ہوجائے تاکہ طواف زیارت کرلے۔ ”كفاية الاختيار“ میں لکھا ہے کہ مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے۔

مقدار وقوف حنفیہ......حنفیہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ کی مقدار واجب لمحہ بھر ہے اگرچہ کوئی گزرتا ہی جائے، جیسا کہ عرفہ میں وقوف ہوتا ہے، اور مقدار سنت اچھی طرح صبح کی سفیدی ہوجانے تک ٹھہرے رہنا ہے۔

حنابلہ......حنابلہ کے نزدیک نصف رات کے بعد ٹھہرنا ہے، اگر کوئی شخص آدھی رات گزرنے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوا اس پر کچھ تاوان نہیں ہوگا۔

شافعیہ......کے نزدیک لحظہ بھر کے لئے آدھی رات کے بعد ٹھہرنا ہے۔

مالکیہ......کے نزدیک اتنی دیر ٹھہرنا واجب ہے جتنی دیر میں سواریوں کے کجاوے اتارے جاسکیں، مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھی جاسکیں اور کھاپی لیا جاسکے۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور کی رائے میں لوگوں کے لئے بہت آسانی ہے چونکہ اب حاجیوں کی تعداد بڑھ چکی ہے اور اجتماعی طور پر وہاں رات گزارنے میں دشواری ہے۔

مشعر حرام میں آنا......مشعر حرام مزدلفہ میں جبل قزح کو کہا جاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کے پاس ٹھہرنا مستحب ہے، مالکیہ کے نزدیک سنت ہے مالکیہ کے نزدیک یہی قابل اعتماد قول ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سنت ہے۔

دلیل......وقوف مزدلفہ کے واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ البقرة۲/۱۹۸

---

❶......تفصیل کے لئے البدائع ۱۳۵/۲، الدر المختار ۲۴۱/۲، فتح القدير ۱۶۹/۲، اللباب ۱۸۶/۱، الشرح الصغير ۵۷/۲ الایضاح ص ۵۵، مغنی المحتاج ۴۹۹/۱، المغنی ۴۱۷/۲، شرح المجموع ۱۲۰/۸۔

جب تم عرفات سے روانہ ہو جاؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے اس نماز یعنی نماز فجر میں حاضر ہو وہ ہمارے ساتھ وقوف کرے حتیٰ کہ ہم روانہ ہو جائیں، حالانکہ اس سے قبل عرفات میں رات کو یا دن کو وقوف کر چکا ہو تو اس کا حج مکمل ہو گیا، وہ حلال ہو کر اپنی پراگندگی دور کر لے۔

رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی

مزدلفہ کے مختلف نام......مزدلفہ کے مختلف نام ہیں: مزدلفہ، جمع اور مشعر حرام، مزدلفہ کی حدود عرفات کی تنگ جگہ سے قرن محسر تک، شمال کی طرف سے گھاٹیوں تک، اس میں جس جگہ بھی وقوف کرلیا کافی ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سارا مزدلفہ جائے وقوف ہے۔

دوسری چیز......وقوف مزدلفہ کا رکن

حنفیہ......کہتے ہیں: مزدلفہ میں موجود ہونا وقوف مزدلفہ کا رکن ہے، برابر ہے کہ حاجی بذات خود موجود ہو یا اس کی طرف سے حج بدل کرنے والا موجود ہو، یا اسے اٹھا کر لایا گیا ہو، خواہ اس کے حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر، خواہ وقوف میں وہ سویا ہوا ہو یا بے ہوش ہو، پاگل ہو یا نشہ میں ہو، برابر ہے وقوف کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، مزدلفہ کا اسے علم ہو یا نہ ہو اگرچہ راہ گیر ہی کیوں نہ ہو جیسے وقوف عرفہ میں ہوتا ہے۔

مالکیہ......کہتے ہیں: اتنی مقدار میں مزدلفہ میں اترنا واجب ہے جتنی مقدار میں کجاوے اتارے جا سکیں مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھی جا سکیں اور کھا پی لیا جا سکے، اگر مزدلفہ میں نہ اترا تو دم واجب ہوگا، مالکیہ کے نزدیک مشعر حرام کے پاس اترنا معتمد قول کے مطابق سنت ہے۔

شافعیہ......کہتے ہیں لحظہ بھر کے لئے ٹھہر جانا حصول وجوب کے لئے کافی ہے، جیسے عرفہ کا وقوف لحظہ بھر کے لئے کافی ہوتا ہے، لہٰذا گزرنا بھی کافی ہے، اگرچہ نہ ہی ٹھہرے، اس کا وقت نصف رات کے بعد ہے، کمزور لوگوں اور عورتوں کو نصف رات کے بعد منیٰ کی طرف روانہ کر دینا مسنون ہے، مزدلفہ میں وقوف کرنے والے تلبیہ تکبیر وغیرہ پڑھتے رہیں چونکہ اسی میں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ⓫ عورتوں اور ضعیفوں کے علاوہ بقیہ لوگ فجر تک ٹھہرے رہیں اور اندھیرے اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھیں۔

حنابلہ......کہتے ہیں: مزدلفہ میں رات بسر کرنا واجب ہے، جس شخص نے وقوف مزدلفہ کو ترک کیا اس پر دم واجب ہوگا، جو شخص مزدلفہ میں رات کو ٹھہرے تو اس کے لئے نصف رات سے پہلے کوچ کرنا جائز نہیں، اگر نصف رات کے بعد کوچ کیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "مجھ سے اپنے مناسک حاصل کرو" نصف رات کے بعد کوچ کرنے میں رخصت دی گئی ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمزور گھر والوں میں جو کہ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے ان میں میں بھی شامل تھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی روانگی کی رخصت دی۔ ⓬

وقوف مزدلفہ کے لئے حیض ونفاس اور جنابت سے پاک ہونا شرط نہیں، چونکہ وقوف ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ سے متعلق نہیں۔ لہٰذا طہارت کے بغیر بھی وقوف مزدلفہ، وقوف عرفہ اور رمی جمار کی طرح درست ہے۔

تیسری چیز: مزدلفہ میں وقوف کی جگہ......مزدلفہ، منیٰ اور عرفہ کے درمیان واقع ہے، مزدلفہ پورا کا پورا جائے وقوف ہے سوائے

⓫......رواہ الشیخان (نصب الرایۃ ۳/۷۲) ⓬ متفق علیہ۔

بطن محسر کے، بطن محسر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے، مزدلفہ کے کسی بھی حصہ میں وقوف کرلیا تو کافی ہوگا، وادی محسر کے علاوہ جہاں چاہے اترے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میدان عرفات سارے کا سارا جائے وقوف ہے سوائے بطن عرنہ کے، مزدلفہ سارے کا سارا موقف ہے سوائے وادی محسر کے۔“ ❶

حنفیہ کے نزدیک وادی محسر میں اترنا مکروہ ہے، البتہ اگر کسی شخص نے وادی محسر میں وقوف کرلیا تو باوجود کراہت کے وقوف کافی ہوگا۔

جبکہ جبل قزح کے پاس وقوف کرنا افضل ہے، مشعر حرام مزدلفہ کا آخری حصہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل قزح کے پاس وقوف کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے افعال حج حاصل کرو۔ ❷

چوتھی چیز: وقوف مزدلفہ کا وقت...... وقوف مزدلفہ کے وقت کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

۱: حنفیہ کی رائے...... یہ ہے کہ وقوف مزدلفہ کا وقت قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ) کی رات کے طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیان کا وقت ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم مزدلفہ سے طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہوئے، چنانچہ جس شخص نے طلوع فجر سے پہلے یا طلوع آفتاب کے بعد وقوف کیا تو اس کا وقوف کسی درجہ میں شمار نہیں ہوگا۔ وقوف کی مقدار واجب لحہ بھر ہے جبکہ مقدار سنت رات بھر وقوف کرنا حتیٰ کہ اچھی طرح سے سفیدی پھیل جائے، بلکہ مسنون یہ ہے کہ قربانی والی رات مزدلفہ میں بسر کی جائے۔

البتہ مزدلفہ میں رات گزارنا واجب نہیں، واجب تو وقوف ہے، افضل یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد وقوف ہو، نماز فجر تاریکی میں پڑھی جائے، پھر مشعر حرام کے پاس وقوف کیا جائے، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اور اپنی حاجات طلب کرے، پھر طلوع آفتاب سے قبل منیٰ کی طرف روانہ ہوجائے، اگر کوئی شخص طلوع فجر کے بعد اور نماز سے پہلے روانہ ہوگیا تو گویا اس نے برا کیا البتہ سنت کے ترک کرنے پر اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

۲: جمہور کی رائے...... وقوف مزدلفہ کا وقت رات ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں رات کے کسی بھی حصہ میں اتنی مقدار میں وقوف کرلیا گیا کہ جتنا وقت کجاوے اتارنے، مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھنے اور کھانے پینے میں صرف ہوتا ہے، جبکہ مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے، چنانچہ جب طلوع فجر ہو تاریکی ہی میں فجر کی نماز پڑھ لی جائے پھر مشعر حرام کی طرف کوچ کر جائیں یہی معتمد قول کے مطابق سنت ہے۔

یہاں دعا میں سفیدی پھیل جانے تک مصروف رہیں، پھر طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ کر جائیں اور وادی محسر سے تیزی سے گزر جائیں۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: وقوف مزدلفہ کا وقت نصف رات گزر جانے کے بعد سے شروع ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص رات کے پچھلی نصف حصہ میں مزدلفہ میں موجود نہ ہو وہ دم دے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: مزدلفہ میں طلوع فجر تک رات گزارنا واجب ہے، جس نے اسے ترک کیا اس پر دم آئے گا، جب فجر کی نماز پڑھ لے تو مشعر حرام کے پاس وقوف کرے، اگر ممکن ہو تو مشعر حرام پر چڑھے، وگرنہ اس کے پاس وقوف کرے، دعاؤں اور اذکار میں اچھی طرح

---

❶...... رواه الخمسة من الصحابة جابر عند ابن ماجه، جبير بن مطعم عند احمد، ابن عباس عند الطبراني والحاكم، ابن عمر عند ابن عدى وابو هريرة عند ابن عدى وهو ضعيف الا حديث ابن عباس قال الحاكم صحيح على شرط مسلم (نصب الراية ٣/ ٦٠) ❷ رواه جابر في حديثه الطويل المتقدم۔

مشغول رہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۸

جب تم عرفات سے روانہ ہو جاؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام کے پاس آئے اور اس پر چڑھے، رب تعالیٰ سے دعا کی "تہلیل وتکبیر کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا۔" جو شخص مزدلفہ میں رات گزارے تو نصف رات سے پہلے اس کے لئے جانا جائز نہیں، اگر نصف رات کے بعد روانہ ہوا تو اس پر کچھ تاوان نہیں۔

پانچویں چیز: وقت سے وقوف مزدلفہ فوت ہو جانے کا حکم

حنفیہ......کہتے ہیں اگر کسی عذر کی وجہ سے وقوف مزدلفہ فوت ہوا تو اس پر کچھ نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعفاء کو پہلے ہی بھیج دیا تھا اور آپ نے ان پر کفارہ واجب نہیں کیا۔ اگر بغیر کسی عذر کے فوت ہوا تو اس پر دم واجب ہوگا چونکہ اس نے بغیر کسی عذر کے وقوف ترک کیا ہے لہٰذا کفارہ واجب ہوگا۔

جمہور......کہتے ہیں وقوف مزدلفہ ترک کرنے پر دم واجب ہوگا۔

چھٹی چیز: وقوف مزدلفہ کی سنتیں: ۱......مشعر حرام میں وقوف کرنے کے لئے رات کے وقت غسل کرنا اور عید کے لئے غسل کرنا جو شخص پانی نہ پائے تو وہ تیمم کرلے، جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایضاح میں بیان کیا ہے۔

۲......مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھنا، یہ جمع جمع تاخیر ہوگی، ہر نماز کے لئے اقامت ہوگی، ایسے ہی جیسے نمرہ میں ظہر وعصر کی نمازیں جمع کیں، انفرادی طور پر جمع کی جائیں اور امام کے پیچھے بھی جمع کی جائیں۔

۳......رات بھر عبادت، دعا، اذکار اور تلاوت میں مشغول رہنا۔

۴......نصف رات کے بعد تیار رہنا، اور یہیں سے رمی جمار کے لئے کنکریاں چننا، یعنی قربانی کے دن کے لئے سات کنکریاں اور ایام تشریق میں رمی جمار کے لئے تریسٹھ (۶۳) کنکریاں چننا، کل ملا کر ستر کنکریاں بنتی ہیں، بڑا پتھر توڑ کر کنکریاں نہ بنائی جائیں چونکہ اس میں دوسروں کو اذیت پہنچنے کا اندیشہ ہے، بلکہ کنکریاں چنی جائیں۔

مزدلفہ میں جس جگہ سے چاہے کنکریاں چن لے البتہ نجاست والی جگہ اور مسجد سے کنکریاں چننا مکروہ ہے، اسی طرح جمرات کو ماری گئی کنکریاں اٹھا کر دوبارہ مارنا بھی مکروہ ہے، رمی کی کنکریوں کو دھونا مکروہ ہے، جبکہ امام نووی اور بعض حنابلہ نے کنکریوں کے دھونے کو مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کنکریاں دھوتے تھے، غایۃ المنتھی میں لکھا ہے کہ نجس کنکری دھولی جائے۔

۵......مشعر حرام کے پاس وقوف کرنا اور اس کے اوپر چڑھنا بشرطیکہ اوپر چڑھنا ممکن ہو ورنہ مشعر حرام کے نیچے وقوف کرلیا جائے۔

۶......صبح کی نماز اول وقت میں پڑھنا، مزدلفہ میں تکبیر کہنے میں مبالغہ کرنا زیادہ تاکید کے باعث ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء بھی ہے۔

۷......نماز فجر کے بعد مشعر حرام کے پاس قبلہ رو ہو کر وقوف کرنا، یہاں دعائیں کرے، تکبیر وتہلیل اور اللہ کی حمد وثناء کرے، کثرت سے تلبیہ پڑھے، زیادہ سے زیادہ یہ دعا پڑھے:

اللهم كما اوقفتنا فيه وأريتنا اياه فوفقنا لذكرك كما هديتنا واغفرلنا وارحمنا كما وعدتنا بقولك.

فاذا افضتم من عرفات فاذكروا الله عندالمشعر الحرام واذكروه كما هداكم وان كنتم من قبله لمن الضالين ثم افيضوا من حيث افاض الناس واستغفروالله ان الله غفور رحيم

پھر تین بار کہے:

الله اكبر، لااله الاالله والله اكبر، الله اكبر ولله الحمد

جب تک اچھی طرح سفیدی ہو جائے اس وقت تک وقوف میں رہے، چونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابق حدیث میں ہے۔ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم برابر وقوف میں رہے حتیٰ کہ اچھی طرح سفیدی پھیل گئی۔'' پھر طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہو جائے چونکہ اسی میں رسول اللہ کے فعل کی اتباع ہے، کوچ کرتے وقت تلبیہ اور اذکار کرتا رہے کیونکہ آیت کریمہ میں اس کی راہنمائی کی گئی ہے:

فاذا افضتم من عرفات فاذكرو الله ......الخ

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برابر تلبیہ کرتے رہے حتیٰ کہ رمی جمار کی۔

۸......ضعفاء یعنی عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ کر دینا تا کہ جمرہ عقبہ کی رمی بھیڑ اور ہجوم سے پہلے پہلے کر لیں، ان لوگوں کو مزدلفہ سے آدھی رات ہو جانے کے بعد روانہ کیا جائے، شافعیہ کے نزدیک یہی سنت ہے، ضعفاء کے علاوہ بقیہ لوگ مزدلفہ میں ٹھہرے رہیں حتیٰ کہ صبح کی نماز مزدلفہ ہی میں پڑھیں۔

۹......وادی محسر سے جلدی جلدی گزرنا، ❶ یعنی پیادہ ہو تو تیز تیز چلے اور اگر سوار ہو تو سواری کو کوچادیکر اسے حرکت دے، حتیٰ کہ عرضاً وادی قطع ہو جائے، اسی میں اتباع سنت ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسی وادی میں اصحاب فیل جو کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے آئے تھے ان پر عذاب نازل ہوا۔

وادی محسر کے علاوہ بقیہ راستے میں وقار اور سکون کے ساتھ چلنا چاہئے جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ ''اے لوگوں آرام وسکون سے چلو۔''

دوسرا مقصد......منیٰ میں رمی جمار اور وہاں رات گزارنے کا حکم

میں اس مقصد کے ذیل میں یہ امور بیان کروں گا، رمی کا معنی، وجوب رمی، رمی میں نائب بنانا، رمی کا وقت، رمی کی جگہ، اس کی شرائط، مقدار، اس کی جنس، کنکریاں اٹھانے کی جگہ، ہر جگہ میں ہر دن رمی کی مقدار، رمی کی کیفیت، رمی کی سنتیں اور مکروہات، جب رمی وقت سے مؤخر ہو جائے تو اس کا حکم، منیٰ میں رات گزارنے کا حکم۔

پہلی چیز: رمی جمار کا معنی، رمی کی حکمت اور منیٰ کی حدود:

لغوی معنی......رمی جمار کا لغوی معنی: چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارنا ہے، جمار ''جمرۃ'' کی جمع ہے جمرہ چھوٹی کنکری کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف...... ''مخصوص جگہ، مخصوص وقت میں مخصوص تعداد میں کنکریاں مارنا رمی جمار کہلاتا ہے۔'' چنانچہ اگر کسی شخص نے کنکری اٹھا کر ہاتھ سے رکھ دی تو یہ رمی جمار نہیں ہوگی، کیونکہ رمی پھینکنا ہے اور اس میں پھینکنا نہیں پایا گیا، اگر کنکری جھٹک دی تو رمی کے لئے کافی ہوگی، ہاں البتہ اصل رمی ہلکی سی کنکری مارنا اور اس سے ابلیس کو سنگسار کرنے کا قصد ہو۔

---

❶......وادی محسر کو وادی نار بھی کہا جاتا ہے یہ ۵۴۵ ہاتھ چوڑی وادی ہے، یہی وادی مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان فرق کرتی ہے۔ اسی وادی میں ابراہہ اور اس کے لشکر پر عذاب نازل ہوا تھا۔

رمی کی حکمت......رمی جمار ایک طرح کا رمز اور اشارہ ہے گویا رمی شیطان کو ڈانٹنے کی ایک ترجمانی ہے کیونکہ شیطان انسان کو معصیت میں مبتلا کرتا ہے، اور معصیت میں مشغول رکھ کر روحانیت سے غافل کرتا ہے، اس وقت تو وہاں موجود نہیں ہوتا گویا ایک گمان سا ہوتا ہے، چونکہ محسوس معقول کی طرف دلالت کرتا ہے، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء بھی ہے چونکہ جب آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ علیہاالسلام نے شیطان کو کنکریاں ماریں تاکہ ذبح کے عمل میں وہ دل میں وسوسے نہ ڈالے، نیز حکمت کے مامور تو بس صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا ہے۔

منیٰ کی حدود......وادی محسر اور جمرۂ عقبہ ومنیٰ کے درمیان ۲ میل لمبی گھاٹی ہے اور اس کی چوڑائی کم ہے، اس پر احاطہ کئے ہوئے پہاڑ جو سامنے کی سمت میں ہیں وہ منیٰ کا حصہ ہیں اور جو پچھلی طرف ہیں وہ منیٰ کا حصہ نہیں۔

جمرات......جمرات کی تعداد تین ہے:

۱......جمرۂ اولی اسے جمرۂ صغریٰ بھی کہتے ہیں۔

۲......جمرۂ وسطیٰ۔

۳......اور جمرۂ عقبہ اسے جمرۂ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ پہلا جمرہ مسجد خیف کے ساتھ ملا ہوا ہے، مسجد خیف کو مسجد ابراہیم بھی کہا جاتا ہے یہ مکہ سے ایک میل سے کم فاصلے پر ہے، جمرۂ عقبہ منیٰ کے آخر میں مکہ کی طرف ہے۔

ملاحظہ......جمرۂ عقبہ، اس عقبہ کی طرف منسوب نہیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے انصار سے بیعت لی تھی، بلکہ وہ تو ایک بڑی چٹان ہے جو شروع منیٰ میں آتی ہے، جبکہ یہ تینوں جمرات شارع کے وسط میں واقع ہیں اور آخری جمرہ اور جمرہ وسطیٰ کے درمیان ۱۵۵ میٹر کا فاصلہ ہے، حاجی رمی کی پہلے سے ابتدا کرے گا اور آخری پر ختم کرے گا۔

دوسری چیز: وجوب رمی جمار اور رمی میں انابت......رمی جمار بالاتفاق واجب ہے، چونکہ اسی میں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کے دن اونٹنی پر سوار جمرہ کی رمی کرتے دیکھا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”کہ مجھ سے افعال حج حاصل کرو ہوسکتا ہے میں اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں۔

رمی میں نائب بنانا صحیح ہے چنانچہ جو شخص بذات خود رمی کرنے سے عاجز ہو، یا وہ بیمار ہو یا قید و بند میں ہو یا نہایت بوڑھا ہو یا حاملہ عورت ہو تو وہ رمی کے لئے نائب مقرر کرسکتے ہیں، یہ لوگ اپنا وکیل بنالیں اور وکیل ان کی طرف سے سب جمرات کی رمی کرے، ایک آدمی چند حاجیوں کا وکیل بن سکتا ہے تاہم وکیل پہلے اپنی طرف سے رمی کرے پھر مؤکلین کی طرف سے، اگر مؤکل قدرت رکھتا ہو تو وہی نائب کو کنکری تھمائے اور تکبیر بھی کہے جو کہ یہ ہے۔ اللہ اکبر (۳ بار) ”لاالٰہ الااللہ واللہ اکبر وللہ الحمد“ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔

البتہ مالکیہ کے نزدیک مؤکل پر دم واجب ہوگا، نائب بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ مؤکل کے ذمہ سے گناہ ساقط ہوجائے گا اور دم دے کر الزام سے بری ہوجائے گا، ہجوم زیادہ ہونے کے وقت عورت کا وکیل بنانا بہتر ہے۔ ❶

❶......رواہ احمد ومسلم والنسائی۔

تیسری چیز: رمی کا وقت:

ا: جمرہ عقبہ کی رمی......شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جمرہ کبری (عقبہ) کا وقت قربانی کی رات کے نصف سے شروع ہو جاتا ہے، البتہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا افضل ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رمی کا حکم دیا تھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی پھر چل دیں۔ ❶

مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک اس کا وقت عید کے دن طلوع آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمی نہ کرو حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے۔ ❷ جو شخص حج افراد یا حج قران کر رہا ہو تو وہ جمہور کے نزدیک رمی کرتے وقت پہلی کنکری کے ساتھ ہی تلبیہ منقطع کر دے، اس کی دلیل حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ "میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور ہم مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کی۔" ❸

عمرہ کرنے والا طواف کی ابتداء میں تلبیہ منقطع کر دے۔

مالکیہ کہتے ہیں: عرفہ کے دن زوال شمس کے وقت تلبیہ منقطع کر دیا جائے جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت عید کے دن آخر تک رہتا ہے، اس کی دلیل بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے شام ہو جانے کے بعد رمی کی ہے، آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

ب: ایام تشریق میں تین جمرات کی رمی......زوال شمس کے بعد ہر دن یعنی ظہر کے بعد تینوں جمرات کی رمی کی جائے یہ بالاتفاق ہے، اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمار کی رمی اس وقت کرتے جب زوال آفتاب ہو جاتا۔ زوال سے پہلے رمی جائز نہیں، رمی کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

اگر کسی شخص نے رات تک رمی موخر کر دی تو مالکیہ کے نزدیک یہ رمی قضاء ہوگی چونکہ غروب تک ادا کا وقت ہوتا ہے جو نکل چکا، لہٰذا تاخیر کی وجہ سے اس پر دم ہوگا، اگر ایک کنکری یا زائد کنکریوں میں تاخیر کی تو دم صرف ایک ہی واجب ہوگا۔

حنفیہ......کہتے ہیں اگر کسی شخص نے رات تک رمی مؤخر کی اور پھر طلوع فجر سے پہلے پہلے رمی کر لی تو یہ جائز ہے اور اس پر کچھ تاوان نہیں۔ چونکہ رمی کے ایام میں رات بھی رمی کا وقت ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایام تشریق کے تیسرے دن کی رمی (حقیقت میں یہ رمی کا چوتھا دن ہوتا ہے) زوال سے قبل بھی کی جا سکتی ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایام تشریق کے آخری دن شروع دن میں رمی کر لی جائے تو یہ جائز ہے۔

حنابلہ......کہتے ہیں: رمی صرف زوال کے بعد ہوگی البتہ پانی پلانے والوں اور اونٹ چرانے والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ دن کو یا رات کو کسی بھی وقت رمی کر سکتے ہیں۔

شافعیہ......کہتے ہیں رمی کا وقت زوال سے غروب آفتاب تک ہے، اگر ایک دن کی رمی چھوڑی تو باقی دنوں میں اس کا تدارک کرے اسی طور پر ایام تشریق میں رمی کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ البتہ ایام تشریق میں اگر ایک دن کی رمی چھوڑی پھر بعد میں کسی دن رمی کی تو پھر بھی یہ ادا ہوگی معتمد قول کے مطابق غروب سے رمی کا وقت نہیں نکلتا، پانی پلانے والے اور چرواہے بالاختیار ایک دن کی رمی کی تاخیر

❶ ......رواہ ابوداؤد۔ ❷ رواہ الخمسة احمد واصحاب السنن الاربعة عن ابن عباس وصححه الترمذی۔ ❸ نیل الاوطار ۳۲۲/۴

کر سکتے ہیں، پھر اس دن کے بعد والے دن میں رمی کریں، اکٹھے دو دن لگاتار رمی نہ کریں۔

ایام تشریق میں سے جب دوسرے دن کی رمی زوال کے بعد کی اور پھر منیٰ سے مکہ روانہ ہونا چاہا تو وہ روانہ ہوسکتا ہے قرآن میں روانگی سے یہی مراد ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ......البقرۃ ۲/ ۲۰۳

جس شخص نے دو دنوں میں جلدی کر دی تو اس پر گناہ نہیں۔

یعنی تیسرے دن کی رمی ترک کرسکتا ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ روانگی میں جلد بازی نہ کی جائے، بلکہ ایام تشریق کے آخری دن تک رکنا چاہئے پھر روانگی ہو، قرآن میں دوسری روانگی سے یہی مراد ہے:

وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ......البقرۃ ۲/ ۲۰۳

جس شخص نے تاخیر کی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں، جس شخص نے دو دنوں میں جلد بازی کی اس کی مغفرت ہوگی اور جس نے تاخیر کی اس کی بھی مغفرت ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمان باری تعالیٰ "فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ" کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ مغفرت والا ہو کر واپس لوٹے گا، البتہ یہ تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے، چونکہ آگے فرمان ہے۔ "لمن اتقی" یہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔

جمہور کے نزدیک جلد بازی کا وقت ایام تشریق میں سے دوسرا دن ہے، پہلی روانگی یہی ہے، جو کہ غروب آفتاب سے قبل ہو، چنانچہ اس کی دلیل اوپر بیان کی گئی آیت ہے اور ابوداؤد وابن ماجہ کی روایت ہے جو عبدالرحمٰن بن یعمر سے منقول ہے کہ "ایام منیٰ کی تعداد تین ہے، لہٰذا جو شخص دو دنوں میں جلد بازی کرے اس پر گناہ نہیں۔ اور جس نے تاخیر کی اس پر بھی گناہ نہیں۔" "یوم" دن دن کا نام ہے، لہٰذا جس شخص کو رات ہوگئی گویا اس نے دو دنوں میں جلد بازی نہیں کی، اگر سورج غروب ہوگیا درحالیکہ حاجی منیٰ میں ہو تو اب وہ وہاں سے کوچ نہ کرے حتیٰ کہ صبح کو زوال کے بعد رمی کرلے، حنفیہ کہتے ہیں: حاجی طلوع فجر سے پہلے کوچ کرسکتا ہے یعنی ایام عید کے چوتھے دن کے طلوع فجر سے پہلے پہلے اور جب فجر طلوع ہوچکی تو اب وہ کوچ نہیں کرسکتا کیونکہ رمی کا وقت داخل ہوچکا۔ [1]

چوتھی چیز: رمی کی جگہ......قربانی کے دن رمی جمرہ عقبہ کے پاس ہوگی، جبکہ بقیہ تین دنوں میں رمی تین جگہوں میں ہوگی یعنی جمرہ اولیٰ، وسطیٰ اور عقبہ کے پاس، رمی میں شرط یہ ہے کہ کنکری جمرہ کے پاس پڑے، اگر دور سے جمرہ کو کنکری ماری اور کنکری جمرہ کے پاس پڑی تو رمی کافی ہوگی، اگر کنکری جمرہ کے پاس نہ پڑی تو رمی کافی نہیں ہوگی، البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر جمرہ کے قریب پڑ گئی تو کافی ہوگی، چونکہ جمرہ کے قریب قریب والی جگہ جمرہ کے حکم میں ہے اور اس کے تابع ہے۔

پانچویں چیز: رمی کے شرائط......مطلق رمی صحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

ا......یہ کہ رمی ہاتھ کے ساتھ ہو، جمہور کے نزدیک پھینکی گئی چیز کنکری ہو، چونکہ اسی میں اتباع سنت ہے، لہٰذا رمی اگر کمان سے کی تو وہ کافی نہیں، اسی طرح پاؤں سے رمی کی یا مٹی ماری تو بھی رمی کافی نہیں ہوگی، کنکری کے علاوہ اگر کوئی اور چیز ماری مثلاً جوہر، سونا، چاندی، زبرجد، فیروزہ، یاقوت، پیتل وغیرہ پھینکا تو بھی رمی کافی نہیں ہوگی۔

---

[1]......دیکھئے فتح القدیر ۲/ ۲۹۸ الشرح الصغیر ۲/ ۶۴ السراج الوہاج ص ۱۶۵ کشاف القناع ۲/ ۵۱۱، المغنی والشرح الکبیر ۳/ ۴۷۹ طبع بیروت۔

حنفیہ کہتے ہیں: ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو جیسے پتھر، ڈھیلا، مٹی وغیرہ تو اس سے رمی کرنا جائز ہے یعنی ہر وہ چیز جس سے تیمم کرنا جائز ہے اس سے رمی کرنا بھی جائز ہے، اگر چہ مٹی سے ہتھیلی بھر کر پھینک دی کافی ہے اور یہ کنکری کے قائم مقام ہوگی، لکڑ، عنبر، موتی، جواہر پھینکنا جائز نہیں چونکہ ان چیزوں سے رمی کرنے میں اعزاز ہے اہانت نہیں، سونے چاندی کو بھی رمی میں نہ پھینکے چونکہ اسے دولت بکھیرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے رمی نہیں کہا جاتا، مینگنی بھی نہ پھینکی جائے چونکہ مینگنی زمین کی جنس میں سے نہیں ہے۔

۲...... یہ کہ کنکری اتنی ہو جو کہ انگلی پر رکھ کر ماری جاتی ہے، یہ چنے سے بڑی اور غلیلہ سے چھوٹی ہو گویا گٹھلی کے برابر ہو، بہت چھوٹی کنکری جو چنے کے برابر ہو وہ کافی نہیں ہوگی، بڑی کنکری مارنا مکروہ ہے البتہ رمی میں کافی ہوگی۔ یہ شرط مالکیہ کے نزدیک ہے جبکہ بقیہ فقہاء کے نزدیک سنت ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو چھوٹی کنکری مارنے کا حکم دیا تھا۔ ❶

۳...... یہ کہ فعل رمی یعنی پھینکنا ہو لہٰذا کنکری رمی کی جگہ پر رکھ دینا کافی نہیں، کیونکہ کنکری کو رکھ دینے کو رمی نہیں کہا جاتا، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رکھ دینا سنت کے خلاف ہے، رمی کرتے وقت جمرہ کا قصد کرنا شرط ہے۔ اگر کہیں اور کنکری ماری مثلاً ہوا میں اچھال دی اور اتفاقاً کنکری جمرہ کے پاس آن پڑی تو یہ رمی کافی نہیں ہوگی، جمرہ کے دسری طرف دیوار بنائی گئی ہے اگر کسی شخص نے اس دیوار پر کنکری ماری جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں اور پھر وہاں سے کنکری پہنچ کر جمرہ کے پاس آئی تو یہ رمی کافی نہیں ہوگی، یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے جمرہ کے علاوہ کہیں اور کنکری پھینک دی، اگر کنکری بنائے گئے جمرات کے ستونوں کے کسی حصہ کو جا لگی تو رمی کافی ہو جائے گی۔ ❷

۴...... یہ کہ کنکری رمی کی جگہ پڑے اگر رمی کی جگہ کے علاوہ کہیں اور پڑی تو بالاتفاق رمی کافی نہیں ہوگی چونکہ حکم تو رمی کا دیا گیا ہے اور یہاں رمی نہیں کی۔

۵...... ایک ایک کنکری کر کے سات کنکریاں مارنا اور جمرات میں ترتیب قائم کرنا، یعنی جو جمرہ مسجد خیف سے ملا ہوا ہے وہ پہلا جمرہ ہے اس سے ابتدا کی جائے اور وہ میدان عرفات کی جانب ہے پھر وسطیٰ (درمیان) کی رمی کی جائے اور پھر جمرۂ عقبہ کی، چونکہ اتباع سنت اسی کی مقتضی ہے اور بخاری نے بھی یہی روایت نقل کی ہے، یہ شرط جمہور کے نزدیک ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے ترتیب بدل دی یعنی جمرۂ عقبہ کی رمی وسطی سے پہلے کر دی تو رمی کافی نہیں ہوگی دوبارہ کی جائے گی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب کے ساتھ رمی کی ہے، اور ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ سے افعال حج حاصل کرو۔'' حنابلہ کے نزدیک سات کی تعداد میں کنکریاں مارنا شرط نہیں اگر ایک یا دو کنکریاں کم کر دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں جمرات کے درمیان ترتیب قائم کرنا سنت ہے۔

اگر کنکریوں کی تعداد میں شک ہو جائے کم از کم تعداد کو یقینی سمجھ کر اس پر بنا کرے ❸ اور اگر دفعۃً کنکریاں مار دیں تو وہ کافی نہیں ہوں گی بلکہ وہ سب ایک کنکری شمار ہوگی۔

۶...... یہ کہ محرم بذات خود رمی کرے البتہ عاجز ہونے کی صورت میں رمی کے لئے کسی اور کو نائب بنا لے، نائب بنانے کی صورت میں شرط یہ ہے کہ نائب پہلے اپنی طرف سے رمی کرے پھر اصیل کی طرف سے، اگر پہل اپنی طرف سے رمی نہیں کی اور اصیل کی طرف سے کر دی تو وہ رمی نائب کی طرف سے ہوگی اصیل کی طرف سے دوبارہ کرے۔

رمی کی جگہ میں کنکری کا باقی رہنا شرط نہیں، رمی کرنے والے کے لئے جمرہ سے باہر ہونا بھی شرط نہیں، طہارت بھی شرط نہیں، کنکری کی طہارت بھی شرط نہیں، نجس کنکری بھی کافی ہے لیکن اس میں کراہت ہے۔

---

❶...... رواه الخمسة احمد واصحاب السنن وصححه الترمذي۔ ❷ جمرات کی جگہ پر علامت کے طور پر ستون بنا دیئے گئے ہیں ان ستونوں کو کنکری نہیں مارنی ہوتی بلکہ ان کے پاس والی جگہ پر کنکری مارنی ہوتی ہے۔ ❸ مثلاً شک ہو جائے کہ ۳ ماری ہیں یا ۴ تو ۳ پر بنا کرے لہٰذا چار کنکریاں اور مارے۔

کنکریاں اٹھانے کی جگہ...... کنکریاں مزدلفہ سے چن لی جائیں یا مزدلفہ کوچ کرتے وقت راستے سے چن لی جائیں، اس کے علاوہ کسی بھی جگہ سے چنی جاسکتی ہیں البتہ جس جگہ سے کنکریاں اٹھائی جائیں وہ جگہ پاک ہو، چنانچہ روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو مزدلفہ سے کنکریاں اٹھا لینے کا حکم دیا، ❶ چنانچہ اسی پر مسلمانوں کا عمل بھی ہے، البتہ مزدلفہ سے کنکریاں لینا سنت ہے۔

حنابلہ کے نزدیک منیٰ سے کنکریاں اٹھانا اور بقیہ حرم سے اٹھانا اور پیشاب کی جگہ سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے۔ جمرہ کو ماری ہوئی کنکری دوبارہ اٹھانا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، چنانچہ صحیحین میں روایت ہے۔ کہ ''کنکری مارو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' اس حدیث میں مطلق رمی کا حکم ہے، البتہ کراہت اس وجہ سے ہے کہ وہ کنکری دھتکاری ہوئی ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے۔ ''جس شخص کا حج قبول ہوتا ہے اس کی کنکری اٹھالی جاتی ہے۔''

جبکہ دوسرے فقہاء کی رائے کے مطابق ماری ہوئی کنکری سے رمی کرنا کافی نہیں بلکہ دوبارہ رمی کی جائے گی، کیونکہ یہ کنکری استعمال میں لائی جاچکی ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جو کنکر قبول ہوتی ہے وہ اٹھالی جاتی ہے جیسا کہ اس پر حدیث بھی وارد ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔ ❷

ہر دن رمی کی مقدار...... قربانی کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کی جائیگی اور سات کنکریاں ماری جائیں گی، پھر ایام تشریق میں ہر ہر جمرہ کی رمی کی جائے گی اور ہر جمرہ کو سات سات کنکریاں ماری جائیں گی، گویا ہر روز ۲۱ (اکیس) کنکریاں ماری جائیں گی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا ہے۔'' نیز بخاری کی روایت جو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے۔ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جمرہ کی رمی کی اور ہر جمرہ کو سات کنکریاں ماریں۔ جب بھی کنکری ماری ساتھ تکبیر کہی۔''

چھٹی چیز: رمی کی کیفیت اور سنتیں: ا...... مرد یا بچہ ہاتھ اوپر اٹھا کر رمی کرے گا یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی نظر آجائے، جبکہ عورت اور خنثیٰ ہاتھ اوپر اٹھا کر رمی نہیں کریں۔

۲...... رمی دائیں ہاتھ سے ہونی چاہئے۔ (اگر دایاں ہاتھ کٹا ہو تو بائیں ہاتھ سے رمی کی جائے)

۳...... جمرۂ عقبہ کی رمی بطن وادی سے کی جائے، اس طرح کہ مکہ بائیں طرف ہو اور منیٰ دائیں طرف ہو اور عقبہ کی طرف رخ ہو پھر رمی کرے، جمرۂ عقبہ کے پاس وقوف نہ کرے چونکہ اس کے بعد رمی نہیں ہوتی، اس میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو تو اس کے بعد وقوف کیا جائے گا اور وقوف میں دعائیں کی جائیں، اور جس رمی کے بعد مزید رمی نہ ہو تو اس رمی کے بعد وقوف نہ کیا جائے، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر عمل ہو جائے۔ ❸

ایام تشریق میں جمرات کی رمی کرتے وقت قبلہ رو ہو، پہلے دو جمروں کی رمی اوپر سے کرے، ایام تشریق میں رمی کے وقت جمرہ کے قریب ہو اور اتنا قریب ہوتا کہ رمی کرنے والوں کی کنکریاں اسے نہ پڑیں، قبلہ رو ہونے کی حالت میں مکہ بائیں طرف ہوگا اور منیٰ دائیں طرف۔

---

❶...... رواه ابن عدی واحمد والحاکم والنسائی (نصب الرایة ۳/۷۶) وروی احمد و مسلم عن الفضل بن عباس۔ ❷ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ کنکریاں ہر سال ہم مارتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ یہ کم ہیں، آپ نے فرمایا: جو کنکری قبول ہوتی ہے وہ اٹھالی جاتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں کنکریوں کا ڈھیر ٹکوں کے برابر ہو جاتا۔ رواه الدارقطنی والحاکم وصححه۔ ❸ بخاری کی روایت ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کے پاس آئے سات کنکریوں کے ساتھ رمی کی اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہی پھر آپ واپس لوٹ گئے اور اس جمرہ کے پاس وقوف نہیں کیا۔ (نصب الرایة ۳/۷۷)

حاصل..... یہ ہے کہ پہلے دو جمرات کی رمی اوپر سے کرے جبکہ جمرہ عقبہ کی رمی نیچے سے کرے، پہلے اور دوسرے جمرہ کے بعد دعا کرے اور جمرہ عقبہ کے بعد بغیر دعا کے واپس لوٹ جائے۔

۴..... شافعیہ کے نزدیک پیدل چل کر رمی کرے سوار ہو کر نہ کرے، البتہ روانگی کے دن سوار ہو کر رمی کر سکتا ہے، سنت یہ ہے کہ سوار ہو کر رمی کرے اور اس کے بعد روانہ ہو جائے، صحیح حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر منیٰ میں سوار ہو کر آتے تو سوار ہو کر رمی کرتے۔'' حنابلہ کہتے ہیں: جیسے چاہے رمی کرے خواہ سوار ہو کر یا پیدل چل کر کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ کی رمی سوار ہو کر کی ہے۔ ❶

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں۔ کہ پیدل چل کر رمی کرنا افضل ہے۔

۵..... جو کنکری بھی مارے اس کے ساتھ تکبیر کہے اور یہ دعا پڑھے۔

الله اكبر الله اكبر الله اكبر كبيراً والحمدلله كثيراً وسبحان الله بكرة وأصيلاً، لا اله الا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد يحى ويميت وهو على كل شيءٍ قدير لا اله الا الله، ولا نعبد الا اياه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون، لا اله الا الله وحده صدق وعده ونصرعبده وهزم الاحزاب وحده، لااله الا الله، والله اكبر

اس دعا اور تکبیر کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے اس کے علاوہ ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث بھی ہیں۔ ❷

یہ دعا بھی پڑھے:

اللهم اجعله حجا مبروراً وذنباً ومغفوراً وعملاً مشكوراً

کیونکہ ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ دعا کیا کرتے تھے۔

پھر قبلہ رو ہو کر وقوف کرے دعا کرے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، تہلیل و تسبیح کرے یعنی جمرہ اولیٰ کی رمی کے بعد یہ اذکار کرے، سورت بقرہ کی قرأت کے بقدر دعا و اذکار میں مشغول ہو۔ اسی طرح دوسرے جمرہ کی رمی کے بعد وقوف کرے اور دعا و اذکار کرے، البتہ تیسرے جمرہ کے بعد وقوف نہ کرے، بلکہ اپنی راہ پر چلتا بنے کیونکہ اسی میں اتباع سنت ہے، جیسا کہ بخاری نے حدیث روایت کی ہے، سورۃ بقرہ کی بقدر وقوف کرنے کی روایت بیہقی نے نقل کی ہے کہ یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے۔

۶..... جمہور کے نزدیک جمرہ عقبہ کی رمی کرتے وقت پہلی کنکری کے ساتھ ہی تلبیہ ختم کردے، بشرطیکہ اگر حلق سے پہلے رمی کر رہا ہو اور اگر رمی سے پہلے حلق کر دیا تو تلبیہ رمی سے پہلے ختم کردے کیونکہ حلال ہونے کے ساتھ تلبیہ کا ثبوت نہیں ملتا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث سے یہی ثابت ہے، مالکیہ کہتے ہیں تلبیہ عرفہ کے دن ظہر کے ہوتے ہی تلبیہ منقطع کردے۔

۷..... جمہور کے نزدیک کنکری اتنی ہو جتنی انگلی پر رکھ کر ماری جاتی ہے، نہ بڑی ہو اور نہ چھوٹی، مالکیہ کے نزدیک یہ شرط ہے، اگر بڑی کنکری ماری تو یہ مکروہ ہے البتہ کافی سمجھی جائے گی، اسی طرح اگر چھوٹی کنکری ماری تو جمہور کے نزدیک کافی ہوگی، مالکیہ کے نزدیک بہت چھوٹی کنکری کافی نہیں ہوتی۔

۸..... کنکری کا پاک ہونا مستحب ہے، اگر نجس کنکری ماری تو یہ مکروہ ہے البتہ کافی ہوگی، مسجد، حرم اور نجس جگہ سے اٹھائی ہوئی کنکری کا مارنا مکروہ ہے، ایک مرتبہ ماری ہوئی کنکری کو دوبارہ مارنا مکروہ ہے۔ مالکیہ وغیرہم کے نزدیک لگاتار کنکریاں مارنا مندوب ہے، کنکریوں کے

---

❶ ..... رواه مسلم عن جابر فی حدیثه الطویل۔ ❷ نصب الرایه ۳/ ۷۶۔

درمیان کسی کام، کلام وغیرہ سے فصل نہ کرے البتہ پے درپے مارنا واجب نہیں۔

ساتویں چیز: رمی اگر وقت سے مؤخر ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہے؟...... جمرات کی رمی کرنا واجب ہے جیسا کہ ہمیں قبل ازیں معلوم ہو چکا، اگر رمی وقت سے مؤخر کی گئی یا رمی کی ہی نہیں اور فوت ہو گئی تو دم واجب ہوگا جیسا کہ فقہ میں ثابت شدہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... اگر قربانی کے دن ایک یا دو کنکریاں چھوڑ دیں یا تین کنکریاں صبح تک چھوڑ دیں تو متروک تعداد کی رمی کرے یا پھر ہر کنکری کے لئے نصف صاع گندم صدقہ کرے، ہاں البتہ اناج کی مقدار دم کو پہنچ جائے تو جو چاہے دے، اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ نقص جس کے مجموعہ سے دم واجب ہوتا ہو اس کی اقل مقدار میں صدقہ واجب ہوتا ہے، اگر صبح تک پوری کی پوری رمی ترک کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم واجب ہوگا، اگر کم رمی چھوڑی مثلاً ۲ یا ۳ کنکریاں چھوڑ دیں تو صدقہ واجب ہوگا، ہاں اگر دم کو پہنچے تو دم ہوگا، اگر اکثر کنکریاں چھوڑ دیں مثلاً ۴ یا ۵ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم واجب ہوگا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب کنکریاں چھوڑنے میں دم واجب ہوتا ہے اسی طرح اکثر کنکریاں چھوڑنے پر بھی دم واجب ہوتا ہے کیونکہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے۔

اگر چوتھے دن تک بقیہ سبھی دنوں کی رمی ترک کی تو بالترتیب چوتھے دن رمی کرے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رمی کا وقت مقرر ہے۔

اگر سب جمرات کی رمی ترک کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم ہوگا کیونکہ جنایت کی جنس واحد ہے، جسے ایک احرام میں کرنا تھا لہٰذا دم بھی ایک ہی ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے چوتھائی سر کا حلق کیا تو ایک ہی دم واجب ہوگا، اسی طرح اگر ایک عضو کو خوشبو لگائی یا سبھی اعضاء کو خوشبو لگائی یا ایک سلا ہوا کپڑا پہنا یا کثیر کپڑے پہنے ان سب میں صرف ایک ہی دم واجب ہوگا۔

اگر بالکل رمی چھوڑ دی حتیٰ کہ ایام تشریق کے آخری دن کا سورج غروب ہو گیا اور یہ رمی کا آخری دن ہے تو رمی ساقط ہو جائے گی اور حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق اس پر ایک دم ہوگا، کیونکہ وقت فوت ہو چکا اور قضاء دشوار ہے نیز واجب کو اس کے وقت میں چھوڑ دیا لہٰذا دم واجب ہوگا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں۔ جب کسی شخص نے ایک کنکری یا اس سے زائد کنکریاں رات تک موخر کر دیں یا دوسرے دن تک موخر کر دیں تو اس پر دم واجب ہوگا کیونکہ اداء کا وقت یعنی دن نکل چکا اور قضاء کا وقت داخل ہو چکا۔ ❶

جمرہ عقبہ کی رمی یا دوسرے دن کی رمی یا تیسرے دن کی رمی کی قضاء چوتھے دن غروب آفتاب سے پہلے پہلے کر لے، برابر ہے کہ رمی کسی عذر کی وجہ سے مؤخر کی ہو یا بغیر کسی عذر کے، یا جمرات کی ترتیب میں خلاف ورزی کی تو اس پر دم واجب ہوگا۔

چوتھے دن کے غروب آفتاب سے رمی فوت ہو جاتی ہے اور حاجی پر دم واجب ہو جاتا ہے، جو شخص رمی کرنے سے عاجز ہو اور وہ نائب بنا دے اور نائب سے رمی فوت ہو جائے تو بھی اس پر دم ہوگا، اگر کوئی شخص نائب نہ بنائے تب بھی دم ہوگا کیونکہ اس نے کوتاہی کی ہے، نائب نے اگر رمی موخر کی اور رات ہو گئی تو اس پر دوسرا دم واجب ہوگا جبکہ اس نے رمی بلا عذر موخر کی ہو۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: جب کسی شخص نے ایک دن کی رمی ترک کی یا قربانی کے دن جمرہ عقبہ کی رمی ترک کی تو شافعیہ کے ظاہری قول کے مطابق بقیہ ایام تشریق میں اس کی قضاء کرے، کیونکہ چرواہوں اور پانی پالنے والوں کے لئے تاخیر مباح ہے ان پر بقیہ تاخیر کرنے والوں کو قیاس کر لیا گیا ہے، کیونکہ تاخیر کرنے میں معذور اور غیر معذور میں کوئی فرق نہیں، جسے وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ کے معاملہ میں معذور اور غیر معذور کے درمیان کوئی فرق نہیں، اگر تاخیر کا تدارک کر دیا تو دم واجب نہیں ہوگا کیونکہ مامور بجالایا گیا ہے، اگر تدارک نہ کرے تو ایک دن کی

❶ ..... الشرح الصغير ٦٣/٢، الشرح الكبير مع الدسوقي ٤٧/٢.

رمی یا دو دن کی رمی یا تین دن کی رمی یا قربانی کے دن کی رمی چھوڑ دی تو دم واجب ہوگا کیونکہ رمی کی جنس میں اتحاد ہے، لہٰذا یہ سر مونڈنے کے مشابہ ہے، شافعیہ کے مذہب میں یہ ہے کہ تین کنکریاں چھوڑنے پر پورا دم واجب ہوگا کیونکہ تین کا عدد جمع کا اقل عدد ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے لگا تار تین بال زائل کئے تو دم ہوگا، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ کہ ”جس شخص نے ایک نسک بھی چھوڑا اس پر دم واجب ہوگا“

ایک کنکری چھوڑنے پر ایک مد صدقہ واجب ہوگا دو کنکریاں چھوڑنے پر دو مد۔ ❶

حنابلہ..... جب کسی شخص نے ایک دن کی رمی بعد کے دن تک مؤخر کی یا کل رمی ایام تشریق کے آخری دن تک مؤخر کی تو اس نے سنت ترک کی، اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا، جیسے شافعیہ کا قول ہے، البتہ حاجی کو چاہئے کہ وہ نیت میں پہلے دن کی رمی کو مقدم کرے پھر دوسرے دن کی رمی کرے، پھر تیسرے دن کی رمی کرے، کیونکہ ایام تشریق رمی کا وقت ہیں، اگر شروع کی رمی آخری وقت تک مؤخر کی تو کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے وقوف عرفہ کو اگر آخری وقت تک موخر کیا جائے تو اس پر کچھ بھی تاوان واجب نہیں ہوتا، چونکہ ایام تشریق کا آخری دن بھی تو رمی کرنے کا دن ہے لہٰذا آخری دن میں بھی رمی جائز ہے جیسے پہلے دن رمی جائز ہوتی ہے۔ ❷

دوسرے دن کی رمی قضاء نہیں ہوگی بلکہ ادا ہوگی البتہ افضلیت کا تارک ہوگا کیونکہ یہ ایک وقت شمار ہوگا۔ اور اگر رمی بالکل ترک کر دی یا جمرات کی ترتیب کی خلاف ورزی کی تو دم واجب ہوگا۔

اگر ایک یا دو کنکریوں کی کمی کی تو اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے پرواہ نہیں کہ میں چھ کنکریاں ماروں یا سات کنکریاں ماروں۔

منیٰ میں رات گزارنے کا حکم..... آٹھ ذی الحجہ کی رات منیٰ میں گزارنا بالاتفاق سنت ہے، البتہ ایام تشریق میں رات بسر کرنے کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں (۱) سنت ہے (۲) واجب ہے۔

پہلی رائے حنفیہ کی ہے..... حنفیہ کہتے ہیں آٹھ ذی الحجہ کی رات اور ایام تشریق دو راتیں یعنی ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کی راتیں منیٰ میں گزارنا سنت ہے، اگر منیٰ میں رمی کی نیت سے قیام کیا تو یہ افضل ہے، اور اگر منیٰ میں قیام ترک کیا تو کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، البتہ گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانی پلانے کے لئے مکہ میں رات بسر کرنے کی اجازت دی تھی۔

دوسری رائے جمہور کی رائے ہے..... ایام تشریق کی دو راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے، جس شخص نے منیٰ میں رات گزاری ترک کی تو اس پر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک دم واجب ہوگا، ہر مذہب کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کی راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اونٹوں کے چرواہے کو اجازت دی ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کے دن کی رمی کر کے چراگاہ میں واپس جا سکتا ہے اور ان دو راتوں کی رات گزاری چھوڑ سکتا ہے، پھر ایام نحر کے تیسرے دن آئے اور دونوں دنوں کی رمی کرے، یعنی دوسرے دن کی رمی جو اس سے فوت ہوئی اور وہ چراگاہ میں تھا اور تیسرے دن کی رمی جس دن کہ وہ حاضر ہو چکا، پھر چاہے تو تیسرے دن کی رمی کے لئے قیام کر سکتا ہے۔

اسی طرح پانی پلانے والوں کو بھی رخصت دی گئی ہے البتہ دن کے وقت ان کا رمی کے لئے آنا ضروری ہے، رمی کر کے پھر واپس لوٹ جائیں، کیونکہ پانی پلانے والے رات کو زم زم کے کنویں سے پانی اوپر چڑھاتے ہیں، اور رات ہی کو حوض بھرنے پڑتے ہیں۔

---

❶..... دیکھئے مغنی المحتاج ۱/۵۰۸۔ ❷ تفصیل کے لئے دیکھئے المغنی ۳/۴۵۵، غایۃ المنتھی ۱/۴۱۰۔

شافعیہ..... کہتے ہیں: تشریق کی دوراتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے کیونکہ اسی میں اتباع سنت ہے۔
چنانچہ حدیث بھی ہے کہ۔ "مجھ سے افعال حج حاصل کرو۔" رات کا اکثر حصہ منیٰ میں گزارنا واجب ہے، یہ مزدلفہ میں رات گزارنے کے بخلاف ہے چنانچہ مزدلفہ میں اگر رات کے دوسرے نصف میں لحہ بھر کے لئے وقوف کیا تو وہ کافی ہوتا ہے، اگر کسی شخص نے منیٰ میں رات گزاری ترک کی تو دم واجب ہوگا۔

معذورین سے منیٰ کی رات گزاری، مزدلفہ کا وقوف اور دم ساقط ہو جاتا ہے، معذورین سے مراد چرواہے اور پانی پلانے والے ہیں۔
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے چرواہوں کو رخصت دی ہے، مزدلفہ کے وقوف کو منیٰ کی رات گزاری پر قیاس کر لیا گیا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت دی تھی کہ وہ سقایت کی وجہ سے مکہ میں رات گزاریں، شیخین نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

اسی طرح مذکورہ بالا اعذار کے علاوہ کوئی اور عذر ہو جیسے مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس کے لئے منیٰ میں رات کے قیام کو ترک کیا جا سکتا ہے، اپنی جان کا خوف ہو یا کوئی بیمار ہو اور اس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہو تو منیٰ کے قیام کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ یا حاجی خود بیمار ہو اور منیٰ میں رات بسر کرنا اس کے لئے باعث مشقت ہو تو منیٰ کا قیام چھوڑ سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص عید کی رات عرفات تک پہنچے تو مزدلفہ میں رات گزارنا ساقط ہو جائے گا چونکہ وہ عرفات میں وقوف میں مشغول ہو گیا ہے اور مزدلفہ میں وقوف کا حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو عرفہ کے وقوف سے فارغ ہو چکیں۔

حنابلہ..... کہتے ہیں: جو شخص قربانی کے دن طواف زیارت کر لے اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ منیٰ کی طرف واپس لوٹ آئے۔
چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن طواف زیارت کیا اور پھر واپس لوٹ آئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی۔ ❶ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آخری دن ظہر کی نماز پڑھی تو طواف زیارت کے لئے روانہ ہوئے اور پھر واپس لوٹ آئے اور منیٰ میں ایام تشریق کی راتیں گزاریں۔ ❷

منیٰ میں راتوں کو قیام کرنا واجب ہے، لیکن اگر منیٰ کا قیام ترک کر دیا تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، چونکہ اس میں شریعت وارد نہیں ہوئی، اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے کہ منیٰ میں تین راتوں کے قیام کے ترک کرنے پر دم واجب ہوگا، اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ کہ "جس شخص نے افعال حج میں سے کوئی فعل چھوڑا یا اسے بھول گیا تو وہ خون بہائے۔

تیسرا مقصد..... حلق یا تقصیر (بال کٹوانا)

حلق سر کے بالوں کو صاف کرنے کو کہتے ہیں چنانچہ حج اور عمرہ کے افعال میں ایک فعل حلق یا تقصیر یعنی بال کٹوانا بھی ہے۔ میں اس مقصد کے تحت درج ذیل امور پر بحث کروں گا، وجوب حلق، مقدار واجب، حلق کا وقت، جگہ، حلق پر مرتب ہونے والا اثر، وقت سے موخر کرنے کا حکم۔ ❸

پہلی چیز: وجوب حلق یا تقصیر..... جمہور کی رائے ہے کہ حلق یا تقصیر واجب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ ..... الحج ۲۹/۲۲

❶ متفق علیہ۔ ❷ رواہ ابوداؤد۔ ❸ دیکھئے البدائع ۲/۱۴۰، بداية المجتهد ۱/۳۴۰، الشرح الكبير ۲/۴۶، الشرح الصغير ۲/۵۹، مغنى المحتاج ۱/۵۰۲، غاية المنتهى ۱/۴۱۲، الايضاح ص ۵۸۔

پھر حج کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنی میل کچیل دور کریں۔

آیت میں ''تفث'' کالفظ آیا ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ اس سے مراد بال منڈوانا کپڑے دھونا وغیرہ ہے۔

نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف لائے اور جمرہ کے پاس آئے اور اس کی رمی کی پھر منیٰ میں اپنے پڑاؤ کی جگہ پر آئے اور قربانی دی، پھر سر مونڈنے والے کو بال مونڈنے کا حکم دیا اور اپنی دائیں جانب اشارہ کیا پھر بائیں جانب اشارہ کیا پھر آپ نے بال لوگوں کو دینا شروع کیے۔ ❶

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ حلق کرانے والوں کی مغفرت فرما، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ: بال کٹوانے والوں کے حق میں بھی دعا کریں۔

آپ نے فرمایا: یا اللہ بال منڈوانے والوں کی مغفرت فرما، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ: بال کٹوانے والوں کے لئے؟ اب کی بار آپ نے فرمایا: یا اللہ بال کٹوانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔ ❷

شافعیہ......کی رائے ہے کہ حلق اور تقصیر حج اور عمرہ کا رکن ہے چونکہ حلق یا تقصیر حج کا عمل ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حلق مردوں کے لئے تقصیر سے افضل ہے، چنانچہ افضلیت کا وقوع عبادات میں ہوتا ہے مباحات میں نہیں ہوتا۔

چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو حلق کرتا ہے اور اس کے سر کا جو بال بھی نیچے گرتا ہے روز قیامت وہ حاجی کے لئے نور ہوگا۔

بالاتفاق عورت کے لئے حلق نہیں، عورت بال کٹوائے گی، بس یہی عورت کے لئے سنت ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عورتوں کے لئے حلق نہیں بلکہ عورتوں پر تو تقصیر ہے۔ ❸ اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے۔ ❹

عورت بال اس طرح کٹوائے کہ بالوں کے سروں کو پکڑے اور پوروں کی بقدر کاٹ دے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عورت کتنی مقدار میں بال کٹوائے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوروں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ان کے بقدر بال کٹوائے۔

حنفیہ کے نزدیک حاجی جب حلق کروا رہا ہو داڑھی سے بال کاٹنا جائز نہیں چونکہ نص سے تو حلق کا وجوب ہے اور اس پر یہ آیت ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے جو واقع کے بالکل مطابق ہے۔ تم لوگ ضرور مسجد حرام میں اس طرح امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے کہ تم میں سے کچھ نے اپنے سروں کو بے خوف وخطر منڈوایا ہوگا اور کچھ نے بال تراشے ہوں گے۔ الفتح ۴۸/۲۷

شافعیہ کہتے ہیں کہ مونچھوں اور داڑھی سے کچھ بال کاٹنا سنت ہے، تاکہ ان کے کچھ بال بھی اللہ کی راہ سے کٹ جائیں۔

جس آدمی کے سر پر بال نہ ہوں تو حنفیہ کے نزدیک وہ شخص خالی استرا ہی سر پر پھیر لے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں جہاں تک ہو سکے اسے بجالاؤ۔ ❺ جس شخص کے سر پر بال ہوں تو بالوں کو مونڈنا واجب ہے اور سر پر استرا چلانا بھی واجب ہے لہٰذا جب ان میں سے ایک ساقط ہو تو بوجہ تعدد دوسرا واجب ہوگا، چنانچہ جب فی الواقع بال مونڈنے سے کوئی شخص عاجز ہو تو حلق کرنے والوں کے ساتھ مشابہت کرلینے سے تو عاجز نہیں ہوتا۔

---

❶......رواه احمد ومسلم وابو داؤد، اس حدیث میں تبرکات رکھنے کا جواز بھی ہے۔ ❷ متفق عليه (نيل الا وطار ۵/ ۲۹) ❸رواه الدارقطني وابوداؤد عن ابن عباس رضي الله عنه (نيل الاوطار ۵/ ۷۰) ❹روت عائشة مثلها۔(ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى المرأة ان تحلق رأسها۔) ❺رواه البخاري ومسلم عن ابي هريرة۔

جمہور کے نزدیک گنجے کا سر پر استرا پھیر لینا مستحب ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو شخص قربانی کے دن (منیٰ میں) آئے اور اس کے سر پر بال نہ ہوں تو وہ اپنے سر پر خالی استرا پھیر لے۔

دوسری چیز: مقدار واجب..... بالاتفاق پورے سر کا مونڈنا واجب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ..... الفتح ۴۸/۲۷

عرب کے ہاں ایک اصول ہے کہ کلام میں ہمیشہ افضل اور اعلیٰ سے ابتداء کرتے ہیں، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تقصیر کو تیسرے مرتبہ پر رکھا گیا ہے۔

''الرأس'' (یعنی سر) کا اطلاق پورے سر پر ہوتا ہے، اگر سر کا بعض حصہ مونڈا تو چوتھائی سے کم حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور کافی نہیں ہوگا، اگر چوتھائی سر مونڈ دیا تو کراہت کے ساتھ کافی ہوگا، چونکہ چوتھائی سر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جیسے وضو میں چوتھائی سر کا مسح کافی ہوتا ہے، البتہ کراہت ترک سنت کی وجہ سے ہے، سنت پورا سر مونڈنا ہے۔

تقصیر کی مقدار..... مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تقصیر کی مقدار انگلیوں کے پوروں کی بقدر ہے خواہ اس سے زائد ہو یا معمولی کم، پورا انگلی کا اوپر والا آخری جوڑ ہوتا ہے۔

حنفیہ نے پوروں سے زائد مقدار میں بال کاٹنے کو واجب قرار دیا ہے، تاکہ پورے سر سے تقصیر متحقق ہو جائے، اور مقدار واجب بھی اچھی طرح سے ادا ہو اور حاجی بھی ذمہ سے عہدہ برآ ہو جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں: بال مونڈنے اور تقصیر کی کم از کم مقدار تین بال ہیں۔ چونکہ آیت ہے کہ ''محلقین روسکم'' تقدیری عبارت ہے۔ ''شعر رؤوسکم'' یعنی سروں کے بال مراد ہیں چونکہ سروں کو تو کوئی بھی نہیں کاٹتا، کاٹے تو بال جاتے ہیں، لہٰذا رؤوس کا لفظ جمع ہے اور مراد اس سے بال ہیں اور کم از کم جمع کا عدد تین ہے، بالفرض اگر سر پر صرف ایک ہی بال ہو تو اس کا مونڈنا بھی واجب ہے۔ چنانچہ بالوں کا ازالہ کرنا ہے ازالہ یا تو حلق سے ہوتا ہے یا تراشنے سے ہوتا ہے یا جلانے سے یا اکھاڑنے سے۔ جس شخص کے سر پر بال نہ ہوں اس پر خالی استرا پھیرنا مستحب ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔

تیسری چیز: حلق کا وقت اور مقام

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ سر مونڈنا وقت اور جگہ کے ساتھ مختص ہے، چنانچہ حلق کا زمانہ قربانی کے ایام ہیں اور حلق کرنے کی جگہ حرم پاک ہے، اگر کسی شخص نے ایام نحر سے حلق موخر کر دیا یا حرم سے باہر کہیں حلق کیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام نحر میں حرم پاک میں حلق کرایا ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مطلق آیت کا بیان ہے، حلق کی تاخیر کی وجہ سے بھی دم واجب ہوتا ہے چونکہ واجب کی تاخیر واجب کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔ [1]

مالکیہ..... کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے حلق کو مؤخر کیا اگرچہ بھولے سے مؤخر کیا ہو تو دم واجب ہوگا۔

البتہ اگر قربانی کے دن کے بعد ایام رمی سے حلق موخر کیا تو مالکیہ کے ایک ضعیف قول کے مطابق دم واجب ہوگا، جبکہ مدونہ میں لکھا ہے کہ اس پر دم نہیں، اگر ایام تشریق کے دوران مکہ میں حلق کیا یا ایام تشریق کے بعد حلق کیا یا ایام منیٰ میں حل میں جا کر حلق کیا تو کچھ بھی اس پر واجب نہیں۔

---

[1]..... یہی مفتی بہ ہے۔

شافعیہ..... کہتے ہیں: (اور یہی رائے حنابلہ کی بھی ہے) کہ رمی، قربانی اور حلق کا وقت قربانی کی رات کے نصف سے داخل ہوجاتا ہے البتہ رمی کو مقدم کرنا سنت ہے اور ترتیب یہ ہوگی پہلے رمی پھر نحر پھر حلق اور پھر طواف زیارت۔

حلق طواف اور سعی کا آخری وقت کوئی نہیں لہٰذا جس شخص نے ایام منیٰ سے حلق موخر کیا تو اس پر دم نہیں۔ یا ترتیب بدل دی تب بھی واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حلق کا ابتدائی وقت بیان فرمایا ہے:

وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ......البقرۃ ۲/۱۹۶

''اس وقت تک تم اپنے سروں کو نہ مونڈو جب تک ہدی اپنے ٹھکانے تک نہ پہنچ جائے۔''

جبکہ اللہ تعالیٰ نے حلق کا آخری وقت نہیں بیان کیا، لہٰذا جب بھی حلق کروادے کافی ہوگا جیسے طواف زیارت اور سعی۔ البتہ قربانی کے دن حلق کرنا افضل ہے۔ اور تاخیر کرنا مکروہ ہے، جبکہ ایام تشریق سے موخر کرنا یا مکہ سے باہر جا کر حلق کرنا شدید کراہت کا حامل ہے۔

چوتھی چیز: حلق اور تقصیر پر مرتب اثر اور اس کا حکم..... حلق اور تقصیر کا حکم یہ ہے کہ اس سے محرم حلال ہوجاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک سوائے عورتوں کے ہر چیز حلال ہوجاتی ہے، یعنی محرم نے جب جمرہ عقبہ کی رمی کی پھر حلق کرایا تو اس کے لئے سوائے عورتوں کے ہر چیز حلال ہوجائے گی، لہٰذا عورت۔ کے متعلقات یعنی جماع، بوس وکنار، لمس کے معاملہ میں بدستور محرم ہوگا حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک عقد نکاح کے معاملہ میں بھی محرم ہوگا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''جب تم رمی کرلو اور سر مونڈ لو تو گویا تمہارے لئے خوشبو اور کپڑے حلال ہوگئے اور عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہوگئی۔'' ❶ ایک اور روایت میں ہے! جب تم میں سے کوئی شخص جمرۂ عقبہ کی رمی کرلے اور سر مونڈ لے تو گویا اس کے لئے سوائے عورتوں کے ہر چیز حلال ہوئی، ❷ یعنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنا اور مباشرت کرنا حلال نہیں ہوتا۔

شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں رمی اور حلق سے بجز عقد نکاح، جماع اور مباشرت کے ہر چیز حلال ہوجاتی ہے۔ اس کی دلیل حدیث ہے کہ ''جب تم جمرہ کی رمی کرلو تو گویا تمہارے لئے ہر چیز حلال ہوگئی سوائے عورتوں کے۔'' ❸

مالکیہ..... کہتے ہیں رمی اور حلق سے عورتوں، شکار اور خوشبو کے علاوہ ہر چیز حلال ہوجاتی ہے اور یہ تین چیزیں طواف زیارت سے حلال ہوں گی۔

حلق کے بعد حلال ہونے کو حلال اول کہا جاتا ہے، اور طواف کے بعد حلال ہونے کو حلال اکبر یا حلال دوم کہا جاتا ہے۔

پانچویں چیز: حلق کو وقت اور جگہ سے مؤخر کرنے کا حکم..... جب کسی شخص نے حلق کو وقت سے یا جگہ (یعنی منیٰ) سے مؤخر کر دیا تو حنفیہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا (یعنی بکری ذبح کرے)۔ مالکیہ کے نزدیک صرف ایک صورت میں دم واجب ہوگا وہ یہ کہ جب حاجی حلق کے بغیر اپنے وطن واپس لوٹ آئے خواہ جان بوجھ کر حلق نہ کرائے یا بھول کر۔

شافعیہ، امام ابویوسف اور حنابلہ کہتے ہیں: ایام رمی سے حلق موخر کرنے پر دم واجب نہیں ہوتا اسی طرح اگر وطن کی طرف واپس لوٹ آیا اور حلق کروایا تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔

ساتویں بحث..... حج وعمرہ کی سنتیں

میں ہر مذہب کے مطابق حج وعمرہ کی سنتیں تفصیلاً ذکر کروں گا البتہ اہم اہم سنتوں کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

---

❶ ..... رواہ سعید بن المنصور فی سننه عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها۔ ❷ رواہ الاثرم وابوداؤد الا انه قال: هو ضعیف۔ ❸ رواہ النسائی باسناد جید۔

۱......احرام کے لئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا، احرام کی دو رکعتیں پڑھنا۔

۲......احرام کے بعد تلبیہ کہنا اور ہر نماز کے بعد تلبیہ کہنا۔

۳......جمہور کے نزدیک طواف قدوم بھی سنت ہے جبکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ طواف قدوم واجب ہے۔

۴......شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طواف کی دو رکعتیں پڑھنا سنت ہے جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ دو رکعتیں واجب ہیں۔

۵......منیٰ میں رات گزارنا (یعنی عرفہ کی رات) اور ترویہ کے دن منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا، یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر اسی میں اتباع سنت ہے۔

۶......۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی رات مزدلفہ میں گزارنا اور مزدلفہ ہی میں صبح کی سفیدی کرنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، حنفیہ کے نزدیک فجر کے بعد مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے، یہی چیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابق حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ مزدلفہ میں رات گزرنا واجب ہے، مالکیہ کہتے ہیں کجاوے اتارنے کی مقدار میں وقوف کرنا واجب ہے۔

۷......ایام تشریق میں منیٰ میں رات گزارنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب ہے، چونکہ اسی میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے واضح ہے۔

۸......وادی محصب میں اترنا یعنی منیٰ سے مکہ کی طرف روانہ ہوتے وقت وادی محصب میں اترنا حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سنت ہے، جبکہ بقیہ فقہاء کے نزدیک مستحب ہے، البتہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وادی محصب میں اترنا مناسک حج میں سے نہیں۔

دلیل سنیت......حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ آپ آئندہ صبح کو کہاں نزول فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ پھر فرمایا ہم خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں قریش کفر پر جمے رہنے کے لئے عہد و پیمان اور قسمیں اٹھاتے تھے۔ خیف سے مراد وادی محصب ہے۔ ❶

دلیل استحباب......مستحب ہونے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی محصب میں اس لئے اترے تھے تاکہ روانگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو (یعنی آپ اس لئے رکے تاکہ پیچھے رہنے والے لوگ آپ کے ساتھ مل جائیں) یہ نزول سنت نہیں، جو چاہے وادی محصب میں اترے جو چاہے نہ اترے۔ ❷

۹......حج کے خطبے۔ ظہر کے بعد کا صرف ایک خطبہ ہوگا، البتہ میدان عرفہ میں جو خطبہ ہوگا وہ زوال کے بعد اور نماز سے پہلے ہوگا اور یہ دو خطبے دیئے جائیں گے۔ حج کے خطبوں کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ حج کے تین خطبے ہیں۔ ❸ ایک رائے یہ ہے کہ حج کے چار خطبے ہیں۔ پہلی رائے کے قائلین حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ ہیں کہ حج کے تین خطبے ہیں۔

پہلا خطبہ......پہلا خطبہ سات ذی الحجہ کے دن دیا جائے گا۔ یہ خطبہ کعبہ کے ساتھ سات ذی الحجہ کے دن بعد نماز ظہر دینا سنت ہے، یہ ایک ہی خطبہ ہوگا درمیان میں بیٹھ کر وقفہ نہیں ہوگا یہ بالاتفاق ہے، یہ پہلا خطبہ ہوگا امام اس خطبہ میں حاجیوں کو مناسک حج کی تعلیم دے۔

پہلا خطبہ ہونے کا مذہب جمہور کا ہے، اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ترویہ کے دن سے ایک روز قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کیا اور انہیں مناسک حج کی تعلیم دی۔ ❹

---

❶ ......رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔ قریش نے بنی کنانہ سے یہ حلف اٹھایا تھا کہ وہ بنو ہاشم کے ساتھ نکاح نہیں کریں گے، اس کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ نہیں کریں گے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ کردیں۔ (نیل الاوطار ۵/۸۴) ❷ متفق علیہ (نیل الاوطار ۵/۸۳) ❸ دیکھئے البدائع ۲/۱۵۱، الدرالمختار ۲/۲۳۶، القوانین الفقهية ص ۱۳۳، الشرح الصغير ۲/۵۴، مغنی المحتاج ۱/۴۹۵، الايضاح ص ۴۷، المغنی ۲/۴۰۷ المحرز ۱/۲۴۹۔ ❹ اخرجه البيهقى باسناد جيد۔

حنابلہ کے نزدیک عرفہ کے دن کا خطبہ پہلا خطبہ ہے۔

جب کبھی یوم ترویہ یوم جمعہ ہوتو شافعیہ کے نزدیک امام حاجیوں کو لے کر فجر سے پہلے روانہ ہو چونکہ اس دن فجر کے بعد اور زوال سے پہلے سفر کرنا حرام ہے۔ اور جب عرفہ کے دن جمعہ کا دن ہو تو حجاج کی روانگی فجر کے بعد جائز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں جمعہ نہیں پڑھا حالانکہ صحیحین میں ثابت ہے کہ عرفہ کا دن جمعہ کا دن تھا۔

حنابلہ کے نزدیک ترویہ کے دن مطلقاً روانگی جائز ہے، برابر ہے کہ روانگی فجر سے پہلے ہو یا زوال سے پہلے، چنانچہ حاجی چاہے تو روانہ ہو سکتا چاہے تو نماز کے لئے اقامت کر سکتا ہے۔

دوسرا خطبہ..... یہ خطبہ عرفہ کے دن کا خطبہ ہے یہ دو ہلکے ہلکے خطبے نماز سے پہلے دیئے جائیں گے، یہ بالاتفاق ہے، دونوں خطبوں کے درمیان امام بیٹھے گا جیسے جمعہ کے خطبہ میں بیٹھا جاتا ہے، پہلے خطبہ میں مناسک حج، وقوف کی جگہ، وقت، عرفات سے روانگی، مزدلفہ میں وقوف، کنکریاں چننے کی تعلیم دے، حاجیوں کو زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنے اذکار کرنے کی ترغیب دے اس کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ..... کہتے ہیں: امام خطبہ دے رہا ہو کہ موذن ابتدا کر دے یا خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد اذان دے۔

حنابلہ..... کہتے ہیں جب امام خطبہ سے فارغ ہو تو موذن کو حکم دے۔

پھر امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائے اور جمع تقدیم کرے، یہی روایت مسلم نے نقل کی ہے اور اسی میں اتباع سنت ہے، یہ جمع ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ہوگی اور قرأت سراً ہوگی۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنتیں اور نوافل وغیرہ نہ پڑھے جائیں، حنفیہ کے نزدیک عصر پڑھنے کے بعد بھی کچھ نہ پڑھے۔

تیسرا خطبہ..... یہ خطبہ شافعیہ کے نزدیک تیسرا خطبہ ہے اور حنابلہ کے نزدیک دوسرا خطبہ ہے، یہ خطبہ قربانی کے (عید کے) دن دیا جائے گا اور منیٰ میں دیا جائے گا، یہ ایک ہی خطبہ ہوگا امام اس میں لوگوں کو مناسک حج یعنی قربانی طواف زیارت، رمی وغیرہ کی تعلیم کرے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن لوگوں کو خطبہ دیا یعنی منیٰ میں۔ ❶

رافع بن عمرو مزنی کی روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے منیٰ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا یہ چاشت کا وقت تھا اور آپ سرخ رنگ کے خچر پر سوار تھے، اور ایک اونٹ پاس کھڑا تھا جبکہ کچھ لوگ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ❷

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی کے دن افعال حج بکثرت ہوتے ہیں، لوگ احکام حج کے سیکھنے کے محتاج ہوتے ہیں گویا تعلیم احکام کی وجہ سے خطبہ ضروری ہے جیسے عرفہ کے دن خطبہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

تیسرا خطبہ: جمہور کے نزدیک اور شافعیہ کے نزدیک چوتھا خطبہ..... یہ منیٰ کے دوسرے دن خطبہ دیا جائے گا یہ بھی ایک ہی خطبہ ہوگا یہ متفق علیہا ہے۔ اس خطبہ میں امام لوگوں کو جلد کرنے اور تاخیر کے احکام کی تعلیم دے گا اس کی دلیل حدیث ہے جو بنو بکر کے دو آدمیوں سے مروی ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایام تشریق کے درمیانی دن میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور ہم آپ کی سواری کے پاس تھے۔ ❸ چونکہ لوگوں کو ضرورت پیش آئے گی کہ وہ جلدی کیسے کریں، طواف وداع کیسے کریں۔ بخلاف ایام منیٰ میں سے پہلے دن کے۔

❶ .....اخرجه البخاري۔ ❷ رواه ابوداؤد۔ ❸ رواه ابوداؤد وروى الدارقطني مثله۔

خلاصہ.....شافعیہ کے نزدیک چار خطبات دیئے جائیں گے وہ یہ ہیں، سات ذی الحجہ کا خطبہ، ۹ ذی الحجہ کا خطبہ عرفہ میں، عید کے دن کا خطبہ منیٰ میں، ۱۱ ذی الحجہ کے دن منیٰ میں خطبہ۔ حنابلہ کے نزدیک خطبات تین ہیں۔ عرفہ کے دن، قربانی کے دن اور ایام منیٰ کے دوسرے دن۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی تین خطبات ہیں: ۷ ذی الحجہ مسجد حرام میں، عرفہ کے دن زوال کے بعد اور نماز سے پہلے اور ۱۱ ذی الحجہ کو۔ سبھی خطبات میں ایک ایک خطبہ ہوگا البتہ عرفہ کے دن دو خطبے دیئے جائیں گے۔

آٹھویں بحث.....حج اور عمرہ ادا کرنے کی کیفیت

اتنی بات ہمیں ماقبل سے معلوم ہو چکی ہے کہ حج اور عمرہ کے تین احوال ہیں، افراد، تمتع اور قران [1] ارکان حج وعمرہ کی بحث میں میں نے بیان کردیا ہے کہ ان میں سے کون سا حج افضل ہے۔

پہلی چیز: حج افراد کی کیفیت

.....حج افراد یہ ہے کہ صرف حج کا احرام باندھے پھر عمرہ نہ کرے حتیٰ کہ فارغ ہو جائے۔

کیفیت.....حج افراد کی کیفیت یہ ہے کہ احرام سے پہلے غسل یا وضو کرے، البتہ غسل کرنا افضل ہے، پھر دو نئے یا دھوئے ہوئے کپڑے پہنے ان میں سے ایک تہبند ہو اور دوسری چادر ہو۔ خوشبو لگائے اور احرام کی دو رکعتیں پڑھے، یہ دو رکعتیں مکروہ وقت میں نہ پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے:

اللهم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی

یا اللہ میں نے حج کا ارادہ کیا ہے میرے لئے حج کو آسان فرما اور قبول فرما۔ پھر نماز کے بعد تلبیہ پڑھے، تلبیہ پڑھتے ہوئے حج کی نیت کرے، پھر نمازوں کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھے راستے میں چلتے ہوئے اوپر چڑھتے ہوئے نیچے اترتے ہوئے، سوار ہوتے وقت، قافلوں سے ملتے وقت اور سحری کے وقت زیادہ سے زیادہ تلبیہ پڑھے۔

جب اس شخص نے نیت کرتے ہوئے تلبیہ پڑھا گویا اس نے احرام باندھ لیا، پھر وہ امور جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہے یعنی جماع، فحش کلام، معاصی اور نافرمانی کے کام، جھگڑا فساد وغیرہ، شکار نہ کرے نہ ہی شکار کی طرف اشارہ کرے اور نہ شکار پر کسی دوسرے کی راہنمائی کرے، سلے ہوئے کپڑے نہ پہنے، موزے بھی نہ پہنے، سر نہ ڈھانپے چہرہ نہ ڈھانپے، احرام باندھ کر خوشبو نہ لگائے، جسم کے بال نہ اکھاڑے اور نہ ہی بال کاٹے اور ناخن بھی نہ کاٹے۔

بغیر صابن کے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ صابن بھی خوشبو کی ایک قسم ہے، حج افراد کرنے والا (یعنی مفرد بالحج) سائے میں بیٹھ سکتا ہے، کمر پر ہمیانی (ایک پٹی نما بٹوا ہوتا ہے جس میں دراہم وغیرہ رکھ لئے جاتے ہیں) باندھنے میں کوئی حرج نہیں۔

جب مکہ میں داخل ہو تو مسجد حرام سے ابتدا کرے اور اس سے پہلے اپنا ساز وسامان سنبھال لے پھر مسجد میں آئے، باب السلام سے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ داخل ہو جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے، دل ودماغ میں بیت اللہ کی عظمت اور اس کی شان ملحوظ ہو، جونہی بیت اللہ پر نظر پڑے تکبیر کہے اور تین بار تہلیل کرے پھر جو چاہے دعا مانگے، چونکہ یہ قبولیت دعا کا مقام ہے۔

پھر اگر غیر مکی یعنی آفاقی ہو تو طواف قدوم کرے چونکہ طواف قدوم ''تحیۃ البیت'' ہے۔ حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرے اور قبلہ رو ہو، تکبیر وتہلیل کرتا رہے۔ [2] نماز کی طرح رفع یدین کرے، ہتھیلیوں کے باطنی حصہ سے استلام کرے، پھر حجر اسود کا بوسہ لے اگر ممکن ہو اور

---

[1] .....دیکھئے فتح القدیر ۱۳۴/۲، اللباب شرح الکتاب ۱۷۹/۱، القوانین الفقهیة ص ۱۳۱ المهذب ۲۲۰/۱ غایة المنتهی ۴۰۷/۱۔ [2] تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا، تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا۔

کسی مسلمان کواذیت پہنچنے کا اندیشہ بھی نہ ہو، پھر کعبہ کے گرد گھومے بایں طور کہ کعبہ بائیں طرف ہو، یوں بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے، اور حطیم (حجر) کے باہر سے طواف کرلے، ہر چکر میں جب حجر اسود اور رکنی یمانی کے پاس سے گزرے تو استلام کرے، استلام سے طواف کا خاتمہ کرے جیسے ابتداء کی تھی، پھر مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھے یا پھر مسجد میں جہاں بھی آسانی ہو وہاں پڑھے البتہ اگر مکروہ وقت ہوتو نماز نہ پڑھے۔

اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں، اگر محرم مکہ میں داخل نہ ہو اور عرفات کی طرف چلا جائے اور وقوف میں مشغول ہو جائے تو طواف قدوم اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، اس کے ترک پر کچھ تاوان واجب نہیں ہوگا۔

پھر صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگا کر سعی کرے، دونوں پہاڑیوں پر چڑھے، اور قبلہ رو ہو، تکبیر وتہلیل کرتا رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اپنی حاجات کے متعلق رب تعالیٰ سے دعائیں کرے، میلین اخضرین کے درمیان رمل کرے، سعی کی ابتداء صفا سے کرے اور مروہ پر اختتام کرے۔

پھر مکہ میں حالت احرام میں مقیم رہے، جب بھی بیت اللہ ظاہر ہو طواف کرے، پھر ۸ ذی الحجہ کو منیٰ میں رات گزارے، اور منیٰ میں پانچ نمازیں ظہر عصر مغرب عشاء اور فجر پڑھے۔

۹ ذی الحجہ کو عرفات کی طرف متوجہ ہو جائے، امام کے ساتھ یا اکیلے ہی مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھے اور قصر کرے یہ جمع تقدیم کرے (یعنی عصر کی مقدم کر کے ظہر کے ساتھ پڑھے)، خطبہ کو نمازوں سے پہلے غور سے سنے، یہ نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھی جائیں۔ وقوف سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے۔

نمازوں سے فارغ ہو کر جائے وقوف کی طرف متوجہ ہو جائے، جبل رحمت کے قریب وقوف کرے، البتہ میدان عرفات سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے، صرف بطن عرنہ وقوف کی جگہ نہیں، امام کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی سواری پر وقوف کرے، دعائیں کرے، اور امام خطبہ میں لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دے، جس شخص نے ۹ ذی الحجہ زوال کے بعد سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک وقوف عرفہ پالیا گویا اس نے حج پالیا، جو شخص عرفات سے گزرا درحالیکہ وہ سویا ہوا ہو یا بے ہوش ہو یا اسے عرفہ کے ہونے کا علم ہی نہ ہوتو حنفیہ کے نزدیک یہ وقوف کافی ہے۔

جب سورج (۹ ذی الحجہ کو) غروب ہو جائے امام اور لوگ آرام وسکون سے کوچ کریں حتیٰ کہ مزدلفہ آجائیں، مزدلفہ میں آکر ٹھہریں، جبل قزح کے پاس ٹھہرنا مستحب ہے۔ جبل قزح مشعر حرام ہے، مزدلفہ میں امام لوگوں کو مغرب اور عشاء کی نمازیاں جمع کر کے پڑھائے یہ جمع تاخیر ہوگی (یعنی مغرب کی نماز موخر کر کے پڑھی جائے گی) اور عشاء کی نماز قصر پڑھی جائے گی، حنفیہ کے نزدیک ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

- امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مزدلفہ جاتے وقت راستے میں مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں، طلوع فجر سے پہلے پہلے اعادہ لازمی ہوگا۔

جب ۱۰ ذی الحجہ کا طلوع فجر ہو، امام لوگوں کو فجر کی نماز تاریکی میں پڑھائے، تاریکی میں نماز وقوف مزدلفہ کی وجہ سے پڑھائی جائے گی۔ پھر حنفیہ کے نزدیک مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے، اگرچہ لحہ بھر کے لئے ہو، وقوف مزدلفہ کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ہے، امام کے ساتھ لوگ بھی وقوف کریں، حاجی کو چاہئے کہ دعائیں کرے تکبیر کہے، تہلیل کہے تلبیہ پڑھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور مزدلفہ سے رمی کے لئے ستر کنکریاں چنے۔

مزدلفہ سارے کا سارا جائے وقوف ہے سوائے بطن محسر کے، بطن محسر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ پھر امام کے ساتھ لوگ طلوع آفتاب سے پہلے کوچ کر جائیں حتیٰ کہ منیٰ آجائیں، اور بطن وادی سے جمرۂ عقبہ کی رمی کریں اور سات کنکریاں ماریں، یہ کنکری چھوٹی

ہونی چاہئے، حاجی کو چاہئے کہ ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے اور جمرہ عقبہ کے پاس وقوف نہ کرے چونکہ اس کے بعد رمی نہیں، پہلی کنکری مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ کہنا چھوڑ دے چونکہ حلال ہونے کے ساتھ تلبیہ ثابت نہیں۔ پھر نفلی قربانی کرے یعنی اگر چاہے قربانی کرے چونکہ یہ مفرد بالحج (حج افراد کرنے والا) ہے۔ پھر حلق کرے یا پوروں کے بقدر بال تر شوائے، البتہ حلق افضل ہے، حلق کرا لینے کے بعد سوائے عورتوں کے ہر چیز حلال ہو جائے گی، مالکیہ کے نزدیک شکار اور خوشبو اب بھی حلال نہیں ہوں گے۔

پھر مکہ آجائے اور یہ عید کا دن ہوگا یا عید کے دن کے ایک دن یا دو دن بعد مکہ آئے اور طواف زیارت کرے، یہ فرض طواف ہے، اس کے سات چکر لگائے جائیں پھر اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہیں کی تو اب سعی کرے، لہٰذا (یعنی جب طواف قدوم کے بعد سعی نہیں کی تو) اب طواف زیارت کے پہلے تین چکروں میں مرد رمل کرے اور اس میں اضطباع بھی کرے چونکہ ہر وہ طواف جس کے بعد سعی کرنی ہو اس طواف میں رمل اور اضطباع کرنا دونوں مشروع ہیں۔

ان تین دنوں یعنی عید کا دن اور دو دن اس کے بعد (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) طواف زیارت کو مؤخر کرنا مکروہ ہے، اگر ان دنوں سے موخر کیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔

پھر منیٰ کی طرف واپس لوٹ آئے اور رمی کے لئے منیٰ میں مقیم رہے، رمی کا وقت ایام نحر کے دوسرے دن کے زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے، رمی کی ابتداء اس جمرہ سے کرے جو مسجد خیف سے ملا ہوا ہے، سات کنکریاں مارے، اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے، اس جمرہ کے پاس وقوف کرے اور دعا کرے چونکہ اس جمرہ کے بعد مزید رمی کرنی ہے پھر جمرہ وسطیٰ کی رمی کرے اور اس کے پاس بھی قوف کرے اور دعا کرے پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرے البتہ اس کے پاس وقوف نہ کرے چونکہ اس کے بعد مزید رمی نہیں۔

پھر تیسرے دن زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے اس کے بعد وہ اگر مکہ کی طرف روانگی میں جلدی کرے تو کر سکتا ہے، یا اگر چوتھے دن کی رمی کے لئے رکنا چاہئے تو رک سکتا ہے اور طلوع فجر کے بعد جب زوال ہو جائے تب رمی کرے، مکہ جاتے ہوئے وادی محصب میں اترے۔

جب حاجی مکہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کرے تو بیت اللہ کا طواف کرے اور سات چکر لگائے اس میں رمل نہ کرے یہ طواف وداع ہوگا اسے طواف صدر بھی کہتے ہیں۔ یہ طواف جمہور کے نزدیک مالکیہ کے سوا واجب ہے البتہ اہل مکہ کے لئے واجب نہیں۔ طواف وداع کے بعد اپنے اہل خانہ کی طرف واپس لوٹ سکتا ہے، چونکہ اعمال حج سے فارغ ہو چکا ہے۔

عورت اور خنثیٰ مشکل گزشتہ ساری تفصیل میں مرد کی طرح ہوں گے البتہ عورت اپنا سر نہ کھولے اور چہرہ کھلا رکھے، تلبیہ پڑھتے وقت آواز بلند نہ کرے، طواف میں رمل بھی نہ کرے، میلین اخضرین کے درمیان دوڑ بھی نہ لگائے، سر نہ مونڈے، البتہ بال تر شوائے، عورت سلے ہوئے کپڑے اور موزے پہن سکتی ہے، اگر عورت کو حیض یا نفاس آجائے تو طواف زیارت کے علاوہ سبھی افعال بجالائے، اور طواف زیارت کے لئے انتظار کرے حتیٰ کہ پاک ہو جائے۔

اگر عورت کو احرام باندھتے وقت حیض آجائے تو غسل کر کے احرام باندھے، اگر طواف زیارت کے بعد حیض آئے تو واپس لوٹ جائے اس پر دم واجب نہیں ہوگا، چونکہ حائضہ کو طواف وداع چھوڑنے کی رخصت دی گئی ہے۔

دوسری چیز: حج تمتع کی کیفیت...... تمتع کا لغوی معنی نفع اٹھانا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک شرعی تعریف یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ یا عمرہ کا اکثر حصہ انجام دے اور پھر اسی احرام میں یا نئے احرام میں اسی سفر میں حج کر لیا اس حال میں کہ حج اور عمرہ کے درمیان (1) "الماَم صحیح" نہ ہوا ہو۔

---

(1)...... الماَم صحیح سے مراد یہ ہے کہ احرام کھول کر گھر واپس لوٹ جائے اور پھر سفر کر کے مکہ جائے اور حج کرے۔

متمتع کی اقسام......حنفیہ کے نزدیک متمتع کی دو قسمیں ہیں:

۱.....ایک وہ متمتع جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور (ہدی) ساتھ لائے۔

۲.....وہ متمتع جو قربانی کا جانور ساتھ نہ لائے۔

پہلے کا حکم یہ ہے کہ وہ حج قران کرنے والے کی طرح ہے جب مکہ میں داخل ہو طواف اور سعی کرے اور وہ عمرہ کے بعد حلال نہیں ہوسکتا بلکہ بدستور محرم رہے گا۔حتی کہ ترویہ کے دن حج کی نیت کرے، یہ متمتع قربانی کے دن جانور ذبح کرے چونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابق حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ چیز مجھے پہلے معلوم ہوتی جس کا علم بعد میں ہوا تو میں قربانی کا جانور نہ لاتا اور میں اسے عمرہ بناتا'' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حلال ہونا نہیں ہوتا مگر افراد عمرہ سے اور ہدی ساتھ نہ لانے سے، اور اگر حلال ہونا ہدی ساتھ لانے سے ہوتا تو آپ کا فرمان اتنا کافی ہوتا۔کہ ''میں اسے عمرہ بناتا'' اور حلال ہو جاتا۔جب متمتع ہدی ساتھ لانے کا ارادہ کرے تو احرام باندھے اور ہدی ساتھ لائے۔

حج تمتع کی صفت اور طریقہ کار...... متمتع (حج تمتع کرنے والے) کو چاہئے کہ میقات سے ابتدا کرے، عمرہ کے لیے احرام باندھے اور مکہ میں داخل ہو، عمرہ کے لئے طواف کرے، سعی کرے، پھر حلق یا تقصیر کروا کر عمرہ سے حلال ہو جائے، جب طواف کی ابتدا کرے تلبیہ منقطع کردے، اور پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں مقیم رہے۔

جب ترویہ کا دن یعنی آٹھ ذی الحج ہو تو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے یہ مستحب ہے اور شرط یہ ہے کہ حرم پاک سے احرام باندھے چونکہ متمتع مکی کے معنی میں ہوتا ہے اور مکی کا میقات حج کے بارے میں حرم ہوتا ہے، جیسے مواقیت کی بحث میں گذر چکا ہے، پھر وہی افعال بجا لائے جو مفرد بالحج کرتا ہے۔

متمتع کے لئے افضل یہ ہے کہ یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) سے پہلے احرام باندھ لے چونکہ اس میں حج کی طرف سبقت کرنا ہے اور اس میں مشقت بھی زیادہ ہے۔

متمتع پر دم تمتع (یعنی جانور ذبح کرنا) ہوگا❶ اگر دم کی وسعت نہ رکھتا ہو تو تین دن روزے رکھے یعنی متمتع نے کل ملا کر دس (۱۰) روزے رکھنے ہیں تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے واپس لوٹ کر رکھے، یعنی افعال حج سے فارغ ہونے کے بعد اگرچہ مکہ ہی میں رکھ لے۔

جب قربانی کے دن حلق کرلیا گویا دونوں احراموں (حج کا احرام اور عمرہ کا احرام) سے حلال ہوگیا، چونکہ سر مونڈنا حج میں حلال کرنے والا ہوتا ہے جیسے نماز میں سلام حلال کرنے والا ہوتا ہے۔لہٰذا حلق سے دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

جمہور کے نزدیک اہل مکہ کے لئے حج تمتع اور حج قران نہیں، اہل مکہ کے لئے حج افراد خاص ہے، جبکہ حنفیہ کا قول ہے کہ مکی کے لئے حج قران مکروہ ہے۔

بطلان تمتع......حج تمتع کرنے والا جب گھر کی طرف واپس لوٹ آئے یعنی عمرہ کے افعال سے فارغ ہو جاتے تو اس کا حج تمتع باطل ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ہدی بھی ساتھ نہ لایا ہو، چونکہ وہ ''الممام صحیح'' کے ساتھ گھر والوں کے پاس واپس لوٹا ہے۔اگر اپنے ساتھ ہدی لایا ہو تو اس کا واپس لوٹنا الممام صحیح نہیں ہوگا، لہٰذا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حج تمتع باطل نہیں ہوگا، چونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا حرم واپس لوٹنا واجب ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واپس لوٹنا مندوب ہے۔چونکہ اس صورت میں وہ حرم کے

---

❶.....حنفیہ کے نزدیک یہ دم شکر ہے لہٰذا حاجی خود بھی اس سے کھا سکتا ہے۔

ساتھ مقید ہو چکا اور واپس لوٹنا المام صحیح کے مانع ہے۔

رہی بات قارن کی تو باتفاق حنفیہ اس کے واپس لوٹنے سے اس کا حج قران باطل نہیں ہوگا، گویا حنفیہ کے نزدیک قران اور تمتع میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حج تمتع میں اہل خانہ کی طرف واپس نہ لوٹنا شرط ہے اور حج قران میں اہل خانہ کی طرف واپس نہ لوٹنا شرط نہیں۔

محرم عمرہ کے مہینوں میں کب متمتع ہوگا؟......حنفیہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا پھر عمرہ کے طواف کے چکر چار سے کم لگائے (یعنی ایک یا دو یا تین چکر لگائے) ابھی طواف مکمل نہیں ہوا تھا کہ حج کے مہینے داخل ہو گئے اور حج کے مہینوں میں طواف مکمل کیا اور پھر حج کا احرام باندھا تو وہ متمتع ہوگا چونکہ حنفیہ کے نزدیک احرام شرط ہے رکن نہیں۔لہٰذا حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنا صحیح ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ افعال حج کا اعتبار حج کے مہینوں میں کیا جاتا ہے، جبکہ طواف کا اکثر حصہ حج کے مہینوں میں پایا گیا،لہٰذا اکثر کے لئے کل کا حکم ہے۔

رہی یہ بات کہ اگر حج کے مہینوں سے پہلے طواف کے اکثر چکر لگائے پھر اسی سال حج کیا تو اس صورت میں متمتع نہیں ہوگا چونکہ اس نے طواف کا اکثر حصہ حج کے مہینوں سے پہلے کر دیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے حج کے مہینوں سے پہلے حلال ہو جائے۔

حاصل......یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے لہٰذا جب طواف کا اکثر حصہ حج کے مہینوں سے پہلے پایا گیا تو گویا کل طواف پہلے پایا گیا جبکہ متمتع تو وہ ہوتا ہے جو عمرہ اور حج حج کے مہینوں میں کرے۔

تیسری چیز: کیفیت قران......قران کا لغوی معنی ہے مطلق دو چیزوں کو آپس میں ملانا ہے اور شرعی تعریف یہ ہے کہ ایک ہی سفر میں حج وعمرہ کا احرام باندھنا۔

حج قران کا طریقہ کار......یہ کہ میقات سے عمرہ اور حج کا اکٹھا احرام باندھے یا تو حقیقۃً کہ دونوں کی نیت کر لے ایک ساتھ ہی، یا حکماً حنفیہ کے نزدیک جبکہ بقیہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔حکماً یہ کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر طواف سے پہلے یا اکثر طواف سے پہلے حج کا احرام باندھے (یعنی نیت کرلے) چونکہ اکثر کل کے قائم مقام ہے، جمہور کے نزدیک اس کا الٹ کرنا بھی صحیح ہے یعنی حج کا احرام باندھے پھر اس پر عمرہ کو داخل کرے جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

جمہور کے نزدیک حج کو عمرہ میں طواف میں شروع ہونے سے پہلے پہلے داخل کیا جا سکتا ہے اگر طواف شروع کر دیا خواہ ایک قدم ہی آگے بڑھا ہو تو حج کو عمرہ میں داخل کرنا جائز نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک قران کے ساتھ تمتع کی یہ صورت بھی لاحق کر دی گئی ہے جس میں متمتع نے ہدی لائی ہو، لہٰذا عمرہ کے بعد حلال نہیں ہو سکتا، بلکہ برابر حالت احرام میں رہے گا حتیٰ کہ قربانی کے دن ہدی ذبح کرلے۔

قارن احرام کی دو رکعتوں کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسرھمالی وتقبلھا منی" لبیک اللھم لبیک......الخ

جب قارن مکہ میں داخل ہو تو بیت اللہ کا طواف کرے پہلے تین چکروں میں رمل کرے، طواف کے بعد سعی کرے، یہ افعالِ عمرہ ہوں گے۔

حنفیہ کے نزدیک پھر افعال حج میں مشغول ہو جائے ایسے ہی جیسے مفرد بالحج کرتا ہے، مذکور بالا سعی کے بعد طواف قدوم کرے، طواف زیارت بھی کرے اور مفرد کی طرح صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ......البقرۃ ۲/۱۹۶

حج اور عمرہ کو مکمل کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کے افعال مکمل طور پر کیے جائیں۔ چنانچہ آیت میں قارن اور کسی اور کے درمیان فرق نہیں کیا گیا۔

یہ روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ صبی بن معبد نے دومرتبہ طواف کیا اور دومرتبہ سعی کی انہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تمہیں اپنے نبی کی سنت کی ہدایت دی گئی ہے۔ (1) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قارن کے بارے میں فرمایا: جب تم حج اور عمرہ کا احرام باندھو تو دومرتبہ طواف کرو اور صفا و مروہ کی دومرتبہ سعی کرو۔ (2)

جمہور کہتے ہیں: قارن کے لئے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے۔ اس کی دلیل امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے جسے انہوں نے صحیح بھی قرار دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا اسے ایک ہی طواف کافی ہے اور ایک ہی سعی کافی ہے۔ حتیٰ کہ ان دونوں سے حلال ہوجائے۔'' البتہ قارن مفرد کی طرح طواف قدوم کرے گا پھر طواف زیارت کرے اور اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو طواف زیارت کے بعد سعی کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جو لوگ حج اور عمرہ کو جمع کریں وہ ایک ہی طواف کریں۔ (3) نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا فرمایا: کہ صفا اور مروہ کی سعی تمہارے حج اور عمرہ دونوں کے لئے کافی ہے۔ (4)

دوم: تمتع اور دم قران..... علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ متمتع اور قارن جب حج کا احرام باندھیں ان پر ہدی لازم ہوتا ہے (5) اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ......البقرۃ ۲/۱۹۶

جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھائے تو اسے جو قربانی میسر ہو اللہ کے حضور پیش کرے۔

دم قران اور دم تمتع حنفیہ کے نزدیک دم شکر ہے (یعنی بطور شکرانہ کے جانور ذبح کیا جاتا ہے) لہٰذا دم دینے والا خود بھی کھا سکتا ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک خود ذبح کرنے والا (مالک) نہیں کھا سکتا۔ اگر قارن مکہ میں داخل نہ ہوا اور سیدھا عرفات کی طرف چل دیا اور وقوف میں مشغول ہوگیا تو حنفیہ کے نزدیک اس نے وقوف عرفہ میں مشغول ہوکر عمرہ چھوڑ دیا، اور دم قران اس سے ساقط ہوگیا۔

البتہ عمرہ چھوڑنے کا دم اس پر واجب ہوگا، اب یہ دم جبر (نقصان پورا کرنے کے لئے دم) ہے لہٰذا خود مالک اس سے نہیں کھا سکتا، عمرہ کی قضاء واجب ہوگی، چونکہ اس نے عمرہ شروع کردیا اور اپنے اوپر واجب کردیا پھر چھوڑ الہٰذا قضا لازمی ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حج کا احرام باندھنے کے لئے میقات کی طرف لوٹ گیا تو اس کے ذمہ سے دم تمتع ساقط ہوجائے گا۔

دم تمتع اور دم قران کس وقت ذبح کرے؟...... دم تمتع اور دم قران ذبح کرنے کے وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے، تفصیل درج ذیل ہے۔

جمہور...... کہتے ہیں کہ ایام منیٰ میں بکری یا گائے یا پورا اونٹ یا اونٹ گائے کا ساتواں حصہ ذبح کرنا واجب ہے، یہ ذبح منیٰ میں جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد اور حلق سے پہلے ہوگی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی اسی طریقہ کے مطابق ذبح کی تھی۔

---

(1) .....قال الزيلعي: هذا الحديث لم يقع هكذا فقد اخرج ابوداؤد والنسائي وابن ماجه عن الصبي بن معبد الثعلبي قال ''اهللت بهما معاً فقال عمر هديت لسنة نبيك (نصب الراية ۳/۱۰۹) (2) رواه محمد بن الحسن في كتاب الآثار (نصب الراية ۳/۱۱۱) (3) متفق عليه۔ (4) اخرجه مسلم (5) المغني ۳/۴۶۹، مغني المحتاج ج ۱/۵۱۶۔

شافعیہ.....کہتے ہیں: افضل تو یہی ہے کہ قربانی کے دن جانور ذبح کیا جائے چونکہ اسی میں اتباع ہے اور تا کہ ائمہ ثلاثہ کے اختلاف سے بچ جائے، ورنہ دم کے وجوب کا وقت حج کا احرام باندھنے کا وقت ہے، چونکہ اسی وقت متمتع ہوا ہے، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جب عمرہ سے فارغ ہو جانور ذبح کرنا جائز ہے، ہدی کا ذبح کرنا حرم کے ساتھ خاص ہے، پھر جانور ذبح کرنے کی قدرت ہے یا نہیں اس کا فیصلہ بھی حرم میں ہوگا یعنی حرم میں اگر جانور ذبح کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو ذبح کرے اگر چہ گھر میں جانور کی قدرت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اس کا اعتبار نہیں۔

اگر ہدی نہ پاتا ہو تو ایام حج میں تین دن کے روزے رکھنا واجب ہے وہ اس طرح کہ آخری دن عرفہ کا روزہ ہو پھر جب واپس اہل خانہ کی طرف آئے تو سات دن کے روزے رکھے، اگر حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ ہی میں سات دن کے روزے رکھ لئے تو بھی یہ جائز ہے۔

ہدی کے بدلہ میں روزے رکھنے کی تفصیل.....جو شخص حرم میں ہدی ذبح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور وہ ہدی کے بدلہ میں روزے رکھے تو ان روزوں کی تفاصیل میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں جو فرداً فرداً مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ.....کہتے ہیں: ہدی کے بدلہ میں روزے رکھنا جائز ہے اگر چہ متفرق ایام میں روزے رکھے جائیں پے در پے روزے رکھنا شرط نہیں۔ تین دن کے روزوں کا وقت حج کے مہینوں کا وقت ہے یعنی تین روزے حج کے مہینوں میں رکھے جائیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ.....البقرۃ ۲/۱۹۶

پس تین دنوں کے روزے رکھنا ہے حج کے دوران۔

تقدیری عبارت یہ ہے۔ "ای فی اشهر الحج" چونکہ نفس حج روزے کی ظرفیت کے صالح نہیں۔ البتہ افضل یہ ہے کہ یوم ترویہ سے ایک دن قبل روزہ رکھے تا کہ عرفہ کے دن کا روزہ تیسرا روزہ ہو۔ اگر تین دنوں کے روزے نہ رکھ سکا حتیٰ کہ قربانی کا دن آ گیا تو اب دم دینے کے سواء کوئی چارہ کار نہیں۔ چونکہ روزہ ہدی کے بدلہ میں تھا اور آیت نے روزے کو وقت حج کے ساتھ مختص کیا ہے، لہٰذا جس شخص نے یوم نحر تک روزے موخر کر دیئے اور حلال ہو گیا تو اس پر دو دم واجب ہوں گے ایک دم تمتع اور دوسرا احلال ہونے کا دم۔

جب تین روزے ایام حج میں رکھ لئے تو سات روزے ایام حج مکمل ہونے کے بعد جہاں چاہے رکھے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "وسبعة اذا رجعتم" سات روزے اس وقت رکھو جب تم واپس لوٹ آؤ۔ (البقرۃ ۲/۱۹۶) یعنی جب تم افعال حج سے فارغ ہو جاؤ اور ایام تشریق گزر جائیں پھر روزے رکھو۔

تین دن کے روزے اعمال حج میں شروع ہونے سے پہلے رکھنا بھی جائز نہیں۔ (۱)

مالکیہ.....کہتے ہیں۔ تین دن کے روزے لگا تار رکھنا واجب ہے اسی طرح بعد کے سات دن کے روزے بھی لگا تار رکھنا واجب ہے، تین دن کے روزے ایام حج میں رکھے جائیں بایں طور کے آخری روزہ عرفہ کے دن کا روزہ ہو، جو شخص ان روزوں سے جاہل رہا یا بھول گیا تو وہ ایام منیٰ میں روزے رکھے، سات روزے خواہ مکہ میں رکھے یا واپس گھر آ کر رکھے، تین دن کے روزے۔ اعمال حج شروع کرنے سے پہلے رکھنا جائز نہیں۔ (۲)

شافعیہ.....کہتے ہیں: تین دنوں کے روزے لگا تار رکھنا مستحب ہے اسی طرح سات دن کے روزے بھی لگا تار رکھنا مستحب ہیں۔ اگر حج کے دنوں میں تین دن کے روزے ہو گئے تو ظاہری قول کے مطابق ان کی قضاء واجب ہوگی، چونکہ یہ روزے ایسے ہیں کہ ان کا وقت مقرر ہے۔ لہٰذا رمضان کے روزوں کی طرح ان کی بھی قضا کی جائے گی۔ البتہ قضاء کے روزوں اور پچھلے سات روزوں میں فرق کرنا ضروری ہے،

(۱)..... تفصیل کیلئے الدر المختار ۲/۲۶۴ اللباب ۱/۱۹۳۔ (۲) تفصیل کیلئے دیکھئے القوانین الفقهية ص ۱۴۰ بداية المجتهد ۱/۳۵۷

فرق چار دنوں کے بقدر کرے جو کہ یوم نحر اور ایام تشریق کے بقدر ہیں۔ اگر لگاتار دس دن کے روزے رکھ لئے تو یہ تین روزے ہو جائیں گے بقیہ سات ذمہ میں باقی رہیں گے چونکہ تین اور سات کے درمیان فرق نہیں روا رکھا گیا۔

روزے کا حکم تب لاگو ہوتا ہے جب حاجی ہدی سے عاجز ہو مثلاً ہدی کا جانور "گم پایا" یا جس مال سے جانور خریدنا تھا وہ مال (رقم) گم ہو گیا، یا ہدی ملتی تو تھی مگر اس کی قیمت بہت گراں تھی وغیرھا۔

تین دن کے روزوں کا وقت حج کا احرام باندھ لینے کے بعد ہے چونکہ آیت ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ......البقرة ۲/۱۹۶

لہٰذا تین دن کے روزوں کو احرام پر مقدم کرنا جائز نہیں اور یہ دم کے بخلاف ہے، چونکہ روزہ بدنی عبادت ہے لہٰذا اسے مقدم کرنا جائز نہیں۔

عرفہ کے دن سے پہلے پہلے روزے رکھ لینا مستحب ہے، چونکہ حج میں روزہ رکھنا مکروہ ہے پھر تین روزوں کے بعد سات روزے وطن واپس لوٹ کر رکھے اگر وطن واپسی کا ارادہ ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ......البقرة ۲/۱۹۶

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص ہدی نہ پائے وہ تین دن کے روزے حج کے دوران رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اہل خانہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔" ❶

اگر مکہ میں قیام کرنے کا ارادہ ہو تو مکہ ہی میں روزے رکھے گھر واپس لوٹتے راستے میں دوران سفر روزے نہ رکھے۔

حنابلہ......روزوں کے متعلق حنابلہ نے تھوڑی تفصیل کی ہے چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں لگاتار روزے رکھنا واجب نہیں، تین دن کے روزوں اور سات دن کے روزوں کے لئے دو اوقات ہیں۔ (۱) وقت جواز (۲) وقت استحباب۔

تین روزوں کا وقت استحباب......یہ وقت ہے کہ احرام حج اور یوم عرفہ کے درمیان روزے رکھ لے اور تیسرا روزہ عرفہ کے دن کا ہو۔ چونکہ اس وقت میں روزہ کی حاجت ہے۔

تین روزوں کا وقت جواز......یہ وہ وقت ہے کہ جب عمرہ کا احرام باندھے جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے۔ اس میں مالکیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے کہ روزہ احرام حج کے بعد ہی جائز ہے۔

حنابلہ اور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ عمرہ کا احرام حج تمتع کے دو احراموں میں سے ایک احرام ہے لہٰذا احرام کے بعد روزہ جائز ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے حانث ہونے کا کفارہ پیشگی دے دیا جائے۔ شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل آیت ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ ❷

سات روزوں کا مختار وقت......سات روزوں کا مختار وقت یہ ہے کہ جب حاجی گھر واپس لوٹ آئے چونکہ سابقہ آیت اور حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

وقت جواز......جب ایام تشریق گزر جائیں برابر ہے کہ راستے میں رکھے یا مکہ میں جیسے بھی چاہے، چونکہ روزہ لازم ہے اور وطن میں بھی جائز ہے اور اس سے قبل بھی جیسے دوسرے فرائض البتہ آیت میں جو فرمایا۔ "اِذَا رَجَعْتُمْ" تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب روزوں کو

---

❶......متفق علیه عن ابن عمر۔ ❷ حنفیہ کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے البتہ حنفیہ آیت میں تقدیر عبارت کے قائل ہیں یعنی فصیام ثلاثة ایام فی اشهر الحج۔

موخر کرنا جائز ہے، لہٰذا اس سے قبل بھی رکھے جاسکتے ہیں، جیسے رمضان کے روزے سفر یا مرض کی وجہ سے موخر کردیئے جاتے ہیں۔

جب متمتع حج کے دوران تین دن کے روزے نہ رکھ سکے تو اس کے بعد روزے رکھے اگرچہ ایام منیٰ میں رکھے جیسا کہ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں البتہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، چونکہ یہ واجب روزہ ہے وقت نکل جانے سے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا، آیت کی دلالت وجوب پر ہے سقوط پر نہیں، ایام منیٰ میں روزہ رکھنا صحیح ہے چونکہ یہی قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے وہ یہ کہ ”ایام تشریق میں روزے رکھنے کی رخصت کسی کو نہیں دی گئی سوائے اس شخص کے جو ہدی نہ پاتا ہو۔“ ❶

یہ رخصت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رخصت دی ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج کے دوران ان تین روزوں کے رکھنے کا حکم دیا ہے اور جب حج کے ایام میں سے صرف ایام منیٰ ہی باقی رہے لہٰذا وہی متعین ہوں گے۔ لہٰذا ایام منیٰ میں روزے رکھنے کا حکم یہی ہوگا جیسے یوم نحر سے پہلے روزے رکھ لئے۔

جب دس دن کے روزے رکھے تو تین اور سات کے درمیان فرق کرنا لازمی نہیں، اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے چونکہ یہ روزے واجب ہیں اور ایسے دنوں میں رکھتے ہیں جن میں روزہ رکھنا صحیح ہے لہٰذا ان میں فرق کرنا واجب نہیں جیسے بقیہ روزوں میں فرق کرنا واجب نہیں۔

وجوب کا وقت...... روزے کے وجوب کا وقت ہدی کے وجوب کا وقت ہے، چونکہ روزہ ہدی کا بدل ہے لہٰذا جو وقت ہدی کے وجوب کا ہوگا وہی وقت روزے کے وجوب کا ہوگا۔

نویں بحث...... حج سے حلال ہونے کی کیفیت

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حج میں دو قسم کا حلال ہونا پڑتا ہے:

۱...... حلال اصغر اسے حلال اول بھی کہتے ہیں۔

۲...... حلال اکبر اسے حلال دوم بھی کہا جاتا ہے، فہقاء کا اس میں اختلاف ہے کہ حلال اول سے کون کون سی چیزیں مباح ہوتی ہیں۔ ❷

حلال اول...... یہ حلال تین میں سے دو کام کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے۔ جمرہ عقبہ کی رمی، حلق اور طواف زیارت، اس حلال سے سوائے عورتوں کے ہر چیز مباح ہوجاتی ہے یعنی عورتوں سے جماع نہیں کرسکتا، حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دواعی جماع بھی حلال نہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم رمی کرلو اور حلق کرالو تو گویا تمہارے لئے خوشبو، سلے ہوئے کپڑے اور ہر چیز سوائے عورتوں کے حلال ہوجائے گی۔ ❸ لہٰذا مذکورہ کام کرلینے کے بعد حاجی عورتوں کے معاملہ میں بدستور محرم رہے گا گویا اب بھی جماع نہیں کرسکتا بوسہ نہیں لے سکتا اور شہوت سے بیوی کو چھو بھی نہیں سکتا۔

اسی طرح شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد نکاح بھی نہیں کرسکتا، اس کے سوا حاجی کے لئے ہر چیز حلال ہوگی مثلاً شکار، بال مونڈنا اور ناخن کاٹنا وغیرہا۔

مالکیہ کے نزدیک اس حلال سے عورتوں، شکار اور خوشبو کے علاوہ ہر چیز حلال ومباح ہوجاتی ہے ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

---

❶...... رواہ البخاری۔ ❷ تفصیل کے لئے دیکھئے: البدائع ۱۵۹/۲، الدرالمختار ۲۵۰/۲ الشرح الصغیر ۵۸/۲، القوانین الفقھیة ص۱۳۸ المھذب ۲۳۰/۱ مغنی المحتاج ۵۰۵/۱ غایة المنتھیٰ ۴۱۲/۱ المغنی ۴۳۸/۳۔ ❸ رواہ سعید بن المنصور عن عائشة واخرجه النسائی وابن ماجه عن ابن عباس واخرجه ابو داؤد باختلاف اللفظ وقال وھو حدیث ضعیف۔

قول ہے کہ ”جب تم جمرہ عقبہ کی رمی کرلو، ہدی ذبح کرلو اور سر مونڈ لو تو تمہارے لئے ہر چیز حلال ہوگئی سوائے خوشبو اور عورتوں کے۔“ نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ......المائدہ ۵/۹۵

شکار کو قتل مت کرو اس حال میں کہ تم احرام میں ہو۔

حلال دوم یا حلال اکبر......حلال ہونے کی یہ قسم مذکورہ بالا تین اشیاء یعنی رمی جمرہ عقبہ، حلق اور طواف زیارت میں سے باقی ماندہ تیسری چیز کر لینے سے حاصل ہوتی ہے۔ گویا اگر کسی حاجی نے رمی اور حلق کر لیا ہو تو طواف زیارت کر لینے سے اس کے لئے ہر چیز حلال ہو جاتی ہے، اور بالا جماع بالکلیہ احرام سے نکل جاتا ہے، اب اس پر باقی ماندہ اعمال رمی کا بجالانا واجب ہوتا ہے، اسی طرح حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک منیٰ میں رات گزارنا بھی واجب ہوتا ہے، باوجودیکہ وہ محرم نہیں ہوتا یہ ایسا ہی ہے جیسے پہلے سلام سے نماز سے نکل جاتا ہے اور پھر اس سے دوسرے سلام کا مطالبہ ہوتا ہے، البتہ حج میں باقی ماندہ افعال کا مطالبہ علی سبیل الوجوب ہوتا ہے جبکہ نماز میں دوسرے سلام کا مطالبہ علی سبیل الندب ہوتا ہے۔

رمی کے بقیہ ایام میں جماع کو مؤخر کرنا مستحب ہے تاکہ حاجی سے احرام کا اثر زائل ہو جائے۔

دسویں بحث......ممنوعات احرام اور مباحات

ممنوعات......ممنوعات سے مراد وہ امور ہیں جو حج یا عمرہ کی وجہ سے محرم پر حرام ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ منیٰ میں سر مونڈ لے، ممنوعات کی مختلف اقسام ہیں، اور یہ سبھی اقسام چار اصولوں میں بیان کی جاسکتی ہیں:

۱......سلے ہوئے کپڑے کا پہننا　　۲......بدنی آسودگی اور بدن کی صفائی ستھرائی

۳......شکار　　۴......عورتیں (یعنی جماع)

ان اصول کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم جس سے حج فاسد نہیں ہوتا اور وہ پہلے تین اصول ہیں ایک وہ قسم جو حج کو فاسد کر دیتا ہے اور وہ جماع ہے۔

ان ممنوعات کی تفصیل اور فقہاء کی آراء حسب ذیل ہیں۔ (۱)

اصول اول: سلے ہوئے کپڑے پہننا......سلے ہوئے کپڑے یا تو مرد پہنے گا یا عورت پہنے گی دونوں۔

۱: سلے ہوئے کپڑے اگر مرد پہنے......صرف احرام باندھ لینے سے مرد کے لئے سر ڈھانپنا یا سر کا کچھ حصہ ڈھ... ایسی چیز جو سر کے لئے ستر میں شمار ہو وہ حرام ہے۔ برابر ہے وہ چیز سلی ہوئی ہو یا سلی ہوئی نہ ہو، لہٰذا سر اور چہرے پر عمامہ، کپڑا او... نہیں، کپڑے سے سر ڈھانپنا جائز نہیں اگرچہ گردن کھلی ہو، پٹی وغیرہ سے سر باندھنا بھی حرام ہے، اس کی دلیل صحیحین کی روایت ... شخص نے احرام باندھ رکھا تھا اور وہ اپنے اونٹ سے نیچے گر کر مر گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: اس کا سر مت ڈ... چونکہ قیامت کے دن یہ شخص تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا۔ (۲) البتہ کسی حاجت مثلاً علاج، گرمی یا سردی کی وجہ سے سر ڈھانپنا جائز ہے لیکن فدیہ دینا واجب ہوگا۔

---

(۱)......دیکھئے البدائع ۱۸۳/۲، القوانین الفقهیة ص ۱۳۶ الشرح الصغیر ۷۴/۲، الایضاح ص ۲۲ مغنی المحتاج ج ۱/۱۸ ۵ المهذب ۲۰۴/۱، المغنی ۲۹۵/۳، کشاف القناع ۴۹۱/۲۔ (۲) رواہ ایضاً احمد والنسائی وابن ماجه عن ابن عباس۔ (نیل الاوطار ۸/۵)

البتہ ایسے طریقہ سے ستر کرنا جو نفس الامر میں ستر شمار نہ ہوتا ہو مثلاً عمامہ کا تکیہ بنا لے یا حوض وغیرہ میں غوطہ لگائے یا کسی جگہ کا سایہ لے وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں، سر درد کی وجہ سے دھاگے سے سر باندھنے میں کوئی حرج نہیں، اگر ساز وسامان کی گٹھڑی سر پر رکھی یا ٹوکری سر پر رکھی تو یہ مکروہ ہے البتہ شافعیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق حرام نہیں، سائبان، گھر، گاڑی، درخت اور خیمہ وغیرہ کا سایہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

حنابلہ کسی جگہ کا سایہ لینا ممنوع قرار دیتے ہیں اسی طرح کپڑے کا سایہ لینا بھی جائز نہیں سمجھتے البتہ کسی عذر کی وجہ سے کپڑا کا سایہ لیا تو جائز ہے لیکن فدیہ دینا لازمی ہوگا۔

چہرے اور باقی جسم کا ڈھانپنا بجز تہبند اور چادر کے حرام ہے، جبہ نہ پہنے، قمیص نہ پہنے شلوار نہ پہنے، موزہ نہ پہنے، سلائی کیا ہوا جوتا نہ پہنے البتہ وہ جوتے جو سلے ہوئے نہ ہوں وہ پہنے یا کھڑاؤں پہنے جن میں پاؤں کی انگلیاں ظاہر رہیں، اگر پہننے کے لئے مذکورہ صفت کا جوتا دستیاب نہ ہو یا خریدنے کے لئے فلوس نہ ہوں تو تہبند کی عدم دستیابی کی صورت میں شلوار پہنے اور جوتے پہن لے لیکن ٹخنوں سے نیچے کا حصہ کاٹ لے یہ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے کے مطابق ہے، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک جوتا ٹخنوں کے نیچے سے کاٹنا ضروری نہیں۔

عذر کی وجہ سے شلوار اور موزے پہننا جائز ہے اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے سنا آپ فرما رہے تھے۔ جو شخص نعلین نہ پائے وہ موزے پہن لے اور جو شخص تہبند نہ پائے وہ شلوار پہن لے۔ ❶ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک ایسے شخص پر فدیہ نہیں، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس پر فدیہ ہے ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محرم قمیص، عمامہ، شلوار، ٹوپی اور موزے نہیں پہن سکتا، البتہ وہ شخص جو نعلین نہ پائے وہ موزے پہن لے اور ٹخنوں سے نیچے کاٹ دے، ایسے کپڑے نہ پہنے جو زعفران آلودہ ہوں اور ورس بوٹی میں رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے۔ ❷

موزے ٹخنوں سے نیچے نہ کاٹنے پر حنابلہ اور شافعیہ کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ کہ ”جو شخص نعلین نہ پائے وہ موزے پہن لے۔“ یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے موخر ہے چونکہ یہ حدیث خطبہ عرفات کے موقع کی ہے لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے لئے ناسخ ہے، چونکہ اگر ٹخنوں سے نیچے کاٹنا واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ضرور بیان فرماتے، چونکہ بوقت حاجت بیان کی تاخیر جائز نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مطلق ہے لہٰذا اطلاق کا یہی تقاضا ہے کہ موزے ٹخنوں سے نیچے کاٹے نہ جائیں۔

اولیٰ یہ ہے صحیح حدیث پر عمل کیا جائے اور موزے کاٹ لئے جائیں نیز اسی میں احتیاط بھی ہے۔

شلوار اور موزے پہننے پر فدیہ کے ساقط ہونے پر حنابلہ کی دلیل بھی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ اس میں موزے پہننے کا حکم ہے لیکن فدیہ کا ذکر نہیں۔

جن چیزوں کا پہننا حرام ہے اس کا ایک ضابطہ..... بدن کے بقدر یا بدن کے کسی عضو کے کے بقدر کپڑا پہننا، خواہ سلا ہوا ہو یا سلا ہوا نہ ہو، یہ ضابطہ قمیص، شلوار، جبہ، چغہ، موزہ بنی ہوئی قمیص جو سلا ہوا نہ ہو، اس ضابطے میں ذرہ اور جراب بھی شامل ہے۔

شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ مداس پہننا حرام ہے، مداس سے مراد ایسا جوتا جو ٹخنوں کو تو نہ ڈھانپتا ہو البتہ پاؤں کے پنجے کو ڈھانپتا ہو۔

---

❶.....متفق علیہ۔ ❷ متفق علیہ۔

پہننے میں کون سی چیز معتبر ہے؟...... عادۃً جولباس پہنا جاتا ہے اور جس سے ترفہ اور آسودگی مقصود ہوتی ہے جیسے قمیص اور چغہ وغیرہ، اگر اس طرح کا لباس پہننے کی بجائے اوڑھ لیا مثلاً قمیص اوپر اوڑھ لی چغہ اوڑھ لیا یا بدن پر لپیٹ لئے یا شلوار کی تہبند بنالی تو اس میں کوئی حرج نہیں اور فدیہ بھی نہیں، اگر اپنے جسم پر قباء یا چغہ وغیرہ ڈال لیا بایں طور کہ اگر کھڑا ہو بدن پر قباء ٹکی نہ رہے مگر بدن پر ٹکانے کے لئے مزید تگ ودو کرنی پڑے تو ایسی صورت میں فدیہ لازم نہیں ہوگا، سلا ہوا کپڑا کمر پر ڈال سکتا ہے البتہ اسے لپیٹ نہیں سکتا، مالکیہ کے نزدیک وہ کپڑا جو سلا ہوا نہ ہو لیکن اس میں ترفہ اور آسودگی کے اثرات نمایاں دکھائی دیتے ہوں ان کے استعمال بھی ممنوع ہے جیسے جانور کی اتاری ہوئی کھال۔

شافعیہ کے نزدیک چادر کو گرہ دینا، بٹن سے ٹانکنا جائز نہیں چادر کے کونے دھاگے سے نہیں باندھ سکتا اگر بٹن سے چادر ٹانکی یا سی لی تو حرام کام کیا اور فدیہ لازم ہوگا، البتہ تہبند میں ستر عورت کے لئے گرہ لگا سکتا ہے، جبکہ چادر کو گرہ نہیں دے سکتا، البتہ چادر کا کونا تہبند میں داخل کر سکتا ہے، حنفیہ کہتے ہیں، تہبند کو گرہ دینا مکروہ ہے۔

شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک محرم ضرورت کے لئے تلوار لٹکا سکتا ہے، کمر پر ھمیانی اور کمر بند باندھ سکتا ہے انگوٹھی اور گھڑی باندھ سکتا ہے۔

ورس بوٹی میں رنگے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا، زعفران اور کسم ❶ میں رنگے ہوئے کپڑے بھی نہیں پہن سکتا چونکہ صحیح حدیث میں ہے۔ ”وہ کپڑے جو ورس اور زعفران میں رنگے ہوں نہ پہنے۔“

جو شخص احرام باندھے دراں حالیکہ اس نے قمیص پہن رکھی ہو وہ فی الفور قمیص اتار دے، اس پر فدیہ نہیں ہوگا، چونکہ ایک شخص نے جبہ پہنے ہوئے احرام باندھ لیا اور جبے پر خوشبو لگا دی اسے دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تمہارے بدن پر خوشبو لگی ہوئی ہے اسے دھوڈالو، اور جو جبہ پہن رکھا ہے اسے اتار دو، پھر اپنے عمرہ میں وہ اعمال کرو جو حج میں کرتے ہو۔ ❷ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فدیہ کا حکم نہیں دیا، البتہ اگر تادیر پہنے رکھے تو فدیہ ہوگا، چونکہ تادیر پہنے رکھنا ابتداءً پہننے کی طرح حرام ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جبہ اتارنے کا حکم دیا اور فدیہ کا حکم نہیں دیا۔ ❸

عورت..... عورت سلے ہوئے کپڑے سے سر ڈھانپ سکتی ہے اور سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے، البتہ عورت کا چہرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے، چونکہ عورت کا سر حکم میں مرد کے سر کی طرح ہے، گویا عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے، لہٰذا چہرے کا ڈھانپنا حرام ہوگا، جیسے مرد کا سر ڈھانپنا باتفاق علماء حرام ہے۔

”اس کی دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عورت نقاب نہ کرے اور دستانے بھی نہ پہنے ❹ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔“

حنابلہ...... کہتے ہیں: اگر عورت کے پاس سے مرد گزریں اور عورت کو پردہ کرنے کی حاجت پیش آئے تو وہ سر کے اوپر سے چھجا سا بنا کر کپڑا لٹکائے اور یوں پردہ کر لے، ❺ اس کی دلیل، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ کہ ”قافلے ہمارے پاس سے گزرتے اس حال میں کہ ہم نے احرام باندھا ہوا ہوتا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، جب لوگ ہمارے بالمقابل پہنچتے تو ہم عورتیں سر کے اوپر سے چہرے کے آگے کپڑے لٹکا لیتی تھیں جب لوگ گزر جاتے ہم چہرہ کھول دیتیں۔ ❻ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عورت کو چہرہ ڈھانپنے کی ضرورت پیش آتی ہے لہٰذا چہرے کا ڈھانپنا عورت پر حرام نہیں۔

---

❶..... چونکہ کسم کی خوشبو ہوتی ہے اس لئے ممنوع ہے۔ ❷ متفق علیہ۔ ❸ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فدیہ کا حکم اس لئے نہیں دیا چونکہ وہ شخص حرمت سے جاہل تھا۔ ❹ رواہ البخاری وغیرہ۔ ❺ المغنی ۳/۳۲۵۔ ❻ رواہ ابوداؤد والاثرم۔

مالکیہ...... نے عورت کے لئے چہرے کا ڈھانپنا مباح قرار دیا ہے، خصوصاً جب فتنے کا اندیشہ ہو اور سوئی وغیرہ سے ٹانکنے کی چنداں ضرورت نہیں، بلکہ سر اور چہرے پر کپڑا لٹکانا مطلوب ہے، یا ڈاٹا مارلے، اور کپڑے یا چادر کے اطراف سر پر ڈال لے لیکن سوئی وغیرہ سے اٹکایا نہ ہو اور نہ باندھا ہو۔ ❶

شافعیہ اور حنفیہ...... نے اس طرح چہرے کے آگے کپڑا وغیرہ لٹکانے کی اجازت دی ہے کہ وہ کپڑا چہرے سے مس نہ کرتا ہو بلکہ چہرے سے دور رہے، برابر ہے کہ عورت ایسا کسی حاجت کی وجہ سے کرے یا گرمی وسردی کی وجہ سے کرے یا کسی فتنہ کی وجہ سے کرے یا ایسا بلا حاجت کے کرے، اگر کوئی لکڑی وغیرہ یا ہوا سے کپڑے چہرے سے ٹکرایا بایں طور کہ اس میں عورت کا اپنا دخل نہ ہو اور فی الفور کپڑے کو دور کردے تو عورت پر فدیہ نہیں ہوگا، اگر جان بوجھ کر ایسا ہوا اور تادیر کپڑا چہرے سے ٹکرایا رہا تو فدیہ لازمی ہوگا، شافعیہ کہتے ہیں: اگر خنثیٰ مشکل فقط چہرے کا ستر کرے یا فقط سر کا ستر کرے تو اس پر فدیہ نہیں ہوگا، اگر چہرے اور سر دونوں کا اکٹھا ستر کرلیں تو فدیہ لازم ہوگا، شافعیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اگر عورت نے مہندی لگائی اور پھر ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لیا یا بغیر مہندی کے کپڑا لپیٹ لیا تو فدیہ نہیں ہوگا۔

مرد کے لئے دستانے پہننا حرام ہے، اسی طرح عورت پر بھی دستانے پہننا حرام ہے، شافعیہ کی نزدیک اصح قول یہی ہے اور دستانے پہننے پر مرد اور عورت پر فدیہ لازم ہوگا۔

معذور کا کپڑے پہننا...... کپڑے پہننا اور سر وغیرہ ڈھانپنا غیر معذور کے لئے حرام ہے اگر محرم کو کوئی عذر ہو اور کپڑا پہن لیا یا بدن کا وہ عضو ڈھانپ لیا جس کا ننگا رہنا واجب تھا تو گناہ گار ہوگا اور ستر کا ڈھانپنا واجب ہوگا۔ گرمی، سردی اور علاج اعذار ہیں، لہٰذا سردی کی وجہ سے سر ڈھانپا تو فدیہ دے، اگر عورت کو چہرہ ڈھانپنے کی حاجت پیش آئی تو چہرہ ڈھانپ لے اور فدیہ دے۔

خلاصہ...... مرد کے لئے ایسا کپڑا پہننا حرام ہے جو پورے بدن کا احاطہ کردے یا ایسی چیز جو ہتھیلی کا احاطہ کردے یا کسی ایک عضو کا احاطہ کردے، البتہ انگوٹھی کمر بند اور گھڑی وغیرہ باندھ سکتا ہے، ان تمام احکام میں عورت کا حکم مرد کی طرح ہے، البتہ تین امور میں عورت کا معاملہ جدا ہے، عورت پردہ کرسکتی ہے، عورت سلے ہوئے کپڑے پہنے گی، موزے پہن سکتی ہے اور سر ڈھانپ سکتی ہے۔

دوسری اصل: بدنی آسودگی...... یعنی خوشبو، بالوں کو مونڈنا یا ناخنوں کو کاٹ کر بدن کو آسودہ کرنا اس میں حسب ذیل تفصیل ہے۔

خوشبو...... محرم کے لئے خوشبو کپڑے یا بدن میں لگانا حرام ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”اور ایسا کپڑا بھی نہ پہنے جو ورس یا زعفران میں رنگا گیا ہو۔“ شافعیہ کے نزدیک سر کو تیل لگانا، داڑھی کو تیل لگانا حرام ہے اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔ اگر تیل خوشبودار نہ ہو جیسے زیتون کا تیل یا پگھلا ہوا تیل تب بھی حرام ہے چونکہ اس میں زینت نکھارنے کا معنی تو ضرر پایا جاتا ہے اور چونکہ محرم کی حالت کے خلاف ہے اور محرم کی حالت پراگندہ حالی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ ”محرم پراگندہ حال ہوتا ہے۔“ ❷ نیز ایک شخص اونٹ سے نیچے گر کر ہلاک ہوگیا اس کے بارے میں فرمایا: اس کا سر مت ڈھانپو اور خوشبو اس کے قریب بھی مت لے جاؤ۔ اگر محرم نے خوشبو لگائی یا تیل لگایا تو اس پر فدیہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہ...... فرماتے ہیں: اگر خوشبودار تیل لگایا جیسے بنفشہ کا تیل، گلاب کا تیل وغیرہ اگر پورے عضو کو لگایا ہے تو محرم پر دم واجب ہوگا، اسی طرح اگر غیر خوشبودار تیل لگایا تب بھی دم واجب ہوگا۔

ضابطہ...... حنفیہ کے نزدیک خوشبو کی حرمت کا ضابطہ یہ ہے کہ خوشبو بدن پر اس قدر ہو کہ خوشبو سے کپڑا وغیرہ چپکا جاتا ہو، جیسے گلاب

❶ ...... الشرح الصغیر ۲/۷۵۔ ❷ اخرجه الترمذی و ابن ماجه عن ابن عمر۔

کے پانی کا استعمال کرنا اور مشک وغیرہ کا استعمال۔

حنفیہ کے نزدیک محرم غسل کرسکتا ہے اور حمام میں داخل ہوسکتا ہے چونکہ غسل کرنا طہارت ہے جو ممنوع نہیں، محرم سرمہ لگا سکتا ہے، چونکہ سرمہ خوشبودار نہیں ہوتا، لہٰذا خوشبو کے حکم میں نہیں ہوگا، اگر خطمی کے ساتھ نہ غسل کرے اور نہ داڑھی دھوئے، چونکہ خطمی خوشبو کی ایک قسم ہے اور یہ جوؤں کو ختم کردیتی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ضابطہ..... حنفیہ کے نزدیک خوشبو کا جو ضابطہ ہے ایسا ہی مالکیہ کے نزدیک ضابطہ ہے، چنانچہ خوشبو کا مس کرنا، سونگھنا، بلاوجہ خوشبودار تیل لگانا ممنوع ہے، اگر کسی حاجت اور عذر کی وجہ سے تیل لگایا تو وہ جائز ہے چونکہ ضرورت ممنوع ومحظور کو مباح کردیتی ہے، محرم سرمہ نہ لگائے، البتہ عذر کی وجہ سے لگا سکتا ہے، لہٰذا ایسا سرمہ لگائے جس میں خوشبو نہ ہو، ایسا کھانا نہ کھائے جس میں خوشبو ہو اور جسے آگ نے نہ چھوا ہو، اپنے پاس خوشبو رکھنا مکروہ ہے، بار بار خوشبو سونگھنا مکروہ ہے، نظافت کے لئے حمام میں داخل نہ ہو، البتہ ٹھنڈک اور جنابت کی وجہ سے حمام میں جانا جائز ہے، تیل وغیرہ لگانے سے فدیہ لازم ہوگا جیسے شافعیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لازم ہوتا ہے اگر کوئی بیماری یا عذر کی وجہ سے تیل لگایا تو بالاتفاق فدیہ نہیں۔

شافعیہ..... کی رائے حنفیہ اور مالکیہ سے ملتی جلتی ہے وہ یہ کہ خوشبو بدن یا کپڑے پر معتاد طریقہ سے لگائی گئی ہو اگر بدن کے کسی حصہ کو مشک سے معطر کیا یا کپڑے کو معتاد طریقہ سے خوشبو لگائی تو فدیہ لازم ہوگا، برابر ہے کہ ظاہری بدن میں خوشبو لگائی ہو یا باطنی بدن میں، باطنی بدن کی صورت یہ ہے کہ مثلاً خوشبو کھالی یا ناک کان وغیرہ میں ٹھونس لی، عطر فروش کی دکان پر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں یا خوشبو کی دھونی کی جگہ میں بیٹھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر کعبہ کو خوشبو کی دھونی دی جارہی ہو تو کعبہ کے پاس بیٹھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، قصداً خوشبو کو سونگھنا مکروہ ہے، اگر خوشبو کو مس کیا لیکن بدن پر اس کا اثر نہ لگا تو اس پر فدیہ نہیں، اگر گلاب کو سونگھا گویا خوشبو استعمال کرلی، اگر گلاب کا پانی سونگھا تو وہ خوشبو کے استعمال کے حکم میں نہیں، اگر شیشی میں بند خوشبو اپنے پاس رکھی یا کپڑے میں لپیٹ کر خوشبو پاس رکھی یا صندوق میں بند کرکے رکھی تو اس میں کوئی حرج نہیں اور فدیہ بھی نہیں اگرچہ خوشبو پھوٹتی ہو۔

خوشبو کا استعمال تو تب حرام ہے جب قصداً ہو اگر بھولے سے خوشبو لگالی یا خوشبو کے استعمال سے جاہل تھا یا مجبوراً لگانی پڑی تو گناہ نہیں اور فدیہ بھی نہیں، اگر کسی محرم نے خوشبو کو سوکھی ہوئی گمان کی اور اس میں سے سمجھا کہ چپکے گی نہیں لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ تو تر خوشبو ہے تب بھی فدیہ نہیں ہوگا۔

جب بدن سے خوشبو چپکے اور حرمت کی مقتضی ہو تو اس وقت گویا نافرمانی کی اور فدیہ لازم ہوگا۔ محرم کے لئے لازمی ہوگا کہ فی الفور زائل کرے۔

اگر خوشبو کسی چیز کے ساتھ مخلوط کی اور خوشبو جاتی رہی اور نہ ہی اس کا ذائقہ باقی رہا نہ رنگ باقی رہا گویا محرم نے دوائی کے طور پر ❶ استعمال کی ہو تو یہ جائز ہے اور اس میں فدیہ نہیں۔ خوشبودار چیز کا کھانا جائز ہے جیسے خوشبودار سیب اور اترج وغیرہ، اگر خوشبو کا رنگ باقی ہو اور خوشبو باقی نہ ہو اور ذائقہ بھی باقی نہ ہو تو اس کا تیل لگانا حرام نہیں۔ یہی اصح قول ہے۔

شافعیہ کے نزدیک سر کے بالوں کو تیل لگانا، داڑھی کو تیل لگانا، برابر ہے کہ خوشبو کے لئے لگایا ہو یا خوشبو کے لئے نہ لگایا ہو، جیسے زیتون کا تیل، گھی، اخروٹ کا تیل، بادام وغیرہ کا تیل یہ سب حرام ہیں، اگر محرم گنجا ہو تو وہ اپنے سر کو تیل لگا سکتا ہے، بے ریش اپنی ٹھوڑی کو تیل لگا سکتا ہے، اس قسم کا تیل پورے بدن میں سوائے سر اور داڑھی کے لگایا جاسکتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک خطمی کے ساتھ غسل کرنے اور سر دھونے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح بیری کے پتوں اور صابن کے ساتھ بھی

---

❶..... مثلاً دانت درد کے لئے خوشبو روئی کے ساتھ لگا کر دانت پر رکھی۔

دھونے میں کوئی حرج نہیں، البتہ احتیاط کی جائے کہ بال نہ اکھڑنے پائیں، نیز صابن وغیرہ کو ترک کرنا اولیٰ وافضل ہے، اسی طرح سرمہ نہ لگانا افضل ہے۔

شافعیہ کے نزدیک معتمد قول یہ ہے کہ بالوں میں کنگھی کرنا مکروہ ہے اسی طرح ناخنوں سے بالوں میں کھجلی کرنا بھی مکروہ ہے۔

حنابلہ...... کے ہاں تشدد ہے، تاہم حنابلہ کہتے ہیں: جان بوجھ کر خوشبو لگانا، سونگھنا، اور مس کرنا حرام ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل سب صورتیں حرام ہیں اور ان میں فدیہ ہے۔ محرم کا کپڑے کو خوشبو میں معطر کرنا، بدن کو معطر کرنا، کھانے میں خوشبو کا استعمال کرنا، مشروب میں خوشبو ڈالنا، تیل لگانا، سرمہ لگانا، ناک اور کان میں خوشبو ڈالنا، دبر میں خوشبو چڑھانا بایں طور کہ خوشبو کا ذائقہ باقی ہو، یا جان بوجھ کر قصداً خوشبو لگائی، یا مشک لگائی یا عنبر لگائی یا زعفران سے کپڑا یا بدن رنگا یا ورس میں رنگا، یا اگربتی کی دھونی لی، یا وہ خوشبو سونگھی جسے لوگ خوشبو کے لئے اگاتے ہوں جیسے گلاب کا پھول، گل بنفشہ، گل منثور، یاسمین وغیرہا پھول کا سونگھنا، یا مس کرنا یا ہاتھ سے گلاب وغیرہ کا تیل لگانا۔

بلا قصد خوشبو سونگھنا حرام نہیں، یا ایسی خوشبو کا مس کرنا جو بدن سے نہ چپکتی ہو جیسے مشک کی ڈلی، میوہ جات کو سونگھنا، صحرائی نباتات جیسے خزامی، قیصوم، نرگس، اذخر یا جسے آدمی اگاتا ہو اور اگانے سے خوشبو کی غرض نہ ہو جیسے مہندی، کالی مرچ وغیرہ تو ان کے سونگھنے میں کوئی حرمت نہیں، یا حاجت کی وجہ سے تیل لگایا اور خوشبو لینا مقصود نہ ہوا گر سر یا بدن میں عذر کی وجہ سے لگالی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر عطر فروش کے پاس بیٹھا اور خوشبو سونگھ لی تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، جب کسی محرم نے جان بوجھ کر یا بھولے سے خوشبو لگالی تو فی الفور اسے زائل کرنا لازمی ہے، خواہ خوشبو جامد ہو یا مائع ہو، تیل دھو دیا لیکن اس کا رنگ باقی رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ رنگ اور ذائقہ باقی نہ رہے۔

محرم سر دھو سکتا ہے، بدن دھو سکتا ہے، حمام میں داخل ہو سکتا ہے، بالوں کی کنگھی نہ کرے، چونکہ بالوں میں کنگھی کرنا گویا بالوں کو کٹائی کی طرف پیش کرنا ہے، بیری کے پتوں اور خطمی وغیرہ سے غسل کرنا مکروہ ہے، اسی طرح صابن اور اشنان وغیرہ سے بھی غسل کرنا مکروہ ہے۔

خلاصہ...... خوشبو لگانا بالاتفاق حرام ہے، حنابلہ کے نزدیک قصداً خوشبو سونگھنا حرام ہے، جبکہ بقیہ فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، امام ابو حنیفہ اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً تیل لگانا حرام ہے، حنابلہ کے نزدیک خوشبو کے لئے تیل لگانا حرام ہے اگر خوشبو حاصل کرنا مقصود نہیں تو وہ حرام نہیں۔ بالوں کو، سر کو مطلقاً تیل لگانا شافعیہ کے نزدیک حرام ہے اگر خوشبو لینا مقصود نہ ہو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صابن سے غسل کرنا جائز ہے، جبکہ صابن وغیرہ سے حنفیہ کے نزدیک غسل کرنا جائز نہیں، مالکیہ کے نزدیک ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کیا جائے نہ کہ نظافت کے لئے۔

بال صاف کرنے کا حکم...... بدن کے کسی بھی حصہ کے بال خواہ ناک کے بال ہوں ان کا مونڈنا اور اکھاڑنا اور ناخن کاٹنا بالاتفاق حرام ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ [1] ......البقرۃ ۲/۱۹۶

اپنے سروں کو نہ مونڈو یہاں تک کہ ہدی اپنے ٹھکانا پر پہنچ جائے۔

بدن کے باقی بالوں کو سر کے بالوں پر قیاس کرلیا گیا ہے۔ چونکہ باقی بال بھی سر کے بالوں کی طرح ہیں اور بدن کے باقی بال آسودگی اور ترفہ کے لئے صاف کئے جاتے ہیں جبکہ ترفہ احرام کی روح کے خلاف ہے، محرم تو ہوتا ہی پراگندہ حال ہے، بال نوچنے اور اکھاڑنے کو مونڈنے پر قیاس کرلیا گیا ہے، چونکہ دونوں کا مقصد واحد ہے، رہی یہ بات کہ آیت میں بالوں کے صاف کرنے کو حلق سے تعبیر کیا گیا ہے سو آیت میں غالب امکان کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

محرم ناخن نہ کاٹے، بغلوں کے بال نہ اکھاڑے، زیرناف بال صاف نہ کرے، مونچھیں نہ کاٹے، ان کے علاوہ بدن کے دوسرے بال بھی نہ کاٹے، بال تراشے بھی نہیں، پراگندہ حالی اور میل کچیل کو صاف نہ کرے، جوں نہ مارے، پسو نہ مارے اور نہ ہی بدن میں پڑی ہوئی جوں یا پسو نکال کر باہر پھینکے، ٹوٹا ہوا بال یا ناخن بھی نہ پھینکے بلکہ اپنے حال پر رہنے دے، اپنی سواری سے چیچڑی نکال کر باہر نہ پھینکے، بدن میں خارش نہ کرے چونکہ ہوسکتا ہے بدن میں جوں وغیرہ ہو جو گر جائے، یہ سب کچھ بغیر عذر کے ہیں اور اگر عذر ہو تو مذکورہ بالا کام کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

ممنوعات کے ارتکاب پر فدیہ اور اس کے متعلق فقہاء کی آراء

حنفیہ...... کہتے ہیں: اگر محرم نے پورا سر یا تہائی سر یا چوتھائی سر بغیر کسی عذر کے مونڈ ڈالا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ چونکہ بلا عذر سر کے بال مونڈنے میں ترفہ اور آسودگی کا پہلو ہے اگر عذر کی وجہ سے سر مونڈ دیا تو اس پر تین چیزوں میں سے ایک چیز واجب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ......البقرة ۲/۱۹۶

ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کا فدیہ دے۔

اگر چوتھائی سر سے کم مونڈا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محرم پر صدقہ واجب ہے۔

اگر مونچھیں مونڈ دیں تو اس پر صدقہ ہے، چونکہ مونچھیں داڑھی کے تابع ہیں۔ اگر کسی نے ایک بغل یا دونوں بغلوں کے بال اکھاڑے تو اس پر ایک ہی کفارہ ہوگا اور وہ دم ہے۔ اگر ایک انگلی کا ناخن کاٹا تو نصف صاع صدقہ دے، اگر بلا وجہ اور بغیر کسی عذر کے ایک ہاتھ کے (پانچوں) ناخن کاٹ دیئے تو اس پر دم واجب ہوگا۔ چونکہ ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں کامل ترفہ اور آسودگی ہے لہٰذا جنایت کامل ہوئی اس پر کفارہ بھی کامل ہوگا۔ حلق یا ناخن کاٹنا جان بوجھ کر ہو یا بھولے سے ہو، خوشی سے ہو یا مجبوراً ہو جزا واجب ہوگی یعنی کفارہ لازم ہوگا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں۔ ایک بال یا ایک ناخن سے لے کر دس بالوں اور دس ناخنوں تک کاٹے اور ان سے اذیت دور کرنا مقصود نہ ہو تو اس پر مٹھی بھر غلہ فقیر کو دینا ہوگا۔ اسی طرح ایک جوں سے لے کر دس جوں تک قتل کیں تو بھی مٹھی بھر اناج فقیر کو دینا ہوگا۔ اگر دس سے زائد بال یا ناخن کاٹے یا جوئیں قتل کیں تو فدیہ لازمی ہوگا۔

پسو اور اس جیسی ہر وہ چیز جو زمین میں رہتی ہو جیسے کیڑا، چیونٹی، مچھر، چیچڑی وغیرہ اگر نکال کر پھینک دیں اور قتل نہ کیں تو ان پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ حمام میں داخل ہونے پر کچھ نہیں اگر چہ تادیر حمام میں ٹھہرا رہے، الا یہ کہ جسم سے میل کچیل دور کرنے میں لگا رہے تو فدیہ واجب ہوگا۔

ناخنوں کے نیچے گھسی ہوئی میل کچیل کو زائل کرنے میں کوئی حرج نہیں، اشنان اور صابن وغیرہ سے ہاتھوں کی میل دھونے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ داڑھی سے اگر خود بخود بال گر جائیں یا سر کے بال خود بخود گر جائیں یا وضو اور غسل کرنے سے داڑھی یا سر کے بال گریں تو اس میں بھی کچھ نہیں۔

شافعیہ...... کے ظاہری قول کے مطابق ایک بال میں ایک مد غلہ واجب ہے، دو بالوں میں دو مد اور تین بالوں میں کامل فدیہ دینا واجب ہے۔ اسی طرح تین بالوں یا تین ناخنوں کے کاٹنے میں کامل فدیہ واجب ہے خواہ جان بوجھ کر کاٹے یا بھولے سے یا ناواقفی سے، اگر چہ کسی واسطہ سے جیسے سینگی لگوائی اور بال کاٹے یا خارش کی یا کنگھی کی اور بال الگ ہو کر جھڑ گیا، اگر بالوں کے گرنے کا علم ہو تو ایسا کرنا حرام

ہے اور فدیہ واجب ہوگا، اگر علم نہیں تو مکروہ ہے اور فدیہ نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ نے مطلقاً کنگھی کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔

جو شخص معذور ہو اور اذیت وتکلیف دور کرنے کے لئے سر کے بال مونڈے یا میل کچیل دور کرے یا گرمی کی وجہ سے سر مونڈ لے یا زخم کی وجہ سے سر مونڈا تو اس کے لئے سر مونڈ نا جائز ہے اور فدیہ دے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ......البقرة ۲/۱۹۶

چنانچہ تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ روزوں یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دے۔

صحیحین میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، میں آپ کے قریب ہو گیا، آپ نے فرمایا: کیا جوئیں تمہیں تکلیف پہنچاتی ہیں؟ میرا خیال ہے کہ ابن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں۔ (میں نے سر مونڈ لیا اور) آپ نے مجھے روزوں یا صدقہ قربانی کے فدیہ کا حکم دیا۔

اگر پپوٹوں کے داخلی حصہ میں کوئی بال اگ آئے جس سے محرم کو تکلیف ہوتی ہو تو اس کا اکھاڑ دینا جائز ہے اور اس میں فدیہ نہیں، اسی طرح اگر پلکوں کے بال لمبے ہو جائیں اور آنکھوں کے آگے آجائیں تو ان کا بھی کاٹنا جائز ہے، اس میں بھی فدیہ نہیں، اسی طرح جو ناخن ٹوٹ جائے اور اٹکنے سے تکلیف ہوتی ہو تو اس کا اکھاڑ پھینکنا جائز ہے لیکن اس میں احتیاط رہے کہ اس کے ساتھ صحیح سالم ناخن نہ ٹوٹنے پائے۔

شافعیہ کے نزدیک قابل اعتماد قول یہ ہے کہ بالوں میں کنگھی کرنا اور ناخن سے بالوں میں کھجلی کرنا مکروہ ہے، غسل کرنا، سر دھونا اور خطمی یا بیری کے پتے سے غسل وغیرہ کرنا مکروہ نہیں، چونکہ یہ زینت کے لئے نہیں، بلکہ میل کچیل دور کرنے کے لئے ہے۔ البتہ خطمی نہ استعمال کرنا اولیٰ وافضل ہے، محرم سینگی اور پچھنے لگوا سکتا ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ کوئی بال کٹنے نہ پائے، سرمہ نہ لگانا اولیٰ ہے، اگر سرمہ میں خوشبو بھی ہو تو ایسے سرمے کا لگانا حرام ہے۔ ایک آدھ بال کے گرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ خود محرم نے اکھاڑا نہ ہو۔

حنابلہ.....کا مذہب بھی شافعیہ جیسا ہے، چنانچہ تین بالوں اور ناخنوں سے کم کاٹے تو غلہ دینا واجب ہوگا، تین بال یا ناخن کاٹنے پر فدیہ واجب ہوگا، اگرچہ کنگھی یا داڑھی کا خلال کرتے بال گریں تب بھی فدیہ واجب ہے، یا بھولے سے یا مجبوراً کاٹے تب بھی فدیہ واجب ہوگا۔ بدن میں کھجلی کرنا مباح ہے، لیکن احتیاط رہے کہ کوئی بال نہ ٹوٹنے پائے۔

جوئیں نکالنے اور جوں قتل کرنے پر فدیہ واجب نہیں، چونکہ جب حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر مونڈا تو بالوں کے ساتھ ساتھ بہت ساری جوئیں بھی ختم ہوئیں، حالانکہ ان پر کچھ فدیہ واجب نہیں کیا گیا، فدیہ تو بال مونڈنے سے واجب ہوتا ہے، چونکہ جون کی کوئی قیمت نہیں، لہٰذا مچھر اور پسو کے مشابہ ہوئی، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جوں نہ تو شکار ہے اور نہ ہی کھائی جاتی ہے۔ اگر ناخن ٹوٹ جائے تو ٹوٹا ہوا ناخن کاٹ سکتا ہے اور اس میں فدیہ نہیں، ابن منذر کہتے ہیں: جن اہل علم سے ہم نے علم حاصل کیا ہے ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ جب ناخن ٹوٹ جائے اسے محرم الگ کر سکتا ہے۔'' چونکہ ٹوٹا ہوا ناخن تکلیف دہ ہوتا ہے، لہٰذا ٹوٹا ہوا ناخن آنکھ میں پیدا ہو جانے والے بال کے مشابہ ہوا۔ اسی طرح ٹوٹا ہوا ناخن اس درندے کے مشابہ ہوا جو محرم پر حملہ آور ہو جائے، اگر محرم نے ٹوٹے ہوئے ناخن سے زائد ناخن کاٹ دیا تو اس پر فدیہ واجب ہوگا۔

''اصلاح بدن کے لئے آئینہ نہ دیکھیے، چونکہ آئینہ پراگندہ حالی کو دور کرنے کے لئے دیکھا جاتا ہے جبکہ محرم کا دوسرا نام پراگندہ حال۔

ہے۔ چنانچہ حدیث ہے۔ ”محرم پراگندہ حال اور غبار آلود ہوتا ہے۔“ ایک اور حدیث میں ہے۔ ”اللہ تعالیٰ اہل عرفہ پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور کہتا ہے! اے میرے فرشتو! میرے بندوں کی طرف دیکھو میرے پاس پراگندہ حالی، غبار آلودہ اور دھوپ میں پڑے ہوئے حاضر ہیں۔ او کما قال علیہ السلام۔ البتہ آئینہ دیکھنے میں فدیہ نہیں، چونکہ یہ ایک طرح کا ادب ہے اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں ہوتا، علاج وغیرہ کے لئے آئینہ دیکھ سکتا ہے۔“

خلاصہ.....زیب وزینت کے لئے آئینہ دیکھنا مکروہ ہے اور ضرورت کے لئے جائز ہے۔

تیسری اصل.....عورتیں

یہ اصل دو چیزوں کو شامل ہے:

۱.....عقد نکاح　　　　۲.....جماع ودواعی جماع

عقد نکاح.....حالت احرام میں جمہور کے نزدیک عقد نکاح حرام ہے، البتہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حالت احرام میں عقد نکاح جائز تھا، بشرطیکہ ثابت ہوجائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا، محرم نکاح نہ کرے اور نہ غیر محرم محرم کا نکاح کرائے، یعنی وکالت اور ولایت کے ذریعہ محرم کا نکاح نہ کرایا جائے، اگر نکاح کرلیا تو نکاح ہی باطل ہوا، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”محرم نکاح نہ کرے اور نہ اس کا نکاح کرایا جائے اور نہ پیغام نکاح بھیجے۔ ❶ عقلی وجہ یہ ہے کہ احرام خوشبو وغیرہ کو حرام کردیتا ہے لہٰذا نکاح بھی حرام ہوگا، چنانچہ جب محرم نے نکاح کیا یا کسی اور نے اس کا نکاح کرایا، یا محرم (عورت) کا نکاح کرایا گیا تو نکاح باطل ہوگا۔ چونکہ احرام میں نکاح کرنا ممنوع ہے۔

محرم کا پیغام نکاح بھیجنا مکروہ ہے اسی طرح محرمہ کا پیغام نکاح بھیجنا بھی مکروہ ہے، محرم کا حلال کے لئے پیغام نکاح بھی مکروہ ہے۔ چونکہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ محرم پیغام نکاح بھی نہ بھیجے۔“ چونکہ پیغام نکاح حرام کا سبب بنے گا لہٰذا شکار کی طرف اشارہ کرنے کے مترادف ہوا۔

ممنوعات اور نکاح کے معاملہ میں احرام فاسد احرام صحیح کی مانند ہے چونکہ احرام فاسد کا حکم احرام میں واجب ہونے والے امور کے متعلق باقی رہتا ہے۔

حنفیہ.....نے عقد نکاح اور پیغام نکاح کو محرم کے لئے جائز قرار دیا ہے، حنفیہ کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا دراں حالیکہ آپ احرام میں تھے۔ ❷

جمہور کی دلیل.....جمہور کی دلیل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح حلال ہونے کی حالت میں کیا، زفاف بھی حلال ہونے کی حالت میں کیا، چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مقام سرف میں اس سائبان کے تلے وفات پائی جس کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زفاف کیا۔ ❸ جمہور کی دلیل ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا دراں حالیکہ آپ حلال تھے اور حلال ہونے کی حالت میں زفاف کیا اور ان دونوں کے درمیان قاصد کے فرائض میں نے انجام دیئے۔ ❹

---

❶.....رواہ مسلم۔ ❷ متفق علیہ۔ ❸ رواہ ابو داؤد والاثرم۔ ❹ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن۔ حنفیہ کی دلیل زیادہ مضبوط ہے وہ متفق علیہ حدیث ہے۔

چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے زیادہ جاننے والے ہیں، اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ عمر میں بڑے ہوتے تب بھی میمونہ رضی اللہ عنہا اور ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ان حدیث پر مقدم ہوتیں چہ جائیکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما عمر میں چھوٹے تھے اور امور کے حقائق سے واقفیت ممکن نہیں۔ جبکہ سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وہم ہو گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ محرم نکاح نہ کرے.....الخ۔ لہٰذا یہ قول فعل پر مقدم ہوگا۔

جماع اور دواعی جماع..... بالاتفاق دواعی جماع اور مقدمات جماع حرام ہیں، حلال عورت کا اپنے محرم شوہر کو اپنے اوپر جماع کے لئے قدرت دینا حرام ہے اسی طرح حلال مرد کا احرام باندی ہوئی بیوی کے ساتھ جماع کرنا حرام ہے چونکہ یہ معصیت میں مدد کرنا ہے جو کہ حرام ہے۔

''محرم کا شرم گاہ میں جماع کرنا حرام ہے، مقدمات جماع یعنی بوسہ لینا، شہوت سے مس کرنا، مباشرت اور مقام مخصوص سے ہٹ کر جماع کرنا سب حرام ہیں اس کی دلیل یہ آیت ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۷

حج کے چند متعین مہینے ہیں چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے اوپر حج لازم کر لے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے نہ کوئی گناہ اور نہ کوئی جھگڑا کرے

رفث سے مراد جماع اور مقدمات جماع ہیں۔

محرم کو ان امور سے اجتناب کرنا واجب ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے یعنی جماع، مقدمات جماع، فسوق یعنی گالی گلوچ لڑائی جھگڑا وغیرہ۔'' نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''جس شخص نے حج کیا دراں حالیکہ جماع نہ کیا اور فسق نہ کیا وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ ❶

اگر محرم نے وقوف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو اس نے حج فاسد کر دیا البتہ حج کے افعال میں چلتا رہے، اس پر آئندہ سال حج کی قضاء واجب ہوگی، اگر حج نفلی ہو تو بدنہ یعنی اونٹ ذبح کرنا واجب ہوگا، جیسا کہ میں بعد میں اسے بیان کروں گا۔

اگر حلال اصغر اور حلال اکبر کے درمیان جماع کر لیا یا ایک بار جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع کر لیا تو اس پر بکری واجب ہوگی۔

اگر شرم گاہ سے لپٹ کر کہیں اور جماع کیا برابر ہے کہ انزال ہو یا نہ ہو، یا شہوت سے بوسہ لیا یا شہوت سے چھو لیا یا مباشرت کر لی تو دم واجب ہوگا۔ البتہ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک حج فاسد نہیں ہوگا، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''جب محرم اپنی بیوی سے مباشرت کر بیٹھے تو اس پر دم واجب ہوگا۔'' اس میں برابر ہے کہ جماع یا مقدمات جماع جان بوجھ کر ہوں یا بھولے سے ہوں، ہاں البتہ اگر محرم نے اپنی بیوی کی طرف شہوت سے دیکھا اور پھر منی خارج ہوئی تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، یہ شہوت کے ساتھ لمس کرنے کے بخلاف ہے چونکہ اس میں دم واجب ہوتا ہے خواہ منی خارج ہو یا نہ خارج ہو، شہوت سے شرم گاہ کی طرف دیکھنے سے منی خارج ہو دم واجب نہیں ہوتا جبکہ شہوت کے ساتھ لمس کیا تو دم واجب ہوتا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ لمس نام ہے عورت سے فائدہ اٹھانے کا اور شہوت پوری کرنے کا، رہی بات نظر کرنے کی اور دیکھنے کی سو اس سے نہ کوئی فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور نہ شہوت پوری کی جاتی ہے، بلکہ نکتہ دل میں شہوت پیدا کرنے کا ایک سبب ہے۔ محرم کو دل میں شہوت پیدا کرنے سے نہیں روکا گیا جیسے کھانے پینے سے نہیں روکا گیا۔

---

❶..... متفق علیہ۔

شافعیہ.....شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر محرم نے شرم گاہ سے ہٹ کر بھولے سے مباشرت کرلی تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ برابر ہے کہ انزال ہو یا نہ ہو، مشقت زنی سے فدیہ واجب ہوتا ہے، اگر کسی عورت پر بار بار نظر کرنے کی وجہ سے انزال ہوگیا اور انزال کے لئے مباشرت نہیں ہوئی اور نہ مشت زنی کا فعل ہوا تو محرم پر فدیہ نہیں۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

حنابلہ.....اسی جیسا حنابلہ کا قول ہے کہ اگر محرم نے عورت کے محاسن سوچے یا عورت کی طرف دیکھا اور انزال ہوگیا تو محرم پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں اپنی ازواج کی طرف دیکھتے تھے، اگر عورتوں کی طرف بار بار نظر ڈالی حتیٰ کہ مذی خارج ہوئی یا منی خارج ہوئی تو حنابلہ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: انزال منی مطلقاً مفسد حج ہے یہاں تک کہ منی دیکھنے سے خارج ہوئی یا عورت کے محاسن سوچنے سے صرف دیکھنے اور سوچنے سے حج فاسد نہیں ہوتا، ان دوصورتوں کے علاوہ اگر کسی اور طرح سے انزال ہوا تو یہ گزشتہ صورت کے بخلاف ہے، اس میں دوام شرط نہیں، دم واجب ہونے کے اس نکتہ میں حنابلہ اور مالکیہ آپس میں اکھٹے ہوگئے ہیں۔ البتہ محض نظر کرنے اور محض سوچنے میں دونوں مذاہب کا اختلاف ہے چنانچہ مالکیہ کے نزدیک محض نظر کرنے اور سوچنے میں دم واجب ہوگا جبکہ حنابلہ کے نزدیک دم واجب نہیں ہوگا۔

کیا محرم تجارت کرسکتا ہے؟.....'' بالاتفاق محرم تجارت کرسکتا ہے اور کاریگری کے ذریعہ پیشہ بجالاسکتا ہے، نیز محرم اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے جب تک وہ اس کی عدت میں ہو، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۸

تمہارے اوپر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

یعنی ایام حج میں تجارت کرسکتے ہو، بیوی کو رجوع کرسکتے ہو اور بیوی کو رجوع کرنا امساک کے ذیل میں ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۱

عورتوں کو قاعدہ کے مطابق اپنے پاس روک لو۔

لہٰذا عورت سے رجوع کرنا مباح قرار دیا گیا ہے جیسے طلاق سے پہلے امساک مباح ہے۔

وہ امور جو حج کو فاسد کردیتے ہیں اور فاسد حج کا حکم.....اس عنوان کے ذیل میں حسب ذیل تفصیل ہے۔

اول.....حج فاسد ہونے کی شرائط

حنفیہ کے نزدیک حج فاسد ہونے کی دو شرائط ہیں۔

اول.....یہ کہ جماع شرم گاہ میں ہو، یہ شرط متفق علیہ ہے۔ اگر شرم گاہ سے ہٹ کر جماع کرلیا یا شہوت سے عورت کو چھولیا، یا معانقہ کرلیا، یا مباشرت کی تو حج فاسد نہیں ہوگا، البتہ حنفیہ کے نزدیک مقدمات جماع سے فدیہ واجب ہوتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: اگر انزال ہوا خواہ جماع سے ہو یا بغیر جماع کے تو بھی حج فاسد ہوگا البتہ احتلام سے حج فاسد نہیں ہوگا بلکہ دم واجب ہوگا۔

شافعیہ..... کہتے ہیں: مشت زنی اور شرم گاہ سے ہٹ کر جماع کرنا حرام ہے، البتہ اس سے حج فاسد نہیں ہوگا اور دم واجب ہوگا، شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ جماع سے حج تب فاسد ہوگا جب محرم کو یہ علم ہو کہ حالت احرام میں جماع کرنا حرام ہے، اگر محرم نے بھول کر

جماع کرلیا یا جماع کی تحریم سے جاہل تھا یا عورت سے زبردستی جماع کیا گیا تو ان صورتوں میں حج فاسد نہیں ہوگا، اور اصح قول کے مطابق فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا، گویا صرف ایک جماع باقی رہا جو حج کو فاسد کردیتا ہے، اس میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں، یہاں تک کہ اگر عورت نے سوئے ہوئے شخص کا آلہ تناسل اپنی شرم گاہ میں داخل کیا تو عورت کا حج اور عمرہ فاسد ہوجائے گا۔

حنابلہ.....حنابلہ کا مذہب ہے کہ جس شخص نے شرم گاہ سے ہٹ کر جماع کرلیا اور اسے انزال نہ ہوا تو اس پر دم واجب ہوگا، اور اگر انزال ہوا تو بدنہ (اونٹ) واجب ہوگا۔ البتہ حج فاسد نہیں ہوگا، حنابلہ کا قول ہے کہ محرم نے اگر شرم گاہ میں جماع کیا اور عورت پر زبردستی کی تو مرد پر بدنہ واجب ہوگا، اگر عورت نے خوشی سے جماع کروالیا تو مرد عورت دونوں پر الگ الگ بدنہ واجب ہوگا، اور جب جماع میں تکرار ہوا یعنی پہلی بار جماع کیا اس کا کفارہ دیدیا پھر دوسری بار جماع کیا تو ازسرنو کفارہ دینا واجب ہوگا۔ اگر پہلے جماع کا کفارہ نہ دیا تو اب صرف ایک کفارہ دے۔

خلاصہ.....جمہور کے نزدیک صرف ایک جماع سے حج فاسد ہوتا ہے، مالکیہ کے نزدیک انزال سے بھی حج فاسد ہوجاتا ہے۔

دوم.....حنفیہ

یہ کہ حنفیہ کے نزدیک جماع وقوف عرفہ سے پہلے ہو سو جس شخص نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا اس کا حج فاسد نہیں ہوگا البتہ اس پر بدنہ واجب ہوگا، چونکہ حج کا رکن اصلی وقوف عرفہ ہے، اس کی دلیل حدیث ہے۔ کہ ''وقوف عرفہ ہی حج ہے۔'' اگر وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرلیا تو حج بھی فاسد ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ بکری ذبح کرنی واجب ہوگی، چونکہ روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ ایسے شخص پر ہدی واجب ہے۔

جمہور..... کہتے ہیں: اگر حلال اصغر (حلال اول) سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد ہوگا (حلال اول وقوف عرفہ کے بعد ہوتا ہے) اگرچہ وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا ہو۔ چونکہ جماع احرام صحیح کے دوران ہوا جو حلال اصغر سے تمام نہیں ہوا لہٰذا وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے کے مشابہ ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر بدنہ ذبح کرنا واجب ہوگا، چونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی کا فیصلہ کیا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک قضاء کے زمانہ میں ہدی دینا واجب ہے، افضل اونٹ ہے پھر گائے پھر دنبا اور پھر بکری۔

عمرہ.....حنفیہ کے نزدیک طواف کے چار چکر لگانے سے پہلے جماع کرلیا تو فاسد ہوجائے گا، اس پر قضاء واجب ہوگی اور بکری بھی ذبح کرنی ہوگی، اگر طواف کے چار چکر لگانے کے بعد جماع کیا تو عمرہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی قضاء لازم ہوگی البتہ بکری ذبح کرنا لازمی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سعی مکمل کرنے سے پہلے جماع کیا اور حلق سے پہلے کیا تو عمرہ فاسد ہوجائے گا، مالکیہ کے نزدیک عمرہ فاسد کرنے کی وجہ سے ہدی واجب ہوگی جبکہ حنابلہ کے نزدیک بکری واجب ہوگی، زبردستی جس عورت سے جماع کیا گیا اس پر فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ سعی مکمل کرنے کے بعد اور حلق سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد نہیں ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک اگر حلال ہونے سے پہلے جماع کیا یا عمرہ کے افعال سے فارغ ہونے سے پہلے جماع کرلیا تو عمرہ فاسد ہوجائے گا، اس پر حج کی طرح بدنہ ذبح کرنا واجب ہوگا چونکہ جب جنایت سخت ہے تو اس پر تاوان بھی سخت قسم کا لاگو ہوگا۔

دوم.....حج فاسد کا حکم

جب جماع کی وجہ سے حج فاسد ہوگیا تو اس کے افعال میں برابر چلتے رہنا واجب ہے، آئندہ سال علی الفور قضاء واجب ہوگی، اگرچہ حج

نفلی ہی کیوں نہ ہو، چونکہ نفلی حج شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے، لہٰذا فرض ہوا، یہ باقی عبادات کے بخلاف ہے۔

یہ حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک ہے، فاسد حج کی قضاء علی الفور کرنی ہوگی چونکہ اگرچہ حج کے وقت میں وسعت ہے لیکن شروع کرنے سے وقت تنگ ہو جاتا ہے نیز صحابہ کرام کا قول قضاء علی الفور کا ہے یعنی آئندہ سال قضاء ضروری ہے۔

قضاء میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں چونکہ فاسد کا معنی دونوں میں پایا جاتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج فاسد کرنے والے شخص پر بدنہ ذبح کرنا واجب ہے، برابر ہے کہ حج وقوف سے پہلے فاسد ہو یا وقوف کے بعد، چونکہ صحابہ نے یہی فیصلہ کیا ہے، اور وقوف سے قبل اور بعد میں کوئی فرق نہیں کیا، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ احرام تام میں جماع کا حصول ہوا ہے لہٰذا بدنہ واجب ہوگا۔

اگر بچے نے اپنا حج فاسد کر دیا یعنی جماع کر کے حج فاسد کر دیا تو اس پر بھی قضاء واجب ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک اس شخص پر جو حج فاسد کر دے قضاء کے وقت ھدی کا ذبح کرنا واجب ہے، ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے فرمایا: آئندہ سال تم بھی اور تمہاری بیوی بھی حج کرے اور دونوں ہدی بھی لاؤ۔

حنفیہ کے نزدیک اگر وقوف عرفہ سے پہلے محرم نے جماع کر لیا اور حج فاسد ہو گیا تو بکری ذبح کرنا واجب ہوئی، اگر وقوف عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے جماع کر لیا تو بدنہ واجب ہوگا اور حج صحیح ہوگا،، چونکہ وقوف عرفہ سے پہلے ایسی علت پائی جاتی ہے جو قضاء کو واجب کرتی ہے لہٰذا قضاء کے واجب ہوتے ہوئے بدنہ واجب نہیں ہوگا۔ ❶ یہ ایسا ہی ہے جیسے وقوف عرفہ کا فوت ہو جانا، دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو موقعوں پر بدنہ واجب قرار دیا ہے:

۱..... جب حاجی نے حالت جنابت میں طواف زیارت کر دیا پھر اپنے گھر واپس لوٹ آیا اور طواف کا اعادہ نہ کیا۔

۲..... جب محرم نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کر لیا، اگر محرم حج قران کر رہا ہو اور وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر بیٹھا تو اس کا حج اور عمرہ دونوں فاسد ہو جائیں گے، اس پر دو دم واجب ہوں گے، البتہ افعال حج میں برابر چلتا رہے، آئندہ سال حج وعمرہ دونوں کی قضاء واجب ہوگی، البتہ دم قران ساقط ہو جائے گا، شافعیہ نے بدنہ کے ساتھ ساتھ دم قران کو بھی واجب قرار دیا ہے۔

چوتھی اصل: شکار کرنا..... محرم کے لئے خشکی کا (یعنی بری) شکار قتل کرنا، شکار کرنا یا اس پر دلالت کرنا جائز نہیں البتہ وہ جانور جو موذی ہو اور اذیت پہنچانے میں ابتدا کرے جیسے شیر، بھیڑیا، سانپ، چوہا، بچھو، باؤلا کتا اور عام کتا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی انہیں قتل کرنا جائز ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ہر وہ وحشی درندہ جس سے خوف کیا جاتا ہو اسے قتل کرنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معروف کتا بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔

''محرم بحری (یعنی پانی) کے شکار کو مطلقاً قتل کرسکتا ہے، پالتو جانوروں مثلاً اونٹ گائے، بکری کو ذبح کرسکتا ہے، مرغی کو ذبح کرسکتا ہے۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ ......المائدہ ۵/۹۶

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تو ہر خشکی کا شکار حرام کر دیا جاتا ہے۔'' دوسری دلیل یہ آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ ......المائدہ ۵/۹۵)

---

❶ چونکہ محرم کا حج بھی فاسد ہوا، بدنہ بھی دے اور آئندہ سال قضاء بھی کرے، محرم سخت دشواری میں پڑ جائے۔

''اے ایمان والو جب تم حالت احرام میں ہو تو کسی قسم کا شکار قتل نہ کرو۔''

شکار کی طرف اشارہ کرنا اور دلالت کرنا اور اس میں سے کھانا حرام ہے اس کی دلیل ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے نیل گائے شکار کی جبکہ ان کے ساتھی حالت احرام میں تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا اس شکار کی طرف کسی نے اشارہ کیا ہے یا کسی چیز کا حکم دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی نہیں، فرمایا: کھالو۔ ❶ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے کہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ جب کسی جانور کو کوئی حلال شکار کرے تو محرم کے لئے وہ شکار کھانا مطلقاً حلال ہے۔

جمہور کہتے ہیں: خشکی کا شکار جب محرم کے لئے قتل کیا گیا ہو تو محرم پر اس کا کھانا حرام ہے، ان کی دلیل صعب بن جثامہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نیل گائے بطور ہدیہ دی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابواء یا ودان میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیل گائے انہیں واپس کردی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو فرمایا: ہم تمہیں یہ واپس نہ کرتے صرف اس لئے واپس کررہے ہیں کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔ ❷

یہ رائے زیادہ راجح ہے چونکہ اس حدیث میں محرم ہونے کی علت پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ جیسا کہ علامہ شوکانی نے بیان کیا ہے۔ نیز ایک اور حدیث میں فرمایا: خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جب تک تم نے خود اسے شکار نہ کیا ہو اور نہ ہی تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو۔

ممنوع شکار کے متعلق مذاہب کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: محرم کے لئے جائز نہیں کہ وہ شکار سے کسی قسم کا تعرض کرے خواہ شکار ماکول ہو یا غیر ماکول ہو، البتہ موذی جانور سے تعرض کرنا جائز ہے۔

ممنوع شکار...... ہر وہ جانور جو اپنی اصل سرشت کے اعتبار سے وحشی (بدکنے والا) ہو خواہ مباح ہو (یعنی کسی کی ملکیت میں نہ ہو) یا کسی کی ملکیت میں ہو۔ محرم اونٹ، گائے بکری وغیرھا پالتو جانور ذبح کرسکتا ہے، چونکہ یہ جانور شکار کے حکم میں نہیں، چونکہ ان جانوروں سے منع نہیں کیا گیا، شکار تو وہ ممنوع ہے جو اپنی فطرت کے اعتبار سے وحشی ہو۔ گھریلو مرغی اور بطخ حرام نہیں، کتا اور بلی جو کہ پالتو ہوں وہ شکار نہیں۔ چونکہ یہ فطرۃً پالتو جانور ہیں، سمندری شکار حلال ومحرم دونوں کے لئے حلال ہے، اس کی دلیل سابقہ آیت ہے، بحری سے مراد وہ جانور ہے جو سمندر میں پیدا ہوا ہو، برابر ہے کہ وہ صرف پانی میں رہتا ہو یا پانی اور خشکی دونوں میں رہتا ہو، بری شکار سے مراد وہ جانور ہے جس کی پیدائش خشکی میں ہوئی ہو پھر خواہ صرف خشکی میں رہے یا خشکی اور پانی دونوں میں رہتا ہو تو یا اس نوعیت میں توالد وتناسل کا اعتبار ہے۔

پسو، مچھر، چونٹی، مکھی، چیچڑی، بھڑ وغیرہ موذی جانور قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں، برابر ہے کہ یہ چیزیں خشکی میں رہتی ہوں یا خشکی اور پانی دونوں میں، چونکہ ان چیزوں میں توحش کی علت نہیں اور ان کے قتل سے منع بھی نہیں کیا گیا، چونکہ یہ چیزیں موذی ہیں اور اذیت میں ابتدا کرتی ہیں، لہٰذا ان موذی چیزوں کے ساتھ ملادی گئی ہیں جن پر نص وارد ہوئی ہے جیسے سانپ اور بچھو چنانچہ حدیث میں ہے: پانچ فاسق جانوروں کو حل وحرم میں قتل کردیا جائے، وہ یہ ہیں: سانپ، بچھو، چوہا، باؤلا کتا اور کوا۔ ❸

جوں کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے نہیں کہ جوں میں شکار ہونے کی علت پائی جاتی ہے بلکہ اس لئے کہ جوں کو قتل کرنے میں پراگندہ حال کو زائل کرنا ہے، نیز جوں بدن سے پیدا ہوئی ہے جیسے بال، محرم، کو پراگندہ حال دور کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگر جوں کو قتل کردیا تو کوئی چیز

---

❶ ......رواہ مسلم والبخاری بلفظ آخر عن ابی قتادۃ (نیل الاوطار ۵/ ۲۱) ❷ متفق علیہ بین احمد والشیخین. ❸ رواہ مسلم والنسائی وابن ماجہ عن عائشۃ ولہ الفاظ عند ابی داؤد واحمد.

صدقہ کرے، جیسے ایک بال زائل کر دیا۔ تو کچھ صدقہ کرے، ٹڈی کو بھی قتل نہ کیا جائے چونکہ ٹڈی خشکی کا شکار ہے۔
زمینی حشرات کو قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں جیسے چوہا، سانپ، بچھو، گبریلا، سیاہ رنگ کے کیڑے، صرصر وغیرہ، چونکہ یہ چیزیں شکار نہیں، بلکہ زمینی حشرات ہیں اسی طرح سہی اور نیولا کو مارنے میں بھی کوئی گناہ نہیں چونکہ یہ بھی حشرات الارض میں سے ہیں۔
محرم ان جانوروں کو بھی مار سکتا ہے جو غالباً حملہ آور ہونے میں ابتداً نہیں کرتے جیسے گو، جنگلی چوہا بندر، ہاتھی، خنزیر، محرم نے اگر ان چیزوں کو قتل کر دیا تو ائمہ حنفیہ کے نزدیک اس پر کچھ جزا نہیں ہوگی البتہ امام زفر کے نزدیک اس پر جزا ہے۔
اگر محرم نے شکار ذبح کیا تو اس کا ذبح شدہ شکار حرام ہے اسے نہ محرم کھا سکتا اور نہ ہی حلال، اگر جانور حلال شخص نے شکار کیا ہو اور حلال نے ذبح کیا ہو تو محرم کھا سکتا ہے، بشرطیکہ جب محرم نے شکار پر دلالت نہ کی ہو اور نہ شکار کا حکم دیا ہو برابر ہے کہ حلال شخص نے اپنے لئے اسے شکار کیا ہو یا محرم کے لیے۔ یعنی شکار میں محرم کے کسی قسم کے عمل کو دخل نہ ہو۔ ❶

مالکیہ...... کہتے ہیں: محرم خشکی کا شکار قتل نہیں کر سکتا جس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، جیسے حنفیہ کا قول ہے۔ برابر ہے کہ شکار زمین پر چلنے والا ہو یا فضا میں اڑنے والا ہو، محرم نہ ہی اس پر دلالت کرے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کرے، اگر شکار کا حکم دیا یا اس پر دلالت کی تو گویا برا کیا لیکن اس پر کفارہ نہیں۔
اس شکار کا گوشت نہ کھائے جو اس کے لئے قتل کیا گیا یا اس کی وجہ سے قتل کیا گیا، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، اگر حل میں حلال کے لئے شکار کیا گیا تو محرم کے لئے کھانا حلال ہے۔
ہر وہ شکار جسے محرم نے ذبح کیا بھولے سے یا جان بوجھ کر قتل کیا یا خطأً قتل کیا۔ وہ مردار ہے اس کا کھانا حلال و محرم کسی کے لئے حلال نہیں جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔
پالتو مویشی جیسے چوپائے اور پرندے جو ہوا میں نہیں اڑتے جیسے مرغی ذبح کر سکتا ہے، محرم سمندری شکار کر سکتا ہے، یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔
محرم موذی جانور کو قتل کر سکتا ہے جیسے شیر وغیرہ یہ بھی متفق علیہ ہے، محرم، بچھو، خنزیر اور بندر کو قتل نہ کرے ہاں البتہ اگر ان جانوروں کے حملہ آور ہونے کا خدشہ ہو تو قتل کر سکتا ہے۔
وہ چیزیں جن کے ضرر کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا ان کا قتل کرنا حرام ہے جیسے مچھر وغیرہ۔ ❷

شافعیہ...... کہتے ہیں: احرام باندھنے سے ہر اس جانور کا شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے جو ماکول ہو، بری ہو، وحشی ہو خواہ مباح ہو یا کسی کی ملکیت میں ہو، اس شکار کا بھی یہی حکم ہے جو پالتو اور وحشی کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو جیسے وہ جانور جو حمار وحشی اور پالتو گدھے کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو۔ یا بکری اور ہرن سے پیدا ہوا ہو، ایسے مخلوط جانور کو قتل کرنے میں احتیاطاً جزاء واجب ہے۔
ٹڈی کو قتل کرنا حرام ہے، مچھلی کا شکار کرنا حرام نہیں، اسی طرح بحری شکار کو قتل کرنا بھی حرام نہیں، بحری شکار سے مراد وہ جانور ہے جو صرف پانی میں زندہ رہتا ہو، رہا وہ جانور جو خشکی اور تری دونوں میں رہتا ہو اسے قتل کرنا حرام ہے، پانی کے ان پرندوں کو قتل کرنا حرام ہے جو پانی میں غوطہ لگائیں اور پھر باہر نکل آئیں، جو جانور ماکول نہیں انہیں قتل کرنا حرام نہیں جیسے حنابلہ کا مذہب ہے اور اس میں مالکیہ اور حنفیہ کا اختلاف ہے۔
اگر محرم نے شکار کا جانور ذبح کر دیا تو وہ مردار ہوگا، ہر ایک پر اس کا کھانا حرام ہوگا۔ جو شکار خود محرم نے ذبح کیا ہو اس کا کھانا حرام ہے، یا

❶ ...... دیکھئے البدائع ۱۹۵/۲ ـ ۲۰۶، الکتاب ۲۰۶/۱، فتح القدیر ۲۵۵/۲ ـ ❷ القوانین الفقہیۃ ص ۱۳۷ الشرح الصغیر ۹۹/۲

محرم کے کہنے پر کسی دوسرے نے ذبح کیا ہو یا اس پر محرم نے مدد کی ہو یا محرم اس کا واسطہ اور سبب بنا ہو، اگر اس میں سے کھالیا تو نافرمانی کی، اور کھانے کی وجہ سے جزاء نہیں ہوگی، اگر حلال شخص نے محرم کے لئے شکار کیا تو محرم کے لئے کھانا جائز ہے، اور اس پر جزاء نہیں جیسا کہ مالکیہ کا قول ہے۔ ❶

حنابلہ...... کہتے ہیں: محرم پر خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے اس پر مدد کرنا یا دلالت کرنا بھی حرام ہے جبکہ وہ جانور وحشی ہو اور کھایا جاتا ہو یا وحشی اور پالتو کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو، غیر ماکول شکار مباح ہے جیسے شافعیہ کا قول ہے۔

محرم پر شکار کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح جو شکار محرم کے لئے ذبح کیا گیا یا اس کی وجہ سے پکڑا گیا اس سے بھی نہ کھائے، حلال شخص نے جو شکار کیا ہو یا محرم کے لئے ذبح کیا ہو تو محرم وہ بھی نہ کھائے جیسے شافعیہ کا قول ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جب تک تم نے اسے شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو ❷ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمار وحشی کا گوشت اس لئے کھانے سے انکار کر دیا چونکہ آپ کو اس کا علم تھا یا آپ کا گمان تھا کہ شکار آپ کے لئے کیا گیا ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے اسے اس جانور پر محمول کیا جائے گا جسے حلال شخص نے شکار کیا ہو اور محرم کی وجہ سے شکار نہ کیا ہو، جوں کو قتل کرنا حرام ہے، چونکہ جوں قتل کرنے میں ترفہ ہے جیسے بالوں کے ازالہ میں ترفہ ہے، جوں کو نکال کر پھینک دینا بھی حرام ہے، اس میں جزاء نہیں چونکہ جوں شکار نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی قیمت ہے، ٹڈی کو قتل کرنا حرام ہے اور اس کی قیمت کا ضمان واجب ہے۔

جو شکار دلالت کرنے یا مدد کرنے سے محرم کے لئے حرام ہو وہ حلال کے لئے حرام نہیں ہوتا، چونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ ''کہ شکار حلال شخص کو کھلا دو۔'' نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیل گائے کھانے سے منع نہیں فرمایا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے، کہ وہ حلال شخص کا کیا ہوا شکار ہے لہٰذا حلال کے لئے اس کا کھانا حلال ہے اور مباح ہے۔

کیا کوئی اور محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے؟...... یعنی ایک محرم کے لئے شکار قتل کیا گیا لامحالہ اس کے لئے کھانا حرام ہے آیا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا محرم بھی کھا سکتا ہے یا کہ نہیں۔ اس میں دو احتمال ہیں۔

اول...... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دوسرے محرم کے لئے مباح ہے چونکہ ظاہر حدیث ہے۔ ''خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جب تک تم نے اسے شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔'' ایک اور روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شکار ہدیہ میں پیش کیا گیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ احرام میں تھے آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کھاؤ حالانکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود نہ کھایا، اور عذر ظاہر کیا کہ یہ جانور میری وجہ سے شکار کیا گیا ہے۔'' دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شکار دوسرے محرم کی وجہ سے نہیں قتل کیا گیا لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے حلال شخص نے اپنے لئے شکار کیا ہو۔

دوم...... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دوسرے محرم پر بھی حرام ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''یہ شکار کسی حلال شخص کو کھلا دو چونکہ ہم حالت احرام میں ہیں۔'' اس احتمال کو میں راجح سمجھتا ہوں۔

جب محرم کسی شکار کو ذبح کر دے وہ مردار ہو جاتا ہے اور سبھی لوگوں پر اس کا کھانا حرام ہے یہ متفق علیہ ہے، چونکہ شکار کا ذبح کرنا محرم پر اللہ تعالیٰ کے حق کی خاطر حرام ہے۔ لہٰذا اس کا ذبح کرنا حلال نہیں جیسے مجوسی کا ذبح کیا ہوا جانور مردار ہوتا ہے۔

خلاصہ...... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ماکول شکار اور غیر ماکول حرام ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صرف ماکول شکار حرام ہے۔

---

❶...... دیکھئے مغنی المحتاج ۱/۵۲۴ المهذب ۱/۲۱۰ الایضاح ص ۲۸۔ ❷ رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی۔

یا وہ شکار جو مخلوط ہو۔

اگر محرم بھوک کی وجہ سے بے چین ہو جائے اور کھانے کو کچھ بھی نہ مل پائے سوائے شکار کے یا مردار کے تو حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک مردار کھالے شکار کا گوشت نہ کھائے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مردار چھوڑ دے اور شکار کا گوشت کھالے۔

حنابلہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ فواسق کو قتل کرنا مباح ہے فواسق سے مراد سانپ، کوا وغیرہ ہیں۔ ہر اس چیز کو قتل کرنا مباح ہے جس کی فطرت میں اذیت پہنچانا ہے اگرچہ بالفعل اذیت نہ پائی جائے جیسے شہر چیتا، بھیڑیا، تیندوا اور ان کے معنی میں جو دوسرے درندے ہیں، موذی حشرات جیسے بھیڑ، پسو، مچھر، کھٹمل وغیرہ، آبی شکار مباح ہے۔

احرام کے مباحات..... سابقہ تفصیلات سے ضمناً معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ امور محرم کے لئے مباح ہیں اب ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱..... محرم سر دھو سکتا ہے، اور سر دھونے میں ایسی چیز استعمال کر سکتا ہے جو میل کچیل کو دور کرتی ہو جیسے بیری کے پتے، خطمی (صابون) وغیرہ، البتہ احتیاط رہے کہ بال وغیرہ نہ اکھڑنے پائیں۔

البتہ اولیٰ و افضل یہ ہے کہ خطمی وغیرہ نہ استعمال کرے چونکہ خطمی وغیرہ کا استعمال ایک درجہ سے ترفہ اور زینت میں شمار ہوتا ہے، جبکہ حاجی تو پراگندہ حال ہوتا ہے، محرم بالا جماع جنابت سے غسل کر سکتا ہے، جب جنابت کا غسل کر رہا ہو تو بہتر یہ ہے کہ انگلیوں کے باطنی حصہ سے آرام آرام سے سر کو ملے تاکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، ناخنوں سے بالوں کو نہ کھجلے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک خطمی وغیرہ سے سر دھونا مکروہ سمجھتے ہیں، چونکہ اس میں پراگندہ حالی کو دور کرنے کا پہلو ہے، حمام وغیرہ میں غسل کرنا جائز ہے۔

۲..... محرم سرمہ لگا سکتا ہے، البتہ ایسا سرمہ نہ لگائے جس میں خوشبو ہو اثمد سرمہ لگانا مکروہ ہے البتہ ضرورت کے لئے لگا سکتا ہے۔

۳..... ختنہ کرنے میں، پچھنے لگانے میں اور سینگی لگانے میں کوئی گناہ نہیں، البتہ احتیاط رہے کہ کوئی بال نہ ٹوٹنے پائے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں سینگی لگوائی ہے، [1] دکھتے دانت کو اکھاڑنا جائز ہے، ٹوٹے ہوئے عضو کو باندھنا جائز ہے، سر اور بدن میں نرمی سے کھجلی کرنا جائز ہے، بایں طور کہ بال کوئی نہ ٹوٹنے پائے یا جوں نہ گرنے پائے، مستحب یہ ہے کہ کھجلی سے احتیاط برتے۔ اگر کھجلی سے ایک بال یا زیادہ بال گرے تو صدقہ کرنا لازمی ہوگا، اگر ایک بال گرا اور محرم کو شک ہوا کہ آیا خود بخود گرا یا اس کے فعل سے گرا تو شافعیہ کے نزدیک صحیح قول میں فدیہ نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک محرم اپنے بدن اور اپنے کپڑے سے جوں نکال کر باہر پھینک سکتا ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں، جوں کو قتل بھی کر سکتا ہے اور اس پر کچھ فدیہ یا صدقہ نہیں، بلکہ محرم کے لئے قتل کرنا مستحب ہے، جیسے غیر محرم کے لئے جوں کو قتل کرنا مستحب ہے۔ شافعیہ کے نزدیک یہی راجح ہے جبکہ دیگر فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، محرم کا سر اور داڑھی سے جوئیں نکالنا مکروہ ہے، اگر سر یا داڑھی سے جوں نکال کر مار دی تو جو چاہے صدقہ کرے، اگرچہ ایک لقمہ ہی کیوں نہ ہو، یہ صدقہ مستحب ہے، حنابلہ کے نزدیک محرم سر اور داڑھی سے جوئیں نہ نکالے اور نہ ہی جوں کو قتل کرے، اگر اس کی خلاف ورزی کی جوئیں تلاش کیں یا ایک جوں قتل کر دی یا نکال باہر پھینکی یا زہر وغیرہ ڈال کر قتل کی تو اس پر فدیہ نہیں حنفیہ کہتے ہیں مٹھی بھر صدقہ کر دے۔

۴..... محرم اشعار پڑھ سکتا ہے، البتہ ایسے اشعار نہ پڑھے جن میں کوئی گناہ کی بات ہو۔

۵..... محرم مرد اور عورت آئینہ دیکھ سکتے ہیں، جبکہ حنابلہ اور مالکیہ آئینہ دیکھنا مکروہ سمجھتے ہیں۔

۶..... فواسق کو قتل کرنا مباح ہے جیسے چیل، چوہا وغیرہ اس کی دلیل حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ درندوں کو قتل کرنا بھی جائز ہے،

[1] متفق علیہ عن ابن عباس۔

موذی حشرات بھی قتل کرسکتا ہے جیسے مچھر، کھٹمل، پسو، مکھی وغیرہ یہ جمہور کی رائے ہے مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

۷.....سمندری شکار جائز ہے پالتو جانوروں اور مرغی، بطخ جیسے پرندوں کو ذبح کرنا بھی جائز ہے۔

۸.....محرم کے لئے سایہ لینا مباح ہے بیت اللہ، کجاوہ اور سائباں کے سائے میں بیٹھ سکتا ہے، جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک کجاوے سے سایہ لینا مکروہ ہے، اگر کجاوے کا سایہ لیا تو اس پر دم واجب ہوگا البتہ محرم چھت، دیوار، درخت اور خیمہ کے سائے میں بیٹھ سکتا ہے۔

۹.....محرم اپنی کمر کے ساتھ نقدی مال کی پوٹلی (بٹوا) وغیرہ باندھ سکتا ہے، اگرچہ مال کسی دوسرے کا ہو، تہبند کو گرہ لگانا ستر عورت کے لئے جائز ہے۔

۱۰.....اسلحہ ساتھ اٹھانا جائز ہے، بوقت ضرورت دشمن کے ساتھ قتال بھی جائز ہے، انگوٹھی گھڑی وغیرہ پہننا جائز ہے۔

۱۱.....کلام (باتیں کرنا) محرم کے لئے مباح ہے، البتہ قلت کلام مستحب ہے تاکہ فضول گوئی اور جھوٹ سے گریزاں رہے، چونکہ جس شخص کا کلام کثیر ہوتا ہے اس کی غلطیاں بھی کثیر ہوتی ہیں۔ محرم کے لئے مستحب ہے کہ تلبیہ، ذکر دعا وغیرہ میں مشغول رہے۔ تلاوت قران میں لگا رہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے، جاہل کو تعلیم دے۔ یا پھر ضرورت کی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔

اگر ایسا کلام کیا جس میں کوئی گناہ نہ ہو یا اشعار پڑھے تو اس میں کوئی گناہ نہیں البتہ کثرت سے اجتناب کرے۔

گیارہویں بحث......جنایات کی جزا

محرم کو طرح طرح کے عوارض پیش آسکتے ہیں۔ اور وہ جنایات، احصار اور کسی فعل کے فوت ہونے کی شکل میں ہوسکتے ہیں۔ رہی بات جنایات کی سووہ "جنایۃ" کی جمع ہے لغت میں جنایت کسی بری بات کے کرگزرنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ اصطلاح شرع میں ایسے فعل کا ارتکاب جو احرام یا حرم کی وجہ سے حرام ہو۔

جنایات کی دو اقسام:

۱: **احرام پر ہونے والی جنایت**.....یعنی حج وعمرہ کے اعمال کی مخالفت کا ارتکاب کرنا، یا پیچھے جو ممنوعات احرام گزرے ہیں ان میں سے کسی کا ارتکاب کرنا، اور واجبات حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنا، اگرچہ بھولے سے پایا ناواقفی سے یا اکراہ سے یا چوکنے سے یا بیہوشی کی حالت میں ارتکاب ہو، البتہ حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ جانی (جنابت کرنے والا) محرم ہو اور بالغ ہو، چنانچہ اگر بچے سے کوئی جنایت (زیادتی، خلاف ورزی) سرزد ہوئی تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر کچھ تاوان نہیں۔ چونکہ بچے کی جان بوجھ کر جنایت چوکنے اور خطاء کے حکم میں ہے، البتہ اگر بچے نے جماع کرلیا تو اس کا حج فاسد ہوجائے گا اور فاسد حج کے بقیہ افعال بدستور بجالائے، اب آیا کہ بچے پر قضاء واجب ہوگی یا نہیں چنانچہ حنابلہ کے نزدیک دونوں احتمال ہیں اول یہ کہ قضاء واجب نہیں ہوگی چونکہ بچہ مکلف نہیں۔

دوم.....یہ کہ قضاء واجب ہوگی چونکہ بالغ کے جماع کرنے سے قضاء واجب ہوتی ہے اور بچے پر بھی قضاء واجب ہے۔

شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق بچے پر فدیہ اور قضاء واجب ہے جب بچہ احرام کے کسی ممنوع کا ارتکاب کر بیٹھے، بشرطیکہ ممنوع کا ارتکاب جان بوجھ کر کرے بھولے سے یا اکراہ سے نہ کرے، کیونکہ بچے کا عمد عمد ہے یہ شافعیہ کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے۔ ❶

حاصل..... یہ ہے کہ مذاہب اربعہ میں بالا جماع بچے کا حج جماع سے فاسد ہوجاتا ہے، داؤد ظاہری کا اس میں اختلاف ہے، جبکہ علماء

---

❶ شرح المجموع ۷/۲۸، الایضاح ص ۹۹.

دسوقی مالکی کہتے ہیں، بچے کا حج جماع سے فاسد نہیں ہوتا۔

۲: حرم پر جنایت......یعنی حرم کے شکار اور درخت سے تعرض کرنا، برابر ہے کہ تعرض محرم کرے یا غیر محرم، بشرطیکہ جب جانی مکلف شخص ہو، اگر چہ بھولے سے ارتکاب ہو یا ناواقفی میں ہو یا اکراہ میں ہو یا خطأ ہو، اس جنایت سے ضمان مثلی یا قیمت واجب ہوتی ہے، میں اسے خصوصیات حرم کی بحث میں بیان کروں گا۔

احرام پر جنایت

اس جنایت کے ارتکاب سے دم واحد واجب ہوتا ہے یا اس سے اکثر، یا صدقہ واجب ہوتا ہے یا اس کے علاوہ کچھ اور، یا قیمت واجب ہوتی ہے، اس کا بیان فدیہ اور شکار کی جزاء کی بحث میں ہوگا۔ ❶

پہلی چیز: وہ جنایت جس سے بدنہ واجب ہو......یعنی ایسی جنایت جس سے اونٹ یا گائے واجب ہو۔

۱......احرام کے دوران جماع کرنا جو حلال اول سے پہلے اور وقوف عرفہ کے بعد ہو اس کا حج جمہور کے نزدیک فاسد ہو جائے گا جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگا، اگر محرم نے وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا حج فاسد ہوگا اور اس پر صرف بکری واجب ہوگی حنفیہ کے نزدیک، فاسد حج یا عمرہ میں برابر چلتا رہے، پھر بالاتفاق آئندہ سال علی الفور قضاء کرے اور اگر عمرہ ہو تو فاسد عمرہ کے اعمال مکمل کرنے کے بعد قضاء کرے۔

مالکیہ نے چوپایوں میں سے ہدی یعنی اونٹ پھر گائے پھر دنبہ اور پھر بکری واجب قرار دی ہے یعنی اگر جماع یا انزال سے حج فاسد ہو جائے، خواہ حج وقوف سے پہلے یا وقوف کے بعد اور طواف زیارت رمی جمرہ عقبہ سے پہلے فاسد ہو۔

۲......جب محرم جنابت کی حالت میں یا حیض ونفاس میں طواف زیارت کرلے تو بدنہ واجب ہوگا۔

دوسری چیز: وہ جنایت جو دو دم واجب کرتی ہے......یہ حنفیہ کے نزدیک حج قران کرنے والے کی جنایت ہے، یہ ہر ایسی جنایت ہے جس کی وجہ سے مفرد بالحج پر ایک دم واجب ہوتا ہو تو قارن پر دو دم واجب ہوں گے۔ شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں: قارن اور مفرد کا کفارات احرام میں ایک حکم ہے کیونکہ افعال بجالانے میں قارن مفرد کی مانند ہے لہٰذا کفارات میں بھی مفرد کی طرح ہوگا، لہٰذا جماع کی وجہ سے ایک ہی بدنہ واجب ہوگا اور اس کے ساتھ قارن کو بکری لازم ہوگی، متمتع قارن کے حکم میں ہے۔

تیسری چیز: وہ جنایت جو دم واحد کو واجب کرتی ہے......یعنی دم واحد یا تو اختیار کے طور پر ہوگا یا ترتیب کے طور پر۔

۱......سلا ہوا کپڑا پہننا، سر ڈھانپنا، حلق کر دینا، ناخن کاٹنا اور خوشبو لگانا۔

حنفیہ......کہتے ہیں اگر محرم نے سلا ہوا کپڑا پہن لیا یا پورا دن سر ڈھانپے رکھا، تو اس پر دم یعنی بکری واجب ہوگی، اس کا گوشت حرم کے فقراء پر تقسیم کیا جائے گا، اگر پورے دن سے کم سر ڈھانپے رکھا تو صدقہ واجب ہوگا۔

اگر سینگی لگانے کی جگہ کے بال مونڈ دیئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا۔ چونکہ یہ اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں۔

اگر چوتھائی سر یا اس سے زائد مونڈ دیا یا چوتھائی داڑھی مونڈ دی تو اس پر دم واجب ہوگا اگر چوتھائی سے کم مونڈا تو اس پر صدقہ ہوگا، چونکہ

---

❶......تفصیل کے لیے دیکھئے الدر المختار ۲/۲۷۳، فتح القدير ۲/۲۲۴ القوانين الفقهية ص ۱۳۸ بداية المجتهد ۱/۳۴۶، الشرح الكبير ۱/۵۴ الشرح الصغير ۲/۸۴ مغنى المحتاج ۱/۵۲۱ المهذب ۱/۲۱۰ المغنى ۲۵۵/۲۳ مراقى الفلاح ص ۲۶۔

سر کے کچھ حصے کو مونڈنے میں زیب وزینت کا پہلو ہے اور یہ معتاد بھی ہے، لہٰذا جنایت کامل ہوگی اور اس سے کم میں جنایت کوتاہ ہوگی۔

اگر ایک ہی مجلس میں دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے سبھی ناخن کاٹ دیئے یا صرف ہاتھوں کے ناخن کاٹے یا ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو اس پر بکری ذبح کرنا واجب ہے، اگر مجلس متعدد ہو مثلاً ایک مجلس میں ہاتھ کے ناخن کاٹے پھر دوسری مجلس میں پاؤں کے ناخن کاٹ دیئے تو اس صورت میں دو دم واجب ہوں گے۔

اگر پانچ سے کم ناخن کاٹے اور ہاتھوں اور پاؤں کے الگ الگ کاٹے تو اس پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بکری واجب ہوگی۔

اگر محرم نے کامل عضو مثلاً سر، منہ، ہاتھ، پاؤں یا پورے جسم کو خوشبو لگائی تو اس پر دم (بکری) واجب ہوگا، چونکہ وجوب دم میں کثرت کا اعتبار ہے اور کثرت کی حد عضو ہے۔

اگر محرم نے کپڑے کو خوشبو لگائی تو اس پر دم واجب ہوگا بشرطیکہ وہ کپڑا پورا دن پہنے رکھے۔

اگر محرم نے سر ہاتھ یا داڑھی میں مہندی لگائی تو بھی اس پر دم واجب ہوگا۔

اگر محرم نے زیتون کا تیل لگایا تو بھی دم لازم ہوگا چونکہ زیتون کا تیل فی الواقع خوشبو ہے بخلاف دوسرے تیلوں مثلاً گھی، چربی اور اخروٹ کے تیل کے۔ اگر زیتون کا تیل کھالیا یا اس سے زخم کا علاج کیا یا پاؤں کی پھٹنوں کا علاج کیا یا کانوں میں ٹپکایا تو اس صورت میں محرم پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ یعنی باتفاق حنفیہ نہ دم واجب ہوگا اور نہ ہی صدقہ، چونکہ زیتون کا تیل ہر اعتبار سے خوشبو نہیں، البتہ اگر مشک، عنبر، غالیہ، کافور کو استعمال کیا جو کہ فی نفسہ خوشبو ہیں تو بلاشبہ دم واجب ہوگا، اگر چہ یہ خوشبوئیں علاج کے لئے استعمال کی ہوں تب بھی دم واجب ہوگا، اگر خوشبو کھانے میں ڈال دی اگر چہ خوشبو کھانے کے ساتھ پکائی نہ گئی تو اس میں کچھ واجب نہیں۔ البتہ خوشبو کا کھانا مکروہ ہے جیسے خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے۔

اگر محرم نے خوشبو لگائی یا سر مونڈا یا سلا ہوا کپڑا کسی عذر کی وجہ سے پہن لیا، تو اسے اختیار ہے چاہے بکری ذبح کرے چاہے چھ مسکینوں پر تین صاع اناج صدقہ کرے بایں طور کہ ہر مسکین کو نصف صاع ملے اگر چاہے تو تین دن کے روزے رکھے اس کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ......البقرۃ ۲/۱۹۶

جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزے یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دے۔

جمہور......حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کہتے ہیں جس شخص نے سلا ہوا کپڑا پہنا یا سر مونڈا یا ناخن کاٹے یا خوشبو لگائی یا تیل لگایا یا شافعیہ کے نزدیک پے در پے تین بال زائل کئے یا دو بالوں سے اکثر بال زائل کئے یا حنابلہ کے نزدیک دو ناخن کاٹے اسے فدیہ میں اختیار ہے چاہے بکری ذبح کرے صدقہ کردے یا تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اس طور پر کہ ہر مسکین کو نصف صاع طعام ملے، آیت میں بکری ذبح کرنے کو نسک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور نسک کا اطلاق فدیہ کی تینوں صورتوں پر ہوتا ہے، برابر ہے کہ محرم نے جان بوجھ کر ممنوع کا ارتکاب کیا ہو یا بھولے سے یا خطا سے، جبکہ فدیہ کی صورتوں میں اختیار تنگی اور آسودگی دونوں حالتوں میں ثابت ہے خواہ جہاں بھی ہو، اختیار کی دلیل آیت ہے:

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ......البقرۃ ۲/۱۹۶

دوسری دلیل حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: کیا جوئیں تمہیں تکلیف

پہنچاتی ہیں؟ عرض کی جی ہاں، فرمایا: ”بکری ذبح کرو یا تین دن کے روزے رکھو یا ایک فرق (تین صاع) طعام چھ مسکینوں کو کھلاؤ“۔ باقی چیزوں کو حلق اور معذور پر قیاس کیا گیا ہے، جمہور کے نزدیک یہ فدیہ معذور وغیر معذور کے لئے ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک معذور کے ساتھ خاص ہے، سر کے بال ہو یا بدن کے دوسرے حصوں کے بال ہوں وہ فدیہ کے وجوب میں برابر ہیں، چونکہ بدن میں سبھی بال جنس واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فدیہ میں گندم، جو، کشمش کافی سمجھے جائیں گے، جیسے صدقہ فطر اور کفارۂ یمین میں ہوتا ہے، حنابلہ کے نزدیک جب تک اول جنایت کا کفارہ نہیں دیا اور پھر اوپر سے دوسری جنایت سرزد ہوئی تو ایک ہی گناہ ہوگا۔ اگر پہلی جنایت کا کفارہ دے دیا تھا پھر اوپر سے دوسری مرتبہ حلق کروا دیا تو اس پر دوسرا کفارہ ہوگا۔ اگر محرم نے حلال شخص (جس نے احرام نہ باندھا ہو) کا سر مونڈا یا اس کے ناخن تراشے تو جمہور کے نزدیک محرم پر فدیہ نہیں ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسے صدقہ واجب ہوگا۔ چونکہ محرم نے آدمی کے بال تلف کئے ہیں لہٰذا محرم کے بالوں کے مشابہ ہوا، اگر محرم کے سر کے بال اس کی اجازت سے کسی نے مونڈے یا حلال شخص نے محرم کی اجازت سے اس کے بال مونڈے تو فدیہ منڈوانے والے پر ہوگا، البتہ اگر سر منڈوانیوالا سویا ہوا تھا، یا اس پر زبردستی کی گئی تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک منڈوانے والے پر فدیہ نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس پر فدیہ ہوگا، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں یعنی فدیہ ہوگا اور فدیہ نہیں ہوگا۔

یہ فدیہ شافعیہ اور حنابلہ کی نزدیک دواعی جماع جو شہوت کے ساتھ ہوں جیسے دیکھنے سے یا مباشرت سے بغیر انزال کے منی کا خارج ہونا اس میں بھی واجب ہوگا۔ اسی طرح بار بار دیکھنے سے یا بوسہ لینے سے یا لمس کرنے سے یا مباشرت سے مذی خارج ہو جائے تو بھی یہ فدیہ واجب ہوگا۔ اسی طرح پہلی مرتبہ جماع کرنے کے بعد دوسری مرتبہ جماع کر لیا تو بھی فدیہ واجب ہوگا، مالکیہ کے نزدیک بغیر احتلام کے انزال جماع کے مترادف ہے اور اس سے بھی حج فاسد ہو جاتا ہے اور ہدی واجب ہوتی ہے۔

جماع اور مقدمات جماع:

حنفیہ..... کہتے ہیں: اگر شہوت سے بوسہ لیا یا لمس کیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو (اصح قول کے مطابق) یا مشت زنی کرے تو اس پر دم واجب ہوگا چونکہ احرام کی وجہ سے مقدمات جماع مطلقاً حرام ہیں، لہٰذا مطلقاً دم واجب ہوگا۔

اگر عورت سے جماع کیا خواہ بھولے سے یا زبردستی یا عورت سوئی ہوئی تھی اور جماع وقوف عرفہ سے پہلے کیا تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور اس پر بکری یا گائے اونٹ کا ساتواں حصہ ذبح کرنا واجب ہوگا البتہ فاسد حج کے افعال میں برابر چلتے رہنا واجب ہے، اس پر علی الفور قضاء واجب ہوگی، اگر حج نفلی تھا تو شروع کر لینے سے واجب ہو گیا چونکہ مطلوب موقع میں ابھی نہیں پہنچا، البتہ اگر بچے یا مجنون نے حج فاسد کر دیا تو ان پر دم ہے اور نہ ہی قضاء۔

اگر وقوف عرفہ کے بعد حلق یا طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد نہیں ہوگا اور اس پر بدنہ واجب ہوگا جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ چونکہ جنایت بھی شدید تر ہے اس پر سزا بھی شدید تر ہوگی، اگر دوسری بار جماع کر لیا تو اس پر بکری واجب ہوگی چونکہ محرم نے ایسے احرام میں جماع کیا جس کی ترمت پہلے سے پامال کی جا چکی تھی۔

اور اگر وقوف عرفہ اور حلق کے بعد جماع کیا تو بکری ذبح کرنا واجب ہوگی، چونکہ حلق کے بعد عورتوں کے معاملہ میں احرام کا حکم باقی رہتا ہے۔

اگر عمرہ کے طواف کے چار چکر پورے کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ فاسد ہو جائیگا چونکہ عمرہ میں طواف کی وہی حیثیت ہے جو حج میں وقوف عرفہ کی ہوتی ہے۔ عمرہ فاسد کر کے اس کے افعال برابر بجا لائے اور فی الفور فارغ ہونے کے بعد قضاء کرے اور اس پر بکری ذبح کرنا

واجب ہوگی، کیونکہ عمرہ حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، اگر چار چکر لگانے کے بعد اور حلق سے پہلے جماع کرلیا تو اس پر بکری ذبح کرنا واجب ہے البتہ عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور قضاء بھی لازم نہیں ہوگی۔

اس ممنوع کے متعلق حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کی آراء کو پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، اس کالب لباب یہ ہے کہ اگر حلال اول سے پہلے جماع کیا تو بدنہ واجب ہوگا اگر بدنہ (اونٹ) نہ مل پائے تو گائے واجب ہے، اگر گائے نہ مل پائے تو سات تواں حصہ دے اگر یہ بھی نہ مل پائے تو بدنہ کی قیمت لگا کر غلہ خرید ے اور وہ صدقہ کردے، اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ہر مد کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھے، اگر حلال اول اور حلال دوم کے درمیان جماع کرلیا یا حج فاسد کرنے کے بعد جماع کرلیا تو بکری ذبح کرنا واجب ہے۔

۳: ترک واجب ..... یعنی اگر حج کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک کردیا تو اس کے متعلق فقہاء کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ ..... کہتے ہیں: اگر محرم نے طواف قدوم جنابت کی حالت میں کردیا تو اس پر بکری ذبح کرنا واجب ہے چونکہ جنایت شدید ہے سزا بھی شدید ہوگی، اگر بے وضو طواف زیارت کردیا تو بھی بکری واجب ہوگی چونکہ محرم نے بے وضو طواف کرکے رکن میں نقص ڈال دیا ہے اس کا جبیرہ بکری ذبح کرنے سے ہوگا۔ اور اگر حالت حدث میں طواف قدوم کردیا تو اس پر صدقہ واجب ہوگا۔ اگر جنابت کی حالت میں طواف زیارت کیا تو جنایت شدید ہونے کی وجہ سے سزا بھی شدید تر ہوگی لہٰذا بدنہ (اونٹ) واجب ہوگا۔ افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں ہو تو طواف زیارت کا اعادہ کرلے، اعادہ کی صورت میں اس پر بدنہ نہیں ہوگا۔

اگر طواف وداع بے وضو کردیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اگر حالت جنایت میں کردیا تو بکری واجب ہوگی۔ جس شخص نے طواف زیارت کے تین چکر چھوڑ دیئے تو اس پر بکری واجب ہوگی اگر چار چکر چھوڑے تو طواف ہی نہیں ہوا لہٰذا بدستور احرام میں رہے حتیٰ کہ طواف زیارت کرلے۔

اگر طواف وداع چھوڑ دیا یا اس کے چار چکر چھوڑ دیئے تو اس پر بکری واجب ہوگی اور جس نے طواف وداع کے تین چکر چھوڑ دیئے تو اس پر صدقہ واجب ہوگا۔

جس شخص نے طہارت میں طواف کا اعادہ کرلیا تو دم ساقط ہوجائے گا چونکہ واجب کو بعینہ اسی طرح بجالایا جیسے واجب ہوا تھا، اصح یہ ہے کہ حالت جنابت میں بجالایا ہوا واجب لوٹایا جائے، حدث کی حالت میں کیا ہوا واجب لوٹانا مستحب ہے، جس شخص نے اس حالت میں طواف کیا کہ عضو مستورہ کا چوتھائی حصہ کھل گیا تو جب تک مکہ میں ہو طواف کا اعادہ کرے اگر اعادہ نہ کیا حتیٰ کہ مکہ سے نکل گیا تو اس پر دم واجب ہوتا ہے۔

ترک سعی ...... جس شخص نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی ترک کردی تو اس پر بکری واجب ہوگی اور حج تمام ہوگا۔ جو شخص میدان عرفات سے امام اور غروب آفتاب سے پہلے روانہ ہوجائے اس پر دم واجب ہے، اگر غروب آفتاب سے پہلے پہلے واپس لوٹ آیا تو دم ساقط ہوجائے گا اگر غروب آفتاب کے بعد واپس لوٹا تو دم ساقط نہیں ہوگا۔

جس شخص نے وقوف مزدلفہ چھوڑ دیا اس پر دم واجب ہوگا۔

ترک رمی ...... جس شخص نے رمی جمار سبھی دنوں میں ترک کردی حتیٰ کہ رمی کے آخری دن یعنی چوتھے دن کا سورج غروب ہوگیا تو اس پر ایک ہی دم واجب ہوگا، اگر ایک دن کی رمی ترک کردی تو بھی اس پر دم واجب ہوگا، اگر تین جمروں میں سے کسی ایک جمرہ کی رمی ترک کردی تو اس پر صدقہ واجب ہوگا۔

اگر جمرہ عقبہ کی رمی ترک کی تو بھی دم واجب ہوگا۔

حلق......جس شخص نے حلق موخر کیا حتیٰ کہ قربانی کے دن گزر ے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اسی طرح اگر طواف زیارت ایام نحر سے موخر کیا تو اس پر دم واجب ہوگا صاحبین کہتے ہیں اس پر کچھ نہیں۔

جیسا کہ میں نے سابق میں بیان کر دیا ہے کہ قارن اور متمتع پر بالاتفاق بکری ذبح کرنا واجب ہے، ہر ایسی صورت جس میں مفرد پر دم واجب ہوتا ہو تو اس صورت میں قارن پر دو دم واجب ہوں گے، ایک دم حج کا اور دوسرا عمرہ کا۔البتہ اگر میقات کو بغیر احرام کے تجاوز کر لیا اور پھر واپس لوٹا تو اس پر ایک ہی دم ہوگا۔

مالکیہ......کہتے ہیں: حج اور عمرہ کے دم کی تین اقسام ہیں:

۱......فدیہ ۲......شکار کی جزاء ۳......ھدی۔

فدیہ کی تفصیل ہمیں معلوم ہو چکی ہے رہی بات ہدی کی سو تو وہ پانچ انواع میں واجب ہوتی ہے:

۱......کوئی واجب ترک کر دیا تو اس کے جبیرہ کے لئے جیسے تلبیہ چھوڑ دیا، یا طواف قدوم چھوڑ دیا یا رمی جمار چھوڑ دی یا منیٰ میں رات گزارنی چھوڑ دی یا وقوف مزدلفہ چھوڑ دیا۔

۲......حج تمتع اور حج قران کی ہدی۔

۳......جماع کی صورت کا کفارہ۔

۴......شکار کی جزا کے طور پر ہدی دی جاتی ہے۔

۵......رکن یا حج فوت ہو جانے کی ہدی۔

ہدی میں ترتیب ہے بخلاف فدیہ اور شکار کی جزاء کے۔

شافعیہ......کہتے ہیں: حج میں واجب ہونے والے دم کی چار اقسام ہیں۔

اول: دم ترتیب وتقدیر......دم ترتیب کا معنی یہ ہے کہ محرم کو جانور ذبح کرنا لازمی ہوتا ہے، جانور ذبح کرنے سے عدول جائز نہیں یعنی اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں کہ جانور نہ ذبح کرے اور کوئی اور چیز فدیہ وغیرہ دے دے، ہاں البتہ اگر جانور ذبح کرنے سے عاجز ہو تو عدول کرنا جائز ہے۔

تقدیر کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کی طرف عدول کیا جائے اس کو شریعت نے مقرر کر دیا ہے نہ اس سے زائد ہونا کم اور وہ دم تمتع دم قران، دم فوات ہی، میقات سے احرام ترک کرنے پر لازم ہونے والا دم اور وقوف مزدلفہ کو ترک کرنے سے واجب ہونے والا دم طواف وداع کو چھوڑنے سے واجب ہونے والا دم ہے، جس کے پاس وسعت ہو وہ بکری ذبح کرے اگر بکری ذبح کرنے سے عاجز ہو تو دس دن کے روزے رکھے۔

دوم: دم ترتیب وتعدیل......یہ معنی ہے کہ شریعت نے اس میں قیمت لگانے اور اس سے کسی دوسری چیز کی طرف عدول کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں اعتبار قیمت کا ہوگا۔ یہ جماع سے واجب ہوتا ہے اور اس پر بدنہ واجب ہے پھر گائے، پھر ساتواں حصہ، اگر بدنہ سے عاجز ہو تو قیمت لگا کر قیمت سے کھانا خرید کر صدقہ کیا جائے اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے۔

حالت احصار میں دم لازمی ہوتا ہے، اور بکری واجب ہوتی ہے، پھر بکری سے عدول کر کے طعام واجب ہوتا ہے، اگر کھانا کھلانے سے عاجز ہو تو ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۶

اگر تم محصور ہو کر رہ جاؤ تو جو ہدی بھی میسر ہو وہ ذبح کرو۔

سوم: دم تخییر وتقدیر.....یعنی دم پر قدرت رکھتے ہوئے بھی کسی دوسری چیز کی طرف عدولی کرنا جائز ہے یعنی دم کی جگہ کوئی اور چیز دے دی، چنانچہ اگر کسی شخص نے تین بال مونڈ دیئے یا تین ناخن کاٹ دیئے اور پے درپے کاٹے تو اسے جانور ذبح کرنے چھ مسکینوں کو کھانا کھلانے (اگر کھانا کھلائے تو ہر مسکین کو نصف صاع کھلائے) اور تین دن روزے رکھنے میں اختیار ہے، اسی طرح خوشبو لگانے، سر کو تیل لگانے یا داڑھی کو تیل لگانے، سلا ہوئے کپڑے پہننے، مقدمات جماع، مشت زنی اور جماع غیر مفسد میں اختیار ہوگا کہ چاہے جانور ذبح کرے یا کھانا کھلائے یا روزے رکھے۔ بال مونڈنے میں فدیہ واجب ہوگا خواہ بھول کر مونڈے یا ناواقفی میں مونڈ ڈالے چونکہ عموم آیت کا یہی تقاضا ہے:

وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ .....البقرۃ ۲/۱۹۶

یہ حج تمتع کے بخلاف ہے کہ اگر متمتع نے بھول کر یا ناواقفی میں سلا ہو کپڑا پہن لیا یا تیل لگا دیا یا جماع کر لیا یا مقدمات جماع کا ارتکاب کر دیا تو فدیہ واجب نہیں ہوگا چونکہ متمتع کے لئے علم اور قصد شرط ہے۔

چہارم: دم تخییر وتعدیل.....یہ شکار اور حرم کے درخت کی جزا کا دم ہے لہٰذا شکار کی مثل واجب ہوتی ہے یا اس کی قیمت سے اہل حرم کے لئے اناج خریدنا پڑتا ہے جو فقراء میں تقسیم کیا جائے گا، یا پھر ہر مد کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھنا پڑتا ہے، اگر شکار کی مثل نہ ہو تو طعام یا روزہ میں اسے اختیار حاصل ہے، ہاں البتہ کبوتر کو شکار کر لیا تو اس میں بکری واجب ہے، اس کی دلیل سورۃ مائدہ کی یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ .....المائدہ ۵/۹۵

اے ایمان والو جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل نہ کرو اور تم میں سے جو کوئی اسے جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کا بدلہ دینا واجب ہوگا، جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جو جانور اس نے قتل کیا ہے اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور کو جس کا فیصلہ تم میں سے دو دیانتدار تجربہ کار آدمی کریں گے کعبہ پہنچا کر قربانی کیا جائے یا اس کی قیمت کا کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر ادا کیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں تا کہ وہ شخص اپنے کئے کا بدلہ چکھے۔

رہی بات حرم کے درختوں اور نباتات کی تو ان کو کاٹنا حرام ہے، جبکہ کاٹنے اور اکھاڑنے پر ضمان واجب ہے، برابر ہے نباتات خود بخود اگی ہوں یا اگائی گئی ہوں، چنانچہ بڑا درخت کاٹنے پر گائے ذبح کی جائے اور چھوٹا درخت کاٹنے یا اکھاڑنے پر بکری ذبح کی جائے، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے۔ اگر درخت بہت چھوٹا ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی۔

حنابلہ.....کہتے ہیں افعال حج یا حرم پاک کی وجہ سے جو فدیہ واجب ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

ا.....تخییر (اختیار) ۲.....اور ترتیب۔

تخییر.....تین چیزوں بکری ذبح کرنے، تین روزے رکھنے اور چھ مسکینوں کو کھانا کھلانے میں اختیار ہے، کھانا کھلانے میں ہر مسکین کو ایک مد گندم یا نصف صاع گندم دی جائے، یہ فدیہ ان صورتوں میں دیا جائے گا مثلاً سلا ہو کپڑا پہن لیا، خوشبو لگالی، سر ڈھانپ دیا، دو یا دو سے زائد بال یا ناخن کاٹ دیے یا مقدمات جماع کا ارتکاب کر دیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، شکار کی جزا کو عنقریب بیان کروں گا۔

ترتیب: ا.....حالت وسعت میں تو بکری ذبح کی جائے اور تنگدستی کی حالت میں دس دن کے روزے رکھے جائیں، یہ ان صورتوں

میں واجب ہے دم تمتع، دم قران، کسی واجب کو ترک کردیا، یا کوئی واجب فوت ہوگیا یا محصر ہوگیا، روزہ احصار کے علاوہ بقیہ صورتوں میں ہے، روزے کی صورت یہ ہے کہ تین دن روزے ایام حج میں اور سات روزے اپنے وطن واپس لوٹ کر رکھے، روزوں میں تسلسل یا عدم تسلسل واجب نہیں، جو شخص منیٰ میں تین دن کی روزے نہ رکھ سکے وہ بعد میں دس دن کے روزے رکھے، اس پر مطلقاً دم واجب ہوگا محصر پر بھی دم ہے، اگر دم کی قیمت دستیاب نہ ہو یا دم معدوم ہو تو اس کے بعد دس دن کے روزے رکھے، روزے حلال ہونے کی نیت سے رکھے اور پھر حلال ہوجائے یا پھر کھانا کھلائے۔

ب..... حج میں بدنہ ذبح کرنا اور عمرہ میں بکری، اگر ان سے عاجز ہو تو دس دن کے روزے رکھے، تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات دن واپس لوٹ کر یہ فدیہ ان صورتوں میں واجب ہوگا مثلاً جماع کرلیا، شرم گاہ سے ہٹ کر مباشرت کی اور انزال ہوگیا یا بار بار نظر کرنے سے انزال ہوا یا بوسہ لینے سے انزال ہوا یا شہوت سے لمس کرنے سے انزال ہوا، یا مشت زنی سے انزال ہوا، اگرچہ خطاً ہی کیوں نہ ہو، عورت مرد کی اطاعت کرنے میں مرد کی طرح ہے، البتہ سوئی ہوئی عورت یا جس پر زبردستی کی گئی ہو اس پر فدیہ نہیں، اگر عورت کے محاسن سوچنے سے انزال ہوا یا احتلام ہوا یا دیکھنے سے مذی خارج ہوئی تو اس پر کچھ نہیں، جس شخص نے جوں قتل کردی یا عقد نکاح کیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔

چوتھی چیز......وہ امور جن سے صدقہ واجب ہوتا ہے

صدقہ! نصف صاع گندم ہے یا حنفیہ کے نزدیک اس کی قیمت، حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل حالات میں صدقہ واجب ہے اگرچہ گزشتہ تفصیل میں میں نے ان کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

ا..... محرم نے اگر اقل عضو پر خوشبو لگائی یعنی پورے عضو پر خوشبو نہ لگائی جبکہ کچھ حصہ پر لگائی تو صدقہ دینا واجب ہے۔

ب..... اگر محرم نے چوتھائی سر سے کم سر مونڈ دیا یا چوتھائی داڑھی سے کم مونڈ دی یا مونچھیں مونڈ دیں۔

ج..... ایک دن یا ایک رات سے کم سلا ہوا کپڑا پہنا یا سر ڈھانپا۔

د..... پانچ سے کم متفرق ناخن کاٹ دیئے ہر ناخن کا صدقہ کرے۔

ھ..... طواف قدوم، طواف وداع یا کوئی بھی نفلی طواف بے وضو کردیا تو صدقہ دینا واجب ہے۔ اگر طواف قدوم حالت جنابت میں کیا یا طواف زیارت بے وضو کردیا تو بکری ذبح کرنا واجب ہے، اگر طواف زیارت جنابت کی حالت میں کردیا تو بدنہ واجب ہے اور اگر طواف وداع جنابت کی حالت میں کردیا تو بکری واجب ہے۔

و..... طواف وداع یا سعی سے ایک چکر چھوڑ دیا یا رمی جمار میں ایک کنکری کم کردی تو نصف صاع صدقہ واجب ہے۔

ز..... اگر محرم نے کسی دوسرے شخص کا سر مونڈا برابر ہے کہ وہ دوسرا شخص محرم ہو یا حلال ہو تو محرم پر نصف صاع صدقہ واجب ہے اور اگر محرم نے کسی دوسرے شخص کے عضو کو خوشبو لگائی یا کسی دوسرے کو سلا ہوا کپڑا پہنایا تو بالا جماع محرم پر کچھ نہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: ناخن کاٹنا ترفہ زیب وزینت اور محض فضول حرکت اور عبث کے لئے ہو اذیت دور کرنے کے لئے نہ ہو تو اس میں مٹھی بھر طعام دینا ہے، ایک یا ایک سے زیادہ بال زائل کرنے میں ایک یا ایک سے زیادہ حتیٰ کہ دس تک جوئیں مارنے میں مٹھی بھر طعام فقیر کو دے بشرطیکہ اذیت دور کرنے کے لئے نہ ہو۔

اگر ایک سے زائد ناخن کاٹے مطلقاً یا اذیت دور کرنے کے لئے فقط ایک ناخن کاٹا یا دس سے زائد مطلقاً زائل کئے یا دس جوئیں قتل کیں یا ویسے پھینک دیں تو اس میں فدیہ لازم ہوگا۔

شافعیہ.....شافعیہ کے ظاہری قول کے مطابق ایک بال اور ایک ناخن کاٹنے میں مد بھر طعام ہے، دو بالوں اور دو ناخنوں کے کاٹنے میں دو مد یعنی نصف صاع ہے اور تین بالوں یا تین ناخنوں کے کاٹنے میں کامل فدیہ یعنی بکری ہے۔

حنابلہ.....ہر بال اور ہر ناخن میں ایک مد طعام ہے اگر ناخن کا کچھ حصہ کاٹا یا بال کا کچھ حصہ کاٹا تو اس آدھے میں پورے بال اور پورے ناخن کا فدیہ واجب ہوگا، تین بال یا تین ناخن کاٹنے پر کامل فدیہ واجب ہوگا۔

پانچویں چیز.....وہ امور جن سے نصف صاع سے کم فدیہ واجب ہو

نصف صاع سے کم وہ حسب خواہش صدقہ کرنا ہے۔ چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: اگر ٹڈی قتل کردی، یا ایک جوں یا دو یا تین جوئیں قتل کردیں یا بدن سے یا کپڑے سے نکال کر پھینک دیں یا اپنا کپڑا دھوپ میں ڈال دیا تاکہ جوئیں مرجائیں یا جوں پر کسی اور نے دلالت کی تو محرم جو چاہے صدقہ کرے، مثلاً مٹھی بھر غلہ دے دے، چونکہ جوں پراگندہ حالی سے پیدا ہوتی ہے، اگر زمین پر پڑی ہوئی جوں پائی اور اسے قتل کردیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ ٹڈی خشکی کا شکار ہے۔

فدیہ کا وقت اور جگہ

حنفیہ.....کہتے ہیں بکری، اونٹ (بدنہ) کا ذبح کرنا حرم کے ساتھ مختص ہے ❶ اور یہ بالاتفاق ہے، چونکہ خون بہانا تبھی قربت اور نیکی سمجھا جاتا ہے جب کسی مخصوص جگہ یا مخصوص وقت میں ہو۔ ظاہر ہے فدیہ میں ذبح کئے ہوئے جانور کا کوئی وقت مقرر نہیں لہٰذا جگہ مقرر ہوگی اور وہ حرم پاک ہے۔

رہی بات فدیہ میں روزے رکھنے کی سو روزہ کسی بھی جگہ رکھ لیا کافی ہوگا، چونکہ روزہ ایسی عبادت ہے جو ہر جگہ کی جاسکتی ہے، روزوں میں تسلسل شرط نہیں، اسی طرح جس جگہ بھی صدقہ ہو وہ صحیح ہے۔

مالکیہ.....کہتے ہیں: فدیہ محرم سے سرزد ہونے والے ممنوعہ قول کا کفارہ ہے لہٰذا فدیہ کی تینوں اقسام (روزہ، صدقہ، جانور ذبح کرنا) کسی ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں، اور نہ کسی وقت کے ساتھ خاص ہیں۔ لہٰذا انہیں اپنے شہر میں واپسی لوٹنے تک موخر کرنا جائز ہے، البتہ شکار کی جزاء اور جماع کا فدیہ اس سے مستثنیٰ ہے چونکہ ان دونوں کا محل منیٰ یا مکہ ہے، اگر کوئی شخص عرفہ میں ہدی کے ساتھ وقوف کرے تو وہ منیٰ یا مکہ میں ذبح کرے۔ ❷

شافعیہ:.....کہتے ہیں: دم فعل حرام کے ارتکاب سے واجب ہوتا ہے جیسے عذر کی وجہ سے سر مونڈ دیا یا واجب کوئی ترک کردیا جیسے جبیرے کا دم، دم تمتع، دم قران، اور حلق پر واجب ہونے والا دم، تو ان اقسام کا دم کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں البتہ ظاہری قول کے مطابق یہ دم حرم کے ساتھ خاص ہیں۔ اس کا گوشت حرم کے مسکینوں پر صرف کرنا واجب ہے، چنانچہ ہر وہ دم واجب جس کا بدل طعام ہو تو اس کو حرم کے مسکینوں پر صرف کرنا واجب ہے۔ اسی طرح حرم میں ذبح کرنا بھی مختص ہے، البتہ دم احصار وہیں ذبح کرے جہاں وہ روکا گیا ہو، دم تمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد ذبح کرسکتا ہے یعنی حج کے احرام سے پہلے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد، یہی شافعیہ کے ہاں قابل اعتماد قول ہے۔

حنابلہ.....کہتے ہیں وہ دم کسی واجب کو ترک کرنے کی وجہ سے واجب ہوا ہو یا کسی ممنوع فعل کے ارتکاب سے واجب ہوا ہو یا کھانا،

❶ .....دیکھئے الدر المختار ۲/۲۸۸، اللباب ۱/۲۰۱۔ ❷ الشرح الصغیر ۲/۹۳، القوانین الفقہیۃ ص۱۳۸۔

کھلانا ہوتو یہ حرم میں ہوگا، دم تمتع دم قران، دم نذر حرم کے ساتھ مختص ہے۔اس کا گوشت حرم کے مسکینوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

افضل یہ ہے کہ حج کی وجہ سے جو دم واجب ہوا سے منیٰ میں ذبح کیا جائے اور عمرہ کی وجہ سے جو واجب ہوا ہے مروہ میں ذبح کیا جائے، اگر کوئی شخص جانور کو حرم میں حاضر کرنے سے عاجز ہو حتیٰ کہ کوئی وکیل بھی دستیاب نہ ہو تو جہاں قدرت حاصل ہو وہیں ذبح کردے اور اسی جگہ کے فقراء اور مساکین میں تقسیم کردے۔

اذیت کی وجہ سے سر مونڈنے کا فدیہ، سلے ہوئے کپڑے کا فدیہ، سر ڈھانپنے کا فدیہ، خوشبو لگانے کا فدیہ اور شکار کے علاوہ کسی ممنوع کے ارتکاب کا فدیہ حرم سے باہر ذبح کرنا بھی کافی ہے، ذبح کرنے کا وقت جنایت کے ارتکاب سے داخل ہو جاتا ہے اسی طرح سبب پائے جانے کے بعد بھی ذبح کیا جاسکتا ہے جیسے کفارہ یمین پیشگی دیا جاسکتا ہے، شکار کی جزاء شکار کو زخمی کرنے کے بعد لازمی ہوگی، ترک واجب کا فدیہ ترک کے وقت سے لازم ہو جاتا ہے احصار کا دم وہیں ذبح کرنا کافی ہوتا ہے جہاں احصار کیا گیا ہو، روزہ ہر جگہ رکھنا جائز ہے۔

چھٹی چیز: وہ جنایت جو قیمت یا مثل کو واجب کرتی ہے...... یہ شکار کی جنایت اور حرم کی نباتات کاٹنے کی جنایت ہے۔

امام ابوحنیفہ...... کہتے ہیں شکار کو قتل کرنے سے یا قتل پر دلالت کرنے سے قیمت واجب ہوتی ہے، شکار سے مراد ہر وہ جانور جو اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے وحشی (بدکنے والا) ہو برابر ہے کہ وہ مباح ہو یا کسی کی ملک ہو، اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو جیسے شیر، چیتا، بشرطیکہ جب حملہ آور نہ ہو، گدھ، الو، ہرن، شتر مرغ وغیرہ یہ جانور شکار کرنے پر ان کی قیمت واجب ہوگی۔ جبکہ ان جانوروں کا شمار شکار میں نہیں ہوتا جیسے کتا، بلی، سانپ، بچھو، مکھی، مچھر، کھٹمل، پسو، چیچڑے، کچھوا، مرغی، بطخ اور پتنگے وغیرہ۔

قیمت قاتل پر واجب ہوگی خواہ جان بوجھ کر قتل کیا ہو یا خطأً یا اپنے احرام کو بھول کر، برابر ہے ابتداءً حملہ محرم نے کیا ہو یا کسی دوسرے نے، چونکہ یہ جانور کو تلف کرنے پر تاوان اور ضمان ہے لہٰذا مالی تاوانوں کی طرح ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی جگہ شکار کی قیمت لگائی جائے گی جہاں محرم نے اسے قتل کیا ہو یا اس کی قریب ترین جگہ میں، اس کی قیمت دو عادل شخص لگائیں جو تجربہ بھی رکھتے ہوں، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ......المائدۃ ۵/۹۵

جو جانور قتل کیا اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے اس کا بدلہ دینا واجب ہوگا جس کا فیصلہ دو دیانتدار آدمی کریں گے۔

ہدایہ میں ہے کہ ایک آدمی کافی ہے اور دو آدمیوں کا ہونا افضل ہے، چونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے اور غلطی سے محفوظ رہنے کا زیادہ امکان ہے جیسے حقوق العباد میں دو آدمیوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔

پھر محرم کو قیمت میں اختیار ہے چاہے تو ہدی خرید کر مکہ میں ذبح کردے اگر قیمت ہدی کو پہنچتی ہو، یعنی اتنی قیمت ہو جس سے اونٹ یا گائے یا بکری خریدی جاسکتی ہو، اگر چاہے تو اس قیمت سے غلہ خرید کر صدقہ کردے اور ہر مسکین کو نصف صاع گندم دے یا ایک صاع کھجوریں اور ایک صاع جو دے یا چاہے تو پھر گندم کے ہر نصف صاع یا کھجور اور جو کے ہر صاع کے بدلہ میں ایک روزہ رکھے، اگر غلے میں سے نصب صاع سے کچھ کم بچ جائے تو چاہے روزہ رکھے یا اسے صدقہ کردے۔ گھاس، درخت جو خود رو ہوں اور لوگ انہیں نہیں اگاتے اور حرم میں ہوں تو ان کی بھی قیمت لگائی جائے گی اور پھر قیمت حرم کے شکار کی جزاء کی طرح تقسیم کی جائے، البتہ اذخر بوٹی اور کھمبی کے کاٹنے پر جزاء اور قیمت نہیں ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں شکار کی جزا میں فدیہ کی طرح محرم کو تین چیزوں میں اختیار ہے جو نیچے آرہی ہیں، یہ ہدی کے بخلاف ہے، جزاء کا فیصلہ کرنے والے دو عادل فقیہ ہوں، ایک عادل کافی نہیں ہوگا یا یہ کہ شکاری خود دوسرا عادل نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ دوسرا ہو، کافر، فاسق فیصلہ

کے لئے کافی نہیں، ایسا شخص بھی نہ ہو جو مروت کے خلاف کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہو، ایسا عادل بھی نہ ہو جو شکار کا فیصلہ کرنے سے ناواقف ہو چونکہ کسی چیز کا اختیار اسی کو سونپا جاتا ہے جو اس کا علم رکھتا ہو۔

جزاء کی تین اقسام

پہلی قسم..... محرم جس شکار کو قتل کردے چوپایوں میں اس کی مثل ہو جیسے اونٹ، گائے، بکری، جسامت وصورت میں ہم مثل ہوں یا صرف صورت میں ہم مثل ہوں، البتہ شرط اس میں یہ ہے کہ عمر کے اعتبار سے مثل کافی سمجھی جاتی ہو، عیوب سے پاک ہو، لہٰذا شکار کی جزاء میں اگر چھوٹا جانور یا عیب دار جانور دے دیا تو وہ کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ دوبارہ دیا جائے گا۔

دوسری قسم..... طعام وغلہ کے اعتبار سے شکار کی قیمت لگائی جائے، جس دن شکار کیا گیا اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور شکار کی جگہ میں قیمت لگائی جائے، شکار جس جگہ کیا گیا وہیں ہر مسکین کو ایک مد غلہ دے دیا جائے، اگر اس جگہ مساکین نہ پائے جائیں تو اس کے قریب ترین جو بستی ہو وہاں کے مسکینوں کو دیا جائے۔

تیسری قسم..... طعام وغلہ کے برابر روزے رکھ لئے جائیں، یعنی ایک مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھا جائے روزے رکھنے میں محرم کو اختیار ہے خواہ مکہ میں رکھے یا کہیں اور رکھے، جس وقت چاہے روزے رکھے، یہ قید نہیں لگائی گئی کہ مکہ ہی میں رکھے یا مکہ سے واپس لوٹ کر رکھے۔

حکمین کا فیصلہ..... حکمین فیصلہ میں یہ اندازہ کریں کہ شتر مرغ اور ہاتھی کو شکار کرنے پر بدنہ لازم کریں نیل گائے میں گائے، بجو، لومڑی، ہرن اور حرم مکہ کے کبوتر میں بکری، ان کے علاوہ میں کفارہ طعام ہے یا حکمین جو قیمت لائیں اس کے بقدر غلہ پر روزے رکھے۔ مالکیہ کے نزدیک حرم مکہ اور حرم مدینہ کے درخت اور گھاس کاٹنے میں جزاء نہیں۔

شافعیہ..... بھی مالکیہ کی طرح کہتے ہیں: اگر محرم نے ایسا شکار قتل کیا جس کی مثل چوپایوں میں پائی جاتی ہو تو اس میں مثل ہی واجب ہوگی، جس شکار کی مثل نہ پائی جاتی ہو تو اس میں قیمت دینا واجب ہوگی، پھر جس شکار کی مثل پائی جاتی ہو اس کی جزاء میں محرم کو تین اختیارات حاصل ہیں یا تو بعینہ وہی مثل ذبح کرے اور حرم کے مسکینوں پر صدقہ کردے، یا مثل کی قیمت دراہم میں لگائی جائے پھر اس سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کردے یا ہر مد غلہ کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھے۔

غیر مثلی..... اگر چوپایوں میں شکار کی مثل نہ پائی جائے تو اس کی قیمت لگا کر طعام صدقہ کیا جائے یا ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھا جائے۔

مثل میں یہ طریقہ موثر ہے کہ شتر مرغ میں اونٹ ہوگا، نیل گائے میں گائے ہوگی، ہرن میں بکری ہوگی۔ خرگوش میں بکری کا بچہ اور جنگلی چوہے میں بھیڑ کا بچہ، بجو میں دنبہ، لومڑی میں بکری اور گوہ میں بکری کا بچہ، جن جانوروں کی مثل منقول نہیں ان میں دو عادل شخص فیصلہ کریں، چنانچہ آیت ہے:

يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ..... المائدہ ۵/۹۵

تم میں سے دو عادل شخص اس کا فیصلہ کریں۔

وہ جانور جن کی مثل منقول نہیں اور سنت اور آثار صحابہ سے ان کا کوئی ثبوت بھی نہ ملتا ہو ان کی قیمت لگانا واجب ہے، جس جگہ شکار کو قتل کیا

گیا ہو اسی جگہ میں قیمت لگائی جائے، مکہ میں اس کی قیمت نہ لگائی جائے یہی شافعیہ کا مذہب ہے، شکار اگر بڑا ہو تو مثل بھی بڑی واجب ہوگی، چھوٹا ہو تو مثل بھی چھوٹی، نر میں نر اور مادہ میں مادہ مثل واجب ہوگی، صحیح میں صحیح، عیب دار میں اگر عیب ایک جیسا ہو، فربہ شکار میں مثل بھی فربہ دی جائے گی، اور کمزور میں کمزور، اور مریض کے بدلے صحیح یا کمزور کے بدلے میں فربہ مثل دے تو افضل ہے، البتہ فقط کبوتر میں بکری ہے۔

نباتات.....شافعیہ کے ظاہری قول کے مطابق حرم مکی کی نباتات جو تر و تازہ ہوں اور اگائی نہ جاتی ہوں ان میں ضمان ہے، حرم مکہ کے درختوں میں بھی ضمان ہے لہٰذا بڑا درخت کاٹنے پر ایک سالہ گائے واجب ہے، چھوٹا درخت کاٹنے پر بکری، بہت چھوٹے درخت ہیں اس کی قیمت واجب ہوگی۔ شافعیہ کے مذہب میں یہ بھی ہے کہ وہ نباتات جنہیں آدمی اگاتے ہوں ان میں بھی خودرو نباتات کی طرح ضمان ہے، البتہ اذخر کا کاٹنا حلال ہے اور موذی کانٹوں کو کاٹنا بھی جائز ہے جیسے عوسج وغیرہ، جیسے موذی جانور کو قتل کرنا جائز ہے۔

صحیح قول کے مطابق نباتات اور گھاس وغیرہ کو چارے کے لئے کاٹنا جائز ہے چونکہ اس کی حاجت ہے اور یہ کھیتی کے معنی میں بھی ہے، شافعیہ کے جدید قول کے مطابق مدینہ کے شکار کا ضمان نہیں باوجود یہ کہ مدینے کا شکار حرام ہے۔

حنابلہ.....کا مذہب بھی شافعیہ جیسا ہے، چنانچہ شکار کی جزاء کی مثل اور قیمت میں اختیار ہوگا، قیمت شکار کی تلف ہونے کی جگہ میں لگائی جائے اور دراہم میں قیمت لگائی جائے، پھر قیمت سے طعام خرید کر مسکینوں کو کھلایا جائے یا ہر مسکین کے طعام کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے، اگر غلہ میں سے کچھ بچ رہے تو اس کی بجائے روزہ رکھے، جن چیزوں کی مثل نہ پائی جاتی ہو ان میں محرم کو اختیار ہے چاہے کھانا کھلائے یا روزے رکھے، روزوں میں تسلسل واجب نہیں۔

حرم مکی کی نباتات کا ضامن ہوگا، درختوں کا بھی ضامن ہوگا حتیٰ کہ کاشت کی ہوئی نباتات میں بھی ضمان واجب ہے البتہ اذخر گھاس کھمبی اور پھلوں میں ضمان نہیں۔ چھوٹے درخت میں بکری واجب ہے اور بڑے درخت میں گائے واجب ہے، محرم کو جزاء کی قیمت میں اختیار ہوگا جیسے شکار کی قیمت میں اختیار ہے۔ حرم مدینہ کے شکار اور درخت میں جزاء نہیں۔

شکار کی جزاء کے ضوابط.....ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جزاء کے مختلف احکام بیان کئے ہیں مختصراً مندرجہ ذیل ہیں۔

(اول).....شکار کو قتل کرنے پر محرم پر اس کی جزا دینا واجب ہے۔ چنانچہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ شکار کی جزاء واجب ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

اے ایمان والو جب تم احرام میں ہو تو شکار کو قتل مت کرو تم میں سے جس شخص نے شکار کو قتل کر دیا تو اس کی جزاء دینے کا یہ طریقہ ہے کہ چوپایوں میں سے جو اس کی مثل ہو وہ دی جائے۔ المائدۃ ۵/۹۵

شکار کا قتل دو قسم پر ہے، مباح اور محرم۔ (مباح اور حرام)

محرم (حرام کیا ہوا).....اس کا ابتداء میں بغیر کسی سبب کے قتل کرنا مباح ہو تو ایسے شکار میں جزاء ہے پھر مباح کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی.....یہ کہ محرم شکار کھانے میں بے چین ہو یعنی بھوکوں مر رہا ہو اور شکار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو یہ بلا اختلاف اس کے لئے مباح ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ.....البقرۃ ۲/۱۹۵

اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو۔

لہٰذا جب قتل کرے گا اس کا ضامن ہوگا۔

دوسری...... جب محرم پر کوئی شکار حملہ کر دے اور سوائے قتل کے اس کے پاس دفاع کرنے کا کوئی چارہ نہ ہو تو محرم اسے قتل کر سکتا ہے اور اس پر ضمان بھی نہیں ہوگا، یہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے موافق ہے، چونکہ محرم نے شکار کے شر سے دفاع کے لئے اسے قتل کیا ہے لہٰذا اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

تیسری...... جب کوئی شکار کسی درندے سے جان چھڑائے یا شکاری کے جال سے نکل جائے یا محرم نے شکار اس لئے پکڑا تا کہ اس کے پاؤں میں اٹکی ہوئی رسی کو کھول دے اسی تگ و دو میں شکار ہلاک ہو گیا تو محرم پر ضمان نہیں ہوگا، چونکہ محرم نے تو ایک حیوان کے ساتھ الٹی بھلائی کی ہے اس پر ضمان کیسا۔

دوم...... جزاء خطاء اور عمد میں واجب ہوتی ہے۔ یہ ضابطہ ائمہ مذاہب کے نزدیک متفق علیہ ہے، اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بجو کو شکار کرنے پر محرم پر دنبہ واجب قرار دیا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شتر مرغ کا انڈا اگر محرم اٹھا لے تو اس کی قیمت واجب ہوگی آپ نے اس میں کوئی فرق نہیں کیا[1] دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شکار کے تلف ہونے کے ضمان میں عمد اور خطا دونوں برابر برابر ہیں۔ جیسے کسی آدمی کا مال تلف ہو جائے تو اس کا ضمان لازم ہوتا ہے خواہ عمداً تلف ہو یا خطاءً۔

سوم...... جزاء صرف محرم پر واجب ہوتی ہے، حج کے احرام اور عمرہ کے احرام میں کوئی فرق نہیں، خواہ حج قران کر رہا ہو یا حج افراد، چونکہ جزاء کی نص میں عموم ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

چہارم...... جزاء صرف شکار کے قتل پر واجب ہوگی چونکہ جزاء کے متعلق نص صرف شکار میں وارد ہوئی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ ...... المائدۃ ۵ / ۹۵

شکار وہی ہوتا ہے جس میں تین اوصاف جمع ہوں (۱) اس کا کھانا مباح ہو (۲) وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو (۳) وحشی ہو۔

چنانچہ ان جانوروں کی جزاء نہیں جو کھائے نہیں جاتے جیسے درندے اور خباثت زدہ حشرات الارض، یہ اکثر علماء کا قول ہے، البتہ علماء نے ایسے جانور میں جزاء واجب قرار دی ہے جو ماکول اور غیر ماکول سے پیدا ہو جیسے بجو اور بھیڑیئے کے ملاپ سے پیدا ہونے والا جانور اس میں حرمت قتل کو غلبہ دیا گیا ہے۔

جو جانور وحشی نہ ہو اس کو ذبح کرنے اور کھانے میں جزاء نہیں ہے جیسے چوپائے، گھوڑا، مرغی وغیرہ اس میں اصل کا اعتبار ہے حال کا اعتبار نہیں۔ (یعنی اگر کوئی بیل مثلاً وحشی بن جائے تو اسے ذبح کرنا جائز ہے چونکہ وہ اصلاً پالتو ہے وحشی نہیں۔ از مترجم)

پنجم...... ”جزاء خشکی کے جانور میں واجب ہوتی ہے سمندری اور آبی جانور کو قتل کرنے پر جزاء نہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ...... المائدۃ ۵/۹۶

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تا کہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

شورید سمندر کے حیوان اور دریاؤں اور چشموں کے حیوان میں کوئی فرق نہیں، چونکہ ”البحر“ کا اطلاق سب پر ہوتا ہے اور اس سے مراد آبی حیوان ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ...... رواهما ابن ماجه.

وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا

دو دریا برابر نہیں ہو سکتے ایک ایسا میٹھا ہے کہ اس سے پیاس بجھتی ہے جو پینے میں خوشگوار ہے اور دوسرا کڑوا نمکین اور ہر ایک سے تم (مچھلیوں کا) تازہ گوشت کھاتے ہو۔ سورہ فاطر ۳۵/۱۲

سمندری حیوان سے مراد وہ حیوان ہے جو پانی میں رہتا ہو پانی ہی میں انڈے بچے دیتا ہو، جیسے مچھلی، اور وہ حیوان جو خشکی اور پانی دونوں میں رہتا ہو جیسے کچھوا تو اس میں جزاء نہیں، رہی بات ہوا کے پرندوں کی سوان میں جزاء واجب ہوگی اسی پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ ٹڈی میں اکثر علماء کے قول کے مطابق جزاء ہے۔

ششم......وجوب جزاء کی کیفیت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: شکار کی جزاء میں قیمت واجب ہوتی ہے، چونکہ شکار مثلی نہیں ہوتا، جمہور کہتے ہیں کہ شکار کی چوپایوں میں مثل واجب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ......المائدہ ۵/۹۵

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بجو میں دنبہ واجب قرار دیا ہے، نیز صحابہ نے بھی مثل کے وجوب پر اجماع کیا ہے، چنانچہ صحابہ کا قول ہے۔ کہ ''شتر مرغ میں اونٹ ہے'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے نیل گائے میں اونٹ کا فیصلہ کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیل گائے میں گائے کا فیصلہ کیا، مثل سے حقیقت میں مماثلت مراد نہیں چنانچہ چوپایوں اور شکار میں حقیقتاً مماثلت نہیں پائی جاسکتی، یہاں صرف مماثلت صوری کا اعتبار کیا گیا ہے، میرے نزدیک یہی رائے راجح ہے۔

تلف کیے ہوئے شکار کی دو قسمیں ہیں۔

۱......ایک قسم وہ ہے جس کے متعلق صحابہ نے فیصلہ کیا ہے اس میں صحابہ کے فیصلہ کے مطابق جزاء واجب ہوگی، اسی پر حنابلہ اور شافعیہ کا مذہب ہے جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: از سر نو فیصلہ کر دیا جائے گا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ ......المائدۃ ۵/۹۵

دو عادل اشخاص اس کا فیصلہ کریں۔

لیکن مالکیہ کا مذہب پہلی رائے کے موافق ہے جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے، حنابلہ اور ان کے موافقین کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ کہ ''بجو کو محرم نے شکار کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں مینڈھے کا فیصلہ کیا۔'' ❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بجو میں مینڈھا ہے جب محرم اسے شکار کر لے، ہرن میں بکری ہے، خرگوش میں بکری کا بچہ ہے جبکہ جنگلی چوہے میں بھیڑ کا بچہ ہے۔ ❷

۲......دوسری قسم وہ کہ جس کے متعلق صحابہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لہٰذا اس میں دو عادل شخصوں کا قول معتبر ہوگا جو تجربہ کار بھی ہوں۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ ......المائدۃ ۵/۹۵

لہٰذا چوپایوں میں جو شکار کے زیادہ مشابہ ہو اس کا فیصلہ کریں، قیمت کے لحاظ سے فیصلہ نہ کیا جائے۔ چونکہ صحابہ نے مثل کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ بلحاظ قیمت نہیں کیا۔ حنابلہ نے حاکم میں فقیہ ہونے کی شرط نہیں لگائی، اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے چنانچہ انہوں نے فقیہ ہونے

❶ ......رواہ ابوداؤد وابن ماجہ عن جابر۔ ❷ رواہ الدار قطنی۔

کی شرط لگائی ہے۔

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک دو عادلوں میں ایک شکاری خود بھی ہو سکتا ہے چونکہ آیت میں عموم ہے:

یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ......المائدۃ ۹۵/۵

ہفتم ...... جزاء کی نوعیت

حنابلہ اور شافعیہ...... کہتے ہیں بڑے شکار میں چوپایوں میں سے بڑا جانور جزا میں دیا جائے گا، اور چھوٹے شکار میں چھوٹا جانور۔ نر میں نر، مادہ میں مادہ، صحت مند میں صحت مند، عیب دار میں عیب دار، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ......المائدۃ ۹۵/۵

جو شکار قتل کیا چوپایوں میں سے اس کی مثل دی جائے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: جزاء میں وہ جانور دے دینا کافی ہے جو قربانی کے لئے کافی ہوتا ہے، لہٰذا چھوٹے شکار میں بڑا جانور دیا جائے، عیب دار شکار میں صحیح جانور دیا جائے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ......المائدۃ ۹۵/۵

ایسی ہدی جو کہ کعبہ تک پہنچ جائے۔

لہٰذا ہدی میں چھوٹا جانور اور عیب دار کافی نہیں ہوتا۔

شکار کے جزو کا ضمان...... حنابلہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر محرم نے شکار کا کوئی جزو مثلاً کان، ٹانگ وغیرہ تلف کر دیا تو اسکا بھی ضمان دینا واجب ہے چونکہ جب پورے شکار کی جزاء واجب ہے تو بعض شکار کی جزاء بھی واجب ہوگی جیسے آدمی کے کسی عضو کو تلف کرنے پر ضمان واجب ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''حرم کا شکار نہ دھمکایا جائے'' جب نص میں شکار کو ڈرانے دھمکانے سے منع کیا گیا ہے وہاں زخمی کرنے سے بطریق اولیٰ منع کیا گیا ہے۔ نہی تحریم کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا احرام شکار کا ضمان واجب ہے، لہٰذا جزء شکار کا بھی ضمان واجب ہے، یہ تب ہے جب زخم مندمل ہونے سے شکار صحت مند ہو جائے اور اگر زخم مندمل نہ ہو تو پھر پورے شکار کا ضامن ہوگا۔ نیز زخمی حصہ شکار کی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے ابن قدامہ کہتے ہیں: یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

ضمان سبب...... اگر محرم نے شکار کو زخمی کیا پھر شکار پانی میں جا پڑا یا پہاڑی سے گر کر ہلاک ہو گیا تو محرم پر اس کا ضمان ہوگا، چونکہ شکار کی ہلاکت محرم کی وجہ سے ہوئی، اسی طرح اگر محرم نے شکار کو دھمکایا اور وہ اسی بھاگم بھاگ میں ہلاک ہو گیا تو محرم ضامن ہوگا، اگر دھمکانے کے بعد شکار نے سکون پکڑا اور بے خوف ہوا اس کے بعد پھر ہلاک ہوا تو محرم ضامن نہیں ہوگا، حنابلہ کے نزدیک شکار کو زخمی کرنے کے بعد اور تلف ہونے سے پہلے محرم جزاء دے سکتا ہے۔

ضمان کا قاعدہ...... ہر وہ چیز جو آدمی کی مضمون ہو وہ شکار کی بھی مضمون ہے، سواری اگلی ٹانگوں یا منہ سے کسی شکار کو پھنسا کر تلف کر دے سوار (محرم) اس کا ضامن ہوگا یا کھینچنے والا ضامن ہوگا یا ہانکنے والا ضامن ہوگا، جو شکار پچھلی ٹانگوں سے تلف ہو تو سوار پر اس کا ضمان نہیں ہوگا چونکہ سواری کی پچھلی ٹانگوں کی حفاظت ناممکن ہے۔

پرندوں کے ضمان کی کیفیت...... جمہور کہتے ہیں شتر مرغ میں بدنہ (اونٹ، گائے) دیا جائے گا، کبوتر میں بکری، چونکہ شتر مرغ

خلقت میں اونٹ کے مشابہ ہے لہٰذا بدنہ اس کے مثل ہوگا، اور آیت سے مثل ہی واجب ہے۔ ”فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ“ نیز صحابہ کے آثار میں مذکور ہے کہ کبوتر میں بکری دی جائے گی، اسی طرح جو پرندے کبوتر سے بڑے ہوں جیسے سرخاب، سارس، کروان، مرغابی انہیں شکار کرنے میں بھی بکری واجب ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ان میں قیمت واجب ہوگی۔

”کبوتر کے علاوہ پرندوں کے ضمان میں قیمت ہے اور جس جگہ پرندہ تلف کیا اس جگہ قیمت لگائی جائے گی، اسی طرح پرندے کے انڈوں کا ضمان پرندے کی قیمت سے دیا جائے گا، اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شتر مرغ کے انڈوں میں اس کی قیمت واجب ہے۔“

مالکیہ کہتے ہیں: پرندے کے بچے اور انڈے میں ان کی ماں کی دیت کا دسواں حصہ دیا جائے گا۔ ❶

ہشتم......شکار کی جزاء میں اختیار

مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ شکار کے قاتل کو تین امور میں اختیار ہے جس کو چاہے اختیار کرے اور کفارہ دے، برابر ہے کہ قاتل مالدار ہو یا تنگدست۔ تین امور یہ ہیں:

۱.....شکار کی مثل کو بعینہ ذبح کرنا۔

۲.....مثل کی دراہم سے قیامت لگا کر پھر اس سے طعام خریدنا اور ہر مسکین کو ایک مد دینا۔

۳.....ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھنا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا......المائدۃ ۵/۹۵

جانور کعبہ پہنچا کر ذبح کیا جائے یا اس کی قیمت کا کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر ادا کیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں۔

آیت میں امور ثلاثہ کے درمیان صرف ”او“ لایا گیا ہے جو تخییر (اختیار) کے لئے آتا ہے یعنی قاتل کو مثل، کھانا کھلانے اور روزہ رکھنے میں اختیار ہے، اگر مثل کو اختیار کیا تو اسے ذبح کرے اور گوشت حرم کے مسکینوں پر صدقہ کرے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے ”هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ“ ہدی کو ذبح کرنا واجب ہوتا ہے، اگر زندہ جانور مسکینوں کو ہدیہ کردیا تو وہ کافی نہیں ہوگا محرم جس وقت چاہے ذبح کرے اس کا ذبح کرنا ایام نحر کے ساتھ مختص نہیں۔

طعام کی کیفیت ونوعیت......شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: جب شکار کا قاتل کھانا کھلانے کو اختیار کرے تو اسے چاہئے کہ مثل کی دراہم کے ساتھ قیمت لگائی جائے پھر دراہم سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کیا جائے، چونکہ جب مثل واجب کی قیمت لگائی جائے تو قیمت ہی لازم ہوگی، بعینہ قیمت کا نکال دینا کافی نہیں ہوگا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے امور ثلاثہ میں اختیار دیا ہے، ان میں قیمت شامل نہیں، اسی نوع کا اناج نکالا جائے جو صدقہ فطر میں نکالا جاتا ہے اور وہ گندم، جو کشمش اور کھجوریں ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں شکار کی قیمت لگائی جائے نہ کہ مثل کی چونکہ شکار کو تلف کرنے کی وجہ سے قیمت واجب ہوئی ہے لہٰذا تلف ہونے والی شکار ہی کی قیمت لگائی جائے گی یہ ایسا ہی ہے جیسے بے مثل حیوان۔

روزے رکھنے کی کیفیت......جمہور کے نزدیک ہر مد کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھے چونکہ یہ ایک طرح کا کفارہ ہے جس میں

❶......یعنی پرندے کی قیمت نکالی جائے پھر اس کا دسواں حصہ انڈے یا اس کے بچے کا ضمان دیا جائے۔

روزہ اور کھانا کھلانا ہوتا ہے لہٰذا کفارۂ ظہار کی طرح مد کے مقابلہ میں ایک دن کا روزہ رکھا جائے گا، کفارے میں مد مسکین کو کھانا کھلانے کے مقابلے میں ہے جب ایسی چیز باقی رہی جو دن کے مقابلہ میں نہیں، تو پھر روزہ رکھے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نصف صاع گندم کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف صاع سے مسکین کو کھلانا جائز نہیں چونکہ طعام مذکور معمور فی الشرح کی طرف لوٹے گا۔

نہم: جس شکار کی کوئی مثل نہ ہو جیسے ٹڈی...... ایسا شکار جس کی مثل نہ ہو جیسے ٹڈی تو قاتل کو اختیار ہے کہ اس کی قیمت سے طعام خریدے اور مسکینوں کو کھلا دے یا روزے رکھے شافعیہ اور حنابلہ کے ظاہری قول کے مطابق بعینہ قیمت دینا جائز نہیں، چونکہ قاتل کو اختیار دیا گیا ہے کہ یا تو قیمت سے طعام خرید کر صدقہ کرے یا ہر مد کے بدلہ میں روزہ رکھے۔

دہم: مکرر شکار اور اشتراک...... جب بھی شکار کو قتل کرے گا تو اس پر جزاء کا حکم لاگو کیا جائے گا، لہٰذا دوسری مرتبہ کسی شکار کو قتل کیا تو دوسری مرتبہ جزاء بھی واجب ہوگی جیسے ابتداءً جزاء واجب ہوئی چونکہ یہ قتل شکار کا کفارہ ہے لہٰذا اس میں پہلی باری کا قتل اور دوسری باری کا قتل برابر ہوگا جیسے کسی آدمی کو قتل کرنے کا کفارہ دیا جاتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کفارہ تلف شدہ شکار کا بدل ہے اس میں مثل یا قیمت واجب ہوتی ہے لہٰذا آدمی کے مال کے بدل کے مشابہ ہوا۔

اگر ایک جماعت کسی شکار کو قتل کرنے میں شریک ہو تو حنابلہ کی رائے کے مطابق ان پر ایک ہی جزاء واجب ہوگی، شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" جبکہ جماعت نے مل کر ایک شکار کو قتل کیا ہے، لہٰذا سبھی کو ایک ہی مثل لازم ہوگی اور جو زائد ہو وہ مثل سے خارج ہوتا ہے لہٰذا وہ واجب بھی نہیں ہوتے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں جب دو محرم ایک شکار کو قتل کرنے میں شریک ہوں تو ہر ایک پر کامل جزاء ہوگی چونکہ ہر ایک نے احرام کامل پر جنایت کی ہے، چنانچہ جب دو حلال شخص مل کر حرم کے شکار کو قتل کر دیں تو ان پر صرف ایک ہی جزاء لازم ہوگی چونکہ اس صورت میں ضمان حرمت مکہ کی وجہ سے لازم ہوا ہے۔

لہٰذا یہ بھی اموال کے ضمان کے قائم مقام ہوگا جیسے دو شخص مل کر ایک تیسرے شخص کو خطاءً قتل کر دیں ان پر ایک ہی دیت واجب ہوگی اور ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ کفارہ ہوگا۔

حنابلہ نے اتنا اضافہ بھی کیا ہے کہ اگر محرم کے ساتھ شکار کو قتل کرنے میں کوئی حلال شامل ہو تو جزاء کا حکم محرم پر لاگو ہوگا، حلال پر نہیں ہوگا۔

اگر حرم کے شکار میں محرم اور حلال دونوں شریک ہوں تو جزاء دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا چونکہ اتلاف (شکار کو تلف کرنا) کی نسبت دونوں کی طرف کی جائے گی۔

یازدہم: خرید وفروخت اور وراثت سے شکار کی ملکیت...... اکثر فقہاء کا قول ہے کہ جب کوئی شخص احرام باندھے دراں حالیکہ اس کی ملکیت میں کوئی شکار ہو تو اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کا قبضہ ختم ہو سکتا ہے مثلاً شکار اس کے گھر میں ہو یا کسی نائب کے قبضہ میں ہو، اگر شکار مر گیا تو محرم پر کچھ نہیں ہوگا، محرم اس شکار میں تصرف کر سکتا ہے اسے ہبہ کر سکتا ہے، شکار کو کوئی غصب کر لے تو واپسی لازمی ہوگی۔ اگر شکار بالفعل اس کے قبضہ میں ہو یا اس کے کجاوہ میں ہو یا اس کے خیمہ میں ہو یا اس کے ساتھ پنجرے میں بند ہو یا رسی وغیرہ سے باندھ رکھا ہو تو اسے چھوڑ دینا لازمی ہے۔

مالک کا شکار پر قبضہ اور ملک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ محرم نے شکار میں اپنا کوئی فعل نہیں کیا لہٰذا اسے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے شکار کسی اور کے قبضہ میں ہو یعنی غیر محرم کے قبضہ میں۔

محرم بیع اور ہبہ سے ابتداءً شکار کا مالک نہیں ہوتا اس کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیل گائے شکاری کو واپس کر دی تھی چونکہ آپ حالت احرام میں تھے، اگر محرم نے بیع، ہبہ وغیرہ اسباب سے شکار لیا تو اس پر اس کی جزا واجب ہوگی، اگر شکار مبیع ہو تو قیمت واجب ہوگی یا شکار ہی مالک کو واپس کرے، اگر شکار چھوڑ دیا تو اس پر ضمان ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے شکار کو تلف کر دے، محرم پر جزا نہیں البتہ شکار جو کہ مبیع ہے واپس کیا جائیگا۔

اگر محرم شکار کا وارث بنا تو اس کا مالک بن جائے گا چونکہ وراثت سے حاصل ہونے والی ملک میں محرم کا فعل کارفرما نہیں ہوتا، شکار تو حکماً اس کی ملک میں داخل ہوا ہے برابر ہے محرم نے اسے اختیار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

ممنوعات احرام کا خاکہ

نمبر شمار	محرمات	عمداً، بھولے سے، ناواقفی سے اور عذر سے فعل پر مرتب ہونے والی جزاء
۱	سلے ہوئے کپڑے یا جوتے کا پہننا اور بلا عذر سر ڈھانپنا	بکری ذبح کرنے کا فدیہ دیا جائے گا
۲	مرد کا سر ڈھانپنا اور عورت کا چہرہ ڈھانپنا	بکری ذبح کر کے فدیہ دیا جائے
۳	جسم کے بال زائل کرنا خواہ کوئی سے بال بھی ہوں	حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر مونڈنے پر بکری ذبح کی جائے گی اور اس سے کم پر صدقہ ہے، مالکیہ کے نزدیک دس بالوں سے زائد کرنے پر بکری ذبح کی جائے اور اس سے کم پر مٹھی بھر صدقہ، تین بالوں سے زائد ضائع کرنے پر حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بکری ذبح کی جائے گی۔ اگر تین بالوں سے کم ہوں تو حنابلہ کے نزدیک ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے، شافعیہ کے نزدیک ایک بال پر ایک مد دو بالوں پر دو مد۔
۴	ناخن کاٹنا	حنفیہ کے نزدیک ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹنے پر فدیہ لازم ہوگا جبکہ بقیہ ائمہ کے نزدیک فدیہ بالوں کی تفصیل کے مطابق ہوگا۔
۵	خوشبو لگانا	بکری ذبح کر کے فدیہ دیا جائے
۶	حیوان کا شکار کرنا یا شکار سے تعرض کرنا	جمہور کے نزدیک جزاء بالمثل ہوگی یا مثل کی قیمت سے طعام خرید کر حصہ کیا جائے یا ہر مد کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جزاء بالقیمت ہوگی۔ پھر اختیار ہے چاہے ہدی خرید کر ذبح کرے یا ہر مسکین کو نصف صاع گندم کھلائے یا ہر نصف صاع کے بدلہ میں روزہ رکھے۔
۷	حرم مکہ کی نباتات اور درخت کاٹنا	مالکیہ کے نزدیک جزاء نہیں ہوگی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محرم پر قیمت ہوگی، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک درخت کے چھوٹا بڑا ہونے کے مطابق چھوٹی بڑی جزا ہوگی جو بکری اور گائے کی شکل میں دی جائے گی۔

۸	جماع اور مقدماتِ جماع	بالاتفاق جماع سے حج فاسد ہوجاتا ہے، مالکیہ کے نزدیک انزال سے بھی حج فاسد ہوجاتا ہے، بالاتفاق قضاء واجب ہوگی۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بدنہ ذبح کیا جائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک ہدی لانا واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک جماع اگر وقوف عرفہ کے بعد ہوا تو بدنہ ذبح کیا جائے گا اور اگر وقوف عرفہ سے پہلے ہوا تو بکری ذبح کی جائے گی۔ سوتی ہوئی عورت کے ساتھ زبردستی جماع کرلیا گیا تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کچھ نہیں۔ بھولے سے اگر محرم نے مقدماتِ جماع کا ارتکاب کردیا تو شافعیہ کے نزدیک اس پر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح بھولے سے جس نے جماع کرلیا یا وہ حج کے دوران حرمت جماع سے واقف ہی نہیں تھا یا جس عورت کے ساتھ زبردستی جماع کرلیا گیا تو ان پر بھی کچھ نہیں، ان کے نزدیک حج بھی فاسد نہیں ہوگا۔

بارہویں بحث.....فوات واحصار

فوات.....یعنی وہ امور جن سے حج فوت ہوجاتا ہے، حکم فوات۔[1]

وہ امور جن سے حج فوت ہوجاتا ہے.....جس شخص نے حج کا احرام باندھا خواہ حج فرض ہو یا نفلی، صحیح ہو یا فاسد پھر اس شخص سے وقوف عرفہ فوت ہوگیا یعنی ۹ ذی الحجہ زوال سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ طلوع فجر تک میدان عرفات میں حاضری نہ دے سکا تو اس کا حج فوت ہوگیا، چونکہ عرفہ کا وقوف ہی حج ہے۔

ابن جزی مالکی کہتے ہیں اگر حج کے کل اعمال فوت ہوگئے تو اس سے بھی حج فوت ہوجاتا ہے اور جب کسی شخص نے عرفہ میں قیام کیا حتیٰ کہ یوم نحر کا طلوع فجر ہوا برابر ہے وقوف کیا یا نہ کیا، عمرہ فوت نہیں ہوتا چونکہ عمرہ کا کوئی مقرر وقت نہیں۔

فوات کا حکم

حنفیہ.....کہتے ہیں جس شخص کا حج فوت ہوجائے وہ اسی احرام میں عمرہ یعنی طواف اور سعی کرے پھر حلق یا تقصیر کرکے حلال ہوجائے پھر آئندہ سال حج کی قضاء کرے، اس پر دم واجب نہیں چونکہ وہ افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوا ہے چنانچہ آئندہ سال قضاء دم کے قائم مقام ہے لہٰذا ایسا نہیں ہوگا کہ دم بھی دے اور آئندہ سال قضاء بھی کرے، گویا دم اور قضاء دونوں جمع نہیں ہوں گے، اگر حج کا فوت ہونا لزوم ہدی کا سبب ہوتا تو محرم کو ہدی کے دو جانور لانے پڑتے، ایک فوات کا اور دوسرا احصار کا۔

جمہور.....کہتے ہیں جس شخص کا حج فوت ہوجائے وہ عمرہ یعنی طواف سعی اور حلق یا تقصیر کرکے حلال ہوجائے اور پھر علی الفور آئندہ سال قضاء کرے اور بوقت قضاء ساتھ ہدی لائے، اس کے ذمہ سے باقی اعمال یعنی وقوف مزدلفہ، رمی اور منیٰ کا قیام وغیرہا ساقط ہوجائیں گے۔

فوات کی دلیل.....قربانی کی رات آخری حصہ میں وقوف عرفہ نہ پایا حتیٰ کہ قربانی کے دن کا طلوع فجر ہوچکا تو اس کا حج فوت ہوگیا،

[1].....دیکھئے البدائع ۲/۲۲۰، فتح القدیر ۲/۳۰۳، اللباب ۱/۲۱۴، الشرح الصغیر ۲/۱۳۰، القوانین الفقہیة ص ۱۴۲ المھذب ۱/۲۳۳، المغنی ۳/۵۲۶، مغنی المحتاج ۱/۵۳۷۔

اس میں علماء کا اختلاف نہیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حج اس وقت تک فوت نہیں ہوتا حتیٰ کہ مزدلفہ کی رات کا طلوع فجر ہوجائے، ابوزبیر کہتے ہیں: میں نے کہا: کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے؟ جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں۔ ❶ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وقوف عرفہ ہی تو اصل حج ہے۔

چنانچہ جو شخص مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے پہلے عرفات میں آ گیا اس کا حج تمام ہو چکا'' ان دلائل سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ کی رات گزر جانے سے حج فوت ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عرفات میں رات کو وقوف کیا گویا اس نے حج پالیا جس شخص سے وقوف عرفہ رات کو فوت ہوا وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔ اس پر آئندہ سال حج ہے۔ ❷

عمرہ کر کے حلال ہونے کی دلیل......اس کی دلیل عمر، ابن عمر وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ ❸ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حج فسخ کر کے عمرہ کرنا جائز ہے کہ اس میں فوت ہونے کا چکر ہی نہ ہو، لہٰذا حج فوت ہونے پر بطریق اولیٰ عمرہ کرنا ہوگا۔

آئندہ سال قضاء لازم ہونے کی دلیل...... برابر ہے کہ فوت ہونے والا حج فرض ہو یا نفلی اس کی دلیل صحابہ سے مروی ہے ان میں حضرت عمر، ابن عمر ابن عباس، ابن زبیر اور مروان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس شخص کا وقوف عرفہ فوت ہوا اس کا حج فوت ہوا وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کرے۔ ❹

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حج شروع کر لینے سے واجب ہو جاتا ہے لہٰذا حج معذور کی طرح ہوا یہ باقی نوافل کے بخلاف ہے۔

لزوم ہدی کی دلیل...... جمہور کے نزدیک ہدی لازم ہے جبکہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، جمہور کی دلیل مذکور بالا صحابہ کا قول ہے، نیز عطاء نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا حج فوت ہو گیا اس پر دم واجب ہے اور اسے چاہئے کہ حج کو عمرہ بنادے اور آئندہ سال حج کرے۔ ❺

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ احرام کا وقت پورا ہونے سے پہلے ہی حلال ہو چکا لہٰذا اسے ہدی لازم ہوگی، جیسے محرم جس کا حج فوت نہ ہوا ہو اور وہ وقت سے پہلے حلال ہو جائے تو اسے ہدی لازمی ہوگی۔

جس کا حج فوت ہو جائے اس کا آئندہ سال تک محرم باقی رہنا...... جس شخص کا حج فوت ہو جائے وہ اگر آئندہ سال تک حالت احرام میں رہنا چاہئے تو رہ سکتا ہے چونکہ مدت کا دراز ہونا احرام اور افعال حج کے درمیان اتمام حج کا مانع نہیں ہوتا۔ جیسے عمرہ اور حج کے مہینوں کے علاوہ حج کے لئے احرام باندھنے والا۔

قضاء کا طریقہ...... جمہور کہتے ہیں۔ جب قارن سے حج فوت ہو جائے تو وہ حلال ہو جائے، لہٰذا جس قسم کے حج کا احرام باندھا ہو اسی کی بمثل آئندہ سال حج کرنا ہوگا چونکہ قضاء حسب ادا ہوتی ہے، البتہ اسے دو ہدیاں لازم ہوں گی ایک ہدی قران کی اور دوسری فوت ہونے کی۔

حنفیہ کہتے ہیں۔ قارن کو چاہئے کہ طواف اور سعی کرے عمرہ کے لئے اور پھر حلال نہ ہو حتیٰ کہ حج کے لئے طواف اور سعی کرلے یعنی دو مرتبہ عمرہ کرنا ہوگا پھر حلال ہو۔

---

❶......رواہ الاثرم باسنادہ۔ ❷ رواہ الدار قطنی عن ابن عمر وضعفہ۔ ❸ رواہ الشافعی فی مسندہ وروی المالک فی الموطا باسناد صحیح۔ عن ھبار بن الاسود ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتی بوجوب القضاء والدم واشتھر فی الصحابۃ۔ ❹ رواہ الدارقطنی عن ابن عباس۔ ❺ رواہ البخاری باسنادہ۔

وقوف عرفہ کے وقت میں اگر خطا واقع ہو جائے...... جب لوگوں سے خطا واقع ہوئی اور ۸ ذی الحجہ یا ۱۰ ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کرلیا حالانکہ یہ وقوف عرفہ کا وقت نہیں تھا، انہیں یہ وقوف کافی ہوگا اور قضاء لازم نہیں ہوگی، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عرفہ کا دن وہی ہے جس دن لوگ وقوف عرفہ کریں۔ ❶

دوسری وجہ یہ ہے کہ خطا کا واقع ہونا گواہوں کی گواہی کا حصہ ہے کیونکہ انہوں نے مہینہ شروع ہونے سے پہلے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان کی گواہی کو بنیاد بنا کر لوگوں نے ۸ ذی الحجہ کو وقوف کیا یا مطلع صاف نہیں تھا بلکہ ابر آلود تھا اور لوگوں نے ۱۰ ذی الحجہ کو وقوف کرلیا تو یہ ایسے امور ہیں جن کا قضا فیصلہ اور عدالت میں چنداں اعتبار نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ اعتبار بھی ساقط ہوگا۔

اگر لوگوں میں تعیین میں اختلاف ہوا بعض نے درست رائے دی اور بعض سے خطا واقع ہوئی تو وقوف کافی نہیں ہوگا چونکہ وہ معذور تو نہیں، تحقیق کر لیتے اور درستی پر چلتے۔

احصار...... اس میں ان امور پر گفتگو ہوگی احصار کا معنی، احکام، احصار کے دم کے ذبح کرنے کی جگہ، اور وقت محصر قضاء کیا کرے اور احصار کا زائل ہونا۔ ❷

اول: احصار کا معنی...... احصار کا لغوی معنی منع کرنا اور روک دینا ہے۔

اصطلاح شرع میں حنفیہ کے نزدیک محرم کو دو ارکان یعنی وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روک لینا، جمہور کے نزدیک تعریف۔ محرم کو سبھی راستوں سے حج یا عمرہ پورا کرنے سے روک دینا۔

رکاوٹ حنفیہ کے نزدیک...... رکاوٹ اور مانع حنفیہ کے نزدیک یا تو دشمن ہے یا بیماری یا زادراہ کا ضائع ہو جانا، حبس و بند اور ہاتھ پاؤں کا ٹوٹ جانا وغیرہا ان کے علاوہ ایک موانع جو محرم کو حج وعمرہ پورا کرنے سے روک دیں، جو شخص مکہ میں دو ارکان یعنی وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روک دیا گیا وہ محصر سمجھا جائے گا، چونکہ اتمام اس کے لئے بھی دشوار ہے لہٰذا ایسا ہی ہوا جیسے حل میں محصر کر دیا گیا۔ اگر محرم کو دو ارکان میں سے ایک رکن کو بجالانے کی قدرت مل جائے تو وہ محصر نہیں ہوتا، چونکہ اگر اسے طواف کی قدرت ملی تو طواف کر کے حلال ہو جائے گا اور اگر وقوف عرفہ کی قدرت ملی تو اس کا حج تمام ہوا لہٰذا محصر نہیں سمجھا جائے گا۔

جمہور کے نزدیک...... ایسی رکاوٹ اور مانع جس کے ہوتے ہوئے محرم کو محصر شمار کیا جائے وہ مانع متصور ہوگا، یہ مانع دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے، چنانچہ دشمن کی وجہ سے ہونے والا احصار معتبر ہوگا اور اس احصار کے بعد بالا جماع حلال ہونا مباح ہے، بیماری کے عذر کی وجہ سے حلال ہونا جائز نہیں یا ایسے قرض میں محرم کو حبس میں رکھا گیا جس کی ادائیگی پر وہ قدرت رکھتا ہو یا زادراہ ختم ہو گیا اس سے بھی محصر نہیں ہوگا، چنانچہ جو شخص مرض کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا وہ صبر کرے حتیٰ کہ صحت یاب ہو جائے تو حج وعمرہ بجالائے۔

مدیون پر لازم ہے کہ وہ دین ادا کرے اور اپنے حج کو بجالائے۔ اگر قید وحبس کی وجہ سے حج فوت ہوا تو اسے مکہ جانا لازمی ہے اور عمرہ کر کے حلال ہونا اسے قضا لازمی ہوگی، جس شخص کا نفقہ جاتا رہے وہ مکہ میں ذبح کرنے کے لئے ہدی بھیجے اور خود احرام میں رہے حتیٰ کہ مکہ پہنچنے پر قادر ہو جائے، ہر وہ محرم جس کا مکہ پہنچنا متعذر ہو جائے بیماری کی وجہ سے یا لنگڑے پن کی وجہ سے یا زادراہ ختم ہونے کی وجہ سے، یا راستہ گم ہونے کی وجہ سے وغیرہ تو اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں بلکہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کا عذر جاتا رہے۔

---

❶......رواه الدارقطنی عن عبدالعزيز بن عبدالله بن خالد بن اسيد وروى الدارقطنی ايضاً وغيره عن ابی هريرة۔ ❷ دیکھئے البدائع ۱۷۵/۲، فتح القدير ۲۹۵/۲، اللباب ۲۱۲/۱، بداية المجتهد ۳۴۲/۱القوانين الفقهيه ص ۱۴۱ الشرح الصغير ۱۴۲/۲، الشرح الكبير ۹۳/۲ مغنی المحتاج ۵۳۲/۱ المجموع ۲۴۳/۸ المهذب ۲۳۳/۱، المغنی ۳۶۴/۳ كشاف القناع ۶۰۷/۲ الايضاح ص ۹۷۔

محصر مکہ..... جو شخص مکہ میں محصر ہوا خواہ دشمن کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے یا حبس کی وجہ سے درآں حالیکہ اس نے وقوف عرفہ کر لیا ہو تو گویا اس نے حج پالیا وہ طواف زیارت ہی کر کے حلال ہوا گر چہ اس میں سالہا سال گزر جائیں۔

حلال ہونے کی شرط..... اگر کسی شخص نے حلال ہونے کو بیماری وغیرہ سے مشروط کر دیا تو وہ حلال ہو سکتا ہے، اس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم حج کرنا چاہتی ہو۔ عرض کیا، بخدا میں اپنے بدن میں تکلیف پاتی ہوں، آپ نے فرمایا: ''حج کرو اور شرط لگالو اور یوں کہو: یا اللہ! جہاں تو مجھے حبس کر (روک) لے گا وہی جگہ میرے حلال ہونے کی ہوگی۔'' مرض پر باقی اعذار کو بھی قیاس کر لیا گیا ہے، جس شخص نے احرام باندھتے وقت حلال ہونے کی شرط لگالی تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کے ذمہ سے دم ساقط نہیں ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں: اس پر کچھ بھی نہیں ہوگا نہ ہدی، نہ قضاء اور نہ ہی کچھ اور چونکہ عبادات میں شرط موثر ہوتی ہے۔

دلائل: حنفیہ کا استدلال..... حنفیہ کے نزدیک احصار کے اسباب میں عموم ہے اور انہوں نے اس آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ......البقرہ ۱۹۶/۲

'اگر تمہیں روک دیا جائے تو تمہیں جو ہدی میسر ہو اللہ کے حضور پیش کرو۔

رکاوٹ اور بندش جس طرح دشمن سے ہوتی ہے اسی طرح بیماری سے بھی ہوتی ہے، اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا، چونکہ حکم لفظ کے تابع ہوتا ہے نہ کہ سبب کے، چنانچہ امام کسائی اور ابو معاذ سے مروی ہے کہ احصار بیماری سے بھی ہوتا ہے۔ اور حصر دشمن سے، اس توجیہ کے پیش نظر آیت خاص طور پر سبب مرض کے مانع پر دال ہوگی۔

جمہور کا استدلال..... جمہور کہتے ہیں: مذکورہ آیت احصار ''فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ......'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی جو دشمن سے محصر ہوئے تھے، آیت کریم کے آخر میں اسی پر دلیل ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ ''فاذا امنتم'' امان تو دشمن ہی سے ہو سکتی ہے۔ [1]

''ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: محصور ہونا صرف دشمن سے ہو سکتا ہے۔''

مالکیہ کے نزدیک حلال ہونے کی شرائط..... مالکیہ کی رائے ہے کہ محصر کے پانچ حالات ہیں، ان میں سے چار احوال میں حلال ہونا صحیح ہے وہ یہ ہیں:

۱..... یہ کہ عذر احرام کے بعد طاری ہو۔

۲..... احرام سے پہلے عذر طاری ہوا تھا تاہم اسے علم نہیں تھا۔

۳..... یا اسے علم تھا پر وہ سمجھتا تھا کہ یہ عذر رکاوٹ نہیں بنے گا۔

۴..... یہ کہ محرم شرط لگا دے کہ رکاوٹ پر حلال ہو جائے گا۔

---

[1] یہ استدلال کھوکھلا ہے چونکہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ ظاہر میں آیت: ''اا امنتم فمن.....الخ'' غیر محصر کے متعلق ہے بلکہ یہ آیت تو حج تمتع کے بارے میں ہے گویا رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جب تم خوفزدہ نہ ہو لیکن تم حج عمرہ کو حج سے ملا کر حج تمتع کرنا چاہو تو جو ہدی میسر ہو، پیش کرو، اس تفسیر پر یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ''ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' (البقرۃ ۱۹۶/۲) محصر عام ہے اس میں مسجد حرام میں حاضر ہونے والا بھی شامل ہے اور غیر حاضر بھی۔ (بدایۃ المجتہد ۳۴۵/۱)

ایک صورت میں حلال ہونا ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ محرم کو اگر ایک راستے سے روک دیا گیا اور وہ دوسرے راستے سے مکہ پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو۔

احرام کا چھوڑ دینا (رفض احرام)......اگر محرم نے کہا! میں احرام کو چھوڑتا ہوں اور حلال ہوتا ہوں، چنانچہ اس نے کپڑے پہن لئے پھر شکار بھی ذبح کرلیا اور وہ کام کرنے شروع کردیئے جو حلال شخص کرتا ہے تو وہ بدستور محرم رہے گا اور اس کے حق میں احرام باقی رہے گا، اسے احکام احرام لازم ہوں گے، اسے ہر ممنوع فعل جو کیا ہوگا اسے جزاء لازم ہوگی، اور ایسا فعل کیا جس پر دم واجب ہوتا ہو تو دم بھی واجب ہوگا، اگر جماع کرلیا تو اس پر بدنہ واجب ہے اور ساتھ ساتھ دوسرے دم بھی واجب ہوں گے اور جماع سے حج فاسد ہوجائے گا، البتہ محض احرام چھوڑنے پر کچھ واجب نہیں ہوگا چونکہ رفض احرام کی محض نیت ہے جو کچھ موثر نہیں ہوگی۔

بیوی کو نفلی حج سے حلال کرانا......شافعیہ اور حنفیہ نے تذکرہ کیا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو احرام سے حلال کراسکتا ہے، چونکہ ابتداءً خاوند بیوی کو حج یا عمرہ سے روک سکتا تھا خواہ حج نفلی ہو یا فرض، چونکہ خاوند کے حقوق فوت ہوں گے، یہ ایسا ہی ہے جیسے خاوند عورت سے نفلی روزہ افطار کرواسکتا ہے، گو خاوند نے اجازت دی ہو، حنفیہ کے نزدیک ہدی ذبح کئے بغیر خاوند بیوی کو حلال کراسکتا ہے، شافعیہ کے نزدیک ہدی ذبح کرکے حلال ہوگی، بیوی کو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند بیوی کو حلال ہونے کا حکم دے، عورت کا حلال ہونا محصر کے حلال ہونے کی طرح سے ہوگا۔ خاوند مطلقہ رجعیہ اور بائنہ کو حلال ہونے کا حکم نہیں دے سکتا، بلکہ اسے عدت گزارنے کے لئے حبس کرسکتا ہے چنانچہ جب عورت کی عدت پوری ہوجائے تب حج وعمرہ کو مکمل کرسکتی ہے اگر وقت ابھی باقی ہو ورنہ عمرہ کرکے حلال ہوجائے عورت کو قضاء اور دم فوات لازم ہوگا۔

دوم: احصار کے احکام......محصر کے متعلق مختلف احکام ہیں البتہ اس میں اصل احکام دو ہیں:

۱......احرام سے حلال ہونے کا جواز۔

۲......حلال ہونے کے بعد جس چیز کا احرام باندھا اس کی قضاء کا واجب ہونا۔

حکم اول......یعنی احرام سے حلال ہونے کا جواز اس میں یہ امور تفصیل طلب ہیں، حلال ہونے کا معنی، جواز حلال کی دلیل، کس چیز سے حلال ہوجاتا ہے، حلال ہونے کی جگہ اور ہدی ذبح کرنے کا وقت۔

حلال ہونے کا معنی......حلال ہونے کا معنی یہ ہے کہ احرام کو فسخ کرنا اور احرام سے ایسے طریقہ کے ساتھ نکلنا جسے شریعت نے مقرر کیا ہو۔ حلال ہونے کے جواز کی دلیل یہ آیت ہے۔ ”فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ“ آیت کی تقدیری عبارت یوں ہے:

فان احصر تم عن اتمام الحج والعمرة واردتم ان تحلوا فاذ بحوا ماتیسر من الهدی

یعنی اگر تم حج یا عمرہ مکمل کرنے سے روک دیئے جاؤ اور تم حلال ہونا چاہو تو تمہیں جو ہدی میسر ہو وہ ذبح کرو۔

چونکہ نفس احصار سے ہدی واجب نہیں ہوتی۔

وہ عمل جس سے حلال ہو......اگر محرم محصر کو مکہ پہنچنا ممکن ہو تو عمرہ کرکے حلال ہو اگر مکہ پہنچنا دشوار ہو تو ہدی ذبح کرے حنفیہ کے نزدیک محصر ہدی کو مکہ بھجوائے یا اس کی قیمت بھجوائے تاکہ وہاں ہدی خرید کر ذبح کی جائے، جو شخص ہدی نہ ذبح کرے وہ حلال نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک برابر ہے کہ کسی شخص نے احرام باندھتے وقت احصار کے وقت ہدی ذبح کرکے حلال ہونے کی شرط لگائی ہو یا یہ شرط نہ لگائی ہو۔

ہدی..... ہدی اونٹ، گائے اور بکری کو کہا جاتا ہے۔

جمہور کی رائے..... جو شخص محصر ہو گیا وہ ہدی ذبح کر کے حلال ہو جائے خواہ وہ حج کرنے جا رہا ہو یا عمرہ یا حج قران۔ چونکہ آیت ہے:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ ......البقرة ۲/۱۹۶

چنانچہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے جب مشرکین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ جانے سے روک دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنا چاہتے تھے، آپ نے ہدی کا جانور ذبح کیا اور پھر حلق کرایا، اپنے صحابہ سے فرمایا کھڑے ہو جاؤ قربانی کرو اور پھر حلق کرو۔ ❶

اگر محرم حج قران کرنا چاہتا ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر ایک ہی دم ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دو دم ہوں گے چونکہ قارن نے دو احرام باندھ رکھے ہیں، عمرہ اور حج کے۔ لہٰذا دو دم دے کر حلال ہوگا، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قارن نے ایک ہی احرام باندھا ہوا ہے لہٰذا ایک دم دے کر حلال ہو جائے، عمرہ کا احرام حج میں داخل ہے لہٰذا ایک ہی دم کافی ہے۔ اگر جانور ذبح کرنے سے عاجز ہو تو فدیہ میں ائمہ کا اختلاف ہے جو ذیل میں ہے۔

حنابلہ..... اگر محرم کے پاس ہدی نہ ہو اور وہ ہدی سے عاجز ہو تو حنابلہ کے نزدیک دس دن کے روزے رکھے، تین دن ایام حج میں اور سات دن وطن واپس لوٹ کر، چونکہ دم احصار واجب ہوتا ہے جب اس سے عاجز ہوگا تو اس کا بدل دینا واجب ہوگا جیسے حج تمتع کا دم، خوشبو لگانے پر لازم ہونے والا دم وغیرہ برابر احرام کی حالت میں رہے گا یہاں تک کہ ہدی ذبح کر لے یا روزے رکھ لے، چونکہ یہ دونوں چیزیں افعال حج کے قائم مقام ہیں، لہٰذا ان سے پہلے حلال نہیں ہو سکتا۔

شافعیہ..... شافعیہ کے نزدیک جو شخص ہدی سے عاجز ہو وہ کھانا کھلائے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بکری کی قیمت لگائی جائے گی پھر قیمت کے بدلہ میں طعام خرید کر دے، اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے، جب ہدی سے روزہ رکھنے کی طرف انتقال کیا تو ظاہری قول کے مطابق فی الحال حلال ہونا جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ..... کہتے ہیں احصار سے واجب ہونے والی ہدی کا بدل نہیں چونکہ قرآن مجید میں بدل کا ذکر نہیں۔

پھر حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک تین چیزوں سے حلال ہوگا، ہدی ذبح کرنے، ذبح کرنے سے حلال ہونے کی نیت ہو اور حلق یا تقصیر سے۔ چونکہ حدیث میں ہے۔ ’’اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، دسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن حلق کرایا، آپ کا فعل اعمال حج کے متعلق وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی حلق شرط ہے، البتہ حلال ہونے کی شرط نہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک محصر سر مونڈے بغیر ہی ہدی ذبح کرنے سے حلال ہو جاتا ہے چونکہ آیت کریمہ مطلق ہے:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ ......البقرة ۲/۱۹۶

سو جس شخص نے حلق واجب کر دیا اس نے بعض موجب کر دیا اور یہ خلاف نص ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حلق افعال حج سے حلال ہونے کے لئے ہوتا ہے جبکہ محصر نے تو افعال حج نہیں بجالائے، لہٰذا محصر پر حلق واجب نہیں، حدیبیہ کے موقع پر حلق کے متعلق حدیث ندب واستحباب پر محمول ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: دشمن یا فتنہ کی وجہ سے کوئی شخص محصر ہوا تو وہ بندش چھٹنے کا انتظار کرے، اگر آگے بڑھنے سے بالکل مایوس

---

❶..... رواه البخاري واحمد عن ابن عمر. (نيل الاوطار ۹/۵)

ہوجائے تو جہاں بھی ہو حلال ہوجائے، اس پر ہدی یا دم کچھ نہیں، ہاں البتہ اگر اس کے پاس ہدی ہو تو اسے ذبح کرے، نیت اور حلق سے حلال ہوجائے، گویا محصر کے حلال ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:

۱.....یہ کہ احرام باندھتے وقت محرم کو مانع کا علم نہ ہو۔

۲.....وقوف عرفہ سے پہلے پہلے مانع (رکاوٹ) ختم ہونے سے بالکلیہ مایوس ہوجائے، مشائخ مالکیہ کے نزدیک محصر کا ایسی جگہ میں حلال ہونا جائز نہیں جہاں اسے وقوف کے پالینے کا یقین ہو، اگر محصر کو علم ہو یا گمان ہو یا شک ہو کہ بندش وقوف عرفہ سے پہلے ختم نہیں ہوگی تو وہ اس وقت تک حلال نہ ہو یہاں تک کہ وقوف عرفہ فوت نہ ہوجائے۔ اگر وقوف فوت ہوگیا تو عمرہ بجالائے۔

ہدی ذبح کرنے کی جگہ حنفیہ کے نزدیک.....حنفیہ کے نزدیک ہدی ذبح کرنے کی جگہ حرم پاک ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۶

اس وقت تک اپنے سروں کو مت مونڈو یہاں تک کہ ہدی اپنے محل تک نہ پہنچ جائے۔

اگر ہر جگہ ہدی کے ذبح کرنے کا محل ہوتا تو خصوصیت کے ساتھ آیت میں محل کا ذکر نہ کیا جاتا۔ نیز دوسری جگہ فرمان ہے:

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾ الحج ۲۲/ ۳۳

یعنی ہدی کا محل وہ جگہ ہے جس میں بیت اللہ واقع ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دم احصار صرف حرم میں ذبح کرنا جائز ہے، لہٰذا بکری حرم میں بھیجی جائے جو وہاں ذبح کی جائے، لے جانے والا ایک دن مقرر کرلے جس دن وہ حرم میں ہدی کو ذبح کرے اور محصر ادھر حلال ہوجائے۔ جو شخص عمرہ کرنے جارہا تھا کہ وہ محصر ہوگیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ جب چاہے ہدی ذبح کرے، رہی بات صدقہ اور روزوں کی سو وہ جس جگہ چاہے رکھ سکتا ہے۔

ہدی ذبح کرنے کا وقت.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی کے دن سے پہلے بھی احصار کی ہدی ذبح کرنا جائز ہے، چونکہ نص مطلق ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یوم نحر سے پہلے ہدی ذبح کرنے میں محصر کو حلال کرنے میں جلد بازی بھی ہے، صاحبین رحمہما اللہ کہتے ہیں محصر بالحج کے لئے ہدی ذبح کرنا جائز نہیں مگر قربانی کے دن، جیسے دم تمتع اور دم قران قربانی کے دن ذبح کیا جاتا ہے۔ پہلی رائے جو کہ راجح ہے کے مطابق ہدی ذبح کرنے کا وقت مطلق ہے گویا ہدی کا ذبح کرنا یوم نحر پر موقوف نہیں، برابر ہے کہ احصار حج کا ہو یا عمرہ کا۔

حلال ہونے کا حکم.....یعنی حلال ہونے سے مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ وہ تمام جائز اور مباح امور جو احرام کی وجہ سے حرام ہوچکے تھے حلال ہونے کے بعد انہیں بجالاسکتا ہے۔ چونکہ ان امور کی حلت کے درمیان حائل مانع ختم ہوچکا لہٰذا حلال ہوجائے گا جیسے احرام سے پہلے حلال تھا۔

جمہور.....حنفیہ کے علاوہ جمہور کہتے ہیں جو شخص جس جگہ روک دیا گیا (محصر ہوا) وہ اسی جگہ بکری ذبح کرکے حلال ہوجائے، چونکہ سابقہ آیت مطلق ہے

فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ......سورۃ البقرہ ۲/ ۱۹۶

دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر جب کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا تو آپ نے وہیں ہدی ذبح کی، سر منڈوایا اور حلال ہوگئے آپ نے ہدی قربانی کے دن سے پہلے ذبح کی ہے، لہٰذا محصر بھی ہدی ذبح کرے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

اگرچہ یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) سے پہلے بھی محصر کے لئے حلال ہونا جائز ہے تاہم امام ابوحنیفہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یوم نحر تک احرام میں رہنا مستحب ہے، چونکہ ہوسکتا ہے احصار ختم ہوجائے، چنانچہ جب حلال ہونے سے پہلے احصار ختم ہوجائے تو افعال حج کے لئے چل پڑنا

واجب ہے، اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

خلاصہ..... مالکیہ کے نزدیک اگر محصر کے پاس ہدی نہ ہوتو اس پر ہدی واجب نہیں جبکہ جمہور کے نزدیک ہدی واجب ہے۔

محصر کی قضاء کیا ہوگی؟

حنفیہ..... کہتے ہیں جب محصر بالحج حلال ہو چکا تو اس پر قضاء کا حج اور عمرہ ہے، چونکہ محصر اس شخص کی طرح ہے جس کا حج فوت ہو گیا ہو اور وہ عمرہ کے افعال سے حلال ہوتا ہے۔ اگر وہ عمرہ نہ بجالائے تو اس کی قضاء کرنی پڑتی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اسی سال حج نہ کرے اور اگر اسی سال حج کر لیا تو اس پر عمرہ نہیں ہوگا چونکہ اس صورت میں وہ فائت الحج کے معنی میں نہیں ہے۔

جو شخص عمرہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ روک دیا گیا تو اس پر عمرہ کی قضاء واجب ہے، جو شخص حج قران کرنا چاہتا تھا کہ محصر ہو گیا تو وہ ایک حج اور دو عمرے کرے گا۔ حج اور ایک عمرہ اس لئے چونکہ اس سے یہ دونوں فوت ہوئے اور دوسرا عمرہ اس لئے کہ حج وعمرہ میں شروع ہونے کے بعد نکل چکا۔

حاصل..... یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک محصر نے جس چیز کا احرام باندھا ہو حلال ہونے کے بعد اسی کی قضاء اس پر واجب ہوگی۔

ا..... اگر صرف حج کا احرام باندھا ہو تو بندش (احصار) زائل ہونے کے بعد اگر وقت ہو اور محصر بھی اسی سال حج کرنا چاہتا ہو تو احرام باندھے اور حج کرے، اس پر قضاء کی نیت کرنا ضروری نہیں اور نہ ہی قضاء کا عمرہ ہے، اگر سال گزر جائے تو اس پر حج اور عمرہ واجب ہوگا، فوت شدہ حج اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا مگر قضاء کی نیت سے۔

ب..... اگر احرام صرف عمرہ کے لئے باندھا ہو تو اس کی قضاء کرے چونکہ جب عمرہ شروع کیا تو واجب ہو چکا البتہ جب چاہے اس کی قضاء کرے کیونکہ عمرہ کا کوئی مقرر وقت نہیں۔

ج..... اگر حج قران چاہتا ہو اور اس نے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو تو وہ قضاء میں ایک حج اور دو عمرے کرے، ایک حج اور عمرہ اس لئے کہ وہ دونوں شروع کرنے سے واجب ہو چکے دوسرا عمرہ اس لئے کہ اس سال حج فوت ہوا ہے چونکہ عمرہ احصار کی وجہ سے متعین ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمرہ کم از کم واجب ہے اور وہ یقینی بھی ہے۔

وجوب قضاء کی دلیل..... یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے موقع پر روک دیئے گئے تو آپ نے آئندہ سال عمرہ کی قضاء کی، اور اسے "عمرہ قضاء" کا نام دیا گیا، دوسری دلیل یہ ہے کہ محصر حج وعمرہ مکمل کرنے کے بغیر ہی حلال ہو جاتا ہے لہٰذا قضاء واجب ہوگی یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا حج فوت ہو جائے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: وہ شخص جو عمرہ کر کے حلال ہو یا نیت سے حلال ہو اس پر فرض حج ہوگا، یوں حلال ہو جانے سے حج ساقط نہیں ہوتا، رہی بات نفلی حج کی سو جب مرض کی وجہ سے یا کسی حق میں حبس ہونے کی وجہ سے حلال ہوا تو اس کی قضاء کرے گا، اور اگر دشمن یا فتنہ یا ظلماً حبس کی وجہ سے حلال ہوا تو اس سے قضاء کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

شافعیہ..... کہتے ہیں: وہ محصر جو نفلی حج یا نفلی عمرہ کرنا چاہتا ہو تو احصار کی وجہ سے اس پر قضا نہیں برابر ہے کہ احصار عام ہو یا احصار خاص۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں محصر کر دیا گیا تھا آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ بھی تھے، آئندہ سال آپ کے ساتھ تقریباً سات سو صحابہ نے قضاء کی۔

اگر حج یا عمرہ نفلی نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ مناسک فرض ہیں جیسے حج اسلام یا حج قضاء کا ہے یا حج منذور ہے، تو وہ اس کے ذمہ میں باقی رہے گا۔

حنابلہ......کا بھی اسی جیسا قول ہے کہ محصر اگر حلال ہو گیا اور حج کرنے کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہ پایا تو اس پر قضاء نہیں ہاں البتہ واجب ہو، اور وہ وجوب سابق کی وجہ سے آئندہ حج یا عمرہ کردے۔ چونکہ نفلی حج وعمرہ سے حلال ہونا جائز ہے لہٰذا ان کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص روزہ شروع کردے اور اس کا یقین ہو کہ روزہ واجب ہے حالانکہ وہ روزہ واجب نہ ہو تو اس کی قضاء لازم نہیں، رہی بات اس حدیث کی کہ جس سے حنفیہ نے ''قضاء عمرہ'' پر حجت پکڑی ہے تو یہ منقول نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قضاء کا حکم دیا ہو، جن صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کیا تھا وہ تھوڑے سے صحابہ تھے، جیسا کہ شافعیہ کے مذہب میں گزر چکا ہے۔

خلاصہ......حنفیہ قضاء کو واجب قرار دیتے ہیں اور جمہور قضاء کو واجب قرار نہیں دیتے۔

سوم: احصار کا زائل ہونا:

حنفیہ......کہتے ہیں کہ حلال ہونے سے پہلے جب احصار زائل ہو جائے پھر اگر محصر نے جو ہدی بھیجی ہے اسے پاسکتا ہو اور حج بھی پاسکتا ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں۔ اس کے لئے چل پڑنا ضروری ہے، چونکہ مقصود حاصل ہونے سے پہلے عجز وعذر جاتا رہا، حلال ہونے کے جو ہدی بھیجی اسے جو چاہے کرے، چونکہ وہ اس کی ملک ہے درآں حالیکہ وہ مقصود پانے کی غرض سے ہدی سے مستغنی ہے۔

اگر ہدی تو پاسکتا ہو لیکن حج نہ پاسکتا ہو تو حلال ہو جائے چونکہ اس صورت میں وہ مقصود اصلی سے عاجز ہے اور اسے بجا نہیں لاسکتا۔ اور اگر حج پاسکتا ہو لیکن ہدی نہ پاسکتا ہو تو استحساناً اس کے لئے حلال ہو جانا جائز ہے تاکہ مفت میں اس کا مال ضائع نہ ہو، ہاں البتہ حج کے لئے چل پڑنا افضل ہے۔

جمہور......حلال ہونے سے پہلے جب احصار زائل ہو جائے تو افعال حج مکمل کرنے کے لئے چل پڑنا لازمی ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور اگر حج فوت ہو جانے کے بعد احصار زائل ہو تو افعال عمرہ بجالا کر حلال ہو جائے، اور اگر احصار زائل ہونے سے پہلے حج فوت ہو جائے تو ہدی بھیج کر حلال ہو جائے۔

افعال حج مکمل کرنے کے لئے چل پڑنا تب واجب ہے جب محصر کا حج حج اسلام ہو یا واجب حج ہو چونکہ شافعیہ کے علاوہ اکثر فقہاء کے نزدیک حج واجب علی الفور ہوتا ہے اور اگر حج واجب نہ ہو تو اس پر کچھ نہیں بلکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے اس نے احرام باندھا ہی نہ ہو۔

تیرہویں بحث...... ''ہدی''

اس بحث میں ان امور پر گفتگو ہوگی۔ ہدی کی انواع، دم تمتع کی شرائط، اس کا طریقہ کار، ہدی سے کھانا، ہدی ذبح کرنے کی جگہ اور وقت، ہدی ذبح کرنے والا کون ہوگا؟ ہدی کے گوشت کو صدقہ کرنا، اس سے نفع اٹھانا، ہدی کے گلے میں قلادہ ڈالنا، ہدی کا اشعار کرنا، ہدی کا راستہ میں ہلاک ہو جانا۔ (1)

---

(1)......دیکھئے فتح القدیر ۳۲۱/۲، الکتاب مع اللباب ۲۱۵/۱، الشرح الصغیر ۱۱۹/۲، بدایۃ المجتہد ۳۶۳/۱ القوانین الفقہیۃ ص ۱۳۹ المہذب ۲۳۵/۱، مغنی المحتاج ۵۱۵/۱ المغنی ۴۷۰/۳، کشاف القناع ۶۱۵/۲ شرح المسلم ۱۳۸/۸، البدائع ۱۷۲/۲، المجموع ۲۶۹/۸۔

پہلی چیز: ہدی کا معنی.....لغوی معنی: وہ چیز جو ہدیہ میں دی جائے، بھیجی جائے یا کہیں منتقل کی جائے۔
اصطلاح شروع میں "هو ما يهدي الى الحرم من الانعام" چوپایوں (یعنی اونٹ، گائے اور بکری) میں سے وہ جانور جو حرم پاک میں عبادت کی نیت سے بھیجا جائے'' جو شخص حج وعمرہ کا احرام باندھے اس کے لئے ہدی ساتھ لے جانا سنت ہے۔

دوسری چیز: ہدی کی انواع اور اس کی کیفیت:

ہدی کا مصداق.....ہدی کا مصداق تین چیزیں ہیں۔ بدنہ (اونٹ) گائے (بیل، بھینس، بھینسا) بکری (بھیڑ)، کم از کم ہدی بکری ہے کبھی ہدی کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے مراد دم یا قربانی ہوتی ہے، جبکہ دم اور قربانی (نسک) سے مراد ذبیحہ ہوتا ہے اور وہ بکری ہے، چونکہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ محرم اگر سر مونڈ دے یا ناخن کاٹ دے تو اسے بکری بطور دم کافی ہوگی۔

افضل ہدی.....ہدی میں سب سے افضل جانور اونٹ ہے پھر گائے پھر بھیڑ (دنبہ) پھر بکری۔ کیونکہ مروی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سارے اونٹ ذبح کئے تھے، جبکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ اعمال میں افضل کو بجالاتے تھے۔

بقدر کفایت ہدی.....وہ جانور جو قربانی میں کافی ہوتا ہے وہ بالاتفاق ہدی کے لئے بھی کافی ہے، اور وہ حنفیہ کے نزدیک ثنی ہے۔ اونٹوں میں ثنی وہ ہے جس کے پانچ سال پورے ہو چکے ہوں، گائے میں وہ ہے جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور بھیڑ بکریوں میں وہ ہے جس کا ایک سال پورا ہو چکا ہو، البتہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک چھ ماہ کا دنبہ کافی ہے، چونکہ حدیث میں آتا ہے۔'' قربانی میں چھ ماہ کا دنبہ کافی ہے'' [1] اور ہدی قربانی کی مثل ہے۔

ناکافی ہدی.....کن کٹا جانور ہدی کے لئے کافی نہیں، دم کٹا، ہتھ کٹا، ٹانگ کٹا، کانا، لاغر جو چل ہی نہ سکتا ہو اور لنگڑا جو ذبح خانے کی طرف چل کر نہ جا سکے یہ جانور بھی ہدی کے لئے ناکافی ہیں، چونکہ یہ ایسے عیوب ہیں جو بالکل نمایاں ہیں۔

ہدی میں نر مادہ دونوں برابر ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ.....الحج ۲۲/۳۶

اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے۔

اس آیت میں نر و مادہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔

شرعی طور پر ہدی کی دو اقسام.....ہدی کی دو اقسام ہیں: واجب، نفل۔

نفلی ہدی.....نفلی ہدی وہ ہے جسے کوئی شخص محض نیکی اور قربت کی نیت سے حرم پاک میں اللہ کے حضور پیش کرے اور یہ ہدی کسی سابق واجب کے ضمن میں نہ ہو، چنانچہ جو شخص حج یا عمرہ کرنا چاہے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہدی لے کر جائے، اسے حرم پاک میں ذبح کر کے فقراء مساکین میں تقسیم کر دے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدی کے لئے سو اونٹ لے گئے۔'' [2]

جمہور کے نزدیک افضل یہ ہے کہ ہدی اپنے وطن سے لائی جائے اگر وطن سے ساتھ نہ لائے تو راستے سے خرید لے یا میقات سے یا مکہ سے یا منیٰ سے خرید کر ذبح کرے، ہدی کے لئے حل وحرم کا جمع ہونا شرط نہیں، عرفہ میں اپنے ساتھ ہدی کو بھی وقوف کرانا شرط نہیں۔ البتہ یہ

---

[1].....رواه ابن ماجه [2] حديث صحيح رواه البخاري ومسلم.

مستحب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے پسند ہے کہ قارن جہاں سے احرام باندھے وہیں سے ہدی ساتھ لے کر جائے، اور اگر وقوف عرفہ کے بعد مکہ ہی سے ہدی خرید لی تو یہ بھی جائز ہے، امام مالک، جماع کرنے والے کے متعلق فرماتے ہیں: کہ اگر وہ اپنے ساتھ ہدی لے کر نہ گیا ہو تو وہ مکہ ہی سے ہدی خریدے پھر ہدی کو لے کر حل کی طرف جائے اور پھر حل سے مکہ کی طرف ہانک کر لائے۔

''ہدی کے جانور کا فربہ اور خوبصورت ہونا مستحب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ الحج ۲۲/۳۲

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے متعلق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تعظیم یہ ہے کہ ہدی کو فربہ بنایا جائے ہدی خوبصورت ہو اور بڑھیا ہو۔

واجب ہدی......واجب ہدی کی بھی دو اقسام ہیں۔

واجب منذور......یعنی وہ ہدی جس کی نذر مانی ہو تو وہ ہدی واجب ہوتی ہے چونکہ نذر کا پورا کرنا نیکی اور قربت ہے۔

واجب غیر منذور......جیسے دم تمتع، دم قران اور دوسرے دم جو کسی واجب کو ترک کرنے کی وجہ سے لازم ہوں یا کسی ممنوع فعل کے ارتکاب سے واجب ہوں، یہ ہمیں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک ہدی غیر منذور واجب کی پانچ اقسام ہیں۔ حج تمتع اور حج قران کی ہدی، جماع کرنے پر لازم ہونے والی ہدی، ترک واجبات کے جبیرہ کے لئے واجب ہونے والی ہدی، فوات کی ہدی اور شکار کی جزاء۔

ہدی واجب غیر منذور......شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہدی واجب غیر منذور کی دو قسمیں ہیں۔

۱......وہ قسم جو قرآن میں منصوص علیہ ہے۔

۲......وہ قسم جو منصوص علیہ پر قیاس کی گئی ہے۔❶

منصوص علیہ......منصوص علیہ کی چار اقسام ہیں:

۱......دم تمتع ۲......شکار کی جزاء

۳......اذیت کے دفعیہ پر واجب ہونے والا فدیہ ۴......احصار کا فدیہ

اگر متمتع دم کو معدوم پائے......تو وہ روزے رکھے جس کی ترتیب یہ ہے کہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے وطن واپس لوٹ کر رکھے، اس کی دلیل سابقہ آیت ہے:

فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم

جو شخص ہدی نہ پائے وہ ایام حج میں تین دن کے روزے رکھے اور سات دن کے روزے واپس لوٹ کر رکھے۔ اگر متمتع سے اس کا مال کم ہو جائے یا پاس موجود نہ ہو تو موزوں قیمت سے گراں نرخوں پر ہدی حاصل کرنا واجب نہیں۔

اگر ایام حج میں تین دن کے روزے نہ رکھ سکے اور فوت ہو جائیں پھر بعد میں جب رکھنے لگے تو تین اور ساتوں روزوں میں فرق کرے۔

شکار کی جزاء......اگر شکار کی مثل پائی جائے تو قاتل کو تین چیزوں میں اختیار دیا جائے گا:

۱......یا تو بعینہ مثل کو ذبح کر کے حرم کے مسکینوں پر صدقہ کر دے یا

---

❶......حاشیة الشرقاوی ۱/۵۰۸ المغنی ۳/۵۴۳۔

۲.....دراہم سے اس کی قیمت لگائے اور قیمت سے وہ طعام خریدے جو صدقہ فطر میں کافی سمجھا جاتا ہے پھر وہ طعام حرم کے مسکینوں پر صدقہ کرے، طریقہ یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد دے۔

۳.....یا پھر ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے [1] اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ......المائدۃ ۵/۹۵

یہ جزاء روزی کے معادل ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ......المائدۃ ۵/۹۵

یا اس کے برابر روزے رکھنے ہیں اگر شکار کی مثل نہ پائی جائے تو قاتل کو دو چیزوں کا اختیار حاصل ہے یا تو اس کی قیمت لگائے اور قیمت سے غلہ (اناج) خرید کر صدقہ کر دے، یا ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے۔ غیر مثلی شکار میں قیمت کا اعتبار اسی جگہ کا ہوگا جہاں شکار تلف ہوا۔ مکہ میں قیمت لگانے کا اعتبار نہیں جبکہ مثلی شکار میں قیمت کا اعتبار مکہ میں ہوگا، اس جگہ کا اعتبار نہیں جہاں شکار تلف ہوا۔

دفع اذیت کا فدیہ.....یعنی سر میں جوئیں پڑ گئیں جو محرم کو سخت اذیت پہنچاتی ہوں اور محرم نے سر مونڈ دیا تو اس پر فدیہ لازم ہے، ادائے فدیہ میں مرتکب کو تین چیزوں میں اختیار ہے۔

۱.....قربانی کی کیفیت پر بکری ذبح کرنا اور پھر اس کا گوشت حرم کے مسکینوں پر صدقہ کرنا۔

۲.....تین دن روزے رکھنا۔

۳.....حرم میں بارہ مد اناج چھ مسکینوں پر صدقہ کرنا۔ تاکہ ہر مسکین کو دو مد اناج ملے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ......سورۃ البقرہ، ۲/۱۹۶

''تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزے یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دے۔''

سر میں اذیت کا مطلب یہ ہے کہ جوئیں پڑ گئیں اور سر مونڈ دیا۔

دم احصار.....دم احصار میں ایسی بکری دینا جو قربانی کی صفت پر ہو۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ......سورۃ البقرہ، ۲/۱۹۶

''اگر تم روک لئے جاؤ تو تمہیں جو ہدی میسر ہو وہ حرم میں پیش کرو۔''

اگر محصر کو ہدی دستیاب نہ ہو تو شافعیہ کے نزدیک اس کا بدل واجب ہوگا جیسے دم تمتع معدوم ہو تو اس کا بدل دینا واجب ہے۔ اور بدل یہ ہے کہ ہدی کی قیمت کے بقدر طعام خرید کر صدقہ کرنا ہے اگر اس سے بھی عاجز ہو (یعنی اناج خریدنے کی جسارت نہ رکھتا ہو) تو ہر مد کے بدلہ میں ایک دن روزہ رکھے، اسے دم واجب پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک دم احصار معدوم ہو تو طعام صدقہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دس دن روزے رکھے جائیں گے، جبکہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دم احصار کا بدل نہیں چونکہ قرآن میں بدل کا ذکر نہیں۔

منصوص علیہ پر قیاس کی گئی قسم.....اس قسم کی بھی دو اقسام ہیں۔

۱.....افعال حج کو ترک کر دیا اور اس کے جبیرہ کے لئے ہدی دی جاتی ہے اس کی پانچ اقسام ہیں:

۱.....میقات سے احرام کو ترک کر دیا۔ ۲.....وقوف مزدلفہ ترک کیا۔

---

[1].....اگر تو مثل بیس مد بنیں تو بیس روزے رکھے۔

۳.....وقوف منیٰ ترک کیا۔ ۴.....رمی ترک کی۔
۵.....طواف وداع ترک کیا۔

اس قسم کو دم تمتع پر قیاس کیا گیا ہے۔اسی طرح اس پر دم فوات کو بھی قیاس کیا گیا ہے۔دم فوات وہ بکری کو ذبح کرنا ہوتا ہے اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دس دن روزے رکھے۔

دوم.....ترفہ (زیب وزینت اور آسودگی) س کی پانچ اقسام ہیں:
۱.....شرم گاہ میں جماع کرنا یا شرم گاہ کے علاوہ کہیں اور جماع کرنا۔ ۲.....شہوت کے ساتھ لمس کرنا۔
۳.....شہوت سے بوسہ دینا ۴.....خوشبو لگانا
۵.....سلا ہو کپڑا پہن لینا۔

اذیت کے فدیہ پر روزہ، صدقہ اور قربانی کو قیاس کیا گیا ہے۔

تیسری چیز: ہدی تمتع کی شرائط.....جس شخص نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا پھر اسی سال حج کیا درآں حالیکہ وہ مکہ سے باہر نہیں نکلا کہ اسے نماز قصر کرنی پڑتی تو وہ متمتع ہے، اس پر بالا جماع دم واجب ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ .....البقرۃ ۲/۱۹۶

''جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ بھی اٹھائے وہ جو قربانی میسر ہو اللہ کے حضور پیش کرے، ہاں اگر کسی شخص کے پاس اس کی طاقت نہ ہو تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت جب تم لوٹ جاؤ اس طرح یہ کل دس روزے ہوں گے۔''

دم تمتع کی تلخیص شدہ شرائط حسب ذیل ہیں جو کہ پانچ ہیں۔

اول: یہ کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے.....چنانچہ اگر کسی شخص نے حج کے مہینوں سے ہٹ کر احرام باندھا تو وہ متمتع نہیں ہوگا برابر ہے کہ عمرہ کے افعال حج کے مہینوں میں واقع ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اس میں معدودے ایک دو تابعین کے سواء کسی کا اختلاف نہیں اور وہ طاؤس اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ہاں البتہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اگر عمرہ کے چار چکر حج کے مہینوں سے ہٹ کر دوسرے مہینوں میں ہوئے تو متمتع نہیں ہوگا اور اگر چار چکر حج کے مہینوں میں ہوئے تو متمتع ہوگا چونکہ عمرہ حج کے مہینوں میں صحیح ہوتا ہے۔

دوم: یہ کہ پھر اسی سال حج بھی کرے.....چنانچہ اگر کسی شخص نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا اور پھر اسی سال حج نہ کیا بلکہ آئندہ سال حج کیا تو وہ متمتع نہیں ہوگا، اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں الا یہ کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاذ قول ہے، اس شرط کی دلیل یہ آیت ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ .....البقرۃ ۲/۱۹۶

جس شخص نے حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھایا تو اسے جو ہدی میسر ہو پیش کرے۔

یہ آیت تسلسل کا تقاضا کرتا ہے۔

سوم: حج اور عمرہ کے درمیان سفر نہ کرے.....یعنی مسافت قصر کے بقدر حج اور عمرہ کے درمیان سفر نہ کرے، یہ حنابلہ کی رائے ہے اور اس شرط کی دلیل۔'' جب کوئی شخص حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر وہ مقیم ہو جائے تو وہ متمتع ہوگا۔ اگر مکہ سے نکلا اور واپس لوٹ گیا تو وہ

متمتع نہیں ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر میقات کی طرف واپس لوٹا تو اس پر دم نہیں ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں: اگر اپنے شہر میں واپس لوٹ گیا تو اس کا حج تمتع باطل ہو جائے گا اور اگر اپنے وطن واپس نہ لوٹا تو باطل نہیں ہوگا۔

چہارم: یہ کہ حج کے احرام سے پہلے عمرہ کا احرام باندھے.....اگر کسی نے عمرہ پر حج داخل کر دیا عمرہ کے احرام سے حلال ہونے سے پہلے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ان صحابہ جن کے پاس ہدی تھی کیا۔ تو اس صورت میں قارن ہو جائے گا، دم تمتع لازم نہیں ہوگا، چونکہ متفق علیہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ ہو گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا اور عمرہ چھوڑنے کا حکم دیا، آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہدی کو واجب قرار نہیں دی، نہ روزے کو اور نہ ہی صدقہ کو۔

البتہ اس صورت میں دم قران ہوگا چونکہ وہ قارن ہو چکا۔

پنجم: یہ کہ حاجی مسجد حرام کے حاضرین میں سے نہ ہو..... یہ شرط متفق علیہ ہے، چنانچہ مسجد حرام کے حاضرین پر دم تمتع واجب نہیں، چونکہ آیت کریمہ میں ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ......البقرۃ ۲/۱۹۶

یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد حرام کے پاس رہنے والوں کا میقات مکہ مکرمہ ہے، لہٰذا ترک سفر سے ان کے لئے ترفہ حاصل نہیں ہوگا۔ نیز وہ اپنے میقات سے احرام باندھتا ہے لہٰذا مفرد بالحج کے مشابہ ہوا۔

حاضرین مسجد حرام کون ہیں؟

حنفیہ کے نزدیک.....حاضرین مسجد حرام وہ لوگ ہیں جو میقات کی حدود سے اندر رہنے والے ہیں، چونکہ میقات کی حدود سے اندر کی جگہ سے مناسک شروع ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ جگہ حرم کے مشابہ ہے۔

مالکیہ کے نزدیک.....حاضرین مسجد حرام وہ اہل مکہ اور اہل ذی طویٰ ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک.....وہ لوگ ہیں جو مسافت قصر کے اندر اندر ہوں، مسافت قصر کا اعتبار حرم پاک سے ہے، چونکہ قرآن مجید میں جہاں بھی مسجد حرام کا تذکرہ ہوا ہے اس سے مراد حرم پاک ہے، ہاں البتہ اس آیت۔ **"فول وجهک شطر المسجد الحرام"** میں مسجد حرام سے مراد کعبۃ اللہ ہے، لہٰذا حرم پاک کے ساتھ الحاق کا ہونا اولیٰ ہے، جو مذکور شئے کے قریب ہو اسے حاضر کیا جاتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک.....حاضرین مسجد حرام سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل حرم ہوں اور وہ لوگ ہیں جو مکہ سے مسافت قصر کے اندر اندر رہتے ہوں، چونکہ کسی چیز کے پاس حاضر ہونے والا وہ ہوتا ہے جو اس کے قریب ہو۔ اور جو مسافت قصر کے اندر اندر ہو وہ حاضر کے حکم میں ہے، جیسے شافعیہ کہتے ہیں۔

جب متمتع کی دو بستیاں ہوں ایک بستی حرم کے قریب ہو اور دوسری بستی حرم سے بعید ہو تو وہ حاضرین میں سے ہوگا، چونکہ اسے یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ قریب کی بستی سے احرام باندھے۔

مسئلہ.....اگر آفاقی مکہ میں متمتع کی حیثیت سے داخل ہوا اور ساتھ ساتھ مکہ میں اقامت کی نیت کر لی یعنی حج تمتع کے بعد اقامت کی

نیت کی تو اس پر دم تمتع بہر حال ہوگا۔

اگر آفاقی نے میقات سے احرام چھوڑ دیا پھر عمرہ کی نیت کی اور عمرہ کر کے اس سے حلال ہو گیا اور پھر اسی سال مکہ سے حج کا احرام باندھ لیا تو وہ متمتع ہو گیا، اس پر دو دم واجب ہوں گے، ایک دم تمتع اور دوسرا میقات سے احرام چھوڑنے کی وجہ سے۔

دم تمتع کی بجائے روزے رکھنا...... اگر متمتع کو ہدی نہ مل پائے تو ہدی کا حکم روزوں کی طرف منتقل ہو جائے گا جس کا طریقہ یہ ہے کہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے وطن واپس لوٹ کر، ہدی کا اعتبار اسی کی جگہ سے ہوگا۔ جب اس کی جگہ میں ہدی معدوم ہو تو اس کا حکم روزوں کی طرف منتقل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اپنے وطن میں ہدی پر قدرت رکھتا ہو۔

چونکہ ہدی کے وجوب کا وقت مقرر ہے۔ ہر وہ حکم جس کا وقت مقرر ہو اس کی قدرت کا اعتبار اسی جگہ میں ہوگا جس جگہ مکلّف موجود ہو۔ جیسے نمازی کو وضو کے لئے کسی جگہ پانی نہ ملے تو وضو کا حکم تیمّم کی طرف منتقل ہو جائے گا، تمتع کے روزوں میں تسلسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اگر متمتع ایام حج میں تین روزے نہ رکھ سکے تو وہ جمہور کے نزدیک ایام حج کے بعد روزے رکھے، حنفیہ کے نزدیک اس پر دم متعین ہے، وطن واپس لوٹ کر روزے کافی نہیں ہوں گے، شافعیہ کا ظاہری قول یہ ہے کہ اس شخص کو لازم ہے کہ وہ تین اور سات روزوں میں فرق روا رکھے۔

اگر کسی شخص نے روزے رکھنے شروع کر دیئے لیکن اسی اثناء میں وہ ہدی پر قادر ہو گیا تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ روزوں کو چھوڑ کر ہدی کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا ہاں البتہ اگر وہ خوشی سے منتقل ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے چونکہ ہدی کے معدوم ہونے کی وجہ سے اس نے روزے شروع کر دیئے لہٰذا ان کا اتمام ہی اس کے لئے لازم ہے۔

جب عورت نے حج تمتع کے لئے احرام باندھا پھر اسے عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے حیض آ گیا تو وہ اب بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی، چونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے، جبکہ عورت مسجد میں حالت حیض میں داخل نہیں ہو سکتی، اگر عورت کو حج کے فوت ہونے کا خوف ہو تو حج کے ساتھ ساتھ عمرہ کا احرام بھی باندھ لے، اور یوں وہ قارنہ ہو جائے گی، یہ جمہور کا قول ہے، ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے پہلے حج کیا پھر تنعیم سے عمرہ کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت عمرہ چھوڑ دے اور حج کے لئے احرام باندھے، ان کی دلیل سابق حدیث ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حائضہ ہو گئیں تو انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا اور عمرہ چھوڑ دیا، اس پر تین طرح سے دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ ''اپنا عمرہ چھوڑ دو'' پھر فرمایا۔ ''اپنا سر کھول دو اور کنگھی کرو۔'' پھر فرمایا: ''یہ عمرہ تمہارے پہلے عمرہ کے بدلہ میں ہوا۔''

چوتھی چیز: ہدی کا گوشت:

حنفیہ..... کی رائے ہے کہ خود مالک نفلی ہدی، حج تمتع اور حج قران کی ہدی کا گوشت کھا سکتا ہے، بشرطیکہ جب ہدی اپنے محل تک پہنچ جائے، چونکہ یہ قربانی کا دم ہوتا ہے (یعنی قربانی کا جانور ہوتا ہے حرم میں ذبح کیا جاتا ہے) لہٰذا اضحیہ یعنی قربانی کے مشابہ ہے۔

قاعدہ..... ہر وہ ہدی جس کا گوشت مالک کے لئے کھانا جائز ہے اس سے مالدار کے لئے کھانا بھی جائز ہے۔

ہدی کے لئے محل تک پہنچنے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ جب ہدی حرم تک نہیں پہنچتی اس وقت تک اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا ہدیوں کے علاوہ باقی ہدیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں جیسے کفارہ جات کا دم، ہدی منذور، ہدی احصار، اور وہ نفلی ہدی جو اپنے محل تک نہ پہنچنے پائے، ہدی کا محل منیٰ یا مکہ ہے۔

مالکیہ..... کی رائے ہے کہ ہدیوں کے مالکان گوشت کھا سکتے ہیں البتہ چار ہدیوں کے مالکان اپنی ہدیوں کا گوشت نہیں کھا سکتے، شکار کی جزاء، اذیت کا فدیہ (یعنی سر میں جوئیں پڑی تھیں سر منڈوا دیا اور اس کا فدیہ جانور ذبح کر کے دیا تو اس جانور کا گوشت فدیہ دہندہ نہیں کھا سکتا) نذر کی ہدی یعنی نذر متعین کی ہدی جو مسکینوں کے لئے ہو، اور وہ نفلی ہدی جو اپنے محل تک پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک ہو جائے، یعنی ہدی راستے میں بیمار ہوئی اور حاجی نے ذبح کر لی اس سے نہیں کھا سکتا، چونکہ حاجی پر تہمت لگائی جا سکتی ہے کہ اس نے کھانے کے لئے ہدی ذبح کر دی ہے، جس شخص کی ہدی ہلاک ہو جائے اس پر اس کا بدل نہیں، اگر ان مذکورہ چار ہدیوں میں سے ان کے مالکان نے کھالیا تو ان پر جانور کا بدل کھڑا کرنا لازمی ہوگا۔ البتہ مساکین کے لئے نذر معین کی ہدی سے کھالیا تو جس قدر کھایا فقط اس کا ضمان دینا ہوگا۔

قاعدہ..... ہر وہ ہدی جس سے مالک کے لئے کھانا ممنوع ہے وہ مسکینوں کے لئے مخصوص ہے۔

مذکورہ بالا چار ہدیوں کے علاوہ جو بھی ہدی ہو اس کا گوشت مالک بھی کھا سکتا ہے محل سے پہلے بھی اور محل کے بعد بھی، اس سے مراد ہر وہ ہدی ہے جو حج یا عمرہ میں واجب ہو۔ جیسے حج تمتع اور حج قران کی ہدی، میقات کو بغیر احرام کے تجاوز کرنے پر لازم ہونے والی ہدی، ترک طواف قدوم پر لازم ہونے والی ہدی، ترک حلق کی ہدی، وقوف منیٰ، وقوف مزدلفہ یا واجب کو ترک کرنے پر لازم ہونے والی ہدی، یا مطلق نذر کی ہدی اس قسم کی ہدیوں سے غنی (مالدار) اور قریبی رشتے دار بھی کھا سکتا ہے، مالک ہدی کا قاصد غیر فقیر شمار ہوگا لہٰذا ہدی کا گوشت کھانے یا نہ کھانے میں قاصد مالک ہدی کی طرح ہوگا۔ رہی بات فقیر کی سو وہ اس ہدی کا گوشت کھا سکتا ہے جس سے مالک نہیں کھا سکتا۔

شافعیہ..... کہتے ہیں: ہدی کی دو قسمیں ہیں:

۱..... واجب ۲..... نفلی۔

واجب ہدی وہ ہوتی ہے جو فعل حرام کے ارتکاب سے واجب ہو یا واجبات حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنے پر واجب ہو، یا نذر کی وجہ سے واجب ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ ہدی لانے والے کے لئے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں، بلکہ ہدی کو اس کے محل میں پہنچا کر اسے ذبح کرنا پھر مکہ کے رہنے والوں میں تقسیم کرنا واجب ہے۔

چنانچہ اہل مکہ اس ہدی کے مالک بن جاتے ہیں اگرچہ مالک نے ابھی کھال نہ اتاری ہو۔

رہی یہ بات کہ آج کل ہدی کو ذبح کر کے پھینک دیا جاتا ہے تو یہ ہدی کافی نہیں ہوتی اور نہ ہی بطور ہدی اس کا وقوع ہوتا ہے۔

ہدی لانے والے پر جن لوگوں کا نان نفقہ واجب ہے وہ لوگ بھی ہدی کا گوشت نہیں کھا سکتے۔ رفقائے سفر بھی نہیں کھا سکتے اگرچہ وہ فقراء ہوں مالدار بھی نہیں کھا سکتے۔

نذر کی ہدی کا گوشت اس وقت کھانا جائز نہیں جب نذر کا صیغہ صحیح ہو مثلاً یوں کہے: مجھ پر اللہ کے لئے بکری ہے جو بطور ہدی حرم میں پیش کروں گا۔ آج کل نذر کی جو صورتیں پیش آتی ہیں جیسے کوئی کہہ دیتا ہے کہ یہ نذر میرے آقا احمد بدوی وغیرہ کے لئے ہے تو اس قسم کی نذر سے مالک کھا سکتا ہے، چونکہ یہ نذر ہی صحیح نہیں ہوتی البتہ اگر یہ نذر مجاورین اور خادم کے لئے مانی اور پھر انہیں اسی جگہ پایا تو نذر صحیح ہوگی اس سے کھانا ممنوع ہوگا۔ ❶

❶ اس قسم کی نذروں میں لوگوں سے بہت خطا ہوتی ہے ایسی نذروں سے اجتناب کرنا چاہئے۔ چونکہ اس قسم کی نذریں چڑھاوے کا معنی رکھتی ہیں جو قطعی طور پر ممنوع ہے۔

خلاصہ......واجب ہدی سے مالک نہ کھائے چونکہ یہ ہدی احرام سے واجب ہوتی ہے لہٰذا اس سے کھانا جائز نہیں جیسے دم کفارہ سے کھانا جائز نہیں لہٰذا واجب ہدی سے بھی کھانا جائز نہیں، اسی طرح حج قران حج تمتع کی ہدی نذر کی ہدی اور دم جنایت کا کھانا جائز نہیں۔

رہی بات نفلی ہدی کی تو قربانی کے گوشت کی طرح اس سے کھانا بھی جائز ہے، اس ہدی سے اتنا گوشت صدقہ کرنا لازمی ہے جسے صدقہ کہا جاسکے، افضل طریقہ یہ ہے کہ ایک تہائی گوشت اپنے کھانے کے لئے رکھے، ایک تہائی مالداروں کو دے اور ایک تہائی مسکینوں میں صدقہ کرے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ......الحج ۲۲/۳۶

قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ، قناعت کرنے والے کو بھی کھلاؤ اور سوال کرنے والے کو بھی کھلاؤ۔

حنابلہ...... کہتے ہیں ہر وہ ہدی جو واجب ہو اس سے مالک نہ کھائے جیسے نذر کی ہدی یا نذر معین کی ہدی۔

ہاں البتہ حج تمتع اور حج قران کی ہدی کا گوشت کھا سکتا ہے، چونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج کو عمرہ پر داخل کردیا تھا اور وہ قارنہ ہوگئی تھیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح کی اور ازواج مطہرات نے گائے کا گوشت کھایا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دم تمتع اور دم قران قربانی کا جانور ہوتا ہے لہٰذا نفلی ہدی کے مشابہ ہوا، دم تمتع اور دم قران کے علاوہ سے نہیں کھا سکتا چونکہ ان کے علاوہ باقی دم فعل ممنوع کی وجہ سے واجب ہوتا ہے لہٰذا شکار کی جزاء کے مشابہ ہوا، نفلی ہدی سے کھانا مستحب ہے۔ نفلی ہدی سے مراد وہ ہدی ہے جو محرم نے اپنے اوپر واجب نہ کی ہو، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَكُلُوْا مِنْهَا ......الحج ۲۲/۳۶

اس میں کم از کم حال مستحب ہونے کا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹوں کا گوشت تناول فرمایا تھا۔ (1) اس سے اپنے پاس گوشت بچا کر رکھ لینا بھی جائز ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم اپنے قربانی کے اونٹوں کا گوشت تین دن سے زیادہ بھی کھاتے رہتے تھے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس میں رخصت دی اور فرمایا: کھاؤ اور اپنے پاس بچا کر بھی رکھ لو چنانچہ ہم نے گوشت کھایا اور اپنے پاس بچا کر بھی رکھ لیا۔ (2)

جو شخص ہدی کے گوشت سے کھانا نیکی سمجھتا ہو وہ تھوڑا سا کھالے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، وہ زیادہ بھی کھا سکتا ہے اور بچا کر اپنے پاس رکھ بھی سکتا ہے۔ جیسے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ تھوڑا سا گوشت صدقہ کردینا بھی کافی ہوتا ہے جیسے قربانی کے گوشت میں ہوتا ہے۔ اگر ہدی کا سارا گوشت خود ہی کھالیا تو مقدار صدقہ کا ضامن ہوگا جیسے قربانی کے گوشت میں ہوتا ہے۔

اگر ممنوع ہدی کا گوشت کھالیا یا ذبح کرنے والے کو دیا، یا کچھ گوشت بیچ دیا یا ویسے ہی تلف کردیا تو اتنے گوشت کا ضامن ہوگا، اگر مالدار کو گوشت کھلایا جس کا بطور ہدیہ کھانا جائز ہو جیسے قربانی میں جائز ہوتا ہے چونکہ جس مقدار کا مالک ہوسکتا ہے اس کا ہدیہ کرنا بھی جائز ہے۔

خلاصہ...... جمہور کے نزدیک تمتع اور قران کی ہدی کے گوشت سے کھانا (مالک کے لئے) جائز ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں، نذر کی ہدی اور شکار کی جزاء میں دی گئی ہدی سے بالاتفاق کھانا جائز نہیں، نفلی ہدی سے بالاتفاق کھانا جائز ہے۔

پانچویں چیز: ہدی ذبح کرنے کی جگہ اور وقت...... اس موضوع پر دم احصار کی بحث میں ضمناً گفتگو ہوئی تھی اور اب حسب وعدہ

(1) رواہ مسلم۔ (2) رواہ مسلم۔

میں اس کی وضاحت پیش کررہا ہوں۔ مذاہب اربعہ کے نزدیک تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں: حج تمتع اور حج قران کی ہدی صرف قربانی کے دن ذبح کرنا جائز ہے چونکہ یہ بھی قربانی کا جانور ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ نفلی ہدی کو قربانی کے دن سے پہلے بھی ذبح کیا جاسکتا ہے، البتہ قربانی کے دن ذبح کرنا افضل ہے۔ چونکہ ہدی ہونے کے اعتبار سے اس میں بھی قربت اور نیکی ہوتی ہے۔ اس کا تحقق حرم میں پہنچنے سے ہوتا ہے، جب حرم میں ہدی پہنچ چکی تو یوم نحر سے پہلے بھی ذبح کرنا جائز ہے، ہاں ایام نحر میں افضل ہے، چونکہ خون بہانا نیکی ہے اور یہ معنی ان دنوں میں زیادہ واضح ہوتا ہے۔

باقی ہدیوں کو جس وقت چاہے ذبح کرسکتا ہے چونکہ باقی ہدیاں کفارہ جات کا دم ہوتی ہیں لہٰذا وہ قربانی کے دن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ چونکہ کفارہ کی ہدی نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوتی ہے۔

رہی بات ہدی ذبح کرنے کی جگہ کی سو ہدیوں کا ذبح کرنا جائز نہیں مگر حرم پاک میں چونکہ ہدی اس جانور کو کہا جاتا ہے جو کسی جگہ بطور ہدیہ لائی جائے اور ہدی کے لانے کی جگہ حرم پاک ہے۔ ❶

مالکیہ کہتے ہیں..... مالکیہ کے قابل اعتماد قول کے مطابق ہدی منیٰ میں تین شرائط کے ساتھ ذبح کی جائے گی۔

۱..... اگر حج کے احرام میں ہدی ہانک کر ساتھ لائی گئی ہو۔

۲..... عرفہ میں اپنے ساتھ دوران وقوف ہدی رکھی ہو گویا ایسے ہی جیسے وہ خود وقوف کررہا ہوتا ہے۔

۳..... ہدی ایام نحر میں ذبح کی گئی ہو۔ اگر ان شرائط سے کوئی شرط نہ پائی گئی یا سبھی شرائط نہ پائی گئیں مثلاً عرفہ میں اپنے ساتھ ہدی کو وقوف نہ کرایا یا حج میں اپنے ساتھ ہدی نہ لائی گئی بلکہ عمرہ میں لائی گئی یا ایام نحر نکل چکے تو ہدی کے ذبح کرنے کی جگہ مکہ ہے۔

گویا مالکیہ کے نزدیک اگر تین شرائط پائی جائیں تو ہدی کے ذبح کرنے کی جگہ منیٰ ہے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو پھر مکہ ہے۔

جو ہدی منیٰ میں ذبح کی جائے افضل یہ ہے کہ وہ جمرۂ اولیٰ کے پاس ذبح کی جائے، اگر منیٰ میں کسی جگہ بھی ذبح کردی کافی ہوجائے گی لیکن افضل کی خلاف ورزی ہوگی قربانی کے دن ہدی ذبح کی جائے گی۔

اگر کسی ممنوع فعل کے ارتکاب پر فدیہ لازم ہوا ہو مثلاً سلا ہوا کپڑا پہن لیا یا خوشبو لگالی تھی وغیرہ تو اس پر بکری ذبح کرنی پڑتی ہے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑتا ہے، یا تین دن کے روزے رکھنے پڑتے ہیں تو یہ اقسام ثلاثہ کسی جگہ یا وقت کے ساتھ خاص نہیں ان اقسام کو اپنے شہر یا کسی اور شہر کے لئے موخر کرنا جائز ہے۔ ❷

شافعیہ..... کہتے ہیں: ہدی نفلی ہو یا نذر کی تو اس کے ذبح کرنے کا وقت قربانی کا وقت ہے۔ اور اگر ہدی کسی فعل حرام کے ارتکاب سے واجب ہوئی ہو یا ترک واجب سے واجب ہوئی ہو تو اس کا ذبح کرنا کسی وقت کے ساتھ مختص نہیں، محصر کے لئے ذبح کرنے کی جگہ احصار کی جگہ ہے یا حرم ہے، غیر محصر کے لئے ہدی ذبح کرنے کی جگہ سارا حرم ہے، چنانچہ سارے کا سارا حرم جائے ذبح ہے۔

حرم میں جہاں بھی ہدی ذبح کرلی کافی ہوگی۔ البتہ حاجی اور متمتع کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ منیٰ میں ذبح کرے اور جو عمرہ کررہا ہو اس کے لئے افضل جگہ مروہ ہے، چونکہ منیٰ میں حاجی حلال ہوجاتا ہے اور عمرہ کرنے والا مروہ میں حلال ہوتا ہے۔ ❸

حنابلہ..... کہتے ہیں۔ ❹ سر مونڈنے کا فدیہ اور اس کے علاوہ دیگر فدیوں کے ذبح کرنے کی جگہ وہی ہے جہاں سر مونڈا ہو چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیبیہ میں فدیہ دینے کا حکم دیا تھا۔ اور مکہ میں بھیجنے کا حکم نہیں دیا تھا، بالول

---

❶..... الكتاب مع اللباب ۱/۲۱۷۔ ❷ الشرح الصغير ۹۲/۲، الشرح الكبير ۸۶/۲۔ ❸ حاشية الشرقاوى ۵۰۶/۱ الايضاح ص ۶۳۔ ❹ دیکھئے المغنی ۴۳۲/۳، غاية المنتهى ۳۸۸/۱۔

کے متعلق فدیہ کے علاوہ دیگر دموں کی جگہ مکہ ہے، رہی بات شکار کی جزاء کی جو حرم کے مسکینوں کے لئے ہوتی ہے، اس کی جگہ مکہ ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

هَدْيًا بَٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ ......المائدة ۵/۹۵

ہدی ہے جو کعبہ تک پہنچے۔

رہی بات روزوں کی سو وہ ہر جگہ رکھے جاسکتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

"حج کے موقع پر جو قربانی ذبح کی جائے افضل یہ ہے کہ وہ منیٰ میں ذبح کی جائے، اور عمرہ میں جو واجب ہوا سے مروہ میں ذبح کی جائے، اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سارا کا سارا منیٰ جائے ذبح ہے، مکہ کا ہر کونا کھدرا جائے ذبح ہے۔" جو شخص ہدی کو مکہ تک نہ پہنچا سکتا ہو حتیٰ کہ وکیل کے ذریعہ بھی نہ پہنچا سکتا ہو تو جہاں اسے قدرت حاصل ہو وہیں ذبح کردے اور جس جگہ ہدی ذبح کی وہیں اس کا گوشت تقسیم کرے۔

اور وہ ہدی جو کسی ممنوع کی ارتکاب سے واجب ہوئی ہو اور وہ شکار کے علاوہ ہو تو اسے مکہ سے باہر ذبح کرنا بھی کافی ہے، اگرچہ بلا عذر یہی مکہ سے باہر ذبح کردی تب بھی کافی ہے۔

نیز حرم میں بھی ذبح کی جاسکتی ہے۔

فعل ممنوع کے ارتکاب سے جو ہدی واجب ہوا اس کے ذبح کرنے کا وقت فصل ممنوع کے ارتکاب کے وقت سے شروع ہوجاتا ہے۔ اگر فعل ممنوع کے ارتکاب کا ایسا سبب پایا گیا جس کی وجہ سے وہ فعل مباح ہو چکا تو ارتکاب فعل سے پہلے بھی ہدی ذبح کرنا جائز ہے ❶ جیسے قسم کا کفارہ حانث ہونے سے پہلے دیا جاسکتا ہے۔ جبکہ شکار کی جزاء کا وقت شکار کو زخمی کرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ ترک واجب کی ہدی کا وقت واجب کو ترک کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ دم احصار وہیں ذبح کرنا جائز ہے جہاں محرم روک دیا گیا ہو۔ روزے رکھنا اور حلق کرانا ہر جگہ روا ہے۔ ہدی اور قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا وقت تین دن ہیں، ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ۔

چھٹی چیز: ہدی کون ذبح کرے...... جمہور کے نزدیک اونٹوں میں نحر ❷ کرنا افضل ہے، گائے اور بکری میں ذبح کرنا افضل ہے، فقہاء کے نزدیک افضل واولیٰ یہ ہے کہ انسان بذات خود قربانی کا جانور (ہدی) ذبح کرے بشرطیکہ اچھی طرح سے ذبح کرنے کا طریقہ جانتا ہو۔ چونکہ قربانی کا جانور ذبح کرنا بھی نیکی ہے۔ اور نیکی کے کام کو خود بجالانا بہتر ہے چونکہ اس میں امکان خشوع ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اونٹوں کو نحر کیا۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کئے پھر آپ نے نیزہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا جو اونٹ بچ رہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر کئے۔

اگر ہدی کو اس کے مالک کے سوا کوئی اور شخص ذبح کرے تو مالک کا پاس موجود ہونا مستحب ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا "اپنی قربانی کے پاس موجود رہو۔ خون کے پہلے قطرے کے ساتھ ہی تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔"

افضل یہی ہے کہ بذات خود قربانی کا گوشت تقسیم کرے چونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور مسکینوں کے نقصان کا کم از کم اندیشہ ہے۔ اگر گوشت اور مسکینوں کے درمیان حائل نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سارا گوشت سمیٹنا چاہے سمیٹ

---

❶ مثلاً سر میں جوئیں پڑ گئیں تو سر منڈانے سے پہلے کفارہ دینا یعنی ہدی ذبح کرنا جائز ہے۔ ❷ لغت میں نحر قلادہ پہننے کی جگہ کو کہتے ہیں اصطلاح میں گردن اور سینے کے درمیان اونٹ کی شہ رگ پر نیزہ مارنے کو نحر کہا جاتا ہے۔ (قاموس الفقه ۵/۱۷۷)

سکتا ہے۔“

جب ہدی کا گوشت فقراء کو نہ دیا جائے تو ان کیلئے مباح ہے کہ وہ زبردستی بھی گوشت لے سکتے ہیں اس کی دلیل اوپر والی حدیث ہے۔

ساتویں چیز: ہدی کے گوشت کو صدقہ کرنا:

حنفیہ.....حنفیہ نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ ہدی کا گوشت حرم اور غیر حرم کے مسکینوں پر صدقہ کیا جائے۔ (1) چونکہ صدقہ معقول قربت ہے اور ہر فقیر پر صدقہ کرنا قربت ہے، حرم کے مسکینوں پر صدقہ کرنا افضل ہے، ہاں البتہ حرم کے مسکینوں کے علاوہ کسی اور جگہ کے مساکین زیادہ محتاج ہوں تو پھر انہیں گوشت دینا افضل ہے۔

ہدی کے سری پائے، کھال، لگام اور رسی وغیرہ صدقہ کر دے، ذبح کرنے والے کو گوشت بطور اجرت نہ دے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: ہدیوں کی جھولیں اور لگامیں صدقہ کر دو اور ذبح کرنے والے کو اس میں سے نہ دو۔

مالکیہ.....کی رائے حنفیہ جیسی رائے ہے کہ ہدی کا گوشت، لگام اور جھول مسکینوں پر صدقہ کی جائے۔ (2)

شافعیہ.....“ کہتے ہیں: حلق اور ناخن کاٹنے کا فدیہ، (3) دم تمتع اور دم قران ذبح کر کے حرم کے مسکینوں پر صدقہ کیا جائے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ الحج ۲۲/۳۳

پھر اس کے حلال ہونے کی، منزل اسی کے آس پاس ہے۔“

حنابلہ..... کہتے ہیں کہ ہر قسم کی ہدی یا افعال حج میں سے کسی کو ترک کیا یا کوئی واجب فوت ہوا یا کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کیا تو وہ ہدی حرم کے مسکینوں کے لئے ہوگی، بشرطیکہ مسکینوں تک پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو، (4) ہاں البتہ اذیت وتکلیف کا فدیہ مسکینوں پر تقسیم کیا جائے اور جس جگہ حلق کرایا ہے وہیں کے مسکینوں پر تقسیم کیا جائے، اس کی دلیل کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

”نیز ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، ہدی اور طعام کا بندوبست مکہ میں کیا جائے گا اور روزہ کوئی جہاں چاہے رکھے۔“ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی کا نفع مسکینوں تک متعدی ہوا ہے لہٰذا حرم کے ساتھ مختص ہے۔

گوشت تقسیم کرنا صحیح ہے، ذبح کر کے ہدی حرم کے مسکینوں کو دے دینا یا زندہ جانور ہی مسکینوں کو دے دینا تا کہ وہ اسے ذبح کر لیں یہ بھی صحیح ہے۔

حرم کے مساکین.....حرم کے مسکینوں سے مراد وہ مساکین ہیں جو حرم میں رہ رہے ہوں یا حج کرنے کے لئے باہر سے وارد ہوئے ہوں اور جنہیں زکوۃ دینا جائز ہے، ان مسکینوں کے لئے ذبیحہ مباح کر دینا بھی جائز ہے، اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ اونٹوں کو نحر کیا اور فرمایا جو چاہے اپنے لئے لے لے۔

وہ گوشت جس کا حرم کے علاوہ کہیں اور تقسیم کرنا جائز ہے تو اس گوشت کو ذمی فقیروں کو دینا جائز نہیں، یہ جمہور کی رائے ہے، چونکہ ذمی کافر ہے لہٰذا حربی کی طرح اسے بھی دینا جائز نہیں ہے۔ جبکہ حنفیہ نے مذکورہ گوشت اہل ذمہ کو دینا جائز قرار دیا ہے جیسے قربانی کا گوشت ذمیوں کو دینا جائز ہے۔

---

(1).....الكتاب مع اللباب ١/٢١٨ (2) الشرح الصغير مع حاشية الصاوى ٢/٢٨ (3) حاشية الشرقاوى ١/٥٠٩ (4) المغنى ٣/٤٣٣ غاية المنتهى ١/٣٨٨۔

آٹھویں چیز: ہدی سے نفع اٹھانا...... بوقت ضرورت ہدی سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: اگر ہدی کی ضرورت پڑے تو مالک اس پر سوار ہوسکتا ہے، البتہ سوار نہ ہونا مستحب ہے، بلکہ بلا عذر سوار ہونا یا بوجھ لادنا مکروہ ہے، اگر بامر مجبوری سوار ہوا تو مکروہ نہیں، اگر ہدی کا دودھ بچھیرے سے بچ رہے تو مالک اسے نہ پیئے۔ ❶

حنفیہ...... کہتے ہیں: جو شخص حرم پاک میں اپنے ساتھ ہدی لایا پھر اس پر سواری کے لئے اس مجبوری پیش آئی تو وہ سوار ہوسکتا ہے اور اس پر ساز وسامان بھی لادسکتا ہے، ❷ ہاں البتہ اگر اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار ہو تو اس پر سوار نہ ہو، چونکہ مالک نے ہدی کو خالصۃً للہ نکالا ہے، لہٰذا روا نہیں کہ اب اسے اپنے کام میں لائے یا محل تک پہنچنے سے پہلے اس سے نفع اٹھائے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دستور کے مطابق ہدی پر سوار ہو جاؤ جب تمہیں اس کی ضرورت پیش آئے یہاں تک کہ تم اس کے متبادل سواری پاؤ۔ ❸

جب مالک ہدی پر سوار ہوا یا اس پر بوجھ لاد دیا او پھر ہدی میں کوئی نقص پڑا تو بقدر نقص ضامن ہوگا اگر ہدی کے تھنوں میں دودھ ہو تو اسے نہ دوہے چونکہ دودھ ہدی سے پیدا ہے، اگر حرم پاک قریب ہو تو ہدی کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی مارے تا کہ دودھ تھنوں ہی میں منقطع ہو جائے، اگر حرم پاک دور ہو تو دوہ کر صدقہ کر دے تا کہ ہدی کو تکلیف نہ ہو اگر مالک نے دودھ خود استعمال کر لیا تو اس کے بمثل صدقہ کرے یا قیمت صدقہ کرے چونکہ وہ اس کا ضامن ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: ہدی لانے والا ہدی پر سوار ہوسکتا ہے البتہ اسے محتاط رہنا چاہئے تا کہ ہدی کا نقصان نہ ہو، ❹ اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بدنہ (اونٹ) لاتے دیکھا، فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اس شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ تو بدنہ (ہدی کا جانور) ہے، فرمایا سوار ہو جاؤ، تیرا ناس ہو، دوسری بار یا تیسری بار میں فرمایا۔ ❺

ہدی کا مالک ہدی کا دودھ پی سکتا ہے، چونکہ دودھ تھنوں میں اگر پڑا رہے تو اس سے ہدی کو تکلیف ہوتی ہے اگر ہدی کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہو تو اس کو پلانے سے جو بچ رہے مالک وہ پیئے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: صرف وہی شخص ہدی پر سوار ہوسکتا ہے جسے ہدی پر سوار ہونے کی حاجت پیش آئے، ❻ ہدی کے بچے سے جو دودھ بچ رہے وہ پی سکتا ہے اگر صدقہ کر دے تو یہ افضل ہے، اگر ہدی پر اون ہو تو اسے کاٹ کر نفع نہیں اٹھا سکتا چونکہ ہدی پر اون باقی رہنے سے ہدی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہاں البتہ اون سے اگر ہدی کو تکلیف پہنچتی ہو تو کاٹ لینا جائز ہے اور پھر اس سے نفع اٹھا سکتا ہے، ہاں البتہ اون کو صدقہ کر دینا افضل ہے۔

نویں چیز: ہدی کو قلادہ باندھنے اور اشعار کرنے کا بیان:

قلادہ لٹکانا...... قربانی کے جانور کے گلے میں رسی وغیرہ سے جوتا باندھ کر لٹکانا۔

اشعار...... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اونٹ کی کوہان پر دائیں طرف چھید لگانا، مالکیہ کے نزدیک بائیں طرف چھید لگانا اشعار کہلاتا ہے۔ اشعار کرتے وقت کہے۔ "بسم اللہ اللہ اکبر" بالاتفاق قلادہ لٹکانا مستحب ہے، جبکہ اشعار میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... اشعار مکروہ ہے، چونکہ اشعار مثلہ کے مترادف ہے، لہٰذا ناجائز ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو

---

❶...... القوانين الفقهية ص ۱۴۰، الشرح الكبير ۹۲/۲۔ ❷ اللباب ۲۱۸/۱۔ ❸ رواہ ابوداؤد۔ ❹ دیکھئے المغنی ۵۴۰/۳۔
❺ رواہ البخاری ومسلم واحمد۔ ❻ الایضاح ص ۶۲ شرح المجهور ۲۷۸/۸۔

اذیت اور تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اشعار عضو کو کاٹنے کا نام ہے، یہی حق ہے۔

ہدی کی عرفہ گردی..... عرفہ گردی (تعریف) یعنی ہدی کو عرفہ میں حاضر کرنا، اگر تمتع اور قران کی ہدی کو عرفہ میں حاضر کیا تو یہ اچھا ہے، چونکہ ہدی کے ذبح کرنے کا وقت ۱۰ ذی الحجہ ہے، یہ بھی عین ممکن ہے کہ کہیں اور ہدی کو اگر چھوڑا تو اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو لہٰذا اپنے ساتھ عرفہ میں لے جانے کا محتاج ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہدی قربانی کا جانور ہوتا ہے اس کا دارومدار تشہیر پر ہے، بخلاف دوسرے کفارات کے، چنانچہ دوسرے کفارات کے دم کو جنایت کے دن سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے لہٰذا تشہیر کی بجائے اسے پردۂ خفاء میں رکھنا بہتر ہے۔

نفلی ہدی، تمتع اور قران کی ہدی کے گلے میں قلادہ (جوتا) لٹکایا جائے اگر ہدی اونٹ یا گائے کی شکل میں ہو، چونکہ یہ قربانی کا جانور ہے لہٰذا قلادہ لٹکا کر اس کی تشہیر اور اظہار کیا جائے گا نیز اس سے شعائر اسلامیہ بھی آشکارہ ہوں گے، رہی بات بھیڑ بکری کی سو اس کے گلے میں جوتا نہ لٹکایا جائے۔

قاعدہ..... ہر وہ ہدی جس کے گلے میں قلادہ لٹکایا گیا ہو، اسے عرفات میں لایا جائے گا اور جس ہدی کے گلے میں قلادہ نہ لٹکایا گیا ہو تو اسے عرفات میں نہیں لایا جائے۔

دم احصار کو قلادہ نہ لٹکایا جائے چونکہ دم احصار احرام اٹھانے کے لئے ہوتا ہے، جنایات کے دم میں بھی قلادہ نہ ڈالا جائے چونکہ یہ دم کی پوری کرنے کے لئے دیا جاتا ہے لہٰذا اسے پردہ خفاء میں رکھنا بہتر ہے۔ جبکہ قلادہ ڈالنے میں تو اس کی تشہیر کرنی ہوتی ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں ہدی کے گلے میں قلادہ لٹکانا، اشعار (چھید لگانا) اور اوپر جھول ڈالنا مستحب ہے، [1] اعلیٰ قسم کی جھول جو میسر ہو وہ ڈالی جائے، پھر مکہ پہنچ کر جائے ذبح میں لا کر جھول اتار دی جائے پھر اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے، جھول اور لگام صدقہ کر دی جائے جبکہ قلادے کو خون میں جوں کا توں رہنے دیا جائے۔

اشعار (چھید لگانا) قلادہ ڈالنا اور جھول ڈالنا یہ تین چیزیں اونٹ کے متعلق ہیں جبکہ گائے کے متعلق دو چیزیں ہیں قلادہ ڈالنا اور اشعار، جبکہ بھیڑ بکری سے متعلق کوئی چیز نہیں۔

شافعیہ..... "کہتے ہیں: اگر نفلی یا نذر کی ہدی ہو پھر اگر اونٹ ہو یا گائے تو دو جوتے لٹکانا مستحب ہے۔ [2] ہدی کا اشعار بھی ہو، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذی الحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھی پھر اونٹ لائے اور کوہان کی دائیں طرف چھید لگایا اور پھر خون صاف کر کے دو جوتے گلے میں لٹکا دیئے۔" [3] دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات ہدی دوسرے جانوروں کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے یا بھاگ جاتی ہے۔ قلادہ ڈالنے سے کم از کم ممتاز رہے گی۔

اور اگر بکریاں ہدی کے طور پر لائے تو ان کو بھی قلادہ پہنائے یعنی پٹے ڈالے۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بکریاں بطور ہدی لائیں اور ان میں قلادے لٹکا رکھے تھے۔ [4] دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر بکریوں کے گلے میں جوتے لٹکائے جائیں تو وہ بکریوں کو بھاری ہو جائیں گے اور چلنا دشوار ہو جائے گا، بکریوں کا اشعار نہ کیا جائے، چونکہ بکریوں کی کھال پر بال کثیر مقدار میں ہوتے ہیں اور چھید دکھائی نہیں دے گا لہٰذا اشعار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

قلادہ ڈالتے وقت اور اشعار کرتے وقت ہدی کو قبلہ رو رکھنا مستحب ہے۔ اونٹ کو بٹھا کر قلادہ ڈالا جائے اور اشعار کیا جائے۔

---

[1]..... القوانين الفقهية ص ۱۳۹ الشرح الصغير ۱۲۲/۲۔ [2] المهذب ۲۳۵/۱ الايضاح للنووی ص ۶۱ شرح المجموع ۲۶۹/۸۔ [3] رواه مسلم۔ [4] رواه مسلم لفظه والبخاری بمعناه۔

اگر کوئی شخص اپنے چوپایوں کے گلے میں جوتا لٹکائے یا اشعار کرے تو اس سے وہ جانور وجوباً ہدی نہیں بن جاتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھر کے دروازے پر ''وقف'' لکھ دے تو، صرف لکھ دینے میں وہ گھر وقف نہیں ہو جاتا، اسی طرح محض قلادہ لٹکانے اور اشعار کرنے سے جانور ہدی نہیں بن جاتا۔

حنابلہ.....کا موقف بھی شافعیہ جیسا ہے ❶ کہ ہدی کے گلے میں جوتا لٹکانا مسنون ہے، برابر ہے کہ ہدی کا جانور اونٹ ہو یا گائے ہو یا بکری ہو، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سابق ہے کہ ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پٹے بٹتی رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے گلے میں پٹے ڈالے اور آپ اہل خانہ میں حلال ہو کر مقیم رہے۔''

''اونٹ اور گائے کا اشعار مسنون ہے اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی متفق علیہ حدیث ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدیوں کے لئے قلادوں کی رسیاں بٹیں، پھر آپ نے ہدی کا اشعار کیا اور قلادہ ڈالا۔''

خلاصہ.....جمہور کے نزدیک اونٹ اور گائے کے لئے اشعار ہے جبکہ اشعار حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک بھیڑ بکریوں کے گلے میں قلادے نہیں لٹکائے جائیں گے بلکہ اونٹ اور گائے کو قلادہ ڈالا جائے گا، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سبھی جانوروں کو قلادے ڈالے جائیں گے۔

دسویں چیز: راستے میں ہدی کا مرجانا

حنفیہ.....کہتے ہیں: ❷ جو شخص اپنے ساتھ نفلی ہدی لایا پھر راستے میں ہدی ہلاک ہوگئی تو اس پر ہدی کا متبادل نہیں۔ اور اگر ہدی واجب ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو متبادل ہدی کا بندوبست کرنا واجب ہے، چونکہ یہ واجب ہدی ہے جو ذمہ میں ابھی باقی ہے چونکہ وہ اپنے مقام تک نہیں پہنچی، لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا جیسے زکوٰۃ کا مال جو الگ کر رکھا ہو اور ادائیگی سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اصل نصاب سے متبادل کا مال زکوٰۃ میں دینا ضروری ہوگا۔

اگر ہدی میں کوئی بڑا عیب آ گیا تو اس کی جگہ دوسری ہدی کھڑی کی جائے چونکہ ذمہ میں واجب باقی ہے، عیب دار ہدی کو جہاں چاہے صرف کرے۔

اگر ہدی قریب المرگ ہو اور نفلی ہو تو مالک اسے نحر کرے پھر قلادے کو خون میں لتھیڑ دے اور پھر خون میں لتھڑا ہوا قلادہ ہدی کے پہلو پر مارے، مالک خود اس میں سے نہ کھائے اور کوئی مالدار بھی نہ کھائے، ہدی کو خون آلودہ اس لئے کیا جائے گا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی ہے اور پھر اس سے فقراء کھائیں مالدار نہ کھائیں۔

اگر ہدی واجب ہو تو اس کی جگہ دوسری ہدی کھڑی کرے اور اس سے جو چاہے کرے، چونکہ یہ بھی اس کی ملکیت ہے جیسے بقیہ املاک۔

مالکیہ.....کہتے ہیں: ❸ جب ہدی اپنے محل تک پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو مالک کو چاہئے کہ اسے نحر کرے پھر لوگوں کا راستہ چھوڑ دے تا کہ لوگ اس کا گوشت کھائیں اور وہ خود نہ کھائے، اس پر ہدی کا بدل واجب ہے۔ ❹

رہی بات ہدی کے نومولود بچے کی تو دیکھا جائے گا کہ بچہ اگر قلادہ باندھنے سے پہلے پیدا ہوا تو اسے نحر کرنا مستحب ہے، مکہ ساتھ لے جانا واجب نہیں، اگر قلادہ باندھنے کے بعد پیدا ہوا تو اسے بھی ساتھ مکہ لے جانا واجب ہے، اگر چل نہ سکتا ہو تو کسی دوسری سواری پر لاد کر لے جانا ضروری ہے۔

❶.....المغنی ۳/۵۴۹۔ ❷ الکتاب ۱/۲۱۹۔ ❸ الشرح الکبیر ۲/۹۱۔ ❹ المہذب ۱/۲۳۶، المجموع ۸/۲۷۸۔

شافعیہ...... ''شافعیہ کی رائے بھی اس سے ملتی جلتی ہے، کہ اگر ہدی کے ہلاک ہونے کا خوف ہوتو اسے ذبح کرے اور پھر گلے میں لٹکایا ہوا جوتا خون آلود کرے پھر پہلو پر اس سے نشان لگائے اور اسی جگہ چھوڑ جائے، تاکہ راہ گیر کو معلوم ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے اور اس سے کھا بھی لے، اس کی دلیل ابوقبیصہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدی بھیجتے اور ساتھ ہدایت کرتے کہ اگر ہدی کے ہلاک ہونے کی تمہیں خوف ہو تو اسے نحر کرو پھر گلے میں لٹکایا ہوا جوتا خون آلود کر کے پہلو پر مارو اور تم اس کا گوشت نہ کھاؤ اور تمہارے رفقائے سفر میں سے بھی کوئی نہ کھائے۔'' ❶

اگر ہدی نفلی ہو تو اس کا جو چاہے کرے خواہ بیچ دے یا ذبح کر کے کھائے یا دوسروں کو کھلائے چونکہ وہ اس کی ملکیت ہے اس میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔

اگر نذر کی ہدی ہو تو اسے ذبح کرنا لازمی ہے اگر ویسے ہی چھوڑ دی تاکہ خود ہی ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان واجب ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے ودیعت میں کوئی تفریط کرے اس کا ضمان لازم ہوتا ہے۔ ہدی بھیجنے والے، لے جانے والے اور ہانکنے والے کے لئے اس کا گوشت کھانا بلاخلاف جائز نہیں، اس کی دلیل حدیث سابق ہے، بلا اختلاف مالدار بھی اس میں سے نہیں کھا سکتا، ہاں البتہ وہ فقراء جو رفقائے سفر نہ ہوں وہ اس کا گوشت کھا سکتے ہیں۔ اس کی دلیل ناجیہ اسلمی کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدی دے کر بھیجا اور ساتھ ہدایت دی کہ اگر ہدی ہلاک ہو جائے تو اسے نحر کر کے پھر جوتا خون میں لتھیڑ دو پھر اس کے گوشت اور لوگوں کے درمیان راستہ چھوڑ دو۔ ❷ صحیح قول یہ ہے کہ ہدی لے جانے والے کے رفقائے سفر کے لئے ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں۔

اگر ہدی لے جانے والے نے ہدی تلف کر دی تو شافعیہ کے مذہب کے مطابق ہدی لے جانے والے کو دو چیزوں میں سے اکثر کا ضمان دینا ہوگا (۱) قیمت، مثل (یعنی جو امر اکثر ہو وہ دے) یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی قربانی کا جانور تلف کر دے اور وہ معین جانور ہو اور پھر مشتری کے پاس تلف ہو جائے تو قیمت اور مثل میں سے جو اکثر ہو اس کا ضمان دے۔

اگر کوئی اجنبی شخص ہدی کو تلف کر دے تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی پھر مالک قیمت سے اس کی مثل خرید لے۔

جب کسی شخص نے کوئی ہدی خریدی پھر اس ہدی کو پیش کرنے کی نذر مان لی اس کے بعد ہدی میں اسی کوئی عیب معلوم ہوا تو اسے رد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس ہدی سے اللہ تعالیٰ کا حق متعلق ہو چکا لہٰذا اسے باطل کرنا جائز نہیں۔

جب ہدی جائے ذبح تک پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے یا ذبح خانے میں پہنچنے کے بعد ہلاک ہو لیکن ابھی تک مالک کو اس کے ذبح کرنے پر دسترس نہ ہوئی ہو تو اس پر کچھ ضمان نہیں ہوگا چونکہ یہ امانت ہے اور امین نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی، یہ ایسا ہی ہے جیسے معین قربانی کا جانور مر جائے یا چوری ہو جائے یا نذر معین کا جانور ہلاک یا چوری ہو جائے اور قربانی کے دن ذبح کرنے پر دسترس نہ ہوئی ہو۔

اگر مالک کی اجازت کے بغیر کسی اجنبی نے ہدی ذبح کر دی اگر نذر کی ہدی ہو تو کافی ہو جائے گی چونکہ ذبح کرنے کے لئے قصد کی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ ذبح کرنے والے کو نقص کا تاوان دینا پڑے گا۔ یہ وہ فرق ہوگا جو ہدی بحالت زندہ کی قیمت اور حالت ذبح کے قیمت کے درمیان ہوگا۔ چونکہ اگر وہ ذبح کر دیتا تو اس کا ضامن ہوتا اور جب ذبح کر دی ہے تو نقصان کا ضامن ہوگا جیسے عام گوشت کی بکری۔

اگر ذبح خانے میں پہنچنے سے پہلے ہدی ذبح کر دی تو اس کا گوشت صدقہ کرنا لازمی ہوگا اور فی الوقت اس کا بدل کھڑا کرنا ضروری ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی قربانی کے معین جانور یا نذر کی ہدی کو ذبح کر دے اور ابھی قربانی کا دن نہ آیا ہو تو اس کا گوشت صدقہ کرنا لازمی ہوگا، مالک اس کا گوشت نہیں کھا سکتا، قربانی کے دن اس کا بدل ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

---

❶......رواه مسلم فی صحیحه۔ ❷ رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه وقال الترمذی حدیث حسن صحیح۔

جب نفلی ہدی یا نفلی قربانی کا جانور بچہ جنے تو بچہ مالک کی ملک ہوگا جیسے ماں اس کی ملک ہوتی ہے، اس میں جو چاہے تصرف کرے، رہی بات نذر کی ہدی کی تو اس کا بچہ ماں کے تابع ہوگا اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

حنابلہ کا مذہب..... بھی شافعیہ جیسا ہے، ❶ چنانچہ اگر نفلی ہدی ہو اور وہ آگے بڑھنے کی طاقت نہ رکھتی ہو اور ہلاک ہونے کا خدشہ ہو، ہدی چلنے سے عاجز ہو اور مالک کے ساتھ رفقائے سفر بھی ہوں تو ہدی کو ذبح کرے اور مسکینوں کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ ان کا گوشت کھائیں، مالک خود اس کا گوشت نہیں کھا سکتا، اس کا کوئی ساتھی بھی نہیں کھا سکتا اگرچہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو اس پر ہدی کا بدل نہیں اس کی دلیل قبیصہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث ہے۔ اور اگر نذر کی ہدی ہو تو اس کا بدل لازمی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نفلی ہدی لے جائے پھر وہ گم ہو جائے تو لے جانے والے پر اس کا بدل نہیں، ہاں البتہ مالک خود ہی چاہے تو بدل لے جا سکتا ہے، اگر نذر کی ہدی ہو تو بدل لازمی ہوگا۔ ❷

اگر مالک نے یا کھینچنے والے نے یا اس کے کسی رفیق سفر نے گوشت کھالیا یا بیچ دیا یا مالدار کو کھلا دیا یا رفیق سفر کو کھلا دیا تو اس کے بمثل گوشت کا ضامن ہوگا۔ اگر مالک نے ہدی تلف کر دی یا اس کی کوتاہی سے تلف ہوئی یا ہدی کے ہلاک ہونے کا خوف ہو مالک نے ذبح نہ کی حتیٰ کہ ہدی ہلاک ہوگئی تو اس پر ضمان ہوگا جو حرم کے فقراء کو دیا جائے گا، اگر ہدی کے گوشت میں سے کسی فقیر کو کھلا دیا یا کھانے کا حکم دیا تو مالک پر اس کا ضمان نہیں ہوگا چونکہ ہدی کا گوشت مستحق کو مل گیا۔ اگر کسی کے فعل سے ہدی میں عیب آ جائے تو اس پر اس کا ضمان ہوگا۔

فصل دوم...... خصوصیات حرمین شریفین

اس فصل میں دو بحثیں ہیں:

۱..... حرم مکہ ۲..... حرم مدینہ

پہلی بحث...... حرم مکہ

اس بحث میں ان امور پر گفتگو ہوگی حدود حرم، بنائے کعبہ، مزیت کعبہ، فضیلت مسجد حرام، مکہ کی مجاوری، مکہ اور مدینہ میں سے کون افضل ہے؟ دخول مکہ کے آداب، حرم مکی کے ممنوعات، خصوصیات مکہ اور مکہ میں اہم تاریخی مقامات کی زیارت۔

پہلی چیز: حرم مکی کی حدود..... یہ وہ جگہ ہے جس میں شکار گھاس اور نباتات وغیرہ حرام ہوتی ہیں۔ اور اس جگہ کی مٹی اور پتھر اٹھانا ممنوع ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ایسے امور ممنوع ہوتے ہیں جو اس جگہ کے علاوہ کہیں اور جائز ہوتے ہیں۔

حرم کی حدود..... مدینہ کی طرف سے مکہ سے تین میل کے فاصلے تک حرم کی حد ہے، یہ حد بنی نفار کے گھروں تک ہے جسے آج کل ''مسجد عائشہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یمن کی طرف سے سات میل کے فاصلے تک حدود حرم ہے جو کہ مقام ''اضاۃ لبن'' تک ہے، عراق کی طرف سے مکہ سے سات میل کے فاصلے تک حرم کی حد ہے یہ فاصلہ مقام مقطع میں ''ثنیۃ الجبل'' تک ہے، طائف کی طرف سے ''بطن غرہ'' تک حرم کی حد ہے، عرفات کی طرف سے مکہ سے سات میل تک حد حرم ہے، جعرانہ کی طرف سے نو میل کے فاصلے تک حرم کی حد ہے اور یہ فاصلہ شعب آل عبداللہ بن خالد تک ہے، جدہ کی طرف سے (۳) میل تک حد حرم ہے اور دس میل کا فاصلہ مکہ سے ''منقطع الاعشاش'' تک ہے۔ جبکہ بطن عرنہ کی طرف سے گیارہ میل تک حرم کی حدود پھیلی ہوئی ہیں۔ رہی بات مقام ''وج'' کی سو وہ طائف میں ایک وادی ہے

❶..... دیکھئے المغنی ۳/ ۵۳۷۔ ❷ رواہ الدار قطنی عن ابن عمر۔

اور یہ حل میں سے ہے۔ ❶

ملاحظہ.....حرم کے چاروں طرف علامات نصب کی گئی ہیں، ازرقی وغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ علامات نصب کی تھیں جبکہ جبرائیل امین نے مقررہ جگہوں کی تعیین کر دی تھی، پھر جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان علامات کی تجدید کا حکم دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے دور میں ان علامات کی تجدید کرتے رہے، اب یہ علامات نمایاں ہیں۔

مدینہ طیبہ جو کہ حلال تھا تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرم قرار دیا، جبکہ مکہ مکرمہ کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ مکہ زمانہ قدیم سے حرم چلا آ رہا ہے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو زمین وآسمان کی تخلیق کے دن حرمت والا بنایا ہے چنانچہ یہ شہر اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے سے حرام ہے۔" ❷

دوسری چیز: بنائے کعبہ، مزیت اور فضیلت مسجد حرام.....کعبہ پانچ مرتبہ تعمیر کیا گیا:

۱.....سب سے پہلے فرشتوں نے یا آدم علیہ السلام نے یا شیث علیہ السلام نے کعبہ کو تعمیر کیا، سہیل نے یہی لکھا ہے۔

۲.....حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی بنیادوں کو اوپر اٹھا کر کعبہ تعمیر کیا۔

۳.....رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قریش نے آپ کی موجودگی میں کعبہ تعمیر کیا۔

۴.....ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ تعمیر کیا۔

۵.....حجاج بن یوسف نے کعبہ کو تعمیر کیا۔ یہی عمارت آج کل موجود ہے۔ ❸

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مسجد حرم میں توسیع کی گئی بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد حرم کو تعمیر کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں توسیع ہوئی، پھر خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں توسیع کی گئی، پھر مہدی کے دور میں توسیع کی گئی، پھر توسیع کا عمل سعودی فرمانرواؤں تک موقوف رہا پھر سعودی شاہاؤں نے اس میں توسیع کی، مسجد حرم میں زیادہ تر توسیع مغرب کی طرف کی گئی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پسند ہے کہ کعبہ کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے اور اسے منہدم نہ کیا جائے، چونکہ انہدام کعبہ سے اس کی حرمت جاتی رہے گی اور کھیل کود کا ایک دھندا سا بن جائے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ پر یمنی کپڑے کے پردے لٹکائے پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت معاویہ اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے دور میں کعبہ کو کپڑے پہناتے رہے، ان کے بعد بھی آج تک لٹکائے جاتے ہیں۔

اسلام میں ولید بن عبدالملک پہلا خلیفہ ہے جس نے بیت اللہ کو سونے سے مزین کیا، امام غزالی نے بیت اللہ کو سونے اور ریشم سے مزین کرنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اسراف نہ ہو، کعبہ کو خوشبوؤں سے معطر کرنا جائز ہے، کعبہ سے کسی بھی چیز کا لینا حرام ہے خواہ برکت کے لئے کوئی چیز اٹھائی جائے یا کسی اور غرض سے، جس شخص نے کوئی چیز اٹھائی اسے واپس کرنا لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص تبرک کا ارادہ رکھتا بھی ہو تو اس کا جائز طریقہ یہ ہے کہ حاجی اپنے ساتھ خوشبو لائے پھر بیت اللہ کے ساتھ مس کر کے لے جائے، چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے۔

---

❶.....دیکھئے المجموع ۷/۴۴۰، الایضاح ص ۷۸ غایۃ المنتھیٰ ۱/۳۹۵ اعلام الساجد باحکام المساجد للزرکشی ص ۶۳۔

❷حدیث صحیح رواہ البخاری ومسلم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ حرم، حرام، حرمت سے ماخوذ ہے، بسا اوقات کوئی چیز معزز ومحترم ہونے سے حرام ہوتی ہے جیسے انسانی گوشت بسا اوقات کوئی چیز نجس کی وجہ سے حرام ہوتی ہے جیسے خنزیر۔ حرم پاک اپنے اعزاز واحترام کی وجہ سے حرام ہے۔ ❸ صحیح یہ ہے کہ کعبہ کو چھ مرتبہ تعمیر کیا گیا پہلی مرتبہ فرشتوں نے دوسری مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت شیث علیہ السلام نے۔

بیت حرام...... بیت اللہ سطح زمین پر پہلا گھر ہے جس میں رب تعالیٰ کی عبادت کی گئی، بیت اللہ کو شرف وکرامت میں اولیت حاصل ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾
فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ...... آل عمران ۳/۹۶

حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اور بنانے کے وقت سے ہی برکتوں والا اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے، اس میں روشن نشانیاں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔

چنانچہ بیت اللہ کی پہلی ظاہری علامت، مقام ابراہیم ہے دوسری یہ ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم واجب ہے، حتیٰ کہ جو شخص بیت اللہ کی پناہ میں آئے وہ عربوں کے ہاں امن میں آجاتا ہے جب تک وہ حرم میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مزیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ...... البقرۃ ۲/۱۲۵

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو''

دوسری جگہ فرمان ہوا:

أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا ...... القصص ۲۸/۵۷

بھلا کیا ہم نے ان کو اس حرم میں جگہ نہیں دے رکھی جو سراپا امن ہے۔

ایک اور جگہ فرمان ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ...... العنکبوت ۲۹/۶۷

بھلا کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے ایک پر امن حرم بنا دیا ہے جبکہ ان کے اردگرد لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اچک لیا جاتا ہے۔

اسی وجہ سے امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکہ میں اسلحہ لے جانا ممنوع ہے ہاں البتہ اگر کوئی اہم ضرورت ہو تو پھر اسلحہ ساتھ لے جانا جائز ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اسلحہ لے جانے کو حلال قرار نہیں دیا۔

حرم پاک میں نیکیاں اور برائیاں دوگنی ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ الحج ۲۲/۲۵

اور جو کوئی شخص اس میں ظلم کرکے ٹیڑھی راہ نکالے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

حرم پاک میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا کہیں اور حرم کے سوا ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا میری اس مسجد میں ایک سو نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔'' ❶

امام احمد نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ ''مسجد حرام میں ایک نماز کہیں اور ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔''

طبرانی نے ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ''مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے، میری مسجد میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو نمازوں کے برابر ثواب ہے۔''

یہ احادیث ان تین مساجد کی افضیلت پر دلالت کرتی ہیں، یعنی مسجد حرام پھر مسجد نبوی اور پھر مسجد اقصیٰ، مسجد حرام علی الاطلاق افضل ہے،

---

❶ ...... رواه احمد وصححه ابن حبان عن ابي الزبير (سبل السلام ۲/۲۱۶)

عبادت کا مقصد کر کے اس کا سفر کیا جائے۔ جو شخص مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو نذر پوری کرنا واجب ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کجاوے صرف تین مساجد کی طرف سفر کرنے کی نیت سے کسے جائیں۔ مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ۔ ❶

مسجد حرام کا اطلاق مسجد پر بھی ہوتا ہے اور کبھی اس سے حرم پاک مراد ہوتا ہے اور کبھی اس سے مکہ مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ذالك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام

یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔

ایام حج میں حرم پاک اور بیت اللہ کی اہمیت میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے چونکہ شعائر حج کی متعلقہ جگہیں حرم میں ہیں۔

تیسری چیز: مجاورت مکہ اور اس کی فضیلت..... فقہاء کی ایک جماعت کا قول ہے ان میں امام نووی اور علامہ زرکشی بھی ہیں کہ ❷ نماز اور دوسری طاعت کے ثواب کے چند در چند ہونے میں حرم مکہ مسجد حرام کی طرح ہے، چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مکہ میں ایک دن کا روزہ ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ دراہم کے صدقہ کے برابر ہے، الغرض ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ مکرمہ میں ایک رمضان گزارنا کہیں اور رمضان کے ایک ہزار مہینوں کے برابر ہے۔ ❸ اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا: ”جس شخص نے پیدل چل کر مکہ میں حج کیا حتیٰ کہ پھر واپس لوٹا تو ہر قدم کے بدلہ میں اسے حرم کی نیکیوں کے برابر سات سو نیکیاں ملیں گی اور حرم کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ ❹

علماء کی ایک جماعت جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسعود رضی اللہ عنہما، مجاہد، احمد بن حنبل بھی ہیں کا قول ہے۔ کہ ”مکہ میں برائیاں بھی چند در چند ہو جاتی ہیں جس طرح نیکیاں چند در چند ہوتی ہیں“، بعض متاخرین کا قول ہے کہ ”برائیوں کا تضاعف (دوگنا ہونا) مقدار کے اعتبار سے ہے یعنی برائیاں شناعت اور قباحت کے اعتبار سے دوگنا ہو جاتی ہیں کمیت میں دوگناہ ہونا مراد نہیں۔ چنانچہ ایک برائی کا بدلہ ایک برائی میں ہے۔ لیکن برائیوں میں تفاوت ہوتی ہے چنانچہ ایک برائی جو حرم میں کی جائے وہ شناعت میں کہیں اور سے زیادہ سخت و شدید ہوگی۔

حرم پاک میں برائیوں کا ارادہ اور عزم کرنے پر بھی عذاب ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ الحج ۲۲/۲۵

اور جو کوئی شخص اس میں ظلم کر کے ٹیڑھی راہ نکالے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

گویا حرم پاک کی تعظیم کا تقاضا ہے کہ عزم وارادہ پر بھی سزا ہو۔

مجاورت مکہ..... امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے کہ مجاورت مکہ مکروہ ہے۔ چونکہ مجاورت میں مکہ کی حرمت میں کوتاہی کا اندیشہ ہے، چونکہ مجاور مکہ کا عادی بن جائے گا اور اس سے مانوس ہو جائے گا جبکہ یہ چیز تعظیم واحترام میں کوتاہی کا باعث ہے نیز حرم پاک سے دوری اور جدائی سے دل میں واپس لوٹنے کا شوق پیدا کرتی ہے اور پھر ارتکاب گناہ سے بھی انسان دور رہتا ہے جبکہ انسان خطا کا پتلا ہے لہٰذا مکہ میں جم کر رہنے سے ارتکاب گناہ کا خدشہ ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک صاحبین کی رائے راجح ہے کہ مجاورت مکہ مکرمہ مکروہ نہیں۔ جبکہ

---

❶ ..... رواه احمد والشيخان وابوداؤد والنسائي وابن ماجه عن ابى هريرة. ❷ اعلام الساجد باحكام المساجد ص ۱۱۹ فتح القدير ۲/ ۳۳۵ الدر المختار ۲/ ۳۵۴ الايضاح ص ۸۴ غاية المنتهى ۱/ ۳۹۵. ❸ رواه البزار عن ابن عمر وهو ضعيف كما قال الهيثمي في مجمع الزوائد. ❹ رواه الحاكم في المستدرك عن ابن عباس رضى الله عنه وقال حديث صحيح الاسناد ورواه البيهقي في سننه وضعفه.

بعض حنفیہ نے مجاورت مدینہ کو مجاورت مکہ سے افضل قرار دیا ہے۔

شافعیہ حنابلہ اور صاحبین نے اس شخص کے لئے مکہ اور مدینہ کی مجاورت کو مستحب قرار دیا ہے جس سے کسی ممنوع فعل کے ارتکاب کا خوف نہ ہو۔ (۱) چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''اے مکہ تو مجھے تمام جگہوں سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے تجھ سے باہر نہ نکالا گیا ہوتا میں تجھ سے باہر نہ جاتا۔'' (۲)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک مدینہ میں مقیم ہو جانا مکہ میں مقیم ہو جانے سے افضل ہے۔ چونکہ مدینہ مسلمانوں کی جائے ہجرت ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے پاس صبر کرلے اور مصائب و مشاکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔ (۳)

چوتھی چیز: کیا مکہ افضل ہے یا مدینہ؟......قاضی عیاض وغیرہ کا قول ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ وہ جگہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر رکھا ہوا ہے وہ جگہ علی الاطلاق ساری زمین سے افضل ہے پھر اس جگہ کے بعد مکہ اور مدینہ افضل ہیں۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مکہ اور مدینہ میں سے کون سا شہر افضل ہے؟ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مدنی صحابہ کی اتباع میں کہا ہے مدینہ افضل ہے۔ چونکہ مدینہ جائے ہجرت ہے صحابہ کرام کا مستقر ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانا ہے، نیز مدینہ کی فضیلت میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔ (۴) من جملہ ان احادیث میں یہ بھی ہے کہ شہر مدینہ، طیبہ (پاک) ہے، یہ گندگیوں اور ناپاکیوں کی میل کچیل کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح آگ چاندی کی میل کچیل کو دور کرتی ہے۔ (۵)

اکثر علماء جن میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں کا مذہب ہے کہ مکہ افضل ہے، اس مذاہب کے دلائل سابقہ احادیث میں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔ ''اللہ کی قسم (اے سرزمین مکہ!) تو اللہ تعالیٰ کی سرزمین میں سب سے افضل ہے، اور ساری زمینوں سے سب سے زیادہ اللہ کو محبوب ہے، اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا گیا ہوتا میں نہ جاتا۔ (۶)

ایک اور حدیث میں فرمایا: اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل سرزمین ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا گیا ہوتا میں تجھ سے باہر نہ جاتا۔ (۷)

''اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مکہ تو کتنی پاکیزہ سرزمین ہے اور مجھے کتنی محبوب ہے۔ اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے باہر نہ نکالا ہوتا میں تیرے سوا کہیں اور سکونت نہ کرتا۔''

عز بن عبدالسلام نے مندرجہ ذیل وجوہات کی بناپر مکہ کو مدینہ پر فضیلت دی ہے۔

۱......حج اور عمرہ کے لئے مکہ کا قصد کرنا واجب ہے حج اور عمرہ واجب ہیں جبکہ حج اور عمرہ مدینہ میں نہیں ہوتے۔

۲......جب اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اس وقت مکہ کو حرم قرار دیا۔

۳......اللہ تعالیٰ نے حرم پاک کو جاہلیت و اسلام میں سراپا امن بنایا ہے۔

۴......مکہ میں جو بھی داخل ہوگا یا حج کرے گا یا عمرہ۔

---

(۱)......دیکھئے فتح القدیر ۲/۳۳۵ غایۃ المنتھی ۱/۳۹۵، اعلام الساجد ص ۲۹ المغنی ۳/۵۵۶۔ (۲) اخرجہ الترمذی عن ابن عباس وعبداللہ بن عدی بن الحمراء۔(جامع الاصول ۱۰/۱۸۵) (۳) رواہ مسلم والموطا والترمذی عن ابن عمر (جامع الاصول ۱۰/۱۹۸) (۴) الایضاح ص ۷۲، الدر المختار، ۲/۳۵۲ اعلام الساجد ص ۱۸۵ القوانین الفقھیۃ ص ۱۴۳ دیکھئے جامع الاصول ۱۰/۱۹۲۔ (۵) رواہ مسلم عن زید بن ثابت (جامع الاصول ۱۰/۲۰۱)۔ (۶) رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔ (۷) رواہ النسائی عن ابی ھریرۃ۔

پانچویں چیز: مکہ میں داخل ہونے کے آداب...... جو شخص مکہ میں داخل ہوا سے مندرجہ ذیل امور بجالانا مستحب ہے۔ (1)

۱...... جو شخص حج یا عمرہ کا احرام میقات یا کہیں اور سے باندھے اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ مکہ آئے اور پھر وہاں سے عرفات جائے۔

۲...... جو شخص مکہ پہنچے وہ یہ دعا پڑھے:

اللهم هذا حرمك وأمنك فحرمني على النار وآمني من عذابك يوم تبعث عبادك واجعلني من اوليائك واهل طاعتك

''یا اللہ یہ تیرا حرم ہے اور تو نے اسے سراپا امن بنایا ہے، مجھ پر آگ کو حرام کردے، جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ مجھے اپنے اولیاء میں سے بنانا اور اپنے فرمانبرداروں میں سے کرنا۔''

اس کے علاوہ دل میں خشوع وخضوع کو بیدار کر کے رکھے۔

۳...... جب مکہ پہنچے تو مقام ذی طوی میں غسل کرے (2) یہ غسل دخول مکہ کی نیت سے کرے اگر کسی اور راستے سے آئے تو مکہ کے قریب پہنچ کر غسل کرے یہ غسل ہر شخص کے لئے مستحب ہے خواہ حائضہ ہو نفاس والی عورت یا کوئی بچہ ہو۔

۴...... مسنون یہ ہے کہ ثنیہ کداء سے مکہ میں داخل ہو (3) جب جانے لگے تو ثنیہ کداء سے جائے۔ (4)

۵...... شافعیہ کے نزدیک پیدل چل کر مکہ میں داخل ہونا چاہئے۔

۶...... آدمی مکہ میں دن کو بھی داخل ہوسکتا ہے اور رات کو بھی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر دن کے وقت داخل ہوئے اور عمرہ کے موقع پر رات کو داخل ہوئے جبکہ شافعیہ کے نزدیک دن کو داخل ہونا مستحب ہے۔

۷...... مکہ میں داخل ہوتے وقت بھیڑ اور ہجوم کی وجہ سے لوگوں کو اذیت نہ پہنچائے، حرم پاک کی شان عظمت رفعت اور جلال کو دل میں ملحوظ رکھے۔

۸...... جو شخص حرم کے باہر سے آئے اسے چاہئے کہ وہ حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھ کر داخل ہو، شافعیہ کے نزدیک احرام باندھ کر داخل ہونا مستحب ہے جبکہ بقیہ فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔

۹...... جب انسان کی نظر بیت اللہ پر پڑے دونوں ہاتھ اوپر اٹھانا مستحب ہے چونکہ کعبہ کو دیکھنے کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے اور یہ دعا پڑھے:

اللهم زد هذا البيت تشريفاً وتعظيماً وتكريماً ومهابة وزد من شرفه وعظمه ممن حجه او اعتمر تشريفاً تكريماً وتعظيماً وبراً

''یا اللہ بیت اللہ کی عظمت شرافت کرامت اور رعب میں اضافہ فرما، جو شخص اس کا حج یا عمرہ کرے اس کی عزت کرامت اور عظمت میں بھی اضافہ فرما۔''

اس دعا کے ساتھ یہ بھی پڑھے:

اللهم انت السلام ومنك السلام فحينا ربنا بالسلام

یا اللہ تو سلامتی والا ہے اور تیری ہی وجہ سے سلامتی ہے اے ہمارے رب ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔

دنیا وآخرت کی متعلق جو چاہے دعا کرے، سب سے اہم مغفرت کا سوال ہے، کمال خشوع وخضوع کے ساتھ بیت اللہ میں حاضری ہے،

---

(1) ...... الایضاح ص ۳۱ الکتاب مع اللباب ۱/۱۸۲ الدرالمختار وردالمحتار ۲/۳۵۱ القوانین الفقهیة ص ۱۴۳ مغنی المحتاج ۱/۵۱۱ المغنی ۳/۳۶۸۔ (2) طوی، طاء کی تینوں حرکات کے ساتھ ہے یا مکہ کا نچلا حصہ ہے جہاں مسجد عائشہ ہے۔ (3) کاف کی فتح کے ساتھ یہ مکہ کا بالائی حصہ ہے۔ (4) یہ مکہ کا زیریں حصہ ہے اور یہ جگہ جبل قعیقعان کے پاس ہے۔ اور جنوب کی طرف واقع ہے۔

بیت اللہ کے سامنے جا کر یہ دعا پڑھے:

اللھم ان ھذا البیت بیتك والحرم حرمك والا من امنك وھذا مقام العائذ بك من النار

یااللہ یہ گھر تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے، اسے تونے سراپا امن بنایا ہے یہ ایسی جگہ ہے جہاں دوزخ سے تیری پناہ طلب کی جاتی ہے۔

۱۰.....حرم میں پہنچ کر ٹھکانے میں نہ جائے اور نہ کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے میں مصروف ہو بلکہ طواف قدوم کرے یہ طواف جمہور کے نزدیک مسنون ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک واجب ہے، بعض رفقائے سفر کو ساز و سامان اور کجاووں کے پاس چھوڑے حتیٰ کہ طواف کر کے واپس لوٹ آئے طواف کے بعد پھر اپنے ٹھکانے میں جائے اور تعظیم کرے۔

جو عورت خوبصورت ہو یا کسی معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہو اسے مردوں کے سامنے نہیں آنا چاہئے رات کے وقت مسجد حرام میں داخل ہو اور رات ہی کے وقت طواف کرے۔

مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہونا مستحب ہے، داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں داخل کرے اور یہ دعا پڑھے:

اعوذ باللہ العظیم وبوجھه الکریم وسلطانه القدیم من الشیطان الرجیم، بسم اللہ والحمدللہ، اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك

جب مسجد حرام سے باہر نکلے تو بایاں پاؤں باہر نکالے اور نکلتے وقت مذکورہ بالا دعا پڑھے اور ساتھ یہ دعا بھی پڑھے:

وافتح لی ابواب فضلك

ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت اور خارج ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

۱۱.....جب مسجد حرام میں داخل ہو تحیۃ المسجد وغیرہ میں مشغول نہ ہو بلکہ حجر اسود کا قصد کرے اور طواف قدوم سے ابتداء کرے، چونکہ مسجد حرام کا تحیہ یہی ہے، جو شخص بھی مسجد حرام میں داخل ہو خواہ احرام باندھا ہو یا نہ باندھا ہو اس کے لیے طواف کرنا مستحب ہے، اگر فرض نماز کا وقت ہو یا فرض نماز کی قضا کرنی ہو یا جماعت فوت ہونے کا خدشہ ہو یا وتر فوت ہونے کا خوف ہو یا فجر کی سنتیں چھوٹ جانے کا خوف ہو یا کوئی اور سنت موکدہ فوت ہونے کا خوف ہو تو ان نمازوں کو طواف سے پہلے پڑھ لے۔

اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور اس حالیکہ لوگوں نے طواف سے روک دیا تو تحیۃ المسجد پڑھ لے۔

۱۲.....جو شخص حج کرنے جائے اس کے لئے بیت اللہ میں داخل ہونا مستحب ہے پھر دو رکعتیں پڑھے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، بیت اللہ میں جوتے اور موزے پہن کر داخل نہ ہو، حجر اسماعیل میں بھی جوتے اور موزے پہن کر داخل نہ ہو چونکہ حجر اسماعیل (حطیم) بیت اللہ کا حصہ ہے، اسلحہ لے کر بیت اللہ میں داخل نہ ہو۔

کعبہ کے کپڑے پردے جب اتار دیئے جائیں تو انہیں صدقہ کر دیا جائے، بیت اللہ کی خوشبو نہ اٹھائی جائے، حرم کی مٹی باہر نہ لائی جائے اور حل کی مٹی بھی حرم میں نہ لائی جائے، حرم کے پتھر اور سنگریزے سوئے حل منتقل نہ کرے۔

۱۳.....جو شخص حج یا عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ واپسی سے پہلے پہلے قرآن مجید ختم کرلے۔

۱۴.....مالکیہ کے نزدیک طواف وداع مستحب ہے جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔

چھٹی چیز: وہ احکام جن میں حرم بقیہ شہروں سے ممتاز ہے:

خصائص وممنوعات حرم.....حرم مکی کے مختلف مخصوص احکام ہیں ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں۔ [1]

---

[1] دیکھئے المجموع ۷/۴۴۳، المھذب ۱/۲۱۸، الکتاب مع اللباب ۱/۲۱۱ الشرح الصغیر مع الصاوی ۲/۱۱۰ مغنی المحتاج ۱/۵۲۷، المغنی ۳/۳۴۴، بدایۃ المجتھد ۱/۳۱۹ البدائع ۲/۲۰۲، اعلام الساجد ص ۱۲۳ الدرالمختار ۲/۲۹، الایضاح ص ۹۵۔

۱.....حرم پاک میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہونا چاہئے، احرام شافعیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ جمہور کے نزدیک واجب ہے۔

۲.....بالاجماع حرم کا شکار حرام ہو خواہ کوئی محرم ہو یا حلال، البتہ موذی جانور جو غالب اوقات میں اذیت پہنچانے میں ابتدا کرتے ہیں وہ اس حکم سے مستثناء ہیں، حرم کے شکار کو کسی نے تلف کیا اس کا ضمان دینا ہوگا چونکہ حدیث ہے۔ ''حرم کا شکار نہ دھمکایا جائے۔'' اس میں داؤد ظاہری کا اختلاف ہے۔

۳.....حرم پاک کے درخت اور خودرو گھاس اور نباتات کو کاٹنا حرام ہے، جیسے شیخ (ایک گھاس) کاٹنے اور عوسج، البتہ وہ گھاس جس کی ضرورت پیش آجاتی ہے وہ کاٹنا جائز ہے جیسے اذخر (خوشبودار گھاس)۔ اذخر کے ساتھ ان چھ گھاسوں کو بھی ملحق کیا گیا ہے جیسا کہ مالکیہ نے واضح کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱..... سنا (جسے سنا مکی کہا جاتا ہے) چونکہ علاج معالجہ میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۲.....چھڑی سے پتے جھاڑنا۔ ۳.....عصا بنانا

۴.....مسواک بنانا ۵.....اپنی جگہ میں کوئی عمارت وغیرہ بنانا (مثلاً اٹاری یا چھپر)

۶.....چمن اور باغات کو درست کرنے کے لئے کاٹ چھانٹ کرنا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا: اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق کے دن حرام کیا ہے، یہ شہر تا قیامت اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے، اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں، اس کا شکار نہ دھمکایا جائے، اس شہر میں گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے البتہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کی تشہیر کرے، حرم کی گھاس نہ کاٹی جائے، اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی: یارسول اللہ! البتہ اذخر گھاس کی اجازت ہو چونکہ یہ گھاس ہمارے لوہاروں کو ضرورت پڑتی ہے اور ان کے گھروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البتہ اذخر۔ ❶ جمہور کے نزدیک درخت کا ضمان واجب ہے جبکہ اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے، شافعیہ کے نزدیک خودرو درخت اور انسانوں کے اگائے ہوئے درخت برابر ہیں، چونکہ ممانعت والی حدیث مطلق ہے، اذخر گھاس حلال ہے، اسی طرح عوسج کاٹنا اور اس جیسے دیگر موذی کانٹے موذی شکار کے حکم میں ہیں، ان کے کاٹنے میں ضمان نہیں، شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ حرم کی گھاس چارے کے لئے علاج معالجہ کے لئے یا غذا کے لئے جیسے حنظل جیسے رجلہ اور حاجت کے لئے سبزہ وغیرہ کاٹنا حلال ہے۔ ❷

شافعیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک وہ پودے درخت اور فصلیں جنہیں انسان اگاتا ہے ان کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں جیسے اخروٹ کا درخت، بادام، کھجور، اراک کا درخت، انار، خس، خربوزہ اور گندم وغیرہ، خشک درخت اور خشک جھاڑیوں کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں چونکہ یہ ایسے درخت ہیں جن پر موت واقع ہو چکی۔ درختوں کے پتے نہیں توڑے جائیں گے، کھمبی (کھچی وغیرہ) مباح ہے چونکہ کھمبی نباتات کی جنس میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ زمین کے عطیات میں سے ہے، اسی طرح فقع کا لینا بھی جائز ہے چونکہ اس کی جڑ نہیں ہوتی لہٰذا پھل کے مشابہ ہے، کوا، چیل، چوہا، سانپ، باؤلا کتا، مچھر، چیونٹی، پسو، چیچڑی کچھوا اور وہ جانور جو شکار نہیں ان کے مارنے میں کوئی حرج نہیں۔

رہی بات طائف کی وادی وج کے شکار کی سو وہ بھی حرام ہے چنانچہ حدیث ہے۔ ''خبردار! وادی وج کا شکار اور درخت حرام ہیں۔ ❸ شافعیہ کے نزدیک ان کا ضمان نہیں ہوگا، حنابلہ کے نزدیک مباح اور حلال ہے، چونکہ اباحت اصل ہے، جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے البتہ شافعیہ کے نزدیک ضمان نہیں۔

❶..... رواه البخاري ومسلم والنسائي عن ابن عباس (جامع الاصول ١٠/١٨٣) ❷مغني المحتاج ١/٥٢٧. ❸ حديث ضعيف رواه البيهقي عن الزبير بن العوام.

۴.....حرم کی مٹی، پتھر اور سنگریزوں کو حرم سے باہر نکالنا ممنوع ہے، جبکہ شافعیہ کے ہاں مکروہ ہے جبکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیادہ صحیح تحریم ہے، حنفیہ کہتے ہیں حرم کے پتھر اور مٹی کو باہر لے جانا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

۵.....جمہور کے نزدیک ہر طرح کے کافر کا حرم میں داخل ہونا ممنوع ہے، خواہ کافر حرم میں مقیم ہونا چاہتا ہو یا حرم سے گزرنا چاہتا ہو، امام ابوحنیفہ نے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ کافر حرم کو وطن نہ بنائے۔ ❶

۶.....حرم میں گری پڑی چیز کا اٹھانا اور پھر اس کا مالک بن جانا جائز نہیں، ہاں البتہ وہ شخص اٹھائے جو گری پڑی چیز کی تشہیر کرے اور اصل مالک کو تلاش کرے جبکہ حرم کے علاوہ بقیہ شہروں میں لقطہ اٹھانا اور پھر اس کا مالک بننا جائز ہے اس کی دلیل سابق حدیث ہے۔ کہ ''حرم کا لقطہ نہ اٹھایا جائے البتہ وہ شخص اٹھائے جو اس کی تشہیر کرے۔''

۷.....حرم مکہ میں جس شخص نے کسی کو قتل کر دیا تو قاتل پر دیت مغلظہ ہوگی چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ ......البقرة ۲/ ۱۹۱

تم کافروں سے مسجد حرام میں لڑائی نہ کرو یہاں تک کہ وہ لڑائی شروع نہ کریں۔

چونکہ حرم پاک کو امن فراہم کرنے میں تاثیر حاصل ہے، اگرچہ قتل خطاء ہو پھر بھی دیت مغلظہ ہوگی، برابر ہے قاتل اور مقتول دونوں حرم میں ہوں یا ان میں سے ایک حرم میں ہو اور دوسرا حل میں ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تغلیظ دیت عدد کے زائد ہونے میں ہوگی یعنی پوری دیت کے ساتھ تہائی دیت ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تغلیظ اونٹوں کی عمروں میں ہوگی عدد کی زیادتی میں نہیں ہوگی۔

شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق حرم مدینہ میں دیت مغلظہ نہیں ہوگی۔

جمہور کے نزدیک حرم مکی میں باغیوں سے لڑائی کرنا جائز ہے بشرطیکہ جب لڑائی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو اور لڑائی ناگزیر ہو، چونکہ باغیوں کی سرکوبی حقوق اللہ میں سے ہے جس کا ضائع کرنا جائز نہیں۔

لہٰذا حرم پاک میں اس کی حفاظت بطریق اولیٰ واجب ہے۔ جبکہ فقہاء کی ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک حرم پاک میں حدود و قصاص کا قیام کیا جائے گا چنانچہ آیت کریمہ ہے:

وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ ......البقرة ۲/ ۱۹۱

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا جبکہ وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حل وحرم میں پانچ فاسق جانوروں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے چونکہ یہ پانچ جانور اپنی طبع کے اعتبار سے موذی ہوتے ہیں۔

امام احمد، امام ابوحنیفہ اور ظاہریہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس شخص پر حد یا قصاص واجب ہو اور وہ جب تک حرم میں رہے امن میں رہے گا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ ......آل عمران ۳/ ۹۷

جو بھی حرم میں داخل ہوگا وہ امن میں رہے گا۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ حرم پاک میں خون بہائے۔ ❷

۸.....حرم پاک میں مشرک کو دفن کرنا یا مدفون مشرک کی قبر اکھاڑنا حرام ہے۔

---

❶.....کافر حرم پاک کی شان وشوکت دیکھ کر متاثر ہوگا اور اسلام کی طرف راغب ہوگا۔ ❷رواه البخاری و مسلم فی الصحیحین من الحدیث السابق

۹.....حج وعمرہ کے دوران واجب ہونے والا ہر طرح کا دم اور ہدی کا ذبح کرنا حرم کے ساتھ خاص ہے۔

۱۰.....جب کوئی شخص اہل حرم میں سے ہو تو اس پر دم تمتع اور دم قران نہیں ہوگا۔

۱۱.....شافعیہ کے نزدیک ایسی کوئی بھی نفلی نماز جس کا کوئی سبب نہ ہو وہ حرم پاک میں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۱۲.....جو شخص حرم پاک میں جانے کی نذر مانے تو شافعیہ کے نزدیک حج وعمرہ کے قصد سے حرم میں جانا لازم ہے، بخلاف باقی مساجد کے، چونکہ جب کسی اور مسجد کی نذر مان لی جائے تو اسکا پورا کرنا لازمی نہیں۔ سوائے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے، اس کی دلیل حدیث سابق ہے۔

۱۳..... جب کوئی شخص صرف جانور ذبح کرنے کی حرم میں نذر مانے تو حرم میں ذبح کرنا لازمی ہے اور حرم کے مسکینوں پر گوشت تقسیم کرنا لازمی ہے اگر کسی اور شہر میں ذبح کی نذر مانی تو وہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔

۱۴.....صحرا میں پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا شافعیہ کے نزدیک حرام ہے۔

۱۵.....مسجد حرام میں نمازوں کا ثواب چند در چند ہوتا ہے۔

۱۶.....اہل مکہ کے لئے مستحب ہے کہ وہ عید کی نماز مسجد حرام میں پڑھیں جبکہ حرم کے علاوہ جو لوگ رہنے والے ہیں ان کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ عیدگاہ میں نماز پڑھیں، شافعیہ کے نزدیک یہ اس وقت ہے جب مسجد تنگ پڑ جائے۔ ❶ اگر مسجد کشادہ ہو تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔

۱۷.....جو شخص حرم پاک میں رہنے والا ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ حرم سے باہر حج کا احرام باندھے۔

ساتویں چیز: **مکہ کے اہم تاریخی مقامات کی زیارت**......ابن جزی کہتے ہیں۔ ❷ جن مقامات کی زیارت کا برکت کے لئے قصد کرنا چاہئے وہ یہ ہیں: حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت حاجرہ علیہا السلام کی قبروں کی زیارت کا قصد کرنا چاہئے، یہ دونوں قبریں حطیم میں ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی قبر جو کہ ابوقبیس پہاڑ میں ہے اس کی زیارت کی جائے، غار ثور جس کا تذکرہ قرآن میں ہے اس کی زیارت کی جائے، غار حراء جس میں وحی کی ابتدا ہوئی اس کی زیارت کی جائے، مکہ میں صحابہ، تابعین اور ائمہ کی قبروں کی زیارت کی جائے۔

حراء پہاڑ یا نور پہاڑ...... یہ پہاڑ مکہ سے شمال کی طرف ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور عرفات جاتے وقت بائیں طرف پڑتا ہے، اس کی بلندی ۲۰۰ میٹر ہے، اسی پہاڑ میں وہ غار ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔

غار ثور...... یہ پہاڑ بھی مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک ہے اور یہ پہاڑ مکہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس کی بلندی ۵۰۰۰ میٹر ہے، یہ مکہ سے جنوب کی طرف واقع ہے اور چھ میل کے فاصلہ پر ہے، ہجرت کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی پہاڑ میں تین دن تک پناہ لی۔

دار ارقم......دار ارقم صفا کی قریب واقع ہے حضرت ارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اسلام قبول کیا ابتدائے اسلام میں دعوت اسلام کے مرکز کی حیثیت انہی کے گھر کو حاصل تھی اسی گھر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

مقبرۂ معلات یا مقبرہ حجون...... یہ قبرستان مکہ سے شمال مشرق کی طرف واقع ہے یہ زمانہ جاہلیت سے آج تک قبرستان چلا

---

❶ .....المجموع ۷/۵ ❷ القوانين الفقهية ص ۱۴۳۔

آ رہا ہے، اسی قبرستان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد آپ کے چچاؤں، بعض صحابہ اور تابعین کی قبریں ہیں، اسی قبرستان میں عبدمناف،، عبدالمطلب، ابوطالب، آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عبداللہ بن زبیر اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی قبریں ہیں۔

منیٰ..... منیٰ ایک بستی ہے جو مکہ مکرمہ سے سات (۷) کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس میں تین جمرات، صغریٰ، وسطی اور کبریٰ واقع ہیں، اسی میں مسجد کبش واقع ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کبش (مینڈھے) کی طرف منسوب ہے، مسجد بیعت جہاں اہل مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی تھی واقع ہے، اور مسجد خیف بھی یہیں ہے۔

عرفات..... جبل عرفات سطح سمندر سے ۲۲۵ میٹر بلندی پر واقع ہے اور مکہ سے جنوب مشرق کی طرف ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس کے شمال میں جبل رحمت جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف کیا تھا۔ اسی موقع پر یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ..... المائدۃ ۵/۳

آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کامل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔

دوسری بحث..... حرم مدینہ

اس بحث میں ان امور پر گفتگو ہوگی: حدود حرم مدینہ، مسجد نبوی کی فضیلت، خصوصیات حرم یا ممنوعات حرم، وہ وجوہات جن کی بنا پر حرم مدینہ حرم مکی سے مختلف ہے، مسجد نبوی اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، اور مدینہ کے اہم تاریخی مقامات کی زیارت۔

پہلی چیز: حدود حرم مکی..... حرم مدینہ جنوباً وشمالاً ۱۲، ۱۲ میل تک ہے اور یہ جبل عیر یا عائر سے جبل ثور تک ہے، چنانچہ صحیحین کی روایت ہے کہ ''مدینہ عیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک حرم ہے۔'' عائر اور عیر مدینہ کے قریب مشہور پہاڑ کا نام ہے، جبکہ ثور، احد پہاڑ کے پیچھے چھوٹا سا پہاڑ ہے جبکہ احد پہاڑ حرم مدینہ میں سے ہے۔ ❶ شرقاً وغرباً بھی ۱۲، ۱۲ میل تک حرم پھیلا ہوا ہے اور یہ دو پہاڑوں کے درمیان کا حصہ ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دو پہاڑوں کے درمیانی علاقہ کو حرم قرار دیا ہے۔ ❷ اس کی مسافت ۱۲، ۱۲ میل ہے، آج بھی یہی حدود برقرار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اردگرد دس میل کو حرم قرار دیا ہے۔

مدینہ طیبہ کو ''یثرب'' کے نام سے نہ پکارا جائے چونکہ یثرب جاہلی نام ہے جبکہ اسلامی نام طیبہ، طابہ، دار، مدینہ ہے۔

دوسری چیز: مسجد نبوی کی فضیلت..... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسجد جب بنائی تو اس کی پیائش ۷۰×۶۰ ذراع (ہاتھ) تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان، عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک اپنے اپنے دور میں توسیع کرتے رہے، ❸ یہاں تک کے شاہ عبدالعزیز آل سعود کے دور میں بھی توسیع ہوئی (آخری بار توسیع شاہ فہد کے دور میں ہوئی) مغرب کی طرف سے اکثر توسیع کی گئی اور قدیم مدینہ پر تقریباً مسجد ہے۔

اس مسجد میں ایک نماز کسی دوسری مسجد میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیحین میں حدیث ہے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز کسی اور مسجد میں ایک ہزار نماز میں سے افضل ہے، البتہ مسجد حرام کی فضیلت اس سے زیادہ ہے۔'' امام نووی رحمۃ

---

❶..... اعلام الساجد للزرکشی ص ۲۲۶ مغنی المحتاج ۱/۵۲۹ غایة المنتھی ۱/۳۹۷۔ ❷ رواہ مسلم عن عتیة بن مسلم وعن ابی سعید الخدری وجابر بن عبداللہ۔ ❸ اعلام الساجد ص ۲۲۳

اللہ علیہ کہتے ہیں یہ فضیلت فرض ونفل سب کو شامل ہے جیسے مکہ کی فضیلت سب کو شامل ہے۔علماء کا قول ہے کہ اس فضیلت کا دارومدار ثواب پر ہے یعنی مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب دوسری کسی مسجد میں ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے، اجزاء کی تعدی مقصود نہیں حتیٰ کہ اگر کسی کے ذمہ دو نمازیں ہو وہ ایک پڑھ لے تو دوسری کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہ فضیلت صرف اس مسجد کو ہو جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی اس حصہ کو یہ فضیلت نہیں جو بعد میں اضافہ ہوتا رہا۔ چونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "فی مسجدی ھذا" اضافت تخصیص کے لئے ہوتی ہے اور پھر ہم اشارہ بھی ہے لہٰذا آپ کے زمانہ میں جو مسجد تھی اس کی یہ فضیلت ہوگی۔ جبکہ دوسرے علماء کی رائے ہے کہ مسجد نبوی میں خواہ کتنی وسعت کرلی جائے اس کی یہ فضیلت برقرار رہے گی، جیسے مسجد حرام میں خواہ کتنی وسعت کردی جائے فضیلت برقرار رہے گی، یہ فضیلت ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں توسیع کی اور فرمایا۔اگر ہم اس مسجد میں اتنی توسیع کردیں کہ مدینہ کے قبرستان تک پہنچ جائیں پھر بھی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہی رہے گی۔ ❶

حدیث میں اس مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت یوں بیان کی گئی ہے: جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ کوئی نماز (تکبیر اولیٰ اور جماعت) سے فوت نہیں ہوئی اس کے لئے دوزخ سے خلاصی کا پروانہ لکھ دیا جائے گا اور روز قیامت اسے نجات مل جائے گی۔ ❷ جس شخص نے مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ کی طرف جانے کی نذر مانی تو شافعیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لئے جانا مستحب ہے واجب نہیں۔پھر گھڑی بھر کے لئے اعتکاف کرلیا تو نذر پوری ہوجائے گی، افضل یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ لی جائیں۔

تیسری چیز: خصوصیات حرم مدنی......حرم مدینہ میں وہ علاقہ آتا ہے جو لابتین کے درمیان واقع ہے، لابۃ، عربی میں حرہ کو کہتے ہیں اور حرہ کا معنی سیاہ پتھروں والی زمین ہے۔یہ حرم مندرجہ ذیل احکام میں مخصوص ہے۔ ❸

۱......حرم مدینہ کا شکار حرام ہے اور درخت کاٹنا بھی حرام ہے، جمہور کے نزدیک یہ تحریم ایسی ہی ہے جیسے حرم مکہ کی تحریم ہے۔اس کی دلیل یہ ہے حدیث ہے۔"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا ہے بین مدینہ منورہ کو حرام قرار دیتا ہوں، یہ لابتین کے درمیان پھیلا ہوا ہے اس کا درخت نہ کاٹا جائے اور شکار قتل نہ کیا جائے۔ ❹

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ مکہ کی طرح حرام نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔"اے ابوعمیر تمہارے بلبل کا کیا ہوا؟ ❺

جمہور کے نزدیک مدینہ حرم تو ہے لیکن اس کے شکار کی جزاء نہیں، ضمان نہیں ہوگا، جبکہ جمہور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مستدل کا جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث تحریم سے پہلے کی ہے، یا یہ پرندہ حرم مدینہ سے باہر کا تھا۔

۲......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق حرم مدینہ کی مٹی اور پتھر باہر منتقل کرنا حرام ہے۔

۳......شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مدینہ کی مجاورت مستحب ہے، چونکہ مدینہ کی مجاورت سے درجات بلند ہوتے ہیں اور آدمی کے کرامت لیں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مدینہ منورہ کی مشقت اور شدت پر صبر کرلیتا ہے میں روز قیامت اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔ ❻

---

❶......اعلام الساجد ص ۲۴۶۔ ❷رواہ الطبرانی فی اللاوسط عن انس بن مالک ولم یروہ عن انس الا نبیط وتفرد بہ ابن ابی الرجال۔ ❸علام الساجد للزرکشی ص ۲۴۲ القوانین الفقیۃ ص ۱۴۳ الشرح الصغیر ۲/۱۱۱ المجموع ۷/۴۴۷ المہذب ۱/۲۱۹ مغنی المحتاج ۱/۵۲۹ المغنی ۳/۳۵۳ الدرالمختار ۲/۳۵۴۔ ❹رواہ مسلم۔ ❺رواہ ابوعوانہ فی صحیح عن شر حبیل بن سعد ورواہ البخاری ومسلم عن انس۔ ❻ رواہ مسلم فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ وابی سعید وابن عمر۔

حنفیہ کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ مدینہ طیبہ کی مجاورت ❶ مکروہ نہیں، اسی طرح جس شخص کو اپنے اوپر اعتماد ہو وہ مکہ مکرمہ کا مجاور بھی بن سکتا ہے۔

۴.....شافعیہ کے نزدیک مدینہ منورہ میں روزے رکھنا مستحب ہے اور اہل مدینہ پر صدقہ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا مستحب ہے چونکہ اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں، چنانچہ طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ طیبہ میں ایک رمضان گزارنا دوسرے شہروں میں ایک ہزار رمضان گزارنے سے بہتر ہے۔

۵.....اہل مدینہ شفاعت مزید اور اکرام زائد کے ساتھ مخصوص ہیں، اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی سابق حدیث ہے جو صحیحین میں مروی ہے۔ کہ ''جو شخص مدینہ منورہ کی سختیاں برداشت کرتا ہے.....الخ ایک اور حدیث میں ہے۔ ''میں سب سے پہلے اپنی امت میں سے اہل مدینہ کی سفارش کروں گا پھر اہل مکہ کی پھر اہل طائف کی۔ ❷

۶.....جب کوئی شخص مدینہ مدینہ حاضری دینے کے لئے جائے جونہی اسے مدینہ منورہ کے در و دیوار دکھائی دیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا شروع کردے اور یہ دعا پڑھے:

اللهم هذا حرم نبيك فاجعله وقاية لي من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب

یا اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اسے میرے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بنادے عذاب اور برے حساب سے امان کا باعث بنادے۔

چوتھی چیز: حرم مدینہ اور حرم مکہ کے درمیان فرق.....حرم مدینہ اور حرم مکہ میں دو فرق ہیں۔ ❸

اول.....ضرورت وحاجت کے لئے حرم مدینہ کے درختوں کو کاٹ لینا جائز ہے چارہ وغیرہ کے لئے گھاس کاٹنا بھی جائز ہے، اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو حرم قرار دیا تو صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم کام کاج کرنے والے لوگ ہیں اور اونٹنیوں سے کنویں سے پانی نکالتے ہیں، ہم اپنی زمین کے سوا اور زمین کی طاقت نہیں رکھتے لہٰذا آپ ہمیں رخصت دیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو پائے، سرہانہ، پھیلاؤ اور پھرکی کے محور بنانے میں کوئی حرج نہیں، اس کے علاوہ درخت نہ کاٹے جائیں اور کوئی درخت ضائع نہ کیا جائے۔ ❹

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مدینہ عائر پہاڑ اور ثور پہاڑ کے درمیان حرام ہے، اس کی گھاس نہ کاٹی جائے، اس کا شکار نہ دھمکایا جائے، اس کا کوئی درخت کاٹنا اچھا نہیں ہاں البتہ کوئی شخص اپنے اونٹ کو چارا دینا چاہے تو اس کے لئے جائز ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حدود سے درخت نہ کاٹے جائیں البتہ ہلکے طریقہ سے پتے جھاڑ لیے جائیں۔ ❺ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مدینہ منورہ درختوں اور فصلوں والی زمین ہے اگر ہم کانٹ چھانٹ سے منع کریں گے تو لوگوں کو سخت ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہے، یہ بخلاف مکہ کے ہے، مالکیہ کے مذہب میں کاٹ چھانٹ پر جزا نہیں جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جزا ہوگی یعنی شکار قتل کیا یا درخت کاٹا تو ان کی جزاء دینی پڑے گی۔

دوم.....''جس شخص نے مدینہ سے باہر کوئی شکار پکڑا پھر مدینہ میں داخل کیا تو شکار کو چھوڑنا لازمی نہیں، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے ابوعمیر! تمہارے بلبل نے کیا کیا؟''

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں پرندہ پکڑ لینا پھر اسے اپنے پاس رکھ لینا جائز ہے ممنوع نہیں۔

---

❶.....مجاورت کا معنی ہے پڑوسی بن جانا، کسی خانقاہ میں تزکیہ نفس کے لئے بیٹھ جانا، یہاں بھی یہی مراد ہے کہ دنیا و مافیہا سے کٹ کر اللہ کا ہو نا اور عجز و نیاز کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کے لئے مقیم ہوجانا مجاورت ہے۔ ❷رواه الطبراني والبزار عن عبدالملك بن عباد بن جعفر لكنه لم يرو الا هذا الحديث بهذا الاسناد. ❸ مغني المحتاج ۵۲۸/۱ اعلام الساجد ص ۲۴۳۔ ❹رواه احمد۔ ❺رواهما ابو داؤد.

مکہ مکرمہ کی حرمت مدینہ منورہ کی حرمت سے زیادہ ہے چونکہ مکہ میں جو شخص بھی داخل ہوگا احرام باندھ کر داخل ہوگا۔

پانچویں چیز...... مسجد نبوی کی زیارت مستحب ہے، اس کی دلیل حدیث سابق ہے کہ شدرحال صرف تین مسجدوں کے لئے کیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کی زیارت کرنا بھی مستحب ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ پوری زمین میں سب سے افضل ہے۔

روضہ رسول کی زیارت کے احکام وآداب مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

ا...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت مسنون ہے، چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ’’جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔‘‘ ❷ ایک اور حدیث ہے۔ کہ ’’جو شخص ہر طرح کی حاجت وضرورت سے کٹ کی میری زیارت کے لئے آیا تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ روز قیامت میں اس شخص کا سفارشی ہوں۔ ❸

بخاری کی ایک روایت ہے۔ کہ ’’جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کے سپرد کر دیتے ہیں جو مجھے درود پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کے دنیا وآخرت کے معاملہ کی کفایت فرماتے ہیں اور قیامت کے دن میں اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت افضل نیکی اور افضل قربت ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان پاتے۔ نساء ۴/ ۶۴

دو وجوہات کی بنا پر حاجی اور معتمر کے لئے زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی زیادہ موکد ہو جاتی ہے۔

اول...... اکثر واغلب ایسا ہوا ہے کہ حاجی دور دراز سے سفر کر کے آتا ہے، یہ بڑی بے رخی ہوگی کہ مدینہ کے قریب آ کر زیارت روضہ رسول سے کنی کترا کر واپس لوٹ جائے۔ اس لئے حاجی اور معتمر کو زیارت کرنی چاہئے کیا معلوم آئندہ موقع ملے نہ ملے۔

دوم...... ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی گویا اس نے مجھ سے جفا کی۔ ❹ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ ’’جس شخص نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی۔ ❺

۲...... جو شخص زیارت کے لئے آئے اس کے لئے مستحب ہے کہ زیارت روضہ اطہر سے تقرب الی اللہ کی نیت کرے اور سفر سے مسجد اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت کرے۔

۳...... زیارت کے لئے جب آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجے خصوصاً جب مدینہ کے درود پورا دکھالئے دیں تو کثرت سے درد بھیجے۔

۴...... مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے۔

---

❶...... الایضاح ص ۸۶ القوانین الفقهية ص ۱۴۳، مغنی المحتاج ج ۱/ ۵۱۲ غاية المنتهىٰ ۱/ ۳۹۶ المغنی ۳/ ۵۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۲۷۔ ❷ رواه ابن خزيمة فی صحيحه والبزار و الدارقطنی عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما۔(نيل الا وطار ۹۵/۵) ❸ رواه ابن السكن فی سننه الصحاح لمأثورة وروى ابوداؤد عن ابی هريرة حديث ضعيفاً۔ ❹ رواه ابن عدی فی الكامل والدارقطنی وابن حبان والبزار (نيل الاوطار ۹۵/۵) وهو ضعيف۔ ❺ رواه الدارقطنی وابويعلىٰ والبيهقی وابن عدی عن ابن عمر ورواه غيرهم وتعدد طرقه يقوىٰ بعضها بعضاً۔

۵.....مدینہ میں داخل ہوتے وقت مدینہ منورہ کے شرف ومرتبہ کو دل میں مستحضر رکھے کہ مکہ مکرمہ کے بعد دنیا بھر میں اس شہر سے افضل کوئی شہر نہیں۔

۶.....جب مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے تو دایاں قدم اندر رکھے نکلتے وقت بایاں قدم باہر رکھے اور وہ دعائیں پڑھے جو مسجد حرام کی بحث میں ذکر کی جا چکی ہیں۔

پھر روضۂ اطہر کا قصد کرے، روضۂ اطہر منبر اور قبر کے درمیان ہے، (1) تحیۃ المسجد ادا کرے اور منبر کی ایک جانب ادا کرے، اور یوں مسجد کا دائرہ آنکھوں کے سامنے ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔

۷.....جب روضہ میں یا مسجد میں کسی بھی جگہ تحیۃ المسجد ادا کرے تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، قبول زیارت کی دعا کرے، پھر قبر مبارک کے پاس آجائے اور قبلہ کی طرف پشت کرے اور قبر مبارک کی دیوار کی طرف منہ کرے قبر مبارک کے سرہانے سے چار گز دور کھڑا ہو، نظریں پست کر کے کھڑا ہو، دل میں خشوع وخضوع ہو، دنیا کے بکھیڑوں سے یکسر دل کو خالی رکھے دل میں قبر مبارک کی شان وشوکت اور جلال کا استحضار ہو پھر آواز بلند سلام پیش کرے اور یہ الفاظ کہے۔

السلام عليك يارسول الله، السلام عليك يانبى الله، السلام عليك ياخيرة الله
السلام عليك ياخير خلق الله، السلام عليك ياحبيب الله، السلام عليك يانذير
السلام عليك يابشير، السلام عليك ياطهر، السلام عليك ياطاهر
السلام عليك يانبى الرحمة، السلام عليك يانبى الامة، السلام عليك ياابالقاسم
السلام عليك يارسول رب العالمين، السلام عليك يا سيدالمرسلين وخاتم النبيين
السلام عليك ياخير الخلائق اجمعين، السلام عليك يا قائد الغر المحجلين
السلام عليك وعلى آلك وأهل بيتك وأزواجك وذريتك واصحابك
اجمعين والسلام عليك وسائر الانبياء وجميع عبادالله الصالحين۔ (2)

پھر کہے: جزاك الله يا رسول الله عنا افضل ماجزى نبياً ورسولاً عن امته
وصلى الله عليك كلماذكرك ذاكر وغفل عن ذكرك غافل، افضل وأكمل واطيبه
ماصلى على احد من الخلق اجمعين

یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے عمدہ عمدہ، افضل سے افضل اور پاکیزہ سے پاکیزہ جزاء عطا فرمائے جو جزاء کسی نبی یا رسول کو اس کی امت کی طرف سے عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے جب بھی کوئی شخص آپ کے ذکر جمیل میں مشغول ہو اور جب بھی کوئی شخص آپ کے ذکر سے غافل ہو۔

پھر کہے:

اشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له وأشهد انك عبده ورسوله وخيرته من خلقه
اشهدانك قد بلغت الرسالة وأديت الأمانة ونصحته الأمة وجاهت فى الله حق جهاده

(1)..... اس روضہ سے مراد وہ جگہ ہے جسے جنت کا حصہ قرار دیا گیا ہے روضہ سے مراد قبر نہیں۔ (2) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی نام لے کر آپ پر درود وسلام پیش کیا جائے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پیغام رسالت پہنچادیا اور امانت ادا کردی اور امت کے لئے خیر خواہ رہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کے لئے نہ صرف جہاد کیا بلکہ اس کا حق ادا کردیا۔

پھر یہ دعا پڑھے:

اللهم وآته الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذى وعدته وآته نهاية ماينبغى ان يسأله السائلون

اے اللہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما (وسیلہ جنت کا ایک درجہ ہے) اور ان کو فضیلت عطا فرما اور ان کو مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کو انتہائی درجے کا اعلیٰ مقام عطا فرما جو سوال کرنے والوں کو رواہ نہیں ہوتا۔

پھر یہ درود بھیجے:

اللهم صلى على محمد عبدك ورسولك النبى الامى وعلى آل محمد ازواجه وذريته، كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم وبارك على محمد النبى الامى وعلى آل محمد وازواجه وذريته كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم فى العالمين انك حميد المجيد[1]

اگر کوئی مختصر الفاظ میں درود پڑھنا چاہے تو وہ ان الفاظ میں پڑھے:

السلام عليك يارسول الله عليك وسلم

پھر مشرق کی طرف دائیں جانب ہٹے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام پیش کرے اور یوں کہے:

السلام عليك ياابابكر صفى رسول الله وثانيه فى الغار جزاك الله عن امة نبيه صلى الله عليه وسلم خيراً

پھر ایک ہاتھ کے بقدر دائیں جانب پیچھے ہٹے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام پیش کرے اور یوں کہے:

السلام عليك يا عمر! اعزالله بك الاسلام جزاك الله عن امة محمد صلى الله عليه وسلم خيراً

پھر نصف ذراع کے بقدر پیچھے ہٹے اور یوں کہے:

السلام عليكما ياضجيعى رسول الله ورفيقيه ووزيريه ومشيريه والمعاونين له على القيام فى الدين، القائمين بعده بمصالح المسلمين، جزاكما الله احسن الجزاء

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے سرہانے آجائے اور حجرہ کے کونے میں آئے، قبلہ رو کھڑا ہو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے، اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے والدین کے لئے شیوخ احباب واقارب کے لئے دعائیں مانگے اور جو چاہے دعا مانگے، دعا کے ابتدا یوں کرے۔

"اللهم انك قلت وقولك الحق"۔ "ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً" وقد جئناك سامعين قولك طائعين امرك، مستشفعين بنبيك ربنا اغفرلنا والاخوننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل فى قلوبنا غلاً للذين آمنوا ربنا انك رؤوف رحيم، ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العالمين"

اے اللہ! تو فرماتا ہے اور تیرا فرمایا ہوا حق ہے" کہ لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور وہ تیرے پاس آئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی

[1]..... یہ وہی درود ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے جسے درود ابراہیمی کہا جاتا ہے، یہاں الفاظ میں تھوڑا اختلاف ہے۔

اور رسول نے بھی ان کے لئے مغفرت طلب کی تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پائیں گے۔" ہم تیرے پاس تیرا فرمان سن کر آئے ہیں، خوشی سے تیرے حکم کو بجالاتے ہیں، تیرے نبی کی شفاعت کے طلب گار ہیں، اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما، ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان میں ہمارے اوپر سبقت لے گئے، ایمان والوں کے بارے میں ہمارے دلوں میں کینہ نہ ڈال، اے ہمارے رب تو مہربان اور رحم والا ہے، اے ہمارے رب ہمیں دنیا وآخرت میں اچھائی عطا فرما، دوزخ کے عذاب سے بچا، اے ہمارے رب تو پاک ہے ان باتوں سے جو کفار کہتے ہیں، پیغمبروں پر سلام بھیج اور تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے تمام تعریفیں ہو۔

پھر روضہ میں آجائے اور اس میں بیٹھ کر کثرت سے دعائیں کرے اور کثرت سے نماز پڑھے درود بھیجے۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی راویت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔"

منبر کے پاس کھڑے ہو کر خوب سے خوب دعائیں مانگے۔

پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والے ستون کے پاس آجائے جس کے ساتھ انہوں نے آپ کو باندھ دیا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، یہ ستون قبر اور منبر کے درمیان ہے، اس کے پاس دو رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ کے حضور خطاؤں کی توبہ کرے اور خوب دعائیں مانگے، پھر اس ستون کے پاس آجائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رونے لگا تھا، یہ ستون اصل میں درخت کا باقی ماندہ تنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، جب آپ نے اسے چھوڑ دیا اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا تو یہ ستون رونے لگا آپ نے اتر کر یہ ستون گلے لگالیا تب کہیں جا کر اسے سکون ملا۔

۸.....حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا طواف کرنا جائز نہیں، قبر مبارک کو ہاتھ سے مس کرنا یا بوسہ لینا مکروہ ہے بلکہ ادب یہ ہے کہ قبر سے چار گز کے فاصلہ پر دور کھڑا ہو۔

۹.....جتنی مدت مسجد نبوی میں قیام کرے اسے چاہئے کہ سبھی نمازیں مسجد نبوی میں باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرے، مسجد میں اعتکاف کی نیت کرے، جیسے مسجد حرام میں اعتکاف کی نیت کی جاتی ہے۔

جب مدینہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کرے تو دو رکعات پڑھے اور پھر یہ دعائیہ کلمات کہے:

اللهم لاتجعله آخر العهد بحرم رسولك وسهل لى العود الى الحرمين سهلة
وارزقنى العفو والعافية فى الآخرة والدنيا ورد نا اليه سالمين غانمين

یااللہ! میری یہ حاضری آخری بار کی حاضر نہ بنانا میرے لئے آئندہ واپسی آسان فرما، مجھے عافیت اور معافی عطا فرما دنیا وآخرت میں اور ہمیں سلامتی کے ساتھ فائدہ اٹھانے والا بنا کر واپس لوٹا۔

۱۰.....امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مدینہ میں جو مسجد میں داخل ہوتے اور نکل جاتے ہیں ان کے لئے قبر مبارک کے پاس ہر بار وقوف کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قبر کے پاس وقوف کرنا تو ان لوگوں کے لئے ہے جو پردیسی ہوں اور باہر سے آئیں، یا مدینہ سے کہیں باہر سفر کا ارادہ ہو وہ قبر کے پاس ٹھہریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود وسلام بھیجیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام بھیجیں، باہر سے آنے والے قبر کے پاس ٹھہریں (وقوف کریں) جبکہ اہل مدینہ وقوف نہ کریں وجہ فرق یہ ہے کہ اہل مدینہ مدینہ کے مقیمین ہیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ یااللہ! میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنانا۔

چھٹی چیز: اہم تاریخی مقامات کی زیارت..... جو شخص مدینہ حاضری دے اسے چاہئے کہ اہم تاریخی مقامات پر حاضری دے یہ

تیس (۳۰) کے قریب مقامات ہیں جنہیں اہل مدینہ اچھی طرح پہچانتے ہیں ان میں سے اہم درجہ ذیل ہیں۔ ❶

ا: **مدینہ کی دوسری مساجد کی زیارت**...... مسجد نبوی کے علاوہ دوسری مساجد کی زیارت کرنا مستحب ہے، جیسے مسجد قباء، یہ مسجد مدینہ کی جنوب مغرب سمت میں واقع ہے، یہ پہلی مسجد ہے جس کی مدینہ میں بنیاد رکھی گئی، چنانچہ حدیث میں ہے۔''مسجد قباء میں ایک نماز عمرہ کے برابر ہے۔'' ❷ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں سوار ہو کر بھی آتے تھے اور پیدل بھی، اس میں آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے۔''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن تشریف لاتے تھے۔''اس مسجد میں شدائد ومصائب کی دوراورحل مشکلات کے لئے دعائیں مانگی جائیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں مشکلات کے حل کے لئے دعائیں مانگی تھیں۔

مسجد مصلیٰ یا مسجد غمامہ...... یہ مسجد اس عیدگاہ میں واقع ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔

مسجد قبلتین...... یہ چھوٹی سی مسجد ہے جو وادی عقیق میں مدینہ سے شمال مغرب کی طرف واقع ہے اس مسجد کو مسجد قبلتین اس لئے کہا جاتا ہے چونکہ اسی مسجد میں ایک نماز دو قبلوں کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی تھی۔ شمال کی طرف بیت المقدس ہے اور جنوب کی طرف مکہ مکرمہ۔

مسجد فتح...... یہ مسجد شہر کے شمال مغرب کی طرف واقع ہے اور جبل سلع کے قرب ہے، یہ مسجد وہیں ہے جہاں خندق کھودی گئی تھی۔

۲: **زیارت بقیع**...... بقیع مسجد نبوی سے جانب مشرق چند سومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اس میں دس ہزار صحابہ کے لگ بھگ آرام فرما رہے ہیں، ان میں آل بیت، شہدائے احد، شہدائے بدر ہیں، بقیع کی زیارت جمعہ یا جمعرات کے دن کی جائے، زیارت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے بعد زیارت کرنے والا یوں کہے:

السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وانا انشأ اللّٰہ بکم لاحقو ن اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد اللھم اغفرلنا ولھم

وہ قبریں جو نمایاں دکھائی دیتی ہوں ان کی زیارت کرے جیسے ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عثمان، عباس، حسن بن علی، علی بن حسین، جعفر بن محمد وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت صفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی قبر پر زیارت کا عمل ختم کرے ان قبروں کی زیارت کی فضیلت میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

۳......**اہم جگہیں**:

بئر اریس...... یعنی وہ کنواں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک ڈالا تھا اس کی زیارت کے لئے حاضر ہو اس کنویں کا پانی پیئے اور وضو کرے۔

دار ابوایوب انصاری...... حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی زیارت کرے یہ گھر مسجد نبوی کی مشرقی سمت میں واقع ہے اور قدرے جنوب کی طرف ہٹ کر ہے۔

دار عثمان بن عفان...... یہ وہ گھر ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کئے گئے، یہ گھر دار ابوایوب کے پڑوس میں ہے، اس گھر میں آج کل اسد الدین شیر کوہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے والد اور چچا کی قبریں ہیں۔

ان کے علاوہ دار عبداللہ بن عمر بن خطاب، دار ابی بکر، دار خالد بن ولید کی زیارت بھی کرے یہ مسجد نبوی کے ارد گرد واقع ہیں۔

---

❶ ......للایضاح ص ۹۰ مغنی المحتاج ۱/ ۵۱۲۔ ❷ رواہ الترمذی وغیرہ عن اسید بن ظھیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو صحیح۔

بدر کی بستی کی زیارت کی جائے یہ بستی مدینہ منورہ سے مغرب کی طرف ۱۵۶ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اسی مقام پر مسلمانوں کو مشرکین پر فتح نصیب ہوئی تھی، یعنی ۲ھ ۱۰ رمضان المبارک کو جنگ بدر لڑی گئی بستی سے جانب جنوب ایک میل کے فاصلہ پر شہدائے بدر کی قبریں ہیں۔

احد پہاڑ کی زیارت کی جائے یہ پہاڑ مدینہ منورہ سے شمار کی جانب چار کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، مشرق تا مغرب اس کا طول ۶ (چھ) کلومیٹر ہے اور یہ پہاڑ ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے، اسی پہاڑ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (۱) اس پہاڑ کے دامن میں سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احمد میں شہید ہوئے تھے، ان کی قبر کے قریب باقی صحابہ کی قبریں ہیں جو اس معرکہ میں شہید ہوئے۔

تیسری فصل......حج وغیرہ کیلئے سفر کے آداب اور واپس لوٹنے والے حاجی کے آداب

اس فصل میں دو مباحث ہیں۔

پہلی بحث: حج وغیرہ کے لئے آداب سفر......امام نووی رحمہ اللہ نے سفر کے عظیم آداب ذکر کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ (۲)

۱: **مشاورت**......جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ کسی ایسے شخص سے حج کے بارے میں مشورہ کرے جس کی دینداری، تجربہ اور علم پر اسے اعتماد ہو، جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہو اسے چاہئے کہ وہ خیر خواہی سے مشورہ دے، درحقیقت جس شخص سے مشورہ لیا جائے اسے امانتدار ہونا چاہئے۔

نیز دین تو سراسر خیر خواہی ہے۔

۲: **استخارہ**......جب کوئی شخص حج کا عزم رکھتا ہو اسے استخارہ کرنا چاہئے۔ دو رکعت نماز پڑھے پھر قبلہ رو ہو کر یہ دعا کرے۔ (۳)

اللهم انی استخیرك بعلمك وأ ستقدرك بقدرتك وأسالك من فضلك العظیم، فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب‍ اللهم ان كنت تعلم ان ذهابی الی الحج فی هذا العام خیر فی دینی ودنیای ومعاشی وعاقبة امری وعاجله وآجله فاقدره لی ویسره لی، ثم بارك لی فیه اللهم ان كنت تعلم انه شر فی دینی ودنیاتی ومعاشی وعاقبة امری وعاجله وآجله فاصرفه عنی واصر فنی عنه واقدر لی الخیر حیث كان ثم رضنی به

یا اللہ! میں تجھ سے خیر و بھلائی کا طلب گار ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ استطاعت کا خواستگار ہوں، میں تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہو، بلاشبہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا تو علم رکھتا ہے اور میں علم نہیں رکھتا، بلاشبہ تو غائب کا جاننے والا ہے، یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ حج کے لئے میرا جانا اسی سال میں میرے دین، میری دنیا، میری معیشت اور میرے انجام کار اس کے جلدی ہونے اور تاخیر سے ہونے میں بھلائی ہے مجھے اس پر قدرت عطا فرما اور مجھے آسانی عطا فرما، پھر اس میں مجھے برکت عطا فرما، یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ میرے لئے دین اور دنیا، معیشت اور انجام کار کے طور پر شر ہے تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے دور رکھ اور جو بھلائی ہو وہ میرے لئے مقدر فرما اور مجھ سے راضی رہ۔

استخارہ کی دو رکعتوں میں پہلی رکعت میں سورت ''الکافرون'' اور دوسری رکعت میں سورت ''الاخلاص'' پڑھی جائیں، استخارہ کے بعد جس

---

(۱)......رواہ البخاری عن سهل بن سعد والترمذی عن انس وهو صحیح۔ (۲) الایضاح ص ۴ (۳) استخارہ یہ نہ ہو کہ میں حج کے لئے جاؤں یا نہ جاؤں بلکہ استخارہ یہ ہو کہ اس سال حج کروں یا آئندہ سال حج کروں۔

چیز پر شرح صدر ہو وہی بجالائے۔

۳: توبہ کرنا، مظالم اور قرضہ جات کارد...... جب سفر کا عزم کرے تو گناہوں سے توبہ کرلے، جس قدر ظلم وستم کئے ہوں ان کا خاتمہ کرے، جو بھی قرضہ جات ہوں امکان بھر انہیں ادا کرے، پاس رکھی ہوئی امانتیں واپس لوٹائے، جن لوگوں سے معاملہ یا مصاحبت رکھی ہو ان سے عفو ودرگزر کی درخواست کرے، وصیت لکھ لے اور اس پر گواہ بھی بنالے، کسی ایسے شخص کو قرضہ جات کی ادائیگی کا وکیل بنائے جس پر اسے اعتماد ہو، گھر والوں کے لئے اخراجات کا بندوبست کرلے۔

۴: والدین اور بیوی کی رضامندی...... والدین کو راضی کرنے کی کوشش کرے، عورت اپنے خاوند اور اقارب کو راضی کرنے کی کوشش کرے، خاوند کے لئے مستحب ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ حج کرے۔

والدین کو روا نہیں کہ اولاد کو فرض حج سے روکے البتہ نفلی حج سے روک سکتا ہے، شافعیہ کے نزدیک اگر اولاد نے نفلی حج کا احرام باندھا تو والد حلال کراسکتا ہے۔

خاوند کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو نفلی حج سے منع کرسکتا ہے، شافعیہ کے نزدیک ظاہری قول کے مطابق خاوند بیوی کو فرض حج سے بھی منع کرسکتا ہے، چونکہ خاوند کا حق واجب علی الفور ہے، اگر عورت مطلقہ ہو تو خاوند عدت کے لئے روک سکتا ہے حلال نہیں کرسکتا، البتہ اگر عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو تو اسے حلال کراسکتا ہے تاکہ اس سے رجوع کرے، عورت بکری ذبح کر کے حلال ہوسکتی ہے اور بال بھی ترشوائے گی۔

۵: نفقہ حلال ہو...... جو شخص حج کا عزم رکھتا ہو اس کا نفقہ (خرچہ) حلال اور طیب آمدنی سے ہونا چاہئے اور ہر طرح کے شبہ سے پاک ہونا چاہئے، اگر مشتبہ مال یا مال مغصوب سے حج کیا تو جمہور کے نزدیک حج صحیح ہوجائے گا، البتہ یہ حج مبرور نہیں ہوگا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مال حرام سے کیا ہوا حج کافی نہیں ہوتا۔

۶: ضرورت سے زائد نفقہ...... ضرورت سے زائد زادراہ ساتھ رکھنا مستحب ہے تاکہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد کرسکے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ

اے ایمان والو جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ خرچ کیا کرو، اور یہ نیت نہ رکھا کرو کہ بس ایسی خراب قسم کی چیزیں دیا کروگے۔ البقرۃ ۲/۲۶۷

آیت میں ''الطیب'' سے مراد عمدہ ہے اور ''الخبیث'' سے مراد گھٹیا ہے۔

۷...... جو شخص حج کرنا چاہتا ہو اسے خرید وفروخت میں بحث ومباحثہ ترک کرنا چاہئے۔

۸...... زادراہ، سواری اور خرچہ میں کسی دوسرے کے ساتھ شراکت نہیں کرنی چاہئے چونکہ تنازعات سے دور رہنے میں سلامتی ہے۔

۹: چست سواری...... ایسی سواری کا انتظام کیا جائے جو طاقت ور اور آرام دہ ہو، یہ مستحب ہے شافعیہ کے نزدیک پیدل چل کر حج کرنے سے سوار ہو کر حج کرنا افضل ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہو کر حج کیا ہے، آپ کے پاس ایک اونٹ سواری کے لئے تھا اور دوسرے پر ساز وسامان وغیرہ لاد رکھا تھا۔

۱۰: طریقہ حج کو سیکھنا...... جب کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اس لئے حج کا طریقہ سیکھنا ازحد ضروری ہے، یہ فرض عین ہے، چونکہ

جب کسی عبادت کی کیفیت ہی کوئی نہ جانتا ہو تو وہ عبادت صحیح نہیں ہوتی، مستحب یہ ہے کہ اپنے ساتھ مناسک حج میں کوئی کتابچہ اپنے ساتھ رکھ لے اور بار بار اس کا مطالعہ کرتا رہے تاکہ مناسک حج کی اچھی طرح سمجھ بوجھ پیدا ہو جائے۔

۱۱: رفیق سفر...... حاجی کو اپنے لئے کوئی رفیق سفر تلاش کرنا چاہئے، رفیق سفر ایسا ہو جو بھلائی کے کاموں کی رغبت رکھتا ہو، برائی سے دور رہتا ہو اگر کچھ بھول جائے تو رفیق سفر اسے یاد دلائے، دوران سفر رفیق سفر کو خوش رکھے، اس کا احترام کرے، اپنا اس کے ذمہ کوئی حق نہ سمجھے، اگر رفیق سفر کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں تنہائی کو ناپسند کیا ہے، اور ارشاد فرمایا ہے۔ ''ایک مسافر شیطان ہے دو مسافر دو شیطان ہیں البتہ تین حقیقت میں مسافر ہوتے ہیں۔ ❶ جب تین آدمی مل کر سفر شروع کریں تو ان میں سے جو صاحب الرائے ہو اسے اپنا امیر مقرر کرلیں چنانچہ حدیث ہے کہ۔ ''جب تین آدمی سفر کر رہے ہوں تو ان میں سے ایک کو امیر بنالیں۔ ❷

۱۲: عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرنا...... حاجی کے لئے مستحب ہے کہ وہ عبادت کے لئے فارغ ہو، تجارت وغیرہ سے خالی ہو، چونکہ تجارت دل کو مشغول کر دیتی ہے، اگر کسی شخص نے حج کے ساتھ ساتھ تجارت بھی کی تو اس کا حج صحیح ہوگا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۸

تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ تم (تجارت کے ذریعہ) اللہ کا فضل تلاش کرو۔

اپنے عمل سے خالص رب تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ......البینۃ ۹۸/ ۵

اور انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ اللہ کے لئے دین کو خالص رکھ کر اس کی عبادت کریں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے''۔

حج بدل میں افضل یہ ہے کہ نائب تبرعاً حج کرے اور اجرت نہ لے، اگر اجرت (مزدوری) لے کر حج کیا تو گویا افضل کو چھوڑا، چونکہ عبادت دوسرے کے لئے ہوگی اور نائب کو مفت میں مقامات مقدسہ میں حاضری کا موقع مل جائے گا۔

۱۳: جمعرات کو سفر شروع کرنا...... جمعرات کے دن صبح صبح سفر شروع کرنا چاہئے اور یہ مستحب ہے، چونکہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کے علاوہ کسی دن سفر شروع کیا ہو ❸ اگر جمعرات کا دن نکل جائے تو پیر کے دن سفر شروع کرے، چونکہ اسی دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی تھی، صبح صبح سفر پر نکلنا مستحب ہے چونکہ حضرت غامد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ ''یا اللہ میری امت کی صبح میں برکت فرما'' ❹

۱۴: نماز سفر...... جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز پڑھے پہلی رکعت میں ''الکافرون'' دوسری رکعت میں ''الاخلاص'' پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد آیت الکرسی، سورہ قریش، سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھے پھر حضور قلب سے دعا مانگے اللہ تعالیٰ سے مدد و توفیق کا سوال کرے جب گھر سے اٹھ کھڑا ہو تو یہ دعا پڑھے جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اللھم الیك توجھت وبك اعتصمت، اللھم اکفنی ما اھمنی وما لم اھتم بہ

❶......رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والحاکم عن عبداللہ بن عمرو وھو صحیح۔ ❷ رواہ ابو داؤد باسناد حسن عن ابی ھریرۃ۔
❸ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن کعب بن مالک۔ ❹ رواہ ابو داؤد والترمذی وقال ھذا حدیث حسن۔

اللهم زودنی التقویٰ واغفرلی ذنبی

یااللہ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، تجھے پر بھروسہ کرتا ہو، یااللہ میں نے جس مقصد کا عزم کیا ہے اس میں میری کفایت فرمایااللہ مجھے تقویٰ عطا فرمااور میرے گناہ معاف فرما۔

۱۵: الوداع ہونا...... اہل خانہ، پڑوسیوں، احباب واقارب کوالوادع کہنا مستحب ہے، اور ہر ایک کوالگ الگ یوں کہنا چاہئے۔

استودع الله دینك وامانتك وخواتیم عملك زودك الله التقویٰ وغفرذنبك ویسرلك الخیر حیث کنت

میں تیرے دین تیری امانت اور اعمال کواللہ کے سپرد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ کا توشہ عطا فرمائے تمہارے گناہ معاف کرے اور خیر و بھلائی کوتمہارے لئے آسان فرمائے۔

۱۶: گھر سے نکلتے وقت دعا...... جب گھر سے نکلنے کا اردہ کرے تو دعا کرنا مسنون ہے، اور یہ دعا پڑھے جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

اللهم انی اعوذبك من ان اضل اواضل اوازل اوازل اواظلم او اظلم اواجهل او یجهل علی

یااللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں گمراہ ہونے سے یا مجھے کوئی دوسرا گمراہ کرے یا میں پھسلوں یا مجھے پھسلایا جائے، یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں نادانی کروں یا مجھ پر نادانی کی جائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص گھر سے نکلے اسے یہ دعا کرنی چاہئے۔

بسم الله توکلت علی الله لاحول ولاقوة الا بالله

گھر سے نکلتے وقت صدقہ خیرات کردینا مستحب ہے۔

۱۷: سوار ہوتے وقت دعا...... سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

بسم الله، الحمدلله الذی سخرلنا هذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون

پھر تین بار الحمدللہ اور تین بار اللہ اکبر کہے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

سبحانك، اللهم انی ظلمت نفسی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت

اس کے ساتھ یہ دعا بھی پڑھے:

اللهم انا نسألك فی سفرنا هذا البر والتقویٰ ومن العمل ما تحب وترضی اللهم هون علینا سفرنا واطوعنا بعده اللهم أنت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاهل والمال، اللهم انا نعوذبك من وعثاء السفر وکابة المنقلب وسوء المنظر فی الاهل والمال والولد

یااللہ میں تجھ سے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کی درخواست کرتا ہوں اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جسے تو پسند کرے اور تو اس سے راضی ہو، یا اللہ سفر کو ہلکا کردے اور اس کی دوری کو ہمارے لیے لپیٹ دے، یااللہ تو ہی سفر میں میرا رکھوالا ہے اور میرے اہل ومال میں تو ہی نگہبان ہے، یا اللہ! میں سفر کی مشقت سے تیری پناہ چاہتا ہوں، واپسی کی مشقت اور تکلیف اور اہل خانہ، مال اور اولاد میں کسی طرح کی بھی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ یہ دعا حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہے۔

۱۸: رات کا سفر اور سواری پر نرمی کرنا...... رات کو کثرت سے سفر کرنا مستحب ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

ہے۔ کہ ''تمہیں رات کو سفر کرنا چاہیے چونکہ رات کو زمین لپیٹ دی جاتی ہے'' ❶ پھر صبح شام اتر کر سوار کو راحت و آرام پہنچائے، سواری کی پشت پر بیٹھ کر سونے سے اجتناب کرے۔

چنانچہ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ چوپایوں کی پشتوں کو منبر بنانے سے منع کیا گیا ہے، البتہ حاجت کے وقت جائز ہے جیسے صحیحین کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ سواری پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا حرام ہے، سواری کو بھوکا نہ رکھے، اگر سواری طاقت رکھتی ہو تو اپنے پیچھے سوار کرسکتا ہے۔

۱۹: زہد وقناعت...... سفر حج کے دوران پیٹ بھر کر کھانے سے اجتناب کرے، زیب زینت، آسودگی اور ترفہ، طرح طرح کے کھانے اور لذات سے گریز کرے، چونکہ حاجی پراگندہ حال ہوتا ہے، چنانچہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: حاجی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: غبار آلود اور پراگندہ حال۔

رفقائے سفر اور دیگر لوگوں کے ساتھ نرمی اور حسن خلق سے پیش آئے، رش اور بھیڑ کے مواقع پر لوگوں کی دھکم پیل، مزاحمت، لڑائی جھگڑا اور بحث مباحث سے اجتناب کرے۔

زبان کی حفاظت کرے، گالی گلوچ نہ کرے، چوپایوں پر لعن طعن نہ کرے، برے الفاظ زبان سے نہ نکالے چنانچہ حدیث سابق ہے۔ کہ ''جو شخص حج کرے اور وہ فحش کلامی، فسق سے دور رہا تو گناہوں سے ایسا پاک ہوگا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

۲۰: گھنٹی اور کتے کو ساتھ نہ رکھنا...... کتے یا گھنٹی کو ساتھ رکھنا مکروہ ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جس قافلہ کے ہمراہ کتا ہو یا گھنٹی ہو اس کے ساتھ فرشتے نہیں رہتے۔'' ❷ ایک اور حدیث ہے کہ ''فرشتے اس قافلہ کے ساتھ نہیں رہتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو ❸ ایک حدیث میں ہے ''گھنٹی شیطان کا باجا ہے۔ ❹

۲۱: تکبیر وتسبیح...... جب راستے میں بلندی پر چڑھے تو تکبیر کہے جب نیچے اترے تو تسبیح کہے، آواز بلند نہ کرے۔

۲۲: کسی شہر کو دیکھ کر دعا کرنا...... جب بھی کسی شہر یا بستی کو دیکھے تو یہ دعا پڑھے:

اللهم انى اسئالك خيرها وخير اهلها وخير مافيها واعوذبك من شرها وشر اهلها وشر مافيها

یا اللہ میں اس بستی کی بھلائی، اس کے باسیوں کی بھلائی اور اس میں جو کچھ رہنے والا ہے اس کی بھلائی کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اس کے ہر طرح کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

۲۳: کسی بھی منزل میں اتر کر دعا کرنا...... جب بھی کسی جگہ اترے اور پڑاؤ کرے تو یہ دعا پڑھے:

اعوذبكلمات الله التامات من شر ماخلق

چنانچہ مسلم نے حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص کسی جگہ پڑاؤ کرے پھر یہ کلمات کہے:

اعوذ بكلمات الله التامات من شرما خلق

تو اسے کوئی چیز ہرگز نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ اس جگہ سے رخصت ہو جائے۔

جب کجاوہ اتارے تو تسبیح کرے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''جب ہم کسی جگہ اترتے تو تسبیح کرتے یہاں تک کہ ہم کجاوے اتار لیتے۔'' راستے کے بیچوں بیچ پڑاؤ ڈالنا مکروہ ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ ''راستے میں رات کو پڑاؤ

---

❶ رواه ابوداؤد والحاكم والبيهقي عن انس وهو صحيح۔ ❷ رواه ابوداؤد باسناد وحسن عن ام حبيبة ام المؤمنين رضي الله تعالى عنها۔ ❸ رواه مسلم عن ابي هريرة۔ ❹ رواه ابوداؤد۔

نہ ڈالو چونکہ رات کو حشرات الارض راستے پہ نکل آتے ہیں۔“ ❶

۲۴: رات داخل ہوتے وقت دعا...... جب رات چھا جائے تو دعا کرنا مسنون ہے، ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور رات آجاتی تو کہتے:

یاارض، ربی وربك الله اعوذ بالله من شرك وشر مافيك وشر ماخلق فيك وشر مايدب عليك اعوذ بالله من اسد واسود والحية والعقرب وعن ساكن البلد من والد وما ولد ❷

اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے، میں تیرے شر سے، اور جو کچھ تجھ میں آباد ہے اس کے شر سے اور تجھ میں آباد مخلوق کے شر سے اور تجھ پر رینگنے والے جانوروں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، میں شیر، سانپ، بچھو اور اس علاقہ کے آباد کاروں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۲۵: خوف کے وقت دعا...... جب کسی قوم یا کسی انسان کا خوف ہو اس وقت دعا کرنا مستحب ہے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قوم کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے:

اللهم انا نجعلك فی نحورهم ونعوذبك من شرورهم ❸

ہر جگہ کثرت سے دعائے کرب کا ورد کرنا مستحب ہے اور وہ یہ ہے:

لااله الاالله العظيم الحليم لااله الاالله رب العرش العظيم لااله الاالله رب السموات ورب الارض ورب العرش الكريم ❹

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل پیش آتی یہ دعا پڑھتے تھے:

ياحی يا قيوم برحمتك استغيث ❺

۲۶: اذکار مسافر...... اگر سواری شرارت کرنے لگے اور سوار ہونا دشوار ہو تو سواری کی دم پر یہ دعا پڑھ کر دم کرے:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ آل عمران ۳/۸۳

کیا اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی متلاشی ہیں، حالانکہ جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا زبردستی اللہ کے آگے سرنگوں ہیں، اس کی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔

اور جب سواری بدکنے لگے تو دو یا تین مرتبہ یوں آواز لگائے۔ ”اے اللہ کے بندو اسے پکڑو۔“

اور جب کشتی میں سوار ہو تو یہ دعا کرے:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ ہود ۱۱/۴۱

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ ...... الانعام ۶/۹۱

۲۷: سفر میں دعا کرنا...... سفر حج میں کثرت سے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، حاجی کو چاہیے کہ اپنے لئے، اپنے والدین، احباب واقارب، مسلمان حکمرانوں اور سبھی مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ دعائیں کرے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”تین دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں:

۱...... مظلوم کی دعا ۲...... مسافر کی دعا ۳...... والد کی بیٹے کے لئے دعا (یا بددعا) ❻

❶...... رواه ابن ماجه عن جابر. ❷ علاقہ کے آباد کار سے مراد عام ہے یعنی علاقہ کے رہنے والے خواہ جن ہو یا انسان ہوں۔ ❸ رواه ابو داؤد والنسائی وغيرهما. ❹ رواه البخاری ومسلم عن ابن عباس. ❺ رواه ابو داؤد والترمذی عن ابی هريرة. ❻ رواه ابو داؤد والترمذی عن ابی هريرة.

۲۸: **طہارت اور نماز کا التزام**...... حاجی کو چاہئے کہ دوران سفر طہارت پر رہے، ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کرے، باوضو ہو کر سوئے، وقت پر نمازیں پڑھے، شافعیہ کے نزدیک مسافر قصر کرے اور نمازوں کو جمع کر کے پڑھے، جمع اور قصر کو ترک بھی کر سکتا ہے، اسے یہ بھی اختیار ہے کہ ان میں سے ایک کرے دوسرے کو چھوڑ دے، البتہ شافعیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ قصر کرے اور جمع نہ کرے (۱) تا کہ اختلاف سے نکل جائے۔ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسافر کے لئے قصر کو واجب قرار دیتے ہیں اور جمع کو ممنوع سمجھتے ہیں البتہ عرفات اور مزدلفہ میں جمع ہوگی۔ جب نمازوں کو جمع کرے تو پہلی نماز کے وقت میں اذان دے اور پھر ہر نماز کے لئے اقامت کہے جیسے ''صلوٰۃ مسافر'' میں گزر چکا ہے۔

سفر میں باجماعت نماز پڑھنا مستحب ہے، البتہ حضر کی طرح سفر میں جماعت مؤکد نہیں، سفر میں سنن راتبہ (سنن مؤکدہ) پڑھنا مسنون ہے جیسے حضر میں میں مسنون ہیں۔

دوسری بحث...... حاجی کے واپس لوٹنے کے آداب

حاجی بلکہ ہر مسافر جب وطن واپس لوٹے تو اس کے کچھ آداب ہیں اہم اہم درج ذیل ہیں۔ (۲)

۱...... مسافر جب واپس لوٹے تو یہ دعا پڑھنا مسنون ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد، حج یا عمرہ سے واپس لوٹتے تو ہر بلندی پر چڑھتے وقت تین بار تکبیر کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے:

لاالٰہ الااللّٰہ وحدہ لاشریك لہٗ لہ الملك ولہ الحمد وھو علٰی کل شیءٍ قدیر آیبون تائبون، عابدون ساجدون، لربنا حامدون، صدق اللّٰہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ (۳)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہت ہے وہی قابل ستائش ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم سفر سے لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں رب تعالیٰ کی بندگی کرنے والے ہیں اور سجدہ کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے اس نے لشکروں کو شکست دی۔

۲...... جب وطن کے قریب پہنچے تو اپنے آگے کسی کو بھیجے جو اس کے اہل خانہ کو اطلاع کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک آن وارد ہو۔

۳...... جب اپنے شہر یا بستی کو دیکھے تو یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسألك خیرھا وخیر اھلھا وخیر ما فیھا واعوذبك من شرھا وشر مافیھا

بعض علماء نے یہ دعا پڑھنا بھی مستحب سمجھی ہے۔

اللھم اجعل لنابھا قراراً ورزقاً حسنا اللھم ارزقنا جناھا واعذنا من وباھا وحببنا الٰی اھلھا وحبب صالحی اھلھا الینا

''یا اللہ میں تجھ سے اس شہر (بستی) کی خیریت کا طلب گار ہوں اس کے لئے رہنے والوں اور اس شہر میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اس شہر کے شر اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' یا اللہ اس شہر میں ہمیں سکون وقرار عطا فرما، عمدہ رزق عطا فرما، یا اللہ اس بستی کے پھلوں سے ہمیں نواز، اس کی وبا سے ہمیں پناہ دے میں اس شہر کے باسیوں کے لئے محبوب بنا دے اور اس شہر کے صالحین کو ہمارا محبوب بنا دے۔ رواہ ابن السنی فی الاذکار

---

(۱)...... حنفیہ کے نزدیک مسافر نمازیں جمع نہیں کر سکتا جبکہ قصر کرنا ضروری ہے، البتہ جمع کی یہ صورت ہے کہ آخری وقت میں ظہر کی نماز پڑھے اور اول وقت میں عصر کی نماز پڑھ لے۔ (۲) الایضاح ص ۱۰۰، المغنی ۳/۴۴۹۔ (۳) رواہ البخاری ومسلم عن ابن عمر۔

۴..... ”شہر میں پہنچے تو راتوں رات گھر والوں کے پاس نہ آن دھمکے بلکہ صبح صبح آئے یا دن کے پچھلے پہر آئے، چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر والوں کے پاس نہیں وارد ہوتے تھے بلکہ صبح صبح تشریف لائے یا دن کے پچھلے پہر تشریف لاتے۔“

۵..... جب اپنے شہر میں پہنچ جائے تو مسنون یہ ہے کہ محلّہ یا بستی کی مسجد سے ابتدا کرے یعنی پہلے مسجد میں جائے دو رکعت نماز پڑھے پھر جب گھر میں داخل ہو گھر میں بھی دو رکعت نماز پڑھے، دعا کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

۶..... جو شخص حاجی سے ملنے آئے اسے سلام کرنے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

قبل الله حجك وغفر ذنبك واخلف نفقتك

اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے، تمہارے گناہ بخشے اور جو خرچ کیا اس کا اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

”یا اللہ! حاجی کی مغفرت فرما اور جو شخص حاجی کے لئے استغفار کرے اس کی بھی مغفرت فرما۔“ ❶

حاجی کے قدموں میں بکری وغیرہ ذبح کرنا فعل حرام ہے اور اس ذبیحہ کا گوشت بھی حرام ہے اگرچہ اس پر تکبیر کہی گئی ہو، چونکہ یہ ذبیحہ غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ہے جو صریح حرام ہے۔

استقبال کے دیگر مظاہرے بھی ناجائز ہیں چونکہ ان مظاہر میں نمود و نمائش اور ریا کاری ہے جو عبادت کا اخلاص اور روح کے سراسر منافی ہے۔

۷..... جب گھر میں داخل ہو تو یہ کلمات کہنا مستحب ہے جو کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس لوٹتے اور گھر والوں کے پاس داخل ہوتے تو کہتے ”توبا توبا لربنا اوبا لا یغادر حوبا“، ہم اپنے رب کے حضور توبہ کرتے ہوئے واپس لوٹتے ہیں ایسی توبہ جو گناہوں کو مٹا ڈالے۔

۸..... حاجی کو چاہئے کہ واپس لوٹ کر خیر و بھلائی کے نمایاں اثرات دکھائی دیں، حج سے پہلے اور بعد کے زمانہ میں فرق ہو، حج کے بعد خیر و بھلائی میں اضافہ ہونا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے آج رجب المرجب ۱۴۳۰ھ بروز چہارشنبہ ۲۴ جون ۲۰۰۹ء الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۳ کا ترجمہ مکمل ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اس ناکارہ مترجم کے لئے دنیا تا آخرت سامان نجات بنائے۔

آمین ثم آمین۔

بندہ عاجز

ابوعبداللہ محمد یوسف تنولی

جلد ۳ کا ترجمہ مکمل ہوا اس کے بعد جلد ۴ ایمان، نذور، کفارات وغیرہ کا ترجمہ ہوگا۔

---

❶..... رواه الحاكم عن ابن عمرو ابي هريرة وقال الحاكم وهو صحيح على شرط مسلم والدعاء المذكور رواه ابن السني مرفوعاً.

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامی وَأدِلَّتُہٗ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلّہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائے کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مُشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مُطابق مُرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

حصہ چہارم

بابُ الأیمان والنذور والکفّارات

مؤلف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجم

مفتی ابرار حسین صاحب

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

دار الاشاعت اردو بازار، کراچی

اصطلاحات

چھٹا باب

یمین.....قسم اٹھانا۔ حلف کا معنی بھی قسم ہے۔

حالف.....حلف اٹھانے والا۔

محلوف علیہ.....وہ کام جس پر قسم اٹھائی جائے۔

محلوف بہ.....وہ چیز جس کی قسم اٹھائی جائے۔

ساتواں باب

نذر.....منت ماننا۔

منذور.....جس چیز کی منت مانی جائے۔

وشم.....تل بنانا۔

نمص.....چہرے کے بال اکھاڑنا یا بھنویں تراشنا۔

تفلیج.....دانتوں میں درج بنانا۔

آٹھواں باب

اضحیہ.....قربانی۔

مضحی بہ.....وہ جانور جس کی قربانی کی جائے۔

مضحی.....قربانی کرنے والا۔

نواں باب

ذابح.....جانور ذبح کرنے والا۔

مذبوح.....وہ جانور جسے ذبح کیا جاتا ہے۔

ذکاۃ.....شرعی طریقہ کے مطابق جانور کو ذبح کرنا۔

جنین.....ذبح کئے ہوئے جانور کے پیٹ میں پڑا بچہ۔

صید.....شکار۔

اصطیاد.....شکار کرنے کا فعل۔

صیاد.....شکاری۔

مصید.....شکار کیا گیا جانور۔

کلب معلم.....سدھایا ہوا کتا۔

نظریہ.....ایسی سوچ جو کسی فکر کے تحت ہو۔

عقد.....کسی تصرف کے سلسلہ میں ایجاب وقبول کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا۔

حق.....صاحب حق کو شریعت کی طرف سے دوسرے پر جو اختیار حاصل ہوتا ہے اسی اختصاصی کیفیت کو حق کہا جاتا ہے۔

مال مثلی.....ایسا مال جس کی مثل مارکیٹ میں دستیاب ہو جیسے گندم۔

مال قیمتی.....ایسا مال جس کی مثل بازار میں دستیاب نہ ہو جیسے جانور اور اس کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہو۔

ملکیت.....کسی چیز کا اس طرح مالک ہونا کہ اس میں تصرف کا اختیار حاصل ہو۔

ایجاب.....کسی عقد کی پیشکش

قبول.....عقد کی پیشکش کو قبول کرنا۔

مجلس عقد.....دو اشخاص جس کیفیت، حالت اور جگہ عقد طے کر رہے ہوں وہ ان کی مجلسِ عقد ہے۔

ولی.....سرپرست۔

خیار.....معاملہ کے دو فریق سے ایک یا دونوں کے لئے معاملہ کو باقی رکھنے یا ختم کر دینے کی گنجائش کا حامل ہونا۔ دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا، آپشن۔

فسخ.....معاملہ کو ختم کرنا۔

چھٹا باب..... قسموں، نذروں اور کفاروں کے بیان میں

ایمان اور نذور کا لفظ لغت اور فقہ کا اعتبار سے ''عقد'' اور پختہ عزم کرنے کے معنی میں آتا ہے کیونکہ قسمیں ہی ہیں جن کو قسم اٹھانے والا اپنے ذاتی ارادے سے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کے پختہ ارادے سے منعقد کرتا ہے۔ اور ''نذور'' وہ ہیں جن سے نذر ماننے والا شخص متعین ہدف تک پہنچنے کو لازم کرتا ہے اور ''کفارہ'' لازم کیے ہوئے معاملہ کے پورا نہ کرنے کی جزا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ قسم، نذر اور کفارہ میں بندگی، عظمت اور فرمانبرداری کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد پایا جاتا ہے۔

میں قسموں کی بحث سے شروع کروں گا ان کی اہمیت، عظمت اور لوگوں کے درمیان کثرت سے پائے جانے کی وجہ سے اور نذر اور کفارہ کی نسبت سے اصل ہونے کے اعتبار سے، قسموں کا بیان تین فصلوں میں ہوگا۔

پہلی فصل..... الأیمان

ایمان سے متعلق گفتگو آنے والی چار بحثوں پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث..... قسم کی تعریف، اس کی مشروعیت، قسمیں اور ہر قسم کا حکم۔

دوسری بحث..... قسم کے صیغہ کی۔

تیسری بحث..... قسم کی شرائط کی۔

چوتھی بحث..... ان افعال کی جن پر قسم اٹھائی جاتی ہے اور اس میں گیارہ مطلب (مقصد، مسئلے) ہیں۔

پہلا مسئلہ..... داخل ہونے پر قسم اٹھانا۔

دوسرا مسئلہ..... نکلنے پر قسم اٹھانا۔

تیسرا مسئلہ..... گفتگو پر قسم اٹھانا۔

چوتھا مسئلہ..... کھانے پینے پر قسم اٹھانا۔

پانچواں مسئلہ..... پہننے اور پہنانے پر قسم اٹھانا۔

چھٹا مسئلہ..... سوار ہونے پر قسم اٹھانا۔

ساتواں مسئلہ..... بیٹھنے پر قسم اٹھانا۔

آٹھواں مسئلہ..... رہائش پر قسم اٹھانا۔

نواں مسئلہ..... مارنے اور قتل کرنے پر قسم اٹھانا۔

دسواں مسئلہ.....قسم اٹھانے والے کے غیر کی طرف منسوب چیز پر قسم اٹھانا۔

گیارہواں مسئلہ.....شرعی امور پر قسم اٹھانا۔

پہلی بحث.....قسم کی تعریف، اس کی مشروعیت، قسمیں اور ہر قسم کا حکم۔

قسم کی تعریف.....یمین کے لغت میں تین معانی ہیں: پہلا: ''قوۃ'' اسی سے ارشاد باری ہے:

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾

''ہم اس کو قوت سے پکڑ لیتے۔'' سورۃ الحاقۃ ۶۹/۴۵

دوسرا معنی: ''دایاں ہاتھ''.....دائیں ہاتھ کو یمین اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی قوت زیادہ ہے۔ تیسرا معنی ''قسم'' ہے لفظ ''یمین'' قسم کے لئے اس وجہ سے بولا جاتا ہے کہ لوگ جب باہم قسمیں اٹھاتے تو ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتا تھا۔ فقہاء کرام کی اصطلاح میں ''یمین'' جس طرح کہ احناف فرماتے ہیں:

''کلام کی ایسی پختگی جس کے ذریعے قسم اٹھانے والا کام کرنے یا نہ کرنے کا پکا ارادہ کرتا ہے۔'' اس پختہ کلام کو یمین کہتے ہیں، کیونکہ اس سے عزم میں قوت آجاتی ہے۔

قسم کی مشروعیت.....قسم مشروع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا: قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔ الیل ۹۲/۱)

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ﴿۱﴾

قسم ہے سورج اور اس کی دھوپ چڑھنے کی روشنی کی۔ الشمس: ۹۱/۱

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾

قسم ہے ستارے کی جب وہ گر جائے۔ النجم ۵۳/۱

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾

قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ التین ۹۵/۱

یعنی ان چیزوں کے رب کی قسم ہے یہاں پر جس ذات کی قسم اٹھائی جارہی ہے وہ محذوف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین جگہوں پر قسم کا حکم دیا گیا: اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے فرمادیجئے البتہ میرے رب کی قسم یہ سچ ہے اور تم تھکا نہ سکو گے۔ یونس ۱۰/۵۳

اور فرمایا: فرمادیجئے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم قیامت تم پر ضرور آئے گی۔ سبا ۳۴/۳

اور اللہ غالب و برتر نے فرمایا: فرمادیجئے: کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ (التغابن ۶۴/۷)

حدیث پاک میں قسم کا مشروع ہونا ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میں اللہ کی قسم اگر اللہ نے چاہا تو کسی چیز پر اگر قسم اٹھالوں اور پھر بہتری اس کے علاوہ میں دیکھوں اور بہتر کام انجام دوں گا اور قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔

لیکن قسم اٹھانے والا قسم، منت اور طلاق سے رجوع نہیں کرسکتا یہ چیزیں صرف لفظ بولنے سے لازم ہوجائیں گی۔

قسم اگرچہ فقہاء کرام کے نزدیک اصل میں مباح ہے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم اٹھانے کی کثرت ناپسند ہے، کیونکہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا: (آپ ہر زیادہ قسم اٹھانے والے ذلیل کی بات نہ مانیے)۔(القلم ۶۸/ ۱۰) اس کی مذمت اس کے فعل کی ناپسندیدگی کا تقاضا کرتی ہے۔اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''میں نے اللہ کی قسم نہیں اٹھائی نہ سچی نہ جھوٹی'' اور یہ بات ثابت ہے کہ قسم ناپسندیدہ ہے کیونکہ اس کو منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے:

تم اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ۔البقرہ ۲/ ۲۲۴

یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی کثرت سے قسم نہ اٹھاؤ، کیونکہ بسا اوقات قسم اٹھانے والا قسم کو پورا کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے، ہاں اگر قسم بندگی، عبادت میں ہو مثلاً کسی واجب یا مستحب کا کرنا یا حرام و مکروہ کا چھوڑنا تو اس صورت میں قسم اٹھانا بھی فرمانبرداری ہوگی۔

اس اعتبار سے یہ بات خلاف ادب ہے کہ دوسروں کو متاثر کرنے، سامان تجارت بیچنے اور معاملات میں ترغیب دینے کے لئے قسم استعمال کی جائے، بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: قسم اٹھانا سامان تجارت اور برکت کو ختم کرتا ہے۔

حضرات مالکیہ نے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ قسم مکروہ ہے اور ایک قول یہ کہ حرام ہے۔

اور لات وعزیٰ وغیرہ کی قسم اگر ان کی تعظیم کے عقیدہ کے ساتھ ہو تو کفر ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو صرف مکروہ ہے اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ قسموں کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱: پہلی قسم......واجب ہے.....جس کے ذریعے کسی معصوم انسان کو ہلاکت سے بچائے۔

۲: دوسری قسم......مستحب ہے......جس کے ساتھ دو مخالفوں کی اصلاح وغیرہ کی مصلحت متعلق ہو یا قسم اٹھانے والے کے متعلق کسی مسلم کے دل سے حسد کو زائل کیا جائے یا اس کے ذریعے شر سے بچا جائے۔

۳: تیسری قسم......مباح ہے.....مثلاً کسی مباح کام کے کرنے پر یا چھوڑنے پر قسم اٹھانا یا کسی چیز کی خبر دینے پر قسم اٹھانا جس میں وہ شخص سچا ہو یا اس کا گمان ہو کہ وہ سچا ہے۔

۴: چوتھی قسم......مکروہ ہے.....کسی مکروہ کام کے کرنے یا مستحب کے چھوڑنے پر قسم اٹھانا۔

۵: پانچویں قسم......حرام ہے.....وہ جھوٹی قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے اپنے اس فرمان سے: (وہ جھوٹ پر قسم اٹھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں)۔(المجادلۃ ۵۸/ ۱۴) اور اس لئے بھی کہ جھوٹ حرام ہے۔

قسم کی اقسام......اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم کی تین قسمیں ہیں:

یمین منعقدہ، یمین الغموس، یمین اللغو، امام محمد رحمہ اللہ علیہ نے کتاب (الاصل) میں فرمایا: ''قسمیں تین ہیں:

(۱)......وہ قسم جس کا کفارہ دیا جائے گا۔

(۲)......وہ قسم جس کا کفارہ نہیں دیا جاتا اور وہ قسم جس میں ہمیں امید ہے کہ اس کے اٹھانے والے سے اللہ تعالیٰ پکڑ و مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔اور تیسری قسم کی تفسیر ''لغو'' سے کی ہے۔ [1]

یمین غموس......حنفیہ اور مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ماضی یا حال میں کسی کام پر جھوٹی قسم جان بوجھ کر اٹھانا، وہ قسم جو گذشتہ یا موجودہ معاملہ پر کھائی جائے جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے کسی چیز کی نفی یا اثبات میں۔مثلاً قسم اٹھانے والا کہے: ''اللہ کی قسم میں اس

---

[1]......البدائع: ۳/ ۲

گھر میں داخل ہوا'' حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس میں داخل نہیں ہوا۔ یا وہ کسی سے کہے: ''اللہ کی قسم وہ خالد ہے'' حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ عامر ہے۔ اسی طرح اور مثالیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک جن میں حنفی مالکی اور راجح قول حنابلہ کا بھی یہی ہے ❶ کہ قسم اٹھانے والا گنہگار ہوگا اس پر توبہ اور استغفار لازم ہے اور اس پر مالی کفارہ نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے استدلال کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے: جس نے قسم اٹھائی اور وہ اس میں جھوٹا ہے، تاکہ اس قسم کے ذریعے کسی مسلمان آدمی کا مال کھائے ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی اور اسے جہنم میں داخل کر دیا ❷ اور صحیحین میں ہے'' کہ وہ شخص اللہ سے ملے گا اس حال میں کہ اس پر غصہ ہوں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' ہم وہ قسم جس میں کفارہ نہیں اس میں یمین غموس کو شمار کرتے تھے، سعید بن المسیب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: یمین غموس کبیرہ گناہوں میں ہے اور وہ اس بات سے بالاتر ہے کہ اس کا کفارہ دیا جا سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے: آپ نے فرمایا: کبائر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی، ناحق قتل اور یمین غموس ہے۔ ❸ عقلی دلیل سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے کہ جس بات کا ارتکاب قسم اٹھانے والے نے کیا ہے وہ اس سے بڑی ہے کہ اس کا کفارہ ہو لہٰذا کفارہ اس کا گناہ نہیں اٹھا سکتا اور کفارہ اس میں مشروع نہیں۔ اس کا نام غموس اس لئے رکھا گیا، کہ اس قسم والا گناہ یا آگ میں ڈوب جاتا ہے۔

شافعی حضرات اور ایک جماعت فرماتی ہے کہ یمین غموس میں کفارہ ہے یعنی کفارہ گناہ کو ختم کردے گا جس طرح غموس کے علاوہ میں ہوتا ہے کیونکہ قسم اٹھانے والے سے قسم اور اس کی مخالفت پائی گئی ہے ارادہ کے ساتھ۔ لہٰذا کفارہ لازم ہوگا جس طرح یمین منعقدہ میں آئندہ کے معاملہ پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو کا مؤاخذہ تم سے نہیں فرمائیں گے لیکن ان قسموں کا مواخذہ فرمائیں گے جو قسمیں تم نے مضبوط باندھیں۔ المائدہ ۵/ ۸۹

یہ نص عام ہے ماضی اور مستقبل میں ہر قسم کو شامل ہے پس یہ آیت یمین غموس میں کفارہ واجب کرنے والی ہے کیونکہ یہ بھی'' ایمان منعقدہ'' میں سے ہے اور اس قسم میں گناہ کا ہونا کفارہ سے مانع نہیں ہے۔ جس طرح ظہار ناپسندیدہ اور جھوٹی بات ہے لیکن اس کے ساتھ کفارہ متعلق ہے۔

الیمین اللغو......اس کی مراد متعین کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور نے فرمایا: کہ یمین لغو وہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی خبر اس گمان کے ساتھ دے کہ جس کی خبر دی گئی ہے وہ ایسا ہی ہے لیکن وہ اس کے برخلاف ہو نفی یا اثبات میں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ کسی چیز پر قسم اٹھائے سچ سمجھ کر لیکن وہ معاملہ ایسا نہ ہو۔ مثلاً قسم اٹھانے والا یوں کہے اللہ کی قسم میں نے زید سے بات نہیں کی اور اس کا خیال یہی ہے کہ اس نے بات زید سے نہیں کی یا وہ کہے کہ اللہ کی قسم میں نے زید سے بات کی ہے اور اس کا خیال ہے کہ زید سے بات کی ہے جبکہ معاملہ اس کا برعکس ہو۔ یا وہ کہے اللہ کی قسم یہ پرندہ کوا ہے اور اس کا خیال بھی یہی ہے لیکن پھر پتہ چلا کہ وہ پرندہ کبوتر وغیرہ تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ یمین لغو وہ ہے جس میں نیت نہ ہو۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یمین لغو وہ ہے جس میں کوئی لفظ سبقت لسانی سے ادا ہو جائے اور اس میں معنی کا ارادہ نہ ہو یا وہ کسی چیز پر قسم اٹھانا چاہتا تھا لیکن زبان سے دوسرے الفاظ ادا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے: (اللہ تعالیٰ تم کو نہیں پکڑتے تمہاری بیہودہ قسموں میں لیکن تمہارا مواخذہ فرماتے ہیں جن قسموں کو تم نے مضبوط باندھا)۔ المائدہ ۵/ ۸۹

---

❶......مغنی المحتاج: ۴ ص ۳۲۵، المهذب للشیرازی: ۲ ص ۱۲۸۔ ❷......المراجع السابقة: البدائع: ص ۳ ص ۱۷ الفتاویٰ الهندية ص ۴۹ بداية المجتهد ص ۳۹۵، المغنی: ص ۶۸۸، القوانين الفقهية: ص ۱۵۹۔ ❸......مغنی المحتاج، المراجع السابق: ص ۳۲۴، المهذب، المراجع السابق۔

ابن عمر، ابن عباس و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے انہوں نے یمین لغو کے بارے میں فرمایا کہ انسان کا قول: (نہیں، اللہ کی قسم) (کیونکہ نہیں، اللہ کی قسم) ❶ اور جس کی طرف سبقت لسانی ہو جائے اس پر مواخذہ نہیں کیا جاتا جس طرح انسان کی زبان کفر کے کلمہ کی طرف سبقت کر جائے۔ فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ یمین لغو میں کفارہ نہیں، فرمان الٰہی کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں میں تمہارا مواخذہ نہیں فرمائیں گے)۔ المائدہ ۸۹/۵

اور اس لئے کہ یہ قسم غیر منعقدہ ہے لہٰذا اس میں کفارہ واجب نہیں اور اس لئے بھی کہ اس میں مخالفت کا ارادہ نہیں کیا جاتا پس یہ اس کے مشابہہ ہو گیا کہ انسان بھول کر قسم توڑ دے۔ ❷ شافعی حضرات کا خیال ہے کہ یمین لغو ماضی، حال اور مستقبل تینوں زبانوں میں ہو سکتی ہے کیونکہ وہ دلیلیں جو انہوں نے ذکر کی ہیں ان میں زمانوں کا کوئی فرق نہیں لہٰذا جو قسم ہو وہ ''منعقدہ'' ہوگی۔ اور اس میں کفارہ واجب ہے جب قسم اٹھانے والا توڑ دے۔ چاہے اس نے قسم کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یمین لغو صرف ماضی اور حال میں ہوگی۔ ❸ فرمان الٰہی کی وجہ سے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ (المائدہ ۸۹/۵) لغو لغت میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی حقیقت نہ ہو بلکہ صرف قسم اٹھانے والے کا یہ گمان ہے کہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے قسم اٹھائی اور حقیقت اس کے خلاف ہو اسی طرح قسم ماضی یا حال پر اٹھانا تو اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس میں قسم کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ کسی چیز سے منع کرنا یا اس پر ابھارنا مقصود ہوتا ہے لہٰذا لغو ہوگی۔ رہی قسم آئندہ پر تو وہ منعقدہ ہے جیسا کہ یمین معقودہ کے بیان میں یہ بات عنقریب آئے گی۔

یمین منعقدہ...... اسے منعقدہ اور موکدہ بھی کہا جاتا ہے۔ انسان مستقبل کے کسی معاملہ پر قسم اٹھائے کہ یہ کام کرے گا یا نہیں کرے گا اس قسم کا حکم یہ ہے کہ توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہے ❹ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ المائدہ ۸۹/۵

اس سے یمین آئندہ زمانے کے معاملہ پر مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی دلیل کی وجہ سے: اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

توڑنے سے حفاظت صرف آئندہ زمانے میں ہی متصور ہو سکتی ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔ النحل ۹۱/۱۶

توڑنا صرف مستقبل میں ہی ہو سکتا ہے۔ ❺

اس قسم میں کفارہ کا واجب ہونا قسم توڑنے کے بعد اتفاقی مسئلہ ہے۔ چاہے قسم کسی واجب کام کے کرنے پر ہو واجب چھوڑنے پر یا گناہ کرنے پر یا مستحب چھوڑنے یا مباح چھوڑنے یا کرنے پر ہو۔ اگر قسم کسی واجب کے کرنے پر ہو مثلاً وہ کہے: ''اللہ کی قسم میں آج ظہر کی نماز ضرور پڑھوں گا یا میں رمضان کے روزے رکھوں گا'' تو اس پر اس قسم کا پورا کرنا لازم ہے اس کے لئے اس سے رکنا درست نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے چاہئے کہ وہ اطاعت کرے۔ ❻ اگر وہ قسم پوری نہ کرے تو گنہگار ہوگا اور قسم

---

❶...... روی خبر عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها البخاری رحمه الله والشافعی رحمه الله ومالک رحمه الله موقوفاً وصحح ابن حبان ورفعه ورواه ابوداؤد مرفوعاً وأخرجه البيهقی ايضاً ونقله ابن المنذر رحمه الله عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وغيرهما من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم وجماعة من التابعين رحمهم الله (راجع جامع الاصول: ۱۲ ص ۳۰۷ نيل الاوطار: ۸ ص ۲۳۵ وما بعدهما، سبل السلام: ۴ ص ۱۰۷) ❷ المغنی: ۸ ص ۶۸۷ وما بعدها، البدائع: ۳ ص ۱۷، القوانين الفقهية: ص ۱۵۹۔ ❸ البدائع: ۳ ص ۳۔۴۔ ❹ الحنث: کے معنی گناہ کے ہیں باب سمع یسمع سے ہے۔ ❺ المبسوط: ۸ ص ۱۲۷، فتح القدير، ۴ ص ۵، تبيين الحقائق: ۳ ص ۱۰۹، البدائع ۳ ص ۱۷، المغنی: ۶۸۳/۸، ۶۸۹۔ ❻ رواه البخاری واحمد واصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها۔ اور حدیث کا تتمہ یہ ہے: ''جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی تو وہ معصیت نہ کرے'' (راجع نصب الرايه: ۳ ص ۳۰۰ نيل الاوطار: ۸ ص ۲۴۰)

ٹوٹ جائے گی۔ (1) اور اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ (2) اگر قسم واجب کے چھوڑنے یا گناہ کے کرنے پر تھی جیسا کہ وہ کہے: ''اللہ کی قسم میں فرض نماز نہیں پڑھوں گا یا میں رمضان کے روزے نہیں رکھوں گا''۔ ''یا کہا کہ میں ضرور شراب پیوں گا'' یا میں فلاں کو قتل کروں گا یا اپنے والد سے بات نہیں کروں گا اسی طرح اور کوئی لفظ کہے تو اس پر اسی وقت توبہ واستغفار لازم ہے پھر اس پر کفارہ مالی اور قسم کا توڑنا بھی لازم ہے اس لئے کہ اس قسم کا منعقد کرنا گناہ ہے۔ (3) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے قسم کسی چیز پر اٹھائی اور پھر اس کے علاوہ میں بہتری دیکھی تو بہتر کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے (4) اگر قسم مستحب کے چھوڑنے پر ہے مثلاً اللہ کی قسم میں نفل نہیں پڑھوں گا، میں نفل روزے نہیں رکھوں گا، میں بیمار کی عیادت نہیں کروں گا، میں کسی جنازے کے ساتھ نہیں جاؤں گا، تو اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ ناپسندیدہ کام نہ کرے بلکہ مستحب کام انجام دے یعنی قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے پچھلی حدیث کی وجہ سے **من حلف علی یمین**...... اور فرمان الٰہی کی وجہ سے:

(وسعت اور فضل والے قسم نہ اٹھائیں (5)۔ النور ۲۴/۲۲

یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے قسم اٹھائی تھی کہ مسطح کی کفالت نہیں کریں گے کیونکہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان تراشی والے واقعہ میں شریک تھا۔ (6)

اگر قسم کسی مباح کے چھوڑنے یا کرنے پر ہو جیسے گھر میں داخل ہونا، کھانا کھانا، کپڑے پہننے وغیرہ تو افضل یہ ہے کہ قسم پوری کرے اور نہ توڑے کیونکہ قسم پوری کرنے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم اپنی قسموں کو پختہ ہونے کے بعد نہ توڑو (النحل ۱۶/۹۱) اور اس کے لئے قسم کا توڑنا اور اس کا کفارہ دینا بھی جائز ہے۔ (7)

بھولنے اور زبردستی قسم تڑوانے کی صورت میں حکم: حنفی اور مالکی حضرات کے نزدیک یمین منعقدہ میں کفارہ لازم ہے قسم توڑنے والا جان بوجھ کر توڑے یا بھول کر یا خطاءً یا سویا ہوا یا بے ہوشی میں یا جنون میں یا زبردستی تڑوائی جائے (8) کیونکہ قرآنی آیت لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (المائدہ ۵/۸۹) نے بھولنے اور جان بوجھ کر توڑنے وغیرہ کے بارے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تین چیزوں کی سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ان کا مذاق بھی سنجیدگی ہے نکاح، طلاق اور قسم۔ (9) پس جس نے آزادی یا طلاق کی قسم اٹھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا پھر اس نے بھول کر ایسا کیا تو وہ حانث ہوجائے گا کیونکہ اس کے ساتھ آدمی کا حق متعلق ہے لہٰذا بھول کے باوجود حکم متعلق ہوگا جس طرح بھول کر کسی کا مال تلف کر دینا۔

---

(1)...... ''بر'' کا معنی قسم کی موافقت اور حنث کا معنی قسم کی مخالفت ہے اور بر مالکیہ کے نزدیک کامل وجوہ کے بعد ہوگا اور حنث اقل وجوہ سے بھی ہوجائے گا۔ پس جس نے قسم اٹھائی چپاتی کھانے کی تو قسم پوری تب ہوگی جب ساری کھائے اور اگر قسم اٹھائے چپاتی نہ کھانے کی تو کچھ حصہ کھانے سے حانث ہوجائے گا۔ (القوانین الفقہیۃ: ص ۱۶۱) اور حنفی فرماتے ہیں بر اور حنث جس پر قسم اٹھائی ہے اس کو مکمل کرنے سے ہی ہوں گے (البدائع ۳ ص ۱۲، مختصر الطحاوی ص ۳۰۸) (2) البدائع۔ المرجع السابق، المغنی: ۸ ص ۶۸۲۔ (3) البدائع: المرجع نفسہ، مغنی المحتاج: ۴ ص ۳۲۵، المغنی ۸ ص ۶۸۲۔ (4) رواہ احمد فی مسندہ ومسلم والترمذی وصححہ عن ابی هريرة رضی الله عنه ورواه اصحاب الكتب السته الا ابن ماجة عن عبدالرحمن بن سمرة ورواه احمد ومسلم والنسائی وابن ماجه عن عدی بن حاتم ورووا عن غير هؤلاء ايضاً (راجع جامع الاصول ۱۲ ص ۳۰۰ مجمع الزوائد ۴ ص ۱۸۳ نصب الرايه: ۳ ص ۲۹۶، نيل الاوطار ۸ ص ۲۳۷، سبل السلام: ۴ ص ۱۰۳) (5) ای لايحلف وقيل: المراد لايمتنع۔ (6) البدائع: ۳ ص ۱۶، مغنی المحتاج ۴ ص ۳۲۶، المغنی ۸ ص ۶۸۱ ومابعدها۔ (7) المراجع السابقة .. (القوانين الفقهية: ص ۱۶۰) (8) البدائع: ۳ ص ۱۷، تبيين الحقائق: ۳ ص ۱۰۹ بداية المجتهد ۲ ص ۴۰۲ القوانين الفقهية ص ۱۶۱، فتح القدير ۴ ص ۶۔ الفتاوى الهنديه ۲ ص ۴۹ الدر المختار ۳ ص ۵۳ المغنی ۸ ص ۶۲۶۔ الشرح الكبير ۲ ص ۱۴۲۔ (9) حدیث میں یمین کا لفظ نہیں بلکہ رجعت کا لفظ ہے یہ تبدیلی فقہاء نے کی ہے۔ اخرجه ابوداؤد وابن ماجه والترمذی والحاكم فی المستدرك والدارقطنی والبيهقی۔ (راجع نصب الرايه ۳ ص ۲۹۳ ومابعدها)

شافعی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں: ❶ غیر مکلّف پر کفارہ بھی نہیں اور اس کی قسم ٹوٹنا بھی غیر معتبر ہے۔ جیسا کہ بچہ، پاگل اور سویا ہوا آدمی ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین آدمیوں سے قلم اٹھادیا گیا ہے بچے سے بالغ ہونے تک، سوئے ہوئے سے بیدار ہونے تک اور پاگل سے جب تک اس کے ہوش وحواس درست نہ ہوجائیں۔ ❷ اسی طرح بے ہوش پر بھی کفارہ نہیں نیز وہ نشئی جو اپنے نشہ سے تعدی نہیں کرتا اور بھولنے والا بھی، کیونکہ یہ ان تین کے حکم میں ہیں لہٰذا ان کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ اسی طرح جس پر جبر کیا جائے اس کی بھی قسم منعقد نہیں ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ❸ جس پر جبر کیا جائے اس پر یمین نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ''میری امت سے خطاء اور بھول اٹھادی گئی ہے اور جس چیز پر ان کو مجبور کیا (وہ بھی اٹھالی گئی ہے)۔ ❹

قسم کے منعقد ہونے کی شرطیں:

قسم کے منعقد ہونے کے لئے آنے والی عام شرطیں ہیں:

(۱)......قسم اٹھانے والا عقلمند اور بالغ ہو لہٰذا بچے اور پاگل کی قسم معتبر نہیں کیونکہ ان سے مواخذہ اور پکڑ کو اٹھالیا گیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم اٹھادیا گیا: سوئے ہوئے سے بیدار ہونے تک بچے سے بالغ ہونے تک اور پاگل سے عقل آنے تک۔

(۲)......قسم ''لغو'' نہ ہو یعنی جو قسم لوگوں کی زبان پر ارادے کے بغیر ہی جاری ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا۔ مثلاً وہ یوں کہیں: ''کیوں نہیں! اللہ کی قسم نہیں، اللہ کی قسم۔

(۳)......قسم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہو مثلاً: میں اللہ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں۔ یا اللہ کے اسماء کی ہو مثلاً میں ''رحمٰن'' یا ''رب العالمین'' کی قسم اٹھاتا ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم ہو مثلاً میں اللہ تعالیٰ کے علم، اس کے ارادے اس کی قدرت، اس کی عزت کی قسم اٹھاتا ہوں۔

اب میں بعض اختلافی اور اتفاقی شرائط کا ذکر کروں گا ان کا ذکر آگے آئے گا۔

---

❶......المهذب للشيرازى ٢ ص ١٢٨۔ حاشية الباجورى على متن ابى شجاع ٢ ص ٣٢٣ المغنى ٨ ص ٦٧٦، ٦٨٤ ومابعدها۔ ❷ رواه احمد وابو داؤد والنسائى وابن ماجة وصححه الحاكم واخرجه ابن حبان عن عائشة رضى الله تعالى عنها ورواه بعضهم عن على وعمرو ابن عباس وابى هريره وغيرهم رضى الله تعالى عنهم راجع مجمع الزوائد ٦ ص ٢٥١، سبل السلام ٣ ص ١٨٠ وله الفاظ "منها لفظ رواية عائشة رضى الله عنها رفع القلم عن ثلثة: عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبى حتى يكبر وعن المجنون حتى يعقل اويفيق" ❸ اخرجه الدارقطنى عن واثلة بن الاسقع وابى امامه ثم قال: عنبسه۔ احد رجال الذى ضعيف قال فى التنقيح حديث منكر بل موضوع اور اس میں ایسے لوگ بھی ہیں جن سے استدلال درست نہیں۔ راجع نصب الرایہ ۳ ص ۲۹۴۔ ❹ رواه الطبرانى فى الكبير عن ثوبان ورواه ايضاً عن ابى الدرداء واخرجه ابن ماجة وابن حبان والحاكم عن ابن عباس مرفوعاً ورواه ابن ماجه ايضاً عن ابى ذر ورواه ابونعيم فى الحلية عن ابن عمر وكل هذه الروايات بلفظ ان الله وضع عن امتى الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه الا حديث ابى الدرداء وثوبان فهو بلفظ "ان الله تجاوز عن امتى ثلاثة الخطاء والنسيان وما اكرهوا عليه"، "لكن ابن عدى فى الكامل رواه عن ابى بكره بلفظ رفع الله عن هذه الامة ثلاثا الخطاء والنسيان وما يكرهون عليه ورواه الطبرانى فى الاوسط عن عقبة بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه بلفظ وضع عن امتى الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه" وفيه ابن لهيعة وحديثه حسن وفيه ضعف وهكذا يظهران لفظ "رفع عن امتى......" ليس موجوداً وان كان الفقهاء لايذكرونه الا بهذا اللفظ (راجع نصب الراية ٢ ص ٦٢ التلخيص الحبير: ١ ص ١٠٩ مجمع الزوائد: ٦ ص ٢٥٠).

یمینِ منعقدہ کی قسمیں......قسم کے منعقد ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس کام پر قسم اٹھائی جارہی ہے قسم کے وقت اس کے وجود کا ہونا ممکن ہو اور قسم کے باقی رہنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام قسم کے بعد بھی متصور الوجود ہو حقیقت میں، اس بنیاد پر حنفی کے نزدیک یمین منعقدہ کی کئی قسمیں ہوگئیں۔

پہلی قسم......قسم ایسے کام پر ہو جس کا وجود عادۃً ممکن ہو۔

دوسری قسم......قسم ایسے کام پر ہو جو بالکل ممکن ہی نہیں۔

تیسری قسم......قسم ایسے معاملے پر جو اصل کے اعتبار سے ممکن تو ہو لیکن عادۃً پایا نہ جاتا ہو۔

پہلی قسم:......قسم عادۃً متصور معاملہ پر اٹھائی جائے: جب محلوف علیہ ایسی چیز ہو جس کا پایا جانا ممکن ہو تو قسم یا اثبات کے اعتبار سے ہوگی یا سلب کے اعتبار سے۔ اگر قسم اثبات کی صورت میں ہو تو اثبات مطلق عن الوقت ہوگا یا وقت کے ساتھ مقید ہوگا۔

(الف)......اگر قسم اثبات میں وقت سے مطلق ہو مثلاً ''اللہ کی قسم میں یہ چپاتی کھاؤں گا یا گھر میں ضرور داخل ہوں گا یا دمشق آؤں گا'' تو جب تک حالف ومحلوف موجود رہیں تو قسم باقی ہے ٹوٹے گی نہیں کیونکہ ٹوٹنا تو اس وقت ہوگا جب قسم پوری نہ کی جائے اور اس حالت میں قسم کا پورا کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ اس کام کو زندگی میں ایک مرتبہ کرلیا جائے۔ اگر حالف یا محلوف علیہ میں سے کوئی ایک چیز ہلاک ہوجائے تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ قسم پوری کرنے سے عاجز ہونا پایا گیا۔ البتہ محلوف علیہ اگر ہلاک ہوجائے تو اس کی ہلاکت کے وقت قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر حالف مرجائے تو اس کی زندگی کے آخری حصہ میں حانث ہوگا۔

(ب)......اگر قسم اثبات میں موقت ہو مثلاً میں یہ چپاتی آج ضرور کھاؤں گا یا بخدا آج میں اس گھر میں ضرور داخل ہوں گا تو جب تک حالف ومحلوف علیہ موجود ہوں اور وقت باقی ہو تو حانث نہ ہوگا کیونکہ وقت کے اندر قسم کے پورا کرنے کی امید ہے۔ اگر حالف ومحلوف علیہ تو موجود ہوں لیکن وقت چلا جائے تو احناف کے نزدیک بالاتفاق حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم موقت تھی جب محلوف علیہ کو وقت ختم ہونے تک نہ کیا تو حانث ہوگیا۔ اگر اس متعین وقت میں کوئی ایک ہلاک ہوجائے تو اگر قسم اٹھانے والا وقت کے اندر فوت ہوجائے پھر وقت گزرے اور حنفی اور حنبلی حضرات کا اتفاق ہے کہ حانث نہ ہوگا کیونکہ یمین موقت میں حانث وقت کے آخری جز میں ہوتا ہے اور وہ شخص اس حالت میں میت ہے اور میت کو حنث نہیں ہوتا۔

اگر وقت گزرنے سے پہلے محلوف علیہ ہلاک ہوجائے مثلاً ''روٹی'' تو طرفین رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم باطل ہوجائے گی اور امام ابو یوسف، شافعی وحنبلی حضرات فرماتے ہیں کہ قسم باطل نہ ہوگی البتہ حانث ہوجائے گا، کفارہ لازم ہوگا اور حانث ہونے کے وقت کے بارے میں روایات مختلف ہیں ایک روایت ہے کہ اس متعین وقت کے سورج غروب ہونے کے آخری لحہ میں حانث ہوگا۔ ایک روایت میں اسی وقت حانث ہوگا، اور یہ روایت ہی ان کے مذہب سے صحیح ہے۔

ثانیاً......''اگر قسم نفی کی حالت میں ہو پھر نفی موقت ہوگی یا مطلق عن الوقت ہوگی، اگر نفی وقت سے مطلق ہو مثلاً بخدا میں یہ چپاتی نہیں کھاؤں گا بخدا اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا'' تو اگر ایک مرتبہ بھی ایسا کرلیا حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم کا پورا کرنا نہیں پایا گیا۔ اگر اس کام کے کرنے سے پہلے ہی حالف ومحلوف علیہ ہلاک ہوجائیں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم پورا کرنے کی شرط یعنی قسم والے فعل سے رکنا پایا گیا۔

(ب)......اگر قسم موقت نفی میں تھی مثلاً خدا کی قسم میں آج اس روٹی کو نہیں کھاؤں گا تو اگر اس کو کھانے سے پہلے دن گزر گیا اور حالف ومحلوف علیہ دونوں موجود تھے تو اس کی قسم پوری ہوگئی کیونکہ قسم پوری ہونے کی شرط پائی گئی یعنی اس پورے دن میں چپاتی کا نہ کھانا۔ اگر اس دن حالف ومحلوف علیہ میں سے کوئی اس دن ہلاک ہوجائے تو بھی قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ شرط پائی گئی اور اگر حالف نے محلوف علیہ اس متعین

وقت میں کرلیا تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ حانث ہونے کی شرط پائی گئی (یعنی اس وقت میں اس کام کا کرنا)۔

دوسری قسم......اس کام پر قسم اٹھانا جس کا وجود ممکن ہی نہیں۔

یہ وہ ہے جو عقلاً محال ہو مثلاً کوئی شخص کہے: ''اللہ کی قسم میں اس برتن میں جو پانی ہے اس کو پیوں گا'' جب کہ اس میں پانی نہ ہو یا وہ کہے: ''میں فلاں کا قرض کل ادا کروں گا'' اور ادائیگی آج ہی کردی یا قرض خواہ نے اس کو قرض سے آج ہی بری کردیا، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ ابوحنیفہ و محمد، زفر، مالک اور حنابلہ رحمہم اللہ میں سے ❶ ابوالخطاب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قسم منعقد ہی نہ ہوگی کیونکہ قسم جس کام پر ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا وجود ممکن ہو یا امکان کا توھم ہو اور مذکورہ صورت میں ایسا نہیں، جب قسم کا پورا کرنا ممکن ہی نہیں تو قسم کا ٹوٹنا بھی متصور نہیں لہٰذا قسم منعقد کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ میں سے قاضی رحمۃ اللہ علیہ ❷ فرماتے ہیں کہ قسم منعقد ہوگی اور اسی وقت کفارہ لازم ہوگا کیونکہ حالف نے اپنے ذاتی مستقبل کے کام پر قسم اٹھائی ہے جیسے وہ قسم اٹھائے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے گا اور وہ عورت طلاق سے پہلے مرجائے۔

ان حضرات کے نزدیک قسم کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا وجود ممکن ہو۔ اگر حالف کو پتہ تھا کہ اس برتن میں پانی نہیں تو تینوں حنفی ائمہ کے نزدیک قسم منعقد ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منعقد نہ ہوگی۔

یہی پچھلا اختلاف اس صورت میں بھی ہوگا جب وہ کہے ''میں فلاں کو ضرور قتل کروں گا'' اور اسے اس کے مرنے کا پتہ نہ ہو تو امام ابوحنیفہ، محمد و زفر اور ان کے موافقین کے نزدیک قسم منعقد نہ ہوگی اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کے ہاں منعقد ہوگی۔ ❸

اگر قسم اٹھانے والے کو اس شخص کے مرنے کا علم تھا تو جمہور کے نزدیک قسم منعقد ہوجائے گی یہ محال عادی والی تیسری قسم کی طرح ہے کیونکہ اس کا تصور نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کریں اور وہ اس کو قتل کرسکے اور قسم پوری ہوسکے یہ عادت کے خلاف ہے۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی قسم منعقد نہ ہوگی۔

تیسری قسم......قسم جب محال عادی کام پر ہو۔ جب محلوف علیہ کام اپنی ذات میں متصور الوجود ہو لیکن عادۃً ناممکن ہو جیسے آسمان پر چڑھنا، ہوا میں اڑنا، پتھر کو سونا بنانا، دجلہ کا سارا پانی پینا، چند لمحوں میں لمبی مسافت طے کرنا، اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، صاحبین اور باقی مذاہب ❹ میں بھی قسم منعقد ہوجائے گی کیونکہ قسم کا پورا کرنا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ حالف کو اس کی قدرت دے دیں۔ جس طرح ملائکہ، انبیاء کرام علیہم السلام اور جنات کو آسمان پر چڑھنے کی قدرت دی۔ اسی طرح پتھر کو سونے سے بدلنا ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے تبدیل کرنے سے اسی طرح ساری ذکر کردہ چیزیں، لیکن حالف عادۃً اس کام کو کرنے سے عاجز ہے۔ پس فی نفسہ محلوف علیہ کے ممکن ہونے کی وجہ سے قسم منعقد ہوگئی اور عادۃً اس کام کو نہ کرسکنے کی وجہ سے حانث ہوجائے گا اور کفارہ لازم ہوگا جس طرح قسم اٹھائی کہ اپنی بیوی کو طلاق دے گا اور وہ طلاق سے پہلے مرگئی۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حالف کی یہ قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ عادۃً محال ہے پس اس کو محال حقیقی کے ساتھ شامل کیا جائے گا

---

❶......البدائع ۳ ص ۱۱۔ تبیین الحقائق ۳ ص ۱۳۴، الدر المختار ۳ ص ۱۰۹ المغنی : ۸ ص ۷۳۰، القوانین الفقھیة ص ۱۶۳۔ ❷ المراجع السابقة، مغنی المحتاج: ۴ ص ۳۲۰۔ ❸ حنفیوں کے نزدیک ائمہ کے قول لینے کی ترتیب یہ ہے کہ قاضی اور مفتی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی لے گا خواہ وہ منفرد ہوں یا ان کے ساتھ کسی کا قول ہو البتہ قضاء اور میراث میں ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا جائے گا تجربہ زیادہ ہونے کی وجہ سے۔ پھر ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پھر محمد رحمۃ اللہ علیہ پھر امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اور پھر حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا جائے گا۔ اور صاحبین جب امام کی مخالفت کریں اور اختلاف زمان کی تبدیلی کی وجہ سے ہو تو صاحبین کا قول لیا جائے گا اسی طرح جس میں متاخرین کا اجماع ہو جیسے مزارعت وغیرہ میں۔ (الدر المختار مع ردالمحتار: ۴ ص ۳۱۵۔ ۶۵/۱) ❹ البدائع: ۳ ص ۱۱ وما بعدھا۔ تبیین الحقائق ۳ ص ۱۳۵ الدر المختار ۳ ص ۱۱۱۔ مغنی المحتاج ۴ ص ۳۲۰ المھذب ۳ ص ۱۴۰۔ الشرح الکبیر للدردیر ۲ ص ۱۲۶ المغنی ۸ ص ۷۳۰ المیزان: ۲ ص ۱۲۹/ ۱۳۲۔

پس جس طرح محال حقیقی میں قسم منعقد نہیں ہوتی اسی طرح محال عادی میں بھی منعقد نہ ہوگی۔ ❶ اگر یہ قسم موقت ہو مثلاً: اللہ کی قسم میں آج آسمان پر چڑھوں گا تو طرفین کے نزدیک دن کے آخر میں حانث ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک موقت میں قسم کا پورا کرنا دن کے آخر میں لازم ہوتا ہے لہٰذا وقت وسعت والا ظرف ہوگا۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی وقت حانث ہوگا کیونکہ قسم کو پورا کرنے سے اسی وقت عاجز ہے یہی ان کا صحیح مذہب ہے۔ ❷

''یمین الفور'' آئندہ زمانے پر کسی کام کے سلسلہ میں کھائی جانے والی قسموں میں سے ایک قسم یمین فور کی ہے۔ جس میں قسم معنی کے اعتبار سے یا دلالت کے اعتبار سے موقت ہو لیکن لفظوں کے اعتبار سے ہمیشگی پر دلالت کرے اس کو یمین فور کہتے ہیں چنانچہ ہر وہ قسم ہے جو کسی کلام کے جواب میں آئے یا کسی کام کی بنیاد پر ہو لہٰذا حال کی دلالت کی وجہ سے مقید ہوگی مثلاً وہ کسی شخص سے کہے ''آئیے میرے ساتھ کھانا کھائیے'' وہ کہے: بخدا میں نہیں کھاؤں گا'' پھر اس نے کھانا نہ کھایا اور گھر واپس آیا اور گھر کھانا کھایا'' اس کا حکم یہ ہے کہ استحساناً حانث نہ ہوگا۔ قیاس کے لحاظ سے ہوجائے گا۔ یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حالف نے ہر حالت میں اپنے آپ کو کھانے سے روکنے کی قسم اٹھائی لہٰذا بعض حالات کے ساتھ قسم کو مقید کرنا یہ عام کی تخصیص ہے (جو درست نہیں) استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام سوال کے جواب میں آیا ہے لہٰذا جواب سوال کے واقعے کی طرف پھرے گا۔ اور سوال دعوت دیئے گئے دوپہر کے کھانا کا تھا تو جواب کا تعلق بھی اسی سے ہوگا گویا اس نے سوال دہرایا اور کہا: اللہ کی قسم میں وہ کھانا نہیں کھاؤں گا جس کی طرف آپ نے مجھے دعوت دی ہے۔ یعنی عرف کے لحاظ سے حالف اسی کھانے سے رکنے کا ارادہ کر رہا ہے جس کی طرف اسے بلایا گیا اور قسموں کا مدار عرف پر ہے حنفیوں کے ہاں جیسا کہ اس کا بیان آئندہ آئے گا۔ یمین فور کی ایک اور مثال ہے: ایک عورت نے گھر سے نکلنا چاہا تو اس کے شوہر نے کہا'' اگر تو نکلی تو تجھے طلاق'' تو وہ نکلنے کو چھوڑ کر تھوڑی دیر بیٹھ گئی اور پھر اس کے گھر سے نکلی تو استحساناً حانث نہ ہوگا کیونکہ حال کی دلالت نے قسم کو مقید کردیا گویا اس نے یہ کہا'' اگر تو یہ نکلنا نکل تو تجھے طلاق اگر اس نے مقصود کے خلاف کوئی بات ذکر کی مثلاً اس نے کہا کہ میری مراد اس دن مطلقاً نکلنے سے منع کرنا تھا تو یمین فور کا اعتبار ختم ہوجائے گا۔ اسی طرح تعدی والے مسئلہ میں فور کا اعتبار ختم ہوجائے گا اگر وہ ''الیوم'' کا لفظ بڑھادے۔ ❸

وقت سے پہلے حق کی ادائیگی...... اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں کا حق متعین وقت تک ادا کروں گا اور اس سے پہلے ہی دے دیا تو حنفیوں اور حنبلیوں کے نزدیک حانث نہ ہوگا کیونکہ اس قسم کا تقاضا یہ ہے کہ وقت متعین کے نکلنے سے پہلے حق دے دوں گا تو متعین وقت سے پہلے دیا تو پھر بھی وقت نکلنے سے پہلے دے دیا بلکہ بہتری میں اضافہ کیا، نیز قسموں کی بنیاد نیت پر ہے اس کی نیت وقت نکلنے سے پہلے دینے کی ہے۔ ابن قدامہ کی روایت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ حانث ہوگا اگر متعین وقت سے پہلے دیا کیونکہ اپنے ارادے سے اس نے جس پر قسم اٹھائی اس کو چھوڑ دیا یہ ایسا ہی ہے جس طرح وقت کے بعد ادائیگی کرے۔ ❹

''بعض محلوف علیہ کو انجام دینا'' اگر فلاں کام کرنے کی قسم اٹھائی تو حنابلہ کے نزدیک پورا کام کرنے پر ہی قسم پوری ہوگی، اگر قسم اٹھائی اور مطلق رکھا اور بعض کیا تو حنابلہ کی دو روایتیں ہیں راجح یہ ہے کہ بعض کے کرنے سے حانث ہوگا۔ ❺

دوسری بحث: قسم کے صیغے کی...... جس لفظ کے ذریعے اٹھائی جائے اس کی لحاظ سے قسم پانچ قسموں پر منقسم ہوجاتی ہے:

(۱)......اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی کو صراحۃً استعمال کر کے قسم اٹھانا۔

(۲)......اللہ کی صفت میں سے صراحۃً کوئی صفت قسم میں استعمال کرنا۔

---

❶ مراجع الحنفیہ السابقہ۔ ❷ مراجع الحنفیہ السابقہ۔ ❸ راجع المبسوط: ۸ ص ۱۳۱ البدائع ۳ ص ۱۳۔ الدر المختار ۳ ص ۹۲۔ فتح القدیر ۴ ص ۴۲۔ ❹ المغنی ۸/ ۷۹۰۔ الشرح الکبیر ۲/ ۱۵۳۔ ❺ المغنی: ۸/ ۷۸۲، ۷۹۲۔

(۳)......اللہ کے نام کی بطور کنایہ قسم۔

(۴)......یمین باللہ معنی کے اعتبار سے۔

(۵)......غیر اللہ کی قسم صورت اور معنی کے اعتبار سے۔

ا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم......اللہ کے نام ہی کے ساتھ قسم مباح ہے، غیر اللہ کی قسم اٹھانے والا گنہگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ قسم اٹھانے کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے خواہ وہ نام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہو جیسے اللہ، الرحمٰن، یا مشترک ہو، اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہو جیسے: علیم، حلیم، کریم، حکیم وغیرہ یہ نام اگرچہ مخلوقات کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن حال کی دلالت سے قسم میں خالق ہی کی طرف راجع ہوں گے کیونکہ غیر اللہ کی قسم جائز نہیں تو اس نام سے اللہ تعالیٰ ہی مراد ہوں گے۔

قسم کے حروف......با، واو، تاء، ہیں مثلاً قسم اٹھانے والا کہے: باللّٰہ تاللّٰہ واللّٰہ۔ یہ عرب کے استعمال کے لحاظ سے ہے اور شریعت لغت کی تائید میں آتی ہے مثلاً فرمان ربانی ہے:

اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ الانعام ۶/ ۲۳

اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کے بارے میں تدبیر کروں گا۔ الانبیاء ۲۱/ ۵۷

انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی۔ فاطر ۳۵/ ۴۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مرتبہ: ''اللہ کی قسم میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا'' پھر تیسری مرتبہ ''انشاء اللہ'' فرمایا۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ منع فرماتے ہیں کہ تم اپنے آباء کے نام سے قسموں اٹھاؤ جس نے قسم اٹھائی ہو وہ اللہ کے نام کی اٹھائے ورنہ خاموش رہے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے قسم نہیں اٹھائی نہ یاد کے ساتھ نہ کسی دوسرے کی نقل کرتے ہوئے۔ ❷

باء اور واؤ استعمال کئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے ہر ایک کی قسم ساتھ البتہ تاء صرف اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے ''تاللّٰہ'' کہہ سکتے ہیں۔ ''تالرحمن'' نہیں کہہ سکتے اگر حالف ان میں سے کوئی حرف قسم استعمال نہ کرے مثلاً صرف ''اللّٰہ لا افعل کذا'' کہے تو جمہور کے ہاں اس صورت میں بھی قسم ہوگی۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں: ''اللہ'' رفع، نصب یا جر کے ساتھ کہا تو یمین نیت سے ہی ہوگی۔ ❸

۲: اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم......اللہ تعالیٰ کی صفات کی تین قسمیں ہیں:

---

❶......رواه ابو داؤد وابن حبان والبيهقي وابويعلى وابن عدى عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهم رواه بعضهم مسندا وبعضهم مرسلاً قال ابن ابى حاتم فى العلل: "الاشبه ارساله". وقال ا بن القطان: الصحيح مرسل(جامع الا صول ۱۲ ص ۲۹۹).نصب الراية ۳ ص ۳۰۲ مجمع الزوائد ۴ ص ۱۸۲ نيل الاوطار ۸ ص ۲۲۰۔ ❷رواه البخارى ومسلم واصحاب السنن الرواية ومالک واحمد والبيهقى عن عمر رضى الله تعالىٰ عنه قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله ينها كم) ومعنى قول عمر رضى الله تعالىٰ عنه "ما حلفت به ذاكراً اى عن ذكر منى وعلم "ولاآثرا" ولا روايا لها عن احد أنه حلف بابيه. راجع جامع الا صول: ۱۲/ ۲۹۳، ۳۱۱ نصب الراية ۳ ص ۲۹۵ سبل السلام ۴ ص ۱۰۱، نيل الاوطار: ۸ ص ۲۲۷. ❸البدائع ۵۔فتح القدير ۳/ ۵۔تبيين الحقائق للزيلعى ۳/ ۱۰۹، ۱۱۱ الدرالمختار ۳/ ۵۴، بداية المجتهد ۱/ ۳۹۴ مغنى المحتاج ۴/ ۳۲۰، ۳۲۳، المهذب ۲/ ۱۲۹، المغنى ۸/ ۶۷۷، ۶۹۳۔

پہلی قسم...... وہ صفت عرف وعادت میں صرف صفت ہی کے طور پر استعمال ہوتی ہوتو اس کے ساتھ قسم منعقد ہو جائے گی مثلاً اللہ کی عزت، عظمت، بزرگی یا بڑائی کی قسم اٹھانا، کیونکہ ان صفات کے ساتھ قسم لوگوں کے عرف میں معروف ہے۔

دوسری قسم...... ایسی صفت جو اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ دونوں کے لئے برابر استعمال ہوتی ہو اس کے ساتھ بھی قسم ہو جائے گی جیسے ''اللہ تعالیٰ کی قدرت، قوت، ارادہ چاہت اور رضاء اس کی محبت یا کلام کی قسم'' ❶ ''اس سے بھی حالف ہوگا کیونکہ یہ صفات اگر چہ غیر اللہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں لیکن قسم کے قرینہ سے مراد متعین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ قسم جائز نہیں۔ اس قسم کے ساتھ اللہ کی امانت کی قسم اٹھانا بھی لاحق ہے''، حنفیوں کی ظاہر روایت میں اور مالکی و حنبلی مذہب بھی یہی ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قسم نہ ہوگی اگر چہ نیت بھی کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امانت، عبادات، روزہ نماز کا نام ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ہم نے امانت زمین وآسمان اور پہاڑوں پر پیش کی۔ الاحزاب ۳۳/ ۷۲

لہٰذا یہ قسم غیر اللہ کی ہوگی جو درست نہیں۔ ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے: قسم کے وقت جو لفظ امانت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت مراد ہوگی کیونکہ ''امین'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ امانت سے مشتق ہے تو اس سے قسم میں بالخصوص اللہ تعالیٰ کی صفت ہی مراد ہوگی۔

مالکی حضرات فرماتے ہیں وہ یمین منعقدہ جو کفارہ کا سبب ہے: جو لفظ اللہ اور اس کے دوسرے اسماء کے ساتھ ہو جیسے عزیز، رحیم یا اس کی صفات کے ساتھ جیسے علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، وحدانیت، قدیم ہونا، باقی رہنا، عزت، جلال، عہد، میثاق، ذمۃ، کفالت اور امانت اسی طرح لفظ ''اسم'' اور ''حق'' کے ساتھ۔ اور اس کے ساتھ مشہور قول پر مصحف اور قرآن بھی شامل ہے۔

شافعی حضرات فرماتے ہیں راجح قول کے مطابق: یمین اللہ کی امانت کے لفظ سے نہ ہوگی، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مراد لے تو ہوگی کیونکہ امانت کا لفظ، فرائض، حقوق اور دوسری امانتوں پر بولا جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ آیت میں ہے، اسی قسم میں ''اللہ کا عہد'' کا لفظ بھی ہے یہ قسم ہے حنفی، مالکی، اور حنبلی متفق ہیں اور ایک قول شافعیہ کا بھی ہے۔ کیونکہ عادت الناس یہی ہے کہ اس کے ساتھ قسم اٹھاتے ہیں اور قسموں کو سخت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے ہوتا ہے اور شافعی حضرات کے نزدیک دوسرا راجح قول یہ ہے: کہ نیت کے بغیر اس سے قسم نہ ہوگی، کیونکہ ''عہد'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا مستحق عبادت ہونا ہو تو قسم ہوگی یا جو ہم پر عبادات کا عہد لیا ہے وہ مراد ہو تو قسم نہ ہوگی کیونکہ یہ حادث کی قسم ہے۔ ❷

اسی قسم میں سے ''وجہ اللہ'' اللہ کے چہرے کی قسم بھی ہے اس سے قسم ہوگی کیونکہ ''وجہ'' جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اس سے ذات مراد ہوتی ہے: ارشاد ربانی ہے: ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے۔ القصص ۲۸/ ۸۸

یعنی اس کی ذات اگر حالف نے ''ایم اللہ'' کہا اسی طرح ''لعمر اللہ'' سے بھی قسم ہوگی۔ ❸ شافعی حضرات فرماتے ہیں: ایــم اللّٰه اور لعمر اللّٰه سے قسم تب ہوگی جب نیت بھی کرے۔ ❹ مالکی حضرات فرماتے ہیں: حنفی اور حنبلی بھی کہ جب حالف ''ایمُ اللّٰه یا ایمن اللّٰه''، یعنی اللہ کی برکت کی قسم کہے تو یہ قسم ہے اس سے کفارہ واجب ہے کیونکہ اس سے قسم اٹھانا متعارف ہے اسی طرح لعمر اللہ سے قسم اٹھانا بھی۔ ❺

تیسری قسم ان صفات کی ہے...... ایسی صفت سے قسم اٹھائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر دونوں میں استعمال ہوتی ہو لیکن غیر اللہ میں استعمال زیادہ ہو تو اس کے ساتھ قسم نہ ہوگی۔

---

❶...... کلام اللہ کی قسم یعنی جو اللہ کی صفت ہے وہ یمین ہے: البدائع ۳/ ۶ھو مذهب ابي حنيفه وصاحبيه صاحب الدر فرماتے ہیں: کلام اللہ کی قسم کا تعلق عرف سے ہے کیونکہ کلام مشترک صفت ہے اور عرف کا اعتبار مشترک صفات میں ہے الدر ۳/ ۵۶۔ ❷ عہد اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا ہمیں مکلف بنانا ہے۔ ❸ البدائع ۳/ ۶، فتح القدير ۴/ ۱۴، فتاویٰ هنديه ۲/ ۴۹۔ الشرح الكبير للدردير ۳/ ۱۲۷ المغنی ۸/ ۶۹۷، ۷۰۳ المهذب ۲/ ۱۳۰ القوانين الفقهية ص ۱۵۸۔

مثلاً حالف کہے: اللہ تعالیٰ کے علم، رحمت، کلام، غضب، ناراضگی یا اس کی رضا کی قسم تو یہ قسم نہ ہوگی، کیونکہ ان اشیاء سے ان کے آثار مراد ہیں نہ کہ یہ خود مثلاً علم سے معلوم مراد ہے رحمت سے جنت مراد ہے۔ ارشاد ربانی ہے: (اللہ کی رحمت میں وہ ہمیشہ رہیں گے)۔ آل عمران ۳/۱۰۷

غضب اور ناراضگی سے مراد ان کا اثر ہے یعنی عذاب اور سزا نہ کہ یہ صفت خود، لہذا اس سے حالف نہ ہوگا البتہ اگر نیت کرے تو قسم ہو جائے گی، اسی طرح اللہ کے علم کے ساتھ قسم عربوں میں معروف نہیں ہے لہٰذا نیت کے بغیر قسم نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے: کہ اعتبار عرف پر ہے، جس کو عرف اور رواج میں قسم سمجھا جاتا ہو وہ قسم ہے ورنہ نہیں۔ شافعی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں: اللہ کے کلام، علم اور قدرت کے ساتھ قسم معتبر ہے ہاں اگر علم سے معلوم اور قدرت سے مقدور مراد ہو تو قسم نہ ہوگی مثلاً کہے: یا اللہ ہمیں معاف فرما جو آپ کا ہمارے بارے میں علم ہے یعنی آپ جو ہماری لغزشوں کو جانتے ہیں اور کہا جاتا ہے: ''اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ'' یعنی مقدور کو۔

مصحف پر قسم اٹھانا.......اور قرآن یا مصحف پر قسم اٹھانا شافعی، مالکی اور حنبلی حضرات کے اتفاق کے ساتھ اور حنفی مسلک ابن الہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترجیح کے مطابق کیونکہ حالف مصحف کی قسم میں لکھی ہوئی چیز کی قسم اٹھا رہا ہے یعنی قران کی کیونکہ قرآن اور مصحف وہ ہے جو مصاحف کے دوگتوں کے درمیان ہو مسلمانوں کے اجماع کے مطابق البتہ اگر حالف قران سے خطبہ، یا نماز اور مصحف سے ورق، جلد یا نقوش مراد لے تو قسم نہ ہوگی۔ حنفیوں کا خیال تھا کہ مصحف کی قسم درست نہیں کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے لیکن قران کلام اللہ ہے لہٰذا اللہ کی صفات میں سے ہے اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا: کہ اب قران کی قسم متعارف ہے پس قسم ہوگی اور عینی نے فرمایا: میرے نزدیک مصحف یمین ہے بالخصوص ہمارے زمانے میں جس نے قرآن کے حق کی قسم اٹھائی تو جمہور کے نزدیک ایک کفارہ لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے تکرار کے ساتھ قسم سے بھی ایک کفارہ لازم ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی صفت سے بدرجہ اولی ایک کفارہ لازم ہوگا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ ہر آیت کے بدلے ایک کفارہ لازم ہوگا کیونکہ اثرم رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن کی سورت کی قسم اٹھائی تو اس پر ہر آیت کے بدلے قسم کا کفارہ ہے جو چاہے قسم پوری کرے جو چاہے توڑ دے۔

حق اللہ کی قسم...... مالکی حنبلی اور صحیح قول شوافع کا ہے کہ حق اللہ کی قسم سے قسم منعقد ہوگی جس کا کفارہ دیا جائے گا کیونکہ حق اللہ تعالیٰ کا نام ہے یا اللہ کی صفت مراد ہے کیونکہ اللہ کے حقوق ہیں جن کے وہ مستحق ہیں مثلاً باقی رہنا، عظمت، جلال اور عزت تو ''حق'' کی قسم ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی قدرت کی قسم اٹھائے   حق اللہ میں حنفی مسلک مختلف ہے: صاحبین اور ایک روایت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے یمین نہ ہوگی کیونکہ طاعات اللہ کے حقوق ہیں جس طرح یہ بات جلد سمجھ آتی ہے شرعاً اور عرفاً لہٰذا یہ غیر اللہ کی قسم ہے۔ اور انہوں نے فرمایا اگر ''حق کی قسم'' کہے تو یمین ہوگی بالاتفاق اور اگر ''حقا'' کہے تو یمین نہ ہوگی کیونکہ حق اللہ کے اسماء میں سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''اور وہ جانتے ہیں بے شک اللہ حق مبین ہے''۔ النور ۲۴/۲۵

تو جب الف لام کے ساتھ معرفہ ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ مراد ہوں گے اور اس کی حلف متعارف ہے تاہم جب الف لام کے بغیر نکرہ ہو تو یہ مفعول مطلق ہوگا فعل مقدر کا گویا اس نے یوں کہا ''یہ فعل میں ضرور کروں گا تو اس سے مراد وعدے کی تحقیق پختگی ہوگی پس حقاً صدقاً کی طرح ہے اور اس میں قسم کا معنی بالکل نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اللہ کے حق کی قسم یمین ہے کیونکہ حق اللہ کی صفات میں سے ہے یعنی اللہ کی حقیقت یعنی اس کی ذات کا ثابت و موجود ہونا گویا یوں کہا ''اللہ برحق کی قسم'' اور اس سے قسم متعارف ہے لہٰذا اس سے یمین ہونا واجب ہے   یہی رائے باقی ائمہ کرام کی ہے جیسے ہم نے پہچان لیا۔

''عمر اللہ'' کی قسم بھی یمین ہے اور کفارہ کا سبب ہے کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت کی قسم اٹھائی ہے جیسے اللہ کے بقاء کی قسم۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس نے قسم کی نیت کی تو ہوگی ورنہ نہیں اگر اس نے ''ایم اللہ یا ایمن اللہ'' تو

جمہور کے ہاں یمین ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر نیت ہو تو قسم ہے ورنہ نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ ۳

”اقسم باللہ“ جیسے الفاظ سے قسم اٹھانا اگر حالف نے ”اقسم باللہ یا احلف باللہ اشھد باللہ، اعزم باللہ میں ایسا کروں گا“ کہا تو یہ قسم ہے نیت کرے یا نہ کرے حنفی اور حنبلی حضرات کے قول پر اور شوافع کا مطلق ہونے کی صورت میں صحیح قول یہی ہے۔ مالکی حضرات فرماتے ہیں قسم تب ہوگی جب نیت اللہ کے نام کے ساتھ قسم کی کرے ورنہ نہ ہوگی اور نیت سے مراد مقدر ماننا ہے یعنی یہ مقدر مانے کہ یہ لفظ قسم ہے اگر اس نے اس کا لحاظ نہیں کیا تو قسم نہ ہوگی ان الفاظ کے ساتھ قسم ہو جانے کی دلیل لوگوں کا عرف اور ان کی عادت واستعمال ہے، ارشاد ربانی ہے:

وہ دونوں اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ المائدہ ۵/ ۱۰۶

انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی۔ الانعام ۶/ ۱۰۹

اس پر یہ مسئلہ بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر حالف نے اقسم یا احلف کے بغیر لفظ ”باللہ“ کہا تو بھی یمین ہوگی فعل کو ذکر کئے بغیر۔ یہ فعل کے بغیر قسم اس لئے ہے کہ فعل مقدر ہے کیونکہ ”با“ فعل مقدر سے متعلق ہوتا ہے تو جب فعل کو ذکر کیا اور مقدر کا تلفظ کیا تو بطریق اولیٰ حکم ثابت ہوگا یہی حکم ہے اگر فعل کو ماضی کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا اور کہا ”میں نے اللہ کی قسم اٹھائی“ تو بھی یمین ہوگی۔

غیر پر قسم اٹھانا......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں ❶ اگر کسی نے دوسرے سے کہا: ”میں آپ پر اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں“ یا اللہ کے نام کے ساتھ آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ ایسا کریں اور اس نے اس سے اس کی قسم مراد لی تو یہ قسم ہے اور مخاطب کے لئے مسنون ہے کہ حالف کی قسم پوری کرے کیونکہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دینے والے کی قسم کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے“ لیکن یہ مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ضرور بتلائیے میں نے کیا درست کہا اور کیا غلطی کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر قسم نہ دو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں بتلایا اگر قسم پوری کرانی واجب ہوتی تو ضرور بتلاتے۔ اگر قسم پوری نہ کی تو کفارہ قسم اٹھانے والے پر ہوگا اگر حالف نے اس سے مخاطب کی قسم مراد لی یا قسم پوری نہ کی تو کفارہ قسم اٹھانے والے پر ہوگا اگر حالف نے اس سے مخاطب کی قسم مراد لی یا قسم کا ارادہ ہی نہ کیا یا محض اللہ کا واسطہ مراد لیا تو قسم نہ ہوگی۔

”میں قسم اٹھاتا ہوں کہ ایسا کروں گا“ کے الفاظ سے قسم۔ اگر حالف نے قسم اور جس کی قسم اٹھا رہا ہے اس کو ذکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا نام گرامی ذکر نہ کیا یا اس طور کہ یوں کہا میں گواہی دیتا ہوں یا حلف، قسم اٹھاتا ہوں یا پکا ارادہ کرتا ہوں کہ ایسا کروں گا تو جمہور حنفیوں کے ہاں یہ قسم ہوگی اور امام احمد کی ایک روایت جو ان کا راجح مذہب بھی ہے یہی ہے۔ کیونکہ جب غیر اللہ کی قسم جائز نہیں تو معلوم ہوا کہ مقسم بہ لفظ اللہ ہے اور محذوف ہے۔ مثلاً ”گاؤں سے پوچھو“ یعنی گاؤں والوں سے نیز یہ کہ اس طرح قسم عربوں کے ہاں متعارف ہے ارشاد ربانی ہے: ”وہ قسم اٹھاتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم راضی ہو جاؤ“ (التوبۃ ۹/ ۹۶) یہ نہیں فرمایا ”اللہ کی قسم اٹھاتے ہیں۔“

نیز ارشاد ربانی ہے ”جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ اس کو صبح کے وقت کاٹ دیں گے۔ (القلم ۶۸/ ۱۷) یہاں بھی ”اللہ“ کا لفظ نہیں ہے۔ اور فرمایا ”جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں..... انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے۔“ (المنافقون ۶۳/ ۱) تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یمین کا نام دیا۔

مالکی حضرات ایسا فرماتے ہیں جس طرح ان کا قول مقسم بہ کے ذکر کے وقت ہے یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے۔ احناف میں امام زفر کا قول یہ ہے کہ اگر ”یمین باللہ“ کی نیت ہو تو یمین ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کی قسم دونوں کا احتمال ہے۔

---

❶......مغنی المحتاج ۴ ص ۳۲۴ المھذب ۲ ص ۱۳۱ المغنی (۸/ ۷۳۱)

یمین تب ہوگی جب اپنی نیت سے کفارہ کو واجب کرنی والی قسم کی طرف پھیرے، مالکیوں نے اس سے ''اعزم'' یعنی میں پکا ارادہ کرتا ہوں کا لفظ الگ کیا ہے کہ اس میں نیت سے بھی قسم نہ ہوگی کیونکہ اعزم کا معنی ہے میں ارادہ اور اہتمام کرتا ہوں۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں کہ نیت کے باوجود قسم نہ ہوگی کیونکہ مقسم بہ کو ذکر کرنا قسم کے ارکان میں سے ہے۔ ❶

''مقسم بہ کا دھرانا'' اگر حالف نے حرف عطف کے بغیر مقسم بہ کو دھرایا مثلاً اللہ رحمٰن رحیم طالب کی قسم تو بغیر اختلاف کے یہ ایک ہی قسم ہوگی۔ اگر صرف عطف کے ساتھ دھرایا مثلاً ''اللہ اور اللہ کی قسم'' ''یا اللہ اور رحمٰن کی قسم'' میں ایسا نہیں کروں گا تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حنفیوں کی دو روایتوں میں سے راجح روایت میں دو قسمیں ہوں گی کیونکہ ایک قسم کو دوسرے پر عطف کیا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے کیونکہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے تو ہر ایک الگ قسم ہوگی لیکن اگر دوسرے کا عطف نہ کیا جائے تو دوسرا صفت ہوگا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے کہ ایک ہی قسم ہوگی دونوں صورتوں میں کیونکہ حرف عطف بھی استیناف اور کبھی صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے:

''فلاں عالم اور زاہد اور سخی اور بہادر'' تو اس میں عطف اور صفت دونوں کا احتمال ہے لہٰذا شک کے ساتھ دوسری قسم ثابت نہ ہوگی۔ ❷

جس خبر پر قسم اٹھائی اس کا تکرار...... اگر حالف نے اس کام کو دھرایا جس پر وہ قسم اٹھا رہا ہے مثلاً کہا: اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا ایسا نہیں کروں گا یا کہا ''خدا کی قسم میں فلاں سے بات نہیں کروں گا بخدا اس سے بات نہیں کروں گا'' تو حنفیوں کے ہاں اس صورت میں دو قسمیں ہوں گی البتہ اگر دوسرے کلام سے پہلے ہی کی خبر کا ارادہ ہو تو ایک قسم ہوگی۔

پہلی صورت کی دلیل یہ ہے کہ جب حالف نے اس کو دوہرایا تو معلوم ہوا کہ اس نے دوسری قسم کا ارادہ کیا ہے کیونکہ اگر صفت یا تاکید کا ارادہ ہوتا تو مقسم علیہ کو نہ دوہراتا۔ ❸

اللہ تعالیٰ کی قسم کنایہ کے ساتھ...... اگر کسی انسان نے اسلام سے نکلنے کی قسم اٹھائی مثلاً کہے: اگر میں نے ایسا کیا تو یہودی، عیسائی، آگ پرست یا اسلام یا رسول اللہ یا قرآن سے بری ہوں یا کافر ہوں (نعوذ باللہ) یا میں غیر اللہ کی عبادت کروں گا یا صلیب کی عبادت کروں گا یا اس کے علاوہ کوئی بات جس کا عقیدہ رکھنا کفر ہو تو اسی طرح کے الفاظ میں ہمارے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ نے فرمایا اور امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے کہ یہ قسم ہوگی جو کفارہ کو واجب کرے گی اگر اس نے وہ کام جس پر قسم اٹھائی تھی کرلیا تو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج تک بغیر نکیر کے لوگ ان الفاظ کے ساتھ قسم اٹھاتے آرہے ہیں اور یہ قسم نہ ہوتی تو ان میں رواج نہ ہوتا کیونکہ غیر اللہ کی قسم گناہ ہے۔ پس ان کا رواج دلالت کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہی کنایۃً قسم ہے اگرچہ اس میں کنایہ کی وجہ سمجھ نہیں آتی، جیسے عرب کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے کپڑے سے حطیم کعبہ کو ماروں ❹ تو یہ جملہ ان کے عرف میں صدقہ کی نذر ہے اگرچہ اس میں بھی کنایہ کی وجہ سمجھ سے باہر ہے۔ مالکی شافعی اور صحیح قول حنبلی حضرات کا بھی یہی ہے کہ یہ قسم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفت سے خالی ہے اور حانث ہونے سے کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا اور یہ قسم گناہ ہے اس کا تلفظ حرام ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس

---

❶ المراجع السابقة، البدائع ص ۷ فتح القدير ص ۱۳ الدردير ص ۱۲۸، مغنی المحتاج ص ۳۲۳ المغنی ۸/۲۰۷، ۳/۱۰۳ تبیین الحقائق ۳/۱۰۳ بداية المجتهد ص ۳۹۸. ❷ البدائع ۸/۳. تحفة الفقهاء ۲/۴۴۳ الطبعة القديمة. الدر المختار ۳/۷۰ ❸ المغنی ۸/۶۹۹ ومابعدها. ۳۳۷. ❹ اخرج مسلم وابن ماجة هاتين الروايتين عن ابی هريرة واخرج احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجة الرواية الثانيه. یہ ان کی دلیل ہے جو قسم دلوانے والے کی نیت ہی کا اعتبار کرتے ہیں خواہ ظالم ہو یا مظلوم ہو ... (راجع نيل الاوطار: ۸/۲۱۸ جامع الاصول ۱۲/۳۰۷ الام ص ۲۲۷ سبل السلام ۴/۱۰۲)

نے اپنی قسم سے محلوف علیہ کام سے اپنے آپ کو دور رکھنے کا ارادہ کیا لیکن اگر اس کا ارادہ ہو کہ اگر اس نے یہ کام کیا تو وہ یہودیت وغیرہ پر راضی ہے تو اسی وقت کافر ہو جائے گا اگر اس کے ارادہ کا پتہ نہ ہو تو اس کے کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جیسا کہ شوافع نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ ❶

اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی کہ وہ اسلام سے بری ہے، تو اگر وہ جھوٹا تھا تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور اگر وہ سچا ہے تو بھی اسلام کی طرف سالم واپس نہیں لوٹا۔

یہ اس صورت میں ہے جب قسم کو مستقبل کی طرف منسوب کرے اگر اس نے قسم کی نسبت ماضی کی طرف کی" مثلاً کہا: کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو تو میں یہودی یا عیسائی ہوں" اور وہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہو تو یہ یمین غموس ہے اس میں جمہور فقہاء کے نزدیک کفارہ نہیں ہے جیسا کہ پہلے واضح ہو گیا۔ لیکن کیا اس بات سے وہ کافر ہو گیا؟ حنفی مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول وہ ہے جس کو حاکم شہید نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ کافر نہ ہوگا کیونکہ اس نے نہ کفر کا ارادہ کیا نہ ہی اس کا عقیدہ رکھا بلکہ صرف اپنے کلام کی تصدیق اور ترویج کے لئے ایسا کیا۔ اسی طرح کافر نہیں ہوگا صحیح قول کے مطابق جب یوں کہے: اللہ جانتا ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے" حالانکہ اس نے ایسا نہیں کیا تھا ایک قول میں کافر ہوگا اگر اس کو معلوم ہو یہ جملہ کفریہ ہے، کیونکہ کفر پر اقدام کرنا کفر کو اختیار کرنا ہے اور کفر کو اختیار کرنا بھی کفر ہے۔

اپنے مال میں کسی شے کے حرام کرنے کی قسم...... حنفی اور حنبلی فرماتے ہیں اگر حالف نے کہا" حلال مجھ پر حرام ہے" یا یہ چیز مجھ پر حرام ہے اگر میں نے ایسا کیا، پھر اس نے ایسا کر لیا تو اسے اختیار ہے یا حرام کردہ چیز چھوڑ دے یا کفارہ دے۔ مالکی اور شافعی حضرات فرماتے ہیں: "یہ قسم نہیں ہے اور کفارہ بھی نہیں کیونکہ مشروع کو بدلنے کا اس نے ارادہ کیا لہٰذا اس کا ارادہ لغو ہے راجح پہلی رائے ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے: اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی ہیں...... اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو تم پر لازم کیا ہے۔ التحریم ۶۶/۱

کیا قسم اٹھانے والے کی نیت کے اعتبار سے ہوگی یا قسم دلوانے والے کی نیت کا اعتبار ہے...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ دعووں میں قسم دلوانے والے کی نیت کا اعتبار ہے البتہ وعدوں میں قسم میں بعض نے حالف اور بعض نے مستحلف کی نیت کا اعتبار کیا ہے۔ مالکی حضرات نے تو صرف مستحلف کی نیت ہی کا اعتبار کیا ہے حالف کی نیت غیر معتبر ہے کیونکہ مستحلف نے گویا یہ قسم اپنے حق کے عوض قبول کی ہے اور اس لئے بھی کہ حدیث پاک میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم مستحلف کی نیت پر ہے" اور ایک روایت میں ہے" آپ کی قسم اس پر ہوگی جس پر آپ کا مقابل آپ کی تصدیق کرے آپ کو سچا جانے"۔

البتہ حنفیوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تفصیل کی ہے کہ اگر حالف مظلوم ہو تو قسم اس کی نیت پر ہوگی کیونکہ وہ اپنی قسم سے اپنا حق لے رہا ہے، لہٰذا گناہ نہ ہوگا اگرچہ اس نے اپنے کلام کا غیر مراد لیا ہے۔ اگر حالف ظالم ہے تو نیت مستحلف پر قسم ہوگی، کیونکہ اس وقت وہ گنہگار ہوگا اگر اس نے ظاہر کے خلاف نیت کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل میں نیت مستحلف کی معتبر ہے البتہ اگر قسم طلاق، یا آزادی وغیرہ کی ہو تو حالف کی نیت معتبر ہے جب کہ وہ ظاہر کے خلاف مراد نہ لے رہا ہو حالف ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ اسی طرح اگر قسم اللہ تعالیٰ کی ہو اور حالف مظلوم ہو تو حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ ظالم وہ ہے جو اپنی قسم سے دوسرے کا حق باطل کر رہا ہو۔

حنبلی حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے متفق ہیں پس جس نے قسم تاویل کے ساتھ اٹھائی یعنی ظاہر کے خلاف احتمال رکھنے والا معنی مراد لیا تو مظلوم ہونے کی صورت میں اس کی نیت درست ہے ظالم ہونے کی صورت میں درست نہیں۔ شوافع نے فرمایا: کہ قسم میں صرف حالف کی نیت کا اعتبار ہے کیونکہ قسم سے وہ معنی مقصود ہے جو حالف کے نفس کے ساتھ قائم ہو ظاہر لفظ کا اعتبار نہیں ہے۔

---

❶......بدایۃ المجتہد ص ۴۰۳ جلد نمبر ۱۔ البدائع ۲۰/۳۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۸۱/۱، مغنی المحتاج ۳۲۱/۴ المغنی ۸/۲۲۷، ۷۶۳، الشرح الکبیر للدردیر وحاشیہ الدسوقی ۱۳۹/۲ القوانین الفقہیۃ ص ۱۶۲ الفوائد البھیہ فی القواعد الفقھیہ للشیخ محمود حمزہ ص ۳۵۔

غیر اللہ کی قسم صورۃً اور معنیً یعنی مخلوق کی قسم..... جب انسان غیر اللہ کی قسم اٹھائے جیسے اسلام، انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ، کعبہ، نماز، روزہ، حج وغیرہ کی یا کہے مجھ پر اللہ کی ناراضگی اور اس کا عذاب یا باپ، ماں، بیٹے یا صحابہ کرام علیہم الرضوان، یا آسمان وزمین، سورج، چاند، ستاروں وغیرہ کی قسم اٹھائے یا آپ کی زندگی، عمر، جس نے یا حق کی قسم اٹھائے تو بالا جماع یہ قسم نہیں ہے اور ایسا کرنا ناپسندیدہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ڈرتا ہوں کہ یہ گناہ ہوگا تاہم کفارہ نہیں ہے کیونکہ غیر اللہ کی قسم اٹھائی ہے اور لوگ اگرچہ آباء وغیرہ کی قسم اٹھاتے ہیں لیکن شریعت نے منع کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا: تم اپنے آباء اور بتوں کی قسمیں نہ اٹھاؤ، جس نے قسم اٹھانی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی اٹھائے یا چھوڑ دے جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا نیز اس طرح کی قسم جس کی قسم اٹھائی جارہی ہے اس کی تعظیم کے لئے ہے اور اس طرح کی تعظیم کی مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

''صورۃً غیر اللہ کی قسم لیکن معنی اور کنایہ کے اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کی ہی قسم ہو'' وہ ایسی قسمیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب والی عبادات کے غیر کے ساتھ اٹھائی جائیں۔

مثلاً طلاق، غلام کی آزادی، مکہ تک پیدل جانا، روزہ اور صدقے وغیرہ کی قسم۔ یہ شرط اور جزاء کے ذکر کرنے کے ساتھ ہوگا اور اس وجہ سے کہ وہ شرط کے حاصل کرنے سے روکتا ہے اور قسم پوری کرنے کا باعث ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرح ہوگیا یہ قسم ان، اذا، اذما، متی، متی ما، مھما، کلما میں سے کوئی ایک حرف شرط استعمال کرنے کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً اپنی بیوی سے کہے: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق یا جب داخل ہوئی تو طلاق'' پس جب گھر میں داخل ہونا پایا جائے گا طلاق ہوجائے گی، کیونکہ یہ شرط کے حروف ہیں پس جب شرط پائی جائے گی وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا اگر اس کا داخل ہونا دوبارہ ہوجائے تو دوبارہ طلاق نہ پڑے گی کیونکہ یہ حروف تکرار کا تقاضا نہیں کرتے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی قسم اٹھائی اس کو نافذ کرنا لازم ہے اس میں کفارہ نہیں ہے۔

اگر اپنی بیوی کو یوں کہا: ''تو جب بھی اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے'' تو دخول دار کے ساتھ حانث ہوجائے گا اگر دخول دار مکرر ہو تو طلاق بھی مکرر ہوگی، لہٰذا ہر مرتبہ ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ ''کلما'' کا لفظ فعل کا تکرار چاہتا ہے اور وہ ''دخول'' فعل پر داخل ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب دخول دار اسی نکاح میں مکرر ہو۔ اگر اس کو تین طلاقیں ہوجائیں پھر دوسری جگہ وہ نکاح کرے پھر پہلے شوہر کی طرف لوٹے اور اسی گھر میں داخل ہوجائے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام حنفیوں کے ہاں طلاق نہ ہوگی کیونکہ جزاء کا محل فوت ہوگیا ہے۔ اگر کہا ''جس عورت سے میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے'' پھر ایک عورت سے شادی کی تو طلاق ہوجائے گی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے پھر دوبارہ اگر اسی عورت سے شادی کی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ طلاق زواج پر موقوف ہے۔

تعلیق بالشرط کے علاوہ کیونکہ اس نے طلاق ایسی عورت پر واقع کی ہے جس سے وہ شادی کرے اور نکاح سے وہ اس کی بیوی کہلائے۔ اگر دوسری عورت سے نکاح کیا اس کو بھی طلاق ہوجائے گی کیونکہ ''کل'' کا لفظ اسماء کے عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی جو بھی عورت نام کے ساتھ متصف ہو اور ''کل'' افعال کے عموم وتکرار کا فائدہ نہیں دیتا۔

ایک قسم میں دو شرطوں کو جمع کرنا..... اگر قسم اٹھانے والے نے حرف عطف واو کے ذریعے دو شرطوں کو جمع کیا تو طلاق دونوں شرطوں کے پائے جانے کے بعد ہی واقع ہوگی۔ مثلاً کہے: ''اگر تو اس گھر اور اس گھر میں داخل ہوں تو تجھے طلاق'' تو دونوں گھروں میں داخل ہونے کے بعد ہی طلاق واقع ہوگی چاہے شرط کلام میں مقدم ہو یا مؤخر یا درمیان میں اور ان گھروں میں داخل ہونے میں ترتیب بھی شرط نہیں، کیونکہ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے اور ایک شئی کو دوسری اسی جنس پر عطف کرنے کے لئے، لہٰذا شرط کا عطف شرط پر ہوگا جزاء پر نہیں۔ اس طرح اگر عطف فاء کے ذریعے کیا تو بھی دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً یوں کہا: اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی (پھر ''فا'' کے ساتھ فھذہ

الـدار کہا) پس تجھے طلاق ہے اس صورت میں دونوں گھروں میں ترتیب اور ایک دوسرے کے بعد بغیر مہلت کے داخل ہونا شرط ہے۔ اس طرح ''ثـم'' کے ساتھ عطف میں بھی دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً کہا: اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی پھر اس گھر میں تو تجھے طلاق ہے تو طلاق واقع ہوگی جب دونوں گھروں میں ترتیب اور مہلت کے ساتھ داخل ہو یعنی پہلے ایک گھر میں داخل ہو تو کچھ وقفہ کے بعد دوسرے میں داخل ہو کیونکہ ثم ترتیب مع التراخی کے لئے ہے۔ دونوں شرطوں کو جمع کرنے کی صورت میں حکم میں کوئی فرق نہیں آتا چاہے حرف عطف فعل کے ساتھ دوہرایا جائے یا فعل کے بغیر۔ فعل کے ساتھ جیسے اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی اور اس گھر میں داخل ہوئی واو، فـاء یا ثـم کے ساتھ یہی حکم ہے۔

اگر اس نے کہا ''قسمیں مجھے لازم ہیں'' تو مالکیہ کے ہاں اس صورت میں عرف مراد ہے اور بعض علاقوں میں اس سے مراد تین طلاقیں ہوتی ہیں لہٰذا لازم ہو جائیں گی۔

قسموں کا ایک یا دو مجلسوں میں دوہرانا...... اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ خدا کی قسم میں فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر اسی مجلس یا دوسری میں یہی قسم دھرائی یا اپنی بیوی سے کہا اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر تھوڑی دیر بعد یہی جملہ دھرایا، تو یہاں تین احتمال ہیں۔

(الف)...... یا دوسرے جملے سے کوئی نیت نہیں یا دوسرے جملے سے شدت پیدا کرنی ہے یا دوسرے جملے سے پہلا والا ہی مراد ہے۔ اگر کوئی نیت نہ ہو تو یہ دو قسمیں ہیں یہاں تک کہ اگر اس نے گفتگو کر لی تو دو کفارے لازم ہوں گے اور طلاق کی صورت میں دو طلاقیں ہوں گی اگر شرط پائی جائے۔ ❶

(ب)...... اگر دوسری قسم سے تغلیظ مقصود تھی تو بھی دو قسمیں ہیں: اور کلام کی صورت میں دو کفارے اور طلاق کی صورت میں دو طلاقیں ہوں گی۔ ان دونوں صورتوں کی دلیل یہ ہے کہ اس نے جس پر قسم اٹھائی اور جس لفظ کے ساتھ اٹھائی ان دونوں کو دھرایا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس نے دوسری قسم کا ارادہ کیا ہے۔ ❷

(ج)...... اگر دوسرے جملے سے پہلا ہی مراد ہے تو ایک قسم ہوگی کیونکہ اس صورت میں تکرار کی نیت کی ہے اور تاکید کے لئے عرف میں اس طرح استعمال ہوتا ہے لیکن طلاق کے مسئلے میں عدالتی کاروائی میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاہم فتویٰ کی رو سے اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس کا کلام قسم کے دھرانے میں ظاہر ہے تو ظاہر کے خلاف نیت کرے گا تو اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملے کے اعتبار سے اس کی بات مانی جائے گی۔ مالکی حضرات نے احناف رحمۃ اللہ علیہم کی طرح فرمایا ہے کہ جب ایک چیز پر کئی مرتبہ قسم اٹھائے تو کئی قسمیں ہوں گی اور ہر قسم کا کفارہ ہوگا البتہ اگر تاکید وغیرہ کی نیت کرے تو ایک قسم ہوگی۔ حنبلی حضرات فرماتے ہیں: اگر ایک شے پر قسم کو دھرایا مثلاً اللہ کی قسم میں قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم میں قریش سے جنگ کروں گا۔ اللہ کی قسم میں قریش سے جنگ کروں گا اور پھر قسم توڑ دے تو ایک ہی کفارہ ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں ❸ ایک حنابلہ اور دوسرا مالکیہ کی طرح ہے راجح قول مالکیہ کی طرح ہے۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کیا قسموں کی جنس الگ ہونا قسموں کے متعدد ہونے کا سبب ہے یا گنتی اور عدد میں ایک سے زیادہ ہونا معتبر ہے لہٰذا جنہوں نے ''عدد'' کا اختلاف معتبر مانا تو ان کے نزدیک ہر قسم پر الگ کفارہ ہے جب مکرر ہو اور جس نے جنس کے الگ ہونے کا اعتبار کیا تو ان کے ہاں ایک ہی کفارہ ہے اس مسئلہ میں کیونکہ جنس ایک ہی ہے۔

---

❶...... البدائع ص ۱۰ الفتاویٰ الهندية: ۲/۵۳، تحفة الفقهاء ۲/۴۴۶ ومابعدها۔ ❷المغنی ۸/۷۰۵۔ ❸المهذب ۲/۱۳۱ مغني المحتاج ۴/۳۲۳۔

تیسری بحث قسم کے صحیح ہونے کی شرائط.....قسم کے صحیح ہونے کے لئے حنفیوں نے چند شرائط لگائی ہیں: قسم اٹھانے والے کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ قسم اٹھانے والا عقلمند اور بالغ ہو اور قسم کے نیت کر سکتا ہو لہٰذا بچے، پاگل اور سوئے ہوئے کی قسم معتبر نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حالف مسلمان ہو لہٰذا کافر کی قسم نہ ہوگی کیونکہ قسم کا کفارہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ کفارے کے عبادت ہونے پر دلیل یہ ہے: کہ کفارہ نیت کے بغیر ادا نہیں ہوتا اسی طرح حانث کے علاوہ کوئی اور ادا کرے تو بھی ادا نہ ہوگا یہ دونوں حکم عبادات کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ عبادت کے علاوہ میں نیت شرط نہیں اور قرض، غصب وغیرہ دوسرے کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتے ہیں: لہٰذا کافر عبادت کا اہل نہیں تو اس کی قسم سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔ حنفیوں کے علاوہ باقی حضرات فرماتے ہیں ❶ کہ کافر کی قسم بھی درست ہے اور اس پر کفارہ لازم ہوگا خواہ کفر میں حانث ہو یا اسلام لانے کے بعد۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں اعتکاف کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ❷ نیز کافر اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانے کا اہل ہے ”ارشاد ربانی دلیل ہے“ پس وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے ہیں۔ المائدہ ۵/۱۰۶

البتہ آزاد ہونا شرط نہیں لہٰذا غلام کی قسم بھی درست ہے اور غلامی کی حالت میں وہ صرف روزوں کا کفارہ ادا کر سکتا ہے اسی طرح حنفیوں اور مالکیوں کے ہاں اپنے اختیار سے قسم اٹھانا بھی شرط نہیں لہٰذا جس پر جبر کیا جائے اس کی قسم بھی درست ہے کیونکہ ان تصرفات میں سے ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے لہٰذا جبر قسم میں کوئی اثر نہیں ڈالے گا جس طرح طلاق نذر وغیرہ میں۔

امام شافعی واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حالف کا مختار ہونا شرط ہے لہٰذا مکرہ (جس پر جبر کیا جائے) کی قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر قہر و جبر کیا جائے اس کی قسم نہیں ہے ❸ اور اس لئے بھی کہ اس بات پر اس کو ناحق مجبور کیا گیا لہٰذا درست نہیں جس طرح کفر کا کلمہ زبردستی کہلوایا جائے جیسا کہ اس کا بیان قسم کی قسموں میں گزر چکا۔

جس چیز پر قسم اٹھائی جائے اس کی شرطیں.....امام ابوحنیفہ ومحمد وزفر رحمہم اللہ کے ہاں جس چیز پر قسم اٹھائی جائے (محلوف علیہ) کے لئے ایک ہی شرط ہے کہ اس کا پایا جانا ممکن ہو ❹ قسم کے وقت حقیقت میں پائی جائے اور قسم کی باقی رہنے کی حالت میں بھی۔ یا آئندہ کسی کام پر قسم اٹھانے اور قسم کے باقی رہنے کی بھی شرط ہے لہٰذا جس کا پایا جانا محال ہو اس کام کی قسم منعقد نہ ہوگی اسی طرح اگر وہ کام قسم کے بعد ایسا ہو جائے کہ اس کا پایا جانا محال ہو تو قسم باقی نہ رہے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قسم کے منعقد ہونے اور باقی رہنے کے لئے شرط نہیں ہے بس شرط یہ ہے کہ قسم آئندہ کسی کام کی اٹھائی جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اس بات پر متفق ہیں کہ قسم کے منعقد ہونے کے لئے اس کام کا عادت کے اعتبار سے پایا جانا ضروری نہیں البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضروری قرار دیا ہے کہ اس کے بغیر قسم منعقد نہ ہوگی۔ یہ اختلاف حقیقی محال اور عادی محال کی مثالوں سے واضح ہو جائے گا اس کی بعض مثالیں قسم کی اقسام میں گزر چکی ہیں: پہلی قسم کی مثالیں یعنی حقیقی محال کی مثالیں اگر کوئی آدمی کہے: ”بخدا میں اس برتن میں موجود پانی پیوں گا اور پتہ چلا کہ اس میں پانی نہیں ہے تو یہ قسم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہ وزفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں منعقد نہ ہوگی کیونکہ قسم کے تحقق کی شرط نہیں پائی گئی (یعنی اس برتن میں موجود پانی کے پینے کا متصور ہونا) اور امام ابو یوسف کے ہاں قسم منعقد ہوگی کیونکہ ان کی رائے کے مطابق شرط پائی گئی یعنی محض مستقبل کی طرف اس کام کا منسوب ہونا اگر قسم اٹھانے والا جانتا ہو کہ برتن میں پانی نہیں تو یہ محال عادی ہے لہٰذا حنفی آئمہ ثلاثہ کے ہاں قسم منعقد ہو جائے گی

❶.....مغنی المحتاج ۴/۳۲۰ المغنی ۸/۶۷۶ المیزان للشعرانی ۲/۱۳۰۔ ❷ صحاح ستہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں: یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف کروں گا۔ فرمایا: اپنی نذر پوری کرو، بخاری نے اضافہ فرمایا: ”ایک رات کا اعتکاف کرو“ امر کے صیغہ کے ساتھ۔ جامع الاصول ۱۲/۱۸۵۔ الالمام ص ۳۱۲ سبل السلام ۴/۱۱۵، نیل الاوطار ۸/۲۴۹ نصب الرایہ ۳/۳۰۰۔ ❸ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ ❹ یعنی اس قسم کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

سوائے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اختلاف اس صورت میں بھی ہوگا جب قسم کو وقت کے ساتھ بیان کرے کہ بخدا میں آج اس برتن میں موجود پانی پیوں گا اگر حالف نے کہا: ''بخدا میں فلاں کو قتل کروں گا'' اور فلاں آدمی مر چکا تھا لیکن حالف کو اس کے مرنے کی خبر نہیں تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہ وزفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قسم منعقد نہ ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں منعقد ہوگی۔ یہ اختلاف اس صورت میں بھی ہوگا جب کوئی کہے: ''بخدا میں فلاں کا قرض کل ادا کروں گا'' پھر اسی دن ادا کر دیا یا صاحب قرض نے کل آنے سے پہلے ہی اسے معاف کر دیا تو طرفین وزفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ والشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح شوہر نے طلاق کی قسم میں کہا: اگر میں یہ پانی آج نہ پئوں تو میری بیوی کو طلاق ہے پھر وہ دن ختم ہونے سے پہلے ہی پانی گرا دیا گیا تو طرفین وزفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث نہ ہوگا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ والشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہاں حانث ہو جائے گا۔

دوسری قسم یعنی جو عادۃً محال ہو اس کی مثالیں...... اگر کوئی کہے: ''اللہ کی قسم میں آسمان کو ضرور چھوؤں گا'' ''یا آسمان پر چڑھوں گا'' اس پتھر کو سونا بناؤں گا، اس کا حکم یہ ہے کہ تینوں حنفی ائمہ کے ہاں سوائے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قسم منعقد ہو جائے گی۔

دلائل..... محال حقیقی پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسم اٹھانے والے نے اپنے حانث ہونے کے لئے شرط لگائی کہ مذکورہ کام قتل، پانی پینا وغیرہ نہ پائے جائیں جب شرط پائی جائے تو حانث ہو جائے گا جس طرح محال عادی میں ہوتا ہے طرفین اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسم منعقد ہوتی ہی اسی لیے ہے کہ اس کو پورا کیا جائے اور کفارہ اس لیے لازم ہوتا ہے کہ قسم توڑنے سے لازم ہونے والے گناہ کو چھپایا جائے پس جب اس قسم کو پورا کرنا ممکن ہی نہیں تو قسم کے منعقد کرنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں اس لئے منعقد نہ ہوگی اس کے برخلاف جو محال عادی ہے اس میں قسم کا پورا کرنا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آسمان پر چڑھنے کی قدرت عطا فرمائیں جس طرح انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کو یہ قدرت عطا فرمائی ہے لیکن عادت کے اعتبار سے چونکہ وہ شخص عاجز ہے لہٰذا عادۃً قسم کو پورا نہ کرسکنے کی وجہ سے حانث ہو جائے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے محال عادی میں قسم کے منعقد نہ ہونے کی یہ دلیل دی ہے کہ محال عادی محال حقیقی کی طرح ہے تو جس طرح محال حقیقی میں قسم منعقد نہیں ہوتی اسی طرح محال عادی میں بھی نہ ہوگی۔ محال عادی میں قسم کے منعقد ہونے پر جمہور حنفیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی بھی چیز کی حقیقت اور عادت دونوں کی رعایت رکھنی چاہئے جب تم نے قسم کا منعقد ہونا ثابت کیا تو گویا حقیقت اور عادت دونوں کا اعتبار کیا اور یہ صرف عادت کا اعتبار کرنے سے بہتر ہے یا حقیقت کو بالکل کو لغو کر دینے سے جس طرح کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے۔

خلاصہ...... یہ ہے کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے محال حقیقی اور عادی دونوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ قسم منعقد نہیں ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو برابر قرار دیا کہ قسم منعقد ہوگی اور طرفین نے محال حقیقی میں قسم کو غیر منعقد اور محال عادی میں منعقد قرار دے کر دونوں قسموں میں فرق کیا۔

باقی ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی محال عادی میں جمہور حنفیوں کی رائے کی موافقت کی ہے البتہ محال عقلی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ میں سے قاضی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متفق ہیں جس طرح کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالخطاب حنبلی طرفین اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اس سب کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

قسم کے رکن کی شرط...... جو لفظ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم میں استعمال ہو وہ مقسم بہ اور مقسم علیہ سے مرکب ہوتا ہے۔ مقسم بہ کی بحث قسم کے صیغوں کے عنوان کے تحت ہو چکی ہے۔ ''قسم میں استثناء'' جمہور فقہاء کرام نے شرط لگائی ہے کہ قسم استثناء سے خالی ہونی چاہئے مثلاً ''انشاء اللہ'' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، یا ''ماشاء اللہ'' وغیرہ الفاظ نہ کہے یا اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ظاہر ہو جائے یا اگر اس کے علاوہ دیکھوں یا اس کے علاوہ پسند کروں یا کہے اگر اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی یا اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہو یا اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ یا اس کے آسان

کرنے کے ساتھ وغیرہ الفاظ استعمال نہ کرے۔ اگر قسم اٹھانے والے نے اوپر ذکر کردہ الفاظ میں سے کوئی قسم کے ساتھ ملا کر کہا تو اس کی قسم نہ ہوگی یعنی استثناء کو قسم میں بالاتفاق دخل حاصل ہے البتہ اگر استثناء دیر سے کیا تو قسم منعقد ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی اور انشاء اللہ کہا تو حانث نہیں ہوگا (1) اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ جس نے قسم اٹھائی اور استثناء کیا تو اگر چاہے تو رجوع کرے اگر چاہے تو چھوڑ دے (2) اس حدیث میں **من حلف فاستثنی** کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ استثناء متصل ہو (کیونکہ ''فاء'' تعقیب بلاتراخی کے لئے ہے)۔

استثناء اگر ان شاء اللہ سے یا ''الا'' سے تو اس سے قسم کے غیر منعقد ہونے کے لئے مالکی حضرات نے تین شرطیں ذکر فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ انشاء اللہ وغیرہ کا تلفظ زبان سے کیا جائے صرف اس کی نیت کافی نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ کہ انشاء اللہ وغیرہ قسم کے ساتھ ملے ہوئے ہوں البتہ کھانسی، چھینک یا جمائی وغیرہ سے فرق نہیں پڑے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تھوڑا سا وقفہ یا دھانی یا سانس لینے یا آواز کے ختم ہونے کی وجہ سے ہو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ استثناء سے مقصود قسم کو ختم کرنا ہو اگر اس کا مقصد قسم کو پکا کرنا یا اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا یا ان الفاظ سے ادب یا برکت حاصل کرنا ہو تو استثناء کے باوجود قسم ہو جائے گی تاہم نذر اور منت میں انشاء اللہ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ باقی فقہاء کرام پہلی دو شرطوں میں ان حضرات کے ساتھ متفق ہیں۔ (3) اگر حالف یہ کہے: ''اگر فلاں چاہے'' تو اگر اس کی چاہت کا علم نہ ہو اس وجہ سے کہ وہ موجود نہیں یا پاگل ہے یا فوت ہو چکا ہے تو قسم ختم ہوگئی کیونکہ شرط نہیں پائی گئی اور اگر اس کی چاہت کا پتہ چل جائے اور وہ چاہے تو حالف پر وہ کام لازم ہو جائے گا۔

چوتھی بحث.....وہ افعال اور کام جن پر قسم اٹھائی جاتی ہے

اس قسم کے احوال کا ذکر ہے۔ عام طور پر انسان ان کاموں پر قسم اٹھاتا ہے جو اس کو اکثر پیش آتے ہیں۔ مثلاً کھانا، پینا گھر میں داخل ہونا، نکلنا، بیٹھنا، سوار ہونا، کپڑے پہننا، گفتگو کرنا اور مارنا وغیرہ اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان افعال پر اپنے آپ کو ابھارا جائے یا نفس کو ان سے روکا جائے تو اگر وہ اپنی قسم کے خلاف کرے تو حانث ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کو یہ نام دیا جائے۔ ''جن کاموں کا لوگوں میں کثرت سے پایا جانا ہے'' جن پر گفتگو گیارہ مقاصد میں ہوگی ان افعال کی قسم کے حالات کا بیان، ان مقاصد کو شروع کرنے سے پہلے فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اختلافی مسائل کو ثابت کرتا ہوں نیز وہ مسائل جن کے جاننے پر اصل مقاصد موقوف ہیں ان کو ذکر کرتا ہوں۔ کیا قسموں کا مدار عرف پر ہے یا نیت پر یا قسم کی لفظ پر؟ احناف فرماتے ہیں کہ قسمیں عرف اور عادت و رواج پر مبنی ہیں نہ کہ نیت اور مقصد پر کیونکہ حالف کا مقصد اس کے نزدیک متعارف معاملہ ہے لہٰذا اس کی قسم اس کی غرض کے ساتھ مقید ہوگی یہی اصول حنفیوں کے ہاں اکثر ہے اور کبھی ان کے ہاں قسموں کا مدار الفاظ پر بھی ہوتا ہے نہ کہ مقاصد پر۔ (4)

شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ قسموں کا تعلق لفظ کے صیغہ سے ہے کیونکہ حقیقت زیادہ حق دار ہے کہ اس کا ارادہ کیا جائے البتہ کسی چیز کی نیت کرے تو اس کی نیت پر عمل کیا جائے گا۔ مثلاً اس نے قسم اٹھائی کہ ''سروں'' کو نہیں کھائے گا اور مچھلی کے ''سر'' کھائے تو جس نے عرف کا

---

(1).....رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجه عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه (راجع جامع الا صول ۲۹۸/۱۲ نصب الراية ۳۰۲/۳) (2) رواہ اصحاب السنن الاربعة (راجع، مجمع الزوائد ۱۸۲/۴، االلمام ص ۴۲۷، نيل الاوطار ۲۱۹/۸ سبل السلام ۱۰۳/۴ والمرجعان السابقان۔ (3) المغنی ۷۱۶/۸ وما بعدها۔ (4) ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں فرمایا (۳۰۴/۱) کہ یہ دونوں قاعدے دوسرے مقید ہیں پس یہ قاعدہ کہ قسموں کا مدار عرف پر ہے تو اس سے مراد وہ عرف ہے جو لفظ سے بھی ثابت ہو سکے اور یہ قاعدہ کہ قسموں کا تعلق الفاظ سے ہے اس سے مراد بھی عرفی الفاظ ہیں جب ان دونوں میں تعارض ہو تو عرف کو ترجیح ہوگی۔

لحاظ رکھا اس کے ہاں حانث نہ ہوگا اور جس نے لفظ کے لغوی معنی کی دلالت کا لحاظ رکھا تو ان کے یہ شخص حانث ہوگا اسی طرح جس نے قسم اٹھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس نے چربی کھائی تو لفظ کی رعایت والوں کے ہاں حانث ہوگا دوسروں کے ہاں حانث نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اکثر وبیشتر لغت کی دلالت کا اعتبار کرتے ہیں جب لغت ظاہر اور شامل ہو اور کبھی عرف کی اتباع کرتے ہیں جب عرف مشہور اور جامع ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مشہور روایت یہ ہے: کہ وہ معاملات جن کا تعلق لوگوں سے نہیں ہے۔ ❶ تو ان میں نیت کا اعتبار ہوگا (یعنی دعووں میں نیت معتبر نہ ہوگی بلکہ اس میں قسم دلوانے والے کی نیت معتبر ہے۔)

اگر نیت نہ ہو تو قرینہ حالیہ کا اعتبار ہوگا اگر قرینہ بھی نہ ہو تو لوگوں کے ہاں اس لفظ سے جو مراد ہو اس کا اعتبار ہوگا اگر عرف بھی نہ ہو تو لغت کی دلالت کا اعتبار ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ نیت یا لفظ کا لغوی معنی مراد لیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ نیت اور قسم کے سبب کا اعتبار ہوگا ❷ جیسے علم معانی میں مقام یا سیاق کا قرینہ کہا جاتا ہے اور نذر ومنت میں انشاء اللہ وغیرہ کا استثناء مفید نہ ہوگا۔ رہی وہ قسمیں جن میں قسم اٹھانے والے کے خلاف عدالتی فیصلہ ہوتا ہے تو فتویٰ کے میدان میں ترتیب کے ساتھ ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا تو اگر اس کے خلاف ہو تو اس میں صرف لفظ کی ہی رعایت کی جائے البتہ اس کی نیت کی تائید اگر قرینہ یا عرف سے ہو تو نیت معتبر ہوگی۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں دلیل کو عرف کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے تو انہوں نے قسموں کو عرف کی طرف لوٹایا ہے اگرچہ الفاظ میں عرف کے خلاف معنی ہو جس طرح کسی نے قسم اٹھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا تو مسجد میں داخل ہونے سے قسم نہ ٹو ٹے گی کیونکہ عرف میں اس کو "بیت" نہیں کہا جاتا۔ ❸ حنبلی حضرات فرماتے ہیں کہ قسموں میں حالف کی نیت کا اعتبار ہے اگر وہ اپنی قسم سے لفظ کا احتمالی معنی مراد لے تو اس کی قسم کو اسی طرف پھیرا جائے گا چاہے اس کا مراد لیا ہوا معنی لفظ کے ظاہر کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ ❹

کیونکہ حدیث پاک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ ❺ اگر اس کی کوئی بھی نیت نہ ہو تو اس سبب کی طرف لوٹیں گے جس نے اس کو قسم پر ابھارا ہے کیونکہ وہ سبب نیت پر دلالت کرے گا۔ اگر اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اس گھر میں رات نہیں گزارے گا، تو اس قسم کا سبب گھر کی نفرت ہو کسی تنگی تکلیف کی وجہ سے جو اس گھر کی وجہ سے لاحق ہوئی تو قسم اس گھر کے ساتھ خاص ہوگی اور اگر اس قسم کی وجہ عورت ہے کہ اس نے کوئی تکلیف پہنچائی ہے اور اس میں گھر کا کوئی دخل نہ ہو تو اس قسم کا تعلق عورت کے ساتھ رات گزارنا ہے جس گھر میں ہو۔ ہم پہلے جان چکے ہیں کہ یہ بحث گیارہ مسائل پر مشتمل ہے:

ا: پہلا مسئلہ: داخل ہونے پر قسم اٹھانا...... میں شروع کرتا ہوں ان افعال سے جن کے کرنے پر قسم اٹھائی جاتی ہے ان میں پہلا گھر یا کسی جگہ میں داخل ہونا ہے کیونکہ یہ ان اہم اسباب میں سے ہے جو مشکلات پیدا کرتے ہیں اور تقاضہ کرتے ہیں کہ اٹھائی ہوئی قسم کو ختم کیا جائے کیونکہ انسان خود یا کوئی اور کسی جگہ میں داخل ہونے سے رکا ہوا ہوتا ہے۔ "دخول کا معنی" باہر سے اندر منتقل ہونے کو دخول کہا جاتا ہے۔ اگر

---

❶ ......جن چیزوں کا تعلق حقوق العباد وغیرہ سے ہے تو اس میں میں حالف کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ❷ حدود ابن عرفہ ص ۱۳۷ ❸ الاعتصام ۱۴۱/۲۔ ❹ تبیین الحقائق ۱۱۶/۳، البدائع: ۳۸/۳، الفتاویٰ الهنديه ۶۳/۲ الدرالمختار ۷۸/۳ رسائل ابن عابدين ۲۹۲/۱، الاشباه والنظائر لا بن نجيم ص ۸۲، بداية المجتهد ۳۹۸/۱، ۴۰۲ وما بعدها الشرح الكبير للدر دير ۱۳۵/۲، ۱۳۹، مغنى المحتاج ۳۳۵/۴، المغنى، ۷۶۳/۸ القوانين الفقهية ص ۱۶۱۔۱۷۱۔ ❺ رواه البخارى ومسلم عن عمر رضى الله تعالىٰ عنه یہ متواتر حدیث ہے تیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ (شرح مسلم ۵۳/۱۳ الاربعين النووية ص ۱۶، النظم المتناثر من الحديث المتواتر للسيد جعفر الكتانى ص ۱۷۔

کسی نے قسم اٹھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا حالانکہ وہ اس میں تھا پھر قسم کے بعد اس میں ٹھہرا رہا تو استحساناً حانث نہ ہوگا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حانث ہو جائے یہی قول ہے حنفیوں کے علاوہ حضرات کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل پر باقی رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نئے سرے سے فعل کیا ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دخول کا معنی اس میں نہیں پایا جا رہا کیونکہ دوام ٹھہرنا ہے اور ٹھہرنا انتقال نہیں ہے (جب کہ دخول کا معنی باہر سے اندر منتقل ہونا ہے لہٰذا دوام میں نہیں پایا جا رہا) اگر قسم اٹھائی کہ گھر، مسجد یا حمام میں داخل نہیں ہوگا تو جس طرح بھی داخل ہو چاہے دروازے سے داخل ہو یا کسی اور طرح سے حانث ہو جائے گا کیونکہ داخل ہونا پایا گیا اگر اس کی چھت پر اترا تو شوافع کے علاوہ باقی جمہور کے ہاں حانث ہوگا کیونکہ چھت بھی گھر کا حصہ ہے اسی طرح اگر اس کی کسی دیوار پر کھڑا ہو جائے تو بھی حانث ہوگا کیونکہ وہ بھی گھر میں داخل ہے لہٰذا دیوار چھت کی طرح ہوگی یہی مذہب مالکی اور حنبلی حضرات کا ہے کہ چھت گھر کا حصہ ہے اس کا بھی وہ حکم ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ اگر باہر سے چھت پر چڑھ جائے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ چھت کو لغت اور عرف میں گھر کے اندر شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ چھت ایک رکاوٹ ہے جو گھر کو گرمی، سردی وغیرہ سے بچاتی ہے لہٰذا یہ دیواروں کی طرح ہے۔

اگر گھر کے سائبان پر کھڑا ہوا تو اگر ان کے کھلنے کا رخ گھر کی طرف ہے تو حانث ہوگا کیونکہ اس کی نسبت گھر کی طرف کی جاتی ہے اس لئے گھر کا حصہ ہوگا اگر وہ باہر کی طرف رخ ہو تو حانث نہ ہوگا۔ اگر دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑا ہو جائے تو اگر دروازہ بند ہونے کی صورت میں چوکھٹ باہر رہتی ہو تو حانث نہ ہوگا اگر اندر کی طرف ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ دروازہ گھر میں شامل چیزوں پر بند کیا ہے نہ کہ گھر سے باہر کی چیزوں پر۔ اگر گھر کی دہلیز میں داخل ہوا تو حنفی شافعی حضرات کے اتفاق سے حانث ہے کیونکہ دہلیز گھر میں داخل ہے۔ اگر گھر کے دروازے کے چھجے میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ سائبان گھر سے خارج ہے۔ اگر حالف نے اپنی ایک ٹانگ گھر میں داخل کی اور دوسری داخل نہ کی تو بالاتفاق حانث نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں داخل ہونا نہیں پایا گیا (یعنی مکمل منتقل ہونا) کیونکہ دخول بعض کا ہوا ہے اسی طرح اگر سر داخل کرے اور قدموں کو داخل نہ کرے۔ ❶

اگر قسم اٹھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کے گرنے کے بعد داخل ہوا اور تعمیر باقی نہیں تو حانث نہ ہوگا اگر اس نے جس پر قسم اٹھائی اس کو متعین کیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا پھر اس کی قسم کے بعد تعمیر ختم ہوگئی پھر داخل ہوا تب بھی حانث ہوگا دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے: کہ جب حالف گھر کو متعین کئے بغیر ذکر کیا تو اس سے مراد عرف میں تعمیر شدہ گھر ہوتا ہے تو جب تعمیر نہ پائی گئی حانث نہ ہوگا اور جب گھر کو متعین کیا تو یہ متعین چیز کی طرف اشارہ ہے تو اس سے متعین چیز کی ذات مراد ہے صفت مراد نہیں ہے کیونکہ صفت تو پہچان کے لئے ہوتی ہے اور اشارہ پہچان کے لئے کافی ہے اور گھر کی ذات گرنے کے باوجود قائم ہے کیونکہ ''دار'' تو خالی کھلی جگہ کو کہا جاتا ہے: کہا جاتا ہے یہ دار تعمیر شدہ ہے اور یہ دار غیر تعمیر شدہ ہے عربی کے اشعار اس کی گواہی دیتے ہیں:

اور کھلی جگہ عمارت کے گرنے کے بعد بھی موجود ہے۔ اگر تعمیر دوبارہ کردی گئی اور اس میں داخل ہوا تو حانث ہوگا خواہ لفظ دار نکرہ ہو یا معرفہ ❷ شافعی اور مالکی حضرات فرماتے ہیں: اگر اس نے گھر کو متعین کیا تھا اور وہ گر گیا پھر خالی میدان رہا یا اس میں کوئی دکان، مسجد، باغ یا حمام وغیرہ بنا دیا گیا اور وہ شخص اس میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس سے ''دار'' کا لفظ ختم ہو چکا ہے پھر اس کی تعمیر نئے پتھروں اور سیمنٹ وغیرہ سے کی تو اس میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔

---

❶..... البدائع ۳/۳۶، المبسوط ۱۶۸/۸، الفتاویٰ الھندیہ ۶۴/۲، تبیین الحقائق ۱۱۸/۳، فتح القدیر ۲۹/۴، ۳۴، الدر المختار: ۸۰/۳، المغنی ۷۷۲/۸، ۷۷۵، ۷۷۸۔ مغنی المحتاج ۳۳۲/۴، المھذب ۱۳۲/۲ القوانین الفقھیۃ ص ۱۶۲ الشرح الکبیر ۱۵۴/۲۔ ❷ البدائع ص ۳۷ الدر المختار ۸۱/۳، فتح القدیر ۳۰/۴، ۳۲ شاعر نے کہا: دار دار ہے اگرچہ اس کی دیواریں گر جائیں اور بیت گر جانے کے بعد بیت نہیں ہے۔

کیونکہ وہ اس گھر کا غیر ہے اور اگر کسی پرانی حالت پر تعمیر کیا گیا تو اس میں دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ حانث ہوگا دوسری یہ کہ حانث نہ ہوگا۔

مسجد میں داخل نہ ہونے پر قسم......اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ اس مسجد میں داخل نہ ہوگا اگر وہ گر کر صحراء ہوگئی پھر داخل ہوا تو بھی حانث ہوگا کیونکہ وہ مسجد ہے اگر چہ تعمیر شدہ نہیں اور اگر مسجد کی چھت پر گیا تو بھی حانث ہوگا کیونکہ وہ مسجد ہے۔

بیت میں داخل نہ ہونے کی قسم......اگر قسم اٹھائی کہ فلیٹ یا اس فلیٹ میں داخل نہ ہوں گا پھر اس کے گرنے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ''بیت'' اس کو کہتے ہیں جس میں رات گزاری جائے اور رات تو تعمیر شدہ میں گزاری جاتی ہے اسی طرح بیت کا لفظ صرف تعمیر شدہ چھت والی عمارت پر ہی بولا جاتا ہے۔ ''خیمے میں داخل نہ ہونے کی قسم اٹھانا'' اگر قسم اٹھائی کہ اس خیمے میں داخل نہ ہوں گا اور وہ کسی جگہ میں لگایا گیا تھا پھر اکھاڑ کر کسی دوسری جگہ لگا دیا گیا پھر اس میں داخل ہوا تو حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم اس چیز کی ذات پر ہوتی ہے اور جگہ بدلنے سے اس کی ذات نہیں بدلی۔

دیوار یا ستون سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھنے کی قسم......اگر قسم اٹھائی کہ اس دیوار یا ستون سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھوں گا پھر وہ دیوار یا ستون گر گئے پھر اسی ملبے سے ان کو تعمیر کیا گیا پھر وہ شخص بیٹھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ نئی چیز پرانی کا غیر ہے کیونکہ دیوار جب گر گئی تو اس کا نام ختم ہوگیا اسی طرح ستون ہے۔

قلم، چاقو وغیرہ پر قسم اٹھانا......اگر قسم اٹھائی کہ اس قلم سے نہیں لکھوں گا پھر قلم توڑ دیا کہ اس کی صورت بدل گئی پھر اسے چھیل کر اس سے لکھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جب اس کو توڑا تو اس پر سے قلم کا نام ختم ہوگیا لہٰذا قسم باطل ہوگئی اسی طرح اگر چاقو، چھری یا تلوار پر قسم اٹھائی پھر اس کو توڑ دیا اور دوبارہ بنایا تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ توڑ دینے سے چیز کا نام بدل جاتا ہے۔ اگر حالف نے چاقو یا چھری کے دستہ کی جگہ دوسرا لگا دیا تو حانث ہوگا کیونکہ اس کا نام ختم نہیں ہوا صرف ترکیب کی صفت بدلی ہے۔

قسم اٹھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کو باغ یا مسجد وغیرہ بنایا گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ نفع اور استعمال کے اعتبار سے الگ چیز ہے۔

اگر قسم اٹھائی کہ ''بیت'' میں داخل نہ ہوگا پھر مسجد، چرچ، مندر میں داخل ہوا یا کعبہ میں داخل ہوا یا حمام میں، یا دہلیز یا سائبان میں داخل ہوا تو بالاتفاق حانث نہ ہوگا کیونکہ بیت اس کو کہتے ہیں جس کو رات گزارنے کے لئے بنایا گیا ہو اور یہ جگہیں رات گزارنے کے لئے نہیں بنائی گئیں نیز عرف میں ان کو بیت نہیں کہا جاتا اور یہ بات معلوم ہے کہ حنفیوں کے ہاں قسموں کا مدار عرف پر ہے اسی طرح ہمارے عرف میں چبوترے میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کو بھی عرف میں بیت نہیں کہا جاتا۔ یہی ثابت شدہ حکم ہے شوافع کے ہاں کیونکہ یہ چیزیں ''بیت'' میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ ''بیت'' کا لفظ اس کے لئے ہے جس میں رہائش اور ٹھکانا اختیار کیا جائے اور یہ چیزیں نہ تو اس کے لئے بنائی گئی ہیں نہ عرف میں ان پر گھر کا لفظ بولا جاتا ہے اور ان کے ہاں قسم ٹوٹ جائے گی جس رہائش کے لئے بنائی ہوئی چیز میں داخل ہو خواہ وہ گارے کی ہو یا پتھر، اینٹ کی یا خیمہ ہو یا کھال یا اون وغیرہ سے بنایا ہوا ہو کیونکہ لغت کے لحاظ سے ان پر بھی بیت کا لفظ بولا جاتا ہے قسم اٹھانے والا شہری ہو یا دیہاتی مالکی حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے اور فرمایا کہ اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے پاس بیت میں داخل نہیں ہوگا پھر حمام میں اس کے پاس داخل ہوا تو حانث ہوگا البتہ مسجد میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔

''گھر کے دروازے سے داخل نہ ہونے کی قسم''......اگر قسم اٹھائی کہ اس گھر کے دروازے سے داخل نہ ہوگا پھر دروازے کے علاوہ کسی جگہ سے داخل ہوا تو بالاتفاق حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ شرط یعنی دروازے سے داخل ہونا نہیں پائی گئی۔ اگر اس گھر میں ایک اور دروازہ بنایا اور اس سے داخل ہوا تو حانث ہوجائے گا کیونکہ قسم اس دروازے کی تھی جو بھی اس گھر کی طرف منسوب ہو لہٰذا پرانا اور نیا دونوں برابر ہیں تاہم

اگر اس نے اپنی قسم میں دروازہ بھی متعین کیا ہوتو حانث نہ ہوگا۔ اگر اس نے نیت کی لیکن الفاظ میں متعین نہ کیا تو آخرت کے معاملہ میں اس کی تصدیق کر دی جائے گی کیونکہ لفظ میں اس کا احتمال ہے لیکن عدالتی کاروائی میں اس کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ وہ مطلق سے مقید مراد لے رہا ہے۔

اگر قسم اٹھائی کہ گھر کے دروازے سے داخل نہ ہوگا تو جس دروازے سے بھی داخل ہو حانث ہوگا البتہ اگر اس نے کوئی خاص دروازہ مراد لیا تو فتویٰ میں اس کی تصدیق کی جائے گی عدالتی فیصلے میں تصدیق نہ ہوگی۔ ❶

کسی خاص آدمی کے گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم...... اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوگا اور پھر اس گھر میں داخل ہو جس میں وہ فلاں اور کوئی بھی رہتے ہیں تو فلاں شخص اس میں کرایہ پر رہتا ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی اسی طرح اگر فلاں آدمی اس گھر کے بعض حصہ کا مالک ہو تو بھی یہ حانث ہو جائے گا۔ اگر وہ اس میں نہ رہتا ہو تو حانث نہ ہوگا کیونکہ گھر دو کی طرف منسوب کیا گیا ہے ملکیت کی اضافت کے ساتھ اور پورا گھر کسی ایک کا بھی نہیں ہے کیونکہ کچھ حصہ کو گھر تو نہیں کہا جاتا۔ گھر کا مسئلہ اس صورت سے مختلف ہے جب قسم اٹھائی کہ فلاں کی زمین کو کاشت نہیں کروں گا پھر ایسی زمین کاشت کی جو فلاں اور کسی اور کے درمیان مشترک ہو اس صورت میں حانث ہوگا کیونکہ زمین کا ہر حصہ زمین کہلاتا ہے جبکہ گھر کا بعض گھر نہیں کہلاتا۔ مالکی حضرات اور شوافع کی بھی راجح روایت یہ ہے۔ ❷ جس نے قسم اٹھائی کہ زید کی پاس داخل نہیں ہوگا پھر داخل ہوا ایسے گھر میں جس میں زید تھا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس پر داخل ہونے کی صورت پائی گئی، لیکن اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کو سلام نہیں کروں گا پھر ایک مجمع کو سلام کیا جس میں زید بھی تھا لیکن اس نے زید کا استثناء کیا تو حانث نہ ہوگا۔ اگر زید کا استثناء نہ کیا تو ظاہر روایت یہ ہے کہ حانث ہوگا جس طرح داخل ہونے کے مسئلہ میں ہے۔

فلاں کے گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم...... اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوگا اس کی کوئی خاص نیت نہ تھی پھر اس کے رہائشی گھر کے صحن میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ صحن کو گھر نہیں کہا جاتا گھر تو وہ ہے جس میں رات گزاری جائے اور صحن میں رات نہیں گزاری جاتی اگر اس نے نیت کی تو حانث ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اوپر زیادہ سختی کی ہے۔

گھر میں داخل نہ ہونا مگر صرف گزرتے ہوئے...... اگر قسم اٹھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا مگر صرف بطور راستے کے گزرتے ہوئے پھر داخل ہوا اور بیٹھنے کا ارادہ نہ تھا تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ وہ اپنی استثناء کردہ صفت پر داخل ہوا ہے۔ اگر کسی بیمار کی عیادت کے لئے اس گھر میں داخل ہوا اور اس کے پاس بیٹھنے کا ارادہ بھی تھا تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ وہ اپنی استثنائی صفت کے علاوہ داخل ہوا۔ اگر بیمار کے پاس بیٹھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن اندر داخل ہونے کے بعد خیال آیا اور بیٹھ گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ صرف داخل ہونے سے تو حانث نہ ہوا تو پھر دخول پر باقی رہنا تو دخول نہیں ہے۔ اگر اس شخص نے اپنے اس استثناء سے ''مگر صرف بطور راستے کے گزرتے ہوئے'' پھر مراد لیا تھا کہ اس میں دوام اور ہمیشگی نہ ہوگی تو صرف بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ ''عابر سبیل'' اس کو کہا جاتا ہے جو دائمی اور لمبا قیام نہ کرے۔ ❸

فلاں پر داخل نہ ہونے کی قسم...... اگر قسم اٹھائی کہ فلاں پر داخل نہ ہوگا پھر اس کے گھر میں اس پر داخل ہوا تو اگر گھر میں ہونے سے اس کے پاس جانے کی نیت تھی تو حانث ہوگا اگر اس کا ارادہ نہ تھا تو حانث نہ ہوگا اس طرح اگر کسی اور کے گھر اس کے پاس گیا تو اگر اس گھر میں جاتے ہوئے اس شخص پر داخل ہونے کی نیت نہ تھی تو حانث نہ ہوگا اس کے پاس داخل ہونے میں نیت کا اعتبار اس لئے کیا گیا کہ انسان جب قسم اٹھاتا ہے کہ فلاں پر داخل نہ ہوگا تو اس کی وجہ اس شخص کی بے اکرامی ہوتی ہے اور کسی کی تعظیم نہ کرنا اور بے اکرامی کرنا یہ صرف نیت اور ارادہ

---

❶...... البدائع ص ۳۸، فتح القدیر ص ۳۴ المرجع السابق۔ المغنی ۷۷۳/۸۔ ❷ مغنی المحتاج ۳۳۴/۴، الشرح الکبیر ۱۴۵/۲ وما بعدها ❸ البدائع ص ۳۹

سے ہی ہوتا ہے۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سماعہ سے اس کے خلاف قول ذکر کیا ہے: ایک شخص کے بارے میں فرمایا جس نے یہ قسم اٹھائی کہ اللہ کی قسم میں فلاں کے پاس گھر میں نہیں جاؤں گا، پھر گھر میں ایک مجمع کے پاس داخل ہوا ان میں وہ فلاں بھی تھا جس کا قسم اٹھانے والے کو پتہ نہ تھا تو یہ حانث ہو جائے گا محض داخل ہونے سے۔ اس میں ابن سماعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے نیت اور ارادہ کا اعتبار نہیں کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حانث ہونے کی شرط فلاں کے پاس داخل ہونا بنائی جو کہ پائی گئی اور حانث ہونے کے لئے حانث ہونے کی شرط کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسے کسی نے قسم اٹھائی کہ زید سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اس سے بات کی اور اسے پتہ نہ تھا کہ یہ زید ہے تب بھی حانث ہوگا لیکن حنفی مذہب میں فتویٰ پہلے قول پر ہے۔ اگر حالف کو پتہ ہے کہ ان لوگوں میں زید بھی ہے پھر وہ داخل ہوا جس میں نیت فلاں کے علاوہ باقی لوگوں کی تھی تو دیانۃً حانث نہ ہوگا کیونکہ جب دوسروں کی نیت کی تو فلاں پر داخل نہ ہوا لیکن قضاءً اس کی تصدیق نہ ہوگی کیونکہ بظاہر پورے افراد پر داخل ہونا ہے اور اس کی نیت کو قاضی نہیں جانتا۔ اگر اس کے پاس داخل ہو مسجد میں یا خیمہ، سائبان یا دہلیز میں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ داخل ہونے سے رائج داخل ہونا ہے جو صرف گھر میں داخل ہونے سے ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس خیمہ وغیرہ میں داخل ہوا تو تب حانث ہوا جب فلاں شخص دیہاتی ہو کیونکہ وہ اس کو بھی گھر کہتے ہیں اور اس معاملے پر مدار عرف اور رواج کا ہے۔ اگر وہ اس کے احاطہ میں گیا اور فلاں شخص اپنی رہائش گاہ میں تھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس پر داخل نہیں ہوا اگر وہ گھر کے صحن میں تھا تو حانث ہوگا اگر اس کو دیکھ لے، کیونکہ اس صورت میں اس پر داخل ہونا پایا گیا۔ اگر وہ اس کے پاس داخل ہوا مسجد، کعبہ یا حمام میں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس قسم سے مقصود یہ ہے کہ ایسی جگہ نہ جائے گا جس میں لوگوں کا جانے کی صورت میں اعزاز کیا جاتا ہے اور یہ جگہیں ان میں نہیں ہیں۔ اگر حالف گھر میں داخل ہوا لیکن فلاں شخص اس میں نہ تھا پھر وہ فلاں داخل ہوا تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ فلاں پر داخل نہیں ہوا بلکہ فلاں اس پر داخل ہوا ہے۔ (1) مالکی حضرات نے فرمایا:

جس نے قسم اٹھائی کہ "فلاں کے گھر داخل نہ ہوگا" پھر اس کے کرایے والے گھر میں داخل ہوا تو حانث ہوگا جب کہ حنفیوں اور حنبلیوں کے ہاں حانث نہ ہوگا اگر ملکیت والے گھر کی نیت نہ کی ہو کیونکہ گھر رہنے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جس نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے گھر داخل نہ ہوگا پھر اس کی ملکیت ختم ہوگئی پھر داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اگر اشارہ کر کے "اس گھر میں" کہا تھا تو حانث ہوگا اور شوافع فرماتے ہیں کہ صرف اس کے ملکیتی گھر میں ہی داخل ہونے سے حانث ہوگا کیونکہ نسبت مالک کی طرف ہے۔ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ (2) کہ جس نے قسم اٹھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے اور انکار ممکن نہ تھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ داخل ہونا اس کی طرف سے نہیں پایا گیا اور نہ اس کی طرف سے منسوب ہوگا۔

دوسرا مقصد نکلنے پر قسم اٹھانا..... نکلنا داخل ہونے کے مخالف ہے یعنی اندر سے باہر منتقل ہونا پس نکلنے کے بعد ٹھہرنا نکلنا نہیں ہے جس طرح داخل ہونے کے بعد ٹھہرنا داخل ہونا نہیں ہے۔ نکلنا جس طرح علاقوں، احاطوں اور گھروں سے ہوتا ہے اسی طرح کیموں کشتیوں وغیرہ سے بھی ہوتا ہے کیونکہ نکلنے کی تعریف پائی جاتی ہے جس طرح داخل ہونا۔ رہائشی گھروں سے نکلنا یہ ہے کہ حالف اپنے نفس، سامان اور عیال کو نکال دے جس طرح قسم اٹھائی کہ اس میں رہائش اختیار نہیں کرے گا اور علاقوں اور بستیوں سے نکلنا یہ ہے کہ حالف خود نکل جائے۔ اس کی بنیاد بھی عرف پر ہے اگر گھر سے نکلا اور اس کی بیوی بچے اور سامان اسی میں ہو تو اس کو نکلنے والا شمار نہیں کیا جائے گا اور جو شہر سے نکلے تو نکلنے والا شمار ہوگا اگر چہ اس کا سامان اور بیوی، بچے اسی شہر میں ہوں۔ (3) یہی مذہب حنابلہ کا بھی ہے۔ (4) پس نکلنے کی قسم کا تقاضا ہے کہ اہل وعیال سمیت نکل جائے جس طرح رہائش رکھنے کی قسم میں ہے۔ جس نے قسم اٹھائی کہ اس علاقے سے نکلے گا تو اسکی قسم صرف اس کے نکلنے کو

---

(1) البدائع ٣/٤١۔ (2) القوانین الفقهية ص ١٦٢ المغنى ٨/٧٧٣ الشرح الكبير ٢/١٥٤۔ (3) البدائع ٣/٤٢، فتح القدير ٣٨ الدر المختار ٣/٨٥، الفتاوىٰ الهندية ٢/٦٩، ٧٣۔ (4) المغنى ٨/٧٧٠۔

شامل ہے حنابلہ کے ہاں کیونکہ گھر سے تو انسان دن میں کئی مرتبہ نکلتا ہے پس بظاہر اس نے یہ نکلنا مراد نہیں لیا اور شہر سے نکلنا اس کے برخلاف ہے۔ اور شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اگر منتقل ہونے کی نیت سے قسم اٹھانے والا خود نکل جائے تو بھی نکلنا پایا گیا اگر چہ اس کے اہل وعیال اسی میں ہوں۔ ❶ حنفی مذہب میں آنے والی گفتگو مرتب ہوگی۔ ❷

گھر سے نکلنے پر قسم...... اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے پھر وہ گھر سے صحن تک نکلی تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے وہی نیت کی ہے جس کا اس کے الفاظ میں احتمال ہے یعنی اندر سے باہر آنا، نیز گھر احاطہ کا غیر ہے، کیونکہ ''بیت'' ایک چھت والی جگہ کو کہا جاتا ہے جب کہ ''احاطہ'' ''کمپاؤنڈ'' کئی گھروں اور فلیٹوں کو شامل ہے اسی طرح اگر کہا کہ فلاں شخص تیرے گھر میں داخل ہوا تو تجھے طلاق ہے، پھر وہ شخص صحن میں داخل ہوا گھر کے اندر نہیں گیا تو حانث نہ ہوگا۔ ان دونوں مثالوں کا حکم مجتہدین حضرات کے زمانے کے عرف اور رواج پر مبنی ہے جبکہ متاخرین کے ہاں لفظ بیت ''گھر'' دار، منزل' سب کو شامل ہے لہٰذا دوسری مثال میں حانث ہوگا پہلی میں نہیں۔

گھر سے نکلنے پر قسم...... اگر کہا: تو اس گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے تو وہ اس گھر سے جس طرح بھی نکلے جس دروازے، جس جگہ سے خواہ دیوار پر سے خواہ چھت سے یا دیوار میں سوراخ کر کے بہر صورت قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ حانث ہونے کی شرط یعنی گھر سے نکلنا پایا گیا۔

دروازے سے نکلنا...... اگر کہا: اگر تو اس گھر کے دروازے سے نکلی تو تجھے طلاق ہے، تو جس دروازے سے نکلے پرانے سے یا قسم کے بعد جو نیا بنایا ہے اس سے۔ قسم ٹوٹ گئی کیونکہ شرط پائی گئی یعنی گھر سے نکلنا لیکن اگر دیوار پر سے یا چھت سے یا دیوار میں سوراخ کر کے نکلی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ دروازہ نہیں ہے۔

اگر اس نے اپنی قسم میں دروازہ متعین کر دیا کہ ''اس دروازے سے نکلی'' تو حانث نہ ہوگا جب تک اس خاص دروازے سے نہ نکلے اگر دوسرے سے نکلے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ کبھی ''خاص'' کرنے سے کوئی مقصد ہوتا ہے۔ تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

کسی خاص کام کے لئے نکلنا...... اگر کہا: ''اگر تو اس گھر سے نکلی مگر فلاں کام کے لئے تو تجھے طلاق ہے'' پھر وہ ایک مرتبہ اس کام کے لئے نکلی پھر کسی کام کے لئے نکلی تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس نے اس عورت پر تمام صورتوں میں نکلنا منع کر دیا تھا سوائے اس خاص کام کے لئے پس جب اس کام کے لئے نکلنا پایا جائے تو قسم نہ ٹوٹے گی اگر کسی اور کام کے لئے نکلنا پایا جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر اس نے اپنی قسم سے ایک مرتبہ نکلنا مراد لیا تو بھی صحیح ہے۔ اس صورت میں ''الا''، ''حتی'' کے معنی میں ہوا مجازاً گویا اس نے یوں کہا ''اگر تو اس گھر سے نکلی تو تاوقتیکہ تو فلاں خاص کام کے لئے نکلے'' تو جب اس کام کے لئے نکلی تو قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ قسم کی انتہاء پائی گئی لیکن یہ صرف اس کے اور پروردگار کے درمیان کا معاملہ ہے عدالت میں یہ مراد لینا درست نہ ہوگا کیونکہ یہ لفظ کی حقیقت کے خلاف ہے۔

فلاں کے ساتھ نکلنا...... اگر کہا: ''اگر تو گھر سے فلاں کے ساتھ نکلی تو تجھے طلاق ہے'' پھر وہ اکیلی یا کسی اور کے ساتھ نکلی پھر فلاں آدمی آملا تو قسم نہ ٹوٹی کیونکہ وہ اس کے ساتھ تو نہیں نکلی اور نکلنے پر دوام نکلنا نہیں ہے۔

گھر سے نکلنے کے متعلق بعض صورتیں...... اگر کہا: ''اگر تو اس گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے۔'' پھر وہ گھر کے صحن یا اوپر والی منزل یا مین روڈ کی طرف نکلنے والے راستے میں داخل ہوئی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ صورتیں گھر سے نکلنے میں شمار نہیں ہیں۔

کیا کسی چیز پر ہمیشگی اس چیز کی ابتداء کے حکم میں ہے؟...... اگر وہ گھر سے باہر تھی اور شوہر نے کہا: ''اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق'' تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر وہ گھر میں تھی اور کہا: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق'' تو حانث نہ ہوگا اور یہ قسم نئے نکلنے یا داخل

❶..... مغنی المحتاج ۳۲۹/۴۔ ❷البدائع ۴۲/۳ وما بعدھا المبسوط ۱۷۳/۸ وما بعدھا۔

ہونے پر ہوگی، لیکن اگر اس نے کہا اگر تو کھڑی ہوئی، یا بیٹھی، یا کپڑے پہنے یا سوار ہوئی تو تجھے طلاق، اور وہ کھڑی تھی یا بیٹھی تھی یا کپڑے پہنے ہوئے تھے یا سوار تھی پھر ان حالتوں پر پرتھوڑی دیر رہی تو قسم ٹوٹ گئی۔ یہ حنفی مذہب ہے، کیونکہ نکلنا اندر سے باہر آنے کو کہتے ہیں اور داخل ہونا اس کا عکس ہے تو اس معنی میں دوام نہیں ہے لہٰذا نکلنے پر باقی رہنے کو نکلنا شمار نہیں کیا جائے گا البتہ سوار ہونا اور بیٹھنا، کھڑا ہونا وغیرہ یہ ایسے کام ہیں جن میں دوام ہے یعنی ان میں تجدد ہے لہٰذا ان کے لئے ابتداء کا حکم ہوگا۔

اس فرق کی دلیل یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: میں سوار ہوا کل اور آج، میں نے کپڑا پہنا کل اور آج اور یہ نہیں کہا جاتا میں داخل ہوا کل اور آج مگر جب نئے سرے سے داخل ہوا ہو۔ ❶ حنفیوں کا خیال ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک نکلنے اور داخل ہونے پر باقی رہنے کو بھی نکلنا اور داخل ہونا شمار کیا جاتا ہے اس لئے اس کو فعل کی ابتداء کا حکم دیا جاتا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی صریح عبارتیں بتلاتی ہیں کہ اگر ایک انسان نے قسم اٹھائی کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا جب کہ وہ اس میں تھا یا اس گھر سے نہ نکلے گا جب کہ وہ باہر ہی تھا تو دونوں صورتوں میں قسم نہ ٹوٹی کیونکہ داخل ہونا باہر سے اندر جانے کو کہتے ہیں اور نکلنا اس کا عکس ہے اور یہ معنی دوام کی صورت میں نہیں پایا جاتا اس لئے اس کو داخل ہونا یا نکلنا نہیں کہا جائے گا لیکن پہننے، سوار ہونے، کھڑے ہونے اور بیٹھنے پر دوام کے لئے ابتداء کا حکم ہے تو ان صورتوں میں دوام پر قسم ٹوٹ جائے گی ❷ جیسا کہ حنفی مذہب میں اس کا بیان ہوا۔

سوار ہونے والے مسئلہ کی طرح کھانا اور مارنا ہے.....پس جب عورت کھارہی تھی یا مار رہی تھی تو شوہر نے کہا اگر تو نے کھایا یا مارا تو تجھے طلاق ہے پھر وہ اس پر باقی رہی تو قسم پڑ جائے گی تو ان کاموں کا ہر حصہ کھانا اور مارنا شمار کیا جاتا ہے۔

داخل ہونے اور نکلنے کی طرح ماہواری اور بیماری ہے.....پس جب ماہواری میں تھی یا بیمار تھی اور شوہر نے یہ کہا: اگر تجھے ماہوار آئی یا تو بیمار ہوئی تو تجھے طلاق ہے تو قسم نئی ماہواری اور بیماری پر پڑے گی جس طرح لوگوں کا عرف ہے۔ اگر اس نے اسی ماہواری یا بیماری میں اضافے کی نیت کی تو بھی صحیح ہے کیونکہ ماہواری اجزا والی ہے جو لمحے لمحے نئی ہوتی ہے تو اس کی نیت صحیح ہے اگر اس نے کہا اگر تجھے آئندہ کل حیض آیا اور اسے پتہ نہ تھا کہ وہ ماہواری میں ہے تو یہ قسم آئندہ نئے حیض پر ہوگی اور اگر اسے اس کی ماہواری کا پتہ تھا تو یہ قسم اسی ماہواری پر ہوگی بشرطیکہ تین دن تک آتا رہے حنفیوں کے ہاں کیونکہ جب اسے پتہ ہے کہ وہ ماہواری میں ہے پھر اس نے قسم اٹھائی تو کیونکہ اسی حیض کا جاری رہنا مراد لیا تو جب تک تین دن نہ ہو تو وہ حیض نہیں ہوتا۔

بغیر اجازت نکلنے پر قسم.....کبھی انسان قسم اٹھاتا ہے اپنی بیوی کے طلاق کی جب وہ نکلنے کی اجازت نہ دے آنے والی صیغوں میں سے کسی ایک سے:

۱.....وہ یہ کہے تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلی مگر یہ کہ میری اجازت کے ساتھ۔

۲.....تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلے تاوقتیکہ میں تجھے اجازت دوں یا تاوقتیکہ میں راضی ہو جاؤں۔

۳.....تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلے مگر یہ کہ میں اجازت دوں یا راضی ہو جاؤں۔

میں پہلی صورت سے ابتداء کرتا ہوں:

۱: مگر میری اجازت یا رضامندی سے.....جب اپنی بیوی سے کہا: تجھے طلاق ہے اگر تو میری اجازت، رضامندی، میرے حکم یا میرے علم کے بغیر نکلی تو ان صورتوں میں اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر نکلی تو حانث ہو جائے گا اور ہر مرتبہ اجازت لینا ضروری ہوگا یہاں تک کہ اگر اس نے ایک مرتبہ اجازت دی اور وہ نکلی پھر واپس آئی پھر بلا اجازت نکلی تو بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔

---

❶.....البدائع ۳/۳۶۔ ❷ مغنی المحتاج ۴/۳۲۱۔

اسی طرح اگر اس نے ایک مرتبہ اجازت دی پھر اس کے نکلنے سے پہلے اس نے نکلنے سے روک دیا پھر وہ نکل گئی تو بھی قسم ٹوٹ گئی اور اگر اجازت سے نکلنا پایا جائے تو یہ استثنائی صورت ہوگی جو کہ قسم میں داخل نہیں ہے لہٰذا حانث بھی نہ ہوگا۔ اس میں وجہ یہ ہے کہ اس نے ہر نکلنے کو طلاق کے واقع ہونے کی شرط بنا دیا پھر ایک خاص نکلنے ''یعنی اجازت کے ساتھ ملا ہوا ہو'' کو مستثنیٰ کیا کیونکہ ''باء'' الصاق یعنی ملانے کے لئے آتا ہے مثلاً میں نے قلم کے ساتھ لکھا یعنی لکھنا قلم سے ملایا پس جو نکلنا اس صفت کے ساتھ نہ ہو وہ قسم میں داخل ہوگا اور قسم ٹوٹنے کی شرط بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم کے ساتھ۔ (مریم ۱۹/ ۶۴) یعنی اترنا اس صفت کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے اس کی نظیر یہ ہے: جب اس نے اپنی بیوی سے کہا ''اگر تو نکلی مگر چادر یا نقاب کے ساتھ یا مگر سوار ہو کر تو تجھے طلاق ہے'' پھر اگر مستثنیٰ نکلنا پایا گیا قسم نہ ٹوٹے گی اور اگر نکلنا اس صورت کے علاوہ پایا جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ مستثنیٰ صورت قسم میں داخل نہیں اور غیر مستثنیٰ داخل ہے پس قسم کے پائے جانے کی وجہ سے حانث ہوگا۔ اگر وہ ''مگر میری اجازت کے ساتھ'' سے ایک مرتبہ اجازت مراد لے تو صحیح ہے اور اس کے اور پروردگار کے درمیان اس کی تصدیق کردی جائے گی البتہ ﷺ کارروائی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ہے کہ نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ نیت پر قضاءً عمل نہ ہوگا، کیونکہ اس نے ظاہر کے خلاف نیت کی ہے، کیونکہ اس لفظ کا ظاہر ہر مرتبہ اجازت لینے کا تقاضا کرتا ہے جس طرح یہ بات گزری اور حنفیوں کے ہاں یہی راجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے ظاہر سے اجازت کا تکرار ثابت نہیں ہوتا یہ تو لفظ ''خروج'' تو پوشیدہ ماننے سے ثابت ہو رہا ہے تو اگر ایک مرتبہ اجازت کی نیت کی تو اس نے وہ نیت کی جس کا تقاضا اس کے کلام کا ظاہر کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کلام کا ظاہر اجازت کا تکرار ہے اگر قسم سے ایک مرتبہ اجازت مراد لی تو اس کا کلام میں صرف احتمال ہے اسی لئے فتویٰ اسی پر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے رائے ہے لہٰذا قسم اٹھانے والا ایک مرتبہ اجازت لینے کی نیت میں دیانۃً سچا کہلائے گا عدالت میں نہیں، کیونکہ اس نے اپنے لئے آسانی کی نیت کی لہٰذا فیصلے میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ یہ قسم جو تکرار چاہتی ہے اس میں حیلہ اور تدبیر یہ ہے کہ وہ شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے پورے زمانے یا ہمیشہ یا جب نکلنا چاہے تو تجھے اجازت دے دی لہٰذا ہر نکلنے کے وقت اس کے لئے اجازت ثابت ہوگی کیونکہ ''کلما'' (جب بھی) عموم اور تکرار کو واجب کرتا ہے (لہٰذا اجازت دینا ہمیشہ کے لئے ہو گیا)۔

اسی طرح حانث نہ ہوگا اگر شوہر کہے میں نے تجھے دس دن کے لئے اجازت دے دی پھر وہ دس دنوں میں کئی بار نکلی۔

اگر ''مگر میری اجازت کے ساتھ'' کے جملے کے بعد شوہر نے ایک مرتبہ اجازت دی اور پھر منع کر دیا اس خاص اجازت کے بعد تو اس کا منع کرنا ٹھیک ہے یہاں تک کہ اس کے بعد وہ بلا اجازت نکلی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

کیونکہ اس کا اپنی اجازت میں رجوع درست ہے اور قسم باقی ہے گویا اس نے اجازت ہی نہیں دی۔

لیکن جب شوہر نے اپنی بیوی کو عام اجازت دی پھر اس کے بعد تمام حالتوں میں اس نے نکلنے سے منع کر دیا تو کیا یہ منع کرنا کارآمد ہوگا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی ممانعت پر عمل کیا جائے گا اور دی ہوئی اجازت ختم ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کے بعد اگر وہ بلا اجازت نکلی تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اگر ایک مرتبہ اجازت دے کر منع کرتا تو درست تھا تو اسی طرح اگر اس نے ہر مرتبہ کی اجازت دی اور منع کر دیا تو منع کرنا درست ہے اور اجازت ممانعت سے ختم ہو جائے گی۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پہلی اجازت پر اس کی ممانعت کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ عام اجازت دینا قسم کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ اس نے اجازت سے طلاق کے واقع ہونے کی شرط کو اٹھا دیا پس جب اب جب نکلنے سے عام روکنا پایا گیا تو کوئی اثر نہ کرے گا، کیونکہ یہاں کوئی قسم ہی نہیں۔ اس کے برخلاف جب ایک مرتبہ اجازت کی خاص اجازت تھی تو اس سے قسم ختم نہیں ہوئی اور قسم کے باقی رہتے ہوئے

ممانعت آئی اس لئے نہیں درست ہوئی۔

۲: تاوقتیکہ میں تجھے اجازت دوں...... جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''اگر تو اس گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے تاوقتیکہ میں تجھے اجازت یا حکم دوں'' یا ''میں راضی ہو جاؤں'' یا ''جب میں جان لوں'' تو ایک مرتبہ اجازت کافی ہے اور قسم ختم ہو جائے گی یہاں تک کہ اگر ایک مرتبہ اجازت دی پس وہ نکلی پھر واپس آئی اور بلا اجازت نکلی تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر ایک مرتبہ اجازت دی اور نکلنے سے پہلے منع کر دیا اور وہ اس کے بعد نکلی تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ ''حتی'' غایت کا فائدہ دیتا ہے یہ ''الٰی'' کے معنی میں ہے اور ''الٰی'' غایت کی انتہاء کے لئے ہے۔ پس ''حتی'' کے مابعد کی انتہاء سے قسم بھی ختم ہو جائے گی پس قسم اٹھانے والے کی طرف سے اجازت یہ نکلنے کی ممانعت کی غایت ہوگی اور غایت کے پائے جانے کے بعد قسم باقی نہ رہے گی پس جب اس کے بعد نکلنا پایا جائے گا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم باقی ہی نہیں وہ تو اجازت سے ختم ہو چکی ہے پس اس کے بعد ممانعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا لیکن اجازت سے پہلے قسم باقی ہے اس لئے بلا اجازت نکلنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر وہ ''یہاں تک کہ میں تجھے اجازت دوں'' سے ہر مرتبہ اجازت دینا مراد لے تو صرف دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے اپنے اوپر سختی کی ہے۔

۳: الّا یہ کہ میں تجھے اجازت دوں...... اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے اگر تو اس گھر سے نکلی الّا یہ کہ میں تجھے اجازت دوں یا ''حکم دوں'' یا ''جان لوں یا میں راضی ہوں'' تو یہ جملہ ''حتی آذن'' نمبر ''۲'' کی طرح ہے عام علماء کرام کے نزدیک اگر ایک مرتبہ اجازت دی وہ نکلی پھر دوبارہ اگر بلا اجازت نکلی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ ''الاان'' غایت کا فائدہ دیتا ہے۔

پس قسم اجازت سے ختم ہو جائے گی جس طرح کہ ''حتی اذن لك'' کہتا۔ ''الاان'' کے غایت کا معنی دینے کا سبب یہ ہے (حالانکہ وہ حروف استثناء میں سے ہے) کہ ''الا'' سے پہلے کلام کا شروع اجازت کی جنس میں سے نہیں کہ اس سے اجازت کو علیحدہ کیا جائے پس اس کو ''حتی'' کے معنی میں مجازاً کیا جائے گا کیونکہ ان میں مناسبت ہے کہ غایت کے مابعد کا حکم ماقبل کے مخالف ہوتا ہے۔

جس طرح استثناء کے مابعد کا حکم ماقبل کے مخالف ہوتا ہے۔ نحوی علماء میں سے فراء نے فرمایا:

''الاان اذن لك'' کہنے والا ''الی باذنی'' کہنے والے کی طرح ہے جس میں ہر نکلنے پر اجازت لینے کا تقاضا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ''مگر وہ نکلنا جو میری اجازت کے ساتھ متصل ہو'' کیونکہ ''ان'' اور اس کے بعد مضارع مصدر کی تاویل میں ہوتے ہیں۔ پس کلام کی تقدیری عبارت یہ ہوگی اگر تو گھر سے نکلی۔ ''مگر نکلنا جو میری اجازت سے متصل ہو''...... اور ''باء'' کو لفظوں سے گرا کر معنی میں موجود رکھنا لغت میں جائز ہے جس طرح رؤبۃ بن عجاج سے روایت ہے کہ ان سے کہا گیا آپ نے کیسے صبح کی؟ تو انہوں نے کہا ''خیر'' ''عافاك الله'' یعنی خیر کے ساتھ۔ اسی طرح قسم کے ساتھ باء کو حذف کر دیتے ہیں۔

پس ''اللہ'' کہتے ہیں ''باللہ'' کی جگہ پس جب باء کا حذف جائز ہے تو کلام کو درست کرنے کے لئے اس کو مقدر مانا جائے گا اس پر دلیل فرمان ربانی ہے: اے ایمان والو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں داخل نہ ہو مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے۔ (الاحزاب ۳۳/۵۳) یعنی اجازت کے ساتھ جو اجازت ہر داخل ہونے کے ساتھ مکرر ہوگی۔ اور حنفیوں نے اس بات کو کیا کیونکہ الا کو حتی یا الٰی کے معنی میں کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اس سے جس طرح فراء نے کلام کو درست کیا ہے کیونکہ ایک موجود کلمہ کو دوسرے کے معنی میں کرنا بہتر ہے اس سے جس طرح فراء نے کلام کو درست کیا ہے کیونکہ پہلی صورت میں تبدیلی صرف صفت کی ہے اور دوسری صورت میں اصل کلام کو ثابت کرنا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وصف میں تبدیلی بہتر ہے اصل کلام کو ثابت کرنے سے۔ رہی آیت پاک (الاحزاب ۳۳/۵۳) تو اس میں تکرار کا تقاضا لفظ کے اعتبار سے نہیں بلکہ دوسری دلیل سے ہے وہ یہ کہ دوسرے کے گھر میں بلا اجازت جانا حرام ہے نیز اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ

بات نبی کو تکلیف دیتی ہے۔ الاحزاب ۳۳/۵۳

اور تکلیف کا معنی ہر وقت پایا جاسکتا ہے اس لئے اجازت ہر مرتبہ شرط ہے ❶

احناف کے علاوہ بقیہ فقہاء...... احناف کے علاوہ حضرات فرماتے ہیں ❷ کہ پچھلے تینوں الفاظ میں حکم ایک ہی ہے وہ یہ کہ جب بلا اجازت نکلے گی طلاق پڑ جائے گی اور قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ لفظ ''اگر'' (ان) تکرار کا اقتضا نہیں کرتا لہٰذا جب ایک مرتبہ حانث ہوا قسم ختم ہوگئی کیونکہ اس نے طلاق کو شرط پر معلق کیا اور شرط پائی گئی پس طلاق پڑ جائے گی جس طرح وہ بلا اجازت نکل جاتی۔ لیکن حنابلہ کے نزدیک ہر مرتبہ اجازت ضروری ہے جیسا کہ اس کا بیان آئے گا۔

فلاں کی اجازت کے ساتھ نکلنے کو معلق کرنا...... اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''اگر تو نکلی مگر فلاں کی اجازت کے ساتھ'' اور فلاں شخص اجازت سے پہلے ہی مر گیا تو طرفین رحمہما اللہ کے ہاں قسم باطل ہو جائے گی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قسم باقی ہے یہاں تک کہ اگر اس کے بعد نکل گئی تو بھی حانث ہو جائے گا یہ اختلاف مبنی ہے اس اختلاف پر جو ان حضرات کا اس مسئلہ میں ہے'' میں ضرور پانی پیوں گا جو اس برتن میں ہے'' اور اس برتن میں پانی نہ ہو تو طرفین کے ہاں قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ قسم پورا کر سکنے کا تصور قسم کے منعقد ہونے کے لئے شرط ہے اسی طرح مستقبل میں باقی رہنے کے لئے بھی شرط ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ ان کے ہاں یہ شرط نہیں ہے بس صرف یہ شرط ہے کہ قسم آئندہ کے معاملہ پر ہو۔

نکلنے کی اجازت دے اور عورت نہ سن سکے...... جس عورت پر قسم اٹھائی تھی اس کو شوہر نے ایسی جگہ سے اجازت دی جس جگہ سے عادۃً سن نہ سکتی تھی پس وہ اجازت کے بغیر نکل گئی تو طرفین کے ہاں حانث ہو جائے گا کیونکہ ''اذن'' اعلان اطلاع کا نام ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان ہے''۔ (التوبۃ ۹/۳) اور ایسی اجازت اعلان نہیں جو سنی نہ جا سکے لہٰذا یہ اجازت نہیں پس جس کی اجازت ضروری تھی وہ نہ پایا گیا اس لئے حانث ہو جائے گا نیز اس نے اس پر ہر نکلنا حرام کیا صرف وہ نکلنا جو اجازت کے ساتھ ملا ہوا ہو اس طور پر کہ وہ اجازت دے اور عورت سن سکے اور وہ نکلنا جس میں اجازت سنی نہ گئی تو یہ مستثنیٰ میں داخل نہ ہوا لہٰذا حرمت کے تحت داخل ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حانث نہ ہوگا کیونکہ حانث ہونے کی شرط مطلقاً بلا اجازت کے نکلنا ہے اور وہ نکلنا جو حاصل ہوا اس میں اجازت کسی نہ کسی درجے میں ہے لہٰذا حانث ہونے کی شرط نہیں پائی گئی اس لئے شک سے حانث نہ ہوگا۔

قسم مقید ہوگی ذمہ داری کے باقی رہنے کے ساتھ...... اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی اپنی بیوی پر کہ وہ گھر سے نہ نکلے یا بادشاہ نے کسی کو قسم دی کہ وہ شہر سے اس کی اجازت کے ساتھ نکلے، پھر وہ عورت شوہر سے جدا ہوگئی یا بادشاہ اپنے عہدے سے معزول ہو گیا پھر وہ عورت نکلی یا مرد اجازت کے بغیر نکلا تو قسم اٹھانے والا حانث نہ ہوگا اور قسم ساقط ہو جائے گی کیونکہ قسم اس حالت پر واقع ہوتی جس کا قسم اٹھانے والا مالک ہوتا ہے اور وہ اس کی ذمہ داری کا باقی رہنا ہے پس جب ''ولایت'' ختم ہوئی تو قسم زائل ہو جائے گی یہ قاعدہ اس صورت پر بھی منطبق ہوگا جب قرض دینے والے نے مقروض کو قسم دی کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر شہر علاقے سے نہ نکلے پس یہ قسم قرض کے باقی رہنے تک ہے اگر وہ نکلا جب کہ قرض باقی تھا تو قسم ٹوٹ گئی اور قرض کی ادائیگی یا معافی کے بعد نکلا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم ساقط ہو چکی ہے یہ قسم قرض کے باقی رہنے کے ساتھ مقید تھی یہ یمین فور کی صورتوں میں سے ہے جو دلالت حال کے ساتھ مقید ہوتی ہے اور اسی پر مرتب ہے کہ اگر اس نے دوبارہ قرض دیا یا کسی اور نے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ❸

❶...... المراجع السابقہ المغنی ۸/۷۹۶، الشرح الکبیر ۲/۱۴۸، ۱۵۷۔ ❷ البدائع: ۳/۴۵۔۴۶۔ ❸ المغنی ۸/۷۹۶ الشرح الکبیر للدردیر ۳/۱۴۸، ۱۵۷ المیزان ۲/۱۳۲۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفی مذہب میں ''الا باذنی'' والے جملے میں ہر نکلنے کی الگ اجازت ضروری ہے البتہ ''الاان اذن'' یا ''حتی اذن'' اجازت کے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا صرف ایک مرتبہ اجازت کافی ہے پھر قسم ختم ہوجائے گی۔

ان الفاظ میں غیر حنفی مسلک، مالکی اور شافعی فرماتے ہیں کہ ان تینوں صورتوں میں ایک مرتبہ اجازت کافی ہے پس اگر حالف ایک مرتبہ اجازت دے تو قسم ختم ہوجائے گی اس کے بعد بلا اجازت نکلنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم ایک نکلنے کے ساتھ متعلق ہوئی ایسے حرف کے ذریعے جو تکرار کا تقاضا نہیں کرتا پس بلا اجازت نکلنے سے حانث ہوجائے گا اور جب وہ اجازت سے نکلی تو اس کی قسم پوری ہوگئی کیونکہ قسم کا پورا ہونا اسی سے متعلق ہے جس سے ٹوٹنا متعلق تھا۔ حنابلہ فرماتے ہیں: کہ ان تینوں الفاظ میں ہر حالت میں ہر نکلنے پر الگ الگ اجازت ضروری ہے کیونکہ قسم اٹھانے والے نے طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کیا جب شرط پائی جائے گی طلاق واقع ہوگی البتہ قسم ختم ہوجائے گی اگر ایک مرتبہ حانث ہوگیا۔

تیسرا مقصد کلام پر قسم اٹھانا...... انسان سے کلام کا واقع ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اپنے دل کی بات دوسروں تک پہنچانے میں ضرورت مند ہے تاکہ اپنے مقاصد اور اغراض تک پہنچ سکے۔ دو انسانوں میں جوڑ یا جھگڑے میں کلام کا اہم دخل ہے اور اکثر انسان اپنے نفس کو یا دوسرے کو کلام کرنے یا گفتگو سے رکنے پر ابھارنے پر کا محتاج ہوتا ہے۔ گفتگو پر قسم کے اہم حالات کو میں ذکر کروں گا۔ گفتگو یا مطلق ہوگی یا وقت کے ساتھ مقید ہوگی۔ رہی مطلق تو وہ ہے کہ فلاں سے گفتگو نہیں کرے گا پس یہ ہمیشہ کے لئے ہوگا یہاں تک کہ اگر سلام کے ساتھ ہی ہو جس جگہ، جس وقت اور جس حال میں ہو حانث ہوجائے گا ان حالات میں آنے والی صورتیں ہیں:

فلاں کے ساتھ بات نہ کرنے پر قسم...... اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے ساتھ بات نہیں کرے گا پھر اس کو پکارا اگرچہ دور ہی سے ہو اور وہ آدمی ایسی جگہ ہو کہ اگر کان لگائے تو سن سکتا ہو تو حنفیہ اور حنبلی حضرات کے نزدیک اور مالکیہ کے ایک قول پر حانث ہوجائے گا اگرچہ اس نے نہ سنا ہو اور اگر وہ ایسی جگہ ہو کہ عادۃً سن نہ سکتا ہو جگہ کی دوری کی وجہ سے تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر وہ شخص ایسا بہرا ہو کہ کان لگانے کے باوجود نہ سن سکے تو بھی حالف حانث نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فلاں سے بات کرنا اس کو اپنی آواز سنانا ہے لیکن اسماع تو باطنی چیز ہے پس ظاہری سبب کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا وہ یہ کہ جگہ نزدیک ہونے کی وجہ سے سننے کا ممکن ہونا۔ (اگر قسم اٹھائی کہ فلاں سے بات نہیں کرے گا پھر بات کی اس حال میں کہ وہ سویا ہوا تھا اور اس کو جگا دیا) تو حانث ہوجائے گا کیونکہ اس سے بات کی اور اس کو جگا دیا اور اگر نہ جگایا تو حانث نہ ہوگا یہ حنفی مشائخ کے ہاں پسندیدہ ہے اس کے برخلاف جو قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اگر وہ سن سکے اگر سویا ہوا نہ ہو تو حانث ہوگا کیونکہ اس نے گفتگو کی جو اس کے کان تک پہنچی مگر وہ نیند کی وجہ سے نہ سمجھ سکا یہ ایسا ہے جیسے اس کو آواز دی اور وہ ایسی جگہ میں تھا کہ سن سکتا تھا لیکن کسی کام میں مصروفیت کی وجہ سے نہ سن سکا اور عام مشائخ کی رائے ہی راجح ہے کیونکہ جب اس کو نہ جگایا تو ایسا ہے جیسے دور سے آواز دی اور سن ہی نہ سکتا ہو نیز انسان جب سوئے ہوئے سے بات کرے اور وہ بیدار نہ ہو اس کی بات سے تو یہ شخص بات کرنے والا نہیں شمار کیا جاتا جس طرح غائب کے ساتھ بات کرنے والا شمار نہیں ہوتا۔

اگر قسم اٹھانے والا ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور سلام کیا ان میں وہ شخص بھی تھا جس سے بات نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو حانث ہوجائے گا کیونکہ اس سے اور دوسروں سے سلام کے ذریعے بات کرلی اور اگر سلام سے دوسروں کی ہی نیت کی اس کی نہ کی تو دیانۃً اس کی نیت صحیح ہے اور حانث نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے کلام کی تخصیص کی نیت کی اور کل بول کر بعض مراد لینا جائز ہے لیکن یہ دعویٰ فیصلے میں قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے کلام کے ظاہر کے خلاف ہے۔ (1)

---

(1) ......البدائع ۳/۴۷۔ الفتاویٰ الهندیه ۲/۸۹، تبیین الحقائق ۳/۱۳۶، فتح القدیر ۴/۶۳ الدر المختار ۳/۱۱۲، المغنی ۸/۸۲۲

اگر نماز میں سلام کیا اور محلوف علیہ اس کے ساتھ نماز میں تھا تو قسم اٹھانے والا یا امام ہوگا یا مقتدی اگر حالف امام ہو تو دیکھا جائے گا اگر محلوف علیہ اس کے پیچھے ہو اور اس نے سلام پھیرا تو پہلے سلام سے حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر وہ دائیں طرف بھی ہو کیونکہ پہلا سلام نماز میں کلام ہے کیونکہ نمازی اس کے ذریعے نماز سے نکل رہا ہے تو یہ لوگوں کے کلام سے نہ ہوا اس وجہ سے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اگر وہ بائیں طرف ہو تو مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا حانث ہوگا اور بعض نے فرمایا نہیں ہوگا۔ اگر قسم اٹھانے والا مقتدی ہو تو شیخین کے ہاں حانث نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک امام کے سلام سے مقتدی نماز سے خارج نہیں ہوتا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حانث ہو جائے گا کیونکہ مقتدی امام کے سلام سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے پس اس نے نماز سے باہر فلاں کے ساتھ سلام کیا لہٰذا حانث ہو جائے گا۔ اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے ساتھ کلام نہیں کرے گا پھر اس کو خط لکھا اور وہ اس تک پہنچ گیا یا کوئی قاصد بھیجا پس پیغام پہنچ گیا یا انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ گفتگو تو نہیں ہے اس پر سب حنفیوں کا اتفاق ہے اور شوافع کا نیا قول بھی یہی ہے اور حنابلہ نے اور راجح قول پر مالکیہ نے فرمایا کہ حانث ہو جائے گا الا یہ کہ اس نے ارادہ کیا ہو کہ براہ راست بات نہیں کرے گا۔ ❶

گفتگو نہ کرنے پر قسم...... جس نے قسم اٹھائی کہ آج بات نہیں کروں گا" پھر قرآن پاک کی تلاوت کی یا نماز پڑھی یا تسبیح کی تو استحسانا حانث نہ ہوگا اسی طرح کلمہ یا تکبیر کہنے سے بھی حانث نہ ہوگا یہ تسبیح و تلاوت دوران نماز اور نماز سے باہر دونوں صورتوں کو شامل ہے کیونکہ عرف میں اس کو کلام نہیں کہا جاتا اور نماز میں تو عرفاً اور شرعاً دونوں طرح کلام نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری اس نماز میں لوگوں کی گفتگو میں سے کوئی بھی درست نہیں بس یہ تو کلمہ ہے پاکی بیان کرنا اور قرآن کی تلاوت ہے ❷ اسی طرح فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں جو چاہتے ہیں نیا فرماتے ہیں اور نئے حکموں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم نماز میں گفتگو نہ کریں۔ ❸ اور نیز گفتگو نماز کو توڑنے والی ہے اگر یہ چیزیں لوگوں کی گفتگو میں سے ہوتیں تو نماز کو فاسد کر دیتیں۔ اور نماز کے علاوہ تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ہمارے عرف میں اس کو گفتگو کرنے والا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو تلاوت کرنے والا یا تسبیح کرنے والا کہا جاتا ہے۔ اور قسموں کا مدار تو عرف پر ہے۔ ❹ اسی طرح شافعی اور حنبلی حضرت نے فرمایا کہ نماز میں تلاوت کرے یا اس سے باہر بالکل حانث نہ ہوگا کیونکہ گفتگو عرف میں لوگوں کی گفتگو پر بولا جاتا ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس کے برخلاف جو حنفیوں نے سمجھا کہ شافعی مسلک ان کے خلاف ہے کیونکہ شوافع نے فرمایا: اگر اس نے قسم اٹھائی کہ گفتگو نہیں کرے گا پھر پاکی اللہ تعالیٰ کی بیان کی یا اس کی تعریف کی یا کلمہ پڑھا یا اس کی بڑائی بیان کی یا دعا مانگی یا نماز میں یا اس کے باہر تلاوت کی اگرچہ اس پر غسل لازم تھا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ محاورے میں گفتگو آدمیوں کی گفتگو کی طرف لوٹتی ہے۔ ❺

گفتگو پر وقت کی قید کے ساتھ قسم اٹھانا...... اس کی دو قسمیں ہیں: معیّن اور مبہم غیر واضح۔ معیّن تو یہ ہے کہ ایک آدمی رات کے وقت قسم اٹھائے کہ فلاں سے دن میں بات نہ کروں گا تو قسم اٹھانے سے لے کر اگلے دن سورج غروب ہونے تک اس سے بات کرنے سے حانث ہو جائے گا، اس کی قسم میں رات کا باقی حصہ بھی داخل ہوگا۔ اسی طرح دن کو قسم اٹھائے کہ فلاں سے رات میں بات نہیں کرے گا تو قسم کے وقت سے فجر کے طلوع ہونے تک اس کے ساتھ بات کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر دن کے بعض حصہ میں قسم اٹھائی کہ ایک دن اس سے بات نہیں کروں گا تو اس کی قسم اس دن کے باقی حصہ، اگلی رات اور اگلے دن اس وقت تک جس وقت قسم اٹھائی تھی تک ہوگی۔ اگر دن کے بعض حصہ میں اس نے کہا اللہ کی قسم میں آج بات نہیں کروں گا تو قسم اسی دن کے باقی حصہ پر ہوگی جب سورج غروب ہوگا قسم ختم ہو جائے گی

❶ ......البدائع ۴۸/۳۔ تبیین الحقائق ۱۳۶/۳، القوانین الفقهیه ص ۱۶۴ مغنی المحتاج ۳۴۵/۴ المغنی ۸۲۰/۸ الشرح الکبیر ۱۴۶/۲۔ ❷رواه احمد ومسلم والنسائی وابو داؤد(نصب الرایه ۶۲/۲ نیل الاوطار ۳۱۵/۲) ❸رواه احمد والنسائی وابوداؤد(نیل الاوطار والمرجع السابق ص ۳۱۴/) ❹البدائع ۴۸/۳، فتح القدیر ۶۵/۴، تبیین الحقائق ۱۳۷/۳ الدر المختار ۱۱۴/۳، المغنی ۸۲۴/۸۔ ❺مغنی المحتاج ۳۴۵/۴۔

اسی طرح اگر رات میں کہا اللہ کی قسم میں آج رات بات نہیں کروں گا تو جب فجر طلوع ہوگی قسم ختم ہو جائے گی۔

اگر قسم اٹھائی کہ اس سے ایک مہینے تک بات نہیں کروں گا تو قسم کے وقت سے آگے تیس دن کے لئے قسم ہوگی اور اگر ''اس مہینے'' یا ''اس سال'' کہا تو قسم اس مہینے یا سال کے باقی حصہ پر ہوگی۔ اگر کہا کہ اللہ کی قسم میں اس سے ایک اور دو دن بات نہیں کروں گا تو طرفین کے ہاں یہ ایسا ہے جیسا اس نے یہ کہا کہ میں اس سے تین دن بات نہیں کروں گا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا کہ قسم دونوں پر ہوگی۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ قسم ہے پس ہر قسم کے لیے علیحدہ مدت ہوگی۔

تو اس طرح پہلے دن کی دو قسمیں اور دوسرے دن ایک قسم ہوگی۔ اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ قسم اٹھانے والے نے دونوں کا عطف ایک دن پر کیا ہے اور معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے پس معطوف نے اول کے علاوہ دونوں کا تقاضا کیا۔

مبہم یہ ہے کہ یوں کہے..... میں فلاں سے ایک زمانے تک بات نہیں کروں گا'' تو یہ قسم چھ مہینے پر ہوگی کیونکہ ''زمانہ'' بول کر تھوڑا وقت بھی مراد لیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

پس اللہ کی ذات پاک ہے جس وقت (زمانے) تم شام کرتے ہو اور جس وقت تم صبح کرتے ہو۔ الروم ۳۰/۱۷

اور کبھی لمبا وقت مراد لیا جاتا ہے اور وہ چالیس سال ہیں: ارشاد ربانی ہے:

انسان پر زمانے میں سے ایک زمانہ آیا ہے۔ الدھر ۷۶/۱

اور کبھی درمیانہ وقت مرد لیا جاتا ہے وہ چھ مہینے ہیں: ارشاد ربانی ہے:

وہ اپنا پھل دیتی ہے ہر زمانے میں اپنے رب کی اجازت کے ساتھ۔ ابراہیم ۱۴/۲۵

کہا گیا کہ چھ مہینے۔ پس قسم میں چھ مہینے پر محمول کیا گیا کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے تھوڑا مراد لیا ہے یا زیادہ۔ اگر اس نے ''دھر'' کا لفظ معرفہ یا نکرہ استعمال کر کے قسم اٹھائی تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس کی کوئی خاص نیت ہو تو وہی مراد ہے ورنہ میں نہیں جانتا کہ ''دھر'' کیا ہے (کتنی مدت مراد ہے) اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نکرہ سے چھ مہینے ہوں گے اور معرفہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔

بعض حنفی مشائخ نے فرمایا کہ ''الدھر'' معرفہ ہو تو کوئی اختلاف نہیں کہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا کہ ''دھر'' کی مدت میں نہیں جانتا وہ جب ہے کہ ''دھراً'' نکرہ ہو۔ شافعی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں کہ اگر اس نے کہا کہ اس سے زمانے، وقت، دھر، عمر میں بات نہیں کروں گا تو یہ تھوڑے اور زیادہ وقت پر واقع ہوگی پس تھوڑے اور زیادہ سے قسم پوری ہو جائے گی کیونکہ ان ناموں کی لغت میں کوئی حد نہیں ہے لہٰذا تھوڑے زیادہ سب پر بولے جائیں گے۔ اس لئے اس کی کم سے کم مقدار پر محمول کرنا واجب ہوا اگر ان الفاظ کو معرفہ ذکر کرے تو ہمیشہ کے لئے قسم ہوگی کیونکہ الف لام استغراق (سب کو شامل ہونا) کے لئے ہے اس لئے سارے زمانے کا تقاضا کرے گا۔ اگر کہے کہ اللہ کی قسم میں تجھ سے جمعہ کے دن بات نہیں کروں گا تو جمعہ کے علاوہ اس کے لئے اس سے بات کرنا درست ہوگا کیونکہ جمعہ خاص دن کا نام ہے اسی طرح اگر نکرہ جمع ذکر کرے تو بھی جمعہ کے علاوہ بات کر سکتا ہے کیونکہ جمع جمعہ کی جمع ہے اور یہ جمعہ کا دن ہے جو کسی اور دن کو شامل نہیں اس کے برخلاف اگر کہے کہ میں اس سے کئی دن بات نہیں کروں گا تو اس میں راتیں بھی شامل ہوں گی۔ پھر جب اس نے کہا کہ میں اس سے کئی جمعے بات نہیں کروں گا تو تین جمعے مراد ہوں گے کیونکہ جمع صحیح کا کم از کم عدد تین ہے اس لئے اس پر محمول کیا جائے گا اور اگر الجمع معرفہ ذکر کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دس جمعے مراد ہوں گے اسی طرح الایام، الازمنہ، الاحایین، الشھور اور السنین معرفہ کے ساتھ دس دن، دس زمانے، دس مہینے اور دس سال پر قسم ہوگی کیونکہ ''الایام'' کا لفظ زیادہ سے زیادہ دس دنوں کو شامل ہے کیونکہ دس کے بعد کو ایام نہیں احد عشر یوماً کہا جاتا ہے اسی طرح سو دن، ہزار دن کہا جاتا ہے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ الجمع اور السنین معرفہ ہوں تو

ساری زندگی کے لئے قسم ہوگی اسی طرح الاحیین اور الازمنہ بھی۔ اور ''الایام'' میں سات دن اور ''الشھور'' میں بارہ مہینے مراد ہوں گے کیونکہ اسماء جمع میں جس پر حرف تعریف داخل ہو تو ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ کوئی جانا پہچانا عدد تو وہ مراد ہوگا جیسے ایام میں سات ہفتے کے دن اور مہینوں میں بارہ مہینے، اور اگر کوئی معہود عدد نہ ہو تو کلام کو پورے جنس کی طرف پھیرا جائے گا تو یہ پوری عمر کو شامل ہوگا جیسے السنین، الاحیین اور الازمنہ۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل جیسے کہ ہم نے دیکھ لی یہ ہے کہ اسم کو جمع کے عدد کے آخری حصہ کی طرف پھیرا جائے جب وہ عدد کے ساتھ ملا ہوا ہو اور وہ دس کا عدد ہے جو آخری ہے۔ ❶ جس نے قسم اٹھائی کہ اس کے ساتھ زمانے تک بات نہیں کروں گا پھر چھ مہینے سے پہلے بات کرلی تو حنفیوں اور حنابلہ ❷ کے ہاں حانث ہوجائے گا کیونکہ مطلق حین سے کلام اللہ میں چھ مہینے مراد ہیں ارشاد ربانی ہے ''وہ اپنا پھل لاتی ہے ہر زمانے میں۔ (ابراہیم ۱۴/۲۵)

ایک جماعت نے ''حین'' کی تفسیر چھ مہینے سے کی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''حین'' ایک سال ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر سال سے کی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کی کوئی مقدار نہیں لہٰذا تھوڑے سے وقت میں بھی اس کی قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ ''حین'' مبہم اور غیر واضح ہے جو تھوڑے اور زیادہ پر واقع ہوتا ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ اس سے ''ایام'' میں بات نہیں کروں گا تو تین دن مراد ہیں یہ صحیح قول ہے کیونکہ جمع کا لفظ نکرہ ذکر کیا ہے تو جمع سالم کے کم سے کم عدد پر واقع ہوگا جو تین ہے اور ایک قول میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دس اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سات دن مراد ہوں گے۔ اور اگر کہا کہ میں تجھ سے سالوں (سنین) بات نہیں کروں گا تو حنفی، مالکی اتفاق سے تین سال ہوں گے کیونکہ جمع کا کم عدد تین ہے اس پر محمول کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ ''نکرہ'' جمع کی صورت میں فرماتے ہیں کہ جمع کا کم عدد جو کہ تین ہے مراد ہوگا اور جمع معرفہ کی صورت میں امام صاحب کے ہاں اگر عدد کے ساتھ ملا ہوا ہو تو انتہائی آخری مراد ہوگا جو دس ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں اگر معہود ہو تو وہی مراد ہے ورنہ پورے جنس پر واقع ہوگا۔

اگر قسم اٹھائی کہ ''عمر میں'' اس سے بات نہ کروں گا، تو اگر نیت نہ ہو تو ساری عمر مراد ہوگی اور اگر ''عمر'' نکرہ استعمال کیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتیں ہیں ایک جو زیادہ ظاہر ہے کہ چھ مہینے حین کی طرح اور ایک روایت میں ایک دن پر قسم ہوگی۔ اگر قسم اٹھائی کہ فلاں سے بہت دنوں میں بات نہیں کروں گا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دس اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں سات مراد ہوں گے۔ اگر قسم اٹھائی کہ دور تک بات نہیں کروں گا تو ایک مہینے اور اس سے زیادہ تک کے لئے قسم ہوگی۔ اگر قسم اٹھائی کہ قریب تک بات نہیں کروں گا تو ایک مہینے سے کم پر قسم ہوگی۔ اگر قسم اٹھائی کہ عاجل یا آجل (جلدی یا تاخیر) بات نہیں کروں گا تو عاجل ایک مہینے سے کم پر ہوگا کیونکہ مہینہ کثیر کے حکم میں ہے کیونکہ قرضوں میں تاخیر کا وقت مہینہ بنایا جاتا ہے اس لئے بعید ہوگا اور لفظ ''آجل'' مہینہ اور اس سے زیادہ پر واقع ہوا۔ اگر قسم اٹھائی کہ اس سے بات نہیں کرے گا تو مہینہ یا اس سے زائد پر واقع ہوگی۔ اگر قسم اٹھائی کہ سردیوں میں اس سے بات نہیں کروں گا تو جب سے لوگ سردی کے کپڑے پہنیں گے اس وقت سے لے کر جب سردی کے کپڑے اتاریں گے اس وقت تک کے لئے قسم ہوگی اور گرمی کی قسم اس کے برعکس ہوگی یعنی سردیوں کے کپڑے اتارنے سے لے کر پہننے تک۔ اور موسم خزاں اور بہار لغت میں معروف و معلوم ہیں اس کے مطابق مراد ہوں گے۔

جس نے قسم اٹھائی کہ فلاں کام نہیں کروں گا پھر کچھ کرلیا تو حانث ہوگا الا یہ کہ پورے کا ارادہ کیا ہو تو جس نے قسم اٹھائی کہ دو آدمیوں کی زیارت نہیں کروں گا یا ان دونوں سے بات نہیں کروں گا پھر ایک کی زیارت کی یا ایک سے بات کی تو حانث ہوگا البتہ اگر اس نے یہ نیت کی ہو کہ اس کا عمل ان دونوں کے ساتھ جمع نہ ہوگا تو پھر حانث نہ ہوگا۔ ❸

❶ البدائع ۳/۵۰، فتح القدیر ۴/۷۲۔ ❷ المغنی: ۸/۷۸۹۔ ❸ المغنی ۸/۷۸۲۔

چوتھا مقصد.....کھانے، پینے، چکھنے وغیرہ پر قسم

کھانا.....جو چیز چبائی جاسکے اس کو منہ سے پیٹ تک پہنچانے کو کہتے ہیں چاہے چبائے یا نہ چبائے: جیسے روٹی، گوشت اور پھل وغیرہ۔

پینا.....جو چیز چبائی نہ جاسکے اس کو پیٹ تک پہنچانا جیسے سب بہنے والی چیزیں مثلاً پانی، نبیذ، دودھ، پانی ملا ہوا شہد وغیرہ۔ ❶

چکھنا.....چکھی جانے والی چیز کو منہ تک پہنچانا نگلے یا نہ نگلے جب کہ اس کا ذائقہ پالیا ہو کیونکہ پانچ حواس میں سے چکھنا بھی ایک ہے جس سے چیزوں کو پہچانا جاتا ہے اسی وجہ سے ذائقے کا علم ہو جاتا ہے خواہ چکھی جانے والی چیز کو حلق سے اتارے یا پھینک دے۔ پس ہر کھانے میں چکھنا داخل ہے لیکن ہر چکھنے میں کھانا شامل نہیں۔ (مثلاً منہ سے نکال کر پھینک دے)

چکھنے پر قسم.....اس اصول کی بنیاد پر اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ کھائے، پیئے گا نہیں پھر کوئی چیز چکھی تو حانث نہ ہوا۔ اگر قسم اٹھائی کہ نہیں کھانا اور پانی وغیرہ چکھے گا پھر لے کر منہ میں ڈالا اور ذائقہ محسوس ہوا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ چکھنا پایا گیا اور جو معنی ذکر کیا گیا وہ بھی ثابت ہوا۔ اگر قسم اٹھائی کہ کوئی چیز نہیں چکھے گا اور اس نے نیت کھانے، پینے کی کر لی تو دیانۃً تصدیق کر دی جائے گی لیکن عدالت میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور چکھنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ لوگوں کے عرف میں "چکھنے" سے کھانا، پینا مراد لیا جاتا ہے انسان کہتا ہے: میں نے آج کوئی چیز نہیں چکھی اور میں نے صرف پانی ہی چکھا ہے" تو اس سے کھانا اور پینا مراد ہوتا ہے۔ دیانۃً تو اس لئے تصدیق کی جائے گی کہ اس نے وہ نیت کی ہے جس کا احتمال اس کے الفاظ میں ہے اور قضاءً اس لئے تصدیق نہ ہوگی کہ اس نے کلام کو ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی طرف پھیرا ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ پانی نہیں چکھے گا، پھر وضوء میں کلی کی تو اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا اگرچہ اس کو پانی کا ذائقہ محسوس ہوا ہو، کیونکہ عرف ورواج میں اس کو چکھنا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ اس کی نیت پاکی حاصل کرنے کی ہے نہ کہ اس کا ذائقہ چکھنے کی، ❷ اگر قسم اٹھائی کہ کوئی چیز نہیں سونگھے گا تو سونگھنا حنبلی حضرات کے ہاں ہر گھاس اور پھول جس کی خوشبو اچھی ہو (جیسے گلاب، بنفشہ اور نرگس کا پھول ہے) کو شامل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صرف ریحان فارسی کے سونگھنے سے ہی حانث ہوگا کیونکہ یہی متعارف ہے۔ ❸

کھانے پر قسم.....قسم اٹھائی کہ انار اور انگور نہیں کھائے گا پھر اس کو چوس کر اسے پھینک کر پانی حلق سے اتار لیا تو کھانے یا پینے جس کی قسم ہو حانث نہ ہوگا کیونکہ "چوسنا" کھانا پینا نہیں ہے اگر انگور یا انار چبائے بغیر نگل لئے تو حانث ہوگا کیونکہ یہ کھانا ہے۔

کھانا کھانے کا مطلب.....جس نے قسم اٹھائی کہ کھانا نہیں کھائے گا تو کھانا بالاتفاق روٹی، گوشت، حلوہ، پھل اور جو چیزیں روٹی کے ساتھ بطور سالن کھائی جاتی ہیں کو شامل ہوگا کیونکہ کھانا لغت میں ان چیزوں کا نام ہے جو کھائی جاتی ہیں۔

ارشاد ربانی کی وجہ سے: (ہر کھانے کی چیز بنی اسرائیل کے لئے حلال تھی مگر وہ چیز جو بنی اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کی (آل عمران ۳/ ۹۳) لیکن عرف میں خاص ہے اس کے لئے جو خود یا دوسرے کے ملا کر کھایا جائے اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ فلاں کے کھانے میں سے نہیں کھاؤں گا پھر مذکورہ چیزیں فلاں کے کھانے سے کھائیں تو حانث ہوگا۔ اگر اس نے فلاں کی نبیذ یا پانی لے کر اپنی روٹی کے ساتھ کھایا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کو طعام نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ روٹی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا عادۃً نیز ایسی صورت میں اپنا کھانا کھانا ہی شمار کیا اور کہا جاتا ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ نہیں کھائے گا پھر روٹی، چھوارے کشمش، گوشت یا دودھ کھایا تو حانث ہوگا کیونکہ بعض علاقوں میں اسی کو بطور غذا استعمال کیا جاتا ہے۔

---

❶ .....المبسوط ۸/ ۱۷۵، البدائع ۳/ ۵۶، تبیین الحقائق ۳/ ۱۲۴، فتح القدیر ۴/ ۴۴، الدر المختار ۳/ ۹۴ الفتاوی الهندية ۲/ ۷۵۔ ❷المبسوط ۸/ ۱۷۵، البدائع ۳/ ۶۷، تبیین الحقائق ۳/ ۱۲۵، الدر المختار ۳/ ۷۳ الفتاوی الهندية ۲/ ۷۵، ۸۴۔ ❸المغنی ۸/ ۸۱۳ وما بعدها۔

دودھ اور سرکہ کھانے کی صورت...... اگر قسم اٹھائی کہ یہ دودھ نہیں پیئے گا پھر روٹی یا چھواروں کے ساتھ کھایا یا قسم اٹھائی کہ یہ سرکہ نہیں کھائے گا پھر روٹی کے ساتھ کھایا تو حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک بالاتفاق حانث ہوجائے گا کیونکہ دودھ کا کھانا عادۃً اسی طرح ہوتا ہے اسی طرح سرکہ بھی کیونکہ وہ بھی سالن میں سے ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سرکہ اچھا سالن ہے۔ (۱) اگر اس کو پی لیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ کھانا نہیں ہے۔ (۲)

قسم اس چیز کے باقی رہنے کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ اس میں تبدیلی آنے کے بعد اگر قسم اٹھائی کہ یہ دودھ نہیں کھائے گا تو دودھ سے بنی ہوئی چیزیں جیسے پنیر وغیرہ کھانے سے بالاتفاق حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ بدل چکا ہے اس پر دودھ کا نام نہیں بولا جاتا اسی کی مثل ہے اگر قسم اٹھائے کہ اس انڈے سے نہیں کھائے گا پھر اس سے چوزا نکلا اور اس نے چوزے میں سے کھایا یا قسم اٹھائی کہ اس شراب میں سے نہیں پیئے گا پھر وہ سرکہ بن گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کی اصل تبدیل ہوگئی ہے۔ حنابلہ نے ذکر کیا ہے (۳) کہ لبن یعنی دودھ جانوروں، شکار اور عورتوں کے دودھ کو شامل ہے کیونکہ لفظ ان پر حقیقت اور عرف میں بولا جاتا ہے پھر برابر ہے کہ وہ دودھ ہو یا دہی ہو، بہنے والا ہو یا جم گیا ہو کیونکہ سب کے سب دودھ ہیں۔

اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ اس کچی کھجور سے نہیں کھاؤں گا پھر وہ پک گئی یا پکی ہوئی کھجور نہ کھاؤں گا پھر وہ خشک ہوگئی یا اس انگور سے نہیں کھاؤں گا پھر وہ کشمش بن گئی اور اس نے کھائی تو ان سب صورتوں میں حنفی، شافعی، مالکی اتفاق کے ساتھ حانث نہ ہوگا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب قسم کسی چیز کے ساتھ متعلق ہو تو اس کی ذات کے باقی رہنے کے ساتھ قسم باقی رہے گی اور ذات کے ختم ہونے سے قسم ختم ہوجائے گی، اگرچہ کھجور کی ذات چھوارا بننے کی صورت میں نہیں بدلی لیکن بعض حصہ ختم ہوگیا (یعنی سوکھنے سے پانی) جب کھجور سوکھ گئی تو پانی ختم ہوگیا تو جس کی طرف اشارہ کیا اس کا بعض کھایا اس لئے حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ یہ چپاتی نہیں کھاؤں گا پھر اس کا بعض حصہ کھایا تو حانث نہ ہوگا۔ حنبلی حضرات فرماتے ہیں (۴) اگر قسم اٹھائی کہ یہ کھجور نہیں کھائے گا پھر اس کو سوکھنے کے بعد کھایا تو حانث ہوگا جس طرح حانث ہوگا اس کھجور سے جو چیز بھی پیدا ہو لیکن اگر قسم اٹھائی کہ چھوارا نہیں کھاؤں گا اور کھجور کھائی تو حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر قسم اٹھائی کہ انگور نہیں کھائے گا پھر کشمش یا اس سے بنی کوئی چیز کھائی، یا قسم اٹھائی کہ جوان سے بات نہیں کرے گا پھر بوڑھے سے بات کی یا قسم اٹھائی کہ بکری کا بچہ نہیں خریدے گا پھر خریدا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم صفت کے ساتھ تھی نہ کہ ذات کے ساتھ اور صفت نہیں پائی گئی۔ جس نے قسم اٹھائی کہ جس کھانے کو فلاں خریدے گا وہ نہیں کھاؤں گا پھر فلاں نے اور کسی اور نے مل کر خریدا اور اس نے کھالیا نیت نہ تھی تو مالکی، حنفی اور حنبلی (۵) حضرات کے ہاں حانث ہوجائے گا کیونکہ فلاں اس کے آدھے کا خریدار ہے وہ بھی کھانا ہی ہے جس کو اس نے کھایا تو حانث ہوگا جس طرح فلاں شخص خرید کر کسی اور کے خریدے ہوئے کے ساتھ ملا دے اور یہ سب کو کھائے۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں کہ حانث نہ ہوگا کیونکہ ہر جز کو کسی ایک نے بھی علیحدہ نہیں خریدا تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے قسم اٹھائی کہ جس کپڑے کو زید نے خریدا وہ نہیں پہنوں گا پھر وہ کپڑا پہنا جس کو زید اور کسی اور نے مل کر خریدا تھا یہ مسئلہ آنے والی صورتوں کے خلاف ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ اس بھیڑ کے بچے یا بکری کے بچے کے گوشت سے نہیں کھائے گا پھر اس کے مینڈھا وغیرہ بننے کے بعد گوشت کھایا تو حنفیوں کے ہاں حانث ہوگا کیونکہ ذات باقی ہے تبدیل نہیں ہوئی اور قسم معین ذات پر تھی۔

اگر قسم اٹھائی کہ جوان سے بات نہیں کرے گا پھر بوڑھا ہونے کے بعد اس سے بات کی تو بھی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ ذات باقی ہے تبدیل صرف صفت ہوئی ہے اس کی ذات کا بعض حصہ تبدیل نہیں ہوا۔

---

(۱) ......رواہ احمد واصحاب السنن الاربعة عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ (نیل الاوطار ۸/۲۲۱) (۲) البدائع ص ۵۶ تبیین الحقائق ۳/۱۳۲۵، الشرح الکبیر ۲/۱۴۴، مغنی المحتاج ۴/۳۳۸، ۳۴۰، ۳۴۲، المغنی ۸/۸۰۶۔ (۳) المغنی ۸/۸۰۳۔ (۴) ۸/۸۰۰، ۸۰۲۔ (۵) القوانین الفقهية ص ۱۶۳، مغنی المحتاج ۴/۳۵۲ المغنی ۸/۷۸۰۔

اگر قسم اٹھائی کہ جوان سے بات نہیں کرے گا پھر بوڑھے سے کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسم غیر معین جوانی کی صفت والے انسان پر ہے اور صفت کو ذکر کرنا شرط لگانے کے درجے میں ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جوانی بوڑھے پر صادق نہیں آتی۔

دودھ کو پانی کے ساتھ ملانے کے حکم میں حنفی حضرات کا اختلاف......اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ اس دودھ سے کچھ بھی نہیں چکھے گا پھر اس میں پانی ڈالا اور چکھا یا پی لیا تو دیکھا جائے اگر دودھ زیادہ ہے تو قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس کو دودھ کہا جاتا ہے۔ اور اگر پانی زیادہ ہے تو حانث نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ چھواروں کے پانی (نبیذ) پر بھی منطبق ہوتا ہے جب اس کو سرکہ میں ڈال دیا یا نمکین پانی کو میٹھے پانی میں ملایا تو اعتبار کثرت کا ہوتا اس میں صاحبین کا اتفاق ہے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ رنگ اور ذائقے میں کثرت کا اعتبار کرتے ہیں نہ کہ اجزاء میں اگر دودھ کا رنگ اور ذائقہ باقی ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی اگر چہ دودھ پانی سے کم ہو، اگر رنگ اور ذائقہ ختم ہو جائے تو حانث نہ ہوگا اگر چہ دودھ کے اجزاء زیادہ ہوں، کیونکہ جب رنگ اور ذائقہ باقی ہو تو چیز کا نام باقی رہتا ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اجزاء کے زیادہ ہونے کا اعتبار کیا ہے اگر جس چیز پر قسم اٹھائی ہے اس کے اجزاء زیادہ ہوں تو قسم ٹوٹ جائے گی اگر کم ہوں تو نہ ٹوٹے گی، کیونکہ حکم اکثر پر لگتا ہے اور کم مقدار والی چیز اس کے تابع بن جاتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ اگر کسی ستو میں واضح ہوں اور گھی کا ذائقہ پایا جا رہا ہو تو قسم ٹوٹ گئی۔ اگر ذائقہ نہ پایا جا رہا ہو اور نہ اجزاء نظر آ رہے ہوں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جب نظر آ رہا ہو تو دوسرے کے ماتحت ہو کر ختم نہیں ہوا تو گویا اس نے صرف گھی ہی کھایا ہے، اور اگر اجزاء نظر نہ آ رہے ہوں تو دوسرے میں ختم ہو چکا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

کسی چیز کو اسی کی جنس سے ملانا......اگر جس پر قسم اٹھائی ہے اس کو اسی کی جنس سے ملا دیا جس طرح دودھ کو کسی اور دودھ سے ملا دیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں پانی کے ساتھ ملانے کی صورت کی طرح کثرت کو دیکھا جائے گا اگر غلبہ دوسرے دودھ کا زیادہ ہو تو قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ اس صورت میں غیر میں ہلاک ہونے کی طرح ہو گیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس صورت میں بہر حال قسم ٹوٹے گی، کیونکہ کوئی چیز اپنی جنس میں ملنے سے ختم نہیں ہوتی وہ تو صرف غیر میں ملنے سے ختم ہوتی ہے اس وقت کثرت کا اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا اپنی جنس میں یوں سمجھا جائے گا گویا مغلوب نہیں ہے۔ لیکن یاد رہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جنس کے ساتھ ملانے کی صورت میں اس کو ختم ہونا قرار نہیں دیا جب جنس، نوع اور صفت ہر ایک میں ایک طرح کی ہو اگر قسم بدل جائے جیسے بکری اور بھیڑ کا دودھ یا صفت بدلے جیسے میٹھا اور کڑوا پانی تو ان کے ملنے کی صورت میں کثرت کو دیکھا جائے گا جس طرح دو علیحدہ جنسوں کے ملنے کے وقت ہوتا ہے۔

سالن پر قسم......اگر قسم اٹھائی کہ سالن نہیں کھائے گا تو سالن سے ہر وہ چیز مراد ہے جو رواج میں روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہو جیسے دودھ، زیتون کا تیل، شوربہ، سرکہ، شہد وغیرہ اور جن میں روٹی بھگو کر نہیں کھائی جا سکتی تو یہ اس میں شامل نہیں ہے جیسے گوشت، پنیر، انڈے وغیرہ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ اور باقی فقہاء......امام محمد رحمہ اللہ اور باقی فقہاء کہتے ہیں نیز امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے کہ ہر وہ چیز جو روٹی کے ساتھ کھائی جائے وہ سالن ہے، جیسے گوشت، انڈے، پنیر وغیرہ۔

دلیل......''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ جنتیوں کے سالن کا سردار گوشت ہے۔''

عقلی دلیل ہے کہ سالن کو عربی میں ''ادام'' کہتے ہیں اور ادام ''ائتدام'' سے ماخوذ ہے ائتدام موافقت کے معنی میں ہے، چنانچہ کھانے میں روٹی اور ان اشیاء کے درمیان پائی جانے والی موافقت بالکل ظاہر ہے۔

نیز لوگ ان اشیاء کو عرف عام میں (رواجاً) سالن سمجھتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے۔

(ا)..... اگر کوئی چیز سالن سمجھ کر کھائی گئی ہے جیسے زیتون کا تیل، سرکہ تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی، چونکہ یہ اشیاء روٹی کے تابع ہوتی ہیں اور انہیں مقصود بنا کر نہیں کھایا جاتا، اور یہی سالن کا اصل نکتہ ہے۔

(ب)..... اگر روٹی کے ساتھ پنیر، گوشت اور انڈے کھائے تو مختار قول کے مطابق قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جب کہ قول مرجوح کے مطابق قسم نہیں ٹوٹے گی، اور یہ مرجوح قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اگر روٹی کے ساتھ چاول کھائے..... اگر کسی کھانے میں چاول سالن سمجھ کر روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر چاول مقصود بنا کر کھائے گئے جیسا کہ مشرقی ممالک (پاکستان، بھارت، کشمیر، بنگلہ دیش، برما وغیرہ) میں عرف عام میں چاول مقصد بنا کر (روٹی کی طرح) کھائے جاتے ہیں تو اس صورت میں حانث نہیں ہوگا۔ چونکہ اہل مشرق کے ہاں چاول کو سالن نہیں سمجھا جاتا۔

(ج) اگر روٹی کے ساتھ انگور، میوہ جات یا سبزیاں کھائیں..... اگر روٹی کے ساتھ انگور کھائے یا پھل کھائے یا سبزی کھائی تو بالاتفاق قسم نہیں ٹوٹے گی۔ چونکہ یہ چیزیں انفرادی بھی کھائی جاتی ہیں اور سالن کے مقصد سے نہیں کھائی جاتیں، بلکہ یہ تو سالن کے ساتھ کھانے کے تابع ہیں، البتہ اگر کسی جگہ اکثر طور پر روٹی کے تابع بنا کر (بطور سالن) کھائی جاتی ہوں تو قسم ٹوٹ جائے گی چونکہ عرف کی رعایت اسی کی متقاضی ہے۔ ❶

۶: گوشت نہ کھانے کی قسم..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی کے سوا جس حیوان (جانور) کا گوشت کھائے گا قسم ٹوٹ جائے گی، اگر مچھلی کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔ اگرچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو "لحم" (گوشت) سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَحْمًا طَرِيًّا..... فاطر ۳۵/۱۲ "یعنی تازہ گوشت" چونکہ عرف عام میں مچھلی کی گوشت نہیں کہا جاتا، نیز جب مطلق گوشت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد مچھلی نہیں ہوتی، چنانچہ جب کوئی شخص کہے: "میں نے فلاں دن گوشت نہیں کھایا۔" اگرچہ اس نے مچھلی کھائی ہو تب بھی وہ درست کہتا ہے۔

قرآن مجید میں مچھلی کو صرف گوشت کا نام دیا گیا ہے۔ ❷ یہی شافعیہ کا مذہب ہے۔ ❸ گوشت کا لفظ دنبے کی چکی، کلیجی، تلی اور دل کو شامل نہیں ہوگا یہی شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح قول ہے۔ البتہ سری گوشت، زبان، پیٹھ اور پہلو کی چربی گوشت میں شامل ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ..... مالکی اور حنبلی حضرات فرماتے ہیں: پیٹھ اور پہلو کی چربی کھانے سے، مچھلی کھانے سے حانث ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لحم فرمایا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا..... النحل ۱۶/۱۴

اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا تا کہ تم تازہ گوشت کھاؤ۔

اور فرمایا:

---

❶..... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے المبسوط ۸/۱۷۷، البدائع ۳/۵۷، الدر المختار ۳/۱۰۳، فتح القدیر ۴/۵۴ تبیین الحقائق ۳/۱۳۱ المغنی ۸/۸۰۵۔ ❷ یعنی گوشت کے لفظ کا اطلاق مچھلی پر کیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مچھلی فی الواقع اور عرف میں بھی گوشت ہو۔ ❸ دیکھئے المہذب ۲/۱۳۴ مغنی المحتاج ۴/۳۳۶ یعنی مچھلی کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

وَ مِنۡ كُلٍّ تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِيًّا......فاطر ۳۵/۱۲

نیز یہ بھی حیوان کے جسم کا حصہ ہے۔حنابلہ کے ہاں گوشت چربی،مغز اور دماغ کو شامل نہیں،البتہ اگر اس نے چکنائی سے بچنے کا ارادہ کیا تو چربی کھانے سے حانث ہوجائے گا۔اگر پیٹھ کی چربی کھائی تو حنفیوں کے ہاں حانث ہوگا،کیونکہ یہ موٹا گوشت ہے۔اگر پیٹ اور چکی کی چربی کھائی تو حانث نہ ہوگا،کیونکہ اس کو لحم یعنی گوشت نہیں کہا جاتا،اور گوشت کے ساتھ اس کو بیچا بھی نہیں جاتا،اگر نیت کی ہو تو حانث ہوجائے گا،کیونکہ اس نے اپنے اوپر سختی کی،نیز اس میں کسی نہ کسی درجے میں گوشت کا معنی یعنی چکنائی پایا جاتا ہے۔اسی طرح اگر مچھلی کے گوشت کی نیت کی تو بھی حانث ہوگا کیونکہ اس میں بھی ناقص لحمیت پائی جاتی ہے۔

اگر اس نے پیٹ کی زائد اشیاء مثلاً اوجڑی،پھیپھڑے،دل،انتڑیاں یا تلی وغیرہ کھالی تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اہل کوفہ کی عادت کے مطابق حانث ہوگا،کیونکہ اس کو گوشت کے ساتھ بیچا جاتا ہے،البتہ وہ جگہ جس میں گوشت کے ساتھ اس کو نہیں بیچا جاتا جس طرح ہمارے زمانے میں تو حانث نہ ہوگا۔

اگر مچھلی کے علاوہ حیوانات میں سے کسی کے سر کا گوشت کھایا:تو حانث ہوگا،کیونکہ سر بھی حیوان کے اعضاء میں سے ہے تو اس کو کھانا باقی اعضاء کے کھانے کی طرح ہے،اس کے برخلاف اگر قسم اٹھائی کہ گوشت نہیں خریدے گا،پھر سری خریدی:تو حانث ہوگا؟

سری خریدنے والا گوشت کا خریدار نہیں سمجھا جاتا،بلکہ کہا جاتا ہے:اس نے سری خریدی۔❶

۷:چربی نہ کھانا......اگر قسم اٹھائی کہ چربی نہیں کھائے گا پھر پیٹھ کی چربی خریدی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ،شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حانث نہ ہوگا،کیونکہ عرف اور عادت ورواج میں اس کو چربی نہیں کہا جاتا،بلکہ اس کو پلا ہوا گوشت کہا جاتا ہے،لہٰذا مطلق ہونے کی صورت میں چربی کا لفظ اس کو شامل نہ ہوگا،اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس کو چربی فرمایا ہے لیکن اس سے قسم میں داخل ہونا لازم نہیں آتا اگر رواج میں نہ ہو،کیونکہ قسموں کا مدار رواج وعرف پر ہے،حانث صرف پیٹ اور آنتوں کی چربی سے ہوگا۔

صاحبینؒ اور مالکیؒ......حضرات کے ہاں پیٹھ کی چربی سے بھی حانث ہوگا،کیونکہ ارشاد باری ہے:

وَمِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ......الانعام:۶/۱۴۷

اور گائے اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر چربیوں کو حرام کیا مگر وہ چربیاں جن کو ان کی پیٹھوں نے اٹھایا۔

مستثنیٰ،مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے،لہٰذا معلوم ہوا کہ پیٹھ کی چربی بھی حقیقۃً چربی ہے۔❷

آج کل رواج بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ یہ چربی ہے۔

۸:سری کا نہ کھانا اور نہ خریدنا......اگر قسم اٹھائی کہ سری نہ کھاؤں گا،نہ خریدوں گا پھر تمام سریوں کی نیت کی تو درست ہے اور اس کا کلام اسی طرف پھرے گا،کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی اور اس میں سختی کی۔اگر اس کی نیت نہ ہو تو اس کے علاقے میں جو سری بیچی جاتی ہوں وہ مراد ہوں گی۔

امام صاحب کا مسلک......امام صاحب رحمہ اللہ پہلے فرماتے تھے کہ اس میں اونٹ،گائے اور بکری کی سریاں داخل ہیں،پھر رجوع فرمایا اور فرمایا کہ اس میں صرف گائے اور بکری کی سری شامل ہے۔

---

❶......دیکھئے فتح القدیر ص۴۸ تبیین الحقائق ص۱۲۸،الدر المختار ص ۱۰۰ مغنی المحتاج ۴/۳۳۷ الشرح الکبیر ۲/۱۴۴۔ ❷ مبسوط وفتح القدیر المراجع السابقہ،تبیین الحقائق ص ۱۳۰۔

صاحبین کا مسلک..... حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف بکری کی سری میں ہی حانث ہوگا۔

متاخرین احناف نے فرمایا..... یہ زمانے اور عادت ورواج کی تبدیلی کا اختلاف ہے دلیل کا اختلاف نہیں، کیونکہ قسموں کے مسائل رواج پر مبنی ہیں اس لئے رواج کے ساتھ ہی بدلتے رہیں گے۔ ❶

شافعیہ..... کہتے ہیں: جس شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ سریاں نہیں کھائے گا اور اس کی کوئی اور نیت بھی نہ ہو تو وہ اسی سریاں کھانے سے حانث ہوجائے گا جو تنہا فروخت کی جاتی ہیں۔ اس سے بھیڑ بکری کی سریا اونٹ اور گائے کی سریاں، مراد ہوں گی، چونکہ عرف میں یہی سریاں مراد لی جاتی ہیں، تاہم پرندوں کی سریاں، مچھلیوں کی سریاں شکار اور گھوڑوں کی سریاں کھانے سے حانث نہیں ہوگا ہاں البتہ جن شہروں میں یہ سریاں فروخت ہوتی ہوں ان میں کھانے سے حانث ہوگا۔

۹: انڈا نہ کھانے کی قسم..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ انڈا نہیں کھائے گا: اگر اس نے ہر پرندے کسی کے انڈے کی نیت کی تھی تو حنفیہ کے نزدیک قسم اسی کے مطابق واقع ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لیے ہیں۔ اور اپنے آپ پر سختی کی ہے۔ اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں تھی تو اس سے مراد وہ انڈا ہوگا جس کا چھلکا ہے۔ ایسا انڈا پرندے، مرغی اور بطخ کا ہوتا ہے۔ عرف عام میں یہی معنی مراد ہوتا ہے۔ ❷

شافعیہ..... شافعیہ کے نزدیک انڈے کا اطلاق ہر اس انڈے پر ہوتا ہے جو انڈا دینے والے جانور سے زندگی کی حالت میں جدا ہو جیسے، مرغی، شترمرغ اور کبوتر نہ کہ مچھلی اور ٹڈی۔ ❸

۱۰: پکی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم..... اگر قسم کھائی کہ پکی ہوئی چیز نہیں کھائے گا: اگر اس نے گوشت وغیرہ کی نیت کی ہو تو یہی مراد ہوگا۔ اس لئے کہ یہ حقیقت میں پکی ہوئی چیز ہے۔ اس نے اپنے آپ پر سختی کی ہے۔ اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو عرف عام مراد ہوگا۔ یعنی پانی سے پکی ہوئی ہر چیز۔ سابقہ عرف میں پکی ہوئی چیز سے مراد ایسا گوشت ہوتا تھا جو پانی سے پکایا گیا ہوتا کہ اس کا کھانا آسان ہو۔ اسی طرح ایسے گوشت سے بنا ہوا شوربا بھی مراد ہوتا تھا۔ اس لئے کہ اس میں گوشت کے اجزاء ہوتے ہیں۔

۱۱: بھنا ہوا نہ کھانے کی قسم..... اگر قسم کھائی کہ بھنا ہوا نہیں کھائے گا اور بھنا ہوا گوشت کھانے کی نیت کی تو ہر بھنا ہوا کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔ اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں تھی تو اس سے خاص طور پر گوشت ہی مراد ہوگا۔ اس لئے کہ گزشتہ زمانے کا عرف یہی تھا۔ باقی آج کل بھی لوگوں کا عرف مراد ہوگا۔

۱۲: میٹھا نہ کھانے کی قسم..... اگر قسم کھائی لایأکل حلواء او حلواً او حلاوۃ کہ میٹھا یا مٹھائی نہیں کھائے گا: تو اس بارے میں علماء سابقین کا اصول یہ ہے کہ میٹھے سے مراد ایسی چیز ہے جس کی جنس کھٹی نہ ہو۔ اور جس کی جنس میں کھٹاس ہو وہ میٹھا نہیں ہے (غیر الحلو) ہے۔ اور اس کا دارومدار عرف پر ہے۔ لہٰذا کھجور گھی کا حلواء، شہد، چینی، کھجور، چھوارہ، انجیر وغیرہ کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ ان چیزوں کی جنس میں کھٹاس نہیں پائی جاتی۔ اور میٹھے انگور، میٹھا خربوز، میٹھا انار، میٹھا آلو بخارہ، میٹھا سیب اور کشمش کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ یہ چیزیں کبھی کبھار میٹھی نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ان میں مٹھائی والے معنی خالص نہ ہوئے۔

حلوا..... حلوا کا اطلاق میٹھے پر ہوتا ہے چاہے وہ صرف میٹھی چیزوں سے بنا ہو یا کوئی اور چیز بھی ساتھ ملائی ہو جیسے کھجور گھی کا حلواء اور

---

❶..... مغنی المحتاج ۳۳۵/۴۔ ❷ البدائع: ۵۹/۳۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳۳۶/۴۔

ریوڑی جو کہ آٹے اور چینی سے بنائی جاتی ہے۔ ❶

حقیقت یہ ہے کہ میٹھے وغیرہ کی تفسیر کا دارومدار عرف پر ہے جیسا کہ فقہاء فرماتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے عرف میں میٹھے اور میٹھائیوں سے لوگوں کا جو مقصود ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں میٹھے (الحلو) سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے مٹھاس حاصل کی جاتی ہو۔ چاہے وہ پھل ہو یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہو جیسے انجیر، انگور، کھجور گھی کا حلواء، کیک وغیرہ۔ رہا الحلاوۃ اور الحلوی تو اس سے مراد ایک مخصوص قسم ہے۔ جیسے اخروٹ سے بنی ہوئی ایک خاص مٹھائی اور تل سے بنی ہوئی مٹھائی۔ اسی طرح جو چیزیں چینی یا شہد سے آٹے میں بنائی جاتی ہیں وہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ ❷

۱۳: **پھل نہ کھانے کی قسم**...... پھل (فاکھۃ) نہ کھانے کی قسم کے بارے میں فقہاء حنفیہ نے اپنے سابقہ عرف کے مطابق جو بحث کی ہے وہ تین قسموں پر مشتمل ہے۔ ان کو میں یہاں ترتیب سے بیان کروں گا۔ اور پھر دائمی فقہی حکم ذکر کروں گا۔

پہلی قسم...... اس قسم کے پھلوں سے حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔ انگور، کھجور، اور انار کے علاوہ تمام پھل اس قسم میں شامل ہیں۔

تازہ ہوں یا خشک...... اس لئے کہ ان پر ''فاکھہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فاکھۃ سے مراد ہر وہ چیز جس کو کھانے سے پہلے یا بعد لطف اندوز ہونے کے لئے کھایا جائے۔ یعنی اس سے معمول سے زیادہ لذت حاصل کی جائے۔

دوسری قسم...... اس قسم سے بالاتفاق قسم نہیں ٹوٹتی: وہ یہ کہ ککڑی، کھیرا اور گاجر کھائے۔ ان میں عادۃً تفکہ والے معنی نہیں پائے جاتے۔ اس لئے کہ یہ خرید وفروخت اور استعمال میں سبزیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

تیسری قسم...... اس قسم میں اختلاف ہے۔ اس میں انگور، کھجور اور انار شامل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے قسم نہیں ٹوٹتی۔ اس لئے کہ فاکھۃ تفکہ سے ہے۔ اس کا مطلب ہے ایسی چیز سے لذت حاصل کرنا جس کے ساتھ بقا کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اور وہ عام معمول کے کھانے سے زائد ہو۔ اور جو غذا بن سکے نہ دوا۔

اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے غذاء اور دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انگور اور کھجور کو غذا کے طور پر کھایا جاتا ہے۔ ان سے جسم کی بقاء کا تعلق ہے۔ بعض علاقوں کے لوگ انہی کے کھانے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اور انار دواء کے طور پر کھایا جاتا ہے۔ اس لئے ان چیزوں میں تفکہ کے معنی پورے طور پر نہ پائے گئے۔ لہٰذا یہ فاکھۃ میں شامل نہیں ہوں گے۔

اسی بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّاۙ ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًاۙ ﴿۲۸﴾ وَّزَیْتُوْنًا وَّ نَخْلًاۙ ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآىِٕقَ غُلْبًاۙ ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّاۙ ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

سورۂ عبس، آیت ۲۷۔۳۲

پھر ہم نے اس سے غلے اگائے، اور انگور اور ترکاریاں، اور زیتون اور کھجور، اور گھنے گھنے باغات، اور میوے اور چارہ، سب کچھ تمہارے اور

❶...... المبسوط: ۱۷۸/۸، البدائع: ۵۹/۳، فتح القدیر: ۵۲/۴، تبیین الحقائق: ۱۲۹/۳۔ ❷ رد المحتار: ۱۰۳/۳۔

تمہارے مویشیوں کی خاطر! آسان ترجمہ قرآن از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

یہاں اللہ تعالیٰ نے فاکھۃ کا عطف انگور پر کیا ہے۔ اور یہ بات تو مسلم ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ الگ الگ ہوتے ہیں۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما......صاحبین فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ عرف کے اعتبار سے ان میں تفکہ اور لذت والے معنی موجود ہیں۔ بلکہ یہ سب سے شاندار پھل ہیں۔ اور ان میں دوسرے پھلوں سے کہیں زیادہ لذت پائی جاتی ہے۔

یہ پھلوں کے بارے میں حنیفہ کا مسلک ہے۔ اب اعتبار عرف کا ہے۔ عرف میں جس کو فاکھہ کہا جاتا ہے اس سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ رہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کہ انگور، کھجور اور انار پھل نہیں ہیں تو یہ عرف اور زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ان کے زمانے میں یہ چیزیں فاکھہ میں شمار نہیں کی جاتی تھیں۔ تو انہوں نے اپنے زمانے کے عرف کے مطابق فتویٰ دیا۔ اور صاحبین کے زمانے میں عرف بدل گیا اس لئے ان کا فتویٰ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے مختلف ہو گیا۔

اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ خشک پھل نہیں کھائے گا پھر اس نے اخروٹ، بادام، یا انجیر وغیرہ کھالئے تو گزشتہ زمانے کے عرف کے مطابق قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ فاکھۃ کا اطلاق خشک اور تر دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے عرف میں اخروٹ اور بادام سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ان سے تفکہ اور لذت حاصل نہیں ہوتی۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ......مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ ❷ فرماتے ہیں کہ پختہ کھجور، انگور، انار، نارنجی، لیموں، بیر (جو بیری کے درخت پر لگے ہوں)؛ خربوز، پستہ اور چلغوزہ کی گری اور اس کے علاوہ دوسری گریاں جیسے بادام اور اخروٹ صحیح قول کے مطابق یہ سب فاکھہ میں شامل ہیں۔ ککڑی، کھیرا، گاجر اور بینگن فاکھہ میں شامل نہیں ہیں۔

۱۴: گندم نہ کھانے کی قسم......اگر قسم کھائی کہ میں اس گندم میں سے نہیں کھاؤں گا تو یہ قسم گندم کو بعینہ بھون ❸ کر یا پکا کر کھانے پر واقع ہوگی۔ کچی گندم پر واقع نہیں ہوگی۔ الا یا کہ اس نے کچی گندم کی نیت کی ہو۔ اسی طرح روٹی اور آٹے سے بننے والی دوسری چیزوں پر بھی واقع نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اس نے اس سب کچھ نیت کی ہو تو ان سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اس لئے کہ لفظ گندم کا اطلاق روٹی پر حقیقتاً نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا روٹی پر اطلاق مجازاً ہوگا۔ اور حقیقی معنی اولیٰ ہوتے ہیں۔

شافعیہ......شافعیہ ❹ کے نزدیک گندم کو پکا کر، بھون کر یا کچی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اس کا آٹا، ستو، گوندھا ہوا آٹا اور روٹی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسی طرح پختہ کھجور ❺ چھوارے اور گدر کھجور کو شامل نہیں ہوگی۔ اور انگور کشمش کو شامل نہیں ہوں گے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور مالکیہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ گندم کی روٹی بنا کر کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی جیسا کہ ثابت گندم کو کھانے سے۔ اس لئے کہ عرف میں گندم کھانے سے گندم سے بنی ہوئی چیز کھانا مراد ہوتا ہے۔ اور وہ روٹی ہے نہ کہ بعینہ گندم کا کھانا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے فلاں گندم کھائی۔ یعنی اس کی روٹی کھائی۔ اور مطلق کلام کو لوگوں کے عرف پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس لئے مسئلے میں اختلاف

---

❶ المبسوط: ۱۷۹/۸، البدائع: ۶۰/۳، فتح القدیر: ۵۳/۴، تبیین الحقائق: ۱۳۰/۳، الدر المختار: ۱۰۳/۳۔ ❷ مغنی المحتاج: ۳۴۰/۴، القوانین الفقھیة: ۱۶۳، المغنی: ۸۰۴/۸۔ ❸ المقلیة: ''یعنی جس کو لوگ آگ پر جوش دیتے ہیں اور دانتوں سے چبا کر کھاتے ہیں۔ اس کو ہمارے علاقے کے عرف میں بلیلۃ کہا جاتا ہے۔'' ❹ مغنی المحتاج: ۳۳۸/۴۔ ❺ اہل لغت فرماتے ہیں: کھجور کا پھل شروع میں طلع اور کافور کہلاتا ہے پھر خلال، پھر بلح، پھر بُسر (گدر کھجور)، پھر رطب (پختہ کھجور)، پھر تمر۔

دراصل اصول فقہ کے ایک مسئلے کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کسی کلام کی حقیقت مستعملہ اور مجاز متعارف دونوں ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حقیقت مجاز متعارف سے بہتر ہے۔ صاحبین کے نزدیک مجاز متعارف مراد لینا اولیٰ ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ دریائے فرات سے نہیں پئے گا یا اس نہر سے نہیں پیئے گا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قسم منہ لگا کر ❶ پینے پر واقع ہوگی۔ لہٰذا اگر اس نے برتن بھر کے یا چلو بھر کے پانی پیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں صورتوں میں قسم واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ وہ اس موقع پر عموم مجاز مراد لیتے ہیں۔

عموم مجاز......عموم مجاز کا مطلب یہ ہے کہ مجاز کے بہت سے افراد ہوں اور ان تمام افراد میں سے ایک فرد حقیقت بھی ہو۔ اس طرح حقیقت مجاز کے تحت داخل ہو جائے گی۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کے مجازی معنی رہائش کے ہیں۔ اس کے حقیقی معنی ہیں فلاں آدمی کا مملوکہ گھر۔ لہٰذا قسم میں اس کی رہنے کی جگہ مراد ہوگی چاہے وہ کرائے پر ہو، عاریت پر ہو یا اس کی مملوکہ ہو۔ اس لئے کہ یہاں بالاتفاق عموم مجاز مراد ہے۔

آٹا نہ کھانے کی قسم......اگر قسم کھائی کہ اس آٹے میں سے نہیں کھائے گا پھر اس نے وہ چیز کھائی جو اس آٹے سے بنتی ہے یعنی روٹی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ آٹے کو بعینہٖ نہیں کھایا جاتا۔ عادۃً اس کی روٹی بنا کر کھائی جاتی ہے۔ اس کو پھانک کر کھانا نادر ہے۔ اور نادر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر اس نے نیت یہ کی تھی کہ بعینہٖ آٹے کو نہیں کھائے گا تو اس سے بنی ہوئی روٹی کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لیے ہیں۔

روٹی نہ کھانے کی قسم......اگر قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو اس کی قسم اس علاقے والوں کی عادت کے مطابق ہوگی کہ وہ کس کے کھانے کو روٹی سمجھتے ہیں۔ اور وہ گندم اور جو کی روٹی ہے۔ اس لئے کہ اکثر علاقوں میں اسی کی عادت ہے۔ ❷

شافعیہ......شافعیہ کے نزدیک ❸ روٹی نہ کھانے کی قسم میں روٹی سے مراد ہر طرح کی روٹی ہوگی جیسے گندم، جو، چاول، لوبیا، مکی اور چنا۔ آٹے کے مسئلے کی بنیاد پر یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی وہ اس درخت سے نہیں کھائے گا پھر اس نے اس درخت کا پھل کھالیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ درخت کو بعینہٖ نہیں کھایا جاتا۔

۱۵: نہ کھانے کی قسم کھا کر کسی خاص کھانے کا ارادہ کرنا......اگر قسم کھائی کہ کھائے گا نہیں یا پیئے گا نہیں یا پہنے گا نہیں۔ اور کسی خاص کھانے، خاص پینے اور اور کپڑے کی نیت کی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے مقتضائے کلام کے خلاف نیت کی ہے اور وہ عام نہیں ہے لہٰذا تخصیص کا احتمال بھی نہیں۔ نیت منہ سے نکلی ہوئی بات کے مختلف احتمالات میں سے بعض کو متعین کرنے میں کام آتی ہے۔ لیکن اگر اس نے کہا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا یا کپڑا نہیں پہنوں گا اور پھر خاص کھانے یا کپڑے کی نیت کی تو دیانۃً اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی لیکن قاضی کی عدالت میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔
اور دیانۃً تصدیق اس لئے کہ جائے گی کہ اس نے ایسے کلام کو خاص کرنے کی نیت کی ہے جو بظاہر عام ہے لیکن تخصیص کا احتمال رکھتا ہے۔ ❹

مالکیہ......مالکیہ ❺ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ چپاتی نہیں کھائے گا پھر اس نے چپاتی کا کچھ حصہ کھالیا تو قسم ٹوٹ جائے

---

❶...... کرع فی الماء والاناء: اپنی گردن لمبی کی اور پانی یا برتن سے منہ لگا کر پانی پیا۔ ۱۳۔ ❷ دیکھئے المبسوط: ۱۸۱/۸، البدائع، سابقہ حوالہ ص ۶۱ وما بعدھا، فتح القدیر: ۵۰/۴ و مابعدھا، تبیین الحقائق: ۱۲۹/۳، الدر المختار: ۱۰۰/۳ وما بعدھا، الشرح الکبیر: ۱۴۵/۲۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳۳۹/۴۔ ❹ البدائع: ص ۶۶، تبیین الحقائق: ۱۳۳/۳، الدر المختار ۱۰۵/۳ وما بعدھا
❺ القوانین الفقھیہ: ص ۱۶۴ وما بعدھا

گی۔یہ ان کا مشہور قول ہے۔اور اگر اس نے قسم کھائی کہ وہ چپاتی کھائے گا تو پوری چپاتی کھائے بغیر قسم پوری نہیں ہوگی۔ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جس نے کسی فعل کی قسم کھائی اس کو لفظ کے محتمل کے اکثر حصے پر محمول کیا جائے گا۔یہ مشہور قول ہے۔اسی طرح جس نے کسی شئی کے کرنے کی قسم کھائی تو اس سے نکلنے والی چیز کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔جس نے قسم کھائی کہ وہ گندم نہیں کھائے گا تو اس کی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔جس نے قسم کھائی کہ دہی نہیں کھائے گا تو پنیر کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔جس نے قسم کھائی کہ انگور نہیں کھائے گا تو کشمش کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

۱۶: پینے کی قسم..... ہم پینے کے معنی جان چکے ہیں: وہ یہ کہ ایسی مائع چیزیں جو چبائی نہیں جاسکتیں ان کو پیٹ تک پہنچاتا۔اگر قسم کھائی کہ نہیں پیئے گا پھر کھالیا تو اس سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے قسم کھائی کہ کھائے گا نہیں اور پھر پی لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ کھانا اور پینا دو الگ الگ فعل ہیں۔اگر قسم کھائی کہ پیئے گا نہیں اور اس کی کوئی نیت نہیں تھی پانی یا اس کے علاوہ جو بھی مشروب پیئے گا قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح کے پینے سے روک دیا۔چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔اس لئے کہ تھوڑے پینے کو بھی پینا کہتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ دجلہ یا فرات سے نہیں پیئے گا..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک منہ لگا کر نہیں پیئے گا قسم نہیں ٹوٹے گی۔اگر اس نے ہاتھ یا برتن سے پانی لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ منہ لگا کر برتن سے یا چلو بھر کر جس طرح بھی پیئے قسم ٹوٹ جائے گی۔ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے وہ معنی مراد ہوں گے جو اہل لغت کے ہاں معروف ہوں۔اور ہاتھ یا برتن کے ذریعے نہر سے پانی پینے والے کو اہل لغت کے ہاں نہر سے پانی پینے والا کہا جاتا ہے۔لہٰذا مطلق کلام کو معنی عرفی پر محمول کیا جائے گا۔اگرچہ یہ معنی مجازی ہیں مگر یہ مجاز متعارف بن چکا ہے۔جیسا کہ ابھی گزرا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس درخت سے نہیں کھائے گا تو اس سے درخت کا پھل مراد ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق کلام سے اس کے معنی حقیقی مراد ہوتے ہیں۔اور نہر سے پانی پینے کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ منہ لگا کر پیا جائے۔

کنویں سے پینا..... اگر قسم کھائی کہ اس جُب ❶ (گہرا کنواں) یا بئر (کنواں) کا پانی نہیں پیئے گا پھر پہلے سے ہاتھ یا برتن کے ذریعے پانی لیا اور دوسرے سے پانی کھینچ کر نکالا اور پی لیا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔اس لئے کہ یہاں منہ لگا کر پینا ممکن ہی نہیں۔اگر قسم کھائی کہ اس کنویں (جب) سے نہیں پیئے گا تو اس میں وہی اختلاف ہے جو ابھی میں نے دجلہ اور فرات والے مسئلہ میں بیان کیا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک منہ لگا کر پانی نہ پیئے قسم نہیں ٹوٹے گی۔اور صاحبین کے نزدیک مطلقاً قسم ٹوٹ جائے گی۔❷

صبح، شام اور سحری کے کھانے کی قسم..... غدا (صبح کا کھانا)، عشاء (شام کا کھانا) اور مسحور (سحری) سے مراد ایسی چیز کھانا جس سے عام طور پر پیٹ بھرنا مقصود ہوتا ہے۔ہر علاقے کا صبح کا کھانا وہاں کے عرف کے مطابق ہوتا ہے۔اگر وہ روٹی ہے تو روٹی اور اگر گوشت ہے تو گوشت۔یہاں تک کہ شہری آدمی اگر صبح کا کھانا نہ کھانے کی قسم کھالے اور پھر دودھ پی لے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔دیہاتی کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔اس لئے کہ دیہات میں دودھ کھانا شمار ہوتا ہے۔

یعنی اعتبار قسم کھانے والے کے اہل علاقہ کی عادت کا ہوگا کہ ان کے ہاں صبح کے کھانے میں کیا استعمال ہوتا ہے۔

---

❶.....الجب جیم کے ضمہ کے ساتھ: گہرا کنواں۔❷ المبسوط: ۱۸۶/۸ وما بعدها، البدائع: ۶۶/۳، فتح القدیر: ۵۸/۴ ومابعدها تبیین الحقائق ۱۳۴/۳۔

صبح، شام اور سحری کے کھانے میں اتنا کھانا ضروری ہے کہ نصف سے زائد شکم سیر ہو جائے۔

گزشتہ زمانے میں صبح کا کھانا..... طلوع فجر سے لے کر ظہر تک کا کھانا صبح کا کھانا (غداء) شمار ہوتا تھا۔

گزشتہ زمانے میں شام کا کھانا..... ظہر سے آدھی رات تک کا کھانا شام کا کھانا (عشاء) شمار ہوتا تھا۔ اس لئے کہ زوال کے بعد کے وقت کو عشاء (شام) کہا جاتا ہے۔ اس لئے حدیث میں ظہر کو عشاء (شام) کی دو نمازوں میں سے ایک کہا گیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں میں سے ایک کی دو رکعتیں پڑھیں۔ راوی نے یہاں ظہر یا عصر مراد لی ہے۔

آج کل کا عرف..... آج کل ہمارے عرف میں طلوع فجر سے چاشت تک کے وقت کے کھانے کو فطور (ناشتہ) سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد غداء (دوپہر کا کھانا) کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو عصر کے وقت ختم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے عرف میں یہ شام کا ابتدائی وقت ہے۔ اس وقت عشاء (شام کا کھانا) کا وقت داخل ہوتا ہے۔ یعنی عصر کے بعد آج کل اسی عرف کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

سحری..... سحور آدھی رات سے طلوع فجر تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔ یہ سحر سے ماخوذ ہے جو رات کے آخری تہائی کو کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق رات کے نصف اخیر پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ رات کی آخری تہائی کے قریب ہے۔

التضحی..... یہ چاشت کے وقت کے کھانے کو کہتے ہیں۔ چاشت کا وقت: سورج طلوع ہونے کے بعد جب نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے اس وقت سے آدھے دن تک کا وقت چاشت کا وقت ہے۔ اس لئے کہ یہ نماز چاشت کا وقت ہے۔

التصبیح..... یہ طلوع شمس اور چاشت کے وقت کے درمیانی وقت میں کھائے جانے والے کھانے کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اصباح سے ہے۔ اس کی پہچان اہل لغت کے نام رکھنے سے ہوتی ہے۔

اگر کسی نے قسم کھائی "لیاتینه غدوة" کہ وہ صبح کے وقت ضرور آئے گا تو یہ طلوع فجر کے بعد آدھے دن تک ہوگا۔ ❶

اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ کوئی چیز نہیں کھائے گا پھر اس کو پی لیا یا قسم یہ کھائی کہ اس کو پیئے گا نہیں پھر اس کو کھا لیا تو جمہور کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ کسی چیز کو نہ کھانے یا نہ پینے کی قسم کھانے سے عرف میں اس چیز سے اجتناب مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا قسم کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ الا یہ کہ وہ نیت کر لے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ افعال کی مختلف انواع اشیاء کی انواع کی طرح الگ الگ ہوتی ہیں۔ ❷

پانچواں مطلب..... پہننے اور پہنانے کی قسم

جس نے قسم کھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا حالانکہ وہ کپڑا اس نے پہنا ہوا ہے تو اس کو اسی وقت اتار دے۔ اگر اس نے نہ اتارا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔ ❸

جب کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ قمیص، شلوار یا چادر نہیں پہنے گا اور پھر اس کا تہبند بنا لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اسی طرح اگر ان چیزوں میں سے کسی کا عمامہ بنا لیا تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ اس لئے کہ مطلق میں عادت کا اعتبار ہوتا ہے اور ان چیزوں سے تہبند اور عمامے کی عادت نہیں لہٰذا قاسم بھی نہیں ٹوٹے گی۔

اور اگر قسم کھائی کہ یہ قمیص اور یہ چادر نہیں پہنے گا تو جس طرح بھی اس کو پہنے قسم بالاتفاق ٹوٹ جائے گی۔ ❹ یہاں تک کہ تہبند اور عمامہ

---

❶..... البدائع: ۶۹/۳، فتح القدیر: ۵/۴، تبیین الحقائق ۱۳۲/۳، الدر المختار ۱۰۵/۳۔ ❷ المغنی: ۸۱۶/۸۔ ❸ المغنی ۷۷۷/۸۔ ❹ المغنی: ۷۷۹/۸، الشرح الکبیر ۱۵۴/۲۔

بنانے سے بھی۔ اس لئے کہ قسم کا تعلق جب کسی چیز کی ذات سے ہو تو اس میں اس ذات کے نام کے پائے جانے کا اعتبار ہوتا ہے۔ عرف اور عادت کے وصف کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں عورت کا کاتا ہوا استعمال نہیں کروں گا اور پھر ایسا کپڑا پہن لیا جس کو اس عورت نے کاتا تھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ کاتے ہوئے کو بعینہ نہیں پہنا جاتا لہٰذا اس سے بننے والی چیز مراد ہوگی جو کہ کپڑا ہے اور اگر کسی نے بعینہ کاتے ہوئے کو پہننے کی نیت کی تو کپڑا پہننے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اس نے کلام کے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے کا کپڑا نہیں پہنے گا تو اس سے کپڑا مراد ہوگا۔ اگر کاتے ہوئے کو پہننے کی نیت کی تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے کا کپڑا نہیں پہنے گا پھر اس عورت اور کسی دوسری عورت کے کاتے ہوئے سے بنا ہوا کپڑا پہن لیا تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بالاتفاق قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ کپڑا ایک متعین چیز کا نام ہے۔ اس کے بعض حصے پر قسم واقع نہیں ہوگی۔

حنابلہ کے ہاں اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بعد میں آنے والی صورت میں قسم ٹوٹ جائے گی۔ دوسری یہ کہ قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے میں سے نہیں پہنے گا پھر اس عورت اور کسی دوسری عورت کے کاتے ہوئے سے بنا ہوا کپڑا پہن لیا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔ ❶ اس لئے کہ کاتے ہوئے کے بعض حصے کو بھی کاتا ہوا کہتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے کاتے ہوئے میں سے نہیں پہنے گا۔ اور کپڑے کا لفظ نہیں کہا تو ازار بند، بٹن، کاج اور کالرز سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ عرف میں اسے پہننا نہیں کہا جاتا۔ ہاں اگر اس نے ایسا کپڑا پہن لیا جس کا گریبان ❷ اسی عورت کا کاتا ہوا تھا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ کپڑا پہننے سے کاتے ہونے کی اتنی مقدار پہن لی گئی۔ ❸

جس نے قسم کھائی کہ زیور نہیں پہنے گا پھر چاندی کی انگوٹھی پہن لی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ یہ نہ عرفی لحاظ سے زیور ہے نہ شرعی لحاظ سے۔ اسی لئے مردوں کے لئے اس کا استعمال جائز ہے۔ اگر سونے کی انگوٹھی پہنی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ یہ زیور ہے۔ اسی لئے مردوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اور اگر موتیوں کا ہار پہنا تو صاحبین کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ حقیقتاً زیور ہے اور اسے بطور زیور پہننا عام معمول ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موتیوں کا ہار پہننے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

غیر حنفی حضرات کے نزدیک چاندی اور موتی پہننے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ❹

اگر قسم کھائی کہ فلاں کو کچھ نہیں پہنائے گا۔ اور اس کی کوئی نیت نہیں تھی۔ پھر اس کو ٹوپی، موزے یا جوربین پہنا لئے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ لباس اسے کہتے ہیں جس کو پہنا جائے اور یہ بات تھوڑے اور زیادہ دونوں میں پائی جاتی ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں کو کپڑے نہیں پہنائے گا پھر اس کو کپڑا خریدنے کے لئے درہم دے دیئے تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ اس نے کپڑے نہیں پہنائے بلکہ درہم ہبہ کئے ہیں اور ساتھ ساتھ مشورہ دیا ہے کہ ان کو اس طرح کام میں لائے۔

اگر قسم کھانے والے اس آدمی کے لئے کسی کے ذریعے کپڑا بھیجا تو بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ عقد اور قسم کے حقوق کا تعلق قاصد کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ بھیجنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ❺

---

❶ المغنی: ۷۸۱/۸۔ ❷ التلابیب: یہ تلبیب کی جمع ہے۔ اس کا مطلب ہے گریبان۔ ❸ دیکھئے المبسوط: ۲/۹ وما بعدھا ❹ فتح القدیر: ص۹۷، المہذب: ۱۳۶/۲، المغنی: ۷۷۹/۸۔ ❺ المبسوط: ۴/۹، البدائع: ۷۱/۳۔

چھٹا مقصد......سوار ہونے کی قسم

اگر قسم کھائی "لایرکب دابة" کہ وہ دابّۃ (سواری کے جانور) پر سوار نہیں ہوگا تو یہ قسم ان جانوروں پر واقع ہوگی جن پر لوگ اپنے علاقوں میں اپنی ضروریات کے لئے سوار ہوتے ہیں۔ جیسے گھوڑا، گدھا، خچر۔ لہٰذا اگر وہ کسی انسان کی پیٹھ، اونٹ، گائے یا ہاتھی پر سوار ہو جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی الا یہ کہ اس نے ان جانوروں کی بھی نیت کی ہو۔ یہ استحسان ہے۔ قیاس یہ چاہتا تھا کہ ہر حیوان پر سوار ہونے سے قسم ٹوٹ جائے۔ اس لئے کہ "دابّۃ" عام لفظ ہے جو زمین پر چلنے والے تمام جانوروں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا......ھود ۱۱/۶

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو۔ آسان ترجمہ

لیکن فقہاء نے استحسان کیا ہے اور قسم کو ان جانوروں کی سواری پر محمول کیا ہے جن کو لوگ عام طور پر اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ گھوڑا، خچر اور گدھا ہیں۔ یہاں عرف اور عادت کے ذریعے عام کو خاص کیا ہے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ مصر اور شام میں اونٹ پر سوار ہونے سے بھی قسم ٹوٹ جانی چاہئے۔ (یعنی اگر وہ اونٹ پر سوار ہونے والوں میں سے ہو جیسے مسافر اور گاؤں والے) اسی طرح ہندوستان میں ہاتھی کی سواری سے قسم ٹوٹ جانی چاہئے۔ اس لئے کہ ان علاقوں میں ان جانوروں پر سوار ہونا عرف عام ہے۔

اگر زبردستی جانور پر سوار کر دیا گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم کھائی "لایرکب فرسا" کہ عربی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا پھر ترکی گھوڑا (برذون) ❶ پر سوار ہو گیا یا یہ قسم کھائی کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا پھر عربی گھوڑے پر سوار ہو گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ ہر حیوان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ "فرس" عربی ہوتا ہے اور "برذون" عجمی ہوتا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ وہ سوار نہیں ہوگا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے گھوڑے کی نیت کی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ نہ دیانۃً نہ قضاءً۔ یعنی نہ عند اللہ اور نہ قاضی کے ہاں۔ اس لئے کہ یہاں سواری کا ذکر نہیں لہٰذا لفظ میں تخصیص کا احتمال نہیں ہوگا۔

اگر قسم کھائی "لایرکب الخیل" کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا پھر ترکی گھوڑے یا عربی گھوڑے پر سوار ہو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ لفظ "الخیل" اسم جنس ہے۔ یہ اپنی تمام انواع کو شامل ہوگا۔

اگر قسم کھائی "لایرکب دابة" کہ وہ سواری کے جانور پر سوار نہیں ہوگا۔ اور وہ پہلے سے اس پر سوار تھا۔ پھر کچھ وقت سوار رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ سوار ہونا ایسا فعل ہے جس کی امثال وقت کے ساتھ متجدد ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ وہ پہنے گا نہیں اور وہ پہنے ہوئے تھا۔ یا یہ قسم کھائی کہ بیٹھے گا نہیں اور وہ بیٹھا ہوا تھا۔ ❷

ساتواں مقصد...... بیٹھنے کی قسم

اگر قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھے گا پھر کسی ایسی چیز پر بیٹھا جو اس کے اور زمین کی درمیان حائل تھی جیسے چٹائی، دری یا کرسی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ان چیزوں پر بیٹھنے والے کو زمین پر بیٹھنے والا نہیں کہا جاتا۔ زمین پر بیٹھنے والا وہ ہوتا ہے جو زمین سے مل جائے درمیان میں کوئی

---

❶......البرذون: ترکی گھوڑا۔ جمع براذین۔ اس کے مقابلے میں "العراب" آتا ہے یعنی عربی گھوڑا۔ ❷ المبسوط: سابقہ حوالہ: ۳/۱۲ ومابعدھا، البدائع: ۳/۷۱، فتح القدیر ۴/۴۲ وما بعدھا، الدر المختار ورد المحتار: ۹۴، الفتاویٰ الھندیہ: ۲/۷۴۔

چیز حائل نہ ہو۔ اس کے برعکس اگر اس کے اور زمین کے درمیان کپڑے حائل ہوں تو ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ کپڑے تابع ہوتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ اس بستر پر نہیں بیٹھے گا اور اس پر اسی جیسا ایک اور بستر رکھ دیا پھر اس پر بیٹھ گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ بیٹھنے کی نسبت دوسرے بستر کی طرف ہوگی نہ کہ پہلی بستر کی طرف۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بستر والے مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ اس بستر پر نہیں سوئے گا پھر اس پر ایک اور بستر رکھ دیا اور اس پر سو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ نرمی اور آرام ملتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں بستروں پر سونے سے دونوں مقصود بن جائیں گے۔

اس پر اتفاق ہے کہ اگر قسم کھائی کہ اس بستر پر نہیں سوئے گا اور پھر اس پر بستر کی چادر ڈال دی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ چادر بستر کے تابع ہوتی ہے۔ اور ایسے آدمی کو بستر پر سونے والا کہا جاتا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ اس چارپائی یا چھت پر نہیں سوئے گا پھر اس پر جائے نماز یا دری ڈالی اور بیٹھ گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ چارپائی پر تو عموماً ایسے ہی بیٹھا جاتا ہے۔ اور چھت پر بستر بچھا کر سونے والے کو چھت پر سونے والا کہا جاتا ہے۔

اگر چارپائی کے اوپر دوسری چارپائی رکھ دی یا چھت پر دوسری چھت ڈال دی تو قسم نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ بیٹھنے کی نسبت پہلی کے بجائے دوسری کی طرف ہوتی ہے۔

اگر پلنگ کی تختیوں پر کچھ بچھائے بغیر برائے راست بیٹھنے کی نیت کی تو عند اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ لیکن قاضی کے ہاں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس لئے کہ یہ عرف کے خلاف ہے اگرچہ یہ اس کے حقیقی معنی ہیں۔

اور اگر قسم کھائی کہ اس پلنگ کی تختیوں پر نہیں سوؤں گا پھر اس پر دری بچھا کر بیٹھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ وہ تختیوں پر نہیں سویا۔

اور اگر قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھوں گا پھر چھت پر بیٹھ گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اسے چھت کی زمین کہا جاتا ہے۔ ❶

آٹھواں مقصد......رہنے کی قسم

اگر قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہوں گا تو رہائش سے مراد یہ ہوگا کہ وہ خود اس مکان میں رہے اور سہولت سے رہنے کے لئے جس سامان کی ضرورت ہے اس کو بھی وہاں منتقل کرے اور اس کو اپنے گھر میں استعمال میں لائے۔ اگر یہ سب کچھ کر لیا تو وہ اس مکان کا رہنے والا بن جائے گا۔ اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ رہائش کسی جگہ پر مستقل بنیادوں پر رہنے کو کہتے ہیں۔ اس کے لئے عرف کے مطابق سامان کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھئے جو آدمی مسجد میں بیٹھے اور وہیں رات گزار لے تو اس کو مسجد میں رہنے والا نہیں کہتے۔ لیکن اگر وہ اپنے گھر کے سامان کے ساتھ وہاں اقامت اختیار کر لیتا ہے تو اس کو مسجد میں رہنے والا کہا جاتا ہے۔ قسم میں اسی کا اعتبار ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ...... شافعیہ اور حنابلہ ❷ فرماتے ہیں کہ رہائش کو مستقلاً جاری رکھنا اسے نئے سرے سے شروع کرنے کی طرح ہے۔ لہٰذا اگر گھر کے رہنے والے نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر میں نہیں رہے گا پھر اس مکان میں اتنا عرصہ ٹھہرا رہا جس میں وہاں سے نکلا جا سکتا تھا تو قسم ٹوٹ جائیگی۔ اور اگر سامان منتقل کرنے کے لئے ٹھہرا رہا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ منتقلی گھر والوں اور ساز و سامان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے منتقل ہونے کے لئے انہیں بھی ساتھ لے جانا ہوگا۔ اگر اس کو زبردستی اسی مکان میں روک دیا گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس

❶......البدائع: ۳/۷۱ وما بعدها، فتح القدير: ۴/۹۸، تبيين الحقائق: ۳/۱۵۵ ومابعدها۔ ❷البدائع: ۳/۷۱ وما بعد، فتح القدير: ۴/۹۸، تبيين الحقائق: ۳/۱۵۵ وما بعد.

لئے کہ حدیث میں زبردستی کرائے جانے والے کام کو معاف قرار دیا ہے۔

اگر کوئی آدمی کسی مکان میں ٹھہرا ہوا تھا اس نے قسم کھالی کہ اس مکان میں نہیں رہے گا تو اس کی قسم اس وقت پوری ہوگی جب وہ اپنے آپ، گھر والوں، بچوں، خادموں اور جملہ ساز و سامان سمیت وہاں سے منتقل ہو جائے۔ اس لئے کہ گھر میں رہائش رکھنے کا حکم ان سب چیزوں کے آنے سے لگتا ہے۔ لہٰذا رہائش چھوڑنے کا حکم ان کے چھوڑنے سے لگے گا۔ اگر اس نے اسی وقت منتقلی شروع نہیں کی حالانکہ ایسا کر سکتا تھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

یہاں تین مفروضے ہیں۔

پہلا مفروضہ...... وہ گھر والوں اور سامان سمیت اسی وقت منتقل ہو گیا۔ اس صورت میں حنفیہ کے تینوں ائمہ کرام کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔ یہ دلالۃ مستثنیٰ ہوگا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹنے کی شرط یعنی ٹھہرنا پایا گیا لہٰذا قسم ٹوٹ جائے گی۔

دوسرا مفروضہ...... خود تو منتقل ہو یا لیکن گھر والوں اور ساز و سامان کو منتقل نہیں کیا۔ اس صورت میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ کسی جگہ پر رہائش رکھنا وہاں مستقل بنیادوں پر ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ گذر چکا۔ اس کے لئے عرف کے مطابق سامان کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس مکان میں نہیں رہے گا حالانکہ وہ اسی مکان میں رہ رہا تھا تو قسم پوری کرنے کے لئے سکونت کے اسباب وذرائع کو ختم کرنا یعنی سامان کو منتقل کرنا ضروری ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور اس لئے بھی کہ جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور پھر خود نکل گیا لیکن اہل وعیال اور ساز و سامان وہیں رہا تو عرف وعادت میں اس کو اسی مکان کا رہائشی کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس شہر میں نہیں رہے گا پھر وہاں سے نکل گیا اور گھر والوں کو اسی شہر میں چھوڑ گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اس لئے کہ اگر کوئی آدمی دمشق میں رہ رہا ہو اور اس کے گھر والے حلب میں رہتے ہو تو عرف وعادت میں اسے دمشق کا رہائشی کہتے ہیں نہ کہ حلب کا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ [1] فرماتے ہیں کہ قسم نہیں ٹوٹے گی۔ قسم پوری کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خود مکان کی تبدیلی کی نیت سے گھر سے نکل جائے۔ اس لئے کہ قسم اس کی اپنی رہائش پر ہے۔ اور اپنی رہائش اس نے ختم کر دی ہے۔ اس لئے اہل وعیال اور ساز و سامان کے چھوڑنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے قسم کھائی کہ شہر میں نہیں رہے گا پھر خود چلا گیا اور گھر والوں کو وہیں چھوڑ دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حنفیہ کے خلاف دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر میں مکہ سے چلا جاؤں اور اپنا کچھ سامان مکہ میں ہی چھوڑ جاؤں تو کیا میں مکہ ہی کا رہائشی رہوں گا؟ اگر کسی نے قسم کھائی کہ کسی معین گھر میں رہائش نہیں رکھے گا یا قیام نہیں کرے گا تو اسے اسی وقت نکل جانا چاہئے۔ اگر بغیر عذر ٹھہرا رہے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگرچہ اپنا سامان نکال چکا ہو۔ اس لئے کہ اس نے اپنے ٹھہرنے پر قسم کھائی ہے۔ اور وہ اب بھی موجود ہے۔ وجہ واضح ہے کہ رہائش کو جاری رکھنے پر سکونت کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح رہائش کی ابتداء کرنے پر۔ ہاں اگر وہ نکلنے کی تیاری میں مشغول ہے جیسے سامان جمع کرنا، اہل وعیال کو باہر نکالنا، کپڑے پہننا وغیرہ تو اس مقصد کے لئے ٹھہرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ایسے آدمی کو رہائشی نہیں کہا جاتا اگرچہ اس میں کافی وقت لگ جائے اسی طرح ان کے نزدیک نکاح کرنا، پاک ہونا، پہننا، سوار

---

[1] ......مغنی المحتاج: ۳۲۹/۴، المهذب: ۱۳۲/۲.

ہونا، کھڑا ہونا، بیٹھنا......ان سب افعال کو جاری رکھنا ان کو شروع کرنے کے حکم میں ہے۔

اس کے برعکس ہم بستری کرنا، روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا ان افعال میں جاری رکھنے کا حکم بالاتفاق شروع کرنے کی طرح نہیں ہے۔ ❶

تیسرا مفروضہ......اگر وہ خود اپنے اہل وعیال اور ساز وسامان سمیت منتقل ہو گیا لیکن کچھ معمولی سامان چھوڑ دیا تو:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ رہائش ان تمام چیزوں سے ثابت ہوتی تھی۔ جب تک ان کا کچھ حصہ باقی ہے رہائش باقی رہے گی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر کے منتقل کرنے کا اعتبار ہوگا۔ اس لئے کہ سب کی منتقلی بعض اوقات ناممکن ہوتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کا اعتبار ہوگا جن سے رہائش کی ضرورت پوری ہو جائے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ قول زیادہ بہتر اور لوگوں کے لئے زیادہ آسان ہے۔ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ جو آدمی مکان چھوڑنے اور واپس نہ آنے کے ارادے سے نکلتا ہے اور اپنے سامان کا اتنا حصہ بھی منتقل کر دیتا ہے جس سے رہائش کی ضرورت پوری ہو جائے اور باقی سامان کو بھی منتقل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے......تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں نہیں رہتا بلکہ یہاں سے چلا گیا ہے۔ اور دوسرے مکان میں رہتا ہے۔ اس سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہو جاتا ہے۔

اگر اس کو اپنے سامان سمیت منتقل ہونے سے روک دیا گیا اور زبردستی کی گئی تو قسم نہیں ٹوٹے گی، اگرچہ اس طرح کئی دن گزر جائیں۔ اس لئے کہ وہ یہاں ٹھہرا ہوا نہیں ہے بلکہ زبردستی ٹھہرایا گیا ہے۔ لہٰذا قسم نہیں ٹوٹے گی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے والا اسی وقت نکل گیا اور گھریلو اسباب کو رہائش گاہ پر ہی رہنے دیا۔ وہ تین دن تک مکان کی تلاش میں ٹھہرا رہا مگر اس کو کوئی ایسا مکان نہ ملا جس کو کرائے پر حاصل کر سکے۔ اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ گھر سے نکل جائے اور سامان کو گھر سے باہر رکھ دے۔ تو اس ٹھہرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ عرف میں یہ منتقلی کی کارروائی کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ وجہ واضح ہے کہ عرف میں ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوا جاتا ہے۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ مکان خالی کر کے سامان راستے میں ڈال دیا جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر رہنے والا دولت مند تھا اور اس کے پاس بہت سامان تھا۔ وہ اجرت پر ایک دن میں اپنا سامان منتقل کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اور تھوڑا تھوڑا خود منتقل کرنے لگا۔ وہ مسلسل سامان منتقل کرتا رہا یہاں کہ ایک سال لگ گیا۔ (اس دوران وہ اسی مکان میں ٹھہرا رہا) تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ تیز رفتاری سے سامان منتقل کرنا اس پر لازم نہیں۔

اگر قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا اور وہ اسی میں رہ رہا تھا پھر وہ خود باہر نکل گیا اور کہنے لگا کہ میری مراد یہی تھی، میں نے گھر بار کی نیت نہیں کی تھی۔ تو عند اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قاضی کے ہاں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے ظاہر اور عادت کے خلاف نیت کی ہے۔

اگر قسم کھاتے وقت وہ اس مکان میں نہیں رہتا تھا پھر اس نے یہ بات کہی کہ میں نے صرف اپنی ذات کی نیت کی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ عند اللہ بھی اور قاضی کے ہاں بھی۔ اس لئے کہ اس نے ایسی نیت کی ہے جس کا اس کے کلام میں احتمال موجود ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ اپنے آپ پر خود سختی کر رہا ہے۔ ❷

کیا سکونت کو جاری رکھنا اسے شروع کرنے کے حکم میں ہے؟......حنفیہ فرماتے ہیں کہ رہنے، پہننے اور سوار ہونے کو جاری رکھنا

---

❶......المغنی: ۷۷۸/۸۔ ❷ المبسوط: ۱۶۲/۸ وما بعدھا، الفتاوی الھندیۃ: ۶۹/۲؛ البدائع: ۷۲/۳ وما بعدھا، فتح القدیر: ۳۶/۴ وما بعدھا، تبیین الحقائق ۱۱۹/۳۔

انہیں شروع کرنے کے حکم میں ہے۔لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس کپڑے کو نہیں پہنے گا اور وہ اس کو پہنے ہوئے تھا یا قسم کھائی کہ اس سواری پر سوار نہیں ہوگا اور وہ اس پر سوار تھا یا قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا اور وہ اس میں رہ رہا تھا۔قسم کھانے کے بعد بھی اس نے اس عمل کو جاری رکھا تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ یہ افعال اپنی امثال کے پیدا ہونے سے متجدد ہونے رہتے ہیں۔اس کے برعکس داخل ہونا، نکلنا، شادی کرنا اور پاک ہونا۔ان افعال کو جاری رکھنا شروع کرنے کے حکم میں نہیں۔

ضابطہ......دونوں میں فرق کا ضابطہ یہ ہے کہ جو افعال ممتد [1] ہیں ان کو جاری رکھنا شروع کرنے کے حکم میں ہے جیسے بیٹھنا، کھڑا ہونا، دیکھنا وغیرہ اور جو افعال غیر ممتد ہیں وہ جاری ہی نہیں رہ سکتے۔جیسے نکلنا، داخل ہونا۔شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ [2]

اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ رہنے، پہننے اور سوار ہونے کی قسم کھانے والا اگر فوراً گھر سے منتقل ہو جائے یا فوراً کپڑے اتار دے یا سواری سے فوراً اتر جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ قسم کے بعد، رہنا، پہننا اور سوار ہونا پایا گیا ہے۔اگر چہ تھوڑی دیر کے لئے ہے لیکن قسم ٹوٹنے کے لئے کافی ہے۔ [3]

نواں مقصد

مارنے اور قتل کرنے کی قسم......اگر کسی آدمی نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو اتنا ماروں گا کہ اسے قتل کردوں گا یا اتنا ماروں گا کہ اس کا جنازہ اٹھے گا اگر نہ مارا تو اس کو طلاق۔پھر اگر اس نے اس کی شدید پٹائی کردی تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔اس لئے کہ عرف میں اس طرح کی بات سے شدید سزا مراد ہوتی ہے۔جان سے مارنا مراد نہیں ہوتا۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ قسم اس سے پوری ہو جائے گی جس کو مارنا کہا جاسکے۔لہٰذا صرف ہاتھ کو رکھ کر اٹھا دینا کافی نہیں ہوگا اسی طرح درد پہنچانے کی بھی شرط نہیں ہے۔اس لئے کہ درد کے بغیر مارنے کو بھی مارنا کہا جاتا ہے۔الا یہ کہ اس نے سخت مارنے کا کہا ہو۔

اگر اس نے قسم کھائی کہ اپنے غلام کو دس کوڑے مارے گا پھر اس نے دس کوڑے جمع کئے ان سے ایک دفعہ مار دیا ہر کوڑا اس کی جلد تک پہنچ گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ اس نے دس کوڑے مار دیئے ہیں۔لیکن اگر سارے کوڑے جلد تک نہیں پہنچے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ ایسے آدمی کو دس کوڑے مارنے والا نہیں کہا جاتا۔

مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں [4] کہ اگر کسی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی پھر ایک گٹھڑی باندھی جس میں دس چھڑیاں تھیں اور اس آدمی کو ایک دفعہ مار دیا تو اس کی قسم پوری نہیں ہوگی۔اس لئے کہ اس کی قسم کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس کو دس دفعہ مارے لیکن اس نے صرف ایک دفعہ مارا لہٰذا قسم پوری نہیں ہوگی۔جیسے کسی نے قسم کھائی کہ وہ دس مرتبہ مارے گا ایک کوڑے کے ساتھ۔

اگر کسی نے کہا ''اللہ کی قسم میں فلاں آدمی کو دمشق میں قتل نہیں کروں گا یا یہ کہا کہ میں فلاں عورت سے دمشق میں شادی نہیں کروں گا۔ پھر اس آدمی کو حلب میں مارا اور وہ دمشق میں فوت ہو گیا یا عورت کے ولی نے اس کی شادی حلب میں اسی عورت سے کرادی اس عورت کو دمشق میں اس کی خبر ملی اور اس نے عقد کو صحیح قرار دے دیا تو دونوں قسمیں ٹوٹ جائیں گی۔''

اسی طرح اگر اس نے جگہ کے بجائے وقت پر قسم کھائی اور کہا کہ میں مذکورہ کام (قتل اور نکاح) جمعے کے دن نہیں کروں گا۔اب جس کو قتل

---

[1]......افعال ممتدۃ وہ ہیں جو پھیلے ہوئے ہوں یعنی عرصے تک محیط ہوسکیں جیسے بیٹھنا کافی عرصے تک ہوسکتا ہے۔افعال غیر ممتدۃ جو آنا فانا ہو جائیں جیسے نکلنا، داخل ہونا وغیرہ۔ [2] مغنی المحتاج ۴/۳۳۱، المهذب: ۲/۱۳۲۔ [3] المبسوط: سابقه حواله: ص ۳۵، تبيين الحقائق، سابقه حواله، الدر المختار: ۳/۸۳۔ [4] القوانين الفقهية: ۱۶۴ المغني: ۸/۸۱۹، الشرح الكبير: ۲/۱۴۳۔

کرنے کی قسم کھائی تھی وہ جمعے کے دن مرگیا۔ یا عورت نے جمعے کے دن نکاح کو ٹھیک قرار دے دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اس طرح قتل میں روح نکلنے کے وقت اور جگہ کا اعتبار ہوگا او نکاح میں اجازت کے وقت اور جگہ کا اعتبار ہوگا۔ یہی اصول خرید وفروخت میں لاگو ہوگا کہ اجازت کے وقت اور جگہ کا اعتبار ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقد میں فاعل کی جگہ اور وقت کا اعتبار ہوگا اور قتل میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح روح نکلنے کی جگہ اور وقت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی مقتول ❶ کا اعتبار ہوگا۔

اگر قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہیں مارے گا اب اس کے ساتھ جو بھی درد پہنچانے والا فعل کرے گا جیسے کاٹنا، گلہ دبانا، بال کھینچنا.....تو قسم ٹوٹ جائے گی اگر چہ یہ سب بطور مزاح ہو۔ اس لئے کہ ضرب درد پہنچانے والے فعل کو کہتے ہیں۔ اور یہاں یہ بات پائی گئی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہنسی مذاق میں اگر یہ کام کئے تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ عرف میں اس کو دل لگی کہتے ہیں مارنا نہیں کہتے۔

اگر کسی نے کہا ''اگر میں فلاں کو قتل نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق'' اور فلاں آدمی فوت شدہ تھا اگر قسم کھانے والے کو قسم کھاتے وقت اس کی موت کا علم تھا تو وہ فوراً حانث ہوجائے گا اس لئے کہ اس کی قسم منعقد ہوگئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا پورا ہونا متصور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں۔ اس لئے کہ روح نہیں مرتی۔ لہٰذا اس کو قتل کرنا ممکن ہوگیا۔ پھر یہ قسم فوراً ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ عادۃً وہ اس قسم کو پورا کرنے سے عاجز ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھنے کی قسم کھالے۔

اگر اسے اس کی موت کا علم نہیں تھا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی قسم کی بنیاد اس زندگی پر رکھی ہے جو اس میں موجود تھی اور اس کا ازالہ متصور نہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی، اس لئے کہ ان کے نزدیک قسم کے منعقد ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا پورا ہونا متصور ہو۔ یہ اصولی اختلاف ہے جیسا کہ پہلے "مسئلة الكوز" (پیالے والے مسئلہ) میں گزر چکا ہے کہ اگر اسے پیالے میں پانی نہ ہونے کا علم ہے پھر وہ قسم کھاتا ہے کہ اگر میں اس پیالے والا پانی نہ پیوں تو میری بیوی کو طلاق۔ ❷

حنابلہ وشافعیہ.....اگر قسم کھائی کہ فلاں آدمی کو کل ماروں گا اور قسم کھانے والا آج ہی مرگیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر جس کے بارے میں قسم کھائی تھی وہ کل مرگیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے جو کام کرنے کی قسم کھائی تھی وہ بغیر کسی زور زبردستی یا بھول چوک کے اپنے وقت پر نہیں کیا۔ لہٰذا قسم ٹوٹنے والا شمار ہوگا۔ ❸ یہی حکم اس آدمی کا بھی ہوگا جو یہ قسم کھائے ''اللہ کی قسم میں اس پیالے والا پانی صبح پیوں گا'' اور وہ پانی آج ہی گر گیا۔ یا یہ قسم کھائی ''اللہ کی قسم میں یہ روٹی صبح کھاؤں گا'' اور وہ روٹی آج ہی ضائع ہوگئی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

دسواں مقصد......ایسی چیز پر قسم کھانا جو قسم کھانے والے کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہو

دوسرے کی مملوکہ چیز پر قسم کھانا......اگر کسی دوسرے کی مملوکہ چیز پر قسم کھائی تو جس فعل کی قسم کھائی ہے وہ اگر اسی آدمی کے ملک میں پیش آگیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ قسم کے وقت اس کی ملک میں ہو یا نہ ہو۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا کھانا نہیں کھاؤں یا اس کا مشروب نہیں پیوں گا، یا اس کے گھر میں داخل نہیں ہوگا یا اس کی سواری پر سوار نہیں ہوں گا یا اس کے کپڑے نہیں پہنوں گا۔

❶......البدائع: ۷۶/۳ ومابعدها، الفتاوىٰ الهندية: ۱۱۸/۲۔ ❷ فتح القدير: ۱۰۱/۴، تبيين الحقائق: ۱۵۹/۳، الدر المختار: ۱۴۳/۳ وما بعدها، مغني المحتاج: ۳۴۷/۴۔ ❸المغني: ۷۸۶/۸ ومابعدها۔

اور قسم کھاتے وقت ان میں سے کوئی بھی چیز اس آدمی کے ملک میں نہیں تھی پھر وہ ان چیزوں کا مالک بن گیا۔ اب اگر اس آدمی کی ملکیت ختم ہونے کے بعد وہ کام ہوا جس کی قسم کھائی گئی تھی تو بالاتفاق قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر اس کے مالک ہوتے ہوئے وہ کام ہو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی یہ حکم حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قسم اس بات پر کھائی گئی تھی کہ اس آدمی کی ملکیت میں یہ کام نہیں کئے جائیں گے۔ لہٰذا فعل کے وقت پائی جانے والی ملکیت کا اعتبار ہوگا۔ اس مسئلے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نوادر کی ایک روایت بھی ہے۔ اور ایک دوسری روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے۔

لیکن اگر قسم کھائی کہ فلاں عورت کے شوہر سے یا فلاں آدمی کی بیوی سے یا فلاں کے دوست سے یا فلاں کے بیٹے سے یا فلاں کے بھائی سے بات نہیں کرے گا۔ تو یہ قسم ان پر واقع ہوگی جو قسم کے وقت موجود ہیں۔ مستقبل میں آنے والی زوجیت، دوستی اور بیٹے اس میں شامل نہیں ہوں گے۔ اور اگر عقد نکاح اور دوستی ختم ہو گئی اب بھی اگر اس سے بات کرے گا تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور اگر کسی کی مملوکہ چیز پر قسم کھائی اور ساتھ ساتھ اشارے سے تعیین بھی کر دی مثلاً یوں کہا: ''میں فلاں کے اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا یا فلاں کی اس سواری پر سوار نہیں ہوں گا یا فلاں کا یہ کپڑا نہیں پہنوں گا۔'' پھر فلاں آدمی نے وہ گھر، سواری، یا کپڑا بیچ دیا اب اگر اس کی ملکیت ختم ہونے کے بعد قسم کھانے والا اس گھر میں داخل ہو گیا یا اس سواری پر سوار ہو گیا یا وہ کپڑا پہن لیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم نہیں ٹوٹے گی الا یہ کہ اس نے وہی خاص چیز مراد لی ہو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ ملکیت ختم ہو گئی ہو۔ الا یہ کہ اس نے فلاں کے ملک میں ہونے کی نیت کی ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اشارے اور ملکیت کی نسبت دونوں کا ایک ساتھ اعتبار کرتے ہیں۔ جب تک دونوں نہ پائی جائیں قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ صرف اشارے کا اعتبار کرتے ہیں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر قسم کھائی ''میں اس شخص سے بات نہیں کروں گا'' یا ''اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا'' تو اس کے خلاف کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ یہاں مشار الیہ کی ذات کا اعتبار ہوگا۔ [1]

اس مقصد سے متعلقہ دو بحثیں

پہلی بحث: دوسرے کے فعل پر قسم کھانا...... اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا خریدا ہوا نہیں پہنوں گا پھر فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر کپڑا خریدا تو اس کے خریدنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ یہ کپڑا پورا پورا فلاں نے نہیں خریدا بلکہ بعض حصہ خریدا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا خریدا ہوا نہیں کھاؤں گا پھر فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا خریدا اور قسم کھانے والے نے اسے کھا لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے فلاں آدمی کا خریدا ہوا کھا لیا ہے اور کھانے کا کچھ حصہ بھی حقیقت میں کھانا ہوتا ہے اور اسے عرف میں بھی کھانا کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر یہ قسم کھائی اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا پھر کسی ایسے گھر میں داخل ہوا جو اس کے اور کسی دوسرے کے درمیان مشترک تھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ گھر کے بعض حصے کو گھر نہیں کہا جاتا۔

اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا کپڑا نہیں پہنوں گا یا فلاں آدمی کا خریدا ہوا نہیں پہنوں گا یا اس کا بنا ہوا نہیں پہنوں گا...... پھر ایسا کپڑا خریدا جس کو فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر خریدا تھا یا بنا تھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ لباس کے ٹکڑے کو لباس نہیں کہا جاتا۔

اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں کے بنے ہوئے میں سے نہیں پہنوں گا پھر فلاں نے اسے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر بن لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی

[1] ...... البدائع: ۷۹/۳۔

اس لئے کہ اس کو ''فلاں کے بنے ہوئے میں سے'' کہا جاتا ہے۔

اور اگر قسم کھائی کہ فلاں کے پکے ہوئے میں سے یا فلاں کی روٹی سے نہیں کھاؤں گا پھر اس نے ایسا کھانا کھایا جو فلاں نے دوسرے کے ساتھ مل کر پکایا تھا یا ایسی روٹی میں سے کھالیا جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ پکے ہوئے کے ہر حصے کو پکا ہوا ہی کہتے ہیں۔ اور روٹی کے ہر حصے کو روٹی ہی کہتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ میں ایسی ہانڈی سے کھانا نہیں کھاؤں گا جس کو فلاں نے پکایا ہو...... پھر اس نے ایسا کھانا کھایا جو فلاں نے کسی دوسرے کے ساتھ ہانڈی میں پکایا تھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ہانڈی کے ہر حصے کو ہانڈی نہیں کہتے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں کی چپاتی نہیں کھاؤں گا اور پھر مشترکہ چپاتی کھالی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ چپاتی کے کچھ حصے کو چپاتی نہیں کہا جاتا۔

خبّاز...... (نانبائی) اسے کہتے ہیں جو تنور یا چولھے کے ساتھ روٹی لگائے۔ آٹا گوندھنے اور روٹی پھیلانے والے کو خباز نہیں کہتے۔

طابخ...... (پکانے والا) ہانڈی کے نیچے آگ جلانے والے کو کہتے ہیں۔ ہانڈی رکھ کر اس مین گوشت اور پانی ڈالنے والے کو طابخ نہیں کہتے۔ اس لئے کہ یہ پکانے کے ابتدائی مراحل ہیں۔ پکانا اسے کہتے ہیں جس سے گوشت وغیرہ تیار ہونے لگے، پکنے لگے اور یہ چیز آگ جلانے سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں کی کمائی سے نہیں کھاؤں گا تو کمائی اسے کہتے ہیں جو انسان کے قول یا فعل سے اس کی ملکیت میں آجائے۔ جیسے، مباح چیزوں پر قبضہ، شکار، خریداری، کرایہ اور ھبہ، صدقہ، وصیت وغیرہ کو قبول کرنا۔

رہی میراث تو یہ وارث کی کمائی نہیں ہوتی اس لئے کہ اس میں وارث کے ارادے کے بغیر ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

جس کے بارے میں قسم کھائی تھی وہ مرگیا۔ اس کی کمائی کسی کو وراثت میں ملی۔ اب قسم کھانے والے نے اس میں سے کھالیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ مرنے والے کی کمائی میں سے کھایا ہے۔ یہ وارث کی اپنی کمائی نہیں ہے۔ اس لئے یہ مورث کی طرف ہی منسوب ہوگی۔

ہاں اگر جس کے بارے میں قسم کھائی اس نے اپنی کمائی کسی پر فروخت کردی اب قسم کھانے والے نے اس میں سے کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اب یہ خریدار کی کمائی بن گئی ہے اس لئے اس کی نسبت اصلی مالک کی طرف نہیں ہوگی۔ [1]

دوسری بحث: قسم کھانے والے کے حکم پر کسی اور کا کام کرنا

اگر کسی فعل پر قسم کھائی اور کہا ''اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا'' پھر کسی اور کو وہی کام کرنے کا کہا اور اس نے وہی کام کر بھی دیا تو دیکھا جائے گا کہ جس فعل پر قسم کھائی گئی ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟

ا...... اگر وہ ایسا فعل ہے جس کے حقوق [2] فاعل کی طرف لوٹتے ہیں جیسے خریدنا، فروخت کرنا، کرایہ پر دینا، تقسیم کرنا، تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ ان عقود کے حقوق عقد سرانجام دینے والے کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ نہ کہ حکم دینے والے کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت حکم دینے والے کی طرف نہیں ہوتی بلکہ فاعل کی طرف ہوتی ہے اس لئے کہ حقیقت میں عقد کرنے والا وہی ہے۔ آمر کی طرف تو عقد کا حکم لوٹتا ہے یعنی اس عقد کو کرنے کا مطلوب ومقصود۔ خرید وفروخت میں حکم یہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور قیمت کی ملکیت بیچنے والے کی طرف۔

---

[1]...... البدائع: ۳/۵۷، ۶۴۔ [2] حقوق العقد: عقد کے حقوق سے مراد یسے اعمال ہیں جن کا ہونا عقد کے حکم تک پہنچنے کے لئے ضروری ہوتا کہ عقد کا مطلوب ومقصود پورا ہوجائے۔ جیسے بیچی ہوئی چیز کو حوالے کرنا، قیمت پر قبضہ کرنا، عیب کی وجہ سے خیار رؤیت کی وجہ سے یا خیار شرط کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز کو واپس کرنا۔

لہٰذا جو عقود اس زمرے میں آتے ہیں ان کے کئے جانے سے قسم کھانے والے کی قسم نہیں ٹوٹے گی جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔ الا یہ کہ قسم کھانے والا ایسا ہو جو ان عقود کو بذات خود سرانجام نہ دے سکتا ہو جیسے قاضی، سلطان وغیرہ تو ایسا آدمی کسی دوسرے کو ان افعال کا حکم دیتے ہی حانث ہو جائے۔ اس لئے کہ عام معمول کے مطابق یہ عقود دوسرے کے واسطے سے مکمل ہوتے ہیں۔

اسی طرح اگر وکیل خود ہی قسم اٹھانے والا ہو تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ عقد کے حقوق اسی کی طرف لوٹ رہے ہیں اور اس لئے کہ حقیقت میں عقد کرنے والا وہی ہے نہ کہ حکم دینے والا۔

۲.....اور اگر جس فعل کی قسم کھائی گئی ہے ایسا فعل ہو جس کے حقوق آمر (حکم دینے والے) کی طرف لوٹ رہے ہوں یا وہ ایسا فعل ہو جس کے حقوق ہی نہیں ہوتے جیسے نکاح، طلاق، ہبۃ، صدقہ، کسی کو پہنانا، حقوق ادا کرنا، حقوق کا مطالبہ کرنا، قاضی کے ہاں دعویٰ دائر کرنا اور شرکت کہ کسی آدمی کے ساتھ عقد شرکت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر کسی اور کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ شراکت کرلے اسی طرح مارنا، ذبح کرنا، قتل کرنا، تعمیر کرنا، کپڑے سلائی کرنا اور نفقہ وغیرہ۔

اگر قسم کھانے والے نے یہ افعال بذات خود کئے یا کسی دوسرے کو حکم دیا اور اس نے کئے بہرصورت قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ جن افعال کے حقوق نہیں ہیں یا حقوق تو ہیں لیکن حکم دینے والے کی طرف لوٹتے ہیں نہ کہ فاعل کی طرف ان تمام افعال کی نسبت حکم دینے والے کی طرف کی جاتی ہے نہ کہ فاعل کی طرف۔

عقد صلح.....عقد صلح کے بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر صلح نہ کرانے کی قسم کھائی اور پھر صلح کے لئے کسی کو وکیل بنا دیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ صلح خرید فروخت کی طرح معاوضے والا عقد ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ صلح بری کرنے کے عقد کو ساقط کرنا ہے۔

وہ افعال جن میں حقوق آمر کی طرف لوٹتے ہیں جیسے نکاح طلاق وغیرہ ان میں اگر قسم کھانے والا یہ کہے کہ میں نے ان کو بذات خود کرنے کی قسم کھائی تھی تو عنداللہ اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قاضی کی عدالت میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس لئے کہ اس نیت کا اس کے کلام میں احتمال موجود ہے۔ لیکن یہ خلاف ظاہر ہے۔

وہ افعال جن کے حقوق نہیں ہوتے ان میں اگر قسم کھانے والا یہ کہے کہ میں نے بذات خود کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی عنداللہ بھی اور قاضی کے ہاں بھی۔ اس لئے کہ اس نے اپنی بات کے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔ مارنا اور ذبح کرنا حقیقی افعال میں سے ہیں۔ حکمی یا اعتباری افعال میں سے نہیں۔ تو ان میں بذات خود کام کرنے کا اعتبار ہوگا۔ ❶

گیارہواں مقصد.....شرعی امور کی قسم

گزشتہ مباحث میں صرف امور عادیہ پر قسم کھانے سے متعلق بات ہوئی جن کو انسان زندگی کے مختلف حالات میں معمول کے مطابق سرانجام دیتا رہتا ہے۔ یہ بحث قسم کے ان احوال سے بحث کرنے کے لئے خاص ہے جن میں قسم کھانے والا شرعی امور کی قسم کھاتا ہے۔ امور شرعیہ اس اعتبار سے کہ شارع نے ان میں صحیح اور فاسد ہونے کا حکم لگایا ہے جیسے خرید وفروخت، ہبہ، عاریت، صدقہ، قرض، شادی کرانا، نماز، روزہ وغیرہ۔

سونا اور چاندی نہ خریدنے کی قسم.....قسم کھائی کہ سونا اور چاندی نہیں خریدوں گا۔ پھر چاندی کی نقد کرنسی خرید لی جیسا کہ گزشتہ زمانے

❶.....البدائع: ۸۲/۳ وما بعدها، الفتاوى الهندية: ۱۰۴/۲۔

میں درہم ہوتے تھے۔ یا سونے کی جیسے دینار یا سونے کے برتن، ڈلی، ڈھالے ہوئے زیورات یا اس کے علاوہ سونے چاندی سے بنی ہوئی کوئی چیز خرید لی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درہم اور دینار کی صورت میں قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اختلاف کا سبب یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان امور میں لغوی حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے ہاں مروج عرف کا اعتبار کرتے ہیں۔

اون نہ خریدنے کی قسم..... قسم کھائی کہ اون نہیں خریدے گا پھر ایک بھیڑ خریدی جس پر اون تھی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ایسے مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ جس نے کوئی چیز نہ خریدنے کی قسم کھائی پھر کوئی دوسری چیز خریدی اور جس کی قسم کھائی تھی وہ خریداری میں تابع بن کر داخل ہوگئی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر مقصود بن کر داخل ہوئی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ یہاں خریداری میں اون مقصود بن کر شامل نہیں ہو رہی۔ اس لئے کہ جب لفظ بھیڑ کا اطلاق کیا جائے تو اون اس میں شامل نہیں ہوتی۔ وہ تو بھیڑ کے تابع بن کر عقد میں شامل ہوئی ہے۔ [1]

ہبہ اور صدقہ وغیرہ نہ کرنے کی قسم..... قسم کھائی کہ فلاں کو کوئی چیز ہبہ نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں کرے گا یا بطور عاریت نہیں دے گا یا بلا اجرت نہیں دے گا یا عطیہ نہیں کرے گا پھر اسی کو ہبہ کر لیا یا صدقہ دے دیا یا بطور عاریت کوئی چیز دے دی یا بلا اجرت کوئی چیز دیدی یا عطیہ دے دیا لیکن ''فلاں'' نے قبول نہیں کیا تو جمہور حنفیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گی۔

قرض..... قرض کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب تک قبول نہ کرے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے اور دوسری راویت یہ ہے کہ قرض قبول کئے بغیر بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ یہی زیادہ راجح ہے۔ اس لئے کہ قرض کی صحت معاوضہ مقرر کرنے پر موقوف نہیں۔ اس لئے یہ ہبہ کی طرح ہوا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرض بیع کے مشابہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں عوض کے ساتھ مالک بنایا جاتا ہے۔

بیع، اجارہ وغیرہ نہ کرنے کی قسم..... ایسے عقد کی قسم کھائی جس میں عوض ہوتا ہے جیسے خرید و فروخت، اجارہ، صرف، سلم وغیرہ پھر قسم کھانے والے نے وہ کام کر لیا مگر دوسرے نے قبول نہ کیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

عقد تبرع اور عقد معاوضہ میں فرق..... عقد تبرع (ایسے خیراتی معاملات جن میں عوض نہیں لیا جاتا جیسے ہبہ، صدقہ، عطیہ وغیرہ) اور عقد معاوضہ (ایسے تجارتی معاملات جن میں عوض لیا جاتا ہے جیسے خرید و فروخت، اجارہ وغیرہ) میں فرق یہ ہے کہ عقد تبرع ایک جانب سے مالک بنانے کا فائدہ دیتا ہے یعنی تبرع کرنے والے کی جانب سے۔ رہا قبول کرنا تو وہ دوسرے کے حق میں حکم ثابت ہونے کی شرط ہے۔ یعنی یہ عقد ہر شرعی اثر کے مرتب ہونے کی شرط ہے۔ اور وہ ہے ملکیت کا منتقل ہونا۔ لہٰذا جب اس پر لغت کے اعتبار سے اور فقہاء کی اصطلاح کے اعتبار سے عقد کا اطلاق ہو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

عقود معاوضہ تملیک کا فائدہ اس وقت دیتے ہیں جب دونوں عقد کرنے والے اس کا ارادہ کریں۔ لغوی اعتبار سے اور شرعی اعتبار سے۔ لہٰذا عقد اسی وقت وجود میں آئے گا جب ایک طرف سے ایجاب اور دوسری دوسری طرف سے قبول ہو جائے۔ اب قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر بیع صحیح ہوا اور خریدار قبول کرلے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح اگر بیع فاسد ہو تو بھی قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ خریدار قبول کرلے اور مبیع پر عملاً قبضہ بھی کرلے۔ اس لئے کہ لفظ بیع، صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہے۔ بیع کہتے ہیں مرغوب چیز کا مرغوب چیز سے تبادلہ کرنا۔

---

[1] ..... البدائع: ۳/ ۸۱۔

اگرایسی بیع کی جس میں بیچنے والے یا خریدار کے لئے اختیار تھا۔تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گی۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا اطلاق جس طرح قطعی بیع پر ہوتا ہے اسی طرح اختیار والی بیع پر بھی ہوتا ہے۔لوگوں کے عرف میں ان دونوں کو بیع کہا جاتا ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ اختیار والی بیع میں انتقال ملکیت بیع کو ٹھیک قرار دینے پر یا اختیار کو ختم کرنے پر موقوف ہوتا ہے۔تو یہ بیع فاسد کے مشابہ ہوگئی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب تک اختیار کی شرط موجود ہے، ملکیت دوسرے کو منتقل نہیں ہوتی۔تو یہ ایسے ہی ہے جیسے فریقین میں سے ایک نے ایجاب تو کیا ہے دوسرے نے قبول نہیں کیا۔ ❶

شادی نہ کرنے کی قسم......قسم کھائی کہ اس عورت سے شادی نہیں کرے گا تو اس سے مراد نکاح صحیح ہوگا نہ کہ نکاح فاسد۔لہٰذا اگر اس عورت سے نکاح فاسد کرلیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ نکاح سے عورت کو حلال کرنا مقصود ہوتا ہے۔اور امر فاسد سے حلال ثابت نہیں ہوتا۔اس کے برعکس بیع میں ایسا نہیں ہے۔اس لئے کہ بیع سے ملکیت مقصود ہوتی ہے۔اور ملکیت امر فاسد سے ثابت ہوجاتی ہے۔

شافعیہ......شافعیہ ❷ فرماتے ہیں اگر خرید وفروخت نہ کرنے کی قسم کھائی پھر اپنے لئے یا کسی اور کے لئے خرید وفروخت کرلی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔اگر اس کے وکیل نے اس کے لئے خرید وفروخت کی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اگر قسم کھائی کہ شادی نہیں کرے گا، طلاق نہیں دے گا یا مارے گا نہیں۔پھر کسی کو اپنا وکیل بنایا اور اس نے وہ کام کردیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔الا یہ کہ اس نے نیت کی ہو کہ خود کرے گا نہ کسی سے کرائے گا۔

اگر قسم کھائی کہ نکاح نہیں کرے گا تو وکیل کے نکاح کرانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔البتہ اگر وہ کسی اور کی طرف سے قبول کرے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

حنابلہ اور مالکیہ......حنابلہ اور مالکیہ ❸ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی کام مثلاً خریداری کرنا، مارنا وغیرہ نہ کرنے کی قسم کھائی۔پھر کسی کو یہ کام کرنے کا وکیل بنادیا تو قسم ٹوٹ جائے گی الا یہ کہ اس نے بذات خود وہ کام کرنے کی نیت کی ہو۔

نماز نہ پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے کی قسم......اسی طرح اگر قسم کھائی کہ نماز نہیں پڑھے گا یا روزہ نہیں رکھے گا تو اس سے مراد صحیح نماز، روزہ ہوں گے نہ کہ فاسد۔لہٰذا اگر بلا وضو نماز پڑھی یا بغیر نیت کے روزہ رکھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے کہ ان سے مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا قرب فاسد نماز روزے سے نہیں حاصل ہوتا۔

اگر اس نے ماضی کے بارے میں قسم کھائی مثلاً یوں کہ اللہ کی قسم میں نے نکاح نہیں کیا یا میں نے نماز نہیں پڑھی یا میں نے روزہ نہیں رکھا تو یہ قسم صحیح اور فاسد دونوں پر واقع ہوگی۔اس لئے کہ اس بات سے مقصود نماز وغیرہ کی خبر دینا ہے۔اور نماز یا نکاح یا روزے کا اطلاق صحیح اور فاسد دونوں پر ہوتا ہے۔اگر اس نے صحیح کی نیت کی تو قاضی کے ہاں اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اگر قسم کھائی لایصلی کہ نماز نہیں پڑھے گا پھر تکبیر کہہ کر نماز شروع کردی تو جب تک رکوع اور ایک سجدہ نہ کرلے قسم نہیں ٹوٹے گی۔یہ استحساناً ہے۔وجہ یہ ہے کہ نماز مختلف افعال قیام، قراءۃ، رکوع، سجدے کو کہتے ہیں۔اور مختلف اجزاء سے بننے والی چیز اس وقت وجود میں آتی ہے جب اس کے اجزاء مکمل ہوجائیں۔تو جب تک یہ تمام افعال نہیں پائے جائیں گے نماز کا عمل بھی نہیں پایا جائے گا۔صرف تلاوت کرنے والے کو نمازی نہیں کہا جاتا۔روزے کا معاملہ اس کے برعکس مکمل ہے۔ایک گھڑی روزہ رکھنے سے بھی روزہ حاصل ہوجاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر قسم کھائی "لایصلی صلوٰۃ" کہ نماز ادا نہیں کرے گا۔تو جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے قسم نہیں ٹوٹے گی۔اس لئے

---

❶......البدائع: سابقہ حوالہ ص ۸۳۔ ❷ مغنی المحتاج: ۳۵۰/۴۔ ❸ المغنی: ۷۲۴/۸ وما بعدھا۔

کہ نماز کی کم سے کم مقدار دو رکعت ہے۔

اگر قسم کھائی کہ ظہر نہیں پڑھے گا تو جب تک قعدہ اخیرہ نہ کرے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ نماز ظہر کی چار رکعتیں مقرر ہیں جب تک چاروں نہ پائی جائیں ظہر نہیں پائی جائے گی۔

اگر قسم کھائی "لایصوم" کہ روزہ نہیں رکھے گا۔ پھر صبح روزہ رکھ کر کچھ دیر بعد توڑ دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ ایک گھڑی روزہ رکھنے والے کو بھی روزے دار کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ روزہ کہتے ہیں: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے روزہ توڑنے والی چیزوں سے خود کو روکے رکھنا.....اسی سے قسم ٹوٹنے کی شرط پائی گئی۔

اگر قسم کھائی "لایصوم یوماً" کہ ایک دن روزہ نہیں رکھے گا۔ تو پورا دن روزہ رکھنے سے قسم ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ اس سے قسم ٹوٹنے کی شرط ایک دن کے روزے کو بنایا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں کے ہاں افطار کرے گا۔ پھر اپنے گھر میں پانی سے افطار کر کے فلاں آدمی کے ہاں کھانا کھایا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ فلاں کے ہاں افطار کرنا قسم پوری کرنے کی شرط تھی۔ افطار روزے کے متضاد اور الٹ کو کہتے ہیں۔ یہ چیز گھر میں پانی سے افطار کرنے سے حاصل ہوگئی۔ ہاں اگر اس نے افطار سے شام کا کھانا مراد لیا ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ یہ نیت بھی عرف کے مطابق ہے۔ کہا جاتا ہے "فلان یفطر عند فلان" (فلاں آدمی فلاں کے ہاں افطار کرے گا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس نے وہاں شام کا کھانا کھانا ہو۔ اگرچہ اصل افطار گھر میں کیا ہو۔

حج نہ کرنے کی قسم.....اگر قسم کھائی "لا یحج" کہ حج نہیں کرے گا یا یہ قسم کھائی "لا یحج حجة" کہ حج ادا نہیں کرے گا تو طواف زیارت کرنے تک قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ حج ایسی عبادت ہے جو کئی قسم کے افعال سے مرکب ہے جیسے عرفات میں ٹھہرنا، طواف، سعی وغیرہ لہٰذا حقیقت کے اعتبار سے حج ان تمام افعال کو کہا جائے گا نہ کہ بعض کو۔ لیکن چونکہ اکثر کو کل کا حکم مل جاتا ہے لہٰذا جب وہ اکثر ارکان (طواف زیارت تک) ادا کرلے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر قسم کھائی کہ عمرہ نہیں کرے گا پھر احرام باندھا اور چار چکر لگا دیئے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اکثر حصہ ادا ہو گیا اور اکثر پر کل کا حکم لگایا جاتا ہے جیسا کہ گزر چکا۔ اگر کسی نے حج کے دوران اپنی بیوی سے ہم بستری کرلی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ حج اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا قسم ایسے حج پر واقع ہوگی جو اللہ کے قرب کا ذریعہ ہو۔ یعنی عبادت ہو۔ ایسا حج، حج صحیح ہوتا ہے نہ کہ فاسد۔ اس لئے کہ فاسد حج عبادت نہیں۔ [1]

دوسری فصل.....نذر اور منت کا بیان

موضوع کا خاکہ.....اس بحث میں، میں تین چیزیں بیان کروں گا۔ نذر کی تعریف، نذر کا حکم اور نذر کی شرطیں۔

ا۔ نذر کی تعریف اور رکن.....لغوی اعتبار سے نذر کا مطلب ہے اچھائی کا برائی کا وعدہ اور شرعاً نذر صرف اچھائی کے وعدے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نذر، غیر متعین عبادت کو اپنے اوپر لازم کرنے کو کہتے ہیں۔ [2]

---

[1] البدائع: ۸۴/۳ و ما بعدها، تحفة الفقهاء قديم طبع: ۴۸/۲ وما بعدها، فتح القدير: ۹۳/۴ و ما بعدها، الفتاویٰ الهندية: ۱۰۸/۲ وما بعدها، المغنی: ۲۰/۸۔ [2] مغنی المحتاج: ۳۵۴/۴، امام راغب فرماتے ہیں کہ نذر اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو لازم کرنے کو کہتے ہیں جو لازم نہیں تھی۔ کسی معاملے کی خاطر۔

نذر کا رکن......حنفیہ کے نزدیک نذر کا رکن وہ لفظ اور صیغہ ہے جو اس پر دلالت کرے۔ جیسے یہ کہنا "للّٰہ علی کذا" اللہ کے لئے مجھ پر فلاں کام لازم ہے، مجھ پر یہ لازم ہے، مجھ پر نذر لازم ہے، یہ ھدیہ ہے، یہ صدقہ ہے، میرا مال صدقہ ہے، میری ملکیت میں جو کچھ ہے وہ صدقہ ہے۔ وغیرہ۔ (1)

دیگر ائمہ کا مسلک......حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نذر کے تین رکن ہیں: جس بات کی نذر مانی گئی ہے، نذر کا صیغہ اور لفظ۔

نذر ماننے والا......ہر مکلف مسلمان نذر ماننے کا اہل ہے۔ بچے، مجنون اور کافر کی نذر کا کوئی اعتبار نہیں۔

جس کی نذر مانی ہے......جس بات کی نذر مانی ہے یعنی منذور۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ مبہم اور معین۔

نذر مبہم......جس کی نوعیت نہ بیان کی جائے جیسے "اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اس میں قسم کا کفارہ ہے۔

نذر معین......اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱......کوئی عبادت کرنے کی منت مانی۔ اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲......کوئی گناہ کرنے کی منت مانی۔ اس کو پورا کرنا حرام ہے۔

۳......کوئی مکروہ کام کرنے کی منت مانی۔ اس کو پورا کرنا مکروہ ہے۔

۴......کسی مباح کام کی نذر مانی۔ اس کو پورا کرنا نہ کرنا دونوں باتیں جائز ہیں۔ پورا نہ کرنے والے پر کچھ لازم نہیں۔

نذر کا صیغہ......اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مطلق اور مقید۔

مطلق......اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر ہو۔ کسی نعمت پر یا بغیر کسی سبب کے جیسے اللہ کے لئے مجھ پر ایسا روزہ رکھنا یا ایسی نماز پڑھنا لازم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مستحب ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

مقید......جو کسی شرط سے مشروط ہو۔ جیسے یہ کہنا کہ اگر فلاں آ گیا یا میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی تو مجھ پر یہ لازم ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مباح ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

۲۔ نذر کی شرطیں......شرطیں کچھ ناذر (منت ماننے والا) سے متعلق ہیں اور کچھ منذور بہ (جس کی نذر مانی گئی ہے) سے متعلق۔

ناذر (منت ماننے والے) سے متعلقہ شرطیں: (2)

۱۔ اہلیت یعنی عاقل و بالغ ہونا......لہٰذا مجنوں، ناسمجھ بچے اور سمجھدار بچے کی نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ شرعی احکام کے مکلف نہیں ہیں لہٰذا اپنے اوپر کسی حکم کو لازم کرنے کے اہل بھی نہیں ہوں گے۔

---

(1)......البدائع: ۵/۸۱۔ (2) البدائع: سابقہ حوالہ ص ۸۱ وما بعدھا، مغنی المحتاج: سابقہ حوالہ، الشرح الکبیر للدردیر: ۲/۱۶۱، القوانین الفقھیہ: ۱۶۷ وما بعدھا۔

۲۔اسلام.....لہٰذا کافر کی نذر درست نہیں۔ یہاں تک کہ اگر اس نے منت مانی اور پھر اسلام قبول کرلیا تو اس پر اپنی سابقہ نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ عبادت کا یا عبادت کو خود پر لازم کرنے کا اہل ہی نہیں تھا۔

رہا آزاد ہونا تو یہ نذر کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں۔ لہٰذا غلام کی نذر درست ہوگی۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک اختیار اور مرضی بھی شرط نہیں ہے۔ شافعیہ کی ہاں یہ شرط ہے۔ لہٰذا جس آدمی سے زبردستی کوئی منت منوائی گئی وہ ان کے نزدیک درست نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے: ''میری امت کو غلطی، بھول چوک اور زبردستی کرائے ہوئے کام معاف ہیں۔''❶

منذور بہ (جس کی منت مانی گئی ہے) سے متعلقہ شرطیں.....منذور بہ سے متعلقہ شرطیں درج ذیل ہیں۔❷

۱.....قسم ایسی چیز کی کھائی جائے جس کے وجود کا شرعی لحاظ سے تصور کیا جاسکے۔ لہٰذا جس کام کا شرعی وجود نہیں اس کی نذر بھی نہیں مانی جاسکتی۔ جیسے کوئی کہ ''میں اللہ تعالیٰ کے لئے رات کو روزہ رکھوں گا۔'' یا عورت کہے ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے حیض کے دنوں میں روزہ رکھوں۔ اس لئے کہ رات روزے کا محل نہیں ہے۔ اور حیض شرعی اعتبار سے روزے کے منافی ہے۔ حیض ونفاس سے پاک ہونا شرعی روزے کے لئے شرط ہے۔

۲.....جس چیز کی قسم کھائی جارہی ہے وہ عبادت ہو جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ لہٰذا جو عبادت نہیں ان کی نذر بھی درست نہیں۔ جیسے گناہ کی نذر ماننے اور کہے ''اللہ کے لئے مجھ پر شراب پینا لازم ہے'' یا قتل کرنا لازم ہے یا مارنا لازم ہے یا گالی دینا لازم ہے۔ اس میں چاروں ائمہ کرام اور دیگر حضرات کا اتفاق ہے۔❸ اس لئے حدیث میں آتا ہے ''لا نذر فی معصیة اللّٰه، ولا فیما لا یملکه ابن آدم ''❹ اللہ کی نافرمانی کی نذر نہیں ہوسکتی، اسی طرح جس چیز کا انسان مالک نہیں اس کی نذر بھی نہیں ہوسکتی۔

ایک اور حدیث میں ہے ''لانذر الا مایبتغٰی به وجه اللّٰه ''❺ نذر انہی چیزوں کی ہوتی ہے جن سے اللہ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ بھی حدیث میں آتا ہے ''من نذر ان یطیع اللّٰه فلیطعه ومن نذر ان یعصی اللّٰه فلا یعصه''❻ جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی وہ نافرمانی نہ کرے۔

اور اس لئے بھی کہ نذر کا حکم یہ ہے کہ منذور بہ واجب ہے۔ اور گناہ کے کام کا واجب ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ گناہ کو پورا کرنا حرام ہے۔ گناہ کی نذر ماننے کی صورت میں جمہور کے نزدیک نذر ماننے والے پر کچھ لازم نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر قسم کا کفارہ آئے گا۔ (یہ بحث آگے آئے گی)۔

---

❶.....اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ ان کے علاوہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''ان اللّٰه تجاوز عن امتی ثلاثه: الخطا والنسیان وما اکرهوا علیه'' اللہ تعالیٰ نے میری امت کی تین چیزیں معاف کردی ہیں: ''غلطی، بھول چوک اور زبردستی کرایا ہو کام۔ ❷ البدائع: سابقه حواله ۸۲ وما بعدها ❸ بدایة المجتهد : ۱/۴۰۹، المحلی : ۳/۸، مختصر الطحاوی: ۳۱۶، مغنی المحتاج: ۳۵۴/۴ المغنی: ۳/۹، المهذب: ۲۴۲/۱، القوانین الفقهیة : ص ۱۶۸۔ ❹ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: ''لانذر ولا یمین فیما لا تملک ولا فی معصیة ولا فی قطعیة رحم '' غیر مملوکہ چیز کی نذر اور قسم نہیں ہوسکتی اور گناہ اور قطع رحمی کی بھی۔ (نصب الرایہ: ۳/۳۰۰، جامع الاصول: ۱۲/۱۸۸، نیل الاوطار: ۸/۲۳۸) ❺ اس حدیث کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے (جامع الاصول۔ سابقہ حوالہ) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لانذرا لا فیما ابتغی به وجه اللّٰه '' نذر انہی چیزوں کی ہوسکتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے۔ نیل الاوطار: ۸/ ۲۴۲ ❻ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور سنن اربعہ کے مصنفین نے روایت کیا ہے۔ (دیکھئے تخریج وتحقیق احادیث تحفۃ الفقہاء ۲/ص ۴۵۹، وما بعداز مولف والاستاذ المختصر الکتانی)

اسی طرح مباح چیزوں کی نذر بھی لازم نہیں۔ جیسے کھانا، پینا، پہننا، سواری کرنا، طلاق دینا وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ چیزیں عبادت نہیں ہیں لہٰذا نذر بھی لازم نہیں ہوگی۔

۳.....وہ عبادت مقصودہ ہو۔ لہٰذا مریضوں کی عبادت کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، وضو، میت کو غسل دینا اور کفن پہنانا، مسجد میں داخل ہونا۔ قرآن مجید کو چھونا، اذان، رباط ❶ (غریبوں کے لئے بنائی گئی سرائیں) بنانا، مسجدیں بنانا وغیرہ کی نذر ماننا درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ امور اگرچہ عبادت ہیں لیکن یہ عام طور پر عبادت مقصودہ نہیں ہوتیں۔ جب کہ یمین قسم کی طرح عبادت مقصودہ ہے۔ لہٰذا ایسی چیز کی نذر درست نہیں ہوگی۔ جو بذات خود عبادت نہ ہو۔ ❷ نماز، روزہ، حج، عمرہ اعتکاف وغیرہ کی نذر درست ہے۔ اس لئے کہ یہ عباداتِ مقصودہ ہیں۔ اور شریعت میں ان کی جنس سے واجب پایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے۔''

شافعیہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ جو عبادت ابتداء میں واجب نہیں اس سے نذر کا منعقد ہونا درست ہے جیسے مریض کی عبادت اور جنازے کے ساتھ چلنا، دوسرے کو سلام کرنا، گھر خالی ہو تو خود کو سلام کرنا، چھینک کا جواب اور آنے والے سے ملنے کے لئے جانا۔ اس لئے کہ شارع نے ان کی ترغیب دی ہے۔ اور بندہ ان سے اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عبادات کی طرح ہوئیں۔ رہیں وہ عبادتیں جن کی جنس شریعت میں واجب ہے جیسے نماز، روزہ، حج تو یہ نذر سے قطعی طور پر بغیر اختلاف کے لازم ہو جاتی ہیں۔ اعتکاف بھی نذر سے لازم ہو جاتا ہے۔ اس کی جنس سے شریعت میں وقوف عرفہ اور نماز کا قعدہ اخیرہ ہیں۔ ان دونوں کو اعتکاف کی طرح ٹھہرنا سمجھا گیا ہے۔ ❸

اگر کسی نے کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر قربانی والے دن یا ایام تشریق میں روزہ رکھنا لازم ہے'' تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک اس کی نذر درست ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے مقصودی عبادت کی نیت کی ہے تو جس طرح دوسرے دنوں میں روزے کی نذر درست ہے اسی طرح ان دنوں میں بھی درست ہوگی۔

جمہور علماء اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روز عید یا ایام تشریق میں نذر درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ گناہ کی نذر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے ''خبردار (ان دنوں میں) روزہ نہ رکھنا اس لئے کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔'' ❹ جس چیز سے منع کیا جائے وہ گناہ ہوتی ہے۔ اور گناہ کی نذر درست نہیں ہوتی جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''اللہ کی نافرمانی کی نذر نہیں ہوتی اور نہ ایسی چیز کی نذر ہوتی ہے جس کا انسان مالک نہیں۔ ❺

اگر کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں پیدل حج کروں'' تو اس پر پیدل حج لازم ہوگا۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ اس لئے کہ اس نے چلنے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اس میں زیادہ ثواب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے پیدل حج کیا اس کو ہر قدم پر حرم کی نیکیوں جیسی نیکی ملے گی''۔ پوچھا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''ایک نیکی سات سو کے برابر

---

❶ الرباطات: ایسی سرائیں جو فقیروں اور مسکینوں کے لئے بنا کر وقف کر دی جاتی ہیں۔ ❷ البدائع: ۸۲/۵، فتح القدیر والصنایۃ ۲۷/۴، الدر المختار وردالمحتار: ۷۳/۳۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳۷۰/۴۔ ❹ اس حدیث کو سنن اربعہ کے مؤلفین، ابن حبان حاکم اور بزار نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ایام التشریق: ایام اکل وشرب وصلوٰۃ وفلا یصومها احد'' ایام تشریق کھانے پینے اور نماز کے دن ہیں ان میں کوئی روزہ نہ رکھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن کے روزوں سے منع فرمایا ہے۔'' عید الفطر اور عید قربان''۔ (دیکھئے تخریج احادیث تحفۃ الفقهاء: ۲۹۶/۱) ❺ منذور بہ کی شرطوں کے بیان میں سابقہ حوالے، البدائع: ۸۳/۵۔

ہے۔'' (1) اگر پیدل نہ چل سکا تو سوار ہو جائے۔ اور اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہوگی یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نذر ماننے والا جب چلنے سے عاجز آ جائے تو لوٹ جائے۔ پھر جہاں سے عاجز آیا تھا وہیں سے دوسری مرتبہ پیدل چلے۔ اور ان کے نزدیک قربانی اونٹ یا گائے کی ہوگی اگر یہ نہ ملیں تو بکری کی قربانی ہوگی۔ (2) اس مسئلے کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کی بہن نے بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی۔ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کی بہن کی نذر سے بے نیاز ہے۔ اسے چاہئے کہ سوار ہو جائے اور اونٹ کی قربانی کرے۔'' (3) اور اس لیے بھی کہ نذر کی وجہ سے پیدل چلنا حج کا واجب حکم بن گیا۔ اب اس کو چھوڑنے کی وجہ سے قربانی واجب ہو جائیگی۔ جیسے میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے قربانی لازم ہوتی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ جب وہ پیدل چلنے سے عاجز آ جائے تو سوار ہو جائے۔ اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ اس لئے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے جب بیت اللہ پیدل جانے کی نذر مانی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''وہ پیدل چلے اور سواری بھی کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔'' (ابوداؤد) جوزجانی، ترمذی اور دیگر اصحاب السنن کی روایت میں آتا ہے۔ ''وہ تین دن کے روزے رکھے۔'' اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (4) اور اس لئے کہ پیدل چلنا ان چیزوں میں سے ہے جن کا موجب احرام ہے لہٰذا اس کو ترک کرنے سے قربانی واجب نہیں ہوگی۔ رہی قربانی والی حدیث تو وہ ضعیف ہے جیسا کہ ہم نے حاشیے میں اشارہ کر دیا ہے۔

۴...... جس مال کی نذر مانی ہے وہ نذر کے وقت اس کی ملکیت میں ہو یا نذر کی نسبت ملک یا ملک کے سبب کی طرف ہو۔ اگر اس نے غیر مملوکہ چیز کو اسی وقت صدقہ کرنے کی نذر مانی تو بالاتفاق درست نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس چیز کا انسان مالک نہیں ہے اس کی نذر درست نہیں۔'' اگر نذر کی نسبت ملکیت کی طرف کی جیسے ''وہ تمام مال جس کا میں مستقبل میں مالک بنوں گا وہ صدقہ ہے۔'' یا نذر کی نسبت ملکیت کے سبب کی طرف کی جیسے ''جس چیز کو بھی میں خریدوں یا وراثت میں پاؤں وہ صدقہ ہے'' تو یہ نذر حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نذر درست نہیں۔ حنفیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

---

(1)...... اس حدیث کو ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت زاذان رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ اس کے الفاظ مختصراً یہ ہیں: جو مکہ سے پیدل حج کرے تو واپسی تک اس کو ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں ملیں گی۔ ہر نیکی حرم کی نیکی جیسی ہوگی۔'' کہا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ فرمایا ''ہر نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکیاں۔'' (الترغیب والترہیب: ۲/۱۶۶) (2) البدائع: ۵/۸۴، بدایة المجتهد: ۱/۴۱۱، مغنی المحتاج: ۴/۳۶۳ و ما بعد، المهذب: ۱/۳۴۵ وما بعد. المغنی: ۹/۸۔ (3) اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسندوں میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ آپ کی بہن کی نذر سے بے نیاز ہے۔ وہ سوار ہو جائے اور تین دن روزے رکھے۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صحاح ستہ کے مؤلفین نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ رروایت کی ہے۔ ''وہ پیدل چلے اور سوار بھی ہو۔'' اور ایک روایت میں ہے'' اللہ تعالیٰ آپ کی بہن کی مشقت کو کیا کریں گے۔ اسے کہیں کہ اوڑھنی اوڑھنے، سوار ہو اور تین دن روزے رکھے (جامع الاصول: ۱۲/۱۸۵ امجمع الزوائد: ۴/۱۸۹، نصب الرایة: ۳/۳۰۵، نیل الاوطار: ۸/۲۴۶، سبل السلام: ۴/۱۱۳ (4) اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ ''نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ یہاں اور بھی روایات ہیں جن کو ہم نے تحفۃ الفقہاء کی احادیث کی تخریج میں بالاستیعاب ذکر کیا ہے۔ ج ۲ ص ۶۴۴ و مابعدھا۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور انہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔'' آگے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک:

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ التوبۃ: ۹/۷۷

نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے جما دیا جس دن وہ اللہ سے جا کر ملیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔'' یہ آیت شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نذر کی نسبت ملک کی طرف ہو وہ درست ہوتی ہے۔ ❶

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات پر دلیل کہ غیر مملوکہ چیز کو صدقہ کرنے کی نذر درست نہیں..... حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا ''اللہ کی نافرمانی کی نذر درست نہیں اور انسان جس چیز کا مالک نہیں اس کی نذر بھی درست نہیں۔'' ❷

۵..... جس کی نذر مانی ہے وہ فرض یا واجب نہ ہو: لہٰذا فرائض کی نذر درست نہیں ہوگی چاہے فرض عین ہوں جیسے پانچ نمازیں اور رمضان کے روزے یا فرض کفایہ ہوں جیسے جہاد نماز جنازہ۔ اسی طرح واجبات کی نذر بھی درست نہیں چاہے واجب عین ہو جیسے وتر، صدقہ فطر، قربانی یا واجب کفایہ ہو جیسے میت کو تیار کرنا انہیں غسل دینا، سلام کا جواب دینا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں پہلے سے واجب ہیں ان کو دوبارہ واجب نہیں کیا جا سکتا۔ ❸

نذر کا حکم..... یہ بحث تین امور میں کلام کا تقاضا کرتی ہے: حکم کی اصل اس میں نذر کی مشروعیت کے دلائل بھی بیان ہوں گے، حکم کے ثبوت کا وقت، حکم کے ثبوت کی کیفیت۔

ا۔ نذر کے حکم کی اصل..... علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نذر مکروہ ہے یا عبادت؟ حنفیہ فرماتے ہیں کہ نیک کاموں مین نذر مباح ہے چاہے مطلق ہو یا شرط سے مشروط ہو۔ بعض لوگوں کے نزدیک نذر عبادت ہے۔

مالکیہ..... کے نزدیک مطلق نذر مستحب ہے یعنی ایسی نذر جس کو کسی چیز پر معلق نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی دنوں کے تکرار سے اس میں تکرار آئے جیسے ہر جمعرات کے روزے کی نذر۔ بلکہ وہ ایسی نذر کو کہتے ہیں جسے انسان اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کے شکر کے طور پر اپنے اوپر واجب کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کے مریض کو شفا دے دی یا اس کو بیٹا یا بیوی عنایت فرما دی اور اس نے نذر مانی۔ مکرر نذر یعنی بار بار آنے والی نذر مکروہ ہے جیسے ہر جمعرات کے روزے کی نذر۔ اور معلق نذر یعنی کسی شرط سے مشروط کر دی جانے والی نذر جیسے اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ ایسی نذر کے مکروہ یا مباح ہونے میں تردد ہے۔ امام باجی رحمۃ اللہ علیہ کراہت کے قائل ہیں اور امام ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ مباح ہونے کے قائل ہیں۔ اور یہی راجح ہے۔ لیکن معلق نذریں اللہ کی تقدیر میں کچھ تبدیلی نہیں کر سکتیں۔ بلکہ یہ کنجوس سے صدقہ نکالنے کا ذریعہ ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ..... فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ مستحب نہیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع فرمایا۔ اور فرمایا ''یہ کہ چیز نہیں ٹال سکتی بلکہ اس کے ذریعے تو صرف کنجوس سے (مال) نکالا جاتا ہے۔

❶..... البدائع: ۵/۹۰۔ ❷ المهذب: ۱/۲۴۲۔ ❸ البدائع: سابقہ حوالہ۔

دوسرے الفاظ یوں ہیں ''یقیناً یہ کوئی خیر نہیں لا سکتی بلکہ.......الخ'' ❶

اور اس لئے بھی کہ نذر اگر مستحب ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مانی ہوتی۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اگر کسی نے نیکی کی نذر مانی تو اسے پورا کرنا لازمی ہوگا اس لئے کہ اس پر قرآن وسنت کے اور عقلی دلائل موجود ہیں۔ ❷

قرآن مجید سے دلائل

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ......الحج: ۲۹/۲۲

اور (حج کرنے والے) اپنی منتیں پوری کریں۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ سورۃ الدھر ۷/۷۶

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن کا خوف دل میں رکھتے ہیں جس کے برے اثرات ہر طرف پھیلے ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ......المائدۃ: ۱/۵

اے ایمان والو! معاہدہ کو پورا کرو۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ الاسراء: ۳۴/۱۷

اور عہد کو پورا کرو، عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ ......النحل: ۹۱/۱۶

اور جب تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو۔

(ترجمہ منقول از آسان ترجمہ قرآن حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

نذر بھی ایک طرح کا عہد ہے جو نذر ماننے والا اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اور عقود وعدوں کو کہتے ہیں۔

سنت سے دلائل......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو وہ اطاعت کرے۔''

---

❶ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت مسند بھی ہے۔ اور صحیح بھی۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نذر سے منع فرمایا ہے اس کا مطلب نذر کے معاملے کو مؤکد کرنا ہے اور نذر واجب کرنے کے بعد سستی کرنے سے لوگوں کو ڈرانا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہوتا کہ نذر سے روک دیا جائے تاکہ اسے نہ کیا جاسکے تو اس سے نذر کا حکم باطل ہو جاتا اور اس کو لازمی طور پر پورا کرنے والی بات بھی ختم ہو جاتی۔ اس لئے کہ جب اس سے منع کر دیا تو یہ گناہ بن گئی اور اس کو پورا کرنا لازمی نہ رہا۔ حاصل یہ کہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ اس میں تاویل ہوگی۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایہ میں اسی طرح کی بات کی ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ حدیث میں یہ بتایا جارہا ہے کہ نذر ان کو دنیا میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی، نہ ان سے نقصان کو دور کر سکتی ہے اور نہ تقدیر کو ٹال سکتی ہے۔ لہٰذا اس لئے نذر نہ مانوں کہ اس کی بنیاد پر تمہیں کوئی چیز مل جائے گی جو تمہارے مقدر میں نہیں یا تقدیر نے جو فیصلہ کیا ہے یہ اس کو ٹال دے گی۔ لیکن اگر آپ نے ایسا کر ہی لیا ہے تو اس کو پورا کرو اس لئے کہ آپ نے جس کی نذر مانی تھی وہ لازم ہوگئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث کے ظاہری معنی مراد ہیں۔ اور یہ نذر کے مکروہ ہونے میں صریح ہے۔ اس لئے کہ نذر بخیل آدمی مانتا ہے۔ اس کے ذریعے سے اس کا مال نکالا جاتا ہے۔ اس کا نفس بغیر زبردستی کے یہ سخاوت نہ کرتا۔ یہ اس وقت ہوتا جب اس کی غرض پوری ہو جاتی ہے۔ (المحلی: ۴/۸، جامع الاصول: ۱۸۱/۱۲، ۲۴۳، نیل الاوطار: ۲۴۰/۸، سبل السلام: ۱۱۰/۴) ❷ المحلی: ۳/۸، المغنی: ۱/۹، مغنی المحتاج: ۳۵۴/۴، البدائع: ۹۰/۵، بدایۃ المجتهد: ۴۰۹/۱، الشرح الکبیر للدردیر رحمۃ اللہ علیہ: ۱۶۲/۲۔

میں ہے ”جس نے نذر مانی اور کوئی کام کرنا طے کرلیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو پورا کرے۔“ ❶

عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے وہ ایسی عبادات مقصودہ کا بھی اہتمام کرتا ہے جن کو ترک کرنا جائز ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ مقام حاصل ہو سکے...... اور چونکہ جن اعمال کی نذر مانی گئی وہ نذر کی وجہ سے واجب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نذر نفس کو اعمال پر مجبور کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور اعمال کو چھوڑنے سے روک دیتی ہے۔ اسی طرح نذر ماننے والے کو مقصود مل جاتا ہے۔

حنفیہ کا مسلک...... جس کی نذر مانی گئی ہے اس کا متعین طور پر نام لیا ہوگا یا نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں نذر کو کس طرح پورا کیا جائے گا؟ حنفیہ نے اس کی جو تفصیل بنائی ہے وہ درج ذیل ہے۔

ا۔ جس کی نذر مانی گئی ہے اس کا نام متعین طور پر لے لیا جائے...... مثلاً یوں کہے ”اللہ کے لئے مجھ پر حج لازم ہے یا عمرہ لازم ہے“ یا یوں کہے ”اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو مجھ پر لازم ہے کہ میں سو سیر صدقہ کروں“ اس صورت میں جس چیز کو نامزد کیا ہے اسی کو پورا کرنا واجب ہے۔ چاہے نذر مطلق ہو یا کسی شرط سے معلق ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اس کی طرف سے کفارہ جائز نہیں ہوگا۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ نذر کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور مقید، مطلق اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت پر شکر ادا کرنے کے لئے یا بغیر کسی سبب کے مانی جائے۔ جیسے یوں کہے ”اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اتنے روزے رکھوں یا اتنی نمازیں پڑھوں“ ایسی نذر مستحب ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ چاہے نذر کا لفظ ذکر کرے یا نہ کرے۔ الا یہ کہ اس کا مقصود خبر دینا ہو تو پھر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

مقید اسے کہتے ہیں جو شرط سے معلق ہو۔ جیسے یوں کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میری حاجت پوری کردی یا اگر فلاں آ گیا تو مجھ پر یہ لازم ہے۔ یہ مباح ہے، اور اسے مکروہ بھی کہا گیا ہے۔ اسے مطلقاً پورا کرنا ضروری ہے۔ اور جن وجوہ پر قسم واقع ہوتی ہے جیسے ضد، غصہ وغیرہ ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں۔ ❷

شافعیہ ❸ فرماتے ہیں کہ نذر اگر کسی شرط کے ساتھ مقید ہو تو دیکھا جائے گا کہ نذر ماننے والا اس کو واقع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں۔ یعنی نذر تبرر اور نذر لجاج میں فرق کیا جائے گا۔

نذر تبرر...... ❹ یعنی انسان کسی نعمت کے ملنے یا کسی مشکل کے دور ہونے پر کسی عبادت کو اپنے اوپر لازم کرے جیسے اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی تو مجھ پر اللہ کے لئے روزہ لازم ہے۔ اس صورت میں اگر شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا لازم ہوگا۔

نذر لجاج...... ❺ (ضد اور جھگڑے والی نذر) اس کو ضد، غصے اور تنگ دلی والی قسم بھی کہا جاتا ہے یہ ایسی نذر ہے جو قسم کے طور پر سامنے آئے۔ اس میں اپنے آپ کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر ابھارنا مقصود ہوتا ہے۔ نذر یا عبادت مقصود نہیں ہوتی۔ جیسے اگر میں نے فلاں سے بات کی تو اللہ کے لئے مجھ پر روزہ وغیرہ لازم ہوگا۔ اس صورت میں راجح یہی ہے کہ نذر ماننے والے کو اختیار ہے چاہے تو اپنی نذر پوری کرے

---

❶...... سمی ای سمی شیئاً یفعلہ: یعنی کوئی کام کرنا طے کرلیا جیسے نماز، روزہ، حج اور دیگر نیک اعمال۔ علامہ زیلعی نصب الرایۃ ج ۳ ص ۳۰۰ میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔ نذر کو پورا کرنے کے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہ، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور دیکھئے فتح القدیر: ۴/ ۲۷۔ ❷ القوانین الفقھیہ: ص ۱۶۸، الشرح الکبیر: ۲/ ۱۶۱۔ ❸ دیکھئے مغنی المحتاج: ۴/ ۳۵۵ وما بعدھا، المھذب: ۱/ ۲۴۳۔ ❹ یہ بر سے باب تفعل ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نذر ماننے والا اس کے ذریعے سے نیکی اور اللہ کا قرب چاہتا ہے۔ یہ شرط اور مطلق نذر دونوں کو شامل ہے۔ ❺ اس کے لغوی معنی ہیں جھگڑا کرنا، اس میں انتہاء تک پہنچ جانا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ نذر غصے کی حالت میں مانی جاتی ہے۔

اور چاہے تو قسم کا کفارہ ادا کرے۔اس حدیث کا یہی مقصود ہے "کفارة النذر کفارة یمین" نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (1)

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نذر لجاج لڑائی کے وقت غصے کو دور کرنے والی ہوتی ہے۔اور نذر تبرر لڑائی یا غصے کو دور کرنے والی نہیں ہوتی۔

نذر مطلق یہ ہوتی ہے کہ نذر ماننے والا خود پر کسی طرح کی عبادت کو لازم کر دے۔کسی خاص غرض کو پورا کرنے پر معلق نہ کرے اور نہ ہی وہ نذر لڑائی یا غصہ کو دور کرنے والی ہو۔جیسے "اللہ کے لئے مجھ پر جمعرات کا روزہ لازم ہے۔"

حنابلہ (2) فرماتے ہیں کہ نذر لجاج وغضب کا حکم وہی ہے جو قسم کا ہے۔اور شافعیہ کی طرح یہ بھی اختیار دیتے ہیں کہ وہی کام کرے جس کی نذر مانی ہے یا قسم کا کفارادا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"غصے کی حالت میں نذر نہیں ہوتی۔اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔" (3) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم چاہے جس جہت پر ہو لازم ہو جاتی ہے۔ (4)

۲۔اگر نذر میں کام نامزد نہ کیا جائے......یعنی جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اسکا نام نہ لیا جائے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے نے کسی عمل کی نیت کی تھی تو اسی کو کرنا واجب ہوگا۔چاہے نذر مطلق ہو یا مقید۔جیسے اس نے کہا "اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے" یا یوں کہا "اگر میں نے ایسے کیا تو اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے" اگر اس نے روزے،نماز،حج یا عمرے کی نیت تھی تو انہی کو پورا کرنا لازم ہوگا۔اگر نذر مطلق تھی تو فی الحال پورا کرنا ہوگا اور اگر مقید تھی تو شرط پائے جانے کے بعد۔اس صورت میں قسم کا کفارہ کافی نہیں ہوگا۔

اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں تھی تو یہ مبہم نذر ہوئی۔اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔یہاں بھی اگر نذر مطلق تھی تو کفارہ فی الحال واجب ہو جائے گا۔اور اگر نذر معلق تھی تو شرط کے پائے جانے کے بعد کفارہ لازم ہوگا۔دلیل یہ حدیث ہے۔"النذر یمین" "وکفارته کفارة یمین" نذر ایک قسم ہے اور اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔ (5)

حنفیہ کے ہاں کفارے کا وجوب متعین ہے چاہے نذر معلق کی شرط مباح ہو یا گناہ۔اور اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی قسم خود توڑے اور اس کا کفارہ ادا کرے۔ (6) اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:"جس آدمی نے کوئی کام کرنے کی قسم کھائی۔پھر اس کے علاوہ کسی اور کام میں اسے بہتری لگی تو اسے چاہئے کہ وہ بہتری والا کام کر لے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ (7)

---

(1)......اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ،احمد رحمۃ اللہ علیہ،ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ،نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔انہوں نے اس میں "اذا لم یسمہ" (جب نام نہ لیا ہو) کا اضافہ کیا ہے۔اور ان الفاظ کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کی گئی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا،ابن عباس رضی اللہ عنہ،عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسرے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔(دیکھئے سبل السلام:۱۱۱/۴، نیل الاوطار۔۲۴۳/۸ وما بعد، نصب الرایة: ۲۹۵/۳ الا لمام: ص ۳۰۹، تخریج احادیث التحفہ الفقہا: ۴۶۵/۲) (2) المغنی: ۶/۹،۶۹۶/۸۔ (3) اس حدیث کو نسائی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(دیکھئے المحلی :۸/، جامع الاصول:۸۹/۱۲ اومابعد)اس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر اور اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔"ولا یمین فی غضب"(غصے کی حالت میں قسم نہیں ہوتی)(مجمع الزوائد:۱۸۶/۴) (4) بدایة المجتهد: ۴۰۹/۱، الشرح الکبیر للدردیر: ۱۶۱/۲۔ (5) حدیث کی نص: یہ وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ،ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ،نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس نے نذر مانی اور کام نامزد نہیں کیا تو اس کا کفارہ قسم والا ہے۔اور جس نے گناہ کی نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔اور جس نے غیر اختیاری قسم مانی اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو پورا کرنے کی اسے طاقت ہے تو اس کو پورا کیا جائے گا" اس بارے میں اور بھی روایات ہیں جیسے عقبہ بن عامر والی حدیث "نذر کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔"(دیکھئے تخریج احادیث تحفۃ الفقہاء:۴۶۴/۲ ومابعدھا) اس کی طرف اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ (6) حنفی مذہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے المبسوط: ۱۳۶/۸، البدائع: ۹۰/۲۔۹۲، فتح القدیر: ۲۷/۴، الفتاویٰ الهندیه، ۶۰/۲۔ (7) اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ،مسلم رحمۃ اللہ علیہ،نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے۔دیگر ائمہ حدیث نے دوسرے صحابہ سے بھی روایت کیا ہے۔اس کی تخریج گزر چکی ہے۔(دیکھئے نیل الاوطار :۲۴۷/۸)

اگر نذر مبہم تھی اور نذر ماننے والے نے روزوں کی نیت کی تھی لیکن کسی معین عدد کی نیت نہیں کی تھی تو اس پر تین دن کے روزے واجب ہوں گے۔

اگر اس نے کہا تھا ''اللہ کے لئے مجھ پر نذر لازم ہے'' اور نیت کھانے کی کی تھی لیکن خاص عدد کی نیت نہیں کی تھی تو اس پر دس مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔ ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یعنی شامی رطل کا تقریباً نصف...... دینا ہوگا۔

اگر کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر صدقہ لازم ہے'' تو اس پر نصف صاع کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اگر کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر روزہ لازم ہے'' تو اس پر بالاتفاق ایک دن کا روزہ لازم ہوگا۔

اگر کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر نماز لازم ہے'' تو اس پر بالاتفاق دو رکعتیں لازم ہوں گی۔

ان صورتوں کے حکم کی علت یہ ہے کہ یہاں نذر کی مقدار مذکور نہیں۔ لہٰذا اس کی کم ترین مقدار کا اعتبار ہوگا جس کے بارے میں شریعت کا حکم نازل ہوا ہے۔ اس لئے کہ نذر کا اعتبار حکم کے مطابق ہوتا ہے۔

مالکیہ ❶ فرماتے ہیں جس نے دنوں کے روزے رکھنے کی نیت کی تو جتنے دنوں کی نیت کی ہے اتنے ہی لازم ہوں گے۔ اگر اس نے کوئی عدد متعین نہیں کیا تو ایک دن روزہ رکھنا بھی کافی ہے۔ اگر اس نے ہمیشہ کے روزے (صوم الدھر) رکھنے کی نذر مان لی تو یہ اس پر لازم ہو جائیں گے۔ البتہ عید، حیض اور رمضان کے دنوں کی وجہ سے اس پر کچھ نہیں آئے گا۔ سفر اور مرض میں اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے۔ اور اس کی قضاء بھی لازم نہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں۔

اگر اس نے نماز کی نذر مانی تو نیت کے مطابق نماز لازم ہوگی۔ اگر نیت نہ ہو تو دو رکعتیں کافی ہوں گی۔ اگر اس نے سارے مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی یا اس کی قسم کھائی پھر قسم ٹوٹ گئی تو ایک تہائی کافی ہے۔ اگر اس نے مقدار معین کر دی جیسے نصف یا دو تہائی تو جس کی نیت کی وہ لازم ہوگا۔ اگر مکہ پیدل جانے کی نذر مانی اور اگر حج یا عمرہ کا ذکر کیا تو وہی لازم ہوگا۔

اگر حج یا عمرہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ نیت کی تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہوگا جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔ نذر مانی کہ اونٹ کی قربانی کرے گا۔ اگر اونٹ کی قربانی کر سکتا ہے تو اس کی جگہ گائے کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر اونٹ کی قربانی سے عاجز ہے تو گائے کی قربانی چل جائے گی۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

اسی طرح شافعیہ فرماتے ہیں ❷ جس نے بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی یا بیت اللہ آنے کی نذر مانی تو اس کے لئے حج یا عمرے کے لئے آنا واجب ہوگا۔ اگر اس نے پیدل حج یا عمرہ کرنے کی نیت کی تو راجح یہ ہے کہ پیدل چلنا واجب ہوگا۔ اگر اس نے کہا کہ میں پیدل حج کروں گا تو احرام والی جگہ سے پیدل چلنا ہوگا۔ اور اگر کہا کہ میں بیت اللہ کی طرف پیدل چلوں گا۔ تو صحیح یہ ہے کہ اپنے گھر سے اس کی ابتدا کرے گا۔ یہ اس وقت ہوگا کہ وہ پیدل چلنے پر قادر ہو۔ اس لئے کہ اس نے ایک شئی کو اپنی عبادت کا وصف بنانے کا التزام کیا ہے۔ اگر وہ پیدل چلنے پر قادر نہ ہو تو اس پر پیدل چلنا لازم نہیں۔ اس کے لئے سوار ہونا جائز ہوگا۔ اس لئے کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز ہے۔

مباح اور گناہ کی نذر

مباح کی نذر...... اگر کسی مباح کام کی نذر مان لی جیسے یوں کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے گھر پیدل جاؤں'' یا ''اپنے گھوڑے پر سواری کروں'' یا ''اپنے کپڑے پہنوں''۔ یا کسی مباح کام کو چھوڑنے کی نذر مانی جیسے یہ کہا کہ میں حلوہ نہیں کھاؤں گا۔ تو اس نذر

❶...... القوانین الفقهیة: ص ۱۶۸، ص ۱۷۰، الشرح الکبیر: ۲/۱۶۲۔ ❷ مغنی المحتاج: ۴/۳۶۲ وما بعدها.

سے فعل کا کرنا لازم ہوگا نہ چھوڑنا۔ اس لئے کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے "لانذر الا فیما ابتغی به وجه الله تعالیٰ" نذر صرف ان کاموں کی ہوتی ہے جن سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے۔ (1) اسی طرح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک آدمی کو دھوپ میں کھڑے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہیں۔ انہوں نے نذر مانی ہے کہ روزہ رکھیں گے اور نہ بیٹھیں گے، نہ سایے میں جائیں گے، اور نہ بات کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو کہ بات بھی کرے، سائے میں بھی جائے، اور بیٹھے بھی۔ البتہ اپنا روزہ پورا کرے۔ (2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے۔ اسے کہو کہ سوار ہو۔ (3)

اور وہ حدیث جس میں ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت کہا تھا میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی نذر پوری کرو۔" (4)

جمہور فقہاء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی وجہ سے تازہ تازہ خوشی ملی ہوئی تھی، کافروں کے پیٹ میں مروڑ پڑ رہے تھے اور منافقوں کو بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

مباح کی نذر ماننے والا اگر اپنی نذر کے تقاضے کے خلاف کرے تو کیا اس پر کفارہ ہوگا حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں ہوگا اس لئے کہ نذر ہی منعقد نہیں ہوئی۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ مباح کی نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا۔ چاہے تو وہ کام کرے اور اپنی نذر پوری کرلے۔ عورت والی حدیث کی وجہ سے جس نے دف بجانے کی نذر مانی تھی۔ جس کا ذکر ابھی گزرا اور چاہے تو وہ کام نہ کرے اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ یہ اس لئے ہے کہ حنابلہ کے نزدیک مباح کی نذر منعقد ہو جاتی ہے۔ اسی دف والی حدیث کی وجہ سے۔ (5)

گناہ کی نذر......اگر انسان نے گناہ کی نذر مانی مثلاً یوں کہا "اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں شراب پیوں" یا "فلاں کو قتل کروں" یا اس کو ماروں یا اس کو گالی دوں وغیرہ تو بالاجماع اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں"۔ (6)

اور کیا اس سے کفارہ لازم ہوگا؟

---

(1)......اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔ (دیکھئے تخریج احادیث تحفه الفقهاء: ۲/۱ ۶ ۴، نیل الاوطار: ۸/۲۴۲ وما بعد، مجمع الزوائد: ۴/۱۸۶) (2) اس حدیث کی تخریج امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے بھی کی ہے۔ (دیکھئے تخریج احادیث التحفۃ سابقہ حوالہ، جامع الاصول: ۱۲/۱۸۴، نیل الاوطار: ۸/۲۴۲، الالیام ص ۳۱۱) اس حدیث کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں حجاج بن اَرطاۃ مدلس ہے (دیکھئے مجمع الزوائد: ۴/۱۸۷) (3) اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس عورت کو کفارے کا حکم نہیں دیا (جامع الاصول: ۱۲/۱۸۶) (4) اس حدیث کو ابوداؤد نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔ (جامع الاصول سابقہ حوالہ ص ۱۸۸، نصب الرایۃ: ۳/۳۰۰) (5) اس موضوع کے لئے دیکھئے: رحمة الامه فی اختلاف الائمه الدمشقی المیزان کے حاشیئے پر: ۱/۱۴۹ وما بعدها، مغنی المحتاج: ۴/۳۵۷، المغنی: ۹/۵، تحفة الفقهاء طبع قدیم: ۲/۵۰۲، بداية المجتهد: ۱/۴۱۰، الشرح الکبیر للدر دیر: ۲/۱۶۲، الفتاویٰ الهندیة: ۲/۶۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۶۸۔ (6) اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ "نافرمانی کی کوئی نذر نہیں اور نہ ایسی چیز کی نذر ہے جو انسان کی ملک میں نہ ہو۔" اور امام مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "اللہ کی نافرمانی کی کوئی نذر نہیں" (دیکھئے جامع الاصول: ۱۲/۱۸۸، نصب الرایۃ: ۳/۳۰۰، مجمع الزوائد: ۴/۱۸۷)

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی نذر ماننے والے پر قسم کا کفارہ واجب ہے نہ کہ گناہ کرنا۔

اس کی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے'' ❶

مالکیہ اور شافعیہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا اور اسے کفارہ بھی نہیں دینا ہوگا۔

دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو وہ اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی نذر مانی وہ نافرمانی نہ کرے۔

رہی حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث تو اس بارے میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں ''محدثین نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اور فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا دارومدار زہیر بن محمد عن ابیہ پر ہے۔ اس کا والد مجہول ہے۔ بیٹے کے علاوہ کسی نے اس سے روایت نہیں کی۔ اور زہیر کی بھی بعض روایتیں منکر ہیں۔ رہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی حدیث ''نذر کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے'' تو یہ نذر لجاج وغضب پر محمول ہے۔ ❷

۲۔ **نذر کا حکم ثابت ہونے کا وقت**..... یعنی وہ وقت جس میں نذر مانا ہوا کام واجب ہو جاتا ہے۔ وجوب کا وقت اس اعتبار سے بدلتا رہتا ہے کہ یہ نذر مطلق ہے یا کسی شرط پر معلق ہے یا کسی جگہ کے ساتھ مقید ہے یا مستقبل میں کسی وقت کی طرف منسوب ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ جس چیز کی نذر مانی گئی ہے وہ یا تو جسمانی عبادت ہوگی جیسے نماز روزہ، یا مالی عبادت ہوگی جیسے صدقہ۔ ❸

مطلق نذر..... اگر نذر مطلق ہو یعنی کسی شرط پر معلق نہ ہو، زمان ومکان کے ساتھ بھی مقید نہ ہو جیسے اللہ کے لیے مجھ پر ایک ماہ کے روزے یا حج یا صدقہ یا دو رکعت نماز وغیرہ لازم ہے۔ تو اس پر اسی وقت لازم ہو جائے گی۔ شرط اور زمان ومکان کی کوئی قید نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ وجوب کا سبب مطلق ہے اس لئے نذر بھی مطلقاً ثابت ہوگی۔ البتہ جلد ادائیگی مستحب ہوگی۔

شرط کے ساتھ معلق نذر..... اگر نذر شرط کے ساتھ معلق ہو جیسے اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی یا اگر فلاں غائب آ گیا تو مجھ پر ایک مہینے کے روزے یا دو رکعتیں یا ایک لیرے کا صدقہ وغیرہ لازم ہے۔ اگر شرط پائی گئی تو نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ شرط کے ساتھ معلق نذر منجز کی طرح ہے۔ اگر نذر والا کام شرط پائے جانے سے پہلے کر دیا تو وہ نفل ہوگا۔ اس لئے کہ شرط کے ساتھ معلق نذر شرط سے پہلے موجود نہیں ہوتی۔

---

❶..... سابقہ حدیث میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ والی حدیث کی تخریج کر چکا ہوں۔ یہ ان الفاظ میں مروی ہے۔ ''نافرمانی کی کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ نذر والا کفارہ ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو احمد رحمۃ اللہ علیہ، اصحاب السنن رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ معلول ہے منقطع ہونے کی وجہ سے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب السنن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے ''گناہ کی کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم والا ہے۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو علی ابن السکن نے اسے صحیح کہا ہے جب کہ جمہور محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔ جس نے گناہ کی نذر مانی اس کا کفارہ قسم والا ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ (دیکھئے جامع الاصول: ۱۸۸/۱۲، نیل الاوطار: ۲۴۳/۸، وما بعدھا، سبل السلام: ۱۱۲/۴) ❷ اس موضوع کو نذر مباح کے مراجع میں دیکھئے: رحمۃ الامۃ: ص ۱۴۷ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ص ۳۵۶ وما بعدھا، المغنی ص ۳، التحفۃ ص ۵۰۲، فتح القدیر: ۲۲/۴، المحلی: ص ۸ بدایۃ المجتہد: ۴۰۹ وما بعدھا، الدردیر: ص ۱۶۲، القوانین الفقہیہ: ص ۱۶۸۔ ❸ دیکھئے البدائع: ۹۳/۵، فتح القدیر: ۲۶/۴، وما بعدھا، الدر المختار ۷۵/۳، ۷۷، القوانین الفقھیہ: ص ۱۶۸۔

جگہ کے ساتھ مقید نذر......اگر نذر جگہ کے ساتھ مقید ہو مثلاً یوں کہے ”اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں فلاں جگہ نماز پڑھوں“ یا ”فلاں شہر کے لوگوں پر صدقہ کروں“۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں اس جگہ کے علاوہ دوسری جگہ ادائیگی بھی درست ہے۔ اس لئے کہ نذر سے اللہ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی خاص جگہ کا ذاتی اعتبار سے کوئی دخل نہیں۔

اور اگر مسجد حرام میں دو رکعت نماز کی نذر مانی۔ پھر ادائیگی ایسی جگہ کی جو مرتبے میں اس سے کم ہے یا جس کا کوئی خصوصی مرتبہ نہیں ہے......تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نذر ادا ہو جائے گی۔ سب سے افضل جگہ مسجد حرام ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد پھر بیت المقدس کی مسجد پھر جامع مسجد پھر محلے کی مسجد پھر گھر۔ اس لئے کہ مقصود تو اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اور وہ ہر جگہ مل جاتا ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں صورتوں میں اختلاف کیا ہے کسی خاص جگہ صدقہ کرنے کی صورت میں اور کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی صورت میں۔ ان کے نزدیک نذر کو اسی جگہ پورا کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نذر ماننے والے نے خود پر ایک خاص جگہ ادائیگی کو واجب کیا ہے۔ اگر وہ کسی دوسری جگہ ادا کرے گا تو اسے اپنے واجب کا ادا کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ اور مسجد میں نماز کی صورت میں اس نے اپنے اوپر زائد عبادت کو لازم قرار دیا ہے۔ اس لئے اس کی ادائیگی بھی لازمی ہوگی۔

مالکیہ......مالکیہ فرماتے ہیں ❶ اگر اس نے کسی خاص جگہ نماز یا اعتکاف کی نیت کی یا کسی مسجد کو نامزد کیا جیسے تینوں مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد کو، تو وہاں ہی جانا ضروری ہوگا۔ کہیں اور نہیں۔

شافعیہ......اگر ❷ کسی خاص شہر کے لوگوں پر صدقہ کرنے کی نذر مانی تو انہی پر صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر کسی خاص شہر میں روزہ رکھنے کی نیت کی تو روزہ لازم ہو جائے گا اس لئے کہ یہ عبادت ہے۔ لیکن روزے کی جگہ متعین نہیں ہوگی۔ وہ کسی دوسرے شہر میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ اگر کسی خاص شہر میں روزہ رکھنے کی نیت کی تو وہ متعین نہیں ہوگا۔ دوسرے شہر میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ جگہ کے بدلنے سے نماز میں تبدیلی نہیں آتی۔ سوائے مسجد حرام یعنی حرم شریف، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے۔ اگر ان مسجدوں میں سے کسی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو متعین ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کی طرف (باقاعدہ) سفر نہ کرو۔ مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ“۔ ❸

نذر کی وجہ سے صدقے کی جگہ کے متعین ہو جانے پر انہوں نے ایک نقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ وہ عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے فلاں جگہ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔“ اس جگہ زمانہ جاہلیت کے لوگ ذبح کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”کسی مورتی کے لئے؟“ کہنے

---

❶......الشرح الصغیر: ۲/۲۵۵، ۲۶۵، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۰۔ ❷مغنی المحتاج: ۴/۳۶۷، المهذب: ۱/۲۴۳ ومابعدها

❸ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ (دیکھئے نیل الاوطار: ۸/ ۲۵۳، سبل السلام: ۴/ ۱۱۴)۔

گئی ''نہیں''۔ فرمایا ''کسی بت کے لئے؟'' کہنے لگی ''نہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنی نذر پوری کرو!'' ❶

اسی طرح حنابلہ ❷ فرماتے ہیں کہ اگر تینوں مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد میں اعتکاف کی نذر مانی تو انہی میں اعتکاف کرنا متعین ہو جائے گا۔

مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب نذر...... اگر نذر مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب ہو مثلاً یوں کہے ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ رجب کے روزے رکھوں'' یا ''فلاں دن دو رکعتیں پڑھوں'' یا ''فلاں دن درہم صدقہ کروں۔''

تو صدقہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق نذر ماننے کے وقت ہی واجب ہو جائے گا۔ یہاں کہ اس کو مقررہ وقت سے پہلے ادا کرنا بھی جائز ہوگا۔

روزے اور نماز کی صورت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی نذر کے وقت ہی واجب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ وقت واجب کو متعین کرنے کے لئے نہیں آتا بلکہ اندازے کے لئے آتا ہے۔ ورنہ عبادت کے لئے تو سارے اوقات برابر ہیں۔ اسی بناء پر نذر والے کام کو مقررہ وقت سے پہلے کرنا جائز ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقررہ وقت آنے پر نذر واجب ہوگی۔ اس لئے کہ نذر ماننے والے نے خود پر ایک مخصوص وقت میں روزہ واجب کیا ہے۔ لہٰذا اس وقت سے پہلے روزہ واجب نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس صدقہ مالی عبادت ہے۔ اس کا تعلق وقت کے ساتھ نہیں بلکہ مال کے ساتھ ہے۔ اس میں وقت کا ذکر کرنا لغو ہے۔ بخلاف بدنی عبادت کے کسی نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بکری ذبح کرے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اونٹ فدیے کے طور پر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں اس لئے کہ یہ گناہ کی نذر ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق اس پر قسم کا کفارہ آئے گا۔ یہ قیاس ہے۔ اس لئے کہ یہ گناہ کی نذر ہے یا نذر لجاج ہے۔ دوسری روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے۔ اس کا کفارہ مینڈھا ذبح کر کے مسکینوں کو کھلانا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے فدیے کے مطابق۔ ❸

جس نے اپنے آپ کو یا اجنبی آدمی کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو اس بارے میں بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔

۳۔ نذر کا حکم ثابت ہونے کی کیفیت...... نذر یا تو مبہم وقت کی طرف منسوب ہوگی یا معین وقت کی طرف۔

مبہم وقت کی طرف منسوب نذر...... اگر نذر کی نسبت مبہم وقت کی طرف ہو مثلاً یوں کہے ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں ایک مہینے کے روزے رکھوں'' اور نیت کچھ نہ ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو واجب مطلق ❹ یعنی وقت کی قید سے آزاد واجب کا ہوتا ہے۔ یہ بات

---

❶ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔ یہ اس عورت والی حدیث کا تتمہ ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دف بجانے کی نذر مانی تھی۔ اس کی تخریج ماقبل میں گزر چکی ہے۔ اس معنی میں اور حدیثیں بھی ہیں۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نھایہ میں فرماتے ہیں۔ وثن اور صنم میں فرق یہ ہے کہ ''وثن'' جثے والا ہوتا ہے۔ اس کو زمینی مادوں، لکڑی پتھر وغیرہ سے آدمی کی شکل میں بنایا جاتا ہے۔ اور پھر اس کو نصب کر کے اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور ''صنم'' بغیر جثے والی تصویر کو کہتے ہیں۔ بعض ان دونوں میں فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ان دونوں معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ''وثن'' کا اطلاق تصویر کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے ''میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ''وثن'' کو اتار پھینکو (دیکھئے نصب الرایة: ۳/۳۰۰، نیل الاوطار: ۸/۲۴۹ وما بعدھا، سبل الاسلام ص ۳۰۹ وما بعدھا، جامع الاصول: ۱۲/۱۷۸، مجمع الزوائد: ۴/۱۹۱،) ❷ کشاف القناع: ۲/۴۱۲۔ ❸ القوانین الفقھیه: ۱۷۰، المغنی: ۸/۷۰۸ وما بعدھا ❹ الواجب المطلق عن الوقت:۔ ایسا واجب جس کے کرنے کا شارع نے حتمی طور پر مطالبہ کیا ہو۔ اور اس کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر نہ کیا ہو جیسے قسم توڑنے والے پر واجب ہونے والا کفارہ۔ اس واجب کی ادائیگی کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ قسم توڑنے والا چاہے تو قسم توڑنے کے فوراً بعد کفارہ دے دے اور چاہے تو بعد از اں ادائیگی کرے۔ (دیکھئے اصول الفقہ از مؤلف: ۱/۴۹)

معروف ہے کہ علماء اصول نے واجب کے وجوب کے وقت میں اختلاف کیا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ فوراً واجب ہو جاتا ہے۔اور بعض کے نزدیک تراخی سے یعنی دیر سے واجب ہوتا ہے۔عمر کے کسی بھی حصے میں وہ کام کیا جا سکتا ہے۔عمر کے آخری حصے میں وجوب سمٹ جائے گا جب کہ غالب گمان کے مطابق صرف اتنی عمر بچ گئی ہو کہ اس میں وہ کام کیا جا سکتا ہو۔نذر کو جلد پورا کرنا سنت ہے۔یہی صحیح رائے ہے۔
یہی اصول اعتکاف کی نذر پر منطبق ہوگا جس کی نسبت مبہم وقت کی طرف ہو جیسے یوں کہے ''اللہ کے لئے مجھ پر ایک ماہ کا اعتکاف لازم ہے'' اور نیت کچھ نہ ہو۔لیکن روزے اور اعتکاف میں ایک فرق بھی ہے۔روزے میں نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا کہ مسلسل روزے رکھے یا الگ الگ۔جب کہ اعتکاف میں شافعیہ کے علاوہ جمہور کی نزدیک شب وروز میں تسلسل ضروری ہے۔اس لئے کہ اعتکاف کی حقیقت۔یعنی مستقل طور پر ٹھہرے رہنا۔اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس میں اتصال ہو۔لہٰذا تسلسل ضروری ہے۔روزے تسلسل پر مبنی نہیں ہوئے۔اس لئے کہ دونوں کے درمیان رات کا فاصلہ ہوتا ہے۔اگر روزے کی نذر میں الگ الگ رکھنے یا مسلسل رکھنے کی قید لگادی تو واجب ہو جائے گی۔

معین وقت کی طرف منسوب نذر......اگر نذر کی نسبت وقت معین کی طرف کردی مثلاً یوں کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر کل کا روزہ لازم ہے۔تو کل ہی روزہ رکھنا واجب ہوگا۔یہ وجوب کل کے دن میں ہی سمٹ جائے گا۔اس میں بلا عذر تاخیر جائز نہیں ہوگی۔اگر کہا ''اللہ کے لئے مجھ پر ماہ رجب کے روزے لازم ہیں۔تو ایک مہینے کے روزے لازم ہوں گے۔چاہے جب کے آنے سے پہلے رکھے یا رجب کے آتے ہی۔البتہ رجب سے بلا عذر تاخیر جائز نہیں ہوگی۔اگر اس نے ایک دن کے سوا پورے ماہ رجب کے روزے رکھ لئے تو دوسرے مہینے میں اس ایک دن کی قضاء کرلے۔اور اگر پورے رجب میں روزے نہیں رکھے تو دوسرے مہینے میں قضا کرے۔اس لئے کہ اس نے واجب کو اپنے وقت پر ادا نہیں کیا۔یہ اس پر قرض بن گیا[1] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔[2]
شافعیہ فرماتے ہیں اگر کسی نے ایک معین سال کے روزے رکھنے کی نذر مانی تو پورے سال کے روزے رکھے۔البتہ عید اور ایام تشریق کے روزے نہ رکھے۔اور رمضان کے روزے رمضان ہی کی طرف سے ادا کرے۔ان روزوں کی قضاء بھی لازم نہیں۔راجح قول کے مطابق عورت ایام حیض ونفاس کی قضا نہیں کرے گی۔اگر کسی دن بغیر عذر کے روزہ نہ رکھا تو قضاء واجب ہوگی۔اگر مسلسل روزے رکھنے کی شرط لگائی تو صحیح قول کے مطابق واجب ہو جائیں گے۔اس صورت میں رمضان، عیدین اور تشریق کی قضاء کرے گا۔اس لئے کہ اس نے پورے سال کے روزے خود پر لازم کئے اور رکھے نہیں۔اسی طرح راجح قول کے مطابق عورت ایام حیض ونفاس کی قضاء کرے گی۔
جس نے نفل روزہ شروع کیا پھر اس کو مکمل کرنے کی نذر مان لی تو صحیح قول کے مطابق یہ لازم ہو جائے گا۔
اگر کہا ''اگر زید آ گیا تو اس کے آنے کے دن کی بدولت اگلے دن کا روزہ لازم ہے۔'' تو اس دن روزہ رکھنا لازم ہوگا۔

تیسری فصل......کفاروں کا بیان

کفارے کی اقسام......کفارے کی چار اقسام ہیں۔کفارہ ظہار، قتل خطا کا کفارہ (شافعیہ کے نزدیک قتل عمد کو اسی پر قیاس کیا جائے گا)، رمضان کے روزے میں جان بوجھ کر ہمبستری کرنے کا کفارہ (حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جان بوجھ کر کھانے، پینے کو اسی پر قیاس کیا جائے

[1]......اس بحث کے لئے دیکھئے: البدائع: ۹۴/۵ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۳۵۹/۴ وما بعدھا۔ [2] اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ، ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ، دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے (نصب الرایۃ: ۵۷/۴)

گا۔ ❶ اور قسم کا کفارہ۔

کفارے کی پہلی تین قسموں میں واجب ہونے والی چیزیں ترتیب وار ہیں۔(یعنی غلام کو آزاد کرنا اگر اس سے عاجز ہو تو مسلسل دو مہینے روزے رکھنا واجب ہوگا۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ سوائے کفارہ قتل کے۔ اس میں کھانا کھلانے والی صورت شامل نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں یہ صورت مذکور نہیں۔) لیکن مالکیہ کے نزدیک رمضان کے روزے کو ہمبستری سے فاسد کرنے کے کفارے میں تینوں صورتوں میں اختیار ہے۔ اور کھانا کھلانا ان کے نزدیک سب سے افضل ہے۔ قسم کے کفارے کی صورتیں ترتیب وار بھی ہیں اور ان میں اختیار بھی ہے۔(کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا مؤمن غلام آزاد کرنا۔ اگر اس سے عاجز آ جائے تو تین دن روزے رکھنا) ❷ آخری کفارے کی تفصیل عنقریب اپنی جگہ پر بیان کروں گا۔

روزوں کی بحث میں، میں نے چار کفاروں کے احکام بیان کئے ہیں۔

رمضان کے روزے کو فاسد کرنے کا کفارہ۔

مسافر اور مریض کا کفارہ جب کہ وہ اسی سال روزے کی قضاء نہ کریں۔

بوڑھے آدمی کا کفارہ جو روزے سے عاجز ہو۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی کا کفارہ جب کہ انہوں نے اپنے بچوں کے خوف سے افطار کر دیا ہو۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

حج کی بحث میں میں نے حج کے کفاروں کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ نذر کے بیان میں نذر لجاج کا کفارہ بھی بیان کر دیا ہے۔ جو کہ قسم والا کفارہ ہے۔ عنقریب ظہار اور قتل کی بحث میں ان کے کفاروں کا بھی ذکر کروں گا۔ حد قائم کرنا حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک..... قتل کا کفارہ ہے۔ جیسا کہ حدود کی بحث میں واضح ہو جائے گا۔

قسم کا کفارہ

موضوع کا خاکہ..... اس کفارے میں درج ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔ کفارہ قسم کی مشروعیت کے اصول اس کے واجب ہونے کا سبب، اس میں واجب ہونے والے الحکم کی نوعیت اور اس میں واجب ہونے والی صورتیں۔

کفارے کی مشروعیت..... ''کفارۃ'' کفر (ک کی زبر کے ساتھ) سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے چھپانا۔ یہ بھی قسم توڑنے کے گناہ کو چھپاتا ہے۔ لہٰذا قسم کفارے کا سبب ہے۔

کفارہ قسم کے اصول..... کفارہ قسم کے تین اصول ہیں۔ قرآن، سنت اور اجماع۔

قرآن مجید میں اللہ پاک کا فرمان ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ المائدۃ: ۵/ ۸۹

''اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا۔ لیکن جو قسمیں تم نے پختگی کے ساتھ کھائی ہوں ان پر تمہاری پکڑ کرے گا۔ چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو یا ان کو کپڑے دو یا ایک غلام کو آزاد کرو۔ ہاں اگر کسی کے پاس (ان

---

❶..... دیکھئے اصول الفقہ الاسلامی از مؤلف مطبوعہ دار الفکر: ۱/ ۶۹۲-۶۹۳ - ❷ تحفة الطلاب للشيخ زكريا انصاری: ص ۱۰۳ وما بعدها

چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے کوئی قسم کھالی ہو (اور اسے توڑ دیا ہو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے واضح کرتا ہے تا کہ تم شکر ادا کرو۔'' آسان ترجمہ قرآن

سنت...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔'' جب آپ قسم کھائیں اور پھر آپ کو اس کے علاوہ کسی اور صورت میں خیر نظر آئے تو خیر والا کام کرلو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔'' ❶

اجماع...... اللہ کی قسم میں کفارے کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ❷

وجوب کا سبب...... کفارہ قسم ٹوٹنے سے واجب ہوتا ہے چاہے وہ قسم اطاعت کی ہو، نافرمانی کی ہو یا مباح کی۔ قسم سے پہلے کفارہ بالاتفاق جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ سبب کو حکم پر مقدم کرنا ہے۔ یہ جائز نہیں ہوگا جیسے نصاب کا مالک ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا۔

قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارے کی ادائیگی...... کفارہ قسم ٹوٹنے سے پہلے افضل ہے یا بعد میں؟

حنابلہ کے نزدیک قسم ٹوٹنے سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں فضیلت برابر ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ، قسم ٹوٹنے کے بعد افضل ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور بری الذمہ ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا روزے کا مالی کفارہ پہلے ادا کرنا جائز ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا مطلقاً جائز نہیں۔ یہ اس وقت درست ہوگا جب قسم ٹوٹنے کے بعد نکالا جائے۔ ❸ یہ سب سے بہتر رائے ہے اس لئے کہ عام طور پر مسبب سبب کے بعد ہوتا ہے۔

کفارے میں واجب ہونے والے حکم کی نوعیت...... کفارہ'' واجب مطلق'' ہے یعنی اس کی ادائیگی کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ لہٰذا اس کو قسم ٹوٹنے کے فوراً بعد بھی ادا کرنا درست ہے اور بعد ازاں زندگی کے کسی حصے میں بھی۔

کفارے میں جو چیزیں واجب ہوتی ہیں ان میں مالداری کی حالت میں اختیار ہے۔ یعنی امیر آدمی کو تین امور میں سے کسی ایک کا اختیار ہے۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا غلام آزاد کرنا۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے جو کہ ماقبل میں مذکور صریح آیت پر مبنی ہے:

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ المائدۃ ۸۹/۵

چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو۔ یا ان کو کپڑے دو یا ایک غلام کو آزاد کرو۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان صورتوں میں سے بعض کا بعض پر'' او'' (یا) کے ذریعے سے عطف کیا ہے اور یہ اختیار دینے کے لئے آتا ہے۔ ❹

جب انسان مذکورہ تینوں صورتوں میں سے ہر ایک سے عاجز آجائے تو اس پر تین دن کے روزے لازم ہو جائیں گے۔ مذکورہ آیت کی وجہ سے:

---

❶...... یہ حدیث ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں حضرت عبدالرحمن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان میں سے بعض نے اور بعض دوسروں نے ان کے علاوہ سے بھی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ (دیکھئے جامع الاصول لا بن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ: ۳۰۰/۱۲)

❷المغنی: ۷۳۳/۸، فتح القدیر: ۱۸/۴، المبسوط: ۱۴۷/۸۔ ❸المغنی: سابقہ حوالہ ص ۷۱۲۔ ۷۱۴، بدایۃ المجتهد: ۴۰۶/۱، المیزان للشعرانی: ۱۳۰/۲، مغنی المحتاج: ۳۲/۴ وما بعدها، الدرالمختار: ۶۷/۳، المهذب: ۱۴۱/۲، شرح تحفۃ الطلاب للشیخ زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ: ۴۸۱/۲، المبسوط للسرخسی: ۱۴۷/۸، فتح القدیر: ۲۰/۴، القوانین الفقهیۃ: ۱۶۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ المائدہ:۵/۸۹

''یاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہوتو وہ تین دن روزے رکھے۔'' اور عاجز ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کفارے میں خرچ ہونے والے مال پر قادر نہ ہو۔ جیسے وہ شخص جس کے پاس اپنے شب وروز کے لئے اور اپنے زیر کفالت افراد کے شب وروز کے لئے نفقے کا انتظام ہو۔ اس سے زائد کچھ نہ ہو۔ ❶

عاجز ہونے میں کفارہ ادا کرنے کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ یہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے۔ لہٰذا اگر قسم ٹوٹ گئی اور قسم ٹوٹنے کے وقت وہ مالدار تھا پھر غریب ہوگیا تو روزہ رکھنا جائز ہوگا۔

اس لئے کہ کفارہ ایسی عبادت ہے جس کا بدل موجود ہے۔ لہٰذا اس میں اداء کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ نہ کہ وجوب کے وقت کا جیسا کہ نماز میں ہوتا ہے۔ کہ اگر تندرستی کی حالت میں نماز فوت ہوجائے اور مرض کی حالت میں بیٹھ کر یا اشارے سے نماز قضاء کرلی جائے تو یہ جائز ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک روزوں سے فارغ ہونے تک عجز کا جاری رہنا شرط ہے۔ اگر روزے شروع کئے پھر کھانا کھلانے، کپڑے پہنانے یا آزاد کرنے پر قادر ہوگیا۔ اگرچہ تیسرا روزہ ختم ہونے سے ایک گھڑی پہلے قادر ہوا ہو تو روزہ جائز نہیں ہوگا اور مالی کفارہ دینا ہوگا۔ ❷

اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس وقت کے عجز کا اعتبار ہوگا جب کفارہ ادا کرنے کا ارادہ ہو۔ لیکن اگر روزے شروع کردیئے اس کے بعد مال پر قادر ہوگیا تو ان کے نزدیک روزے سے مالی کفارے کی طرف رجوع کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ روزہ دوسروں کا بدل ہے۔ تو مبدل منہ پر قدرت رکھنے سے باطل نہیں ہوگا۔ اگر کفارہ مالدار پر واجب ہوا پھر وہ تنگ درست ہوگیا تو ان کے نزدیک روزہ درست نہیں ہوگا۔ ❸ ان دونوں مسئلوں میں حنفیہ کا مسلک ان کے برعکس ہے۔

حنابلہ کے نزدیک وجوب کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی قسم ٹوٹنے کی حالت کا۔ ❹

کفارہ قسم کی صورتیں...... یہ بات تو معلوم ہوچکی کہ کفارہ قسم یا تو کھانا کھلانا ہے یا کپڑے پہنانا یا آزاد کرنا۔ اگر ان تینوں سے عاجز ہوتو تین دن کے روزے رکھے۔ اب ہر حالت میں واجب کیا ہوگا؟

ا۔ کھانا کھلانے کی مقدار کیا ہے اور اس کا مقصود کیا ہے؟...... حنفیہ فرماتے ہیں کہ کھانا کھلانے سے مقصود صرف اباحت ہے نہ کہ تملیک۔ اس لئے کہ نص قرآنی میں لفظ ''اطعام'' (کھانا کھلانا) آیا ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ المائدۃ:۵/۸۹

''اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔''

لغت میں اس کے معروف معنی ہیں "التمكين من المطعم اى (الآكل)"۔ یعنی کھانے پر قادر کرنا نہ کہ مالک بنانا۔ اس لحاظ سے اشارۃ النص ان کے قول کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ المائدۃ:۵/۸۹

''دس مسکینوں کو کھانا کھلانا''۔

---

❶......المبسوط: ۸/۱۲۷، الفتاویٰ الهندية: ۲/۱۵۷، المغنی: ۸/۷۳۴، بداية المجتهد: ۱/۴۰۳، البدائع: ۵/۹۷، مغنی المحتاج: ۴/۳۲۷۔ ❷مغنی المحتاج: ۴/۳۲۸، المغنی: ۸/۷۵۶، الفتاویٰ الهندية: ۲/۵۷، نهاية المحتاج للرملی: ۸/۴۰ المهذب: ۲/۱۴۱، الشرح الكبير: ۲/۱۳۳۔ ❸ البدائع: ۳/۹۷، الدر المختار: ۳/۶۷، تبيين الحقائق: ۳/۱۱۳۔ ❹ الشرح الكبير للدردير: ۲/۱۳۳، حاشية قليوبى وعميرة على شرح المنهاج للمعلي: ۴/۲۷۵ المغنی: ۸/۷۵۵، ۷۶۲ وما بعدها۔

مساکین، مسکین کی جمع ہے۔ یہ المسکنۃ سے ہے جس کا معنی ہے حاجت۔ مسکین کھانا کھانے کا محتاج ہوتا ہے نہ کہ مالک بننے کا۔"اطعام" کی مساکین کی طرف اضافت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "اطعام" وہ فعل ہے جس سے مسکین کھانے پر قادر ہوتا ہے۔ مالک نہیں بنتا۔ اس کے برعکس زکوٰۃ، صدقہ فطر اور خود سیراب ہونے والی کھیتی میں واجب عشر..... میں تملیک یعنی مالک بنانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ان کے بارے میں قرآن مجید میں "ایتاء" (دینا) کا لفظ آیا ہے نہ کہ "اطعام" کا۔ (۱)

جمہور فرماتے ہیں کہ دوسرے مالی واجبات کی طرح کفارے میں بھی فقراء کو کھانے کا مالک بنانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ مالی واجبات میں مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ تا کہ ان کی ادائیگی کی جا سکے۔ اور جو کھانا دوسروں کے لئے مباح کر دیا جائے اس کی مقدار معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ہر مسکین چھوٹا یا بڑا ہونے میں اور بھوکا یا سیر ہونے میں دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک کھانا کھلانے میں مالک بنانا شرط نہیں ہے بلکہ قادر کرنا شرط ہے۔ لہٰذا مسکینوں کو ایک دن صبح شام کے کھانے کی دعوت کافی ہے۔ جب وہ آکر صبح شام کا کھانا کھالیں تو یہ جائز ہے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک عملاً مالک بنانا ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ کفارے میں دی جانے والی چیز عیب دار نہ ہو۔ دانے کو کیڑا نہ لگا ہو، اس کا ذائقہ تبدیل نہ ہو۔ اس میں گھاس یا مٹی نہ ہو جس کی صفائی کی ضرورت ہو۔ اس کا آٹا اور روٹی بھی ایسی ہی ہو۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس کے ذمہ واجب ہے۔ لہٰذا ان کا عیب دار ہونا درست نہیں۔ جیسے زکوٰۃ کی بکری کا عیب دار ہونا درست نہیں۔

کھانا کھلانے کی مقدار..... اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

یہ اختلاف آیت کریمہ ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۸۹) کی تفسیر میں اختلاف پر مبنی ہے۔ جو ایک وقت کا کھانا مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک مد سیر ہونے میں متوسط ہے۔ اور جو ایک دن کا کھانا مراد لیتے ہیں یعنی دو وقت کا کھانا صبح شام۔ وہ کہتے ہیں کہ نصف صاع یعنی دو مد واجب ہیں۔ (۳)

اس بناء پر جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ ہر مسکین کو ایک مد گندم دی جائے گی۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں ہوتا ہے۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مد اہل مدینہ کے ساتھ..... ان کی معاشی تنگی کی وجہ سے خاص ہے۔ باقی شہروں والے اپنا درمیانی درجے کا نفقہ ادا کریں گے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر شہر میں مد کی ادائیگی کی جا سکتی ہے۔ (۴)

شافعیہ کے نزدیک قسم توڑنے والے کے شہر میں جس اناج کا زیادہ رواج ہے۔ اس کا ایک مد بھی دے سکتے ہیں۔ افضل بالاتفاق یہی ہے کہ اناج دیا جائے۔ اس لئے کہ اس صورت میں اختلاف سے نکل جائے گا۔ جمہور کے نزدیک کھانے اور کپڑوں کی قیمت دینا درست نہیں۔ تا کہ آیت پر عمل ہو جائے۔

﴿فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾﴾ المائدۃ: ۵/ ۸۹

---

(۱) المبسوط: ۸/ ۱۵۱، البدائع: ۵/ ۱۰۰، الدر المختار ورد المحتار: ۳/ ۶۷، الفتاویٰ الهندیه: ۲/ ۵۸۔ (۲) الشرح الکبیر للدر دیر: ۲/ ۱۳۲، حاشیة قلیوبی وعمیرة علی شرح المنهاج للمحلی: ۴/ ۲۷۴، المغنی: ۸/ ۷۳۴، ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۱۔
(۳) صاع چار مد کی ہوتی ہے، اور مد (۱۔۱/۳) عراقی رطل کا ہوتا ہے، عراقی رطل (۱۳۰) درہم کا ہوتا ہے اور درہم ۲۹۷۵ گرام کا ہوتا ہے۔ گویا ایک مد ۶۷۵ گرام کے برابر ہوا۔ اور صاع ۲۷۵۱ گرام کے برابر۔ (۴) بدایة المجتهد: ۱/ ۴۰۴، مغنی المحتاج: ۴/ ۳۲۷، المغنی: ۸/ ۷۳۶، القوانین الفقهیه: ص ۱۶۵۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ کھلانے کی مقدار یہ ہے۔نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو یا گندم کا آٹا یا جو کا آٹا یا ان چیزوں کی قیمت جو نقدی کی شکل میں ہو یا سامان تجارت کی شکل میں۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں مقرر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔تابعین کی ایک جماعت.....سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ.....بھی اسی کی قائل ہے۔

اباحت والے کھانے کی مقدار حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔صبح شام اسی طرح صبح اور سحری، شام اور سحری یا دوپہر کا کھانا دو دفعہ وغیرہ۔اس لئے کہ یہ دونوں مقصودی کھانے ہیں۔

اسی طرح کھانے میں روٹی سالن کے ساتھ بھی دی جاسکتی ہے اور بغیر سالن کے بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں سالن والے کھانے اور بغیر سالن والے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی:

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ المائدۃ:۵/۸۹

اسی طرح اگر جو کی روٹی یا کھجوریں کھائیں تو یہ بھی ٹھیک ہے۔اس لئے کہ یہ بھی گھریلو کھانوں میں اکیلے کھائے جاتے ہیں۔

اگر ایک مسکین کو صبح شام دس دن تک کھانا کھلایا جائے یا ایک مسکین کو دس دن تک روزانہ نصف صاع دیتا رہا تو حنفیہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔اس لئے کہ مقصود دس مسکینوں کی حاجت پوری کرنا ہے۔اور یہ بات پائی گئی۔

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔اس لئے کہ کھانا دس مسکینوں میں باقاعدہ تقسیم کرنا بالاتفاق ضروری ہے۔حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر دس فقیر موجود ہوں تو ایک فقیر کو دس دن تک دینا درست نہیں ہوگا۔اور اگر فقیر ایک ہی ہو یا مثلاً پانچ ہوں تو یہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ دس مسکینوں کو بالفعل کھانا کھلانا ضروری ہے۔اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ ایک ہی مسکین کو دس دن تک کھانا کھلایا جائے۔حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور باقیوں کے نزدیک جائز نہیں۔

اگر دس مسکینوں کو ایک دن صبح کا کھانا کھلایا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک مد گندم دے دی تو یہ جائز ہے۔اس لئے کہ اس نے تملیک اور اباحت کو یعنی مالک بنانے اور قادر کرنے کو جمع کر دیا۔اس لئے کہ ہر بار ایک مد کھانے کی مقدار واجب ہے۔اسی طرح اگر ایک ہی آدمی کو بیس دن تک صبح کا کھانا کھلایا یا ایک ہی آدمی کو رمضان میں بیس دن تک شام کا کھانا کھلایا تو یہ بھی جائز ہے اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا۔

لیکن اگر ایک ہی مسکین کو، ایک ہی دن میں، ایک ساتھ دس آدمیوں کا کھانا دے دیا تو جائز نہیں ہوگا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک کا سدباب کرنے کا حکم دیا ہے۔چاہے ایک مرتبہ ہو یا کئی دنوں میں تقسیم کر کے۔ یہ چیز یہاں حاصل نہیں ہوئی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذمی فقیروں کو کفارہ اور نذر دینا جائز قرار دیا ہے۔لیکن زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔اس لئے کہ آیت کریمہ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ (المائدۃ:۵/۸۹) عام ہے اس میں مومن اور کافر کا کوئی فرق نہیں ہے۔اور زکوٰۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مستثنیٰ ہوئی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا تھا۔"آپ ان کے مالداروں سے زکوٰۃ لیں اور فقیروں کو لوٹا دیں۔" ❶

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمیوں کو اسلامی مال نہیں دیا جاسکتا سوائے نذر، نفلی صدقات اور حج کے دم تمتع کے۔اس لئے کہ کفارہ ایسا صدقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے۔اس لئے اس کو کافر کی طرف لوٹانا جائز نہیں جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے۔اس کے

---

❶ .....اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت جن میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صحاح ستہ کے مؤلفین رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔اسی طرح حدیث میں ہے "آپ ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور فقیروں کو لوٹا دی جائے گی۔" (دیکھئے نیل الاوطار:۴/۱۱۴، نصب الرایۃ:۲/۳۲۷)

برعکس نذر انسان کے واجب کرنے سے واجب ہوتی ہے اور نفلی صدقہ تو واجب ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح حج کے دم تمتع کے گوشت کو صدقہ کرنا واجب نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ کا قرب تو جانور کا خون بہانے سے حاصل ہو چکا۔ ❶

کھانا کس کو دیا جائے؟..... کھانا ایسے لوگوں کو کھلایا جائے گا جن میں پانچ صفات پائی جائیں۔

۱..... وہ مسکین ہوں۔ لہٰذا ان کے علاوہ دوسروں کو نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسکینوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے۔ اور انہی کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

۲..... وہ آزاد ہوں۔ لہٰذا غلام اور مکاتب کو نہیں دیا جا سکتا۔

۳..... وہ مسلمان ہوں۔ جمہور کے نزدیک کافر کو دینا جائز نہیں۔ چاہے ذمی کافر ہو یا حربی۔ حنفیہ کے نزدیک ذمی کو دینا جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی مساکین میں داخل ہیں۔ تو آیت کے عموم میں شامل ہوں گے۔

۴..... حنابلہ اور مالکیہ کی رائے کے مطابق ان کے لئے ضروری ہے کہ کھانا کھاتے ہوں۔ لہٰذا ایسے بچے کو کھانا نہیں دے سکتے جو کھانا نہیں کھاتا۔ حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ کھانا نہ کھانے والے چھوٹے بچے کو بھی دے سکتے ہیں۔ اس کی طرف سے اس کا ولی قبضہ کرے گا۔ جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے انہی کو کفارہ دینا بھی جائز ہے بالاتفاق۔ اور جن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی جیسے مالدار، کافر اور غلام، ان کو کفارہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ حنفیہ نے ذمی کو کفارہ دینا جائز رکھا ہے۔

۵..... دس مسکینوں پر بالفعل کھانا تقسیم کیا جائے۔ اگر ایک نے دس کا کھانا کھالیا تو یہ بالاتفاق کافی نہیں ہوگا۔ اور اگر ایک آدمی دس دن کھانا کھائے تو اس میں اختلاف ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔

۲..... لباس، اس کی کیفیت اور مقدار

لباس کی کیفیت..... یہ بطور تملیک ہی دیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حنفیہ کے نزدیک بھی مالک بنانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ لباس گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لئے ہوتا ہے۔ یہ ضرورت مالک بنانے سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس کھانا کھلانے سے بھوک مٹانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ صرف کھانا کھانے سے پورا ہو جاتا ہے۔ مساکین کے لئے کپڑے پہنانا، کھانا کھلانے کی طرح ہوگا۔

لباس کی مقدار..... لباس کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔ ❷

حنفیہ فرماتے ہیں لباس کی کم سے کم مقدار وہ ہے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے۔

حنابلہ کے نزیک لباس اتنا ہو جس میں نماز جائز ہو جائے۔ اگر وہ مرد ہو تو اس کو ایسا کپڑا پہنائے جس میں نماز درست ہو جاتی ہے اور اگر وہ عورت ہو تو اس کو قمیص اور اوڑھنی دے۔ اس لئے کہ لباس کفارے کی صورتوں میں سے ایک ہے۔ لہٰذا اس میں وہ کم سے کم مقدار جائز نہیں ہوگی جس پر لباس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ کھانا کھلانے اور آزاد کرنے میں ہوتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ لباس پہننے والے کا اگر ستر چھپا ہوا نہ ہو تو اسے برہنہ کہا جاتا ہے کپڑے پہننے والا نہیں کہا جاتا۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے کم سے کم مقدار ایسا کپڑا ہے جو پورے جسم کو چھپالے اور عورت کے لئے اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس میں نماز جائز ہو یعنی ایک کپڑا اور ایک اوڑھنی۔

---

❶..... دیکھئے المبسوط: ۱۴۹/۸ ومابعدها، البدائع: ۱۰۱/۵-۱۰۵، فتح القدیر: ۱۸/۴، الدر المختار: ۶۶/۳، الفتاوی الهندیة: ۵۸/۲۔ ❷ بدایة المجتهد: ۴۰۵/۱، الشرح الکبیر: ۱۳۲/۲، المغنی: ۷۴۲/۸، القوانین الفقهیه: ص ۱۶۵۔

شافعیہ......شافعیہ فرماتے ہیں کہ وہ کم سے کم مقدار جس پر کپڑے کا اطلاق کیا جاسکے وہ بھی جائز ہے۔ جیسے تہبند، چادر، جبہ قمیص وغیرہ۔ اس لئے کہ ان سب پر لباس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے لباس کی کوئی مقدار نہیں بتائی لہٰذا اتنی مقدار بھی کافی ہے جس کے زیب تن کرنے والے کو پہننے والا کہا جائے۔

ٹوپی، (۱) موزے، جوتے، دستانے اور کمر بند (۲) بالاتفاق کافی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ان چیزوں کو زیب تن کرنے والے کو لباس پہننے والا نہیں کہا جاتا بلکہ ان چیزوں کو عرف میں لباس نہیں سمجھا جاتا۔ (۳)

حنفیہ کے صحیح قول کے مطابق شلوار اور عمامہ کافی نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک لباس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ان چیزوں کو پہننے والے کو عرف عام میں پہننے والا نہیں کہتے بلکہ برہنہ کہتے ہیں۔ ہاں اگر عمامے کو کپڑا بنانا ممکن ہو تو یہ جائز ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر عمامے اور شلوار کی قیمت، کھانے کی مقررہ قیمت تک پہنچ جائے تو یہ بھی جائز ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بغیر نیت کے کھانے کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ کفارے کی نیت کی ہو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت کرنا ضروری ہے۔

شافعیہ کے نزدیک شلوار اور عمامہ بھی لباس کے طور پر دیئے جاسکتے ہیں اس لئے کہ ان پر بھی لباس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک وہ تھوڑی مقدار جس پر قمیص یا تہبند یا شلوار یا عمامے کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ بھی کافی ہے۔

غلام آزاد کرنا......کفارہ قسم اور دوسرے کفارات میں غلام آزاد کرنے سے متعلق بحث محض تاریخی ہے۔ اس لئے کہ آج کل غلاموں کا کوئی وجود نہیں۔ اسی وجہ کفارے کی یہ صورت ساقط ہو گئی ہے اور اختیار اب صرف دو صورتوں میں رہ گیا ہے۔ کھانا کھلانے اور کپڑے پہنانے میں۔ یہاں میں صرف اس غلام کے تذکرے پر اکتفا کروں گا جس کو کفارے میں آزاد کرنا جائز ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ غلام کے لئے آزاد کرنے والے کا کامل مملوک ہونا شرط ہے۔ اسی طرح غلامی اور رقیت کا کامل ہونا اور ایسے عیب سے پاک ہونا جس سے منفعت کی پوری جنس ہی زائل ہو جائے تب بھی ضروری ہے۔ غلام چھوٹا بڑا، مذکر مونث، مسلمان کافر ہر طرح کا ہوسکتا ہے۔ کفارے میں دوسرے کے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مشترک غلام، مدبر اور ام ولد کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں۔ ہاں مکاتب کو آزاد کرنا استحساناً جائز ہے۔ ایسے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی ہوں یا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ ایک ہی طرف سے کٹے ہوئے ہوں یا ایک پہلو فالج سے خشک ہو گیا ہو یا اپاہج ہو یا چلنے پھرنے سے معذور ہو یا دونوں ہاتھ شل ہوں یا دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ہر ہاتھ کی انگوٹھوں کے علاوہ تین انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا اندھا ہو یا دونوں آنکھیں نہ ہوں یا ایسا پاگل ہو جس پر پاگل پن غالب ہو یا گونگا ہو۔ اس لئے کہ ان صورتوں میں منفعت کی جنس زائل ہو جاتی ہے۔ جیسے ہاتھوں سے پکڑنے کی منفعت، پاؤں سے چلنے کی منفعت، آنکھوں سے دیکھنے کی منفعت، بات چیت، عقل۔ (۴)

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے غلام کے مومن ہونے کی شرط لگائی ہے جیسا کہ رمضان کا روزہ توڑنے اور ظہار کے کفارے میں مومن ہونے کی شرط ہے۔

---

(۱)......القلنسوة (قاف اور لام پر زبر) جس سے سر ڈھانپا جائے اور اسی طرح وہ چیزیں جن کو لباس نہیں کہا جاتا ہے لوہے کی زرہ۔ (۲) المِنطقة: (میم کے کسرے کے ساتھ) کمر بند۔ (۳) المبسوط: ۱۵۳/۸، البدائع: ۱۰۵/۵، فتح القدیر: ۱۹/۴، المهذب: ۱۴۱/۲، مغني المحتاج: ۳۲۷/۴، الفتاویٰ الهندیة: ۵۷/۲، القوانین الفقهیة: ص ۱۶۵۔ (۴) المبسوط: ۱۴۴/۸، البدائع: ۱۰۷/۵ وما بعد، فتح القدیر: ۱۸/۴، الدر المختار: ۶۶/۳، القوانین الفقهیه: ص ۱۶۶۔

حنفیہ اور جمہور میں مذکورہ اختلاف ایک اصولی اختلاف پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ جن امور کے احکام متفق اور اسباب مختلف ہیں ان میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں؟؟ جیسے قسم کا کفارہ اور قتل خطا کا کفارہ۔ کہ قسم کے کفارے میں قرآن مجید کی آیت مطلق ہے۔ اس میں ایمان کی قید نہیں ہے۔ آیت یہ ہے:

"اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ"......یا غلام کا آزاد کرنا.....المائدۃ:٥/٨٩

اور قتل خطا کے کفارے میں قرآنی نص ایمان کی شرط سے مقید وارد ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے:

وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ.....النساء:٤/٩٢

اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے۔

جمہور کہتے ہیں کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا لہٰذا قتل خطاء کے کفارے میں جو ایمان کی شرط ہے اسی پر حمل کرتے ہوئے کفارہ قسم میں بھی ایمان کی شرط لگائی جائے گی۔ اس لئے کہ گناہ کے چھپانے میں یہ دونوں مشترک ہیں۔ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کے مطلق فرمان:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ.....البقرۃ:٢/٢٨٢

اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو۔

کو مقید فرمان:

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ الطلاق:٦٥/٢

"اور اپنے میں سے دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو عدل والے ہیں"۔

پر محمول کیا گیا ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ قسم کے کفارے میں لفظ کے موجب کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے اور ہر آیت پر علیحدہ طور پر عمل کیا جائے۔ اس لئے کہ کفارہ قتل میں ایمان کی شرط خلاف قیاس ہے لہٰذا اپنے مورد پر بندر ہے گی۔ [1]

٤۔ روزہ۔ مقدار اور شرط......فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ قسم توڑنے والے کے پاس اگر نہ کھانا ہو، نہ کپڑے ہوں اور نہ غلام آزاد کرسکتا ہو تو اس پر تین دن کے روزے رکھنا واجب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ المائدۃ:٥/٨٩

"ہاں اگر کسی کے پاس ان چیزوں میں سے کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔"

اس میں اختلاف ہے کہ تین روزوں کو مسلسل رکھنا شرط ہے یا نہیں؟ مالکیہ اور شافعیہ کے راجح قول کے مطابق یہ شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی آیت مطلق ہے: فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ (المائدہ/٨٩) "تو تین دن روزے رکھے۔ اس میں تسلسل کی شرط موجود نہیں۔ اس آیت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت شاذہ کو تلاوت اور حکم دونوں اعتبار سے منسوخ کردیا ہے۔ [2]

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ تتابع شرط ہے۔ [3] دلیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے۔

---

[1] بدایة المجتهد: ١/٤٠٦، البدائع: ٥/١١٠، مغنی المحتاج: ٤/٢٢٧ وما بعد، المغنی: ٨/٧٤٣، القوانين الفقهيه: ص ١٦٥.

[2] بدایة المجتهد، سابقه حواله ٤٠٥، مغنی المحتاج: سابقه حواله، حاشية قليوبی وعميرة: ٤/٢٧٥، المهذب: ٢/١٤١. [3] حنفیہ فرماتے ہیں کہ چار طرح کے روزے نص کی وجہ سے مسلسل رکھنے ہیں۔ اداء رمضان، کفارہ ظہار، کفارۂ قتل اور کفارۂ قسم۔ اور جن روزوں میں مسلسل رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے وہ یہ ہیں: رمضان کی قضاء، محرم کے سر میں تکلیف کی وجہ سے کئے گئے حلق کا فدیہ، حج تمتع، حج قران، شکار کی جزاء۔ تین روزوں کا قرآن میں ذکر نہیں۔ یہ احادیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ (١) جان بوجھ کر روزہ توڑنے کے کفارے میں رکھے جانے والے روزے۔ یہ مسلسل رکھنے ہیں۔ (٢) نفل میں اختیار ہے۔ (٣) اگر مسلسل روزے رکھنے کی نذر مانی ہو چاہے متعین ہوں یا غیر متعین۔ اعتکاف کی نذر سے لازم ہونے والے روزے بھی ایسی میں شامل ہیں۔ یہ مسلسل رکھنے ہیں اگر چہ اس نے کہا نہ ہو الا یہ کہ نذر ہی میں مسلسل نہ رکھنے کی تصریح کردی ہو۔ (نور الايضاح: ص ١١٦، العناية بهامش فتح القدير: ٢/٨١)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ

(قولہ) ''تو تین دن مسلسل روزے رکھے'' ❶ یہ ❷ اگر قرآن ہے تو حجت ہے اور اگر یہ قرآن نہیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اسی طرح یہ خبر واحد ہوئی اور خبر واحد حجت ہے۔ خبر واحد سے کتاب اللہ پر فی الجملہ زیادتی جائز ہے۔

اگر کفارہ ادا کرنے والے نے مرض، سفر یا حیض کے عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے افطار کر لیا تو تسلسل کی شرط کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک روزے دوبارہ نئے سرے سے شروع کئے جائیں گے۔ اسی طرح اگر عید یا ایام تشریق میں افطار کیا اور تسلسل ٹوٹ گیا تو بھی نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ اس لئے کہ ان دنوں کے روزے ذمہ داری ساقط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس رمضان کے روزے میں ہمبستری کرنے کے کفارے میں جو مسلسل دو مہینے روزے رکھے جاتے ہیں۔ حیض اور مرض کی وجہ سے ان کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ اس لئے کہ عموماً دو مہینے ان سے خالی نہیں ہوتے۔

حنابلہ کے نزدیک حیض اور بیماری سے قسم کے کفارے اور رمضان کی بے حرمتی کے کفارے کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ ❸

ساتواں باب...... ممنوع اور مباح امور

کھانے، پینے اور لباس وغیرہ کے احکام

تمہید...... کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جن کے حلال حرام ہونے کے بارے میں تردد ہوتا ہے لیکن آدمی کی جسمانی صحت اور دینی زندگی کی حفاظت کے لئے اور معاملات میں معاشرے کو مادی اور ادبی نقصانات سے بچانے کے لئے یہ امور انسان اور معاشرے کی ضرورت ہوتے ہیں۔ حنفیہ ان کو درجہ ذیل عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں:

الحظر والاباحۃ (ممنوع اور مباح امور)، الکراھیۃ ❹ الاستحسان (یعنی جس کو شریعت اچھا یا برا سمجھتی ہے)، کتاب الزھد والورع۔ اس لئے کہ ان میں سے اکثر مسائل کو شریعت نے مطلق رکھا ہے اور تقویٰ یہی ہے کہ ان کو ترک کر دیا جائے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات ان مسائل سے الاطعمۃ (کھانے)، الاشربۃ (پینے)، الآنیۃ (برتن)، خصال الفطرۃ (فطری عادات) اور مقدمات عقد الزواج (شادی کے ابتدائی مراحل) کے عنوانات کے تحت بحث کرتے ہیں۔ مالکیہ میں سے شیخ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مباح، حرام اور مکروہ سے تعبیر کیا ہے۔

ان امور یا ان میں سے اہم امور کی تفصیل پانچ مباحث میں بیان ہوگی۔

---

❶ ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حکایت کیا ہے۔ اور اثرم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات پڑھا۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے فرمایا ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات'' پڑھا۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں ''ہمیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات پہنچا ہے اور اور ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں۔ حاکم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات پڑھتے تھے (دیکھئے: نیل الاوطار: ٨/٢٣٨، نصب الرایۃ: ٣/٢٩٦) ❷ المبسوط: ٨/١٤٤، فتح القدیر: ٤/١٨، البدائع: ص ١١، المغنی: ٨/٧٥٢، تبیین الحقائق: ٣/١١٣، الفتاویٰ الھندیۃ: ٢/٥٧۔ ❸ البدائع سابقہ حوالہ، المغنی: سابقہ حوالہ۔ ❹ مکروہ کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ یہ حرام کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں نہ ایسی دلیل سے ثابت ہوتی ہے جس میں شبہ ہو۔

پہلی بحث..... کھانے کے بیان میں۔

دوسری بحث..... پینے کے بیان میں۔

تیسری بحث.....لباس اور زیور۔

چوتھی بحث.....ہمبستری، دیکھنے، چھونے اور کھیلنے کا بیان۔

پانچویں بحث.....خرید وفروخت کے کچھ مسائل (قدرتی کھاد کی خرید وفروخت، ذخیرہ اندوزی، نرخ مقرر کرنا، انگور کو شراب کے لئے بیچنا وغیرہ)

پہلی بحث۔کھانے کے بیان میں.....اس میں کھانے پینے کے حکم کے متعلق ایک مقدمہ ہے اور چار مطلب ہیں۔

پہلا مطلب.....کھانے کی اقسام اور ہر قسم کا حکم (حلال، مکروہ اور حرام)

دوسرا مطلب.....جن کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ان کے بارے میں عربی ذوق سے فیصلہ کرانا۔

تیسرا مطلب.....حالت ضرورت۔

چوتھا مطلب:.....ولیموں کی دعوت قبول کرنا، گناہوں والے دسترخوان، کھانے کے آداب۔

مقدمہ۔کھانے، پینے سے متعلق ضابطہ.....اسلام نے جسم اور نفس پر بھی توجہ دی ہے۔کھانے پینے کی کم سے کم اور ضروری حد کو واجب قرار دیا ہے۔تا کہ زندگی کی حفاظت ہو سکے اور جان ہلاکت سے بچ جائے۔ ❶ اور دینی واجبات نماز روزہ وغیرہ کو ادا کیا جا سکے۔مقدار ضرورت سے زائد کو مباح قرار دیا ہے تا کہ اسراف کی حد تک نہ پہنچ جائے۔لہٰذا کھانے پینے میں جسمانی طاقت سے بڑھ کر اسراف کرنا نقصان دہ، خطرناک اور حرام ہے۔مقصود یہ ہے کہ اعتدال سے کام لیا جائے۔حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو بعض صورتیں حرام سے مستثنیٰ ہیں۔جیسے صبح کے روزے پر طاقت حاصل کرنا مقصود ہو یا یہ وجہ ہو کہ کہیں مہمان نہ شرما جائے یا اسی طرح کی کوئی اور وجہ۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الاعراف:۷/۳۱ ❷

''اے آدم کے بیٹو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ۔اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا''۔

لباس اور کھانا حلال اور پاکیزہ ہو۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر نفع دینے والی چیز کو انسان کے لئے حلال کیا ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ البقرۃ:۲/۲۹

(وہی ہے جس نے) زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔

اور سابقہ آیت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶.....الدر المختار: ۲۳۸/۵۔ ❷ ای عند الطواف اور الصلوۃ۔یعنی طواف یا نماز کے وقت۔ان دونوں میں ستر کا چھپانا واجب ہے اور اس کے علاوہ لباس سنت ہے واجب نہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ الاعراف۷/۳۲

کہو کہ: آخر کون ہے جس نے زینت کے اس سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور پاکیزہ رزق کی چیزوں کو۔ الغرض اس بارے میں قرآنی آیات اور احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا......البقرۃ:۲/۱۶۸

''اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ''۔

اور فرمایا:

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ......الاعراف:۷/۱۵۷

(وہ نبی) ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو لیکن اسراف کرنے، اترانے تکبر کرنے اور خود پسندی سے بچو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا پسند کرتے ہیں۔'' ❶

حنفیہ فرماتے ہیں: کھانا کم کرنے کی ایسی ریاضت جائز نہیں ہے جس کی وجہ سے عبادت کرنے میں کمزوری ہو۔ ❷

پہلا مقصد: کھانے کے اقسام اور ہر قسم کا حکم......انسانی غذاء دو طرح کی ہے۔ نباتات، حیوانات۔

نباتات......کھائی جانے والی تمام نباتات حلال ہیں سوائے ناپاک، نقصان دہ اور نشہ آور نباتات کے۔

ناپاک......ناپاک اور ناپاک کی ملی ہوئی چیزیں نہیں کھائی جائیں گی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ......الاعراف:۷/۱۵۷

ناپاک چیز خبیث ہوتی ہے۔ اگر پاک چیز ناپاک ہو جائے جیسے سرکہ، انگور یا کھجور کا شیرہ، پگھلا ہوا تیل، روغن زیتون وغیرہ۔ تو یہ حرام ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی میں گر کر مر جانے والے چوہے کے بارے میں فرمایا ''اگر گھی جما ہوا تھا تو چوہے اور اس کے اردگرد والے گھی کو پھینک دو اور باقی استعمال کرو اور اگر گھی مائع تھا تو اس کو بہا دو۔'' اگر اس کو کھانا جائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہانے کا حکم نہ فرماتے۔

نشہ آور......نشے والی چیزیں بھی حرام ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ المائدہ:۵/۹۰

''یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔''

نقصان دہ......نقصان دہ چیزوں کو کھانا بھی جائز نہیں جیسے زہر، ناک کی ریزش، منی، مٹی، پتھر۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ النساء:۴/۲۹ ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو''۔

اور فرمان باری ہے:

---

❶ بدایة: المجتهد: ۱/۴۵۰۔ ۴۵۲، ۴۵۶، القوانين الفقهيه: ص ۱۷۱، المهذب: ۱/۲۴۶، ۲۵۰، مغني المحتاج: ۴/۳۰۵۔

❷ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (سبل السلام: ۳/۸)

لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ......البقرۃ: ۲/ ۱۹۵

''اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

ان چیزوں کو کھانا ہلاکت ہے اس لئے ضروری ہے کہ حلال ہوں۔مٹی کے بارے میں مالکیہ کا ایک قول مکروہ ہونے کا ہے اور دوسرا حرام ہونے کا۔یہی راجح ہے۔

جو چیزیں نقصان دہ نہیں ہیں ان کا کھانا جائز ہے جیسے پھل اور اناج۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ......الاعراف: ۷/ ۳۲

حیوانات......حیوانات کی دو قسمیں ہیں۔آبی جانور اور بری جانور۔میں یہاں حلال و حرام کا مختصراً تذکرہ کروں گا ذبح ہونے والے جانوروں کی تفصیلی بحث ''الذبائح والصید'' (مذبوحہ جانور اور شکار) میں آئے گی۔

آبی حیوانات......ان میں سے مچھلی بالاتفاق حلال ہے۔البتہ پانی پر تیرنے والی مردہ مچھلی حنفیہ کے نزدیک حلال نہیں۔باقیوں کے نزدیک حلال ہے۔مالکیہ کے نزدیک آبی خنزیر مکروہ ہے۔لیکن مالکیہ کے قابل اعتماد قول کے مطابق آبی خنزیر اور آبی کتا مباح ہیں۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور کی نزدیک مینڈک کا کھانا جائز نہیں۔اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔اگر اس کا کھانا حلال ہوتا تو اس کے قتل سے منع نہ کیا جاتا۔مالکیہ نے مینڈک کھانے کو مباح قرار دیا ہے۔اس لئے کہ اس کو حرام کرنے والی کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔

برّی حیوانات......خشکی کے جانوروں میں سے ان جانوروں کا کھانا حرام ہے۔مردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا (یعنی جس کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کے علاوہ کسی اور معبود کا ذکر کیا ہو)، گلہ گھٹ کر مرنے والا، کسی جانور کی ٹکر سے مرنے والا، مہلک ضرب سے مرنے والا، بلند جگہ سے گر کر مرنے والا، جس کا پیٹ کسی چیرنے پھاڑنے والے جانور نے پھاڑ دیا ہو۔لیکن ان جانوروں کو اگر زندگی کی حالت میں ذبح کر دیا گیا تو حلال ہوں گے۔

جمہور کے نزدیک چیرنے پھاڑنے والے جانوروں بھیڑیا، شیر، چیتا وغیرہ کا کھانا حرام ہے۔مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔اسی طرح زخمی کرنے والے پرندے (شکاری پرندے)......جیسے شکرہ، باز، گدھ وغیرہ بھی حرام ہیں۔مالکیہ کے نزدیک یہ مباح ہیں۔سوائے چمگادڑ کے۔یہ ان کے راجح قول کے مطابق مکروہ ہے۔

کتے، گھریلو گدھے اور خچر حرام ہیں۔اس لئے کہ کتا گندی اور خبیث چیزوں میں سے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔''کتا خبیث ہے اور اس کی قیمت بھی خبیث ہے۔'' (۱) اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن گدھوں اور خچروں سے منع فرمایا۔(۲) مالکیہ کے نزدیک قابل اعتماد یہی ہے کہ کتا مکروہ ہے اور آبی کتا مباح ہے۔

زمین کے حشرات سانپ، بچھو، چوہا، چیونٹی، شہد کی مکھی وغیرہ کا کھانا حرام ہے۔اس لئے کہ یہ زہریلی ہوتی ہیں اور طبع سلیم ان کو برا سمجھتی ہے۔

حلال اور حرام سے پیدا ہونے والا جانور حرام ہوگا۔جیسے گدھے اور گھوڑے سے پیدا ہونے والا خچر اور گھریلو گدھے اور جنگلی گدھے سے

---

(۱)......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور پہلے چار نے تصحیح بھی کی ہے ''ثمن الکلب خبیث'' کتے کی قیمت خبیث ہے۔(نیل الاوطار: ۵/ ۲۸۴۱۴۳) (۲) حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر صحیح ہے لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔(نصب الرایۃ: ۴/ ۱۹۷)

پیدا ہونے والا گدھا۔ اس لئے کہ یہ کھائے جانے والے اور نہ کھائے جانے والے جانوروں یعنی حلال اور حرام جانوروں سے پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا اس میں حرمت غالب ہوگی۔ ❶ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ناجائز جائز پر مقدم ہوتا ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ کیڑوں مکوڑوں کو ذبح کر کے کھانا مباح ہے۔ جیسے بچھو، گبریلا (ایک کیڑا جو گوبر میں رہتا ہے۔) گندگی کا کیڑا، جندب (ایک قسم کی ٹڈی)، چیونٹی، کیڑا اور گھن۔ اسی طرح اگر سانپ کی زہر کا خطرہ نہ ہو اور اس کو حلق سے ذبح کیا جائے تو یہ بھی مباح ہے۔ ❷

شافعیہ، حنابلہ اور صاحبین کے نزدیک گھوڑے کی تمام اقسام چاہے اصلی ہوں یا غیر اصلی کا کھانا حلال ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اس کی اجازت دی ہے۔ ❸

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑے کو مکروہ تنزیہی کہا ہے۔ اس لئے کہ ایک حدیث میں گھوڑوں کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ ❹ مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق گھوڑا حرام ہے۔ ❺

شافعیہ اور مالکیہ نے گوہ اور بجو کھانا مباح قرار دیا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک لومڑی بھی مباح ہے۔ حنابلہ نے اس کو حرام کہا ہے۔ حنفیہ ان سب کو حرام قرار دیتے ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک تمام درندے کراہت کے ساتھ مباح ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔

پالتو جانور (اونٹ، گائے، بکری) کھانا بالاجماع جائز ہے۔ اس لئے کہ نص قرآنی نے ان کو جائز قرار دیا ہے اسی طرح غیر شکاری پرندے بھی جائز ہیں جیسے کبوتر، بطخ، شترمرغ، مرغابی، بٹیر، جنڈول، زرزور (چڑیا سے بڑا ایک پرندہ)، بھٹ، تیتر، کروان (بھورے رنگ اور لمبی چونچ والا پرندہ جو... وتا نہیں)، بلبل اور دیگر چھوٹے پرندے۔

غیر شکاری جنگلی جانور کھانا حلال ہے جیسے ہرن، جنگلی گائے، جنگلی گدھا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ ❻

خرگوش اور ٹڈی کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کا جواز سنت سے ثابت ہے۔ کیڑا اکیلا مالکیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک حرام ہے۔ لیکن کھانے کی چیزوں اور پھلوں کا کیڑا، اناج کا گھن اور سرکے کا کیڑا اگران کے ساتھ مردہ حالت میں کھالیا جائے اور طبیعت اور صحت ٹھیک رہے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اس کی تمیز مشکل ہے۔ ❼

مباح اور حرام کے متعلق مالکیہ کے مذہب کا خلاصہ...... ❽ گزشتہ بحث سے واضح ہو گیا کہ مالکیہ کا مذہب کھانے پینے کی چیزوں کو مباح قرار دینے میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس لئے اس کا خلاصہ بیان کرنا مناسب ہوگا۔

مباح...... حالت اختیار میں درج ذیل چیزیں کھانے پینے کے لئے مباح ہیں: ہر پاک کھانا، سمندری حیوانات اگرچہ سمندری آدمی یا خنزیر ہو اور اگرچہ سمندری حیوانات مردہ ہوں، پرندوں کی تمام قسمیں اگرچہ وہ نجاست کھانے ❾ والے ہوں یا پنجوں والے شکاری پرندے

---

❶...... المهذب: ۱/۲۴۹، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۳، کشاف القناع: ۶/۱۹۰۔ ❷ الشرح الکبیر: ۲/۱۱۵، ''خشاش'' (بمعنی کیڑے مکوڑے) کو خشاش اس لئے کہتے ہیں لانه' یخش فی الارض۔ اس لئے کہ وہ زمین میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور کسی نکلنے کے راستے کے بغیر باہر نہیں نکلتا۔ اور جلدی سے واپس بھی ہو جاتا ہے۔ ❸ اس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ ۴/۱۹۸) ❹ اس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۱۹۶) ❺ بدایۃ المجتهد: ۱/۴۵۵، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۷۔ ❻ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❼ مغنی المحتاج: ۴/۲۶۸، ۳۰۳، المغنی: ۸/۶۰۵۔ ❽ دیکھئے علامہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ کا متن اور الشرح الکبیر للدردیر مع الدسوقی: ۲/۱۱۵۔ ❾ ''جلالة'' یعنی نجاست استعمال کرنے والی۔ جلالۃ لغت میں اس گائے کو کہتے ہیں جو نجاست کھاتی ہے لیکن فقہاء ہر نجاست کھانے والے جانور کو جلالۃ کہتے ہیں۔

ہوں جیسے باز، عقاب، گدھ۔ البتہ چمگادڑ راجح قول کے مطابق مکروہ ہے، پالتو جانور (اونٹ، گائے، بکری اگر چہ نجاست کھانے والے ہوں)، جنگلی جانور جو شکاری نہیں ہوتے جیسے ہرن، جنگلی گدھا، یربوع، ❶ چھچھوندر ❷، شامی نیولا ❸، خرگوش، سیہی، ❹ ضربوب، ❺ سانپ جس کے زہر کا خطرہ نہ ہو اور بشرطیکہ حلق سے ذبح کیا گیا ہو۔ ❻

اسی طرح حشرات بھی مباح ہیں جیسے گبریلا، گندگی ❼ کا کیڑا، جندب ❽ (ایک قسم کا ٹڈا)، چیونٹی کیڑا اور گھن۔

انگور کے پانی کا شیرہ، ❾ فقاع، عقید، اور سوبیا مباح ہیں اگر ان میں نشہ نہ ہو۔

حرام...... مالکیہ کے نزدیک حرام چیزیں یہ ہیں: ناپاک چیز ٹھوس ہو یا مائع، خشکی کا خنزیر، خچر، گھوڑا، گدھا اگر چہ جنگلی ہو اور اس کو پالتو بنا دیا گیا ہو۔ راجح قول کے مطابق گارا، مٹی، ہڈی اور جلی ہوئی روٹی حرام ہے۔ تاکہ بدن کو اذیت سے بچایا جا سکے۔

مکروہ...... درندے، بجو، لومڑی، بھیڑیا، بلی اگر چہ جنگلی ہو، ہاتھی تیندوا، ریچھ، چیتا، نمس (چھوٹی ٹانگوں اور لمبی دم والی بلی جتنا جانور جو سانپ اور چوہے وغیرہ کا شکار کرتا ہے، ❿ قابل اعتماد قول کے مطابق یہ سب مکروہ ہیں۔ راجح قول کے مطابق بندر اور لنگور مکروہ ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ نجاست تک پہنچنے والا گھریلو چوہا مکروہ ہے۔ اگر نجاست تک پہنچنے میں شک ہو تو مکروہ نہیں۔ اگر نجاست تک نہ پہنچتا ہو تو مباح ہے۔

جلالہ کا گوشت...... حنفیہ کے نزدیک جلالہ اسے کہتے ہیں جو مردار اور گندگی کھانے کا عادی ہو۔ اس کے علاوہ کچھ نہ کھاتا ہو۔ اور اس سے بدبو آ رہی ہو۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک جلالہ اسے کہتے ہیں جس کا اکثر کھانا نجاست پر مشتمل ہو۔ اس کا گوشت کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جلالہ کا گوشت کھانا مباح ہے ⓫ جیسا کہ گذر چکا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، حنفیہ اور شافعیہ ⓬ کے نزدیک مکروہ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک حرام ہے۔ ⓭

---

❶...... یربوع: نیولے جتنا جانور جس کی ٹانگیں ہاتھوں سے لمبی ہوتی ہیں۔ ❷ خلد: (چھچھوندر) اندھا چوہا جو نجاست تک نہیں پہنچ سکتا۔ ❸ وبر: یربوع سے بڑا خرگوش جیسا جانور جو نباتات اور سبزیاں کھاتا ہے۔ بلے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ رنگ خاکستری ہوتا ہے۔ ❹ قنفد (سیہی) چوہے سے بڑا جانور جس کے سر، پیٹ، ہاتھوں اور ٹانگوں کے علاوہ سارے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں۔ ❺ الضربوب: کانٹوں میں سیہی کی طرح ہوتا ہے۔ شکل میں بکری کے قریب ہوتا ہے۔ حنابلہ نے یربوع، وبر، گوہ اور بجو کو مباح قرار دیا ہے۔ (المغنی: ۵۹۲/۸، کشاف القناع: ۱۹۱/۶) شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ میں نے ذبائح کے بیان میں بیان کیا ہے: انہوں نے بجو، گوہ، لومڑی، یربوع، فنک (حیوان جس کی جلد سے پوستین بنائی جاتی ہے)؛ سمور (بلے کی طرح یہ دونوں ترکوں کی لومڑیاں ہیں۔ انہوں نے نیولے (ابن عرس ایک پتلا سا جانور جو چوہے کا دشمن ہوتا ہے۔ اسکے بل میں گھس کر اس کو نکال دیتا ہے۔) بگلے (البجع / الحوصل: ایک پرندہ جو سارس سے زیادہ سفید ہوتا ہے اس کا بڑا سا پوٹا ہوتا ہے اس سے پوستین بنتی ہے۔ مصر میں کثرت سے پایا جاتا ہے) اور قاقم (چھوٹا سا جانور جس کی جلد سے پوستین بنتی ہے) کو بھی مباح کہا ہے اس لئے یہ سب پاکیزہ اور طیب کے زمرے میں آتے ہیں۔ مغنی المحتاج: (۲۹۹/۴) ❻ استعمال کرنے والے کو زہر کا خطرہ نہ ہو۔ جس کسی کو اس کے زہر سے بیماری میں فائدہ ہو سکتا ہو اس کے لئے جائز ہوگا۔ ❼ بنت وردان: چھوٹا سا بدبودار جانور گھروں میں گندی جگہوں پر رہتا ہے۔ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور پہلوؤں میں بہت سی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ ❽ الجندب: ٹڈی کی ایک قسم۔ ❾ الفقاع: گندم اور کھجور سے بنائی ہوئی شراب۔ السوبیا: شراب جس میں کچھ کھٹاس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں عجوۃ وغیرہ کا اضافہ ہوتا ہے۔ عقید: انگور کا پانی جسے آگ پر جوش دیا جائے یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے۔ اور نشہ ختم ہو جائے۔ اس کو "رب صامت" یعنی خاموش شیرہ بھی کہتے ہیں۔ ❿ بلی کے سوا ان تمام جانوروں کو جنگلی درندے (وحوش مفترسہ) کہتے ہیں۔ ⓫ الشرح الکبیر: ۱۱۵/۲، بدایہ المجتہد: ۴۵۱/۱۔ ⓬ تبیین الحقائق للزیلعی: ۱۰/۱، البدائع: ۳۹/۵ و مابعد، المہذب: ۲۵۰/۱، مغنی المحتاج: ۳۰۴/۴، الدر المختار: ۲۳۹/۵، وما بعد۔ ⓭ کشاف القناع: ۱۹۲/۶، المغنی: ۵۹۳/۸۔

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قیاس اور روایت کا آپس میں تعارض ہے۔ روایت وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔'' ❶ خلال نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ اونٹ کے بارے میں فرمایا کہ اس کا گوشت نہ کھایا جائے اور اس پر دباغت کی ہوئی کھالوں کے علاوہ کوئی چیز نہ لادی جائے اور نہ ہی لوگ اس پر سواری کریں۔ یہاں تک کہ وہ چالیس دن تک چارہ کھالے۔''

اس کے معارض قیاس یہ ہے کہ جو چیز حیوان کے پیٹ میں جاتی ہے وہ گوشت میں تبدیل ہو جاتی ہے مالکیہ جو اس کے حلال ہونے کے قائل ہیں انہوں نے گوشت میں تبدیل ہو جانے کو مدنظر رکھا ہے جیسا کہ خون گوشت میں بدل جاتا ہے۔

حنابلہ نے نہی کے ظاہر کو مدنظر رکھا ہے جو کہ حرام ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گوشت نجاست سے پیدا ہوتا ہے اس لئے یہ ناپاک ہوگا جیسا کہ نجاست کی راکھ ناپاک ہوتی ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ نے حدیث کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے۔

حنفیہ..... جلالۃ کا گوشت اور دودھ مکروہ ہے۔ جیسا کہ گدھی کا گوشت اور دودھ، گھوڑے کا دودھ اور اونٹ کا پیشاب مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اونٹ کے پیشاب اور گھوڑے کے گوشت کی بطور دوا اجازت دی ہے۔ جلالہ کو گوشت کی بدبو ختم ہونے تک بند کیا جائے گا۔ اس کا اندازہ مرغی کے لئے تین دن، بکری کے لئے چار دن اور اونٹ اور گائے کے لئے دس دن ہے۔ یہی راجح ہے۔ اگر جلالہ نے نجاست کے ساتھ دیگر چیزیں بھی کھائیں۔ اور اس کے گوشت سے بدبو نہیں آتی تو حلال ہوگی۔ جیسے بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا جائے تو حلال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے گوشت میں تبدیلی نہیں آتی۔ اور اس کو دی جانے والی غذا ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اسی بناء پر مرغی کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ نجاست اور اس کے ساتھ دوسری چیزیں کھاتی ہے۔ لیکن اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا۔ ❷

شافعیہ..... جلالہ کو کھانا مکروہ ہے۔ جلالہ وہ ہے جو اونٹ، گائے، بکری، مرغ کے فضلات کھائے۔ دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ماقبل میں بیان ہوئی۔ جلالہ کا کھانا حرام نہیں اس لئے کہ اس کے گوشت میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہ حرام ہونے کا سبب نہیں بن سکتی۔ اگر جلالہ کو پاک غذا کھائی گئی تو وہ مکروہ نہیں رہے گی۔

اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''جلالہ کو پاک چارہ کھلایا جائے گا۔ اونٹ کو چالیس دن، بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن۔

حنابلہ..... جلالہ حرام ہے: جلالہ اسی کہتے ہیں جس کی اکثر غذا نجاست ہو۔ اسی طرح اس کا دودھ بھی حرام ہے۔ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے۔ دوسری روایت میں یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ جلالہ کو بند کرنے سے اس کی کراہت بالاتفاق ختم ہو جاتی ہے۔ بند کرنے کے عرصے میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اسے تین دن بند رکھا جائے۔ چاہے پرندہ ہو یا جانور۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مرغی کو تین دن تک اور اونٹ اور گائے کو چالیس دن تک بند کیا جائے۔ جلالہ پر سواری مکروہ ہے۔

---

❶..... اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ''حسن غریب'' ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے ''نهى عن ركوب الجلالة'' کہ جلالہ کی سواری سے منع فرمایا۔ انہی کی دوسری روایت ہے کہ جلالہ اونٹ کی سواری سے منع فرمایا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھوں کے گوشت اور جلالہ کی سواری سے اور اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔'' ❷ روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھایا کرتے تھے۔ اور یہ روایت کہ مرغی کو تین دن تک بند کیا جائے اور پھر ذبح کیا جائے تو یہ حفظان صحت کی خاطر ہے۔ یہ کوئی شرط نہیں۔ (تبیین الحقائق: سابقہ حوالہ)

دوسرا مقصد جن حیوانات کے بارے میں شریعت میں کوئی حکم نہیں ان میں عربی ذوق سے فیصلہ کرانا

شافعیہ اور حنابلہ...... ❶ جن حیوانات کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں قرآن، سنت اور اجماع مین کوئی خاص یا عام نص وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کو قتل کرنے یا قتل نہ کرنے کا حکم آیا ہے۔ان کے بارے میں شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر عربوں کی اکثر مالدار اور سلیم الطبع لوگ...... چاہے شہروں کے رہنے والے ہوں یا دیہاتوں کے آسودہ حالات میں ان کو اچھا سمجھیں تو ان کا کھانا حلال ہے۔حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر حجاز کے شہری علاقوں کے لوگ ان کو اچھا جانیں تو ان کا کھانا حلال ہوگا۔اس لئے کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الاعراف:۷/۱۵۷

''(وہ نبی) ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔''

اور اس لئے کہ عرب ہی وہ لوگ ہیں جن پر قرآن نازل ہوا، وہی قرآن وسنت کے مخاطب بنے، انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔لہٰذا قرآن وسنت کے مطلق الفاظ میں انہی کے عرف سے رجوع کیا جائے گا نہ کہ دوسروں کی طرف۔

اس بناء پر قاعدہ یہ ہوا کہ حرام جانور وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کہا ہے۔اور عرب میں جانوروں کو اچھا اور طیب کہتے ہیں وہ حلال ہیں اور جن کو برا اور خبیث کہتے ہیں وہ حرام ہیں۔

اس لئے مسئلے میں اجڈ دیہاتیوں، فقیروں اور ضرورت مندوں کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا۔اس لئے کہ وہ اپنی ضرورت اور بھوک کی وجہ سے جو ملے کھالیتے ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک جو جانور حجاز میں نہیں پائے جاتے ان میں دیکھا جائے گا کہ حجاز کے کس جانور کے زیادہ مشابہ ہیں، اگر وہ کسی بھی جانور کے مشابہ نہ ہوں تو مباح ہوں گے۔اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عموم میں داخل ہیں:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا الانعام:۶/۱۴۵

''(اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ:''جو وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو حرام ہو۔''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے:''جن چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہیں۔''

شافعیہ فرماتے ہیں:......اگر کسی جانور کے نام کا پتہ نہ چلے تو عربوں سے پوچھا جائے گا۔اور ان کے رکھے ہوئے نام کے مطابق حلال یا حرام کا فیصلہ ہوگا۔اس لئے کے اس کا دارومدار نام پر ہے اور وہ اہل لسان ہیں۔اگر ان کے ہاں اس کا کوئی نام نہ ہو تو اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے کوئی ایسا جانور دیکھا جائے گا جو شکل وصورت، طبع اور گوشت کے ذائقے میں اس کے مشابہہ ہو۔اگر وہ دو جانوروں کے مشابہہ ہو یا کسی کے بھی مشابہہ نہ ہو تو صحیح قول کے مطابق حلال ہوگا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا الانعام:۶/۱۴۵

شافعی مسلک کا خلاصہ......اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے شافعیہ کے نزدیک حلال اور حرام جانوروں کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔

حرام جانور......حشرات سارے کے سارے حرام ہیں جیسے چیونٹی، مکھی، گبریلا، سانپ، کیڑا، کھٹل، جوں، جھینگر، چھپکلی وغیرہ۔زہریلے جانور حرام ہیں اسی طرح وہ جانور بھی حرام ہیں جن کو مارنا مستحب ہے۔جیسے شہد کی مکھی، بھڑ، بچھو، چوہے، کوے، سانپ اور چیل۔ ❷

---

❶ ......مغنی المحتاج: ۴/۳۰۳ وما بعد، المھذب: ۱/۲۴۹، المغنی: ۸/۵۸۵۔ ❷ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۸/۱۰۶)

پرندوں میں سے یہ پرندے حرام ہیں: چمگادڑ، خطاف (کالی پیٹھ اور سفید پیٹ والا ایک پرندہ)، طوطا، مور، رخمۃ (گدھ جیسا ایک پرندہ)، بغاثۃ (سفید رنگ کا ایک سست رفتار پرندہ جو چیل سے چھوٹا ہوتا ہے)۔ کچلیوں والے تمام درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے تمام پرندے حرام ہیں۔ ایسی چیزیں جو ناپاک ہوگئی ہوں اور ان کو پاک کرنا ممکن نہ ہو وہ بھی حرام ہیں جیسے سرکہ، تیل، شیرہ وغیرہ۔ انسانی بدن کے لئے نقصان دہ چیزیں بھی حرام ہیں جیسے پتھر، مٹی، شیشہ زہر، افیون وغیرہ۔

حلال جانور...... پرندوں میں سے یہ پرندے حلال ہیں۔ شتر مرغ، بطخ، چکور، مرغابی، مرغی، بھٹ تیتر کھیتی کا کوا اور کبوتر۔ اسی طرح تمام پاک، بے ضرر اور خوشگوار چیزیں حلال ہیں جیسے انڈے اور پنیر۔ اور ناگوار اور ناپسندیدہ چیزیں حرام ہیں جیسے ناک کی ریزش، منی وغیرہ۔ حلال جانوروں کا دودھ حلال ہے اور حرام جانوروں کا دودھ حرام ہے جیسے گدھی کا دودھ۔ لیکن انسان کا دودھ پاک ہے۔

وہ تمام جانور جن کو عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں برا سمجھتے تھے وہ حرام ہیں جیسے حشرات وغیرہ۔ سوائے ان جانوروں کے جن کو شریعت نے مباح قرار دیا ہے جیسے یربوع (چوہیا جیسا لمبی دم والا حشرہ)، گوہ، وبر (بلی سے چھوٹا ایک جانور)، سمور (بلے جیسا جانور) اور نیولا۔

بحری حیوان حلال ہیں اس لئے کہ عرب ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ گھریلو جانور (اونٹ، گائے، بھیڑ بکری)، جنگلی گدھے، ہرن اور خرگوش وغیرہ جن کو عرب اچھا سمجھتے ہیں...... یہ سب مباح ہیں۔ سوائے ان کے جن کو شریعت نے حرام کہا ہے جیسے خچر اور گھریلو گدھے۔

تیسرا مقصد......حالت ضرورت

ضرورت ایک مکمل نظریہ ہے جو شریعت کے تمام احکام کو شامل ہے۔ اسی پر ناجائز کے جائز ہونے اور واجب کو چھوڑ دینے کا حکم مرتب ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں لمبی چوڑی بحث ہے۔ (۱) میں چند اہم امور پر اکتفا کروں گا۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

ضرورت کی تعریف، حکم اور شرطیں...... کیا ضرورت سفر وحضر دونوں صورتوں کو شامل ہے؟

مباح اور جائز ہونے والی چیزوں کی جنس...... کھائی جانے والی چیزوں میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب۔

حرام اور مردار کی جائز مقدار...... ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا کھانا زبردستی لینے کا حکم۔

حاجت کے مخصوص حالات (باغ کے پاس سے گزرتے ہوئے پھل کھانا یا کھیت میں سے گزرتے ہوئے فصل استعمال میں لانا یا جانوروں کے پاس سے گزرتے ہوئے انہی دودھ لینا۔) (۲)

اول: ضرورت کی تعریف اور اس کا حکم...... ھی الخوف علی النفس من الھلاك علماً (قطعاً) اوظناً ضرورت ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں جان کی ہلاکت کا خوف ہو چاہے یقینی ہو یا غالب گمان۔ اس میں صبر کر کے قریب المرگ ہو جانے کی شرط نہیں۔ چاروں مذاہب (۳) میں اس کا حکم یہ ہے کہ حرام چیز کی اتنی مقدار استعمال کرنا واجب ہے جس سے وہ زندہ رہ سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) ...... دیکھئے ہماری کتاب نظریہ الضرورۃ الشرعیۃ۔ (۲) دیکھئے المبسوط: ۴۸/۲۴، البدائع: ۱۲۴/۵، رد المحتار: ۲۳۸/۵، احکام القرآن للجصاص: ۱۴۷/۱ وما بعدھا، الشرح الکبیر للدردیر: ۱۱۵/۲ وما بعدھا، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۳، بدایۃ المجتھد: ۴۶۱/۱ وما بعد، المھذب: ۲۵۰/۱ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۱۸۸/۴، ۳۰۶۔ ۳۱۰، المغنی: ۵۹۵/۸۔ ۶۰۳، کشف القناع: ۱۹۴/۶۔ ۲۰۰۔ (۳) المبسوط: سابقہ جگہ، البدائع: ۱۷۶/۷، تبیین الحقائق: ۱۸۵/۵، الدر المختار ورد المحتار: ۹۲/۵، ۲۳۸، درر الحکام: ۳۱۰/۱، الشرح الکبیر: ۱۱۵/۲، مغنی المحتاج: ۳۰۶/۴، المغنی: ۵۹۶/۸، الفروق: ۱۸۳/۴، الجصاص: ۱۴۸/۱، ۱۵۰، احکام القرآن لابن العربی: ۵۶/۱۔

کا فرمان ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ البقرۃ:۲/۱۷۳

''ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اوران چیزوں میں سے کچھ کھالے) جب کہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے تواس پر کوئی گناہ نہیں۔''

دوسری آیت میں آتا ہے:

ولاتلقوا بایدیکم الی التهلکه ......البقرۃ

''اوراپنے اپ کوخود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' ایک اور آیت میں ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ النساء:۴/۲۹

''اوراپنے آپ کوقتل نہ کرو۔''

اگر کھانا پینا چھوڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تو گناہ گار ہوگا۔ اس لئے کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے۔ قرآن مجید میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ اوراس لئے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز سے خود کو زندہ رکھنے پر قادر ہے لہٰذا اس کا استعمال لازمی ہوگا۔ اور یہ ایسے ہی ہوگا جیسے اس کے پاس حلال کھانا موجود ہو۔

مسئلہ......اس کے برعکس جو دوا استعمال نہ کرنے کی وجہ سے مرگیا تو وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ دوا سے شفا ملنا یقینی نہیں لہٰذا اس کا استعمال بھی واجب نہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ مضطر اور مجبور آدمی کے لئے مردار کھانے سے پہلے لوگوں سے مانگنا واجب ہے۔

بعض حضرات......جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام ابواسحاق صاحب المہذب اور ایک روایت حنابلہ کی، کا یہ موقف بیان کیا جاتا ہے کہ مضطر اور مجبور آدمی پر حرام کا استعمال واجب نہیں بلکہ مباح ہے۔ اس لئے کہ حرام نہ کھانے سے اس کا مقصود یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا چاہتا ہے اور بسا اوقات مردار جی کو بھلا نہیں لگتا۔ اس پر ایک دلیل حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ جب رومی بادشاہ نے ان کو قید کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا اوران کے پاس پانی ملی شراب اور خنزیر کا بھنا ہوا گوشت رکھ دیا۔ وہ تین دن تک بندر ہے مگر کچھ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ ان کا سر بھوک اور پیاس سے ڈھلکنے لگا۔ انہیں ان کی موت کا خدشہ ہوا۔ اوران کو باہر نکال دیا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حلال کی ہوئی تھیں اس لئے کہ میں مضطر تھا لیکن میں آپ لوگوں کو بغلیں بجانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا''۔ اوراس لئے بھی کہ حرام کا مباح ہونا ایک رخصت ہے۔ اس لئے دوسری رخصتوں کی طرح واجب نہیں ہونا چاہئے۔ ❶ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس پر دلیل ہے:

وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ الانعام:۶/۱۱۹

''حالانکہ اس نے وہ تمام چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اس نے تمہارے لئے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں البتہ جن کے کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدر ضرورت اجازت ہو جاتی ہے)۔''

اس آیت میں استثناء حرام سے کیا گیا ہے۔ اور حرام سے استثناء حلال یا مباح ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ کے ماہرین نے یہ اصول طے کیا ہوا ہے۔

---

❶ ......المغنی: ۸/۵۹۶، تکملہ فتح القدیر: ۷/۲۹۸۔

مسئلہ.....گزشتہ دونوں آراء کے مطابق جیلوں وغیرہ میں کی جانے والی بھوک ہڑتال اگر موت تک لے جانے والی ہوتو حلال نہیں ہوگی۔

دوم۔ضرورت کی شرطیں اور ضابطے.....جو شخص بھی ضرورت کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا نہ اس کے لئے فعل حرام مباح ہوگا۔ضرورت کے لئے درج ذیل ❶ ضابطوں اور شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱.....ضرورت اسی وقت موجود ہو۔مستقبل میں پیش آنے والی نہ ہو۔یعنی حقیقت میں جان یا مال کی ہلاکت کا خدشہ موجود ہو۔اس خدشے کا ثبوت تجربات کی روشنی میں ظن غالب سے ہوگا یا حقیقت میں خطرے کا سامنا کرنے سے۔اس میں غالب گمان بھی کافی ہے جیسا کہ جبراً حرام کھلانے میں۔اسی وجہ سے اس میں یقین یا قریب المرگ ہونا ضروری نہیں۔بلکہ اگر صورت حال یہاں تک پہنچ گئی تو کھانا مفید ہوگا نہ حلال جیسا کہ شافعیہ نے تصریح کی ہے۔

۲.....مضطر اور مجبور کے لئے حرام کا ارتکاب ہی ضروری ہو۔یعنی خطرے کو دور کرنے کے لئے حرام کے علاوہ کوئی اور جائز صورت ممکن نہ ہو۔اس لئے کہ اضطراری حالت میں حرام کے استعمال کا سبب کھانا کھانے کی ضرورت ہے۔یعنی اگر کوئی ایسی حلال چیز نہ ملے جس کو کھایا جاسکے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۳.....کسی ایسے عذر کا بھی پایا جانا جو حرام کے استعمال کو مباح کر سکے۔جیسے جان یا عضو کی حفاظت کا ان کے تلف ہو جانے کا خوف ہو یا تو بھوک کی وجہ سے یا یہ خدشہ ہو کہ اگر کھانا چھوڑا چل نہیں سکے گا اور ساتھیوں سے پیچھے رہ کر ہلاک ہو جائے گا۔یا سوار ہونے کے قابل نہیں رہے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا اور شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ جن صورتوں میں تیمّم مباح ہوتا ہے انہی صورتوں میں حرام کا استعمال اور ناجائز کام کا ارتکاب بھی مباح ہو جاتا ہے۔لہٰذا کسی ظاہری عضو میں بڑا عیب پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔اسی طرح مرض کے طویل ہو جانے کے خدشے کا بھی اعتبار ہوگا۔ان دونوں صورتوں میں حرام کا کھانا جائز ہو جائے گا۔

۴.....مضطر اسلامی اصولوں کی مخالفت نہ کرے۔لہٰذا زنا،قتل،کفر،غصب وغیرہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہوں گے۔اس لئے کہ ان کی ذات میں فساد پایا جاتا ہے۔اگر چہ حالت اکراہ میں زبان سے کفریہ الفاظ کہنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔اسی طرح بوقت ضرورت دوسرے کا کھانا لینے کی بھی گنجائش ہے اگر چہ زبردستی کرنی پڑے بشرطیکہ وہ خود مجبور اور مضطر نہ ہو۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اباحت اور رخصت میں فرق ہے۔اس لئے کہ اباحت حرام کو حلال میں بدل دیتی ہے اور اس سے حرام ہونے کی صفت کو بالکل زائل کر دیتی ہے۔جب کہ رخصت صرف گناہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔فعل بدستور حرام رہتا ہے۔

آدمی کو قتل کرنا اور کھانا کسی صورت میں بھی مباح نہیں ہوتا۔اسی طرح شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک مرے ہوئے آدمی کو کھانا مباح نہیں ہوتا جیسا کہ میں بیان کروں گا۔ائمہ اربعہ کے راجح قول کے مطابق شراب کا استعمال حرام ہے۔ہاں اگر غصہ دور کرنے کی کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔مالکیہ کے نزدیک خون اور پاخانہ بالکل حلال نہیں ہوتا۔اسی طرح گمشدہ اونٹ بھی۔

۵.....جمہور کی رائے کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ ضرر کو دور کرنے کے لئے حرام کی ادنیٰ حد اور لازمی مقدار استعمال کی جائے۔جیسا کہ میں عنقریب واضح کروں گا۔اس لئے کہ حرام کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے۔

۶.....اگر کسی کو دوا کی ضرورت ہو اور ایک عادل اور دینی وعلمی لحاظ سے قابل اعتماد معالج اس کے لئے حرام چیز کو بطور دوا تجویز کرے۔اس

---

❶.....نظرية الضرورة الشرعيه ازمؤلف: ص ٦٦ وما بعدها۔

کے متبادل کوئی غیر حرام طریقہ علاج موجود نہ ہوتب اس کا استعمال درست ہوگا۔

اضطراری حالت کسی مخصوص زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہوتی اس لئے کہ مختلف لوگوں کا اس میں اختلاف ❶ ہے۔

سوم: کیا ضرورت سفر وحضر دونوں حالتوں کو شامل ہے؟......اضطراری حالت میں حرام چیزیں مباح ہو جاتی ہیں چاہے سفر پر ہو یا اپنے مقام پر۔ اس لئے کہ ضرورت والی آیت فمن اضطر الخ (البقرۃ:۲/۱۷۳) مطلق ہے۔ اس میں سفر یا حضر کی قید نہیں لگی ہوئی۔ اور یہ لفظ ہر مضطر اور مجبور کے حق میں عام ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قحط کے دوران حالت حضر میں بھی اضطرار والی کیفیت آ جاتی ہے۔ اور اباحت کا سبب اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا ہے۔ یہ بات سفر وحضر دونوں حالتوں میں پائی جاتی ہے۔ ❷

گناہ والا سفر...... اس مسئلے میں چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔ سفر کا مقصود اصلی گناہ ہو یا مباح سفر کے دوران اچانک گناہ کا پروگرام بن جائے، ان دونوں صورتوں میں حنفیہ ❸ کے ہاں کوئی فرق نہیں ہے۔ حنابلہ کے ہاں بھی راجح یہی ہے۔ امام مالک ❹ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ گناہ والے سفر میں مضطر کے لئے مردار وغیرہ کھانا جائز ہے لیکن نماز میں قصر کرنا اور روزہ نہ رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ......البقرۃ:۲/۱۷۳

"جب کہ وہ فساد اور زیادتی کرنے والا نہ ہو۔"

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے مشہور قول میں۔ ❺ معصیت والے سفر میں اور عام سفر کے دوران معصیت کرنے میں فرق کیا ہے۔ اگر کسی نے ایسا سفر شروع کیا جو ذات کے اعتبار سے گناہ ہے جیسے نافرمان بیوی، ڈاکو اور لوگوں پر ظلم کرنے کی غرض سے سفر کرنے والا...... ایسے آدمی کے لئے حرام کا استعمال اور شرعی رخصتوں سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اسلامی رخصتیں گناہوں سے نہیں جوڑی جا سکتیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں:

غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ......البقرہ:۲/۱۷۳۔

"جب کہ وہ فساد یا زیادتی کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں"۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باغ اور عاد سے مراد "مسلمانوں کے خلاف فساد کرنے والا اور ان پر زیادتی کرنے والا ہے۔"

جس نے مباح سفر کیا اور سفر کے دوران گناہ کا ارتکاب کر لیا جیسے شراب پی لی تو ایسا آدمی سفر میں گناہ کرنے والا ہے۔ اس کے لئے شرعی رخصتیں مباح ہیں۔ اس لئے کہ وہ سفر سے متعلقہ ہیں اور نفس سفر گناہ نہیں۔

چہارم: ضرورت کی وجہ سے مباح ہونے والی چیز کی جنس...... چاروں مذاہب میں ضرورت کی وجہ سے ہر وہ حرام چیز مباح ہو جاتی ہے جو بھوک پیاس ختم کر سکے جیسے مردار، خنزیر، دوسروں کا کھانا وغیرہ۔ ❻

---

❶...... کشاف القناع: ۱۹۴/۶، المغنی: ۵۹۵/۸۔ ❷ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ (المغنی: ۵۹۶/۸) دوسری کتابوں میں بھی یہی ہے (کشاف القناع: ۱۹۴/۶) ❸ التوضیح: ۱۹۴/۲، مسلم الثبوت: ۱۱۳/۱، احکام القرآن الجصاص: ۱۴۷/۱ وما بعدھا۔ ❹ الموافقات: ۳۳۷/۱، احکام القرآن لابن العربی: ۵۸/۱، تفسیر القرطبی: ۲۳۳/۲، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۳، بدایۃ المجتھد: ۴۶۲/۱۔ ❺ مخطوط قواعد الزرکشی: ق ۱۰۷، الاشباہ والنظائر از سیوطی رحمۃ اللہ علیہ: ص ۱۲۴، مغنی المحتاج: ۶۴/۱، ۲۶۸، المغنی: ۲۹۷/۸، الشرح الصغیر: ۴۷۷/۱۔ ❻ الشرح الکبیر للدردیر: ۱۱۵/۲ وما بعدھا، بدایۃ المجتھد: ۴۶۱/۱، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۳، الدر المختار وردالمحتار: ۲۳۸/۵، مغنی المحتاج: /۵۹۵، کشاف القناع: ۱۹۴/۶۔

حنابلہ نے زہر اور اس جیسی نقصان دہ چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔

مالکیہ نے خون، آدمی، خنزیر اور ناپاک چیزوں کا کھانا پینا جیسے پاخانہ، ان سب کو مستثنیٰ کیا ہے البتہ شراب کو غصہ دور کرنے کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے نہ کہ بھوک، پیاس مٹانے کے لیے۔ اس لئے کہ شراب سے بھوک، پیاس ختم نہیں ہوتی۔ بعض کے نزدیک مباح ہے۔ مشہور قول کے مطابق اسے بطور دوا استعمال نہیں کر سکتے اگرچہ موت کا خدشہ ہو۔ اسی طرح انہوں نے گمشدہ اونٹ کو بھی مستثنیٰ کیا ہے الا یہ کہ وہ علیحدگی کے وقت متعین ہو جائے۔ اگر یہ اور مردار دونوں موجود ہوں تو مردار اس پر مقدم ہوگا۔

بوقت ضرورت انسان کو کھانا...... مذاہب کے ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان کا اور ایسے کافر کا قتل مباح نہیں جس کا خون محفوظ ہے۔ اسی طرح ان کا عضو تلف کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ مثلہ ہے۔ لہٰذا دوسرے کی جان یا عضو کو تلف کر کے اپنی جان بچانا جائز نہیں ہوگا۔ زندہ انسان کا کان مباح نہیں ہوگا۔ اسی طرح شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک انسان کی میت میں سے کھانا جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔[1] اگر کسی آدمی نے کسی کو مثال کے طور پر یوں کہا: ''میرا ہاتھ کاٹو اور کھالو'' تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ انسان کی شرافت اور کرامت کی وجہ سے اضطراری حالت میں بھی اس کا گوشت مباح نہیں ہوتا۔

شافعیہ [2] فرماتے ہیں کہ اگر مضطر کو کوئی اور مرا ہوا جانور نہ ملے تو مرے ہوئے آدمی کو کھانا جائز ہوگا۔ اس لئے کہ زندہ انسان کا مقام مرے ہوئے سے بڑا ہے۔ البتہ اگر میت نبی کی ہو تو اس کو کسی صورت کھانا جائز نہیں اسی طرح اگر میت مسلمان اور مضطر کافر ہو تو بھی کھانا جائز نہیں ہوگا اس لئے میت کو اسلام کی وجہ سے شرف حاصل ہے۔ خطیب شربینی المنہاج کے شارح فرماتے ہیں کہ مسلمان میت کو کھانا جائز نہیں اگرچہ مضطر مسلمان ہو۔ اس طرح کی استثنائی صورتوں کی وجہ سے شافعیہ دوسروں کے قریب ہو گئے ہیں۔

حنابلہ نے ایسے کافر کی اجازت دی ہے جس کا خون محفوظ نہ ہو جیسے حربی کافر، مرتد، شادی شدہ (محصن) زناکار اور لڑائی میں قتل کرنے والا۔[3]

اسی طرح شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ مضطر کے لئے حربی کافر اور مرتد کو قتل کر کے کھانے کی اجازت ہے۔ البتہ زندہ حالت میں اعضاء نہیں کاٹے جاسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ قتل کے وقت ان دونوں کا خون محفوظ نہیں۔ اور نہ ہی ان کو کوئی شرف حاصل ہے۔ یہ درندے کی طرح ہوئے۔ مضطر کے لئے اس کی موت کے بعد اس کو کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کو کوئی شرف حاصل نہیں۔

اسی طرح ان حضرات کے نزدیک شادی شدہ زناکار (محصن زانی)، ڈاکو اور قصاص والے کو قتل کرنا جائز ہے اگرچہ امام یعنی حاکم وقت نے اجازت نہ دی ہو۔ اس لئے کہ یہ لوگ قتل کے مستحق ہو چکے ہیں۔ رہی امام کی اجازت تو اس کا اعتبار حالت ضرورت کے علاوہ عام حالات میں ہوتا ہے۔ اس سے مقصود امام وقت کا ادب ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت ادب کی رعایت نہیں رکھی جاتی۔

مضطر کے لئے ذمی،[4] مستامن اور معاہد کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ان کا قتل ممنوع ہے۔ اور صحیح تر قول کے مطابق حربی بچے اور حربی

---

[1] ......اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ سوائے ایک راوی سعد الانصاری کے۔ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے اور اکثر نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کے ہم معنی ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر کھودنے والے سے کہا جس نے ہڈی نکال لی تھی، اس کو توڑنا مت! اس لئے کہ اس کو مردہ حالت میں توڑنا زندہ حالت میں توڑنے کی طرح ہے۔ اس کو قبر کی ایک طرف دھنسا دینا'' ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میت کی ہڈی توڑنا گناہ میں زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔'' [2] مغنی المحتاج: ۳۰۷/۴۔ [3] کشاف القناع: ۱۹۸/۶۔ [4] ذمی: مسلمان ملک میں رہنے اور جزیہ دینے والا کافر، مستامن: مسلمان ملک میں اجازت سے اور امان لے کر آنے والا کافر، معاہد: وہ کافر جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو۔ حربی: کافروں کے ملک میں رہنے والا کافر۔

عورت کو قتل کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کا خون محفوظ نہیں۔ عام حالت میں ان کا قتل ممنوع ہونے کی وجہ ان کی عزت وعظمت نہیں بلکہ غنیمت حاصل کرنے والوں کا حق ہے۔

پوسٹ مارٹم اور اعضاء کی پیوند کاری

مالکیہ اور حنابلہ اس حدیث ''میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔'' پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حاملہ میت کا بچہ نکالنے کے لئے پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ عموماً یہ بچہ زندہ نہیں رہتا۔ تو ایک موہوم چیز کی خاطر یقینی بے حرمتی جائز نہیں ہوگی۔

شافعیہ نے میت کا بچہ نکالنے کے لئے اور میت کے پیٹ سے مال نکالنے کے لئے پیٹ چاک کرنے کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا مال نگل لیا ہو تو شافعیہ کی طرح حنفیہ کے ہاں بھی پیٹ چاک کرنے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اس کے پاس ادائیگی کے لئے ترکہ نہ ہو اور کوئی اس کی طرف سے ضامن بھی نہ بنے۔ [1]

مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنی موت سے پہلے اپنا یا کسی اور کا مال اس کے ضائع ہونے کے خدشے کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے نگل لیا اگر وہ کثیر ہو یعنی زکوٰۃ کے نصاب جتنا ہو تو میت کا پیٹ چاک کرنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر اس نے مثلاً وارث کو محروم کرنے کے ارادے سے ایسا کیا تو بہرصورت پیٹ چاک کیا جائے گا اگرچہ مال کم ہو۔

اباحت کی مذکورہ بالا آراء کی بنیاد پر بوقت ضرورت تعلیم کی غرض سے طبی مقاصد کے لئے یا وفات کا سبب معلوم کرنے اور قتل کے ملزم پر جرم ثابت کرنے کے لئے یا اس طرح کے دیگر جرم وسزا سے متعلقہ مقاصد کے لئے پوسٹ مارٹم کرنا جائز ہے۔ جب کہ جرم میں حق تک رسائی اسی پر موقوف ہو۔ اس جواز کی وجہ وہ تمام دلائل ہیں جو احکام میں عدل وانصاف کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ تاکہ بے گناہ پر زیادتی نہ ہو اور مجرم سزا سے نہ بچ سکے۔

اسی طرح تعلیم کی خاطر حیوان کا پوسٹ مارٹم جائز ہے۔ اس لئے کہ تعلیم کی مصلحت ان کے درد سے بڑھ کر ہے۔

بہر حال مناسب یہی ہے کہ اعضاء کے وظائف کے علم (فزیالوجی) اور جرائم کی چھان بین کے لئے پوسٹ مارٹم میں زیادہ توسع نہ کیا جائے۔ بس ضرورت اور حاجت پر اکتفاء کیا جائے۔ اور اس میں بھی مرے ہوئے انسان کی حرمت وعظمت کا اچھی طرح خیال رکھا جائے۔ اس کے پردے، ستر، اعضاء کو جمع کرنے، کفن پہنانے اور مقصود حاصل ہوتے ہی جسم کو سلائی وغیرہ سے دوبارہ اپنی اصلی حالت پر واپس لانے کا خوب اہتمام کیا جائے۔

اسی طرح جمہور کے نزدیک ایک انسان کے اعضاء دل، آنکھ، گردہ وغیرہ دوسرے میں منتقل کرنا جائز ہے۔

بشرطیکہ جس انسان کے اعضاء منتقل کئے جارہے ہیں اس کی موت کی تصدیق کوئی ایسا طبیب کرلے جو مسلمان، قابل اعتماد اور عادل ہو۔

وجہ یہ ہے کہ زندہ مرے ہوئے سے افضل ہے۔ اور انسان کو بصارت یا زندگی مہیا کرنا بہت بڑی نعمت ہے جو کہ شرعاً مطلوب ہے۔ انسان کو مہلک امراض اور معذوریوں سے بچانا بوجہ ضرورت جائز ہے۔ اور ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام بھی مباح ہوجاتے ہیں۔ لیکن ان اعضاء کی بیع بالکل جائز نہیں۔ جیسا کہ خون کی بیع جائز نہیں۔

اعضاء کی پیوند کاری میں ہبہ اور مکافاۃ کے طور پر تبرع جائز ہے۔ اسی طرح اگر ہلاکت یا کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو تو خون کا تبرع بھی جائز ہے۔ اگر حتمی طور پر عوض دینا ہی پڑے اور رشتے داروں وغیرہ میں سے کوئی تبرع کرنے والا نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے مالی عوض دینا جائز ہے۔

---

[1]......الدر المختار ورد المحتار: ٣/ ٢٤٦۔

شراب کا بطور دوا استعمال...... چاروں مذاہب (۱) کے ائمہ کرام کے نزدیک راجح یہی ہے کہ شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنا یا اس کے علاوہ تیل، کھانے میں یا دوا پگھلانے میں استعمال کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا حرام کردہ چیزوں میں نہیں رکھی۔'' (۲) حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا یا اس کو بنانا ناپسند فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں دواء کے لئے بنا رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دواء نہیں ہے، بلکہ یہ بیماری ہے۔'' (۳)

حنفیہ فرماتے ہیں (۴) کہ حرام کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں یقینی شفا کا علم ہو اور اس کا متبادل موجود نہ ہو۔ محض شفاء کے گمان سے جائز نہیں۔ طبیب کی بات سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ خنزیر کا گوشت بطور دواء استعمال کرنا جائز نہیں اگر چہ یہ واحد علاج ہو۔

شافعیہ (۵) نے شراب سے علاج کے حرام ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ خالص ہو اور کسی ایسی چیز میں ملی ہوئی نہ ہو کہ اس میں ختم ہو کر رہ جائے۔ اگر شراب کسی دوسری چیز میں ختم ہو کر رہ جائے تو اس کو بطور دواء استعمال کرنا جائز ہے۔

جب کہ اس کے متبادل کوئی صحیح طریقہ علاج نہ ہو۔ اسی طرح ناپاک چیز سے علاج کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسے سانپ کا گوشت اور پیشاب۔ اسی طرح مذکورہ چیزوں سے جلد شفایابی کی خاطر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے بارے میں ایک مسلمان اور عادل طبیب خبر دے یا اس کو اس کے ذریعے علاج کا پتہ ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ اتنی کم مقدار استعمال کی جائے جو نشہ آور نہ ہو۔

علامہ عز بن عبدالسلام (۶) فرماتے ہیں کہ ناپاک چیزوں سے دوا کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ اس کے متبادل پاک چیز میسر نہ ہو۔ اس لئے کہ صحت وسلامتی کی مصلحت نجاست سے بچنے کی مصلحت سے زیادہ اہم ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق شراب سے دوا کرنا اسی وقت جائز ہوتا ہے جب کہ اس سے شفا حاصل ہونے کا علم ہو اور کوئی اور دوا نہ ملے۔

ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اور قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (۷) کہ ضرورت کی وجہ سے شراب سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ......البقرۃ:۲/۱۷۳

لہٰذا ضرورت کی وجہ سے حرمت ختم ہوگئی اور ضرورت نے حرام کو خاص کردیا۔ اس لئے کہ صحیح طریقے سے دوا نہ لینا کبھی کبھی وفات کا سبب بن جاتا ہے۔

---

(۱)......البدائع: ۵/۱۱۳، الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین: ۵/۳۲۰، المنتقی علی الموطا: ۳/۱۵۴، ۱۵۸، التاج والا کلیل: ۶/۳۱۸، الشرح الکبیر: للدردیر: ۴/۳۵۲ وما بعدها، المهذب: ۱/۲۵۱، مغنی المحتاج: ۴/۱۸۷، کشاف القناع: ۶/۱۹۸، زادالمعاد: ۳/۱۱۴، المغنی: ۴/۲۵۵، ۸/۳۰۸، الفوائد البهية فی القواعد الفقهية للشيخ محمود حمزه ص ۲۸۶۔ (۲) اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ، طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ نے بھی انہی پر موقوفاً روایت کی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابو یعلی اور بزار نے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ (۳) اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ: ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ آخری دو نے صحیح کہا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ''حرام کو بطور دواء استعمال نہ کرو۔'' یہ حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے۔ اس کے رجال ثقات ہیں۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں منقول ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا پیدا فرمائی ہیں۔ اس لئے دوا کو استعمال کرو لیکن حرام کو بطور دوا استعمال نہ کرو۔'' (مجمع الزوائد: ۵/۸۶) (۴) الهدية العلائية للعلامه الشيخ علاؤ الدين عابدين ص ۲۵۱۔ (۵) مغنی المحتاج: ص ۴/۱۸۸۔ (۶) قواعد الاحکام: ۱/۸۱۔ (۷) احکام القرآن لابن العربی: ۱/۵۶ وما بعدها، تفسیر القرطبی: ۲/۲۳۱۔

پیاس کی حالت میں شراب پینا.....جمہور فقہاء نے ❶ پیاس، اچھو اور اکراہ کی ضرورت کے وقت بقدر ضرورت شراب پینے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ زندگی کی حفاظت ہر اس چیز کی اباحت کا تقاضا کرتی ہے جو پیاس کو بجھائے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ پیاس کی ضرورت کے لئے شراب اس وقت حلال ہوگی جب اس میں کوئی پیاس بجھانے والی چیز ملا دی جائے۔ اگر خالص شراب پی یا ملاوٹ اتنی تھوڑی کی کہ پیاس نہیں بجھا سکتی تو اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔ اور اس پر شراب والی حد آئے گی۔

پنجم: ضرورت کی وجہ سے کھائی جانے والی چیزوں میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب.....جب مضطر اور مجبور آدمی کے پاس مردار بھی ہو، دوسرے کا کھانا بھی ہو، محرم کا شکار بھی ہو اور حلال جانوروں میں سے کوئی ذبح کئے بغیر ہو تو کیا وہ مردار کو مقدم کرے یا کسی اور کو؟ اس مسئلے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

ا۔ جمہور.....(حنفیہ، شافعیہ قابل اعتماد قول کے مطابق اور حنابلہ) ❸ فرماتے ہیں کہ مردار کو استعمال میں لائے۔ اس لئے کہ مردار کا کھانا قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ دوسرے کا کھانا اور شکار کا مباح ہونا اجتہاد سے ثابت ہے۔ لہٰذا جس پر قرآن کی نص وارد ہوئی ہے۔ اس کو اختیار کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور اس لئے بھی کہ مردار میں بندوں کا حق نہیں ہوتا۔ دنیا میں نہ آخرت میں۔ اس لئے اس کا کھانا، دوسرے کا کھانا کھانے سے بہتر ہوگا۔ اس لئے کہ بندوں کے حقوق میں سختی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں گنجائش ہے۔ اگر مردار کھانے سے کوئی نقصان ہو گیا تو دوا سے اس کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک مردار کھانے پر سوال کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ❹

اگر محرم کو زندہ اور مردہ شکار مل جائے تو وہ مردہ شکار کھائے۔ اس لئے کہ شکار ذبح کرنا جنایت ہے جو حالت احرام میں جائز نہیں۔ اگر مضطر محرم کو مردار نہ ملے تو شکار کو ذبح کر کے کھالے۔

اور اگر مضطر کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے تو حنابلہ کے نزدیک اپنے اعضا کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اپنے اعضاء کھانے سے بعض اوقات آدمی مرجاتا ہے تو یہ خودکشی ہوئی۔ اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو کھانے سے زندہ رہنا یقینی نہیں۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ المنہاج ❺ میں فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ کچھ حصہ کاٹنا جائز ہے۔ پورا کاٹنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس طرح کل کو بچانے کے لئے بعض کو تلف کیا جارہا ہے۔ جواز کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی یہ کہ مردار اور اس جیسی کوئی چیز میسر نہ ہو دوسری یہ کہ کاٹنے میں، نہ کھانے کی بنسبت اندیشہ مرگ کم ہو۔ اگر اندیشہ برابر ہو یا زیادہ ہو تو قطعی حرام ہوگا۔ اسی طرح مضطر کے لئے دوسرے مضطر لوگوں کی خاطر اپنے اعضاء کاٹنا قطعی حرام ہے۔ اس لئے کہ دوسروں کے لئے اپنے اعضاء کاٹنے میں "کل کو بچانے کے لئے بعض کو تلف کرنے" والی بات نہیں ہے۔ مضطر کے لئے یہ بھی حرام ہے کہ اپنے لئے کسی دوسرے معصوم حیوان کا ٹکرا کاٹ لے۔

۲۔ مالکیہ.....مالکیہ فرماتے ہیں ❻ کہ خنزیر کے گوشت پر مردار کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ خنزیر ذات کے اعتبار سے حرام ہے جب کہ مردار میں حرمت بعد میں آئی ہے۔ اسی طرح محرم مضطر کے لئے مردار ایسے زندہ شکار سے مقدم ہے، جس کو محرم نے شکار کیا ہو یا مدد دی ہو۔ البتہ اگر مردار خراب ہو گیا ہو اور اس کو کھانے میں موت کا خدشہ ہو تو مذکورہ شکار کو اولیت حاصل ہوگی۔ اگر مضطر محرم نہ ہو تو محرم کے شکار کو مردار پر مقدم کیا جائے گا۔

---

❶.....احکام القرآن لا بن العربی: ١/١٤٧، بدایة المجتهد: ١/٤٦٢، الا فصاح لا بن هبیره: ص ٣٧٤، تفسیر القرطبی: ٢/ ٢٢٨ ❷ المغنی: ٨/٣٠٨، ٦٠٥۔ ❸ الاشباه والنظائر لا بن نجیم: ١/١٢٤، احکام القرآن للجصاص: ١/١٤٨، مغنی المحتاج: ٤/٣٠٩، المهذب: ١/٢٥٠، المغنی: ٨/٦٠٠، کشاف القناع: ٦/١٩٤ وما بعدها۔ ❹ المغنی: ٨/٦٠١۔ ❺ مغنی المحتاج: ٤/٣١٠۔ ❻ الشرح الکبیر: ٢/١١٦، القوانین الفقهیه: ص ١٧٣، تفسیر القرطبی: ٢/٢٢٩۔

دوسرے کے کھانے کو مردار پر مقدم کرنا مندوب ہے واجب ہیں۔ بشرطیکہ کسی قسم کی اذیت وغیرہ کا خوف نہ ہو۔ اس لئے کہ کھانا پاک ہے اور عام طور پر لوگ مضطر کو کھانا دے دیتے ہیں۔ بہانے بازی نہیں کرتے۔ یہی مذہب معقول ہے۔ بلکہ میں تو دوسرے کے کھانے کو مردار پر مقدم کرنا واجب سمجھتا ہوں تا کہ ضرر سے بچا جا سکے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ❶ فرماتے ہیں کہ اگر مضطر کو مردار اور دوسرے کا کھانا ملے اور اس کھانے میں کوئی خرابی اور ضرر نہ ہو تو اس کے لئے مردار حلال نہیں۔ بلکہ بلا اختلاف دوسرے کا کھانا کھائے۔ ❷

ششم: ضرورت کی وجہ سے کھانے کی جائز مقدار..... کیا مضطر مردار کی طرح حرام کی صرف اتنی مقدار کھائے جو ضرر کو دور کر دے یا اس کے لئے پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے؟ اس میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

جمہور..... جمہور (حنفیہ، شافعیہ کا راجح قول، حنابلہ کی صحیح روایت اور بعض مالکیہ جیسے ابن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ ❸ فرماتے ہیں کہ مضطر بھوک پیاس مٹانے کے لئے حرام، مردار یا کسی اور کے کھانے میں سے صرف اتنی مقدار کھا پی سکتا ہے جس سے ہلاکت کا خدشہ نہ رہے اور موت سے بچ جائے وہ اتنی مقدار ہے کہ جس سے آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے قابل ہو سکے۔ یعنی گنے چنے چند لقمے اور یہ سلسلہ کھانا ملنے تک جاری رہے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ..... البقرۃ: ۲/۱۷۳

ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جب کہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہونے والی چیز بقدر ضرورت جائز ہوتی ہے مضطر جان بچانے کے بعد مضطر نہیں رہے گا لہٰذا اس کے لئے اب کھانا حلال نہیں رہے گا۔ اور وہ جان بچ جانے کے بعد ایسا ہو جائے گا جیسا مضطر ہونے سے پہلے تھا اس وقت اس کے لئے کھانا مباح نہیں ہوگا اسی طرح حالت ضرورت ختم ہو جانے کے بعد بھی جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ مالکیہ..... مالکیہ کے قابل اعتماد ❹ قول کے مطابق مضطر کے لئے جائز ہے کہ وہ حرام پیٹ بھر کر کھائے اور اگر اسے سفر میں ضرورت پیش آنے کا خدشہ ہو تو وہ مردار وغیرہ کو زاد راہ کے طور پر ذخیرہ بھی کر سکتا ہے جب اس کی ضرورت نہ رہے تو پھینک دے۔ اس لئے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے ان چیزوں کو ساتھ رکھنے میں کوئی نقصان نہیں ہے البتہ ضرورت کے بغیر ان میں سے نہ کھائے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ضرورت نے حرمت ختم کر دی ہے اس لئے آیۃ کریمہ:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ..... البقرۃ: ۲/۱۷۳

''ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جب کہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''..... کے ظاہر کی وجہ سے دوبارہ مباح ہو گئے ہیں اور کھانا نہ ملنے سے ملنے تک کا پورا وقت ضرورت میں شامل ہے اس لئے دوران یہ سب چیزیں مکمل طور پر حلال ہو گئی۔ اور اس لئے بھی کہ مباح ہو جانے والا کھانا حلال

❶..... تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۵۔ ❷ انہوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ لیکن ہم جان چکے ہیں کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ ❸ ردالمحتار: ۵/۲۳۸، المہذب: ۱/۲۵۰، کشاف القناع: ۶/۱۹۴، المغنی: ۸/۵۹۵، ۵۹۷، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۷۔ ❹ بدایۃ المجتہد: ۱/۴۶۲، احکام القرآن لا بن العربی رحمۃ اللہ علیہ: ۱۵۵، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۲ وما بعدخا القوانین الفقہیۃ: ص ۱۷۳، تفسیر القرطبی: ۳/۲۲۶ ومابعد

کھانے کی طرح جان بچانے کے لئے جائز ہے تو پھر پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہوگا یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کبھی کبھار بھوک کی وجہ سے اضطراری حالت آ جائے اگر عمومی فاقے آ جائیں اور مسلسل جاری ہیں تو پھر مردار اور دوسری حرام چیزوں کو پیٹ بھر کر کھانا بلا اتفاق جائز ہے۔

شافعیہ اور صحیح روایت کے مطابق حنابلہ، ❶ مالکیہ کے ساتھ اس مسئلے میں متفق ہیں کہ حرام کو زادراہ کے طور پر لے جانا جائز ہے اگر چہ حلال تک پہنچنے کی امید ہو۔ اگر کوئی حلال لقمہ مل گیا تو اسی سے ابتداء کرنا واجب ہے حلال لقمہ کھائے بغیر حرام کھانے کا استعمال جائز نہیں ہوگا تا کہ ضرورت پائے ثبوت کو پہنچ جائے۔

شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر روئے زمین پر حرام عام ہو جائے اور حلال کمیاب ہو جائے تو جن جن چیزوں کی احتیاج ہو ان کا استعمال جائز ہوگا محض ضرورت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ حاجت کو دیکھا جائے گا۔ عز بن عبدالسلام ❷ نے ان حالات میں حرام کے استعمال کو جواز اور ضرورت پر اکتفاء نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ”عمومی مصلحت بھی خاص ضرورت کی طرح ہوتی ہے۔“

ہفتم: ضرورت کی وجہ سے کھانا چھیننے کا حکم...... اس مسئلے میں فقہاء کا اتفاق ہے ❸ کہ کھانے کا یا مال کا مالک اگر فی الحال خود اضطراری حالت میں نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ قیمت لے کر ضرورت مند کو یہ چیزیں فراہم کرے۔ تا کہ اس سے بھوک، پیاس، گرمی، اور سردی کی تکلیف یا اس سے لاحق ہونے والے نقصان کو دور کیا جا سکے اگر اس نے انکار کر دیا یا مارکیٹ ریٹ سے زیادہ قیمت مانگی تو اس سے چھیننے کے لئے لڑائی کرنا جائز ہے اگر چہ وہ مسلمان ہو۔ اس لئے کہ مسلمان برے وقت میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ المائدۃ:۵/۲

”اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کروں۔ اور اس لئے بھی کہ مضطر کو مال یا کھانا دینے سے انکار کرنے والا دراصل اسے جان سے مارنے میں مدد کر رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے جس کسی نے مسلمان کو قتل کرنے میں مدد دی اگر چہ ایک آدھی بات سے ہی ہو تو قیامت کے دن اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا: آیس من رحمة الله اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس۔ ❹ اللہ تعالیٰ نے اس طرح روکنے والے کی مطلق مذمت کی ہے۔ ارشاد ہے:

وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۟ الماعون:۱۰۷/۷

”اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔“

مضطر کے لئے اس حالت میں مردار کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ حقیقت میں مضطر نہیں ہے۔ شرعاً وہ کھانے کی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے۔ اس لئے کہ اضطراری حالت کی وجہ سے ہونے والی اباحت ضمان کے یعنی قیمت ادا کرنے کے منافی ❺ نہیں۔

قاعدہ...... الا ضطرار لايبطل حق الغير: اضطرار اور مجبوری دوسرے کا حق باطل نہیں کرتی۔

---

❶ مغنی المحتاج: ۳۰۷/۴، المغنی: ۵۹۷/۸، کشاف القناع: ۱۹۴/۶۔ ❷ قواعد الاحکام: ۱۶۰/۲۔ ❸ رد المحتار: ۲۳۸/۵، الموافقات: ۳۵۲/۲، الشرح الكبير: ۱۱۶/۲، وما بعدها، مغنی المحتاج: ۲۵۰/۱، المهذب: ۲۵۰/۱، کشاف القناع: ۱۹۵/۲، غاية المنتهى: ۳۱۶/۱، المغنی: ۶۰۲/۸ الطرق الحكميه ص ۲۶، ط السنة المحمدية، الحسبة لا بن تيميه رحمة الله عليه: ص ۴۰، القواعد لا بن رجب: ص ۲۲۷۔ ❹ اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ ضعیف ہے۔ ❺ شرح الملجد للاتاسی۔ ص ۴۲، وما بعدها، للمحاسنی: ص ۶۰ وما بعدها، الفروق: ۱۹۵/۱، حاشية الجمل على المنهج، القواعد لا بن رجب: ص ۳۶، ۲۸۶، القواعد والفوائد: لا بن الحام الحنبل: ص ۴۳۔

عمومی قحط کے زمانے میں مالک پر لازمی نہیں ہے کہ وہ مضطر لوگوں کو کھانا دے "لان الضرر لا یزال بالضرر"۔ اس لئے کہ ضرر کو ضرر سے دور نہیں کیا جاتا۔ ❶

ہشتم: **ضرورت یا حاجت کے مخصوص حالات**..... ضرورت کی کچھ مخصوص صورتیں یہ ہیں۔ باغ کے پاس سے گزرنے والے کے لئے باغ کے پھل کھانا، کھیتی کے پاس سے گزرنے والے کے لئے کھیتی کی فصل استعمال میں لانا اور جانوروں کے پاس سے گزرنے والوں کے لئے اس کا دودھ استعمال کرنا۔

نمبر ۱۔ **باغات کے پھل کھانا**..... اگر راہ چلتے ہوئے کسی کے باغ سے گزر ہوا جس میں پھل دار درخت تھے تو بوقت ضرورت ان کو کھانا جائز ہے اگر چہ باغ کے گرد دیوار (حائط) ہو بشرطیکہ قیمت ادا کرنے (اگر ضرورت نہ ہو تو جمہور فقہاء ❷ کے نزدیک مالک کی اجازت کے بغیر اس سے کچھ لینا جائز نہیں اسی طرح ساتھ لے جانا بھی جائز نہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔" ❸ دوسری حدیث میں ہے کہ: "یقیناً تمہارے خون مال اور عزتیں تم پر اس دن (یوم عرفہ) کی طرح حرام ہیں۔ ❹ دینی اعتبار سے یہ رائے پاکیزگی تقویٰ اور احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ ❺ حنابلہ فرماتے ہیں بھوک کی حالت میں پھلوں کے پاس سے گزرنے والے کے لئے کھانا جائز ہے ساتھ لے جانا جائز نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر باغ کی دیوار نہ ہو تو بھوک کی حالت میں اس سے کھالے اور اگر بھوک نہ ہو تو نہ کھائے۔ ایک سے زائد صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے۔ اگر اس کی دیوار ہو تو نہ کھائے اس لئے کہ یہ دیوار حفاظتی چاردیواری (حریم) کے مشابہ ہوگئی اور اس لئے بھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے اگر اس کی دیوار ہو تو یہ حفاظتی چاردیواری کی طرح ہے۔ لہٰذا اس میں سے نہ کھاؤ اور اگر اس کے گرد دیوار نہ ہو تو کھانے میں کوئی حرج نہیں علاوہ ازیں دیوار کے ذریعے پھلوں کو محفوظ بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مالک حریص ہے وہ اس مسئلے میں چشم پوشی نہیں کرے گا۔

دیوار کی عدم موجودگی میں بوقت ضرورت پھل کھانے کا جواز اس حدیث سے ثابت ہے۔ "اگر باغ میں سے کوئی ضرورت مند کچھ لے لے تو اس پر کچھ لازم نہیں بشرطیکہ ❻ جھولی بھر کر نہ لئے جائے اگر کچھ لے گیا تو اس پر تاوان مثلی اور سزا آئے گی۔" ❼ دوسری حدیث میں ہے: "جب آپ کا گزر کسی باغ سے ہو تو باغ والے کو تین بار آواز دو اگر اس نے جواب دے دیا تو ٹھیک ورنہ اس کے پھل خراب کئے بغیر استعمال کرو" ❽ ابی زینب التیمی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ اور ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر کیا۔ وہ پھلوں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان میں سے تناول فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ "کھالے پر جھولی بھر کر نہ لے جائے۔" ❾

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے بغیر دیوار والے باغات کے پھل کھانے کی مطلقاً اجازت دی ہے چاہے گزرنے والا بھوکا ہو یا نہ ہو۔ اقناع کے متن اور کشاف القناع میں لکھا ہے ❿ "جس کا گزر باغ کے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں یا نیچے

---

❶..... کشاف القناع: ۱۹۸/۶۔ ❷ ردالمحتار: ۲۳۸/۵، المہذب: ۲۵۱/۲، المیزان للشعرانی: ۵۹/۲۔ ❸ اس حدیث کو حاتم اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوحمید ساعدی سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: (ترجمہ) "کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی دلی رضامندی کے بغیر اس کی لاٹھی لے لے"۔ ❹ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ہر مسلمان کا خون مال اور عزت دوسرے پر حرام ہے۔ ❺ المغنی: ۵۹۷/۸۔ ❻ الخبنۃ: جس کو آپ گود میں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یعنی جھولی بھر کر لے جانا۔ ❼ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس کو ہم صرف یحییٰ بن سلیم کی حدیث سے جانتے ہیں۔ ❽ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ ❾ المغنی: ۵۹۸/۸۔ ❿ کشاف القناع: ۱۹۸/۶، وما بعد۔

گرے ہوئے پھلوں کے پاس سے ہو، باغ کی دیوار اور رکھوالا کوئی نہ ہو تو اس میں سے مفت میں کھانا جائز ہے۔ اگر چہ مسافر یا مضطر نہ ہو، اور سے کھانے کی حاجت نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس نے ٹہنیوں پر لٹکے پھل پتھر وغیرہ مارے بغیر اور درخت پر چڑھے بغیر کھالئے تو یہ بھی جائز ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کی وجہ سے۔

حقیقت حال...... درحقیقت یہ ان لوگوں کا عام عرف تھا۔ ان کی عادت ہوا کرتی تھی کہ وہ راہ گیروں کے پھل کھانے سے اور گرے ہوئے پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھانے سے چشم پوشی کر لیتے تھے۔ الا یہ کہ وہ خود چن رہا ہو یا لوگوں کو لینے سے منع کر رہا ہو۔ ①

۲۔ فصل استعمال کرنا...... جو کوئی کھیتی کے پاس سے گزرے اور حاجت کی وجہ سے اس میں سے کھانا چاہے اس کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ کھیتی کی فصل کھانا جائز نہیں۔ رخصت پھلوں میں ہے کھیتی میں نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کھیتی کے استعمال کے بارے میں ہم نے کچھ نہیں سنا۔ پھل اور کھیتی میں فرق یہ ہے کہ پھلوں کو اللہ تعالیٰ نے تازہ تازہ کھانے کے لئے پیدا کیا ہے اور دل ان کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جب کہ کھیتی کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ②

دوسری روایت یہ ہے کہ روندی ہوئی فصل کھانا جائز ہے اس لئے کہ عموماً یہ تازہ تازہ کھائی جاتی ہے۔ اس طرح یہ پھلوں کے مشابہ ہوگئی۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھلوں وغیرہ میں بہتر یہی ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر نہ کھائے جائیں۔ اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے اور بعض احادیث اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ دوسروں کے مویشی دوہنا...... جانوروں کا دودھ دوہنے میں بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ③

ایک روایت یہ ہے کہ حاجت مند کے لئے دوسروں کے مویشی دوھ کر پینا جائز ہے۔ لیکن ساتھ لے کر نہ جائے۔ اس لئے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ”تم میں سے کوئی اگر مویشیوں کے پاس سے گزرے، اگر مالک موجود ہو تو اس سے اجازت لے اگر وہ اجازت دے دے تو دودھ دوھ کر پی لے۔ اگر مالک نہ ہو تو تین مرتبہ آواز لگائے۔ اگر کوئی جواب دے تو اس سے اجازت لے۔ اگر جواب نہ ملے تو دودھ دوھ کر پی لے اور ساتھ لے کر نہ جائے۔“ ④

دوسری روایت یہ ہے کہ دودھ دوہنا اور پینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”کوئی بھی کسی کے جانور بلا اجازت نہ دوہے۔ کیا کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی جگہ پر آیا جائے، ذخیرہ توڑا جائے اور کھانا لے جایا جائے۔ ان لوگوں کے مویشیوں کے تھن ان کے لئے کھانا ذخیرہ کرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی کسی کے مویشی بلا اجازت نہ دوہے۔“ یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ”اس لئے کہ ان کے مویشیوں کے تھنوں کا دودھ گھر کی چیزوں کی طرح ہے۔“ ⑤

چوتھا مقصد...... ولیموں اور منکرات والی ضیافتوں کی دعوتیں قبول کرنا اور کھانے کے آداب

اول: ولیموں اور منکرات والی ضیافتوں کی دعوتیں قبول کرنا...... ولیموں کی دعوت قبول کرنا مشروع ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”سب سے برا کھانا ایسے ولیمے کا کھانا ہے جس میں آنے والوں کو روک لیا جاتا ہے اور نہ آنے والوں کو بلایا جاتا ہے۔ جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی۔“ ⑥ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شادی کا ولیمہ

① ......الاشباہ والنظائر للسیوطی: ص ۸۱۔ ② المغنی: ۵۹۹/۸۔ ③ المغنی: ۵۹۹/۸۔ ④ المغنی: ۵۹۹/۸۔ ⑤ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ⑥ متفق علیہ۔

سنت ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب شادی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''ولیمہ کرو! چاہے بکری ہی کیوں نہ ہو۔'' ❶ شافعیہ اس حدیث کی وجہ سے ولیمے کو واجب کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض مستحب کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک خوشی کے موقع کا کھانا ہے۔ اس لئے دوسری دعوتوں کی طرح واجب نہیں ہوگا۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ ❷

حنفیہ کے نزدیک دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ ❸ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے بشرطیکہ اس میں منکرات اور لہو ولعب نہ ہو۔ ❹ مالکیہ کے نزدیک ❺ ولیمے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے۔ اپنے حلقہ احباب کو دوستی میں دی جانے والی دعوت قبول کرنا مستحب ہے۔ عقیقہ وغیرہ کی دعوت قبول کرنا جائز ہے۔ فخر مباہات کے لئے کی جانے والی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے۔ اور ایسے آدمی کی دعوت قبول کرنا حرام ہے جس کا ہدیہ لینا حرام ہو جیسے مقروض کا ہدیہ اور فریقین میں کسی ایک کا ہدیہ قاضی کے لئے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ تفصیل حسن ہے۔

کھانے سے فارغ ہونے والے کے لئے کھانا کھلانے والے کے لئے دعا کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاں افطاری کی اور فرمایا:

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکة

''(اللہ کرے) روزے دار آپ کے ہاں افطار کریں، فرشتے آپ کے لئے دعائے مغفرت کریں اور نیک لوگ آپ کا کھانا کھائیں۔''

دعوت قبول کرنے سے مانع گناہ...... اگر دعوت کی مجلس میں جانے سے پہلے معلوم ہو کہ وہاں گناہوں کا ارتکاب ہوگا مثلاً لھو ولعب، گانا بجانا اور موسیقی ہوگی، مجسمے لگے ہوں گے، دیواروں، پردوں اور تکیوں پر تصویریں ہوں گی...... تو نہ جائے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میری امت میں لازماً کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو شراب، خنزیر، ریشم اور گانے بجانے کے آلات کو حلال سمجھیں گے۔'' ❻ دوسرے الفاظ یوں ہیں۔ ''میری امت کے کچھ لوگ شراب نام بدل کر پیا کریں گے، ان کے سامنے گانا بجانا ہوگا اور گانے گانے والیاں گایا کریں گی۔ ❼ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دیں گے۔ اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔ ❽

اگر دعوت میں آنے کے بعد اچانک گناہ شروع کر دیا جائے...... اگر وہ دسترخوان پر ہو جیسے شراب تو وہاں نہ بیٹھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ ...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور باقیوں نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ ترجمہ ''سب سے برا کھانا ولیمے کا کھانا ہے، جس میں مالداروں کو بلایا جاتا ہے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (نصب الرایة: ۲۲۱/۴) ❷ اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب ستہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❸ المغنی: ۲/۷۔ ❹ تکملہ الفتح: ۸۷/۸، تبین الحقائق: ۱۳/۶۔ ❺ المہذب: ۶۴/۲، المغنی: ۲/۷، مغنی المحتاج: ۲۴۵/۳۔ ❻ القوانین الفقھیہ: ص ۱۹۴، المہذب: ۶۴/۲۔۶۵، غایة المنتہیٰ: ۷۷/۳، الشرح الصغیر: ۵۰۰/۳ وما بعدھا۔ ❼ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن غنیم سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۹۲/۲) الخز: اون اور ریشم سے بنا ہوا کپڑا۔ ❽ آلات موسیقی کے بغیر گانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مطلقاً حرام ہے اور اس کو سننا گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں حدیثیں مطلق ہیں۔ اگر اچانک سن لے تو کوئی گناہ نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قافیوں کی سوجھ بوجھ اور فصاحت جیسے مقاصد کے لئے گانے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ تنہائی کی وحشت دور کرنے کے لئے جائز ہے لیکن لہو ولعب کے لئے جائز نہیں۔ یہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ اگر اشعار میں حکمتیں یا عبرتیں ہوں یا کسی غیر معین عورت کا ذکر ہو تو مکروہ نہیں (تبیین الحقائق: ۱۴/۶) شافعیہ کہتے ہیں کہ باجوں گانوں کی بغیر گانا مکروہ ہے۔ گانے کے بغیر بھی باجوں گاجوں کا استعمال حرام ہے۔ (المہذب: ۳۲۶/۲ وما بعد)

فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۸﴾

اس حدیث کو ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

''یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو'' اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دستر خوان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جس پر شراب پی جارہی ہو۔ اسی طرح پیٹ کے بل گر کر کھانے سے بھی منع فرمایا''

اگر وہ منکر دستر خوان پر نہ ہو بلکہ گھر میں ہو تو اگر روک سکتا ہو تو روکے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے۔ اگر استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو دل سے برا جانے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' ❶ اگر روک نہ سکتا ہو تو اگر وہ پیشوا ہو تو وہاں سے چلا جائے۔ بیٹھا نہ رہے۔ اس لئے کہ اس سے دین پر حرف آتا ہے اور مسلمانوں کے لئے گناہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ اگر پیشوا نہ ہو تو صبر سے وہیں بیٹھا رہے اور کھانا کھائے۔ اس لئے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ ❷

دوم: کھانے کے آداب..... سنت نبوی (علی صاحبها الصلوٰة والسلام) میں کھانے پینے کے بہت سے آداب آئے ہیں۔ جن میں سے بعض درج ذیل ہیں: ❸

کھانے پینے کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھنا سنت ہے۔ شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے۔ اگر شروع میں بھول جائے تو بسم اللہ اولہ' و آخرہ' کہے۔ بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھے تاکہ پاس والوں کو بھی تلقین ہو جائے۔ جب تک سب کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں الحمد للہ اونچی آواز سے نہ کہے۔ الحمد للہ یوں کہے:

الحمدلله حمداً كثيرا طيباً مباركاً فيه ❹ يا الحمدلله الذى اطعمنى وسقانى من غير حول منى ولاقوة

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا مستحب ہے۔ ان سب باتوں کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''بسم اللہ کہو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ'' ❺ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے: ''جب کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔'' ❻ کھانا اپنے سامنے سے ایک جگہ سے کھانا چاہئے الا یہ کہ طشتری میں مختلف قسم کے پھل رکھے ہوں تو جہاں سے چاہے کھائے۔ اس لئے کہ یہ مختلف قسمیں (الوان) ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے اس لئے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ❼ اسی طرح کم کھانا بھی مستحب ہے۔ اس لئے پیٹ کے تین حصے کر لئے جائیں۔ ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے۔ اسی طرح کھانا کھاتے

---

❶ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❷ تکملة الفتح، تبيين الحقائق: سابقہ جگہ، المهذب: ۲/۶۴، مغنى المحتاج: ۳/۲۴۷۔ ❸ الدر المختار ورد المحتار: ۵/۲۳۹، القوانين الفقهيه: ص ۴۳۶ وما بعدها، مغنى المحتاج: ۳/۲۵۰، ۴/۳۱۰، المغنى: ۸/۶۱۴۔۶۱۶۔ ❹ صحيح بخارى۔ ❺ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، شیخین رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۸/۱۶۱) ❻ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/۱۶۱) ❼ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہوئے دراز ہوکر نہ بیٹھے اور ٹیک نہ لگائے۔ ❶ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کھانے اور پینے میں پھونک نہ مارے۔ برتن میں سانس نہ لے۔ لقمے چھوٹے بنانے، زیادہ دیر چبانے اور اطمینان سے کھانے میں اپنے ساتھ والوں کی موافقت کرے۔ برتن کے منہ سے نہ پیئے۔ کھڑے ہوکر پینا جائز ہے لیکن افضل بیٹھ کر پینا ہے۔ اگر بہت سے لوگوں کو پانی پیش کیا جارہا ہوتو پہلے کے بعد دائیں طرف والے ترتیب سے لیتے جائیں۔

میٹھا کھانا، کھانے میں بہت سے ہاتھوں کو شریک کرنا، مہمان کا اکرام کرنا اور کھانے پر تھوڑی بہت اچھی گفتگو کرنا سنت ہے۔ بالکل خاموش رہنا مجوسیوں سے مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ ❷

اگر کھانا کسی دوسرے کا ہوتو اس کی برائی بیان کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے ایذا رسانی ہوتی ہے۔ اگر کھانا اپنا ہوتو مکروہ نہیں۔ برتن کی نچلی جانب سے کھانا سنت ہے۔ درمیان یا اوپر سے کھانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ برکت درمیان میں اترتی ہے۔ ❸ یہ بھی سنت ہے کہ کھانے پینے کی ابتداء اور انتہاء نمک سے کی جائے۔ اس لئے کہ اس سے ستر بیماریوں سے شفاء ملتی ہے۔ کھانے کے لئے بیٹھتے وقت بائیں ٹانگ بچھائے اور دائیں ٹانگ کھڑی کرے۔ گرم کھانا نہ کھائے اور کھانے کو سونگھے بھی نہیں۔

دوسری بحث: شرابیں......شرابوں سے متعلقہ بحث میں ان کے حلال حرام ہونے، مشکیزوں اور برتنوں میں نبیذ بنانے اور شراب کو سرکہ بنانے کا حکم بیان ہوگا۔

اول: شرابوں کا حکم......علماء کا اتفاق ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اصل اباحت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ:۲/۲۹)

''وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

لہٰذا آسمان سے برسنے والی، زمین سے ابلنے والی اور پھلوں پھولوں سے نچڑنے والی ہر چیز حلال ہے۔ تمام مذاہب (یہاں مذاہب کے مفتی بہ اقوال کا اتفاق مراد ہے یعنی حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مذاہب کے تمام ائمہ کرام) ❹ نشہ آور شرابوں کے حرام ہونے پر متفق ہیں چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ، کچی ہو یا پکائی ہو اور خمر (انگور کا نشہ آور شیرہ) ہو یا دوسری شرابیں ہوں جو کشمش، کھجور، شہد، انجیر یا اناج مثلاً گندم، گیہوں، مکئی وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں۔ حنفیہ کے سوا دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک شراب پینے والے پر حد جاری کی جائے گی چاہے کم پیئے یا زیادہ۔ جب کہ حدود کی بحث میں آئے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک خمر کے سوا دوسری شرابوں میں نشے کے بغیر حد نہیں لگے گی اور خمر تھوڑی پیئے یا زیادہ حد لگے گی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ہر نشہ آور چیز خمر یعنی شراب ہے۔ ❺ اور ہر خمر حرام ہے۔'' ''جس شراب کی تھوڑی مقدار نشہ آور ہوتو میں اس کی تھوڑی مقدار سے منع کرتا ہوں۔'' جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ آور ہوتو اس کی تھوڑی مقدار بھی

---

❶......امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔'' (نیل الاوطار: ۸/۱۶۱) ❷ حنفیہ فرماتے ہیں کہ ٹیک لگا کر کھانے کی تمام صورتیں خلاف سنت ہیں۔ ❸ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔ اس لئے کناروں سے کھایا کرو۔ درمیان سے نہ کھایا کرو۔ (نیل الاوطار: ۸/۱۶۰)

❹ البدائع: ۵/۱۱۷، نتائج الانکار: ۸/۱۶۰ ومابعدھا، الدر المختار: ۵/۳۲۳، اللباب: ۳/۲۱۵، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۵۷ و ما بعد، الشرح الکبیر والدسوقی: ۴/۳۵۲، القوانین الفقھیہ ص ۱۷۴، مغنی المحتاج: ۴/۱۸۷، المھذب: ۲/۲۸۶، المغنی: ۸/۳۰۴ وما بعدھا، کشاف القناع: ۶/۱۱۶ وما بعدھا۔ ❺ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا (نصب الرایۃ: ۴/۲۹۵)

حرام ہے۔" (1) "انگور کی بھی شراب ہوتی ہے۔ اور میں تمہیں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔" (2)

وہ تمام شرابیں حرام ہیں جو نقصان دہ ہوں جیسے زہر وغیرہ اور جو ناپاک ہو جیسے بہتا خون، پیشاب اور انسان کے سوا دیگر نہ کھائے جانے والے جانوروں کا دودھ اور وہ چیز جو ناپاک ہو جائے جیسے وہ مائع چیز جس میں نجاست پڑ جائے صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے کہ یہ انسان کے لئے نقصان دہ ہیں۔

شراب کو کسی اور چیز میں ملانا...... شراب ملا پانی پینا بالاتفاق حرام ہے اس لئے کہ اس میں شراب کے ذرات ہوتے ہیں ایسا پانی پینے والے پر تعزیر آئے گی۔ اگر شراب پانی سے زیادہ ہو تو حد واجب ہوگی۔ اس لئے کہ اس میں شراب کا نام بھی باقی ہے اور معنی بھی۔ اسی طرح پکی ہوئی شراب پینا بھی حرام ہے۔ اس لئے کہ پکانے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ اگر پی لی تو حد لازم ہوگی۔ اس لئے کہ شراب کا نام اور معنی دونوں باقی ہیں۔ (3)

حنفیہ کے نزدیک شراب سے گوندھی ہوئی روٹی کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ اس میں شراب کے ذرات ہوتے ہیں۔ ایسی روٹی کھانے والے پر تعزیر آئے گی۔ حنفیہ کے سوا دیگر آئمہ کے نزدیک یہ حرام ہے۔ البتہ حد بالاتفاق نہیں جاری ہوگی۔ اختلاف صرف نام دینے میں اور اصطلاح میں ہے۔ جو دلیل ظنی سے ثابت ہو جیسے قیاس اور خبر واحد سے تو حنفیہ اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں جس کے مرتکب کو عقاب ہوگا۔ جمہور اسے حرام کہتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک شراب کی پچکاری لگانا (4) اور ناک میں چڑھانا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ یہ حرام اور ناپاک چیز سے فائدہ اٹھانا ہے۔ لیکن اس سے حد واجب نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ حد پینے پر واجب ہوتی ہے۔ شافعیہ اور مالک کے نزدیک بھی شراب کی پچکاری لگانے اور ناک میں چڑھانے سے حد جاری نہیں ہوتی۔ حنابلہ کے نزدیک پچکاری لگانے سے حد نہیں آتی لیکن ناک میں چڑھانے سے حد آتی ہے۔ اس لئے کہ اس نے شراب حلق کے ذریعے سے اندر پہنچائی ہے۔ (5)

حنفیہ (6) کے نزدیک شراب کی تلچھٹ (7) پینا اور بالوں کی چمک بڑھانے کے لئے کنگھا کرتے ہوئے استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ اس میں شراب کے ذرات بکھرے پڑے ہیں۔ اور گزشتہ احادیث کی بنیاد پر تھوڑی شراب بھی زیادہ کی طرح ہے۔ لیکن اس کے پینے والے کو نشے کے بغیر حد نہیں لگائی جائے گی اسلئے کہ اس کو خمر نہیں کہا جاتا۔ حنفیہ کے سوا (8) دوسرے ائمہ کے نزدیک تلچھٹ پینا حرام ہے۔ اس کی وجہ سے حد جاری ہوگی۔ اس لئے کہ یہ بلاشبہ شراب ہے۔

زہریلی دوائیں...... (9) حنابلہ کے صحیح قول کے مطابق جن دواؤں میں زہر شامل ہوتی ہے اگر ان کے پینے یا استعمال کرنے سے آدمی عام طور پر مرجاتا ہو یا پاگل ہو جاتا ہو تو ان کا پینا مباح نہیں۔ اور اگر عام طور پر ان کے پینے سے آدمی صحیح وسالم رہتا ہو اور ان سے نفع کی بھی امید ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کا پینا مباح ہو، تا کہ اس سے زیادہ خطرناک چیز یعنی بیماری کو دور کیا جاسکے۔ اور اس لئے بھی کہ اکثر دواؤں سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان کو مباح اسی لئے کہا گیا ہے تا کہ ان سے زیادہ خطرناک چیز یعنی بیماری کو دور کیا جاسکے۔

---

(1)...... نو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (نصب الرایة: ۳۰۱/۴ وما بعد) (2) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی کے سوا تمام اصحاب سنن نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (التلخیص الحبیر: ص ۳۵۹) (3) سابقہ حوالے، مغنی المحتاج: ۱۸۸/۴، المغنی: ۳۰۶/۸۔ (4) تکملة الفتح: ۱۶۷/۸۔ (5) الشرح الکبیر: ۳۵۲/۴، مغنی المحتاج، المغنی گزشتہ جگہ، کشاف القناع: ۱۱۸/۶۔ یہ ملحوظ رہے کہ آخری حوالے میں، نشہ آور چیز کے حقنے سے یا ناک میں چڑھانے سے حد جاری ہونے کا لکھا ہوا ہے۔ (6) تکملة الفتح: ۱۶۷/۸۔ (7) دردی الخمر: شراب کا میٹالا پن یا گدلا پن: دردی الشی: آخر میں بچ جانے والی چیز۔ اس سے مراد شراب کے برتن سے نیچے بچ جانے والی تلچھٹ ہے۔ (8) مغنی المحتاج: ۱۸۸/۴۔ (9) المغنی: ۴۰۱/۱۔

منشیات.....تمام منشیات حرام ہیں۔منشیات سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جسم اور عقل کے لئے نقصان دہ ہو۔جیسے بھنگ، افیون وغیرہ۔اس لئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نشہ آور اور ست کرنے والی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔'' ❶ اور اس لئے بھی کہ منشیات عقل اور جسم کے لئے نقصان دہ ہیں۔ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نشہ آور چیزوں سے اعمال ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔سستی، ڈھیلا پن اور کمزوری آ جاتی ہے۔

منشیات.....یعنی نشہ آور چیزوں اور منشیات کے حکم سے مستثنیٰ چیزیں۔ضرورت کی وجہ سے تھوڑی سی نشہ آور چیز استعمال کرنا مباح ہے۔جیسے حلق میں اٹکے ہوئے لقمے کو اتارنے کے لئے..... جب کہ شراب کے علاوہ کوئی اور مشروب دستیاب نہ ہو۔اسی طرح ضرورت اور حاجت کے وقت الکحل ملی دوائیں استعمال کرنا مباح ہے۔جب کہ کوئی اور دواء میسر نہ ہو۔آپریشن کے لئے اور شدید درد کو آرام پہنچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال ضرورت کی وجہ سے مباح ہے چاہے حقنہ کیا جائے پیا جائے یا نگلا جائے۔

غیر نشہ آور شرابیں.....وہ تمام شرابیں جن میں نشہ نہیں ہوتا ان کا استعمال حلال ہے۔اس لئے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

غیر نشہ آور شرابوں میں سے ❷ منصف (وہ شراب جس کو پکا کر آدھا کر دیا گیا ہو) مکروہ تحریمی ہے۔یہ وہ شراب ہے جو چھوارے اور پختہ کھجور سے بنتی ہے۔اسی طرح خلیطان (دو مکس شرابیں) بھی مکروہ تحریمی ہیں۔یہ گدر کھجور اور پختہ کھجور یا چھوارے اور کشمش سے بنتی ہیں جب تک کہ جوش نہ آئے یا تین دن نہ گزریں۔اگر مدت کم ہو تو مکروہ نہیں لہٰذا نبیذ (یعنی چھوارے، کشمش یا اناج کو پانی میں ڈالنا) اگر اتنی تھوڑی مدت میں بنائی جس میں نشہ پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو جیسے ایک دن یا ایک رات تو مباح ہے۔اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کشمش بھگو کر رکھتے تھے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اسی دن، دوسرے دن اور تیسرے دن کی شام تک پیتے تھے۔پھر اس کو بہا دینے کا کہہ دیتے تھے۔

مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیطان (دو مکس شرابوں) سے منع فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے: ''سرخ ❸ اور زرد گدر کھجور اور پختہ کھجور ملا کر نبیذ نہ بناؤ۔اور نبیذ اور پختہ کھجور ملا کر نبیذ نہ بناؤ۔بلکہ ہر ایک کی علیحدہ نبیذ بناؤ۔'' ❹ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوارے اور کشمش اور چھوارے اور گدر کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔'' ❺ اور اس لئے بھی کہ مکس کرنے سے رنگ بدلنے سے پہلے ہی تیزی سے نشہ آ جاتا ہے۔پینے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ نشہ آور نہیں ہے حالانکہ وہ نشہ آور ہوتی ہے۔

فقاع، سوبیا اور نبیذ العنب.....مالکیہ اور حنابلہ ❻ نے تصریح کی ہے کہ فقاع پینے میں کوئی حرج نہیں۔(فقاع وہ شراب ہوتی ہے جو گیہوں اور چھوارے سے بنتی ہے۔بعض کے نزدیک اسے کہتے ہیں جس میں کشمش وغیرہ ڈال دی جائے یہاں تک کہ حل ہو جائے۔) اس لئے کہ یہ نشہ آور نہیں ہوتی۔یہ کھانا ہضم کرنے کے لئے بنائی جاتی ہے۔

ان حضرات کے نزدیک سوبیا بھی حلال ہے۔یہ چاول کو خوب پکا کر بنائی جاتی ہے یہاں تک کہ چاول پانی میں پگھل جاتے ہیں۔پھر اس کو صاف کیا جاتا ہے اور اس میں چینی ڈالی جاتی ہے تاکہ میٹھی ہو جائے۔

---

❶.....اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔❷ الشرح الکبیر لدردیر: ۲/۱۱۷، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۶۰ وما بعدھا، القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۴، مغنی المحتاج: ۴/۱۸۷، کشاف القناع: ۶/۱۲۰، المغنی: ۸/۳۱۸۔ ❸ الزھو: ایسی گدر کھجور جس میں سرخی یا زردی آ جائے اور تیار ہو جائے۔بسر (گدر کھجور) کھجور کی ایک معروف قسم ہے۔❹ متفق علیہ عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ (نیل الاوطار: ۸/۱۸۵) ❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۸/۱۸۵)۔❻ کشاف القناع: ۶/۱۲۰، المغنی: ۸/۳۱۸، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۵۹، المنتقیٰ علی المؤطا: ۳/۱۵۳۔

نبیذ العنب بھی حلال ہے۔ یہ انگور کا وہ پانی ہوتا ہے جس کو جوش دیا جائے یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے۔ اور ابتدائی جوش سے پیدا ہونے والا نشہ ختم ہو جائے۔ اس کو رب صامت/ فاموش شیرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ شرابیں اسی وقت حلال ہوتی ہیں جب نشے سے اطمینان ہو۔ اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شیرہ اور اس جیسے دوسرے مربہ جات مباح ہیں اس لئے کہ ان میں نشہ نہیں۔

دوم: مشکیزوں اور برتنوں میں نبیذ بنانا...... چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنانا (ایسی نبیذ جو فی نفسہ مباح ہو) علماء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے برتنوں میں اختلاف ہے۔

حنفیہ......حنفیہ کے ❶ نزدیک تمام برتنوں میں نبیذ بنانا جائز ہے۔ اگر چہ وہ ❷ دباء، حنتم، مزفت اور نقیر ہوں۔ (یہ برتنوں کے نام ہیں جن میں عرب نبیذ اور شراب بنایا کرتے تھے۔ وضاحت حاشیے میں ہے) اس لئے کہ ان میں بننے والی شراب میں سست کر دینے والی شدت نہیں ہوتی۔ ان برتنوں مین نبیذ بنانے کی ممانعت اس حدیث سے منسوخ ہے: ''میں تمہیں چمڑے کے برتنوں کے علاوہ (دیگر برتنوں) سے منع کرتا تھا۔ اب ہر برتن میں پیو۔ ہاں نشہ آور چیز نہ پیو! ❸ دوسری روایت میں ہے: ''میں تمہیں برتنوں سے منع کرتا تھا۔ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتا۔ ہاں نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔'' ❹

مالکیہ...... مالکیہ ❺ فرماتے ہیں کہ صرف دباء اور مزفت میں نبیذ بنانا مکروہ ہے۔ دیگر ٹھیکری کے برتنوں اور دوسرے برتنوں میں مکروہ نہیں۔ اگر چہ کافی مدت گزر جائے۔ جب تک نشے کا گمان نہ ہو۔ مکروہ ہونے کی علت یہ ہے کہ جس برتن میں نبیذ بنائی جا رہی ہو اس میں جلد نشہ آنے کا خدشہ ہو۔ ایسے ہی برتن پر کراہت کا حکم لگ سکتا ہے نہ کہ دوسروں پر۔

شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ اور حنابلہ کا قول بھی ❻ حنفیہ کی طرح ہے کہ ہر طرح کے برتن میں نبیذ جائز ہے۔

سوم: شراب کا سرکہ بن جانا اور بنانا

خود بخود سرکہ بن جانا......فقہاء کا اتفاق ہے کہ شراب جب خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کو کھانا جائز ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔ ❼ اگر شراب دھوپ سے سایے کی طرح یا اس کے برعکس منتقل کی جائے اگر چہ سرکہ بنانے کی نیت ہو تو حنفیہ، شافعیہ، ظاہریہ اور حنابلہ کے ایک قول کے مطابق سرکہ حلال ہوگا۔ اس لئے کہ ناپاک اور حرام ہونے کی علت۔ نشہ ختم ہوگئی اور اس کی جگہ برتن میں کوئی نجاست نہیں آئی۔ اس لئے یہ حلال ہو گیا۔ حنابلہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا سرکہ پاک نہیں۔ اس لئے کہ یہ شراب فعل سے سرکہ بنی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اس میں کوئی ❽ چیز ڈال کر سرکہ بنایا جائے۔ (جو کہ ان کے نزدیک جائز نہیں)

---

❶...... تکملة الفتح: ۱۶۶/۸، اللباب شرح الکتاب: ۲۱۶/۳۔ ❷ الدباء: خشک کدو سے بنایا ہوا برتن۔ الحنتم: سبز رنگ کا روغن لگا مٹکا۔ المزفت: وہ برتن جس کو روغن قار لگایا ہوا ہو۔ یہ شراب میں جلد تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ النقیر: لکڑی میں کھود کرید کر کے پیالے کی طرح بنا دینا۔ ❸ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (نصب الرایة: ۳۰۸/۴ وما بعدہ، نیل الاوطار: ۱۸۳/۸) ❹ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے سوا بہت سے محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❺ الشرح الکبیر: ۱۱۷/۲، بدایة المجتهد: ۴۶۰/۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۴۔ ❻ شرح مسلم للنووی رحمة الله علیه: ۱۵۸/۱۳، کشاف القناع: ۱۲۰/۶، المغنی: ۳۱۸/۸۔ ❼ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے روایت کیا (نصب الرایة: ۳۱۰/۴) ❽ دیکھئے: المبسوط: ۲۲/۷، البدائع: ۱۱۳/۵ وما بعدھا، تکمله الفتح: ۱۶۶/۸، تبیین الحقائق: ۴۸/۶، الدرالمختار: ۳۲۰/۵، مغنی المحتاج: ۸۱/۱، شرح المحلی علی المنهاج: ۷۲/۱، بدایة المجتهد: ۴۶۱/۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۵، منتقی الموطا: ۱۵۳/۳، المغنی: ۳۱۹/۸، المحلی: ۱۱۸/۱۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کے سرکہ بن جانے کی پہچان یہ ہے کہ کڑواہٹ کھٹاس میں بدل جائے۔ بایں طور کہ کڑواہٹ بالکل باقی نہ رہے۔ اگر کچھ کڑواہٹ باقی ہو تو پینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک شراب اس وقت تک سرکہ نہیں بنتی جب تک اس میں شراب کی پوری حقیقت نہ آجائے جیسا کہ شراب کی حد میں آئے گا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھوڑی سی کھٹاس آنے سے بھی شراب سرکہ بن جاتی ہے۔ وہ شراب میں سرکے کے وصف کا ظہور کافی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک شیرے میں شراب کی علامت ظاہر ہونے سے شیرہ شراب بن جائے گا۔ بظاہر دیگر فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔

شراب کو سرکہ بنانا...... شراب کو فعل سے سرکہ بنانے کے لئے اس میں کوئی چیز مثلاً نمک، سرکہ، مچھلی، گرم روٹی یا پیاز ڈالا جائے یا اس کے قریب آگ جلائی جائے جس سے وہ کھٹی ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور اس کا پینا حلال ہے اس لئے کہ یہ اصلاح ہے اور اصلاح مباح ہوتی ہے۔ حنفیہ اس کو کھال کی دباغت پر قیاس کرتے ہیں کہ دباغت کھال کو پاک کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ''جس کھال کی دباغت کی گئی وہ پاک ہو جاتی ہے۔'' ❶ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ بکری کی کھال کے بارے میں فرمایا: ''اس کی دباغت اس کو پاک کر دے گی جس طرح شراب کا سرکہ پاک ہو جاتا ہے۔'' ❷

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کا سرکہ بنانے کی اجازت دی۔ اور شراب کے سرکے کا حلال ہونا شرعاً ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے۔'' ❸ اور گزشتہ حدیث: ''سرکہ بہترین سالن ہے'' خود بخود سرکہ بننے اور بنانے میں فرق نہیں کرتی۔ لہٰذا نص مطلق ہوئی۔

اور اس لئے بھی کہ سرکہ بنانے سے فساد والا وصف ختم ہو جاتا ہے اور شراب کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور اصلاح کرنا مباح عمل ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔ اس لئے کہ یہ شراب کو بہا دینے کے مشابہ ہے۔

جب شراب سرکہ بن گئی تو تبعاً اس کے گرد والا برتن بھی پاک ہو جائے گا جیسا کہ برتن کا اوپر والا حصہ (یعنی وہ حصہ جس سے نیچے نیچے شراب تھی) پاک ہے۔

مالکیہ...... مالکیہ کے ہاں شراب کو فعل سے سرکہ بنانے کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک قول ممانعت اور حرمت کا ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی نے شراب کی چھاگل ہدیہ کی تو آپ نے اسے گرانے کا حکم دیا۔ ❹ اگر اس کا سرکہ بنانا جائز ہوتا تو اس کو بہا دینا درست نہ ہوتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سرکہ بنانے کا کہتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ شراب کو سرکہ بنانے کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے کہ شراب کے حرام ہونے کی علت نشہ تھی۔ جب علت ختم ہو گئی تو حرمت بھی ختم ہو گی۔ جیسے اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے۔

تیسرے قول میں تفصیل ہے، اس شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے جو مالک کے ہاں خود بخود بن گئی تھی۔ شراب بنانے کا ارادہ نہیں تھا۔ اور اس

---

❶...... اس کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن اسناد کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❷ اس کو دارقطنی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ (نصب الرایۃ: ۱/۱۱۹، ۴/۳۱۱) ❸ اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے المعرفہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کی روایت میں مغیرہ بن زیاد متفرد ہیں اور وہ قوی نہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ اہل حجاز انگور کے سرکے کو شراب کا سرکہ کہتے تھے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۳۱۱) ❹ اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۸/۱۶۹) الراویۃ: یہ پانی کی بڑی مشک کو کہتے ہیں جو تین کھالوں سے بنتی ہے۔ اس میں پانی رکھا جاتا ہے۔

شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں جو خود نہ بنی ہو بلکہ اسے بنایا گیا ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شراب کا اپنے فعل سے سرکہ بنانا جائز نہیں۔ اور نہ ہی وہ اس سے پاک ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہمیں شراب سے اجتناب کرنے کا حکم ہے۔ جب کہ سرکہ بنانے سے آدمی مال بنانے کے لئے شراب کے قریب ہو جاتا ہے۔ یہ اجتناب کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شراب میں ڈالی جانے والی چیز اس سے ملتے ہی ناپاک ہو جائے گی۔ اور یہ سرکہ بننے کے بعد اسے ناپاک کر دے گی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب شراب کی حرمت پر سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو بہا دینے کا حکم دیا۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیموں کے حوالے سے پوچھا کہ انہیں وراثت میں شراب ملی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کو بہا دو'' انہوں نے پوچھا کیا میں اس کا سرکہ نہ بنا دوں۔'' فرمایا ''نہیں۔'' ❶ یہ نہی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہوتی تو اس کو بہا دینا جائز نہ ہوتا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف رہنمائی فرماتے، بالخصوص اس وقت کہ یہ یتیموں کا مال تھا جس میں زیادتی حرام ہے۔ ❷

تیسری بحث: لباس، استعمال اور زیور......لباس اور زیب و زینت میں اصل اباحت ہے۔ چاہے یہ کپڑے میں ہو، بدن میں یا جگہ میں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا......البقرۃ: ۲/۲۹

''وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے، تمہارے لئے پیدا کیا۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ......الاعراف: ۷/۳۲

''تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو، جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

اسی طرح ارشاد باری ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا......الاعراف: ۷/۲۶

''اے اولاد آدم کی! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرم گاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے۔''

''ریش'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ہر ظاہری کپڑے اور سامان کو کہتے ہیں جسے پہنا جائے یا بچھایا جائے۔

مذاہب کے آئمہ کرام کا اتفاق ہے ❸ کہ برتنوں، کتابت اور زیب و زینت وغیرہ کے سامان میں سونے چاندی کا استعمال مردوں عورتوں کے لئے حرام ہے۔ سوائے خرید و فروخت کے۔ لہٰذا سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، تیل لگانا، سرمہ لگانا، خوشبو لگانا اور وضو کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح سونے چاندی کی گھڑیاں، قلم، اسٹیشنری، آئینے اور بناؤ سنگھار کا سامان استعمال کرنا جائز نہیں۔ اپنے گھروں اور بیٹھکوں کی سونے چاندی سے آرائش جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔'' سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ہی ان کے برتنوں ❹ میں کھاؤ اس لئے کہ یہ دنیا میں کافروں کے لئے ہیں اور آخرت میں تمہارے لئے ہیں۔'' ❺ ایک اور حدیث میں ہے: ''چاندی کے

---

❶......اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔ (نصب الرایۃ: ۴/۳۱۱) ❷ دیکھئے فقہی انسائیکلوپیڈیا کویت میں شرابوں کے بارے میں میرا مقالہ۔ مقالات میں سے یہ پہلا مقالہ شائع ہوا ہے۔ ❸ دیکھئے تکملة الفتح ۸/۸۱۔۸۲، اللباب: ۴/۱۵۹ ومابعدها، شرح الرسالہ لابن ابی زید القیروانی: ۲/۳۷۱۔۳۷۳، حاشیة الباجوری علی ابن القاسم: ۱/۴۲، المغنی: ۱/۷۵۔۷۸، المهذب: ۱/۱۱ مابعدها، بجیرمی الخطیب: ۳/۲۹۴ ومابعدها۔ ❹ الصحاف: صحفة کی جمع ہے۔ الصحفہ وہ برتن جو پانچ آدمیوں کو سیر کر دے۔ ❺ متفق علیه عن حذیفة بن الیمان رضی اللہ عنه (سبل السلام: ۱۰/۲۹)

برتن میں پینے والا اپنے پیٹ میں غٹا غٹ جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔'' ❶

شافعیہ اور حنابلہ نے حنفیہ کے برخلاف سونے اور چاندی کے برتن رکھنا حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے ان کو رکھنا ان کے استعمال تک لے جاتا ہے۔ جس چیز کا استعمال مطلقاً حرام ہے اس کو قابل استعمال بنانا بھی حرام ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ ان کو رکھنا حرام ہے چاہے تجارت کے لئے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ہر ایک کے لئے منع ہے۔ اس کے برعکس ریشم کو تجارت کے لئے رکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کا استعمال ہر ایک کے لئے ممنوع نہیں۔

مستثنیات..... ضرورت اور حاجت کی وجہ سے سونے چاندی کی حرمت سے درج ذیل امور مستثنیٰ ہیں:

۱..... ناک کٹ جائے یا دانت گر جائے تو اس کے لگانے میں سونے چاندی کا استعمال جائز ہے۔ یہ جمہور کی رائے ہے۔ حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دانت سونے سے نہ باندھے جائیں بلکہ چاندی سے باندھے جائیں۔ حنفیہ مزید فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کے نگینے کو مضبوط کرنے کے لئے سونے کی کیل لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ اس کے تابع ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی کی دھار جس سے نگینے کو مضبوط کیا جاتا ہے..... حرام ہے۔

۲..... سونے چاندی سے آلات کا ملمع کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔ بشرطیکہ اتنا تھوڑا ہو کہ آگ پر گرم کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو۔ یا اس کو جدا نہ کیا جا سکے۔

۳..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چاندی سے ملمع یعنی مزین کیے ہوئے برتن میں پانی پینے اور وضو کرنے کو، اسی طرح ایسی زمین پر سوار ہونے کو اور ایسی چارپائی پر بیٹھنے کو جائز کہا ہے۔

۴..... انہوں نے ایسے برتن اور کرسی کو بھی جائز کہا ہے جس پر سونے اور چاندی کا پتر چڑھا ہوا ہو۔ یہی حکم ہے کہ اگر اس کو تلوار میں یا آئینے کے حلقے میں رکھا جائے یا قرآن مجید پر سونے یا چاندی کا ملمع کیا جائے اسی طرح لگام، رکاب اور سونے چاندی کی لکھائی والے کپڑے کا بھی یہی حکم ہے۔ سونے کے پانی سے قرآن مجید کو آراستہ کرنا اور مسجد کے نقش ونگار اور آرائش کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مقصود تعظیم ہو اگر دکھلاوہ مقصود ہو تو مکروہ ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ موتی تلوار اور قرآن مجید کی چاندی سے (سونے سے نہیں) آرائش میں کوئی حرج نہیں البتہ لگام چھری اور زین وغیرہ میں درست نہیں۔ ان کے نزدیک سونے چاندی کا پانی چڑھائی ہوئی چیز اور سونے چاندی کا پتر چڑھائے ہوئے برتن کے بارے میں دو قول ہیں ایک ممانعت کا اور دوسرا کراہت کا۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کے ملمع کئے ہوئے برتن کو آگ پر رکھنے سے کچھ حاصل ہو تو حرام ہوں گے ورنہ حلال۔ چاندی کے پتر ❷ والے برتن کا پتر اگر عرف کے مطابق بڑا ہو اور زیب وزینت کے لئے ہو تو حرام ہے اگر بڑا ہو لیکن ضرورت کے لئے ہو تو کراہت کے ساتھ بڑے اگر چھوٹا ہو اور زینت کے لیے ہو تو مکروہ ہے اگر ضرورت کے لئے ہو تو مکروہ نہیں دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم الاحول سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ''میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ دیکھا وہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے چاندی سے جوڑ دیا۔''

---

❶..... متفق علیہ عن ام سلمة رضی اللہ عنها (نصب الرایه: ۴/ ۲۲۰، سبل السلام: ۱/ ۳۰) الجرجرة: پانی کے پیٹ میں جانے کی آواز، غٹا غٹ۔ ❷ کہا جاتا ہے ضبب الاناء والباب ونحوهما: یعنی برتن اور دروازے وغیرہ کو مضبب کیا گیا۔ یعنی اسے بکی لگا کر ٹھیک کیا گیا۔ ملمع کرنے سے زیب وزینت مقصود ہوتی ہے جب کہ مضبب کرنے سے مضبوطی مقصود ہوتی ہے۔

سونے کا پتر کسی صورت جائز نہیں چھوٹا ہو بڑا ضرورت کے لئے ہو یا زیب وزینت کے لئے سارا سونے کا ہو یا کچھ حصہ سونے کا ہو۔ اگرچہ سرمے کی سلائی جتنا ہو۔

چاندی سے قرآن مجید کی آرائش مرد عورت دونوں کے لئے جائز ہے۔جنگی آلات جیسے تلوار نیزہ کمر بند وغیرہ کی چاندی سے سجاوٹ مردوں کے لئے جائز ہے اس لئے کہ اسے کفار کو تپ چڑھتی ہے البتہ یہ عورتوں کے لئے جائز نہیں۔ جو جنگی آلات پہنے نہیں جاتے جیسے زین لگام وغیرہ ان کی سجاوٹ جائز نہیں عورت کے لئے قرآن مجید کی سونے سے سجاوٹ بھی جائز ہے۔

نوٹ......سجاوٹ اور آرائش سے پتلے پتلے ٹکڑے رکھنا مراد ہے۔

دیواروں اور چھت پر سونے چاندی کا پانی چڑھانا حرام ہے چاہے آگ کے گرم کرنے سے کچھ نکلے یا نہ نکلے کعبہ اور دوسری مساجد کو سونے چاندی سے آراستہ کرنا حرام ہے۔اسی طرح ان کو سونے چاندی کے تاروں پر ریشمی کپڑے کا پہنا وا پہنانا بھی حرام ہے۔

حنابلہ کا قول شافعیہ کی طرح ہے کہ زیادہ سونے چاندی سے بنے ہوئے پتر والی چیزیں حرام ہیں چاہے حاجت ہو یا نہ ہو۔صرف ضرورت کے لئے تھوڑا سا سونا مباح ہے جیسے سونے کی ناک اور دانت باندھنے کا تار تھوڑی سی چاندی لوگوں کی حاجت کے لئے مباح ہے۔

فقہاء نے سونے چاندی کے حرام ہونے کی علت تکبر اور فضول خرچی بتائی ہے۔زیادہ صحیح علت یہ ہے کہ سونا چاندی اشیاء کی قیمتوں اور رائج الوقت نقدی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اگر اس کا استعمال مباح کر دیا جائے تو بازاروں پر اس کا اثر پڑے گا اور لوگوں کو پریشانی ہوگی۔

سونے چاندی کے علاوہ دوسری نفیس چیزوں کے برتن استعمال کرنا جائز ہے جیسے یاقوت، زمرد، شیشہ، بلور، عقیق، زبرجد، مرجان، موتی، تانبے اور سیسے وغیرہ کے برتن اس لئے کہ ان میں سونے چاندی والی بات نہیں پائی جاتی اور اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تانبے کے برتن سے وضو فرمایا۔ ❶

ریشم اور سونے چاندی کی انگوٹھی پہننا......مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے عورتوں کے لئے ریشم اور ہر طرح کی انگوٹھی پہننا اور سونے چاندی کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے۔ ❷ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔'' ❸ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔ ❹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا'' جو آگ کے انگارے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے اپنے ہاتھ میں پہن

---

❶......شیخین رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے ان کے لئے پیتل کے برتن میں پانی نکالا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا'' ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں :میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیتل کے برتن میں غسل کیا کرتے تھے۔نوز: پینے کا ایک برتن۔ الصفر: پیتل۔ الشبہ: ابھا والا پیتل۔ ❷ تکملة الفتح: ۸/۸۳، ۹۱۔۹۷، اللباب: ۴/۱۵۷۔۱۵۸ ،تبیین الحقائق: ۶/۱۴ وما بعدها: الدر المختار: ۵/۲۵۵، شرح الرساله: ۲/۳۷۱ وما بعدها، المنتقى على المؤطا: ۷/۲۵۴ ،المهذب: ۱/۱۱ بجير مى الخطيب: ۲/۲۲۷۔۲۳۰،۲۹۵، نيل الا وطار: ۲/۸۱۔۸۳، الدر المباحة فى الحظر والا باحة للشيبانى الخلاوى : ص ۲۴ وما بعدها، كشاف القناع: ۲/۲۷۵۔۲۷۹، المغنى: ۱/۵۸۸۔۵۹۱. ❸ اس کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ترمذی نے اس کو دوسرے الفاظ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اس معنی میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ (نصب الراية : ۴/۲۲۲۔۲۲۵) ❹ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔(نصب الراية: ۴/۲۳۵)

لے۔'' ❶ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' دنیا میں ریشم وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہو۔'' ❷

مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی...... مذاہب کے ائمہ کرام نے مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کو مستثنیٰ کہا ہے اور اس کا پہننا مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ چاندی تھوڑی ہو۔ اس کی مقدار حنفیہ کے ہاں ایک مثقال (۲،۹۷۵ گرام) اور اس سے کم کم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اگر دو درہم سے زیادہ نہ ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مقصود ہو تو جائز ہے۔ شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق اس کی مقدار مثقال سے کم ہے۔ درحقیقت اس میں عرف عام پر اعتماد کیا جائے گا۔ چاہے مثقال سے کم ہو یا زیادہ اگر عرف اور عادت سے زیادہ ہو تو حرام ہوگی۔ انگوٹھی دائیں ہاتھ کی چھنگلیا (چھوٹی انگلی) میں پہنیں اگر کسی انگلی میں پہنی تو شافعیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ سلطان قاضی اور حاجت مند کے سوا دوسروں کے لئے انگوٹھی نہ پہننا بہتر ہے۔ اور حاجت سے مراد مہر لگانا وغیرہ ہے۔

مردوں کے لئے شادی منگنی وغیرہ کسی حال میں بھی سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اگر غیر مسلموں کی پیروی مقصود ہو تو حرمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

حنفیہ...... کے نزدیک انگوٹھی کی طرح چاندی والا پٹکا (جس سے مرد کمر باندھتے ہیں) چاندی والا پٹکا استعمال کرنے اور تلوار میں چاندی کا زیور لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ چاندی والی جگہ پر ہاتھ نہ لگے اس لئے کہ ان کی اباحت میں بھی کئی روایات وارد ہوتی ہیں۔

انگوٹھی کے بارے میں صحاح ستہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی سے ایک انگوٹھی بنائی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔ اس میں محمد رسول اللہ نقش تھا۔

تلوار کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو امام ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔''

پٹکے کے بارے میں ابن سید الناس الیعمری العمری عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چمڑے کا پٹکا تھا۔ جس کے تین حصے بنے ہوئے تھے۔ اس کا حلقہ، بکسوا اور طرف چاندی کے تھے۔ ❸

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ریشم کا تکیہ بنانے بچھونا بنانے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اس میں اس کا استخفاف اور تذلیل ہے۔ تو یہ چٹائی کی تصویروں کی طرح ہو گیا کہ اس پر بیٹھنا جائز ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ریشم کا تکیہ یا بچھونا بنانا یا اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نہی عام ہے اور اس لئے کہ یہ ان عجمیوں کا لباس ہے جن کا خیر میں کچھ حصہ نہیں۔

صاحبین کے نزدیک جنگ میں ضرورت کی وجہ سے دیباج پہننے میں کوئی حرج نہیں (دیباج وہ ریشمی کپڑا ہے جس کا تانا بانا دونوں ریشم کے ہوں یعنی اچھا والا ریشمی کپڑا) اس لئے کہ جنگ میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ لوہے کے اثر انداز ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے اور دشمنوں کے دلوں میں رعب پیدا کرتا ہے۔ یہ اپنی چمک دمک کی وجہ سے دشمن کو ہیبت زدہ کرتا ہے۔ حضرت حکم بن عمیر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں ریشمی لباس کی رخصت دی ہے ❹ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکروہ کہا ہے۔ اس لئے کہ نہی عام ہے اور ضرورت مخلوط کپڑے سے پوری ہو جاتی ہے۔

---

❶......صحیح مسلم (نصب الرایۃ: ۲۲۵/۴) ❷ اس کو شیخین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۲۲/۴) ❸ الابزیم: جو پٹکے وغیرہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ اس کا منہ ہوتا ہے جس میں دوسری طرف داخل ہوتی ہے۔ ❹ اس کو ابن عدی نے الکامل میں روایت کیا ہے۔ اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے لیکن ان سے بھی'' غریب'' ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۳۷/۴)

حنفیہ نے جنگ اور عام حالات دونوں میں ملحم کپڑا پہننے کو مباح کہا ہے یہ ایسے مخلوط کپڑے کو کہتے ہیں جس کا تانا ریشم اور بانا ریشم کے علاوہ کسی اور کا ہو۔ جیسے کاٹن، سوت یا خز (ریشم ملی اون کا کپڑا جس کا تانا ریشم اور بانا اون کا ہوتا ہے) اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خز یعنی ریشم ملی اون کا کپڑا پہنا کرتے تھے۔ اور اس لئے بھی کہ بنائی بانے سے ہوتی ہے اور اعتبار بھی اسی کا ہوتا ہے نہ کہ تانے کا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو کہ بانا ریشم ہو اور تانا ریشم کا نہ ہو تو حالت امن میں اس کا پہنا جائز نہیں اور جنگ میں پہننے میں حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق کوئی حرج نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ریشم کی قلیل مقدار جائز ہے اس لئے کہ تھوڑا معاف ہوتا ہے اس کی مقدار تین چار انگل ہے جیسے دھاری، حاشیہ ترپائی وغیرہ۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سوائے دو انگل، تین انگل یا چار انگل جتنی'' ❶ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جبہ پہنا ہوا تھا جس کی ترپائی ریشم سے کی ہوئی تھی۔ ❷

ضرورت کی وجہ سے ستر چھپانے اور جسم کو گرمی سردی سے بچانے کے لئے ریشم پہننا جائز ہے۔ تا آنکہ دوسرے مباح کپڑے مل جائیں۔ اس لئے کہ ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام مباح ہو جاتے ہیں۔ اور ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک جوؤں اور ان جیسی کسی تکلیف یا خارش اور اس جیسی کسی بیماری کو دور کرنے کے لئے ضرورت کی وجہ سے ریشم پہننا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کھجلی کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی۔ ❸ مالکیہ کے نزدیک اس مقصد کے لئے بھی جائز نہیں۔ یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ولی کے لئے مکروہ ہے کہ مذکر بچوں کو سونا چاندی اور ریشم پہنائے۔ اس لئے کہ مردوں کے لئے یہ چیزیں حرام ہیں۔ جب پہننا حرام ہے تو پہنانا بھی حرام ہوگا۔ جیسے شراب کہ اس کا پینا حرام ہے تو پلانا بھی حرام ہے۔

حنابلہ کے صحیح قول کے مطابق ولی کے لئے بچوں کو ریشم پہنانا حرام ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''ریشم کا استعمال میری امت کے مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔'' امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ''ہم ریشمی لباس لڑکوں سے اتار دیتے تھے اور لڑکیوں پر چھوڑ دیتے تھے۔''

جمہور...... حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک ریشم پر بیٹھنا، اس کا تکیہ بنانا، اس سے ٹیک لگانا اور اس سے دیواروں کے پردے بنانا حرام ہے۔ ہاں مالکیہ نے کھڑکی کے پردے کی اور حنابلہ نے خانہ کعبہ کے پردے کی اجازت دی ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو جیسے کاٹن، اون یا سوت کی چادر وغیرہ تو ریشم پر بیٹھنا جائز ہے۔ اس پر جمہور کی دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے، ریشم سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔'' ❹

حنفیہ کی طرح جمہور نے بھی ریشم کی قلیل مقدار جائز قرار دی ہے۔ جیسے چار انگل کی مقدار نقش ❺ ونگار مالکیہ کے نزدیک ریشم ملی اون (خز) کا لباس کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ سلف کا لباس رہا ہے۔ جمہور کے دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص ❻ ریشم کے کپڑے سے منع

---

❶ ...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نصب الرایۃ: ۴/۲۲۵)۔ ❷ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عبداللہ ابی عمر، مولی اسماء بنت ابی بکر سے روایت کیا ہے۔ اس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے (نصب الرایۃ: ۴/۲۲۶) ❸ اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے۔ لیکن ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، الفاظ یہ ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوؤں کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دے دی۔ (نیل الاوطار: ۲/۸۸) ❹ صحیح بخاری (نیل الاوطار: ۲/۸۵) ❺ العلم: اعلمت الثوب: یعنی میں نے اس کے نقش ونگار اور ڈیزائن وغیرہ بنائے۔ علم علامت کو کہتے ہیں۔ ❻ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا: (نیل الاوطار: ۲/۹۰)

فرمایا: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کپڑے کے تانے اور نقش ونگار (کے ریشمی ہونے) میں ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے۔'' ❶

ریشم اور غیر ریشم سے بنے گئے کپڑے میں شافعیہ اور حنابلہ غالب کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر غیر ریشم یعنی کاٹن وغیرہ زیادہ ہو تو جائز ہوگا۔ اس لئے کہ ریشم ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ مالکیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ مخلوط ریشمی کپڑا خالص کی طرح مکروہ ہے چاہے ریشم کم ہو یا زیادہ۔ حنابلہ کا راجح قول حنفیہ کی طرح ہے کہ بچے کے ولی کے لئے اس کو ریشم پہنانا جائز نہیں۔ شافعیہ نے بچے اور مجنون کو ریشم پہنانے کی اجازت دی ہے اس لئے کہ یہ غیر مکلف ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مردوں کے لئے زرد رنگ میں رنگا ہو کپڑا اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا، سرخ اور پیلا مکروہ ہے۔ عورتوں کے لئے مکروہ نہیں۔ وہ سارے رنگ پہن سکتی ہیں۔

چوتھی بحث ...... ہمبستری کرنا، دیکھنا، چھونا، لہو ولعب، تصویر، جانور کو نشان لگانا، گودنا، بالوں کے اور بال اکھیڑنے کے احکام اور سلام کرنا

اول: ہمبستری کرنا...... اگر کوئی عذر نہ ہو تو مرد پر اپنی بیوی سے فائدہ حاصل کرنا واجب ہے۔ تاکہ پاکدامن رہ سکے اور گناہ سے بچ سکے۔ ہم بستری کے تمام طریقے جائز ہیں۔ البتہ پچھلے راستے سے ہمبستری کرنا حرام ہے۔ ہمبستری کی جگہ بالاتفاق آگے والا راستہ ہے نہ کے پیچھے والا۔ ❷ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ...... سورۃ البقرہ، ۲/۲۲۳

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔''

یعنی عورت جونسی حالت میں بھی ہو: کھڑی ہو، بیٹھی ہو، سامنے کی طرف سے ہو یا پیٹھ پھیری ہوئی ہو ہر حالت میں ہمبستری کی جا سکتی ہے بشرطیکہ راستہ آگے والا ہو۔ ❸ حضرت ابن عباس: فرماتے ہیں کہ آیت: فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ''اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔'' کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ عورت کھڑی ہو، بیٹھی ہو، سامنے کی طرف سے ہو یا پیٹھ پھیری ہوئی ہو اس کے آگے والے راستے سے ہم بستری کی جا سکتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔

اس آیت کی تفسیر میں ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر آپ چاہیں تو عورت سے آگے سے ہم بستری کریں۔ چاہیں تو پیچھے سے اور چاہیں تو بیٹھ کر۔ اس سے ان کی مراد بچے والی جگہ ہے یعنی کھیتی میں جہاں سے چاہو آؤ۔

پچھلے راستے سے ہم بستری ❹ کرنے کی حرمت بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ ''جو اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے راستے سے ہمبستری کرے وہ ملعون ہے۔'' ❺ اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے راستے سے ہمبستری کرنا چھوٹی لوطیت ہے۔ ❻

''جو حائضہ سے ہم بستری کرے یا عورت سے پچھلے راستے سے ہم بستری کرے یا کاہن کے پاس آئے اور اس کی تصدیق کرے تو اس

---

❶ ...... المصمت من قز: یعنی جو مکمل طور پر ریشم ہو اس میں روئی وغیرہ ملی نہ ہو۔ خالص ریشم۔ ❷ القوانین الفقهیه: ص ۲۱۱، فتح المعین شرح قرة العین: ص ۱۰۷ ❸ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رخصتی کے بعد صرف ایک مرتبہ جماع واجب ہے۔ حنفیہ کی ظاہر روایت بھی یہی ہے۔ شافعیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ عورت کے لئے جماع کا حق ہی نہیں۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چار راتوں میں ایک دفعہ لازمی ہے۔ بعض کے نزدیک چار ماہ میں ایک مرتبہ لازمی ہے۔ یہ ایلاء کی مدت ہے۔ یہ تو عدالتی احکام کی بات ہوئی۔ عنداللہ شوہر پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو پاک دامن رکھے اور اسے گناہ میں مبتلا ہونے سے دور کرے۔ اگر اس پر قادر ہو۔ بعض کے نزدیک یہ زوجین کے حالات کے مطابق واجب ہے۔ یہی معقول رائے ہے۔ ❹ المهذب: ۲/۶۶۔ ❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ❻ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن شعیب بن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔

نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہونے والے دین کا انکار کر دیا۔ ❶ ''سرینوں کے درمیان والی جگہ سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۞ المومنون: ۲۳/۶

''سوائے اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جوان کی ملکیت میں آ چکی ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں۔''

پیٹھ کی طرف سے آگے والے راستے میں ہم بستری کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''جس طرف سے چاہے ہم بستری کرے، سامنے سے یا پیٹھ کی طرف سے بشرطیکہ راستہ آگے والا ہو۔''

پچھلے راستے میں ہمبستری کرنے سے بھی زیادہ گندا اور بھیانک فعل یہ ہے کہ آلہ تناسل عورت کے منہ میں ڈلا جائے بے حیا اہل مغرب سے ہمارے ہاں منتقل ہونے والا یہ فعل حرام ہے۔ اس لئے کہ اس کی قباحت اور نقصان پر شریعت اور ذوق سلیم متفق ہیں۔

حائضہ وغیرہ سے ہم بستری کرنا..... حائضہ سے ہمبستری بالاتفاق حرام ہے۔ اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۞ البقرۃ: ۲/۲۲۲

''اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا، کہہ دے وہ گندگی ہے، سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہو ویں۔ پھر جب خوب پاک ہو جاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا ہے تم کو اللہ نے، بے شک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے۔'' نفاس والی عورت بھی حائضہ کی طرح ہے۔

حالت حیض میں ہم بستری کرنے والے نے اگر ابتدائے حیض میں ہمبستری کی تو ایک دینار صدقہ کرنا سنت ہے۔ اور اگر آخر میں ہمبستری کی تو آدھا دینار۔ اس لئے کہ امام ابوداؤد اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث روایت کی ہے اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے: ''اگر کسی نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں ہمبستری کر لی تو خون سرخ ہونے کی صورتمیں ایک دینار اور زرد ہونے کی صورت میں آدھا دینار صدقہ کرے۔'' ❷

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کا خون بند ہو گیا ہو تو ہمبستری جائز ہے۔ اگر چہ غسل نہ کیا ہو۔ البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حیض کی اکثر مدت یعنی دس دن کے بعد خود بند ہوا ہو تو ہمبستری جائز ہے۔ اگر دس دن سے پہلے بند ہو گیا ہو تو ایک نماز کا وقت گزرنے یا غسل کرنے کے بعد ہمبستری جائز ہو گی۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک حیض کا خون بند ہونے اور جنابت والا غسل کرنے کے بعد ہی ہمبستری جائز ہو گی۔

ہمبستری کے سوا مباشرت..... حالت حیض میں ہمبستری کے علاوہ دوسرے طریقوں چھونا، چمٹانا بوس وکنار وغیرہ سے لطف حاصل

❶ ..... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (مذکورہ تینوں آثار کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۶۳)

❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور چاروں اصحاب سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جو اپنی بیوی سے حالت حیض میں ہمبستری کرتا ہے۔ ''ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔'' امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح روایت اس طرح ہے۔ فرمایا ''ایک دینار یا آدھا دینار'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ الفاظ ہیں۔ ''اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اگر زرد ہو تو آدھا دینار'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حیض والی عورت سے ہمبستری پر ایک دینار رکھا۔ اگر خون بند ہو گیا ہو اور غسل نہ کیا ہو تو آدھا دینار'' (نیل الاوطار: ۱/ ۲۷۸)

کرنے کا حکم یہ ہے کہ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے مباشرت کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ ناف اور گھٹنوں کے درمیان مباشرت کے بارے میں تین قول ہیں: ❶

ا.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، شافعیہ، مالکیہ اور اکثر علماء اس کو حرام کہتے ہیں تا کہ ممنوع کام کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ اور اس لئے بھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حدیث ہے: ''ہم میں سے ایک حائضہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مباشرت کرنا چاہی تو حیض کے بالکل شروع میں اسے تہبند باندھنے کا حکم دیا اور پھر مباشرت فرمائی۔'' ❷

۲.....حنابلہ، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ہم بستری کے علاوہ سب کچھ کرو۔'' ❸ یہ حدیث ہمبستری کے علاوہ سب کچھ کے حلال ہونے میں صریح ہے۔

۳: تفصیل......اگر مباشرت کرنے والا تقویٰ کی وجہ سے یا شہوت کی کمزوری کی وجہ سے اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ راجح یہ ہے کہ عام حالات میں احتیاط والے قول پر عمل کرے۔ ہاں اگر کوئی سفر سے واپس آیا ہے یا بہت زیادہ شہوت والا ہے ❹ تو اس کے لئے آخری دو اقوال پر عمل کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ اسی طرح وہ اجنبی عورتوں کو دیکھنے، حرام میں مبتلا ہونے سے بچ جائے گا۔ اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حائضہ سے مباشرت کرنا چاہتے تھے تو کپڑا ڈال دیتے تھے۔ ❺

عزل......پیدائش کا تعلق درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے۔ طبرانی کی ایک حسن حدیث میں ہے۔ ''عزل کرو یا نہ کرو! اللہ تعالیٰ نے جس جاندار کا قیامت تک پیدا ہونا لکھ دیا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا۔ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیوی کے ساتھ عزل جائز ہے۔ ❻ بشرطیکہ اس کی اجازت ہو۔ جواز کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا۔'' ❼ بیوی کی اجازت کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' ❽

البتہ شافعیہ، حنابلہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو مکروہ کہا ہے اس لئے کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خفیہ طور پر زندہ درگور کرنے سے تعبیر فرمایا۔ لہٰذا نہی کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اسباب کی وجہ سے عزل کو جائز کہا ہے جن میں سے ایک اولاد کی کثرت ہے۔

---

❶.....نیل الاوطار: ۱/۲۷٦، الدر رالمباحه فی الحظر والاباحة: ص ۴۱، اللباب: ۱/۴۸ وما بعدها، تبیین الحقائق: ۱/۵۷، الشرح الکبیر: ۱/۱۷۳، مغنی المحتاج: ۱/۱۱۰، المغنی: ۱/۳۰٦۔ ❷ متفق علیہ بین احمد والشیخین: خطابی فرماتے ہیں کہ ''فور الحیض'' ابتدائی اور زیادہ حیض کو کہتے ہیں۔ (نیل الاوطار: ۱/۲۷۸) ❸ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا بہت سے محدثین نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (نیل الاوطار: ۱/۲۷٦) ❹ حنابلہ کے نزدیک شدید شہوت والے کے لئے حائضہ سے وطی کی گنجائش ہے بشرطیکہ وطی کے بغیر شہوت دور نہ ہو سکے۔ اور خطرہ ہو کہ اگر وطی نہ کی تو خصیے پھٹ جائیں گے۔ اور حائضہ کے علاوہ دوسری بیوی نہ ہو۔ (کشاف القناع: ۱/۲۲۷) ❺ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱/۲۷۷) ❻ تکملة الفتح: ۸/۱۰۹، احیاء علوم الدین: ۲/۴۷ وما بعدها، نیل الاوطار: ٦/۱۹۷، فتح القدیر: ۲/۴۹۴، الشرح الکبیر: ۲/۲٦٦، المهذب: ۲/٦٦، المغنی: ۷/۲۲۳، الاحیاء: ۲/۲۴۸، شرح مسلم: ۱۰/٦، ۱۷۔ ❼ العزل: جماع کرتے وقت دخول کے بعد خروج کر دینا تاکہ منی باہر گرے۔ ❽ اس معنی میں اور بھی احادیث مروی ہیں۔ (نیل الاوطار: ٦/۱۹۵ وما بعد)

اس بناپر منع حمل کے جدید طریقے جیسے گولیاں وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ مخصوص مدت تک ہوں اوران سے حمل کا امکان مکمل طور پر ختم نہ ہو۔ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حمل روکنے کی دوا کا استعمال عزل کی طرح کبھی کبھار تو جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ حمل کو بالکل روک دینے کی دوا استعمال کی جائے یا اس طرح نس بندی کی جائے کہ مستقبل میں حمل ٹھہرنے کا سلسلہ بند ہوجائے۔ اس میں غالب گمان کا اعتبار ہے یعنی پچاس فیصد سے زیادہ امکانات۔ یہی حکم مرد کو بانجھ بنانے کا ہے۔

جماع کے آداب......سنت نبویہ میں جماع کے بہت سے آداب بیان ہوئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: ❶

مستحب ہے کہ اس سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ سورۂ اخلاص، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھے اور پھر یہ دعائیں پڑھے اگرچہ اولاد کی امید نہ ہو۔ "باسم الله العلی العظیم، اللّٰهم اجعلها ذریة طیبة ان کنت قدرت ان تخرج ذالك من صلبی" "اللّٰهم جنبنی الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنی۔" رواہ ابوداود......اور کعبے سے رخ پھیر دے۔ ہم بستری کے وقت کعبے کے احترام میں قبلے کی طرف منہ نہ کرے۔ اپنے آپ کو اور گھر والوں کو پردے میں کرلے۔ بالکل برہنہ نہ ہوں۔ ❷ اس لئے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

ابتداء ملاعبت، بوس وکنار اور دل بہلائی سے کرے۔ ضرورت پوری کرنے کے بعد ٹھہرا رہے تاکہ عورت کی ضرورت بھی پوری ہوجائے۔ اس لئے کہ اس کا انزال بعض اوقات تاخیر سے ہوتا ہے۔ ہم بستری کے وقت زیادہ باتیں مکروہ ہیں۔ مرد کو چاہئے کہ بلاعذر مسلسل چار راتوں تک وقفہ نہ کرے۔ حائضہ سے فائدہ حاصل کرنا ہو تو ناف اور گھٹنوں کے درمیان تہبند باندھ لے۔ دوسری بار ہمبستری کرنی ہو تو شرم گاہ کو دھولے اور وضو کرلے۔ اس لئے کہ وضو نشاط اور نظافت میں اضافہ کرتا ہے۔ کسی مخصوص رات جیسے اتوار جمعہ وغیرہ میں ہمبستری کے مستحب ہونے کا سنت میں کوئی ذکر نہیں۔ بعض علماء نے جمعے کا دن ہمبستری کو مستحب لکھا ہے۔

بالکل برہنہ ہوکر ہمبستری مکروہ ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عتبہ بن عبداللہ سے روایت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو پردے کا اہتمام کرے۔ جنگلی گدھوں کی طرح بالکل ننگے نہ ہوجائیں۔" "العتیر" جنگلی گدھے یعنی گورخر کو کہتے ہیں۔ تشبیہ اس حالت سے نفرت دلانے کے لئے دی ہے۔ میاں بیوی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ آپس کے تعلقات کے بارے میں لوگوں میں باتیں کریں۔ بعض نے تو اسے حرام کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ پردہ دری ہے۔ جو کہ حرام ہے۔

آداب میں سے یہ بھی ہے کہ حالت جنابت میں بال نہ مونڈھے، ناخن نہ تراشے اور خون نہ نکالے۔ سہاگ رات میں ہمبستری سے پہلے عورت کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

اللّٰهم انی اسئلك من خیرها وخیرما جبلتها علیه واعوذبك من شرها وشرما جبلتها علیه ❸

---

❶......محدثین کہتے ہیں کہ اس کی سند مضبوط نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں ابن لھیعہ ہے۔ اس کے بارے میں کلام معر[illegible] ہے۔ اس کی شاہد وہ روایت ہے جو امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔" ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ اپنی باندی سے عزل کرتے تھی۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ (نصب الرأیة: ۲۵۱/۴، نیل الا وطار: ۱۹۶/۶ و مابعد) ❷ المغنی: ۲۵/۷، احیاء علوم الدین: ۴۶/۲ وما بعدها، کشاف القناع: ۲۱۶/۵ وما بعدها، مختصر منهاج القاصدین: ص ۷۳، فتح المعین: ص ۱۰۷، الاذکار للنووی رحمة الله علیه: ص ۱۵۹، نیل الاوطار: ۱۹۴/۶۔ ❸ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے عتبہ بن عبدالسلمی سے روایت کی ہے: "جب آپ میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو پردے کا اہتمام کرے گدھوں کی طرح بالکل ننگے نہ ہوجائیں۔ (نیل الاوطار: ۱۹۴/۶)

حمل گرانا..... تمام علماء متفق ہیں کہ چوتھے مہینے کے بعد، یعنی حمل کی ابتداء سے ایک سو بیس ۱۲۰ دن گزر جانے کے بعد بلا عذر حمل گرانا حرام ہے۔ یہ ایک جرم ہے جس پر غرہ ❶ واجب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایسا کرنے والے نے ایک جان کو ہلاک کیا ہے اور ایک انسان کو قتل کیا ہے۔ ❷

زیادہ راجح یہ ہے کہ حمل ٹھہرتے ہی اس کو گرانا ناجائز ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اب اس کی پیدائش کی ابتداء ہوچکی ہے اور زندگی وجود پذیر ہوچکی ہے۔ ہاں ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شدید اور مہلک قسم کی بیماری ہو جیسے سل، کینسر، یا کوئی عذر ہو جیسے حمل ٹھہرنے کے بعد عورت کا دودھ ختم ہوجاتا ہو، اس کی گود میں شیر خوار بچہ ہو بچے کا باپ دایہ کا انتظام نہ کرسکتا ہو اور بچے کے ہلاک ہوجانے کا خدشہ ہو..... اس قول کی وجہ سے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی طرف مائل ہوں۔ وہ حمل گرانے کو زندہ در گور کرنے کی طرح قرار دیتے ہیں اگرچہ حمل کا پہلا دن ہو۔ اس لئے کہ یہ وجود پذیر ہوجانے والی جان کے خلاف جنابت کا ارتکاب ہے۔ ❸

ساتھ ساتھ میں حمل گرانے کے بارے میں دوسرے فقہاء کے اقوال بھی ذکر کرتا ہوں۔

ا۔ **حنفیہ کا مذہب**..... ❹ حمل کے بعد جب تک اس کی باقاعدہ تخلیق نہ ہوجائے، اسقاط جائز ہے۔ یہ ایک سو بیس ۱۲۰ دنوں سے پہلے نہیں ہوتا۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ ابھی تک آدمی نہیں بنا۔ ان کے قول سے یہ لگتا ہے کہ انہوں نے تخلیق سے روح پھونکا جانا مراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ بھی بلا عذر مکروہ ہے۔ اگر بغیر عذر کے حمل گرایا تو گناہ ہوگا۔

اعذار میں سے ایک یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے اس کا دودھ ختم ہوجاتا ہو، بچے کا والد اجرت پر دایہ نہ رکھ سکتا ہو اور بچے کی ہلاکت کا خدشہ ہو۔

بعض حنفیہ نے ہر طرح کے اسقاط کی اباحت کو حالت عذر پر محمول کیا ہے۔ اس لئے کہ پانی جب رحم میں چلا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ زندگی کی شکل میں نکلتا ہے۔ لہٰذا یہ زندگی کے حکم میں ہوگا۔ یہ تاویل معقولہ اور ضروری ہے۔

۲۔ **مالکیہ کا مذہب**..... ❺ ان کے نزدیک رحم میں موجود منی کو نکالنا حرام ہے۔ چاہے چالیس دن سے پہلے ہی کیوں نہ ہو۔ بعض کے نزدیک چالیس دن سے پہلے مکروہ ہے۔ روح پھونک دیئے جانے کے بعد بالاجماع حرام ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ظاہریہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ❻

۳۔ **شافعیہ کا مذہب**..... ❼ اگر اسقاط، حمل کی ابتداء سے چالیس کی دہائی (۴۰، ۴۲، ۴۵ وغیرہ) تک مکمل ہوجائے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ میاں بیوی راضی ہوں اور حاملہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے چالیس کی دھائی کے بعد اسقاط مطلقاً حرام ہے۔ علامہ رملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح پھونکے جانے سے پہلے اسقاط حمل جائز ہے اور اس کے بعد حرام ہے۔ اسی طرح ان کی رائے حنفیہ کی طرح ہوئی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ❽ حمل گرانے کو مطلقاً حرام کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ وجود پذیر ہوجانے والی زندگی کے خلاف جنایت ہے۔

---

❶..... یہ ایک حدیث سے ثابت ہے جس کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا گیا ہے۔ روایت کرنے والے امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (نیل الاوطار : ۱۸۹/۶) ❷ الغرة: جنین کی دیت کو کہتے ہیں جو کل دیت کا پانچ فیصد (پانچ فیصد) ہوتی ہے یعنی پچاس دینار یا پانچ سو درہم۔ ❸ احیاء علوم الدین : ۴۷/۲۔ ❹ فتح القدیر : ۴۹۵/۲، حاشیہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ : ۲۷۸/۱، ۵۲۲/۲، الا سیریة: ۴۱۸/۵، الفتاوی الهندیه: ۳۶۵/۵۔ ۳۶۷۔ ❺ الشرح الکبیر مع الدسوقی: ۲۶۶/۲ وما بعدها، القوانین الفقهیة: ص ۲۱۲۔ ❻ المحلی: ۳۸/۱۱۔ ❼ بجیرمی الخطیب: ۴۰/۴، حاشیه الشبرا مسلی علی نهایة المحتاج: ۲۰۵/۶، تحفة المحتاج لابن حجر رحمة الله علیه :۲۴۱/۸، نهایة المحتاج: ۲۳۹/۸ و مابعدها، شرح مسلم: ۱۹۰/۱۶۔ ❽ احیاء علوم الدین: ۴۷/۲۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب...... ❶ ان کی رائے حنفیہ کی طرح ہے۔ کہ روح پھونکے جانے سے پہلے تک یعنی حمل کی ابتداء سے چار ماہ (ایک سو بیس دن) تک اسقاط جائز ہے۔ اس کی بعد قطعی حرام ہے۔ یعنی ارادی حرکت ظاہر ہونے کے بعد حمل گرانا جائز نہیں۔

بانجھ بنانا...... اعقام اور تعقیم کا مطلب ہے عورت کو بذریعہ علاج بانجھ بنانا۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسی دواؤں اور طریقوں کا استعمال حرام ہے جس سے حمل ٹھہرنا بالکل بند ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ فعل ❷ زندہ درگور کرنے کی طرح ہے۔ ہاں اگر کوئی مجبور کردینے والی ضرورت پیش آجائے تو گنجائش ہے۔ جیسے کوئی خطرناک موروثی مرض بچوں کی طرف منتقل ہوجانے کا خطرہ ہو وجہ یہ ہے کہ نقصانات کو دور کرنا فوائد حاصل کرنے پر مقدم ہے۔ اور دو نقصانوں میں سے ہلکے والے کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت کو بہت ہی شدید مرض لاحق ہو تو اسے بانجھ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کو ان عورتوں میں شمار کیا جائے گا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے کہ وہ بانجھ ہوں:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝۴۹
اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ...... الشوریٰ: ۴۲/۴۹۔۵۰

سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے یا پھر ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ آسان ترجمہ قرآن

اور جس علاج سے حمل ٹھہرنا بالکل بند نہ ہو بلکہ کچھ عرصے کے لئے سست پڑ جائے وہ حرام نہیں۔ بلکہ اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے بچوں کی تربیت وغیرہ تو مکروہ بھی نہیں۔ ورنہ شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

مصنوعی حمل کاری...... یعنی جماع کے بغیر منی عورت کی بچہ دانی میں داخل کرنا۔ اگر یہ عمل شوہر کی منی سے کیا جائے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں ممانعت والی کوئی بات نہیں بلکہ بعض اوقات یہ مندوب ہوجاتا ہے جب کہ جنسی ملاپ سے کوئی شرعی مانع موجود ہو۔

اگر یہ عمل کسی اجنبی کی منی سے کیا جائے تو حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ زنا کے حکم میں ہے کہ مرد اپنی منی کسی ایسی عورت کے رحم میں ڈالے جو اس کی بیوی نہیں۔ یہ عمل مقام بشریت کے بھی منافی ہے۔ ہاں اس سے نباتات اور حیوانات کی تخم ریزی کی جاسکتی ہے۔

جانوروں کو خصی کرنا...... حنفیہ کے نزدیک جانوروں کو کرنے اور خچر کی پیدائش کے لئے گدھے کی گھوڑی کے ساتھ جفتی کرانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جانور کو فائدے کے لئے خصی کیا جاتا ہے۔ خصی کرنے سے جانور اور اس کا گوشت اچھا ہوجاتا ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کے علاوہ تمام جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ خصی کرنے سے جانور زیادہ موٹا ہوجاتا ہے۔ اور گھوڑے کو خصی کرنے سے اس کی طاقت کم اور نسل ختم ہوجاتی ہے۔ چہرے پر داغنا مکروہ ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ پر داغنے میں حرج نہیں۔ ❸

دوم: دیکھنا...... دیکھنے کی چار صورتیں ہیں۔ ہر صورت کا الگ حکم ہے۔ وہ صورتیں درج ذیل ہیں: مرد کا عورت کو دیکھنا عورت کا مرد کو دیکھنا، مرد کا مرد کو دیکھنا اور عورت کا عورت کو دیکھنا۔ ❹

---

❶...... الفروع لشمس الدين المقدسي: ۱/۲۸۱، الانصاف لعلاء الدين المرادوی: ۱/۳۸۶، منتهى الارادات لابن النجار: ۱/۲۸۶، المغنی: ۷/۸۱۶۔ ❷ سابقہ حوالہ جات۔ ❸ اللباب: ۴/۱۶۱، القوانين الفقهيه: ص ۴۴۵، شرح الرسالہ: ۲/۴۱۴۔ ❹ دیکھئے تکملۃ الفتح: ۸/۹۷۔۱۰۷، البدائع: ۵/۱۱۹۔۱۲۴، اللباب: ۴/۱۶۲۔۱۶۵، تبيين الحقائق: ۶/۱۷۔۲۱، الدرالمختار: ۵/۲۵۷۔۲۶۴، الشرح الكبير: ۲/۲۱۵، القوانين الفقهيه: ص ۱۹۳، ۴۴۶، تحفة المحتاج بشرح المنهاج لابن حجر رحمة الله عليه: ۷/۱۹۰۔۲۰۵ المهذب: ۲/۳۴۔۳۵، المغنی: ۶/۵۵۲ و ما بعد، ۵۵۸۔۵۶۳، ۵۸، مغنی المحتاج: ۳/۱۲۸۔۱۳۴، فتح المعين: ص ۹۸۔

پہلی صورت : مرد کا عورت کو دیکھنا:

ا۔اپنی بیوی کو دیکھنا......اپنی بیوی کے پورے بدن یہاں تک کہ شرم گاہ کو بھی دیکھنا اور چھونا چاروں مذاہب میں جائز ہے۔شرم گاہ فائدہ حاصل کرنے کی جگہ ہے۔لیکن میاں بیوی کے لئے بلاضرورت ایک دوسرے کی شرم گاہ دیکھنا اور اپنی شرم گاہ دیکھنا مکروہ ہے۔شرم گاہ کے اندر دیکھنے میں تو اور بھی زیادہ کراہت ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''میں نے ان صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں دیکھا اور انہوں نے میرے نہیں دیکھا۔'' ❶

ب:محرم عورت کو دیکھنا......حنابلہ کے نزدیک محرم عورتوں ❷ کے جو اعضاء عام طور پر ظاہر ہوتے ہیں ان کو دیکھنا جائز ہے۔جیسے گردن،سر،ہتھیلیاں،قدم۔اور جو اعضاء عام طور پر پوشیدہ رکھے جاتے ہیں ان کو دیکھنا جائز نہیں۔جیسے سینہ،پیٹھ وغیرہ۔

حنفیہ کا مذہب حنابلہ کے قریب ہے کچھ تبدیلی کے ساتھ۔ان کے نزدیک چہرہ،سر،سینہ،پنڈلیاں اور بازو(کہنیوں سے کندھوں تک(دیکھنا جائز ہے۔پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا جائز نہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ماں کی پیٹھ سے تشبیہ دینے پر حرام فرمایا ہے۔تو پیٹھ کی طرف دیکھنا بھی حرام ہوگا۔اور پیٹ تو پیٹھ سے بڑھ کر ہے۔اس لئے کہ اس میں زیادہ شہوت ہوتی ہے۔

مالکیہ نے اس مسئلے میں سختی کی ہے۔ان کے نزدیک صرف چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے۔باقی بدن کو دیکھنا جائز نہیں۔شافعیہ نے درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ان کے نزدیک بالغ آدمی کے لئے اپنی محرم عورت کے ناف اور گھٹنوں کے درمیان دیکھنا حرام ہے۔اس کے علاوہ باقی جسم کو بغیر شہوت کے دیکھنا مباح ہے۔ناف اور گھٹنوں کو دیکھنا جائز ہے اس لئے کہ محرم عورت کو دیکھنے کے لحاظ سے یہ ستر میں داخل نہیں۔

ج:اجنبی عورت کو دیکھنا......حنفیہ کے نزدیک اجنبی عورت کو چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا دیکھنا حرام ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا......النور:۲۴/۳۱

''اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے ظاہر ہو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''مَاظَهَرَ مِنْهَا'' سے چہرہ اور ہتھیلیاں مراد لی ہیں آیت میں زینت سے زینت کی جگہیں مراد ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ لین دین کے معاملات کرنے کے لئے چہرے اور ہتھیلیوں کو ظاہر کرنا ضرورت بن جاتی ہے۔اگر غیر محرم پر بلاارادہ نظر پڑ جائے اس کو فوراً ہٹانا واجب ہے۔پہلی دفعہ کی بلاارادہ نظر سے گناہ نہیں ہوتا۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے مجھے نظر پھیر دینے کا حکم دیا۔امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:''اے علی!پہلی نظر کے پیچھے دوسری نظر نہ جائے۔اس لئے کہ پہلی آپ کے لئے جائز تھی دوسری جائز نہیں۔''

مسئلہ......اگر شہوت سے اطمینان نہ ہو تو ضروری حاجت کے بغیر اس کے چہرے کی طرف نہ دیکھے۔اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ دیکھنے

---

❶......رہی یہ حدیث کہ شرم گاہ کو دیکھنے سے بینائی ختم ہو جاتی ہے،تو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے ضعیف روایات میں سے روایت کیا ہے بلکہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع روایات میں ذکر کیا ہے۔یہ منکر ہے۔اس کی کوئی اصل نہیں۔ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اختلاف کیا ہے اور اس کی سند حسن بتائی ہے۔(نصب الرایۃ:۴/۲۴۸)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔❷ذوات المحارم:اپنی محرم عورتوں سے مراد ہر وہ عورت ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو چاہے نسب کی وجہ سے ہو،رضاعت کی وجہ سے ہو یا حرمت مصاہرت(سسرالی رشتے) کی وجہ سے۔شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مباح سبب سے۔حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے ساس۔حنفیہ کے نزدیک حلال بسبب سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جیسے نکاح اور حرام سبب سے بھی جیسے زنا۔

کا جواز شہوت نہ ہونے سے مشروط ہے۔ ورنہ حرام ہے۔ آج کل جوان عورت کو نہ دیکھنا واجب ہے۔ نظر کی حرمت پر ایک صحیح حدیث میں وارد ہے: ”آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے۔ ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا پکڑنا ہے۔“ ❶

شہوت کی حد آلہ تناسل کا حرکت میں آنا ہے۔

اس میں مالکیہ بھی حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں۔ انہوں نے بوڑھی عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنے کی اجازت دی ہے اور جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنے کو حرام کیا ہے۔ الا یہ کہ کوئی عذر ہو جیسے گواہی، علاج منگنی وغیرہ۔

اجنبی عورت کو دیکھنے میں خصی عام مرد کی طرح ہے۔

اسی طرح شافعیہ فرماتے ہیں کہ عاقل بالغ اور مختار مرد کے لئے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ اگر چہ وہ بہت بوڑھا ہو یا وطی کے قابل نہ ہو یا مخنث ہو (یعنی عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والا ہو) اسی طرح عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنا بھی حرام ہے چاہے فتنے کا خوف ہو یا نہ ہو۔ اس لئے کہ دیکھنے میں فتنے گمان ہوتا ہے اور شہوت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ......النور: ۲۴/۳۰

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت پردے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ ❷

دیکھنے کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ ان پر ذاتی طور پر ستر واجب ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں عام مصلحت اور عمومی فائدہ ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے علماء سے نقل کیا ہے کہ راستے میں عورت پر چہرہ چھپانا واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور آیت شریفہ کی وجہ سے مردوں پر نظریں جھکانا واجب ہے۔

حنابلہ بھی اجنبی عورت کو بلا وجہ دیکھنے کو حرام کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک عورت کا پورا بدن ستر میں شامل ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں شامل نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ قدم بھی ستر میں شامل نہیں۔ بعض حنابلہ کا کہنا ہے کہ چہرے کی طرف دیکھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ بشرطیکہ فتنے کا خدشہ نہ ہو اور بغیر شہوت کے دیکھے۔

اور فرماتے ہیں کہ ایسی بوڑھی یا بد صورت عورت کے عام طور پر ظاہر رہنے والے اعضاء دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، جس سے شہوت کا خدشہ نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ......النور: ۲۴/۶۰

”اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی“۔

ان کے نزدیک خصی، مخنث جس کو شہوت نہ ہوتی ہو، بوڑھا اور ایسا آدمی جس کی شہوت بڑھاپے، نامردی یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے ختم ہوگئی ہو جس سے صحت مند ہونے کی امید نہ ہو...... یہ سب دیکھنے میں محرم مردوں کے حکم میں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ ......النور: ۲۴/۳۱

”یا خدمت میں مشغول رہنے والوں کے جو مرد کو کچھ غرض نہیں رکھتے۔“

یعنی جنہیں عورت کی طرف حاجت نہ ہو۔

---

❶ ......امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۴۸) ❷ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

مستثنیٰ صورتیں...... وہ حالات جن میں عورت کو کسی استثنائی حاجت کی وجہ سے دیکھنا جائز ہے درج ذیل ہیں: پیغام نکاح، علاج، معاملہ جیسے خرید وفروخت، گواہی یا فیصلہ، تعلیم وغیرہ۔ ان صورتوں میں حاجت کی بقدر دیکھنے کی گنجائش ہے۔ اس سے تجاوز جائز نہیں۔ اس لئے کہ ضرورت کی وجہ سے حلال ہونے والی چیز بقدر ضرورت حلال ہوتی ہے۔

پیغام نکاح...... کے دوران صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا جائز ہے۔ منگنی کرنے والا بار بار بھی دیکھ سکتا ہے۔ البتہ چھو نہیں سکتا۔ اور چہرے ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ چہرہ خوبصورتی پر اور ہتھیلیاں جسمانی خوشحالی پر دلالت کرتی ہیں۔

علاج...... کرتے ہوئے معالج کے لئے بوجہ ضرورت دیکھنا جائز ہے۔ لیکن اس پر واجب ہے کہ اپنی نظر عورت کے بیماری والے حصے پر مرکوز رکھے۔ علاج کرتے وقت عورت کے ساتھ کسی محرم مرد، شوہر یا قابل اعتماد عورت کا ہونا ضروری ہے تاکہ خلوت ختم ہو سکے۔
مرد طبیب سے علاج کرانے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ علاج کرنے والی کوئی مناسب عورت دستیاب نہ ہو۔ اس لئے کہ ہم جنس کا اپنے ہم جنس کو دیکھنا انجام کے اعتبار سے زیادہ ضعیف اور آسان ہے۔ اسی طرح امین معالج کے ہوتے ہوئے غیر امین سے، مسلمان کے ہوتے ہوئے ذمی سے اور مسلمان عورت کے ہوتے ہوئے ذمی عورت سے علاج نہیں کرایا جائے گا۔
چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنے کے لئے معمولی حاجت کا اعتبار بھی کیا جا سکتا ہے۔ باقی جسم دیکھنا صرف ایسی ضرورت کی وجہ سے مباح ہوگا جس سے تیمم مباح ہوتا ہے۔ سوائے شرم گاہ اور اس کے قریبی جگہ کے۔ کہ اس میں ایسی شدید ترین ضرورت کا اعتبار ہوگا جس میں ستر کھولنے کو پردہ دری نہ سمجھا جاتا ہو۔

معاملات...... یعنی خرید وفروخت میں صرف چہرے کو دیکھنا مباح ہے۔ تاکہ قیمت وصول کرنے اور خریدی ہوئی چیز حوالے کرنے اور اس طرح کے دیگر امور سرانجام دیئے جا سکیں۔

گواہی...... کی ادائیگی اور تحمل میں بھی عورت کو دیکھنا جائز ہے چاہے گواہی عورت کے حق میں ہو یا خلاف ہو۔ اگر زنا، ولادت، آلہ تناسل کے بڑا ہونے، زخم بھرنے اور اگلے پچھلے راستے کے ایک ہو جانے کی گواہی دینے کے لئے شرم گاہ کو دیکھنا ہو تو عورتوں یا محرم رشتے داروں کی موجودگی میں انہی کی گواہی متعین ہے۔

فیصلہ...... قاضی کے لئے عورت کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ عدالتی فیصلوں کے ذریعے لوگوں کے حقوق کی پاسداری ایک مستقل ضرورت ہے لہٰذا وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ شہوت کا خدشہ ہو۔

تعلیم...... جن چیزوں کا سیکھنا سکھانا واجب ہے جیسے فاتحہ، ضروری ہنر وغیرہ تو ان کی تعلیم کے لئے عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ تعلیم کے لئے کوئی عورت یا محرم مرد دستیاب نہ ہو، پردے کے پیچھے سے تعلیم دینے کی بھی کوئی صورت نہ ہو اور عورت کے ساتھ کوئی محرم وغیرہ موجود ہو جس کی وجہ سے خلوت ختم ہو جائے۔

دوسری صورت۔ عورت کا مرد کو دیکھنا...... عورت کے مرد کو دیکھنے کی بھی وہی تین صورتیں ہیں۔
۱...... اگر وہ اس کا شوہر ہو تو جو کچھ وہ اس کا دیکھ سکتا ہے وہی کچھ یہ اس کا بھی دیکھ سکتی ہے۔
۲...... اگر مرد محرم رشتے دار ہو تو ستر کے علاوہ باقی جسم دیکھا جا سکتا ہے۔
۳...... اگر مرد اجنبی ہو تو حنفیہ کے نزدیک ناف سے گھٹنوں تک کے علاوہ باقی بدن دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ شہوت کا خدشہ نہ ہو۔
مالکیہ اور حنابلہ کے دو قول ہیں: ایک حنفیہ کی طرح کہ ستر (ناف اور گھٹنوں کے درمیان) دیکھنا جائز نہیں باقی بدن دیکھنا جائز ہے۔ جس

طرح مرد کے لئے اپنی محرم عورتوں کو دیکھنا جائز ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ قول راجح ہے۔ اس لئے کہ ایک متفق علیہ حدیث کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: ''تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارو! اس لئے کے وہ نابینا ہیں، تمہیں کپڑے بدلتے نہیں دیکھ سکیں گے۔'' ❶

دوسرا قول جو کہ شافعیہ کے نزدیک اصح ہے کہ اس کے لئے مرد کو اسی طرح دیکھنا جائز ہے جس طرح مرد کو اسے دیکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابن مکتوم سے پردہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کہ ان کو نہیں دیکھتیں۔''

تیسری صورت: مرد کا مرد کو دیکھنا..... تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ مرد کا مرد کے ستر کے علاوہ پورے جسم کو دیکھنا جائز ہے، اگر چہ وہ بے ریش ہو، بشرطیکہ شہوت کا خطرہ نہ ہو۔ مرد کا ستر ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مومن کا ستر ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے۔'' ❷ ایک اور حدیث میں ہے۔ ''ران ستر میں شامل ہیں۔'' ❸ ستر کو چھپانا واجب ہے۔ یہاں تک کہ بچے پر بھی اور حمام وغیرہ میں بھی۔ ❹

بے ریش لڑکوں کو (جن کے چہرے پر ابھی داڑھی نہ اگی ہو) شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے۔ اسی طرح داڑھی والوں کو اور محرم عورتوں کو بھی شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔

چوتھی صورت: عورت کا عورت کو دیکھنا..... عورت کے عورت کو دیکھنے کا وہی حکم ہے جو مرد کے مرد کو دیکھنے کا ہے۔ اس لئے کہ دونوں کی باہمی جنس ایک ہے اور عموماً شہوت بھی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی عورتوں کو آپس میں جسم ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسے وقت میں ستر یعنی ناف سے گھٹنوں تک دیکھنا منع ہے، باقی جسم دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ شہوت سے اطمینان ہو۔ اگر شہوت یا فتنے کا خوف ہو تو حرام ہے۔

کافر عورت کا مسلم عورت کو دیکھنا..... حنابلہ کے سوا جمہور کے نزدیک کافر عورت (ذمی ہو یا کوئی اور) اگر غیر محرم ہو تو اس کا مسلمان عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔ مسلمان عورت اس سے حجاب کرے گی اور اس کے سامنے پورے بدن پر چادر اوڑھے گی سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔ الحتصر یہ کہ کافر عورت مرد کی طرح ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَوْ نِسَآئِهِنَّ ......النور: ۲۴/۳۱

''یا اپنے میل جول کی عورتوں کے''۔

اگر اس کے لئے دیکھنا جائز ہو تو عورتوں کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ صحیح روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں داخل ہونے سے منع فرما دیا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے وہ کافر عورت اپنے مردوں کے سامنے مسلمان عورت کے اوصاف کا تذکرہ کرے۔ لہٰذا ''نسائھن'' سے مراد خاص طور سے مسلمان عورتیں ہوں گی یعنی ایک دین والی۔ اس بنا پر مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ کافر عورت کے سامنے اپنی پوشیدہ زینت ظاہر کرے۔

---

❶..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں مسجد میں حبشیوں کو کھیلتے دیکھ رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی چادر سے چھپایا ہوا تھا۔'' (متفق علیہ) ❷ اس کو سمویہ (اسماعیل بن عبداللہ۔ ۲۶۷ھ) نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (الفتح الکبیر والجامع الصغیر) ❸ اس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے زرعۃ بن عبدالرحمٰن بن جرھد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۴۳ وما بعد) ❹ قاضی حسین شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حمام میں ران ستر نہیں ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ دو مسلمان عورتوں اور ایک مسلمان اور ایک ذمی عورت میں دیکھنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ دو مسلمان مردوں اور ایک مسلمان اور ایک ذمی مرد میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ کافروں، یہودیوں وغیرہ..... کی عورتیں ازواج مطہرات کے ہاں جایا کرتی تھیں۔ وہ ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور نہ ہی ان کو پردے کا حکم دیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان پائی جانے والی پردے کی وجہ، مسلمان عورت اور کافر عورت میں موجود نہیں۔ لہٰذا ان کے درمیان پردہ نہ ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان۔ رہی آیت ''نِسَآىِٕهِنَّ'' (النور: ۲۴/۳۱) تو اس سے تمام اور عام عورتیں مراد لی جاسکتی ہیں۔ چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ مسلمان عورت جن اعضاء کو مسلم عورت سے سامنے ظاہر کرسکتی ہے ان کو کافر عورت کے سامنے بھی ظاہر کرسکتی ہے۔ ❶ اس رائے میں وسعت اور آسانی ہے۔ یہ آج کل کے حالات کے زیادہ مناسب ہے۔

سوم: چھونا..... جب دیکھنا حرام ہو تو چھونا بھی حرام ہوگا یعنی شہوت سے چھونا۔ اس لئے کہ چھونا، لذت میں اور شہوت بھڑکانے میں دیکھنے سے بڑھ کر ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر چھونے سے انزال ہوگیا تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر دیکھنے سے انزال ہوگیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور جب دیکھنا جائز ہو تو چھونا بھی جائز ہوگا۔ بشرطیکہ اپنے آپ پر اور عورت پر شہوت سے اطمینان ہو۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ اور اگر چھونے والے کو شہوت سے اطمینان نہ ہو یا شک ہو تو اس کے لئے چھونا اور دیکھنا دونوں جائز نہیں۔ ❷

یہ تفصیل اجنبی جوان عورت کے سوا دوسری عورتوں کے لئے ہے۔ جوان عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو چھونا جائز نہیں۔ اگرچہ شہوت سے اطمینان ہو۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ البتہ دیکھنے کی بات الگ ہے کہ اس کی ضرورت پڑسکتی ہے۔

عورت سے مصافحہ کرنا..... عورت سے مصافحہ کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔'' ❸ لیکن شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ایسی بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ چھونا جائز ہے جس سے شہوت نہ ہوتی ہو۔ اس لئے کہ فتنے کا خوف نہیں۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں سے مصافحہ کو مکروہ کہا ہے اور اس میں سختی کی ہے، یہاں تک کہ محرم کے لئے بھی۔ البتہ والد کے لئے جائز رکھا ہے۔ اسی طرح بدصورت بڑھیا کا ہاتھ پکڑنے کو بھی جائز کہا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک عورت کو چھونا اور دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اگرچہ بوڑھی ہو۔ اگر درمیان میں کوئی ایسی چیز حائل ہو جائے جسم کو نہ ملنے دے تو مصافحہ جائز ہے۔

عورت کے ساتھ سفر اور خلوت..... جب چھونا جائز ہو تو مرد کا عورت کے ساتھ سفر بھی جائز ہوگا۔ اور خلوت بھی بشرطیکہ اپنے آپ پر اور عورت پر اطمینان ہو۔ محرم عورتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا جائز ہے سوائے رضاعی بہن اور جوان ساس کے ساتھ خلوت اختیار کرنا یا سفر کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورت اپنے شوہر یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کا سفر نہ کرے۔'' ❹ دوسری

---

❶ ..... مذکرۃ تفسیر آیات الاحکام للسایس: ۳/۱۶۴۔ ❷ دیکھئے تکملۃ الفتح: ۸/۹۸، ۱۰۲، ۱۰۶ الدر المختار: ۵/۵۹ ومابعدھا، ۲۶۳، ۲۶۹ ومابعدھا، اللباب: ۴/۱۶۴، القوانین الفقھیہ: ص ۴۴۶، مغنی المحتاج: ۳/۱۳۲، ۱۳۴، غایۃ المنتھٰی: ۳/۸، کشاف القناع: ۲/۱۷، ۵/۱۴، الاذکار للنووی رحمۃ اللہ علیہ: ص ۱۴۸، ص ۱۵۰، الدر المباحۃ فی الحظر الاباحۃ للشیبانی: ص ۳۶ وما بعد۔ ❸ اس کو مؤطا، ترمذی اور نسائی نے حضرت امیہ بنت رقیقہ سے روایت کیا۔ (جامع الاصول: ۱/۱۶۸) ❹ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ میں ''ثلاثۃ ایام'' آیا ہے۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ''جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ایک دن، رات سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر کرے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۴۹۔)

حدیث میں ہے: ”مرد جب بھی عورت کے ساتھ علیحدگی میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ لازمی طور پر جماعت کے ساتھ رہا کرو اور علیحدگی سے بچو اس لئے کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو آدمیوں سے (نسبتاً) دور ہو جاتا ہے۔ ⑪

مسئلہ......جن اعضاء کو بدن کے ساتھ جڑے ہوئے دیکھنا حرام ہے ان کو بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی دیکھنا حرام ہے۔ موت کے بعد بھی یہی حکم ہے۔

بال لگانا......آدمی کے بالوں کے بال لگانا حرام ہے......جیسا کہ عنقریب آئے گا......چاہے عورت کے بال ہوں یا کسی اور کے۔ اس لئے کہ یہ جعلسازی ہے اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”اللہ کی لعنت ہے بالوں میں دوسرے بال لگانی والی اور لگوانے والی پر، گودنے والی اور گودوانے والی پر، بال اکھیڑنے والی اور اکھیڑوالے والی پر۔“ ⑫

مسئلہ......جس کو دیکھنا منع ہے اس کے ساتھ اکٹھے بیٹھنا اور اکٹھے کھانا کھانا بھی منع ہے۔ سوائے ضرورت کے۔ ⑬

داڑھی بڑھانا......داڑھی بڑھانا سنت مطلوبہ ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مشرکوں کی مخالفت کرو۔ مونچھیں خوب کٹاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔“ ”مونچھیں کاٹو اور داڑھی چھوڑ دو۔ مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کاٹنا، داڑھی بڑھانا، مسواک......“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھیں خوب اچھی طرح کاٹنے اور داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔“ ⑭

احفاء الشوارب......(مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرنا) سے مراد یہ ہے کہ لبوں پر سے لمبے بال کاٹ دیئے جائیں تاکہ سفیدی نظر آئے۔

اعفاء اللحیۃ (داڑھی بڑھانا) سے مراد یہ ہے کہ داڑھی زیادہ کی جائے۔ اہل فارس کی طرح کاٹی نہ جائے۔ شریعت اس سے منع کرتی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ ایک مٹھی داڑھی سنت ہے کاٹ کر اس سے کم کرنا یا بالکل ختم کر دینا جائز نہیں۔ ⑤ شافعیہ کے نزدیک داڑھی منڈانا مکروہ ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے داڑھی کے بارے میں دس باتیں مکروہ لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض میں دوسری بعض کی بنسبت کراہت زیادہ ہے۔ انہی مکروہات میں داڑھی منڈانا بھی شامل ہے۔

اگر عورت کی داڑھی نکل آئے تو اس کو منڈانا مستحب ہے۔ ⑥

دس فطری خصلتیں...... ⑦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی مذکورہ حدیث کے مطابق دس فطری خصلتیں یہ ہیں: مونچھیں کاٹنا اور

---

⑪......یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۴۹ وما بعد) ⑫ اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ: اسماء رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر امام احمد اور شیخین متفق ہیں (نیل الاوطار: ٦/ ١٩٠) النامصۃ: چہرے سے بال نوچنے والی۔ المتنمصۃ: چہرے کے بال اکھڑوانے والی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب ضرورت نہ ہو اس لئے کہ نوچنے کے ذریعے سے بال اکھیڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ تبیین المحارم میں ہے: چہرے کے بال ختم کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر عورت کی داڑھی یا مونچھیں نکل آئیں تو ان کو دور کرنا حرام نہیں بلکہ مستحب ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ مرد کے لئے ابروئیں اور چہرے کے بال لینا جائز ہے بشرطیکہ مخنث سے مشابہت نہ ہو جائے۔ (ردالمحتار: ۵/ ۲٦۴) ⑬ القوانین الفقھیہ: ص ۴۴٦ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۴/ ۱۳۵۔ ⑭ یہ احادیث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہیں: پہلی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، دوسری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تیسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور چوتھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے (شرح مسلم: ۳/ ۱۴۷) ⑤ الدر المختار: ۲/ ۱۵۵۔ ⑥ شرح مسلم: ۳/ ۱۴۹، نیل الاوطار: ۱/ ۱۱٦۔ ⑦ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں ہے: فطری خصلتیں پانچ ہیں: ختنہ، زیر ناف بال مونڈنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال نوچنا۔

داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا ❶ بغلوں کے بال اکھیڑنا، زیرناف بال مونڈنا، استنجاء کرنا، کلی کرنا اور ختنہ کرنا۔ اس کا دسویں ہونا بہتر ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

اکٹھے لیٹنا..... اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت کے ساتھ ایک ہی بستر میں اکٹھے لیٹنا جائز نہیں چاہے کپڑے پہنے ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح دو مردوں اور دو عورتوں کا ایک ہی بستر میں اکٹھے ہونا بھی جائز نہیں۔ معامعہ اور مکاعمہ شرعاً ممنوع ہیں یعنی ایک بستر میں اکٹھے سونا کہ درمیان میں کوئی پردہ نہ ہو۔ ❷ شافعیہ کے نزدیک دو مردوں یا دو عورتوں کا برہنہ حالت میں ایک ہی کپڑے میں اکٹھے سونا حرام ہے۔ دس سال کے بچوں بچیوں اور بہن بھائیوں کے بستر الگ کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں ارشاد ہے،''اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس سال کی عمر میں نماز کی وجہ سے سزا دو اور ان کے بستر الگ کردو۔'' ❸

مصافحہ کرنا..... دو مردوں اور دو عورتوں کا آپس میں مصافحہ سنت ہے۔ اس لئے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا:''مومن جب بھی مؤمن سے ملتا ہے اس کو سلام کرتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے تو ان دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔'' ایک حدیث میں ہے:''جب دو مسلمان آپس میں ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔'' ❹ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ الاذکار میں فرماتے ہیں کہ مصافحہ ملاقات کے وقت مستحب ہے۔ لوگوں نے جو فجر اور عصر کے بعد مصافحے کی عادت بنالی ہے، شریعت میں اس کی اس طور پر کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اصل کے اعتبار سے مصافحہ سنت ہے۔ فجر اور عصر کے بعد کی تخصیص ان کے زمانے کی عادت تھی ورنہ ہر نماز کے بعد اسی طرح ہے۔ حنفیہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ مصافحہ مطلقاً جائز ہے، اگرچہ نمازوں کے بعد ہو۔ بعض حنفیہ نے نمازوں کے بعد مصافحے کو مکروہ کہا ہے۔

وبائی امراض جذام برص وغیرہ میں مبتلا شخص سے مصافحہ مکروہ ہے۔ ❺

چومنا اور جھکنا..... حنفیہ کے نزدیک ملاقات کے وقت یا رخصت ہوتے وقت ایک مرد کا دوسرے مرد کے منہ ہاتھ وغیرہ کو چومنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح عورت کے عورت کو چومنے کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ اس وقت ہے جب شہوت کی وجہ سے ہو۔ اگر حسن سلوک کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔

شافعیہ کے نزدیک گلے ملنا اور سر کا بوسہ لینا مکروہ ہے اگرچہ ان میں سے ایک یا دونوں صالح ہوں۔ اس لئے کہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ سفر سے لوٹنے والے اور کافی عرصہ بعد ملاقات کرنے والے کے لئے سنت ہے۔ عرصے کا دارومدار عرف پر ہے۔ یہ مسئلہ بھی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں آیا ہے۔

کسی بھی انسان کے سامنے جھکنا مطلقاً مکروہ ہے۔ علماء اور بڑوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ عالم اور عادل سلطان کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ عالم کا سر چومنا زیادہ اچھا ہے۔

---

❶ ..... البراجم: انگلیوں کی گرہیں اور جوڑ۔ کانوں کے سوراخ، ناک کا اندرونہ اور وہ جگہیں جہاں میل جمع ہوتی ہے وہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ ❷ اس کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عامر الحجری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۵۷) ❸ اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ ❹ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۶۰) ❺ دیکھئے: الدر المباحۃ فی الحظر والا باحہ: ص ۴۲ وما بعدھا، سنن المحتاج: ۳/۱۳۵، تکملۃ الفتح: ۸/۱۲۰، شرح الرسالہ: ۲/۳۹۳، الدر المختار: ۵/۲۶۹۔

اہل فضل وکمال یعنی علماء صلحاء اور شرفاء کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے بشرطیکہ یہ اکرام کے لئے ہو ریاء کے لئے نہ ہو۔علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ روضہ میں فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کے بارے میں صحیح روایات وارد ہیں۔

چہارم......لہو ولعب

ا۔کھیل......جس کھیل میں جوا ہو ❶ وہ بالاتفاق حرام ہے۔جوا اُسے کہتے ہیں جس میں ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان ہو۔حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جوے سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ ......المائدۃ:۵/۹۰)

''یہ جو شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سوان سے بچتے رہو۔''

بار بار جوا کھیلنے والا عادل نہیں رہے گا اور اس کی گواہی رد ہو جائے گی۔

اگر دونوں میں سے ایک نے اس بنا پر مال نکالے رکھا کہ اگر وہ جیت گیا تو اپنا مال لے لے گا۔اگر مدمقابل جیت گیا تو مال اسے مل جائے گا۔اس طرح کا عقد صحیح نہیں۔اس لئے کہ یہ جنگ کے ذرائع میں سے نہیں۔اس لئے اس میں عوض دینا بھی صحیح نہیں اور اس سے گواہی بھی رد نہیں ہوگی۔اس لئے کہ یہ جوا نہیں ہے جیسا کہ میں نے اس کا مطلب بیان کر دیا ہے۔

ب......جس کھیل میں جوا نہ ہو یعنی اس میں دونوں طرف سے یا ایک طرف سے عوض نہ ہو تو ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔لیکن کوئی بھی فضول کھیل کراہت سے خالی نہیں۔اس لئے کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور مفید کاموں سے غفلت اور بے رخی ہوتی ہے۔

نرد......نرد کھیلنا حرام ہے۔اس کی وجہ سے شہادت رد ہو جاتی ہے۔حنفیہ نے اس کو اپنی اصطلاح کے مطابق مکروہ تحریمی سے تعبیر کیا ہے۔اس لئے کہ اس کی دلیل ظنی ہے۔حرام اس لئے ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے:''نرد کھیلنے والے نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' ❷ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ،فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''نردشیر کھیلنے والے نے گویا اپنے (نیا پہرہ) ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگ دیئے۔'' ❸ بار بار کھیلنے والے کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔چاہے جوا ہو یا نہ ہو۔اس میں چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔اس لئے کہ اگر وہ جوا نہ بھی کھیلے تو بھی اس کے فضول اور لھو ولعب ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شامل نہیں وہ لہو ولعب ہے یا وہ سہو ولغو ہے،سوائے چار کھیلوں کے۔اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا،گھڑسواری سیکھنا یا تیراندازی سیکھنا اور تیراکی سیکھنا۔'' ❹ اور فرمایا:''نہ میں کھیل کود والا ہوں اور نہ وہ میرے لئے ہے۔'' ❺

---

❶......دیکھئے البدائع: ۵/۱۲۷، تکملۃ الفتح: ۸/۱۳۲، القوانین الفقھیہ: ص ۱۹۴، شرح الرسالۃ: ۲/۴۱۷،۴۲۰، الشرح الکبیر مع الدسوقی: ۱/۱۹۸ وما بعدھا،المہذب: ۲/۳۲۵۔۳۲۸، المغنی: ۹/۱۷۰۔۱۷۶، الدر المختار: ۵/۲۷۹،۳/۳۳۷، الفتاویٰ الھندیۃ: ۵/۳۲۳، تبیین الحقائق: ۶/۱۳ وما بعد۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ،ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(المنتقیٰ علی المؤطا: ۷/۲۷۸، نیل الاوطار: ۹۴) ❸ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یوں ہے''من لعب النردشیر فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ۔''(نصب الرایۃ: ۴/۲۷۴) ❹ اس کو نسائی رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نقل کیا ہے۔اس بارے میں مزید احادیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔''المشی بین الغرضین او الھدفین'' سے مراد تیراندازی سیکھنا ہے۔(نصب الرایۃ: ۴/۲۷۳ وما بعد) ❺ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔پہلی کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اور دوسری کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(تخریج احادیث التحفہ: ۳/۴۹۷)الدد: کھیل کود۔

چودہ کھیلنا حرام ہے۔اس لئے کہ اس کا دارومدار طرفین سے لگائے ہوئے مال پر ہوتا ہے۔تو یہ ہانسوں اور نرد کی طرح ہوا۔درحقیقت نرد کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل فارس کا جوا اسی کے گرد گھومتا تھا۔

شطرنج......شافعیہ کے سوا جمہور کے نزدیک شطرنج بھی حرام ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''شطرنج بھی جوا ہے۔''حضرت علی رضی اللہ عنہ شطرنج کھیلنے والوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

ماهذه التماثيل التي انتم لها عاكفون

''یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو۔''

شافعیہ فرماتے ہیں کہ شطرنج کھیلنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس کا کوئی دینی فائدہ ہے نہ ضرورت۔اس کو نہ کھیلنا بہتر ہے۔البتہ یہ حرام نہیں۔اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ،ابن زبیر رضی اللہ عنہ،ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا کھیلنا مروی ہے۔اس کی حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں۔اور منصوص کھیلوں کی حقیقت بھی اس میں موجود نہیں۔اشیاء میں اصل اباحت ہے۔بعض کا کہنا ہے کہ اس سے ذہن تیز ہوتا ہے۔

اگر اس میں طرفین سے یا ایک طرف سے کوئی عوض مقرر ہو جو جیتنے والا ہارنے والے سے وصول کرے تو یہ حرام ہے جیسا کہ لہو ولعب والی بحث کے شروع میں ذکر ہوا۔

گانا اور اس کے آلات......بعض حنفیہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک آلات موسیقی کے بغیر گانا گانا حرام ہے۔اس لئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے:''گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔''❶ بعض دوسرے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے نزدیک آلات کے بغیر گانا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ظاہر یہ ہے کہ ان کی رائے راجح ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ آلات موسیقی کے بغیر گانا گانا اور سننا مکروہ ہے۔حرام نہیں۔اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میرے پاس دو لڑکیاں ترنم سے اشعار پڑھ رہی تھیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کا باجا؟''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''انہیں رہنے دو!یہ عید کے دن ہیں۔''❷

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''ترنم سے اشعار پڑھنا سوار کا توشہ سفر ہے۔''

خلاصہ یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تالیف میں آلات موسیقی کے بغیر گانے کے حلال ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔❸

آلات موسیقی......چاروں مذاہب کے مشہور اقوال کے مطابق گانے بجانے کے آلات سارنگی،ستار،باجا،ڈھول،بانسری،رباب اور ان کے علاوہ گاجوں باجوں کی دیگر اقسام❹ حرام ہیں۔جو ان کے سننے کا معمول بنالے اس کی شہادت مردود ہے۔اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''میری امت کے کچھ لوگ شراب،خنزیر،ریشم اور باجوں کو حلال کریں گے۔❺ دوسرے الفاظ یوں ہیں:''میری امت کے کچھ لوگ شراب کو نام بدل کر پئیں گے،ان کے سامنے کا باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔اللہ تعالیٰ ان کو زمین

---

❶......صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔(المغني: ۹/۱۷۵) ❷ متفق عليه۔ ❸ نيل الاوطار: ۸/۱۰۱،الاحياء: ۲/۲۳۸ وما بعدها۔ ❹ سماع کی بحث کے لئے دیکھئے امام غزالی کی احیاء العلوم: ۲/۲۳۷۔۲۶۸۔یہ بات ملحوظ رہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قضیب،طبل اور دف وغیرہ سننا مباح قرار دیا ہے۔انہوں نے صرف باجوں گاجوں کو مستثنیٰ کیا ہے جن کے بارے میں شریعت میں ممانعت آئی ہے۔لذت کی وجہ سے نہیں۔جیسے بربط اور طنبور۔اور دیکھئے نيل الاوطار: ۸/۱۰۰۔۱۰۵،الشرح الصغير وحاشية الصاوي: ۲/۵۰۲ وما بعدها۔

❺ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

میں دھنسادیں گے اور بعض کو بندر اور خنزیر بنادیں گے۔'' ❶

علماء نے باجوں کی حرمت پر قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ لقمان:۳۱/۶

''اور بعض لوگ ایسی بھی ہیں جو لغو باتوں کو خرید لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں۔''

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ آلات مست کردیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنے کا اور مال ضائع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک قضیب مکروہ ہے جو گانے میں مزید مستی پیدا کرتی ہے لیکن اکیلی کچھ نہیں کرتی۔ اس لئے کہ یہ گانے کے تابع ہوتی ہے۔ تو اس کا حکم وہی ہوگا جو گانے کا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ مل جائے جیسے تالیاں، گانا، ناچ تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ کچھ نہ ہو، اکیلی ہو تو مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ کوئی آلہ نہیں ہے اس سے مستی بھی پیدا نہیں ہوتی اور اس کو اکیلے سنا بھی نہیں جاتا۔ بخلاف دوسرے آلات کے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ظاہریہ اور صوفیاء کی ایک جماعت نے سماع کو مباح کہا ہے اگرچہ اس کے ساتھ سارنگی اور بانسری ہو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے ہے (جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر، معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ) اور بعض تابعین کی بھی یہی رائے ہے جیسے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ۔

رقص......دوہرا ہوکر، ناز نخرے سے، مائل ہوکر اور اوپر نیچے ہوکر موزوں حرکات کرنے کو رقص کہتے ہیں۔ یہ حرام ہے اور اس کو حلال سمجھنے والا فاسق ہے۔

مباح کھیل......گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے ذریعے دوڑ کے جائز مقابلے اور اسلحے کی مشق مباح ہے۔ اس میں عوض بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ تیسرے آدمی کی طرف سے یا فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو۔

شادی اور ختنے میں مباح گانا گانا اور دف بجانا جائز ہے۔ ❷ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''نکاح کا اعلان کرو اور اس میں دف بجاؤ۔'' ❸

وہ تمام گانے حرام ہیں جو شر پر ابھاریں، ان میں حسن کی تعریف ہو، گناہوں اور شراب پینے کا تذکرہ ہو۔

رویانی نے قفال سے نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باجوں گاجوں والے گانے مباح ہیں۔ ظاہریہ کا بھی یہی مسلک ہے اہل مدینہ میں سارنگی کے مباح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ❹ بعض شافعیہ کا یہی قول ہے۔ اباحت پر ان کی دلیل یہ ہے کہ ممانعت والی حدیث صحیح نہیں۔ فاکھانی کہتے ہیں میرے علم میں کوئی آیت یا کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جو آلات موسیقی کی حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ اس مسئلے میں قرآن حدیث کے ظاہر اور عموم سے استدلال کیا گیا ہے قطعی دلائل موجود نہیں۔ ❺

میں کہتا ہوں کہ قومی ترانوں اور فضل وکمال اور جہاد پر مشتمل نغموں کے جواز میں کوئی امر مانع نہیں۔ بشرطیکہ اختلاط نہ ہو اور عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ پورا جسم باپردہ ہو ذلیل کاموں پر ابھارنے والے گانوں کی حرمت میں کوئی شک نہیں۔ یہاں تک کہ جو حضرات گانے کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی یہ حرام ہیں۔

---

❶......دف: یہ غربال کی طرح ایک طرف سے گول ہوتا ہے۔ اگر دونوں طرف سے گول ہو جیسے میزہر تو اس کے بارے میں مالکیہ کے تین قول ہیں۔ جواز، ممانعت اور کراہت۔ ❷ اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۶/۱۸۷) ❸ نیل الاوطار: ۶/۱۸۸ ❹ نیل الاوطار: ۸/۱۰۰۔۱۵۰۔ ❺ نیل الاوطار: ۸/۱۰۴۔

بالخصوص آج کل ریڈیو اور ٹی وی پر پیش کیے جانے والی ڈھیر منکرات بلاشبہ حرام ہیں۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل کے دور میں سماع سے بچنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں شبہ ہے۔ اور ایمان والے شبہات سے بچتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں تصریح کی گئی ہے۔ جس نے شبہات کو چھوڑ دیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔ اور جو چراگاہ کے گرد منڈلاتا رہا اسے خطرہ ہوتا ہے کہ اس میں جا پڑے۔ خاص طور پر جب کہ گانے میں راگ ورخسار، جمال ودلال، ھجر ووصال اور کثرت شراب نوشی کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ❶
بعض نفسیاتی اور اعصابی امراض کے علاج کے لئے موسیقی استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک لہو ولعب کے جائز وناجائز ہونے کا ضابطہ..... شافعیہ کے نزدیک لہو ولعب میں امتیاز کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ جس کھیل کا کچھ فائدہ نہ ہو مباح ہوتا ہے اور جس کا نقصان ہو وہ حرام ہوتا ہے۔
کھیل کی اقسام میں فرق کرنے کی بنیاد یہ ہے ذہین کو مشغول اور فکر کو متحرک کرنے والے کھیل مکروہ ہیں جیسے شطرنج۔ اور جو کھیل اتفاق پر مشتمل ہوں اور فکر اور عقل پر پردے ڈالنے والے ہوں وہ حرام ہیں جیسے نرد۔
اسی اصول کی بنیاد پر لہو ولعب والے مجالس میں ہے محابلہ بے تکلفانہ گفتگو مکروہ ہے اگر جھوٹ اور استہزاء بھی ساتھ شامل ہو جائے تو حرام ہے۔
آلات موسیقی والی گانے بجانے والی مجالس حرام ہیں۔ شطرنج مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے ذہن کی ورزش ہوتی ہے۔ اگر اس کی وجہ سے دینی واجبات فوت ہور ہے ہوں تو حرام ہے۔ تاش کھیلنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہے۔ اگر مال کی شرط لگائی جائے تو حرام ہے۔ نرد حرام ہے اگر چہ جوئے اور مالی عوض سے خالی ہو۔ اس لئے کہ اس کا دارو مدار مصادفت پر ہے۔
اس سے انسان پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ ذہن بنتا ہے کہ کار ہائے زندگی میں مصادفت اثر پزیر ہوتی ہے۔ مرغے لڑانا، جانور لڑانا، بل فائٹنگ، کشتی، باکسنگ اور اس طرح کہ دوسرے کھیل حرام ہیں۔ اس لئے کہ یہ انسانی اور حیوانی زندگی میں نقصان کا باعث ہیں اگر باکسنگ میں اور کشتی میں طرفین سے کسی کو نقصان نہ ہو تو یہ مباح ہوں گے اس طرح اگر اس سے مقصود طاقت حاصل کرنا اور لڑائی کی مشق کرنا اور ذاتی دفاع کی مشق ہو تو یہ مباح ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ پہلوان سے کشتی کی اور غالب رہے۔ ❷
اگر لہو ولعب میں ایک طرف سے یا دونوں طرف سے یا تیسرے آدمی کی طرف سے مال کی شرط لگائی جائے تو جوا ہونے (نیا پھو) کی وجہ سے حرام ہے۔
امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مراسیل میں جو یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ پہلوان سے اس کے قبول اسلام سے پہلے بکریوں پر کشتی کی تو یہ زمانہ جاہلیت میں رکانہ کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بکریاں یہ کہتے ہوئے واپس کر دی تھیں کہ ہمارا مقصد کشتی کے مال لینا نہیں تھا اپنی بکریاں لے لو۔
علماء کی ایک جماعت کے نزدیک کبوتر بازی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس کی اجازت نہیں دی گئی کبھی یہ حرام بھی ہو جاتی ہے اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کبوتری کے پیچھے بھاگتے دیکھا فرمایا یہ شیطان شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔
حدی اور شعر..... اونٹوں کو چلانے کے لئے جو اشعار پڑھے جاتے ہیں ان کو حدی کہتے ہیں۔ یہ مباح ہے اس کے کہنے سننے میں کوئی

❶ ..... نیل الاوطار: ۱۰۵/۸۔ ❷ ابوداؤد۔

حرج نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا۔اس طرح عربوں کے اشعار کو برقرار رکھا اس لئے اشعار پڑھنے کی تمام صورتیں جب تک گانے کی حد تک نہ پہنچیں...... جائز ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سنتے تھے تو منع نہیں فرماتے تھے۔ ❶

شعر کہنا بھی جائز ہے۔اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کئی شعراء تھے جن میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک اور عبداللہ بن احمد رضی اللہ عنہ شامل ہیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کی۔کعب بن زبیر نے جب قصدیدہ لامیہ بانت سعاد پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی۔

شعر حکم کے اعتبار سے عام باتوں کی طرح ہوتے ہیں۔جائز ناجائز ہونے میں، مکروہ ومستحب ہونے میں اور ان سے گواہی کے رد ہونے میں ان کا حکم وہی ہے جو عام باتوں کا حکم ہوتا ہے۔اچھے اشعار عام باتوں کی طرح اچھے ہوتے ہیں اور برے اشعار عام باتوں کی طرح برے ہوتے ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”بعض اشعار میں دانائی ہوتی ہے۔“ ❷

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”شعر عام باتوں کی طرح ہوتے ہیں، اچھے شعر اچھی باتوں کی طرح ہیں اور برے اشعار بری باتوں کی طرح ہوتے ہیں۔“ ❸

قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھنا...... خوش آوازی کے بغیر قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔لیکن افضل یہ ہے کہ قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھا جائے۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”قرآن مجید کو اپنی آواز سے مزین کرو“ یا ”اپنی آواز کو قران مجید سے مزین کرو۔“ ❹

خوش آوازی سے پڑھنے میں اگر کھینچنے، مد کرنے اور حرکتوں کے اسباع میں مبالغہ نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھا، ترجیح کی اور آواز بلند کی اگر لمبا کرنے اور عام کرنے میں حد سے تجاوز کیا تو مکروہ ہوگا۔ ❺

پنجم: تصویر...... عربی زبان میں تصویر کے اصل معنی بنانے، ترتیب دینے اور فرق کرنے کے آتے ہیں۔اسی سے المصور ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس نے تمام موجودات کو بنایا، ترتیب دیا، ہر چیز کو ایسی خاص صورت اور منفرد ہیئت دی کہ اختلاف اور کثرت کے باوجود دوسروں سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ ❻ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (الاعراف: ۷/۱۱) پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں۔

وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ...... التغابن: ۶۴/۳

اور صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت۔

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ⑧ الانفطار: ۸۲/۸

(اس نے) جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ ...... آل عمران: ۳/۶

وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں۔

---

❶...... دیکھئے المهذب: ۲/۲۲۷، المغنی: ۹/۱۷۶، الاحیاء: ۳/۱۰۹۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ”ان من البیان سحراً وان من الشعر حکماً۔“ ❸ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب میں اور عبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور ابویعلیٰ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔(الفتح الکبیر) ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(الجامع الصغیر) ❺ المهذب: ۲/۳۲۸، المغنی: ۹/۱۷۹ ومابعد۔
❻ النهاية لا بن الاثير: ۳/۵۸۔

اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی اسی صورت پر پیدا فرمایا۔ آپ علیہ السلام کا قد ساٹھ ذراع تھا۔'' (۱) امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔ صورت سے مراد انسان کی وہ خاص ہیئت ہے جو بصارت اور بصیرت سے نظر آتی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان کو بہت سی مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ (۲)

عہد نبوت میں پائی جانے والی تصویر..... جس کے بارے میں ممانعت اور حرمت نازل ہوئی میں تین صفات پائی جاتی تھیں:

۱..... تصاویر ذی روح چیز کی ہو یعنی انسان یا حیوان کی۔

۲..... تعظیم مقصود ہو۔

۳..... اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت۔

حرام کرنے کی حکمت یہ تھی کہ بت پرستی کی مشابہت سے روکا جائے، شرک کے خلاف جنگ کی جائے اور اکیلے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جائے۔

تصویر کے متعلق مشہور احادیث..... تصویر کے بارے میں وارد ہونے والی اہم احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتوں کے داخل نہ ہونے والی حدیث..... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔'' یعنی رحمت، برکت اور استغفار والے فرشتے۔ رہے حفاظت کرنے والے فرشتے تو وہ ہر گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور انسان سے کسی حال میں جدا نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ وہ اعمال شمار کرنے اور لکھنے پر مامور ہیں۔ علماء فرماتے ہیں: تصویر والے گھر میں فرشتے اس لئے داخل نہیں ہوتے کہ یہ انتہائی مذموم گناہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اسی طرح کتا نجاست بہت زیادہ کھاتا ہے۔ (۳)

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔'' اس سے مراد وہ کتا اور تصویر ہے جس کو رکھنا حرام ہے۔ جو حرام نہ ہو جیسے شکار، کھیتی اور مویشیوں والا کتا اور وہ تصویر جو توہین آمیز جگہ پر ہو جیسے چٹائی، تکیہ وغیرہ پر، تو اس کی وجہ سے فرشتے نہیں رکتے۔

۲۔ قرام والی حدیث..... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے: فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے اس وقت تصویر والا (۴) پردہ لگایا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ پکڑ کر پھاڑ لیا۔ اور فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔'' (۵) پردے سے متعلق یہ حکم شروع شروع میں تھا۔ بعد ازاں اس میں رخصت آ گئی۔

اس کی دلیل دوسری روایت ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے خالد جہنی سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: ''**الا رقماً فی ثوب**'' سوائے اس کے جو کپڑے میں نقش ہو۔

---

(۱)..... اس کو امام احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اسی صورت پر پیدا ہوئے جس پر پیدائش سے موت تک رہے۔ ان کے قد وقامت اور شکل وصورت میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس ان کی اولاد پہلے نطفہ ہوتی ہے، پھر جما ہوا خون، پھر بوٹی پھر ہڈیاں اور پٹھے۔ بعد ازاں اس پر بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے حالات آئے ہیں۔ (۲) معجم مفردات الفاظ القرآن: ص ۲۹۷۔ (۳) شرح مسلم للنووی رحمۃ اللہ علیہ: ۱۴/ ۸۴۔ (۴) القرام: پلنگ کی چادر اور استر جیسا باریک پردہ۔ (۵) شرح مسلم: ۱۴/ ۸۷ وما بعدہ۔

اس رخصت کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس پر پرندے کی تصویر تھی۔ گھر میں داخل ہونے والا جب داخل ہوتا تھا تو وہ اس کے سامنے پڑتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''اس کو بدل دو اس لئے کہ میں جب بھی داخل ہوتا ہوں، اس پر نظر پڑتی ہے تو مجھے دنیا یاد آ جاتی ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہمارے پاس ایک چادر تھی جس پر ریشم کے نقش ونگار تھے۔ ہم اسے پہنا کرتے تھے۔

علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلے پہل ہر قسم کی تصاویر سے روکا گیا، اگر چہ وہ کپڑے کے نقش ونگار ہوں۔ اس لئے کہ وہ تصویروں کی عبادت کے قریب کا وقت تھا۔ اس لئے تمام تصویروں سے منع کر دیا گیا۔ پھر جب اس کی ممانعت پختہ ہوگئی تو کپڑا ابنانے کی ضرورت کی وجہ سے نقش کی اجازت دے دی گئی اور مقام حقارت والی تصاویر کو بھی مباح کر دیا گیا۔ اس لئے کہ اسطرح کی تصویروں کی جاہل تعظیم نہیں کرتے۔ اور جو تصویریں مقام حقارت میں نہیں ان میں نہی باقی رہی۔

۳۔ نمرقہ والی حدیث...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا تکیہ (نمرقۃ)[1] خریدا جس پر تصاویر تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اندر داخل نہیں ہوئے۔ میں نے ان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار جان لئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توبہ کرتی ہوں۔ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہو گیا؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تکیہ کیسا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا'' یہ میں نے آپ کے لئے خریدا ہے تاکہ آپ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھیں اور سر کے نیچے رکھیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان تصویروں والوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیدا کئے ہوؤں کو زندہ کرو۔'' پھر فرمایا'' جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔''[2] یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ حرمت تصویر بنانے والوں کے لئے ہے جو جاندار اجسام کی تصویریں اس طرح بناتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہوتی ہے۔

۴۔ تصویر بنانے والوں کو چیلنج...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوزرعہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مروان کے پاس گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہاں تصویریں دیکھیں تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری طرح تخلیق کرنے چلا ہے۔ ایسے لوگ ایک ذرہ پیدا کریں، ایک دانہ پیدا کریں، ایک جو پیدا کریں۔''[3]

۵...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل کی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں صلیب[4] کی تصویروں والی ہر چیز مٹا دیتے تھے۔''

تصویر کے بارے میں علماء کی آراء...... علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ علماء کی آراء[5] بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جاندار کی تصویر بنانا بہت سخت حرام ہے۔ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس پر انتہائی شدید وعید آئی ہے۔ جو مذکورہ احادیث میں مذکور ہے۔ اور بنانے میں عموم ہے چاہے اس کو حقارت والی جگہ کے لئے بنایا گیا ہو یا کسی اور جگہ کے لئے۔ تصویر بنانا ہر حال میں حرام ہے۔ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اور اس میں بھی عموم ہے کہ چاہے وہ کپڑے پر ہو یا چٹائی، درہم، دینار، سکے، برتن، دیوار یا کسی اور چیز پر۔

---

[1]...... النمرقة: چھوٹا تکیہ۔ [2] شرح مسلم: ۱۴/۸۹ ومابعد۔ [3] سابقہ حوالہ: ۱۴/۹۳ وما بعد۔ [4] التصاليب: صلیب کی تصویریں۔
[5] شرح المسلم سابقہ حوالہ: ۱۴/۸۱ وما بعد۔

درختوں اونٹ کے کجاووں اور اس طرح کی بے جان چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں۔ یہ تصویر بنانے کا حکم ہوا۔

تصویر رکھنے کا حکم...... جاندار کی تصویر والی اشیاء گھروں وغیرہ میں لگانے اور لٹکانے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ دیوار، لباس، عمامے اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر ہو جن کو حقارت والی نہیں سمجھا جاتا تو وہ حرام ہیں۔

اور اگر یہ نیچے بچھائی جانے والی چٹائی، گدے تکیے یا اس جیسی دوسرے چیزوں پر ہو جو حقارت والی ہیں تو حرام نہیں اس میں سایہ دار اور غیر سایہ دار کا کوئی فرق نہیں۔ یہ شافعیہ اور جمہور صحابہ و تابعین اور بعد کے علماء کی رائے ہے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

رحمت کے فرشتے اس کتے اور تصویر کی وجہ سے گھر آنے سے رکتے ہیں جس کا رکھنا حرام ہے۔ جس کتے کا گھر میں رکھنا حرام نہیں جیسے کہ، شکاری یا مویشیوں والا کتا اسی طرح جس تصویر کا گھر میں رکھنا حرام نہیں چٹائی تکئے وغیرہ پر لگی ہوئی مقام حقارت والی تصویر تو اس کی وجہ سے فرشتے نہیں رکتے۔ جیسا کہ گزر چکا۔

بعض علماء سلف فرماتے ہیں: نہی اور ممانعت صرف سایہ والی تصویر کی ہے۔ سائے کے بغیر والی تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مذہب باطل ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردے والی تصویر سے منع فرمایا تھا اس کے مذموم ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ اس کی تصویر کا سایہ نہیں تھا۔ علاوہ ازیں دوسری احادیث مطلق ہیں اور ان میں تمام تصویریں شامل ہیں۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصویر کی نہی عام ہے۔ یہی حکم تصویر والی چیز استعمال کرنے اور تصویر والے گھر میں داخل ہونے کا ہے۔ چاہے تصویر کپڑے پر نقش ہو یا نہ ہو، دیوار پر ہو یا کپڑے اور چٹائی پر، مقام حقارت میں ہو یا کہیں اور سب کا یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ احادیث کا ظاہر یہی ہے۔ بالخصوص صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تکئے والی حدیث کا مفہوم۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مذہب قوی ہے۔

دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ کپڑے کا نقش جائز ہے چاہے مقام حقارت میں ہو یا نہ ہو۔ اور چاہے دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا ہو یا نہ ہو۔ ان کے نزدیک سایہ دار تصاویر، دیواروں پر بنی تصاویر اور ان جیسی دوسری تصویریں مکروہ ہیں، چاہے نقش ہوں یا نہ ہوں۔ انہوں نے حدیث الا رقماً فی ثوب سے استدلال کیا ہے۔ یہ قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

سایہ دار تصاویر کی ممانعت اور ان کو بدلنے کے وجوب علماء کا اجماع ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی بچیوں کی گڑیا اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان میں رخصت ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں تصویر رکھنے کے بارے میں ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے نقل کی ہے:

تصویر رکھنے والے مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ تصویر اگر جسم والی ہو تو بالاجماع حرام ہے۔ اور اگر نقش ہو تو اس میں چار اقوال ہیں۔

پہلا...... حدیث "الا رقماً فی ثوب" کے مطابق مطلقاً جائز ہے۔

دوسرا...... مطلقاً ناجائز ہے۔

تیسرا...... اگر تصویر کی ہیئت باقی ہو اور شکل وصورت قائم ہو تو حرام ہے۔ اور اگر اس کا سر کٹا ہوا اور اجزاء متفرق ہوں تو جائز ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی اصح ہے۔

چوتھا...... بمقام حقارت میں جائز ورنہ ناجائز۔

تصویر کے بارے میں بحث کا خلاصہ...... جاندار کی سایہ دار تصویریں، جسم والی تصویریں اور مورتیاں حرام ہیں۔ ان کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے۔ مورتیوں کو بنانا اور کسی جگہ نصب کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں موتیاں ہوں''۔

نباتات اور کائنات کے قدرتی مناظر جیسے آسمان، زمین، باغات، پہاڑ، سمندر نہریں اور جامد اشیاء جیسے جہاز، گاڑیاں اور اس طرح کی دوسری بے جان مخلوقات کی تصاویر مباح ہیں۔ اس لئے کہ یہ حدیث کی ممانعت سے خارج ہیں۔ اس طرح **یشبھون بخلق اللہ** اور ''**یقال لھم احیوا ماخلقتم**'' میں اشارہ موجود ہے۔

گدوں، تکیوں، پردوں، چٹائیوں، بستروں اور استر پر بنی ہوئے تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ مقام حقارت پر ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک قلمی تصویریں، دیواروں کے نقوش، کاغذ پر بنی ہوئی تصویریں، کپڑوں اور پردوں پر چھپی ہوئی اور بنی ہوئی تصویریں، ڈیزائن، نقش ونگار اور مختلف قسم کے دھاگوں سے کیا ہوا کام اور اسی طرح کی دوسری غیر سایہ دار تصاویر مباح ہیں۔

بچوں کے لئے موم اور دھاگوں سے بنے ہوئے مختلف قسم کے کھلونوں کی صورتیں جائز ہیں۔ جیسے گڑیا وغیرہ اور ان کو بیچنا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی ❶ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور اس وقت میرے پاس لڑکیاں بھی ہوتیں۔ ❷ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوتے تو وہ نکل جاتیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکل جاتے تو وہ آ جاتیں۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جیسی ایک اور روایت نقل کی ہے۔ اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود گڑیوں کو برقرار رکھا۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصویروں سے کھیلنا صرف بچیوں کے لے جائز ہے اس کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں۔ ان تصویروں اور کپڑے کے نقش کے علاوہ سب تصویریں حرام ہیں۔

اگر تصویر ایسی حالت میں ہو جس میں زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو جیسے سرکٹی تصویر یا آدھی، تصویر مباح ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو بھی گھر میں یا کہیں اور نصب نہ کیا جائے۔

حنفیہ میں سے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ❸ گھروں میں تصویریں رکھنا مکروہ (تحریمی) ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ''فرشتے اس گھر میں دخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔'' دوسری بات یہ ہے کہ گھر میں تصویر رکھنے سے بت پرستوں سے مشابہت ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر وہ چٹائیوں پر اور چھوٹے تکیوں پر ہو جن کو بیٹھنے کے لئے زمین پر ڈالا جاتا ہے تو مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ اس کو پاؤں سے روندنے سے اس کی حقارت واھانت ہوتی ہے۔ تصویر کو ایسی حقارت والی جگہ رکھنے سے بت پرستوں سے مشابہت نہیں ہوتی البتہ اس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ مشابہت والے معنی حاصل ہو گئے۔

پردوں، دیوار کے لبادوں، بڑے تکیوں اور چھتوں پر بنی تصویریں مکروہ ہیں۔ اس لئے کہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ اگر اس کا سر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ تصویر نہیں بلکہ نقش ہے۔ اگر اس کا سر اس طرح کاٹ دیا کہ اس کے گلے پر دھاگے سے سلائی کر دی تو اسے کچھ نہیں ہوتا...... اس لئے کہ اس طرح یہ تصویر کے حکم سے خارج نہیں ہوئی بلکہ اس کا حلیہ مزید واضح ہوا ہے۔ جیسے بعض پرندوں کے گلے کا قدرتی حلقہ۔ مکروہ تحریمی جاندار چیزوں کی تصویر ہے۔ بے جان چیزوں درخت چراغ وغیرہ کی تصویر میں کوئی حرج نہیں۔

فوٹو جائز ہیں گھر وغیرہ میں فوٹو لٹکانے میں کوئی مانع نہیں بشرطیکہ فتنہ انگیز جیسے عورتوں کی تصاویر جن میں چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ دیگر اعضاء بازو پنڈلیاں بال وغیرہ ظاہر ہوں۔ ٹی وی کی تصویروں اور اس پر پیش کئے جانے والے رقص، اداکاری اور گلوکاری کا بھی یہی حکم ہے میری رائے میں یہ سب حرام ہیں۔

---

❶......البنات: بچوں کے کھیلنے میں استعمال ہونے والی گڑیوں کی صورتیں۔ ❷ الجواری: یہ جاریہ کی جمع ہے۔ نوجوان لڑکی۔ ❸ البدائع: ۱۲٦/۵ وما بعد.

فنون لطیفہ کے کالجوں کے طلبہ کا برہنہ عورتوں کی صورتیں تراشنا اور تصویریں بنانا سخت اور گناہ کبیرہ ہے۔ ڈرائنگ کو میڈیکل کالج میں کئے جانے والے پوسٹ مارٹم پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ پوسٹ مارٹم انسانی زندگی کو تحفظ دینے والی ایک سائنسی ضرورت ہے۔ اس کے برعکس ڈرائنگ ایک زائد اور تفریحی مشغلہ ہے۔ ایس طرح پوسٹ مارٹم موت کے بعد ہوتا ہے اور ڈرائنگ زندگی میں۔

فوٹو کے مباح ہونے کی وجہ یہ ہے اسے لغوی اعتبار سے تو تصویر کہا جاتا ہے لیکن شرعی اعتبار سے یہ تصویر نہیں ہے۔ اس لئے کہ عہد نبوت میں جس چیز پر تصویر کا اطلاق ہوتا تھا اس کا ذکر گزر گیا ہے۔ دوسری بات یہ فوٹو سائے یا شکل کو قید کرتا ہے۔ جیسے آئینے اور پانی والی تصویر میں ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آئینے اور پانی والی تصویر متحرک ہوتی ہے۔ ثابت نہیں ہوتی۔ جب کہ فوٹو کیمیاوی مادوں سے ثبت ہوجاتا ہے۔ یہ حقیقت میں تصویر نہیں ہے۔ اس لئے کے کیمیاوی مادے اس کی نقل وحرکت سے مانع ہوتے ہیں۔ ❶

ششم......حیوان کونشان لگانا

الوسم...... جانور کو داغ کر یا کان پھاڑ کر یا کان میں سوراخ کر کے نشان لگانے کو وسم کہتے ہیں۔ اہل لغت کے مطابق وسم داغ کے اثر کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: بعیر ''موسوم'' داغا ہوا اونٹ۔ یہ وسم یسم وسماً وسمة سے ہے۔ **المیسم**: اس چیز کو کہتے ہیں جس سے داغا جائے۔ اس کی جمع میاسم اور مواسم ہے۔ ان سب کی اصل سمة ہے۔ جس کا معنی ہے علامت۔ اسی سے ہے ''**موسم الحج**'' یعنی لوگوں کے اجتماع کی علامت۔ **فلان موسوم بالخیر** فلاں آدمی خیر کی علامت ہے۔ **علیه سمة الخیر** اس پر خیر کی علامت ہے۔ **توسمت فیه کذا** میں نے اس میں علامت دیکھیں۔

حکم......اس میں دو رائیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ مثلہ ہے جو کہ ممنوع ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ جانور کو چہرے کے علاوہ باقی جسم پر نشان لگانا جائز ہے۔ البتہ آدمی کو داغ وغیرہ کا نشان لگانا جائز نہیں۔ زکوٰۃ اور جزیئے کے جانوروں کو نشان لگانا مندوب ہے۔ دلیل وہ صحیح اور صریح احادیث ہیں جن کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی بہت سے آثار بھی اس کی دلیل ہیں۔ علاوہ ازیں بعض اوقات اونٹ بدک کر بھاگ جاتے ہیں۔ تو جس کو ملیں گے وہ علامت سے پہچان کر واپس کردے گا۔ مثلے والی روایات کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات عام ہیں اور نشان والی احادیث خاص ہیں۔ اس لئے ان کو مقدم کرنا واجب ہے۔

احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ہشام بن زید سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ ان کی والدہ کے ہاں ولادت ہوئی تو بچے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحنیک (کوئی میٹھی چیز چبا کر نرم کرکے بچے کے تالو سے لگانا) کے لئے لے جایا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باڑے ❷ میں بکریوں کو نشان لگا رہے تھے۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میرا رجحان اس طرف ہے کہ انہوں نے ''**فی آذانها**'' (بکریوں کے کانوں میں) کہا تھا۔

دوسری روایت میں ہے: ہشام بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باڑے میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کو داغ رہے تھے۔ ہشام کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے انہوں نے **فی آذانها** کہا تھا۔ ❸

---

❶......تفسیر آیات الاحکام للشیخ الاستاذ محمد علی السایس: ۶۱/۴۔ ❷المرید: اونٹ بند کرنے کی جگہ۔ یہ بکریوں کے باڑوں کی طرح ہوتا ہے۔ ❸شرح مسلم: ۹۸/۱۴۔

ہفتم: بالوں کے احکام...... سر کے بال لمبے کرنا اور پورا سر منڈانا جائز ہے۔ اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کا کچھ سر مونڈا ہوا تھا اور کچھ چھوڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ سارا مونڈو یا سارا چھوڑو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو صفائی رکھنا چاہتا ہو اس کے لئے سر منڈانا جائز ہے۔

قزع بال مکروہ ہیں۔ یعنی بچے کے بال مونڈتے ہوئے مختلف جگہوں سے چھوڑ دینا۔ اس کو بال کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے مشابہہ ہونے کی وجہ سے قزع کہتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قزع مطلقا سر کا بعض حصہ مونڈنے کو کہتے ہیں یہی اصح ہے۔

بال رکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ نسائی کے علاوہ تمام صحاح ستہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال وفرۃ سے زیادہ جمہ سے کم تھے۔ ❶

بالوں والے کے لئے کنگھی کرنا اور بال سنبھال کر رکھنا مستحب ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''جس کے بال ہوں اسے چاہئے کہ ان کا اکرام کرے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بالوں کو کنگھا کرنا تیل لگانا اور منڈانے کے بجائے بڑھانا مستحب ہے۔ اس لئے کہ کاٹنا اکرام کے خلاف ہے۔ ہاں اگر لمبے ہو جائیں تو کاٹے جائیں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اسی کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا گویا بالوں اور داڑھی کو ٹھیک کرنے کا اشارہ کررہے ہوں۔ جب وہ آدمی بال ٹھیک کر کے واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ حالت اس سے بہتر نہیں ہے کہ آدمی آئے اور اس کے بال بکھرے ہوئے ❷ ہوں گویا کہ وہ شیطان ہے۔

سفید بال اکھیڑنا...... سفید بال اکھیڑنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سفید بال نہ نکالا کرو! اس لئے کہ یہ مومن کا نور ہیں۔ جب بھی مسلمان کا کوئی بال سفید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک نیکی دیتے ہیں ایک درجہ بلند کرتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرماتے ہیں۔''

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صریح نہی کی وجہ سے اگر سفید بال اکھیڑنے کو حرام کہا جائے تو کچھ بعید نہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سفید بال داڑھی سے نوچے جائیں یا سر مونچھوں، ابروؤں اور رخساروں سے مرد کے ہوں یا عورت کے سب کا ایک ہی حکم ہے۔

بالوں کو سرخ، زرد، کالے اور دوسرے رنگوں سے رنگنا (خصاب لگانا) جائز ہے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کالا رنگ حرام ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک محض مکروہ ہے۔ خضاب کے جواز کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ❸ ابوقحافہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ ان کا سر ثغامہ ❹ کی طرح سفید تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کو اپنی کسی عورت کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ ان کے بال رنگ دے البتہ کالے رنگ سے بچنا۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال معمولی سفید ہوئے تھے۔ لیکن ان

---

❶......الوفرۃ: سر پر جمع بال یا کانوں پر پڑے بال یا وہ بال جو کانوں کی لو سے تجاوز ہو گئے ہوں۔ الجمۃ: لو سے نیچے تک کے بال۔ ❷ الثائر: پراگندہ بال جن میں کافی عرصہ تک تیل کنگھی کا استعمال نہ ہوا ہو۔ ❸ ابو قحافہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد محترم۔ ❹ ثغامۃ: ابوعبید کہتے ہیں یہ سفید پھل اور پھول والی بوٹی ہے جو سفید بالوں کے مشابہہ ہوتی ہے۔

کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور وسمہ (کتم) سے بال رنگے۔'' ❶

سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں خضاب اور اس کی جنس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک خضاب نہ کرنا افضل ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں سفید بالوں کا رنگ بدلنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس سے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال کبھی بھی نہیں رنگے۔ ❶ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ خضاب افضل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور بعد والوں کی ایک معتدبہ تعداد نے خضاب استعمال کیا۔ اس لئے کہ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

پھر مؤخر الذکر حضرات کا آپس میں اختلاف ہے۔ اکثر زرد رنگ یعنی سرخ زرد رنگ استعمال کرتے تھے۔ ان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ان میں سے بعض مہندی اور وسمہ (کتم) استعمال کرتے تھے اور بعض زعفران۔ بعض کالا رنگ بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان، حضرت حسن، حضرت حسین، عقبہ بن عامر، ابن سیرین، ابوبردہ رضی اللہ عنہم اور دوسروں سے مروی ہے۔ ❸

صحیح یہ ہے کہ سفید بال رنگنا نہ رنگنا دونوں طرح جائز ہے۔ اور ہر طرح کا رنگ جائز ہے۔ البتہ کالا رنگ مکروہ ہے۔

آدمی کے بالوں کے ساتھ بال جوڑنا بالاتفاق حرام ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ چاہے مرد ہو یا عورت۔ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ خوبصورتی کے لئے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے۔ اسی طرح چاہے مرد کے بال ہوں چاہے عورت کے، محرم کے ہوں، شوہر کے یا کسی اور کے۔ اس لئے کہ دلائل عام ہیں اور اس لئے بھی کہ آدمی کے بالوں اور دوسرے اجزاء سے انتفاع، اس کی شرافت اور مرتبے کی وجہ سے حرام ہے۔ بلکہ اس کے بال ناخن اور تمام اجزاء دفن کئے جاتے ہیں۔

آدمی کے علاوہ کسی کے بال جوڑے تو اگر وہ ناپاک ہوں جیسے مردار کے اور حرام جانوروں کے بال جو ان کی زندگی میں جدا ہوئے ہوں تو بھی حرام ہے۔ اس لئے کہ آگے آنے والی حدیث میں بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت آئی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اس نے نماز اور غیر نماز میں جان بوجھ کر نجاست اٹھائی ہوئی ہے۔ آدمی کے علاوہ کسی اور کے پاک بال اور مصنوعی بال جوڑنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس عورت کا شوہر یا آقا نہ ہو تو یہ بھی حرام ہے۔ اگر شوہر ہو تو اس کی اجازت سے جوڑنا جائز ہے۔ بلا اجازت ناجائز ہے۔ اس بناء پر وگ پہننا مرد کے لئے جائز ہے۔ اور عورت کے لئے شوہر کی اجازت سے جائز ہے۔

شافعیہ، امام لیث اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رنگین ریشم کے دھاگوں سے بال جوڑنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ بال جوڑنے کے حکم میں نہیں۔ یہ محض زیب وزینت اور خوبصورتی کے لئے کہا جاتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، طبری اور بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ جوڑنا ہر چیز سے ممنوع ہے۔ چاہے، بالوں سے جوڑے یا اون سے کپڑے سے۔ اس لئے کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ❹ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے سر سے کوئی بھی چیز جوڑنے سے منع فرمایا۔

حنفیہ میں سے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت کے لئے اپنے بالوں کے ساتھ کسی کے انسانی بال جوڑنا مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت کی ہے۔'' اور اس لئے بھی کہ آدمی اپنے تمام اجزاء سمیت قابل احترام ہے اور اس سے الگ ہونے والے جزو سے انتفاع اس کی توہین ہے۔ اسی وجہ سے اس کو فروخت کرنا مکروہ ہے۔ جانوروں کے بال اور اون کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایسی چیز کو زیب وزینت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ جو

---

❶ ......الحناء: اس کے معنی معروف ہیں۔ یعنی جس سے سرخ رنگ میں رنگا جائے۔ الکتم والکتمان: ایک بوٹی جس کو مہندی سے ملا کر بال رنگے جاتے ہیں یہ وسمہ کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی نیل کے پتے۔ اس کے پتے آس کے پتوں جیسے ہوتے ہیں۔ جنہیں کوٹ کر خضاب کیا جاتا ہے۔ ❻ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر سے مروی ہے۔ ❸ نیل الاوطار: ۱/۱۱۸۔ ❷ سابقہ حوالہ: ۶/۱۹۱ ومابعد۔

اس کام کے لئے استعمال ہوسکتی ہے۔اسی لئے ان سے تمام طریقوں سے انتفاع کیا جاسکتا ہے۔تو زیب وزینت کے لئے استعمال بھی درست ہوگا۔❶

عورت کے لئے کانوں سے نیچے بال کاٹنا جائز ہے۔تاکہ مردوں سے مشابہت نہ ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔وہ گھر میں مختلف طریقوں سے سر کنگھا کرسکتی ہے۔البتہ گھر سے باہر چھپا کر رکھے۔

ہشتم: گودنا، بال اکھیڑنا اور دانتوں میں فاصلہ کرنا.....الوشم (گودنا) بھی حرام ہے۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ سوئی وغیرہ ہتھیلی، کلائی، چہرے یا ہونٹ وغیرہ کی جلد میں چبھوئی جائے۔جب خون بہہ جائے تو اس سوراخ میں سرمہ وغیرہ بھر دیا جائے تاکہ وہ جگہ سبز ہو جائے۔

النمص.....یعنی چہرے سے بال نوچنا۔یہ بھی حرام ہے۔البتہ اگر عورت کے چہرے پر بہت سے بال مونچھ داڑھی کی شکل میں نکل آئیں تو ان کو ختم کرنا مستحب ہے۔

تفلیج الاسنان.....یعنی سامنے والے دانتوں ثنایا اور رباعی کے درمیان ریتی وغیرہ سے فاصلہ کرنا۔اسی طرح عورتوں کے وہ تمام میک اپ جن سے بڑی عورت کو چھوٹا ظاہر کیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہیں۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھیلنے اور چھلوانے والی، گودنے اور گودوانے والی اور بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت کیا کرتے تھے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ بیماری کے بغیر بال اکھیڑنے، دانتوں کو تیز اور باریک کرنے، بال جوڑنے اور گودنے سے منع فرمایا۔

الواشرۃ.....وہ عورت جو دانتوں کو باریک اور نوکیلے کرنے کے لئے تیز کرتی ہے۔یہ عموماً بڑی عمر کی عورتیں نوعمر عورتوں سے مشابہت کے لئے کرتی ہیں۔

القاشرۃ.....(چھیلنے والی) جو اپنے یا کسی اور عورت کے چہرے کا غمرہ (ورس سے بنی طلاء) سے علاج کرتی ہے تاکہ رنگ صاف ہو جائے۔

المقشورۃ:.....وہ عورت جس کے ساتھ ایسا کیا جائے.....ایسی عورتیں گویا اپنی جلد اوپر سے چھیل لیتی ہیں اور نیچے والی جلد ظاہر ہو جاتی ہے۔یہ بال اکھیڑنے (نمص) سے ملتا جلتا عمل ہے۔

گودنا، بال اکھیڑنا اور دانتوں کا فاصلہ کرنا مردوں عورتوں پر حرام ہے۔کرنا بھی اور کرانا بھی۔اس لئے کہ ان سب پر لعنت آئی ہے جو کہ حرام ہونے کی دلیل ہے۔

گودنے والی جگہ خون رک جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاتی ہے۔اگر علاج سے اس کا خاتمہ ممکن ہو تو وہی واجب ہے۔اور اگر زخمی کئے بغیر ممکن نہ ہو تو اگر نقصان کا اندیشہ ہو یا ظاہری اعضاء چہرے ہتھیلیوں وغیرہ میں کسی سخت عیب کا اندیشہ ہو تو اس کو ختم کرنا ضروری نہیں۔البتہ توبہ ضروری ہے۔اور اگر نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

ان تینوں (گودنا، بال نوچنا اور دانتوں میں فاصلہ کرنا) کے حرام ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والیوں، بال اکھیڑنے اور اکھڑوانے والیوں اور حسن کے لئے دانتوں میں فاصلے کرانے والیوں اللہ کی تخلیق بدلنے والیوں پر لعنت کی ہے۔“ انہوں نے

---

❶.....البدائع: ۱۲۵/۵ وما بعد.

یہ بھی فرمایا ہے ”مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔“

اس موضوع پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اور احادیث بھی مروی ہیں۔ ❶

نہم۔ عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا...... مردوں کا عورتوں سے لباس زیب وزینت جیسے کنگن، ہار، بالیاں وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ بات چیت، چال ڈھال، بال مونڈنے اور بتکلف سخت اور مردانہ آواز وانداز اختیار کرنے میں مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے۔ ایسی عورتوں کو مترجلات کہتے ہیں۔ یعنی مردوں کے ساتھ مشابہت اختیا کرنے والی عورتیں۔ تخنث بھی حرام ہے یعنی مردوں کا چال ڈھال، نرم گفتگو، پتلی آواز، مہندی اور اسی کی طرح میک اپ کی دوسری اقسام، سرخ کرنا، سفید کرنا، انگلیاں رنگنا وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا۔

عورتوں کے لئے مہندی وغیرہ سے خضاب لگانا مستحب ہے۔ سرخ رنگ وغیرہ گھر کے اندر شوہر کی اجازت سے جائز ہے۔ گھر سے باہر اور شوہر کی اجازت کے بغیر حرام ہے۔

دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ دوسری روایت میں ہے۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنانہ بننے والے مردوں اور مردوں جیسی بننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کو نکال دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلاں مرد کو نکال دیا۔“ سنن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مخنث لایا گیا جس نے اپنے ہاتھ مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں احکامات صادر فرمائے اور اس کو نقیع کی طرف جلاوطن کر دیا۔ پوچھا گیا ”یا رسول اللہ آپ اس کو قتل کیوں نہیں کر دیتے؟“ فرمایا ”مجھے نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔“ ❷

دہم: سلام کرنا

السلام...... یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک ہے۔ اس کا مطلب ہے: آپ پر اللہ تعالیٰ کا نام یعنی آپ اس کی حفاظت میں رہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے اللہ یصبحك اللہ معك (اللہ آپ کے ساتھ رہے۔) سلام کے بارے میں احکام حسب ذیل ہیں۔ ❸

سلام میں پہل کرنا سنت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ”آپس میں سلام پھیلاؤ۔“ سلام کا جواب اکیلے کے لئے فرض عین ہے اور جماعت کے لئے فرض کفایہ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ......النساء: ۴/ ۸۶

”اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔“

جماعت میں سے سلام میں پہل کرنا سنت کفایہ ہے۔ افضل یہ ہے کہ سب سلام کریں۔ اگر جماعت کے افراد نے ایک آدمی کو سلام کیا اور اس نے جواب میں سب کی نیت کر لی تو یہ جائز ہے۔ سب کی طرف سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

سلام کے الفاظ...... سلام میں السلام علیکم کہنا اور جوب میں وعلیکم السلام کہنا کافی ہے۔ سلام کے جواب میں واؤ کا اضافہ واجب ہے۔

---

❶...... نیل الاوطار: ۶/ ۱۹۰۔ ❷ نیل الاوطار: ۶/ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ❸ کشاف القناع: ۲/ ۱۷۵۔ ۱۷۹۔

بعض علماء اسے مستحب کہتے ہیں۔سلام کے کامل الفاظ یہ ہیں:

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاتہٗ اور جواب یہ ہے: وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاتہٗ۔اس سلام کے ہر فقرے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔سلام کے جو الفاظ شریعت نے جاری کئے ہیں ان کو بدلنا مکروہ ہے۔جیسے بعض لوگ کہتے ہیں: سلام "من الله ......" یہ گناہ اور بدعت ہے۔❶

سلام کے دیگر آداب واحکام......سلام کرتے وقت آواز بلند کرنا سنت ہے۔تاکہ جس کو سلام کیا گیا ہے وہ اچھی طرح سن لے۔اس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث میں گزر چکا ہے۔"آپس میں سلام پھیلاؤ۔" اگر وہاں کچھ لوگ سوئے ہوں اور کچھ جاگ رہے ہوں تو آواز اتنی پست کرے کہ جاگنے والے سن لیں اور سونے والے نہ جاگیں، تاکہ دونوں فرض پورے ہوجائیں۔

اگر کسی کو سلام کیا پھر جلد ہی دوسری ملاقات ہوگئی تو دوبارہ سلام کرنا سنت ہے۔اسی طرح تیسری بار اور اس کے بعد بھی اس لئے کہ حدیث عام ہے۔"آپس میں سلام پھیلاؤ۔" اسی حدیث کی وجہ سے یہ بھی سنت ہے کہ ہر طرح کی بات چیت سے پہلے سلام کرے۔

اگر غالب گمان یہ ہو کہ جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ جواب نہیں دے گا تو بھی سلام نہ چھوڑے اس لئے کہ مذکورہ حدیث عام ہے۔بچوں کو ادب سکھانے کے لئے سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔البتہ ان پر جواب واجب نہیں۔اگر بچے نے بڑے کو سلام کیا تو جواب واجب ہے۔سلام کے جواب میں آواز اتنی بلند کرنا واجب ہے کہ سلام کرنے والے تک آواز پہنچ جائے۔

سلام کرتے وقت جھکنا مکروہ ہے۔بیوی اور محرم عورتوں کے سوا اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

البتہ اگر وہ بڑھیا ہو یعنی خوش شکل نہ ہو یا اس سے شہوت کا خدشہ نہ ہو تو مکروہ نہیں۔اس لئے کہ فتنے کا احتمال نہیں۔اسی طرح ان لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے: قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا، ذکر کرنے والا، تلبیہ پڑھنے والا، احادیث بیان کرنے والا محدّث، خطیب، واعظ اور ان سب لوگوں کے سامعین، فقہ کا تکرار کرنے والے، تدریس میں مشغول مدرس، علمی مباحثہ کرنے والے، اذان دینے والا، اقامت کہنے والا، ❷ وہ آدمی جو اپنی حاجت میں مصروف ہو اس کا جواب دینا بھی مکروہ ہے، گھر والوں سے ہمبستری کرنے والا، عدالت میں فیصلہ کرنے والا وغیرہ۔

جس نے مذکورہ حالات، جن میں سلام کرنا مستحب نہیں، میں سے کسی حالت میں سلام کرلیا تو وہ جواب کا مستحق نہیں۔

اپنے ملنے والے یا اپنے ہاں آنے والے کچھ مخصوص لوگوں کے ساتھ سلام کو خاص کرنا مکروہ ہے۔اسی طرح "سلام الله علیك" بھی کہنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ناپسند فرمایا ہے۔

ممنوع قطع تعلق (مسلمان کا اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا) سلام سے ختم ہوجاتی ہے۔اس لئے کہ سلام باہمی محبت کا ذریعہ ہے۔اس لئے یہ قطع تعلق کو دور کردے گا۔ایک مرفوع حدیث میں ہے: "سلام قطع تعلق کو ختم کردیتا ہے۔" لوگوں سے واپسی پر اور گھر میں داخل ہوتے وقت سلام مسنون ہے۔اگر خالی گھر یا خالی مسجد میں داخل ہو تو یوں کہے: "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین"۔اس لئے کہ ان سب کے بارے میں روایات آئی ہیں۔

گھر میں دائیں پاؤں سے داخل ہو اور یہ دعا پڑھے:

---

❶ ......اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ترجمہ: "تم جب تک ایمان نہ لے آؤ جنت میں داخل نہیں ہوسکتے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ تم وہ کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو۔آپس میں سلام پھیلاؤ۔" (الترغیب والترهیب: ۳/۴۲۴) ❷ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ نمازی کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔

اللهم انى أسئلك خير المولج وخير المخرج باسم الله ولجنا وباسم الله خرجنا وعلى الله ربنا توكلنا

پھر گھر والوں کو سلام کرے۔ اس لئے کہ یہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

پانچویں بحث......خرید وفروخت اور باہمی معاملات کے چند مسائل

حنفیہ نے معاملات سے متعلقہ کچھ ایسے مسائل ذکر کئے ہیں جو شیر، شرعی مانع یا کسی گناہ پر مشتمل ہیں۔ ان کا یہاں مختصراً ذکر مناسب ہوگا۔

اول: طبعی کھاد کی بیع...... جانوروں کے گوبر کی خرید وفروخت زمین میں کھاد ڈالنے اور پیداوار میں اضافے کے لئے جائز ہے۔ اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ بیع اصل کے اعتبار سے مکروہ ہے۔ اس لئے کہ گوبر ناپاک ہے۔ آدمی کے پاخانے کی بیع مکروہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اگر پاک چیز ناپاک ہوجائے جیسے تیل میں نجاست مل جائے تو اس کی بیع جائز ہے۔ ❶

دوم: ذمی کی شراب کی قیمت سے مسلمان کا قرض وصول کرنا...... اگر مسلمان کا کافر پر قرض ہو تو اس کے خنزیر اور شراب کی قیمت سے قرض کی وصولی جائز ہے۔ اس لئے کہ کافر کے لئے ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔ یہ دونوں کافروں کے حق میں مال متقوم (قیمتی مال) ہیں۔ اس کے برعکس اگر مسلمان پر قرض ہو تو شراب اور خنزیر کی قیمت سے اس کی وصولی جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ بیع ہی صحیح نہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کی بیع میں مسلمان کے لیے ذمی کو وکیل بنانے کی گنجائش ہے۔ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔

اسی طرح حرام کمائی سے قرض کی وصولی جائز نہیں جیسے سودخور، رشوت خور، غاصب، جور اور گانے والی کی کمائی۔ ورثاء کے لئے بھی حرام کمائی سے میراث لینا جائز نہیں۔ ان پر لازم ہے کہ جو کچھ لیا ہے۔ اصل مالکوں کو واپس کریں۔ اگر ان کو نہیں پہنچاتے تو صدقہ کریں۔ اس لئے کہ حرام کمائی اگر مالک کو واپس کرنا ناممکن ہو تو اس کا واحد حل صدقہ ہے۔ ❷

سوم: شراب بنانے کے لئے انگور بیچنا...... اگر پتہ ہو کہ یہ آدمی انگور سے شراب بنائے گا تو اس پر انگور بیچنا جائز ہے اس لئے کہ خرید وفروخت کے وقت انہی انگوروں کے ساتھ گناہ قائم نہیں ہوا۔ گناہ تو تبدیلی کے بعد آتا ہے۔

اسی طرح فتنہ پردازوں کو اسلحہ بیچنا ہے اس لئے کہ گناہ کا تعلق اسلحہ کی موجودہ ❸ حالت سے نہیں بلکہ استعمال سے ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن یہ بیع مکروہ ہے اس لئے کہ یہ گناہ کا سبب بنتی ہے اس کے برعکس اس شیرے کی بیع جس کو شراب بنایا جاتا ہے جائز ہے اس لئے کہ گناہ کا تعلق بعینہ اسی کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں تبدیلی کے بعد گناہ ہوتا ہے۔

چہارم: گرجے کے لئے مکان کرائے پر دینا یا ذمی کی شراب اٹھانا...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ❹ کے نزدیک گرجے کی تعمیر یا ذمی کی شراب اٹھانے کے لئے خود اجرت پر کام کرنا یا اپنی گاڑی اور جانور اجرت پر دینا جائز ہے۔ لیکن شراب نچوڑنا جائز نہیں۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل بذات خود گناہ نہیں۔ شراب اٹھانے پر اجرت لینے کا عقد نہ تو خود گناہ ہے۔ نہ گناہ کا سبب ہے۔ گناہ تو پینے والے کے اختیار سے حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ بعض اوقات شراب کو بہانے یا سرکہ بنانے کے لئے بھی اٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔

رہا اس کو شراب بنانے کی نیت سے نچوڑنا جیسے ہمارے شہروں اور امریکا وغیرہ کے شراب خانوں میں ہوتا ہے تو مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اس لئے کہ بعینہ اسی فعل میں گناہ موجود ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس علاقے میں ذمیوں کی اکثریت

---

❶......تکملة الفتح: ۸/۱۲۲، الدرالمختار: ۴/۱۱۰، ۵/۲۷۲، الدر رالمباحة فی الحظر والاباحة: ص ۵۳۔
❷الدرالمختار وردالمحتار: ۵/۲۷۲ وما بعد۔ ❸سابقہ حوالہ: ۵/۲۷۳، تکملة الفتح: ۸/۱۲۷۔ ❹الدرالمحتار: ۵/۲۷۲و مابعد، تکملة الفتح: ۸/۱۲۷۔

ہو وہاں شراب خانہ بنانے کے لئے گھر کرائے پر دینا جائز ہے۔اس لئے کہ عقد اجارہ گھر کے منافع پر ہوتا ہے۔اسی لئے محض حوالے کر دینے سے اجرت واجب ہو جاتی ہے۔اگر چہ ابھی گناہ شروع نہ ہوا ہو۔گناہ کرائے دار کا فعل ہے۔اور اس کا اسے اختیار ہے۔

البتہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو تو وہاں اس طرح کا اجارہ جائز نہیں۔اس لئے کہ ذمیوں کو گرجے بنانے اور شراب کی اعلانیہ خرید و فروخت پر قادر نہیں کیا جا سکتا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ سب اجارے درست نہیں، مکروہ ہیں۔اس لئے کہ یہ گناہ پر تعاون ہے۔اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب سے متعلقہ دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے جن میں سے ایک اٹھانے والا بھی ہے۔❶

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اٹھانے سے مراد گناہ کی نیت سے اٹھانا ہے۔بہر حال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قیاس اور صاحبین کی رائے استحسان ہے۔زیادہ تر فتاویٰ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

پنجم: مکہ مکرمہ کی عمارتیں اور زمین بیچنا اور کرایے پر دینا......حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کی عمارتیں اور زمین بیچنا بلا کراہت جائز ہے۔اس لئے کہ عمارت، تعمیر کرنے والے کی ملکیت میں ہوتی ہے اور زمین، زمین والے کی ملکیت میں۔اس لئے کہ اس میں ملکیت کے آثار موجود ہیں۔یعنی شرعاً اس کے ساتھ خاص ہونا۔

حنفیہ کے نزدیک حج کے دنوں میں مکے کے گھر کرائے پر دینا مکروہ ہے، باقی دنوں میں کرائے پر دینے کی گنجائش ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سَوَآءً الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ......الحج:۲۲/۲۵)

''وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے دنوں میں یہی آواز لگاتے تھے۔اور فرماتے تھے:''اے اہل مکہ! اپنے گھروں کے دروازے نہ رکھو تا کہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں رہ سکیں۔پھر یہ آیت تلاوت فرماتے۔❷

ششم: کافر کا مسجد میں داخل ہونا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر کے لئے تمام مساجد یہاں تک کہ مسجد نبوی میں بھی داخل ہونا جائز ہے۔اگر چہ بلا اجازت اور بلا ضرورت ہو۔ان کے نزدیک اس آیت:

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا التوبۃ:۹/۲۸

وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

کا مطلب یہ ہے کہ اس سال یعنی نو ہجری کے بعد کافر برہنہ ہو کر حج یا عمرہ نہ کریں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سورت پڑھی اور فرمایا:''اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا طواف نہ کرے۔''❸

قریش نے جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو ابوسفیان اس کی تجدید کے لئے مدینے کی مسجد میں داخل ہوئے۔اسی طرح بنو ثقیف کا وفد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد نبوی میں آیا۔ثمامہ بن اثال جب قید ہوئے تو ان کو بھی مسجد نبوی میں باندھا گیا۔

---

❶......اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ابن السکن نے اسے صحیح کہا ہے (التلخیص الحبیر: ۱/۳۵۹) الدر المختار ورد المحتار: ۵/۲۷۸۔❷، ❸الدر المختار: ۵/۲۷۴، شرح السیر الکبیر: ۱/۹۳، الاشباہ والنظائر لابن نجیم: ۲/۱۷۶، احکام القرآن للجصاص: ۳/۸۸۔

مالکیہ...... مالکیہ ❶ کے نزدیک کافر اجازت لے کر یا امان حاصل کر کے حرم مکی میں داخل ہوسکتا ہے۔لیکن بیت حرام میں داخل نہیں ہوسکتا۔اسی طرح ان کے نزدیک کافر کا مطلقاً مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں اور اسے داخل ہونے بھی نہیں دیا جائے گا۔البتہ کوئی عذر ہو تو گنجائش ہے۔مثلاً مسلمان حاکم کے سامنے پیشی وغیرہ۔انہوں نے عام مساجد میں داخلے کی ممانعت کو مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت پر قیاس کیا ہے۔اس لئے کہ ممانعت کی علت یعنی نجاست ہر کافر میں موجود ہے۔اور حرمت وعظمت ہر مسجد کی مسلمہ ہے۔

شافعیہ ❷ اور حنابلہ کے نزدیک غیر مسلم کو حرم مکی میں داخلے سے روکا جائے گا۔کسی مصلحت کی وجہ سے بھی نہیں جانے دیا جائے گا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا التوبۃ:۹/۲۸

اے ایمان والو! بے شک مشرک بالکل ہی ناپاک ہے،وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے:”حرم سارا کا سارا مسجد ہے۔“❸ ان کے نزدیک کافر بوقت ضرورت مسلمانوں کی اجازت سے مسجد حرام کے علاوہ تمام مساجد میں داخل ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ آیت میں صرف مسجد حرام کا ذکر ہے۔اور تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے۔شریعت میں اس اصل کے خلاف کوئی حکم موجود نہیں۔اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل طائف کا وفد آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا،حالانکہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان اسلام لانے سے پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوا کرتے تھے۔جب عمیر بن وہب مدینے آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔وہ مسجد میں داخل ہوا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غفلت میں حملہ کردے اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام سے نواز دیا۔

هفتم:احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی......احتکار کے معنی فقہاء کے نزدیک حسب ذیل ہیں۔

مالکیہ......❹ احتکار ذخیرہ اندوزی کو کہتے ہیں تاکہ بازار کے حالات بدل جانے پر بیچ کر نفع کمایا جائے۔خوراک کے لئے ذخیرہ کرنا احتکار نہیں۔

حنفیہ......حنفیہ ❺ نے اس کی تعریف سے کی ہے احتکار لغوی اعتبار سے ”حکر“ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں روکے رکھنا۔یعنی مہنگائی کے انتظار میں کسی چیز کو روکے رکھنے کو احتکار کہتے ہیں۔شرعاً اس سے مراد خوراک کو مہنگائی کے انتظار میں روکے رکھنا۔یا اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے وغیرہ کو خرید کر چالیس دن تک مہنگائی کے انتظار میں روکے رکھنا۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔”جس نے چالیس دن تک کھانے کا ذخیرہ کیا تو وہ اللہ سے بری اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں۔جس جگہ والوں میں ایک آدمی نے بھوکے پیٹ رات گزاری تو ان سے اللہ کا ذمہ ختم ہوجاتا ہے۔“❻

---

❶......رواہ الشیخان۔❷مواهب الجليل للحطاب: ۳/۳۸۱، الخرشي: ۳/۱۴۴، ط ثانية، احكام القرآن لابن العربي: ۲/۹۰۱، مذكرة تفسير آيات الاحكام للسايس: ۲/۲۲ وما بعدها مغني المحتاج: ۴/۲۴۷، تفسير ابن كثير: ۲/۳۴۶، الافصاح لابن هيرة: ص ۴۴۸، المغني: ۸/۵۳۱-۵۳۲۔❸عطاء فرماتے ہیں:حرم سارا کا سارا مسجد ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا: اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔❹ المنتقى على الموطأ: ۵/۱۵ وما بعدها، القوانين الفقهية: ص ۲۵۵و ما بعد ها۔❺العناية شرح الهداية بهامش تكملة الفتح: ۸/۱۲۶ ردالمحتار : ۵/۲۸۲، البدائع: ۵/۱۲۹، تبيين الحقائق: ۶/۲۷، اللباب: ۴/۱۶۶۔❻رواہ احمد وابن ابی شيبة والبذار وأبو يعلى الموصلي والحاكم والدارقطني والطبراني وأبونعيم عن ابن عمر(نصب الراية: ۴/۲۶۴، نيل الا وطار: ۵/۲۲۱۔

شافعیہ.....شافعیہ ❶ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ مہنگائی کے وقت خریدی ہوئی چیز روکے رکھنا تاکہ جب ضرورت زیادہ شدید ہوجائے تو مہنگے داموں فروخت کرے۔لہٰذا سستے وقت میں خریدی ہوئی چیز کو روکے رکھنا حرام نہیں ہوگا۔اسی طرح اپنی ذاتی زمین کا غلہ روکے رکھنا یا اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے مہنگائی کے وقت خریدی ہوئی چیز روکے رکھنا یا اس چیز کو روکے رکھنا جس کو مہنگائی کے وقت خریدا تھا تاکہ اسی قیمت پر آگے بیچ دے یہ سب صورتیں احتکار نہیں۔

اپنی ذاتی اور گھر والوں کی ضرورت سے زائد کو روکے رکھنے میں دو قول ہیں۔راجح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔لیکن بیچ دینا بہتر ہے۔

حنابلہ.....حنابلہ ❷ فرماتے ہیں:حرام احتکار وہ ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔

۱.....خرید کر ذخیرہ کیا ہو نہ کہ باہر سے یعنی دوسری جگہ سے لاکر۔اگر اس نے باہر سے غلہ لاکر ذخیرہ کیا یا ذاتی غلہ ذخیرہ کیا تو یہ احتکار نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''باہر سے لانے والے کو رزق ملتا ہے اور احتکار کرنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔'' ❸

۲.....خریدی ہوئی چیز خوراک ہو یعنی ایسا اناج ہو جس کو خوراک کی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔اس لئے کہ اس کی عام ضرورت پیش آتی ہے۔سالن،مٹھائی،شہد،زیتون کا تیل اور جانوروں کے چارے کا احتکار حرام نہیں۔

۳.....اس کے خریدنے سے لوگوں پر تنگی ہو۔اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ کہ احتکار ایسی جگہ کیا جائے جہاں کے رہنے والوں پر اس کی وجہ سے تنگی ہو۔جیسے حرمین اور سرحدیں۔بڑے شہر جن میں ہر چیز کی بہتات ہو جیسے بغداد،دمشق،مصر وغیرہ ان میں احتکار منع نہیں۔اس لئے کہ عام طور پر ان شہروں میں احتکار کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تنگ حالات میں احتکار کیا جائے۔مثلاً شہر میں قافلہ داخل ہوا تو مالدار لوگوں نے آگے بڑھ کر خرید لیا۔اس طرح لوگوں پر تنگی ہوگئی۔اس صورت میں چھوٹے بڑے شہر میں کوئی فرق نہیں۔اگر خوشحالی کے حالات اور سستے وقت میں کوئی چیز اس طرح خریدی جس سے کسی پر تنگی نہیں ہو رہی تو یہ حرام نہیں۔

احتکار کب متحقق ہوگا اور کون سی چیز میں ہوگا؟.....فقہاء کی تعریفوں سے معلوم ہوا کہ ان کا درج ذیل باتوں پر اتفاق ہے:

احتکار تنگی اور ضرورت کے وقت ہوتا ہے نہ کہ خوشحالی اور وسعت کے وقت۔احتکار عام طور پر چھوٹے شہروں میں ہوتا ہے۔احتکار خرید کی صورت میں ہوتا ہے کہ لوگوں کی ضرورت کی چیز خریدی جائے اور پھر بیچی نہ جائے۔اور اس سے عام مسلمانوں کو نقصان ہو۔اپنی ذاتی زمین کا غلہ روکنے سے بالاتفاق احتکار کرنے والا نہیں کہلائے گا۔اس لئے کہ یہ خالصتاً اس کا ذاتی حق ہے۔اسی طرح دوسرے شہر سے لایا ہوا غلہ روکنا بھی احتکار نہیں۔اس لئے کہ لوگوں کے حق کا تعلق شہر کی چیزوں کے ساتھ ہے۔حنفیہ کے نزدیک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی اناج عام طور پر اسی شہر سے آتا ہو تو اس کو روکنا بھی احتکار ہے۔اس لئے کہ لوگوں کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔

علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ احتکار ہر وقت انہی چیزوں میں حرام ہے جو خوراک ہوں یا انسانی غذا ہو۔جیسے گندم،جو،مکئی،چاول،انجیر، انگور،کھجور،کشمش اور بادام وغیرہ۔شہد،گھی،گوشت اور پھلوں میں احتکار نہیں ہوتا۔

اسی طرح حنفیہ،شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جانوروں کی خوراک میں احتکار حرام ہے،جیسے بھوسہ اور سبز چارہ۔

مالکیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت کھانے کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی احتکار حرام ہے۔البتہ وسعت اور خوشحالی میں حرام نہیں۔لہٰذا ان کے نزدیک کھانے میں اور اس کے علاوہ سوت،کاٹن اور تمام انسانی ضروریات یا وہ تمام چیزیں جن کے

---

❶.....مغنی المحتاج: ۳۸/۲،سبل السلام: ۲۵/۳۔ ❷ المغنی: ۲۲۱/۴۔ ❸ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ ابن راھویہ، دارمی، عبد بن حمید، ابو یعلی موصلی اور بیہقی نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

روکنے سے انسان کو نقصان ہو، چاہے وہ خوراک ہو، کپڑے ہوں یا درہم ...... سب میں احتکار ہوتا ہے۔

شافعیہ میں سے علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر قحط کے زمانے میں احتکار کیا جائے اور شہد، گھی، تلوں کا تیل اور اس جیسی چیزوں کا ذخیرہ کرنے میں لوگوں کو نقصان پہنچ رہا ہو تو اس کو حرام قرار دینا چاہئے۔ اور اگر نقصان نہ ہو تو بھی خوراک کا احتکار کراہت سے خالی نہیں۔ ❶

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک احتکار دو غذاؤں (انسانی غذا اور جانوروں کی غذا) کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کہ احتکار کے حرام ہونے کی حکمت لوگوں سے ضرر کو دور کرنا ہے۔ اور یہ زیادہ تر دو غذاؤں میں ہوتا ہے۔ مالکیہ کی نزدیک مطلقاً ممنوع ہے۔

احتکار کی مدت...... اگر غلہ کم وقت کے لئے ذخیرہ کیا جائے تو ضرر نہ ہونے کی وجہ سے احتکار نہیں ہوگا۔ اور اگر مدت زیادہ ہو تو احتکار ہوگا۔ اس لئے کہ ضرر پایا گیا۔

بعض کے نزدیک زیادہ مدت کی مقدار چالیس راتیں ہیں اس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث میں یہی مذکور ہے۔ ”جس نے چالیس راتوں تک خوراک ذخیرہ کی تو اللہ اس سے بری اور وہ اللہ سے بری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مہینہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے کم عرصہ تھوڑا اور جلد آنے والا کہلاتا ہے۔ مہینہ اور اس سے اوپر زیادہ اور جلد آنے والا کہلاتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مدت دیناوی اعتبار سے اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ہے۔ آخرت میں گناہ بہرصورت ہوگا۔ مدت کم ہو یا زیادہ۔

احتکار کا حکم...... احتکار کے بہت سے احکام ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

ا: **احتکار ممنوع ہے**...... اس ممانعت کو اکثر حنفیہ نے کراہت تحریمی سے تعبیر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسانوں اور جانوروں کی غذا میں احتکار مکروہ ہے۔ بشرطیکہ احتکار کرنے سے شہر والوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ اسی طرح باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں اور تاجروں سے سارا سامان لے کر شہر میں مہنگے داموں بیچنا بھی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ❷ اگر شہر والوں کے لئے نقصان دہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ❸

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع میں احتکار کی ممانعت کو حرمت سے تعبیر کیا ہے۔ ❹ یہ تعبیر دوسرے آئمہ کی تعبیر کے مطابق ہے کہ احتکار حرام ہے۔

حرام ہونے کی دلیل بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”صرف غلط کار آدمی ہی احتکار کرتا ہے۔“ جس نے ذخیرہ اندوزی کی تاکہ مسلمانوں پر مہنگے داموں پر فروخت کرے تو وہ غلط کار ہے۔“ ”جس نے مسلمانوں پر مہنگائی کرنے کی خاطر نرخ میں دخل اندازی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو لازمی طور پر آگ کے بہت بڑے الاؤ پر بیٹھائیں گے۔“ ❺

۲: **ذخیرہ کیئے ہوئے مال کو فروخت کرنا**...... حنفیہ ❻ فرماتے ہیں کہ احتکار کرنے والے کو قاضی کی طرف سے حکم کیا جائے گا کہ وہ

---

❶ ...... نیل الاوطار: ۵/ ۲۲۲۔ ❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے اس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۶۶) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی جلب سے منع فرمایا ہے (یعنی باہر سے آنے والے قافلوں کا استقبال کرنے سے)۔ جس نے ان قافلے والوں کا استقبال کر کے ان سے سامان خرید لیا اور پھر مالک بازار میں آ گیا تو اسے اختیار ہوگا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ”باہر سے آنے والے سواروں کا استقبال نہ کیا کرو اور شہری دیہاتی سے سامان نہ خریدے۔“ (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۶۱) ❸ تکملۃ الفتح، الدر المختار، اللباب تبیین الحقائق: سابقہ جگہ۔ ❹ البدائع: سابقہ جگہ۔ ❺ پہلی: روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن المسیب سے روایت کی ہے۔ دوسری اور تیسری امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ چوتھی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۲۲۰) ❻ سابقہ حوالہ جات۔

اپنی ذاتی اور گھر والوں کی ضرورت سے زائد خوراک بیچ دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا اور ذخیرہ اندوزی پر قائم رہا تو دوبارہ اس کا معاملہ حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ حاکم اس کو سمجھائے گا اور تنبیہ کرے گا۔ اگر اس نے اب بھی حکم پر عمل درآمد نہ کیا تو تیسری بار اس کی پیشی ہوگی اور حاکم اس غلط کام پر تنبیہ کرنے کے لئے اس کو گرفتار کرے گا۔ اور اس پر تعزیر جاری کرے گا۔ اور قاضی بیچنے پر جبر کرے گا۔ اگر اس نے خود نہ بیچا تو قاضی جبراً بیچ دے گا۔ یہ حنفیہ کے ہاں متفقہ مسئلہ ہے۔ بیع بازار کے نرخ کے مطابق ہوگی۔

اسی طرح مالکیہ ❶ کہتے ہیں: ذخیرہ کی ہوئی چیز حاجت مندوں کو اسی قیمت پر دی جائے گی جس پر خریدی تھی۔ اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر قیمت خرید معلوم نہ ہو تو احتکار والے دن کے بھاؤ پر بیچی جائے گی۔

حنفیہ ❷ نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر حاکم کو کسی شہر والوں کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو وہ ذخیرہ اندوزوں سے خوراک لے کر لوگوں میں تقسیم کر دے۔ جب وہ لوگ خوش حال ہو جائیں تو اسی کا مثل واپس کر دیں یہ ضرورت کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کا مال استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے اور اسے ہلاکت کا خدشہ ہو تو وہ مالک کی مرضی کے بغیر لے لے۔ اور اس کی قیمت ادا کرے۔ اس لئے کہ اضطراری حالت سے دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ گزر چکا۔

ہشتم: نرخ مقرر کرنا...... اسلامی معیشت کی بنیاد معاشی آزادی پر ہے۔ جس میں ہر مسلمان اسلامی نظام کی حدود و قیود کا لحاظ رکھتا ہے۔ ان میں سے اہم یہ ہیں عدالت، قناعت اور حلال اور پاکیزہ منافع جو کہ تہائی کی حد میں ہو کے اصول وقواعد کا التزام۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''لوگوں کو آزاد چھوڑ و! اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق دے گا۔'' ❸

اسی اصول کی بنیاد پر نرخ مقرر نہ کرنا ہی اصل ہے۔ حاکم کو لوگوں کے لئے نرخ مقرر نہیں کرنے چاہیے تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... شافعیہ ❹ اور حنابلہ نے اسی اصول کا التزام کیا ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ حاکم لوگوں کے نرخ مقرر نہیں کر سکتا بلکہ لوگ اپنی مرضی سے مال فروخت کریں گے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ مہنگائی کے وقت بھی نرخ مقرر کرنا حرام ہے۔ حاکم لوگوں کو پابند نہیں کر سکتا کہ وہ اپنا سامان صرف اسی قیمت پر فروخت کریں۔ اس لئے کہ لوگ اس طرح اپنے ذاتی مال میں بھی تنگی کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ صرف کھانے کی چیزوں کے ساتھ خاص نہیں۔ اگر امام نے نرخ مقرر کر ہی دیئے تو ان کی مخالفت کرنے والے یعنی مقرر نرخوں سے زیادہ پر فروخت کرنے والے کو تعزیر کی جائے گی۔ اس لئے کہ اس میں حاکم کی اعلانیہ مخالفت ہے۔ البتہ بیع درست ہو جائے گی۔ اس لئے کہ کسی کو اپنی ذاتی املاک مخصوص قیمت پر بیچنے کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔

ابن الرفعہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مہنگائی کے وقت نرخ مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔

نرخ مقرر نہ کرنے والوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نرخ اوپر چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نرخ مقرر فرما دیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہی تنگی کرنے والے، کشائش کرنے والے، رزق دینے والے اور نرخ مقرر کرنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملوں تو کوئی بھی مجھ سے جانی یا مالی ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو'' ❺ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ مقرر نہیں فرمائیں۔ اگر نرخ مقرر کرنا جائز ہوتا تو

---

❶......المنتقی علی الموطا: ۱۷/۵۔ ❷الدرالمختار: ۲۸۳/۵، البدائع: ۱۲۹/۵۔ ❸اس کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسائب سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کو آپس میں معاملات کرنے میں آزاد چھوڑ دو اور جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے نصیحت طلب کرے تو اس سے نصیحت کرو۔ (نیل الاوطار: ۱۶۴/۵) میں ایک روایت ہے کہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دو! اللہ تعالیٰ بعض سے بعض کو رزق دے گا۔ ❹مغنی المحتاج: ۳۸/۲، المغنی: ۲۱۷/۴۔ ❺اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی کے سوا تمام اصحاب سنن نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے (نیل الاوطار: ۲۱۹/۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرمادیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ مقرر نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ ظلم ہے۔اور ظلم حرام ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ یہ اس کا ذاتی مال ہے لہٰذا اس کو فریقین کی باہمی رضامندی سے طے ہونے والی قیمت پر فروخت کرنے سے روکنا جائز نہیں۔

مالکیہ اور حنفیہ...... مالکیہ اور حنفیہ (1) نے امام کو نرخ مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔تا کہ لوگوں سے نقصان کو دور کیا جاسکے۔اگر تاجروں کے نرخ عام قیمت سے بہت اوپر چلے جائیں تو اہل رائے حضرات سے مشورہ کر کے نرخ مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اس سے لوگوں کی مصالح کا تحفظ اور قیمتوں کے بہت زیادہ ہوجانے کی روک تھام ہوجائے گی۔ان کی دلیل فقہی قواعد ہیں۔لاضرر ولاضرار۔نہ نقصان پہنچانا ہے اور نہ نقصان اٹھانا ہے۔اور الضرر یزال ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔ویتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام۔ عام ضرر کو دور کرنے کے لئے خاص ضرر برداشت کرلیا جاتا ہے۔

لوگوں کو بیچنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔البتہ جو نرخ حاکم نے تاجر اور خریدار کی مصالح کو سامنے رکھ کر مقرر کئے ہیں ان سے ہٹ کر بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی۔بائع کو نفع لینے سے نہیں روکا جائے گا۔البتہ اس کے لئے بھی اتنا نفع لینا جائز نہیں ہے جو لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو۔

ابن حبیب مالکی کے نزدیک نرخ کا تقرر مکیلی (پیمانے سے ناپی جانے والی) اور موزونی (وزن کی جانے والی) چیزوں کے ساتھ خاص کرنا واجب ہے چاہے وہ کھائے جانے والی ہوں یا نہ ہوں ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں نرخ مقرر کرنا جائز نہیں۔اس لئے کہ مکیلی اور موزونی چیزیں مثلیات میں سے ہیں ان میں مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے......اس کے علاوہ باقی چیزیں قیمیات میں سے ہیں جن میں قیمت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔اعیان میں لوگوں کی اغراض مختلف ہوتی ہیں۔لہٰذا اس میں لوگوں کو ایک ہی قیمت پر لانا ممکن نہیں نرخ مقرر کرنا مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں۔بلکہ یہ دراصل اس کی تطبیق،اس کے پیچھے کار فرما حکمت کا اجتہادی فہم اور مناسب معنی یا حدیث ہی سے سامنے والی مصلحت اس کی تفسیر ہے۔(2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ مقرر کرنے سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ اس میں کچھ خرابی تھی بلکہ اس وجہ سے منع فرمایا کہ نرخ مقرر کی علت یعنی تاجروں کا ظلم موجود نہیں تھی۔وہ مثلی قیمت پر بیچ رہے تھے قیمتوں کی زیادتی تاجروں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ رسد اور طلب کے قانون کی وجہ سے تھی سامان کی رسد کم ہوئی تو قیمت زیادہ ہوگئی۔

اگر نرخ مقرر کرنے کی ضرورت نہ ہو تو مقرر نہیں کئے جائیں گے۔یعنی اگر سامان بازار میں دستیاب ہو اور کسی ظلم اور لالچ کے بغیر بیچا جارہا ہو تو نرخ مقرر نہیں کئے جاتے۔(3)

آٹھواں باب......قربانی اور عقیقہ

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل......قربانی کے بیان میں۔

دوسری فصل......عقیقہ اور نومولود بچے کے احکام میں۔

---

(1)......الدر المختار: ۲۸۳/۵، تبیین الحقائق: ۲۸/۶، البدائع: ۱۲۹/۵، تکملۃ الفتح: ۱۲۷/۸، الباب: ۱۶۷/۴، المنتقیٰ علی الموطا ۱۷/۵-۱۹، القوانین الفقھیہ: ص ۲۵۵۔(2) اسی طرح مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر بازار میں سامان زیادہ ہو، قیمتیں معلوم ہوں، بائع کو بازار کے نرخ کا علم ہو اور وہ قیمت مثلی یا اس سے زیادہ پر پہنچے تو باہر سے آنے والے قافلوں کا استقبال جائز ہوگا۔حدی کی نہی اس وقت قائم اور معمول بہ ہوگی جب کہ اس عمل سے عام بازار والوں کا نقصان ہو، انہیں سامان دستیاب نہ ہو یا بائع کو بازار کے نرخ کا پتہ نہ ہو تو اس وقت عمومی مصلحت کی رعایت اور بائع کا خیال رکھنا واجب ہوگا۔(3) اصول الفقہ للمؤلف: ۸۱۵/۲۔ طبع دارا لفکر۔

پہلی فصل

قربانی.....قربانی کے بارے میں درج ذیل چھ مباحث میں بات ہوگی۔

پہلی بحث.....قربانی کی تعریف، مشروعیت اور حکم۔

دوسری بحث.....قربانی کی شرائط (قربانی کے واجب ہونے کی شرطیں، اس کے صحیح ہونے کی شرطیں اور اس کا مکلف ہونے کی شرطیں)

تیسری بحث.....قربانی کا وقت

چوتھی بحث.....ذبح کیا جانے والا جانور (اس کی قسم، عمر اور یہ کہ کتنوں کی طرف قربانی جائز ہوگی؟)

پانچویں بحث.....قربانی کے آداب، مندوبات، مکروہات اور قربانی کرنے والے کے لئے مسنون اعمال۔

چھٹی بحث.....قربانی کے گوشت کے احکام۔ کھانا اور تقسیم کرنا۔

پہلی بحث: قربانی کی تعریف، مشروعیت اور حکم

اس میں دو مقصد ہیں۔

پہلا مقصد: قربانی کی تعریف اور مشروعیت

الاضحیۃ.....لغوی اعتبار سے قربان کیے جانے والے جانور کو کہتے ہیں۔ یا اس جانور کو کہتے ہیں جیسے عید الاضحیٰ کے دن ذبح کیا جائے۔ تو قربانی وہ ہوئی جو عید الاضحیٰ کے دن ذبح کی جاتی ہے۔ فقہی اعتبار سے مخصوص حیوان کو مخصوص [1] وقت میں عبادت کی نیت سے ذبح کرنے کو اضحیہ یا قربانی کہتے ہیں۔ یا قربانی اس جانور کو کہتے ہیں جس کو ایام نحر [2] میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ذبح کیا جائے۔

مشروعیت.....قربانی نماز اور عیدین کی طرح ۲ھ کو مشروع ہوئی۔ اس کی مشروعیت قرآن مجید، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ [3]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ الکوثر: ۲/۱۰۸

''لہٰذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو اور قربانی دو۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ...... الحج: ۳۶/۲۲

''اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے شعائر میں شامل کیا ہے۔''

شعائر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی علامات۔

سنت میں بہت سی احادیث ہیں۔ انہیں میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ''یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو آدمی کا کوئی عمل اللہ

---

[1].....الدر المختار: ۲۱۹/۵، تبیین الحقائق: ۲/٦، تکملۃ الفتح: ۸/٦٦۔ [2] شرح الرسالۃ: ۱/۳٦٦، مغنی المحتاج: ۲۸۲/۴، حاشیۃ الباجوری علی ابن قاسم: ۳۰۴۲، کشاف القناع: ۲/٦۱۵۔ ۳المغنی: ۸/٦۱۷، مغنی المحتاج: سابقہ جگہ، المہذب: ۱/۲۳۷، کشاف القناع: ۳/۱۷۔ [3] مشہور قول یہ ہے کہ نماز سے عید کی نماز مراد ہے اور ''نحر'' سے قربانی مراد ہے۔

تعالیٰ کے ہاں خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں۔قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گی۔اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام حاصل کر لیتا ہے۔اس لئے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔'' (۱) انہی میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سفید رنگ کے، سینگوں والے مینڈھے قربان کئے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی گردن کے ایک طرف پاؤں رکھے دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ اور تکبیر پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے دست مبارک سے ذبح کیا۔'' (۲)

قربانی کے مشروع ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے احادیث میں آیا ہے کہ یہ یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب عمل ہے اور یہ قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گی جس میں ذبح کی گئی تھی اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (۱۰۷) الصافات: ۱۰۷/۳۷

''اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اس بچے کو بچا لیا۔''

حکمتیں......اس کے مشروع کرنے کی کئی حکمتیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کے بے شمار نعمتوں کا شکر، ایک سال سے دوسرے سال تک باقی رکھنے کا شکر۔اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی اور ان میں کمی کوتاہی کا کفارہ اور قربانی کرنے والے کے خاندان پر اور دوسروں پر وسعت۔لہٰذا قربانی کی جگہ قیمت ادا کرنا کافی نہیں ہوگا۔بخلاف صدقہ فطر کے کہ اس سے فقیر کی حاجت کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ قربانی کی قیمت جتنا صدقہ کرنے سے قربانی افضل ہے۔

دوسرا مقصد: قربانی کا حکم......قربانی واجب ہے یا سنت؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ قربانی سال میں ایک مرتبہ شہر کے رہنے والے مقیموں پر واجب ہے۔امام طحاوی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ (۳)

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا دوسرے (۴) ائمہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں۔قدرت رکھنے والے کے لئے قربانی نہ کرنا مکروہ ہے۔اور یہ مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق منیٰ میں موجود حاجی کے علاوہ کے لئے ہے۔ان ائمہ کے نزدیک قدرت رکھنے والے کے لئے کامل طریقہ یہ ہے کہ اپنے زیر کفالت ہر آدمی کی طرف سے قربانی کرے۔اگر کوئی ان تمام افراد کی طرف سے خود قربانی کرنا چاہے جس کا نفقہ اس پر واجب ہے تو یہ جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی اکیلے آدمی پر عمر میں ایک مرتبہ سنت عین ہے۔اور اگر گھر میں اور افراد بھی ہوں تو سنت کفایہ ہے۔اگر گھر والوں میں سے کسی ایک نے بھی کر لی تو سب کی طرف سے کافی ہے۔

---

(۱)......اس کو حاکم رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حدیث حسن غریب کہا ہے۔اس کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ''احب الی اللہ عن هراقة دم وانه' لیاتی'' (نیل الاوطار: ۱۰۸/۵) (۲) بہت سے محدثین نے اس کو روایت کیا ہے۔اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راویت کیا ہے۔الاملح: خالص سفید یا جس کی سفید سیاہی پر غالب ہو۔الاقرن: جس کے دونوں سینگ معتدل ہوں۔الصفحہ: جانب العنق۔اس طرح کرنے سے مقصود یہ تھا کہ مینڈھے پر گرفت مضبوط ہو جائے اور وہ سر ادھر ادھر نہ کر سکے کہ ذبح صحیح طریقے سے نہ ہو سکے اور اسے تکلیف پہنچے۔ (۳) تکملة فتح القدير: ۹۷/۸، اللباب شرح الكتاب: ۲۳۲/۳، تبيين الحقائق: ۲/۶ البدائع: ۶۲/۵۔ (۴) بداية المجتهد: ۴۱۵/۱، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۶، الشرح الكبير: ۱۱۸/۳، مغنى المحتاج: ۲۸۲/۴ وما بعد، المهذب: ۲۳۷/۱، المغنى: ۶۱۷/۸، شرح الرساله للقيروانى: ۳۶۶/۱۔

وجوب پر حنفیہ کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”جو آدمی وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہمارے مصلے کے قریب ❶ نہ آئے“۔حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی وعید واجب کے ترک پر ہی ہوتی ہے۔اور اس لئے بھی کہ قربانی ایک ایسی عبادت ہے جس کی اضافت وقت کی طرف ہے کہا جاتا ہے یوم الضحیٰ یعنی قربانی کا دن۔

اس سے بھی وجوب کا پتہ چلتا ہے اس لئے کہ اضافت ایک چیز کو دوسری کے ساتھ خاص کرنے کے لئے آتی ہے۔قربانی کے اس دن کے ساتھ خاص ہونے کے لئے اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔اور قربانی کا وجوب ہی اس وجود کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

جمہور نے قربانی کے سنت ہونے پر احادیث سے استدلال کیا ہے۔

ان میں سے ایک حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”جب آپ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور آپ میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو بال اور ناخن نہ کاٹے۔“ ❷ اس حدیث میں قربانی کو ارادے پر معلق کیا گیا ہے یہ وجوب کے منافی ہے۔

انہی میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:”تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور آپ کے لئے نفل وتر،قربانی اور چاشت کی نماز۔“ ❸ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے:”مجھے قربانی کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہارے لئے سنت ہے۔“

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قربانی کے گوشت کی تفریق واجب نہیں۔اس لئے عقیقہ کی طرح یہ بھی واجب نہیں ہوگی۔اور محدثین نے حنفیہ والی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔یا وہ مستحب کی تائید پر محمول ہے۔جیسے ایک حدیث میں جمعے کے غسل کے بارے میں آتا ہے:”جمعے کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔“ ❹

ایک اور اثر سے اسی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈر سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔ ❺ اور اصل عدم وجوب ہے۔

شافعیہ کی اس بات پر دلیل کہ قربانی ہر گھر کے لئے سنت کفایہ ہے،حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔تو میں نے ان کو کہتے سنا:اے لوگو!ہر گھر والوں پر ہر سال ایک قربانی ہے۔“ ❻ اور اس لئے بھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قربانی کیا کرتے تھے۔ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوگئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع نہیں فرماتے تھے۔ ❼ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے موٹے سینگوں والے سفید رنگ کے مینڈھے ذبح کیے۔ایک اپنی امت کی طرف سے اور دوسرا اپنی اور اپنی آل کی طرف سے“ ❽

---

❶.....اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(نیل الاوطار : ۵/۱۰۸) ❷ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت محدثین نے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۵ / ۱۱۲) ❸ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسئلہ میں، حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔حاکم نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔اس میں ایک وادی کو نسائی اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔(نصب الرایۃ : ۴ /۲۰۶،۳) ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سبعہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(سبل السلام: ۱/ ۸۷)۔ ❺ اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ❻ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔(نیل الاوطار: ۵ / ۱۳۸) ❼ یہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت عطاء بن یسار والی روایت سے ثابت ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کہا ہے۔اور یہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ثابت ہے جو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔(نیل الاوطار: ۵ / ۱۲۰) ❽ اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(نصب الرایۃ: ۴ / ۲۱۵)

شافعیہ کی اس پر دلیل کے قربانی اکیلے آدمی پر زندگی میں ایک بار سنت عین ہے، ان کا یہ اصول ہے کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ ❶

قربانی کی قسمیں، یا قربانی کا حکم بدلنے کی حالت

حنفیہ..... کے نزدیک قربانی کی دو قسمیں ہیں: واجب اور نفل۔ ❷

واجب قربانی..... قربانی کے واجب ہونے کی صورتیں درج ذیل ہیں۔

اول..... جس کی منت اور نذر مانی ہوئی ہو۔ جیسے کوئی آدمی کہے: اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری، اونٹ یا یہ بکری اور یہ اونٹ قربانی کروں گا۔ یا یوں کہے کہ میں نے یہ بکری قربانی کے لئے طے کر لی ہے۔ چاہے نذر ماننے والے امیر ہو یا غریب۔

دوم..... اگر فقیر آدمی قربانی کی نیت سے بکری خریدے تو وہ واجب ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جس پر قربانی واجب نہیں تھی اس کا قربانی کے لئے جانور خریدنا واجب کرنے کے قائم مقام ہے۔ عرف کے لحاظ سے یہ قربانی کی نذر ہے۔

سوم..... مالدار آدمی پر عید الضحیٰ کے دن قربانی کرنا واجب ہے۔ یہ نذر کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی بلکہ یہ اس وجہ سے واجب ہوتی ہے کہ زندگی کی نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کیا جائے کہ عید کے دنوں میں ان کے بچے کے فدیے میں مینڈھا ذبح ہوا تھا۔ علاوہ ازیں قربانی پل صراط ❸ پر سواری گناہوں کی بخشش اور غلطیوں کا کفارہ بنتی ہے۔

اگر قربانی کے جانور نے بچہ جن لیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ذبح کیا جائے گا اگر اس کو بیچ دیا اور قیمت صدقہ کر لی تو ہو گئی۔ اس لئے کہ اس کی ماں قربانی کے لئے متعین ہو چکی تھی۔

نفل قربانی..... مسافر کی قربانی نفل ہے۔ اسی طرح اس فقیر کی قربانی بھی نفل ہے جس نے قربانی کی نذر ز مانی ہو اور قربانی کے لئے جانور بھی نہ خریدا ہو۔ اس لئے کہ وجوب کا سبب اور شرط موجود نہیں۔

مالکیہ..... ابن جزی مالکی رحمہ اللہ ❹ فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے سے بالاتفاق قربانی متعین اور واجب ہو جاتی ہے۔ اور اس سے پہلے نیت کرنے سے واجب ہونے میں مالکیہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ اور نذر ہے اگر اس نے متعین کر دیا ہو تو بالاتفاق واجب ہو جائے گی۔ اگر اس نے کہا کہ میں نے اس کو قربانی بنا دیا تو ایک قول کے مطابق متعین ہو جائے گی۔ اگر مر گئی تو دونوں قولوں کے مطابق کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اگر اس نے بیچ دیا تو اس کی پوری قیمت سے دوسری خریدنا واجب ہے۔

لیکن علامہ دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ اور دسوقی مالکی رحمۃ اللہ علیہ ❺ کے مطابق مالکیہ کے ہاں قابل اعتماد اور مشہور قول یہی ہے کہ قربانی صرف ذبح سے واجب ہوئی ہے۔ نذر سے واجب نہیں ہوئی۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ قابل اعتماد قول کے مطابق قربانی کا جو بچہ ماں کے ذبح کرنے سے پہلے پیدا ہو گیا اس کو ذبح کرنا واجب نہیں مندوب ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک قربانی صرف ذبح کرنے سے متعین ہوتی ہے۔ نذر سے متعین نہیں ہوتی۔

---

❶ ..... شافعیہ کا اصول یہ ہے کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اسی طرح ایک مرتبہ ایک مرتبہ مامور بہ پر عمل کرنے کا فائدہ بھی نہیں دیتا۔ یہ حکم کی ماہیت طلب کرنے کے لئے آتا ہے۔ بار بار ایک بار عمل کرنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ امر کی ماہیت وجود میں لاتا ایک مرتبہ عمل کئے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ایک مرتبہ عمل ضروری ہو جاتا ہے۔ (شرح الاسفری: ۲/۴۳) ❷ البدائع: ۵/۶۱، ۷۸، الدر المختار: ۵/۲۲۷۔ ❸ علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الرفعہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے: ''اپنی قربانیوں کو بڑی (اور موٹی تازی) بناؤ۔ اس لئے کہ یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔'' لیکن علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں۔ ❹ القوانین الفقهیه: ص ۱۸۹۔ ❺ الشرح الکبیر وحاشیة: ۲/۱۲۲، ۱۲۵۔

شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ کا صحیح قول اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے ❶ کہ اگر اس نے قربانی کے لئے جانور خریدنے کی نیت کی لیکن زبان سے الفاظ ادا نہیں کئے تو صرف نیت سے قربانی نہیں بنے گی۔ اس لئے کہ عبادت کے طور پر ملکیت ختم کرنا صرف نیت سے ممکن نہیں۔ قربانی یا تو نذر سے واجب ہوگی جیسے ''اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے'' یا ''مجھ پر لازم ہے کہ میں یہ بکری قربانی کروں'' اور تعیین سے کہ وہ کہے: ''یہ قربانی ہے۔'' یا یوں کہے **جعلتها اضحية** ''میں نے اس کو قربانی بنالیا۔'' اس لئے کہ اس سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ یہاں ''**جعل**'' نذر کے معنی میں ہے۔ اس لئے قربانی واجب ہو جائے گی۔ اب اس سے کھانا حرام ہو جائے گا۔ اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ نفل کا تھا تو یہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

اگر اس نے کہا **اضحية ان شاء الله** ''انشاء اللہ قربانی ہے۔'' اس سے نہ متعین ہوگی نہ واجب۔ گونگے کا قابل فہم اشارہ بولنے والے کی طرح ہے۔ اس کی اگلے سال تک تاخیر جائز نہیں۔ قربانی کے وقت اس کا ذبح کرنا واجب ہے۔

اگر قربانی کے لئے متعین کردہ یا نذر مانے ہوئے جانور نے بچہ جنا تو بچہ اس کے تابع ہوگا۔ اسے ذبح کیا جائے گا۔ اور اس کا حکم وہی ہوگا جو قربانی کا ہے۔ چاہے حمل تعیین کے وقت ٹھہرا ہوا یا بعد میں۔ مالک اس کا وہی دودھ پی سکتا ہے۔ جو بچے سے بچ جائے۔ اگر کچھ بھی نہ بچے تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔

دوسری بحث: قربانی کی شرطیں......اس میں تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: قربانی کے واجب یا سنت ہونے کی شرطیں......حنفیہ کے نزدیک قربانی کے وجوب کے لئے اور دوسرے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی کے سنت ہونے کے لئے قربانی پر قادر ہونا شرط ہے۔ لہٰذا عید کے دنوں میں جو قربانی سے عاجز ہو اس سے قربانی کا مطالبہ نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک قدرت سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جس پر صدقہ ❷ فطر واجب ہوتا ہے۔ یعنی وہ دو سو درہم جو کہ زکوۃ کا نصاب ہے..... کا مالک ہو یا اس کے پاس اتنی مالیت کا سامان ہو جو اس کی ذاتی اور ان لوگوں کی ضروریات سے زائد ہو جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔

مالکیہ ❸ کے نزدیک قادر وہ آدمی ہوگا جو سال کے دوران کسی ضروری امر میں قربانی کی قیمت کا محتاج نہ ہو۔ اگر قرض لینے کی استطاعت رکھتا ہو تو قرض لے لے۔

شافعیہ کے نزدیک ❹ قدر وہ آدمی ہوگا جو قربانی کی قیمت کا مالک ہو۔ اور یہ قیمت اس کی اور اس کے زیر کفالت افراد کی عید اور ایام تشریق کی ضروریات سے زائد ہو۔ اس لئے کہ قربانی کا وقت یہ ہے۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں انہوں نے عید کے دن اور رات کی ضروریات سے زائد ہونے کی شرط لگائی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک ❺ قادر وہ آدمی ہوگا جس کے لئے قربانی کی قیمت حاصل کرنا ممکن ہو اگرچہ قرض لے کر۔ بشرطیکہ قرض کی ادائیگی پر قادر ہو۔

دوسرا مقصد: قربانی کے صحیح ہونے کی شرطیں......قربانی کے صحیح ہونے کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں: ❻

---

❶......مغنی المحتاج: ۲۹۱،۲۸۸،۲۸۳/۴، المہذب: ۲۴۰/۱ وما بعد، حاشية الباجوری: ۳۰۵/۲، المغنی: ۶۲۷/۸ وما بعد، کشاف القناع: ۸/۳۔ ❷الدر المختار: ۲۲۲/، اللباب: ۲۳۲/۳، تبيين الحقائق: ۳/۶۔ ❸شرح الرساله لابن ابی زید القيروانی: ۳۶۷/۱۔ ❹حاشية الباجوری: ۳۰۴/۲۔ ❺کشاف القناع: ۱۸/۳۔ ❻البدائع: ۷۵-۷۳/۵، الشرح الصغير للدردير: ۱۴۴-۱۴۱/۲، القوانين الفقهيه: ص۱۸۶، المغنی المحتاج: ۲۷۶/۴ وما بعد المغنی: ۶۳۶،۶۲۳/۸ وما بعدها

۱.....ذبح کئے جانے والے جانور میں کوئی ایسا سخت اور فاحش عیب نہ ہو جو عام طور پر گوشت میں کمی کا سبب بنتا ہے یا صحت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ جیسے چار عیب جن کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ قربانی سے مانع بنتے ہیں۔ واضح طور پر کانا ہونا، واضح طور پر مریض ہونا، لنگڑا ہونا کہ لنگڑا پن ظاہر ہو اور لاغر ہونا کہ گودہ نہ رہے۔ ❶

عیوب کی مزید تفصیل قربانی کئے جانے والے جانور کے بیان میں آئے گی۔

۲.....قربانی مخصوص وقت میں ہو۔ حنفیہ کے نزدیک اس کا وقت ایام نحر کے تین دن اور دو راتیں ہیں۔ تین دن سے مراد ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ۔ اور تین راتوں سے مراد گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی راتیں۔ دس ذی الحجہ کی رات اور تیرہ ذی الحجہ کی رات کو قربانی جائز نہیں۔ اس لئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے: ''ایام نحر تین ہیں۔'' اور لغوی اعتبار سے دنوں میں راتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ لیکن رات کو قربانی کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

ذبح کے وقت کی تفصیل ''قربانی کے وقت'' کی بحث میں آئے گی۔

مالکیہ...... مالکیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ذبح دن کے وقت کیا جائے۔ اگر رات کو ذبح کیا جائے تو قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ اور پہلے دن کے علاوہ دن فجر طلوع ہونے سے شروع ہوگا۔

مالکیہ نے دو شرطوں کا مزید اضافہ کیا ہے۔ ❷

۱.....ذبح کرنے والا مسلمان ہو لہٰذا اگر قربانی کرنے والے نے کافر کو اپنا نائب بنا لیا تو قربانی صحیح نہیں ہوگی اگرچہ وہ کافر کتابی ہو۔ البتہ اس کا کھانا جائز ہے۔ مالکیہ کے علاوہ ❸ دوسرے حضرات کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ مسلمان کے علاوہ کوئی ذبح نہ کرے۔ ذمی کتابی کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ اگر ذمی کتابی مسلمان کا نائب بن کر ذبح کرے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

۲.....قربانی کی قیمت میں اشتراک نہ ہو۔ اگر کئی لوگ قربانی کی قیمت میں شریک ہو گئے یا قربانی ان کے درمیان مشترکہ تھی اور انہوں نے اپنی طرف سے اس کو ذبح کر دیا تو ایک کی طرف سے بھی قربانی نہیں ہوگی۔ اونٹ اور گائے میں ذبح کرنے سے پہلے ثواب میں شرکت ہو سکتی ہے۔ بعد میں نہیں۔ اور بکری میں شرکت نہیں ہو سکتی۔ اونٹ اور گائے میں شرکت کے لئے ان کے نزدیک تین شرطیں ہیں۔

۳.....شرکت کرنا والا قریبی رشتے دار ہو جیسے بیٹا، بھائی، بھتیجا۔ بیوی بھی انہیں میں شامل ہے۔

۴.....شریک ایسا آدمی ہو جس پر یہ خرچ کرتا ہے۔ چاہے خرچ کرنا واجب ہو جیسے غریب باپ بیٹا یا واجب نہ ہو جیسے بھائی، بھتیجا۔

۵.....اور وہ اس کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہا ہو۔

مالکیہ کے علاوہ دوسرے ❹ ائمہ کے نزدیک اونٹ اور گائے کی قربانی میں اشتراک جائز ہے لہٰذا ان جانوروں میں سات آدمی حصہ ڈال سکتے ہیں بشرطیکہ ہر ایک ساتویں حصے کا حصہ دار ہو۔ سات سے زیادہ جائز نہیں۔ اور ساتویں حصے سے کم بھی جائز نہیں۔

---

❶......امام احمد اور اصحاب سنن نے اس کو حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ عجفاء کا لفظ اسی میں ہے۔ اس سے مراد وہ جانور ہے جو بہت زیادہ کمزور ہو اور اس کی ہڈیوں کا گودہ ختم ہو جائے۔ دوسری کتابوں میں الکبیر کا لفظ آیا ہے۔ الضلع لنگڑے کو کہتے ہیں۔ لاتنقی: یعنی اس کا گودہ ختم ہو۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علماء کا اجماع ہے کہ حضرت براء والی حدیث میں جن چار عیوب کا ذکر ہے ان کے ہوتے ہوئے قربانی نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو عیب ان کے حکم میں ہو یا ان سے بھی بدتر ہو جیسے اندھا، یا جس کی ٹانگ کٹی ہوئی ہو وغیرہ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۵۔۱۱۷) ❷الشرح الصغیر: ۲/ ۱۴۱ وما بعد۔ ❸اللباب شرح الکتاب: ۳/ ۲۳۶، المھذب: ۱/ ۲۳۹، المغنی: ۸/ ۶۴۰۔ ❹تبیین الحقائق: ۶/ ۲۔۳، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۸۵، کشاف القناع: ۲/ ۶۱۸، المغنی: ۸/ ۶۱۹۔

تیسرا مقصد: قربانی کا مکلّف ہونے کی شرطیں......علماء کا اتفاق ہے [1] کہ قربانی کا مطالبہ ایسے آدمی سے ہے جو مسلمان، آزاد، بالغ، عاقل، مقیم اور استطاعت رکھنے والا ہو۔ مسافر اور بچے کے بارے میں اختلاف ہے۔

مسافر کا حکم......مسافر کے بارے میں حنفیہ [2] فرماتے ہیں کہ اس پر قربانی نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ حالت سفر میں قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مسافر پر جمعہ اور قربانی نہیں ہے۔ [3] ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی کی ادئیگی کے لئے اسباب و وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جو مسافر کو میسر نہیں ہوتے۔ اس لئے اس سے حرج کو دور کرنے کے لئے جمعے کی طرح قربانی بھی واجب نہیں ہوگی۔

مالکیہ [4] فرماتے ہیں کہ غیر حاجی کے لئے قربانی سنت ہے اس لئے کہ حج کرنے والے کی سنت ہدی ہے۔ [5] غیر حاجی کے لئے قربانی مطلقاً سنت ہے چاہے مقیم ہو یا مسافر۔

شافعیہ اور حنابلہ [6] فرماتے ہیں کہ قربانی ہر مسلمان کے لئے سنت ہے چاہے مسافر ہو، حاجی ہو یا کوئی اور۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منی میں اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ (بخاری و مسلم)

اسی سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ حاجی کے لئے منی میں قربانی سنت نہیں ہے۔ اور جس چیز کو حاجی وہاں ذبح کرتا ہے وہ قربانی نہیں بلکہ ہدی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مسافر پر قربانی نہیں ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک مسافر کے لئے بھی قربانی سنت ہے۔

صغیر کا حکم......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچے کے مال میں سے قربانی واجب ہے۔ اس کا باپ یا وصی اس کی طرف سے قربانی کرے گا۔ صغیر اپنی قربانی میں سے جتنا کھا سکتا ہے کھائے گا۔ باقی گوشت کے بدلے میں کوئی ایسی چیز خریدی جائے گی جس کی ذات سے فائدہ حاصل کیا جاتا رہے۔ استعمال سے ختم ہونے والی نہ ہو جیسے چھلنی وغیرہ۔ ولی اپنے چھوٹے بچوں میں سے ہر ایک کی طرف سے بکری ذبح کرے۔ یا سات کی طرف سے ایک اونٹ یا گائے ذبح کرے۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں ہوتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی اپنے مال میں سے قربانی کرے گا۔ نہ کہ بچے کے مال میں سے۔ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ جو کہ بعض کے نزدیک راجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے [7] یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی طرف سے قربانی واجب نہیں مستحب ہے۔ اور باپ بچے کے مال میں سے قربانی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ محض عبادت ہے۔ اور عبادات میں اصل یہ ہے کہ دوسرے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتیں۔ بخلاف صدقہ فطر کے۔ کہ اس میں ''مؤونۃ'' [8] (نان نفقہ برداشت کرنا) کے معنی ہیں۔ اور اس کا سبب وہ فرد ہے جس کا نان نفقہ اس کے ذمہ ہو اور وہ اس کا ولی ہو۔ یہ رائے سب سے راجح ہے۔

---

[1]......اللباب: ۲۳۲/۳، تکملة الفتح: ۶۷/۸، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۶، الشرح الکبیر: ۱۱۸/۲، مغنی المحتاج: ۲۸۳/۴، کشاف القناع: ۱۷/۳۔ [2] تکملة الفتح: ۷۱/۸، تبیین الحقائق: ۳/۶، الدرالمختار: ۲۲۲/۵۔ [3] علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں آثار کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ غریب ہیں (نصب الرایة: ۲۱۱/۴) [4] الشرح الکبیر: ۱۱۸/۲، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۶، بدایة المجتهد: ۴۱۵/۱۔ [5] وہ جانور جس کو حج کرنے والا حرم کی طرف بھیجتا ہے۔ اس کو ہدی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ [6] مغنی المحتاج: ۲۸۳/۴، کشاف القناع: ۱۷/۳۔ [7] الدر المختار: ۲۲۲/۵، تبیین الحقائق: ۲/۶۔۳، تکملة الفتح: ۶۷/۸، ۷۰، اللباب: ۲۳۲/۳ ومابعدها۔ [8] المؤونة: نان نفقہ برداشت کرنا۔ صدقہ فطر عبادت ہے لیکن اس میں مؤونت والے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ عبادت اس لئے کہ کہ اس سے حاجت مندوں پر صدقہ کر کے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ اور مؤونۃ اس لئے ہے کہ یہ حنفیہ کے نزدیک مکلّف آدمی پر غیر کی وجہ سے واجب ہوتا ہے یعنی اس کی زیر کفالت افراد کی وجہ سے جیسے خادم، چھوٹے بچے وغیرہ۔ (اصول الفقه لنا: ۱۵۳/۱، ط دار الفکر)

مالکیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بچے کے لئے قربانی سنت ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ ❶ فرماتے ہیں کہ بچے کے لئے قربانی سنت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ بچے کی طرف سے اس کے ولی کے مال میں سے قربانی کرنا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے۔

قربانی کی نیت..... قربانی کے جائز ہونے کے لئے قربانی کی نیت کرنا شرط ہے۔ ❷ اس کے بغیر قربانی صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ جانور کبھی گوشت کے لئے ذبح ہوتا ہے اور کبھی عبادت کے طور پر۔ اور فعل نیت کے بغیر عبادت نہیں بنتا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہو۔'' ❸ ایک دوسری حدیث میں ہے'' جس کی نیت نہ ہو اس کا عمل بھی نہیں ہوتا۔'' ❹

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد ایسا عمل ہے جو عبادت ہو۔ قربانی نیت کے بغیر متعین نہیں ہوگی۔ شافعیہ اور حنابلہ نے شرط لگائی ہے کہ نیت ذبح کے وقت ہو۔ اس لئے کہ ذبح کرنا فی نفسہ عبادت ہے۔ اور دل سے نیت کرنا کافی ہے۔ زبان سے کہنا شرط نہیں۔ اس لئے کہ نیت دل کا عمل ہے۔ اور زبان کا ذکر اس پر محض دلیل ہے۔

حنفیہ نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ قربانی میں کسی ایسے آدمی کو شریک نہ کیا جائے جس کی نیت عبادت کی بالکل نہ ہو بلکہ گوشت کی ہو۔ اگر ایک اونٹ یا گائے میں سات آدمی شریک ہوئے۔ سب کی نیت عبادت کی تھی۔ سوائے ایک کے کہ وہ گوشت کی نیت کئے ہوئے تھا۔ تو قربانی کسی کی طرف سے بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ عبادت خون بہانے میں ہے۔ اور اس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ ایک ہی فعل اور ایک ہی ذبح ہے۔

شافعیہ ❺ نے اس اشتراک کی اجازت دی ہے۔ شرکاء کے لئے گوشت تقسیم کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ تقسیم الگ کرنے کے لئے ہے۔

تیسری بحث: قربانی کا وقت..... قربانی کے پہلے اور آخری وقت کے بارے میں اور عید کی راتوں کو قربانی کے مکروہ ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قربانی کا افضل وقت پہلے دن زوال سے پہلے کا وقت ہے۔ اس لئے کہ یہی سنت ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم اپنے اس دن کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں پھر واپس آ کر قربانی کرتے ہیں۔ جس نے ایسا کر لیا اس نے ہماری سنت پر عمل کر لیا۔ جس نے اس سے پہلے ذبح کر لیا اس نے اپنے گھر گوشت بھیجا ہے یہ قربانی کا عمل نہیں ہے۔'' ❻

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز عید سے پہلے ذبح کرنا اور عید کی رات ذبح کرنا مذکورہ حدیث کی وجہ سے جائز نہیں۔ اب اختلافی مسائل میں فقہاء کی آراء ذکر کرتا ہوں۔

---

❶..... الشرح الکبیر: ۱۱۸/۲۔ ❷ مغنی المحتاج: ۲۸۳/۴، کشاف القناع: ۱۷/۳، قلیوبی وعمیرہ علی المحلی علی المنهاج: ۲۴۹/۴۔ ❸ البدائع: ۷۱/۵، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۷، مغنی المحتاج: ۲۸۹/۴، کشاف القناع: ۶/۳۔ ❹ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بلکہ ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ ❺ مغنی المحتاج: ۲۷۵/۴۔ ❻ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (نصب الرایۃ: ۲۱۲/۴)

ا۔ حنفیہ...... (۱) حنفیہ فرماتے ہیں: قربانی کا وقت عیدالاضحیٰ کے دن طلوع فجر کے وقت داخل ہوتا ہے۔ اور تیسرے دن کا سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے تک رہتا ہے۔ لیکن شہر والوں کو چونکہ نماز عید پڑھنے کا حکم ہے اس لئے ان کے لئے پہلے دن نماز عید پڑھنے سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ خطبے سے پہلے ہو۔ اور اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز چھوڑ دی ہو تو نماز جتنا وقت گزرنے کے بعد ذبح کرنا جائز ہوگا۔ گاؤں والے جن کو نماز عید کا حکم نہیں وہ پہلے دن کی فجر کے بعد سے ذبح کر سکتے ہیں۔

اگر بکری گم ہوگئی یا چوری ہوگئی۔ اس لئے دوسری خریدی پھر پہلی والی مل گئی تو افضل یہ ہے کہ دونوں کو ذبح کیا جائے۔ اگر پہلی ذبح کر دی تو جائز ہے۔ اسی طرح دوسری ذبح کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کی قیمت پہلی سے زیادہ ہو یا برابر ہو۔

اگر عید کے دن کی تعیین میں غلطی ہوگئی۔ لوگوں نے نماز پڑھی اور قربانی کر لی پھر پتہ چلا کہ یہ تو یوم عرفہ تھا۔ تو ان کی نماز اور قربانی جائز ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس طرح کی غلطیوں سے بچنا ممکن نہیں۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو بچانے کے لئے جواز کا حکم لگایا جائے گا۔

ذبح کرنے کے تین دن ہیں: عید کا دن اور اس کے بعد کے دو دن۔

رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ رات کے اندھیرے میں ذبح کرنے میں غلطی کا احتمال ہے۔ یہ درمیان والی دو راتوں دوسری اور تیسری (۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کی) رات کا حکم ہے۔ نہ کہ پہلی اور چوتھی (۱۰، ۱۳ ذی الحجہ کی) رات کو۔ اس لئے کہ ان دو راتوں میں قربانی بالکل صحیح نہیں ہوتی۔

اگر قربانی رہ گئی اور اس کا وقت گزر گیا تو قربانی کا مالک اس کو زندہ صدقہ کر دے بشرطیکہ وہ نذر کی قربانی ہو جو اس نے اپنے اوپر واجب کی تھی یا فقیر یا غنی نے اس کو قربانی کے لئے خریدا تھا۔ اسلئے کہ یہ بھی عرف میں نذر ہی کے حکم میں ہیں۔ اور اگر غنی نے قربانی نہ کی ہو تو صحیح یہ ہے کہ بکری کی قیمت صدقہ کرے۔ (بدائع)

یہ امام صاحب اور صاحبین کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ غنی آدمی پر قربانی واجب ہے۔ اور فقیر پر بھی قربانی کی نیت سے خریدنے سے واجب ہو جاتی ہے۔

دلائل...... اس مسئلے پر حنفیہ کی دلیل کہ نماز کے بعد ذبح کرنا جائز ہے اگرچہ خطبے سے پہلے ہی کیوں نہ ہو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے۔ ”جس کسی نے نماز سے پہلے قربانی کی اس نے اپنی ذات کے لئے جانور ذبح کیا۔ اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت پوری کر لی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بخاری والی حدیث: ”جس کسی نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔ اور جس نے نماز کے بعد قربانی کر لی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت ادا کر لی۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں نماز کے بعد ذبح کرنے کا کہا ہے نہ کہ خطبے کے بعد۔ معلوم ہو کہ اعتبار نماز کا ہے خطبے کا نہیں۔

قربانی کا وقت تین دن تک محدود ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ”قربانی کے دن تین ہیں۔ سب سے پہلا سب سے افضل ہے۔“ (۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”قربانی عید کے دن کے بعد دو دن ہے۔“ (۳)

۲۔ مالکیہ...... (۴) مالکیہ کے نزدیک نماز عید کے امام کے لئے قربانی کا وقت نماز اور خطبے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے ذبح

---

(۱)...... البدائع: ۵/۷۳۔۷۵ تکملة فتح القدير: ۸/۸۲ و ما بعدها، تبيين الحقائق: ۶/۴ وما بعدها، الدر المختار: ۵/۲۲۲۔ ۲۲۵، اللباب شرح الكتاب: ۳/۲۳۳ وما بعدها۔ (۲) علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ بہت ہی غریب ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۱۳) (۳) اس حدیث کو موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ انہیں یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے تھے (سابقہ حوالہ)۔ (۴) الشرح الكبير: ۲/۱۲۰، ۱۲۲، بداية المجتهد: ۱/۴۲۱ ومابعدها، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۶ وما بعد۔

کر لی تو ادا نہیں ہوگی۔ امام کے علاوہ باقی لوگوں کے قربانی ذبح کرنے کا وقت امام کے ذبح کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یا اگر امام قربانی نہیں کر رہا تو اتنا وقت گزرنے کے بعد قربانی کی جائے گی۔ اگر کسی نے امام سے پہلے جان بوجھ کر قربانی ذبح کر لی تو صحیح نہیں ہوگی۔ اور دوبارہ قربانی کرنا پڑے گی۔ ان کے نزدیک نماز سے پہلے یا امام کے ذبح کرنے سے پہلے قربانی کرنے سے قربانی نہیں ہوگی۔ البتہ اگر امام کی قربانی کا پتہ نہ چلا اور کسی نے اندازے سے قربانی کر لی۔ اس کا گمان یہی تھا کہ امام نے قربانی کر لی ہے۔ لیکن حقیقت میں قربانی نہیں کی تھی۔ تو اس کی قربانی درست ہوگی۔ اگر امام نے کسی شرعی عذر کی وجہ سے تاخیر کر دی تو زوال سے اتنا پہلے تک انتظار کیا جائے گا جس میں قربانی ذبح کی جا سکے۔ تا کہ افضل وقت نہ چھوٹے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ❶ والی حدیث میں حکم دیا کہ جس نے پہلے قربانی کر لی ہے وہ دوبارہ قربانی کرے۔ اور اس وقت تک قربانی نہ کریں جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی نہیں کی۔ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے قربانی کرنے سے پہلے قربانی نہیں کی جا سکتی۔

اور حضرت جندب بن سفیان البجلی ❷ والی روایت اس بات کی دلیل ہے کہ ذبح نماز کے بعد ہوتا ہے۔ ”جس نے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کر لیا اسے چاہئے کہ اس کی جگہ ایک اور قربانی کرے۔ اور جس نے نماز تک ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرلے۔“ پہلے دن کے علاوہ باقی دو دنوں میں ذبح کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جائے گا۔ لیکن سورج بلند ہونے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ اگر کوئی مسلمان یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ بروز عید) کو زوال سے پہلے قربانی نہ کر سکا تو افضل یہ ہے کہ اسی دن بعد میں قربانی کرلے۔ اگر دوسرے دن زوال تک قربانی نہ کر سکا تو افضل یہ ہے کہ تیسرے دن زوال سے پہلے قربانی کرلے۔ اور اگر تیسرے دن زوال تک قربانی نہ کر سکا تو زوال کے بعد قربانی کرے۔ اس لئے کہ اب کوئی ایسا وقت نہیں جس کا انتظار کیا جائے۔

ان کے نزدیک قربانی کا وقت تیسرے دن کا سورج غروب ہونے تک ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ آ رہا ہے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ:

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ...... الحج: ۲۸/۲۲

”تا کہ وہ ان فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو ان کے لئے رکھے گئے ہیں اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں۔“

میں ”الایام المعلومات“ کی مشہور تفسیر یہی ہے کہ اس سے مراد عید کا دن اور اس کے بعد والے دو دن ہیں۔

۳۔ شافعیہ...... ❸ شافعیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کا وقت عید کے دن سورج طلوع ہونے کے اتنے وقت کے بعد شروع ہوتا ہے جس میں دو رکعتیں اور دو خطبے خفیف طریقے سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ پھر جب سورج ایک نیزے ❹ کے بقدر بلند ہو جائے تو یہ اس کا افضل وقت ہے۔ اسی وقت نماز چاشت کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے۔ اگر اس سے پہلے قربانی کر لی تو صحیح نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ صحیحین کی روایت میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”اس دن ہم سب سے پہلے نماز سے اس دن کی ابتداء کرتے ہیں۔ پھر واپس جاتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں۔“ ❺ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر حاجی غلطی سے آٹھ تاریخ کو عرفہ میں ٹھہرے۔ اور نو تاریخ کو قربانی کرلے۔ پھر غلطی کا پتا چلا تو شافعیہ کی ایک ضعیف رائے یہ ہے کہ قربانی بھی حج کے تابع ہو کر ٹھیک ہو جائے گی۔

---

❶ ...... اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❷ یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے درمیان متفق علیہ ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۲۳/۵۔) ❸ مغنی المحتاج: ۲۸۶/۴ وما بعدها، المهذب: ۲۳۷/۱، المحلی علی المنهاج: ۲۵۲/۴ ومابعدها، نهاية المحتاج: ۶/۸ ❹ الرمح: نیزه. ایک لمبی لکڑی جس کے سرے پر برچھا لگا ہوتا ہے۔ ❺ یہ شافعیہ کی مرجوح روایت ہے کہ حج ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ نہ حج ہوگا نہ قربانی۔

قربانی ذبح کرنے کا وقت ایام تشریق کے آخر تک ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دسویں کے بعد تین دن ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''عرفہ سارا کا سارا موقف'' (ٹھہرنے کی جگہ) ہے۔'' اور ایام تشریق سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں۔'' ❶ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے: ''تمام ایام تشریق میں قربانی کر سکتے ہیں۔'' ❷

لیکن رات کو ذبح کرنا اور قربانی کرنا مکروہ ہے۔ اسلئے کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ یا تو ذبح کرنے میں غلطی کے خدشے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ فقراء قربانی کے لئے جتنے دن کو آسکتے ہیں اتنے رات کو نہیں آسکتے۔

اگر کسی نے معین جانور کی قربانی نذر مانی اور مثلاً یہ کہا کہ اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اس گائے کی قربانی کروں تو اس کو قربانی کے اس وقت ذکر کئے ہوئے وقت میں ذبح کرنا لازمی ہوگا۔ آئندہ سال تک تاخیر جائز نہیں ہوگی۔ اگر وہ قربانی کے وقت سے پہلے یا قربانی کے وقت ذبح کرنے سے پہلے ہلاک ہوگئی تو اس پر کچھ نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ اس کی کوئی کوتاہی نہیں۔ اور یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ اور اگر اس نے خود ہلاک کیا تو اب اس کی قیمت سے، اسی جیسی ایک اور قربانی خرید کر اسے وقت میں ذبح کرنی لازم ہوگی۔

۴۔ حنابلہ..... ❸ حنابلہ فرماتے ہیں کہ قربانی کا وقت عید کی صبح اتنا وقت گزر جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، جس میں ہلکے انداز میں نماز عید اور دو خطبے پڑھے جاسکیں۔ جیسا کہ شافعیہ کا مسلک ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ قربانی نماز، خطبے اور امام نے اگر قربانی کرنی ہو تو اس کے بعد کی جائے تاکہ اختلاف سے نکلا جاسکے۔ اس میں شہر والوں اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں۔ اگر زوال کا وقت آجانے کی وجہ سے عید کی نماز فوت ہوگئی چاہے عذر سے ہو یا بلا عذر تو قربانی کرنے والا زوال کے وقت اور اس کے بعد قربانی کرلے۔ اس لئے کہ نماز کا وقت نکل جانے کی وجہ سے اب تبعیت نہیں ہوسکتی۔ اگر نماز سے پہلے قربانی کرلی تو صحیح نہیں ہوگی۔ اگر قربانی نذر یا تعیین سے واجب ہوگئی تھی تو بدل لازم ہوجائے گا۔ اس لئے کہ یہ واجب قربانی تھی جس کو اس وقت سے پہلے ذبح کرلیا۔ لہٰذا بدل لازم ہوگا۔ دوسرے دن قربانی دن کے پہلے حصے میں ہوگی۔ اس لئے کہ اس میں نماز واجب نہیں ہے۔

قربانی کا وقت ایام تشریق کے دوسرے دن (۱۲ ذی الحجہ) کے آخر تک رہے گا۔ یعنی قربانی کے دن تین ہیں: عید کا دن اور دو دن اس کے بعد۔ جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں۔

دن کے وقت قربانی کرنا افضل ہے اور رات کے وقت کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے رات کو ذبح کرنے سے منع فرمایا۔ ❹ اور اس لئے بھی کہ رات کے وقت عام طور پر گوشت الگ الگ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے تازہ تازہ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے مقصود میں کمی واقع ہوتی ہے۔

اگر ذبح کرنے کا وقت نکل جائے تو واجب قربانی کو قضاءً ذبح کرے۔ اس کے ساتھ وہی کچھ کرے جو وقت پر ذبح کی ہوئی قربانی کے ساتھ کرتے ہیں۔ نفل میں اس کو اختیار ہے۔ اگر اس نے گوشت الگ کرلیا تو عبادت اسی کے ساتھ ہوگی نہ کہ ذبح کے ساتھ۔ اس لئے کہ یہ گوشت والی بکری ہے۔ قربانی نہیں۔

اگر مالک کے واجب کرنے سے قربانی واجب ہوگئی اور پھر اس کی طرف سے کسی زیادتی کے بغیر قربانی کا جانور گم ہوگیا یا چوری ہوگیا تو اس پر کچھ ضمان نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ قربانی اس کے پاس امانت تھی۔ اگر دوبارہ مل جائے تو اس کو ذبح کرلے چاہے یہ ذبح کے وقت

---

❶..... اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔ اور ایام تشریق عید اور اس کے بعد تین دن ہیں (نیل الاوطار: ۵/ ۱۲۵) باقی تین ائمہ کے نزدیک عید کے بعد دو دن قربانی کی جاسکتی ہے۔ ❸ المغنی: ۸/ ۶۳۶ وما بعدھا، کشاف القناع: ۳/ ۶۔ ❹ طبرانی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں متروک ہے۔ اور بیہقی نے اس کو حضرت حسن سے مرسلاً روایت کیا ہے (نیل الاوطار: ۵/ ۱۲۶)

ملے یا بعد میں۔

چوتھی بحث: ذبح کیا جانے والا جانور.....اس میں چار مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد.....ذبح کئے جانے والے جانور کی قسم

علماء کا اتفاق ہے کہ قربانی صرف مویشیوں: اونٹ، گائے (اسی میں بھینس بھی شامل ہے) اور بھیڑ (اسی میں بکری بھی شامل ہے) اپنی تمام اقسام سمیت.....کی درست ہے۔ اس میں نر اور مادہ، خصی اور غیر خصی سب شامل ہیں۔ لہٰذا مویشیوں کے علاوہ ہرن جنگلی گائے وغیرہ کی قربانی درست نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ الحج:۲۲/۳۴

'اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے علاوہ کسی جانور کی قربانی منقول نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ قربانی حیوان سے متعلقہ عبادت ہے۔ یہ پالتو چوپایوں کے ساتھ خاص ہوگی جس طرح زکوٰۃ انہی کے ساتھ خاص ہے۔ ❶

مخلوط جانور..... پالتو چوپایوں اور دوسرے جانوروں سے پیدا ہونے والا جیسے جنگلی اور گھریلو جانور کے ملاپ سے پیدا ہونے والا بچہ ماں کے تابع ہوگا۔ اس لئے کہ تبعیت میں وہی اصل ہے۔ یہ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں: پالتو جانوروں کی دو جنسوں سی پیدا ہونے والا جانور قربان کرنا درست ہے۔ اس میں ماں باپ میں سے زیادہ عمر والے کا اعتبار ہوگا۔ اگر وہ بھیڑ اور بکری سے پیدا ہوا ہو تو اس کا دو سالہ ہونا ضروری ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ جنگلی اور گھریلو جانور کے ملاپ سے پیدا ہونے والے کی قربانی درست نہیں۔

افضل جانور.....کون سے جانور کی قربانی افضل ہے؟

اس میں فقہاء کی دو رائیں ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک سب سے افضل بھیڑ ہے، پھر گائے اور پھر اونٹ۔ اس لئے کہ گوشت کے اچھا ہونے کی ترتیب یہی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی دی۔ ظاہر ہے۔ انہوں نے افضل کو اختیار کیا ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بہتر کوئی جانور ہوتا تو حضرت اسحاق علیہ السلام (یا اسماعیل علیہ السلام) کی جگہ اسے قربان کرتے۔

شافعیہ کا قول اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے، پھر گائے کی، پھر دنبے کی اور پھر بکری کی۔ اس لئے انہوں نے گوشت زیادہ ہونے کا اعتبار کیا ہے، فقراء کا فائدہ بھی اسی میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے جمعے کے دن غسل جنابت جیسا غسل کیا پھر مسجد چلا گیا تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی۔ جو اس کے بعد گیا تو گویا اس نے گائے کی قربانی کی اور جو اس کے بعد گیا تو یا اس نے سینگوں والے دنبے کی قربانی کی۔ ❷

---

❶.....البدائع: ۵/۶۹، اللباب: ۳/۲۳۵، الدر المختار: ۵/۲۲۶، تبیین الحقائق: ۶/۷، تکملة الفتح: ۸/۷۶، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۸، وما بعدها، بدایة المجتهد: ۱/۴۱۶، مغنی المحتاج: ۴/۲۸۴، المغنی: ۸/۶۱۹ ومابعدها، ۶۲۳، کشاف القناع: ۲/۶۱۵ و ما بعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۸ المهذب: ۱/۲۳۸۔ ❷ابن ماجہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۳/۲۳۷)

حنفیہ فرماتے ہیں کہ جس میں گوشت زیادہ ہو وہی افضل ہے۔

مذاہب کی تفصیل عبارات درج ذیل ہیں:

حنفیہ ❶ فرماتے ہیں: اصول یہ ہے کہ اگر گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو جس کا گوشت اچھا ہو وہ افضل ہے۔ اور اگر گوشت اور قیمت میں فرق ہو تو جو زائد ہو وہی بہتر ہے۔ اگر بکری اور گائے کا ساتواں حصہ گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو بکری افضل ہے۔ اگر گائے کے ساتویں حصے میں گوشت زیادہ ہو تو وہ افضل ہوگا۔ مینڈھا اور دنبی اگر گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو مینڈھا افضل ہے ورنہ دنبی افضل ہے۔ بکری اور بکرے کی قیمت برابر ہو اور بکرا خصی ❷ نہ ہو تو بکری افضل ہے۔ اونٹ اور گائے اگر برابر ہو تو مادہ افضل ہے۔ اس لئے کہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ اس بنا پر نر اگر خصی ہو تو افضل ہے ورنہ مادہ افضل ہے۔ سفید سینگوں والا دوسروں سے افضل ہے۔

مالکیہ ❸ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل بھیڑ ہے۔ غیر خصی پھر خصی اور پھر مادہ۔ اس کے بعد بکری پھر گائے اور پھر اونٹ۔ یہ ترتیب گوشت کے اچھا ہونے کے اعتبار سے ہے۔ ان کے نزدیک نر مطلقاً مادہ سے بہتر ہے۔ سفید سیاہ سے افضل ہے۔ سفید کے سیاہ سے افضل ہونے میں شافعیہ اور حنابلہ بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کی عبارت یہ ہے: ❹ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے اس لئے کہ اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد گائے ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر اونٹ کا گوشت گائے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھیڑ ہے، پھر بکری ہے۔ اس لئے کہ بھیڑ بکری سے اچھی ہوتی ہے۔ اور بکری کے بعد گائے اور اونٹ کا حصہ آتا ہے۔ سات بکریاں ایک اونٹ یا گائے سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہ ان کا گوشت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ ایک بکری اور اونٹ کا حصہ اگر برابر ہوں تو بکری افضل ہے۔ اس لئے کہ اس میں علیحدہ طور پر خون بہایا جاتا ہے اور گوشت بھی اچھا ہوتا ہے۔ اگر اونٹ کا ساتواں حصہ بکری سے زیادہ ہو تو افضل ہوگا۔

مینڈھا بھیڑ سے افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی ہے اور اس کا گوشت بھی اچھا ہوتا ہے۔ ❺ بھیڑ کا دوسرے سال والا بچہ بکری کے اس بچے سے افضل ہے جس کے دانت گر گئے ہوں۔ اس لئے کہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بھیڑ کا دوسرے سال والا بچہ ❻ بہت اچھی قربانی ہے“ یعنی دانت گرنے سے پہلے۔

شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ نر مادہ سے افضل ہے۔ اس لئے کہ اس کا گوشت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک خصی دنبے سے افضل ہے۔ اس لئے کہ اس کا گوشت زیادہ اور اچھا ہوتا ہے۔ اور دونوں مذہبوں میں غیر خصی خصی سے افضل ہے۔

موٹی قربانی دبلی سے افضل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ الحج: ۲۲/۳۲

---

❶ ......الدر المختار وحاشیہ: ۲۲۶/۵ وما بعدھا، ۲۳۳۷، البدائع: ۸۰/۵۔ ❷ اگر وہ خصی ہو اس کے فوطے کوٹے ہوئے ہوں تو نر بھیڑ بکری افضل ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سفید اور کالے خصی مینڈھے قربانی کئے۔“ الموجوء: جس کے فوطے نکالے ہوئے ہوں (نیل الاوطار: ۱۱۹/۵) علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۱۵/۴) ❸ الشرح الکبیر: ۱۲۱/۲، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۸۔ ❹ مغنی المحتاج: ۲۸۵/۴ وما بعدھا، المھذب: ۲۳۸/۱، المغنی: ۶۲۱/۸ وما بعدھا، کشاف القناع: ۶۱۵/۲ وما بعدھا۔ ❺ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے۔“ ❻ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۱۶/۴) الجذع: بکری کا دوسرے سال والا بچہ، گائے کا تیسرے سال والا اور اونٹ کا پانچویں سال والا۔

''اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تعظیم سے مراد اس کا موٹا اور اچھا ہونا ہے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

سفید قربانی خاکستر اور کالی سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو املح مینڈھے ذبح کئے۔ اور املح سفید کو کہتے ہیں۔ اسی سے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رنگوں کی ترتیب سامنے آ گئی۔ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

سفید سب سے افضل ہے۔ پھر زرد، پھر عفراء جس کی سفیدی صاف نہ ہو)، پھر سرخ، بلقاء (جس میں سفیدی اور سیاہی ملی جلی ہو)؛ پھر سیاہ۔ [1] اور احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی حدیث روایت کی ہے۔ ''عفراء (جس کی سفیدی صاف نہ ہو) قربانی اللہ تعالیٰ کو کالی قربانیوں سے زیادہ پسند ہے۔''

دوسرا مقصد......قربانی کے جانور کی عمر

فقہاء کا اتفاق ہے کہ ثنی (جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں) اور اس سے بڑے اونٹ، گائے اور بکری کی قربانی جائز ہے۔ بھیڑ کے جذع [2] میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ [3] فرماتے ہیں: بھیڑ کا جذع جو موٹا تازہ ہو، چھ ماہ پورے ہو چکے ہو، ساتویں میں داخل ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ بعض مالکیہ [4] کی بھی یہی رائے ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''بھیڑ کے جذع کی قربانی ہو جاتی ہے۔'' [5] حنفیہ نے اس کے موٹاپے کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ اگر اس کو ایک سال والوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو دیکھنے والے کو دوسروں سے مختلف نہ لگے۔

بھیڑ اور بکری کے جذع میں فرق یہ ہے کہ بھیڑ کا جذع جفتی کرتا ہے اور اس سے حمل ٹھہرتا ہے جب کہ بکری کے جذع میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے جذع بن جانے کا پتہ اس کی پیٹھ پر اگنے والی اون سے چلتا ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ [6] کے نزدیک راجح یہ ہے کہ بھیڑ کا جذع جب پورے ایک سال کا ہو جائے اور دوسرے میں داخل ہو جائے تو قربانی درست ہوگی۔ اس لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حدیث نقل کی ہے۔ بھیڑ کے جذع کی قربانی کرو۔ اس لئے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔'' [7] قربانی کے باقی جانوروں کی عمریں درج ذیل ہیں۔ [8]

حنفیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے وہ بکری جائز ہوگی جو ایک سال کی ہو کر دوسرے میں داخل ہو گئی ہو۔ گائے اور بھینس جو دو سال کی ہو کر تیسرے میں داخل ہو گئی ہوں۔ اور اونٹ جو پانچ سال مکمل کر کے چھٹے میں داخل ہو گیا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک بکری ایک عربی سال کی ہو کر دوسرے میں واضح طور پر داخل ہونی چاہئے۔ جیسے ایک مہینہ گزر گیا ہو۔ اس کے برعکس بھیڑ میں صرف دوسرے سال میں داخل ہونا کافی ہے۔ گائے اور بھینس تین سال کی ہو کر چوتھے میں داخل ہو گئی ہوں۔ اونٹ پانچ سال کا ہو کر چھٹے میں داخل ہو گیا ہو۔

---

[1]......رنگوں کی ترجیح کے بارے میں بعض کہتے ہیں کہ گوشت اچھا ہونے کی وجہ سے ہے۔ بعض کے نزدیک اچھا دکھائی دینے کے لئے اور بعض کے نزدیک پہچان کے لئے۔ [2] الجذع قبل الثني: جانور کا چھوٹا بچہ۔ بکری کا دوسرے سال والا، گائے اور کھر والے جانوروں کا تیسرے سال والا اور اونٹ کا پانچویں سال والا۔ الثـنـي: جس کے سامنے والے دانت گر گئے ہوں یہ گائے اور کھر والے جانوروں میں تیسرے سال والا اور اونٹ میں چھٹے سال والا ہوتا ہے۔ [3] البدائع: ۵/۷۰، كشاف القناع: ۲/۶۱۲، المغنى: ۸/۶۲۳۔ [4] القوانين الفقهيه: ص ۱۸۸۔ [5] امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام بلال بنت ہلال سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۱۴) [6] الشـرح الكبير: ۲/۱۱۹، بداية المجتهد: ۱/۴۱۹، مغنى المحتاج: ۴/۲۸۴، المهذب: ۱/۲۳۸۔ [7] نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا جذع قربانی کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جذع کی قربانی کرنے کی اجازت دی (نیل الاوطار: ۵/۱۱۴) [8] ہر مذہب کے سابقہ حوالے جو اسی مقصد میں گزرے ہیں۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ اونٹ چھٹے سال میں داخل ہو گیا ہو۔ گائے اور بکری تیسرے سال میں اور بھیڑ دوسرے سال میں۔

حنابلہ فرماتے ہیں: بکری پورے ایک سال کی، گائے پورے دو سال کی اور اونٹ پورے پانچ سال کا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام مذاہب کے فقہاء اونٹ کی عمر کی حد پانچ سال ہونے پر متفق ہیں۔ گائے کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دو سالہ ہونی چاہئے اور مالکیہ کے نزدیک تین سالہ۔ بکری میں بھی اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک دو سالہ اور باقیوں کے نزدیک ایک سالہ۔

تیسرا مقصد......ذبح کئے جانے والے جانور کی مقدار کہ وہ کتنوں کی طرف سے جائز ہوگا؟

فقہاء کا اتفاق ہے (1) کہ بھیڑ اور بکری کی قربانی صرف ایک کی طرف سے جائز ہوتی ہے۔ اور گائے اور اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے: ”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں قربانی کی۔ اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔“ (2)

مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا تلبیہ پڑھتے ہوئے نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونٹ اور گائے میں سات سات کے شریک ہونے کا حکم دیا۔“ (3)

حنابلہ کے نزدیک ایک آدمی کا اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری، گائے یا اونٹ کی قربانی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا اپنی اور اپنی آل کی طرف سے ذبح کیا۔ اور دو سفید رنگ والے، سینگوں والے مینڈھے ذبح کئے۔ ان میں سے ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی طرف سے تھا۔ (4) ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی اپنے اور گھر والوں کی طرف سے بکری کی قربانی کرتا تھا وہ کھاتے تھے اور دوسروں کو کھلاتے تھے.....“

اسی طرح مالکیہ نے بھی اپنے اور گھر والوں کی طرف سے مینڈھے، گائے اور اونٹ کی قربانی کو جائز رکھا ہے۔ اگرچہ شرکاء سات سے زیادہ ہو جائیں۔ بشرطیکہ شرکت ثواب میں ہو، ذبح کرنے سے پہلے ہو اور تین شرطیں پائی جائیں۔ وہ قربانی کرنے والے کا قریبی ہو، قربانی کرنے والا اس پر خرچ کرتا ہو اور اس کے ساتھ رہتا ہو۔ قربانی کے صحیح ہونے کی شرطوں میں یہ بات گذر چکی ہے۔

شافعیہ بھی فرماتے ہیں کہ گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کرنے سے سنت کفایہ ادا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ باقیوں نے اجازت نہ دی ہو۔

چوتھا مقصد......ذبح کئے جانے والے جانور کے اوصاف

قربانی کے جانور میں پائی جانے والی صفات تین طرح کی ہیں۔ وہ صفات جن کا پایا جانا مستحب ہے، وہ صفات جن کے پائے جانے سے قربانی نہیں ہوتی اور وہ صفات جن کا پایا جانا مکروہ ہے۔

---

(1) ......البدائع: ۷۰/۵، تبیین الحقائق: ۳/۶، تکملۃ الفتح: ۷۶/۸، الدرالمختار: ۲۲۲/۵، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۶: بدایة المجتهد: ۴۲۰/۱، الشرح الکبیر: ۱۱۹/۲، مغنی المحتاج: ۲۸۵/۴، المهذب: ۲۳۸/۱، المغنی: ۶۱۹/۸ وما بعدها، کشاف القناع: ۶۱۷/۲۔ (2) بہت سے محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۲۰۹/۴) (3) شافعیہ کے اس حدیث سے حنفیہ کے برعکس یہ استنباط کیا ہے کہ عبادت کی نیت کرنے والے اور نہ کرنے والے ایک ہی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ بظاہر وہ ایک ہی گھر کے نہ تھے۔ اسی طرح عبادت کی قسم خواہ ایک ہو یا مختلف۔ جیسے ان میں سے بعض نے قربانی کی نیت کی تھی، بعض نے ھدی کی اور بعض نے گوشت کی۔ وہ گوشت تقسیم بھی کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ صحیح یہی ہے کہ اس کی تقسیم افراز اور جدا کرنے کے لئے ہے۔ (4) اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

مستحب صفات......قربانی کے جانور میں پائی جانے والی مستحب صفات بالاتفاق یہ ہیں ❶ کہ قربانی موٹے تازے، سینگوں والے، سفید رنگ والے مینڈھے کی ہو۔ جمہور کے نزدیک غیر خصی اور حنفیہ کے نزدیک خصی افضل ہے۔ مینڈھے کے بارے میں گزر چکا ہے کہ یہ بھیڑ کی قسموں میں سے سب سے افضل ہے۔ یہ استحباب شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس وقت ہوگا جب مینڈھا اونٹ اور گائے کے ساتویں حصے سے افضل ہو۔

ان صفات کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی صفات میں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابورافع رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایات میں آیا ہے۔ یہ روایات خصی کی قربانی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک افضلیت کی دلیل ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث غیر خصی کی قربانی پر دلالت کرتی ہے۔ ❷ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والا غیر خصی مینڈھا ذبح کیا۔ اس کا منہ، ٹانگیں اور آنکھوں کا گرداگرد سیاہ تھا'' ❸ یہ جمہور کے نزدیک افضلیت کی دلیل ہے۔

وہ صفات جن کے پائے جانے سے قربانی نہیں ہوتی......شرطوں کی بحث میں گزر چکا ہے کہ ایسی چار صفات پر علماء کا اتفاق ہے۔ یعنی واضح طور پر کانا ہونا، واضح طور پر بیمار ہونا، لنگڑا پن اور لاغر و کمزور ہونا۔ ان کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔ کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو۔ مرض جس کا مرض ظاہر ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور لاغر و کمزور جس کا گودہ ختم ہوگیا ہو۔ ❹

فقہاء نے ان چار عیوب پر قیاس کر کے کچھ ایسے عیوب کا اضافہ کیا ہے، جو انہی جیسے یا ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ جیسے اندھا ہو، ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔ اس لئے اس سے گوشت میں کمی ہوتی ہے، یہ حدیث ایسا خاص ہے جس سے عام مراد لیا گیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مانع عیوب......حنفیہ ❺ کے نزدیک عیوب درج ذیل ہوئے: ان کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوگی۔ اندھا، کانا جس کی ایک آنکھ ضائع گئی ہو، لنگڑا یعنی جس کی ایک ٹانگ ناکارہ ہو اور وہ ذبح خانے تک چل کر نہ جاسکے، لاغر ونحیف جس کی ہڈیوں کا گودہ ختم ہوگیا ہو، جس کے دانت نہ ہوں اگر اکثر باقی ہوں تو کافی ہیں، جسکا کان پیدائشی طور پر نہ ہو اگر پیدائشی طور پر کان چھوٹا ہو تو درست ہے، جس کے تھن کا سر کٹ گیا ہو یا خشک ہوگیا ہو، جس کی ناک کٹی ہوئی ہو، جس کے تھن کی نوک کٹ گئی ہو اور علاج سے دودھ ختم ہوگیا ہو، جس کی چکتی نہ ہو، خنثیٰ اس لئے کہ اس کا گوشت پکتا نہیں، جلالہ یعنی جو صرف نجاستیں کھاتا ہو، جس کا کان، دم اور چکتی تہائی سے زیادہ کٹی ہوتی ہو، یا اس کی آنکھ کی اکثر روشنی جاچکی ہو (اس لئے کہ کسی عضو یا صفت کے باقی رہنے یا نہ رہنے میں اکثر کو کل کا حکم ملتا ہے۔ اس لئے اکثر کا باقی رہنا کافی ہے اور اس لئے بھی کہ چھوٹے عیب سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اس لئے وہ معاف ہے) یہ عیوب اگر جانور خریدتے وقت جانور میں

---

❶......البدائع: ۸۰/۵، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۸، مغنی المحتاج: ۲۸۵/۴ و ما بعدھا، المغنی: ۶۲۱/۱۰، کشاف القناع: ۶۱۷/۲. ❷ دیکھئے نصب الرایۃ: ۲۱۵/۴ وما بعدھا، نیل الاوطار: ۱۱۸/۵ و ما بعدھا۔ ❸ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ یہ مسلم کی شرط پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مینڈھے کا منہ سیاہ تھا، ٹانگیں سیاہ تھیں اور آنکھوں کا گرداگرد بھی سیاہ تھا۔ (نیل الاوطار: گزشتہ جگہ) ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب السنن رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس جانور کا کانا پن، لنگڑا پن اور مرض ظاہر ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ ہاں اگر تھوڑا ہو ظاہر ہو نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح وہ کمزور جانور جس کا گودہ ختم ہو۔ ترمذی اور نسائی کی روایت میں الکسیر کی جگہ العجفاء ہے (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۵-۱۱۷) العجفاء: جو اتنا کمزور ہو کہ ہڈیوں کا گودہ بھی ختم ہوگیا ہو۔ ❺ البدائع: ۷۵/۵، الدر المختار: ۱۲۷/۵، تکملۃ الفتح: ۷۴/۸ و مابعدھا، تبیین الحقائق: ۵/۶، اللباب: ۲۳۴/۳ و ما بعدھا۔

موجود تھے تو اس کی قربانی صحیح نہیں۔ اور اگر خریدتے وقت یہ عیب موجود نہیں تھے بعد میں کوئی مانع عیب پیدا ہو گیا اب اگر وہ مالدار ہو تو قربانی بدلدے اور اگر فقیر ہے تو یہی قربانی چل جائے گی۔ اسی طرح فقیر آدمی نے اگر خریدتے وقت ہی عیب دار خریدی تھی تو بھی جائز ہوگی اس لئے کہ قربانی اس پر واجب ہی نہیں تھی بخلاف غنی کے۔

حنفیہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب..... درج ذیل جانوروں کی قربانی جائز ہے۔

جس جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں اس لئے کہ سینگوں سے مقصود کا کوئی تعلق نہیں، خصی اس لئے کہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے، خارش زدہ موٹا جانور اس لئے کہ خارش کھال میں ہوتی ہے گوشت کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بخلاف لاغری کے کہ یہ گوشت میں ہوتی ہے، پاگل ❶ جانور اگر چر سکتا ہو تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک قربانی سے مانع عیوب..... مالکیہ ❷ کے نزدیک درج ذیل عیوب قربانی سے مانع ہیں: حدیث میں مذکور چار عیوب: کانا ہونا، لنگڑا ہونا، بیمار ہونا اور کمزور ہونا۔ اس کے علاوہ اندھا، دائمی مجنون، جس کا کوئی اصلی یا زائد عضو کٹ گیا ہو جیسے ہاتھ یا پاؤں سوائے فوطوں کے اس لئے کہ خصی کی قربانی درست ہے، خارش زدہ، بوڑھا اور بدہضمی والا جب کہ خارش، بڑھاپا اور بدہضمی زیادہ ہو جائے، گونگا (جس کی آواز بند ہو گئی ہو سوائے کسی عارض کے۔ جیسے اونٹنی حمل کے چند ماہ بعد) بہرہ، وہ جانور جس کے منہ سے بدبو آ رہی ہو، جس کے کان بہت زیادہ چھوٹے ہو اور یوں لگتا ہو کہ بغیر کان کے پیدا ہوا ہے، جس کی دم نہ ہو، جس کا تھن خشک ہو گیا ہو، سینگ اس طرح ٹوٹ گیا ہو کہ ٹھیک نہ ہو، ایک سے زائد دانت کسی چوٹ یا مرض کی وجہ سے گر گئے ہوں نہ کہ بڑھاپے یا بچپن کے تغیر و تبدل سے، جس کی تہائی یا اس سے زائد دم کٹی ہوئی ہو یا ایک تہائی سے زائد کان کٹا ہوا ہو۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھوں اور کانوں کا خیال رکھیں اور ہم ایسی قربانی نہ کریں جس کا کان سامنے سے کٹ کر لٹک رہا ہو، جس کا کان ایک طرف سے کٹا ہوا ہو، جس کا کان لمبائی میں پھٹ گیا ہو اور جس کے کان میں گول پھٹن ہو۔"

مالکیہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب..... درج ذیل جانوروں کی قربانی صحیح ہے۔ جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، جو چربی کی کثرت سے کھڑا نہ ہو سکتا ہو، جس کا سینگ جڑ سے یا سائیڈ سے ٹوٹ کر ٹھیک ہو گیا ہو۔

شافعیہ کے نزدیک قربانی سے مانع عیوب..... شافعیہ ❸ کے نزدیک درج ذیل جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے:

حدیث میں بیان کئے گئے عیوب کانا ہونا، لنگڑا ہونا، بیمار ہونا اور کمزور ہونا، خارش زدہ جانور اگرچہ خارش تھوڑی ہو، حدیث والے چار عیوب اگر تھوڑے ہوں تو مضر نہیں اس لئے کہ گوشت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح اندھا، دیوانہ (جو چراگاہ میں چکر لگاتا رہے اور تھوڑا بہت چرے نتیجتاً کمزور ہو جائے)، جس کا کچھ کان یا زبان کٹی ہوئی ہو اگرچہ معمولی ہو اس لئے کہ ایک کھایا جانے والا عضو ضائع ہو گیا ہے اس سے گوشت میں کمی ہو گئی ہے۔ کان کا شل ہونا نہ ہونے کی طرح ہے۔ اور جس کی چکتی کٹ گئی ہو۔

شافعیہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب..... شافعیہ کے نزدیک درج ذیل جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ خصی اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ ❹ لیکن غیر خصی اس سے افضل ہے۔ سینگ کا پیدائشی طور پر نہ ہونا مضر نہیں

---

❶ الثــــــول: بکری کے اعضاء میں آنے والا ڈھیلا پن یا جنون جس کی وجہ سے وہ دوسری بکریوں کے ساتھ نہیں جاتی اور چراگاہ میں چکر کاٹتی رہتی ہے۔
❷ الشرح الکبیر: ۱۱۹/۲ وما بعدها، الشرح الصغیر: ۱۴۳/۲ وما بعدها، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۸ وما بعدها، بدایة المجتهد: ۴۱۷/۱-۴۱۹۔ ❸ مغنی المحتاج: ۲۸۶/۴ وما بعد، المهذب: ۲۳۸/۱۔ ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۱۹/۵)

اسی طرح اس کا ٹوٹ جانا بھی مضر نہیں جب تک کہ گوشت کو عیب دار نہ کرے۔ اگر چہ ٹوٹنے سے خون بہہ رہا ہو۔ اس لئے کہ سینگ سے کوئی بڑی غرض وابستہ نہیں۔ ہاں اگر سینگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے گوشت میں عیب آ گیا ہو تو الگ بات ہے جیسے خارش وغیرہ۔ لیکن سینگ والا بہتر ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے "بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے" ❶ اس لئے کہ یہ خوبصورت نظر آتا ہے بلکہ دوسرا مکروہ ہے۔ بعض دانتوں کا یا اکثر کا گر جانا نقصان دہ نہیں۔ اگر کسی جانور کے ایک دو دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے اس لئے کہ اس سے چارہ کھانے اور گوشت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہاں اگر سب دانت گر جائیں تو الگ بات ہے۔ اس لئے کہ اس کا اثر پڑتا ہے۔

اسی طرح صحیح یہی ہے کہ کان کا کٹ جانا یا پھٹ جانا یا اس میں سوراخ ہو جانا بھی مضر نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کان سے کچھ نہ گرے۔ اس لئے کہ اس سے گوشت میں کچھ کمی نہیں آتی۔

خلاصہ یہ کہ جن عیوب سے گوشت میں کمی ہوتی ہے وہ جائز نہیں اور جن سے کمی نہیں ہوتی وہ جائز ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک قربانی سے مانع عیوب...... حنابلہ ❷ کے نزدیک درج ذیل عیوب والے جانوروں کی قربانی درست نہیں: کمزور کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، اندھا، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، بیمار جس کو گوشت خراب کر دینے والی بیماری لگی ہوئی ہو جیسے خارش وغیرہ اور ٹھیک ہونے کی امید نہ ہو، وہ جانور جس کا نصف سے زیادہ کان یا سینگ ضائع ہو گیا ہو۔ ❸ اسی طرح جس کی نصف سے زائد چکتی نہ ہو، جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں، جس کے سامنے کے دانت جڑوں سے گر گئے ہوں اور جس کے سینگوں کا غلاف ٹوٹ گیا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک قربانی سے مانع نہ بننے والے عیوب...... خصی (جس کے خصیے کاٹ دیئے جو یا نکال دیئے ہو یا کوٹے ہوئے ہوں) اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی کی قربانی کی ہے لیکن جس کا ذکر اور خصیے کٹے ہوئے ہوں وہ جائز نہیں، جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، جس کے کان چھوٹے چھوٹے ہوں، جس کی دم پیدائشی طور پر نہ ہو یا کٹ گئی ہو اس لئے کہ یہ مقصود میں مخل نہیں۔ اور جس کی آنکھ میں سفیدی ہو لیکن نظر ٹھیک ہو تو اسکی قربانی جائز ہے اس لئے کہ مقصود پورا ہو رہا ہے، حاملہ اونٹ گائے اور بھیڑ کی قربانی غیر حاملہ کی طرح درست ہے۔

خلاصہ...... خلاصہ یہ کہ کچھ عیوب بالاتفاق قربانی سے مانع بنتے ہیں۔ خلقی عیوب مانع نہیں بنتے۔ بعض عیوب کے بارے میں اختلاف ہے۔ جیسے اگر کان کا بعض حصہ کٹ گیا ہو تو مالکیہ اور حنفیہ تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے کی اجازت نہیں دیتے۔ حنابلہ نصف سے زائد کی اور شافعیہ تھوڑے سے کٹے ہوئے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو حنفیہ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ دماغ تک نہ پہنچ جائے۔ مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اگر چہ پورا ٹوٹ گیا ہو بشرطیکہ ٹھیک ہو گیا ہو۔ شافعیہ کے نزدیک اگر گوشت میں کمی نہ ہو تو جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اگر نصف سے کم کم ٹوٹا ہے تو جائز ہے۔

افضل وہ ہے جس کی خلقت پوری ہو۔ کوئی کمی نہ ہو۔

اگر کسی نے صحیح وسالم قربانی لی پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو قربانی سے مانع تھا تو اسی کو ذبح کرے۔ حنفیہ کے علاوہ سب کے نزدیک یہی درست ہو جائے گی۔ ❹ اس لئے کہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرمایا" ہم نے

---

❶...... اس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ❷ المغنی: ۶۲۳/۸ وما بعدھا، کشاف القناع: ۳/۳۔ ❸ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھٹے کان اور ٹوٹے سینگ والی قربانی سے منع فرمایا۔" قتادہ فرماتے ہیں میں نے سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہاں۔ العضب: نصف یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہوتا ہے۔" اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۱۵/۵) ❹ المغنی: ۶۲۶/۸ وما بعدھا۔

قربانی کے لئے ایک دنبہ خریدا۔ بھیڑیے نے اس کی چکتی کھالی۔ تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔" لہٰذا پرانا عیب قربانی سے مانع بنتا ہے نہ کہ تازہ۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کرنے والا مالدار ہو تو قربانی تبدیل کرلے۔

مکروہ صفات.....قربانی کئے جانے والے جانور کی مکروہ صفات فقہاء کے نزدیک درج ذیل ہیں:

حنفیہ.....حنفیہ ❶ فرماتے ہیں کہ درج ذیل جانوروں کی قربانی مکروہ ہے: جس کا کان لمبائی میں چیرا ہوا ہو، جس کا کان داغنے کی وجہ سے پھٹ گیا ہو، جس کا کان پیچھے سے کچھ کٹ گیا ہو اور جس کا کان آگے سے کچھ کٹ گیا ہو۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے ہے۔ اس میں ہے: "اور یہ کہ ہم ایسی قربانی نہ کریں جو کانی ہو، جس کے کان کا اگلا حصہ کٹ کر لٹک رہا ہو، جس کا کان ایک طرف سے کٹا ہوا ہو۔ جس کے کان میں پھٹن ہو اور جس کا کان لمبائی میں پھٹ گیا ہو" یہ نہی استحباب پر محمول ہے۔

وہ قربانی مکروہ ہے، جس کو ذبح کرنے سے پہلے اس کی اون اتار دی جائے تا کہ اس سے نفع حاصل کیا جائے۔ اور جو بھینگی ہو۔

مالکیہ.....مالکیہ ❷ فرماتے ہیں کہ یہ جانور مکروہ ہیں: جس کا کان لمبائی میں پھٹ گیا ہو ایسے دوسرے جانور جن کا اس کے ساتھ گزشتہ حدیث میں ذکر آیا ہے، اور کان کے دوسرے تمام عیوب جیسے بغیر کان کے پیدا ہونے والا یا جس کا کان تھوڑا سا کٹا ہوا ہو۔ اسی طرح سینگ کے عیوب بھی مکروہ ہیں جیسے وہ جانور جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو۔ اسی طرح وہ جانور جس کے بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے بعض دانت گر گئے ہوں۔ فی الجملہ یہ کہ اعلیٰ چوپایوں میں سے اچھے والے کی قربانی مستحب ہے جو ایسے عیوب سے بھی سالم ہوں جن کے ساتھ قربانی ہوسکتی ہے جیسے چھوٹی سی بیماری یا سینگ ٹوٹ کر ٹھیک ہوجانا۔

شافعیہ.....شافعیہ ❸ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں جو کان کے عیوب مذکور ہیں یہ مکروہ تنزیہی ہیں۔ جس کے سینگ پیدا ہی نہ ہوئے ہوں یا ٹوٹ گئے ہیں یا ان کا غلاف ٹوٹ گیا ہو وہ بھی مکروہ ہے اس لئے کہ ان سے عیب پیدا ہوجاتا ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قربانیوں کے بارے میں فرماتے ہیں ان کی تعظیم ان کی اچھائی ہے۔

حنابلہ.....اسی طرح حنابلہ فرماتے ہیں ❹ جس کا کان کٹا ہوا ہو یا اس میں سوراخ ہو یا اس کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ان سے منع کیا گیا ہے۔ یہ نہی تنزیہی ہے۔ ان کی قربانی ہوجاتی ہے۔ اس میں ظاہر یہ کے علاوہ کسی کا اختلاف نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ہر عیب سے بچنے کی شرط لگانا مشقت میں ڈالنے والی بات ہے اس لئے کہ ان تمام عیوب سے خالی مشکل ہی سے ملے گا۔

پانچویں بحث:.....قربانی کے مندوبات، مکروہات اور قربانی کرنے والے کیلئے مسنون اعمال

اس بحث کے زیادہ تر مسائل میں فقہاء کا اتفاق ہے۔

۱۔ **حنفیہ کے نزدیک قربانی سے پہلے**.....حنفیہ ❺ فرماتے ہیں قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ قربانی کے ایام سے چند دن پہلے قربانی کو باندھ لے۔ اس لئے کہ اس میں عبادت کی تیاری اور اس میں رغبت کا اظہار ہے۔ اس کو اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس ھدی کی طرح اس کے گلے میں پٹہ ڈالے ❻ اور جھول پہنائے۔ تا کہ اس کی تعظیم کا پتہ چل جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶.....تبیین الحقائق: ۶/۵،۹، البدائع: ۵/۷۶،۷۸، الدرالمختار: ۵/۲۳۱۔ ❷الشرح الکبیر: ۲/۱۲۱، القوانین الفقھیہ: ص۱۸۹۔ ❸مغنی المحتاج: ۴/۲۸۷، المھذب: ۱/۲۳۸۔۲۳۹۔ ❹المغنی: ۸/۶۲۲۔ ❺البدائع: ۵/۷۸۔۸۰، الدر المختار: ۵/۲۳۱۔ ❻یقلدھا: اس کے گلے میں کچھ لٹکا دینا تا کہ پتہ چل سکے کہ یہ ھدی ہے۔

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ الحج:۲۲/۳۲

''اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔'' (آسان ترجمہ از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت و برکاتہم)

اور اس کو ذبح کرنے کی جگہ تک اچھے طریقے سے لے کر جائے۔ سختی نہ کرے۔ نہ ٹانگ پکڑ کر کھینچے۔

خریدی گئی قربانی کو دوہنا، اس کی اون اتارنا، اس پر سوار ہونا، مال لادنا یا وقت سے پہلے ذبح کر کے اس کے گوشت سے انتفاع یہ سب مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ جانور عبادت کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ اب اس سے انتفاع اس میں کمی کا باعث ہوگا۔ اگر اس کے تھنوں میں دودھ ہو اور نہ دوہنے کی وجہ سے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔ تاکہ دودھ سمٹ جائے۔ اگر دودھ دوہ لیا تو دودھ کو صدقہ کر دے۔ اس لئے کہ یہ عبادت کے لئے متعین جانور کا جز ہے۔ اگر اس کو ذبح کر دیا تو اس کا گوشت یا گوشت کی قیمت اور اون، بال اور وبر صدقہ کر لے۔

قربانی کے جانور کو بیچنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ خریدنے سے عبادت کے لئے متعین ہو گیا ہے۔ اگر اس کو بیچ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ اس پر اسی جیسا یا اس سے بہتر ❶ جانور قربانی کرنا لازم ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے ایسے مال کو بیچا ہے جو اس کی ملکیت میں ہے اور اس کو حوالے کرنے پر بھی قادر ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع جائز نہیں اس لئے کہ یہ وقف کی طرح ہے۔ اور وقف شدہ چیز کی بیع جائز نہیں ہوتی۔

اگر قربانی کے جانور نے بچہ جن لیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ذبح ہوگا۔ اگر اسے بیچ دیا تو قیمت صدقہ کرنا ہوگی۔ اس لئے کہ ماں قربانی کے لئے متعین ہو گئی ہے تو بچہ بھی اسی کے تابع ہوگا۔

قربانی کرتے وقت..... قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اگر ذبح کر سکتا ہے تو بذات خود ذبح کر لے۔ اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور اس کو دوسری عبادات کی طرح خود سر انجام دینا افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو اونٹ حرم میں قربانی کے لئے لے گئے۔ ان میں سے ساٹھ سے کچھ زائد اپنے دست مبارک سے ذبح کئے اور پھر چھری سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ باقی انہوں نے ذبح کئے۔ ❷

اگر قربانی کرنے والا اچھی طرح ذبح نہیں کر سکتا تو کسی مسلمان کو اپنا نائب بنا دے۔ کتابی کو نہ بنائے۔ اس لئے کہ کتابی کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اور اس لئے بھی کہ قربانی عبادت ہے اور وہ عبادت کا اہل نہیں۔ لیکن اگر اس نے مسلمان کی نیابت میں ذبح کر لیا تو جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ ذبح کرنے کا اہل ہے۔ مجوسی کا ذبح کیا ہوا حرام ہے اس لئے کہ وہ ذبح کرنے کا اہل نہیں ہے۔

ذبح کرنے والے کا قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث (جس کو بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور قربانی کو بائیں کروٹ پر لٹائے۔

قربانی کرنے والے کا ذبح کے وقت موجود ہونا مستحب ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو جاؤ اور اس کو دیکھو۔ اس لئے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی آپ کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ❸

ذبح کرنے والا یہ دعا پڑھے:

---

❶..... اگر اس نے کم قیمت والا جانور خریدا تو اس پر لازم ہے کہ دونوں قیمتوں میں جو فرق ہے وہ صدقہ کر دے۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بیان میں نقل کیا ہے (نیل الاوطار: ۵/ ۱۰۵) ❸ حاکم رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین سے، حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور ابوالقاسم اصبہانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پہلی دو کی سند میں کلام ہے (نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۹)

اللهم منك، ولك صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين،
لاشريك له، وبذلك امرت وانا اول المسلمين

یہ دعا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا والی مذکورہ حدیث سے ثابت ہے۔ اس کے بعد یہ کہے:

بسم الله والله اكبر اللهم تقبل مني

یہ دعا حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی۔ جب آپ واپس لوٹے تو ایک مینڈھا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ذبح کیا اور پڑھا:

بسم الله والله اكبر اللهم هذا عني وعمن لم يضح من امتي [1]

قربانی میں مستحب یہ ہے کہ خوب موٹی، خوبصورت اور بڑی ہو اس لئے کہ یہ آخرت کی سواری ہے اور سب سے افضل سفید، سینگوں والا اور خصی مینڈھا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی وجہ سے اسی طرح چھری کا تیز ہونا بھی مستحب ہے۔

ذبح کرنے کے بعد مستحب یہ ہے کہ جانور کے ٹھنڈا ہونے اور تمام اعضاء کے ساکن ہونے کا انتظار کیا جائے۔ ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال نہ اتاری جائے۔

۲۔ مالکیہ، شافعیہ اور بعض حنابلہ...... مالکیہ شافعیہ اور بعض حنابلہ [2] کے نزدیک قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ کے داخل ہونے کے بعد قربانی کرنے تک بال منڈائے نہ ناخن تراشے۔ بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ بعض حنابلہ کے نزدیک حرام ہے۔ اس لئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھو اور قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹو۔'' [3] اس میں شک نہیں کہ صحیح حدیث کی وجہ سے یہی رائے راجح ہے۔ اور ان کاموں کے حرام نہ ہونے پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ھدی کے قلادے (پٹے) کی رسی بٹتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گلے میں پٹہ ڈال کر بھیج دیتے تھے۔ اور اللہ کی حلال چیزوں میں سے کسی کو خود پر حرام نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ھدی ذبح کر لیتے تھے۔'' [4]

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ کام مکروہ نہیں ہیں۔ اس لئے کہ قربانی کرنے والے پر وطی اور لباس حرام نہیں۔ لہٰذا اس کے لئے بال منڈانا اور ناخن تراشنا بھی مکروہ نہیں ہوگا۔ جیسے وہ آدمی جو قربانی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ [5]

حنفیہ کی طرح جمہور کی نزدیک بھی قربانی کو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے گا۔ اگر قربانی گائے اور بکری ہو۔ اور ذبح کرنیوالا یہ پڑھے گا: ''بسم الله والله اكبر اللهم هذا منك واليك۔'' اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے ذبح کئے۔ اور انہیں قبلہ رخ کرتے ہوئے یہ پڑھا:

---

[1]...... الشرح الكبير: ۲/ ۱۲۱، الشرح الصغير: ۲/ ۱۴۴، القوانين الفقهيه: ص ۱۹۰، بداية المجتهد: ۱/ ۴۲۴، مغني المحتاج: ۴/ ۲۸۳ وما بعدها ۲۹۰، المهذب: ۱/ ۲۳۸ وما بعدها، المغني: ۸/ ۶۱۸، ۶۴۰ وما بعدها، كشاف القناع: ۳/ ۵، حاشيه الباجوري علي بن قاسم: ۲/ ۳۰۹۔ [2] اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔ ''جس نے قربانی ذبح کرنی ہو تو ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔'' (نیل الاوطار: ۵/ ۱۱۲) ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جہنم سے آزاد ہونے کے لئے اپنے تمام اعضاء کو باقی رکھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی حکمت حج کرنے والے محرم سے مشابہت اختیار کرنا ہے۔ لیکن اس حکمت کو بعض شافعیہ نے غلط قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ قربانی کرنے والا عورتوں کے پاس جانے، خوشبو لگانے لباس پہننے کو اور اس کے علاوہ سے اور بہت سے کاموں کو نہیں چھوڑتا جن کو محرم چھوڑ دیتا ہے۔ [3] بخاري ومسلم۔ [4] النسك: عبادت۔
[5] اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۰۹)

وجهت وجهي للذي فطر السموت والارض حنيفاً وما انا من المشركين، ان صلوتي ونسكي ❶ ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له' وبذلك امرت وانا اول المسلمين، بسم الله۔ والله اكبر، اللهم هذا منك ولك ❷

اگر اس کے بعد یہ بھی کہہ لے تو اچھا ہے:

اللهم تقبل مني كما تقبلت من ابراهيم خليلك

اگر صرف بسم اللہ پڑھی تو افضل کو ترک کر دیا۔

شافعیہ نے ذبح کے وقت پانچ کاموں کو مستحب شمار کیا ہے۔ تسمیہ چاہے پوری ہو یا صرف بسم اللہ پڑھے، درود شریف، جانور کو قبلہ رخ کرنا، بسم اللہ سے پہلے یا بعد میں تکبیر کہنا اور قبولیت کی دعا۔ ذبح کرنے والا یوں کہے:

اللهم هذه منك واليك

یعنی اے اللہ یہ نعمت آپ نے دی ہے اور میں اس کے ذریعے سے آپ کا قرب حاصل کر رہا ہوں۔

قربانی کون کرے؟......افضل یہ ہے کہ اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہے تو بذات خود ذبح کرے۔ اس لیے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ کسی کو وکیل بنا دے۔ قربانی کرنے والا قربانی کے وقت بذات خود موجود رہے تا کہ سنت پر عمل اور مغفرت کی طلب ہو جائے۔ مستحب یہ ہے کہ اس کو مسلمان ذبح کرے اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت کا اہل غیر مسلم نہیں۔ وہ اس کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کو صرف مسلمان ذبح کرے۔ کسی مسلمان کو ذبح کرنے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو (۱۰۰) میں سے باقی بچ جانے والے اونٹوں کو ذبح کرنے کا وکیل بنایا تھا۔ ذمی، کتابی، بچہ اور اندھے کو وکیل بنانا مکروہ ہے۔ اگر ذمی کو وکیل بنایا اور اس نے ذبح کر دیا تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ کافر کسی ایسے کام کی ذمہ داری لے سکتا ہے جو مسلمانوں کے نزدیک عبادت ہو جیسے مسجد اور پل بنانا۔

وکیل پر یہ لازم نہیں کہ وہ ذبح کرتے وقت زبان سے کہے کہ میں کس کی طرف سے ذبح کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ نیت کافی ہے۔ اگر چہ وہ اس کا ذکر کر دے جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کر رہے تھے اس وقت فرمایا: "اے اللہ! اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبول فرما دیجئے!" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی ذبح کی۔ ❸ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ وکیل یوں کہے:

بسم الله والله اكبر، هذا منك ولك، تقبل من فلان

میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ یہ آپ ہی کی طرف سے ملی ہے اور آپ ہی کے لئے ذبح کر رہا ہوں، اس کو فلاں کی طرف سے قبول فرما دیجئے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نام ذکر کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے۔

وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ......المائدہ: ۳/۵

"جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو"۔

اگر کسی نے قربانی کے لئے جانور متعین کیا کسی فضولی نے اس کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا تو مالکیہ کی علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ

---

❶......اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ غیر نبی یہ کہے: "وانا من المسلمين" (اور میں مسلمانوں میں سے ہوں) معنی کی مناسبت کی وجہ سے۔ ❷ اس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ ❸ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

قربانی ہوجائے گی اور اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ یہ ایسا فعل ہے جس کو نیت کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا اگر مالک کے علاوہ بھی کسی نے کرلی تو ادا ہوجائے گی۔ جیسے اس کا ناپاک کپڑا کوئی دھولے تو پاک ہوجاتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب یہ گوشت والی بکری ہے۔ مالک کو اس کا تاوان یعنی قیمت ملے گی۔ اور اس پر بدلے میں قربانی کرنا لازم ہوگا۔ اس لئے کہ ذبح کرنا عبادت ہے لہٰذا اگر مالک کے علاوہ کسی کے بلا اجازت ذبح کرنے سے ادائیگی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے۔ ❶

مالکیہ کے نزدیک ذبح کرنے سے پہلے قربانی کی اون اتارنا مکروہ ہے۔ ❷ البتہ اگر گرمی یا کسی اور وجہ سے اون نقصان دے رہی ہو تو گنجائش ہے۔ اسی طرح اس کا دودھ پینا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس جانور کو اللہ کے لئے دینے کی نیت کرلی ہے۔ اور انسان اپنی عبادت واپس نہیں لیتا۔ امام کے لئے قربانی کو عیدگاہ میں ظاہر نہ کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ذبح کرتے تھے۔ ❸ اس میں حکمت یہ ہے کہ قربانی فقیروں کے سامنے ہوتا کہ ان کو بھی قربانی کا گوشت ملے۔

قربانی سے فائدہ لینا..... شافعیہ اور حنابلہ ❹ نے اس مسئلے کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ متعین قربانی کا وہ دودھ پیا یا جاسکتا ہے جو قربانی کے بچے سے زائد ہو۔ اگر اس سے کچھ نہ بچے یا دوہنے سے اس کو نقصان پہنچتا ہو یا اس کے گوشت میں کمی ہوتی ہو تو دودھ نہیں لیا جاسکتا۔ اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو اسے دودھ دوہنے اور استعمال میں لانے کی اجازت ہے۔ اس لئے کہ دودھ کا تھنوں میں رہنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ اور اگر دودھ صدقہ کردیا جائے تو افضل ہے۔

تاکہ اختلاف سے بچا جاسکے۔ دودھ استعمال کرنے کا جواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہے:

"صرف وہ دودھ دوہے جو بچے کے سیر ہوجانے کے بعد بچ جائے۔ اور اس لئے بھی کہ اس کے استعمال سے ماں کو نقصان پہنچتا ہے نہ بچے کو۔"

متعین قربانی کا مالک بوقت ضرورت نقصان پہنچائے بغیر اس پر سوار ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر مجبوری ہو تو متبادل سواری ملنے تک قربانی کے جانور پر مناسب طریقے سے سواری کرلو۔" ❺ اور اس لئے بھی کہ اس کے ساتھ مساکین کے حق کا تعلق قائم ہوگیا ہے لہٰذا بلاضرورت سواری کرنا جائز نہیں۔ ان کی ملکیت کی طرح اگر سوار ہونے سے ضرر پہنچ رہا ہو تو جائز نہیں۔ اس لئے کہ ضرر کو ضرر سے دور نہیں کیا جاسکتا۔ سواری سے ہونے والے نقصان کا ضمان لازم ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ دوسروں کا حق متعلق ہوگیا ہے۔

اون کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو کاٹ لینا قربانی کے لئے بہتر ہو جیسے گرمیوں کا یا بہار کا موسم ہو اور قربانی تک کافی عرصہ رہتا ہو تو کاٹنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اون کاٹنے سے وہ ہلکی اور موٹی ہوجائے گی۔ اس اون کو صدقہ کرنا افضل ہے۔ دودھ کی طرح استعمال بھی کرسکتے ہیں۔ اگر قربانی کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے اون اس کے لئے مضر نہ ہو یا اس کا رہنا زیادہ نفع بخش ہو جیسے سردیوں میں گرمی حاصل کرنے کے لئے تو اس کو کاٹنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ جانور کو سردی سے تحفظ کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذبح کے وقت مسکین اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

چھٹی بحث..... قربانی کے جانوروں کا گوشت

قربانی کا مقصود خون بہا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ ❻ قربانی کا گوشت کھانا، تقسیم کرنا اور اس سے متعلقہ دیگر احکام میں فقہاء کا

---

❶..... المغنی: ۶۴۲/۸، کشاف القناع: ۱۱/۳، الکتاب مع اللباب: ۲۲۷/۳، مغنی المحتاج: ۲۹۰/۴، الشرح الکبیر: ۱۲۳/۲ وما بعدھا۔ ❷ لشرح الکبیر: ۱۲۲/۲، الشرح الصغیر: ۱۴۶/۲۔ ❸ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی کے علاوہ اصحاب السنن نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❹ مغنی المحتاج: ۲۹۲/۴، المھذب: ۲۳۶/۱، ۲۴۱، المغنی: ۶۲۹/۸ و مابعدھا، کشاف القناع: ۹/۳ و ما بعدھا۔ ❺ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❻ مغنی المحتاج: ۲۹۱/۴۔

تھوڑا سا اختلاف ہے۔ جمہور ایک طرف ہیں اور شافعیہ دوسری طرف۔ جمہور کی رائے راجح ہے اس لئے کہ یہ سنت نبوی کے ظاہر کے مطابق ہے۔

ا۔ جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ)...... (۱) نفل قربانی میں سے کھانا جائز ہے۔ نذر والی قربانی یا خریدنے سے واجب ہونے والی قربانی کا حکم یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اس میں سے کھانا حرام ہے۔ جیسے قربانی کی اس بچے کو خود کھانا حرام ہے جو ذبح سے پہلے پیدا ہوا ہو یا اس قربانی میں سے کھانا جو سات آدمیوں میں مشترک ہو اور ایک نے اپنے حصے سے ماضی کی قضاء کی نیت کی ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نذر والی قربانی سے بھی نفل قربانی کی طرح کھانا جائز ہے۔ نفل قربانی میں مستحب یہ ہے کہ قربانی کرنے والا خود بھی کھائے، صدقہ بھی کرے اور ھدیۃً بھی دے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نذر والی قربانی کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر ساری قربانی خود کھالی یا اپنے لئے تین دن سے زیادہ تک ذخیرہ کر لی تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اکثر حصہ کھانا جائز ہے۔ اگر ساری خود کھالی تو اس کم سے کم مقدار کا ضامن ہوگا جس پر گوشت کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ایک اوقیہ۔

مالکیہ کے ہاں تین حصوں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے کہ ایک ایک تہائی یا کم وبیش۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قربانی کو برابر تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے۔ ایک تہائی اپنے استعمال میں لائے، ایک تہائی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو ہدیہ کرے اگرچہ وہ امیر ہوں۔ اور ایک تہائی مسکینوں پر صدقہ کرے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ (۲)

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ الحج: ۳۶/۲۲

''ان (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ اور ان محتاجوں کو کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔''

وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۟ ...... الحج: ۲۸/۲۲

اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔

حنابلہ نے ان دونوں آیتوں پر عمل کے لئے دوسروں کھلانے کو واجب قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ برابر تین حصوں میں تقسیم پر حنفیہ اور حنابلہ کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے بیان میں روایت کی ہے۔ ''ایک تہائی گھر والوں کو کھلاتے تھے۔'' ایک تہائی قریب پڑوسیوں کو کھلاتے تھے اور ایک تہائی سوال کرنے والوں پر صدقہ کر لیتے تھے۔'' (۳) اور تقسیم کرنے کی تین جہتیں ہیں: خود کھانا، ذخیرہ کرنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور دوسروں کو کھلانا جیسا کہ آیت سے ثابت ہے۔ لہٰذا ان پر تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔

تقسیم کی کوئی مخصوص شرح نہ ہونے پر مالکیہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، جابر رضی اللہ عنہ، سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، ابوسعید رضی اللہ عنہ بریدۃ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اس مسئلے میں مطلق وارد ہوتی ہیں۔ ''کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو'' یا ''کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔'' (۴)

---

(۱)......البدائع: ۸۰/۵، الدر المختار: ۲۳۰/۵، تبیین الحقائق: ۸/۶ وما بعدھا، تکملۃ الفتح: ۷۶/۸و مابعدھا، اللباب: ۲۳۶/۳، بدایۃ المجتھد: ۴۲۴/۱، الشرح الکبیر و الدسوقی: ۱۲۶،۱۲۲/۲، القوانین الفقھیہ: ص ۱۹۰ و مابعدھا، المغنی: ۶۳۵-۶۳۲/۸، کشاف القناع: ۱۰/۳،۱۲۶،۱۰۱ ومابعدھا، شرح العلامۃ زروق علی رسالۃ القیروانی: ۳۷۷/۱۔ (۲) القانع: مانگنے والا فقیر، المعتر: جو عطیہ لینے کے لئے جائے لیکن سوال نہ کرے۔ (۳) اس روایت کو ابوموسیٰ الاصفہانی نے الوظائف میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے صحابہ میں سے اس کے خلاف کسی کا قول منقول نہیں۔ (۴) دیکھئے نیل الاوطار: ۱۲۶/۵ ومابعدھا الدافۃ: عرب دیہاتیوں کی ایک جماعت جو مدینے میں پناہ گزین تھی۔ اس لئے کہ دیہاتوں میں قحط پڑا ہوا تھا۔ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ ''میں تمہیں دافۃ (پناہ گزینوں) کی وجہ سے منع کرتا تھا۔ اب کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔''

قربانی کے گوشت کوذخیرہ کرنے کے جواز پر دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:''میں تمہیں قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے پناہ گزینوں ❶ (دافّہ) کی وجہ سے منع کرتا تھا۔اب اللہ تعالیٰ نے وسعت کرلی ہے۔لہٰذا جتنا مناسب سمجھو ذخیرہ کرو۔'' ❷

قربانی کی کھال، چربی، گوشت، اعضاء، سری، اون، بال، وبر اور وہ دودھ جو ذبح ہونے کے بعد دوہا ہوان سب کی بیع حرام ہے۔ چاہے قربانی واجب ہو یا نفل اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کی کھالوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا اور بیچنے سے منع فرمایا اور فرمایا:''جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں ہوئی۔'' ❸

ذبح کرنے والے کی اجرت.....شترکش اور ذبح کرنے والے کواس کی کھال یا کوئی اور چیز اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اونٹ کی قربانی کے وقت پاس کھڑے رہو اور اس کی کھال اور پیٹھ پر ڈالا جانے والا کپڑا تقسیم کرو۔اور شترکش (کھال اتارنے والے) کو اس میں سے کچھ نہ دینا۔''اور فرمایا''ہم اس کو اپنی طرف سے دیں گے۔'' ❹

اگر ذبح کرنے والے کو قربانی میں سے کوئی چیز اس کی غربت کی وجہ سے یا ہدیے کے طور پر دے دی تو کوئی حرج نہیں۔اس لئے کہ وہ لینے کا مستحق ہے۔اب وہ دوسرے مستحقین کی طرح ہوا۔بلکہ ان سے زیادہ مستحق ہوا اس لئے کہ اس نے خود یہ کام سرانجام دیا اور اس کا نفس اس کا خواہش مند ہوگا۔

قربانی کی کھال.....قربانی کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ قربانی کی کھال گھریلو استعمال میں لائے۔اس سے چمڑے کا تھیلا، مشک، پوستین، چھلنی وغیرہ کوئی چیز بنالے۔دوسرے آئمہ کے برعکس حنفیہ نے استحساناً یہ بھی جائز رکھا ہے کہ اس کھال کو بیچ کر بدلے میں کوئی باقی رہنے والی چیز خرید لی جائے جس کی ذات سے فائدہ حاصل کیا جاسکے۔اس لئے کہ بدل، مبدل کے حکم میں ہوتا ہے۔اور اس کے بدلے میں سامان لینا بھی اس سے فائدہ حاصل کرنے کی ایک صورت ہے۔البتہ اس کے بدلے کوئی ختم ہوجانے والی چیز نہیں خریدی جاسکتی جیسے درہم، دینار، کھانے پینے کی چیزیں۔

کھال سے انتفاع کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی قربانی کی کھال سے مشک بنائی ہوئی تھی۔

مسئلہ.....امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں سے یہود ونصاریٰ کو کھلانا مکروہ ہے۔حنابلہ کے نزدیک نفل قربانی سے کافر کو ھدیہ کیا جاسکتا ہے۔واجب قربانی میں سے کافر کو کچھ نہیں دے سکتے۔ ❺

قربانی کا گوشت دوسرے شہر میں لے جانا.....حنفیہ کے نزدیک قربانی کا گوشت زکوٰۃ کی طرح ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا مکروہ ہے البتہ اگر دوسرے شہر میں اس کے رشتے دار رہتے ہوں یا دوسرے شہر والے زیادہ محتاج ہوں تو کوئی حرج نہیں۔اگر ان کے علاوہ کسی اور کے لئے دوسرے شہر میں لے گئے تو کراہت کے ساتھ جائز ہوجائے گی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ شرعی سفر کی مسافت تک یا اس سے زیادہ دور لے جانا جائز نہیں ہے۔ہاں اگر اس جگہ کے لوگوں کو اپنے علاقے کے لوگوں سے زیادہ شدید ضرورت ہو تو اکثر حصہ ان کے ہاں منتقل کرنا اور تھوڑا اپنے گھر والوں کو دینا واجب ہے۔حنابلہ اور شافعیہ کا قول بھی مالکیہ

---

❶ .....متفق علیہ۔ ❷ اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔(نصب الرایۃ: ۴/ ۲۱۸) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔جس میں ہے''ھدی اور قربانی کی کھالیں مت بیچو!(نیل الاوطار: ۵/ ۱۲۹) ❸ الجلال: اونٹ کی پیٹھ پر ڈالا جانے والا کپڑا وغیرہ۔اس کی جمع اجلہ بھی آتی ہے۔اور اس کا واحد جلال بضم الجیم ہے۔ ❹ متفق علیہ۔ ❺ کشاف القناع: ۳/ ۱۹۔

کی طرح ہے کہ شرعی سفر کی مسافت سے کم فاصلے تک لے جانا جائز ہے۔ اور مسافت سفر یا اس سے زیادہ فاصلے تک لے جانا زکوٰۃ کی طرح حرام ہے البتہ ادائیگی ہوجائے گی۔

۲۔ شافعیہ...... شافعیہ کے نزدیک ❶ واجب قربانی، چاہے نذر والی ہو یا خود کہہ کر متعین کی ہو مثلاً یوں کہا ہو "یہ قربانی ہے۔" یا "میں نے اس کو قربانی بنادیا ہے"...... میں سے کھانا جائز نہیں نہ قربانی کرنے والے کو اور نہ اس کے زیر کفالت افراد کو۔ بلکہ سب کی سب صدقہ کرنی واجب ہے۔ معین قربانی کا بچہ ماں کی طرح ذبح کیا جائے گا۔ لیکن قربانی کرنے والے کے لئے وہ سارا کا سارا کھانا جائز ہے۔ بچے کو دودھ پر قیاس کیا جائے گا اور بچے کی ضرورت سے زائد دودھ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

نفل قربانی میں سے قربانی کرنے والے کے لئے کھانا مستحب ہے۔ یعنی افضل یہ ہے کہ حصول برکت کے لئے چند لقمے لے لے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ الحج: ۲۲/۲۸

"(مسلمانو!) ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔"

اور بیہقی نے یہ حدیث نقل کی ہے: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی کی کلیجی کھاتے تھے۔" نفل قربانی سے کھانا واجب نہیں جیسا کہ ظاہریہ آیت کے ظاہر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں...... اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ...... الحج: ۲۲/۳۶

"اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قربانیاں انسان کے لئے بنائی ہیں۔ اور جو چیز انسان کے لئے بنی ہے اس کے کھانے یا نہ کھانے کا انسان کو اختیار ہے۔

قربانی کرنے والا مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے لیکن ان کو مالک نہ بنائے بلکہ ان کی طرف بطور ہدیہ بھیجے کہ وہ اس میں خرید و فروخت وغیرہ سے کوئی تصرف نہ کریں۔

قربانی کرنے والا جدید مذہب کے مطابق ایک تہائی اپنے استعمال میں لائے۔ اور قدیم قول کے مطابق آدھا اپنے لئے رکھے اور آدھا صدقہ کرلے۔

صحیح یہ ہے کہ قربانی کا کچھ حصہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ چاہے اس کے گوشت میں سے تھوڑا سا حصہ دے۔ یہ صدقہ مسلمان فقیروں کو دینا ہوگا۔ ایک کو بھی دے سکتے ہیں۔ افضل یہ ہے کہ سب صدقہ کرے۔ صرف چند لقمے حصول برکت کے لئے خود لے لے۔ جیسا کہ گذرا۔

نفل قربانی کی کھال صدقہ کرنا اور خود استعمال کرنا دونوں جائز ہیں لیکن صدقہ افضل ہے۔ واجب قربانی کی کھال صدقہ کرنا واجب ہے۔

قربانی اپنے شہر سے شرعی سفر کی مسافت تک یا اس سے زیادہ دور بھیجنا جائز نہیں جیسا کہ زکوٰۃ کا حکم ہے۔

دوسرے کی طرف سے قربانی...... شافعیہ ❷ فرماتے ہیں کہ دوسرے کی طرف سے بلا اجازت قربانی نہ کرے۔ اسی طرح میت نے اگر وصیت نہ کی ہو تو اس کی طرف سے بھی قربانی نہ کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾ النجم: ۵۳/۳۹

"اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا (بدلہ لینے کا) حق نہیں پہنچتا۔"

اگر اس نے وصیت کی ہو تو جائز ہے۔ وصیت کرنے سے اس کی طرف سے ہوجائے گی۔ یہ قربانی ساری کی ساری فقراء پر صدقہ کرنا

---

❶..... مغنی المحتاج: ۴/۲۹۰ ومابعدها، المهذب: ۱/۲۴۰۔ ❷ مغنی المحتاج: ۴/۲۹۲، المحلی علی المنهاج: ۴/۲۵۵۔

واجب ہے۔قربانی کرنے والے اور مال دار لوگوں کے لئے کھانا جائز نہیں۔اس لئے کہ میت سے اجازت لینا ممکن ہے۔

مالکیہ ❶ فرماتے ہیں کہ میت نے مرنے سے پہلے اگر قربانی متعین نہ کی ہو تو موت کے بعد اس کی طرف سے قربانی مکروہ ہے۔اگر اس کو نذر کے بغیر متعین کیا تھا تو وارث کے لئے اس کو نافذ کرنا مستحب ہے۔حنفیہ اور حنابلہ ❷ فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کی جائے گی اور اس کے استعمال کا وہی حکم ہوگا جو زندہ کی قربانی کا ہے۔اور ثواب میت کو ملے گا۔لیکن حنفیہ کے نزدیک اس قربانی میں سے کھانا حرام ہے جو میت کی طرف سے اس کے حکم کی وجہ سے کی گئی ہو۔

دوسری فصل......عقیقہ اور نومولود بچے کے احکام

اس میں دو بحثیں ہیں۔پہلی بحث عقیقہ کے بیان میں اور دوسری نومولود کے احکام میں۔

پہلی بحث:عقیقہ......عقیقے کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔عقیقے کا حکم،معنی اور حکمت......حنفیہ ❸ فرماتے ہیں کہ عقیقہ مباح ہے مستحب نہیں۔❹ اس لئے کہ قربانی کی مشروعیت نے اس سے پہلے والے تمام خون عقیقہ،رجبیہ،عشریہ منسوخ کر دیئے ہیں۔اب جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔نسخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے۔''قربانی نے اس سے پہلے والے ذبح کی تمام صورتوں کو منسوخ کر دیا۔''

عقیقہ......نومولود بچے کی پیدائش کے ایک ہفتے بعد جانور ذبح کرنے کو عقیقہ کہتے ہیں۔لغوی معنی کے اعتبار سے عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو نومولود پر ہوتے ہیں۔پھر عربوں نے اس جانور کا نام عقیقہ رکھ دیا جو نومولود بچے کے بال مونڈتے وقت ذبحہ کیا جاتا ہے۔یہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ چیز کا نام اس کے سبب کے نام سے یا اس کے ساتھ والی چیز کے نام سے رکھ دیتے ہیں۔

رجبیۃ......وہ بکری جس کو عرب رجب میں ذبح کرتے تھے۔پھر اس کو گھر والے استعمال کرتے تھے۔پکاتے تھے اور کھلاتے تھے۔

عتیرہ......اونٹنی یا بکری کا پہلا بچہ۔اس کا مالک اس کو ذبح کر کے خود بھی کھاتا تھا دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔بعض کہتے ہیں:یہ وہ بکری ہے جو رجب میں نذر پوری کرنے کے لئے ذبح کی جاتی ہے۔یا جب بکری دس بچے جن لیتی ہے تو ان میں سے ایک ذبح کر لیا جاتا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ عتیرۃ رجبیہ ہی ہے۔چاہے نذر کی وجہ سے ہو یا بغیر نذر کے۔یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔❺

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء ❻ فرماتے ہیں کہ عتیرۃ اور رجبیہ سنت نہیں ہیں۔البتہ باپ کے لئے سنت ہے کہ وہ اپنے مال میں سے بچے کا عقیقہ کرے۔اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔❼ اور فرمایا:''لڑکے کا عقیقہ ہوتا ہے۔اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف کو

---

❶ الشرح الکبیر: ۲/۱۲۲۔ ❷ رد المحتار والدر المختار: ۵/۲۲۹، کشاف القناع: ۳/۱۸ ❸ البدائع: ۵/۹۔ ❹ حنفیہ کے ہاں فتویٰ اس پر ہے کہ عقیقہ مستحب ہے ❺ ابن سراقہ فرماتے ہیں کہ مسنون خونوں میں سے سب سے زیادہ تاکید ہدی کی ہے، پھر قربانی کی، پھر عقیقہ کی پھر عتیرہ کی، پھر فرع کی۔عتیرۃ:وہ جانور جس کو رجب کے پہلے عشرے میں ذبح کیا جاتا تھا۔اس کو رجبیہ بھی کہتے تھے۔الفرع:جانور کا پہلا بچہ جس کو عرب پاس نہیں رکھتے تھے بلکہ ذبح کر دیتے تھے تاکہ مال میں برکت ہو۔یہ دونوں مکروہ ہیں اس لئے کہ صحیح بخاری میں ہے''لا فرع ولا عتیرۃ''فرع اور عتیرۃ کی کوئی حیثیت نہیں۔❻ الشرح الکبیر للدردیر: ۲/۱۲۶، القوانین الفقہیہ: ص ۱۹۱، مغنی المحتاج: ۴/۲۹۳ و ما بعدھا، المہذب: ۱/۲۴۱ ومابعدھا، المغنی: ۸/۶۴۵ وما بعد، ۶۵۰، کشاف القناع: ۳/۲۰ وما بعد، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۴۸ وما بعدھا۔ ❼ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور فرمایا ہے:بکبشین کبشین (دو دو مینڈھے) نیل الاوطار: ۵/۱۳۵۔

دور کرو۔'' ❶ ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے میں گروی ہوتا ہے جو اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔ اسی دن اس کا نام رکھا جاتا ہے اور سر منڈایا جاتا ہے۔ ❷ شافعیہ فرماتے ہیں: جس کا نفقہ لازم ہے اس کی طرف سے عقیقہ بھی سنت ہے۔

۱: **عقیقے کی حکمت**...... اس کی حکمتیں یہ ہیں: بچے کی نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، سخاوت اور فراخ دلی کی صفت کو فروغ دینا، گھر والوں، رشتے داروں اور دوستوں کو کھانے پر جمع کر کے ان کا دل خوش کرنا تا کہ باہمی محبت اور رواداری کو فروغ ملے۔

۲: **عقیقے کے جانور کی جنس، عمر اور صفات**...... عقیقے کا جانور جنس، عمر اور عیوب سے خالی ہونے میں قربانی کے جانور کی طرح ہے۔ عقیقہ اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں سے کیا جا سکتا ہے۔ بعض کے نزدیک گائے اور اونٹ سے ❸ عقیقہ کرنا درست نہیں۔

۳: **عقیقے کی تعداد**...... مالکیہ کے نزدیک لڑکے، لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری عقیقہ میں ذبح کی جائے گی۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ایک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذبح کی۔ یہی عقل کے موافق اور آسان ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ''لڑکے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے۔'' ❹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث جواز پر محمول ہے۔ اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ بکری کی طرح ہے۔ اگر ایک اونٹ یا گائے سات بچوں کی طرف سے ذبح کی جائے تو جائز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں سات حصہ داروں میں سے کوئی ایک محض گوشت کا ارادہ رکھتا ہو تو بھی جائز ہے۔ لڑکے کی طرف سے ایک بکری اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ایک ایک بکری سے کیا۔ جتنے بچے ہوں گے اتنے ہی عقیقے ہوں گے۔ اگر دو جڑواں بچے پیدا ہوئے ہو تو ان کے دو عقیقے ہوں گے۔ دونوں کی طرف سے ایک کافی نہیں ہوگا۔

۴: **عقیقے کا وقت**...... بچے کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا جاتا ہے۔ پیدائش کا دن سات دنوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر بچہ رات کو پیدا ہو تو اس کے ساتھ والے دن کا اعتبار ہوگا۔ مالکیہ کے نزدیک اگر فجر سے پہلے یا فجر کے ساتھ ہی پیدائش ہو تو پیدائش والا دن شمار ہوگا۔ اگر فجر کے بعد پیدائش ہوئی تو پیدائش والا دن شمار نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک فجر کے بجائے زوال کا اعتبار ہوگا۔ کہ اگر اس سے پہلے پیدائش ہو تو دن شمار کریں گے ورنہ نہیں۔ عقیقہ چاشت کے وقت سے زوال تک ذبح کرنا مستحب ہے نہ کہ رات کو۔

شافعیہ اور حنابلہ نے تصریح کی ہے کہ اگر ساتویں دن سے پہلے یا بعد میں ذبح کیا جائے تو بھی ادا ہو جائے گا۔ حنابلہ اور مالکیہ نے اضافہ کیا ہے کہ باپ کے علاوہ کوئی عقیقہ نہ کرے۔ اسی طرح نومولود بڑا ہو کر اپنی طرف سے عقیقہ نہ کرے۔ اس لئے کہ شریعت نے اس کو باپ کے لئے جاری کیا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہ کرے۔ حنابلہ میں سے ایک جماعت کا کہنا ہے کہ آدمی کے لئے اپنی طرف سے عقیقہ کرنا بھی مستحب ہے۔ عقیقہ بچپن کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ والد بچے کا عقیقہ اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ عقیقے کا آخری وقت کوئی نہیں۔

---

❶ ...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے سلمان بن عامر ضبی سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵ / ۱۳۱) ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سمرۃ سے روایت کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار: گزشتہ جگہ) ❸ عق یعق (ض، ن). عقیقہ کرنا۔ ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ دوسرے الفاظ یوں ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ بچی کی طرف سے ایک اور بچے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ کریں۔ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسی معنی میں حضرت ام کرز کعبیہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے جس کو امام احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵ / ۱۳۲)

ذبح کرنے والا بسم اللہ کے بعد یوں کہے: ''اللھم منك واليك عقيقة فلان'' یہ بیہقی کی ایک روایت میں ایا ہے جس کی اسناد حسن ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور فرمایا: ''کہو!

بسم الله، اللّٰهم لك واليك عقيقة فلان

بچے کے سر کو عقیقے کے خون سے آلودہ کرنا مکروہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بچے کے سر کو عقیقے کے خون سے آلودہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''زمانہ جاہلیت میں لوگ روئی کو عقیقے کے خون میں رکھتے تھے۔ اور پھر اس کو نومولود کے سر پر رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ خون کی جگہ زعفران رکھا کرو۔'' خون سے آلودہ کرنے کی کراہت اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ''لڑکے کی پیدائش پر عقیقہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے تکلیف کو دور کرو۔'' ❶

۵: **عقیقے کے گوشت اور کھال کا حکم**...... عقیقے کے گوشت کا حکم وہی ہے جو قربانی کا ہے۔ اس کا گوشت کھایا جائے گا اور صدقہ کیا جائے گا۔ لیکن بیچا نہیں جا سکتا۔ اس کو پکانا سنت ہے۔ تاکہ گھر والے اور دوسرے لوگ اپنے گھروں میں کھائیں۔ مالکیہ کے نزدیک عقیقے کے موقع پر لوگوں کو دعوتیں دے کر اس کو ولیمے کی شکل دے دینا مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس کی ہڈیاں توڑنا جائز ہے مستحب نہیں ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس کو ولیمے کی شکل دینا جائز ہے۔ اور ہڈیاں توڑنا مکروہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں مقصودی نہی نہیں آئی۔ بلکہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ اس کے اعضاء الگ کئے جائیں لیکن ہڈیاں نہ توڑی جائیں۔ اس میں بچے کے اعضاء کی سلامتی کی نیک فالی ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''بچے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری سنت ہے۔ اس کو ❷ عضو، عضو کر کے پکایا جائے۔ اس کی ہڈی نہ توڑی جائے۔ خود کھائے، دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کرے۔ یہ ساتویں دن کرے۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں کھال اور سری کی بیع اور صدقہ جائز قرار دیئے ہیں۔ عقیقہ میں سے دایہ کو دینا مستحب ہے۔ اس لئے کہ ''مراسیل ابی داؤد'' میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی ایک ٹانگ دایہ کو بھیج دو، اور کھاؤ اور کھلاؤ لیکن ہڈی نہ توڑو۔''

قربانی اور عقیقہ میں فرق یہ ہوا کہ عقیقہ پکانا سنت ہے۔ اس کی ہڈیاں نہ توڑنا مستحب ہے۔ اور دایہ کو عقیقے کی ٹانگ پکائے بغیر ہدیہ کرنی ہے۔ اس لئے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایسا ہی کیا تھا۔ حاکم

دوسری بحث۔ نومولود بچے کے احکام

...... یہ بہت سے ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

کان میں اذان کہنا...... والد کے لئے مستحب ہے کہ جب بچے پیدا ہو تو دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے۔ ❸ اس لئے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

---

❶ ...... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے الضبی سے روایت کیا ہے۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کو خون نہ لگے۔ اس لیے کہ خون ''اذی'' اور تکلیف ہے۔ لیکن ایک اور روایت میں ہے۔ ''فاهر قوا عليه دما'' (اس پر خون ڈالو) اسی طرح ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ عن الحسن عن سمرۃ کی سند سے روایت کی ہے۔ ''بچہ اپنے عقیقے کے بدلے میں گروی ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور خون آلود کیا جائے۔'' یہ قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے جو خون آلود کرنے کے استحباب کے قائل ہیں۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بھی کوئی اس کا قائل ہے۔ تمام علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور اس کو مکروہ کہا ہے گزشتہ حدیث کی وجہ سے۔ (المغنی: ۸/ ۶۴۷) ❷ تطبخ جدولا: یعنی اس کی ہڈی نہ توڑی جائے اور ایک ایک عضو کر کے پکایا جائے۔ ❸ مغني المحتاج: ۲۹۶/۴ المهذب: ۲۴۲/۱، المغنی: ۶۴۹/۸، كشاف القناع: ۲۵/۳۔

کان میں اذان دی۔ ❶ اور ابن سنی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے: ”جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس نے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی تو اس کو ام الصبیان ❷ (مادہ جن) سے نقصان نہیں پہنچے گا۔“ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پیدائش کے دن ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ ❸

چونکہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اس لئے میرے خیال میں اذان پر اکتفاء کرنا چاہئے جو حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہے۔ تاکہ بچے کے دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے توحید کا اعلان اس کے کانوں میں پڑے۔ جس طرح دنیا سے جاتے ہوئے بھی اس کو یہی تلقین کی جاتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اس سے شیطان کو دھتکارنا مقصود ہے۔ اس لئے کہ اذان سنتے ہی شیطان بھاگ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ بھی سنت ہے کہ بچے کے دائیں کان میں یوں کہے:

وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ آل عمران: ۳/۳۶

”اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔“

اگر نو مولود لڑکا ہو تب بھی بغرض تلاوت اور آیت کے الفاظ سے برکت لینے کے لئے یونہی کہے۔ اور ضمیر مؤنث سے نسمۃ (ہر جاندار مذکر ہو یا مونث) مراد لے۔ مسند رزین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے (دائیں) کان میں سورۂ اخلاص پڑھی۔

تحنیک...... بچے کی کھجور سے تحنیک سنت ہے کہ اسے چبا کر منہ کی اندر ملا جائے اور منہ کھولا جائے تاکہ پیٹ میں اتر جائے۔ اگر کھجور نہ ہو تو کسی میٹھی چیز سے تحنیک کرے۔ ❹ اس لئے کہ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: ”میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور سے اس کی تحنیک کی۔“ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ”اس کے لئے برکت کی دعا کی اور مجھے دے دیا۔ وہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بچے تھے۔“ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ”عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا آپ کے پاس کھجور ہے؟“ میں نے عرض کیا ہاں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند کھجوریں پکڑائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آہستہ آہستہ چبایا پھر اس کا منہ کھول کر اس میں ڈال دیں۔ وہ انہیں منہ میں پھرانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انصار کو کھجوریں بہت پسند ہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ ❺

بچے کی مبارک باد...... بچے کے والد کو مبارک باد دینا مستحب ہے۔ اسے یوں کہا جائے:

بارك الله لك في الموهوب لك، وشكرت الواهب، وبلغ أشدة ورزقت برهٗ

وہ مبارک باد دینے والے کو یوں جواب دے:

---

❶ ...... امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا اور صحیح کہا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ”حسین رضی اللہ عنہ“ ہے۔
❷ یہ ایک قسم کی بیماری ہے جو بچوں کو لاحق ہوتی ہے جس سے بچے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ ❸ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن کہا ہے کہ ان دونوں کی سند میں ضعف ہے۔ البتہ صرف اذان والی حدیث صحیح ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ ❹ مغنی المحتاج: ۴/۲۹۶، المهذب: ۱/۲۴۲، المغنی: ۸/۶۵۰، کشاف القناع: ۳/۲۵۰۔ ❺ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/۱۳۶)

بارك الله لك وبارك عليك یا اجزل الله ثوابك یا اسی طرح کی کوئی بات۔ [1]

سر منڈانا..... ولادت کے ساتویں دن عقیقے کے بعد بچے کا سر منڈانا، نام رکھنا اور بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ کرنا مستحب ہے۔ [2] اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا: ''حسین رضی اللہ عنہ کے بال وزن کرو اور ان کے برابر چاندی صدقہ کرو۔'' [3] اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے وقت فرمایا: ''اس کا سر منڈواؤ اور اس کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو۔'' [4] سونے کو چاندی پر قیاس کیا گیا ہے۔

ختنہ کرنا..... حنفیہ کے نزدیک ولادت کے دن اور ساتویں دن ختنہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ یہودیوں کا فعل ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ولادت کے ساتویں روز ختنہ کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی ختنہ ولادت کے ساتویں دن کی۔ مرد کی ختنہ حشفے کو ڈھانپنے والی جلد کو کاٹ کر کی جاتی ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔ عورتوں کی ختنہ ایک خوبی ہے۔ یہ فرج کے اوپر والے حصے سے تھوڑی سی کھال کاٹنے کو کہتے ہیں تاکہ جماع میں زیادہ لذت حاصل ہو۔ مندوب یہ ہے کہ اس جلد کو کاٹنے میں مبالغہ اور تجاوز نہ کیا جائے۔ شافعیہ فرماتے ہیں: ختنہ مرد عورت دونوں پر فرض ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردوں پر واجب ہے اور عورتوں کے لئے خوبی کی بات ہے۔ [5] یہ عمومی طور پر گرم علاقے والوں کا معمول ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ختنے کو اتنا مؤخر کرنا مستحب ہے کہ بچے کو نماز کا حکم کیا جانے لگے۔ اور یہ سات سال سے دس سال تک ہوتا ہے۔

ختنے کی حکمت یہ ہے کہ طہارت اور نظافت اچھی طرح ہو جائے اور مسلمان اور کافر میں فرق ہو جائے۔

نام رکھنا..... والد کے لئے سنت ہے کہ بچے کا اچھا سا نام رکھے۔ [6] اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''آپ لوگوں کو قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے والد کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس لئے اچھے اچھے نام رکھا کرو۔'' [7] سب سے افضل نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ اس لئے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے: ''اللہ تعالیٰ کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام سب سے زیادہ پسند ہیں۔'' امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: ''سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں، اور سب سے برے نام حرب اور مرۃ'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے ناموں کی طرف منسوب تمام نام، نبیوں کے نام اور فرشتوں کے نام۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔'' [8] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو کہتے سنا: ''جس گھر میں بھی محمد نام ہوگا انہیں اچھا رزق ملے گا۔'' ابوالقاسم کنیت رکھنا حرام ہے۔ [9]

برے نام رکھنا مکروہ ہے جیسے شیطان، ظالم، شہاب، حمار، کلیب۔ اسی طرح جس چیز کے نہ ہونے سے عام طور پر بدفالی لی جاتی ہو جیسے نجیح،

---

[1] ..... مغنی المحتاج سابقہ جگہ۔ [2] القوانین الفقهيه: ص ۱۹۲، مغنی المحتاج: ۲۹۵/۴، المهذب: ۲۴۱/۱، كشاف القناع: ۲۵/۳۔ [3] اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ [4] اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۱۳۶/۵) [5] الشرح الكبير: ۱۲۶/۲، شرح الرساله: ۳۹۳/۱ وما بعدها، المغنی: ۸۵/۱ وما بعدها، القوانين الفقهيه: ص ۱۹۲، الافصاح لابن هبيره رحمة الله عليه: ۲۰۶/۱، الدر المباحة فی الحظر والاباحة للشيبانی النحلاوی رحمة الله عليه: ص ۳۳، شرح العناية على الهداية فی تكملة الفتح: ۹۹/۸۔ [6] مغنی المحتاج: ۲۹۴/۴ وما بعد، المهذب: ۲۴۲/۱، كشاف القناع: ۲۲/۳ وما بعد۔ [7] اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ [8] اس کو امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔
[9] ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ یا اس صورت میں جب نام (محمد) اور کنیت (ابوالقاسم) کو جمع کر دیا جائے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی اولیٰ ہے۔

برکت۔اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے: ''اپنے لڑکے کا نام افلح، نجیح، یسار اور رباح نہ رکھو۔اس لئے کہ جب کبھی آپ اس کے بارے میں پوچھیں گے: ''کیا وہ یہاں ہے؟'' تو جواب ملے گا ''نہیں۔'' برے ناموں اور جن کے نہ ہونے سے بدفالی ہوتی ہے ایسے ناموں کو بدلنا سنت ہے۔اس لئے کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیۃ نام بدل دیا اور فرمایا تم جمیلہ ہو۔'' اور صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برۃ نام کو زینب سے بدل دیا۔زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ وہی ہیں۔

ایک سے زائد اسموں سے نام رکھنا جائز ہے۔لیکن ایک اسم پر اکتفا بہتر ہے۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کے نام ایسے ہی رکھے۔

ملک الاملاک (بادشاہوں کا بادشاہ) اور شہنشاہ نام رکھنا جائز نہیں۔اس لئے کہ وہ صرف اللہ ہے۔عبدالنبی نام جائز ہوسکتا ہے اگر اس سے تسمیہ (نام رکھنا) ہی مراد ہو۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت مراد نہ ہو۔لیکن اکثر فقہا کے نزدیک یہ منع ہے۔اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت یعنی بندہ ہونے میں اور اس کے اعتقاد میں شرک کا خدشہ ہے۔عبدالکعبہ اور عبدالعزیٰ نام رکھنا جائز نہیں۔کسی آدمی کو ایسا لقب دینا حرام ہے۔جس کو وہ ناپسند کرے۔اگرچہ اس میں وہ عیب موجود ہو۔جیسے اعور، اعمش۔البتہ کسی ایسے آدمی کے سامنے تعارف کی نیت سے کہنا جائز ہے جو اس کے بغیر نہ پہنچانے۔

اچھے القاب جائز ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے القاب۔مثلاً عمر الفاروق، حمزہ اسد اللہ، خالد سیف اللہ۔ایسا نام رکھنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہو حرام ہے۔جیسے قدوس، البر، خالق الرحمٰن۔اس لئے کے ان کا معنی صرف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے۔اور جیسا کہ ابھی گزرا مردوں کے درمیان اور عورتوں کے درمیان بچے کی مبارک باد جائز ہے۔مبارک باد دینے والا یوں کہے:

بارك الله لك فی الموهوب لك، وشكرت الواهب، وبلغ اشده، ورزقت برهٗ

جواب میں ماں اور باپ یوں کہیں:

بارك الله لكم، وبارك عليكم واجزل ثوابكم

نواں باب......ذبح کئے جانے والے جانور اور شکار

اس سے دو فصلیں ہیں۔پہلی فصل ذبائح کے بیان میں اور دوسری فصل شکار کے بیان میں۔

پہلی فصل: ذبح کئے جانے والے جانور......اس میں ذبح کرنے اور اس کے حکم کے بارے میں ایک مقدمہ ہے اور چار بحثیں ہیں۔

پہلی بحث......ذبح کرنے والے کے بارے میں۔

دوسری بحث......ذبح کرنے کے بیاں میں (ذبح کرنے کا طریقہ، شرطیں، سنتیں، مکروہات، اقسام، ذبح کئے ہوئے جس جانور کو کھانا حرام ہے۔ماں کو ذبح کرنے کا اثر پیٹ کے بچے پر، بیمار یا قریب المرگ جانور کو ذبح کرنے کا اثر، نہ کھائے جانے والے جانور کو ذبح کرنے کا اثر۔)

تیسری بحث......ذبح کرنے کا آلہ۔

چوتھی بحث......ذبح کئے جانے والے جانور کے بیان میں۔کس جانور کو کھایا جاسکتا ہے اور کس کو نہیں؟

مقدمۃ: ذبح کی تعریف اور شرعی حکم......الذبح، الزکاۃ اور التزکیۃ: ان کے لغوی معنی ہیں کاٹنا اور حیوان کو مار ڈالنا۔ اصطلاحی معنی ہر مذہب میں جس کو کاٹنا واجب ہے اس کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک (1) یہ رگیں کاٹنے کو کہتے ہیں۔ ذبح میں چار رگیں کاٹی جاتی ہیں۔ سانس کی نالی کھانے کی نالی اور دائیں بائیں کی شہ رگیں۔ (2) ذبح کرنے کی جگہ سینے کے سرے اور داڑھی (ٹھوڑی کی دونوں ہڈیاں) کے درمیان ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

الذبح مابين اللبة واللحية

ذبح سینے کے سرے اور داڑھی کے درمیان سے ہوتا ہے۔ (3)

یعنی ذبح کرنے کی جگہ سینے کی ہڈی کے اوپر والے حصے اور داڑھی یعنی ٹھوڑی کے درمیان ہے۔ اللبۃ: گردن کے نچلے حصے کو کہتے یں۔ اللحیۃ ٹھوڑی کے بالوں کو کہتے ہیں۔

نحر کرنا شہ رگیں کاٹنے کو کہتے ہیں۔ اور اس کی جگہ حلق کا آخر ہے۔ اضطراری ذبح جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کرنے سے ہوتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ (4) کے نزدیک ذکاۃ کہتے ہیں ایسے جانور کو سانس کی نالی اور کھانے کی نالی کاٹ کر ذبح کرنا جس پر قدرت ہو اور جس کا کھانا مباح ہو۔ اسکی جگہ یا تو حلق ہے یعنی گردن کا اوپر والا حصہ یا سینے کا سرا ہے یعنی گردن کا نیچے والا حصہ اس صورت میں اس کو نحر کہتے ہیں۔ (5) یا ان میں سے کوئی صورت ممکن نہ ہو تو کسی بھی جگہ جاں بحق کر دینے والا زخم لگانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکاۃ ایسے حیوان کو ذبح کرنے نحر کرنے یا کاری زخم لگانے کو کہتے ہیں جس کا کھانا مباح ہو۔

ذبح کا حکم......اس کا حکم یہ ہے کہ خشکی کے کھائے جانے والے جانوروں کے حلال ہونے کے لئے یہ شرط ہے۔ کھائے جانے والے جانوروں میں سے شرعی طریقے سے ذبح کئے بغیر کچھ بھی حلال نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ......المائدۃ: ۵/ ۳

"حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے حلال ہونے کو ذبح کرنے پر معلق کیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس چیز سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو۔ سوائے اس کے جو دانت اور ناخن سے ذبح کیا گیا ہو۔ اور میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔ (کہ ان سے ذبح کرنا کیوں جائز نہیں؟) تو (سنو کہ) دانت تو ہڈی ہے۔ اور جہاں تک ناخن کا تعلق ہے وہ حبشیوں کی چھری ہے۔ (6)

---

(1)......البدائع: ۵/ ۴۱، تکملة الفتح: ۸/ ۵۲، الباب مع الكتاب: ۳/ ۲۲۵ و ما بعدها، الشرح الكبير: ۲/ ۹۹۔ (2) الحلقوم: حلق کو کہتے ہیں۔ المری: کھانے پینے کی نالی، الودجان: گردن کی دونوں طرف دو بڑی رگیں جس کے درمیان سانس کی نالی اور کھانے کی نالی ہوتی ہے۔ (یعنی شہ رگیں)۔ (3) علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: غريب بهذا للفظ۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ "خوب سن لو، ذبح حلق اور سینے کے سرے کے درمیان سے ہوتا ہے۔ اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے: "ذبح حلق اور سینے کے سرے کے درمیان سے ہوتا ہے۔" (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۵) (4) مغنی المحتاج: ۴/ ۲۶۵، ۲۷۰، کشاف القناع: ۳/ ۲۰۱۔ (5) اونٹ کو نحر کرنا سنت ہے، گائے اور بھیڑ بکری کو ذبح کرنا سنت ہے۔ (نیل الاوطار: ۵/ ۱۲۲) (6) اس حدیث کو بہت سے محدثین نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۴۱)

ذبح کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسانی صحت کا خیال رکھا جائے اور خون کو گوشت سے الگ کر کے گوشت کو پاک کیا جائے تاکہ انسانی جسم کو نقصان نہ پہنچائے۔ بہنے والا خون انسان کے لئے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اس لئے کہ اس میں ڈھیروں جراثیم ہوتے ہیں۔ اور ہر خون کی اپنی قسم اور اپنا گروپ ہوتا ہے جو اسی کے ساتھ مناسب ہوتا ہے اس لئے مختلف خونوں میں اختلاط ممنوع ہے۔ خون سے متنفر کرنے کے لئے اسے ناپاک شمار کیا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے اور خون بہانے کی شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حلال چربی اور گوشت حرام سے ممتاز ہو جائے۔ اور مردار کے حرام ہونے پر تنبیہ ہو جائے اس لئے کہ اس میں خون باقی رہ جاتا ہے۔

پہلی بحث: ذبح کرنے والا...... ذبح کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ذبح کیا ہوا جانور بالاتفاق حرام ہے۔ دوسرے وہ جن کا ذبح کیا ہوا جانور بالاتفاق حلال ہے، تیسری قسم کے بارے میں اختلاف ہے۔ ❶

جن کا ذبیحہ بالاتفاق حرام ہے...... غیر کتابی کافر کا ذبیحہ بالاتفاق حرام ہے۔ جیسے مشرک، بت پرست، ملحد جس کا کوئی دین نہ ہو، مرتد جس نے اہل کتاب کا دین اختیار کر لیا ہو اور زندیق اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ...... المائدہ: ۵/ ۳

اور وہ جانور جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔

وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ ...... المائدہ: ۵/ ۳

اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

اس لئے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونا حرام ہے۔ اور مرتد جس دین کی طرف منتقل ہوا ہے اس پر قائم نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس بناء پر بت پرست ممالک جیسے جاپان اور کمیونسٹ ممالک جیسے روس اور چین اور آسمانی دین نہ رکھنے والے ممالک جیسے ہندوستان سے برآمد کردہ گوشت حرام ہے۔ اسی طرح باطنیہ کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔ البتہ جس کا دین اسلام پر ایمان اور اپنی ملت کو چھوڑنا ثابت ہو جائے اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔

جن کا ذبیحہ بالاتفاق حلال ہے...... مسلمان مرد جو عاقل بالغ ہو اور اپنی نماز ضائع نہ کرتا ہو اس کا ذبیحہ بالاتفاق حلال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ...... المائدہ: ۵/ ۳

الا یہ کہ تم اس کو ذبح کر چکے ہو۔

اس میں مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

جن کے بارے فقہاء کا اختلاف ہے...... جن لوگوں کے ذبیحے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ان میں سے مشہور درج ذیل ہیں۔ اہل کتاب، مجوسی، صابی، عورت، بچہ، مجنون، نشئی، چور اور غاصب۔

۱۔ کتابی کا ذبیحہ...... اہل کتاب کا ذبیحہ اصولی طور پر بالاجماع جائز ہے۔ ❷ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ ...... بداية المجتهد: ۱/ ۴۳۵، القوانين الفقهية: ص ۱۸۰، الميزان: ۲/ ۶۰، رحمة الامة بهامش الميزان للدمشقي: ۱/ ۱۵۴، البدائع: ۵/ ۴۵، المهذب: ۱/ ۲۵۱، المغني: ۸/ ۵۶۴، كشاف القناع: ۶/ ۲۰۳۔ ❷ البدائع: سابقہ جگہ، تكملة الفتح: ۸/ ۵۲، تبيين الحقائق: ۵/ ۲۸۷، رد المحتار: ۵/ ۲۰۸، بداية المجتهد: ۱/ ۴۳۶، الشرح الكبير: ۲/ ۹۹، المنتقى على الموطا: ۲/ ۱۱۲، مغني المحتاج: ۴/ ۲۶۶ و ما بعدها، المغني: ۸/ ۵۶۷ وما بعدها، تفسير القرطبي: ۶/ ۷۶، احكام القرآن للجصاص: ۱/ ۱۴۶۔

وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪ وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ المائدہ:۵/۵

''اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا (ذبیحہ) بھی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔''

جائز وہ ہے جس کے بارے میں وہ اپنی شریعت میں حلال ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ اور وہ ان پر حرام نہ ہو۔ جیسے خنزیر کا گوشت۔ اور اگر ان کے بسم اللہ کہنے کا علم نہ ہو یا ذبیحہ ان کے گرجوں اور عیدوں کے لئے ہو۔ اور اگر چہ وہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں جیسے اونٹ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یہود و نصاریٰ کے ذبیحے اس وجہ سے حلال ہیں کہ وہ توراۃ اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔'' ❶

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ذبیحے ان کے لئے حرام ہیں ہمارے لئے مکروہ ہیں۔ جیسے اونٹ اور خالص چربی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اسی کا ذکر ہے:

وَ عَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَایَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ الانعام:۶/۱۴۶

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیاں حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ ❷

جمہور نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ ہماری شریعت اس بارے میں خاموش ہے۔ لہٰذا یہ اپنی اصل یعنی اباحت پر باقی رہے گی۔

اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافروں کے گرجوں اور عیدیوں کے لئے ذبح کئے جانے والے جانور مکروہ ہیں۔ اس لئے کہ اس میں ان کے شرک کی تعظیم ہے۔ اور اس لئے کہ ذبح کرنے والے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا ارادہ کیا ہے۔ اور اللہ کا نام نہیں لیا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ ذبح کرنے والے نے ذبیحے پر غیر اللہ کا نام لیا ہے۔ کہ نصرانی نے مسیح کے نام پر ذبح کیا یا یہودی نے حضرت عزیرؑ کے نام پر ذبح کیا۔ تو جمہور کے نزدیک حلال نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ المائدہ:۵/۳

اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ الانعام:۶/۱۲۱

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔

یہ رائے صحیح ہونے کی زیادہ حق دار ہے۔ اس لئے کہ ذبیحہ کے حلال ہونے سے مراد یہ ہے کہ شرط کے مطابق ذبح کیا جائے۔ جیسا کہ مسلمان کے لئے ہے۔

مالکیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے حرام نہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت عام ہے:

وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ المائدہ:۵/۵

''اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی ان کا کھانا (ذبیحہ) تمہارے لئے حلال ہے۔''

اس لئے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ عنقریب یہ لوگ اپنے ذبیحوں پر غیر اللہ کا نام لیں گے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں وہ درحقیقت عبادت کے طور پر نہیں ہوتا۔ تو ان کے لئے اللہ کا نام لینا اور نہ لینا برابر ہوا۔

---

❶.....اس کو حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔ ❷ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ذی ظفر'' سے مراد اونٹ، شترمرغ، بطخ اور ہر وہ جانور جس کی انگلیاں جدا جدا نہ ہوں۔

شافعیہ نے کتابی کے ذبیحہ اور کتابی سے نکاح کے حلال ہونے کے لئے ایک شرط ❶ لگائی ہے۔ وہ یہ کہ کتابی اگر ❷ اسرائیلی نہ ہو اور اس کی قوم (یعنی اس کے آباؤ واجداد میں سے سب سے پہلے یہ دین اختیار کرنے والا) کے بارے میں علم ہو کہ اس نے یہ دین (حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کا دین) نسخ اور تحریف سے پہلے قبول کیا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے یہ دین اس وقت قبول کیا تھا جب وہ حق تھا۔

اور اگر کتابی اسرائیلی ہو تو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے آباؤ واجداد کے بارے میں یہ علم حاصل نہ ہو کہ انہوں نے یہ دین کسی فسخ کرنے والی شریعت کے بعد قبول کیا ہے۔ یعنی یا تو ان کے آباؤ واجداد کے بارے میں علم ہو کہ انہوں نے یہ دین بعثت سے پہلے قبول کیا ہے۔ یا شک ہو۔ اگر تحریف کے بعد یہ دین قبول کرنے کا علم ہو گیا یا کسی ایسی بعثت کے بعد جو فسخ کرنے والی نہیں جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی درمیانی بعثت تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور عورت سے شادی بھی حلال ہے۔ ❸ میرے علم کے مطابق شافعیہ کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کتابیوں کے ذبیحے کھائے ہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں لیکن اس شرط کے پائے جانے کی تحقیق میں نہیں پڑے۔

۲۔ مجوسی کا ذبیحہ...... مجوسی کا ذبیحہ اور شکار نہیں کھایا جائے گا اس لئے کہ وہ مشرک ہیں۔ ❹ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ مجوسی دو پیدا کرنے والوں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خیر کا خالق اور شر کا خالق۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ان سے اہل کتاب کی طرح پیش آؤ سوائے اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کرنا اور ان کا ذبیحہ نہیں کھانا۔" ❺ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے قیس بن سکن الاسدی سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "آپ نبط (عراق کے درمیان آباد ایک عجمی قوم) سے فارس آتے ہیں۔ جب گوشت خریدو تو اگر وہ یہودی یا نصرانی کا ذبح کیا ہوا ہو تو کھاؤ۔ اور اگر مجوسی کا ذبیحہ ہو تو نہ کھاؤ۔"

۳۔ صابی کا ذبیحہ...... صابیوں کے بنیادی عقائد اگر اہل کتاب کے موافق ہوں تو انکا ذبیحہ کھایا جائے گا۔ اگر موافق نہ ہوں بلکہ ان کا دین مجوسیت اور نصرانیت کے درمیان ہو یا وہ ستاروں کے مؤثر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں تو ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ❻ یہ شافعیہ کا مسلک ہے۔ ان کی رائے زیادہ راجح ہے۔ ان کے برخلاف حنفیہ مطلقاً جائز ہونے اور مالکیہ مطلقاً حرام ہونے کے قائل ہیں۔

۴۔ عورت اور بچے کا ذبیحہ...... ❼ عورت کا ذبیحہ حلال ہے اگر چہ وہ حائضہ ہو۔ اسی طرح ممیز اور سمجھ دار بچے کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اس لئے کہ عورت میں پوری اہلیت موجود ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ ذبح کرنے والا امرد ہو۔ اس لئے اس میں ذبح کرنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح سمجھ دار بچے صحیح ارادہ کرسکتا ہے۔ اس لئے وہ بھی بالغ کے مشابہ ہوا۔ غیر ممیز اور ناسمجھ بچے کا ذبیحہ بھی کراہت کے ساتھ جائز

---

❶ مغنی المحتاج: ۱۸۷/۳ وما بعدها۔ ❷ یہ اسرائیل کی طرف منسوب ہے۔ اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ❸ شیعہ امامیہ کے نزدیک کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں اس لئے کہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا (ان کے بقول) کہنا ہے "ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ" اور اس لئے کہ وہ جس معبود کا ذکر کرتے ہیں، اگر وہ کرتے بھی ہیں تو وہ ابوالمسیح اور ابوعزیر ہے۔ اس کا ذکر ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ (المختصر النافع فی ففقه الا مامیه: ص ۲۵۱) ❹ تبیین الحقائق: ۲۸۷/۵، البدائع: ۴۵/۵، الدر المختار: ۲۹، بدایة المجتهد: ۴۳۸/۱، مغنی المحتاج: ۲۶۶/۴، المغنی: ۵۷۰/۸۔ ❺ ان الفاظ کے ساتھ "غریب" ہے۔ ایک اور طریق سے بھی مروی ہے جو کہ مطعون ہے۔ جو لوگ مجوسی کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا نظریہ رکھتے ہیں جیسے ابوثور رحمۃ اللہ علیہ وہ اسی حدیث کے پہلے جز "سنوا بهم سنة اهل الكتاب" سے استدلال کرتے ہیں۔ ❻ القوانین الفقهيه: ص ۱۸۰، بدایة المجتهد: ۴۳۸/۱۔ ❼ تکملة الفتح: ۵۲/۸، اللباب: ۲۲۳/۳، الدر المختار وحاشية: ۲۰۹/۵، تبیین الحقائق: ۲۸۷/۵، بدایة المجتهد: ۴۳۸/۱، القوانین الفقهيه: ص ۱۸۱، الشرح الكبير: ۹۹/۲ مغنی المحتاج: ۲۶۷/۴، المهذب: ۲۵۱/۱، کشاف القناع: ۲۰۳/۶، المغنی: ۵۶۴/۸، ۵۶۷، ۵۷۳، ۵۸۳۔

ہے۔اس لئے اس کا بھی فی الجملہ قصد وارادہ ہوتا ہے۔جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا ذبیحہ صحیح نہیں۔اس لئے کہ اس کا کوئی قصد نہیں ہوتا۔نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی سمجھ رکھتا ہے۔اور نہ ذبح کرنے کی شرائط اچھی طرح جانتا ہے کہ کون کون سی اور کتنی رگوں کو کاٹنا ہے اور کاٹتے ہوئے کیا پڑھنا ہے۔

۵۔مجنون اور نشے والا...... جمہور کے نزدیک ان دونوں کا ذبیحہ حلال نہیں۔اس لئے کہ ناسمجھ بچے کی طرح ان کا بھی کوئی قصد نہیں ہوتا۔شافعیہ نے اپنے راجح قول میں ان کے ذبیحے کو کراہت کے ساتھ جائز رکھا ہے۔اس لئے کے فی الجملہ انکا بھی قصد وارادہ ہوتا ہے۔ ❶

۶۔چور اور غاصب...... ظاہریہ کے سوا جمہور فقہاء نے ان کے ذبیحہ کو اور مستکرہ کے ذبیحے کو جائز کہا ہے۔اس لئے کہ ان کا صحیح قصد ہوتا ہے۔اور اس لئے کہ مالک ہونا ذبح کی شرائط میں سے نہیں۔ ❷ اس لئے کہ ان کے ذبیحے کا کراہت کے ساتھ جائز ہونا سنت سے ثابت ہے۔جیسا کہ بھنی ہوئی بکری والی حدیث میں آتا ہے کہ اس کو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے قیدیوں کو کھلا دو۔'' ❸

ذبح کرنے والے کی شرطیں...... ماقبل میں ذکر کی گئی بحث سے ذبح کرنے والے کی شرطیں بھی واضح ہوگئیں۔وہ یہ کہ ذبح کرنے والا ممیز اور سمجھ دار ہو، عاقل ہو، مسلمان یا پھر کتابی ہو چاہے ذمی ہو یا حربی یا بنی تغلب کے نصاریٰ میں سے ہو، ذبح کرنے اور پاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اگر چہ اسے ذبح کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، مرد ہو یا عورت، پاک یا حائضہ اور جنبی، دیکھنے والا ہو یا اندھا، عادل ہو یا فاسق۔اس لئے کہ تمام دلائل عام ہیں اور کوئی مخصص موجود نہیں۔

لہٰذا ناسمجھ، مجنون اور نشے والے کا ذبح کیا ہوا جمہور کے نزدیک صحیح نہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔اسی طرح مشرک، مجوسی، بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ بھی نہیں کھایا جائے گا۔شافعیہ کے نزدیک اندھے، ناسمجھ یعنی غیر ممیّز، مجنوں اور نشے والے کا ذبیحہ مکروہ ہے۔نصرانی، یہودی، فاسق اور تارک نماز کا ذبیحہ سب کے نزدیک مکروہ ہے۔

عورت کا ذبیحہ جائز ہونے کی دلیل وہ روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیٹی بکریاں چرا رہی تھی۔ایک بکری زخمی ہوگئی۔اس نے اسے پتھر سے ذبح کر دیا۔انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھالو۔ ❹

دوسری بحث: ذبح کے بیان میں...... اس میں تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: کاٹی جانے والی رگوں کی تعداد...... علماء کا اتفاق ہے کہ جس ذبح میں دوشہ رگیں، نرخرہ یعنی کھانے کی نالی اور حلق یعنی سانس کی نالی کاٹ دی جائے وہ کھانے کے لئے حلال ہے۔پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ کم سے کم مقدار کیا ہے جس کو کاٹنا واجب ہے۔

ا۔حنفیہ...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ❺ فرماتے ہیں کہ چار میں سے اکثر کا یعنی تین کا کاٹنا واجب ہے۔وہ چار حلق یعنی سانس کی نالی، نرخرہ یعنی کھانے کی نالی اور دوشہ رگیں ہیں۔اگر ذبح کرنے والے نے ایک چھوڑ دی تو حلال ہو جائے گا۔اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے۔''**أفر الاوداج بما شئت**'' جس سے چاہو رگوں کو کاٹ لو۔ ❻ اوداج جمع ہے اس کا کم سے کم اطلاق تین پر ہوتا ہے۔

---

❶......سابقہ حوالہ جات۔ ❷ بداية المجتهد: ۱/۴۳۸و مابعدها، القوانين الفقهيه: ص ۱۸۱۔ ❸ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عاصم بن کلیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۵/۳۲۱و مابعد) ❹ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(نیل الاوطار: ۸/۱۳۹) ❺ البدائع: ۵/۴۱، الدر المختار: ۵/۲۰۷، تبيين الحقائق: ۵/۲۹۰، اللباب: ۳/۲۲۶، تکملة الفتح: ۸/۵۷۔ ❻ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ''غریب'' ہے۔اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔''امرر الدم بما شئت واذکر اسم الله'' اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:''کل ما افری الاوداج الا سنا واظفرا'': جو چیز بھی رگوں کو کاٹ دے سوائے ناخن کے اور دانت کے۔(نصب الراية: ۴/۱۸۵ وما بعد)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلق نرخرہ اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے۔اس لئے کہ ہر رگ کے کاٹنے کا مقصود دوسری سے الگ ہے۔حلق سانس کی نالی، نرخرہ کھانے کی نالی اور شہ رگیں خون کی نالیاں ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کاٹنا ضروری ہے۔اس لئے کہ جب چاروں کا اکثر حصہ کٹ گیا تو ذبح کا مقصود حاصل ہو گیا۔اور مقصود خون کا نکلنا ہے۔

۲۔ مالکیہ...... مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے ❶ کہ پورا حلق اور پوری شہ رگیں کاٹنا ضروری ہے۔ان کے نزدیک نرخرہ کا ٹنا ضروری نہیں۔ان کا مذہب حنفیہ کے قریب ہے۔

ان کی دلیل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے سمجھ میں آتی ہے:''جو خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو۔'' ❷ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:''جو رگوں کو کاٹ لے جب تک کہ ٹوٹا ہوا دانت یا کٹا ہوا ناخن نہ ہو۔'' ❸ پہلی حدیث صرف بعض رگوں کے کاٹنے کا تقاضا کرتی ہے۔خون بہانے کے یہی معنی ہیں اور دوسری تمام رگوں کے کاٹنے کا تقاضا کرتی ہے۔حلقوم کے بغیر شہ رگوں کو کاٹنا ممکن نہیں۔اس لئے کہ ان دونوں نے اس کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔یہ تمام آراء میں سے باریک اور صحیح رائے ہے۔

۳۔شافعیہ اور حنابلہ......شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ❹ حلقوم (سانس کی نالی) اور نرخرہ (کھانے کی نالی) کاٹنا ضروری ہے۔اس لئے کہ ان کے کٹنے سے زندگی کے تار بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔دونوں شہ رگوں (یہ گردن کے دونوں طرف دو رگیں ہیں) کو کاٹنا مستحب ہے۔اس لئے اس سے اچھی طرح ذبح ہو جاتا ہے اور اختلاف سے بھی بچت ہو جاتی ہے۔حلقوم اور نرخرہ کاٹنے سے جانور حلال ہو جاتا ہے۔بشرطیکہ ان دونوں کو کاٹنے کے ابتدائی وقت میں حیاۃ مستقرہ موجود ہو (یعنی اختیاری حرکت یا خون پھوٹنا) اگر ان دونوں کو جلدی جلدی نہ کاٹا اور اس میں حیات مستقرہ نہیں رہی بلکہ ذبح کئے ہوئے جانور جیسی زندگی رہ گئی تو حلال نہیں ہوگا۔اس لئے کہ یہ مردار ہو گیا۔اس کے بعد ذبح کرنا فائدہ نہیں دے گا۔

دوسرا مقصد: کاٹنے کی جگہ......اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر حلق کی گرہ درمیان سے کاٹ دی گئی اور اس کا بعض حصہ جسم کی طرف اور بعض سر کی طرف چلا گیا تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔

اگر گرہ درمیان سے نہ کٹی بلکہ جسم کی طرف چل گئی تو حنفیہ کے سوا جمہور فقہاء کے نزدیک اسے نہیں کھایا جائے گا۔اس لئے کہ حلقوم کو کاٹنا ذبح کی شرط ہے اس لئے گرہ کو کاٹنا ضروری ہے۔اگر گرہ سے اوپر کاٹا گیا تو حلقوم کٹنے سے بچ جائے گی۔اس بنا پر یہ ضروری ٹھہرا کہ گرہ کے دو پورے دائرے باقی رہیں۔ایک اوپر کی طرف اور دوسرا نیچے کی طرف۔ورنہ جانور حلال نہیں ہوگا۔اس لئے کہ اس صورت میں یہ ذبح نہ ہوا بلکہ الگ الگ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔

حنفیہ اور بعض مالکیہ فرماتے ہیں۔کہ اس کو کھایا جائے گا۔اس لئے کہ حلقوم ہی کو کاٹنا شرط نہیں۔اگر اس نے گرہ کے اوپر سے کاٹ لیا تو یہ بھی جائز ہے۔❺ ذبح کی شرط اکثر رگوں کو کاٹنا ہے۔یہ پائی گئی ہے۔

---

❶......الشرح الكبير: ۲/ ۹۹، بداية المجتهد: ۱/ ۴۳۱، القوانين الفقهية: ص ۱۸۴۔ ❷ اس کی صحت پر اتفاق ہے۔اسے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۸/ ۱۴۱) ❸ اس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔(نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۶) ❹ مغني المحتاج: ۴/ ۲۷۰، المهذب: ۱/ ۲۵۲، كشاف القناع: ۶/ ۲۰۴، المغني: ۸/ ۵۷۵، بجيرمي الخطيب: ۴/ ۲۴۹۔ ❺ الشرح الكبير: ۲/ ۹۹۔بداية المجتهد: ۱/ ۴۳۲، اللباب شرح الكتاب: ۳/ ۲۲۵ وما بعدها، القوانين الفقهية: ۱۸۴، ردالمحتار: ۵/ ۲۰۷۔

حنفیہ کے ہاں مختار یہی ہے کہ جو چیز بھی زندہ حالت میں ذبح کی گئی وہ کھائی جائے گی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تفصیل کے بغیر ہے۔

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ المائدہ:۵/۳

''سوائے اس کے جو تم ذبح کرلو۔''

تیسرا مقصد: گدی کی طرف سے ذبح کرنا...... مالکیہ ❶ فرماتے ہیں کہ گدی کی طرف سے ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھایا جائے گا۔ اسی طرح وہ جانور بھی نہیں کھایا جائے گا جس کو گردن کی ایک طرف سے ذبح کیا جائے۔ جب کہ کاٹتے کاٹتے وہ تمام رگیں کاٹ لی جائیں جن کو ذبح میں کاٹنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے کہ گدی کی طرف ذبح کی جانے والی رگوں تک حرام مغز کو کاٹے بغیر نہیں پہنچا جاسکتا۔ اور حرام مغز ایک مقتل ہے یعنی ایسے حساس اعضاء میں سے ہے، جن تک ضرب پہنچنے سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ تو اس صورت میں ایسے جانور کو ذبح کرنا لازم آئے گا جس کا مقتل پہلے ہی متاثر ہو چکا ہے۔

جمہور فقہاء ❷ فرماتے ہیں کہ جانور کو گدی اور گردن کی ایک جانب سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو گناہ گار ہوگا۔ اس لئے کہ یہ جانور کو عذاب دینے والی بات ہے۔ لیکن اگر گردن اتنی پھرتی سے کاٹی کہ جانور میں حیات مستقرہ کی ہوتے ہوئے چھری ذبح کی جگہ تک پہنچ گئی یہاں تک کہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق رگیں کاٹ لیں اور شافعیہ وحنابلہ کے مسلک کے مطابق حلق اور نرخرہ کاٹ دیئے...... تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ بغیر ذبح کے مرگیا ہے۔ اب یہ کیسے پتہ چلے گا کہ جانور میں حیات مستقرہ تھی یا نہیں؟ یہ دو طریقوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔ حرکت سے اور ذبح کی جگہ کے کاٹنے کے بعد خون پھوٹنے سے یہ ذبح سے پہلے حیات مستقرہ کی بقا کی دلیل ہے۔ اگر پتہ نہ چلے اور شک ہوجائے کہ ذبح کی جگہ کاٹنے سے پہلے حیات مستقرہ تھی یا نہیں تو دیکھا جائے گا۔ اگر چھری کی تیزی اور کاٹنے کی پھرتی کی وجہ سے غالب پر ہو کہ زندگی باقی تھی تو اس کا کھانا مباح ہوگا۔ اور اگر چھری کند تھی اس لئے کاٹتے ہوئے دیر ہوگئی اور جانور عذاب میں مبتلا رہا تو اس کو کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کو حلال کرنے والی چیز (زندگی) کے بارے میں شک پڑ گیا ہے۔ اور یہ مردار ہوگیا ہے۔ اب ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

چوتھا مقصد: حرام مغز کاٹ دینا...... اگر ذبح کرنے والا دیر تک ذبح کرتا رہا یہاں تک کہ حرام مغز ❸ کو کاٹ ڈالا یا پوری گردن ہی کاٹ ڈالی اور سر تن سے جدا کردیا تو حنابلہ ❹ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حرام مغز تک چھری پہنچانے سے منع فرمایا۔ اور اس لئے بھی کہ اس سے جانور زیادہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر ایسا کردیا تو حرام نہیں۔ اس لئے کہ حرام مغز ذبح کے بعد تو کٹ ہی جاتی ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❺ اگر چھری سے ذبح کرتے ہوئے یا تلوار سے حلال جانور کا سر تن سے جدا کردیا تو یہ مطلقاً مباح ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کے کھانے کا فتویٰ دیا ہے۔

---

❶......بدایۃ المجتہد، القوانین الفقہیۃ سابقہ جگہ، الشرح الکبیر: ۲/۹۹، شرح الرسالہ: ۱/۳۷۹۔

❷الدر المختار: ۵/۲۰۸، اللباب: ۳/۲۲۷، تکملۃ الفتح: ۸/۶۰، الشرح الصغیر: ۲/۱۷۴، القوانین الفقہیہ وبدایۃ المجتہد: سابقہ جگہ، المہذب: ۱/۲۵۲، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۱، کشاف القناع: ۶/۲۰۵ المیزان: ۲/۶۰، المغنی: ۸/۵۷۸ وما بعدھا۔ ❸النخاع: یہ سفید رنگ کی ایک رگ ہے جو دماغ سے پھیلنا شروع ہوتی ہے۔ اور ریڑھ کی ہڈی سے ہوتی ہوئی دم کی جڑ تک جاتی ہے۔ ❹الدر المختار، بدایۃ المجتہد، المہذب: سابقہ جگہ، القوانین الفقہیہ: ۱۸۵، اللباب مع الکتاب: ۳/۲۲۷۔ ❺کشاف القناع: ۶/۲۰۵ وما بعدھا۔

پانچواں مقصد: جلدی جلدی ذبح کرنا...... جمہور ❶ فقہاء کے نزدیک ذبح کو تیزی سے مکمل کرنا شرط ہے۔ اگر پورے طور پر ذبح کئے بغیر اس نے ہاتھ اٹھالیا پھر فوراً رکھ دیا تو ذبیحہ کھایا جائے گا۔ اگر درمیان میں وقفہ کرلیا تو نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس پر ذبح سے پہلے قتل کا اثر پہنچ گیا ہے۔

حنفیہ ❷ فرماتے ہیں، رگیں کاٹنے میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اس میں سستی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے ''اسے چاہئے کہ اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔'' اور ذبح میں جلدی کرنا راحت پہنچانے کی ہی ایک صورت ہے۔

چھٹا مقصد: ذبح کی شرطیں یا شرعی ذبح...... ذبح کے جائز ہونے کے لئے مذکورہ شرطوں رگوں کا کاٹنا، تیزی سے ذبح کرنا، ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا کے علاوہ بھی کچھ شرطیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

اول: نیت اور قصد کرنا...... یعنی جانور کو پاک کرنے اور کھانے کا قصد کرے۔ محض مارنے کا ارادہ نہ ہو۔ علماء کا اتفاق ہے ❸ کہ ذبح کرتے وقت بنیت اسی جانور کا ارادہ کرنا ضروری ہے۔

اگر ذبح کی نیت کئے بغیر رگیں کاٹ دیں تو ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ جیسے کسی نے جانور کو آلے سے مارا۔ وہ اس کی ذبح والی جگہ لگ گیا۔ یا شکار کو جا لگا یا اس نے جان سے مارڈالنے کا قصد کیا ذبح کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ❹

دوم: ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا یاد ہونے کی حالت میں...... ذبح، نحر یا عقر غیر اختیاری ذبح میں زخمی کرنا) کرتے وقت ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ساتھ بسم اللہ پڑھے، اس کے ساتھ تکبیر پڑھنا سنت ہے۔ یعنی یوں کہے "بسم اللہ واللہ اکبر"۔ شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں ❺ کہ ذبح کرتے وقت اور عقر کی صورت میں چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا شرط ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کا نام جان بوجھ کر نہ لیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ چاہے قربانی ہو یا کچھ اور ایسا جانور مردار ہوگا۔ اگر بسم اللہ بھولے سے چھوڑ دی یا مسلمان ذبح کرنے والا گونگا یا مستکرہ تھا تو یہ ذبیحہ کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ...... الانعام: ۶/۱۲۱

''اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ، اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔''

حنابلہ مزید فرماتے ہیں جس نے شکار پر جان بوجھ کر یا بھولے سے بسم اللہ چھوڑ دی اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا۔ اس بنیاد پر ان کے مذہب کی تحقیق یہ ہے کہ ذبیحے پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن شکار پر بھولنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ مطلقاً شرط ہے اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو چاہے جان بوجھ کر یا بھولے سے۔ اسے نہیں کھایا جائے گا۔

شافعیہ ❻ فرماتے ہیں کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے واجب نہیں ہے۔ اور اسے چھوڑنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

---

❶...... ردالمحتار: ۵/۲۰۷، بدایۃ المجتھد، القوانین الفقھیہ: سابقہ جگہ، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۱، کشاف القناع: ۶/۲۰۴، شرح رسالۃ القیروانی: ۱/۳۷۹۔ ❷البدائع: ۵/۶۰۔ ❸تکملۃ الفتح: ۸/۵۳، تبیین الحقائق: ۵/۲۸۷، رد المحتار: ۵/۲۰۹، الشرح الکبیر: ۲/۱۰۶، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۳۵، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۴، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۶، وما بعدھا، المغنی: ۸/۵۸۱، کشاف القناع ۶/۲۰۲۔ ❹نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المنہاج میں فرمایا ہے (مغنی المحتاج: سابقہ جگہ) ''اگر کسی آدمی کے ہاتھ میں مثلاً چھری ہو، وہ اس کے ہاتھ سے گر جائے اور اس سے شکار زخمی ہو جائے یا بکری کو لگ گئی، اور وہ اس کے ہاتھ میں تھی، اس کی سانس اور کھانے کی نالی کٹ گئی یا کتا خود بخود شکار کے لئے گیا اور پھر مالک نے اس کو بھڑ کایا جس سے اس کو شہ مل گئی تو صحیح یہ ہے کہ شکار حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے خود بخود جانا محرم اور بھڑ کانا مبیح ہے۔ دونوں جمع ہو گئے ہیں تو حرمت والی جہت غالب رہے گی۔'' ❺البدائع: ۵/۶، تکملۃ الفتح: ۸/۵۴، تبیین الحقائق: ۵/۲۸۸، الدرالمختار: ۵/۲۱۰، الشرح الکبیر: ۲/۱۰۶، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۳۴، القوانین الفقھیہ ص ۱۸۵، کشاف القناع، ۶/۲۰۶، المغنی: ۸/۵۶۵۔ ❻مغنی المحتاج: ۴/۲۷۲، المھذب: ۱/۲۵۲۔

کا فرمان ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الانعام:۶/ ۱۱۸

''ہراس (حلال) جانور میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔''

اگر بھولے سے یا جان بوجھ کر بسم اللہ ترک کردی تو بھی کھانا حلال ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان:

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ المائدۃ:۵/ ۳

سوائے اس کے جس کو تم ذبح کرلو۔

میں ذبح کئے ہوئے جانور کو مباح کہا ہے اور بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ذبیحوں کو مباح کیا ہے لیکن وہ عام طور پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں ہے۔ ''حرام ذبیحہ وہ ہوتا ہے جس پر اللہ کے غیر کا نام لیا گیا ہو۔ جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا ہو۔ اس آیت کا مقصود یہی ہے:

اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الانعام:۶/ ۱۱۶

''اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔''

شافعیہ کے مذہب پر درج ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث: کچھ لوگوں نے کہا: ''یارسول اللہ! ہمارے قوم والے ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس پر بسم پڑھ کر کھالیا کرو۔'' ❶ مالک کی روایت میں ہے۔ ''وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے'' اگر بسم اللہ واجب ہوتی تو آپ شک کے باوجود کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''جب تیر پھینکو تو بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔'' ❷

حضرت صلت السدوسی والی حدیث ''مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے چاہے اللہ کا نام لے یا نہ لے۔'' ❸ فقہاء اس کو ''غریب'' الفاظ میں اس طرح ذکر کرتے ہیں: ''مسلمان اللہ کی نام پر ذبح کرتا ہے بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔'' ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''ایک آدمی جانور ذبح کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جاتا ہے۔'' فرمایا: ''اللہ کا نام ہر مسلمان پر ہے۔'' ❹ یا ''ہر مسلمان کے منہ پر ہے'' یا ''اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہے۔''

دوسری احادیث جن میں بسم اللہ کا کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت ابوثعلبہ والی حدیث: ''آپ اپنی کمان سے جو شکار کریں اس پر اللہ کا نام لیں۔ اور پھر کھائیں۔'' تو یہ ندب پر محمول ہیں۔ یہ رائے زیادہ آسان ہے۔ لیکن جمہور کے دلائل اور احادیث زیادہ صحیح اور قوی ہیں۔ اور ان کی مراد عام ہے۔

ساتواں مقصد: ذبح کی سنتیں...... ذبح میں درج ذیل چیزیں مستحب ہیں۔ یہی ذبح کی سنتیں ہیں۔ ❺

---

❶ ......اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۹، نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۳ ومابعدھا) ❷ اس کو ائمہ ستہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۴) ❸ یہ روایت مرسل ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مراسیل میں روایت کی ہے: (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۳) ❹ اس کو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور اس میں ضعف ہے (نصب الرایۃ: گزشتہ جگہ) ❺ البدائع: ۵/ ۶۰، الدرالمختار: ۵/ ۲۰۸، تبیین الحقائق: ۵/ ۲۹۱، تکملۃ الفتح: ۸/ ۶۰، بدایۃ المجتهد: ۱/ ۴۳۵، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۵ الشرح الکبیر: ۴/ ۲۷۱ وما بعدها، المهذب: ۱/ ۲۵۱ وما بعدها، کشاف القناع: ۶/ ۲۰۸ وما بعدها.

۱.....بسم اللہ کہنا شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔تکبیر کہنا سنت ہے۔ذبح کرنے والا یوں کہے: بسم اللہ واللہ اکبر یہ نہ کہے: باسم اللہ واسم محمد۔شافعیہ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ درود بھی پڑھے اس لئے کہ یہ مقام عبادت ہے۔

۲.....ذبح دن کے وقت کیا جائے۔حنفیہ کے نزدیک رات کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔وہ اس کو قربانی پر قیاس کرتے ہیں۔ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رات ذبح کرتے وقت غلطی کا خدشہ ہوتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (۱) مروی ہے کہ انہوں نے رات کو قربانی کرنے سے اور رات کو فصل کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

۳.....ذبیحہ اور ذبح کرنے والا دونوں قبلہ رخ ہوں۔اس لئے کہ یہ عظمت والی سمت ہے اور تمام جہات سے افضل ہے۔ذبح کرنا عبادت ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم ذبح کرتے وقت قبلہ رخ ہوجاتے تھے۔اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرتے وقت اپنی قربانی قبلہ رخ کی اور سورۂ انعام کی یہ دو آیتیں پڑھیں:

وجہت وجھی......الخ۔(۲) اگر بھولے سے یا کسی عذر کی وجہ سے قبلہ رخ نہ ہوسکا تو بھی کھایا جائے گا۔

۴.....ذبیحہ کو بائیں کروٹ پر آرام سے لٹایا جائے اور سر کو کھڑا کیا جائے۔ذبح کرنے والا اس کی ٹھوڑی کے نیچے سے حلق کی کھال کو پکڑ کر کھینچے تاکہ کھال کے اوپر کا حصہ ظاہر ہوجائے۔پھر حلق پر گرہ کے نیچے چھری چلائے اور گردن کی ہڈی آنے تک کاٹتا رہے۔اگر ذبح کرنے والا بایاں (بائیں ہاتھ سے کام کرنے والا) ہو تو دائیں کروٹ پر لٹانا بھی جائز ہے۔بائیں آدمی کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔مستحب یہ ہے کہ وہ کسی کو نائب بنادے۔

اس کی دائیں ٹانگ کو ذبح کرنے کے بعد چھوڑ دے تاکہ وہ اس کو حرکت دے کر راحت پائے۔سوائے اونٹ کے کہ اس میں افضل یہ ہے کہ کھڑے کھڑے بایاں گھٹنا باندھ کر نحر کیا جائے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ الحج:۳۶/۲۲

''جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں ان پر اللہ کا نام لو۔''

۵.....اونٹ کو کھڑے کھڑے بایاں گھٹنا باندھ کر نحر کیا جائے گا۔گائے اور بھیڑ بکری کی دائیں کروٹ پر لٹا کر ذبح کیا جائے گا۔بائیں ٹانگ چھوڑ دی جائے گی اور باقی پائے یعنی ٹانگیں باندھ دی جائیں گی۔اس لئے کہ اونٹ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ الحج:۳۶/۲۲

جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں ان پر اللہ کا نام لو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ای قیاما علی ثلاث'' (۳) یعنی تین ٹانگوں پر کھڑا کر کے۔بکری کے بارے میں صحیحین میں ہے کہ آپ نے اس کو لٹایا۔گائے وغیرہ کو اسی پر قیاس کیا جائے گا۔اس لئے کہ اس میں ذبح کرنے والے کے لئے آسانی ہے کہ وہ دائیں ہاتھ میں چھری اور بائیں ہاتھ سے سر کو پکڑے گا۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ اونٹ کو نحر کرنا (۴) اور باقی جانوروں کو ذبح کرنا مستحب ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ الکوثر:۲/۱۰۸

---

(۱).....امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رات کو ذبح کرنے سے منع فرمایا۔لیکن اس کی اسناد میں متروک ہے۔بیہقی میں حضرت حسن سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ (۲) اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار:۵/۱۲۶) (۳) اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ (۴) نحر کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ کی گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان میں جو گڑھا ہے اس میں کوئی برچھا وغیرہ مارا جائے۔

”تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً البقرہ:۲/۶۷

”اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔“

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں نحر کا حکم ہے اور بنی اسرائیل کو ذبح کا حکم تھا۔[1] اور یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو نحر کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی کئے دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔[2]

۶.....رگیں ساری کی ساری کاٹنا اور تیزی سے ذبح کرنا بھی سنت ہے۔ کچھ کاٹنا، کچھ نہ کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے زندگی ختم ہونے میں دیر ہو جاتی ہے۔ ذبح کرتے ہوئے حرام مغز تک نہ پہنچے۔ اسی طرح سر کو تن سے جدا بھی نہ کرے۔ اگر ایسا کر لیا تو مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے بلاضرورت زائد تکلیف پہنچتی ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔

۷.....جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز کرنا۔ لیکن جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔ اس لئے کہ جانور دیگر خطرات کی طرح چھری کو بھی پہچانتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔ اگر ان کو لٹا کر چھری تیز کی جائے تو ان کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہر ایک پر اچھا برتاؤ کرنا لازم کیا ہوا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو۔ اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ ذبح کرنے والے کو چاہئے کہ اپنی چھری تیز کر کے اپنے ذبیحے کو راحت پہنچائے۔“[3] بیہقی میں ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بکری لٹائی ہوئی ہے اور اس کے چہرے کی سائیڈ پر ٹانگ رکھ کر چھری تیز کر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے سے اس کی خبر لی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک آدمی کے پاس سے ہوا جس نے بکری کی ایک سائیڈ پر ٹانگ رکھی ہوئی تھی۔ وہ چھری تیز کر رہا تھا۔ اور بکری اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ اس کو دو مرتبہ مارنا چاہتا ہے۔[4]

یہ بھی مستحب ہے کہ ایک بکری کو دوسری کے سامنے ذبح نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری کو تیز کرنے اور جانوروں سے چھپانے کا حکم دیا۔[5]

۸.....جانور کے ساتھ نرمی کی جائے۔ اسے زمین پر زور سے نہ گرایا جائے۔ ٹانگوں سے کھینچ کر ذبح کی جگہ تک نہ لے جایا جائے۔ اس لئے کہ یہ اسے خواہ مخواہ زیادہ تکلیف پہنچانے والی بات ہے۔

آٹھواں مقصد: ذبح کے مکروہات......ذبح کرتے ہوئے مذکورہ بالا سنتوں کو چھوڑنا مکروہ ہے۔ اس لحاظ سے ذبح کے مکروہات درج ذیل ہوں گے۔[6]

۱.....بسم اللہ نہ پڑھنا ان فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے جو اسے واجب اور شرط نہیں قرار دیتے۔ یعنی شافعیہ اور بعض مالکیہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور کا نام ملانا بھی مکروہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ذبح کرنے والے کے لئے ذبح کرتے وقت

---

[1].....المغنی: ۸/۵۷۵ وما بعدھا۔ [2] متفق علیہ۔ [3] اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (نیل الاوطار: ۸/۱۴۱) المقتلہ اور الذبحہ: قتل اور ذبح کی حالت۔ [4] اس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد: ۴/۳۳) [5] اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ [6] البدائع: ۶۰/۵، تبیین الحقائق: ۲۹۲/۵، الدر المختار: ۲۰۸/۵، الشرح الصغیر: ۱۷۳/۲، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۵، مغنی المحتاج: ۱۷۲/۴، کشاف القناع: ۲۰۸/۶ وما بعدھا، المغنی: ۵۸۰/۸۔

''اَللّٰھم تقبل من فلان'' اے اللہ فلاں کی طرف سے قبول فرمالے کہنا مکروہ ہے۔ اگر اس نے یہ بسم اللہ اور لٹانے سے پہلے یا ذبح کے بعد کہا تو جائز ہے۔

۲.....ذبیحے کو قبلہ رخ نہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

۳.....حنفیہ کے نزدیک بھیڑ بکریوں کو نحر کرنا اور اونٹ کو ذبح کرنا بھی خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔

۴.....جانور کو بلا ضرورت اور بلا فائدہ زیادہ تکلیف پہنچانا۔ جیسے سر کاٹ دینا، حرام مغز تک پہنچ جانا، گدی کی طرف سے ذبح کرنا، ❶ جانور کو ٹانگ سے کھینچ کر ذبح کی جگہ تک لے جانا اس کو لٹا کر اس کے سامنے چھری تیز کرنا، دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا اس لئے کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال اتارنا یا حرام مغز کاٹنا۔ اس لئے کہ ایک روایت کے مطابق فرافصہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ایسا کھانا کھاتے ہیں جس کو ہم نہیں کھاتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا'' اے ابوحسان! وہ کون سا کھانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ روح کے نکلنے سے پہلے اس کو نکالنے لگتے ہیں۔ ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کو عام اعلان کرنے کا حکم دے دیا کہ ذبح حلق اور سینے کے سرے کے درمیان ہوتا ہے۔ اور یہ کہ روح کے نکلنے سے پہلے اسے نہ نکالا کرو۔ ❸

۵.....حنفیہ کے نزدیک دانت، ناخن اور ہڈی سے ذبح کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ جسم سے الگ ہوں۔ مکروہ اس لئے ہے کہ ان سے حیوان کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا۔ اگر ناخن وغیرہ جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہوں تو ان سے ذبح کرنے سے جانور حلال نہیں ہوگا۔

نواں مقصد.....ذبح کی اقسام

مالکیہ.....مالکیہ کے نزدیک حلال ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ ❹

ا۔ خون بہانا، شکار کرنا اور زخمی کرنا.....ذبح کی یہ صورت جنگلی جانوروں کے لئے ہوتی ہے جن پر قدرت نہ ہو۔ گھریلو جانوروں میں یہ صورت جائز نہیں۔ کبوتر وغیرہ شکار میں داخل ہیں۔ اگر وہ وحشی ہو جائیں تو زخمی کر کے کھائے جائیں گے۔

۲۔ حلق سے ذبح کرنا.....یعنی پوری حلقوم اور دونوں شہ رگیں پوری پوری کاٹنا۔ یہ صورت پرندوں شتر مرغ اور بھیڑ بکریوں کے لئے ہے۔

۳۔ ذبح اور نحر.....اونٹ اور زرافے کو ❺ سینے کے درمیان سے نحر کیا جاتا ہے۔ گائے میں ذبح اور نحر دونوں جائز ہیں لیکن ذبح مندوب ہے۔ گھریلو چار پایوں میں ذبح یا نحر شرط ہیں۔

۴۔ ایسا فعل جو کسی بھی ذریعے سے زندگی ختم کر دے.....یہ ٹڈی میں ہوتا ہے کہ کاٹ کر یا کسی اور طریقے سے اس پر اثر انداز ہو جائے۔ اس لئے کہ عام فقہاء کے برعکس مالکیہ کے نزدیک ٹڈی ذبح کئے بغیر نہیں کھائی جا سکتی۔ اور ان کے نزدیک ٹڈی کو ذبح کرنے کا

---

❶ اگر رگوں کے کٹنے تک زندہ رہے۔ ورنہ حلال نہیں ہوگا اس لئے کہ ذبح سے پہلے ہی موت واقع ہو چکی۔ ❷ الانفس: وہ ارواح جن کی وجہ سے بدن حرکت کرتے ہیں۔ زھوقھا: ان ارواح کا جسم سے نکل جانا۔ ❸ المھذب: ۱/۲۵۳۔ ❹ الشرح الکبیر: ۲/۹۹، ۱۰۳، ۱۰۷، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۲۹ وما بعدھا، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۳ وما بعدھا۔ ❺ مالکیہ کے نزدیک ذبح: حلقوم اور دونوں شہ رگوں کو نیت کر کے چھری سے کاٹنا۔ حیوان کا عقر: جانور کے جسم پر کسی بھی جگہ تیر مارنا جس سے وہ زخمی ہو کر مر جائے۔ نحر: گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان ایک گڑھا ہوتا ہے اس میں برچھا مار کر ذبح کرنا۔

طریقہ یہ ہے کہ سر کاٹ کر یا کسی اور طریقے سے قتل کر دی جائے۔

اونٹ اور زرافے کو نحر کرنا واجب ہے۔ اور باقیوں کو ذبح کرنا۔ اگر نحر والے جانور کو ذبح کر دیا یا ذبح والے جانور کو نحر کر دیا، چاہے بھول کر ہی کیا ہو، اگر قدرت ہوتے ہوئے بلا ضرورت ایسا کیا ہے تو ایسی ذبیحے کو نہیں کھایا جائے گا۔ ضرورت کی وجہ سے اونٹ میں ذبح اور دوسرے جانوروں میں نحر جائز ہے۔ جیسے کوئی جانور گڑھے میں گر جائے یا ذبح اور نحر کا آلہ دستیاب نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ گھریلو چوپائے اگر وحشی ہو جائیں تو ان کے نزدیک شکار سے نہیں کھائے جاسکتے۔ لیکن اگر کوئی وحشی جانور انسانوں سے مانوس ہو کر گھریلو بن گیا اور پھر دوبارہ بھاگ گیا یا کبوتر وغیرہ وحشی بن گئے تو ان کو شکار کر کے کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ سب شکار ہیں۔

شافعیہ.....اسی طرح شافعیہ کے نزدیک ذبح کی تین قسمیں ہیں: ذبح، نحر اور عقر (زخمی کرنا)

ذبح.....یعنی جانور کا حلق اور نرخرہ کاٹنا۔ اس طریقے سے تمام حیوانات کو ذبح کیا جاتا ہے۔

نحر.....حیوان کا سینہ یعنی گردن کا نچلا حصہ کاٹنا۔ اونٹ میں یہی مسنون ہے۔

عقر.....یہ ذبح اضطراری ہے۔ یعنی جانور کو کسی جان لیوا فعل سے جسم میں کسی بھی جگہ سے زخمی کرنا۔

حلال جانور جب بدک کر بھاگ جائیں اور مالک کے قابو میں نہ رہیں تو ان کو اس طریقے سے حلال کیا جاتا ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک ذبح کی اقسام.....اس بنا پر مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء کے نزدیک [1] ذبح کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری اور اضطراری جو شکار کے معنی میں ہے۔

ذبح اختیاری.....یعنی حلق میں زخم لگانا۔ سینے کے سرے اور ٹھوڑی کے درمیان سے کاٹنے کو ذبح اختیاری کہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتی ہے جب حیوان قابو میں ہو۔ جنگلی جانور بھی اگر مانوس ہو جائے تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اضطراری ذبح کو صرف اس وقت اختیار کرتے ہیں جب اختیاری ذبح ممکن نہ ہو۔

ذبح اضطراری.....جسم کے کسی بھی حصے پر زخم لگانا: ذبح کی یہ قسم مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک وحشی جانوروں کے لئے استعمال ہوتی ہے یا ایسے گھریلو جانوروں کے لئے جو بے قابو ہو کر بھاگ جائیں۔ اس لئے کہ انسان حسب طاقت احکامات کا مکلف ہے۔ اس حالت کو عقر کہتے ہیں۔ یعنی جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کر کے جان سے مار دینا۔ عقر یا ذبح اضطراری کسی زخمی کرنے والے آلے سے ہوگی نہ کہ کسی بوجھل چیز یا پتھر سے۔ یعنی بدن کی کسی بھی حصے کو اس طرح زخمی کرنا کہ خون بہنے لگے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ زخم جان لیوا ہونا چاہئے۔

مالکیہ کے نزدیک گھریلو چوپائے ذبح اضطراری سے حلال نہیں ہوتے۔

اگر کوئی گھریلو جانور وحشی بن جائے یا کوئی اور ذبیحہ بدک کر بھاگ جائے یا کنوئیں وغیرہ میں گر جائے اور اسے حلق سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک اس کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کیا جائے۔ اس طرح اس کا کھانا حلال ہو جائے گا۔ جیسے پرندے یا وحشی جانور کا شکار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1].....تبيين الحقائق: ٢٨٦/٥، تكملة الفتح: ٦٠/٨ وما بعدها، الدر المختار: وحاشية: ٢٠٦/٥، ٢١٣، مغنى المحتاج: ٢٦٥/٤، ٢٦٨ و ما بعد، ٢٧١، المهذب: ٢٥٥/١، المغنى: ٥٦٦/٨، ٥٧٣، ٥٧٥، ٥٧٧، كشاف القناع: ٢٠٥/٦، الشرح الكبير للدردير: ١٠٣/٤، ١٠١.

وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک بدک کر بھاگ گیا۔ان کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ایک آدمی نے اسے تیر مارا جس سے وہ قابو میں آ گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' گھریلو جانوروں میں بھی جنگلی جانوروں کی طرح وحشت آ جاتی ہے۔لہٰذا اگر کوئی جانور ایسا کرے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کرو۔'' ❶ یہ رائے زیادہ راجح ہے۔

اگر نحر والا جانور ذبح کر دیا یا ذبح والا نحر کر دیا حنفیہ ❷ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہوگا۔اس لئے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔

دسواں مطلب: ذبح کئے ہوئے جانور کے حرام اجزاء.....حنفیہ ❸ فرماتے ہیں کہ حلال جانور کی سات چیزیں نہیں کھائی جائیں گی۔بہتا ہوا خون، نر جانور کا آلہ تناسل، کپورے، مادہ کی شرم گاہ، غدود، ❹ مثانہ اور پتا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ یُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ الاعراف:۷/۱۵۷

(وہ نبی) اس کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

ان ساتوں چیزوں کو سلیم الطبع لوگ گندہ سمجھتے ہیں۔حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے یہ اعضا ناپسند تھے۔نر جانور کا آلہ تناسل، خصیے، مادہ کی شرم گاہ، غدود پتا، مثانہ اور بہتا ہوا خون۔یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔اس لئے کہ ان چھ چیزوں کو مکروہ ہونے میں خون کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔اور بہتا خون حرام ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''خون حرام ہے اور باقی چھ چیزیں مکروہ ہیں۔'' حرام کا لفظ بہتے ہوئے خون پر بولا گیا ہے۔اس لئے کہ اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے۔وہ یہ آیت ہے:

قل لااجد فی ما اوحی الیٰ قولہ...... دما مسفوحاً

باقی سب کو مکروہ کہا گیا ہے اس لئے کہ ان کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے۔

گیارہواں مقصد: ماں کو ذبح کرنے کا جنین پر اثر......جنین کو ذبح کرنے کے چار احوال ہیں۔❺

اول......ذبح پہلے مردہ حالت میں پیدا ہوا جائے۔اس صورت میں بالاجماع نہیں کھایا جائے گا۔

دوم......ذبح سے پہلے زندہ حالت میں پیدا ہو جائے۔اگر زندہ رہے تو ذبح کئے بغیر نہیں کھایا جائے گا۔

سوم......ذبح کے بعد زندہ حالت میں پیدا ہو جائے۔اگر زندہ حالت میں ذبح کیا گیا تو کھایا جائے گا۔اگر زندگی میں ذبح نہ کیا جا سکا تو وہ مردار ہے۔بعض مالکیہ کے نزدیک ماں کو ذبح کرنا ہی اس کے لئے بھی کافی ہے۔

چہارم......ذبح کے بعد مردہ حالت میں پیدا ہو جائے۔اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، زفر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماں کے ذبح کی وجہ سے جنین کو نہیں کھایا جائے گا۔اس

---

❶......اس کو بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار: ۸/۱۴۳) اوابد: آبدۃ کی جمع ہے یعنی اجنبی۔تأبدت: وحشی بن جانا۔مراد یہ کہ ان میں بھی وحشت ہوتی ہے۔❷ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنا شکار زندہ حالت میں ملا یا کسی کو اپنا بیل قریب المرگ حالت میں ملا اور ذبح کرنے کے لئے وقت کم ہے یا اسے ذبح کرنے کا آلہ نہیں ملا اور اس نے محل ذبح کے علاوہ کسی اور جگہ سے زخمی کر دیا تو حلال ہوگا۔یعنی ان موقعوں پر بھی ذبح اضطراری درست ہے۔دوسرے قول کے مطابق رگیں کاٹے بغیر ہلاک نہیں ہوگا۔❸ البدائع: ۵/۶۱، رد المحتار: ۵/۲۱۹۔❹ الغدۃ: سخت گوشت کا ایک ٹکڑا جو جلد اور کھال کے درمیان بیماری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔❺ البدائع: ۵/۴۲، تبیین الحقائق: ۵/۲۹۳، اللباب: ۳/۲۲۸، القوانین الفقهیہ: ص ۱۸۳ بدایۃ المجتهد: ۱/۴۲۸ وما بعدها، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۴، مغنی المحتاج: ۴/۵۷۹، ۳۰۶، المغنی: ۸/۵۷۹، شرح الرسالہ: ۱/۳۸۱۔

لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کیا ہے۔ اور گلا گھٹ کر مرنے والے کو بھی حرام کیا ہے۔ جنین مردار ہے۔ اس لئے کہ اس میں زندگی نہیں ہے۔ مردار ہر وہ جانور ہوتا ہے جو ذبح کئے بغیر مر جائے۔ جنین بھی گلا گھٹنے سے مر گیا ہے۔ اس لئے یہ نص قرآنی کی وجہ سے حرام ہوگا۔

جنین کو اپنی ماں کے تابع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ ماں کے ذبح ہونے کے بعد بھی وہ زندہ باقی رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو علیحدہ سے ذبح کرنا ضروری ہے تاکہ اسے خون نکل جائے اور حلال ہو جائے۔ یہ ماں کو ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ذبح کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا خون نکال دیا جائے۔ تاکہ وہ گوشت سے الگ ہو جائے اور پاک ہو جائے۔ اس لئے یہ ماں کے تابع نہیں ہوگا۔

اور حدیث ''ذکوٰۃ الجنین ذکاۃ امہ'' میں تشبیہ مراد ہے۔ ''ای کذکاۃ امہ'' یعنی اسے اپنی ماں کی طرح ذبح کیا جائے گا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ صرف ماں کے ذبح کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مردہ جنین نہیں کھایا جائے گا۔ اس کے بال نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں یعنی اس کی خلقت پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس لیے کہ اس کے بال خلقت پوری ہونے بعد آتے ہیں۔

جمہور.......جمہور فقہاء فرماتے ہیں: صاحبین بھی انہی کے ساتھ ہیں کہ ماں کے ذبح کرنے سے جنین بھی حلال ہو جاتا ہے جبکہ وہ مردہ حالت میں پیدا ہوا ہے۔ یا ماں کے پیٹ میں مرا ہو ملے۔ یا نکلنے کے بعد اس کی حرکات ذبح کئے ہوئے جانور کی حرکات جیسی ہوں۔

مالکیہ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ اس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو اور بال اُگ آئے ہوں اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے۔ ''جب جنین کے بال اگ آئیں تو ماں کو ذبح کرنا ہی اس کو ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ نے مردہ جنین کھانے کی اجازت دی ہے۔ چاہے بال اگیں یا نہ اگیں۔ اس لئے کہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں کو ذبح کرنا ہی بچے کو ذبح کرنا ہے۔ یعنی اس کے قائم مقام ہے۔ بال اگے ہو یا نہ اگے ہوں۔

جمہور کی جواز پر دلیل ایک حسن حدیث ہے۔ ''ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ'' یعنی ماں کو ذبح کرنا ہی بچے کو ذبح کرنا ہے۔ ❶ ان کی سنت سے ثابت شدہ رائے ہی میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔ بلکہ قیاس اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جنین اس کی ماں کے ذبح کرنے سے ہی ذبح ہو جائے۔ اس لئے کہ وہ اپنی ماں کا جز ہے۔ لہٰذا زندگی کی شرط لگانے کے کوئی معنی نہیں۔ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: حدیث کا عموم مالکیہ کی بال اگنے والی شرط کو کمزور کر دیتا ہے۔ حدیث کے عموم کو قیاس سے خاص نہیں کیا جائے گا۔ یعنی ذبح کئے جانے والے جانوروں پر قیاس۔

بارہواں مقصد: قریب المرگ اور بیمار کو ذبح کرنے کا اثر......جب جانور کسی زیادتی کی وجہ سے قریب المرگ ہو جائے یا بیمار ہو جائے پھر اسے ذبح کر دیا جائے کیا اسے کھانا جائز ہوگا؟

---

❶......یہ گیارہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ، دار قطنی، اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے: نصب الرایۃ: ۱۸۹/۴ وما بعدھا (نیل الاوطار: ۱۴۴/۸)

اول: کسی زیادتی کی وجہ سے قریب المرگ ہوجانے والے کو ذبح کرنے کا اثر......اگر کسی حلال جانور پر ظلم زیادتی ہوجائے مثلاً اس کا گلا گھونٹ دیا جائے یا مارا جائے یا کوئی درندہ بھیڑیا وغیرہ اس کو زخمی کرلے پھر وہ مالک کو ملے اور وہ اسے ذبح کرلے یا وہ مالک کو نہ ملے اور مرجائے تو اس کے متعلق چار احوال ہیں۔ ❶

۱......اگر ذبح کرنے سے پہلے مرگیا تو بالاجماع نہیں کھایا جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ......(المائدۃ:۵/۳) ❷

’’تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کردیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کوئی اور نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلہ گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو الا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کرچکے ہو۔‘‘

آیت میں مذکور پانچ حیوانات (غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے کے بعد) اگر زندہ حالت میں ملیں اور ذبح کردیئے جائیں تو حلال ہوں گے ورنہ حلال نہیں ہوں گے۔

۲......اگر زندہ حالت میں ملا یعنی غالب گمان یہ تھا کہ وہ زندہ ہے۔ مثلاً اس کے مقتل (حساس اعضاء جن پر چوٹ جان لیوا ثابت ہوتی ہے) کو چوٹ لگ گئی تھی اور اس نے فوراً ذبح کرلیا تو اسے بالاجماع کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الا ما ذکیتم (المائدہ:۵/۳) ’’الا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کرچکے ہو۔‘‘

۳......اگر کسی جانور کے مقتل ❸ منفوذ ہوجائیں۔ یعنی ان میں سوراخ ہوجائے وہ کٹ پھٹ جائیں۔ تو مالکیہ کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک کھانے کی گنجائش ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر اس میں (حیات مستقرہ) ہو تو اس کو ذبح کرنا موثر ہوگا۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے زندہ ہونے کا پتہ چل جائے۔ یا زندگی کا پتہ نہیں تھا پھر اس نے حرکت کردی یا خون نکل آیا تو اس میں ذبح موثر ہوگی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب بھیڑیا حملہ آور ہو کر اس کا پیٹ پھاڑ دے، گلا گھٹ جائے، بلندی سے گر جائے یا کوئی دوسرا جانور اس کو ٹکر مار دے۔ ذبح کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عام ہے:

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ......المائدۃ:۵/۳

الا یہ کہ تم اس کو ذبح کرچکے ہو۔

۴......اگر کسی جانور کی زندگی سے مایوسی ہوجائے لیکن اس کے مقاتل منفوذ نہ ہوں یا اس بارے میں شک ہو تو حنفیہ کے نزدیک حلال ہونے میں بھی ذبح موثر ہے۔ مالکیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ البتہ اس میں زندگی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ بعض مالک

---

❶......ردالمحتار: ۵/۲۱۷، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۳، البدائع: ۵/۴۰، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۳، بدایۃ المجتھد بعدھا کشاف القناع: ۶/۲۰۶ احکام القرآن للجصاص: ۲/۳۰۶، احکام القرآن لابن العربی رحمۃ اللہ

❷ الاماذکیتم: یعنی الا یہ کہ مذکورہ جانوروں میں سے کوئی زندہ مل جائے اور آپ اس کو ذبح کردیں تو اگر اس میں زندگی موجود تھی......نہ ہو کہ جیسے ہلاک چھپکانا یا ہاتھ پاؤں مارنا......اور اس کو ذبح کردیا تو وہ حلال ہوگا۔ المنخنقۃ: جو کسی بھی طرح مردار ہوجائے۔ الموقوذۃ: جو لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے، ذبح شرعی کے بغیر مرجائے۔ المتردیۃ: جو کسی بلند جگہ پہاڑ وغیرہ سے گر جائے یا کنویں میں گر جائے، النطیحۃ: جس کو دوسرا حیوان ٹکر مار دے اور وہ مرجائے۔ ما اکل السبع: جو کسی درندے بھیڑے چیتے وغیرہ کے پھاڑنے سے مرجائے۔ وما اھل لغیر اللہ بہ: یعنی جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

❸ درج ذیل پانچ امور کے مقاتل ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ شہ رگوں کا کٹ جانا: دماغ کا منتشر ہوجانا، انتڑیوں کا منتشر ہوجانا، کھانے کی نالی میں آنت کا اوپر والا حصہ پھٹ جانا۔ نہ کہ نیچے والا۔ حرام مغز کا کٹ جانا (القوانین الفقھیہ: سابقہ جگہ، الشرح الکبیر: ۲/۱۱۳)

اس میں ذبح موثر نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے کھایا جائے گا۔شافعیہ اور حنابلہ نے بھی ایسے جانور کو ذبح کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس میں حیات مستقرہ ہو۔البتہ مشکوک میں اجازت نہیں دی۔

اس بناء پر اگر متاثرہ جانور کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ مقتل یا کسی اور جگہ چوٹ آنے سے ہلاک ہو جائے گا تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس میں ذبح موثر ہوگی۔بعض کے نزدیک نہیں کیا جائے گا۔امام مالک سے دونوں قول ہیں۔ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو ذبح کر کے کھایا جائے گا۔

تیسری اور چوتھی صورت میں اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ مذکورہ آیت میں استثناء متصل ہے یا منقطع۔جو کہتے ہیں کہ استثناء متصل ہے وہ ان صورتوں میں ذبح کے قائل ہیں۔اور جو کہتے ہیں کہ استثناء منقطع ہے ای ماذکیتم من غیر ھا (یعنی ان کے علاوہ جو جانور آپ ذبح کریں) تو ان کے نزدیک ذبح نہیں کیا جائے گا۔

اس حالت میں جس زندگی کا پایا جانا ضروری ہے اس کے بارے میں حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ زندگی کی نشانیاں پائی جائیں: جیسے ٹانگ ہلانا، پلکیں چھپکانا یا سانس لینا چاہے اس سے آدمی زندہ رہ سکے یا نہ رہ سکے۔تھوڑی دیر باقی رہے یا زیادہ عرصے تک یعنی ذبح کیے ہوئے جانور جتنی زندگی (حیات مذبوح) مطلوب ہے۔یہ زندگی کی ادنیٰ حد ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ جانور میں حیات مستقرۃ کا پایا جانا ضروری ہے۔جس کو مذبوح کی حرکت پر زیادہ کرنا ممکن ہو چاہے اس کی انتہا ایسی حالت میں ہو کہ اس کے ساتھ اس کا زندہ رہنا یا نہ رہنا معلوم ہو جائے۔

دوم: بیمار جانور میں ذبح کا اثر......علماء کا اتفاق ہے کہ بیمار جانور میں ذبح مؤثر ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔لیکن اگر بیماری اتنی شدید ہو جائے کہ قریب المرگ ہو جائے تو اس صورت میں ذبح کے مؤثر ہونے میں اختلاف ہے۔❶

جمہور کے نزدیک اس میں ذبح مؤثر ہے۔امام مالک سے بھی مشہور روایت کی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کرنا مؤثر نہیں۔

اختلاف کی وجہ حدیث اور قیاس کا تعارض ہے۔جمہور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کی لڑکی بکریاں چرا رہی تھی۔اس نے ایک بکری کو قریب المرگ دیکھا تو پکڑ کر پتھر سے ذبح کر لیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ''اس کو کھالو۔''❷

بعض حضرات قیاس سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ کہ ذبح کرنا زندوں میں مؤثر ہوتا ہے۔اور یہ میت کے حکم میں ہے۔

حنفیہ مفتی بہ قول کے مطابق جمہور کے ساتھ ہیں۔انہوں نے بیمار جانور اور منخنقہ، متردیہ اور نطیحہ (جس کا دم گھٹ کیا ہو یا بلندی سے گر گیا ہو یا دوسرے جانور نے ٹکر ماردی ہو) کی آخری حالت کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے۔وہ فرماتے ہیں۔❸

ا......اگر جانور کے زندہ ہونے کا پتہ چل جائے اگرچہ ذبح کے وقت زندگی تھوڑی سی ہو (مفتیٰ بہ قول کے مطابق) اس کو مطلقاً کھایا جائے گا۔اگرچہ وہ حرکت نہ کرے اور خون نہ نکلے۔تھوڑی سی زندگی سے مراد یہ ہے کہ جانور میں اتنی زندگی ہو جتنی ذبح کئے ہوئے جانور میں ذبح کے بعد ہوتی ہے۔

ب......اگر زندہ ہونے کا پتہ نہ چلا۔پھر جانور نے حرکت کی یا خون نکلا تو جانور حلال ہوگا۔اگر حرکت نہ کی یا خون نہ نکلا تو حلال نہیں ہوگا۔

زندگی اور موت کی پہچان کا ضابطہ یہ ہے:

---

❶......بدایۃ المجتہد: ۱/۴۲۸، القوانین الفقھیہ: ص ۱۸۱ وما بعدھا۔❷اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۸/۱۳۹)❸(الدر المختار ورد المحتار: ۵/۲۱۷، ۲۳۴)

موت وحیات کی علامات......منہ یا آنکھ کا کھلنا، ٹانگ لمبی کرنا، بالوں کا بیٹھ جانا یہ سب موت کی علامتیں ہیں اس لئے کہ یہ ڈھیلے پن ہے۔ اور حیوان کا جسم موت سے ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ ان کا الٹ زندگی پر دلالت کرتا ہے۔

لہٰذا منہ اور آنکھ کا بند کرنا، ٹانگ سکیڑنا اور بالوں کا کھڑا ہو جانا زندگی کی علامات ہیں۔

مالکیہ نے زندگی کی پانچ علامات لکھی ہیں۔ ❶

خون بہنا زندگی کی علامت ہے لیکن تھوڑا سا خون نکل جانا زندگی کی علامت نہیں ہاتھ یا پاؤں زمین پر مارنا، آنکھ جھپکانا، دم ہلانا اور سانس لینا۔ اگر اس نے حرکت کی لیکن خون نہیں بہا تو کھایا جائے گا۔ اگر خون بہا لیکن حرکت نہیں کی تو نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ حرکت، زندگی پر دلالت کرنے کے لئے خون سے بڑھ کر ہے۔

تھوڑا بہت ہلنا زندگی کی دلیل نہیں۔ اس لئے گوشت کھال اتارنے کے بعد بھی ہلتا رہتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک حیات کی تین قسمیں ہیں۔ ❷

۱۔ **حیات مستمرۃ**......عام زندگی جو ذبح اور دوسرے اسباب موت تک باقی رہتی ہے۔ اس حیات میں ذبح موثر ہو کر جانور کو حلال بناتی ہے۔

۲۔ **حیات مستقرۃ**......وہ حیات جس میں جانور کی اختیاری حرکت باقی رہتی ہے۔ اور قوانین وعلامات سے اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ اس میں زندگی موجود ہے۔ اس کی ایک علامت یہ ہے کہ سانس کی نالی اور کھانے کی نالی کٹنے سے خون پھوٹ پڑتا ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ شدید حرکت پر اکتفاء کیا جائے۔ ذبح کے وقت حیات مستقرۃ کے پائے جانے کا علم شرط نہیں ہے۔ بلکہ قرائن سے اس کے پائے جانے کا ظن کافی ہے۔ جیسے شدید حرکت، خون پھوٹ پڑنا۔ اس سے ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے وجود میں شک ہو تو حرام ہوگا۔ اس لئے کہ حرمت کو غالب رکھا جاتا ہے۔

۳۔ **حیات مذبوح یا حرکۃ عیش المذبوح**......یعنی ذبح کئے ہوئے جانور کی زندگی یا مذبوح کی زندگی کی حرکت۔ اس حیات میں جانور نہ دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے اور نہ اختیاری حرکت کرسکتا ہے۔

اس نوع میں اگر کوئی ایسا سبب موجود ہو جس پر ہلاکت کو منحصر کیا جا سکے تو قابل اعتماد قول کے مطابق حلال نہیں ہوگا۔ جیسے مضر جڑی بوٹیاں کھانے سے جانور بیمار ہو جائے اور آخری سانس تک نوبت پہنچ جائے۔ اور اگر کوئی ایسا سبب نہ ہو جس پر ہلاک ہونے کا دارومدار ہو جیسے بیماری یا بھوک کی وجہ سے جانور آخری ہچکیاں لینے لگے تو اسے ذبح کیا جائے گا اور اس کو کھانا حلال ہوگا۔

تیرہواں مقصد: نہ کھائے جانے والے جانوروں میں ذبح کا اثر......اس سے مقصود یہ ہے کہ کیا حرام جانوروں کو ذبح کرنے کا کچھ اثر ہے؟ کیا اس سے ان کی کھالیں پاک ہو جائیں گی اور ان کی نجاست دور ہو جائے گی؟

فقہاء کی اس بارے میں دو رائیں ہیں:

حنفیہ اور مالکیہ......حنفیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق ❸ نہ کھائے جانے والے جانور جیسے درندے وغیرہ اگر ذبح

---

❶......القوانین الفقهیه: ۱۸۱، احکام القرآن للحصاص: ۲/۳۰۶۔ ❷بجیر می الخطیب: ۴/۲۴۸، کشاف القناع: ۶/۲۰۶، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۱، المغنی: ۸/۵۸۳۔۵۸۵۔ ❸تبیین الحقائق: ۵/۲۹۶، تکملة الفتح: ۸/۶۴، الدر المختار: ۱/۲۹۰، ۵/۲۱۶، البدائع: ۱/۸۶، بدایة المجتهد: ۱/۴۲۷، اللباب: ۳/۲۳۰، القوانین الفقهیه: ص ۱۸۱، الشرح الصغیر: ۱/۴۵، شرح الرساله: ۱/۳۸۴، الشرح الکبیر: ۱/۵۶۔

کر دیئے جائیں تو ان کا گوشت چربی اور کھال پاک ہو جاتی ہے۔ سوائے آدمی اور خنزیر کے۔ آدمی کے بارے میں یہ حکم اس کی حرمت اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ اور خنزیر کے بارے میں اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے ہے۔

علامہ دردیر اور صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذہب کے مشہور قول کے مطابق حرام جانور گھوڑا، خچر، گدھا، کتا اور خنزیر ذبح سے پاک نہیں ہوتے۔ جنگلی درندے پرندے ذبح سے پاک ہو جاتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ گوشت اور چربی ذبح سے پاک نہیں ہوتے۔ البتہ کھال ذبح سے پاک ہو جاتی ہے۔ ان کی یہ تفصیل کنز، درمختار اور ہدایہ میں بلا تفصیل لکھے ہوئے مسئلے کے خلاف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنے سے ناپاک رطوبتیں اور بہنے والا خون نکل جاتا ہے۔ جب یہ سب کچھ نکل گیا تو جانور پاک ہو جائے گا۔ جیسا کہ دباغت میں ہوتا ہے۔ جلد اور گوشت رطوبت ہیں نہ کہ خون۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نا کھائے جانے والے جانوروں کا گوشت حرام ہے تو اس کے علاوہ باقی چیزیں اپنی اصل پر رہیں گی۔ اصل تطہیر ہے اس لیے ذبح کرنا اس میں اثر انداز ہوگا۔ جیسے دباغت کھالوں کو پاک کرنے میں اثر انداز ہوتی ہے۔ جب کھال ذبح کے بعد پاک ہو گئی تو تھوڑا پانی اس کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا اور کھانے کے علاوہ باقی کاموں میں اس کا استعمال جائز ہوگا۔ حنفیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ کھانے کی طرح استعمال بھی جائز نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ.....شافعیہ اور حنابلہ (1) فرماتے ہیں کہ حرام جانور میں ذبح کا کچھ اثر نہیں۔ اس لئے کہ ذبح سے اصل کے اعتبار سے گوشت مباح ہوتا ہے۔ کھال گوشت کے تابع ہوتی ہے۔ جب ذبح کرنے سے گوشت مباح نہیں ہوا تو دوسری چیزیں کیسے مباح ہوں گی؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے مجوسی کا ذبح کرنا یا غیر مشروع ذبح۔ اور ذبح کو دباغت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ دباغت ناپاکی اور تمام رطوبتوں کو زائل کر دیتی ہے۔ اور کھال کو اس طرح پاک کر دیتی ہے کہ بعد میں بھی خراب نہیں ہوتی۔ جب کہ ذبح سے یہ سب کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے ذبح دباغت سے مستغنی نہیں کرتی۔

شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ نہ کھائے جانے والے جانوروں کو ذبح کرنا حرام ہے۔ چاہے ان کو راحت پہنچانے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے اپاہج گدھا۔ اس لئے کہ یہ ان کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔ (2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے کتے کے سوا دوسرے کتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ مکمل کالے کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (3)

تیسری بحث: ذبح کا آلہ.....فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہر خون بہانے اور رگیں کاٹنے والی چیز سے ذبح کرنا درست ہے۔ جیسے لوہا، پتھر، لکڑی، کٹی ہوئی شاخ، شیشہ۔

تین چیزوں میں اختلاف ہے۔ دانت، ناخن اور ہڈی۔ حنفیہ اور مالکیہ نے فی الجملہ اس سے ذبح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ نے اجمالی طور پر اس سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ آ رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے ذبح نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ شافعیہ وغیرہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح ہے۔

حنفیہ.....حنفیہ (4) فرماتے ہیں کہ رگیں کاٹنے اور خون بہانے والی ہر چیز سے ذبح کرنا درست ہے۔ چاہے وہ آگ ہو کہ خون بہا دے یا بانس کا چھلکا ہو یا مروہ (چھری کی طرح کا سفید پتھر) ہو یا ناخن، ہڈی، سینگ اور دانت ہوں جو بدن سے جدا ہو چکے ہوں۔ لیکن ان چار سے

---

(1).....مغنی المحتاج: ۱/ ۵۸، المغنی: ۱/ ۷۱۔ (2) البجیرمی علی الخطیب: ۲۴۸/۴۔ (3) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور پانچ اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ یہ عبداللہ بن المغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۲۸/۸) (4) تکملۃ فتح القدیر: ۵۹/۸ وما بعدھا، تبیین الحقائق: ۲۹۰/۵ وما بعدھا، الدر المختار: ۲۰۷/۵ ومابعدھا، اللباب شرح الکتاب: ۲۲۷/۳۔

ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے جانور کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا۔ ان کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

''جس چیز سے چاہو خون بہاؤ۔'' ❶ ایک اور روایت میں ہے: ''جس چیز سے چاہو رگیں کاٹو۔'' ❷ اور اس لئے بھی کہ یہ زخمی کرنے والے آلات ہیں۔ ان سے مقصود.....یعنی خون نکالنا حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہڈی وغیرہ بھی پتھر اور لوہے کی طرح ہوئیں۔

اگر ناخن اور ہڈی اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہو تو ان سے ذبح کرنا بالا جماع جائز نہیں۔ اگر چہ خون بہہ جائے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں اس پر نص وارد ہوئی ہے۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ والی حدیث میں دانت اور ناخن کا استثناء ان دانتوں اور ناخنوں پر محمول ہے جو اپنی جگہ پر لگے ہوئے ہوں۔ جسم سے الگ نہ ہوں۔ اس لئے کہ جسم کے ساتھ لگے ہو ناخن وغیرہ دھار کی وجہ سے نہیں بلکہ بوجھ اور زور کی وجہ سے کاٹتے ہیں۔

جس طرح ناخن وغیرہ سے ذبح مکروہ ہے اسی طرح لوہے اور ہتھیار کے ہوتے ہوئے بلا ضرورت کسی اور چیز سے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس طرح بلا فائدہ جانور کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور پہلے ایک حدیث میں اچھی طرح ذبح کرنے اور قتل کرنے کا حکم گزر چکا ہے۔

۲۔ مالکیہ.....مالکیہ ❸ فرماتے ہیں کہ اگر لوہا یعنی زخمی کرنے والا آلہ چھری وغیرہ ❹ موجود ہو تو وہی متعین ہے۔ اور اگر لوہے کے علاوہ پتھر اور شیشہ وغیرہ ہوں اور ان کے ساتھ ناخن اور دانت بھی۔ تو ایسی صورت میں ناخن اور دانت سے ذبح کرنے کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے چار قول ہیں:

اول.....مطلقاً جائز ہے چاہے ساتھ لگے ہوئے ہوں یا الگ ہوں۔

دوم.....مطلقاً منع ہے اور ان سے ذبح کیا ہوا نہیں کھایا جائے گا۔

سوم.....جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہوں تو ناجائز۔ الگ ہوں تو جائز۔

چہارم.....دانت سے مطلقاً مکروہ ہے اور ناخن سے مطلقاً جائز۔

اگر دانت اور ناخن کے علاوہ کچھ نہ ملے تو ان سے ذبح کرنا یقینی طور پر جائز ہے۔ اگر ہڈی کے تیز دھار ٹکڑے سے ذبح کر لیا تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

۳۔ شافعیہ اور حنابلہ.....شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں: ❺ ہر اس دھاری دار چیز سے ذبح کرنا جائز ہے جو اپنی دھار سے کاٹتی یا پھاڑتی ہو.....نہ کہ وزن سے۔ جیسے لوہا، تانبا، سونا، لکڑی، بانس، پتھر اور شیشہ۔ سوائے ناخن اور دانت کے اور شافعیہ کے نزدیک تمام ہڈیوں کے چاہے ملی ہوئی ہوں یا الگ ہوں، آدمی کی ہوں یا کسی اور کی۔ اس لئے کہ دانت سے ذبح کرنے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ہڈی ہے۔ تو جس ہڈی میں بھی یہ علت پائی جائے گی وہ ممنوع ہوگی۔ حنابلہ نے ہڈی سے ذبح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ❻ دانت اور ناخن کے بارے میں

---

❶ .....یہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں جو کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہیں۔ حدیث یوں ہے۔ ''انھر الدم بما شئت واذکر اسم اللہ۔'' (نصب الرایۃ: ۴/۱۸۷) ❷ یہ حدیث غریب ہے جیسا کہ علامہ زیلعی نے فرمایا ہے۔ اسی معنی میں ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ''کل ما اضری الا وداج الا سناً وظفراً۔'' ❸ الشرح الکبیر: ۲/۱۰۷، الشرح الصغیر: ۲/۱۷۸، بدایۃ المجتھد: ۱/۴۳۳، القوانین الفقھیۃ: ص ۱۸۳۔ ❹ السکین: یہ مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔ ❺ مغنی المحتاج: ۴/۲۷۲ وما بعدھا المھذب: ۱/۲۵۲، المغنی: ۸/۵۷۳ وما بعدھا، کشاف القناع: ۶/۲۰۳۔ ۲۰۵۔ ❻ اس لئے کہ اباحت والے عام الفاظ میں ہڈی بھی داخل تھی۔ پھر دانت اور ناخن کو بطور خاص مستثنیٰ کیا۔ اس طرح جن چیزوں سے ذبح مباح ہے ان میں ہڈیاں بھی داخل ہو گئیں۔ اور منطوق تعلیل پر مقدم ہے۔ اسی لئے ناخن کی علت یہ بتائی کہ یہ حبشیوں کی چھری ہے۔ اور اس لئے بھی کہ تمام عمومی احادیث میں ہڈیاں شامل ہیں اس سے مقصود حاصل ہو گیا۔ یہ تمام آلات کے مشابہ ہوں گی۔

میں انہوں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ اور مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ میں موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہے اور ہمارے پاس ❶ چھریاں نہیں ہیں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہوا ہو اس کھالو۔ سوائے دانت یا ناخن کے۔ میں آپ کو ان کے بارے میں بتاتا ہوں۔ جہاں تک دانت کا تعلق ہے وہ تو ہڈی ہے۔ اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔" ❷

کند چھری سے ذبح...... اگر کند چھری سے ذبح کیا جائے تو شافعیہ کے نزدیک دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ایک یہ کہ کاٹنے میں ذبح کرنے والے کی قوت کی ضرورت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جانور کے حرکت مذبوح تک پہنچنے سے پہلے ہی سانس اور کھانے کی نالیاں کٹ جائیں۔ حنابلہ کا قول بھی ان کے قریب ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آلہ کند ہو اور حیوان کو ذبح کرتے کرتے دیر لگ جائے اور اسے زیادہ وقت تک تکلیف پہنچے تو اس کو کھانا مباح نہیں۔ اس لئے کہ یہاں حلال کرنے والی چیز کے پائے جانے کے بارے میں شک پڑ گیا۔

خلاصہ...... خلاصہ یہ کہ جمہور نے ہڈی سے ذبح کرنے کی اجازت دی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اس سے ذبح کرنا حرام ہے۔ دانت اور ناخن کے بارے میں حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جو جسم سے الگ ہوں ان سے ذبح کرنا جائز ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان سے ذبح کرنا حرام ہے چاہے جسم سے ملے ہوئے ہوں یا الگ ہوں۔ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حالت انفصال میں ان سے ذبح کو جائز اور حالت اتصال میں ناجائز کہا ہے۔ یعنی حنفیہ کی طرح۔

چوتھی بحث: ذبح کئے جانے والا جانور...... اس بحث میں وہ مسائل اجمالی طور پر بیان کئے جائیں گے جو ذبح سے متعلق ہیں۔ تفصیل الاطعمہ والاشربۃ (کھانے پینے کی چیزوں کے بیان) میں گزر چکی ہے۔

خشکی کے کھائے جانے والے جانور کھانے کے لئے اس وقت حلال ہوں گے جب انہیں ذبح کیا جائے۔ ذبح کے بغیر انہیں کھانا حلال نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ......المائدہ: ۵/ ۳

اللہ تعالیٰ نے حرام جانوروں میں سے ذبح کئے جائے والے جانور مستثنیٰ کئے ہیں۔ اور حرام سے استثناء اباحت کے لئے آتا ہے۔

ذبح کے اعتبار سے حیوان کی تین قسمیں ہیں۔ آبی حیوانات، بری حیوانات اور برآبی (بری، آبی) اس لئے کہ ان میں سے بعض ذبح کئے بغیر کھائے جاتے ہیں۔ بعض ذبح کر کے کھائے جاتے ہیں اور بعض نہیں کھائے جاتے اگرچہ ذبح کردیئے جائیں۔

پہلی قسم: آبی حیوانات...... وہ جانور جو صرف پانی میں رہتے ہیں۔ ان کے کھانے کے بارے میں علماء کی دو رائیں ہیں۔

---

❶...... مدی مدیہ کی جمع ہے یہ چھری کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حیوان کی مدی یعنی عمر کو کاٹتی ہے۔ اور دشمن کے مقابلے سے مراد یہ ہے کہ مال غنیمت کے جانور ذبح کرنے پڑیں گے یا ذاتی طور پر قوت حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کر کے کھائیں گے۔ ❷ اس پر ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیق لکھی ہے فرماتے ہیں (بدایۃ المجتھد: ۱/ ۴۳۳) بعض لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں طبعی لحاظ سے عام طور پر خون نہیں بہاتیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شرع غیر معلل ہے۔ ان میں سے بعض کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس میں نہی منہی عنہ کے فساد پر دلالت کرتی ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ نہی منہی عنہ کے فساد پر دلالت نہیں کرتی۔ بعض کہتے ہیں کہ نہی کراہت کے لئے ہے۔

حنفیہ کا مذہب......حنفیہ کا مذہب (۱) یہ ہے کہ مچھلی کے سوا تمام آبی جانور حرام ہیں۔ مچھلی حلال ہے۔ اور اسے ذبح کئے بغیر کھانا جائز ہے۔ سوائے طافی مچھلی (۲) یعنی پانی پر تیرنے والی مردہ مچھلی کے۔ اگر وہ مرگئی اور پانی پر تیرنے لگی تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ان کی دلیلیں بہت سی ہیں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ......المائدہ: ۵/۳

''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ......الاعراف: ۷/۱۵۷

اور (وہ نبی) ان کی لئے گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

مچھلی کی علاوہ تمام آبی جانور مینڈک، کیکڑے، سانپ وغیرہ گندے اور خبائث میں شامل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک سے بنی دوا سے اور مینڈکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (۳) یہ ان کو کھانے کی نہی ہے۔ اس لئے کہ حیوان کو قتل کی ممانعت یا تو اس کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے آدمی اور یا اس کے حرام ہونے کی وجہ سے جیسے لٹورا پرندہ (۴) اور ہدہد۔ چونکہ مینڈک محترم تو ہے نہیں۔ اس لئے ممانعت کی وجہ دوسری ہوگی۔ یعنی حرام ہونا۔

طافی مچھلی یعنی پانی پر تیرتی مردہ مچھلی کے حرام ہونے پر دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے: ''جس (مچھلی) کو سمندر باہر ڈال دے یا چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائے اسے کھاؤ اور جو سمندر میں مر کر سطح پر آ جائے اسے نہ کھاؤ'' (۵)

۲۔ **جمہور کا مذہب**......حنفیہ کے علاوہ جمہور کا مذہب یہ ہے (۶) کہ وہ آبی جانور جو پانی سے باہر زندہ نہیں رہ سکتے سب حلال ہیں جیسے کیکڑا، آبی سانپ، کتا اور خنزیر وغیرہ۔ یہ جانور بغیر ذبح کئے مباح ہیں۔ ان کی موت جس طرح بھی واقع ہوئی ہو۔ خود بخود مرے ہوں یا کسی ظاہری سبب سے۔ جیسے پتھر ٹکرانے سے یا شکاری کے مارنے سے۔ اور ٹھہرے ہوئے ہوں یا پانی کی سطح پر تیر رہے ہوں۔ ان کو پکڑ لینا ہی ذبح کرنا ہے۔ لیکن اگر پانی پر تیرتا ہوا مردہ جانور پھٹ گیا ہو اور اس سے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا۔

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آبی خنزیر مکروہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم اسے خنزیر کا نام دیتے ہو۔

امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آبی انسان اور آبی خنزیر کسی صورت نہیں کھائے جا سکتے۔

---

(۱)......البدائع: ۵/۳۵۔۳۹، تبیین الحقائق: ۵/۲۹۴۔۲۹۷، تکملۃ الفتح: ۸/۶۱۔۶۵، الدر المختار: ۵/۲۱۴۔۲۱۷، اللباب: ۳/۲۲۸۔۲۳۱۔ (۲) الطافی علی وجہ الماء: یعنی وہ مچھلی جو طبعی موت مر جائے اور اس کا پیٹ اوپر ہو جائے یعنی الٹی ہو جائے۔ اگر اس کی پیٹھ اوپر ہو تو وہ طافی نہیں ہے اسے کھایا جائے گا۔ اسی طرح طافی مچھلی کے پیٹ والی مچھلی بھی کھائی جائے گی اس لئے کہ اس کی موت جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ علامہ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مچھلی کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جو کسی آفت یعنی سبب کی وجہ سے مری وہ کھائی جائے گی اور جو اس کے بغیر مری وہ نہیں کھائی جائے گی۔ اور جو پانی کی گرمی سردی سے مر گئی ہو یا پانی میں کچھ ڈالنے سے مر گئی ہو تو یہ بھی آفت اور سبب کی صورتیں ہیں۔ (ردالمحتار: ۵/۲۱۶) (۳) امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک طبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کو دوا میں ڈالنے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (نصب الرایۃ: ۴/۲۰۱) (۴) موٹے سر، سفید پیٹ اور سبز پیٹھ والا پرندہ جو چڑیاں شکار کرتا ہے۔ (۵) اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ ضعیف حدیث ہے۔ (نصب الرایہ: ۴/۲۰۲، تخریج احادیث تحفۃ الفقہاء: ۳/۷۰) (۶) بدایۃ المجتہد: ۱/۴۲۵، ۴۵۶، القوانین الفقہیہ: ص ۱۷۱۔۱۸۱، مغنی المحتاج: ۴/۲۶۷، ۲۹۷، المہذب: ۱/۲۵۰، المغنی: ۸/۶۰۶، کشاف القناع: ۶/۲۰۲۔

جمہور نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ المائدہ:۵/۹۶

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تا کہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے۔

لفظ ''الصید'' مچھلی کو چھوڑ کر دوسرے آبی حیوانات کے لئے ہے۔ اس لئے یہ سب حلال ہوں گے۔ اسی طرح اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔'' ❶ ایک اور حدیث میں ہے: ''ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: دو مردے یعنی ٹڈی اور مچھلی اور دو خون یعنی جگر اور تلی۔'' ❷ اور ''اللہ تعالیٰ نے سمندر والے جانور بنی آدم کے لئے ذبح کر دیئے ہیں۔'' ❸ اسی طرح شیخین اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عنبر ❹ والی صحیح حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو سمندر کے کنارے ایک مردہ جانور ملا۔ وہ ایک مہینے تک اس میں سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ فربہ اندام اور صحت مند ہو گئے۔ اس میں سے کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی لے کر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔'' ❺ اور اس لئے بھی کہ آبی جانوروں میں خون نہیں ہوتا۔

دوسری قسم: خشکی کے جانور...... بری جانور وہ ہوتے ہیں جو صرف خشکی میں رہ سکیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔

اول..... جن میں خون بالکل نہیں ہوتا۔ جیسے ٹڈی، مکھی، چیونٹی، شہد کی مکھی، کیڑے، بھڑ، مکڑی، گبریلا، جھینگر، بچھو، زہریلے حشرات وغیرہ۔ ان میں سے ٹڈی کے علاوہ کسی کو کھانا جائز نہیں اس لئے کہ یہ گندی اور جی کو اچھی نہ لگنے والی ہیں۔ سلیم الطبع لوگ ان سے دور رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الاعراف:۷/۱۵۷

''اور (وہ نبی) ان کے لئے گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔''

لیکن ٹڈی اور اس جیسے جندب (ٹڈی کی ایک قسم جسے عموماً قبوط کہا جاتا ہے) کو مذکورہ حدیث کی وجہ سے ان سب سے خاص کر لیا گیا ہے۔ ''ہمارے لئے دو مردار حلال کئے گئے ہیں..... وہ دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں۔''

مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ ٹڈی کو ذبح کیا جائے یا اس کی موت کسی سبب سے ہوئی ہو جیسے اس کا کوئی عضو کاٹنے سے، جلانے سے یا گرم پانی میں ڈالنے سے۔ جیسا کہ ذبح کی قسموں کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ بری جانور جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ان کو بھی ذبح کرنا مالکیہ کی نزدیک ضروری ہے۔ حنابلہ کی نزدیک ٹڈی کو زندہ نگل جانا مکروہ ہے۔ اس لئے اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک مچھلی کو بھی زندہ نگلنا حرام ہے۔ ❻

دوم..... جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا۔ جیسے سانپ یربوع (ایک قسم کا چوہا جس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے چھوٹی ہوتی ہیں)، چھپکلی

---

❶..... اس کو خمسہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (سبل السلام: ۱/۱۴، نیل الاوطار: ۸/۱۴۹) ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور دار قطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس میں ضعف ہے۔ (سبل السلام: ۱/۲۵، نیل الاوطار: ۸/۱۴۷)۔ ❸ اس کو دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابی شریح پر موقوفاً ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ''کل شئی فی البحر مذبوح۔'' (نیل الاوطار: ۸/۱۵۰) ❹ تقریباً ۶۰ قدم لمبی، موٹے سر اور دانتوں والی مچھلی۔ ❺ اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب الکتب الستہ نے روایت کیا۔ (جمع الفوائد: ۱/۵۴۲، نصب الرایۃ: ۴/۲۰۴) ❻ البدائع: ۵/۳۶، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۲۵، القوانین الفقہیہ: ص ۱۸۱، مغنی المحتاج: ۴/۳۰۳، المغنی: ۵۷۳، ۵۸۵، ۵۹۰، کشاف القناع: ۶/۲۰۲۔

اوراس کی تمام اقسام، گرگٹ، (1) تمام حشرات، چوہا، چیچڑی (چھوٹا سا کیڑا جو اونٹ کے ساتھ لگا ہوتا ہے جیسے انسان کے ساتھ جوئیں)، سہی، گوہ، نیولا، کیڑا وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ گندے ہونے کی وجہ سے خبائث میں شامل ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ یہ زہریلے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم بھی فرمایا ہے۔ (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”برے جانور حرم اور حرم سے باہر ہر جگہ قتل کئے جائیں گے: سانپ، (3) سیاہ وسفید کوا، چوہا، کاٹنے والا کتا اور چیل۔“ ایک روایت میں کوے کی جگہ بچھو آیا ہے۔ (4)

حنفیہ کے نزدیک اور ایک قول میں مالکیہ کے نزدیک گوہ حرام ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (5)

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک گوہ مباح ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ کھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقریر فرما دی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: نہیں۔ یعنی حرام نہیں ہے۔ لیکن یہ ہمارے علاقے میں نہیں ہے اس لئے مجھے یہ اچھی نہیں لگتی۔ (6) مالکیہ نے سنکھ کو مباح کہا ہے جب کہ وہ ابالی جائے یا بھونی جائے۔ وہ نہیں جو اکیلے میں مر جائے۔

شافعیہ کے نزدیک سہی، نیولے، لومڑی، یربوع (ایک قسم کا چوہا جس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے چھوٹی ہوتی ہیں) فنک (7) (لومڑی کی طرح کا حیوان جس کی جلد سے پوستین بناتے ہیں) اور سمور (بلی جیسا ایک جانور) مباح ہیں۔ اس لئے کہ عرب ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور عرب (اہل حجاز) جس کو اچھا اور طیب سمجھیں وہ حلال ہے۔ اور جس کو وہ برا اور خبیث سمجھیں وہ حرام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اعراف:۷/۱۵۷

”اور (وہ نبی) ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیا۔“

سوم......جن میں بہنے والا خون ہو ان کی دو قسمیں ہیں: گھریلو اور جنگلی۔

گھریلو جانور......ان میں سے مویشی یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں بالاجماع حلال ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ النحل:۱۶/۵

”اور مویشی اسی نے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں اور انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔“

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ المائدہ:۵/۱

”تمہارے لئے وہ چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں جو مویشیوں میں داخل (یا ان کے مشابہ ہوں) سوائے ان کے

---

(1)......مینڈک کے جسم جیسا رینگنے والا جانور اس کی دم بھی ہوتی ہے۔ اس کو سام ابرص (گرگٹ) کہتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی بڑی چھپکلی ہے۔ (2) البدائع: ۵/۳۶، بدایۃ المجتہد: ۱/۴۵۴، مغنی المحتاج: ۴/۲۹۹، ۳۰۳، المغنی: ۸/۵۸۵، ۶۰۳، القوانین الفقہیہ: ص ۱۷۲۔ (3) مالکیہ کی کتاب الجواہر میں ہے: مذہب کے مخالفین کے گندے جانور مثلاً کیڑے مکوڑے اور حشرات کو کھانے کا جواز نقل کر دیا ہے حالانکہ مذاہب اس کے برعکس ہے۔ شافعی: نے انہیں گندے ہونے کی وجہ سے حرام کہا ہے۔ (القوانین الفقہیہ: ص ۱۷۳) (4) اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ آخری روایت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ (5) علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”غریب“ ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا۔ لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ (النصب الرایۃ: ۴/۱۹۵) النصب (گوہ) رینگنے والا ایک جانور۔ (6) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی کے علاوہ ائمہ ستہ نے روایت کی ہے۔ (جمع الفوائد لابن سلیمان الرودانی: ۱/۵۵۰) (7) الفنک: ایک جانور جس کی جلد سے پوستین بناتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ نرم اور ہلکی ہوتی ہے۔ السمور: بلے سے ملتا جلتا ایک جانور۔ یہ دونوں جانور ترکوں کے لومڑوں کی قسمیں ہیں۔

جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا''

خچر اور گدھے کو کھانا حرام ہے۔گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔❶

اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی۔❷ اور خچر گھوڑے سے پیدا ہوتا ہے۔لہٰذا اسی کے حکم میں ہوگی۔اسی طرح شافعیہ کے نزدیک گھریلو اور جنگلی جانور سے پیدا ہونے والے جانور حرام ہیں۔اس لئے کہ حرمت کو غالب رکھا جاتا ہے۔حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ ایسے جانور حرام نہیں۔اس لئے کہ اباحت اصل ہے وہی غالب رہے گی۔قرآن وحدیث کا عموم بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑا سواری اور جہاد کے کام آتا ہے۔علاوہ ازیں اس کے حلال حرام ہونے کے بارے میں احادیث میں اختلاف ہے۔اس لئے احتیاطاً مکروہ ہوگا۔❸ مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ گھوڑا حرام ہے۔

گھریلو پرندے جن کے شکاری پنجے نہیں ہوتے۔ذبح سے بالاجماع حلال ہوجاتے ہیں۔جیسے مرغی، کبوتر، شتر مرغ، بطخ، مرغابی۔

گھریلو درندے حرام ہیں جیسے کتا، بلی۔❹

جنگلی جانور......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جمہور کی نزدیک کچلیوں والے تمام درندے اور شکاری پنجوں والے تمام پرندے حرام ہیں۔اس لئے کہ یہ مردار کھاتے ہیں۔

کچلیوں والے جنگلی درندے یہ ہیں: شیر، بھیڑیا، بجو، چیتا، تیندوا، لومڑی، خشکی کا بلا، سنجاب (چوہے سے بڑا ایک جانور جس کی دم اوپر کو اٹھی ہوتی ہے اور اس کی کھال سے پوستین بنتی ہے۔) فنک، سمور، ریچھ، بندر، ہاتھی، نیولا (دلق)❺، گیدڑ۔

شکاری پنجوں والے پرندے یہ ہیں: باز، شکرہ، شاہین، چیل، الو، کوے کا بچہ، غراب البین (سب سے بڑا سفید وسیاہ کوا) گدھ، عقاب خطاف (کالی پیٹھ اور سفید پیٹ والا پرندہ جو موسم بہار میں گھروں میں آجاتا ہے۔اس کو سنونو (ابابیل) بھی کہتے ہیں)، چمگاڈر وغیرہ۔❻

شافعیہ کے نزدیک طوطا اور مور حرام ہیں اس لئے کہ ان کے گوشت میں خبث ہوتا ہے۔اسی طرح ان کے نزدیک ھد ھد اور لٹورا (چڑیا سے بڑا پرندہ جو چڑیاں شکار کرتا ہے) بھی حرام ہیں۔حنابلہ کے ہاں ہدہد اور لٹورے کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

---

❶......البدائع: ۳۷/۵ و ما بعد، بداية المجتهد ۴۵۵/۱، الشرح الكبير: ۴۹/۱، القوانين الفقهيه: ص ۱۷۲، مغنى المحتاج: ۲۹۸/۴ وما بعدها، المغنى: ۵۸۶/۸ ومابعدها ❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے ہاں متفق علیہ ہے۔ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ گھریلو گدھوں کی حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ؛ براء رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ اور زاہر اسلمی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔روایات کی اسناد صحیح حسن ہیں۔غالب بن ابجر والی حدیث ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔(نصب الرایہ: ۱۹۸/۴، المغنی: ۵۸۷/۸) ❸ صحیحین میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مدینے میں ہم نے گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔گھوڑوں کو گوشت کھانے سے ممانعت والی حضرت خالد رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منکر ہے اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منسوخ ہے۔گھوڑوں کا گوشت کھانے کی حرمت پر اس آیت ''لتركبوها وزينة'' استدلال مردود ہے۔جیسا کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔اس لئے کہ آیت بالاتفاق مکی ہے۔اور گدھوں کا گوشت بالاتفاق سات ہجری کو خیر والے دن حرام ہوا۔❹ البدائع: ۳۹/۵، مغنى المحتاج: ۳۰۰/۴، ۳۰۲، المغنى: ۵۹۲/۸، القوانين الفقهيه ص ۱۷۲، المهذب: ۲۴۸/۱ وما بعدها۔❺ الدلق: ایک حیوان جو جسم میں بلے جتنا ہوتا ہے۔اس کا رنگ زرد ہوتا ہے اور پیٹ اور گردن سفیدی مائل ہوتے ہیں۔❻ البدائع: ۳۹/۵، تكملة الفتح: ۶۱/۸ و ما بعدها، بداية المجتهد: ۴۵۳/۱ وما بعدها، القوانين الفقهيه: ص ۱۷۲، مغنى المحتاج: ۳۰۰/۴، المهذب: ۲۴۷/۱ وما بعدها، المغنى: ۵۸۷/۸۔۵۹۳، ۶۰۳، اللباب: ۲۲۹/۳ وما بعدها۔

ایک یہ کہ یہ دونوں حلال ہیں۔ اس لئے کہ یہ شکاری پنجوں والے نہیں ہیں، ورنہ ہی طبیعت ان کو برا سمجھتی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ دونوں حرام ہیں۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدہد، لٹورے، چیونٹی اور شہد کی مکھی کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

کچلیوں اور پنجوں والے جانوروں کی حرمت پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن تمام کچلیوں والے درندوں اور جنگل والے پرندوں سے منع فرمایا۔ ❶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ چار پاؤں والے درندے مکروہ ہیں۔ ان کے نزدیک یہی راجح ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک سب حرام ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب حرمت کے قائل ہیں۔ پرندے مالکیہ کے نزدیک تمام حلال ہیں۔ چاہے پنجوں والے ہوں یا نہ ہوں۔ ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ ......الانعام: ۶ / ۱۴۵

(اے پیغمبر! ان سے) کہو: ''جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو۔''

لہٰذا اس آیت میں درج جانوروں کے علاوہ سب حلال ہوں گے۔ اور حدیث میں جس نہی کا ذکر ہے وہ کراہت پر محمول ہے۔

شافعیہ نے کچلیوں والے درندوں کے حرام ہونے کے لئے ایک اور قید لگائی ہے وہ یہ کہ وہ جانور عادی شکاری ہو اور اس کی کچلیاں مضبوط ہوں۔ اسی طرح پنجوں والی پرندوں کے پنجے بھی اتنے مضبوط ہوں کہ زخمی کر سکیں۔ اس لئے انہوں نے کمزور کچلیوں والے جانوروں کو مباح قرار دیا ہے جیسے بجو، لومڑی، فنک، سمور اور یربوع۔ زیادہ صحیح یہی ہے کہ کھیتی کا کوا (چھوٹا اور کالا کوا جس کو زاغ کہتے ہیں۔) ان کے نزدیک حلال ہے اس لئے کہ وہ کھیتی کھاتا ہے۔

حنابلہ نے بھی بجو کھانے میں گنجائش رکھی ہے۔ اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بجو کھانے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا'' کیا یہ شکار ہے؟'' فرمایا'' ہاں۔'' اور یوں بھی آیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وہ شکار ہے۔ اگر اس کو محرم شکار کرلے تو اسکے بدلے میں مینڈھا دینا ہوگا۔'' ❷ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عکرمہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بجو کے بارے میں رخصت منقول ہے۔ عروہ فرماتے ہیں کہ عرب بجو کھاتے رہے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یربوع کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ اصل اباحت ہے جب تک کہ حرمت وارد نہ ہو۔

کچلیوں والے اور پنجوں والے جنگلی جانوروں کے علاوہ باقی حلال ہیں۔ جیسے ہرن، جنگلی گائے، گورخر کی مختلف قسمیں جیسے پہاڑی بکرا اور نیل گائے وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ گھریلو بکری کی طرح ہیں اور پاکیزہ ہیں۔ اور صحیحین کی حدیث میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگلی گائے کے بارے میں فرمایا:'' اس کا گوشت کھاؤ'' اور خود بھی تناول فرمایا۔

خرگوش کھانا مباح ہے۔ اس لئے کہ یہ پاکیزہ اور طیب جانور ہے۔ ہرن کی طرح یہ بھی کچلیوں والا نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھانا مباح قرار دیا ہے۔ ❸

---

❶......اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴ / ۱۹۲ وما بعدھا، نیل الاوطار: ۸ / ۱۱۶) ❷ سنن ابو داؤد (نیل الاوطار: ۸ / ۱۲۱) ❸ حضرت محمد بن صفوان سے مروی ہے کہ انہوں نے دو خرگوش شکار کئے اور انہیں دو مروہ پتھروں سے ذبح کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہیں کھانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ انہوں نے مرالظہر ان میں ایک خرگوش پکڑا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کا کچھ گوشت دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ (نیل الاوطار: ۸ / ۱۲۱)

اسی طرح جنگلی پرندوں میں سے جن کے پنجے نہیں ہوتے وہ سب مباح ہیں۔ جیسے کبوتر اور اس کی تمام اقسام، سرخاب (مرغی سے بڑا ایک پرندہ جس کی گردن لمبی ہوتی ہے)، چڑیاں، سارس (مشہور بڑا پرندہ جس کی کنیت ابونعیم ہے، زمین پر ایک ٹانگ سے چلتا ہے۔ اور دوسری کو لٹکائے رکھتا ہے)، کوا جو کھیتی ❶ اور اناج کھاتا ہے (جسے زاغ کہتے ہیں)، اور ہر وہ جانور جس کی شکل چڑیا جیسی ہو۔ اگر چہ اس کا رنگ اور قسم مختلف ہو جیسے بلبل، صعوۃ (لال سر والی چھوٹی چڑیاں) زرزور (سرخ ناک والی چھوٹی سی چڑیا)، بلبل اور حمرۃ (ایک قسم کا پرندہ)۔

صحیح قول کے مطابق حنفیہ کے نزدیک عقعق کھانا جائز ہے (قعقع/قاق: یہ دو رنگا سیاہ وسفید پرندہ ہوتا ہے جس کی دم لمبی ہوتی ہے، پر چھوٹے ہوتے ہیں، آنکھیں پارے سے ملتی جلتی ہیں، اس کی آواز عقعقہ ہے، عرب اس کی آواز سے بدفالی لیتے ہیں) اس لئے کہ یہ اناج اور مردار دونوں کھاتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ حرام ہے۔ اسی طرح غداف کبیر بھی حرام ہے۔ (اس کو پہاڑی کوا بھی کہتے ہیں اس لئے کہ یہ پہاڑوں میں بھی رہتا ہے) یہ دونوں اس لئے حرام ہیں کہ یہ گندے اور خبیث ہیں۔ شافعیہ نے غداف صغیر (یہ سیاہ خاکستری رنگ کا ہوتا ہے) میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور بعض اس کے حلال ہونے کے قائل ہیں۔ یہی راجح ہے۔ اس لئے کہ وہ کھیتی کھاتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک عقعق حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ مردار خور ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مردار نہ کھائے تو کوئی حرج نہیں۔

تیسری قسم۔ برآبی جانور..... یعنی وہ جانور جو خشکی میں بھی رہتے ہیں اور پانی مین بھی۔ جیسے مینڈک، کچھوا، کیکڑا، سانپ، گھڑیال، آبی کتا وغیرہ۔ ان کے بارے میں تین آراء ہیں۔ ❷

۱۔ حنفیہ اور شافعیہ..... حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں ❸ کہ یہ جانور حلال نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ خبائث میں شامل ہیں۔ سانپ میں تو زہر بھی ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ❹ اگر یہ حلال ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل سے منع نہ فرماتے۔

۲۔ مالکیہ..... مالکیہ فرماتے ہیں ❺ کہ مینڈک، حشرات، کیکڑے اور کچھوے مباح ہیں۔ اس لئے کہ ان کی حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ حرام وہ خبائث ہوتے ہیں جن کو شریعت خبائث قرار دے۔ جو صرف نفس کو برے لگیں وہ حرام نہیں جب تک کہ نص وارد نہ ہو۔

۳۔ حنابلہ..... حنابلہ فرماتے ہیں کہ آبی جانور میں سے جو خشکی میں رہتے ہیں وہ ذبح کئے بغیر حلال نہیں ہوتے۔ جیسے آبی پرندہ، کچھوا، آبی کتا۔ البتہ اگر اس میں خون نہ ہو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر ذبح کے مباح ہیں جیسے کیکڑا۔ اس لئے کہ یہ آبی جانور ہے جو کہ خشکی کی میں بھی زندہ رہ جاتا ہے۔ اور اس میں بہنے والا خون بھی نہیں۔ اس لئے اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس جن میں خون موجود ہو وہ ذبح کے بغیر مباح نہیں ہوں گے۔

لیکن اصح بات کہ وہ ہے جو شرح المقنع لابن مفلح الحنبلی (۹/ ۲۱۴) میں لکھی ہے کہ کیکڑا ذبح کیے بغیر حلال نہیں ہوتا۔

---

❶ ..... عنایہ میں ہے کہ حنفیہ کی نزدیک کوے کی تین قسمیں ہیں: جو صرف اناج کھائے، گندگی بالکل نہ کھائے اس کو زاغ کہتے ہیں۔ یہ مباح ہے مکروہ نہیں۔ دوسری قسم جو صرف گندگی کھائے۔ اس کو ابقع کہتے ہیں یہ مکروہ ہے۔ تیسری قسم جو کبھی اناج کھائے اور کبھی گندگی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ❷ اللباب شرح الکتاب: ۳/ ۲۳۰۔ تکملة الفتح: ۸/ ۶۲ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۹۸، المھذب: ۱/ ۲۵۰۔ ❸ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق راہویہ رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن عثمان التیمی سے روایت کی ہے۔ (نصب الرایة: ۴/ ۲۰۱) ❹ بدایة المجتھد: ۱/ ۴۵۶، القوانین الفقھیه: ص ۱۷۲۔ ❺ المغنی: ۸/ ۶۰۶ ومابعدھا، کشاف القناع: ۶/ ۲۰۲۔

مینڈک کھانا مباح نہیں ہے۔اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا ہے(سنن نسائی) یہ اس کے حرام ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اسی طرح گھڑیال بھی مباح نہیں۔

ضمیمہ: جدید ذبح خانوں میں ذبح کے جدید طریقے...... جانوروں کو قابو کرنے کے لئے انہیں تکلیف پہنچائے بغیر جدید وسائل استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ ❶ بناء بریں اسلام میں بے ہوش کرنے کے جدید طریقوں کا استعمال جائز ہے۔بشرطیکہ ان کی وجہ سے جانور ذبح سے پہلے ہی نہ مرجاتا ہو۔جیسے جانور ذبح کرتے وقت کاربن ڈائی اکسائیڈ استعمال کرنا، جب کہ غالب گمان یہ ہو کہ ذبح کے وقت طبعی زندگی موجود تھی۔وجہ یہ ہے کہ اس سے جانوروں کو تکلیف نہیں ہوتی۔

ریوالور سے جانور کو زمین پر گرانا جائز نہیں۔اسی طرح کسی وزن دار چیز مثلاً لکڑی، اسلحہ، لاٹھی وغیرہ سے یا بجلی کے کرنٹ سے یا بے ہوش کرنے کے کسی اور غیر مضر طریقے سے گرانا بھی جائز نہیں۔اس لئے کہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔لیکن مذکورہ طریقوں کے استعمال کے باوجود ذبح کے بعد جانور کو کھانا جائز رہتا ہے۔بشرطیکہ ذبح کے وقت حیات مستقرۃ (شدید حرکت یا خون نکلنا) موجود ہو۔اگرچہ ذبح کے وقت جانور کی حالت یہ ہو کہ اگر اس کو تھوڑی دیر ذبح کئے بغیر چھوڑ دیا جائے تو مرجائے۔اسی طرح چاہے وہ ذرائع بھی استعمال کئے ہوئے ہوں جن کا مقصود ذبح کے عمل کو آسان بنانا ہے۔اگر چوٹ کی وجہ سے دماغ کا عصبی نظام تلف ہوجائے تو مالکیہ کے نزدیک اس کو کھانا مباح نہیں۔اس لئے کہ یہ جانور منفوذ المقاتل ہوگیا ہے یعنی اس کے ان اعضاء میں سے ایک تلف ہوگیا ہے جن پر چوٹ جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔دماغ کا انتشار بھی ایک مقتل ہے۔لیکن ان کے نزدیک اگر اس کا زندہ ہونا ثابت ہوگیا تو کھایا جائے گا۔شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر جانور کو ذبح کرتے وقت اس میں حیات مستقرہ (یعنی اختیاری حرکت جس پر خون کا نکلنا دلالت کرتا ہے یا شدید حرکت) موجود تھی تو اسے کھایا جائے گا۔اسی طرح حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کرنے والے نے تیزی سے رگیں کاٹ لیں تو اسے کھایا جائے گا۔

آج کل ذبح خانوں میں تیز دھار والے اور جلد کاٹنے والے آلات سے ذبح کیا جاتا ہے۔اور ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ ذبح کا عمل بے ہوش کرنے اور گرانے کے عمل سے چند سیکنڈ بعد ہوتا ہے۔

مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک گدی کی طرف سے ذبح کرنے میں کوئی مانع نہیں۔لیکن یہ مکروہ ہے۔اس لئے کہ اس سے حیوان کو تکلیف ہوتی ہے۔ایسے جانور کو کھانا جائز نہیں جس کا خون کسی آلے سے بہہ گیا ہو پھر اس کی طبعی زندگی کا پتہ چلنے سے پہلے ہی ذبح کردیا ہو۔

میں نے پہلے بیان کردیا ہے کہ نصرانی ممالک سے درآمد شدہ ذبیحے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔اگرچہ ان پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔ بشرطیکہ وہ ذبح کئے ہوئے ہوں۔دم گھٹنے سے نہ مرے ہوں اور گردن بھی جدا نہ کی گئی ہو۔بت پرست اور لادین ممالک جیسے جاپان، ہندوستان اور کیمونسٹ ممالک سے درآمد شدہ گوشت حلال نہیں۔اہل کتاب اگر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیں تو ان کا ذبیحہ مکروہ ہے۔مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے ذبیحہ پر تکبیر پڑھ کر استعمال کیا جائے۔شافعیہ اور اہل تشیع اسی طرح کے گوشت کے بارے میں سختی کرتے ہیں اور اسے جائز نہیں سمجھتے۔

کیمونسٹ ممالک میں پڑھنے والے طلباء پر واجب ہے کہ وہ گوشت والے کھانوں سے اجتناب کریں۔اور نباتاتی غذاؤں اور سبزیوں پر اکتفاء کریں۔یا یورپ وغیرہ سے برآمد ہونے والے گوشت کے ڈبوں کو استعمال کریں۔بہر حال اس ممنوع گوشت کا استعمال کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔خاص طور پر خنزیر کے گوشت کا حکم تو ہر ملک میں ایک ہی ہے۔ایسے حالات میں ضرورت کا دعویٰ کرکے جواز پیدا نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے کہ ضرورت کے معنی یہاں نہیں پائے جاتے۔دوسرے کھانے جو شرعاً جائز ہیں......انہیں استعمال کرکے جان ہلاک ہونے سے بچائی جاسکتی ہے۔

---

❶......دیکھئے رسالہ حضارۃ الاسلام دمشق جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۵ ص ۶۲ و مابعد میں شائع ہونے والا فتویٰ۔

دوسری فصل

شکار......اس میں چار مباحث ہیں:

پہلی بحث......شکار کی تعریف، حکم اور مشروعیت۔

دوسری بحث......شکار کے مباح ہونے کی شرطیں۔

تیسری بحث......جن جانوروں کا شکار حرام ہے۔

چوتھی بحث......شکاری شکار کا مالک کب بنے گا؟

پہلی بحث: شکار کی تعریف، حکم اور مشروعیت

شکار کی تعریف......الصید لغوی اعتبار سے صاد کا مصدر ہے۔ اس کا مطلب ہے لینا۔ اس سے اسم فاعل صائد آتا ہے اور اسم مفعول مصید آتا ہے۔ مصید یعنی شکار کئے جانے والے جانور کو ''صید'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع صیود آتی ہے۔

المصید......یعنی شکار کیا جانے والا جانور: یہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو طبعی طور پر وحشی ہو، آدمی سے بچ کر رہتا ہو، چاہے کھایا جانے والا ہو یا نہ ہو۔ اس کو کسی حیلے یا تدبیر کے بغیر نہ پکڑا جا سکتا ہو۔

الصید......ایسے جانور کو شکار کرنا جو حلال ہو، طبعی طور پر وحشی ہو، کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کسی کے قابو میں بھی نہ ہو۔ ❶

شکار کا حکم......شکار کرنے والے کے لئے شکار کرنا بالا جماع مباح ہے۔ بشرطیکہ حرم مکی اور حرم مدنی میں نہ کرے اور اس نے حج یا عمرے کا احرام نہ باندھا ہو۔ شکار اگر شرعی طور پر حلال جانور کا کیا گیا ہے تو اسے کھایا جائے گا۔ ❷ اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا المائدۃ:۵/۲

''اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔''

یہ حکم ممانعت کے بعد ہے۔ اس لئے اباحت کا فائدہ دے گا۔ اسی طرح دیگر آیات میں شکار کے بارے میں ارشاد ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ......المائدہ:۵/۹۶)

''جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ المائدہ:۵/۹۵

''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل نہ کرو۔''

قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ المائدۃ۵/۴

''کہہ دو کہ تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سکھا سکھا کر (شکار کے لئے) سدھا لیا ہو۔''

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنے کتے

---

❶......تبیین الحقائق:۶/۵۰، اللباب:۳/۲۱۷، کشاف القناع:۶/۲۱۱۔ ❷ تبیین الحقائق:۶/۵۰، المغنی: ۸/۵۳۹، ۵۵۱ وما بعدھا، الدر المختار:۵/۳۲۹۔

کو چھوڑیں اور وہ شکار کو پکڑ کر قتل کرلے تو اسے کھاؤ۔ اور اگر کتا شکار میں سے کچھ کھالے تو اسے نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہے۔'' ❶

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ انہیں ایک جنگلی گدھا نظر آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ لیا، اس کے پیچھے دوڑ لگائی اور اسے قتل کردیا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان سے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تمہارا کھانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا ہے۔'' ❷

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی کمان سے جو شکار کرو اور اس پر اللہ کا نام لے لیا ہو تو اسے کھاؤ۔ اور سدھائے ہوئے کتے سے جو شکار کیا ہو اس پر اللہ کا نام لیا ہو اسے بھی کھاؤ۔ اور غیر تربیت یافتہ کتے سے جو شکار کرو اسے ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو اسے بھی کھالو۔ ❸

شکار کرنا اور شکار کھانا مباح ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔

لہو ولعب کے طور پر شکار کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ بے کار اور فضول کام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''کسی زندہ چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔'' ❹ ''جس کسی نے چڑیا کو فضول قتل کیا وہ قیامت کے دن چیختی ہوئی آئے گی اور کہے گی: اے میرے رب! فلاں نے مجھے فضول قتل کیا۔ کسی فائدے کے لئے قتل نہیں کیا۔'' ❺ اور اس طرح کے شکار میں اگر لوگوں پر ظلم بھی شامل ہوجائے کہ ان کی کھیتیاں اور مال تاراج کئے جائیں تو یہ حرام ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ ذرائع اور وسائل کے وہی احکام ہوتے ہیں جو مقاصد کے ہوتے ہیں۔ ❻

شکار سب سے افضل کھانا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا حلال ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ جس طرح کہ زراعت سب سے افضل کمائی ہے۔ اس لئے کہ یہ توکل کے زیادہ قریب ہے، حلال ہونے کے زیادہ قریب ہے، اس میں ہاتھ کی محنت ہوتی ہے اور انسانوں اور حیوانوں کو عام نفع پہنچتا ہے۔ ❼

شکار کی مشروعیت کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ ایک طرح کی کمائی ہے۔ اس کے ذریعے انسان اپنے لئے پیدا کی ہوئی مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تاکہ وہ زندہ رہ سکے اور شرعی احکام پر عمل درآمد کرسکے۔

مالکیہ نے شکار کے احکام کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ❽ ذاتی معاش کے لئے مباح ہے۔ گھر والوں پر وسعت کرنے لئے کیا جائے تو مندوب ہے۔ ضرورت کے وقت اپنی جان بچانے کے لئے واجب ہے۔ کھیل کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔ ویسے ہی فضول شکار کھیلے، کچھ بھی مقصود نہ ہو تو حرام ہے۔ اس لئے کہ حیوان کو بلا فائدہ تکلیف دینا مکروہ ہے۔

دوسری بحث: شکار کے مباح ہونے کی شرطیں...... حنفیہ کے نزدیک شکار کی اباحت کے لئے متعدد شرطیں ہیں۔ ❾ مالکیہ کے نزدیک سولہ شرطیں ❿ ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ ⓫ نے ان کو سات شرطوں میں بیان کیا ہے۔

---

❶......متفق علیہ بین احمد والشخین (نیل الاوطار: ۱۳۴/۸، تلخیص الحبیر: ۱۳۳/۴ وما بعد۔ ❷متفق علیہ۔ ❸متفق علیہ (نیل الاوطار: ۱۳۰/۸) ❹امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ❺اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن الشرید عن ابیہ سے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۱۳۷/۸ وما بعدھا) ❻کشاف القناع: ۲۱۱/۶۔ ❼سابقہ حوالہ۔ ❽القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۵، الشرح الکبیر: ۱۰۸/۲۔ ❾رد المحتار علی الدر المختار: ۳۲۸/۵، تکملۃ الفتح: ۱۷۵/۸، ۱۸۰ وما بعدھا۔ ❿القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۵۔۱۷۸، الشرح الکبیر: ۱۰۳/۲۔۱۰۶ بدایۃ المجتھد: ۴۴۱/۱۔۴۴۸۔ ⓫مغنی المحتاج: ۲۶۶/۴ وما بعدھا، المھذب: ۲۵۳/۱ ومابعدھا، المغنی: ۵۳۹/۸۔۵۴۵، کشاف القناع: ۲۱۴/۶۔۲۲۵۔

یہ شرطیں کچھ شکاری کے لئے ہیں۔ کچھ شکار کے آلے کے بارے میں ہیں اور کچھ شکار کئے جانے والے جانور کے لئے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ شرطیں اس حالت کے لئے ہیں جس میں شکار کو کھانا جائز ہو اور وہ زندہ حالت میں نہ ملا ہو۔ اگر زندہ حالت میں ملا ہو تو اسے ذبح کرنا واجب ہے۔ یہ سب شرطیں بری جانور کے لئے ہیں بحری شکار تو مطلقاً جائز ہے۔ چاہے مسلمان نے کیا ہو یا کافر نے۔ اور جس طرح بھی کیا ہو۔

پہلا مقصد: شکاری کی شرطیں......شکاری کی شرطیں حنفیہ کے نزدیک پانچ ہیں اور مالکیہ کے نزدیک چھ یا سات ہیں۔

۱......شکاری ذبح کا اہل ہو۔ یعنی شرعاً اس کا ذبح کرنا مقبول ہو۔ جیسا کہ ذبائح کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس شرط پر سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا مسلمان کا شکار بالاتفاق جائز ہوگا۔ بت پرست، مرتد، مجوسی اور باطنی کا شکار بالاتفاق ناجائز ہوگا۔ اس لئے کہ شکار کرنا ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔ اور زخمی کرنے والی چیز چھری کی طرح آلہ ہے۔ اور شکاری کا جانور کو زخمی کرنا رگیں کاٹنے کی طرح ہے۔ شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک مجنون کا شکار جائز نہیں۔ اس لئے کہ شکاری ذبح کرنے والے کی طرح ہے اس لئے اس میں اہلیت شرط ہوگی۔ کتابی (یہودی ونصرانی) کا ذبیحہ چاروں مذاہب میں جائز ہے۔ لیکن شافعیہ نے ان کی شکار اور ذبح کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ لگائی ہے کہ یہود کے آباؤ اجداد کا اسلام، جو کہ یہودیت کا ناسخ ہے، کے آنے کے بعد یہودی بننا معلوم نہ ہو۔ اور نصرانی کے آباؤ اجداد کا اسلام سے پہلے نصرانی بننا معلوم ہو۔ اگر کتابی کا باپ مجوسی ہو اور ماں کتابی ہو یا اس کے برعکس ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ والد کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ماں کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ میں سے جس کا ذبیحہ جائز ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا مشرک اور کتابی سے پیدا ہونے والا کتابی کی طرح ہے۔ اس لئے کہ کتابی خفیف اور بہتر ہے۔ اور والدین میں سے نقصان کے اعتبار سے جو زیادہ خفیف ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتابی اور مشرک سے پیدا ہونے والا مشرک کی طرح ہے۔ جیسے کتابی مرد سے مجوسی عورت کا بچہ اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ❶

۲......بھیجتے وقت کوئی ایسا آدمی شریک نہ ہو جائے جس کا شکار حلال نہیں۔ اس شرط پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ پہلی اور دوسری شرط کو ایک بنایا جاسکتا ہے۔ اس شرط کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ جس میں یہ بھی ہے:

مالم یشرکھا کلب لیس معھا

''جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کتا شریک نہ ہو جائے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر شکار میں کوئی دوسرا کتا شریک ہو جائے تو شکار حلال نہیں رہتا۔

اگر مجوسی نے شکار یا ذبح میں مسلمان کو بھی شریک کرلیا یا وہ دونوں دو کتے بھیجنے میں شریک ہو گئے یا دو تیر پھینکنے میں شریک ہو گئے۔ اور مسلمان کا کتا یا شیر آگے نہ نکل سکا۔ دونوں نے شکار کو زخمی کیا۔ یا یہ پتہ نہیں چلا کہ کس نے زخمی کیا ہے۔ تو شکار یا ذبح کیا جانے والا جانور نہیں کھائے جائیں گے۔ اس لئے کہ مباح کرنے والا اور حرام کرنے والا جمع ہو گئے ہیں۔ اس لئے حرام والی جہت احتیاطاً غالب رہے گی۔ کھانے کے معاملے میں چاروں مذاہب کا اصول یہ ہے کہ تحریم کو غالب کرتے ہیں۔ ❷ یہی اصول اس وقت بھی لوگوں ہوگا جب تربیت یافتہ کتا اور غیر تربیت یافتہ کتا شریک ہو جائیں یا ایسے دو کتے شریک ہو جائیں جن میں سے ایک پر بسم اللہ پڑھی ہوئی ہو اور دوسرے پر جان بوجھ کر نہ پڑھی ہو۔ دوسری صورت جمہور کے نزدیک ہے جو بسم اللہ کو شرط ٹھہراتے ہیں۔

۳......شکاری کی نیت یا کسی شکاری جانور کو شکار کے لئے بھیجنا پایا جائے۔ اس شرط پر بھی اتفاق ہے۔ اگر جانور خود چلا گیا اور شکار کرلیا تو جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے: ''جب آپ اپنے سدھائے

---

❶......القوانین الفقھیه: ص ۱۷۲، الدرالمختار ورد المحتار: ۲۱۰/۵، کشاف القناع: ۲۱۵/۶۔ ❷اللباب: ۲۱۹/۳ وما بعد، الشرح الکبیر: ۱۰۵/۲، مغنی المحتاج: ۲۶۶/۴، کشاف القناع: ۲۱۵/۶، المھذب: ۲۵۳/۱۔

ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں تو جو کچھ وہ آپ کے لئے پکڑے اسے کھالیں' اس لئے کہ شکاری جانور کا بھیجنا ذبح کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھیجنے کے ساتھ بسم اللہ کا اعتبار ہوتا ہے۔

اگر شکاری جانور خود چلا گیا پھر مالک نے اللہ کا نام لے لیا اور اسے برانگیختہ کیا جس سے اس کو شہ مل گئی تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا شکار حلال ہے۔ اس لئے کہ برانگیختہ کرنا بھیجنے کی طرح ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ مباح نہیں۔ اس لئے کہ خود بخود جانا اور برانگیختہ کرنا، دونوں باتیں جمع ہوگئیں تو ممانعت والی جانب غالب ہوگی۔ ❶ میرے خیال میں پہلی رائے زیادہ راجح ہے۔

۴..... جان بوجھ کر بسم اللہ نہ چھوڑی جائے۔ یہ جمہور کے نزدیک شرط ہے۔ شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ شکار تیر پھینکتے وقت یا شکاری جانور کو بھیجتے وقت اللہ کا نام لے۔ جس طرح ذبح کرنے والا ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے یا اس کے ساتھ واللہ اکبر کا اضافہ کرتا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جس میں بسم اللہ کا ذکر ہے۔ اگر شکاری نے بسم اللہ جان بوجھ کر چھوڑ دی تو جمہور کے نزدیک شکار نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ......الانعام: ۱۲۱/۶

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ......المائدہ: ۴/۵

''وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روکیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔ اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو۔''

اور اگر بھولے سے بسم اللہ چھوڑ دے تو مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک شکار کھایا جائے گا۔ اور حنابلہ کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ ❷ اس کے برعکس ذبیحے پر اگر بھولے سے بسم اللہ رہ جائے تو ان کے نزدیک کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''جو کوئی بسم اللہ بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔'' سعید ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے راشد بن ربیعہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اگر چہ اس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو بشرطیکہ جان بوجھ کر نہ چھوڑے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ......الانعام: ۱۲۱/۶

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔

اس صورت پر محمول ہے جب جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دی ہو۔ اس پر دلیل اسی آیت کا اگلا حصہ ہے:

وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ......الانعام: ۱۲۱/۶

ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور جس پر بسم اللہ بھول گئی ہو اس کا کھانا گناہ نہیں۔

حنابلہ کے نزدیک ذبیحہ شکار سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ شکار اپنی جگہ سے ہٹ کر ذبح ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی تقویت کے لئے بسم اللہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور ذبیحے کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی بسم اللہ کے واجب ہونے پر راہنمائی ملتی ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! میں کتے کو بھیجتا ہوں اور اس پر بسم اللہ پڑھتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اپنا کتا بھیجا اور اس نے شکار پکڑ کر قتل کر لیا تو اسے کھاؤ۔ اور اگر اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا تو مت کھاؤ۔ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے روکا ہے۔'' میں نے عرض کیا: ''کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں اپنا کتا بھیجتا ہوں پھر اس کے ساتھ کوئی اور کتا بھی ہو جاتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ شکار کس نے پکڑا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے مت کھاؤ۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے

❶..... المغنی: ۵۴۱/۸ وما بعدها، الشرح الكبير: ۱۰۴/۲، مغنی المحتاج: ۲۷۶/۴، تكملة الفتح: ۱۸۱/۸. ❷ المغنی: ۵۴۰/۸، ۵۶۵.

کتے پر بسم اللہ کہی ہے دوسرے پر نہیں۔'' ❶

شافعیہ فرماتے ہیں ❷ جس جانور پر بسم اللہ نہ پڑھی ہو وہ حلال ہے۔ چاہے جان بوجھ کر نہ پڑھی ہو یا بھولے سے اور شکار ہو یا ذبیحہ۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ بسم اللہ کہے یا نہ کہے۔'' ❸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس آدمی کے بارے میں کیا حکم ہے جو ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ بھول جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا نام ہر مسمان کے دل میں ہے۔'' ❹

رہی اس آیت والی ممانعت:

وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ......الانعام: ۶/ ۱۲۱

اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

تو اس میں فسق یعنی سخت گناہ کی قید لگی ہوتی ہے۔ اور ذبیحے میں فسق کی تفسیر قرآن مجید میں دوسری جگہ آئی ہے ما اھل لغیر اللّٰہ۔ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ اس لئے کہ جملہ ''وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ'' پہلے والے جملے پر معطوف نہیں ہوسکتا۔ دونوں جملوں میں تباین ہے۔ پہلا جملہ فعلیہ انشائیہ ہے اور دوسرا اسمیہ خبریہ۔ معلوم ہوا کہ یہ جملہ حالیہ ہے۔

اور وہ احادیث جن میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث اور دیگر احادیث یہ سب ندب پر محمول ہیں۔

۵......شکاری، شکار کے لئے بھیجنے اور اسے پکڑنے کے درمیان کسی اور کام میں نہ لگے۔ مالکیہ نے اسے یوں تعبیر کیا ہے۔

ان یتبع الصائد الصید عند الامر سال او الرمی

یعنی تیر مارنے یا شکاری جانور کو بھیجنے کے بعد شکاری شکار کا پیچھا کرتا ہے۔

یہ شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ شکاری شکار کے پیچھے لگے رہنے کا پابند ہے تاکہ اگر اس کو زندہ حالت میں ملے تو اسے ذبح کرلے۔ اگر اس نے اس میں کوتاہی کی۔ اور شکار ذبح کئے بغیر مرگیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ اختیاری ذبح پر قادر تھا۔ لہٰذا اضطراری ذبح کافی نہیں ہوگی۔

اگر جانور زندہ مل جائے تو اس میں فقہاء کی آراء حسب ذیل ہیں:

حنفیہ......حنفیہ فرماتے ہیں۔ ❶ اگر شکار اس حالت میں ملا کہ اس میں حیات مذبوح (غیر اختیاری حرکات والی زندگی) سے زیادہ

---

❶......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے ھاں متفق علیہ ھے۔(نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۴) ❷ مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۲۔
❸ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے۔ اس معنی میں اور بھی احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو کہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۲) ❹ اس کو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اس میں ایک ضعیف راوی ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک مرسل حدیث صلت الدوسی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے چاہے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔'' امام احمد کے لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث جیسی ایک روایت نقل کی ہے: (نصب الرایۃ: ۴/ ۱۸۳، المغنی: ۸/ ۵۴۰) ❺ تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۷۸ وما بعدھا، اللباب ۳/ ۲۱۹، تبیین الحقائق: ۶/ ۵۳، الدر المختار: ۵/ ۳۳۴۔

زندگی تھی کہ وہ ذبح کئے ہوئے جانور سے زیادہ زندہ رہ سکتا تھا جیسے ایک دن یا آدھا دن۔ اور شکاری نے اسے ذبح نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ مرگیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کو ذبح کرنے پر قدرت حاصل تھی اس کے باوجود اس کو ذبح نہیں کیا گیا۔ اب یہ مردار کی طرح ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ المائدہ:۵/۳

سوائے اس کے کہ تم اس کو ذبح کرلو۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: ''جب تم اپنے کتے کو بھیجو تو اس پر اللہ کا نام لو، اگر وہ شکار کو پکڑ لے۔ اور آپ کو زندہ حالت میں مل جائے تو اسے ذبح کرو۔''

اگر اس میں حیات مذبوح جیسی زندگی تھی تو اس کو ذبح کرنا لازم نہیں۔ اس لئے کہ وہ حکماً مرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسی حالت میں پانی میں گر گیا تو حرام نہیں ہوگا۔ جیسے مرا ہوا شکار پانی میں گر جائے۔

اور اگر شکاری کو شکار اس حالت میں ملا کہ اس میں حیات مذبوح سے زیادہ زندگی تھی لیکن ذبح کا آلہ نہ ہونے کی وجہ سے یا وقت کی کمی کے باعث وہ ذبح نہ کرسکا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اسے نہیں کھایا جائے گا۔ حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ سے ایک اور روایت یہ ہے کہ اسے استحساناً کھایا جائے گا بعض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ اگر وہ اس وجہ سے ذبح نہیں کرسکا کہ اس پر قادر نہیں تھا۔ یعنی اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی تھی اور مرگیا تو کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی تھی اس لئے ذبح پر قدرت نہ پائی گئی۔

مالکیہ...... مالکیہ فرماتے ہیں ❶ کہ اگر شکاری تیر مارنے یا بھیجنے کے بعد لوٹا تو دیکھا کہ شکار کے مقاتل ٹھیک ہیں تو اسے ذبح کرے۔ اور اگر اس کے مقاتل متاثر ہوچکے تھے تو نہیں کھایا جائے گا۔ ہاں اگر یہ پتہ چل جائے کہ مقاتل اس چیز سے متاثر اور منفوذ ہوئے ہیں جس سے شکار کیا ہے تو الگ بات ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ اگر شکار کی زندگی مذبوح جیسی تھی۔ اس میں حیات مستقرہ نہیں تھی مثلاً اس کا پیٹ پھٹ کر آنتیں نکل آئی تھیں یا اسے کتے نے جان لیوا زخم لگا دیئے تھے۔ تو تمام مذاہب میں بالاتفاق بغیر ذبح کے مباح ہے۔ اس لئے کہ ایسے جانور کو ذبح کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک اس کے گلے پر چھری پھیر دینا مستحب ہے۔ تاکہ اسے راحت مل جائے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا۔ یہاں تک کہ موت واقع ہوگئی تو بھی حلال ہوگا۔ اس لئے کہ بھیجے ہوئے کتے کے زخم نے اسے ذبح کردیا۔ اب اس میں صرف مذبوح جانور والی حرکت باقی ہے۔ اور اگر اس میں حیات مستقرہ موجود تھی کہ شکاری کو مل گیا تو دیکھا جائے گا۔

الف...... اگر شکاری کی کوتاہی کے بغیر اسے ذبح کرنا ناممکن ہو تو اسے کھانا جائز ہے۔ گویا اس نے شکار کے لئے چھری تیار کی لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ذبح کا وقت نہ ملا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ یا وہ اطمینان سے چلتا رہا دوڑ کر نہیں گیا یا اسے قبلہ رخ کرنے، ذبح کی جگہ تلاش کرنے یا چھری لینے میں مشغول ہوگیا یا کسی درندے نے راستہ روک لیا اور ذبح کا موقع ملنے سے پہلے جانور مرگیا ان تمام صورتوں میں شکار حلال ہوگا۔ گویا وہ اسے زندہ حالت میں ملا ہی نہیں۔

ب...... اور اگر شکاری کی کوتاہی کی وجہ سے ذبح سے پہلے مرگیا۔ مثلاً یہ کہ اس کے پاس چھری نہیں تھی یا چھری تیز نہیں تھی یا اس لئے غلطی سے پیٹ کی طرف سے ذبح کردیا یا اس سے کسی غاصب نے لے لیا، یا چھری غلاف میں پھنس گئی...... ان تمام صورتوں میں شکاری کی کوتاہی کی وجہ سے شکار حرام ہوجائے گا۔ اس لئے کہ حضرت ابوثعلبہ کی مذکورہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا سدھایا ہوا کتا

❶......القوانین الفقهیه: ص ۱۷٦۔ ❷مغنی المحتاج: ۲٦۹/۴ وما بعدها، المهذب: ۲۵۴/۱، المغنی: ۵٦۷/۸ وما بعدها، كشاف القناع: ۲۱۴/٦ وما بعدها.

جو کچھ لے کر آئے اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھی ہوئی ہو، اسے ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو ذبح کرو اور کھاؤ اور اگر ذبح کا موقع نہ ملے تو نہ کھاؤ۔''

۶.....خشکی کے شکار میں شکاری نے حج یا عمرے کا احرام نہ باندھا ہو۔ سمندر کا شکار محرم کے لئے حلال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ ......المائدۃ:۵/۹۶)

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے ''تمہارے لئے حالت احرام میں خشکی کا شکار کھانا حلال ہے جب تک کہ تم خود اسے شکار نہ کرو یا وہ تمہارے لئے نہ کیا جائے۔'' [1] شکار کی دونوں قسموں میں فرق کی حکمت جیسا کہ آیت میں ہے.....یہی ہے کہ مسافروں کو سمندر سے زاد راہ میسر آ جائے۔ جب کہ خشکی کا سفر تو آسودگی کے لئے ہوتا ہے اس میں کافی مشقت اور جانور کا پیچھا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے محرم کی عبادات متاثر ہوتی ہیں۔

۷.....شکاری شکار کو دیکھے، اسے معین اور مخصوص کرے اور اپنا تربیت یافتہ کتا اسکی طرف بھیجے یہ شرط مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے ذکر کی ہے۔ [2] اس کو تیسری شرط میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

اگر شکاری کو شکار کا پتہ چل گیا، چاہے وہ اندھا ہی کیوں نہ ہو، اس نے اپنا سدھایا ہوا کتا یا باز بھیجا۔ اس نے شکار کو قتل کر لیا تو اسے کھایا جائے گا۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اندھے کا شکار درست ہے۔ لیکن اگر اس نے شکار کو دیکھے یا محسوس کئے بغیر شکاری جانور کو بھیج دیا اور اس نے شکار کر لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک مباح نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ شکاری نے اسے شکار پر نہیں بھیجا۔ یہ خود گیا ہے۔

اسی طرح اگر اس نے اپنی طاقت جانچنے کے لئے تیر مارا یا کسی نشانے پر تیر مارا اور وہ شکار کو جا لگا۔ اس نے ازپر کی طرف تیر مارا اور وہ شکار کو جا لگا اور شکار مر بھی گیا تو یہ حلال نہیں ہوگا اس لئے کہ اس نے تیر مارتے ہوئے کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔ جیسے اگر اس نے چھری نصب کی اور اس سے کوئی بکری ذبح ہو گئی۔ اگر اس نے شکاری جانور کو کسی غار یا درختوں کے جھنڈ میں بھیجا۔ اسے معلوم نہیں کہ اس میں شکار ہوگا۔ لیکن اس سے جو کچھ بھی ملے اس کی ذبح کی نیت کر لی۔ یا اسے شکار کا علم تھا لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تھا۔ ان صورتوں میں اگر شکاری جانور کو شکار مل گیا اور اس نے قتل بھی کر لیا تو اسے کھایا جائے گا۔ جیسا کہ مالکیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں شکار کے غالب گمان کو شکار کے علم کا درجہ دے دیا جائے گا۔

شافعیہ نے شرط [3] لگائی ہے کہ شکاری بینا ہو۔ لہٰذا ان کے صحیح قول کے مطابق اندھے کا شکار حلال نہیں۔ اس لئے کہ اس کا قصد صحیح نہیں ہوتا۔ وہ شکار کو دیکھ نہیں سکتا۔ یہ کتے کے خود بخود جانے کی طرح ہو گیا۔ اگر اس نے شکار کو دیکھے بغیر کتا بھیجا اور اس نے شکار کر لیا تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ ان شرطوں کی تطبیق کے لئے میں دو حالتیں ذکر کرتا ہوں۔ شکار کے گرنے کی جگہ پوشیدہ ہونے کی حالت اور شکار کے بعد پانی میں گرنے یا بلندی سے گرنے کی حالت۔

پہلی حالت.....شکاری نے شکار کو تیر مارا۔ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر وہ اس کو مردہ حالت میں ملا۔ اس پر اسے اپنے تیر

---

[1].....امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں روایت کیا ہے۔ [2] الشرح الکبیر: ۲/۱۰۴، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۶، المغنی: ۸/۵۴۵، کشاف القناع: ۶/۲۱۴، المهذب: ۶/۲۵۵، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۷۔ [3] مغنی المحتاج: ۴/۲۶۶۔۲۶۷، المهذب: ۱/۲۵۵۔

کے علاوہ کوئی اثر نہ نظر آیا۔ ❶ تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو کھانا مباح ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کے پیچھے اس کی تلاش میں لگا رہے اور سے چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں نہ لگے۔ اگر وہ کسی اور کام میں مشغول ہوگیا اور پھر اسے وہ شکار ملا۔ یا اسے کسی دوسرے تیر کا اثر نظر آیا۔ یا اسے اپنے تیر میں شک ہوگیا تو اس کو کھانا مباح نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ممکن ہے وہ کسی دوسرے سبب سے مرا ہو۔ اور اس لئے بھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: کل ما اصمیت، ودع ما انیت، ❷ الاصماء کا مطلب ہے دیکھنا اور الانماء کا مطلب ہے پوشیدہ ہونا۔ یعنی جس کو آپ دیکھیں تو کھالیں۔ اور جو آپ سے پوشیدہ ہو جائے اسے چھوڑ دیں۔ اس سے معلوم ہو کہ شکار پوشیدہ ہو جانے سے حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں یہ بھی ہے: ''جب آپ تیر چلائیں اور ایک دو دن کے بعد شکار ملے۔ اس میں صرف آپ کے تیر ہو تو اسے کھالو۔ اور اگر وہ پانی میں گر جائے تو نہ کھاؤ۔''

شافعیہ کے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ اگر اسے ایسا زخم لگا ہو کہ اس کے مرنے کا امکان ہو۔ اور وہ غائب ہو جائے پھر مردہ حالت میں ملے۔ اسے یہ گمان نہ ہو کہ اس کے تیر نے اسے قتل کیا ہے تو حرام ہوگا۔ اس لئے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ''اے اللہ کے رسول! میں شکاری ہوں بعض اوقات ہم میں سے کوئی شکار پر تیر چلاتا ہے تو وہ دو تین راتیں غائب رہتا ہے پھر مردہ حالت میں مل جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تمہیں اس میں اپنے تیر کا اثر نظر آئے۔ اور کسی درندے کا اثر نہ ہو۔ اور جانتے ہوں کہ آپ ہی کی تیر نے اس کو قتل کیا ہے۔ تو اسے کھالو۔'' ❸

مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اگر اسے ایک دو دن کے بعد اس حالت میں ملا کہ وہ مرا ہوا تھا اور اس کے مقاتل منفوذ ہو چکے تھے یعنی کٹ پھٹ گئے تھے تو اسے نہیں کھایا جائے گا اس لئے کہ ممکن ہے اس کی موت کیڑوں مکوڑوں کی وجہ سے ہوئی ہو۔ علاوہ ازیں ابوزرین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مسند حدیث روایت کی ہے۔ اسی مضمون کی روایت مراسیل ابی داؤد میں بھی موجود ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شکار کو کھانا ناپسند فرمایا جو تیر انداز سے غائب ہو جائے اور فرمایا: ہوسکتا ہے کہ کیڑوں مکوڑوں نے اسے قتل کیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ تیر چلنے کے بعد جو شکار غائب ہو جائے اور یہ پتہ نہ ہو کہ یہ شکاری کے مارنے سے مرا یا محض گمان ہو تو تمام مذاہب میں اسے کھانا جائز نہیں۔

دوسری حالت...... جب شکاری نے شکار پر تیر چلایا تو وہ پانی میں گر گیا یا کسی بلند جگہ پہاڑ چھت وغیرہ سے زمین پر گر گیا یا کسی چیز نے اسے روند ڈالا اور وہ مر گیا تو بالاتفاق اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ❹ لیکن اگر وہ براہ راست زمین پر گرا تو کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔ اس کے برعکس پہلی صورت میں بچنا ممکن ہے۔ یہاں حلال اور حرام کے اسباب ایک ساتھ جمع ہو گئے تو احتیاطاً حرمت والی جہت کو ترجیح دے دی گئی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ پانی میں گر جائے تو نہ کھاؤ۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ نیچے کرنے سے پہلے تیر نے اس کے مقاتل زخمی نہ کئے ہوں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پانی میں فرق ہونا یا بلندی سے گرنا مضر نہیں ہوگا۔''

---

❶......اللباب: ۲۲۰/۳، تبیین الحقائق: ۶۷۶، تکملة الفتح: ۱۸۳/۸، الشرح الکبیر: ۱۰۶،۱۰۴/۲، المهذب: ۲۵۴/۱، المغنی: ۵۵۳/۸ و ما بعدها، کشاف القناع: ۲۱۸/۶، بدایة المجتهد: ۴۴۶/۱، مغنی المحتاج: ۲۷۷/۴، القوانین الفقهیة ص ۱۷۸۔ ❷ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موقوفاً نقل کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر: ۱۳۶/۴) ❸ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۱۳۵/۸ وما بعدها، جامع الاصول: ۴۴۴/۷.) ❹ اللباب: ۲۲۰/۳ وما بعدها، تکملة الفتح: ۱۸۴/۸، تبیین الحقائق: ۵۸/۶، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۸، الشرح الکبیر: ۱۰۵/۲، بدایة المجتهد: ۴۴۶/۱ ومابعدها، مغنی المحتاج: ۲۷۴/۴، المهذب: ۲۵۴/۱، المغنی: ۵۷۷/۸، کشاف القناع: ۲۱۸/۶۔

دوسرا مقصد: شکار کے آلے کی شرطیں...... آلے کی دو قسمیں ہیں: اسلحہ اور حیوان۔

ا۔ اسلحہ...... اسلحے کے لئے دھاری دار ہونا شرط ہے۔ جیسے نیزہ، تیر، تلوار وغیرہ۔ جب شکار پر تلوار وغیرہ چلائی گئی جس سے وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا یا اس کا سر کٹ گیا۔ تو جمہور کے نزدیک سارا کا سارا سر سمیت کھایا جائے گا۔ ❶ جانور میں اگر حیات مستقرہ موجود ہو تو اس سے الگ ہونے والا حصہ نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ زندہ سے کٹنے والا حصہ مردے کی طرح ہے۔ اگر اس میں حیات مستقرہ نہیں تھی اور زخم سے اس کی موت واقع ہو گئی تو الگ ہونے والے حصے کو کھایا جائے گا۔

اسی طرح حنفیہ فرماتے ہیں۔ ❷ جب شکار پر تیر چلایا گیا جیسے اس کا ایک عضو کٹ گیا تو شکار کھانا جائز ہے لیکن کٹا ہو جز کسی صورت کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو زندہ سے جدا کر دیا گیا وہ مردار ہے۔'' ❸ باقی جسم حقیقۃً زندہ ہے اس لئے کہ اس میں زندگی موجود ہے۔ اگر تیر انداز نے اسے تین حصوں میں کاٹ دیا یا زیادہ حصہ دھڑ کے ساتھ رہ گیا ہو یا اس کا سر نصف یا اس سے زائد کٹ گیا ہو۔ یا اس کے دو حصے ہو گئے ہوں ان سب صورتوں میں سارا کا سارا کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ ان صورتوں میں زندگی حیات مذبوح (غیر اختیاری حرکات) سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ مذکورہ حدیث کے ذیل میں نہیں آئیں۔ تین اگر اکثر حصہ سر کے ساتھ ہو تو اکثر کھایا جائے گا اور چھوٹا حصہ نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ اس میں حیات مذبوح سے زیادہ زندگی ممکن ہے۔ اور چھوٹا حصہ زندہ سے جدا کیا ہوا ہے۔

جن آلات سے ذبح کرنا جائز نہیں ان سے شکار بھی جائز نہیں۔ جیسے دانت، ناخن، ہڈی۔ اس بارے میں وہی اختلاف ہے جو ذبح کے متعلق ہے۔

وزن دار چیز ❹ سے شکار جائز نہیں ہے جیسے پتھر، بندق کی گولی اور معراض ❺ (ایسا تیر جس کے پر ہوں نہ پیکان یعنی لوہے کا سرا یا ایسی لاٹھی جس کا سرا تیز ہو) کی جانب سے۔ لیکن اگر اس کی نوک ہو اور یقین ہو کہ شکار کو وہی نوک لگی ہے سائیڈ نہیں لگی تو شکار جائز ہوگا۔ اس لئے کہ نوک اور دھار سے قتل ہونے والا نیزے اور تیر سے قتل ہونے والے کی طرح ہے۔ تیر کی سائیڈ سے قتل ہونے والا اس کے ثقل اور بوجھ سے مارا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت چوٹ سے مرنے والا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''میں معراض یعنی بے پر کے تیر سے شکار کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بے پر کے تیر سے شکار کرو اور وہ شکار کو پھاڑ ڈالے تو اسے کھالو۔ اور اگر اس کی سائیڈ لگے تو اسے نہ کھاؤ۔'' ❻ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں سے کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے شکار مرتا ہے نہ دشمن مارا جاتا ہے۔ اس سے آنکھ پھوٹتی اور دانت ٹوٹتا ہے۔ ❼

---

❶...... القوانین الفقهیه: ص ۱۷۶، ۱۷۸، المغنی: ۵۵۶/۸ وما بعدها، بدایة المجتهد: ۴۴۷/۱، مغنی المحتاج: ۲۷۰/۴۔
❷ اللباب: ۲۲۲/۳، الدر المختار: ۳۳۶/۵۔ تکملة الفتح: ۱۸۵/۸ و ما بعدها ❸ اس کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ما قطع من حی فهو میتة یا ما قطع من البهیمة وهی حیة فهو میته۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۴۶/۸) ❹ تکملة الفتح: ۱۸۵/۸، اللباب: ۲۲۱/۳، تبیین الحقائق: ۵۸/۶، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۶، بدایة المجتهد: ۴۴۱/۱ مغنی المحتاج: ۲۷۴/۴، المهذب: ۲۵۴/۱، المغنی: ۵۵۸/۸ وما بعدها، کشاف القناع: ۲۱۷/۶ وما بعدها۔ ❺ قرطبی فرماتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ یہ ایک وزنی لکڑی ہوتی ہے۔ اس کے آخر میں ایک تیز سرے والی لاٹھی ہوتی ہے۔ کبھی اس کا سر تیز نہیں بھی ہوتا ہے اس لئے لیکن فرماتے ہیں کہ معراض ایک لاٹھی ہوتے ہیں جس کے سرے میں لوہا لگا ہوتا ہے۔ اس سے شکار کیا جاتا ہے۔ ❻ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۳۰/۸)۔ ❼ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (جامع الاصول: ۴۵۲/۷)

اسی بنا پر اگر شکاری یا ذبح کرنے والے نے جانور کو کسی وزن دار چیز سے یا وزن دار دھاری دار چیز سے قتل کر دیا جیسے بندوق کی گولی، کوڑا، پیکان اور دھار کے بغیر والا تیر یا تیر اور گولی سے ایک ساتھ قتل کیا، یا تیر کے پیکان یعنی سرے نے زخمی کیا اور سائیڈ نے بھی اثر کیا اور ان دونوں (زخم اور تاثیر) سے شکار مر گیا یا پھندے اور جال سے دم گھٹ گیا تو ان تمام صورتوں میں شکار بالاتفاق حرام ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے بغیر دھار والی چیز سے شکار کیا ہے۔ ❶ بے پر کے تیر کی طرح شکار کے دوسرے آلات بھی اگر سائیڈ سے لگیں اور زخمی نہ کریں تو شکار مباح نہیں ہوگا جیسے عام تیر پرندے کو سائیڈ سے لگ کر قتل کر دے یا تلوار سائیڈ سے لگ جائے۔

آج کل خردق اور رائفل کی وہ گولی جس کا سرا تیز نہ ہو سے کیا گیا شکار نہیں کھایا جائے گا۔ البتہ اگر وہ زندہ حالت میں مل جائے اور اس کی ذبح اختیاری کر لی جائے تو حلال ہوگا۔ دمشق کے مفتی محمود حمزہ وغیرہ نے خردق اور رائفل کی عام گولی سے کئے گئے شکار کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ تیزی سے قتل کر دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تیز دھار والے آلات سے کیا گیا شکار کھایا جائے گا جیسے نیزے، تلواریں اور تیر وغیرہ اس لئے کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح وزن دار چیز سے کیا گیا شکار بھی کھایا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنی دھار سے قتل کرے اور شکار کا جسم پھاڑ دے۔ اگر وزن دار چیز سے شکار کیا اور اس نے شکار کو پھاڑا نہیں تو یہ شکار حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جو شکار پھاڑ دیا جائے اسے کھالو۔

ب: **شکاری جانور**...... شکاری درندوں اور پرندوں سے شکار جائز ہے بشرطیکہ وہ سدھائے ہوئے ہوں اور شکار کو خود نہ کھائے ہوں۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک۔ درندوں میں سے کتا تیندوا، چیتا، شیر اور بلی سدھائے جاسکتے ہیں جب کہ پرندوں میں سے باز، بازی (شکروں کی ایک قسم)، شاھین (سکروں کی جنس سے)، شکرہ، گدھ اور عقاب وغیرہ سدھائے جاسکتے ہیں۔ ❷ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ المائدہ:۵/۴

''تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سکھا سکھا کر سدھالیا ہو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے تربیت یافتہ کتے، شکار سیکھ لینے والا ہر پرندہ، تیندوے، شکرے وغیرہ مراد ہیں۔ یعنی تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں کا شکار تمہارے لئے حلال ہے۔ ❸

اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بازی کے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ تمہارے لئے پکڑ لے تو اسے کھالو'' اور اس لئے بھی کہ یہ شکاری جانور ہے جس سے عام طور پر شکار کیا جاتا ہے اور شکار کی تعلیم بھی قبول کرتا ہے یعنی سدھایا جاسکتا ہے۔ اسلئے یہ کتے کی طرح ہوا۔ تمام درندے بھی اسی کی طرح ہیں یہاں تک کہ شیر بھی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ❹ شیر اور ریچھ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دوسروں کے لئے کام نہیں کرتے۔ شیر اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے اور ریچھ اپنی رزالت کی وجہ سے۔ بعض نے چیل کو بھی ان کے ساتھ ملایا ہے اس لئے کہ اس میں بھی رزالت پائی جاتی ہے۔ خنزیر اس سے

---

❶......مغنی المحتاج:۴/۲۷۴، المهذب: ۲۵۴۱، بداية المجتهد: ۱/۴۴۶، المغنی: ۸/۵۵۹۔ ❷البدائع:۵/۴۴، الدر المختار: ۵/۳۲۹، تبيين الحقائق: ۶/۵۰، تكملة الفتح:۸/۱۷۱، اللباب: ۳/۲۱۷ وما بعدها، بداية المجتهد: ۱/۴۴۱، القوانين الفقهيه: ص۱۷۶، الشرح الكبير: ۲/۱۰۴، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۵، المهذب: ۱/۲۵۳ وما بعدها، المغنی: ۸/۵۳۹، ۵۴۵-۵۴۷، كشاف القناع: ۶/۲۲۰۔ ❸الجوارح: شکاری جانور۔ مکلبین: تکلیب سے ہے۔ بمعنی بھڑکانا۔ ❹الهداية مع تكملة الفتح: ۸/۱۷۳۔

مستثنیٰ ہے اس لئے کہ یہ نجس العین ہے۔ اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل کالے کتے کو (جس میں سیاہی کے علاوہ کوئی رنگ نہ ہو) مستثنیٰ کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کتے کو رکھنا حرام ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے اس کو قتل کرنا سنت ہے۔ اس لئے اس کا شکار غیر تربیت یافتہ کتے کی طرح حرام ہوگا۔ ان کی دلیل اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کا یہ فرمان ہے: ''تم پر بالکل کالے دونکتوں والے (کتے کو مارنا) لازم ہے اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔'' ① نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شیطان کہا ہے۔ شیطان کو رکھنا جائز نہیں۔ شکاری جانور کے کئے ہوئے شکار کی اباحت رخصت ہے۔ لہٰذا دوسری رخصتوں کی طرح یہ بھی حرام ذریعے سے حاصل نہیں ہوگی۔ اور گزشتہ آیت اس حدیث کی وجہ سے مخصوص ہوجائے گی۔ ②

حنابلہ کے نزدیک خنزیر کو قتل کرنا سنت اور اس سے فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ کاٹنے والے کتے کو قتل کرنا واجب ہے اگر چہ وہ سدھایا ہوا ہو۔ اور اس کو رکھنا بھی حرام ہے اس لئے کہ وہ اذیت رساں ہے۔

شکاری جانور کی شرطیں.....شکاری جانور کی چھ شرطیں ہیں۔ ③

پہلی شرط.....وہ معلم یعنی سدھایا ہوا ہو۔ اس کی اصلی طبع بدل جائے۔ آلے کی طرح شکاری کے ماتحت ہوجائے۔ اپنی ذات کے لئے شکار نہ کرے۔ تعلیم کی شرط پر سب کا اتفاق ہے۔ یہ قرآنی آیت سے ثابت ہے۔

حنفیہ.....حنفیہ کے نزدیک کتے کی تعلیم یہ ہے کہ تین مرتبہ سکار کھانا چھوڑ دے اور باز وغیرہ کی تعلیم یہ ہے کہ بلانے پر آجائے۔ اس کے لئے شکار میں سے نہ کھانا شرط نہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور اس لئے بھی کہ تعلیم کی علامت یہ ہے کہ اپنی مانوس عادت کو چھوڑ دے۔ کتا اور اس جیسے درندے اپنے شکار کو کھانا اور چھینا چھوڑ دیں۔ اور پرندہ بلانے پر واپس آجانے کا عادی ہوجائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ تعلیم کا اندازہ تین بار نہ کھانے سے نہیں لگایا جائے گا بلکہ اس میں تربیت کرنے والے کی رائے کا اعتبار ہوگا۔

تیسری بار کا شکار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھایا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ تین دفعہ نہ کھانے کے بعد تعلیم یافتہ بنا ہے۔ ④ شکار میں بھیجنا ضروری ہے لیکن برانگیختہ کرنا شرط نہیں۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ.....شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تعلیم میں تین صفات یا تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ جب مالک بھیجے تو چلا جائے، جب وہ برانگیختہ کرے تو برانگیختہ ہوجائے اور جب شکار پکڑ لے تو نہ کھائے۔ مالکیہ کی نزدیک پہلی دو شرطوں کا پایا جانا کافی ہے۔ ⑤ اور ان امور کا اتنی دفعہ بار بار کرنا ضروری ہے کہ عرف میں تعلیم یافتہ بن جائے۔ اور یہ گمان کیا جانے لگے کہ شکاری جانور نے تربیت پالی ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں۔ بلکہ اس معاملے میں شکاری جانوروں کے بارے میں واقفیت رکھنے والوں سے رجوع کیا جائے گا۔ کم سے کم دو دفعہ یا اس سے زائد ہونا چاہئے تا کہ اس کے عادی اور تربیت یافتہ ہونے کے بارے میں ظن غالب ہوجائے۔ حنابلہ کے نزدیک کم از کم تین بار ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے تکرار میں تین کے عدد کا اعتبار کیا ہے۔ جیسے وضو میں اعضاء کو دھونا وغیرہ۔

---

①.....اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ''ذی الطفیتین'' کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ یعنی جس کی آنکھوں پر دو سفید خط ہوں۔ اور وہ دو نکتے ہیں۔ نکتہ سفیدی میں سیاہ نقطے اور سیاہی میں سفید نقطے کو کہتے ہیں۔ ② المغنی: ۵۴۷/۸، کشاف القناع: ۲۲۰/۶۔ ③ رد المحتار: ۳۲۸/۵، بدایۃ المجتهد: ۴۴۴/۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۶ وما بعدها۔ ④ تکملۃ الفتح: ۱۷۳/۸ ومابعدها، ۱۷۵ اللباب: ۲۱۸/۳۔ ⑤ الشرح الکبیر: ۱۰۳/۲ وما بعدها، بدایۃ المجتهد: ۴۴۳/۱، القوانین الفقهیه: ص ۱۷۶، مغنی المحتاج: ۲۷۵/۴، المهذب: ۲۵۳/۱، المغنی: ۵۴۲/۸ وما بعدها، کشاف القناع: ۲۲۱/۶۔

بعض مالکیہ کے نزدیک باز میں دوسری شرط برانگیختہ ہونے والی بھی معتبر نہیں اس لئے کہ وہ برانگیختہ نہیں ہوتا۔

شکاری جانور کے شکار میں سے نہ کھانے کی جو شرط لگائی گئی ہے اس پر دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ ”جب آپ اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں اور وہ آپ کے لئے شکار پکڑ کر قتل کر لے تو اسے کھا لیں۔ اگر وہ اس میں سے کھا لے تو نہ کھائیں۔ اس لئے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے۔“

اگر شکاری جانور ایک دفعہ تربیت یافتہ بن جائے۔ پھر شکار کے گوشت میں سے ایک دفعہ کھا لے تو مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک راجح یہی ہے کہ شکار حلال نہیں ہوگا۔ وجہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی سابقہ حدیث ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تعلیم کی ابتداء میں اور پھر ہمیشہ کے لئے نہ کھانا شرط ہے۔ لہٰذا اب نئی تعلیم ضروری ہوگی۔ حنفیہ نے باز کے کھائے ہوئے کو جائز کہا ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک باز کی تعلیم میں نہ کھانا شرط نہیں۔

مالکیہ فرماتے ہیں (1) کہ کھایا جائے گا اس لئے کہ یہ آیت عام ہے:

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدہ:۵/۴)

وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔ (آسان ترجمہ قرآن)

اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی عام ہے: ”آپ بسم اللہ پڑھ کر اپنی کمان سے جو شکار کریں اس سے کھائیں اور اپنے تعلیم یافتہ کتے پر بسم اللہ پڑھ کر جو شکار کریں وہ کھائیں۔ اور اپنے غیر تربیت یافتہ کتے سے جو شکار کریں اور ذبح بھی کر لیں تو اسے کھا لیں۔“ (2) اور اس لئے بھی کہ شکار میں سے کھا لینا بہت زیادہ بھوک یا شکار پر غصے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔

شکار میں سے کھانے سے پہلے کیا جانے والا شکار حلال ہوگا۔ اسی طرح حنابلہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ کھانے کے بعد کیا جانے والا شکار بھی حلال ہے۔ (3)

کیا کتے کے کاٹنے کی جگہ کو دھونا واجب ہے؟...... یعنی کتے کے منہ کے اثرات دھوئے جائیں گے یا نہیں؟ شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق (4) کتے کے کاٹنے کی جگہ ناپاک ہے۔ پاک نہیں۔ اس لئے کہ اس کی نجاست ثابت ہو چکی ہے۔ اس لئے اس کے پیشاب کی طرح اسے بھی دھونا واجب ہے۔ اسے سات مرتبہ دھونا ہوگا جن میں سے ایک بار مٹی سے دھونا ہوگا۔ مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی دوسری روایت کے مطابق اس کو دھونا واجب نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کو کھانے کا حکم دیا ہے اور دھونے کا حکم نہیں دیا۔ مالکیہ کے مذہب میں کتا پاک ہے اس لئے اس کے دانتوں والی جگہ بھی کھائی جائے گی۔

دوسری شرط...... دوسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور مالک کے بھیجنے پر جائے۔ حنفیہ کے نزدیک شکار کی تعیین ضروری نہیں۔ شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضروری ہے کہ مالک شکار کو دیکھنے اور معین کرنے (5) کے بعد اپنے ہاتھ سے بھیجے۔ اگر خود بخود چلا گیا تو بالاتفاق نہیں کھایا جائے گا۔ کسی نے آہٹ سنی اور گمان یہ ہو کہ یہ شکاری کی آہٹ ہے پھر اس کو تیر مارا یا اس کی طرف شکاری جانور بھیجا، پتہ چلا کہ وہ شکار تھا تو حنفیہ کے نزدیک یہ حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے شکار کا ارادہ کر لیا تھا۔

---

(1)......سابقہ حوالہ جات۔ (2) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین میں متفق علیہ ہے۔ (نیل الاوطار: ۸/۱۳۰) (3) المغنی: ۸/۵۴۵۔ (4) مغنی المحتاج: ۲/۲۷۶، المغنی: ۸/۵۴۶، المهذب: ۱/۲۵۳۔ (5) ردا لمحتار: ۵/۳۲۸، تکملة الفتح: ۸/۱۸۱، تبیین الحقائق: ۶/۵۴ وما بعدها، الشرح الكبير: ۲/۱۰۶، القوانين الفقهيه: ص۱۷۷، المغنی: ۸/۵۴۵، مغنی المحتاج: ۴/۲۷۴، کشاف القناع: ۶/۲۲۲، ۲۲۵، المهذب: ۱/۲۵۵۔

اگر اس کے خود چلے جانے کے بعد اسے دھتکارا۔ وہ واپس آ گیا۔ مالک نے اسے شکار پر بھڑکایا تو یہ کھایا جائے گا۔ اگر دھتکارنے کے بعد واپس نہ آیا۔ اور اس کو مزید شہ مل گئی تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا شکار حلال ہوگا۔ یہی اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ برانگیختہ کرنا شکاری کا فعل ہونے کے اعتبار سے بھیجنے کی طرح ہے۔ لہٰذا برانگیختہ کرنا بھی بھیجنا شمار کیا جائے گا اس لئے کہ یہ اطاعت کی دلیل ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ مباح نہیں جیسا کہ گزر چکا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں خود بخود جانا اور مالک کا بھڑکانا دونوں جمع ہو گئے ہیں لہٰذا ممانعت والی جہت غالب ہوگی۔ ❶

اگر اس کو کسی معین شکار کی طرف بھیجا۔ اس نے کسی اور کو شکار کر لیا تو حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس نے بھیجا اور کسی معین چیز کا قصد نہیں کیا۔ بس یہ نیت کی کہ شکار کے جانور یا آ لے سے جو چیز بھی شکار ہوگئی تو اگر کسی مخصوص سمت کی طرف بھیجا جیسے غار وغیرہ تو مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق جائز ہے۔ اور اگر سمت متعین نہیں تھی جیسے کھلی زمین، جھاڑیاں وغیرہ یا اس نے ہر اس شکار پر بھیجا تھا جس کا اسے پتہ چل جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر شکاری جانور اچانک چونک اٹھا۔ مالک نے اسے شکار کے لئے بھیج دیا لیکن اسے نظر کچھ نہیں آیا۔ اور جگہ غار اور جھاڑی وغیرہ کی طرح بند نہیں تھی۔ اس لئے شکار کر لیا۔ تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے یہ شکار وہ نہ ہو جس پر وہ چونکا تھا۔ ظاہر ہے کہ شکاری نے اس کی نیت نہیں کی تھی۔ اگر شکاری نے اس کے علاوہ کی بھی نیت کی ہو تو کھایا جائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں کھایا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک معین شکار کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے اپنی طاقت آزمائی کے لئے یا کسی نشانے پر تیر چلایا۔ اور وہ کسی شکار کو جا لگا جس سے وہ مر گیا تو حرام ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے کسی معین شکار کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

تیسری شرط..... تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا۔ جیسے غیر تربیت یافتہ شکاری جانور۔ اس شرط پر سب کا اجماع ہے۔ اگر یقین ہو جائے کہ سدھائے ہوئے نے اکیلے پکڑا اور زخمی کیا ہے تو اسے کھایا جائے گا۔ اگر یقین اس کے برعکس ہو یا شک ہو تو نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ مبیح اور محرم جمع ہو جائیں تو احتیاطاً مبیح کو غالب کیا جاتا ہے۔ اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہی قاتل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ ❷ اگر زندہ حالت میں ملا اور ذبح کر لیا تو بالاتفاق حلال ہے۔

اس شرط کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث سے فرماتے ہیں " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا! میں نے عرض کیا کہ میں اپنا کتا شکار پر چھوڑتا ہوں اس کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شریک ہو جاتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اسے مت کھاؤ! اس لئے کہ آپ نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے دوسرے پر نہیں۔" یوں بھی آتا ہے: " اگر آپ کے اپنے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شامل ہو جائے اور آپ کو خدشہ ہو کہ اس نے شکار پکڑا ہوگا۔ اور شکار قتل کر دیا ہو تو اسے نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ آپ نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی ہے۔" ایک اور جگہ آتا ہے: " آپ کو معلوم نہیں کہ ان میں سے کس نے شکار کیا ہے۔" ❸

چوتھی شرط..... چوتھی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور اپنے شکار کو زخمی کر کے قتل کرے۔ اگر گلہ گھونٹ کر یا ٹکر سے مار دیا تو جمہور ❹ کے

---

❶ ..... اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ایک حدیث بھی مروی ہے: " حلال اور حرام جب بھی جمع ہوتے ہیں تو حرام حلال پر غالب ہوتا ہے۔" اس میں ضعف اور انقطاع ہے (نصب الراية: ۳۱۴/۴) ❷ ردالمحتار: ۳۲۸/۵، تكملة الفتح: ۱۸۰/۸، اللباب: ۲۱۹/۳ وما بعدها، القوانين الفقهيه: ص۱۷۷، بداية المجتهد: ۴۴۶/۱، المهذب: ۲۵۳/۱، المغني: ۵۴۹/۸، كشاف القناع: ۲۱۶/۶۔ ❸ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے درمیان متفق علیہ ہے۔ (نيل الاوطار: ۱۳۴/۸) ❹ رد المحتار: ۳۲۸/۵، تكملة الفتح: ۱۸۰/۸، اللباب: ۲۱۹/۳، الشرح الكبير: ۱۰۲/۳۔۱۰۴، بداية المجتهد: ۴۴۱/۱، ۴۴۴، ۴۴۷۔ المغني: ۵۴۵/۸، كشاف القناع: ۲۲۲/۶۔

نزدیک مباح نہیں ہوگا۔ سوائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اس لئے کہ زخم کے بغیر قتل کرنا پتھر اور بندوق کی گولی سے قتل کرنے کی طرح ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے چوٹ سے مرنے والے کو حرام کیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہلے گزر چکا ہے کہ: ''جو خون بہائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہوا ہو اسے کھاؤ۔'' اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ خون بہائے بغیر شکار حلال نہیں ہوتا۔ اس بناء پر زخمی کرنا شرط ہوگا۔ یہ میرے نزدیک بہتر ہے۔ اس لئے کہ چوٹ سے مرنے والا قرآن اور اجماع کی وجہ سے حرام ہے اور زخمی کرنا شکار کی ذبح ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں ❶ کہ اگر شکاری جانور نے شکار پر اپنا بوجھ ڈالا اور اپنے وزن سے اس کو قتل کر دیا تو ظاہر یہ ہے کہ حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے:

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدۃ: ۵/ ۴

''وہ جس جانور کو شکار کر کے تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔''

''وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔'' اور اس لئے بھی کہ شکاری جانور کو ایسی تعلیم دینا بہت مشکل ہے کہ وہ صرف زخم ہی سے قتل کرے۔ اسی طرح حضرت عدی رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی عام ہے۔ ''آپ نے کسی کتے یا باز کو تعلیم دی پھر اسے بسم اللہ پڑھ کر شکار چھوڑا تو وہ جو کچھ پکڑیں اس کے کھاؤ۔'' میں نے کہا: ''اگرچہ وہ قتل کر دیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگرچہ اس نے قتل کر دیا ہو لیکن اس میں سے کھایا کچھ نہ ہو۔ اس لئے کہ اس نے آپ کے لئے روکا ہے۔'' ❷

پانچویں شرط...... یہ ہے کہ شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔ اگر کچھ کھالیا تو مباح نہیں ہوگا۔ اس شرط کو پہلی شرط میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ یہ شرط مالکیہ کو چھوڑ کر جمہور کے نزدیک ہے۔ حنابلہ کی اصح روایت بھی یہی ہے۔ کتے اور دوسرے درندوں کے بارے میں حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور متاخرین مالکیہ (مشہور قول کے مطابق) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس شکار کو کھانا جائز ہے جس میں سے کتے یا دوسرے شکاری پرندوں نے کھالیا ہو۔

حنفیہ اور حنابلہ کے بعض مصنفین جیسے ''کشاف القناع'' ❸ کے مصنف فرماتے ہیں کہ اگر شکاری کتے نے شکار میں سے کھالیا تو اسے کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اگر اس نے کھالیا تو نہ کھاؤ اس لئے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا تھا۔'' اور اگر شکاری پرندے باز، شکرہ، عقاب، شاہین وغیرہ نے شکار میں سے کھالیا تو اس کا کھانا مباح ہے۔ اس لئے کہ ان کی تعلیم یہ ہے کہ جب بھیجا جائے تو چلے جائیں اور جب بلایا جائے تو واپس آجائیں۔ ان کے کھانا چھوڑنے کا اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگر کتا کھالے تو نہ کھاؤ اور اگر شکرہ کھالے تو کھاؤ۔''

جمہور کی دلیل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ''جب آپ اپنے تربیت یافتہ کتے پر بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں تو جو کچھ وہ پکڑے اسے کھالیں۔'' میں نے عرض کیا: ''اگرچہ وہ قتل کر لے۔'' فرمایا: ''اگرچہ قتل کر لے۔ الا یہ کہ کتا اس میں سے کھالے۔ اگر اس نے کھالیا تو آپ نہ کھائیں۔ اس لئے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہے۔'' آیت قرآنی کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے:

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدۃ: ۵/ ۴

''وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں اس میں سے تم کھا سکتے ہو۔''

---

❶ مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۶۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (نیل الاوطار: ۸/ ۱۳۰) ❸ رد المحتار: ۵/ ۳۲۸، اللباب: ۳/ ۲۱۸، تبیین الحقائق: ۶/ ۵۲، تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۷۵، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۴۳ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۴/ ۲۷۵، المغنی: ۸/ ۵۴۳، کشاف القناع: ۶/ ۲۲۱۔

اور امساک (روکنا) شکار میں سے نہ کھانے سے ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ شکاری جانوروں کی تعلیم کی ایک اہم خاصیت شکار میں سے نہ کھاتا ہے۔

مالکیہ نے اپنے مشہور قول پر اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک روایت پر آیت **فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ** کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ اور حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم سے بھی استدلال کیا ہے: ''جب آپ اپنے تربیت یافتہ کتے کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجیں تو اس کا شکار کھالیں۔'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اگر وہ اس میں سے کھالے۔'' فرمایا ''اگر چہ کھالے۔'' انہوں نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث کو ندب پر محمول کیا ہے۔ اور اس کو جواز پر۔ اور اس لئے بھی کہ یہ تربیت یافتہ شکاری جانور کا شکار ہے۔ اس لئے مباح ہوگا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے نہ کھایا ہو۔ اس لئے کہ کھانا بھوک کی شدت یا شکار پر غصے کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔

دیکھا جائے تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ والی حدیث حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ وہ متفق علیہ ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اضبط ہیں۔ ان کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حکم اور علت دونوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ متاخرین مالکیہ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ❶ ہیں: ان کی یہ بات حدیث کی نص اور کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ......المائدۃ: ۵/ ۴

اور اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے کھالیا تو آپ نہ کھائیں: اس لئے کہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے روکا ہوگا۔

چھٹی شرط...... مالکیہ ❷ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ شکاری جانور شکار کو چھوڑ کر واپس نہ آئے۔ اگر وہ کلی طور پر واپس آ گیا تو شکار نہیں کھایا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ کسی اور شکار میں مشغول ہوگیا یا جس کو کھا رہا تھا، تو نہیں کھایا جائے گا۔ یہ سب شرطیں اس وقت ہیں کہ اگر شکاری جانور نے اسے قتل کر دیا ہو۔ اگر قتل نہ کیا ہو اور شکاری نے اسے زندہ حالت میں پکڑ لیا ہو تو ذبح کر کے کھالے۔

تیسرا مقصد: شکار کی شرطیں...... مالکیہ نے شکار کے حلال ہونے کے لئے پانچ شرطیں لکھی ہیں۔❸ حنفیہ نے بھی پانچ شرطیں ❹ ذکر کی ہیں لیکن حنفیہ کے ہاں ذکر کردہ تین شرطوں کو ایک شرط بنایا جاسکتا ہے۔

میں ان شرطوں کو مالکیہ کے طریقے کے مطابق ذکر کروں گا اس لئے کہ وہ زیادہ باریک اور جامع ہیں۔ ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ حنفیہ ❺ کے نزدیک جنگل کے حلال جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح حرام جانوروں کا شکار بھی اس لئے کہ یہ ان کی کھال، بالوں اور سینگوں سے فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ اور ان کے شر سے بچنے کا سبب ہے۔

پہلی شرط......شکار کو شرعاً کھانا جائز ہو۔ اس لئے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام جانور میں ذبح اور شکار مؤثر نہیں۔ حنفیہ نے اس شرط کو یوں ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی کچلیوں یا شکاری پنجوں سے قوت حاصل کرنے والا نہ ہو، حشرات میں سے نہ ہو اور آبی جانور نہ ہو۔ سوائے مچھلی کے اس لئے کہ آبی جانوروں میں سے ان کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے۔

دوسری شرط......وہ وحشی ہو کہ انسان اس کو اس کی اصلی خلقت میں پکڑنے سے عاجز ہو۔ جیسے جنگلی جانور اور پرندے۔ اگر وہ گھریلو جانور ہو جیسے اونٹ، گائے، بکری اور پھر وحشی بن جائے تو مالکیہ کے نزدیک اسے شکار کر کے نہیں کھایا جائے گا۔ دیگر ائمہ کے نزدیک کھا سکتے

❶......بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۴۴۔ ❷القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۷۔ ❸القوانین الفقھیہ: ص ۱۷۷ وما بعدھا، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۴۴۔
❹ردالمحتار: ۵/ ۳۲۸۔ ❺الکتاب مع اللباب: ۳/ ۲۲۳۔

ہیں۔اس لئے کہ اس وقت شکار کو ذبح اضطراری سمجھا جاتا ہے۔جو کہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔جیسا کہ قربانی کی اقسام کی بحث میں گزر چکا ہے۔

اگر وحشی جانور مانوس ہو کر گھریلو جانور جیسا بن جائے اور پھر دوبارہ بھاگ جائے تو مالکیہ کے نزدیک شکار کر کے کھایا جاسکتا ہے۔اسی طرح ان کے نزدیک کبوتر وغیرہ مانوس ہونے کے بعد بھاگ جائیں تو ان کو زخمی کر کے کھایا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ یہ سب شکار ہے۔حنفیہ نے اس شرط کو یوں تعبیر کیا ہے کہ وہ اپنے پروں یا پاؤں کے ذریعے سے اپنی حفاظت کر سکے۔

تیسری شرط......وہ زخم سے مرنے شکاری جانور کی ٹکر، رعب یا خوف سے نہ مرے۔یہ شرط شافعیہ کے سوا جمہور کے نزدیک ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ایسا شکار کھانے کی اجازت ہے جس کو شکاری جانور نے اپنے وزن سے قتل کیا ہو۔مثلاً اس کو اپنے سینے یا پیشانی سے ٹکر مار کر قتل کیا ہو۔زخمی نہ کیا ہو۔جیسا کہ شکار کے آلے کی شرطوں میں گزر چکا۔

چوتھی شرط......شکاری کا شکار اس کی نظروں سے غائب رہا۔اب اس کے بارے میں یہ شک نہیں ہونا چاہئے کہ یہ وہی شکار ہے یا کوئی اور ہے۔اور یہ کہ اسے آلے نے قتل کیا ہے یا نہیں۔اگر اسے شک ہوا تو شکار نہیں کھایا جائے گا۔اگر شکار رات کے وقت گم ہو گیا۔پھر صبح کے وقت مردہ حالت میں ملا تو مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا۔دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اس کا کھانا مباح ہے۔بشرطیکہ اس کی تلاش میں لگا رہا ہو یا اسے چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔اور یقین ہو کہ یہ اسی کا شکار ہے۔

پانچویں شرط......اگر شکار اسے زندہ حالت میں ملے اور اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو تو اسے ذبح کرے۔اس لئے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اگر وہ آپ کو زندہ حالت میں ملے تو اسے ذبح کرو۔'' اگر مردہ حالت میں ملے یا اس کے مقاتل کٹ پھٹ گئے ہوں یا اس کی زندگی حیات مذبوح جیسی ہو یا اس کے مقابلے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اسے ذبح کرنے سے عاجز ہوا اور اسی حالت میں بغیر ذبح کئے مر جائے تو اسے بالاتفاق بغیر ذبح کے کھایا جائے گا۔❶

اگر شکاری جانور نے شکار کو اس پر قدرت حاصل ہونے سے پہلے قتل کر دیا تو کھایا جائے گا بشرطیکہ اسے زخمی کر کے قتل کرے جیسا کہ آلہ شکار کی شرطوں میں گزر چکا ہے۔حنابلہ نے تصریح کی ہے کہ اگر شکاری کے پاس ذبح کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو شکاری جانور کو بھڑکائے تا کہ وہ اسے قتل کر دے۔ایسا شکار ان کے نزدیک کھایا جائے گا۔❷ اس لئے کہ اس حالت میں عام طور پر ذبح اختیاری ممکن نہیں ہوتی اس لئے ذبح اضطراری جائز ہو گی۔لیکن اکثر علماء کے نزدیک اسے نہیں کھایا جائے گا۔اس لئے کہ اس شکار پر قدرت حاصل ہے اس لئے شکاری جانور کے قتل کرنے سے یہ حلال نہیں ہو گا۔جیسا کہ مویشی (انعام) اس طرح حلال نہیں ہوتے۔اسی طرح اگر اس کو صحیح وسالم پکڑا ہوتا۔

تیسری بحث: حنفیہ کے نزدیک جس حیوان کا شکار مباح ہے......حنفیہ کے نزدیک ❸ بحری، بری اور حلال وحرام سب جانوروں کا شکار مباح ہے۔البتہ حلال جانوروں کا شکار اس کے گوشت اور دیگر اجزاء کے لئے ہوتا ہے اور حرام جانوروں کا شکار اس کی کھال، بال یا ہڈیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہوتا ہے یا اس کے خطرے اور شر سے بچنے کے لئے۔مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔جیسا کہ پہلے گزر

---

❶......تکملة الفتح: ۱۷۸/۸ وما بعد، تبيين الحقائق: ۵۳/۶، اللباب مع الكتاب: ۲۱۹/۳ وما بعدها، القوانين الفقهيه: ص ۱۷۸، المهذب: ۲۵۳/۱، المغنى: ۵۴۷/۸ و ما بعدها، مغنى المحتاج: ۲۶۹/۴۔ ❷ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔وہ کہا کرتے تھے۔''اگر آپ کو شکار زندہ حالت میں ملے اور آپ کے پاس ذبح کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس پر کتوں کو بھیج دو تا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔'' امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے۔ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدہ: (۴/۵)۔(روایۃ المجتہد: ۴۴۵/۱) ❸ البدائع: ۶۱/۵، الكتاب مع اللباب: ۲۲۳/۳، تكملة الفتح: ۱۸۸/۸، تبيين الحقائق: ۶۱/۶ و مابعدها۔

چکا ہے کہ کن جانوروں کو ذبح کیا جائے گا۔لیکن حرم (مکہ، مدینہ) میں موذی جانور کے سوا کسی کا شکار بالاتفاق مباح نہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا العنکبوت:۶۷/۲۹

''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ کے شکار کے بارے میں فرمایا:''اس کے شکار کو نہ بھگاؤ'' ❶ اسی طرح حرم مدینہ کے شکار کے بارے میں فرمایا:''اس کے شکار کو نہ بھگاؤ۔'' ❷ ان میں سے ایذا پہنچانے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے خارج ہو گئے:''پانچ برے جانور حرم اور حرم سے باہر ہر جگہ قتل کئے جائیں گے۔کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ ❸

سمندر کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے مباح ہے۔اور خشکی کا شکار محرم کے لئے حلال نہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ المائدۃ:۹۶/۵

''تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''حالت احرام میں تمہارے لئے خشکی کے شکار کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ وہ تم نے خود شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لئے نہ کیا گیا ہو۔'' ❹ حضرت صعب بن جثامہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک جنگلی گدھا (گورخر) بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ابواء یا ودان (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ) میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس فرما دیا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر دل شکستگی کے آثار دیکھے تو فرمایا:''ہم اس کو واپس نہ کرتے لیکن ہم حالت احرام میں ہیں۔'' ❺

چوتھی بحث: شکاری شکار کا مالک کب بنتا ہے؟

حنفیہ......درمختار اور ردالمحتار ❻ میں لکھا ہے کہ ملکیت کے اسباب تین ہیں۔مالک سے مالک کو منتقلی جیسے خرید و فروخت اور ھبہ، مالک سے جانشین کو منتقلی جیسے وراثت۔اور اصل کے اعتبار سے مالک بننا یعنی مباح الاصل چیز پر ہاتھ رکھ کر حقیقی قبضہ کرنا جیسے مردہ زمین کو آباد کرنا (احیاء الموات)۔یا تیاری کر کے حکمی قبضہ کرنا جیسے جال لگا کر شکار کرنا۔ایسا شکار جو مباح ہو اور کسی اور کی ملکیت میں نہ ہو۔اگر شکار کسی کی ملکیت میں ہو تو یہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔اگر جنگل میں پڑی کسی کی لکڑیوں پر قبضہ کر لیا تو مالک نہیں بنے گا۔

حکمی قبضہ اس چیز کے استعمال سے مکمل ہوتا ہے جس کی وضع شکار کرنے کے لئے ہو۔لہٰذا اگر کسی نے جال نصب کیا اور اس میں شکار پھنس گیا تو یہ اس کا مالک بن جائے گا شکار کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔اور اگر اس نے جال مثال کے طور پر خشک کرنے کے لئے رکھا ہوا تھا تو مالک نہیں

❶ ......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔(نیل الاوطار:۲۵/۵) ❷ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام اصحاب ستہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔(جامع الاصول:۱۹۳/۱۰)۔ ❸ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اور روایات بھی ہیں۔بعض میں چیل کی جگہ سانپ کا ذکر ہے۔یہاں تک کہ نو ہو جاتے ہیں۔(نیل الاوطار:۲۶/۵) ❹ اس کو پانچوں (احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب السنن) نے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار:۲۳/۵) ❺ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، موطا، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔(جامع الاصول:۴۱۹/۳) ❻ ۳۲۹/۵۔

بنے گا۔اس لئے کہ یہ ارادہ شکار کرنے کے مغائر ہے۔اگر اس نے خیمہ نصب کیا اگر شکار کی نیت کی تو مالک بنے گا ورنہ نہیں بنے گا۔اس لئے کہ خیمے کو شکار کے لئے نہیں بنایا گیا۔اگر شکار کسی آدمی کے گھر میں داخل ہو گیا۔مالک نے اسے دیکھ کر دروازہ بند کر لیا۔اور صورت حال یہ بن گئی کہ وہ جال یا تیر سے شکار کئے بغیر اس کو پکڑنے پر قادر ہو گیا۔تو اس کا مالک بن جائے گا۔اگر اس نے لاعلمی میں دروازہ بند کیا تو مالک نہیں بنے گا۔

اگر کسی نے پھندا لگایا اور اس میں شکار پھنس گیا۔اس نے اسے کاٹا اور شکار چھوٹ گیا اور کسی اور نے پکڑ لیا تو یہ دوسرا آدمی اس کا مالک بن جائے گا۔اگر پھندے کا مالک اس سے لینے کے لئے آیا اور اتنا قریب آ گیا کہ اس سے لے لے اتنے میں شکار پھر چھوٹ گیا تو پکڑنے والا مالک نہیں بنے گا۔اسی طرح جال کے پانی سے نکالنے سے پہلے اگر شکار چھوٹ گیا اور کسی دوسرے نے پکڑ لیا تو یہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔اس کا مالک جال والا ہوگا۔لیکن اگر جال والے نے شکار کو پانی سے باہر ایسی جگہ پھینکا جہاں سے لے سکے۔مگر شکار پانی میں گر گیا اور دوسرے نے اٹھالیا۔تو یہ اٹھانے والا مالک بن جائے گا۔

کسی نے شکار پر تیر چلایا اور وہ اسے لگ گیا۔لیکن شکار زخم سے نڈھال نہیں ہوا اور حیز الامتناع سے نہیں نکلا۔(یعنی دوسرے کی پہنچ میں رہا) پھر کسی اور نے تیر مار دیا اور شکار کو قتل کر دیا یا حیز امتناع سے نکال دیا یعنی کسی اور کی پہنچ میں نہیں رہا۔تو یہ دوسرے تیر انداز کا ہوگا۔اس لئے کہ پکڑنے والا وہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''شکار اسی کا ہے جو اسے پکڑے۔''❶

اگر پہلے تیر انداز نے شکار کو اتنا نڈھال کر دیا تھا کہ حیز الامتناع (نا قابل پہنچ جگہ) سے نکال دیا تھا اور اس کی دسترس میں آ گیا تھا۔پھر دوسرے تیر انداز نے تیر چلا کر قتل کر دیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔اس لئے کہ ممکن ہے موت دوسرے تیر سے ہوئی ہو۔اور اس کو شرعی ذبح نہیں کہا جا سکتا۔اس لئے کہ ذبح اختیاری ممکن ہو گئی تھی۔دوسرا تیر انداز پہلے کو تاوان میں قیمت ادا کرے گا۔اس لئے کہ اس نے تیر چلا کر دوسرے کے شکار کو ضائع کر دیا۔پہلا شکاری کاری وار سے شکار کا مالک بن گیا تھا۔البتہ اس کی قیمت وہ مقرر کی جائی گی جو زخمی ہونے کی حالت میں تھی۔اس لئے کہ دوسرے تیر انداز نے اسے جب ضائع کیا اس وقت وہ زخمی تھا۔اور تلف شدہ چیز کی وہ قیمت مقرر کی جاتی ہے جو تلف کے دن ہو۔❷

مالکیہ.......مالکیہ ❸ کا قول بھی حنفیہ کی طرح ہے کہ شکاری اس وقت تک شکار کا مستحق نہیں بنتا جب تک کہ وہ اس کو پکڑ نہ لے یا اس پر ہاتھ نہ رکھ لے۔اگر ایک آدمی نے شکار دیکھا اور دوسرے نے اس کو شکار کر لیا تو وہ شکار کرنے والے کو ملے گا۔اگر ایک آدمی نے شکار کیا پھر اس سے بھاگ گیا اور دوسرے نے شکار کر لیا تو اس میں اختلاف ہے کہ پہلے کو ملے گا یا دوسرے کو۔لیکن اگر پہلے شکاری کے بعد وہ وحشی بن گیا پھر دوسرے نے شکار کیا تو دوسرے کو ہی ملے گا۔

اگر کسی نے شکار کو دھتکارا اور وہ کسی کے گھر میں داخل ہو گیا۔اگر اس نے مجبور کیا تھا تو اسی کا ہوگا۔اگر مجبور نہیں کیا تھا تو مالک مکان کا ہوگا۔

شافعیہ......شافعیہ ❹ کا قول بھی حنفیہ اور مالکیہ کی طرح ہے کہ شکاری شکار کا مالک یا تو عملی قبضے سے بنتا ہے یعنی اس پر ہاتھ رکھنے سے اور اس کو پکڑنے سے چاہے اس کا مالک بننے کی نیت ہو یا نہ ہو جیسا کہ تمام مباح چیزوں میں ہوتا ہے۔یا مالک بننے کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ شکار کی نیت سے شکار کرے۔

---

❶......علامہ زیلعی اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ غریب ہے۔درایہ میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔اس سند کے ساتھ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (نصب الرایة: ۳۱۸/۴) ❷تکملة الفتح:۱۸۷/۸، تبیین الحقائق:۶۰/۶، اللباب مع الکتاب:۲۲۲/۳ وما بعدھا۔ ❸القوانین الفقھیه: ص۱۷۸ وما بعدھا۔ ❹مغنی المحتاج:۲۸۲۔۲۷۸/۴؛ المھذب: ۲۵۷۔۲۵۵/۱۔

ہاتھ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً شکار کو ہاتھ سے پکڑ لے یہ ملکیت کا سبب ہوتا ہے اگر چہ مالک بننے کا قصد نہ کیا ہو۔ البتہ اس میں ضروری ہے کہ اس شکار پر کسی کی ملکیت کی علامت نہ ہو جیسے شکار رنگا ہوا ہونا۔ اس کے پر کٹے یا کترے ہوئے ہونا۔ اسی طرح شکاری بھی محرم یا مرتد نہ ہو۔ اگر شکاری نے شکار کو دیکھنے کے لئے پکڑا تو اس کا مالک ہو جائے گا اس لئے کہ وہ مباح ہے۔ لہٰذا دوسرے مباحات کی طرح ہاتھ رکھنے سے ہی مالک ہو جائے گا۔

اسی طرح شکار کرنے سے بھی شکار کا مالک بن جاتا ہے۔ مثلاً کوئی مہلک زخم لگانے سے یا اس کا بازو توڑ دینے سے تاکہ وہ اڑنے اور بھاگنے کے قابل نہ رہ سکے۔ اسی طرح اگر اس نے کوئی جال نصب کیا ہوا تھا اس میں کوئی شکار پھنس گیا تو اس کا بھی مالک بن جائے گا۔ چاہے وہ موقع پر موجود ہو یا نہ ہو۔ اور اس نے جال کی طرف دھتکارا ہو یا نہ ہو اور جال مباح ہو یا غصب کیا ہوا ہو۔ اس لئے کہ وہ اس سے قابض سمجھا جاتا ہے۔ ان سب صورتوں میں ہاتھ رکھے بغیر مالک بن جائے گا۔

اسی طرح اگر اس نے شکار کو کسی تنگ جگہ جانے پر مجبور کر دیا کہ اب وہ بھاگ نہیں سکتا تو بھی مالک ہو جائے گا۔ جیسے کسی گھر وغیرہ میں بند کر دیا۔ چاہے وہ گھر غصب کا ہی کیوں نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ شکار اس کے قابو میں آ گیا ہے۔

شکار کا ارادہ ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی نے شکار دیکھا اور اسے پتھر سمجھا یا شکار کے علاوہ کوئی اور حیوان سمجھا اور اسے تیر مار کر قتل کر دیا تو اس کو کھانا جائز ہوگا اور وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے ارادی فعل سے قتل کیا ہے۔ وہ حقیقت سے لاعلم تھا۔ اور اس مسئلے میں لاعلمی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اس نے اپنے ملک میں شکار کا قصد کیا۔ اور کیچڑ وغیرہ میں پھنس جانے کی وجہ سے اس پر قدرت حاصل ہوئی۔ تو صحیح یہ ہے کہ مالک نہیں بنے گا۔ اس لئے کہ ایسی چیزوں سے شکار نہیں کیا جاتا۔ اور مالک بننے کے لئے قصد ضروری ہے۔ البتہ اس سے دوسروں سے زیادہ حق دار بن جائے گا۔

اگر ایک بار مالک بن گیا تو چھوٹ جانے کے بعد بھی مالک رہے گا۔ اگر کسی کو مل جائے تو واپس کرنا ضروری ہوگا۔ اور صحیح یہ ہے کہ مالک کے اس کی طرف بھیجنے سے بھی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس سے ہاتھ اٹھالینا ملکیت ختم ہو جانے کا تقاضا نہیں کرتا۔ جیسے اگر اس نے اپنا جانور کھلا چھوڑ دیا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو جانتے ہوئے بھی شکار کر ڈالے۔

مشترکہ شکار...... اگر دو آدمیوں نے یکے بعد دیگرے شکار کو زخمی کیا اگر شکار کو دوسرے نے قتل کیا ہو یا قابل رسائی بنا دیا ہو نہ کہ پہلے نے، تو شکار دوسرے کا ہوگا۔ اس لئے کہ اس کو اسی کے زخم نے قابل پہنچ بنایا ہے۔ اور پہلے پر زخمی کرنے کی وجہ سے تاوان وغیرہ کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس وقت شکار مباح تھا۔

اگر پہلے نے اسے قابل رسائی بنایا اور اس کے ساتھ دوسرے کا فعل بھی مل گیا کہ اس نے حلق اور نرخرہ کاٹ دیا تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اس لئے کہ موت ذبح کرنے والے کے فعل سے واقع ہوئی ہے۔ البتہ ذبح کی وجہ سے شکار میں جو کمی ہوئی ہے اس کا تاوان ذبح کرنے والے پر لازم ہوگا۔ اور اگر دوسرے نے حلق اور نرخرہ کاٹے بغیر قتل کیا بالکل قتل ہی نہیں کیا بلکہ وہ دونوں زخموں کی وجہ سے مر گیا تو وہ حرام ہوگا۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں شکار پر قدرت حاصل ہو گئی تھی۔ اور جس پر قدرت حاصل ہو وہ ذبح اختیاری کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔ اور دوسری صورت میں مبیح اور محرم جمع ہو گئے ہیں۔ اس لئے محرم غالب رہے گا۔ اور دوسرا پہلے کو تاوان دے گا اس لئے کہ اس نے اس کی ملکیت فاسد کر دی ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے حنفیہ نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس مسئلے میں اور آنے والے مسائل میں حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر دونوں نے ایک ساتھ زخمی کیا اور ان دونوں کے زخموں سے شکار مر گیا یا قابل پہنچ ہو گیا تو شکار دونوں کا ہوگا۔ اس لئے کہ دونوں اپنی اپنی زخموں کی وجہ سے ملکیت کے سبب میں شریک ہو چکے ہیں۔

اگر دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے بغیر شکار کو قابل پہنچ بنا دیا یا قتل کر دیا تو شکار اسی کا ہوگا اس لئے کہ ملکیت کے سبب میں وہ اکیلا ہے۔اور اگر پتہ نہ چلا کہ شکار کو کسی ایک نے قتل کیا ہے یا دونوں نے تو یہ شکار دونوں کا ہوگا۔اس لئے کہ وجہ ترجیح کوئی نہیں۔اگر ایک نے ذبح کی جگہ کے علاوہ کسی جگہ سے زخمی کر کے قتل کیا اور دوسرے نے قابل پہنچ بنایا۔اور پہلے کا پتہ نہ چلا تو شکار حرام ہوگا۔اس لئے کہ ممنوع اور مباح جمع ہو گئے ہیں۔اس لئے ممنوع کو ترجیح دی جائے گی۔

حنابلہ......❶ حنابلہ کا مسلک بھی شافعیہ کی طرح ہے کہ شکار کے ارادے سے شکار کرنے یا اس کو پکڑنے سے آدمی اس کا مالک بن جاتا ہے۔اگر اس نے کسی کے گھر میں لگے درخت پر بیٹھے پرندے پر تیر چلایا۔جس سے وہ پرندہ ان کے گھر میں گر گیا۔تو وہ تیرانداز کا ہوگا۔اس لئے کہ وہ پرندے کو قابل پہنچ بنا کر اس کا مالک بن گیا ہے۔

اگر کسی نے شکار کے لئے خیمہ، جال یا پھندا لگایا۔اس میں شکار پھنس گیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔اس لئے کہ یہ اس کے قبضے میں آ گیا ہے۔اسی طرح اگر وہ شکار کو ایسی تنگ جگہ لے آیا کہ جس سے بھاگ نہ سکے۔یا اس نے اپنے گھر میں بند کر دیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔اگرچہ اس نے مالک بننے کا قصد نہ کیا ہو۔اس لئے کہ یہ اس کے قبضے میں آ گیا ہے۔

اگر کسی نے مچھلیاں شکار کرنے کے لئے حوض بنایا تو جو مچھلیاں اس میں آئیں گی وہ ان کا مالک بن جائے گا۔جیسے جال سے کیا گیا شکار۔اگر اس نے حوض سے مچھلیوں کے شکار کا ارادہ نہیں کیا تو وہ آنے والی مچھلیوں کا مالک نہیں بنے گا۔اگر کوئی کشتی میں تھا۔ایک مچھلی نے چھلانگ لگائی اور اس کی گود میں آ گری تو یہ اسی کی ہوگی۔کشتی والے کی نہیں ہوگی۔اس لئے کہ مچھلی مباح شکار ہے۔پہل کرنے والا اس کا مالک بن جاتا ہے۔شکاری جو شکار کے قرب وجوار میں شکار کے اسباب استعمال کرتا ہے جیسے روشنی، گھنٹی وغیرہ تو وہ اس سے اس کا مالک بن جاتا ہے۔اگر اس نے اپنے فعل سے شکار کا قصد نہ کیا ہو اور اس کے ساتھ والے سوار کی گود میں مچھلی گر جائے تو وہ اسی کی ہوگی۔اس لئے کہ اس نے مباح چیز پر قبضہ کیا ہے۔اگر مچھلی کشتی میں گری تو کشتی والے کی ہوگی۔

اگر کسی کے جال میں شکار پھنس گیا۔اور اس کا قبضہ اس پر ثابت ہو گیا پھر کسی نے اور نے اس کو پکڑ لیا تو جال کے مالک کو واپس لوٹانا لازم ہے۔اس لئے کہ اس نے اپنے آلے کے ذریعے سے اس کو اپنا لیا ہے۔اور اگر جال اسے نہ روک سکا اور وہ اسی وقت چھوٹ گیا یا اس نے جال پھاڑ دیا اور اس سے نکل گیا چاہے کچھ وقت بعد کیوں نہ ہو......تو جال والا مالک نہیں بنے گا۔اس لئے کہ وہ اس پر قبضہ نہیں کر سکا۔اگر کوئی دوسرا اس کو شکار کرے گا تو مالک بن جائے گا۔اگر شکار جال کو ساتھ لے کر بھاگ گیا اور کسی نے اسے شکار کر لیا اس کے ناقابل پہنچ ہوتے ہوتے تو دوسرا شکاری اس کا مالک ہو جائے گا۔جال مالک کو واپس کرنا ہوگا۔اس لئے کہ پہلا شکاری شکار کا مالک تھا۔اگر جانور جال کو ساتھ لے گیا اور وہ امتناع پر قادر نہیں تھا تو وہ مالک کا ہی ہوگا۔اس لئے کہ اس نے اسے قابل پہنچ بنا دیا ہے۔یہ ایسے ہی ہے جیسے مالک بننے کے بعد شکار چھوٹ گیا ہو۔

نوٹ......قدیم ترتیب میں مؤلف نے اس کے بعد النظریات الفقہیہ کی تین قسمیں ذکر کی تھیں بعد ازاں جدید ترتیب میں ان ابحاث کو یہاں سے نکال کر آخری جلد میں نظریات کی تمام ابحاث کو یکجا کر دیا گیا۔ لہٰذا ہم نے بھی جدید ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے نظریات کی تمام ابحاث کو جلد نمبر ۱۱ میں یکجا کر دیا ہے۔وہاں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

---

❶......كشاف القناع: ۲۲۳/۶ وما بعدها، المغني: ۵۵۹/۸۔۵۶۴۔